

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَفْئِدَةً يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ

# الْبَيْتُ الْمَقْدِسُ

شرح أرو

## مَشْكُوتُ الْمَضَيَّعِ

جلد اول

از فادائے

أُسْتَاذُ الْعُلَمَاءِ شَيْخُ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ عَلَامَهُ  
أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدِ الْغَفَنِ جَابِرُ بْنُ جَابِرٍ رَحِمَهُ الْقُرْبَى

ترتیب و مراجعت

أَبُو لَاسِعْدٍ يُونُسُ بْنُ جَابِرٍ رَوَى



فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ فَلَاحُقٌ بِهِ تَرْجُمَانٌ مُتَّبِعٌ صَدْرُهُ لِلْإِسْلَامِ

# اسْعَادُ الْمَفْتِيحِ

شرح اردو

## مَشْكُوتُ الْمَضِيحِ

جلد اول

از قادیان

استاذ العلماء شیخ القرآن والحديث علامہ

ابو محمد عبد الغنی جابر بن جبریل

ترتیب و مراجعت

ابن لایس علی بن یوسف بن جبریل

مکتبۃ الحسن

33 - حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

042-37241355



## ضابطہ

جملہ حقوق طبع و نشر و ترجمہ بذمہ ادارہ تحقیقات غنیہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب: ..... اسماعیل الہفناجی شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح (اول)

ترجمات: ..... علامہ امجد علی عثمانی جاجروی

ترتیب و مراجعت: ..... ابو الاسعد یوسف جاجروی

طبع اول: ..... شعبان ۱۴۲۳ھ اکتوبر ۲۰۰۴ء

طبع دوم: ..... شعبان ۱۴۲۴ھ اگست ۲۰۱۰ء

کتابت: ..... ابوالقاسم شبیر احمد فاروقی

بالانتہام: ..... ادارہ تحقیقات غنیہ ریحیو یارخان

نشر: ..... مکتبہ الحسن ۳۳ حق ستریت اردو بازار لاہور ۰۴۲-۳۷۲۴۱۳۵۵

تعداد: ..... کیا رسو (-)

## منہ کے پتے

مکتبہ سید احسان شہید اردو بازار لاہور	لاہور	★
ادارہ نشر و اشاعت نرد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ	گوجرانوالہ	★
مکتبہ حقانیہ سونی کیس روڈ گوجرانوالہ		
کتاب خانہ شہیدہ راجہ بازار واولپنڈی	ر واولپنڈی	★
مکتبہ رشیدیہ نیپٹی چوک اقبال مارکیٹ واولپنڈی		
مکتبہ صفدریہ مصریال روڈ ایمد پلازہ واولپنڈی		
مکتبہ شہید اسلام مرکزی جامع لال مسجد اسلام آباد	اسلام آباد	★
مکتبہ فریدی ای سیرن اسلام آباد		
کشمیر بک ڈپو چکوال	چکوال	★
مکتبہ سراجیہ نزد غنہ منڈی ساہیوال	ساہیوال	★
مکتبہ القرآن امین پور بازار فیصل آباد	فیصل آباد	★
مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان	ملتان	★
مکتبہ سراجیہ سہلانیت چوک سرگودھا۔ اسمعی کتب خانہ بہاول ڈبئی گلی سرگودھا	سرگودھا	★
دارالافتاح اکیڈمی محلہ جنکی پشاور	پشاور	★
مکتبہ الآخر	مردن	★
مکتبہ تحبیل دفتر جامعہ خدیجۃ الکبریٰ بالمقابل گڑا سسٹمز ڈیورہ اسماعیل خان	ڈیورہ اسماعیل خان	★
مکتبہ احیاء العلوم تخت نصرتی طبع کرک	کرک	★
مکتبہ الاحسان گرین مارکیٹ چوک بازار بنوں	بنوں	★
مکتبہ الہدیہ کمال پلازہ کوہاٹ	کوہاٹ	★

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

والدین مکررین کے نام  
جن کی  
علی و علی تربیت  
اور دعائے محرکات ہی  
نے مجھ ایسے  
کم مایہ کو اس  
قابل بنایا کہ  
ضیوث الرحمن  
رہنی تلافیہ کہ  
خدمت مرے ایک مفید تالیف پیش کر سکا۔!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے لوری پہ روتی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چین میں دیدہ و پیدا



## هَدِيَّة تَبَرُّك

یہ ہدیہ اُمّتِ مُسلّمہ کے ان خوش نصیب فرزندوں کی خدمت میں پیش کرنے کی جہالت کر رہا ہوں یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جن کے لیے کائنات کی سب سے بڑی مبارک و بکرم و مستجاب الدعوات شخصیت (نداء الی ذاتی) صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دعا کی ہے۔

نَصَرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَ  
وَعَاَهَا وَاِذَا هَا قُرِئَتْ حَامِلٌ فَقِيهِ غَيْرِ فَقِيهِ  
وَمُرَّتْ حَامِلٌ فَقِيهِ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ -

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری بات کو سنا اور سُن کر یاد کر لیا، پھر اس کو محفوظ رکھا اور اس کو آگے پہنچا دیا (ایسے شخص کی یہ خدمت واقعی قابلِ قدر ہے) اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض دین کی بات محفوظ رکھنے والے ایسے ہوں جو خود اس کی زیادہ گہری سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ ملے کسی شخص کو یہ بات پہنچائے جو اس سے زیادہ فقہی بصیرت رکھنے والا ہو۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو یہ دعائیں پڑھ رہے ہیں۔  
کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ بشارتِ عظمیٰ دی گئی۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ  
اٰمِن يَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

# فہرِس الجُزءِ الاول

مِن

اسعد المفاہیح — فی حلِّ مباحث — مشکوٰۃ المصابیح

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب الطالب
۲۶	دیباچہ مشکوٰۃ شریف	۲۶	بیان ما یعلقُ بالمشکوٰۃ
۲۶	کتاب کولیسو اللہ اور اللعبد لله	۲۶	نام و نسب — ولادت با سعادت
۲۶	سے شروع کرنے کی وجہ —	۲۶	علم و فضل اور کمال میں آپ کا مقام
۲۶	محمد، مدح، شکر کی تعریف و فردق	۲۶	سبب تصنیف مشکوٰۃ شریف
۲۶	قولہ نَسْتَعِیْنُہُ وَنَسْتَعِیْرُہُ کی تحقیق	۲۶	وجہ تسمیہ مشکوٰۃ شریف
۲۸	استغفار و توبہ کے فردق	۲۸	احادیث مشکوٰۃ کی تعداد
۲۸	شُرُوْرِ الْفُسْسَا کی تحقیق	۲۸	وفات حسرت آیات
۲۸	مَنْ یَهْدِیْہُ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہُ	۲۹	حالات صاحب مصابیح
۲۸	کی تحقیق	۲۹	محی الشیۃ کے لقب کی وجہ تسمیہ
۲۸	اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تحقیق	۲۹	نزار کی وجہ تسمیہ
۲۸	شَہَادَةُ تَكُوْنُ لِلنَّجَاۃِ وَ سَبْیَلِہَا	۲۹	بنوی کی وجہ تسمیہ
۲۸	کی تشریح	۳۰	زہد و ورع
۲۸	وسیلہ کا معنی	۳۱	آپ کے شجرہ علمی کی شہادتیں
۲۸	صفت رسالت و صفت عبدیت میں تقدیم تاخیر	۳۱	ولادت و وفات



صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الالباب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الالباب الطالب
۸۲	البحث الثالث : فضیلت دامت حدیث	۴۸	طُرُقُ الْوَيْصَانِ کی تشریح
۸۲	البحث الرابع : فی ذکر وجہ التقدیم بذات الحدیث	۵۲	لفظ آیت کے بارے میں تحقیق
۸۳	البحث الخامس : فی اجزاء الحدیث	۵۳	قولہ صَلَّوْا مِنْ مَّشْكُوْتِهِ کی تشریح
	لفظ اِنَّمَا کی تحقیق مع امسشد	۵۴	قولہ وَاضْبَطْ لِشَوَاهِدِ الْاَحَادِيثِ
۸۴	تعریف حضر، تقسیم حضر		وَاَوْسَرَهَا کی تشریح
۸۴	عمل و فعل میں فرق	۵۸	قولہ حَدِّثْ اَلْمَسْأَلَةَ کی تشریح
۸۵	نیت و ارادہ میں فرق - مفہوم حدیث	۵۹	وُجُوْهُ الْمَقَرِّقِ بَيْنَ الْمَشْكُوْتِ وَالْمَسْأَلَةِ
"	عمل مشرب کا حکم	۶۳	قولہ وَاِنْ عَبْدَ اللَّهِ مُحَمَّدٌ بْنُ يَزِيدَ
"	تقسیم اعمال		ابن مَاجِدَہ کی تحقیق
۸۸	مُتَعَلِّقِ بَارَہ کی بحث اور ایک اختلافی مسئلہ	۶۳	علامہ خلیل تبریزی کا خطبہ میں امام اعظم
۹۰	تقدیر ثواب کے فائدے - تقدیر رحمت		کا تذکرہ نہ کرنے کی وجہ
	کے نقصان	۶۴	حدیث شیعین کے بارہ میں وضاحت
۹۱	مسائل (یعنی وسیلہ) اور مقاصد (یعنی اصول)	۶۹	علامہ خلیل کے چند اصول - اصول اول
	کافرق	۶۹	اصول دوم ، اصول سوم ، اصول چہارم
۹۲	حدیث "بَيْتَةُ الْمُؤْمِنِينَ حَيْثُ وَصَّيْتُ"	۷۲	اصول پنجم -
	عملیہ کی بحث	۷۳	اصول ششم ، اصول ہفتم
۹۲	حیثیت حدیث - مفہوم حدیث	۷۵	اصول ہشتم
۹۳	وجہ خیریت نیت	۷۷	حَسْبِيَ اللَّهُ وَفَعَلَ الْفَرْكَانُ کی فضیلت
۹۵	وَالْعَمَلُ لَا مَضَرَّ مَّا نَوَيْتُ کی تحقیق	۷۸	عرض آخر از بندہ ابوالاسعاد
"	جملتین میں ربط	۷۹	زُبْدَةُ الْكَلِمَاتِ فی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ"
۹۸	قولہ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ		بِاَيِّتِ
	اِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ	۸۰	البحث الاول فی ذکر شان الورد و لهذا
۹۸	ہجرت کا معنی اور اس کی اقسام	۸۱	البحث الثاني : حدیث کا نام مع وجہ تسمیہ

دلیل الطالب الی عنادین الابرار الطالب

فَهِجَرْتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
اتحاد شرط و جزا کا اشتکال اور اس کے

جوابات

لفظ دُنْيَا کی اشتقاقی تحقیق

قَوْلُهُ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ

إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ أَمْرَةٌ

يَكُونُ وَجْهًا كِي تَشْرِيح

کتاب الایمان

کتاب کا لغوی و اصطلاحی معنی

ایمان کا لغوی و اصطلاحی معنی

کفر کی حقیقت اور اس کے اقسام

اعمال کا ایمان سے تعلق

چند فرق یا لفظ کی تفصیل

اعمال ایمان میں داخل ہیں یا نہیں

معتزلہ اور خوارج کے دلائل اور

ان کے جوابات

اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل

اعمال کو جزو ایمان کہنے والوں اور

مترکب کبیرہ کو کافر کہنے والوں کے

خلاف دلائل ترجیح اور ان کے جوابات

بحث بر الایمان یزید و یقصر

النسبة بین الایمان والاسلام

دلیل الطالب الی عنادین الابرار الطالب

ایمان مقلد کا حکم

بحث الاستثناء فی الایمان یعنی

اَنَا مُؤْمِنٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ کہنے کا حکم

بحث محل ایمان

الفصل الاول

حدیث جبریل علیہ السلام

شان ورود حدیث

حدیث کا نام اور وجہ تسمیہ

قوله شَدِيدُ بَيَاضِ الشَّيَابِ

کی تحقیق

قوله عَلَى فَخْذَيْهِ کی تحقیق اور

اس میں احتمالات

تطبیق بین القائلین

تعمیم کی کوشش

قوله يَا مُحَمَّدُ اس پر شبہ اور جوابات

قوله اخبرني عن الاسلام اسلام

کی تعریف

تقديم الاسلام کی وجہ

قوله تَقْبِلُوا الصَّلَاةَ کی تشریح

قوله إِنْ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

پر سوال

قوله فَدَجَبْنَا لَهُ کے تحت تعجب

کی توجیہ



صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب
۱۳۳	استشہار بالآیت	۱۳۸	قوله اَنْ تَوُصِّنَ بِاللّٰهِ بِرِسَالِ
۱۳۴	فوائد مستنبطہ	۱۳۹	قوله مَلَايِكَتُكَ طَائِفٌ كِي تَعْلَمَ
۱۳۵	حدیث ابن عمرؓ	"	تحقیق
"	بُحْنِ الْاِسْلَامِ عَلَى خَمْسِ	"	طائفہ کی تعریف - ازالہ شبہات
"	اَقَامَ الْعَمَلُوتَ كِي تَحْقِيقَ	۱۴۱	قوله وَ كَسْبِهِ كَيْفِيَّتِ اِيْمَانٍ بِالْكَتَبِ
"	حدیث ابی ہریرہؓ	"	قوله وَ رُسُلِهِ تَعْرِيفِ رِسَالِ
۱۴۸	لفظ ابو ہریرہؓ کی نحو کی تحقیق	"	نبی و رسول میں فرق
"	کُنِّيَّتِ كِي وَجْهٍ تَسْمِيَةٍ	۱۴۲	ضرورت رسالت
۱۵۰	اَلْاِيْمَانُ بِصُحُفٍ وَ سَبْعُونَ شُعْبَةً	۱۴۳	قیامت کا عقلی ثبوت
"	کی تشریح	۱۴۴	قوله فَآخِرُهُنَّ عَيْنُ الْاِيْحْسَانِ
"	قوله الْحَيَاةُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ	"	احسان کا لغوی و اصطلاحی معنی
"	حیاہ کا لغوی و شرعی معنی	۱۴۵	قوله فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ تَرَآءُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ
۱۵۱	حیاہ کے اقسام	"	کی تشریح
۱۵۲	حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۴۶	قوله فَآخِرُهُنَّ عَيْنُ الْمَشَافَةِ كِي
۱۵۳	المُسْلِمُ مِّنْ مَّكَلِ الْمُسْلِمِينَ كِي بَحْثِ	"	نعمت ساعہ کی چار وجوہ
۱۵۴	مِنْ نَّسَابَتِهِ وَ يَدِيهِ كِي تَحْقِيقِ	"	قوله مَا الْمُسْلِمُونَ عَنْهَا بِأَعْلَمَ
۱۵۵	قوله الْمُهَاجِرُ مِّنْ هَجَرٍ مَّا	"	مِنَ السَّائِلِ كِي بَحْثِ
"	نَفَى اللّٰهِ كِي تَحْقِيقِ	۱۴۸	قوله اَنْ تَلِدَ الْاُمَّةُ رَبَّتَهَا كِي تَحْقِيقِ
۱۵۶	جملہ مذکورہ کا ماقبل سے ربط	۱۴۹	قوله تَرَى الْعُفَاةَ كِي تَحْقِيقِ
۱۵۸	حدیث انسؓ	۱۵۱	قوله فَلَيْسَتْ مِلَّةً بِرِسَالِ اَوْ
"	لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ اِلَّا	"	اسس کا جواب
"	تَحْتِ كِي تَقْسِيمِ	"	قوله اَللّٰهُ وَرُسُلُهُ اَعْلَمُ بِرِسَالِ
"	حدیث مذکور میں حُب اِیْمَانِیٰ مُرَاد ہے۔	"	قوله يُكَلِّمُوْهُ بِكَلِمَةٍ كِي تَحْقِيقِ

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب
۱۵۹	عنوان چہارم : تارکِ صلوٰۃ عمداً کا حکم	۱۵۹	صفت اجمل الخلاق کی وضاحت
۱۸۱	— حدیث السنہ —	۱۶۰	صفت الکمال کی وضاحت
۱۸۲	مَنْ صَلَّى صَلَواتًا كَثْرَةً	۱۶۱	صفت احسن الاحسان کی وضاحت
۱۸۳	وَأَسْتَقْبَلَ قَلْبًا كَثْرَةً	۱۶۲	صفت اقرب القرب کی وضاحت
۱۸۴	قَوْلُهُ لَا يَزِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا	۱۶۳	— حدیث السنہ —
۱۸۵	وَلَا أَنْقُصُ كِي بَحْث	۱۶۴	ثَلَاثٌ مَنْ كَتَبَ فِيهِ الْغَدْرُ
۱۸۶	— حدیث علوی بن عبید اللہ —	۱۶۵	حَدَّثَ وَهُوَ الْإِيمَانُ كِي بَحْث
۱۸۷	ثَابِتُ الْمَرَأَةِ كِي تَحْقِيقُ	۱۶۶	قَوْلُهُ مِمَّا سَوَاهُمَا كِي بَحْث
۱۸۸	وجوب رزق کا مسئلہ	۱۶۷	— حدیث ابی ہریرہ —
۱۸۹	قَوْلُهُ إِلَّا أَنْ تَطْوَعَ كِي بَحْث	۱۶۸	وَالَّذِي تَقَسَّ مُحَمَّدٌ بَيْنَهُ
۱۹۰	ایک فقہی مسئلہ	۱۶۹	حَضَرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي تَحْقِيقُ
۱۹۱	دلائل شواہد حضرت کے جوابات	۱۷۰	عَقِيدَةُ الْكُفَرِيَّةِ بِه
۱۹۲	تعارض بین الروایتین اور اس کا حل	۱۷۱	بِي أَحَدٍ كِي تَحْقِيقُ وَتَوْضِيحُ
۱۹۳	— حدیث حضرت ابن عباس —	۱۷۲	— حدیث ابی موسیٰ الاشجری —
۱۹۴	مُضَرَّ رُبْعَةٍ اور عبد القیس کا اجمالی تعارف	۱۷۳	ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ
۱۹۵	مدینہ طیبہ میں وفد عبد القیس کی آمد	۱۷۴	وَجُلٌّ قَيْنٌ أَهْلُ الْكَلْبِ كِي مَصْدَقُ
۱۹۶	کس طرح ہوئی ؟	۱۷۵	کون ہیں ؟
۱۹۷	وفد عبد القیس کس سال آیا اور انکی تعداد	۱۷۶	صحیح بخاری والی روایت کا جواب
۱۹۸	کتفی تھی ؟	۱۷۷	— حدیث ابن عمر —
۱۹۹	مَعْبُودٌ خَزَايَا وَلَا تَدْعُ إِلَى كِي تَشْرِيحُ	۱۷۸	أُمِدَّتْ أَنْ أَتَانَا الْمَنَاسِ
۲۰۰	شہر حرام کون سے کہتے ہیں اور ان کی	۱۷۹	عنوان اول : حاصل الحدیث
۲۰۱	وجہ تسمیہ کیا ہے ؟	۱۸۰	عنوان دوم : حدیث القفال کا حکم
۲۰۲	ظُرُوفُ اربعہ کی تفصیل	۱۸۱	عنوان سوم : تارکِ صلوٰۃ کا حکم



صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الایوب والمطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الایوب والمطالب
۲۲۵	وَأَنَا الَّذِي هُوَ كِي تَحْقِيقِ	۲۰۵	ظروف اربعہ کے استعمال سے کیوں
۲۲۶	دُورِ قَرْدِہِ رِہِ	—	رو کا گیا؟
۲۲۷	— حدیث ابی موسیٰ —	۲۰۸	ظروف اربعہ کے استعمال سے مُناعت
۲۲۸	تعلیف صبر - خلاصۃ الحدیث	۲۰۹	کی جُوابات
۲۲۹	— حدیث معاذ —	۲۱۰	ظروف اربعہ سے نہی کا حکم
۲۳۰	قَوْلُهُ مُؤَخَّرَةُ الرَّجُلِ كِي تَحْقِيقِ	۲۱۱	حدیث عبادۃ بن الصامتؓ
۲۳۱	حدیث کے جملہ مذکورہ سے استدلال	۲۱۲	بَیِّنَات کے اقسام
۲۳۲	مُعْزَلہ اور اس کا رد	۲۱۳	بَیِّنَات یُکْثِرُونَ وَأَمَّا جُلُوسُ كِي تَحْقِيقِ
۲۳۳	— حدیث انسؓ —	۲۱۴	قَوْلُهُ فَأَنْبَرُ عَلَى اللَّهِ كِي تَحْقِيقِ
۲۳۴	حدیث الباب سے ترجیح کا استدلال	۲۱۵	حَدُودِ کُفَّارَاتِ مِیں یا نہیں؟
۲۳۵	اور اس کے جوابات	۲۱۶	اَحْثَات کے دلائل
۲۳۶	قَوْلُهُ فَأَخْبَرَهَا مَعَاذُ بَیِّنَاتِ مَوْثِقَةٍ	۲۱۷	شَافِعِہ کی دلیل کے جوابات
۲۳۷	دَاثِمًا كِي تَشْرِیح	۲۱۸	— حدیث ابی سعید خدریؓ —
۲۳۸	— حدیث ابی ذرؓ —	۲۱۹	قَوْلُهُ تَكْثُرُ اللَّغْنُ كِي تَحْقِيقِ
۲۳۹	قَوْلُهُ وَإِنْ رَأَى وَإِنْ سَرَقَ كِي	۲۲۰	تَكْثُرُ الْعَشَائِرُ كِي تَحْقِيقِ
۲۴۰	تَشْرِیح	۲۲۱	حدیث عُدسی كَذَّابِي إِنْ أَدَمَ
۲۴۱	قَوْلُهُ عَلَى رَعْوَانِيفِ أَيْ ذِي	۲۲۲	تَقْسِیمِ اَوَّل - اقسام وحی
۲۴۲	تَشْرِیح	۲۲۳	تَقْسِیمِ دَوِّم - قرآن اور حدیث عُدسی
۲۴۳	حدیث عبادۃ بن الصامتؓ	۲۲۴	مِیں فِرَق
۲۴۴	لَقَدْ كَلِمَتُهُ كِي تَحْقِيقِ	۲۲۵	اِنْكَارِ بَعِثت سے لَوْم تَكْذِیبِ اِلٰہی
۲۴۵	حضرت عیسیٰؑ پر لَقَدْ كَلِمَتُهُ کا اطلاق	۲۲۶	قَوْلُهُ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ كِي تَقْرِیر
۲۴۶	حضرت عیسیٰؑ پر لَقَدْ رُوح کا اطلاق	۲۲۷	تعلیف شتم
۲۴۷	جَنَّتِ دَرْدَرِخِ اَلْآن مَوْجُودِہِ	۲۲۸	— حدیث ابی ہریرہؓ —

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب
۲۳۱	مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَتْلُو كِتَابَ تَشْرِيعِ	۲۳۵	قَوْلُهُ إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِيهِمْ مَكَانَ
۲۳۲	— حديث جابر بن عبد الله —	۲۳۶	قَبْلَهُ كِتَابَ تَشْرِيعِ
۲۳۳	— حديث ابن عمر —	۲۳۷	— بحرہ اور حج کا اقل سے ربط —
۲۳۴	قَالَ كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ	۲۳۸	— الفصل الثاني —
۲۳۵	قَوْلُهُ إِذْ هَبْ بِنَفْسِكَ هَاتَيْنِ كِتَابَ	۲۳۹	— حديث معاذ بن —
۲۳۶	— تحقيق —	۲۴۰	— احب اليّ بعد ان يدخلني الجنة —
۲۳۷	— اعطاء تبيين مؤثرين في وجود شخص —	۲۴۱	وَيُسَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ —
۲۳۸	قَوْلُهُ اسْرَجَ يَا ابْنُ مَرْيَمَ	۲۴۲	قَوْلُهُ اَمْرٌ عَظِيمٌ كِتَابَ تَشْرِيعِ
۲۳۹	— مع جواب —	۲۴۳	قَوْلُهُ اَلَا اَدُلُّكَ عَلَى ابْوَابٍ مُغْتَنَمٍ
۲۴۰	— حديث معاذ بن جبل —	۲۴۴	— كِتَابَ تَشْرِيعِ —
۲۴۱	— مَقَارِنِ الْجَنَّةِ —	۲۴۵	قَوْلُهُ عُمُودُهُ الصَّلَاةُ كِتَابَ تَشْرِيعِ
۲۴۲	— حديث عثمان —	۲۴۶	— حديث ابن عمر —
۲۴۳	— حَتَّى كَادَ يَقْطَعُهَا لَوْ سَوَّسَ كِتَابَ تَشْرِيعِ —	۲۴۷	— الْحَبِّ فِي اللَّهِ وَالْبُخْلِ فِي اللَّهِ —
۲۴۴	— رِجَاءُ هَذَا الْأَمْرِ كِتَابَ تَشْرِيعِ —	۲۴۸	— حديث السري —
۲۴۵	— حديث بقدر —	۲۴۹	— لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ —
۲۴۶	— بحث تعيين زمانه لا ينبغي على ظنهم —	۲۵۰	— امانت کے معنی میں اختلاف —
۲۴۷	— بَيْتٌ مَدَنِيٌّ وَلَا وَبَرٌ —	۲۵۱	— بحث امین تین قسم ہیں —
۲۴۸	قَوْلُهُ اَيُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ كِتَابَ تَشْرِيعِ	۲۵۲	— فرق بين الوعد والعهد —
۲۴۹	— باب الكبار وعلامات الثقات —	۲۵۳	— الفصل الثالث —
۲۵۰	— بحث اول —	۲۵۴	— حديث عبادة بن القاسم —
۲۵۱	— البحث الثاني —	۲۵۵	قَوْلُهُ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ
۲۵۲	— في تعريفات كبره ومغیره —	۲۵۶	— كِتَابَ تَشْرِيعِ —
۲۵۳	— حديث عثمان —	۲۵۷	— حديث عثمان —

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الادب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الادب الطالب
۲۰۲	امر چہارم : بحر کا حکم	۲۸۸	المبحث الثالث - عدد کبار
۲۰۴	امر پنجم : بحر اور بحر کا فرق	۲۹۱	بحث علامات التفات
۲۰۵	کرامت اور بحر کا فرق	۲۹۲	تفات کا لغوی و اصطلاحی معنی
۲۰۹	مختصر اور اختتامی ضابطہ	۲۹۳	بعض صحابہ کرام کا اپنے آپ کو متافق
۲۱۰	— حدیث ابی ہریرہ —	۲۹۴	سمجھنے کی حقیقت
۲۱۱	— اَيْدُ الْمُسَاوِيَةِ ثَلَاثَةٌ —	۲۹۵	— الفصل الاول —
۲۱۲	— قوله اَرْبَعٌ مِّنْ كُنْ فِيْهِ كَاي —	۲۹۶	— حدیث ابن مسعود —
۲۱۳	— مُنَا فَعًا خَالِصًا كِي تَشْرِيح —	۲۹۷	— اَنْ تَقْضَلَ وَلَمْ يَكْ خَشِيَّةٌ اَنْ —
۲۱۴	— الفصل الثاني —	۲۹۸	— يُطْعِمُ مَعَكَ كِي وضاحت —
۲۱۵	— حدیث صفوان بن عسال —	۲۹۹	قبل اولاد کی اقسام
۲۱۶	— قوله نَسَا لَدَا عَنْ تَبَعِ اِيَابِ —	۳۰۰	— قوله اَنْ تَزْنِي خَالِصَةً جَارِيَةً كِي —
۲۱۷	— بَيِّنَات كِي تَشْرِيح —	۳۰۱	— تَشْرِيح —
۲۱۸	— فِي السَّبَبِ كِي تَشْرِيح —	۳۰۲	— حدیث عبد اللہ بن عمرو —
۲۱۹	— حدیث انس —	۳۰۳	— قوله عَفْوٌ اَنْوَاعٌ بِن كِي تَشْرِيح —
۲۲۰	— قوله طَلَبٌ اَلْوَمَّةُ كِي تَشْرِيح —	۳۰۴	— والدين کے حکم کے تحت بیوی کو طلاق —
۲۲۱	— قوله وَلَا عَدْلٌ عَادِي كِي تَشْرِيح —	۳۰۵	— بیٹے کی حیثیت —
۲۲۲	— قوله اَلْوَيْصَانُ كَالْخَلَّةِ كِي تَشْرِيح —	۳۰۶	— قوله وَالْيَحْيَى النُّمُوس —
۲۲۳	— قوله فَاِذَا اخْرَجَ كِي تَشْرِيح —	۳۰۷	— یحییٰ کی اقسام اور اُن کا حکم —
۲۲۴	— الفصل الثالث —	۳۰۸	— بحر کے بارہ میں مختصر بحث —
۲۲۵	— حدیث معاذ بن —	۳۰۹	— امر اول : بحر کی تعریف —
۲۲۶	— دس کلمات کی وصیت —	۳۱۰	— امر دوم : بحر کے اقسام —
۲۲۷	— قوله اَيَّاكَ وَالْفِدَاءُ مِنَ التَّخْفِ —	۳۱۱	— امر سوم : بحر میں صوفی خیال بندی —
۲۲۸	— كِي تَشْرِيح —	۳۱۲	— یا تغیر نفس الامر ہے —

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب
۳۴۳	قوله إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدَّ أَلَسَ	۳۲۶	باب الوترية
"	مِنْ أَنْ يَتَّبِدُ الْمُصَلُّونَ	"	البحث الأول : ونوعه كالنوى والمطلوع
"	پراشکال اور اس کے جوابات	"	معنی
۳۴۶	قوله وَلَكِنَّ فِي التَّحْرِيشِ كِي	۳۲۷	حكم ونوعه - الهمام كالحكم
"	وضاحت	۳۲۸	البحث الثاني : في ذكر اتسام خيالات
۳۴۷	الفصل الثاني	"	قلبيه مع التلاكل والتحكم
"	حديث ابن عباس	۳۲۹	البحث الثالث : في ذكر علاج لدفع
"	قوله إِنِّي أُحَدِّثُ نَفْسِي بِالشَّيْءِ	"	الوساوس
"	کی تشریح	۳۳۰	الفصل الأول
۳۴۸	قوله سَادَّ أَمْرُهُ كِي وضاحت	"	حديث ابی ہریرہ
۳۴۹	قوله لَسْتُ الشَّيْطَانُ بَعْنِي اِثْر	۳۳۱	حديث کی اصل بحث
"	شیطان کا مطلب	۳۳۲	قوله مَا يَتَعَاظَمُونَ أَحَدًا
۳۵۰	اِثْر فرشتہ کا مطلب	"	أَنْ يَتَكَلَّبُوا كِي تشریح
"	قوله فَقُولُوا اللَّهُ أَحَدٌ	"	قوله ذَاكَ صَدِيقُ الْإِيمَانِ
"	کی تشریح	۳۳۳	قوله وَلَكِنَّ اللَّهَ آفَاتُنِي عَلَيْهِ
"	صفت مَا أَحَدٌ کی وضاحت	"	فَأَسْأَلُوهُ كِي تشریح
۳۵۱	صفت مَا الصَّمَدُ	۳۳۴	حديث النبی
"	صفت مَا كَوْنِيْلُهُ	"	قوله مَجْرَى الدَّمِ كِي تشریح
"	صفت مَا وَلَوْ يُولَدُ	۳۳۵	قوله مَا مِنْ بَنِي آدَمَ مَوْلُودٌ
"	صفت مَا وَلَوْ يَكُنُّ لَهُ كُفْرًا أَحَدٌ	"	إِلَّا يَحْسُهُ الشَّيْطَانُ كِي تشریح
"	تھوکنے کے بارہ میں نفی مستلزم	۳۳۶	حديث جابرہ
۳۵۲	الفصل الثالث	"	يَتَعَمَّقُ عَرَضُهُ عَلَى الصَّائِرِ كِي تحقیق
۳۵۳	قوله يُقَالُ لَهُ خِيَابُ		

دلیل الطالب الی عنادین الایواب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الایواب الطالب	صفحہ
قوله بیان تشریح: اربع کلمات	۳۷۵	باب الایمان بالقدر	۳۵۲
قوله عَصْفُورُ الْجَنَّةِ کی تشریح	۳۷۸	البحث الاول: ماقبل سے ربط	۵
قوله مَقْعَدُكَ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُكَ	۳۸۰	البحث الثاني: اہمیت مسئلہ تقدیر	۶
مِنْ الْجَنَّةِ کی تشریح	۳۸۰	البحث الثالث: فی تحقیق معنی القدر الغنی	۳۵۵
قوله اَلْفَرَجُ یُصَدِّقُ ذٰلِكَ	۳۸۲	البحث الرابع: فی بیان اقسام تقدیر	۳۵۶
وَلَیَكُنَّ مِنْهُ کی تشریح	۳۸۲	البحث الخامس: ثبوت تقدیر فی الکتاب	۳۵۷
آیت مبارکہ سے طرز استدلال	۳۸۲	الحمد	
قوله کَاَنَّهُ یَسْتَاذِنُهُ فِی الْاِخْتِصَارِ	۳۸۳	البحث السادس: فوائد اعتقاد تقدیر	۳۵۸
کی تشریح	۳۸۳	مسئلہ تقدیر میں اہل السنۃ والجماعہ کا موقف	۳۵۹
قوله فَبُشِّرْ بِبَنی اٰدَمَ کی تشریح	۳۸۶	البحث السابع: فی ذکر ازالۃ الشبہات	۳۶۰
کیا لفظ اصابع کا اطلاق ذات باریؑ	۳۸۷	خلق اور کسب کے مابین رجوع و فرج	۳۶۱
پر درست ہے۔	۳۸۷	البحث الثامن: بیان مذاہب فی	۳۶۱
قوله عَلٰی فِطْرَةِ کی تشریح اس پر	۳۸۸	مسئلہ خلق افعال عباد	۳۶۱
اشکال اور اس کے جوابات	۳۸۸	قدریہ کی تردید میں چند خصوص	۳۶۲
قوله وَلَا یُبْشِرُکَ اَنْ یَّسَامَ	۳۹۰	الفصل الاول	۳۶۵
کی تشریح	۳۹۰	حدیث عبد الرحمن بن عمرؓ	۳۶۵
الغفال المشرکین کا حکم	۳۹۵	قوله خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کی تشریح	۳۶۵
قوله اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا عَابِدِیْنَ	۳۹۰	قوله العجز والکیس کی تحقیق	۳۶۶
کی تشریح	۳۹۰	قوله احتج آدمؑ موسیٰ	۳۶۷
الفصل الثانی	۳۹۰	بحث اول: احتیاج سے کیا مراد ہے	۳۶۸
قلم اور ربؑ ذوالجلال کے درمیان مکالمہ	۳۹۰	بحث دوم: محل مناظرہ کونسا مقام تھا	۳۶۸
قوله جُوْا مَسْعَ ظَهْرَکَ کی تشریح	۳۹۹	قوله فَحَبَّرَ اٰدَمَ مُوسٰی	۳۶۹
بحث اول: صورت اخراج	۴۰۰	قوله الصّٰدِقُ وَالْمُصَدِّقُ کی تشریح	۳۷۲



صفحہ	دلیل مطالب الی عنادین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل مطالب الی عنادین الابواب المطالب
۲۱۸	قَوْلُهُ وَقَعَ فِي نَفْسِي كِتَابُ تَشْرِيعِ	۲۰۱	بحث دوم : مقام اخراج کونسی جگہ ہے
۲۲۲	— حدیث ابی ہریرہؓ —	۲۰۱	بحث سوم : اَلَا تَعْلَمُ حَقِيقَتِي واقوع ہے
۲۳۲	حضرت داؤدؑ کی عمر میں زیادتی اور	—	یا تمہیں ہے۔ —
۰	اس کی حقیقت —	۲۰۲	قَوْلُهُ كِتَابُ بَابِ كِتَابِ تَشْرِيعِ
۲۳۳	قَوْلُهُ فَجَعَلَ اَدَمَ كِي تَحْقِيقِ	۲۰۸	عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ
۲۳۶	قَوْلُهُ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ كِي تَشْرِيعِ	۰	عَنْ جَدِّهِ كِي تَحْقِيقِ —
۲۳۲	— حدیث ابی الدرداءؓ —	۰	مکمل سلسلہ نسب
۰	صفات کی تقسیم	۲۰۹	بحث یہ کہ ان دو احتمالوں میں سے
۲۳۵	— باب اثبات عذاب القبر —	۰	کون سا احتمال راجح ہے۔
۲۳۲	البحث الاول : فی اثبات عذاب القبر	۲۱۰	— حدیث ابی موسیٰؓ —
۰	تقسیم عالم	۰	خَلَقَ اَدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ كِي تَشْرِيعِ
۲۳۶	دلائل فرق مبتدئہ در نفی عذاب القبر	۲۱۳	قَوْلُهُ فَهَلْ تَحْكُمُ عَلَيَّ كِي تَشْرِيعِ
۲۳۹	دلائل اہل السنۃ والجماعت بر اثبات	۰	حضرت انسؓ کے سوال کا خلاصہ
۰	عذاب و نعمت قبر —	۲۱۶	قَوْلُهُ يَوْمَئِذٍ بِالصَّوْتِ كِي وَفَاتِ
۲۵۱	البحث الثاني : فی بیان نماز قبر	۰	قَوْلُهُ صِنْفَانِ مِنْ اُمِّي لَيْسَ
۲۵۲	قبر کی تقسیم - قبر عرنی و قبر شرعی	۰	لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ نَفْسِي كِي تَشْرِيعِ
۲۵۲	البحث الثالث : فی تحقیق کیفیت	۲۱۹	قَوْلُهُ فِي اُمِّي حَسَنٌ وَمَسْجِدٌ
۰	عذاب القبر - عرض حال	۰	کی تشریح —
۲۵۲	بیان مذاہب خمسہ -	۲۲۰	قَوْلُهُ مَجُوسٌ هُنَا اَلْاُمِّي
۲۵۶	موقف اہل السنۃ والجماعت کے دلائل	۰	کی تشریح — —
۲۵۶	کتاب معتبرہ سے چند حوالہ جات	۰	حضور جنازہ و عیادت کا حکم
۲۵۹	حدیث حضرت ابن عباسؓ پر اعتراض اہل جوابات	۲۲۲	— الفصل الثالث —
۲۶۱	حقیقت جرم بر شہال - بیان شہادت	۲۲۸	حدیث ابن الدیلمیؓ
	اختتامیہ		

صفحہ	دلیل الطالب الی غاویں ابواب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی غاویں ابواب الطالب
۳۸۸	_____ الفصل الثالث _____	۳۹۵	قوله إذا سُجِّلَ فِي الصَّيْرِ كِ تَشْرِيح
۳۹۰	حدیث ابن عمر: تَحَرَّوْا لَهُ الْفَرَسُ	"	تَشْرِيح بَرَزَخ
"	حدیث پاک کا شان و رور	۳۹۶	قبر میں تین سوال کا بیان
۳۹۲	قوله قَبْرُ يَسَاءَ مِمَّنْ فَمَنْهُ النَّجَابُ	۳۹۹	أَنَّا مَلَكَانِ كِ تَشْرِيح
"	کی تشریح	۴۰۰	قبر کے سوال و جواب میں مومن و کافر
"	قوله يَمَسُّهُ عَيْنَيْهِ كِ تَشْرِيح	"	برابر ہیں یا فرق ہے ؟
۳۹۴	بَابُ الْإِعْتِمَادِ بِالْكَتَابِ وَالشَّيْءِ	۴۰۱	قوله فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ نَقُولُ
"	ما قبل سے ربط	"	فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ كِ تَشْرِيح
"	سُنَّتِ كَالْفُؤَى وَاصْطِلَاحِي مَعْنَى	۴۰۳	قوله لَا دَمَ يَتِ وَلَا تَكَلِّتُ كِ تَشْرِيح
۳۹۸	_____ الفصل الأول _____	۴۰۳	قوله غَيْرِ الْمُتَعَلِّقِينَ كِ تَشْرِيح
"	_____ حدیث عائشہ _____	۴۰۵	قوله عَرْضَ عَلَيْهِ كِ تَشْرِيح
"	قوله مَنْ أَحَدَتْ فِي أَمْرِنَا	"	قوله بِالْأَمْرِ وَالْفُتَيْ كِ تَشْرِيح
"	هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهَلْوَ سَادِ	۴۰۷	قوله أَعَادَ لَكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْفَقْرِ
"	کی تحقیق	"	کی تشریح
۳۹۹	بدعت کا لغوی و شرعی معنی	۴۸۰	_____ الفصل الثاني _____
۵۰۱	کسی چیز کے بدعت ہونے کی کیا دلیل ہے	"	أَنَّا مَلَكَانِ اسْوَدَانِ كِ تَشْرِيح
"	بدعت بدعت	۴۸۲	سَبُّوْنَ ذِرَاعًا كِ تَشْرِيح
۵۰۲	قوله كُلُّ بِذُعَةٍ صَلَاحٌ كِ تَشْرِيح	۴۸۵	_____ حدیث حضرت عثمان _____
۵۰۵	قوله سُنَّةُ الْحَاذِلَةِ كِ تَشْرِيح	"	حضرت عثمان کا قبر پر کھڑے ہو کر رونا
۵۰۶	تقسیم اُمت	۴۸۶	قوله اشْفِ سَلْوَالَهُ بِالشَّيْءِ
۵۰۷	تَشْرِيح مَنْ أَلَى	"	کی تشریح
۵۰۹	بیان فرائد	۴۸۷	قوله يَسْمَعُ وَيَسْمَعُونَ تَبَيَّنَ كِ تَشْرِيح

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب الطالب
۵۰۹	اِنَّ الْاِيْمَانَ كَيْسُهُ اِلَى الْعَدِيْتِ	۵۰۹	فائدہ اولی - فائدہ ثانیہ
۵۱۰	کے تشریح	۵۱۰	اِنَّ الْاِيْمَانَ كَيْسُهُ اِلَى الْعَدِيْتِ
۵۱۱	کے تشریح	۵۱۱	بَعَثَ فِي كَيْسِهِ
۵۱۲	کے تشریح	۵۱۲	مَلَكَ الْعِلْمَ فِي مَسَلَةِ مَعْرِفَةِ الْاَنْبِيَاءِ
۵۱۳	کے تشریح	۵۱۳	بیان فوائد
۵۱۴	کے تشریح	۵۱۴	رخصت و عزیمت کی تعریف
۵۱۵	کے تشریح	۵۱۵	تأثیر تحمل کی وضاحت
۵۱۶	کے تشریح	۵۱۶	قوله فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ كِي وَضاحت
۵۱۷	کے تشریح	۵۱۷	قوله اَنَا الشَّيْخُ الْاَعْرَبِيُّ كِي تحقیق
۵۱۸	کے تشریح	۵۱۸	کے تشریح
۵۱۹	کے تشریح	۵۱۹	کے تشریح
۵۲۰	کے تشریح	۵۲۰	کے تشریح
۵۲۱	کے تشریح	۵۲۱	کے تشریح
۵۲۲	کے تشریح	۵۲۲	کے تشریح
۵۲۳	کے تشریح	۵۲۳	کے تشریح
۵۲۴	کے تشریح	۵۲۴	کے تشریح
۵۲۵	کے تشریح	۵۲۵	کے تشریح
۵۲۶	کے تشریح	۵۲۶	کے تشریح
۵۲۷	کے تشریح	۵۲۷	کے تشریح
۵۲۸	کے تشریح	۵۲۸	کے تشریح
۵۲۹	کے تشریح	۵۲۹	کے تشریح
۵۳۰	کے تشریح	۵۳۰	کے تشریح
۵۳۱	کے تشریح	۵۳۱	کے تشریح
۵۳۲	کے تشریح	۵۳۲	کے تشریح
۵۳۳	کے تشریح	۵۳۳	کے تشریح
۵۳۴	کے تشریح	۵۳۴	کے تشریح
۵۳۵	کے تشریح	۵۳۵	کے تشریح
۵۳۶	کے تشریح	۵۳۶	کے تشریح
۵۳۷	کے تشریح	۵۳۷	کے تشریح
۵۳۸	کے تشریح	۵۳۸	کے تشریح
۵۳۹	کے تشریح	۵۳۹	کے تشریح
۵۴۰	کے تشریح	۵۴۰	کے تشریح
۵۴۱	کے تشریح	۵۴۱	کے تشریح
۵۴۲	کے تشریح	۵۴۲	کے تشریح
۵۴۳	کے تشریح	۵۴۳	کے تشریح
۵۴۴	کے تشریح	۵۴۴	کے تشریح
۵۴۵	کے تشریح	۵۴۵	کے تشریح
۵۴۶	کے تشریح	۵۴۶	کے تشریح
۵۴۷	کے تشریح	۵۴۷	کے تشریح
۵۴۸	کے تشریح	۵۴۸	کے تشریح
۵۴۹	کے تشریح	۵۴۹	کے تشریح
۵۵۰	کے تشریح	۵۵۰	کے تشریح
۵۵۱	کے تشریح	۵۵۱	کے تشریح
۵۵۲	کے تشریح	۵۵۲	کے تشریح
۵۵۳	کے تشریح	۵۵۳	کے تشریح
۵۵۴	کے تشریح	۵۵۴	کے تشریح
۵۵۵	کے تشریح	۵۵۵	کے تشریح
۵۵۶	کے تشریح	۵۵۶	کے تشریح
۵۵۷	کے تشریح	۵۵۷	کے تشریح
۵۵۸	کے تشریح	۵۵۸	کے تشریح
۵۵۹	کے تشریح	۵۵۹	کے تشریح
۵۶۰	کے تشریح	۵۶۰	کے تشریح
۵۶۱	کے تشریح	۵۶۱	کے تشریح
۵۶۲	کے تشریح	۵۶۲	کے تشریح
۵۶۳	کے تشریح	۵۶۳	کے تشریح
۵۶۴	کے تشریح	۵۶۴	کے تشریح
۵۶۵	کے تشریح	۵۶۵	کے تشریح
۵۶۶	کے تشریح	۵۶۶	کے تشریح
۵۶۷	کے تشریح	۵۶۷	کے تشریح
۵۶۸	کے تشریح	۵۶۸	کے تشریح
۵۶۹	کے تشریح	۵۶۹	کے تشریح
۵۷۰	کے تشریح	۵۷۰	کے تشریح
۵۷۱	کے تشریح	۵۷۱	کے تشریح
۵۷۲	کے تشریح	۵۷۲	کے تشریح
۵۷۳	کے تشریح	۵۷۳	کے تشریح
۵۷۴	کے تشریح	۵۷۴	کے تشریح
۵۷۵	کے تشریح	۵۷۵	کے تشریح
۵۷۶	کے تشریح	۵۷۶	کے تشریح
۵۷۷	کے تشریح	۵۷۷	کے تشریح
۵۷۸	کے تشریح	۵۷۸	کے تشریح
۵۷۹	کے تشریح	۵۷۹	کے تشریح
۵۸۰	کے تشریح	۵۸۰	کے تشریح
۵۸۱	کے تشریح	۵۸۱	کے تشریح
۵۸۲	کے تشریح	۵۸۲	کے تشریح
۵۸۳	کے تشریح	۵۸۳	کے تشریح
۵۸۴	کے تشریح	۵۸۴	کے تشریح
۵۸۵	کے تشریح	۵۸۵	کے تشریح
۵۸۶	کے تشریح	۵۸۶	کے تشریح
۵۸۷	کے تشریح	۵۸۷	کے تشریح
۵۸۸	کے تشریح	۵۸۸	کے تشریح
۵۸۹	کے تشریح	۵۸۹	کے تشریح
۵۹۰	کے تشریح	۵۹۰	کے تشریح
۵۹۱	کے تشریح	۵۹۱	کے تشریح
۵۹۲	کے تشریح	۵۹۲	کے تشریح
۵۹۳	کے تشریح	۵۹۳	کے تشریح
۵۹۴	کے تشریح	۵۹۴	کے تشریح
۵۹۵	کے تشریح	۵۹۵	کے تشریح
۵۹۶	کے تشریح	۵۹۶	کے تشریح
۵۹۷	کے تشریح	۵۹۷	کے تشریح
۵۹۸	کے تشریح	۵۹۸	کے تشریح
۵۹۹	کے تشریح	۵۹۹	کے تشریح
۶۰۰	کے تشریح	۶۰۰	کے تشریح

صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عناوین الابواب المطالب
۶۱۷	البحث الاول : علم کائنات و اصطلاحی	۵۷۷	تشریح سواد اعظم
۶۱۸	معنی	۵۸۷	آیت کا شان نزول
۶۱۸	البحث الثانی : اقسام علم	۵۹۱	قولہ وَأَصْرٌ اخْتَلَفَ فِيهِ كِی
۶۱۹	البحث الثالث : تحصیل علم کا حکم	۵۹۲	توجیہ و تحقیق
۶۱۹	الفصل الاول	۵۹۲	الفصل الثالث
۶۲۰	قولہ بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ اَمْسَتْ	۵۹۳	النَّشَازَةُ - وَالنَّاقِصَةُ - وَالنَّائِبَةُ
۶۲۱	کی تحقیق	۵۹۴	تینوں کے معانی اور ان کے فروق
۶۲۲	شان درود حدیث مَنْ كَذَبَ	۵۹۵	قولہ رِبْعًا اِلَّا سَلَّمَ کی تشریح
۶۲۳	عَلَى مُتَعَمِّدٍ فَلْيَتَّخِذْ مَفْعَدًا	۵۹۶	قولہ فَقَدْ اَعَانَ عَلَى هَذَا
۶۲۴	مِنْ الْمَنَارِ	۵۹۷	اِلَّا سَلَّمَ کی تشریح
۶۲۵	وضع حدیث کا حکم	۶۰۲	قولہ وَهُوَ وَاَعْطَى اللّٰهَ کی تشریح
۶۲۶	قولہ يُعْقِبُهُ فِي الدِّينِ کی تحقیق	۶۰۳	قولہ اصْحَابُ مُتَعَمِّدٍ کی تشریح
۶۲۷	تشریح تنزیل النقص بمنزلة المعدوم	۶۰۸	بحث ناسخ و منسوخ
۶۲۸	قولہ وَاِنَّمَا اَنَا فَاسِقٌ وَاللّٰهُ	۶۰۹	البحث الاول : تعریف نسخ
۶۲۹	يُعْقِبُ کی تشریح	۶۱۰	البحث الثانی : حقیقت نسخ
۶۳۰	رابطہ مابین اہل بیتین	۶۱۱	البحث الثالث : نسخ کی ممکنہ صورتیں
۶۳۱	اِنَّ اَنْتَ مَعَادِي كَمَعَادِي	۶۱۲	مع امثله
۶۳۲	الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ کی تشریح	۶۱۳	البحث الرابع : مورد ذکرہ میں کونسی
۶۳۳	حدود غبطہ کی تعریف	۶۱۴	صورتیں ممکن ہیں
۶۳۴	قولہ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْفُطَعُ	۶۱۵	نتیجہ بحث
۶۳۵	عَمَلُهُ کی تشریح	۶۱۶	کتاب العلم
۶۳۶	تقسیم اعمال	۶۱۷	کتاب العلم کا ماقبل سے ربط

صفحہ	دلیل المطالب الی غدا من الأبواب المطالب	صفحہ	دلیل المطالب الی غدا من الأبواب المطالب
۶۴۴	بحث کتمان حق	۶۴۴	قبض علماء کی بحث
۶۸۲	قوله لَضَرَّ اللَّهُ امْرَأَةً	۶۵۰	قوله مَقْلِدًا لِمُسَيَّبٍ کی تشریح
۶	کی وضاحت	۶۵۲	قایل و کابیل کا قصہ مختصر
۶۸۲	قوله فَدُرَّتْ حَامِلٌ فِيهِ	۶۵۵	الفصل الثانی
۶	کی تشریح	۶۵۶	علو سند کے لیے میر سید شریف کا
۶۸۶	روایت بالمعنی نقل کرنا جائز ہے	۶	طویل سفر
۶	یا نہیں ؟	۶۵۸	قوله إِنَّ الْعُلَايَةَ لَتَضَحُ
۶۹۱	يَكُنَّ أَسَاوُنَ فِي الْقُرْآنِ	۶	أَجْنَحَتَهَا کی تشریح
۶	کی تحقیق	۶۵۹	قوله إِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَفِيدُكَ
۶۹۱	أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعِينَ	۶	مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
۶	أَحْرُفٍ کی تشریح	۶	کی تشریح
۶۹۲	البحث الأول : حیثیت حدیث	۶۶۰	تعریف عالم دین - تعریف عابد
۶	سَبْعَةً أَحْرُفٍ	۶۶۱	تقسیم میراث رسول کا واقعہ
۶	البحث الثانی : حرُوف سبعہ کا مفہوم	۶۶۴	تشریح مَسْأَلَةُ الْحَكِيمِ
۶۹۵	سَبْعَةً أَحْرُفٍ کی راجح ترین تشریح	۶۶۸	قوله فَيَقِيهِ وَاحِدٌ أَشَدُّ
۶۹۶	البحث الثالث : حکمت سبعہ اُحرف	۶	عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفٍ عَابِدٍ
۶۹۹	قوله فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ کی تشریح	۶	کی تشریح
۷۰۲	شرائع مستند مفتی	۶۷۰	قوله وَوَاضِعٌ غَيْرُ أَهْلِهِ
۷۰۳	قوله نَهَى عَنِ الْأَعْلُوْطَاتِ	۶	کی تشریح
۷۰۶	قوله يُؤْيِسُكَ أَنْ يُضْهِبَ	۶۷۱	قوله خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ
۶	النَّارُ مِنْ أَكْبَادِ الْإِبِلِ کی تشریح	۶	کی تشریح
۶	قوله مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ	۶۷۶	قوله الْخَوَاصُّ يُلْجَأُ مِنْ
۶	کی تشریح	۶	ثَابِتٍ کی تشریح

صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الابرار الطالب	صفحہ	دلیل الطالب الی عنادین الابرار الطالب
۴۰	قَوْلُهُ أَفَنُ الْعُلُوِّ كِي تَشْرِيح	۴۰۹	مُجَرَّد كِي شَرَاكُ
۴۲	شَرَارُ الْعُلَمَاءِ كِي وَضاحت	۴۱۱	الفصل الثالث
۴۸	قَوْلُهُ قَطَعَ هَذَا الْبَلْعُومُ كِي تَشْرِيح	۴۱۲	قَوْلُهُ شَعْرُ أَجْعَدُ بَيْنِي الْأَدَمُ
۴۲	قَوْلُهُ يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كِي تَشْرِيح	۴۱۳	کی تشریح
۴۹	لَقَمْتُ بِالْخَسْبِ	۴۱۴	قَوْلُهُ مِنْهُمُ مَن لَّا يَشْبَعَانِ
۵۰	دُعَائِهِ بِالْخَسْبِ	۴۱۵	کی تشریح

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مُخْتَارَاتُ كُفْتَنِ

بگیر این همه سرمایه بهار از من  
که گل بدست تو از شاخ ناز و تر ماند

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَتَحَ قُلُوبَ الْعُلَمَاءِ بِمِفْتَاحِ الْإِيمَانِ  
وشرح صدور العُرفاء بمصابيح الْإِقْبَانِ وَأَفْضَلَ  
الصلوات وأكمل التحيات على صلته الموجودات  
وبدء المخلوقات أحمد العالمين وأمجد العالمين  
مُحَمَّدَ الْمُحَمَّدِ فِي أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ الْمُنُورِ مَشْكَاةً صَلَاتِهِ  
بِأَنْوَارِ جَمَالِهِ وَأَسْرَارِ كَمَالِهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ حَمَلَتْ  
علومها ونقلت أديابها : أما بعد :

فَيَقُولُ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ الْبَائِسُ مِنَ الضَّعْفِ مُنْتَهَاءً  
المدح النبيل الراعي عفوري لله ورحمة مولاه المسمى  
بكنية ابوالاسعد يوسف الجاجروني نسباً والحنفي  
مسلكاً غفر الله ولوالديه ومشايخه وأولاده وأخوابه  
وأقاربه وأحبابه ولعن له حق عليه ومن رفع يده  
خداً ومنكبه ليحسن بالدعاء الصالح اليه ومن قرأ



علیہ بفاتحۃ الكتاب فصاعدًا - ومن استغفر له قائمًا  
او قاعدًا ویرحمہ اللہ عبدہ اقال آمینا سوا وجہہا واخفی - فانہ  
تعالیٰ یعلم السر واخفی -

سلسلہ ۵ راقم الحروف شریک درجہ موقوف علیہ تھا اور جامع بدر العلوم  
کے انادہ بخش و سٹور کے مطابق حضرت الاستاذ قبلہ والد مکرم رحمۃ اللہ علیہ کے درسی انادات  
قلم بند کر رہا تھا۔ ابتداء میں یہ بات کہیں عاشقہ خیال میں بھی نہ تھی کہ اپنی شکستہ تحریر کو منضبط  
و مرتب بھی کرنا ہوگا لیکن ایک مہموم سی امید ضرور تھی کہ ”کلُّ اصْرٍ مَرْدُودٌ باوقاتیہ“  
کے تحت ضرور ملے زیر اشاعت لانا ہے۔ دورہ حدیث سے قبل سال میں حدیث کے مقبول  
اور جامع منتخب مجموعہ (مشکوٰۃ المصابیح) کا درس ہوتا ہے۔ جس کا مقصد طلباء کو دورہ حدیث  
کے لیے تیار کرنا اور ان میں دورہ حدیث دہلے سال بیان ہونے والی فنی مباحث کو اچھی طرح  
سمجھنے کی استعداد پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس درجہ کو موقوف علیہ کہا جاتا ہے۔ اور  
اسی مناسبت سے دورہ حدیث کے مباحث نسبت کم بسط و تفصیل کے ساتھ درس مشکوٰۃ شریف  
کے دوران بھی بیان کیے جاتے ہیں۔

استاذ ذی والدی المکرم نور الدین قدس سرہما کے درس مشکوٰۃ شریف کا شمار بھی مقبول  
ترین دروس حدیث میں ہوتا تھا۔ یہی درجہ تھی کہ ہر سال طلباء حدیث کی ایک اچھی خاصی  
تعداد اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی اور اس چشمہ  
فیض سے سیراب ہوتی ”فَلِلَّهِ الْحَمْدُ“ دائر الفناء سے دائر البقاء کی طرف رجعت  
فرمانے کے بعد دینی چشمہ کے فیض کا انقطاع ایک دینی و علمی اختلاء اور نقصان تھا لیکن  
صدِّ محمد و ستائش کے لائق وہ ذات بابرکات ہے کہ جس نے اس نا اہل انسان کو محض  
اپنے فضل و کرم سے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ ان غیر منضبط اور اناق و تحریر کو اپنی ناقص و کم فہم  
و عقل کے مطابق تسوید و تجویب کے سانچہ میں شائقین علوم نبویہ کے سامنے پیش کر رہا ہے یہ  
نا اہل انسان اس مقدس کام میں کہاں تک کامیاب و کامران رہا ہے۔ یہ ناظرین و قارئین  
مستغنیین باتمکین پر موقوف ہے کہ اپنے عقل سلیم کے مطابق جو فیصلہ فرمادیں لیکن اتنا ضرور

ع شہان بیہ کرد تا جدار ہے گلہ اند  
 نیز بے اس کام میں کن مراحل سے گذرنا پڑا اور کیا کچھ ستا پڑا یہاں تک کہ بقول  
 کس یہ کام صرف شہرت کے لیے ہے مگر میں اس کا کیا جواب دوں بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ  
 معاملہ روزِ محشر پر چھوڑ دیا جائے۔ ثانیاً اگر شہرت اتنی سستی ہے تو یہ کام ان سے بھی  
 تو لیا جاسکتا ہے لیکن سچ ہے کہ اس دنیا میں نیت با صواب کی ضرورت ہے۔ اور  
 مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِذَا بَالَغَ عَلَيَّ قَوْلُكَتُ وَالْيَوْمِ اٰثِمٌ کائنات کا تمام نظام  
 مشیتِ ایزدی کے تابع ہے۔ جو شخص بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی اس  
 کے شامل حال ہوتی ہے اگرچہ احادیثِ رسول اللہ کو اس کے گراں قدر اور بے شمار تقیفاً  
 اور شروعات کی موجودگی ہیں اس نااہل کی حقیر سی خدمت کی بالکل ضرورت ہی نہیں تھی۔ مگر  
 اس کا کیا علاج ہے کہ یہ نااہل انسان تو محتاجِ خدمت ہے۔

عریقاں بادِ خور وند در فستند  
 نہی فغانِ نہا کردند در فستند

## کچھ کتاب ”اسعد المفاتیح“ کے بارے میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسعد المفاتیح کے متعلق چند وصفیاتیں پیش خدمت کر دی  
 جائیں۔  
 اولاً: اسعد المفاتیح میں جس متن کو اختیار کیا گیا ہے وہ بہت سے متون کو سامنے  
 رکھ کر تقابلی مینے کے بعد جو متن اغلاط سے پاک و صاف تھا اسے منتخب کر کے تحریر کر دیا۔  
 ثانیاً: کوشش یہ کی گئی ہے کہ جس حدیث پر بحث ہوئے مکمل نقل کیا جائے مگر  
 بعض مقام پر کتبِ المتن ہونے کی وجہ سے کچھ حصہ کو نقل کر کے بقیہ کو شرح مفردات پر  
 منحول کر دیا گیا ہے۔

ثالثاً: کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے مفردات کی شرح کی جائے اور بعدہ خلاصہ حاصل الحدیث اور آخر میں فقہی بحث یا جو بحث حدیث پاک میں ہو اس کو بیان کر دیا ہے۔

رابعاً: فقہی وغیر فقہی بحث میں طرز استدلال و طرز بحث یوں ہے کہ اولاً مذاہب بعدہ استدلالات اور آخر میں جوابات نقل کر دیے گئے ہیں۔

خامساً: مفہوم حدیث میں جو بات بندہ کو حضرت شیخ سے نہیں مل سکی وہ کتب مطبوعہ کے مطالعہ سے اخذ کر کے بقول ابوالاسود سے بیان کر دی گئی ہے۔ مگر بعض مقامات پر اختلاف کی وجہ سے بھی اپنی بات کو اس قول سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً باب اثبات عذاب القبر میں بحث ثالث کیفیت عذاب القبر میں حضرت شیخؒ کی تحقیق جو بندہ کو حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ عذاب فقط روح کو ہوتا ہے جب کہ ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ احناف حضرات کے ہاں اس مسئلہ میں تفویض و توقيف ہے۔ جب کہ میسر نزدیک عذاب روح مع الجسد مغموری پر ہوتا ہے۔ اس بحث کا تعلق بھی میری ذاتی تحقیق سے ہے نہ کہ حضرتؒ کے فوائد وغیرہ سے ”مَنْ كَسَاءَ فَلْيَأْخُذْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَبْزُكْ“۔

سادساً: یہ بات آپ کو بہت کم ہی شروعات میں ملے گی کہ ہر حدیث کو لیا جائے اور اس پر حسب توفیق ایزدی بحث کی جائے۔ بفضل اللہ و رحمۃ اللہ اسعد النتائج میں من اولہ الی آخرہ ہر حدیث پر بحث کی گئی ہے۔ اور کسی حدیث کا سقوط آپ کو نہیں ملے گا۔ البتہ کمزرتین سے اجتناب کیا گیا ہے۔

سابعاً: کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کرنے ہوئے افہام و تفہیم کے لیے اس مسئلہ کو ترجمۃ الباب میں علیحدہ شکل کے اندر تحریر کیا گیا ہے تاکہ طائرانہ نظر سے ہی حاصل اختلافات واضح ہو جائے جب کہ یہ طریق کم ہی شروعات میں آپ کو ملے گا۔

ثامناً: شرح مذکورہ میں جن آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ بقاعدہ اس کا حوالہ دیا گیا ہے تاکہ اصل کی طرف مراجعت کرنے میں آسانی کیے۔

تاسمًا ، اُسعدُ المفاتيح میں جس حدیث پر بحث کی گئی ہے اس کے اختتام پر محابی رسولؐ مذکور السند کو اسمائے رجال کی شکل میں بیان کر دیا گیا ہے تاکہ قاری درادی حدیث میں ربط و علاقہ قائم ہے۔

عاشمًا ، حدیثی کی حد تک تو اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے البتہ حد اضافی پر نظر کی جائے تو پیر عزیز بائیز المحدث "اُسعدُ محمود کے نام نامی کی طرف تلمیح ہے۔ احقر کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے جبراً مجد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَمَا مِلْنَا

ملا کر ام و طلباء عظام سے گزارش ہے کہ اُسعدُ المفاتيح میں جہاں بھی عبارت میں سقم (کمزوری) یا کسی مسئلہ میں غلطی

مَلْحُوظٌ

محسوس کریں تو اس سے احقر کو ضرور مطلع کریں۔ اِنْ شَاءَ اللہ العزیز معقول اغلاط کی درستگی میں کوئی تاخیر نہ ہوگا۔ اور آگاہ کرنے والے حضرات کے شکریہ کے ساتھ غلطی کی اصلاح کو ذمہ داری سمجھا جائے گا۔

وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِيلٌ  
رَّبَّنَا نَعْبُدُكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ  
عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ الثَّوَابُ الدَّجِيمُ

الْعَبْدُ الْاَشَقُّ

المدعو ابی الاسعد صانہ اللہ عن الشیخ الفاضل یوسف جاجردی غفرلہ المکریم  
۵ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ مورخہ ۵ ستمبر ۲۰۰۲ء خادم الدریس دھال ٹریل  
بیدر العلوم رحیم یار خان

## بَيَانُ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَشْكُوتَةِ

**فائدہ** یقول ابو الاسعاد مسأله الله عن المشرك والفساد بتوفيق ربه الاحاد ! واضح ہے کہ لفظ مشکوۃ المعانی کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دو کتابیں ہیں ایک مشکوۃ ، دوسری معانی لہذا ہر ایک کے متعلق علیحدہ حالات کو سپرد قلم کیا جا رہا ہے۔

**نام و نسب** نام محمد (یا محمود) کنیت ابو عبد اللہ لقب ریح الدین اور والد کا نام عبد اللہ ہے۔ نسباً عمری ہیں اور خلیف تبریزی سے مشہور ہیں اپنے وقت کے محدث عظام اور فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ حدیث پاک میں آپ کا امتیازی کام یہ مشکوۃ شریف ہے۔ نیز آپ کے بلند مقام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کے جلیل القدر استاد علامہ طیبی نے آپ کا تذکرہ بقیۃ الاولیاء ، قطب الصلحاء کے الفاظ سے کیا ہے۔

ولادت با سعادت اکثر محدثین حضرات نے تاریخ ولادت ذکر نہیں فرمائی۔ بعض محدثین حضرات کے نزدیک علامہ خلیف تبریزی کی ولادت سن ۷۵۵ھ یا بقول دیگر سن ۷۵۴ھ بروز شنبہ بوقت طلوع شمس ہوئی۔

**علم و فضل اور کمال میں آپ کا مقام** علم و فضل میں آپ کو جو مقام حاصل تھا وہ آپ کی تالیف مشکوۃ المعانی کی مقبولیت اور کائنات سے راضی ہو جاتا ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ نے ہر قاعۃ ص ۲ میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا ہے۔

لَمَّا كَانَ كِتَابُ مَشْكُوتَةِ  
الْمَعَارِ بِحِجِّ الْأَذَى الْفَكْه  
ترجمہ : جب کہ کتاب مشکوۃ  
المعانی جس کی تالیف کی مولانا نے

مَوْلَانَا الْبَحْرُ الْمَعْلَمَةُ وَالْبَحْرُ  
الْفَهَامَةُ مُظْهِرُ الْعَقَائِقِ  
وَمَوْضِعُ الدِّقَاتِ الشَّيْخُ  
النُّقِيُّ النُّقِيُّ الْمَخْ -

عالم، علامہ اور علم و دانش کے دریا  
حقائق کے ظاہر کرنے والے اور  
دقائق کے وضاحت کرنے والے  
شیخ ہونقی ہیں، پاک صاف ہیں۔

## سبب تصنیف مشکوٰۃ

مصنایج میں حدیث کا مآخذ اور راوی مذکور نہیں تھا  
اس طرز پر بعض اہل علم کو کلام تھا کیونکہ حوالہ کتاب

نہ ہونے کی وجہ سے تلاش مآخذ میں بہت دقت ہوتی ہے اور ذکر سند کے بغیر صحت  
حدیث پر پورا اعتماد نہیں ہوتا۔ علامہ طیبیؒ اور مؤلفؒ نے اس کا احساس کر کے باہم  
مشورہ کیا اور بالآخر مصنایج کی تکمیل کا کام مؤلفؒ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے راوی  
اور مآخذ کے ساتھ ساتھ فصل ثالث کا بھی اضافہ فرمایا اور بہت تتبع اور تلاش کے  
بعد کئی سالوں میں نہایت محنت کے ساتھ مشکوٰۃ المصابیح مرتب فرمائی اور جن احادیث  
کا حوالہ نزل سکا وہاں بیاض چھوڑ دیا۔ اس کے بعد عثمانیہ اور شارحین نے اس کو پورا کیا  
لیکن بعض جگہ اب بھی بیاض باقی ہے۔

صاحب مصنایج پر علماء کا اعتراض بہ سبب ترک ذکر اسناد کے تھا وہ بات

سوال جواب تو اب بھی باقی رہی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے فقط صحابی اور کتاب کا نام  
ذکر کیا ہے اور تمام سند ذکر نہیں کی۔

صاحب کتاب کا نام ذکر کر دیا تو گویا پوری سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تک بیان کر دی کیونکہ خود اس صاحب کتاب نے پوری سند

جواب

ذکر کی ہے۔

مشکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں دیوار کے اندر کا وہ

طاقت جس میں چراغ رکھا ہو۔ ترجمہ صنف کا مطلب

درجہ تسمیہ مشکوٰۃ المصابیح

یہ ہے کہ محی السنۃ کی کتاب "المصابیح" مثل چراغ کے ہے اور میری کتاب  
(مشکوٰۃ) منوٰی درجہ کی مثل طاقت کے ہے جو چراغ سے کم درجہ رکھتا ہے تو اس  
میں مصنف نے نہایت درجہ کا ادب اختیار کیا ہے۔ یا مصنایج سے مراد احادیث

رسول ہیں۔ تو احادیث رسول مرفوض ہیں اور میری کتاب غرر کے درجہ میں ہے جو مرفوض سے کم درجہ رکھتی ہے۔

بَقُولِ الْبَوَالِ سَكَد ۱۔ مَصَاحِبِ كَالْعَزِيْ مَعْنٰی چراغ ہے لیکن اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں اور وہ بمنزلہ چراغ کے ہیں۔ جس طرح چراغ کے ذریعہ ظلمت دور ہو کر اجمالا ہوتا ہے اسی طرح حدیثوں کے ذریعہ سے باطنی ظلمت دور ہو کر ایمان کی روشنی پھیلتی ہے لیکن احادیث کے منتشر ہونے اور بلا سند و مخرج کی وجہ سے ان کی روشنی کچھ کم تھی۔ ہر ایک کو ان سے روشنی حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ صاحب مشکوٰۃ نے ان کو سند کے ساتھ باحوالہ یک جامع کیا۔ لہذا اس کی روشنی و افادیت میں اضافہ ہو گیا تو گویا یہ کتاب احادیث کے لیے بمنزلہ طاق ہو گئی۔

مَصَاحِبِ میں کل چار ہزار چار سو چونتیس احادیث تھیں۔ صاحب مشکوٰۃ نے ان میں پندرہ سو گیارہ احادیث کا اضافہ فرمایا۔ تو اس طرح مشکوٰۃ شریف میں احادیث کی کل تعداد پانچ ہزار ۹ سو پینتالیس ہوئی۔ مشکوٰۃ شریف میں کل فصول کی تعداد ایک ہزار اڑتیس ہے۔ اور کل ابواب کی تعداد تین سو ستائیس اور کل کتب کی تعداد انتیس ہے۔

صاحب مشکوٰۃ کا سال وفات باوجود تحقیق معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ یہ یقین ہے کہ <sup>۳۲</sup>شعبہ کے بعد وفات ہوئی ہے کیونکہ بروز جمعہ ماہ رمضان <sup>۳۲</sup>ھ میں تو اس تالیف سے فراغت ہوئی ہے۔ جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے آخر کتاب میں تصریح کی ہے۔ بعض حضرات نے اندازہ لگا کر سال وفات <sup>۳۵</sup>ھ ذکر کیا ہے اور صاحب تاریخ حدیث نے <sup>۳۵</sup>ھ مانا ہے۔

## حالات صاحب مصابیح

نام و نسب - حسین نام، کنیت ابو محمد، لقب محی السنۃ، والد کا نام مسعود فرار  
بغوی سے مشہور ہیں، ابن الفراء بھی کہلاتے ہیں۔

محی السنۃ کے لقب کی وجہ تسمیہ | آپ کے لقب محی السنۃ کی وجہ یہ  
ہے کہ آپ نے حدیث پاک کی

ایک کتاب شرح السنۃ تالیف فرمائی۔ جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خواب  
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔  
”أَحْيَاكَ اللَّهُ كَمَا أَحْيَيْتَ سُبْحَى“ آپ کے اسی ارشاد گرامی کی بناء پر  
ان کا لقب محی السنۃ مشہور ہو گیا۔

فرار کی وجہ تسمیہ | لغت عرب میں فرار پوستان کو کہتے ہیں ان کے آبار  
و اجداد میں سے کوئی پوستان ہی کہ فرودخت کرتا تھا  
اس لیے ان کو فرار اور ابن الفراء کہتے ہیں۔ عند البعض آپ کے والد ماجد حضرت  
مسعود بھی کام کرتے تھے۔

بغوی کی وجہ تسمیہ | أَبْغَوَىٰ یہ بلغ یا بغشور کی طرف نسبت ہے یہ علاقہ  
خراسان میں ہرات اور مزارکے درمیان ایک بستی

ہے اس کو بغا بھی کہتے ہیں۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو بغوی کہ دیا جاتا  
ہے۔ اگر یہ بغشور کی طرف نسبت ہے تو بغشور مرکب امتزاجی ہے بلغ اور شور سے  
مرکب ہے۔ مرکب امتزاجی کی طرف نسبت کرنے کے دو طریقے ہیں۔  
اول، یہ کہ پورے مرکب امتزاجی کے آخر میں یا نسبت لگا دی جائے اس کے  
مطابق بغشوری ہونا چاہیے تھا۔

دوم، یہ کہ مرکب امتزاجی کے دوسرے جز کو حذف کر کے یا نسبت جز اول  
میں لگا دی جائے جیسے مَشْدُ فِکْرَب کی طرف نسبت کرتے ہوئے مَشْدُ عی کہ دیا جاتا ہے



اس قسم کی مثالیں کلام عرب میں بکثرت ملتی ہیں۔ یہاں بھی اسی طریقہ کے مطابق بَعُوث سے بَعُوثی بن گیا۔

يَقُولُ اَبُو الْاِسْعَادِ : بَعُوثُ کے آخر میں یاء نسبت لگنے سے بَعُوثی بنتا ہے نہ کہ بَعُوثی پر بَعُوثی کیسے بنا ؟

**فائدہ**

یہ ہے کہ لفظ بَعُوث لفظ دم کے ساتھ ملتا جلتا ہے اور دم اسماء محذوفۃ الاعجاز میں سے ہے۔ اسماء محذوفۃ الاعجاز

**جواب اول**

ان اسماء کو کہتے ہیں جن کا آخری حرف حذف ہو چکا ہو۔ اسماء محذوفۃ الاعجاز کے بارہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جب ان کے آخر میں یاء نسبت لگا دی جائے تو وہ گرا ہوا حرف واپس آ جاتا ہے۔ چنانچہ دم کے آخر میں یاء نسبت لگا نہیں تو دَمُوثی بن جائے گا۔ بَعُوث اگرچہ اسماء محذوفۃ الاعجاز میں سے نہیں ہے لیکن چونکہ ان سے ملتا جلتا ہے اس لیے اس کے ساتھ بھی معاملہ کیا گیا اس لیے بَعُوثی بن گیا۔

اسی طرح کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر بَعُوث

**جواب دوم**

ہے دیا جاتا تو معنی میں التباس کا خطرہ تھا کیونکہ بَعُوث کا معنی بدکار ہوتا ہے تو بَعُوثی کے میں اس التباس کا خطرہ نہیں۔

تمام عمر تصنیف و تالیف اور حدیث و فقہ کے درس میں مشغول رہے ، ہمیشہ باد صبور سے دیتے اور زہد و قناعت میں زندگی گزارتے

**زبردور ع**

تھے۔ انظار کے وقت خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تر کر کے کھاتے تھے۔ جب شاگردوں نے اصرار کے ساتھ کہا کہ خشک روٹی کھانے سے دماغ میں خشکی پیدا ہو جائے گی تو بطور ناخوش رس (سالن) کے روغن زیتون استعمال کرنے لگے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ کا انتقال ہوا اور کافی مال چھوڑ کر ابھی ملک بقاء ہو نہیں سکتا آپ نے اس کی میراث سے کوئی چیز نہیں لی۔

گر نہیں دولت تو صدمہ کچھ نہیں

دل غمی رکھتے ہیں شکوی کچھ نہیں۔

(ازل کھنوی)

بڑے بڑے اکابر محدثین نے آپ کے بلند مرتبہ کی شہادت دی ہے

## آپ کے ترجمہ علمی کی شہادتیں

مشہور ماہر لفظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

الْفُتُوْیُّ اَلْاِمَامُ الْعَاطِفُ  
بُورِكَ لَهُ فَاِنْصَحَا نِيْفِهِ  
لِقَصْدِهِ الصَّالِحِ فَاِنَّهُ  
كَانَ مِنَ الْعُلَمَاءِ الرَّبَّانِيَيْنِ  
كَانَ ذَا الْعَبْدِ وَلِسْتُ وَقِنَاعِهِ  
يَا لَيْسِيْرُ: (تذکرۃ الحفاظ ص ۵۵ ج ۴)

علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں:

كَانَ اِمَامًا جَلِيْلًا وَرَعًا  
زَاهِدًا فَقِيْهًا مُحَدِّثًا مُّفَسِّرًا  
جَامِعًا بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ  
سَالِكًا سَبِيْلَ السَّلَفِ لَهُ فِي  
الْفِقْهِ الْبَدْوُ الْبَاسِطَةُ:

ترجمہ: آپ جلیل القدر امام متقی پرہیزگار، فقیہ، محدث، مفسر علم و عمل کے جامع اور سلف کے طریق کے پیروکار تھے۔ آپ کو فقہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔  
رفوئہ جامعہ ص ۹۱ بحوالہ طبقات اکبری للسیکیؒ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: آپ تین فنوں میں جامعیت رکھتے تھے اور ہر ایک کو کمال تک پہنچایا تھا، آپ بے نظیر محدث اور بے مثال مفسر اور فقہ شافعی کے فقیہ تھے۔

وہ جامع است و مدفن دہریک را  
بکمال رسانیده است محدث بے نظیر و  
مفسر بے عدیل و فقیہ شافعی صاحب فقہ  
است رلستان الحدیث فارسی ص ۱۳۵

آپ کی ولادت ۱۲۳۵ھ میں ہوئی اور وفات راج قول کے مطابق ۱۲۵۶ھ ماہ شوال میں ہوئی اور اپنے استاد قاضی

## ولادت و وفات

حسین کے جوار طالقان میں مدفون ہوئے۔

# دیباچہ مشکوٰۃ شریف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ تَحْمَدًا وَتُسْتَيْبِيَةً وَتُسْتَفِيرَةً ۱

(ترجمہ) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طالب اور بخشش کے خواستگار ہیں۔

## تشریح

خداوند قدوس کی تعریف جیسی کہ اس کی شان کے مناسب اور لائق ہے کسی بندہ سے ادا نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام الانبیاء فخر رسل جناب

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا أُخْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ  
أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ

(ترجمہ) نہیں شمار کر سکتا تیری تعریف کو  
تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف کی

(مشکوٰۃ شریف ص ۸ ج ۱ باب السجود وفضلہ)

اس لیے مُسْتَفِی علیہ الرحمۃ خداوند تعالیٰ سے مدد کا طالب ہے کہ اس کی زبان و بیان کو اتنی طاقت عطا کر کہ جس سے وہ اپنے پروردگار کی حقیقی تعریف و توصیف کر سکے۔

ثانیاً: اگر بقاضائے بشریت آئینہ اب جناب پروردگار کی تعریف و توصیف میں کچھ کوتاہی و لغزش (جس کا وقوع یقینی ہے) ہو جائے جو شان الوہیت کے منافی ہو تو اس سے مصنف بخشش اور معافی کا خواستگار ہے جو تَسْتَغْفِرُہ سے مترشح ہے۔

سوال: مُصَنَّف نے اپنی کتاب کو بِسْمِ اللہ و حَمْدِ اللہ سے کیوں شروع فرمایا؟  
جواب: یہ ہے کہ مُصَنَّف نے اپنی کتاب کو بِسْمِ اللہ و حَمْدِ اللہ سے شروع کر کے تین چیزوں کی اتباع کی ہے۔

اولاً: حدیث قولی کی اتباع کی ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ بِشِئْنِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ أَقْطَعُ :

ایک روایت میں بحمدِ اللہ ہے :-

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ فَهُوَ أَقْطَعُ -

رمشکوۃ شریف ص ۲ ج ۲

کتاب النکاح باب اعلان النکاح

والخطبة

ایک روایت میں کلُّ امر کے بجائے کلِّ کلام کے الفاظ ہیں :-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامٍ لَا يُبْدَأُ فِيهِ بِحَمْدِ اللَّهِ فَهُوَ أَجْزَمُ رَابِعًا وَدُشْرِفًا ص ۲ ج ۲

کتاب الادب باب الکلام فی الکلام

ترجمہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بہتر بات کا کام کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے نہ کی گئی ہو وہ بے برکت ہوتا ہے (غایۃ السعایہ ص ۱۲ ج ۱)

ترجمہ : سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کام کو الحمد للہ کے ساتھ شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت اور اہتر ہوتا ہے۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس اہم اور عظیم الشان کلام کو خدا کی حمد و ثناء کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتی ہے

بقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : روایات مذکورہ ثلاثہ کے الفاظ مختلف سے تعارض قائم نہ کیا جائے جیسے کہ بعض غیر فن والوں نے تعارض پیدا کیا اور اس کے جوابات دینے کی کوشش کی اور ابتداء کی اقسام نکالیں۔ حقیقی اضافی عرفی کسی کو حقیقی پر محمول کیا اور کسی کو اضافی یا عرفی پر، حالانکہ یہ سب بے جابحاث مطول ہیں کیونکہ فن حدیث کے ماہرین کو خوب معلوم ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ تعارض دلائل جزیئہ جہاں حدیثیں دو ہوں اور راوی

حدیث یعنی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی مختلف ہوں۔ حالانکہ یہاں حدیث اور راوی حدیث ایک ہے الفاظ مختلف ہیں لیکن سب کا مقصد ایک ہے کہ ذکر اللہ سے شروع کیا جائے۔ تو تمام روایات متحد فی المقصود (یعنی ذکر اللہ) جو نہیں خواہ بِسْمِ اللہ ہو یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہو یہی وجہ ہے کہ بعض طرق حدیث میں تَحْمِیدُ اللہ اُنْذِکَ کَثْرَ اللہ کے الفاظ مبارکہ آئے ہیں چنانچہ حافظ عبد القادر رھاوی کی اربعین میں یہ الفاظ آئے ہیں: کُلُّ اَمْرِ فَرَعٍ یَا لَیْلَ لَا یُسَبِّحُکَ اِلَّا بِذِکْرِ اللہِ فَهَؤُلَاءِ قَطْعٌ حَافِظُ ابْنِ حَجَرٍ عَقْلًا نَسَبَ یَہِی بَاتِ فَتَحَ الْبَارِیَ مِنْ فَرَاغٍ ہے کہ بِسْمِ اللہِ حَمْدُ اللہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہِ اللہِ کا قدر مشترک ذکر اللہ ہے جس کے ضمن میں بھی ہو ماسودہ کی تفصیل ہو جائے گی، لہذا العارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً: حدیث فعلی کی اتباع کی ہے، حدیث فعلی یہ ہے کہ تو اتر سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تھا کہ جب خطوط لکھواتے تھے تو بِسْمِ اللہ سے شروع کرتے تھے۔ تو مصنف کی کتاب بمنزلہ خطوط کے ہے اسی لیے بِسْمِ اللہ سے شروع کیا۔

ثالثاً: مصنف نے اپنی کتاب کو بِسْمِ اللہ سے شروع کر کے قرآن مقدس مُکَرَّم منور کی اتباع کی ہے کیونکہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت اِقْرَأْ بِاِسْمِ رَبِّکَ نَازِل ہوئی لہذا اس کی اقتداء کی صورت یہی ہوگی کہ فقط بِسْمِ اللہ سے افتتاح کیا جائے!

قولہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدُہٗ وَلَسْتَعِیْنُہٗ وَلَسْتَعِیْزُہٗ: ان جملوں کی تشریح بیان کرنے سے قبل ایک خارجی بحث ذہن نشین فرمائیں۔ مقام ہذا پر تین چیزیں بیان کی جاتی ہیں: اول حمد دوم مدح سَلَامُ شُکْرِ۔ محدثین حضرات نے بحث کی ہے کہ ان تینوں میں فرق ہے یا مسادہ ہیں۔ اس بارے میں دو طائفے ہیں۔

طائفہ اولی: ان حضرات کے نزدیک ان تینوں میں کوئی فرق نہیں یہ تمامی قریب المعنی ہیں۔

طائفہ ثانیہ: مُحَقِّقِینِ حضرات کے نزدیک ان تینوں جملوں میں فرق ہے اور تعریف میں

نمایاں ہے۔

اَلْحَمْدُ هُوَ الشَّحَاءُ بِاَلِیْسَانِ عَلٰی الْجَمِیْلِ الْفَضِیْلِ  
سَوَاءٌ كَانَ بِقَمَّةٍ اَوْ غَیْرِهَا: حمد یہ ہے کہ کسی اچھے کام پر

تعریف حمد

تعریف کی جائے زبان کے ساتھ جو اس کے اختیار میں ہو برابر ہے کہ نعت ہر یا نہ ہو۔ پھر جمیل دو قسم ہے  
 اقول اختیاری : اس کی مثال کوئی عالم ہے قرآن پاک خوب یاد ہے۔  
 دوم غیر اختیاری : مثلاً حسین بہت ہے کسی کی محبت اس کی دل میں ہے۔  
 موردِ حمد جہاں سے محدود رہتی ہے وہ خاص زبان ہے کیونکہ تعریف ہمیشہ  
 زبان سے ہوتی ہے اور مصدر بھی کہتے ہیں :

متعلق حمد یہ عام ہے نعت ہر یا نہ ہو جیسے کسی کی تعریف کی جائے اس میں کوئی فائدہ  
 ہر یا نہ ہو۔

**تعریف مدح** | هُوَ الشَّنَاءُ بِأَلْسَانٍ عَلَى الْجَمِيلِ الْإِخْتِيَارِي  
 وغیرہا، کسی کی اچھے کاموں پر تعریف کی جائے لیکن عام ہے  
 اختیاری ہو یا غیر اختیاری : مثال مَدَحْتُ اللّٰهُ لَوْ عَلَى صِفَاتِهَا یوں نہیں کہیں گے  
 حَمِدْتُ اللّٰهُ لَوْ عَلَى صِفَاتِهَا مَدَحْتُ زَيْدًا عَلَى حُسْنِهَا أَوْ عَلَى عِلْمِهَا  
 وَلَا يَقَالُ حَمِدْتُ زَيْدًا عَلَى حُسْنِهَا، خلاصہ الکلام یہ ہے کہ مدح عام ہے  
 اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کو شامل ہے بخلاتِ حمد کے کہ یہ فقط اختیاری کے لیے ہے۔  
**تعریف شکر** | الشُّكْرُ فِعْلٌ يُقَالُ شَكَرْتُ لِمَنْ أَنْعَمَ عَلَيَّ مِنْ حَيْثُ  
 كَوْنِهِ مُنْعِمًا : شکر ایک فعل ہے جو منعم و انعام دینے والا،

کی تعظیم پر خبر دیتا ہے اس حیثیت سے کہ یہ ہمارا منعم ہے۔ پھر شکر کے تین درجات ہیں :-  
 اقول : زبان کے ساتھ اس کی تعریف کی جائے۔ قَوم : یاد دل سے کہ دل میں اس کی  
 محبت چھپی ہوئی ہو۔ سَوم : ظاہری اعضاء سے ہو کہ ہاتھ پاؤں سے اس کی خدمت کرے۔  
 ان تینوں درجات کو کسی شاعر نے شعر میں سمودیا ہے :-

أَفَادَ تَكْرُمَ النِّصَامِ مِثْلِي تَكَدُّنًا      يَدِي وَلِسَانِي وَصَمِيرَ الْمُحِجَّاءِ  
 مجب کہتے ہیں جرات دل میں چھپی جو۔ ان درجات سے شکر کا مورد عام بن جاتا ہے  
 مگر متعلق عام نہیں بلکہ خاص ہے کہ نعت ہوگی تو شکر بھی ہوگا نعت نہیں تو شکر بھی نہیں۔  
 فائدہ اولیٰ : الْحَمْدُ لِلّٰهِ کی الف لام اکثر مصنفین استغراق کی بناتے ہیں۔ تو

معنی ہوگا کہ ہر حمد ازل سے لے کر اب تک ساری کی ساری اللہ پاک کے ساتھ خاص ہیں۔

**سوال :** آپ نے تو ساری حمدیں اللہ پاک کے ساتھ خاص کر دیں جبکہ مخلوق کی بھی حمدیں ہوتی ہیں جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد و احمد ہے یعنی تَعْرِیْف کیا ہوا۔

**جواب :** تو پھر بخوی حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ صنوع کی تَعْرِیْف گویا صالح کی تَعْرِیْف ہے مگر اس پر بھی سوال ہوتا ہے۔

**سوال :** پھر اس طرح ایک مشرک اپنے خود ساختہ معبود (بت وغیرہ) کی جھوٹی تَعْرِیْف اور عبادتیں کرتا ہے اور وہ بھی یہی کہتا ہے کہ اس کی تَعْرِیْف گویا اللہ تعالیٰ کی تَعْرِیْف ہے تو بخوی حضرات اس کا جواب دیتے ہیں کہ الف لام استغراق کی نہیں بلکہ الف لام جنس یا عہد خارجی کی ہے تو معنی ہوگا کہ ہر حمد ازل سے لے کر اب تک مافوق الاسباب اللہ پاک کے ساتھ خاص ہے تو ماتحت الاسباب والی حمدیں خارج ہو جائیں گی۔

**سوال :** اس کی کیا وجہ ہے کہ مُصَنَّف علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کے شروع میں حمد باری کے لیے دو قسم کے جملے لائے ہیں۔ ایک جملہ اسمیہ الحمد للہ اور دوسرا جملہ فعلیہ نحمدہ۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا سلسلہ عمر بھر باقی رہتا ہے اس لیے **جواب اول :** لحاظ سے جملہ اسمیہ لائے جو دوام پر دلالت کرتا ہے اور اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نوع بنوع ہر گھڑی میں متجدد ہوتی رہتی ہیں۔ جملہ فعلیہ لائے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ الحمد للہ سے اس بات کی خبر دینا مقصود ہے

کہ تمام حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہیں اور نحمدہ سے انشاء کے حمد مقصود ہے گویا پہلا جملہ صورتہ معنی خبر یہ ہے اور دوسرا جملہ صورتہ خبر یہ ہے معنی انشاء یہ ہے۔ اس صورت میں تکرار نہ رہیگا۔ یہ ہے کہ جملہ الحمد للہ اول پیدائش اور ابتداء کے خلق

**جواب سوم :** سے انتہائے خلق تک تمام حامدین کی مطلق حمد کو شامل ہے اور جملہ نحمدہ میں خاص اپنی طرف اظہار حمد ہے۔

**سوال** یہ ہے کہ بظاہر حمد کرنے والے تصنیف کرنے کے وقت تنہا مُصَنِّف علیہ الرحمۃ ہیں مُقتضی ظاہر اخلاص و بصیغۃ الافراد تھا۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے غمّہ جمع کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔

**جواب اول** یہ ہے کہ صیغہ جمع متکمل لاکر غفلت شانِ خداوندی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس جامع الکلمات پاک ذات کی حمد اتنا بڑا کام ہے کہ اس کی ادائیگی کسی ایک کے اختیار میں نہیں اس لیے جمع کا صیغہ لاکر ہر حامد کو شریک کار کیا ہے خواہ اس کی حمد حالی ہو یا قالی۔

**جواب دوم** حضرت مُصَنِّف علیہ الرحمۃ تو اُنھما صیغہ جمع اختیار فرمایا ہے مقصد یہ ہے کہ تنہا میری حمد اس قابل نہیں کہ اسے بارگاہِ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل ہو اپنی حمد کو انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام اور صالحین مخلصین کی حمد کے ساتھ ملا کر پیش کیا تاکہ ان نفوس قدسیہ کی حمد کے ساتھ میری ناقص حمد بھی قبول ہو جائے۔

**مسئلہ :** مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجلس واحدہ میں کئی چیزوں کا سودا ہوا ہو پھر ان میں سے بعض میں عیب نکل آئے تو اس صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ رد کرے تو سب کو کرے رکھے تو سب کو رکھے۔ عیب دار کو رد کر دینا اور صحیح سالم کو رکھنا جائز نہیں۔ (کافی الہدایہ کتاب البیوع)

**امدم برسر مطلب :** جب حق تعالیٰ نے ضعیف انسان (يَخْلُقُ الْاِنْسَانَ) ضعیفًا کو یہ تعلیم فرمائی ہے تو وہ کریم ذات خود بدرجہ اولیٰ مخلوق چیزوں میں سے صحیح سالم رکھے کہ عیب دار کو رد نہ فرمائیں گے بلکہ صحیح سالم کی برکت سے عیب دار کو بھی قبول فرمائیں گے چنانچہ جماعت کی نماز میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اعلیٰ کی برکت سے ادنیٰ مقبول ہو جائے۔

اپنے اخوان و اصحاب پر شفقت اور ہمدردی کی وجہ سے جمع کا صیغہ لائے ہیں تاکہ اس اہم عبادت میں ان کو بھی شریک کر لیا جائے

**جواب سوم** کمال ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کی جائے وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کی جائے۔ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مِمَّا يَحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

بخاری ج ۱ باب من الایمان ان یحب لایخیر ما یحب لنفسہ



## فائدہ ثانیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ والا جملہ، جملہ اسمیہ معدولہ عن الفعل ہے یعنی اصل میں یہ جملہ فعلیہ تھا فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا گیا عبارت یوں تھی حَمْدٌ لِلّٰہِ حَمْدًا فعل حذف کر کے حمد پر الف لام داخل کر دیا گیا الحمد للہ بن گیا۔

## دونوں جملوں میں فرق

حمد فعلیہ دلالت کرتا ہے تجدد و انقراض پر یعنی ایک چیز آئے وہ ختم ہو جائے، پھر دوسری چیز آئے اس کی مثال

بارش کی ہے کہ بارش کی ایک بوند آتی ہے، پھر دوسری آتی ہے۔ جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے دوام و استمرار پر اس کی مثال پر نالے کی ہے جس کو میزاب کہتے ہیں، پر نالے سے پانی لگتا تار ہوتا رہتا ہے یعنی جملہ اسمیہ ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔

قَوْلُهُ وَتَسْتَعِينُهُ : تَسْتَعِينُ میں سین طلب کے لیے ہے بمعنی طلب المدد و عند بعض استعانت فی الحمد مراد ہے مگر عند الجمهور یہ غلط ہے اور یہ تخصیص بلا تخصیص ہے اور مُسْتَعَانِ فیه میں عموم ہے تو اب معنی ہو گا "اَنْ تَسْتَعِينُهُ فِي الْحَاجَاتِ الدُّنْيَوِيَّةِ وَالْآٰخِرِيَّةِ كُلِّهَا" (دکان فی المرات) استعانت کا مجرور جون ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی حمد جیسے امر عظیم دیگر امور میں اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اس پاک و قادر مطلق ذات سے مدد کے طالب ہیں۔

سوال : یہ ہے کہ مُسْتَعْفٍ علیہ الرحمة نے اِيَّاكَ تَسْتَعِينُ ہم اس سے مدد چاہتے ہیں) بعنوان حمزہ ذکر نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ ہے کہ مقام اختصاص کا اور اک و خلیفہ خواص ہے ہر کس و ناکس کا یہ مقام نہیں کہ دل کی سچائی سے یہ کہ سکے کہ مشاہدہ قدرت ہم پر اتنا غالب آچکا ہے کہ ہمارا کسی غیر کی طرف اب التفات ہی نہیں رہا۔ مطلب یہ کہ اعتقاد اس امر کا تو ہر مؤمن کو حاصل ہے لیکن اس کا استغفار صادق و خلیفہ خواص ہے۔

## جواب

قَوْلُهُ وَتَسْتَعْفِرُكَ : استغفار کی سین طلب کے لیے ہے بمعنی طلب الغفرۃ مطلب اس کا یہ ہے کہ حمد بیان کرنے میں جو تقصیرات ہم سے واقع ہوئی ہیں ہم ان سے معافی

کے طلب گار ہیں۔

مقام ہذا پر دو چیزیں ہیں : اول استغفار، دوم توبہ محمدین حضرات نے ان دونوں میں دو طرح کا فرق بیان کیا ہے۔

**فائدہ اولیٰ**

توبہ دو قسم پر ہے اول توبہ از حق اللہ اس کے لیے تین شرائط ہیں :-  
۱۔ ترک فی الحال ۲۔ عزم ترک فی الاستقبال ۳۔ ندامت فی الحال۔

**فرق اول**

دوم توبہ از حق العباد : اس کے لیے چار شرائط ہیں تین شرطیں یہی ہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ چیز ادا کر دے یا ابراء کرے جب کہ استغفار میں یہ چیزیں نہیں ہیں فقط طلب معافی ہے۔

توبہ صرت اپنے لیے کر سکتا ہے غیر کے لیے نہیں بخلاف استغفار کے اپنے لیے بھی کر سکتا ہے غیر کے لیے بھی۔ کقولہ تعالیٰ حاکمًا مِنَ الْعَادِلَةِ وَیَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا، وَفِیْ مَقَامِ الْاٰخِرِ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِینَ سَبَقُونَا بِالْاِیْمَانِ :-

استغفار دو قسم پر ہے اول استغفار مفرد کقول نوح علیہ السلام : اِسْتَغْفِرُ وَاَرِیْتُکُمْ اَنِّهٖ كَانَ عَفَا رَا کَقَوْلِ صَالِحِ عَلَیْہِ السَّلَام لِقَوْمِہٖ : اِنِّیْ لَا اَسْتَغْفِرُ وَاَللّٰہُ کَعَلَمِکُمْ

**فائدہ ثانیہ**

ثَرَحَمُوْنَ۔ دوم : استغفار مقرون بالتوبہ : کقول شعیب علیہ السلام : اِسْتَغْفِرُ وَاَرِیْتُکُمْ اَنِّیْ رَاجِعٌ وَّوَدُّ۔ وکقولہ تعالیٰ فِیْ قِصَّةِ سَیِّدِنَا هُوْد عَلَیْہِ السَّلَام : اِسْتَغْفِرُ وَاَرِیْتُکُمْ اَنِّیْ رَاجِعٌ وَّوَدُّ۔ اَللّٰہُ یَزِیْلُ السَّمَاءَ عَلَیْکُمْ مِیْدَانًا۔ پھر محمدین حضرات نے ان دونوں قسموں کا فرق لکھا ہے کہ استغفار مفرد توبہ کی طرح ہے لیکن جب توبہ واستغفار میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ متصل کیا جائے تو دونوں میں فرق ہوتا ہے۔

استغفار طلب وقایہ شرما معنی ہے اور توبہ طلب وقایہ شرما بخلاف فی المستقبل من سیئات اعمالہ گو یا گناہ ماہی کے شر سے طلب وقایہ کو استغفار اور گناہ مستقبل کے نہ کرنے پر جو عزم ہے اُسے توبہ کہا جائے گا۔

**فرق اول**

**فرق دوم :** استغفار من باب ازالة الضرر ہے اور توبہ جلب منفعت کے باب سے ہے

قَوْلُهُ وَتَوَدُّ بِاللّٰهِ  
مِنْ شُرُورِ الْفُسَيْنَا وَ  
مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا

ترجمہ : اور ہم اپنے نفس کی برائیوں اور  
اپنی بد اعمالیوں سے خدا کی پناہ  
چاہتے ہیں۔

قَوْلُهُ تَوَدُّ۔ تَوَدُّ مشتق ہے عَوَدٌ سے عَاذَ يَمُوذُ عَوْدًا اس کا  
لغت میں معنی ہوتا ہے "اَلتَّوَدُّ هُوَ الْمَنْعُ وَالْاِلْتِجَاءُ یعنی پناہ پکڑنا۔

قَوْلُهُ اَلْفُسَيْنَا یہ جمع ہے نفس کی، انسان دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور روح  
سے۔ جسم کا تعلق عالم ناسوت کے ساتھ ہے اور روح کا تعلق عالم ارواح کے ساتھ ہے ان  
کا اکٹھا ہونا بوجہ تفریق عالم کے مستغنی تھا۔ الشہادک نے ایک تیسری چیز پیدا فرمائی جس کا تعلق  
من وجہ روح کے ساتھ اور من وجہ جسم کے ساتھ ہے اس کا نام نفس ہے۔ بعنوان دیگر جسمادی  
چیز ہے اور روح غیر مادی ان کے رابطہ کے لیے نفس کو پیدا کیا۔

خُلَاصَةً اَلْكَلَامِ یعنی حمد میں جو عقائد و تفصیلات ہم سے واقع ہوئی ہیں۔ منیذ  
اس کے علاوہ جن جن اسرار و سیئات کا ہم شکار رہے ہیں۔ سب سے معافی کے طالب ہیں۔  
مِنْ شُرُورِ الْفُسَيْنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا میں ظاہر طور  
پر نکلا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اعمال سیئات جمع نفس کے شرور میں داخل ہیں۔

**سوال**

شُرُور سے مراد وہ برائیاں ہیں جو جبلت ہوں مثلاً حسد، کبر، بغض، کسل  
بالفاظ دیگر شرور نفس سے مراد اخلاق رذیلہ باطنی مراد ہیں اور سیئات سے  
مراد ظاہری برائیاں ہیں جو نتیجہ ہوتی ہیں شرور کا۔ مثلاً بغض حسد کی وجہ سے کسی سے لڑنا لگائی  
وینا یہ سیئات میں داخل ہیں

**جواب**

فائدہ : جب شرور نفس سے باطنی برائیاں اور سیئات سے ظاہری برائیاں مراد ہیں  
تو عبارت کو مکمل کرنے کے لیے مِنْ شُرُورِ الْفُسَيْنَا سے پہلے لفظ ظہور مضاف کی شکل

میں مقدر ہوگا اصل عبارت یوں بیگی: "وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ظُهُورِ شُرُورِ اَنْفُسِنَا" اسی طرح مِنْ سَيِّئَاتٍ سے پہلے لفظ اَعْمَالِنَا صفت الی الموصوف کی شکل میں مقدر ہوگا اصل عبارت یوں بیگی: "وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَعْمَالِنَا السَّيِّئَاتِ"۔

مُصَنَّف علیہ الرحمۃ نے عبارت میں تمامی صیغوں کو جمع متکلم کی شکل میں کیوں ذکر کیا مُحَمَّدٌ، تَسْتَعِينُهُ، تَسْتَفْضِرُ، كَعُوذُ الْخ

سوال

جواب اول: جمع متکلم کے صیغے ذکر کر کے تمام امت کو نیک فانی کے طور پر داخل کر دیا۔  
جواب دوم: کہ جمع متکلم کے صیغے ایک دو کے بجائے جماعت کے لیے بولے جاتے ہیں اور جماعت کی شکل میں دعا اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اجتماعی دعا جلد قبول ہوتی ہے بہ نسبت انفرادی کے۔

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ دکھایا اس کو کوئی جھٹکانے والا نہیں ہے۔

قوله مَنْ يَهْدِيهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ

خُلَاصَةُ الْكَلَامِ مَنْ يَهْدِيهِ اللّٰهُ اَيُّ مَنْ يُرِيدِ اللّٰهُ هَذَا يَهْدِيهِ فَلَا مُضِلَّ لَهُ مِنَ الشَّيَاطِينِ وِ الْمُغْتَبِ بِهٖ هِيَ كِهْدَايَتِ وَاَضْلَالِ اُنْهٰى كِهٖ قَبْضِ وَقَدْرَتِ يٰى هِىَ اَلْحَمْدُ اِنِّى سِى سَوَالِ وِدْرِخَوَاسْتِ كِهْتِهٖ يٰى كِهٖ يٰى هِرْ قِسْمِ كِهٖ ضَلَالِ هِىَ مَحْفُوظِ رَكْعِهٖ اِدْرِ هِدَايَتِ سِى نَوَازِى سَكْعِهٖ۔

سوال: اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے کہ اعمال کا خالق اللہ پاک ہے کاسب بندہ ہے حالانکہ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق بندہ ہے۔

تو مُصَنَّف علیہ الرحمۃ نے مَنْ يَهْدِيهِ اللّٰهُ کہہ کر جواب دیا کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ بندہ جس کی مین و لیسل یہ ہے کہ ہدایت اس کی قدرت میں ہے جس کو چاہے دے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔ یعنی پہلے جملہ میں جبر یہ کی تردید تھی

جواب

اس میں قدر یہ اور معتزلہ کی تردید ہے۔ خلق افعال عباد کے مسئلہ کی توضیح ان شاء اللہ تعالیٰ باب الایمان بالقدر میں کی جائے گی۔

**فائدہ :** ہدایت مقابل ضلالت ہے ، ہدایت و ضلالت ہر دو معنوں میں مستعمل ہے۔

تقسیم ہدایت ، ہدایت دو قسم ہے **اول** ارادة الطريق بمعنی راہ دکھلانا۔  
دوم ، ایصال الی المطلوب بمعنی منزل تک پہنچانا۔

تقسیم ضلالت : **اول** ، ارادة الطريق برائی کے اسباب پیدا کرنا۔ دوم ایصال الی المطلوب برائی شرک وغیرہ کرنا۔ یہاں ہدایت و ضلالت کا قسم ثانی مراد ہے۔

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسرآن مقدس کو ہادیؑ یا فرمایا اور یہاں فرماتے ہیں فَلَهَادِيَ لَهٗ

**سوال**

**جواب** کہ وہاں ہدایت سے مراد ارادة الطريق اور تبليغ والا راہ ہے ایصال الی المطلوب مراد نہیں۔

ترجمہ : اور جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اس کو سیدھی راہ دکھا دالا کوئی نہیں۔

قوله وَمَنْ يُضِلُّ  
فَلَهَادِيَ لَهٗ

اَنۡ يَّزِدُ جَهَنَّمَ عَنِ الْوُصُولِ اِلَى الْحَقِّ وَالتَّوْحِيدِ فَلَهَادِيَ لَهٗ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى مَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَهَادِيَ لَهٗ ۔

**فائدہ :** اکثر نسخوں میں يُضِلُّ ہے یعنی بغیر ضمیر کے اور بعض میں يُضِلُّهُ ضمیر کے ساتھ ہے مگر موجودہ نسخہ میں ضمیر نہیں ہے۔

**سوال :** کہ کتاب میں يُضِلُّ بِحَذِّ الضمیر ہے یعنی ضمیر نہیں ہے جو عائد ہو بطرف مَنْ

موصول حالانکہ صلا اور موصول میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔

یہاں ضمیر محذوف ہے گویا اصل میں يُضْرِبُ اللَّهُ عِلَّتْ حَذَفَ یہ ہے کہ  
عِنْدَ التَّوْحِيْدِ اِنْ اُكْرِضَ اَنْدَرِ ضَمِيرٍ مَفْعُولٍ ہو تو اس کا ذکر و حذف ہر دو جائز  
است وَ لَكِنْ وَ كَرِهَ اَصْلُ وَ حَذَفُ قَرِئَ تَوْحِيْدٍ میں مذکور ہے اور يُضْرِبُ میں  
عمل باحد الطرفين جائز ہے۔ اسی طرح هَادِي كُنْ میں بھی ضمیر بظرف مَنْ ہے تاکہ شرط اور  
جزا باہم سر ربط شوند۔

قَوْلُهُ وَ اشْهَدُ اَنْ  
لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ

ترجمہ : اور میں گواہی دیتا  
ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں

شرح

فرمان حبیب کبریا مُحَمَّدٌ الْمُصْطَفٰی سے کہ ”كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيْهَا  
شَهِدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجُرْمَاءِ“ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا جس خطبہ میں شہید (یعنی خدا کی حمد و ثنا) نہ ہو وہ بیمار ہاتھ کی طرح ہے (مشکوٰۃ)  
فَلِهَذَا قَالُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ - اَشْهَدُ مُشْتَقٌّ ہے شہادت  
سے اور شہادت کا معنی ہو تلے مَا كَانَ مِنْ صَحِيْحٍ اُتْلَبُ یعنی خالص دل سے  
شہادت دیتا۔

سوال

یہ ہے کہ قبل ازین مصنف علیہ الرحمۃ نے تمام صحیفہ جمع متکلم کے ذکر فرمائے  
اور یہاں اَشْهَدُ واحد متکلم کا صیغہ لے آئے فَلِهَذَا تَوَافِقَ ظاہری مفقود ہے  
اس میں دو نیکتے ہیں اَوَّلُ حمد، استعانت، استغفار، تعوذ، یہ

جواب

فعل لسانی ہیں یعنی ظاہر سے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں حمد کر رہا ہے بخلاف  
شہادت کے کہ وہ قلب کا فعل ہے یعنی وہ خالص دل سے ہوتی ہے اور دل کی بات اللہ تعالیٰ  
کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ کو اپنی دل کا پتہ تھا کہ میں خالص دل سے  
گواہی دے سکتا ہوں (دل دیگراں معلوم نیست) اس لیے مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے دل کی شہادت

نقل کی اکیلا ہونے میں یعنی شہادت فعل قلب ہے اور قلب ایک تھا اس لیے صیغہ بھی واحد متکلم کا نقل کیا۔ اس کی چند مثالیں قرآن مقدس سے ملاحظہ فرمائیں۔

**مثال اول** قرآن پاک میں منافقین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَمُسُوْنٌ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ تَوَالٰیہَا" ان کی تردید فرمائی کہ "وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّ اَھْمَا فِیْہِیْنَ لَکَا ذِیُوْنٌ" اس لیے کہ ان کی شہادت صرف زبان سے ہے۔

**مثال دوم** اللہ پاک بروز قیامت انبیاء کرام سے سوال کریں گے "مَاذَا اٰجِبُوْهُ" تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیا تھا؟ تو انبیاء کرام علیہم السلام جواب میں کہیں گے "لَا عَلٰی شَیْءٍ" ہمیں تو ظاہر حال کا علم تھا باطن کا نہیں اور آج کے دن حساب کی مدارج بلوی شہادت پر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شہادت فعل قلب ہے۔

**نکتہ** علماء صوفیاء کے نزدیک مقام دو قسم پر ہے۔ اول مقام فرق، دوم مقام جمع مقام فرق یہ ہے کہ شہادت پر نظر ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق پر بھی نظر ہو تو جب مخلوق پر نظر پڑیگی تو اس پر جو انعام ہوں گے وہ بھی نظر آئیں گے اور ان کے برے کاموں پر بھی نظر پڑیگی۔

مقام جمع یہ ہے کہ وحدت کے سوا کسی پر نظر نہ ہو یعنی صرف اللہ تعالیٰ پر نظر ہو مخلوق پر نظر نہ ہو تو پہلے افعال اور بعد میں مقام فرق کی طرف اشارہ ہے۔ اور اَشْہَدُ میں مقام جمع کی طرف اشارہ ہے۔

ترجمہ: ایسی گواہی جو نجات کا وسیلہ اور بلند درجہ کی ضمانت ہو۔

قَوْلُهُ شَہَادَةٌ  
تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ  
وَسَبِيْلَةٍ، وَلِرَفْعِ  
الدَّرَجَاتِ كَفِيْلَةٍ

شَہَادَةٌ صرف تَكُوْنُ لِلنَّجَاةِ وَسَبِيْلَةٍ صفت امر صرف صفت بل کر

مفعول مطلق ہے اَشْهَدُ فعل کا۔ معنی ہو گا کہ میں توحید باری تعالیٰ کی ایسی شہادت دیتا ہوں جو ان نجات کے لیے وسیلہ ہو (۲) جنت میں درجات عالیہ کے حصول کی ضامن ہو۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : شہادت جو نجات کا وسیلہ بن سکتی ہے وہ ہے "الشَّهَادَةُ الْخَالِصَةُ مَعَ الْإِسْتِغْلَالِ" (تر شہادت خالصہ سے منافق نکل گیا کیونکہ اس کی شہادت خالص نہیں ہوئی اور مع الاستغلال سے مرتد نکل گیا کیونکہ مرتد شہادت لئے کر پھر جاتا ہے اس کے لیے بھی شہادت وسیلہ نجات نہ بنیگی اور اسی کو قرآن مقدس میں یوں بیان کیا گیا ہے "إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَفْتَوْا مَا نَقُولُ" حدیث پاک میں ہے "لَنْ يَنْجِيَ أَحَدًا عَمَلُهُ"۔ و فی مقام آخر "لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ يَفْعَلُ"۔ احادیث مذکورہ

## سوال

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت کی مدار اعمال نہیں بلکہ رحمت الہی ہے۔ جبکہ مُصَنَّف علیہ الرحمۃ دخول جنت کی مدار شہادت کو بنا رہے ہیں۔

دخول جنت کے اسباب دو قسم پر ہیں۔ اول اسباب ظاہری جو

## جواب اول

عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں "کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى : إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا"۔ دوم : اسباب حقیقی و مؤثر حقیقی جو فضل ربِّ کریم و رحمت رحیم ہے تو مصنف علیہ الرحمۃ نے صرف اسباب ظاہری کو بیان فرمایا ہے۔ اور اسباب ظاہرہ میں سے واقعی شہادت ہے جبکہ مؤثر حقیقی رحمت رحیم ہے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ کی ذات بابرکات عالیہ ظاہرہ بھی بغیر رحمت باری تعالیٰ کے داخل جنت نہ ہوگی۔ تو جواباً سر مبارک کو جھکا کر فرمایا "حَتَّى يَغْمُضَ نَفْسِي رَحْمَةً رَبِّي" کہ اللہ کی رحمت جب تک نہ ڈھانپنے گی میں بھی جنت میں داخل نہ ہوں گا۔

یقول ابوالاسناد : وَ سَيُكْفَى بِرُزْنٍ فَعِيشَتُهُ یعنی وہ چیز جو کسی کو دوسرے کے ساتھ جنت و رغبت سے ملا دے و منفورات اہم راغب البیسن یہاں معنی سبب ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اعمال مؤثر فی النجاة نہیں ہیں کیونکہ سبب مغنی ہوتا ہے



مؤثر نہیں یہی وجہ ہے کہ للنجاة اور لرفع کی لام سبب یہ ہے تعلیل یہ نہیں ہے۔

قوله وَأَشْهَدُ أَنْ  
مُحَمَّدًا عَبْدُ  
وَرَسُولُهُ

ترجمہ : اور میں گواہی دیتا ہوں  
کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے  
اور اس کے رسول ہیں۔

قوله مُحَمَّدٌ : محمدؐ اور احمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی ہیں۔ آپؐ کو زمین پر محمدؐ اور آسمانوں پر احمدؐ کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ تورات میں آپؐ کا نام محمدؐ ہے اور انجیل میں احمدؐ ہے۔ محمدؐ اسم فاعول کا صیغہ ہے یعنی جس کی تعریف کی جاتی ہے بسکن اصل میں یہ وصف ہے بعد میں وصف سے تبدیل کر کے علم بنادیا تو یہ معدول عن الوصفۃ الی الاسمیۃ ہے۔

قوله عَبْدُ : عبد اسے کہتے ہیں جو انتہائی بڑائی والے کے سامنے انتہائی تذلل ظاہر کرے۔ عبدیت اور بشریت دو الگ الگ چیزیں ہیں ملائکہ عباد تو ہیں بشر نہیں رہتے عبادِ مشکک (مُسَوِّک) اردو زبان میں وسعت نہ ہونے کی بنا پر دونوں کا ترجمہ بندہ سے کر دیا جاتا ہے

فَاعِلٌ : ہر دور کے اندر بزرگوں کے حق میں دو ٹولے گراہ ہوتے۔ ایک غالی، دوسرے بے ادب، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو ٹولے تھے ایک غالیوں کا جو نصاریٰ کہلاتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا کر خدا کا بیٹا بنا دیا، دوسرا بے ادبوں کا جو یہودی کہلاتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رونقور یا بطمن ہذا القول (ولہذا الزنا) تو اب لفظ عبد میں غالیوں کی تردید کر دی کہ نبی کریم علیہ السلام علو درجہ ہو کر بھی اللہ کے عبد ہیں۔ آگے لفظ رسولؐ سے بے ادبوں کی تردید کر دی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں شاعر و مجنون نہیں پھر عبد کی اضافت (ہ) حق تعالیٰ کی طرف تشریفی ہے کہ حقوق ربوبیت کی ادائیگی میں سب کائنات پر فوقیت ہے جانے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے سب سے افضل و اقرب و مشرق بندے ہیں۔

کہ صفت رسالت صفت عبدیت سے اعلیٰ ہے مگر ذکر میں عبدیت کو مقدم کیا اور رسالت کو مؤخر کیا یعنی ترتیب ذکر میں تبدیلی کیوں فرمائی اس میں کیا حکمت ہے؟

سوال

**جواب اول** قرب و محبت کے منازل میں سے گورمالت سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے لیکن چونکہ عبد کا اصل موضوع عبدیت ہی ہے اس لیے اس کو مقدم فرمایا۔ عبدیت آپ کے اوصاف میں سے گراں قدر اور اشرف وصف ہے اس لیے آپ کے بہت سے اہم اور اشرف مقامات و مناصب کے تذکرہ کے مواقع میں قرآن پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر عنوان عبد سے فرمایا۔

**مشال اول** معراج کے واقعہ عظیم کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔  
 سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۚ (پڑھا)  
 تنزیل فرقان کی نعمت کے اظہار کے موقع پر فرمایا۔  
 نَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ ۚ (پڑھا)  
 ایکسا اور موقع پر فرمایا۔  
 فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ ۖ مَا أَوْحَىٰ (پڑھا)

**جواب دوم** وصف عبدیت کے ذکر میں یہ نکتہ بھی ہے کہ ختم رمالت و معراج جیسے مناصب جلیلہ پر فائز ہوجانے سے رسول عبدیت سے نکل نہیں جاتے بلکہ مقامات عالیہ ان کی عبدیت میں اور بھی عروج اور چاشنی پیدا کر دیتے ہیں۔

الَّذِي بَعَثَهُ وَطَرَّقَ  
 الْإِيمَانَ قَدْ عَفَتْ  
 أَشَارُهَا وَجَبَتْ  
 الْوَارِثَا وَوَهْنَتْ  
 أَرْكَانُهَا وَجُهِلَ  
 مَكَانُهَا

ترجمہ: جن کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جب ایمان کی راہوں کے نشان مٹ چکے تھے اور اس کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ اور اس کے آثار یکے پر لگے تھے اور اس کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

قوله الَّذِي بَعَثَهُ : الَّذِي اسم موصول ہے بَعَثَهُ سے لے کر وَجُهِلَ

مکانہ تک اس کا صلہ ہے۔ فَتَيَّدَ اور شَقِيَ اور اَوْضَح اور اَظْهَرَ اسی فعل صلہ پر مرتب ہیں۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر دَسُّوْهُ یا مُحَمَّدٌ کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ وَطُرُقُ الْإِيْمَانِ قَدْ عَقَّتْ أَثَارَهَا : ایمان کے راہوں کے نشان مٹ چکے تھے۔ اس جملہ کی بحث سے قبل ایک نائدہ ملاحظہ فرماویں :-

فَمَا بُدِلَا :- طُرُقُ الْإِيْمَانِ مَبْتَدَا اور قَدْ عَقَّتْ وَالْجَمْلَةُ اس کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ حالیہ ہے اور جملہ حالیہ کے ذکر کرنے میں کوئی نہ کوئی نکتہ ہوتا ہے۔

نکتہ :- تو اس مقام پر یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیائے میں تشریف آوری شدید ترین ضرورت کے موقع پر ہوئی۔ اس لیے کہ آپ کی بعثت کے وقت لوگ جہالت و ضلالت کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ کہیں کوئی صحیح قیادت موجود نہ تھی جو گم کردہ راہ افراد کو عقائد باطلہ سے ہٹا کر صحیح منزل تک پہنچا سکے۔ رب ذوالجلال نے اسی حقیقت کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے :-

وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (رب)

دوسرے مقام پر فرمایا :-

لَقَدْ يَكُنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رُسُولٌ مِّنْ أَتَى صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (پتا سورۃ البینۃ)

مُحَمَّدٌ ثَمین حضرات نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں

## طُرُقُ الْإِيْمَانِ کی تشریح

أَوَّلُ : طرق ایمان سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام اور

ان کے نائبین علماء عظام ہیں اور نشانات مٹ جانے سے مراد یہ ہے کہ ان شخصیات مقدسہ کی تعلیمات اور ہدایات کا سلسلہ تعلیم و تعلم ختم ہو چکا تھا اور ان کے مقتضی کے مطابق عمل کا رواج باقی نہ رہا تھا۔

دَوِّم : طرق ایمان سے مراد وہ عقائد و اعمال، اخلاق، آداب و ریاضیات ہیں جو تکمیل انسانیت کا ذریعہ ہیں۔

قَوْلُهُ وَخَبَتْ أُنُورُهُمَا وَهَنْتَ أَرْكَانُهُمَا: اور بجھ چکے تھے انوار ایمان کے، اور کمزور پڑ چکے تھے ارکان ایمان کے۔ ارکان ایمان سے مراد اصول دین ہیں یعنی قیامت رسالت، توحید، عقائست قرآن۔ ان دونوں جملوں کا معنی و مطلب عفت، اٹھارہا کے قریب ہے یعنی ان کی تعلیم مقدسہ کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

يقول شيخ جاجروى رحمه القوي: به اعتراض بھی نہ ہوگا کہ جب مطلب تینوں جملوں کا ایک ہے تو پھر تکرار کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ: "قَدْ شَاعَتْ التَّرَادُفُ فِي الْخُطَبَاتِ" : خطبات میں مترادف الفاظ ذکر ہو جاتے ہیں یہ تفتن فی عبارت ہے قَوْلُهُ وَجَهَلْ مَكَانَهُمَا: معنی یہ ہے کہ ان کی بتائی ہوئی منزل نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ محدثین نے یہ معنی بھی مراد لیا ہے کہ جَهَلْ مَكَانَهُمَا سے مراد یہ ہے کہ ان کے علوم و معارف کی تدر و منزلت سے ناواقفیت و ناشناسائی عام تھی۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں دینی تعلیم کے ساتھ سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

ترجمہ: پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سٹے ہوئے نشانوں کو از سر نو نمایاں کیا اور کلہ توحید کی تعلیم سے اس بیمار کو شفا پہنچائی جو ہلاکت کے کنارے پہنچ چکا تھا۔

فَشَيْدَ صَلَوَاتِ اللَّهِ  
وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ مِنْ  
مَعَالِمِهَا مَا عَفَى  
وَشَعَى مِنَ الْعَلِيلِ  
فِي تَأْيِيدِ كَلِمَةِ التَّوْحِيدِ  
مَنْ كَانَ عَلَى شَفَاةٍ

مطلب یہ ہے کہ پوری انسانیت کفر و شرک کی مصیبت اور بد اعمالیوں کے گناہ میں مبتلا ہو کر روحانی طور پر بیمار ہو چکی تھی اور قریب تھا کہ دوزخ میں چلی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور ان کو نسلک و نجات کے راستہ پر لگا دیا۔

قَوْلُهُ فَشَيْدَ: شَيْدَ تفعیل کا باب ہے اور تَشْيِيدُ کے مشتق ہے معنی

تقویت و رفعت، اور ضمیر راجع الی النسبی اس کا مجرور شاد مشید یعنی تقویت دی ہوئی ہے  
 قولہ صکوت اللہ: یہ جملہ مترادف ہے محدثین نے بحث کی ہے کہ یہ خبر ہے  
 یا انشاء؟ عند البعض یہ جملہ خبر یہ ہے تنکیم خبر سے رہا ہے کہ صلوة و سلام ہوں اس ہستی پر۔  
 عند البعض یہ جملہ انشائیہ ہے یعنی انشاء و دعائیہ ہے معنی ہوگا صلوة و سلام خداوند بر او باد۔  
 قولہ سلام: سلام سے مراد جنس سلام ہے از لحاظ جمع تاکہ صلوة و سلام میں  
 توافق ظاہری رہے و لہذا جنس سلام مراد لیں گے۔

قولہ من معالیہما: جمع معلوم معنی نشانی و آثار اور من معالیہما بیان ہے  
 ماکا۔ اور بیان کو کبھی اہتمام کے لیے مقدم کر دیتے ہیں یعنی حکم کا بیان مقدم ہے اور ماکا  
 شید کا مفعول ہے۔ ماکا موصول عفا صلا معنی ہوگا تقویت دی ہوئی نے علامات اور  
 نشانات ان طرق اربان کو جو مٹ چکے تھے۔

قولہ شفی من العلیل: لفظ شفا دو معنوں میں مستعمل ہے:۔  
 اول: شفی حیثۃ الماضی من الشفا بالکسر: تندرستی دادن و تندرستی یافتن  
 دوم: شفا الفتح معنی حدیث کُل شئی ای حدیث و بحارینہ یعنی کنارہ اور  
 من العلیل بیان مقدم ہے من کان علی شفا کا اور تعلیل سے مراد روحانی بیماری  
 یعنی مشرک نہ کہ جسمانی۔ مصنف علیہ الرحمۃ دراصل اس آیت مبارک کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں  
 وَكُنُوزٌ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَ كَثْرَتَہَا  
 معنی ہوگا کہ شفاری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرعوبوں کو جو آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے۔

لیکن حقیقی شفا دینے والا اور بچانے والا اللہ پاک ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا  
 شفا دینا درجہ تسلیع تک ہے۔ اس لیے فرمایا فی تائید کلمۃ التوحید۔

قولہ فی تائید کلمۃ التوحید: فی اعلیہ سبب ہے تائید معنی  
 طاقت مشتق من الید یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھانا تائید و تقویت کلمات توحید کیلئے ہے  
 کہ آپ نے تسلیع فرمائی اور مخلوقات ہمہ کے گڑھے میں گرے سے محفوظ رہی۔

وَأَوْضَحَ سُبُلَ الْهَدَايَةِ  
لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْلُكَهَا  
وَأَظْهَرَ كُنُوزَ السَّعَادَةِ  
لِمَنْ قَصَدَ أَنْ يَمْلِكَهَا

ترجمہ : اور اس شخص کے لیے  
ہدایت کے راستہ کو روشن کیا  
جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے اور اس  
شخص کے لیے نیک نیتی کے خزانے  
ظاہر کیے جو اس کے مالک ہونے  
کا قصد کرے۔

قوله وَأَوْضَحَ : اَيَّ بَيَّنَّ وَعَيَّنَ طَرِيقَهُ هُتَدَا إِلَى الْكُلُوبِ  
اس کا عطف شفی پر ہے۔

قوله سُبُلَ : جمع سَبِيل اور لفظ سبیل مذکر مؤنث دونوں کے لیے  
استعمال ہوتا ہے۔ سَبِيلُ لَمْ يَسْلُكْهَا کا اخیر اسی سبیل کی طرف راجع ہے بمعنی صراطِ مستقیم۔

قوله وَأَظْهَرَ كُنُوزَ السَّعَادَةِ : اور ظاہر کیے خزانے نیک نیتی کے  
خزانے دوم پر ہیں اَقْلَ حَتَّى جیسے مال و متاع دولت یہ ظہیل بھی ہے حقیر بھی ہے۔ اَلْاَوْبَال  
ہونے کے ساتھ ساتھ آخرت میں مواخذہ کا سبب ہے۔ دَوْمُ مَعْنَوِي : ایمان، اسلام، توحید  
علوم اسلامیہ جیسا کہ حدیث پاک میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کو خزانہ کہا گیا ہے تو مصنف نے  
سَعَادَةِ کی قید لگا کر حقیقی خزانہ کو خارج کر دیا۔

اس لیے محمدینِ حضرات نے لکھا ہے کہ نیک نیتی کے خزانے سے مُراد نیک اعمال و  
عبادات ہیں جو آخرت میں گنج گرانمایہ کا درجہ رکھتے ہیں جو کوئی اس خزانہ کو حاصل کر لیتا ہے  
تو اس کے بدلہ آخرت کی ابدی سعادت یعنی رضا کے مولیٰ اور جنت کا حقدار ہوتا ہے۔

بقول شیخ جاجد روی رحمہ اللہ : ہدایت سے مراد شریعت ہے  
سعادت سے مراد طریقت ہے۔ لیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت و طریقت دونوں کے  
راستوں کو واضح فرما دیا یعنی قلب و قالب دونوں کا انتظام فرمایا کسی نے انکار کر کے دائمی ہدایتی عمل  
کرنی کسی نے قبول کر کے دارین کی خوش نصیبی کمائی۔

قوله لِمَنْ قَصَدَ أَنْ يَمْلِكَهَا : ظاہر کیے خزانے نیک نیتی کے اس

شخص کے لیے جو ارادہ کرے کہ میں مالک ہوں۔ ملک سے مراد ایسی شئی ہے جو اپنی ملکیت کی طرف پہنچا رہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فی سورة الدھر :-  
وَإِذَا رَأَيْتَ سَعَةً رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلُكًا كِبِيرًا -۱

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ التَّمَسُّكَ  
بِهَدْيِهِ لَا يَسْتَتِبُ  
إِلَّا بِالْإِقْتِفَاءِ لِمَا صَدَّمَ  
مِنْ مَشْكُوتِهِ وَ  
الْإِعْتِصَامِ بِحَبْلِ اللَّهِ  
لَا يَسْتَعِزُّ إِلَّا بِبَيِّنٍ  
كَشَفِهِ :

ترجمہ : حمد و صلاۃ کے بعد  
جاننا چاہیے کہ حضور کی سیرت کا  
مضبوطی سے حاصل کرنا ناممکن ہے  
بغیر اتباع کیلئے۔ ان احادیث  
کے جو آپ کے سینہ سے صادر  
ہوئیں۔ اور اللہ کی رسی کا مضبوطی  
سے تھانا کھل نہیں بغیر اس کے  
واضح بیان کے۔

قولہ أَمَّا بَعْدُ - اما بعد سے لے کر بیان کشف تک ضرورت  
حدیث کا بیان ہے۔ یہاں چند فوائد غالی از فائدہ نیست۔

لفظ أَمَّا کے اصل کے بارے میں پارت قول ہیں :-

**فائدہ اولیٰ**

۱ : أَمَّا اصل میں اِنْ مَا تھو توں کویم سے بدل کر میم کا میم میں ادغام  
کر دیا آما بن گیا۔ ۲ : آما اصل میں مِثْمَا تھا میم اول اور ہمزہ کے درمیان قلب مکان  
کیا گیا، پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا آما بن گیا۔ ۳ : آما اصل میں مِثْمَا تھا میم اول  
اور ہمزہ کے درمیان قلب مکانی کیا گیا، پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا اور ہمزہ سے بدل  
دیگیا۔ ۴ : آما اپنے اصل پر ہے۔

آما تین معانی میں شعل ہے۔ ۱ : آما بفتح الهمزة وتشديد الميم

شرط کے لئے ہے اس کے جواب میں لازماً فاء آتی ہے مثلاً

**فائدہ ثانیہ**

أَمَّا زَيْدٌ فَذَا هِجَبٌ میں ذہاب زید کو کسی بھی شئی کے موجود ہونے پر معلق کیا گیا ہے اور اس مطلق کرنے کا نام ہی شرط ہے ۲۰ : أَمَّا تَفْصِيلُ كَيْلِ لَمْ يَأْتِ مِثْلًا ۱۰

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيُكَلِّمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ فِي لَفْظِ  
أَمَّا کے ذریعہ ضرب مشل کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تفصیل بیان کرنا مقصود ہے

۳ : تَاكِيدُ كَيْلِ لَمْ يَأْتِ مِثْلًا أَمَّا زَيْدٌ فَذَا هِجَبٌ اس کے معنی میں  
مَهْمَا يَكُنْ مِنْ شَيْءٍ فَزَيْدٌ فَذَا هِجَبٌ یعنی جب بھی کوئی چیز موجود ہوگی تو زید  
کے لئے ذہاب ثابت ہوگا، اور یہ بات مسلم ہے کہ ہر لمحہ کوئی نہ کوئی شئی موجود ہوتی ہے۔  
جب ایسا ہے تو زید کے لئے یقیناً ذہاب ثابت ہوگا، اور کسی چیز کا بالیقین ثابت ہونا اس کا نام  
تاکید ہے۔ لِهَذَا لَفْظُ أَمَّا تَاكِيدُ كَيْلِ لَمْ يَأْتِ مِثْلًا ثابت ہو گیا۔

قَوْلُهُ بِعْدُ : بعد ظرف زمان ہے اس کی تین حالتیں ہیں ۱  
اَوَّلُ مَضَاتِ الْيَسَدِ مَذْكُورٌ هُوَ - رِقْمٌ مَحْذُوفٌ لَسِيَّا مَنِيَا هُوَ - سَوْمٌ مَحْذُوفٌ مَعْنَوِي هُوَ -  
پہلی ہر دو حالتوں میں معرب ہے اور تیسری حالت میں بسی ہے۔ یعنی لفظ بعد ایسا ظرف  
زمان ہے جو مبنی ہونے کے ساتھ منقطع عن الاضافت ہے چنانچہ تقدیر عبارت یوں ہے :-  
بَعْدُ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ !

فائدہ ثالثہ ۲  
محدثین حضرات نے بحث کی ہے کہ لفظ اَمَّا بعد کا استعمال  
کس مقصد کے لیے ہوا ہے ؟ چنانچہ جمہور محدثین حضرات کے

نزدیک لفظ اَمَّا بعد یا بعد دونوں کلمے فصیح ہیں جن کا تعلق صفت اقتضاب سے ہے  
(اقتضاب بمعنی کاٹنا) اہل معانی اور اہل بیان حضرات کے نزدیک یہ ایک علمی اصطلاح ہے۔  
جس کا مقصد یہ ہے کہ کبھی ایسی چیز کی طرف انتقال ہوتا ہے جس کو آغاز کلام سے کوئی خاصیت  
نہیں ہوتی اس انتقال کو اقتضاب کہتے ہیں (کما فی المختصر) فصاحتے عرب  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں لفظ اَمَّا بعد کثیر الاستعمال ہے، چالیس صحابہ کرام رضی  
روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ اَمَّا بعد استعمال کرنا ثابت ہے (افادہ التواہی  
فی اربعینہ) اسی وجہ سے فقہاء نے اس کی سنیت کا قول کیا ہے۔ شاید مصنف علیہ الرحمۃ  
نے بھی اسی خیال سے استعمال کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ حدیث پاک سے تو اَمَّا بعد



کا استعمال ثابت ہے نہ کہ استعمال لفظ بَعْدُ پس سنت نبوی پر عمل نہ ہوا۔ جواب یہ ہے کہ بعد، اما بعد کے معنی میں ہے۔ اس لیے تحصیل مندوب میں اسی کے قائم مقام ہے۔

سب سے پہلے اس لفظ کو کس نے استعمال کیا اس میں اختلاف ہے  
**قائدہ رابعہ** عند البعض نبی کریم علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ جب ایک اسلوب کلام سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہوتے تو اَمَّا بَعْدُ فرماتے۔۔۔  
 عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَهُمْ فَقَالَ اَمَّا بَعْدُ ، ابوداؤد شریف ص ۲۲۲ کتاب الادب باب اما بعد في الخطب :- !

حافظ ابن جریر طبری نے امام شعبی اور ابن ابی حاتم اور حافظ دیلمی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے تخریج کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو فصل خطاب رَفَعَا اَكْفُسَهُمَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ (پٹ ص ۷) عنایت کیا گیا تھا۔ اس سے مراد اما بعد ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کلمہ کی ابتدا حضرت داؤد علیہ السلام سے ہوئی۔

يقول شيخ جاجروى رحمه النفسى : ان حضرات کے اس قول سے لفظ اما بعد کی تخصیص ثابت نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ ہر وہ لفظ مراد ہوگا جو اما بعد کے معنی کی ادائیگی میں اس کے قائم مقام ہو ورنہ ظاہر ہے کہ اَمَّا بَعْدُ عربی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام عربی نہیں تھے (هذا هو الظاهر)

قوله فَإِنْ أَلَمَّ سُلَافُكَ بِهَدْيِهِ : اَيُّ يَمْنَانِي بِطَرِيقَةِ عَلِيٍّ السَّنَدُ  
 بے شک مضبوطی کے ساتھ چلنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر  
 قوله لَا يَنْشَيْبُ — اَيُّ لَا يَنْقُصُ اَيُّ لَا يَكْتُمُ — نہیں معتبر ہو سکتا اس  
 طریقہ پر چلنا۔ قوله اِلَّا بِالنَّارِ قَتِيلًا — اَيُّ بِالنَّارِ بَإِعِ الشَّامِ سَمَرًا تَحْتَ اَتَاعِ تَامَرِ  
 قوله لِمَا صَدَرَتْ — اَيُّ ظَهَرَ جَوَاطِرُ هَوَانِي  
 قوله مِنْ أَمْشَلِكُوتِ — اَيُّ سَمَدَةٍ وَقَلْبِهِ أَوْفَقَتِهِ وَأَوَّلُ

أَفْهَمُ — مشکوٰۃ کا معنی ہوتا ہے ”کوۃ فی الجدار غیر نافذۃ یعنی مشکوٰۃ اس جالے کو کہتے ہیں جو ایک طرف کھلا ہوا ہو اور دوسری طرف بند ہو۔ یہاں پر مصنفؒ نے حضرت کے سینہ مبارک کو دو وجوہ سے مشکوٰۃ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔  
 اوّل۔ جس طرح جالے میں اشیاء نفیرہ رکھی جاتی ہیں اسی طرح حضرتؒ کے سینہ اور دل مبارک میں بھی معانی نفیرہ رکھے ہوئے ہیں۔

دوم۔ جس طرح جالے میں چراغ رکھا جائے تو روشنی سارے کمرہ میں پھیل جاتی ہے اسی طرح آپؐ کے صدر مبارک کے اندر علوم و ہنر کی روشنائی پورے جہان میں نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :-

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ رَّحِمَ  
 قَوْلُهُ وَالْمِصْبَاحُ مِثْلُ النَّارِ لَا يَكْتَوُفُ بِهَا نَارٌ وَلَا يَكْتَوُفُ بِهَا نَارٌ  
 الشّراک کی رتی کو۔ لَا يَكْتَوُفُ بِهَا نَارٌ اور جَبَلُ اللَّهِ سے مراد قرآن مقدس ہے  
 قَوْلُهُ بِبَيِّنَاتٍ كُشِفَ : ساتھ بیان کھلے ہوئے کے ، اس سے مراد سنت نبویہ  
 ہے یعنی خدا کی رسی ، شران کریم پر اعتماد اور عمل جب ہی ممکن ہے کہ اس کی تشریح و توضیح احادیث  
 نبویہ سے ہو اور یہ اضافت بیان ہے کیونکہ بیان ہی کشف ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :-

لَتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ - (ہٹ)

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : مصنف علیہ الرحمۃ نے علم حدیث کی ضرورت اور اہمیت مختصر مگر جاندار لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ علم حدیث ایسا ضروری علم ہے جس کے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنایا نہیں جاسکتا اور ایسا علم ہے کہ جس کے بغیر قرآن مقدس کے مفہوم کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے میں نے اس اہم علم میں تعصیف کے لیے قلم اٹھایا۔

ترجمہ : اور کتاب مصباح جو  
 سنت زندہ کرنے والے ، بدعت

وَكَانَ كِتَابُ الْمَصَابِيحِ  
 الَّذِي صَنَفَهُ الْإِمَامُ

مُحْيِ السُّنَّةَ قَامِعُ  
الْبِدْعَةِ أَبُو مُحَمَّدٍ  
الْحُسَيْنُ بْنُ مَسْعُودٍ  
الْفَرَّازِيُّ الْبَغَوِيُّ رَفَعَ  
اللَّهُ دَرَجَتَهُ أَجْمَعُ  
كِتَابُ صُنُفٍ فِي  
بَابِهِ وَأَضْبَطُ لِشَوَارِدِ  
الْأَحَادِيثِ وَأَوْبَدُهَا

اکھاٹنے والے امام ابو محمد حسین ابن مسعود فرار  
بغوی کی تصنیف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا درجہ  
بلند کرے۔ تمام ان کتب میں جامع تر تھی جو اس  
بارے میں لکھی گئیں۔ اور جمع فرمایا تھا مومنوں  
نے منتشر اور متفرق احادیث کو۔

قولہ "وَكَانَ كِتَابُ الْمُصَنِّفِ" اور بھی کتاب مصابیح جسے محی السنۃ نے  
لکھا تھا۔ صاحب مصابیح کے حالات ابتدا میں تفصیل سے درج کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح  
محی السنۃ اور فرار و بغوی کی تشریح آچکی ہے۔

قولہ قَامِعُ الْبِدْعَةِ۔ قَامِعُ کا معنی ہے قلع قمع کرنے والا، کسی چیز کو  
جڑ سے اکھاڑنے والا، قاطع۔ کاٹنے والا۔ مُصَنِّفُ علیہ الرحمۃ نے قَامِعُ فرمایا نہ کہ قاطع۔  
کیونکہ قطع سے پھر بھی دوبارہ بدعت کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا جب کہ قَامِعُ سے یہ اندیشہ  
دور ہو گیا کیونکہ جب درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے تو دوبارہ پیدا نہیں ہوتا۔ بخلاف  
قلع (اد پر سے کاٹنا) کے کہ آبیاری کرنے سے وہ کٹا ہوا سادو بارہ درخت بن سکتا ہے۔ تو علامہ  
بغوی بھی بدعت کو جڑ سے اکھاڑنے والے ہیں۔

قولہ رَفَعَ اللَّهُ دَرَجَتَهُ۔ یہاں سے بیان دعا ہے مصنف علیہ الرحمۃ  
یہ دعائیہ کلمات ذکر فرما کر قرآن مقدس کی آیہ مبارکہ کی طرف اشارہ فرماتا چاہتے ہیں۔ کما  
فی قولہ تعالیٰ: "يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْوِلَاةَ  
دَرَجَاتٍ"۔ (سورۃ المجادلہ ۲)

یقول ابوالاسعاد صانۃ اللہ عن الشر والفساد: سچا ایمان  
اور صحیح علم انسان کو ادب تہذیب سکھلاتے ہیں اور متواضع بناتے ہیں۔ اہل ایمان و عرفان

جس قدر کمالات و مراتب میں ترقی کرتے ہیں اُسی قدر وہ جھکتے ہیں اور اپنے کو بیچ اور ناچیز سمجھتے ہیں، کثر لفظی نہیں کسر نفس کرتے ہیں ۛ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ ۛ چنانچہ علامہ خطیب نے اسی کمال عرفان کو رَفَعَ اللّٰهُ دَرَجَتَهُ میں بیان فرمایا ہے۔

قَوْلُهُ اجْمَعَ كِتَابٌ صَنِيفٌ فِيْ بَابٍ — یہ جملہ خبریہ کائنات کتاب المصنایع کی یعنی وہ کتاب مصابیح بہت جمع کرنے والی تھی اور کتابوں سے جو اس باب میں بنائی گئی ہیں۔

فائدہ : کسی علمی میدان میں محنت کرنے (یعنی تصنیف کرنے) کے دو طریقے ہوتے ہیں (۱) یہ کہ اس میں ایک مستقل کتاب لکھی جائے (۲) یہ کہ کسی اور کتاب کو دیکھ کر اس میں کچھ اضافات کر کے ایک نئی کتاب کی شکل دیدی جائے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسری راہ اختیار کی ہے کہ میں نے اپنی محنت کا میدان امام بغوی کی تصنیف لطیفہ المصابیح کو بنایا اس کی جامعیت کے پیش نظر اس میں کچھ تغیرات و الحاقات اور اضافات کر کے ایک نیا مجموعہ تیار کیا۔

قَوْلُهُ اِسْتَوْرِدَ وَاَوْابِدَ هَا — اِسْتَوْرِدَ شوارک کی جمع ہے اس کا معنی ہے رمیدن شتر یعنی بھاگنے والا اونٹ : اَوْابِدُ جمع ایکہ بمعنی بہیمۃ متوحشۃ یعنی وحشی جانور : یہاں ان لفظوں کو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ شوارک کی اضافت احادیث کی طرف صفت موصوف والی ہے۔ اصل میں عبارت یوں تھی :

الاحادیث الشوارکہ : چنانچہ شوارک سے مراد وہ احادیث ہیں جو اصول کی کتابوں میں نقل تھیں مگر ان کتابوں تک ہر طالب علم کی رسائی مشکل تھی، نیز یہ کام بھی مشکل تھا کہ کس کتاب میں کون سی حدیث ہے گویا وہ احادیث طالب حدیث کی نظر سے بھاگی ہوئی یعنی پوشیدہ تھیں اس لیے ان کو شوارک کے لفظ سے تعبیر کیا۔ ایسے ہی اوابید سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا معنی مقصود طالب حدیث کے فہم سے مخفی تھے اگر ان کو ضبط نہ کرتا تو بھاگ جاتیں اس لیے یہ مقولہ درست ہے : اَلْعِلْمُ صَيْدٌ وَاَلْكِتَابُ قَيْدٌ۔



وَلَمَّا سَلَكَ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ طَرِيقَ الْإِخْتِصَارِ  
وَحَذَفَ الْأَسَانِيدَ  
تَكَلَّفَ فِيهِ بَعْضُ  
النُّقَادِ :

ترجمہ : اور جب مُصَنَّف نے  
نقلِ حدیث کے وقت اختصار  
کے طریقہ کو اختیار کیا اور اسناد  
کو حذف کر دیا تو اس پر بعض محدثین  
اور ناقدین نے اعتراض کیا۔

قَوْلُهُ وَلَمَّا سَلَكَ : یہاں سے وجہ تہنیف بیان فرما رہے ہیں سَلَكَ کا  
معنی ہوتا ہے چلنا، لیکن یہاں مراد اختیار کرنا اور پسند کرنا ہے۔  
قَوْلُهُ حَذَفَ الْأَسَانِيدَ : حذف اسناد سے مراد یہاں ترک ذکر مخرج اور  
عدم ذکر صحابی ہے کیونکہ مکمل اسناد تو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ذکر نہیں کی ہیں۔ یعنی جب حدیث  
یا ک بیان کی جاتی ہے تو حدیث سے پہلے اس صحابی کا نام ذکر کیا جاتا ہے جس نے اس حدیث  
یا ک کو روایت کیا ہے مثلاً : عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ... عَنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ الخ - !  
قَوْلُهُ تَكَلَّفَ فِيهِ : جواب لَمَّا ہے اِی طَعَنَ فِي بَعْضِ أَحَادِيثِ  
کِتَابِهِ : چرکہ مصنف مصابیح نے اپنی تالیف میں حدیث جمع کرتے وقت اختصار سے  
کام لیا تھا اور صرف نقلِ حدیث پر اکتفا کرتے ہوئے سند کے ذکر کو ترک کر دیا تھا اس لیے  
محدثین کی جانب سے اعتراض ہوا۔

سوال : ترک ذکر سند پر محدثین حضرات نے کیوں اعتراض کیا جب کہ علامہ خطیب  
نے تو طوالت سے بچتے ہوئے اختصارِ راہ یہ کام کیا تھا۔

جواب : چرکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جانتے اور پہچاننے کے لیے مدارِ صرف  
سند ہوتی ہے جب تک سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے  
اس وقت تک حدیث کے بارہ ہیں یہ حکم لگانا کہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے بہت  
مشکل ہے۔ یعنی حدیث کی معرفت سند پر موقوف ہے جب سند ہی حذف کر دی جائے  
تو پھر حدیث کی معرفت بطریقِ اولی ختم ہو جاتی ہے۔ وَلِهَذَا يَعْزِزُ عَلَيْهِ الْمُحَدِّثُونَ

قوله التَّفَادُّلُ — بضم التَّوْنِ وتشديد التَّاءِ بمعنى: بركعتي والا — یعنی کھوٹے اور کھڑے کے درمیان فرق کرنے والا، لیکن یہاں مراد اسی العلماءِ القادینِ الْمُتَمَيِّزِينَ بَيْنَ الْمُتَحَيِّجِ وَالضَّعِيفِ —

## وُجُوهُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَشْكُوتَةِ وَالْمَصَابِيحِ

مشکوٰۃ	مصابیح
① صاحب مشکوٰۃ شیخین کی احادیث کو فصلِ اوّل اور غیر شیخین کی احادیث کو فصلِ ثانی سے تعبیر کرتے ہیں۔	① صاحب مصابیح نے شیخین کی احادیث کے لیے وَمِنْ التَّحْلَاحِ اور غیر شیخین کی احادیث کے لیے وَمِنْ الْحَسَنِ کا عنوان اختیار کیا ہے۔
② مشکوٰۃ میں ہر باب کی احادیث کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے تیسرا حصہ فصلِ ثالث والا ہے اور اس تیسرے حصہ میں مصابیح سے زائد احادیث مذکور ہیں۔	② مصابیح میں ہر باب کی احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔
③ مشکوٰۃ میں ہر حدیث کے آخر میں اس کے تخریج کرنے والے کا نام ذکر کیا گیا ہے۔	③ صاحب مصابیح نے خاص متعین کتاب کا حوالہ نہیں دیا اگرچہ وَمِنْ التَّحْلَاحِ سے یکجا جاتا ہے کہ یہ روایت شیخین کی ہے لیکن متعین طور پر رواہ البخاری، رواہ المسلم نہیں لکھا
④ مشکوٰۃ میں اس تکرار کو حذف کر کے جس باب کے ساتھ حدیث پاک کو زیادہ مناسبت تھی اس میں رہنے دیا گیا۔	④ مصابیح میں اصالتہ برفوع احادیث ذکر کی گئی ہیں اگر موقوف و مقطوع کہیں آئی ہیں تو ضمتاً و تبعاً۔

## مصایح

⑥ مصایح میں بعض احادیث  
مکرر تھیں۔

⑦ مصایح میں بعض ایسی احادیث  
کا صرف کچھ حصہ مذکور تھا۔

⑧ مصایح میں بعض احادیث من القحج  
کے تحت مذکور تھیں جس سے بظاہر یہی مفہوم  
ہوتا تھا کہ یہ صحیحین کی روایت ہے۔

⑨ مصایح میں بعض احادیث  
کے بارے میں ضعیف، غریب  
وغیرہ کا حکم مذکور تھا۔

⑩ مصایح میں صرف حدیث  
کا متن مذکور ہوتا ہے۔

⑪ مصایح میں متن حدیث کے شروع

## مشکوٰۃ

⑫ مشکوٰۃ میں اس تذکار کو حذف کر کے جس  
باب کے ساتھ حدیث کو زیادہ مناسبت تھی  
اس میں پہنچے دیا گیا۔

⑬ مشکوٰۃ میں کسی داعیہ کی بنا پر اس  
پوری حدیث کو ذکر کیا گیا ہے اور وہ داعیہ  
مشکوٰۃ یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا باقی  
حصہ بھی باب کے مناسب تھا یا نہ ذکر کا  
بجائے اس پر موقوف تھا۔

⑭ صاحب مشکوٰۃ نے تصریح کی کہ  
یہ روایت صحیحین میں موجود نہیں اور پھر  
جس نے تخریج کی ہو اس کا نام ذکر کر دیتے ہیں۔

⑮ مشکوٰۃ میں اس حکم کی وجہ بھی ذکر کر  
دی گئی کہ نلال نے یہ حکم لگا یا ہے یا یہ حکم اس  
وجہ سے ہے کیونکہ اس سے بات مستند اور  
پختہ ہو جاتی ہے۔

⑯ اگر صاحب مشکوٰۃ کو وہ متن کتب  
اصول میں نہ ملے تو اس حدیث کا جو متن سند  
وحوالہ سے مل جلتے اسے ذکر کر دیتے ہیں نہ ملنے  
کی صورت میں کہہ دیتے ہیں "ما وجدنا  
هذه الرواية في كتب الاصول : یا  
وجدنا خلافاً"۔

⑰ مشکوٰۃ میں ہر حدیث کے شروع

## مصابیح

ہیں اس حدیث کے راوی 'عابی' کا نام ذکر نہیں۔

## مشکوٰۃ

ہیں اس کے راوی صحابی کا نام ذکر ہے اور اس کا نام مذکور یہ ہے کہ اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ روایت فقیہ صحابی کی ہے یا غیر فقیہ کی، مقدم الاسلام کی ہے، یا مؤخر الاسلام کی، احکام کی احادیث میں ان باتوں کا معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے۔

وَإِنْ كَانَ نَقْلُهُ وَاسْتَدَارَ  
مِنَ الثَّقَاتِ كَالِإِسْنَادِ  
لَكِنْ لَيْسَ مَا فِيهِ أَعْلَمُ  
كَأَعْقَالٍ فَاسْتَخْرِتُ  
اللَّهَ تَعَالَى وَاسْتَوْفَقْتُ  
مِنْهُ فَأَوْدَعْتُ كُلَّ حَدِيثٍ  
مِنْهُ فِي مَقَرٍّ فَأَعْلَمْتُ  
مَا أَعْقَلَهُ كَمَا رَوَاهُ الْأَيْمَةُ  
الْمُتَّقُونَ وَالثَّقَاتُ  
الرَّاسِخُونَ :

ترجمہ : اگرچہ مُصَنَّف کا نقل فرمادینا ہی اسناد کی مثل ہے کیونکہ وہ معتبر ہیں مگر نشانوں والا راستہ بے نشان راہ کی طرح نہیں ہوتا اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے خیر اور توفیق مانگی۔ اور نشان لگائے ہیں جس کو عسقلہ بخوبی نے مجھول چھوڑ دیا تھا (یعنی بے نشانوں کو نشان دار بنا دیا) پس امانت رکھی میں نے ہر حدیث کو اپنے مقام پر جیسے روایت کرتے تھے راوی ائمہ ماہرین العلم اور ثقہ زبور علی رکھتے واسے۔

قوله وَإِنْ كَانَ نَقْلُهُ وَاسْتَدَارَ مِنَ الثَّقَاتِ كَالِإِسْنَادِ —  
مِنَ الثَّقَاتِ، وَإِنْ كَانَ نَقْلُهُ كَالِإِسْنَادِ کی بات ہے۔ یعنی مُصَنَّف علیہ الرحمۃ کا حدیث کو بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کیا ہو کیونکہ وہ نقل حدیث کے معاملہ میں ثقہ اور متہدین محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔



قَوْلُهُ لَكِنَّ لَيْسَ مَا فِيهِ اَعْلَامٌ كَالْاَعْمَالِ - اَعْلَامٌ اور اَعْمَالٌ کے ہمزے دونوں فتح کے ساتھ ہیں۔ اَعْلَامٌ کا معنی ہے نشانات یعنی اَشَارَاتُ لَيْسَ بِسَلْبَةٍ بھلا۔ اور اَعْمَالٌ کا معنی ہے پوشیدہ زمین یعنی الْأَرْضُ الْمَجْهُوْلَةُ جس کا راستہ معلوم نہ ہو۔ یہ جملہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔

یہ ہے کہ جب علامہ خلیفہ کا سند کے معاملہ میں عدم ذکر اسناد و مثل ذکر اسناد کے تھا (کالا سند) تو پھر علامہ لبوی کو کوئی غرابی و نقص نظر آیا کہ انہوں نے اسناد کو بقاعدہ طور پر بیان فرمایا۔

تو علامہ لبوی نے یہ کلمات نکال کر جواب دیا جو کہ ایک تخیل کی شکل ہے

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک راستہ نشانیوں والا ہے جس سے مسافر کو اپنی منزل پر پہنچنے میں تکلیف نہیں ہوتی اور ایک راستہ بے نشان ہے جس سے مسافر کو اپنی منزل پر پہنچنے میں پریشانی ہوتی ہے تو یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کما قال اللہ

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَتْلُمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَتْلُمُونَ و اس لیے میں اسناد کو ذکر کیا۔ سبحان اللہ کیا ادب ہے "فرمایا نشانیوں والا راستہ یعنی (مشکوٰۃ شریف) بے نشان راہ (مصابیح) کی طرح نہیں مصابیح بہت اعلیٰ ہے۔ یہ ہے انکسار نفس: یہ اشارہ ہے

نَوَاضِعًا مَعَ الزُّمَامِ وَ هَضْمًا لِنَفْسِهِ عَنْ بُلْعِ الْمَمَامِ قَوْلُهُ فَاَسْتَخَذْتُ اللَّهَ - غیر کی طلب کرنا یعنی استخارہ کرنا۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ - اور استخارہ کی فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ سیدنا انسؓ سے روایت ہے رواہ الطبرانی مرئوفاً مَخَاطَبَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا مَكِدَمَ مَنِ اسْتَخَارَ - کیونکہ غیر شرکاء معلوم کرنا عباد کے بس کی بات نہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ -

عَلَىٰ أَنْ تَسْأَلَ عَمَّا أَشْتَكُ وَ هُوَ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْعِلْمِ قَوْلُهُ فَاَسْتَخَذْتُ اللَّهَ - تقدیم فاء علی اللغات ای طَلَبْتُ السُّؤَالَ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى - یعنی رب کو دعا و الجلال سے اس کام میں

تونسق کا طالب ہوا۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَمَا تَوْحِیْتُغٰی إِلَّا بِاِلٰہِ رَہْمٰہِ  
 قَوْلُہٗ فَاَوْدَعْتُہٗ — پس امانت رکھی میں نے —  
 سوال : مُصَنَّف عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ سَے اَوْدَعْتُ یعنی امانت کے الفاظ استعمال فرمائے  
 قَوْلُصَّنَّفِ کے الفاظ کیوں نہ استعمال کیئے۔

جواب : اگر قَوْلُصَّنَّفِ کے الفاظ نقل فرمائے تو اس میں کی بیشی یا قطع پر یہاں  
 احتمال ہوتا جبکہ اَوْدَعْتُ میں یہ احتمال نہیں کیونکہ امانت میں کی اور زیادتی خیانت تصور  
 ہوتی ہے۔

خلاصہ : یہ کج روایت مصابیح میں جس جگہ تھی میں نے بھی مشکوٰۃ میں ہاں  
 ہی بیان کی بلکہ وجہ تقدیم تاخیر نہیں کی۔

قَوْلُہٗ مَقْرَبُہٗ اَنْیَ فَا مَقْرَبُہٗ یعنی جس طرح ان اماموں سے منقول تھی ویسے ہی میں  
 نے نقل کی ہے۔

مِثْلُہٗ ابی عبد اللہ مُحَمَّد بن اسماعیل البخاری تا وابی الحسن  
 زُرَّیْن بن مَعَاوِیَۃ الْقُبْدَرِیُّ وَغَیْرُہُمْ وَقَلِیْلٌ مِّمَّا حُوِّدَ اس ساری عبارت  
 میں مانعہ نقل کیا گیا ہے۔ یعنی مُصَنَّف عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ کا مقصد ان ائمہ کے بیان سے یہ ہے کہ میں نے  
 طریقہ وہی اختیار کیا جو ان کتابوں کے مصنف مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ نے اختیار کیا تھا۔

قَوْلُہٗ فَاَبٰی عَبْدِ اللہ مُحَمَّد بن یزید ابْن مَسَاجِدَہٗ — ابن ماجہ  
 میں حمزہ وصلی کو رسم خط میں باقی رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ یزید کی صفت نہیں بلکہ یہ ابن یزید  
 سے بدل ہے اس صورت میں مساجد یزید کا لقب ہے (کمالی القاموس) یا ابن ماجہ کی صفت  
 ثانیہ ہے اس صورت میں ماجہ حمزہ کی والدہ اور یزید کی زوجہ کا نام ہے اور یہی احتمال راجح ہے  
 رکابی شرح الاربعین) بہر حال ابن ماجہ یزید کی صفت نہیں ہے ورنہ معنی فاسد ہوگا اور اس  
 کے لفظ اور بھی ہیں مثلاً عبد اللہ بن عمرو ابن ائمہ مکتوم میں ائمہ مکتوم عبد اللہ کی والدہ اور عمرو  
 کی بیوی ہے اور عبد اللہ بن اکب ابن شعیبہ میں شعیبہ عبد اللہ کی والدہ اور اکب کی بیوی ہیں اسی طرح  
 عبد اللہ بن ابی ابن سہلول اور حمزہ بن علی ابن الحنفیہ کو تصور کریں۔

قَوْلُهُ وَغَيْرِهِمْ — مشاء ابن حبان، ابن عبد البر، امام نووی، علامہ ابن الجوزی وغیرہم۔

قَوْلُهُ وَقَلِيلٌ مَّا هُوَ — یعنی وہ حدیثیں جو مذکورہ ائمہ کے علاوہ کی ہیں وہ حضورؐ ہی ہیں۔ ہوا کا مرجع غیر ہوا ہے۔

بعض کم علم حضرات (مثلاً غیر مقلدین) اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ خلیفہؒ نے امام اعظمؒ کا نام نامی اسم گرامی ذکر نہیں کیا۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔  
**سوال** اول یہ کہ امام اعظمؒ صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک امام نہیں ہیں اگر امام ہوتے تو دیگر ائمہ کی طرح ان کا نام ضرور ذکر فرماتے۔ دوم یہ کہ امام اعظمؒ صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک ائمہ ائمہ نہیں ہیں۔ جس طرح کہ باقی حضرات کو صاحب مشکوٰۃ نے ائمہ ائمہ میں شمار کیا ہے۔ کما رواہ الاصل المتفقون الخ۔

صاحب مشکوٰۃ کا امام صاحب کا نام ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ہاں امام صاحب امام ہی نہیں یعنی امام اعظمؒ کی امامت عظمیٰ صاحب مشکوٰۃ کے قول پر موقوف نہیں۔

صاحب مشکوٰۃ کا امام صاحب کا نام نہ ذکر کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ ان کے ہاں امام صاحب امام ہی نہیں۔ بلکہ عدم ذکر اس بنا پر ہے

کہ صاحب مشکوٰۃ کو امام اعظمؒ سے کوئی روایت نہیں ملی، اگر روایت ملتی تو ضرور نام گرامی نقل فرماتے۔

یقول شیخ جاجرووی رحمہ القوی — اگر بغیر عمیق مطالعہ کیا جائے تو صاحب مشکوٰۃ امام صاحب کی امامت عظمیٰ کے قائل ہی نہیں بلکہ امام کے تقویٰ وزہد و علم و عمل کا بھی قائل ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ شریف کے آخر میں ایک رسالہ اسماء الرجال میں لکھا ہے جس کا نام ”اکمال فی اسماء الرجال“ ہے۔ اس میں دوسرا باب باندھتے ہیں :-

أَلْبَابُ النَّبِيِّ فِي ذِكْرِ أَئِمَّةِ أَصْحَابِ الْأُصُولِ - (۳۳)

امام صاحب کے متعلق فرماتے ہیں :-

هُوَ أَمَامُ الْبُحَاثَةِ الْمُتَمَنِّ بِشَايَةِ الْخ -

تو امام ہونے کے فائز ہوئے۔ آگے لکھتے ہیں:-

وَلَوْ فَهِبْنَا إِلَى شَرْحِ مَنْاقِبِهِ وَقَضَائِلِهِ لَمْ يَطْلُنَا  
الْخُطْبُ وَلَمْ نَصِلْ إِلَى الْفَرْضِ فَإِنَّهُ كَانَ عَالِمًا عَامِلًا  
وَرِعًا زَاهِدًا عَابِدًا أَمَّا مَا فِي عُلُومِ الشَّرِيعَةِ وَالْفَرْضِ  
بِإِزَارِهِ ذَكَرَهُ فِي هَذَا الْكِتَابِ وَإِنْ لَمْ تُرِدْ عَنْهُ حَدِيثًا  
فِي الْمَشْكُوتِ لِلشَّيْخِ بِهَذَا لَعُلُوْ مَرَّتَيْنِ وَوُقُوفٍ عَلَيْهِ  
ترجمہ: اور اگر ہم ان کے مناقب و فضائل کی تشریح کرنے لگیں تو بات  
لمبی ہو جائے گی اور مقصد ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ عالم عامل  
متقی زاہد، عابد اور علوم شریعت میں امام تھے۔ اس کتاب میں ہم نے ان کا تذکرہ  
کیا ہے حالانکہ ان کے واسطے کوئی روایت اس کتاب مشکوٰۃ میں نہیں ہے  
اس کی غرض صرف آپ کی جلالتِ شان اور کثرتِ علوم کے باعث آپ کے  
نام و ذکر سے تبرک کا حصول ہے۔

ترجمہ: اور میں نے  
جب ان بزرگوں کی طرف حدیث  
منسوب کر دی تو گویا حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم ہی کی طرف اسناد کر دی  
کیونکہ ان بزرگوں نے اسناد سے  
نارغ ہو کر ہم کو بے نیاز کر دیا۔

وَإِذَا السَّبْتُ الْحَدِيثُ  
إِلَيْهِمْ كَأَنِّي أَسْنَدْتُ  
إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَهْمُ  
قَدْ فَرَّغُوا مِنْهُ  
وَاعْنُونَا عَنْهُ:

قَوْلُهُ وَإِذَا السَّبْتُ الْحَدِيثُ — وفیہ سوال مُقَدَّر ہے۔

یہ ہے کہ اگر مصابیح ناقص کتاب تھی تو مشکوٰۃ بھی ناقص ہے یعنی صاحب مصابیح  
پر یہ اعتراض کیا گیا تھا کہ انہوں نے نقل حدیث کے وقت تمام سند کے ذکر کا

سوال

الترجم نہیں کیا تو اب بھی وہ بتاتی رہ گئی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے بھی صرف صحابی اور کتاب کے حوالہ کے ذکر کو کافی جانا تمام سند ذکر نہیں کی۔

تو مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جن ائمہ محدثین سے یہ احادیث لی گئی ہیں انہوں نے خود ہی سند کے سلسلہ میں تلاش جستجو کے بعد اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا اور ان حضرات سے اپنی کتابوں میں چونکہ اسناد ذکر کر دی ہیں اس لیے ان کی ذکر کردہ سند کو کافی سمجھتے ہوئے اب ہمیں تمام اسناد ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

**جواب**

ترجمہ : اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی اور اس سلسلہ میں میں نے ان ہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔

وَسَدَدْتُ الْكُتُبَ وَالْأَبْوَابَ كَمَا سَكَّدَهَا  
وَأَقْتَفَيْتُ أَثَرَهُ فِيهَا

اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ جس ترتیب سے صاحب مصابیح نے مسائل کی کتابیں اور ان کتابوں کے باب بیان کیے ہیں میں نے بھی اسی طرح بغیر تقدیم و تاخیر بیان کیے اور کتابوں، بابوں کے وہی عنوان رکھے جو انہوں نے رکھے تھے مثلاً کتاب الطہارت اس میں وضو کا باب پھر غسل کا اور پھر تیمم کا باب ہوگا۔

ترجمہ : اور میں نے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی فصل میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن کو شیخین یعنی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے یا ان دونوں میں

وَقَسَمْتُ كُلَّ بَابٍ  
غَالِبًا عَلَى فُصُولٍ  
ثَلَاثَةً أَوَّلُهَا مَا  
أَخْرَجَهُ الشَّيْخَانُ  
أَوْ أَحَدُهُمَا وَآخِرُهَا

بِهِمَا وَإِنْ اشْتَرَكَ فِيهِ  
الْفَرُوعُ لَوْ دَرَجَتُهُمَا  
فِي الرِّوَايَةِ

سے کسی ایک نے روایت کیا ہے  
اگرچہ ان حدیثوں میں بعض ایسی بھی  
ہیں جن کو دوسرے محدثین نے بھی  
روایت کیا ہے لیکن میں نے اس فصل  
میں صرف شیخین کے ذکر پر اکتفا کیا ہے  
کیونکہ شیخین کا درجہ تمام محدثین سے  
بلند ہے۔

اس عبارت کے مقصد بیان کرنے سے قبل ایک فائدہ ملاحظہ فرمائیں۔

**فائدہ** بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہو اگر صحابی کا اختلاف ہو مثلاً بخاری میں  
تو ایک صحابی سے منقول ہے اور مسلم میں دوسرے صحابی سے تو اس روایت کو متفق علیہ نہیں کہیں گے  
اگرچہ حدیث ایک ہی ہو۔

اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ فن حدیث میں بخاری و مسلم کا درجہ  
بہت بلند ہے حتیٰ کہ ان کو حدیث شیخین کہا جاتا ہے۔ جیسے فقہ میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف  
اور منطق میں علامہ فارابی اور ابو علی سینا کو۔

اس لیے پہلی فصل میں ان بزرگوں کی روایتیں لائیں گے اور اگر کسی حدیث کو شیخین کے علاوہ اور  
محدثین نے نقل کیا ہو تو میں وہ حدیث صرف شیخین ہی کی طرف نسبت کروں گا مثلاً اگر کوئی حدیث  
بخاری اور ترمذی کی ہے تو میں صرف بخاری کا نام لوں گا اور کہوں گا رواہ البخاری کیونکہ ان کے ذکر  
کرتے ہوئے کسی کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

**سوال :** مصنف علیہ الرحمۃ نے عبارت میں غالبیت کی قید کیوں لگائی ہے ؟  
**جواب :** غالباً کی قید لگا کر صاحب کتاب اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ  
بعض بابوں میں دو ہی فصلیں ہونگی مگر یہ بہت کم اکثر تین ہی ہونگی یعنی یہ قانون کلی نہیں بلکہ اکثر و  
غالبیت کے درجہ میں ہے۔

وَتَأْتِيَهُمَا مِمَّا أُورِدَهُ  
غَيْرُهُمَا مِنَ الْأُثْمَةِ  
الْمَذْكُورِينَ

ترجمہ : اور دوسری فصل میں  
وہ احادیث نقل کی ہیں جن کو شیخین  
یعنی بخاری و مسلم کے علاوہ دوسرے  
مذکورہ ائمہ میں سے کسی اور نے روایت  
کیا ہے۔

دوسرے ائمہ سے مراد ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ ہیں۔ اس جملہ کا مقصد  
یہ ہے کہ دوسری فصل میں ان ائمہ مذکورین کی احادیث ذکر کی جائیگی۔

وَتَأْتِيَهُمَا مِمَّا اشْتَمَلَ  
عَلَى مَعْنَى السَّابِ  
مِنْ مُلْحِقَاتٍ مُنَاسِبَةٍ  
مَعَ مُحَافِظَةِ عَلَوِ  
الشَّرْطَةِ وَإِنْ كَانَتْ  
مَأْثُورًا عَنِ السَّلَفِ  
وَالْخَلْفِ

ترجمہ : اور تیسری فصل میں  
احادیث کے علاوہ صحابہ و تابعین کے  
ان اقوال و آثار کو بھی جمع کیا گیا ہے  
جو باب کے مناسب اور لائق تھے  
لیکن آثار و خبر کو شامل کرتے ہوئے  
مشرائط حدیث کو مدنظر رکھا گیا  
ہے۔

صاحب کتاب کا مقصد یہ ہے کہ میں نے تیسری فصل بڑھائی ہے اور اس میں یہ التزام  
کیا کہ حدیث مرفوعہ ہی ملاؤں بلکہ صحابہ و تابعین کے ایسے اقوال و افعال اور تقاریر بھی اس فصل میں نقل  
کروں گا جو باب کے مناسب ہونگی کیونکہ اصطلاح محدثین میں اسے بھی حدیث کہتے ہیں۔  
سلف کے معنی گذرے ہوئے لوگ یعنی متقدمین۔ خلف کے معنی پیچھے والے یعنی متاخرین  
یہاں سلف سے مراد صحابہ کرہم ہیں اور خلف سے مراد تابعین ہیں۔ چونکہ صحابہ کا درجہ غیر صحابہ  
سے کہیں زیادہ ہے اس لیے ان کا نام پہلے لیا اور تابعین کا بعد میں۔

شُرَائِكَ اِنْ فَقَدْتَ  
حَدِيثًا فِي بَابٍ  
فَكَالَيْكَ عَنْ تَكْرِيدِ  
اُسْقَطُهُ

ترجمہ: پھر تحقیق اگر کسی باب  
میں کوئی حدیث نہ پائی جائے تو بھلا  
جائے کہ اسے میں نے تکرار کی وجہ سے  
نقل نہیں کیا۔

یہاں سے علامہ خلیفہ چند اصول یا ضابطے بیان فرما رہے ہیں :-  
یہ ہے کہ اگر کسی باب میں کوئی حدیث مصابیح میں تو تھی مگر مشکوٰۃ میں نہیں  
تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں وہ حدیث درجہ آئی تھی میں نے ایک  
جگہ رکھی اور دوسری جگہ ساقط کر دی۔

وَ اِنْ وَجَدْتَ الْاُخَرَ  
بَعْضَهُ مَقْرُوكًا عَلٰى  
اِخْتِصَارِهِ اَوْ مَضْمُومًا  
اِلَيْهِ تَمَامًا فَقَدْ  
دَاخِلٌ اِتْمَامًا اَوْ كُلُّهُ  
وَالْحَقُّهُ

ترجمہ: اور اگر پاؤ تم ایک  
حدیث کہ اس کا بعض حصہ اختصار کی  
وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یا اس  
میں بقید حصہ اس حدیث کا ملا دیا گیا  
ہے تو یہ حذف کرنا اور ملانا خاص قصد  
کے تحت ہے۔

یہاں سے اصول ثانی بیان فرما رہے ہیں :-  
جس کا غلامہ یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث مصابیح میں تو مختصراً مذکور تھی مگر مشکوٰۃ  
میں پوری طویل یا اس کے برعکس تھی اور مصابیح میں مکمل و طویل تھی مگر میں نے  
اس کو مختصر کر کے نقل کیا تو اس کی کوئی حکمت اور وجہ ہوگی میں نے بلا وجہ یہ فرق نہ کیا مثلاً ایک  
طویل حدیث کا ایک جزر باب کے مناسب ہے باقی نہیں تو میں صرف وہ مناسب جزر  
ہی نقل کروں گا مختصراً اور اگر کسی حدیث کے دو جزر مصابیح کے دو بابوں میں بقول ہو سکے



تو میں پوری حدیث ایک باب میں طویل ذکر کر دے گا۔

وَأَنَّ عَثَرَتْ عَلَى اخْتِلَافٍ  
فِي الْفَصَلَيْنِ مِنْ ذِكْرِ  
غَيْرِ الشَّيْخَيْنِ فِي  
الْأَوَّلِ وَذَكَرَهُمَا فِي  
الثَّانِي فَأَعْلَمُوا أَنِّي بَعْدَ  
تَتَبُعِي كِتَابِي الْجَمْعُ  
بَيْنَ الصَّحِيحَيْنِ  
لِلْحَمِيدِي وَجَامِعُ  
الْأُصُولِ اعْتَمَدْتُ عَلَى  
صَحِيحِي الشَّيْخَيْنِ  
وَمَتَّبِعُهُمَا

ترجمہ: اور اگر تم دو فصلوں  
میں کسی اختلاف پر مطلع ہو مثلاً  
یوں کہ پہلی فصل میں غیر شیخین کی اور  
دوسری میں شیخین کی حدیث مذکور  
ہو تو جان لینا یہ اس لیے ہے کہ میں  
نے حمیدی کی کتاب جامع بین  
الصحیحین اور کتاب جامع الاصول  
جو شیخین کی احادیث کی جامع ہیں  
کے تلاش کے بعد صحیح مسلم و بخاری اور  
ان کے متنوں پر اعتماد کیا۔

صاحب کتاب کا مقصد اصول ثالث کی طرف اشارہ ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ فصل اول  
اصول سوم | میں ان احادیث کو نقل کیا جو شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم سے ان کی  
کتاب میں روایت کی گئی ہیں اور فصل ثانی میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو شیخین کے علاوہ دیگر  
ائمہ سے مذکور ہیں لیکن مشکوٰۃ میں بعض جگہ ایسا بھی ہے کہ فصل اول میں وہ احادیث جن کو صاحب  
مصابیح نے شیخین کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے ان کو دوسرے ائمہ  
کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے جیسے باب منن وذنو کی فصل اول میں یا باب فضائل قرآن میں اسی  
طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے باب "ما یقرأ  
بعد التکبیر یا باب الموقوف وغیر میں تو اس بد و بدل اور فرق کے بارہ میں صاحب

مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ یہ میری غلطی یا سہو کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ میں نے کتاب جمع بین الصیغین اور کتاب جامع الاصول نیز بخاری و مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متنوں میں کافی تلاش و تحقیق کی چنانچہ ان کتابوں میں جن احادیث کو شیخین کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے۔ اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اول میں شیخین کی طرف منسوب کیا ہے تو میں نے ان احادیث کو مشکوٰۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کے اصل راوی اور ناقل کی طرف منسوب کیا ہے۔ ایسے ہی جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ احادیث مجھے ان کتب مذکورہ میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں نے ان کو شیخین کی طرف منسوب کر دیا اور چونکہ مجھے اپنی تحقیق و جستجو پر اعتماد تھا اس لیے میں نے یہ سوچ کر مصابیح کی نقل کے خلاف ایسا کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ صاحب مصابیح سے نقل حدیث کے وقت ہو گیا ہو۔

ترجمہ: اور اگر اختلاف اصل حدیث میں نظر آئے تو یہ احادیث کی اسناد میں اختلاف کی وجہ ہو گا۔

وَإِنْ رَأَيْتَ اخْتِلَافًا  
فِي نَفْسِ الْحَدِيثِ قَدْ اِلَكَ  
مِنْ تَشَعُّبِ طُرُقِ الْحَدَاثِ

یہاں سے اُصولِ رابع کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

صاحب مصابیح نے ایک حدیث روایت کی اور وہی حدیث جب صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی تو دونوں کے الفاظ میں فرق نکلا یعنی صاحب مصابیح کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ کچھ اور ہیں اور صاحب مشکوٰۃ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ دوسرے ہیں تو اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ یہ فرق دراصل سندوں کے اختلاف کی بنا پر ہوا ہے یعنی صاحب مصابیح کو وہ روایت جس سند سے پہنچی ہے اس میں وہ الفاظ ہیں جن کو انہوں نے نقل کیا ہے اور مجھے جس سند سے ملی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں جو میں نقل کر رہا ہوں :-

وَعَلَىٰ مَا أَطْلَعْتُ  
عَلَىٰ تِلْكَ الرِّوَايَةِ  
الَّتِي سَلَكَهَا الشَّيْخُ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَلِيلًا  
مَا يَجِدُ أَقُولُ مَا  
وَجَدْتُ هَذِهِ الرِّوَايَةَ  
فِي كِتَابِ الْأُصُولِ أَوْ  
وَجَدْتُ خِلَافَهَا  
فِيهَا فَإِذَا وَقُضَتْ  
عَلَيْهِ فَأَنْسِبَ الْقُصُورَ  
إِلَىٰ لَيْكَلَةِ الدِّمَارِيَّةِ لَا  
إِلَىٰ جَنَابِ الشَّيْخِ  
رَافِعِ اللَّهِ قَلْبَهُ فِي  
الدَّامِنِينَ حَاشَا لِلَّهِ مِنْ  
ذَلِكَ

ترجمہ: اور شاید میں اس  
روایت پر خبردار نہ ہوا ہوں بلکہ  
حضرت شیخؒ کے تم بہت کم یہ بھی  
پاؤ گے کہ میں کہوں گا کہ میں نے یہ  
روایت اصول کی کتابوں میں نہ  
پائی یا ان میں اس کے خلاف  
پائی تو جب تم اس پر مطلع ہو تو میری  
کم علمی کی بنا پر تصور کو میری طرف  
منسوب کرنا نہ کہ حضرت شیخؒ کی طرف  
اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں  
ان کی عزت بڑھائے اس  
نسبت سے خدا کی پناہ۔

قوله حَاشَا لِلَّهِ — اى تَسْرِيهَا لَكَ  
قوله مِنْ ذَالِكَ — اى مِنْ نِسْبَةِ الْقُصُورِ إِلَى الشَّيْخِ : یہاں  
مصنفؒ اصول خاص بیان کر رہے ہیں۔

یہ ہے کہ اگر ایسا ہو کہ جس روایت کو صاحب مصابیح نے نقل کیا ہے  
وہ روایت مجھے نہ ملی ہو یا ان کی نقل کردہ روایت اور میری نقل کردہ  
روایت میں کوئی اختلاف نظر آئے تو اس میں غلطی اور تصور کی نسبت میری ہی جانب کی جائے  
صاحب مصابیح کو غلطی اور خطا کا مرتکب قرار نہ دیا جائے۔ نیز صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ غلطی

اصول خاص

اور قصور کی نسبت میری جانب کی جائے غلو نیست اور اعترافِ حقیقت کی بنام پر ہے اس میں  
ریاکاری کا دخل نہیں ہے۔ چنانکہ حَاشَا لِلّٰہِ مِنْ ذَٰلِکَ سے اشارہ کر دیا ہے۔ اور  
اصول کی کتابوں سے مراد وہی مذکورہ کتب یعنی بخاری و مسلم ہیں۔

رَحِمَہُ اللّٰہُ مَنْ اِذَا وَقَفَ  
عَلٰی ذَٰلِکَ نَبَّهْنَا عَلَیْہِ  
وَاَرْشَدْنَا طَرِیْقَ الصَّوَابِ

ترجمہ : خدا کی رحمت ہو اس  
شخص پر جسے وہ روایت معلوم ہو  
اور ہمیں مطلع کر کے راہ حق بتائے۔

یہ جملہ دعا تہ ہے کقول عمر رضی اللہ عنہ : ”رحمہ اللہ امرأ اھدی  
إلیّٰ بعیوبِ نفسی“۔ یعنی اگر کسی شخص کو وہ روایت معلوم ہو جو صاحبِ مصابیح نے نقل کی ہے  
اور مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ تو اس کو چاہیے کہ اگر ہماری زندگی میں اسے معلوم ہو تو ہمیں بتا دے  
اور مرنے کے بعد ہماری کتاب میں اس کا اضافہ کر دے۔

وَلَمَّا اَلْجُہْدُ اِف  
الشَّقِیْرُ وَالتَّفَتِشُ  
بِقَدْرِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ  
وَنَقَلْتُ ذَٰلِکَ الْاِخْتِلَافَ  
کَمَا وَجَدْتُ

ترجمہ : اور میں نے تحقیق  
و تحقیق میں کمی نہیں کی اپنی وسعت  
و طاقت کے مطابق، اور نقل کیا میں  
نے اختلاف کو جیسے پایا۔

یہ کلمات ایک سوال کا جواب ہیں :-  
سوال : یہ ہے کہ اگر صاحبِ مشکوٰۃ زیادہ تنبیح کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کو  
وہ روایتیں نہ ملتی جو صاحبِ مصابیح سے رہ گئیں ؟  
جواب : تو اس کا جواب خود صاحبِ مشکوٰۃ نے دے دیا کہ جہاں تک

میری رسائی اور بہتت و طاقت تھی میں نے اس سے بڑھ کر تحقیق و تلاش کی اور اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی مگر مجھے نہیں ملین۔

وَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ  
غَرِيبٍ أَوْ ضَعِيفٍ أَوْ  
غَيْرِهِمَا بَيَّنَّتْ  
وَجْهَهُ غَالِبًا وَمَا  
لَمْ يُشْرُ إِلَيْهِ مِمَّا  
فِي الْأَصُولِ فَقَدْ  
قَضَيْتُهُ فِي تَرْكِهِ إِلَّا  
فِي مَوَاضِعَ لِفَرَضٍ

ترجمہ: اور جن احادیث پر  
شیخ نے ضعیف یا غریب وغیرہ  
کا حکم لگایا ہے میں نے ان کا سبب  
بیان کر دیا ہے اور جن احادیث  
اصول کی طرف شیخ نے کوئی اشارہ  
نہیں کیا تو میں بھی شیخ کی پیروی  
کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا ہے  
مگر بعض مقامات پر کسی غرض  
کی بنا پر میں نے توضیح کر دی ہے۔

قولہ: وَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ سے صاحب کتاب اصول سادس کی طرف اشارہ

فرما رہے ہیں۔

اُصول سادس | جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے بعض احادیث  
کے بارہ میں نقل کیا تھا کہ ظلال غریب ہے اور ظلال ضعیف ہے  
تو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں اس کی توضیح کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ حدیث غریب کیوں  
یا ضعیف کیوں ہے اور کچھ ایسی احادیث تھیں جن کو صاحب مصابیح نے نہ تو ضعیف و غریب کہا  
تھا بلکہ انہیں ایسا ہی چھوڑ دیا تھا تو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کچھ  
کوئی توضیح نہیں کی بلکہ انہیں جوں کا توں نقل کر دیا۔

قولہ: إِنَّ فِي مَوَاضِعَ لِفَرَضٍ — یہاں سے اصول سابع بیان کر رہے ہیں۔  
اصول سابع: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض مجبور یوں کسی غرض کی بنا پر کچھ ایسے مقامات

پر صاحب مشکوٰۃ نے توضیح کر دی ہے جہاں صاحب مصابیح نے سکوت اختیار کیا ہے  
مثلاً بعض لوگوں نے طعن و کلام کیا کہ فلاں حدیث موضوع ہے یا باطل ہے تو مجموعہ اصحاب مشکوٰۃ  
نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے ان کی تشریح و توضیح ترمذی شریف وغیرہ کے حوالہ سے  
کی کہ یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے کیونکہ علاوہ ترمذیؒ نے اسے صحیح یا حسن کہا ہے۔

وَرُبَّمَا تَجَدُّ مَوَاضِعُ  
مُهْمَلَةٌ وَذَلِكَ حَيْثُ  
لَمْ أَطْلِعْ عَلَى رَوَايَةٍ  
فَتَرَكْتُ الْبَيَاضَ  
فَإِنْ عَثَرْتُ عَلَيْهِ  
فَالْحَقُّ بِهِ أَحْسَنُ  
اللَّهُ جَزَاكَ

ترجمہ : بسا اوقات ہمیں  
ایسے مقام بھی ملیں گے کہ وہاں حدیث  
کے بعد میں نے کتاب کا حوالہ  
نہیں دیا کیونکہ باوجود تحقیق و تلاش  
کے میں راوی کے نام سے واقف  
نہیں ہو سکا لہذا وہ جگہیں نے  
چھوڑ دی ہے۔ پس اگر تمہیں راوی  
کے نام کا علم ہو تو اس جگہ کا حوالہ  
دے دینا اس کے لیے اللہ تعالیٰ  
تمہیں جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔

یہاں سے صاحب کتاب آخری اصول بیان فرما رہے ہیں۔  
اصول ثامن | یعنی مشکوٰۃ شریف میں کہیں حدیث کے بعد تھوڑی سی خالی جگہ  
پاؤ گے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ مصابیح میں تو وہ حدیث موجود تھی  
لیکن مجھے کسی کتاب میں نہ ملی، اور مجھے پورا اعتماد ہے کہ علامہ بغویؒ یعنی صاحب مصابیحؒ  
کہیں دیکھ کر ہی لکھی ہوگی۔ اس لیے میں نے مشکوٰۃ میں حدیث تو لکھ دی مگر کتاب کے  
نام کے لیے جگہ چھوڑ دی تاکہ اگر کسی کو اس پر اطلاع ہو جائے تو وہ یہاں لکھ دے۔

وَسَمِّيتُ الْكِتَابَ  
بِمَشْكُوتِ الْمَصَابِيحِ

ترجمہ : اور اس کتاب کا نام  
میں نے مشکوٰۃ المصابیح رکھا ہے۔

مَصَابِيحُ، مِصْبَاحُ کی جمع ہے جس کے معنی چراغ کے ہیں اور مشکوٰۃ کے  
معنی طاقتور کے ہیں جس طرح طاقتور میں چراغ رکھا جاتا ہے اسی طرح کتابِ مَصَابِيحِ مشکوٰۃ  
میں رکھی ہوئی ہے اس کی تشریح بیان ما یتعلق بالمسکوٰۃ میں تفصیلاً گذر چکی ہے

وَأَسْأَلُ اللَّهَ التَّوْفِيقَ  
وَالْإِعَادَةَ وَالْهُدَايَةَ  
وَالصِّيَانَةَ وَتَيَسِّرْ لِي  
مَا اقْضَدُّهُ

ترجمہ : اس کتاب کی  
تصنیف کے لیے میں اللہ تعالیٰ سے  
نیک توفیق، اس کی مدد اور ہدایت کا  
طلبگار ہوں اور اپنے مقصد کی تکمیل  
کے لیے خطا اور تصور سے حفاظت  
اور مشکلات کی آسائیوں کے لیے  
دُعا کرتا ہوں۔

یہاں سے بیان دُعا ہے اور دُعا کے دو حصے ہیں یہ حصہ اوّلیٰ ہے جس میں توفیق  
ایزدی اور طلبِ ہدایت اور عزائمِ مستقبلہ کی تکمیل پر امداد مانگی جا رہی ہے۔

وَأَنْ يَنْفَعَنِي فِي الْحَيَاةِ  
وَلِبَدِ الْمَمَاتِ وَجَنَّةِ  
الْمُسْلِمِينَ وَالْمَسْلَمَاتِ  
حَسْبِيَ اللَّهُ وَنَفْسِي  
الْوَكِيلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا

ترجمہ : اور دعا کرتا ہوں  
کہ ربِّ ذوالجلال اس زندگی میرے  
اور مرنے کے بعد مجھے بھی اور ہر مسلمان  
مرد و عورت کو نفع پہنچائے۔ اور  
اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی اور بہتر

قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ  
الْحَكِيمِ

کار ساز ہے اور بڑائی سے بچنے کی  
طاقت اور نیک کام کرنے کی قوت  
اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو  
تمام امور پر غالب اور حکمت والا ہے

قوله في الحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ : زندگی میں نفع تو یہ ہے کہ اللہ تم  
کتاب کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور ان احادیث پر عمل کرنے  
کی توفیق دے، اور مرنے کے بعد نفع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی برکت سے مغفرت  
و بخشش اور جنت کی نعمت سے نوازے اور اپنی بے پایاں رحمت کے دروازے سے  
کھول دے۔

قوله حَسْبِيَ اللَّهُ وَبِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ : علامہ خطیب نے کلمہ دعائیہ جو  
حَسْبِيَ اللَّهُ وَبِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ اختیار کیا ہے احادیث نبویہ سے اس کلمہ کے بے شمار فضائل ثابت  
ہیں۔ امام بخاریؒ نے "آلہام والصفات" میں حضرت ابن عباسؓ سے اور عاقلہ عبد الرزاق وغیرہ  
نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے  
تو آب کا آخری کلمہ حَسْبِيَ اللَّهُ وَبِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ تھا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے  
تخریج کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شدت میں مبتلا ہو جاؤ تو حَسْبِيَ  
و بِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ پڑھا کرو۔ عاقلہ ابو نعیم نے حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "حَسْبِيَ اللَّهُ وَبِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ ہر خوف کے امن ہے"

غزوہ حراء الاسد کے مجاہدین کی قرآن پاک میں جو مدد آئی ہے وہ یہ ہے۔  
ترجمہ : جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے  
آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارا سے  
مقابلہ کو سو تم ان سے ڈرو، سو اور زیادہ ہوا  
ان کا ایمان، اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ  
اور کیا خوب کار ساز ہے۔

الَّذِينَ قَالُوا لَكُمْ النَّاسُ  
النَّاسُ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ  
فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا  
اللَّهُ وَبِعِصْمَةِ الْوَكِيلِ



يقول ابوالاسد صاته الله عن الشتر والفساد :

قوله في الحياة وبعث الممات : کی تشریح شراح  
حضرات کے ہاں دی ہے جو بیان کر دی ہے لیکن ذرا وضاحت کے ساتھ مدہ عرض گزار ہے۔  
عسکری خطیب کا مقصد یہ ہے کہ میری زندگی اتنی دراز ہو کہ تصنیف کے بعد پڑھ بھی سکوں  
اور پڑھ بھی سکوں، اور اس کی برکت سے زندگی ایمان اور تقویٰ میں بسر ہو، مرتے وقت کلمہ  
نصیب ہو، اور یہ کتاب قبر و حشر میں کام آئے اور میرے بعد بار بار شائع ہوتی رہے مسلمان  
فائدہ اٹھاتے رہیں اور مجھے اس کا ثواب ملتا رہے۔

الحمد لله ! مصنف علیہ الرحمۃ کی یہ دعا قبول ہوئی کہ بفضلہ تعالیٰ دنیا کے ہر خطہ میں جہاں  
مسلمان ہیں یہ کتاب موجود ہے۔ ہر جگہ اس کے درس دیے جا رہے ہیں اور مختلف زبانوں  
میں اس کی شرحیں کی جا چکی ہیں۔

یہ بندہ گنہگار شرمسار بھی مصنف علیہ الرحمۃ کی دعا کے ساتھ ہی دعا کرتا ہے اور  
انہی کے غفیصل قبولیت کا اُمیدوار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی محنت کو حقیقتاً مشکوٰۃ  
الصانع کے لیے سعادت کی مفاتیح و نیک نیتی کی چابیاں بنا لے اور قبول فرما کر میرے لیے  
کفار و سنیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین :

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ وَنَوْرٍ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا  
وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ

ابوالاسد

یوسف جابر دی

نزہیل فی الجامعہ بدر العلوم

۲۵ اپریل ۲۰۱۱ء یکم صفر الحنفی ۱۴۳۲ھ

(بعد صلوة المغرب)

# زُبْدَةُ الْكَلِمَاتِ

فی حدیث

## إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

ہر محدث و شیخ اپنی دُستِ علمی کے مطابق اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مختلف ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اِحقَرْنِے زُبْدَةُ الْكَلِمَاتِ سے تعبیر کیا ہے۔ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ - ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمرؓ بن خطاب سے فرماتے ہیں راضی ہو اللہ ان پر فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال نیتوں سے ہیں ہر شخص کے لیے وہی ہے جو نیت کرے

عَنْ عُمَرَ بْنِ  
الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ

بِالنِّسَاءِ وَإِنَّمَا لِمَرْئِي مَا  
تَوَلَّيْتُ فَمَنْ كَانَتْ هَجْرَتُهُ  
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهَجْرَتُهُ  
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ  
هَجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا  
أَوْ أَمْرًا لَا يَنْزِلُ بِهِمَا فَهَجْرَتُهُ  
إِلَى مَا هَا جَدَّ إِلَيْهِ رَشَقٌ عَلَيْهِ

بسن جس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہو  
تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی ہی طرف ہوگی  
اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے  
یا عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو  
اس کی ہجرت اس کی طرف ہوگی جس  
کے لیے ہجرت کی۔

اس حدیث کے متعلق پانچ مباحث قابل ذکر ہیں :-

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ فِي ذِكْرِ شَانِ الْوُرُودِ لِهَذَا الْحَدِيثِ

### حدیث مبارک کا شان ورود

محمد ثمین حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث مبارک کا  
شان ورود ایک عورت کا قفقہ ہے چنانچہ علامہ  
طبرانی نے جیت رند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم میں سے ایک  
مرد نے ایک عورت سے غبطہ (پیغام نکاح) کیا اس عورت کی کیفیت ائم قیس او نام اس کا  
قبیلہ رقیلہ بنت کاہل بفتح قاف کذا فی المغنی علامہ بیہقی) تھا پھر وہ عورت مدینہ کی طرف ہجرت  
کر گئی اس مرد نے دوبارہ پیغام نکاح بھیجا۔ اس پر ائم قیس نے ہجرت کی شرط لگائی تو اس  
مرد نے ہجرت اور نکاح کر لیا۔ اس لیے صحابہ کرامؓ اس شخص کو مہاجر ائم قیس کے لقب سے  
یاد کرتے تھے۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تاکہ بنت کی اصلاح  
ہو جائے۔

سوال : یہ کہ صحابہ کرامؓ کی شان سے اس قسم کی نیت بعید ہے۔

جواب : یہ ہے کہ ان کی نیت مخلوط تھی جو محض خلافتِ ادنیٰ ہے نہ کہ حقیقی نگاہ !

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی نکیر فرمائی۔ تو یہ واقعہ اٹھابہ کرام کے کمال ایمان اور عملہ شان کی دلیل ہے کہ خلافتِ اولیٰ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں برداشت نہ کیا اور اس پر بھی نکیر فرمائی۔

حافظ نے طبرانی کی روایت کو علی شرطِ اشیعین قرار دیا ہے لیکن حافظؒ نے یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث میں یعنی مہاجر ائم قیس والے واقعہ میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جس میں یہ پتہ چلے کہ یہ واقعہ اس حدیث کا شانِ درود ہے۔ مطلب حافظؒ کے کلام کا یہ ہے کہ مہاجر ائم قیس والا واقعہ سنداً تو بالکل صحیح ہے لیکن اس واقعہ کے کسی لفظ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی وجہ سے حدیث ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ بیان فرمائی تھی۔

يقول ابوالاسعاد صاتمہ اللہ عن الشر والفساد : ارشاد القاری میں نقل کیا گیا ہے کہ عطاء محمد عابد السندی نے اپنی کتاب مواہب لطیفہ میں علامہ السیوطیؒ کے رسالہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ زبیر بن بکوار نے اپنی کتاب اخبار مدینہ میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے ائم قیس کے لیے ہجرت کی تھی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ بیان کی ہے۔ اس میں تصریح ہو گئی کہ یہ واقعہ شانِ درود بنتا ہے حدیث سے ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ کا۔

## البحث الثاني حديث كانام مع وجه تسميته

بعض محدثین حضرات نے اس کا نام حدیث النبر بنا یا ہے کیونکہ بقول شارح بخاری مہلبؒ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد الہجرت سب سے پہلے یہ حدیث منبر پر بیان فرمائی تھی۔ اس حدیث سے ظہورِ وحی ہوا تھا جس طرح غارِ حراء سے وحی کی ابتداء ہوئی۔ بعض حضرات نے اس حدیث کا نام حدیث النیۃ بھی رکھا ہے۔ بنا بریں اس میں نیت کا ذکر ہے۔

## البحث الثالث فضیلت و اہمیت حدیث

امام ابی داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب سنن ابو داؤد پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کی ہے اور پھر کتاب سے چار احادیث منتخب کی ہیں جو انسان کے دین کے لیے کافی ہیں۔

- ① اِنَّمَا اَلْعَمَلُ بِالنَّبَاِ :
- ② لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ اِلَٰخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ :
- ③ مَنْ حُسِّنَ اَلْاِسْلَامُ تَزَكَّى مَا لَا يَعْنِيْهِ -
- ④ اَلْحَدَّثُ بَيْنَ الْوَحْدَانِ مُبَيِّنٌ -

بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث نصف العلم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال درقسم ہیں۔  
 اول وہ اعمال جن کا تعلق ہمارے قلب سے ہے۔ دوم : وہ اعمال جن کا تعلق قلب سے ہے یہ حدیث ان اعمال کے بارے میں ہے جو قلب سے تعلق ہیں تو گویا یہ نصف العلم ہے  
 بہر حال اکثر محدثین نے اس کے فضائل لکھے ہیں

## البحث الرابع فی ذکر وجہ التقدیم ہذا الحدیث

صاحب مشکوٰۃ اور صاحب مصابیح نے اپنی اپنی کتاب کے مقاصد سے پیشتر مقدمہ میں اس حدیث کو ذکر فرمایا، اس میں تین اشارات ہیں۔

۱۔ اس طرف اشارہ کیا کہ تعلیم و تعلم سے پہلے نیت درست کر لینی چاہیے ورنہ تمام محنت ضائع ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اس حدیث کو اپنی تصنیفات کے شروع میں لانا پسند کرتے تھے تاکہ طالب علم و معلم دونوں اپنی نیت درست کر لیں۔ چنانچہ امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ يُصَنِّفَ كِتَابًا فَلْيَبْدَأْ بِهٰذَا الْحَدِيثِ :

اور علامہ خطابی فرماتے ہیں :-

كَانَ الْمُتَقَدِّمُونَ مِنْ شَيْئُونَنَا لِسَحْبِئُونَ تَقْدِيرَ حَدِيثِ  
الْأَعْمَالِ أَمَّا كُلُّ شَيْءٍ يَنْشَأُ وَيُبدَأُ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا -

۱۲ : اس طرٹ اشارہ فرمایا کہ طلب علم کے لیے ہجرت ظاہریہ کرنی ہوگی اور اپنا وطن چھوڑنا ہوگا اور طلب علم میں جو تکالیف پیش آئیں گی انہیں برداشت کرنا ہوگا۔

۳ : اس طرٹ اشارہ فرمایا کہ ہجرت باطنیہ حقیقیہ یعنی ترک معاصی بھی کرنا پڑیگا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے : **أَلَمْ يَأْخُذْ مَنْ هَجَرَ أخطأ يَا وَالذُّنُوبُ** (کما فی مشکوٰۃ مشح)

## البحث الخامس فی اجزاء الحدیث

اس حدیث کو تین حصوں میں تقیم کیا جاسکتا ہے :-

۱ : **إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** - ۲ : **وَالْإِمَامُ لَا يُرِي مَا كَلَمَى** - ۳ : **فَمَنْ**  
كانت هجرته إلى الله ورسوله إلى آخر الحديث - ان تینوں حصوں کی الگ الگ  
تشریح ہوگی :-

### إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

قولہ **إِنَّمَا** : کلمہ انما بعض کے نزدیک مرکب اور بعض کے نزدیک بسیط ہے جو مرکب  
کہتے ہیں ان میں سے بعض کے نزدیک یہ **إِنَّ** اور **مَا** زائدہ سے مل کر بنا ہے اور بعض کے نزدیک  
**إِنَّ** اور **مَا** کافہ سے مرکب ہے اور بعض کے نزدیک **مَا** نافیہ ہے - جہور کے نزدیک یہ کلمہ صریح  
کیونکہ نفی اور استثناء کی جگہ استعمال ہوتا ہے - ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

**إِنَّمَا يُجِزُونَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ** اور **وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ**  
اور یہی **إِنَّمَا** عَلَيَّ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ اور **وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ** -

علامہ عبد القادر جرجانی دلائل اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں کہ جب حکم کو اپنی بات پر پورا یقین ہو کہ میری بات سنی صد صبیح ہے اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس جگہ پر اِنَّمَا استعمال کیا جاتا ہے، کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :-

## تعریف حصر

اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَاحِدٌ - وَفِي مَقَامٍ اٰخَرَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَیَّ - فارسی میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں "بجز اس نیست اور اردو میں "سوائے اس کے نہیں کرتے ہیں۔

حصر دو قسم ہے - (۱) سب چیزوں کی نفی کر کے ایک کے لیے اثبات ہو تو یہ حصر حقیقی ہے - (۲) اور اگر بعض کی نفی کر کے ایک کے لیے اثبات ہو تو یہ حصر اضافی ہے یہاں حصر حقیقی مراد ہے۔

## تقسیم حصر

قَوْلُهُ اِنَّمَا عَلَمٌ : اعمال عمل کی جمع ہے۔ عمل اور فعل میں متعدد فرق بیان کیے جاتے ہیں

## فرق اول

عمل کا اطلاق صرف اختیاری کاموں پر ہوتا ہے۔ غیر اختیاری کاموں کو عمل نہیں کہتے جب کہ فعل کا اطلاق عام ہے اختیاری کاموں کو بھی کہہ دیتے ہیں اور غیر اختیاری کام کو بھی شریعت میں چونکہ انسان کو تکلیف اس کی اختیاری حد تک ہی دی جاتی ہے غیر اختیاری کام کا مکلف نہیں بنایا جاتا۔ اس لیے اَعْمَلُوا صَالِحًا فَرَّابًا اِفْعَلُوا صَالِحًا نہیں فرمایا۔

فرق دوم : عمل کا ترجمہ ہے ساختن اور فعل کا ترجمہ ہے کردن۔

عمل کے مفہوم میں کچھ دوام و استمرار سمجھ میں آتا ہے بخلاف فعل کے شریعت میں نیک کاموں پر دوام مطلوب ہے اس لیے نیک کاموں کا مطالبہ اَعْمَلُوا صَالِحًا کے لفظوں سے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار کی حد تک ہمیشہ نیک کام کرتے رہو۔

## فرق سوم

عمل وہ ہے جو سوچ و بچار کے بعد ہو اور فعل عام ہے علم سے ہو یا بغیر علم کے یہی وجہ ہے کہ عمل کو علم کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ بعض نکتہ دانوں نے کہا ہے

## فرق چہارم

قَلْبٌ لَّفَظُ النَّحْلِ عَنْ لَفْظِ الدِّلْوِ تَبَيَّنَ أَنَّ مِنْ مَّقْصَدِ

قَوْلِهِ اَلنِّبَاتِ : نباتات نیت کی جمع ہے نیت مصدر ہے نَوَى یعنی کا

نیت کے وزن کے نیچے کمرہ ہے۔ ریا پر دو ہیں جائز ہیں تشدید اور تخفیف مشہور اور فصیح وجہ تشدید بابہ تخفیف بھی جائز ہے اصل میں یہ لَفْظٌ نَوَيْتَ تھا بر وزن فَعَلْتُمْ، مَرَمِي

کے قاعدہ سے واو کو یلکيا اور یا کو یلایں اوقام کیا نیت ہو گیا۔ تحقیق یا کی صورت میں اس کی ترجمہ یہ ہوگی کہ لام مکمل کو صفت کر دیا گیا اور اس کے عوض میں تالکاردی گئی نیت بن گیا۔ بہر کیف یہ لغیف معرود ہے۔ نیت کے دو معنی ہیں :

اول لغوی : نیت کے اندر نیت بمعنی قصد و ارادہ کے ہے۔  
دوم شرعی : شریعت میں نیت کہا جاتا ہے ”تَوَجُّهٌ الْقَلْبِ عَمَّا فَاعِلُ الْفِعْلِ اِلَى شَيْءٍ لِيُوجِبَهُ اللهُ تَعَالَى“

جب نیت کا لفظ استعمال کیا جائے تو ناوی کی غرض کا ذکر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے جب ارادہ کا لفظ ذکر کیا جائے تو مرید کی غرض کا ذکر نا ضروری نہیں۔ مثلاً جب نیت کا لفظ استعمال کریں گے تو یوں کہیں گے ”نویٹے کذا“ صرف ”نویٹے کذا“ کہہ دینا کافی نہ ہوگا اور جب ارادہ کا لفظ استعمال کریں گے تو اس وقت کذا کہنا کافی ہے لکن ساتھ کہنا ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیت کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ افعال باری تعالیٰ معلل بالا غرض نہیں۔

اِنَّمَا اَلَا عَمَلٌ بِاِلْتِذَاتٍ کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اعمال کے مفہوم حدیث  
عند اللہ مقبول یا مردود ہونے کا دار و مدار صرف نیت پر ہے اگر اچھی نیت سے عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا اور اگر بری نیت سے عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے دربار سے مردود ہوگا اس لیے ہر عمل میں اخلاص اور تصحیح نیت کا اہتمام کرنا چاہیے اس حدیث میں اخلاص فی العمل کی ترغیب دینا مقصود ہے۔

مشوبہ کہتے ہیں ملاوٹ والا عمل۔ ہر کام کرنے کا کوئی نہ کوئی باعث اور محرک ہوتا ہے اس باعث اور محرک کے اعتبار سے عمل کی تین قسمیں ہیں اول عمل کا باعث صرف اخروی غرض ہو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، ثواب اور جنت لینا۔ دوم عمل کا باعث صرف دنیوی غرض ہو مثلاً لوگوں کی نظر میں وجاہت حاصل کرنا، یا کوئی اور دنیوی غرض حاصل کرنا۔

سوم کسی عمل میں باعشئین یعنی غرض اخروی کے لیے بھی کیا جارہا ہو اور غرض دنیوی کے لیے بھی



تیسری قسم کو عمل مشوب کہتے ہیں یعنی ملاوٹ والا عمل، اور پہلی دونوں قسموں کو عمل خالص کہتے ہیں پہلی قسم خالص للآخرۃ ہے، دوسری قسم خالص للذیل ہے۔ لغت کے اعتبار سے ان دونوں صورتوں کو اخلاص کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک میں غرض ایک ہی ہے دوسری جانب کی ملاوٹ نہیں ہے لیکن شریعت میں جب اخلاص کا لفظ بولا جاتا ہے مراد اخلاص للعلل للآخرۃ ہوتا ہے اپنے عمل کو دنیوی اغراض سے پاک کر لینا۔

پہلی قسم بالاتفاق مقبول ہے اس کا ثواب ملے گا۔ دوسری قسم بالاتفاق مردود ہے اس پر عقاب ہوگا، تیسری قسم یعنی عمل مشوب کے حکم میں تفصیل ہے اور اس کی تین حالتیں ہیں :-

**حالت اول :** باعث دنیوی ہوں یعنی سچاس فیصد دنیوی غرض ہے اور سچاس فیصد اخروی غرض ہے۔

**حالت دوم :** باعث دنیوی غالب ہو اور باعث اخروی مغلوب ہو مثلاً اشیٰ فی صد دنیوی غرض ہے اور بیس فی صد اخروی غرض ہے۔

**حالت سوم :** باعث اخروی غالب ہے پہلی حالت میں نہ ثواب ہے نہ عقاب۔ اکثر علماء کی رائے یہی ہے دونوں غرضیں ایک دوسرے کی مزاحم بن گئی ہیں باقی قسموں کا کیا حکم ہے؟ اس میں تین قول ہیں :-

**قول اول اشد :** علامہ عزالدین بن عبدالسلام اور علامہ محمد محاسبی اور علامہ صلاح الدین عثمانی کا مذہب یہ ہے کہ جس عمل میں تھوڑی سی غرض دنیوی بھی مل جائے وہ مردود ہے یہ قول اشد ہے۔

بعض علماء کا قول نقل کیا ہے کہ جس عمل میں تھوڑی سی غرض اخروی بھی مل جائے وہ مقبول ہے۔ یہ قول سب سے نرم و اخف ہے۔

**قول دوم اخف :** امام غزالی، علامہ شریطنی اور محدث علماء کی رائے یہ ہے کہ دوسری اور تیسری قسم نہ مطلقاً مقبول ہے نہ مطلقاً مردود بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ جب باعث اخروی غالب ہو باعث دنیوی مغلوب ہو تو اس پر ثواب مل جائے گا۔

**قول سوم اعدل :**

لیسکن اتنا ثواب نہیں ملے گا جتنا خالص نلآخرۃ ہونے کی صورت میں ملنا چاہیے تھا بلکہ جس قدر دنیوی غرض کی ملاط ہو گئی ہے اس قدر ثواب کم ہو جائے گا جب غرض دنیوی غالب ہو اس پر عقاب ہوگا لیکن اتنا عقاب نہیں ہوگا جتنا خالص للذنیاً ہونے کی صورت میں ہوتا تھا بلکہ جس قدر دنیوی غرض مل گئی ہے اتنا عقاب کم ہو جائے گا۔

یہ قول مُتَمَلِّح ہے اسے عقل و نقل مقبول کرتے ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ :-

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَفْعَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

اس قول میں اس قانون کی پوری رعایت ہے ذرۃ خیر کو نظر انداز کیا گیا ہے نہ ذرۃ شر کو۔

جس میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا گیا ہے۔ حدیث کے اس جملہ سے یہ بات

**فائدہ اولیٰ** سمجھ میں آئی کہ نیات کی اعمال میں تاثیر ہوتی ہے لیکن یہاں سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہر قسم کے عمل میں نیت مؤثر نہیں۔ اعمال کی تین قسمیں ہیں :-

**اول طاعات :** وہ کام جن کو شریعت نیکی اور ثواب کا کام قرار دیتی ہے۔  
**دوم معاصی :** یعنی گناہ کے کام۔

**سوم مباحتات :** یعنی جائز کام جو فی نفسہ نہ طاعت ہیں نہ معصیت ہیں مثلاً اچھا طعام کھانا، اچھا کپڑا پہننا وغیرہ۔ نیت کی تاثیر طاعات اور مباحتات میں ہوتی ہے معاصی میں نیت کی کوئی تاثیر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس کام کو شریعت نے معصیت اور گناہ کہا ہے وہ بہر صورت گناہ ہے خواہ بری نیت سے ہو یا اچھی نیت سے ہو۔ اگر گناہ کرنے وقت کوئی آدمی اچھی نیت گھڑے تو اس سے وہ کام جائز نہیں ہوگا۔ وہ کام اب بھی گناہ رہے گا بلکہ شریعت جس کام کو گناہ کہہ رہے اس کو ثواب سمجھنا یا اس میں اچھی نیت کرنا شریعت مقدسہ کی توہین اور اس کا مقابلہ ہے مثلاً ناپ کا نادرہ وغیرہ کرنا معصیت ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں ناپ اس لیے کرانا ہوں کہ اس سے پہلے لوگوں کو اکٹھا کر کے وعظ کہوں نیت اگر چہ اچھی ہے لیکن اس نیت سے ناپ کا ناجائز نہیں ہو جائے گا۔ غرضیکہ اچھی نیت سے معصیت جائز نہیں ہو سکتی اس میں نیت کی کوئی تاثیر نہیں۔ طاعات اور مباحتات میں نیت کی تاثیر ہے۔

**فائدہ ثانیہ :** اس میں شک نہیں کہ شیطان ذاتِ انسانی کا عذرِ مُبیین ہے اور اخلاص

میں کھوٹ ملتا رہتا ہے کما فی زمانہ۔ بعض لوگ ان شوائب سے ڈر کر نیک کام کرنا ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب ہم سے شوائب اور ریاء دور نہیں ہوتے اخلاص کامل نہیں آیا تو پھر نیکی کرنے کا کیا فائدہ؟ یہ بہت بڑی شیطانی چال ہے۔ امام غزالیؒ اور دوسرے مشائخین نے اس پر بہت تنبیہات فرمائی ہیں ریاء کے ڈر سے عمل کو چھوڑ دینا شیطان کو کامل درجہ کا خوشش کرنا ہے جب انسان نیکی کرتا تھا بغیر اخلاص کامل کے شیطان کو ایک خوشی تھی یعنی ترک اخلاص کی خوشی جب اس نے کام ہی چھوڑ دیا تو اب شیطان کو دو خوشیاں نصیب ہو گئیں۔ ایک ترکی عمل کی اور ایک ترک اخلاص کی تو دشمن کو زیادہ خوشش کرنا احمقانہ حرکت ہے (کما فی مسئلۃ الصلوات والکویت)

## مُتَعَلِّق بَار کی بحث اور ایک اختلافی مسئلہ

بِالْاِثْنَات میں بار چارہ ہے اور اِلْاِثْنَات مجرور یہ ظرف مستقر ہے عمل خبر میں ظرف مستقر کا متعلق فعل محذوف ہوتا ہے اور وہ فعل محذوف کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی فعل خاص۔ تاعدہ اس کا یہ ہے کہ اگر کسی قرینہ سے کسی فعل خاص کی تعبیر ہو جائے تو وہ فعل خاص مقدر نکالنا چاہیئے ورنہ فعل عام نکالنا چاہیئے۔ مشہور افعال عامہ چار ہیں۔ اَوَّل کون، دَوِّم ثبوت، ثَلَاث وجود، چہارم حصول۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ بِالْاِثْنَات کا متعلق کونسا فعل ہے۔ فعل عام تو اس کا متعلق اس لیے نہیں ہو سکتا کہ افعال عامہ میں سے کسی فعل کو مقدر ماننے سے بظاہر یہ مطلب نہ نکالے گا کہ اعمال کا وجود حسی بغیر نیت کے نہیں ہوتا اور یہ بات نہیں کیونکہ اعمال کا وجود حسی تو بغیر نیت کے بھی ہو سکتا ہے لہذا یہاں کوئی فعل خاص مقدر نکالنا پڑے گا۔ اب کونسا فعل خاص نکالنا چاہیئے اس میں دو مسلک ہیں اَوَّل شراف حضرت نے اس کا متعلق صحت نکالا ہے یعنی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ نَصِيحَةٌ بِالْاِثْنَات یعنی نیت کے بغیر کوئی عمل صحیح نہیں ہوگا ہر عمل کی صحت نیت پر موقوف ہے دَوِّم اصناف حضرات کے نزدیک بِالْاِثْنَات کا متعلق صحت نہ نکالا جائے بلکہ اس کا متعلق ثواب نکالا جائے تو حدیث کا معنی یہ ہوگا "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ يُثَابُ عَلَيْهَا بِالْاِثْنَات" یعنی عمل کا ثواب نیت ہی سے ملتا ہے باقی صحیح ہونا یا نہ ہونا دوسرے دلائل سے معلوم ہوگا اس

صورت میں کسی شخص سے کسی ضرورت نہیں سب کا اتفاق ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے، وضو کا ثواب بھی بغیر نیت کے نہیں ملتا۔

بائنیت کا متعلق صحت نکال کر شرائع حضرات نے ایک اختلافی مسئلہ پر اس حدیث کو حنفیہ حضرات کے

## ایک اختلافی مسئلہ

خلافت پیش کیا ہے۔ اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ وضو بغیر نیت کے صحیح ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک وضو بغیر نیت کے ہو جاتا ہے اس سے نماز پڑھ سکتے ہیں اگرچہ اس پر ثواب نہ ملے ثانیہ کے نزدیک بغیر نیت کے وضو صحیح نہیں ہوتا۔

حدیث کا اتفاق یہ ہے کہ ہر عمل کی صحت کے لیے بھی نیت شرط ہوئی چاہیے اور حنفیہ وضو میں نیت کو شرط قرار نہیں دیتے۔ لہذا یہ حدیث

## شافعیہ کا الزام

حنفیہ کے خلاف ہے۔

شافعیہ نے کہا ہے کہ اعمال میں ہمارے عمل داخل ہیں۔ ہمارے

## الزامی جواب

عملوں کا حکم یہ ہے کہ وہ نیت کے بغیر صحیح نہیں، اگر حدیث کا یہی

مطلب مراد لیا جائے جو آپ نے لیا ہے کہ ہمارے عملوں کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے تو پھر یہ حدیث ہمارے خلاف ہی نہیں ہوگی اعمال کے بہت سے اقسام ہیں آپ کے بھی خلاف ہوگی کیونکہ اعمال کی بہت سی ایسی قسمیں ہیں جن کے صحیح ہونے کے لیے نیت کو شرط نہیں قرار دیتے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ امور دینیہ پانچ قسم ہیں (۱) اعتقادات (۲) عبادات (۳) اخلاق و آداب (۴) معاملات (۵) عقوبات۔ معاملات کی اہم قسمیں پانچ ہیں (۱) معاوضات مالیہ (۲) مناکحات (۳) امانات (۴) خصومات (۵) ترکات۔ ایسے ہی عقوبات شرعیہ یعنی اسلامی سزائیں پانچ ہیں (۱) حد ارتداد (۲) قصاص (۳) حد سرقہ (۴) حد زنا (۵) حد قذف۔

اعمال کی یہ دس قسمیں ایسی ہیں جن کی صحت کے لیے آپ کے نزدیک بھی نیت شرط نہیں تو اگر وضو کے مسئلہ میں آپ اس کو ہمارے خلاف پیش کرتے ہیں تو یہ مطلب لینے کی صورت میں یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہوگی۔ ماہو جولو کہو فلو جوابنا !

## تقدیرِ ثواب کے فائدے — (انصاف) — تقدیرِ صحت کے نقصان

- ۱۔ اگر ثواب کا لفظ مقدر نکالیں تو اس حدیث سے جو مسئلہ نکلتا ہے وہ اجماعی مسئلہ ہو گا کہ عمل کا ثواب نیت کے بغیر نہیں ملتا۔
- ۲۔ اگر ثواب کا لفظ مقدر نکالیں تو کسی کے ہاں بھی تخصیص کی ضرورت نہیں الا عمال اپنے عوم پر رہے گا

۱۱۔ اگر صحت کا لفظ نکالیں تو یہ حدیث خود صحت نکالنے والوں کے بھی خلاف ہو گی اس لیے کہ بہت سے اعمال شافعیہ کے نزدیک بھی ایسے ہیں جو بغیر نیت کے صحیح ہیں مگر اس پر ثواب نہ ملے مثلاً معاملات کے اقامت خمسہ عقوبات خمسہ یا مثلاً کسی کے پاس کسی کی ودیعت تھی اس نے واپس لوٹا دی۔ لیکن نیت نہیں کی شافعی بھی مانتے ہیں کہ رد و ودیعت صحیح ہو گیا راستہ میں تکلیف کی چیز بڑی تھی کسی نے ہٹا دی لیکن نیت کچھ بھی نہیں تھی تو کیا یہ اِمَانَةٌ اِلَّا ذُنٰی عَنْ الطَّرِیْقِ صحیح نہیں ہوا۔ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنَ الْمَسَائِلِ۔

۱۲۔ اگر صحت کا لفظ مقدر نکالیں تو خود شافعیہ بھی الا عمال کو اپنے عوم پر نہیں رکھ سکتے ان کو تخصیص کرنی پڑے گی کامز۔

یَقُولُ ابُو اَلْاَسَدَادِ فِیْهِ اَلْبَارِیْ شَرَحَ صَحِیحِ ابْنِ خَرِیْمٍ مِّنْ حَضْرَتِ اَنُورِ شَاہِ عَا صِبْغَیْنِیْ اَبْکَ لَطِیْفٍ اَوْضَرُوْرَیْ تَجْہِیْزَیْ فَرَمَیْ ہَے جِس کا حاصل یہ ہے کہ وضو وغیرہ کے بارے میں جو مسئلہ اس حدیث کے تحت چھیڑا گیا ہے کہ آیا وضو میں نیت مذکوریں تو صحیح ہے یا نہیں اس کا چھیڑنا بالکل بے محل و بے موقوفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ واقعی یہ مسئلہ فقہ میں اختلافی تو ہے لیکن اس حدیث سے اس کا کوئی جوڑ نہیں اس لیے کہ اس حدیث میں یہ بات بتانا مقصود نہیں کہ اگر کسی عمل میں نیت

ذکر کریں تو کیا حکم ہے اس حدیث میں صرف یہ بتانا ہے کہ اچھی نیت کی تو کیا پھل ملے گا اور بری نیت کی تو کیا ہوگا۔ اچھی اور بری نیت کا فرق بتانا مقصود ہے حاصل یہ کہ اس حدیث میں نیت صحیح کا فائدہ اور نیت فاسدہ کا نقصان اور نیات کا اعمال کے ساتھ ربط بیان کرنا مقصود ہے۔ عدم نیت کی صورت میں عمل کا صحیح ہونا یا نہ ہونا اس حدیث کا موضوع نہیں ہے۔ اس حدیث میں صرف اعمال منویہ سے بحث ہے اعمال غیر منویہ سے تعرض نہیں۔

## وسائل (یعنی وسیلہ) اور مقاصد (یعنی اصول) کا فرق

اعمال میں اگر نیت مذکر تو احکامات کے نزدیک صحیح ہو جاتے ہیں یا نہیں؛ اس کی وضاحت یہ ہے کہ مقاصد کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ وسائل کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط نہیں جیسے وضو بغیر نیت کے صحیح ہو جاتا ہے۔

وسائل اور مقاصد کے مذکورہ فرق پر اشکال ہے کہ تیمم بھی وسائل میں سے ہے اس کے صحیح ہونے کے لیے حنفیہ کے نزدیک بھی نیت شرط ہے۔ مذکورہ اصول کے مطابق اس میں بھی نیت شرط نہیں ہونی چاہیے۔

تیمم کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ تیمم کی نیت حقیقت لغویہ میں داخل ہے۔ عام طور پر حقائق شرعیہ میں حقیقت لغویہ کا لحاظ ہوتا ہے اس لیے تیمم میں نیت کا اعتبار کیا گیا ہے۔

وضو اور تیمم کے آداب میں فرق ہے وضو پانی سے ہوتا ہے جو طہور بطبع ہے لیکن تیمم کا آکہ یعنی مٹی اپنی ذات اور طبیعت کے اعتبار سے ملوث ہے۔ شریعت نے خالص حالت میں اس کو طہور بنا دیا ہے۔ حاصل یہ کہ مٹی طہور بطبع نہیں بلکہ طہور بالجعل ہے۔ پانی اور مٹی میں فرق ظاہر کرنے کے لیے اور مٹی کی طہوریت میں جعل کا معنی متعلق کرنے کے لیے نیت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ (کشاف فیض الباری)

## حدیث نِبَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ کی بحث

اخلاص و عمل مشرب کی مناسبت سے محدثین و شارحین حضرات نے اس پر نِبَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ پر بحث کی ہے۔ امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں مستقل موضوع بنا کر اس حدیث پر گفتگو کی ہے۔

اشعۃ اللمعات طحان ایں لکھا ہے کہ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن موضوع نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نضائیل میرے

### حیثیت حدیث

پیش کرنے کے قابل ہے۔

در اخبار وارد شدہ کہ نِبَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهِ دایں حدیث اگرچہ باصطلاح محدثین موصوف بحدیث اتنا موسوم بوضع نیز نشدہ۔

امام زین الدین عراقیؒ نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کی ہے وہ فرماتے ہیں:-

رواہ الطبرانی من حدیث سہل بن سعد و من حدیث نواس بن سہمان کلاهما ضعیف

سید زبیدی نے اس حدیث کی تخریج میں مزید حوالے دیے ہیں مثلاً مسند الفردوس اللیثی میں اس حدیث کو حضرت ابو موسیٰ الاشعریؒ سے نقل کیا ہے۔ امام عسکریؒ نے اپنی کتاب الامثال میں اسے پیش کیا ہے۔ ایسے ہی حافظ ابن عساکرؒ نے الامالی میں اسے پیش کیا ہے۔ ان حوالوں کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث کی اکثر سندیں ضعیف ہیں لیکن جب حدیث کی سندیں متعدد ہو جاتی ہیں تو وہ حسن تکسب پہنچ جاتی ہیں۔ تعداد اسانید کی وجہ سے یہ حدیث مقبول ہے۔

مفہوم حدیث : اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کا عمل بھی اس کے لیے برکت اور

نفع کا باعث ہے اس کی نیت بھی اس کے لیے نافع ہے لیکن مومن کی نیت نافعیت اور قبولیت کے اعتبار سے مومن کے عمل سے بڑھ کر ہے۔

نیت کو کس درجہ سے عمل سے خیر اور افضل قرار دیا گیا ہے اس موضوع پر محدثین حضرات نے تفصیلی گفتگو کی ہے یہاں پر **دُجُوہ خیریت نیت** |

پسند دُجُوہ خیریت نیت کی جاتی ہیں جو اشعة النعمات ملاح اسے مقبس ہیں۔  
**اول** : نیت اقتران عمل کے بغیر بھی عبادت ہے اور اس پر اجر و ثواب مل جاتا ہے بخلاف عمل جوارح کے کہ ان کا عبادت ہونا اور ان پر اجر و ثواب مرتب ہونا نیت پر موقوف ہے۔  
 احادیث سے ثابت ہے کہ اگر کسی عمل حسنہ کی نیت کی جائے اور کسی وجہ سے آدمی اس کو نہ کر سکا تو بھی حسنہ کاملہ اس کے اعمال نامہ میں لکھی جاتی ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ جس آدمی کی موت وقت نیت پہنچی کہ تہجد کے لیے اٹھو لگا لیکن آنکھ نہ کھل سکی صبح ہو گئی تو اس کو تہجد کا ثواب مل جاتا ہے۔

**دوم** - خیریت نیت بوجہ اشرفیت عمل ہے، نیت کا محل قلب ہے اور عمل کا محل جوارح اور اعضاء ہیں۔ ظاہر ہے کہ قلب تمام اعضاء سے اشرف ہے اس لیے کہ یہ محل معرفت باری تعالیٰ اور معرفت حق تمام نعمتوں سے اہم اور اشرف اور عزیز ترین نعمت ہے۔ اس عزیز ترین نعمت کے رکھنے کے لیے عزیز ترین مکان کا انتخاب فرمایا۔ اگر قلب مومن سے کوئی اور محل و مکان اشرف ہوتا تو نعمت معرفت الہی کے لیے اس کا انتخاب ہوتا۔ جب قلب بندہ مومن اشرف اور افضل ہے اعضاء سے، تو نیت جو اس محل و معدن سے برآمد ہوئی۔ یقیناً اس عمل سے اشرف و افضل ہوئی چاہے جو جوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔

**سوم** - نیت پائیدار رہنے والی چیز ہے اور عمل ناپائیدار اور منقطع ہونے والی چیز ہے۔ اہل جنت کا جنت میں اور اہل کفر کا دوزخ میں دوام و خلود نیت کی وجہ سے ہے۔ عمل تو سرکشتہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن نیت میں دوام و استمرار رہتا ہے۔ مرد صالح کی نیت یہ تھی کہ میں کبھی بھی ایمان و طاعت سے نہیں ہٹوں گا۔ ابداً آباد تک یہ میرا شعار لازم ہے گا اس کا انعام یہ ہے کہ اے ہمیشہ جنت میں رکھا جائے گا۔ اگرچہ عمل طاعت میں دوام نہ ہو سکا۔ کافر کی نیت یہ تھی کہ



میں ہمیشہ اسی راہ کفر پر رہوں گا جس کی سزا یہ ہے کہ خالد فی النار ہوگا اس توجیہ سے ایک سرائی کا جواب بھی مل جاتا ہے۔

**سوال** غیر مسلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے جزا و سزا کا جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ انصاف کے شافی ہے کیونکہ کافر نے کفر کا جرم زمانہ محدود میں کیا ہے جبکہ اس کو غیر محدود زمانہ کے لیے روزخ میں رکھنا ظلم اور بے انصافی ہے۔

**جواب اول** اولاً یہ سوال ہی غلط ہے اس لیے کہ ان کے اعتراض کی دائرہ مدار یہ ضابطہ ہے کہ جرم اور سزائے جرم کا زمانہ مساوی ہونا ضروری ہے یہ ضابطہ باتفاق عقلائے اقوام زمانہ غلط ہے کیا کسی ملک و قوم کا یہ قانون ہے کہ چور اور رہزن نے جتنا وقت چوری اور رہزنی میں صرف کیا تھا۔ اس کو صرف اتنے ہی وقت کی قید یا مشقت سزا ملنی چاہیے۔ یقیناً کوئی عاقل اس کا قائل نہیں ہو سکتا لہذا جس اشکال کی اساس ایسے غلط اور خلاف معقول نظریہ پر مہر وہ غلط اور خلاف معقول ہوگا اور اس قابل نہ سمجھا جائے گا کہ جواب دینے کی زحمت کی جائے۔

**جواب دوم** ثانیاً علی سبیل التنزیل اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جرم اور سزائے جرم میں مساوات زمانی مہنی چاہیے تب بھی یہ اشکال باطل ہے اس لیے کہ کافر کا کفر اگرچہ زمانہ محدود تک تھا لیکن اس کی نیت تو ہمیشہ کفر پر رہنے کی تھی نیت میں خلود اور دوام ہوئی وہ جس سے خلود فی النار کی سزا بالکل معقول امر ہے یہی معاملہ خلود اہل جنت کا سمجھا جائے۔

### ابیات

چوں تباشد پاک اعمال از ریاء	ہست بے حاصل چوں نقش لوریا
ہرگز اندر عمل اخلاص نیست	در جہان از بندگان خاص نیست
ہرگز کار از ہر اسے حق بود	کار او پیوستہ بار دلق بود
پاک گردانی عمل را از ریاء	شمع ایمان ترا باشد ضعیف

و بالله التوفیق :

## وَإِنَّمَا لِمُرِيٍّ مَّا نَوَىٰ

- مَا نَوَىٰ بِمُسْتَدْرَكٍ ہے اور لَا مُرِيٍّ خبر مقدم ہے امرئ میں کئی لغات ہیں۔
- ۱۔ را کہ ہمزہ کی اعرابی حرکت کے تابع رکھا جائے یعنی اگر ہمزہ پر رفع ہے تو را پر بھی رفع پڑھا جائے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی "إِنَّمَا لِمُرِيٍّ كَيْسٌ لَّهُ وَكَذَلِكَ" اگر ہمزہ پر نصب ہے تو را پر بھی نصب پڑھی جائے۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی "وَإِنَّمَا لِمُرِيٍّ خَافَتْ مِنْ بَنِيهَا نَشْوَنًا" اگر ہمزہ پر جر ہو تو را پر بھی جر پڑھی جائے جیسے مَرُوْتُ بِأَمْرٍ اُكَّ اَبِي لَيْطٍ رَضِيَ عَنْهُ۔
  - ۲۔ دوسری لغت یہ ہے کہ را پر زبر ہی پڑھی جائے خواہ ہمزہ پر کوئی اعراب ہو۔
  - ۳۔ تیسری لغت یہ ہے کہ را پر پیش ہی پڑھا جائے یہ سب سے ردی لغت ہے۔ قول اول راجع ہے۔

**اس جملہ کا مطلب** مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ جزء اس نیت ہر آدمی کو دہی کچھ ملتا ہے جو وہ نیت کرے۔ مَا نَوَىٰ کے مآ میں عدم ہے جو تعداد نیات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عمل میں متعدد اچھی نیات کر لے تو ثواب ہی ثواب مل جائے گا۔ کما قد مناه بالتفصیل مثلاً دخول فی المسجد ایک عمل ہے اس پر کئی اچھی نیتیں کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ نماز باجماعت کی نیت، اللہ کے گھر کی زیارت کی نیت، اور اعتکاف کی نیت، ذکر اللہ کے لیے خلوت حاصل کرنے کی نیت وغیرہ۔ غرضیکہ اس طرح کی کئی نیات ایک ہی عمل میں کی گئیں تو حدیث کے اس جملہ سے کچھ میں آیا کہ ہر نیت کا اجر جدا ملے گا کیونکہ دین کا ضابطہ یہی ہے کہ إِنَّمَا لِمُرِيٍّ مَّا نَوَىٰ !

## مُحَلِّتَيْنِ میں ربط۔

حدیث میں پہلا جملہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہے اور دوسرا جملہ وَإِنَّمَا لِمُرِيٍّ

مٹا کوئی ان دونوں جملوں میں ربط کیا ہے؟ کیونکہ دونوں کا معنی و مفہوم ایک ہے اور یہ تکرار ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے تو شارحین حضرات نے اس کے مختلف ربط بیان کیے ہیں۔

اول : عند البعض دوسرا حصہ پہلے کی تاکید ہے۔ تاکید کا معنی "ایک ہی بات کو دوبارہ اس کو پختہ کرنے کی غرض سے کہنا" ان حضرات کے نزدیک جو بات پہلے جملہ میں تھی۔ دوسرے میں عنوان بدل کر اسی بات کا اعادہ کر دیا گیا ہے تاکہ بات دل میں جڑ جائے اور تاکید پر محول کرنا بھی فصاحت و بلاغت کے خلاف نہیں کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ اذا تكرر مقتدر في القلب۔

دوم : اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ التأسيس اولی من التأكيد کے پیش نظر تاسیس ماننا زیادہ بہتر ہے کہ اس سے ایک نیا فائدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ جب ہم دوسرے جملہ کو تاکید کے بجائے تاسیس پر محول کریں گے تو یہ بتانا پڑے گا کہ دوسرے جملہ میں وہ کوئی نئی بات نیا فائدہ ہے جو پہلے میں نہیں تو اس نئے فائدہ کی تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

۱۔ علامہ ابوالحسن سندھی مدنی حنفی فرماتے ہیں۔ پہلا جملہ عرفیہ تجربہ ہے، دوسرا جملہ تشریحی مطلب یہ ہے کہ پہلے جملہ میں عرف عام والوں کی ایک تجرباتی بات بتائی گئی ہے۔ اور دوسرے جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کا ضابطہ بیان کیا ہے جس میں اس عرفی اور تجرباتی بات کی تائید ہے۔ مثلاً حدیث پاک میں ہے لکن شیئی ذینہ (یعنی بات ہے) وزینۃ القلۃ الخیر سؤۃ البقرۃ۔ یہ ضابطہ شریعت ہے لکن امۃ امین وامین ہذہ الامۃ ابو عبیدۃ بن الجراح۔

۲۔ پہلے جملہ میں صرف اتنا بتایا ہے کہ عمل کے مقبول بننے کے لیے نیت کا اچھا ہونا ضروری ہے اور دوسرے جملہ میں یہ بتا دیا کہ اگر کوئی شخص ایک ہی عمل میں کئی نیت کرے گا تو کئی عملوں کا ثواب مل جائے گا۔ مثلاً ایک آدمی غریب بھی تھا اور رشتہ دار بھی اس کی مالی امداد کر دی تو مالی امداد کرنے میں دو نیتیں تھیں ایک یہ کہ غریب ہونے کی وجہ سے مدد کرنا ہوں اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔ دوسری یہ کہ رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس کی مدد کرنا ہوں تو اس پر صلہ رحمی کا ثواب ملے گا۔

سوم : پہلے جملہ میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ اعمال کے معتبر ہونے کے لیے نیت ضروری ہے یہ مسئلہ اس جملہ میں نہیں ہے کہ آیا نیت کرنے میں ایک آدمی دوسرے کا نائب ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ دوسرے جملہ میں یہ مسئلہ بتا دیا کہ استنابت فی النیت جائز نہیں ہر آدمی کو اپنی ہی نیت کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً نماز میں اگر نیت کی جگہ عمر و نیت کر لے تو کافی نہیں ہے۔

اس جملہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جو نیت کرے گا وہی مرتب ہوگا حالانکہ فقہاء حضرات کے نزدیک اگر کوئی آدمی رمضان میں نفل روزہ کی نیت کرے گا تو نفل واقع نہیں ہوگی بلکہ فرض واقع ہوگا تو یہاں پر مآئوئی مرتب نہ ہوا ؟

جواب اول : چونکہ رمضان نفل کا محل نہیں ہے لہذا اس کی نیت لغو ہو جائیگی۔  
جواب دوم : یہ ہے کہ فرض کے اندر نفل خود داخل ہے کیونکہ فرض عبادات نافذ مع شیئی زائد ہے تو اس صورت میں مآئوئی مرتب ہو لیسکن مع شیئی زائد۔

فائدہ آخرت میں اعمال پر جو جزا یا سزا ملے گی وہ عین عمل ہے یا اس عمل کا غیر ہے اس میں علم کی دو آراء ہیں۔

اول یہ ہے کہ آخرت میں جو جزا ملے گی وہ عین اعمال ہے۔ اچھے اعمال جنت کی نعمتوں کی شکل میں ظاہر ہونگے، بُرے اعمال دوزخ کی سزاؤں کی شکل میں ان کے نزدیک جزا عین عمل ہے۔ دوم : دوسرے حضرات کے نزدیک آخرت میں جزا سزا عین اعمال نہیں بلکہ ان کا غیر ہیں جو بطور جزا یا سزا اس کو دیے جا رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پہلی رائے کو پسند فرمایا ہے۔ اس لیے کہ جملہ میں مضاف مقدر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اپنے ظاہر پر ہے گا جیسے دوسری رائے کے مطابق مضاف مقدر کرنا پڑے گا۔ «اتصالاً مریٰ جزاء مآئوئی» یعنی ہر آدمی کو اسی چیز کی جزا ملے گی جس نے اس کی نیت کی تھی۔

# فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

فَمَنْ كَانَتْ میں فاء تفعلیہ ہے اس جملہ میں پہلے قاعدہ کی مثال بیان فرما رہے ہیں پہلے جملہ میں تین چیزیں تھیں۔ عمل۔ نیت۔ ثمرہ۔ تو فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ سے عمل کی طرف اشارہ ہے اور إِلَى اللَّهِ سے نیت کی طرف اشارہ ہے اور فَهِيَ هِجْرَتُهُ سے ثمرہ و نتیجہ کی طرف اشارہ ہے۔

## ہجرت کا معنی اور اس کی اقسام

لغت کے اندر ہجرت کا معنی ہے ترک کرنا اور انتقال من مکان الی مکان کا ہے۔ اصطلاح شریف میں ہجرت دو قسم ہے۔

① ہجرت ظاہرہ : کہ انسان ظاہری طور پر رخ اہل و عیال ہجرت کرے۔ پھر ہجرت ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں۔ اَوَّلُ اِمْتِنَانٍ مِنْ دَارِ الْکُفْرِ اِلَى دَارِ السَّلَامِ جیسے منسح مکہ سے قبل ہجرت من مکہ الی الدینہ دوم اَلَا تَنْتَقِلُ مِنْ دَارِ الْفَسَادِ اِلَى دَارِ الْاِقَامَةِ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بعض صحابہ کرامؓ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے اس لیے کہ مکہ اس وقت دارالفساد تھا گو جبرہ دارالاسلام نہ تھا لیکن صحابہ کرام کے لیے دارالامن ثابت ہوا۔ یہ دونوں ہجرتیں منسوخ ہو گئیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ -

② ہجرت باطنیہ : ہجرت کا دوسرا قسم ہجرت باطنیہ ہے وہ یہ کہ مباحی کو ترک کر کے اطاعت کی طرف آنا کہَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ - روایت بخاری مشکوٰۃ ملا یہی ہجرت حقیقیہ ہے کیونکہ دارالکفر والفساد میں آزادی سے اطاعت الہیہ نہیں ہو سکتی چنانچہ حدیث پاک کے آخری جملہ الْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ میں اسی ہجرت باطنی کا ذکر ہے یعنی ہاجر حقیقی وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

## سوال

فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ شَرْطًا وَفِيهِ جَزَاءٌ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ جَزَاءً - بظاہر اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ و رسول کی طرف ہوگی وہی شرط ہے وہی جزا ہے قاعدہ کی رو سے دونوں میں تغایر ہونا چاہیے تھا۔ مثلاً یوں ہوتا کہ جو اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرے تو اس کا حکم یہ ہے یا اسے یہ ملے گا وغیرہ وغیرہ۔ محدثین حضرات نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں۔

## جواب اول

یہ ہے کہ گونفٹا تغایر نہیں مگر غرضاً تغایر ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے کہ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثَمَرَةً وَنَيْبَتُهَا حَاصِلٌ بِكَ قَصْدٍ وَنَيْبَتُهَا تَوَافُوتٌ فِيهِ بَیْ بَیْ ثَمَرٌ اور عمدہ ملے گا اور اگر نیت ناسد ہے تو ثمرہ بھی ضرور فاسد ہوگا۔

## جواب دوم

شرط کی جانب فی الدُّنْيَا مقدر ہے ایسے ہی جزا و دالی جانب فی الآخِرَةِ کا لفظ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں بنے گی فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِيَ جَزَاءُ فِي الْآخِرَةِ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ تَوَافُوتٌ اور آخرت میں تغایر صاف ظاہر ہے۔

## جواب سوم

دل لگی بات وہ ہے جو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمائی ہے کہ اس قسم کے جملے مبالغہ کے لیے کہے جاتے ہیں کما فی قولہ تَسَالَى "وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ" اور اصحاب دائیں ہاتھ والے ان کے کہا کہ کہنے وہ تو اصحاب دائیں ہاتھ والے ہیں۔ وَكَمَا قَالَ الشَّاعِرُ عَزَّ

أَنَا ابْوَالْتَجَرُّ وَشَعْرِي بِشَعْرِي میں ابوالنجم ہوں میرے اشعار تو میرے اشعار ہی ہیں۔ یعنی ان کے مقابلہ میں دوسروں کے اشعار بیکار ہیں یہاں بھی یہی مفہوم ہے کہ جس شخص کی ہجرت اللہ کی ہوگی اس کے کیا کہنے وہ تو اللہ ہی کے لیے ہے پھر کیوں نہ مقبول ہو وہ تو مقبول ہی ہے۔

## سوال

اس ضابطہ کی وضاحت کے لیے اور اعمال مثلاً نماز روزہ وغیرہ پیش کیے جا سکتے تھے سب کو چھوڑ کر ہجرت کو ہی کیوں مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

## جواب اول

یہ کہ ہجرت بہت اہم اور سب اعمال سے زیادہ شاق اور مشکل ہے جہاد میں

گو جان تک دینی پڑتی ہے لیکن چند منٹ میں بات ایک طرف لگ جاتی ہے لیکن ہجرت میں اپنی جائیداد، مکانات و اموال کے چھوڑنے کا غم، پھر ڈر کر اور بچ کر نکلنا پھر مستقبل کی تشریحات سامنے ہیں تو ہجرت اپنے اندر غم و مہم کی ایک طویل فہستہ رکھتی ہے اس لیے تشیل کے لیے اس کو غام کیا جب اتنا بڑا عمل فسادیت سے بے کار ہو جاتا ہے تو دوسرے عمل فسادیت سے بدرجہ اولیٰ بگڑیں گے۔

**جواب دوم :** خصوصیت شانِ درد کی وجہ سے ہجرت کی تفصیل کی گئی ہے اس سے کہا جراتِ قیس کی اصلاح مقصود ہے۔

## وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةً يَتَزَوَّجُهَا

قَوْلُهُ دُنْيَا بِرُوزْنِ قُلْتَنِي مِنَ الدُّنْيَا سَعَيْتُ لِدُنْيَا إِلَى الزَّوَالِ قُلْتَنِي  
اسْمُهُ لِهَذَا الْعَالَمِ الْمُتَنَاهِيهِ آخرت سے پہلے کل کائنات کا نام دُنیا ہے چونکہ یہ کائنات برنسبتِ آخرت کے ہمارے قریب ہے اس لیے اس کو دُنیا کہتے ہیں۔  
مفہوم حدیث : حدیث پاک کے اس جملہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر کوئی عمل اللہ کی رضا کے لیے نہ کیا جائے بلکہ دنیا کے لیے کیا جائے تو اس پر ثواب نہیں ملے گا۔

**سوال :** دنیا میں عورت بھی داخل ہے پھر اس کو خصوصیت کے ساتھ الگ ذکر کرنے میں کیا نکتہ ہے ؟  
**جواب اول :** چونکہ حدیث پاک کا شانِ درد ہی ہجرتِ المرأة کا واقعہ ہے اس لیے خاص طور پر عورت کو ذکر کر دیا گیا۔

**جواب دوم :** دنیا کے فتنوں میں فتنہ زن سب سے زیادہ اہم اور خطرناک ہے اس لیے مستقلاً علیہ ذکر کیا "وَلَدَا قَدْ مَهَنَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الذِّكْرِ فِي كِتَابِهِ الْعَزِيزِ"۔ دُنْيَا

لَيْسَ مِنْ حُبِّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ (یعنی حدیث پاک میں ہے مَا قَوَّضْتُ  
بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الزَّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۴) البتہ نیک عورت  
اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ اللہ شایا کھلمشاخ و خیر مکاب اللہ شایا  
الْعَرَاةُ الصَّالِحَةُ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۴)

**جواب سوم۔** یقول شیخ جاجدوی رحمہ القوی — جب فقرائے  
مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ رہے تھے تو انصار مدینہ ازراہ نصرت مہاجرین کو اپنے گھروں اور  
باغوں، زمینوں میں برابر کا حصہ دار بنالیا حتیٰ کہ اگر کسی انصار کی دو بیویاں تھیں تو ایک کو طلاق دے کر  
عدت کے بعد مہاجر بھائی کو دے دیتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقرائے مہاجرین کو خاص طور پر تنبیہ  
فرمائی کہ دیکھو ہجرت میں خالص اللہ و رسول کی نیت ہو۔ دنیا یا تمہارے لیے ہجرت کی تو پھر دنیا ہی رہ جائیگی  
آخرت نہیں ملے گی۔

یہ ہے کہ یہی واقعہ حضرت ابو طلحہؓ کے ساتھ پیش آیا اور انہوں نے نبی امیؐ  
کے ساتھ نکاح کی خاطر سلام قبول کیا۔ اذنا صحابی رسول ہو کر مدار اسلام نکاح کو  
بنارہے ہیں۔ ثانیاً اللہ کے رسولؐ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔

**سوال**

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ أَبُو طَلْحَةَ  
أُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صِدَاقَ  
مَا بَيْنَهُمَا إِلَّا سَلَامٌ أَسْلَمْتُ  
أُمَّ سُلَيْمٍ قَبْلَ ابْنِ طَلْحَةَ  
فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ إِنْ قَدْ  
أَسْلَمْتُ فَإِنْ أَسْلَمْتَ تَكَلِّمُكَ  
فَأَسْلَمَ فَا سَلِمَ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۴)  
باب الصداق

**جواب ۱:** حضرت ابو طلحہؓ نے جو نکاح کے لیے اسلام قبول کر لیا وہ اس میں نہیں آسکتا  
کیونکہ ان کے پاس پہلے ہی سے داعیہ اسلام موجود تھا نکاح صرف ظاہر ایک وسیلہ تھا۔

ترجمہ ۱: حضرت انسؓ فرماتے ہیں  
کہ ابو طلحہؓ نے جب ام سلیمؓ سے نکاح کیا  
تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔  
ام سلیمؓ نے ابو طلحہؓ سے پہلے اسلام قبول کر  
لیا تھا اور پھر جب ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ کے پاس نکاح  
کا پیغام بھیجا تو ام سلیمؓ نے کہا کہ میں اسلام قبول کر چکی  
اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کروں گی  
اور تم سے بھری نہیں لوں گی، چنانچہ ابو طلحہؓ نے اسلام  
قبول کر لیا اور اسلام ہی آپس میں مہر قرار پایا۔



## فَهَجَرَتْهُ إِلَى مَا هَا جَرَّ إِلَيْهِ

**سوال** پہلے جملہ کی طرح یہاں بھی جڑاؤں شرط والے جملہ کا اعادہ کیوں نہیں کیا گیا یعنی فہجرتہ الی اللہ ورسولہ کی طرح یہاں بھی کہنا چاہیے تھا فہجرتہ الی دنیا یصیہا واما رة یزوجةا اس کے بجائے اجمالاً فہجرتہ الی ما ہا جریلیہ کہہ دیا گیا۔

**جواب اول** یہ کہ دنیا اور عورت اس قابل نہیں کہ بلا ضرورت ان کا نام لیا جائے بخلاف اللہ اور رسولؐ کے کہ ان کا نام محبوب اور لذیذ ہے اس لیے استدعا کے لیے اس کا تکرار کیا گیا ہے اور دنیا و عورت کا تکرار نہیں کیا گیا تاکہ ان کی حقارت اور مذمت ظاہر ہو۔ خلاصہ یہ کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ محبوب و مستحسن چیز کا تکرار مستحسن ہے اور قبیح چیز کا تکرار بغیر ضرورت کے قبیح و مذموم ہے۔

**جواب دوم** اللہ اور رسولؐ میں مقصد ایک ہی ہو سکتا ہے وہ ہے رضائے الہی بخلاف دنیا کے اس کے انواع مختلف ہیں۔ زن، زر، زمین تو ایسا لفظ لائے کہ جو سب انواع کو شامل ہو جائے۔

### اسمائے رجال

**حالات سیدنا عیسیٰ و آپ کا نام شریف عظیم کینٹ ابوحنیف لقب فاروقی اعظم خطاب امیر المؤمنین والکلام خطاب** آپ قریش مدنی ہیں لقب میں کعب بن لوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ آپ کے فضائل بے حدود ہیں شمار میں جلیل القدر صحابی تدبیر اسلام فرمیں ہیں آپ کے ایمان لانے سے مسلمانوں کا چالیس کا عدد پورا ہوا۔ آپ کے ایمان لانے پر فرشتوں میں مبارک باد کی دھوم مچی اور یہ آیت اتری "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ سَيَتَّبِعُكَ أَبُو بَكْرٍ مَدِينِي" کے بعد سلسلہ میں آپ کی ہیبت کی گئی آپ کے زمانہ میں اسلام بہت پھیلا اور بہت ممالک فتح ہوئے۔ تیرہ اسلامی شہروں کی بنیاد اور آبادی آپ کے زمانہ خلافت میں ہوئی جن میں کوئٹہ اور بصرہ بھی شامل ہیں۔ آپ کی عمر پر یہ حدیث نقل تھا "لَا تَقُولُ بِالْعَدْوِ وَالْعَصَا يَا عُمَرُ" قرآن کریم کی ہیبت ہی آیات آپ کی رائے کے مطابق اُتریں۔ دس سال چھ ماہ خلافت کی اور زبیرؓ سے ماں عمر شریف ہوئی ۶۳ دوا جو سلسلہ بدھ کے دن مسجد نبویؐ حجاز النبیؐ میں مصطفیٰؐ پر نماز پڑھاتے ہوئے شہید کیے گئے۔ حضرت میمونؓ ابن شہد کے یہودی عندم

## کِتَابُ الْإِيْمَانِ

سوال — علامہ خطیب اور مسئلہ لغوی نے کتاب الایمان کو مقدم فرمایا اس میں کیا حکمت و فائدہ ٹھہر ہیں اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں :-  
 جواب اول — دین کی دو چیزیں ہیں اعتقاد و اعمال۔ عقائد اعمال پر مقدم ہیں اس لیے کتاب الایمان کو ذکر کر کے عقائد کی بحث کو مقدم کیا۔  
 جواب دوم — انسان کی وجود والی نعمت کے بعد پہلا درجہ ایمان کا ہے کیونکہ اگر ایمان نہیں تو آدمی بیکار ہے اس لیے ایمان کو مقدم کیا۔  
 جواب سوم — مکلفین کے لیے ایمان اول الواجبات ہے سب سے پہلے اسی کا مطالبہ ہے اس لیے وضع و تصنیف میں یہ اولیت کا حق دار ہے۔

## کِتَابُ کَالْفَوی وَاِصْطِلَاحِیْ مَعْنٰی

کتاب کالغوی معنی ہے جمع کرنا۔ یہ مادہ جہاں بھی مستعمل ہوگا اس کے اندر جمع کا معنی ضرور ملحوظ رکھا جائے گا۔ مثلاً کہنے کو کتا بت کہتے ہیں کہنے میں جمع النقوش کا مادہ پایا جاتا ہے۔ لشکر کو عربی میں کتیبہ کہتے ہیں اس لیے اس میں بھی جمع الزجال ہوتے ہیں۔ اصطلاح میں کتاب کہتے ہیں مسائل کے ایسے مجموعہ کو جن کے مستقل ہونے کا اعتبار کیا جائے۔

ابو نوافر نے غفر کا وار کیا آپ شہید ہو گئے اور آپ کی شہادت پر درود بارے اسلام کے رسنے کی آواز آئی تھی کہ آج سلام و صلین تم ہو گئے۔ حضرت مہیش نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور گنبد خضریٰ میں پہلے مسکینے میں دفن ہوئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ :-

استقلال سے مراد یہ ہے کہ وہ مجموعہ ماقبیل و مابعد پر موقوف نہ ہو۔ اس سے پہلے جلتے دو لفظ اور ہیں جن کو باب اور فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔

**باب** ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے جو نوع میں متحد ہوں اور اس کے نیچے مختلف اصناف ہوں مثلاً باب مواقیب الصلوٰۃ

**فصل** ان مسائل کے مجموعہ کا نام ہے جو صنف میں متحد ہوں اور اس کے نیچے افراد و جزئیات ہوں مثلاً فصل فی تبجیل الصلوٰۃ : خلاصہ یہ کہ کتاب بمنزلہ جنس کے ہے اور باب بمنزلہ نوع کے ہے اور فصل بمنزلہ صنف کے ہے۔

## ایمان کا لغوی و اصطلاحی معنی

**ایمان کا لغوی معنی** ایمان اَمَنُ سے ہے اَمَنُ خوف کی ضد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "وَمَا مَنَعُكَ مِنَ الْخَوْفِ" اَمَنُ کو باب افعال میں لائے تو ایمان ہوا۔ یہ متعدی بلا واسطہ ہوتا اس کا معنی ہے اَمِنَ وَالَا كَرِهْنَا۔ اَمِنْتُ۔ اور اگر متعدی بانیاء ہو تو تصدیق کے معنی میں ہوتا ہے جب کسی کی تصدیق کر دی تو گویا اسے ٹکڑی سے مومن اور بے خوف کر دیا۔ اور جب متعدی بالام ہو تو اس کے معنی اذعان و انقیاد کے ہوتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ "وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ كُنَّا وَلَوْ كُنَّا صِدْقًا"۔

**ایمان کی اصطلاحی تعریف** ایمان کی اصطلاحی اور شرعی تعریف مختلف الفقہاء کی گئی مگر سب کا خلاصہ اور مرجع ایک ہے وہ یہ کہ "اَنْ يْمَانَ حَقُّ التَّسَدِيقِ بِمَجْمُوعِ مَا عَلِمَهُ مَجْمُوعُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَوَّۃً" یعنی تمام ضروریات دین کو سچا جانتا اور ماننا اور ضروریات دین وہ احکام ہیں جن کا ثبوت حضور علیہ السلام سے قطعاً اور بداهتاً ہو مثلاً پنجگانہ نماز اور حرمت خمر وغیرہ۔

اگر ایمان تصدیق کا نام ہے تو کئی لوگ ایسے گذرے ہیں اور موجود ہیں جن کا دل گواہی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ یہود کے بارے میں خود قرآن کریم میں آئی ہے

**سوال**

يَسْرِفُونَهُ كَمَا يَسْرِفُونَ آبَاءَهُمْ : مگر اس کے باوجود انہیں کافر ہی کہا جاتا ہے اس سے بڑھ کر کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے کھلے لفظوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً ہرقل کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری مشرح ۱، اور صیغ بخاری شریف صفحہ ۱ میں ایک روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے۔

أَنِّي لَا عَلِمْتُ أَنَّهُ نَبِيٌّ مُدَّسَلٌ  
وَلَكِنِّي أَحْبَبْتُ التَّوَمَ عَلَى نَفْسِي وَلَوْلَا  
ذَلِكَ لَا شَكَّتُهُ : یعنی مجھے یقین ہے کہ وہ نبی اور  
رسول ہیں اگر مجھے اپنی جان کا ڈر نہ ہوتا تو میں  
ضرور ان کی اتباع کرتا۔

اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۴۲ میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ "لَوَكُنْتُ بَعْدَهُ لَخَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ"  
اس سے بھی زیادہ ابوطالب کے وہ اشعار ہیں جن میں انہوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب  
کرتے ہوئے کہا ہے۔

(۱) وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ صَادِقٌ وَصَدَقْتَ فَنِعْمَ وَكَتُفَرَامِينَا  
آپ نے مجھے دعوت دلائی اور میں آپ کو سچا ہی سمجھتا ہوں۔ اور اس دعوت میں بھی آپ سچ کہا اور آپ سچے ہی مانندہ  
(۲) وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ مِنْ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينُنَا  
اور میں جانتا ہوں محمدؐ کا دین دنیا کے تمام دینوں میں سے بہترین ہے۔  
(۳) لَوْلَا أَسْلَمَ لَمَنَّا وَاحِدًا أَوْ مُسَبِّحًا  
اگر لوگوں کی طاقت اور ظن نہ شیع کا خوف نہ ہوتا تو آپ مجھ کو فراخ دل اور دل کھول کر قبول کرنے والا ہوتا۔  
تو آپ مجھ کو فراخ دل اور دل کھول کر قبول کرنے والا ہوتا۔

اشعار بالا میں اُنک صِدَاق اور وَلَقَدْ عَلِمْتُ وغیرہ کے الفاظ واضح تصدیق ہیں مگر  
اس کے باوجود اہل السنۃ والجماعہ کا یہی فیصلہ ہے کہ ابوطالب کا انتقال ملت عبدالمطلب پر  
ہوا ہے اور انہیں مؤمن شمار نہیں کیا گیا۔

عسلاً تقارانی فرماتے ہیں کلان لوگوں کا یہ علم معرفت اور تصدیق وغیرہ  
سب اضطراری تھا اور تصدیق اضطراری تصور ہی کی ایک قسم ہے جبکہ  
**جواب اول**  
ایمان میں جو تصدیق مطلوب ہے وہ انہیں ماحصل نہ تھی یعنی اختیاری نہ تھی تاکہ کرنے پر ثواب اور نہ  
کرنے پر عقاب ہو۔

## جواب دوم

اصل بات یہ ہے کہ کسی کا محض زبانی اعتراف کر لینا یا دلائل و شواہد کی کثرت سے غیر اختیاری طور پر دل میں اتر جانا یہ ایمان نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے اور دل سے نبیؐ کو زبان سے اقرار و اطاعت کا التزام کیا جائے اس کی تفصیل مولانا بدر عالم نے ترجمان السنۃ میں لکھ دی ہے: ”ہر تل اور اس جیسے اور اہل کتاب نے تصدیق ضروری کی ہے اور اقرار بھی کیا ہے۔ لیکن کیا ایک لمحہ کے لیے بھی اپنا قدیم مذہب ترک کر کے دین محمدی میں قدم رکھا؟

ابو طالب نے جانشاری کا جو نقشہ پیش کیا ہے بلاشبہ وہ رہتی دنیا تک تاریخ کے صفحات میں زینت رہے گا۔ مگر کیا ایک مرتبہ بھی اس کا کبھی ان کی زبان متحرک ہوئی جس کے لیے دیر سے رسول خدام امر فرما رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ایمان صرف تصدیق نہیں بلکہ انقیاد قلبی اور التزام طاعت بھی اس کا جزو اہم ہے۔

بقول ابوالاسعاد: ایمان کا اطلاق احادیث میں چار معانی پر ہوتا ہے جن کے جان لینے سے متعارض احادیث میں تطبیق دینے اور علماء کے اقوال مختلفہ کو جمع کرنے میں سہولت ہوگی۔  
 اول انقیاد ظاہری کہ صرف زبان سے کلمہ شریعہ لیا خواہ دل میں یقین ہو یا نہ ہو اس کو اس حدیث میں بیان کیا گیا مَن كَانَ لِلّٰهِ اِلَٰهًا مَّعًا مَعِيَ دَمًا وَمَالًا  
 دوم انقیاد ظاہری و باطنی کہ زبان سے اقرار کرنا اور دل سے یقین کرنا اور جوارح سے عمل کرنا اور اسی پر تمام دنیوی و اخروی وعدے مرتب ہوں گے۔

سوم صرف انقیاد باطنی اس پر نجات عن النور من النار مرتب ہے۔  
 چہارم اطمینان و بشارت و ملاوت جو مقررین کو حاصل ہوتی ہے اسی کو اس آیت میں بیان کیا گیا: ﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ النُّورَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَرُدُّوهُ إِلَىٰ آيَاتِنَا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾  
 ای اطمیناناً۔ یا اُولَئِكَ تَوَلَّوْا مِنَّا قَالًا وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم (پت البقرہ)

## کفر کی حقیقت اور اس کے اقسام

ایمان کی مناسبت سے کفر کی حقیقت کو بھی سمجھنا ضروری ہے کیونکہ متعجبین الاشباہ و بہائم نہ تھے۔

کفر کا لغوی معنی ہے اَلْكَفْرُ چھپانا، اس لیے زمین، ذراعت اور نہر کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بیج کو چھپا لیتے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں کفر کا معنی ہے تَكْذِيبُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِنْ صُفُورَاتِ الدِّينِ یعنی ضروریات دین میں سے کسی بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنا۔

حصول ایمان کے لیے جمیع ضروریات دین کی تصدیق ضروری ہے اور تحقیق کفر کے لیے کسی ایک اہم ضروری کا انکار بھی کافی ہے۔ ضروریات دین کی تکذیب کرنے کی صورتیں مختلف ہیں جس صورت سے بھی ماہست تکذیب پائی جائے گی کفر متحقق ہو جائے گا۔ کفر کی چار قسمیں ہیں۔

اول کفر انکار : یہ کہ دل و زبان سے حق کا انکار کرے جیسے عام کفار کا کفر۔  
دوم کفر تحوُّد : یہ کہ حق کو دل سے پہنچاتا تو ہے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا جیسے کفر بالمسیح و یہود وغیرہ۔

ثوم کفر عناد : کہ حق پر دل سے یقین رکھتا ہو اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہو لیکن قبول نہ کرتا ہو یعنی دوسرے ادیان سے تبری نہیں کرتا اور التزام طاعت نہیں کرتا جیسے کفر ابوطالب۔

چہارم کفر نفاق : کہ دل میں تکذیب ہے، زبان سے ماننے کا کسی مصلحت کی وجہ سے اقرار ہے۔

## اعمال کا ایمان سے تعلق

ایمان کی مباحث میں سے ایک اہم بحث یہ بھی ہے کہ اعمال کا ایمان سے کیا تعلق ہے اس میں فرق اسلامیہ کے عین مذاہب میں تمام فرقوں کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں صرف ان فرقوں کا مختصر تعارف کرایا جاتا ہے جن کا نام آئندہ مباحث میں آئے گا۔

اول اہل السنۃ والجماعۃ | صحیح اسلامی فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کا پیر و کار ہے۔ یہ لقب مانوے ہے۔

بلکہ لعینہ ترجمہ ہے حدیث پاک کے اس جملہ کا جو فرقہ ناجیدہ کے بارہ میں آیا ہے "مَا آتَانَا عَلَيْنَا  
وَأَصْحَابُنَا" یہ وہ مبارک طبقہ ہے جس کے اصول طریق نظریات بالکل قرآن مقدس کے عین مطابق ہیں۔  
اس فرقہ کی ابتدا تابعین کے دور سے ہوئی ہے یہ لوگ یونانی فلسفہ سے بہت متاثر  
تھے اور اسی کو حق و باطل کے درمیان معیار بناتے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا

### دوم معتزلہ

ریس واصل بن عطاء تھا یہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ مجلس میں سوال اٹھا کہ مرتکب  
کبیرہ گنہگار ہے یا کافر؟ تو حضرت حسن بصریؒ کے جواب دینے سے پہلے بول اٹھا "لیس بجوہ من  
ولا کاہن" تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا "اعتزل عتسا" ہم کے الگ ہو جاؤ! تب سے ان کا  
نام معتزلہ پڑ گیا ان لوگوں نے اپنا نام اَصْحَابُ الْعَدْلِ وَالْتَوْجِیْد رکھا ہے یہ فرقہ مبتدعین میں شمار ہوتا ہے۔  
ان کی ابتداء حم بن صفوان سے ہوئی ہے یہ لوگ بندے کو اپنے تمام افعال میں مجبور  
محض سمجھتے ہیں۔ نیز روایت باری تعالیٰ کی نفی کے قائل ہیں۔ وغیرہ انک من

### سوم جبریہ

العقائد الواحیۃ۔

اس گروہ کی ابتداء صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں ہوئی یہ لوگ افعال عباد  
کے مسئلہ میں جبر یہ کی ضد میں بندے کو اپنے افعال کا خرد خالق و کاسب  
مانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں مانتے۔ چونکہ یہ لوگ مسئلہ قدر یعنی تقدیر میں  
کلام کرتے تھے۔ اس لیے ان کو قدر یہ کہا جاتا ہے۔ اس کا بانی ایک نصرانی تھا۔

### چہارم قدریہ

یہ لوگ سیدنا علیؓ اور سیدنا عثمانؓ اور اکثر صحابہ کرامؓ کی تکفیر کیا کرتے تھے اور  
مرتکب کبیرہ و کافر اور مخلد فی النار کہتے تھے۔ حضرت علیؓ کے در خلافت میں ان کے  
فیصلہ حکیم پر راضی ہونے کی وجہ سے ان کے مخالف ہو گئے اور اطاعت سے خروج کی وجہ سے  
خارج کہلائے۔ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ سَوْدُ اللہ وَجْہُ اللہ کہا کرتے تھے۔ اس لیے اہل السنۃ  
والجماعہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ کُتْمُ اللہ وَجْہُ اللہ کہتے ہیں۔

### پنجم خوارج

یہ لوگ معتزلہ کے برعکس یہ کہتے تھے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت  
مضر نہیں ہے نیز اختیار عبد کے منکر تھے۔ التراجع کے معنی موخر کرنے کے  
ہیں۔ قَالَ اللہ تَسَاءُ وَالْخُرُؤُ مَرْجُوٌّ لِذَمِّ اللہ اَیْ مُؤَخَّرٌ وَذَلِکَ مَرَدُّ اللہ یہ لوگ بھی اعمال  
کی حیثیت واقعی سے پیچھے ہٹاتے تھے اس لیے مرجیہ مشہور ہوئے۔

### ششم مرجیہ

## مقام بحث اعمال ایمان میں داخل ہیں یا نہیں

اس باب میں تین مذاہب ہیں۔ ہر مذہب کے دلائل نقل کرنے کے ساتھ ان کے جوابات بھی دیے جائیں گے۔

معتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ایمان کا جزو ہیں ان کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص نے فرائض اور واجبات کو ترک کیا اور کبائر کا ارتکاب کیا تو معتزلہ اور خوارج دونوں کے نزدیک وہ آدمی مؤمن نہیں رہا۔

## معتزلہ اور خوارج کے دلائل اور ان کے جوابات

رسائل اول  
قال الله تعالى «وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا» خَالِدًا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل جیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے سے وہ ایمان سے نکل کر ہمیشہ کیلئے جہنمی ہو گیا۔

جواب اول  
غلطی سے مراد نکث طویل ہے کہ بہت عرصہ تک جہنم میں رہے گا۔ یا اس سے مراد وہ آدمی ہے جو قتل کو حلال سمجھ کر قتل کرتا ہے تو یہ مرتد ہے اور مرتد کی سزا دائمی جہنم ہے۔

جواب دوم  
اس آیت مبارکہ میں نفس سزا کا ذکر ہے کہ قاتل کی یہ سزا ہو لی چاہیے لیکن مؤمن ہونے کی وجہ سے یہ سزا نہیں دی گئی۔

رسائل دوم  
حدیث پاک میں آتا ہے «مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ» اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہے۔

جواب اول  
یہاں کفر سے مراد عمل کفر ہے یا اس کا معنی ہے قَارِبُ الْكُفْرِ۔ کفر کے کئی درجہ ہیں ایمان سے خارج ہونا۔ کفر ڈالا کوئی عمل کرنا۔ یہاں دوسرا درجہ مراد ہے۔

جواب دوم



**دلیل سوم :** حدیث پاک میں ہے لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اِمَانَةَ لَهُ عَدَمُ اِيْمَانٍ سے  
عدم ایمان بھجا جا رہا ہے۔  
**جواب :** یہاں ایمان کامل کی نفی ہے نہ کہ نفس ایمان کی۔

**مذہب دوم :** مرجیہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمال کا ایمان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ طاعت  
ایمان کے لیے ضروری نہیں اور معصیت سے ایمان کو کوئی ضرر نہیں بس صرف تصدیقِ قلبی ٹھیک  
ہونی چاہیے۔

## دلائل مرجیہ اور ان کے جوابات

**دلیل اول :** عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْمَنَارَ - مشکوٰۃ شریف مشاج کتاب الایمان

وَعَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -  
(مشکوٰۃ شریف مشاج کتاب الایمان)

**دلیل سوم :** عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَكْفُرُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ -  
(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ملا کورہ)

اس قسم کی وہ تمام روایات جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین کا اقرار کرنے کے بعد  
جنت واجب اور دوزخ حرام ہو جاتی ہے مرجیہ کی دلیل ہے۔  
یہ تمام روایات اس وقت کی ہیں جب کہ ابھی احکام کا نزول ہی نہ  
ہوا تھا اور اس وقت مدارِ نجات صرف ایمان ہی تھا۔

**جواب اول :**

**جواب دوم :** اس قسم کی احادیث اس شخص کے بارے میں ہیں جس کو اعمال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی بلکہ وہ ایمان لاتے ہی سپردِ خدا ہو گیا یعنی فوت ہو گیا۔

**جواب سوم :** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ تصور ہی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص ایمان لے آئے اور عمل نہ کرے جو شخص کلمہ پڑھتا تھا وہ خود بخود عامل ہو جاتا تھا اس لیے اصل نزاع کی چیز کلمہ کو ذکر کر دیا گیا اور اعمال کو ذکر نہ کیا گیا۔

**مذہب سوم اہل السنۃ والجماعۃ** اہل السنۃ والجماعۃ اعمال کے بارے میں نہ تو تفریط کا شکار ہوئے کہ انہیں لاشیٰ محض قرار دیں اور نہ ہی افراط کے مرتکب ہوئے۔

کہ انہیں ان کی حیثیت سے بڑھا کر ایمان کے برابر کر دیں بلکہ راو اعتدال پر رہتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ نفس ایمان تو صرف تصدیق ہی کا نام ہے اعمال اس میں داخل نہیں البتہ کامل ایمان اعمال سے مل کر ہی بنتا ہے یعنی اعمال ایمان کے جزو ہیں نہ کہ نفس ایمان اس کو یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ اعمال ایمان کے اجزاء مزیئہ ہیں یعنی ان کے ہونے سے ایمان مزین و خوبصورت لگتا ہے اور نہ ہونے سے یہ بات نہ ہوگی۔

## اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل

اعمال کو جزوہ ایمان کہنے والوں اور  
مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے والوں کے خلاف

**دلیل اول :** قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں احادیث میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ قلب میں تصدیق ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ہیں۔

① قال اللہ تعالیٰ "وَلَا يَكْمُلُ الْإِيمَانُ إِلَّا بِطَاعَةِ اللَّهِ وَتَقْوَاهُ" (المجادلہ)

**دلیل دوم**

قرآن میں کئی جگہ اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً آیت کریمہ »  
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ  
جَزَاءُ الْفِرْدَوْسِۙ اَنْزَلْنَاهُ فِيْ هَآؤِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَفُوْنَ  
ایمان کی حقیقت سے الگ ہے ۔

**سوال :** یہ عطف مفایرت کے لیے نہیں بلکہ تخصیص بعد از تعلیم ہے ۔  
یہ بات درست نہیں اس لیے کہ تخصیص بعد از تعلیم میں معطوف معطوف علیہ  
زیادہ مہتمم باشند ہوتا ہے ۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ معطوف علیہ افضل ہے معطوف  
سے کیونکہ ایمان اعمال سے افضل ہے ۔

**دلیل سوم** قرآن حکیم میں ایمان کے اعمال صالحہ کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "فَمَنْ يَمَسَّ مِنَ الصَّالِحَاتِ فَلَهُ مِائَةُ رِبٍّ" اور ظاہر ہے کہ شرط مشروط کا غیر ہوتی ہے۔

**دلیل چہارم** | حدیث جبریل علیہ السلام میں لکھا اَلْاِيْمَانُ سَلَامٌ بِمَا رَزَقْنَاكَ اَرَشَادُ فَرَمَايَا اَنْ تَعْمَلَنَ بِمَا رَزَقْنَاكَ پھر سوال کیا گیا مَا اَلْاِيْمَانُ تُوْا اِيْمَانُ اَرَشَادُ فَرَمَايَا اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَللّٰهُ تُوْا اَعْمَالُ كُوْا اِيْمَانُ كے جواب میں ذکر کرنے اور اسلام کے جواب میں ذکر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں آپ نے اعمال کا ذکر بھی فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ ایمان صرف تصدیقِ قلب کا نام ہے ۔

## بحث۔ الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ أَمْ لَا

ایمان کی بساطت اور ترکیب پر دوسرا ایک مسئلہ متفقہ ہوتا ہے کہ ایمان زیادت و نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں اس میں مختلف مذہب ہیں۔

اول احناف اور متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ الْإِيمَانُ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ یعنی ایمان میں کمی کی شئی نہیں ہوتی۔ دوم محدثین اشاعرہ اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ الایمان یزید و ینقص سوم: امام مالکؒ فرماتے ہیں "الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ"۔

ایمان کی کمی و زیادتی ثابت کرنے والی آیات ہیں۔

① اَلْكَفُّرُ زَادَتْهُ هَدًى ۙ اِئْمَانًا ۙ ② وَاِذَا ثَلَيْتَ عَلَيْهِمْ اِيْمَانَهُ زَادَتْهُمْ اِئْمَانًا ۙ ③ وَيَزَادُ الَّذِينَ اٰمَنُوا اِئْمَانًا ۙ جو حضرات کمی و زیادتی کے قائل نہیں وہ ایسی آیات کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ اول منجی، دوم معنی ایمان منجی سے مراد ایمان کا وہ جو اب اول ضعیف سے ضعیف درجہ ہے جو غلو و نار سے مانع ہو۔ اور ثانی سے وہ درجہ مراد ہے جو دخولِ نار سے مانع ہو تو فرماتے ہیں کہ ایمان منجی میں کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی البتہ ایمان منجی میں ہوتی ہے ممکن ہے امام مالکؒ کا قول الْإِيمَانُ يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ بھی ایمان منجی سے متعلق ہو کیونکہ ایمان منجی تو ادنیٰ درجہ ہے اگر اس میں بھی نقص آگیا تو ایمان ہی نہ رہے گا۔

بعض محدثین حضرات کے نزدیک زیادت فی الکیف مراد ہے کم نہیں جواب دوم یعنی ایمان کا نور بڑھتا ہے جس ایمان پر اصل نجات کی مدار ہے وہ مراد نہیں بلکہ اس میں سب برابر ہیں۔ البتہ فضائل و کمالات کے اعتبار سے فرق مراتب زیادہ ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے درجات و مراتب میں زیادت و نقصان ہوتا ہے جیسے تمام انبیاء افسر نبوت میں برابر ہیں مگر فضائل و کمالات کے اعتبار سے فرق مراتب ہوتا ہے۔

اسی کو تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ (پ) میں کہا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے دو درجے ہیں  
**جواب سوم** ایک اجمالی، دوسرا تفصیلی ایمان اجمالی میں کمی زیادتی (کیونکہ یقین میں  
 ذرہ بھی کمی ہوئی تو وہ یقین نہیں رہے گا) نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ یہ اجمالی طور پر جمیع احکام الہیہ کو  
 قبول کرنے اور ان پر یقین رکھنے کا نام ہوا اور ظاہر ہے کہ اس میں کمی زیادتی کا کوئی احتمال نہیں  
 کیونکہ یقین میں ذرا بھی کمی ہوئی تو وہ یقین نہ رہے گا۔ اور درجہ تفصیل سے مراد یہ ہے کہ ہر حکم پر  
 جدا جدا بالتفصیل ایمان لانا، اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا اس طور کہ جتنے احکام کا علم ہوتا  
 چلا جائے گا اس کے مطابق ان پر ایمان میں بھی زیادتی ہوتی جائے گی۔ نہانہ نزول وحی میں  
 جب ایک حکم آیا ایک آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام اس پر ایمان لائے اس کے بعد جب دوسری  
 آیت نازل ہوئی تو اس پر ایمان لائے وہ تکذاب۔

## النسبة بين الايمان والاسلام

اسلام کا لغوی معنی ہے کسی کے سامنے جھکنا، فروتنی اختیار کرنا۔ اس کی بات کو بلا چون  
 و چرا تسلیم کرنا "کما فی قولہ تعالیٰ" اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْتُ لِرَبِّ الْاَلَمِينَ  
 (پ) اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام کے درمیان کیا نسبت ہے؟ اس میں علماء کے مختلف  
 اقوال ہیں۔

ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے ایمان خاص ہے اسلام عام ہے  
**قول اول** ایمان کہتے ہیں "اَلْاِسْلَامُ بِاَنْ يُّطِيعَ" اسلام کا معنی ہے تسلیم کرنا خواہ یہ  
 تسلیم دل سے ہو، خواہ زبان سے ہو، خواہ جوارح سے فَعَلْنَا اِسْلَامًا اِيْمَانًا وَلَا نَعْلَمُ مَرَاتَبًا  
 اس قول کی دلیل یہ آیت ہے "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ اِلِسْلَامٌ" (پ) اس آیت میں لفظ اسلام  
 دین پر بولا گیا ہے اور دین تصدیق و عمل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

**قول دوم** جہود محمدین امام مالک، امام شافعی، معتزلہ و خوارج کے نزدیک ان میں نسبت

قوله تعالى وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ إِن كُنْتُمْ آمَنُوا بِاللَّهِ  
فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ۝١٢١

مسلمین کہا گیا ہے۔

فَاَخْرَجْنَاهُ مِمَّا كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَمَا وَجَدْنَا  
فِيهَا غَيْرَ سَبْعٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَا كَيْدُكَ قَوْمِ لُوطُ لَيْسَ بِكَ

بالاتفاق صرف ایک گھرانہ مسلمان تھا جن پر مؤمنین و مسلمین دونوں کا اطلاق کیا گیا۔

سید مرتضیٰ از بیدی شارح احیاء العلوم کے نزدیک ایمان و اسلام میں تفایر  
فی المعبود و ملازم فی الوجہ و ہے۔ یعنی دونوں کا مفہوم توحید اجداد ہے جیسا کہ اوپر

قول سوم

گزار، لیکن ان میں سے ہر ایک کا تحقق دوسرے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کے لیے شرط ہے تو ایمان نام ہے انقیاد باطنی بشرط تسلیم ظاہری کا، اور اسلام نام ہے تسلیم ظاہری بشرط انقیاد باطنی کا۔ پس ایمان وہ معتبر ہے جو پھوٹ پھوٹ کر اسلام بنتا جائے، اور اسلام وہ معتبر ہے جو سچ کر ایمان بنتا چلا جائے۔ مافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی رائے یہی ہے اور یہی قول راجح و مختار ہے۔

شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ تمام ضروریات دین پر سختہ ایمان ہو چاہے دیسیل سے پیدا ہو چاہے تقلید سے۔ آنحضرت صلی اللہ

## ایمان مُقَدَّر کا حکم

علیہ وسلم نے جب کسی ضرورت کے تحت کسی کے مسلمان ہونے کی تحقیق کی تو صرف توحید و رسالت کے بارے میں اس کا عقیدہ دریافت کیا، یہ تحقیق نہیں کی کہ یہ عقیدہ کسی دلیل کی بنیاد پر رکھتے ہو یا تقلید کی بنیاد پر۔

وَعَنْ مِائَةِ الْحَكَمِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ إِنِّي بِهَا فَاثِمَةٌ بِهَا فَقَالَ لَهَا أَيْنَ اللَّهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ  
قَالَ مَنْ أَنَا قَالَتْ أَنتَ رَسُولُ اللَّهِ قَالَ ارْجِعِي فَإِنَّهَا مَرْكُومَةٌ -

مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۸ ج ۲ باب ..... قبل ازیر باب المطلقہ ثلاثاً

معلوم ہوا کہ مؤمن ہونے کے لیے حصولِ ایمان معتبر ہے، جس طرح بھی ہو بعض اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک یہ ہے کہ معتبر ایمان مقلد بھی ہے لیکن نرک و نظردن کر اس سے مواخذہ ہو گا کہ تہنے حصولِ دلائل کی کوشش کیوں نہیں کی۔ معتزلہ میں سے بعض مؤمن مقلد کو مؤمن ہی نہیں سمجھتے اور بعض اس کو لیسنِ بعمو من ولا بکافر کہتے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ دلائل سے بختہ ایمان بہتر ہے تقلید محض سے کیونکہ اس میں استقامت زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت دوسرے کے۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى « قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَكْمُمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ رَبَّهُمْ

## بحث الاستثناء فی الایمان

یعنی  
أَنَا مُؤْمِنٌ إِنْ شَاءَ اللَّهُ كَمَنْ كَا حَكَم

جب کوئی شخص اپنے مؤمن ہونے کی خبر دے تو صرف اتنا کہ دینا کافی ہے کہ أَنَا مُؤْمِنٌ یا ساتھ ان شاء اللہ بھی ضرور کہنا چاہیے۔ بعض متکلمین فرماتے ہیں کہ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ضرور کہنا چاہیے۔ لقولہ تعالیٰ « وَلَا تَقُولُوا لِمَا یُنْفَعُکُمْ إِنَّمَا تَقَاعِلُ ذَٰلِکَ عَنَّا ۚ إِلَّا أَنْ یُنْشِئَ اللَّهُ بَعْضُ شُرَافِی حَضَرَاتِ فرماتے ہیں کہ ضروری تو نہیں مگر کہ لینا مستحسن و مستحب ہے اور وہ اس آیت کو استجاب پر محمول کرتے ہیں، امام اور اعلیٰ کے نزدیک تحقیر ہے کہنا بھی درست ہے اور نہ کہنا بھی درست ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان شاء اللہ کہنے کی مختلف وجوہ ہیں۔

أَوَّلُ اپنے ایمان میں شک ہو یقین نہ ہو اور تعلیق کے طور پر ان شاء اللہ کہا جائے اس وجہ سے ان شاء اللہ کہنا جائز ہے کیونکہ ایمان ظن و شک کا نہیں بلکہ یقین کا نام ہے۔  
دَوِّم تہرک کے طور پر کہا جائے اس لحاظ سے درست ہے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

## بحث محل ایمان

محدثین حضرات میں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ محلِ ایمان قلب ہے یا دماغ، اس بارے

میں دوسک ہیں اَوَّل عند الشرائع محل ایمان قلب انسانی ہے لقولہ تعالیٰ "وَقَلْبُكَ مُطْمَئِنِّمْ  
يَا اَيُّهَا الْيَسَّانِ۔ دَوِّم امام اعظمؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ محل ایمان دماغ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن  
یہ نسبت غیر صحیح ہے کیونکہ قدماء اخلاف کی کسی کتاب میں اس نسبت والا قول نہیں ملتا۔ بلکہ اللہ  
اس کے خلاف موجود ہے چنانچہ علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ فرماتے ہیں و

وَيَقُومُ الْإِنْسَانُ عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْءُ يَحْذَرُ الشَّيْءَ لِأَنَّهُ مُوضِعُ  
الْقَلْبِ وَقِيلَ نَوَازِلُ الْيَسَّانِ مَلَأَ ابَابَ الْجَنَّةِ فَعَمِلَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْبَيْتِ  
اس سے معلوم ہوا کہ محل ایمان عند الاخلاف قلب ہے۔

یقول ابوالاسعاد : در اصل ایمان کا معدن تو قلب ہے اور ایمان کے ظہور کی جگہ دماغ  
ہے جیسا کہ چراغ کی آگ در روشنی کا معدن تو اس جگہ میں ہے کہ جس جگہ روغن و تیل وغیرہ ہے لیکن  
اس آگ کا ظہور یہاں چراغ سے ہے یہی حال قلب اور دماغ کا ہے کہ اصل مرکز قلب ہے لیکن  
تمام ظہور دماغ ہے۔ اس بناء پر کہا گیا کہ ایمان کا محل دماغ ہے رکعاً فی غیر البیان ہے

هَذِهِ جُمْلَةٌ مَخْتَصَرَةٌ فِي الْإِيمَانِ وَقَدْ بَقِيَ بَسْطُ جَنَائِي فِي الزَّوَايَا تَرْكُهَا  
مَخَافَةُ الْإِطْنَابِ : اللَّهُمَّ يَسِّرْ لَنَا أُمُورَنَا وَاحْفَظْ قُلُوبَنَا وَاقْلُبْنَا  
مَعَ الرَّاحَةِ لِقُلُوبِنَا وَأَبْدَانِنَا۔ !





# حدیث جبریل علیہ السلام

## الفصل الأول

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ  
عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ

شان وروود حدیث | قرآن سکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لایعنی اور لاماصل سوال نہ کرنے کا حکم نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام احتیاطاً دین کی باتوں سے متعلق سوال کرنے سے بھی احتراز فرماتے تھے اور ان کو یہ خواہش ہوتی تھی کہ کوئی کٹر بدو آدمی اگر سوال کرے اور اس کے جوابات ہمیں مستنا نصیب ہو جائیں۔

صحیح مسلم ص ۱۷۱ ج ۱ میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے (دین کی باتیں) پوچھا کرو۔ لیکن صحابہ کرام غلبہ حیاء و ایذا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر سوال نہ کرتے۔ چنانچہ ان کی خواہش کی تکمیل کی خاطر جبریل علیہ السلام ان کو کئی صورت میں تشہیف لائے تاکہ سوال کریں اور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں گہرا نشانی فرمائیں اس انداز سے صحابہ کرام کا دامن علمی جو اہر پاروں سے بھر پور ہو۔

یہ واقعہ عسکری تہذیب حنفیؒ کی تحقیق کے مطابق سنیہ میں حجۃ الوداع سے کچھ پہلے پیش آیا۔ شاید اس کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں تفصیلی طور پر احکام معلوم ہونے کے بعد اجمالی خاکہ معلوم ہو جائے جس طرح داعط پانچ گھنٹے تقریر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ خلاصہ تقریر یہ ہے تاکہ اگر کسی کو تفصیل محفوظ نہ رہے تو خلاصہ واجالی خاکہ معلوم رہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری میں انتقال فرما گئے۔!

## حدیث کا نام اور وجہ تسمیہ

محدثین حضرات نے اس حدیث پاک کے مختلف نام رکھے ہیں چند ناموں کو مع وجہ تسمیہ کے یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ **آئول حدیث جبریل** : کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریلؑ کے درمیان سوال و جواب کا واقعہ پیش آیا۔ **دوم** : اتم السنۃ شوم اتم الجوامع **چہارم** : اتم الحدیث : ان تینوں کی وجہ تسمیہ ایک ہے کہ دین کی ہدایت، عقائد اور تصوف اب اس حدیث میں سلام سے احکام فقہ کی طرف، ایمان سے عقائد کی طرف، اور احسان سلوک و تصوف کی طرف اشارہ ہے۔ اس حیثیت سے یہ تمام احادیث اور جوامع الکفر کی اصل ٹھہری۔ جس طرح جمیع علوم و احکام القرآن کا اجمالی طور پر سورۃ فاتحہ میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کو اتم العشر ان اور اتم الکتاب کہا جاتا ہے۔ اب حدیث اتم الاعمال یا لیت منزلہ بسو اللہ کے ہے۔ اور حدیث جبریل بحیثیت جامعیت کے سورۃ فاتحہ کی طرح ہے۔

**مسئلہ طبع** فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ امام لغویؒ نے اپنی دونوں کتابوں (مصباح اور شرح السنۃ) کی ابتدا اس حدیث پاک سے کی تاکہ فی الجملہ قرآن پاک کی اتباع ہو۔ **قوله بینما**۔ بینما اصل میں بینما تھا جب ما آخر میں لایا تو بینما ہو گیا تو پھر بیت والے الف کو گرا دیا گیا بینما ہو گیا بین ظرف زمان ہے اور مکمل زمانہ ہے اور اس ظرف کا عامل مفاعلات کا معنی ہے جو اذ طلع کے اذ مفاعلاتیہ سے مفہوم ہوتا ہے پھر بین مضاف ہے جملہ نحن عنک رسول اللہ کی طرف۔

**قوله نحن عند**۔ نحن مبتدا ہے عند حاضرین معہ سے متعلق ہے جو کہ نحن کی خبر ہے ذات یومہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے ای ساعت ذات یومہ **قوله ذات یوم** : یہاں پر ایک سوال ہے۔

**سوال** : ذات یوم کیوں فرمایا صرف یوماً فرمادینے۔

**جواب اول** : عند البعض ذات کا کلمہ زائد ہے محض تملین کلام کے لیے لایا گیا ہے۔

**جواب دوم** : یوم درمنوں میں مستعمل ہے۔ آئول تحقیقی جو صیغہ صادق سے لے کر غریب

شمس تک ہوتا ہے۔ دُوم مجازی جو مطلق وقت پر ہونا چاہتا ہے جب تک کہ یوم و مہینوں میں مستقل ہو اور احد المعانی میں سے کسی معنی کی تفسیر میں کرنی تھی تو ذات کا کھولنا کر اشارہ فرمایا کہ تحقیقی معنی مراد ہے نہ کہ مجازی۔ قولہ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ (اچانک ایک شخص (ملک) فی صُورۃِ الرَّجُلِ) ہمارے درمیان رونما ہوا۔

سوال | آمد جبریل علیہ السلام کو طلع سے تعبیر فرمایا اتیان و اقبل سے کیوں نہیں کہا، کما فی منہ  
اَبْرَءُ عَظْمٍ مَّاءَ اِذَا اَقْبَلَ رَجُلٌ مَّاءَ جَمِیْلٌ اَبِیضٌ اَبْیَضٌ

جواب اول | عرب کا دستور تھا کہ بڑی شخصیت کی آمد کو طلوع سے تعبیر کرتے تھے۔ کما  
قَالَتْ بَنَاتُ الْاَنْصَارِ :-

طَلَعَ الْبَدُّ عَلَيْنَا مِنْ ثَبَاتِ الْوُدَاعِ وَجَبَّ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلْجَوَاعِ  
شعظم (جبریل) جنس ملائکہ سے تعلق تھا اور ملائکہ نورانی جسم والے ہیں جیسا  
جواب دوم | کہ سلم شریف کی روایت ہے: « عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَقْتُ الْمَلَائِكَةَ مِنْ نُورٍ » اس لیے جبریل کی آمد کو طلوع  
سے تعبیر فرمایا۔ کما یُقَالُ طَلَعَتِ الشَّمْسُ ۔

سوال | جبریل علیہ السلام کو رب زد الجلال نے اپنی اصلی شکل کے بجائے انسانی شکل میں کیوں بھیجا؟  
جواب ۔ انسانی شکل میں بھیجنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ افادہ و استفادہ میں سہولت ہے  
کیونکہ جنس غیر سے افادہ و استفادہ مشکل ہوتا ہے۔

قولہ شَدِيدٌ بِسَاحِ الشَّيْبِ شَدِيدٌ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا  
یُرَی عَلَیْهِ اَشْرَ الشَّقَرِ (کپڑے بہت اجالے اور ماتھے، بال نہایت ماتھے  
اس پر سفر کا کوئی اثر نظر نہ آتا تھا) شَدِيدٌ کی دو ترکیبیں ہیں :-  
اول: اگر شَدِيدٌ (صیغہ صفت) کو اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ اضافت لفظی ہے  
جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی اس لیے اس کا وجہ کی صفت واقع ہونا درست ہے۔  
دوم: یا شَدِيدٌ کو تثنیہ کے ساتھ پڑھ کر بَسَاحِ کو اس کا فاعل قرار دیا جائے  
اور هَكَذَا فِي قَوْلِهِ شَدِيدٌ سَوَادِ الشَّعْرِ ۔

**سوال** - یہ کہ کون سے بال کالے تھے کیونکہ حدیث پاک میں مطلق ذکر ہے سواد الشعر۔  
**جواب** - صحیح ابن حبان میں ہی روایت ہے اس میں وضاحت ہے سَوَادُ الشَّعْرِ  
 رَكَدًا فِي الْمَدْرَةِ، سر کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ سر کے بال اکثر ڈھانپے ہوئے ہوتے ہیں۔

**فائدہ** شَدِيدٌ بِسَاحِلِ الثَّيَابِ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ  
 طالب علم الہی کھیلے صفائی قلب و بدن اور کپڑوں کی ثقافت کا ہمیشہ خیال  
 رکھنا ضروری ہے۔ خصوصاً بزرگوں کی مجلس میں جاتے وقت تاکہ علم کا نور و منیہ خزانہ اندر سوسکے اور  
 شَدِيدٌ سَوَادُ الشَّعْرِ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تحصیل علم کا اصل زمانہ عفتوانِ شباب  
 ہی ہے تاکہ تکلیف جھیل کر اپنے مقصد میں فائز افرام ہو سکے۔

**سوال** - یہ ہے کہ حدیث پاک میں ثياب کو جمع لایا گیا مگر شعر کو واحد ذکر کیا ظاہری  
 ترتیب میں تبدیلی کیوں فرمائی۔

**جواب** - شعر کو واحد لانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے تمام بال سیاہ نہ تھے شاید  
 اس سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ طلب علم کی مدت آخر دم تک ہے جیسا کہ کہا گیا حَدَّثَنَا  
 مِنَ الْمَهْدِ إِلَى التَّحَدُّدِ۔

قَوْلُهُ لَا يَعْرِفُهُ مِمَّا أَحَدٌ رَأَى رَأَى اس کو پہنچانا  
 نہ تھا، بانوں اور لباس کا انداز بتاتا ہے کہ مدینہ پاک کے شہری ہیں۔ مگر کسی کا ان کی صورت کو  
 نہ پہچانتا مسافر ہونے کی دلیل ہے۔ اب اس مقام پر سوال ہوتا ہے۔

**سوال** - یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جمع کا صیغہ کیوں استعمال کر رہے ہیں؛ کیا کسی کو بھی خبر نہ  
 تھی؟ ہو سکتا ہے کہ کسی کو معلوم ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ لَا يَعْرِفُهُ أَحَدٌ۔

**جواب اول** - سینہ عمرؓ نے اپنے ظن سے عدم معرفت کو سب کی طرف منسوب  
 کر دیا ہے ورنہ حقیقت حال اس کے خلاف تھی۔

**جواب دوم** - ان کی آمد و ہیئت سے متعجب ہو کر حاضرین نے جب ایک دوسرے  
 کو سوال کیا اور تحت سنا لگا ہوں سے دیکھا تو حضرت عمرؓ سمجھ گئے کہ کوئی ان کو نہیں پہچانتا جیسا کہ  
 فتح الباری میں تصریح ہے "فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالُوا مَا نَعْرِفُهُ هَذَا" ۱/۱۴۱

قَوْلُهُ حَتَّى جَلَسَ — سوال — کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ کی مجلس مبارکہ میں جو آدمی آتا اور سلام نہ پڑھتا تو آپ اس کو واپس ہونے اور سلام پڑھنے کا حکم فرماتے جب کہ اس رجل نے سلام نہیں پڑھا اور نہ حضرتؐ نے واپس بھی نہیں کیا۔

یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں اختصاراً سلام و جواب کو حذف کر دیا گیا ہے۔  
**جواب** | در نہ اس رجل نے سلام پڑھا اور جواب مبارک سے تفیض ہوا۔ حَتَّى سَلَّمَ فِي طَرَفِ الْمَسَاطِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدٌ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (نسائی شریف ۳۱۳، کتاب الایمان و شرائطہ باب صفۃ الایمان والاسلام)

قَوْلُهُ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ۔ (اس نے لگاریے اور بلا دیے اپنے دونوں زانوں حضرت کے دونوں مبارک کی طرف) رُكْبَتَيْهِ اُذَل کی ضمیر ذاتِ رجل کی طرف اور رُكْبَتَيْهِ ثانی کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

سوال — اس رجل نے یہ ہیئت کیوں اختیار کی یعنی اتنا قرب کیوں اختیار کیا؟  
**جواب** | دونوں بیٹھنا ارب اور تواضع سے زیادہ قریب ہے اور قریب بیٹھنا۔ السَّيِّئَةُ وَالْفَتْرَةُ اور شرمت جواب اور مسئلہ کی خاص توجہ کا موجب ہے اس وجہ سے رجل اجنبی نے یہ ہیئت اختیار کی۔

قَوْلُهُ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخْذَيْهِ۔ اس جملہ میں كَفَّيْهِ کی ضمیر کا مرجع یہ آنے والے رجل یعنی جبریل علیہ السلام ہیں۔ اَلْبَتَّ فَخْذَيْهِ کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں کہ یہ بھی كَفَّيْهِ کی طرح جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہے تو ترجمہ یوں ہوگا کہ انہوں نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی دونوں رانوں پر رکھیں، اس طرح سے بیٹھنا ارب کا بیٹھنا ہے، شیخ کے سامنے بھی اندازہ نشست ہونا چاہیئے اور اس وقت کی آمد سائل و مستلم کی حیثیت سے تھی۔

جر خود حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی انہوں نے اپنی دونوں ہتھیلیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں  
**احتمال دوم** |

مبارک پر کہیں حَتَّى وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رُكْبَتَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(نسائی شریف صفحہ ۲۶۵ ج ۲ کتابُ الْإِيمَانِ وَشُرَائِطِهِ صِفَةُ الْإِيمَانِ وَالْإِسْلَامِ) اس  
ان کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف زیادہ متوجہ کرنا تھا کیونکہ مسائل مسائل مذکورہ میرے  
زیادہ محتاج ہے اور مجیب کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

بعض محدثین حضرات نے ان دونوں قولوں میں  
تطبیق دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاً اس  
رجل نے اپنے رافوں پر ہاتھ رکھا تھا پھر کچھ بے تکلف ہو گئے اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک  
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رافوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

اس حدیث میں جبریل علیہ السلام کے اپنے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ  
تعمیم کی کوشش  
علیہ وسلم کی رافوں پر رکھنے کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو بظاہر  
خلافِ ادب یا عجیب سی معلوم ہوتی ہیں سرزد ہوئیں ان میں کیا حکمت ہے۔ بہت سے محدثین  
حضرات نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے لیکن مختصراً سب سے بہترین تفسیر شیخ الاسلام  
مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم منہاج میں نہایت عمدہ پیرایہ میں واضح فرمائی ہے  
کہ اس موقع پر حضرت جبریل کا مہرِ نظر و مقصد تعمید کرنا یعنی اپنی شخصیت کو چھپانے کی سعی کرنا  
اور لوگوں کو حیرت و التباس میں ڈالنے رکھنا تھا تاکہ تعلیم رسول کا تو پتہ چلے مگر خود ذاتِ رسول  
حدیثِ اخفاء تک مخفی رہے۔ کبھی ایسا انداز اختیار کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نووارد  
صاحبِ غایت درجہ کے تہذیب یافتہ، آدابِ تعلیم و تعلم سے واقف ہیں کبھی ایسی صورت  
اختیار کرتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ شخص دیہاتی و بدوی اور آدابِ مجلس سے  
ناواقف ہے۔ اسی طرح کبھی یادِ رسول اللہ کہ کرندا دیتے ہیں جو عنوانِ تہذیب ہے اور کبھی  
یا محضہ کہ کر پکارتے ہیں جو شانِ بدویت ہے۔ بالوں اور لباس کا انداز بتاتا ہے کہ  
مدینہ پاک کے شہری ہیں کسی کا ان کی صورت کو نہ پہچانتا مسافر ہونے کی دلیل ہے یعنی تمام  
اطوار میں تعمید اور اخفاء کی پوری کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اور تو کوئی کیا پہچانتا ان کے  
اصل شناسا مضبوط وحی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مرتبہ ان کو نہ پہچان سکے۔ سلیمان بھی کی رعایت

کے الفاظ ہیں :-

قَوْلَانِي نَفْسِي بِسَيِّدِهِ مَا شَيْتَهُ عَلَيَّ مُنْذُ اَنَا فِي قَبْسِلٍ مَزْنَةٍ  
هَذِهِ وَمَا عَرَفْتُهُ حَتَّى وَلِي (لکھنا فی فتح المملکات)  
آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام جب سے آنے لگے کبھی ان کا آنا مجھ پر مشتبہ نہیں  
ہوا یہ پہلا موقع ہے کہ جبریل علیہ السلام آئے اور مجھ پر منحرف رہے جب وہ پہلے  
لگے تو معلوم ہوا کہ جبریل تھے۔

يقول ابوالاسعاد : رب ذو الجلال والاكرام اس واقعہ کا ظہور فرما کر مستلذ بیان  
فرمانا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً معلوم الاولین والآخرین (بذریعہ وحی) عطا کیے  
گئے تھے مگر پھر بھی آپ مخلوق ہیں لہذا مخلوق کا حال یہ ہے کہ اپنی ذات سے کچھ نہیں ہے ہر وقت  
سب کچھ غائب کامات ہی کے قبضہ میں ہے۔ اتنے علوم و حقائق آپ کو عطا کیے جانے کے بعد  
جس وقت خالق چاہے آپ سے بھی محسوسات و مشاہدات کا علم تک اٹھالے اعلیٰ حقائق و  
معارف کا تو پوچھنا ہی کیا۔ نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
عالم الغیب نہیں تھے۔

قوله يا مُحَمَّدُ - حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کو یا محمدؐ کو کہ خطاب کیا جو بظاہر مقام ادب کے بھی خلاف ہے اور قرآن کریم کے بھی خلاف ہے  
قرآن پاک میں ہے "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا" (التوبہ)  
حضرت رسالت مآبؐ کی عظمت شان کی رعایت رکھ کر خطاب کیا کرو نام لے کر پکارنا  
ظاہر ہے کہ خلاف ادب ہے جب کہ یہاں خطاب ہو رہا ہے شارحین محفرت نے اس کے  
مختلف جواب دیے ہیں :-

واقعہ مذکورہ آیت مذکورہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ کے نزد سے پہلے  
جواب اول  
سا ہے۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں کیونکہ یہ واقعہ حضرتؐ کی وفات  
حسرت آیات سے ایک مہینہ قبل پیش آیا جب کہ وحی کی بندش صحیح روایت کے مطابق  
اکیاشی دن پہلے ہو گئی تھی۔

آیت مبارکہ میں خطاب انسانوں کو ہے کَدُّ عَاوِ قَعَضِ كَقَوِّ بَعْضِہَا میں  
ملا کہ کرام شامل نہیں ہیں۔ اس لیے جبریل علیہ السلام اس نفی کے

جواب دوم

مخاطب نہیں۔

یَا مُحَمَّدُ بول کر عائلی معنی مراد نہیں بلکہ وصفی معنی مراد ہے۔ محمد  
در اصل صفت کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے انتہائی درجہ کی حمد و  
ستائش کیا ہوا شخص! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دائرہ مخلوق میں سے اس وصف کے مصلق  
ہیں یہی معنی مراد لے کر خطاب کیا ہے۔

جواب سوم

قَوْلُهُ أَخْبَرَنِي عَنْ الْإِسْلَامِ قَالَ الْإِسْلَامُ إِنَّ تَشْهَدَ أَنْ لَا  
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اس نے عرض کیا اے محمد! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرو

اس روایت میں سوال عَنْ الْإِسْلَامِ مقدم ہے اس لیے کہ اسلام ظاہری اقیاد کا نام ہے  
وَالْقَلْبُ عَنْوَانُ الْإِبْرَاطِ مگر بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس میں  
سوال عَنْ الْإِيمَانِ مقدم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری وغیرہ اور تمام طاعات کی  
قبولیت ایمان پر موقوف ہے۔

اسلام اقیاد ظاہری کا نام ہے لیکن یہ اقیاد تب معتبر ہے جب کہ  
قلب میں تصدیق بھی ہو یوں کہے کہ اسلام شل بدن کے ہے اور ایمان

تعریف اسلام

مشل رُوح کے۔ یہاں پر دو فوائد سے قابل غور ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کی اس زیر نظر روایت میں سب سے پہلا سوال اسلام کے  
متعلق ہے اور اس حدیث میں اسلام کی تعریف میں پانچ اُمور ذکر کیے

فہمہ اول

گئے ہیں۔ (۱) شہادت توحید و رسالت (۲) اقامت القنوت (۳) ایتاء الزکوٰۃ (۴) صیام  
رمضان (۵) حج بیت اللہ۔ اس کے سوال کے جواب میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ بعض  
روایات میں زیادہ امور کا ذکر ہے بعض میں کم ہے اس اختلاف کا منشاء اختلاف فی انضبط ہے  
بعض رُوات یوں تفصیل سے روایت کو ضبط کر کے بعض نے کم اُمور کو ضبط کیا، بعض کو سب یاد رہے  
بعض کو بعض کا نسیان و ذہول ہو گیا۔



**فیدہ دوم** اسلام کی تعریف میں مصدر استعمال نہیں کیا گیا اس کی جگہ پر اَنْ نامیہ مصدر یہ اور فعل لایا گیا ہے یعنی اَنْ تَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ - اور اِقَامَةُ الصَّلَاةِ کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے وَتَقِيْعُوْا وَغَيْرِھِمَا کے الفاظ استعمال کیے ہیں اس کی کیا وجوہات ہیں۔

یہ ہے کہ اَنْ اور فعل مل کر اگرچہ مصدر ہی کا معنی دیتے ہیں تاہم دونوں میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ اَنْ اور فعل زمانہ استقبال پر دلالت کرتے ہیں جبکہ مصدر اس دلالت سے خالی ہے اور یہاں استقبال والا معنی مقصود ہے۔

**وجہ اول** ملاحظہ فرمائیے شارح مشکوٰۃ نے یہ توجیہ فرمائی ہے کہ مصدر کے بجائے اَنْ تَشْهَدُ اور اَنْ تَقِيْعُوْا وغیرہ لاکر اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ صرف علم و معرفت ان امور کی پیدا کرنا کافی نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ آپ ان امور کو عمل میں لائیں اور ان کو قوت سے فہمیت کی طرف نکالیں۔

قولہ وَتَقِيْعُوْا الصَّلَاةَ ، اس مقام پر محدثین حضرات نے اسلامی امور کی تقسیم بیان فرمائی ہے وہ اس طرح ہے کہ اسلامی امور دو حال سے خالی نہیں وہ امور قوی ہو گئے یا فعلی یعنی غیر قوی ، پھر غیر قوی دو حال سے خالی نہیں فعلی ہوں گے یا ترکی - فعلی وہ جن میں کچھ کرنا پڑے - ترکی جن میں کچھ چھوڑنا پڑے - پھر فعلی تین حال سے خالی نہیں (۱) محض بدن سے تعلق رکھنے والے اعمال (۲) محض مال سے تعلق رکھنے والے اعمال (۳) وہ اعمال جن کا تعلق بدن اور مال دونوں سے ہے - اسی طرح اعمال کی کل پانچ قسمیں بن گئیں (۱) قوی اعمال (۲) ترکی اعمال (۳) محض بدنی اعمال (۴) محض مالی اعمال (۵) وہ اعمال جن کا تعلق بدن و مال دونوں سے ہے - پہلی قسم میں شہادت ذکر کر کے بتا دیا کہ تمام قوی اعمال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہونے چاہئیں - دوسری قسم میں روزہ کو ذکر کیا کیونکہ روزہ ترک شدہ کا نام ہے - تیسری قسم میں نماز کو ذکر کیا - چوتھی قسم میں زکوٰۃ کو ذکر کر دیا - پانچویں قسم میں حج کو ذکر کر دیا - اسی طرح ہر قسم میں سے ایک ایک ذکر کر کے اشارہ فرما دیا کہ تمام انواع اعمال کی اصلاح کرنے سے ہی اسلام کامل ہوتا ہے۔

يقول البؤاء سعاد : عبادات کی سب سے بہترین تقسیم مسئلہ غزالی نے احیاء العلوم میں بیان فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کی تعریف میں چار قسم کی عبادات کو بیان کیا گیا، مستلوة، زکوٰۃ، صوم، حج۔ حکمت یہ بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہوتی ہیں :- جمالی - جلالی - جمالی کا تقاضا اللہ رحمت ہے اور جلالی کا تقاضا غضب و انتقام ہے۔ اور ان صفات کا ظہور مختلف اشیاء کے توسط سے ہوتا ہے ان میں عبادات بھی ہیں تو صلوٰۃ و زکوٰۃ صفات جلالی کا مظہر ہیں کیونکہ نماز میں ایک مجرم کی طرح کھڑا ہونا پڑتا ہے کہ کسی طرف نظر نہ ہو۔ ہاتھ باندھ کر بغیر حرکت کے نیچے کی طرف نظر کر کے کھڑا ہونا ہوتا ہے گویا ایک مجرم آدمی کسی حاکم کے اجلاس میں کھڑا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ گویا ایک مجرم کی طرح اپنے مال کا جرمانہ حاکم کو دے رہا ہے۔ اور صوم دج صفات جمالی کا مظہر ہیں کہ روزہ دار خدا کی محبت کا دعویدار ہے۔ اس کی محبت سے ہر قسم کی نفسانی خواہش کو چھوڑ دیا۔ اور حج میں تو سارے افعال عاشقوں کے ہیں کہ دیار محبوب کے دیدار کے لیے پر آگندہ بال ہو کر کوچ محبوب میں پریشان حال ہو کر گھومتا رہتا ہے اور محبوب کی دیواروں کو بوس و کنار کرتا ہے پھر آخر میں محبت کے مارے محبوب کے قریب اپنی جان کی قربانی دے کر آجاتا ہے یہ سارے کام صفات جمالی کے مظہر ہیں۔

قوله وَ تَحِجُّ الْبَيْتَ اِنْ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا : حج اسلام

کے رکنوں میں سے ایک اہم رکن ہے۔

سوال - حج کو اِنْ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا کے ساتھ کیوں مقید کیا حالانکہ استطاعت تو تمام احکام میں شرط ہے۔

جواب - استطاعت کی دو قسمیں ہیں حلالہ ممکنہ (۲) میسرہ ۱ ممکنہ تو تمام احکام کے لیے ضروری ہے لیکن حج کے لیے میسرہ بھی ضروری ہے جنی خاص استطاعت جو حج کے لیے ضروری ہے اور اس کی تفسیر حدیث صحیح میں مذکور اور تاحلہ کے ساتھ آئی ہے۔

قوله قَالَ صَدَقْتَ فَقَالَتْ اَلَيْسَ لَهٗ سَبِيْلٌ وَ لِيَصَدِّقَ

اس شخص نے یہ سنکر کہا آپ نے سچ فرمایا حضرت مسٹر فرماتے ہیں کہ ہمیں تعجب ہوا کہ وہ سوال بھی خود کرتا ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے (کسی چیز کا سبب نہ جاننے کی وجہ سے اس کو

دیکھ کر قلب میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو تعجب کہتے ہیں یہ سائل وارد اس واقعہ میں وہی ناموس مبارک ہیں جو ہمیشہ سیرانِ جوابات کی تمام تفصیلات اللہ ربُّ العزت کی طرف سے لاتے ہیں اور وجہ تعجب یہ ہے کہ دو متضاد چیزیں اکٹھی ہو رہی ہیں کیونکہ سوال سے معلوم ہو رہا ہے کہ جاہل ہے اور تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم ہے۔

قَوْلُهُ فَأَخْبَرَنِي عَنْ الْإِيمَانِ رَپَرِدَ شَخْصِ اے محمد ایمان کے کہتے ہیں

حضرت جبریل علیہ السلام کے سوالات میں سے ایک اہم سوال ایمان کی حقیقت پوچھنا ہے ایمان کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ جو بائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کو دل سے سچا ماننا جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ضروریاتِ دین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا۔ ضروریات کی تشریح آگے آرہی ہے۔

۱۔ قَوْلُهُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ : مقامِ بظاہر سوال ہوتا ہے۔

سوال۔ کہ ایمان کی تعریف ایمان سے کی گئی ہے سائل نے پوچھا عَنِ الْإِيمَانِ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دے رہے ہیں اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ تو یہ تعریف الشیخی منفسہ ہوئی۔ جواب اول۔ اہتمامِ شان کی وجہ سے لفظ ایمان کو جواب میں لوٹا یا گیا ہے۔

جواب دوم۔ یہ ہے کہ مُؤْمِنٌ میں الایمان سے ایمان شرعی مراد ہے اور مُعْرِفٌ میں ایمان سے ایمان لغوی مراد ہے اور وہ اپنے متعلقات سے مل کر ایمان شرعی کی تعریف ہو گئی۔

فَلَا اشْكَالَ عَلَيْهِ۔

سوال۔ جب جبریل علیہ السلام نے سوال کیا ایمان کے بارے میں اور حضور علیہ السلام نے جواب دیا مؤمن یہ سے یعنی سوال و جواب میں مُطَابَقَت نہیں۔

جواب۔ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سے معلوم ہوا کہ جبریل علیہ السلام کا مقصد مؤمن بہ کی تعبیر یہ ہے۔ بنا بریں حضور علیہ السلام نے بھی اس کی تعبیر فرمادی۔ ایمان بِاللّٰهِ کی شرح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور ذاتِ صفاتِ کمالیہ پر ایمان لائے اور ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مُنْزَہ سمجھے۔

۲۔ قَوْلُهُ وَمَلَائِكَتُهُ (اور ملائک پر بھی ایمان لائے، ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لایا جائے اور ان کی جو صفات قرآن کریم میں مذکور ہیں ان پر ایمان لایا جائے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ، يَسْتَحْوُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْهَمُونَ) لَا يَتَّبِعُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (یعنی التحذیر)

یہ ملائک کی جمع ہے جو ملائک سے مشتق ہے اور ملائک اصل میں مَلَأَکَ تَمَلَأَکَ تَمَلَأَکَ یَمَلَأُکَ اَلْمَلَأَکَ بَاب

ضرب ہنخی پیغام رسانی پھر مَلَأَکَ میں قلب مکانی کر کے لام کو ہمزہ پر مقدم کر دیا مَلَأَکَ ہو گیا پھر تخفیف کے لیے ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے ہمزہ کو حذف کر دیا مَلَأَکَ ہو گیا اور پھر جمع میں وہ ہمزہ لوٹا دیا گیا ہے۔

ان کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ اَلْمَلَأَکَ جِسْمٌ نُّورَانِیٌّ یَتَشَكَّلُ بِأَشْکَالٍ مُّخْتَلِفَةٍ لَّوْنًا وَرَوْنًا یُؤْنَسُ : نورانی کی قید سے نادی اور ترائی نکل گئے، اور تفریق و تانیث ہوتا یہ جنوں اور انسانوں کی صفت ہے۔

ملائکہ کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کے جوابات سے پہلے چند اصول ذہن میں رہیں۔

اصول نمبر ۱: کسی چیز کا ثابت ہونا دلیل پر موقوف ہے دلیل کی دو قسمیں ہیں۔ عقلی۔ نقلی۔ وہ دلیل ہے جس سے مقدمات عقل تسلیم کرے اس میں خبر کی ضرورت نہ ہو جیسے حساب کے قواعد مثلاً ایک شخص روزانہ ایک روپیہ کھائے تو عقل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ میں وہ آدمی سات روپیہ کھائے گا۔

دلیل نقلی : وہ دلیل ہے جس کی بنیاد خبر پر ہو دلیل نقلی کا استعمال بہ نسبت عقل کے زیادہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

مفہوم کی تین قسمیں ہیں : واجب، مستثنیٰ، ممکن۔ جس کے وجود کو عقل ضروری سمجھے وہ واجب ہے جیسے اَلْوَاحِدُ نَصْعَةُ اَلْوَسْطَانِ

اور جس کے عدم کو ضروری سمجھے وہ مستثنیٰ ہے جیسے اِجْتِمَاعُ نَفِیْضِیْنِ۔ اور جس کی دونوں جانب

بارہوں وہ ممکن ہے جیسے کوئی کہے کہ کراچی شہر کا رقبہ کلکتہ کے رقبہ سے زائد ہے اگر خبر صادق ممکن کی خبر دے تو بصورتِ اعتقاد عقلاً اس کا قبول کرنا واجب ہے اور عرفاً مسلم ہے تمام کاروبار اسی پر چل رہے ہیں، عدالت کے فیصلے بھی اسی پر ہو رہے ہیں۔

کسی چیز پر موجود ہونے کا حکم لگانا تین طرح سے ہوتا ہے۔ اول مشاہدہ زید کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ موجود ہے۔ دوم خبر صحیح اس میں شرط یہ ہے کہ اس سے زیادہ صحیح اور پختی دلیل اس خبر کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً کسی نے خبر دی کہ رات کو زید نے تمہیں زخمی کیا ہے لیکن یہ تمہارے مشاہدہ کے خلاف ہے لہذا غلط ہے۔

سوم استدلال عقلی۔ دھوپ کو دیکھ کر آفتاب کا حکم لگانا۔ سوال اول : اگر ملائکہ دنیا میں موجود ہوتے تو ہمیں دکھائی دیتے ؟

جواب : ملائکہ کا وجود فی ذاتہ عقلاً ممکن ہے اور خبر صادق لے قرآن وحدیث میں ان کے وجود کی خبر دی ہے لہذا ماننا واجب ہے جیسا کہ اصول عالم میں گذرا کسی چیز میں موجود ہونے کو اپنے مشاہدہ پر منحصر کرنا غلط ہے جیسا کہ اصول عالم میں گذرا رجحانات کے وجود کی دلیل بھی یہی ہے۔

سوال دوم۔ ملائکہ بوجہ لطیف ہونے کے سخت کام کیسے کرتے ہیں کہ ایک پیچ سے قوم ثور کے چیلے پھٹ گئے، قوم لوط کی بستی کو الٹ دیا۔

جواب۔ سائنس کی ایجادات بتاتی ہیں کہ لطافت کو قوت لازم ہے، بجلی سب سے زیادہ لطیف اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔

سوال سوم۔ یہ ہے کہ قلیل مدت میں زمین و آسمان میں مسافت کیونکر طے کرتے ہیں۔

جواب۔ ناسف جدید کی تحقیق یہ ہے کہ تیز رفتاری حرکت کی کوئی حد نہیں بجلی ایک منٹ میں زمین کے گرد پانچ سو مرتبہ گھوم سکتی ہے۔

سوال۔ ایمان باللہ ملائکہ کو ایمان بالرسول پر کیوں مقدم کیا حالانکہ رسولوں کی فیصلت علی الملئکہ متفق علیہ ہے۔

جواب۔ ایمان باللہ ملائکہ کو ایمان بالرسول پر اس لیے مقدم کیا کہ شریعت کا ثبوت رسالت

رسالت سے ہے اور رسالت ملائکہ پر موقوف ہے تو گویا ملائکہ موقوف ہوئے اور رسول موقوف ہوئے، تو موقوف ہمیشہ موقوف علیہ سے پہلے ہوتا ہے۔ لہذا فی ہذا المقام۔

قولہ وکتابہ۔ متعلقاتِ ایمان میں سے کتبِ الہیہ بھی ہیں حق تعالیٰ متعلین کاملین یعنی اہلبیاء علیہم السلام میں سے بعض پر اپنی مقدس کتابیں اور پاک صحیفے نازل فرمائے جو اللہ کے بندوں کے لیے نصابِ ہدایت تھے ان میں سے جن کتب و صحائف کا ثبوت طریقِ صحیح سے ہو گیا ہے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

کتب سادہ و دو قسم ہیں اول کتبِ کبیرہ جیسے قرآن مقدس، تورات انجیل، زبور۔ دوم کتبِ صغیرہ جیسے صحیفہ ابراہیم و موسیٰ، اس میں دونوں کتب مراد ہیں۔ کیفیتِ ایمان میں تین درجہ ہیں۔

اول اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو کتابیں اور صحیفے عطا فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں ان پر ایمان لانا ضروری، دوم، سوائے قرآن پاک کے تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے منسوخ ہونے پر یقین رکھنا۔ سوم، قرآن مقدس میں قیامت تک کسی قسم کے نسخ و تحریف واقع نہ ہونے پر ایمان رکھنا۔

قولہ ورسالہ۔ تحقیقِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کو بھی ماننا ضروری ہے۔

اَلرَّسُوْلُ الْاِنْسَانُ بِمَشَاوَرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی لِتَبْلِيْغِ  
اَلْاَحْكَامِ اِلَى النَّاسِ : محمدین حضرات نے رسول اور نبی میں مختلف فرق بیان کیے ہیں۔

فرق اول، نبی صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہے جب کہ رسول عام ہے انسانوں اور فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے۔

فرق دوم، رسول وہ ہے جو مستقل شریعت کا مالک ہو جبکہ نبی کے لیے مستقل شریعت کا ہونا ضروری نہیں، دوسری شریعت کے تابع بھی رہ سکتا ہے۔ یعنی فُکُلُ رَسُوْلٍ سَبِيْحٌ وَلَا عَاكِسٌ، مگر اس وجہ فرق پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام

صاحب شریعت مستفید نہ تھے لیکن اس کے باوجود قرآن مقدس میں ان کے بارے میں ہے  
وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا، اس لیے بہترین فرق وہ ہے جو عداوت و انطاہن تمیز کے کتاب  
النبیوات میں ذکر کیا ہے کہ نبی وہ ہے کہ جس کو اصلاح ناس کے لیے بھیجا گیا ہو۔ اور  
رسول وہ ہے جو بالذات مخالفین کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہو اور جس کو دشمنوں کے ساتھ  
مقابلہ کا حکم بھی ہو خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ کوفی ارشاد تقاری ص ۱۱ ج ۱

انسان جسم و روح سے مرکب ہے جیسے جسم کی نشوونما  
ترقی و تکمیل اور امراض جسمانیہ سے حفاظت کے لیے

### ضرورت رسالت

مختلف علوم و فنون کی ضرورت ہے غلط پید کرنے کے لیے کاشتکار، اوزار بنانے کے لیے  
لوہار، زیور گھڑنے کے لیے سنار، مکان بنانے کے لیے معمار یہ سب جسم کے خدام ہیں اسی  
طرح روح کی اصلاح اس کی نشوونما و ترقی و تکمیل کے لیے بھی مصلح کی ضرورت ہے  
اسی کو اصطلاح میں نبی کہا جاتا ہے اور اس کی نیابت میں یہ خدمت مجتہدین و علماء کے سپرد  
ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ روح و قلب کی اصلاح جسم کی اصلاح سے اہم ہے کیونکہ ہمارے  
تمام جسمانی قوی و اعضاء دل کے تابع ہیں وہی ان سب پر حکمرانی کرتا ہے اس کی درستگی سے  
پورا نظام زندگی درست ہو سکتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ »

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَنِفَاءٌ  
لِمَافِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (پاک یونی)

حدیث پاک میں ہے :-

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْفًا إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ  
كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (مشکوٰۃ ص ۱۱۷)

جس رب العالمین نے جسم کی اصلاح کے لیے اتنا کچھ کیا جو اس کی شان ربوبیت سے بہت  
بعید ہے کہ وہ روح کی اصلاح کے لیے کچھ نہ کرے۔

قوله وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - یوم الآخرۃ سے مراد قیامت کا دن ہے اس لیے کہ یہ  
آخر ایام دنیا ہے قیامت کے دن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وقوع پر اور اس میں

واقع ہونے والے واقعات پر نقیبین لکھا جائے۔

جیسے عادل بادشاہ ایک دن فرمانبردار رعایا کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اور نافرمان کو سزا دیتا ہے تاکہ تقاضا عدل

## قیامت کا عقلی ثبوت

پورا ہوا اسی طرح احکم الحاکمین اور سب سے زیادہ عادل ذات نے دنیا میں قانون بھیجا، انبیاء بھی بعض لوگوں نے اطاعت کی، بعض نے نافرمانی کی، مگر دنیا میں بھی کبھی سزا و جزا مل جاتی ہے لیکن بہت کم، یہاں تک وید سب ملے جلتے ہیں بلکہ بعض اوقات بُرے خوش حال اور نیک پریشان حال ہوتے ہیں۔ لہذا ضروری ہوا کہ دنیا کی زندگی کے بعد دوسری زندگی ہو تاکہ ہر ایک کا حساب ہو اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے۔ اس لیے روز قیامت کا نام بھی یوم الدین رکھا گیا۔ سُرَّةُ الْاٰتِیْنِ میں اسی استدلال کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَمَا یُکَذِّبُکَ بِمَا لَدَیْنَا اَلِیْسَ اَلْاٰتِیُّ بِاَحْکَمٍ وَّاَحْکَمِیْنِ﴾ پھر ان پانچ ایمانیات یعنی ایمان مذکورہ بالا کا ذکر قرآن پاک میں متعدد جگہ آیا ہے۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہے:-

وَالَّذِیْنَ اٰتٰیوْا مِّنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَعَدَّ مَلٰٓئِکَتُهٗ وَاَلْکِتٰبِ وَالنَّبِیِّیْنَ (پ)، وَفِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ، وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَیُؤْمَرِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا کَبِیْرًا (پ)

قَوْلُهُ وَقَوْمٌ مِّنْ یَّاْتَقْدِرُ خَیْرًا وَشَرًّا۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے خیر یا شر سب کا ایک اندازہ ہے جو اللہ پاک کے ہاں مُقَدَّر و مُعَیَّن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدر کا معنی اندازہ ہے کیونکہ اللہ پاک نے ازل کے اندر ہر چیز کا اندازہ لگا دیا۔ اس اندازے کو تقدیر کہتے ہیں قرآن پاک میں ہے: ﴿قَدَرًا فَهَدٰی﴾۔

کہ بقیہ جُلُوں کا عامل تو ذکر نہیں کیا یعنی مَلَاٰئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ کے ساتھ تو قَوْمٌ مِّنْ عامل نہیں لگا یا صرف تقدیر کے مسئلہ میں عامل متعلق ذکر کیا۔

## سوال

کہ تقدیر کا مسئلہ مُرْتَبِعُ الْاَقْدَامِ مسئلہ ہے بہت سے علماء اس میں سے افراد و تفریط کا شکار ہو گئے تو بطور تاکید ذکر فرما کر اشارہ فرمایا کہ کچھ موش کے ساتھ قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ باب الایمان بالقدر میں کی جائیگی۔

## جواب اول



صاحبِ مرقات ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرق اس طرف اشارہ ہے  
**جواب دوم** | کہ پہلی چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کرنا کفر کو مستلزم ہے لیکن تقدیر  
 کا انکار کفر کو مستلزم نہیں۔

قوله فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ - جبریل امینؑ کا تیسرا سوال احسان  
 کے متعلق ہے۔ شارحین حدیث نے احسان کی تشریح بڑی اہمیت سے کی ہے واقعی یہ مستحق  
 اہمیت ہے کیونکہ احسان کا آل انکبیل عبارت ہے یہاں بطور اختصار احسان کا لغوی و اصطلاحی  
 معنی بیان کیا جاتا ہے۔

احسان باب افعال کا مقدر ہے اس کا مجرد حسن ہے اس کا  
**احسان کا لغوی معنی** | استعمال دو طرح سے ہے (۱) کبھی متعدی ہوتا ہے کہا جاتا  
 ہے أَحْسَنْتُ شَيْئًا اِی أَنفَعْتُہُ یعنی میں نے اس چیز کو مضبوط اندھن و کمال والا کر دیا  
 (۲) کبھی متعدی بغیر ہوتا ہے کہا جاتا ہے أَحْسَنْتُ اِلٰی فُلَانٍ اِی اَوْصَلْتُ اِلَیْہِ النِّفَعِ  
 میں نے اس پر احسان کیا اور اس تک نفع پہنچایا۔ ظاہر ہے کہ یہاں پہلا معنی مراد ہے یعنی عبادت  
 میں نچستگی کمال اور حسن پیدا کرنے کا اہتمام کرنا۔

حدیث جبریل امینؑ میں احسان کی جن الفاظ میں تعریف  
 کی گئی ہے علماء اور محدثین میں زیادہ تر مشہور دو شرحیں ہیں  
**احسان کا اصطلاحی معنی** |

اول حافظ ابن حجرؒ کی شرح | شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۱۱۱  
 میں جو شرح کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں دو حالتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اول مشاہدہ دُور مراقبہ  
 ارفع حالت مشاہدہ ہے کہ اس طرح عبادت کرے کہ دل کی آنکھوں سے معبود پاک کا مشاہدہ کرے  
 یہ دھیان اس قدر غالب ہو کہ گویا ظاہری آنکھوں سے اس کو دیکھ کر عبادت کر رہا ہے۔ اس حالت  
 کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کافک تَوَاضَع : دوسرے درجہ کی حالت مقام مراقبہ ہے یعنی دل میں یہ استحضار پورے  
 طور پر ہے کہ حق تعالیٰ اس پر مطلع ہیں اس کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں۔

فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرًّا فَإِنَّهُ يَزَالُ عَاشِرًا هُوَ كَرِيمٌ دُونِ مَا نَتَيْسَ لِلَّهِ تَعَالَى كِي مَوْتِ اور  
خسیت کا ثمرہ ہیں۔ چنانچہ حضرت عمارہ بن قنقاع کی روایت کے الفاظ اس کے مؤید ہیں :-  
أَنْ تَخْشَى اللَّهَ مَا تَكُنْ شَرًّا (کنز فی التعلیق)

مُتَقَبِّسٌ مِنْ شَرْحِ الشُّلْمِ لِلنُّوَوِيِّ مَجْلَد ۲ فرماتے ہیں  
کہ یہاں دوسرے جے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی بات بیان

## دوم مسئلہ نووی کی شرح

کرنی مقصود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں آداب، خشوع و خضوع کی رویت اس انداز  
سے کرو جیسا کہ اپنے معبود کو دیکھ رہے ہو۔ مثال کے طور پر کوئی درباری خادم جب بادشاہ کے سامنے  
اس کو دیکھ کر اس کی خدمت کر رہا ہو تو خدمت میں جن آداب و توجہات کا معاہدہ کرے گا وہ بالکل  
ظاہر ہے۔ یونہی جب مولیٰ کریم کو دیکھنے کی حالت میں عبادت کرے گا تو عاجزی انتہائی درجہ کا  
بلک پہنچ جائے گی۔

سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں حق تعالیٰ کو دیکھنا تو خلاف واقع ہے تو پھر یہ  
تصور کیسے ہو سکتا ہے کہ جو اس کو دیکھ کر اس کی عبادت کر رہے ہیں۔

## سوال

تو اس کا جواب "فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرًّا فَإِنَّهُ يَزَالُ" میں ہے جس کا حاصل

## جواب

یہ ہے کہ اگرچہ تو اس کو نہیں دیکھ رہا تب بھی احسانی کیفیت عبادت میں ہوتی  
چاہیے اس لیے کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے تو گویا کہ عبادت کا منشاء تمہارا اس کو دیکھنا نہیں بلکہ اس کا  
نہیں دیکھنا ہے اور یہ بات بہر صورت اور ہر حال حاصل ہے تقدیر حدیث یوں ہوگی :-

"فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ شَرًّا فَإِنَّهُ يَزَالُ عَاشِرًا هُوَ كَرِيمٌ دُونِ مَا نَتَيْسَ لِلَّهِ تَعَالَى كِي مَوْتِ"

دنیا میں ظاہری آنکھوں سے رویت باری تعالیٰ کا وقوع نہیں ہوگا اس لیے

کلمہ تشبیہ کا کث استعمال کیا گیا ہے۔ مشاہدہ سے مراد ظاہری آنکھوں سے

دیکھنا نہیں ہے بلکہ دل کی نگاہ سے دیکھنا اور اس کا یقین کرنا ہے۔

مشاہدہ و مراقبہ کے درجات نفس صحت عبادت کے لیے شرط نہیں بلکہ

حُسن قبولیت کے لیے شرط ہیں۔ نفس صحت کے لیے جو شرط ہیں ان کی رعایت

## فائدہ ثانیہ

ہی کافی ہے۔

قوله **أَنْتَ تَعْبُدُ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ**۔ اس عبارت میں **كَأَنَّكَ تَرَاهُ** مفعول مطلق محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں ہے :-  
**أَنْتَ تَعْبُدُ اللَّهَ عِبَادَةً شَبِيهَةً لِّعِبَادَتِكَ حِينَ تَرَاهُ**، اسی طریقہ پر **فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمْ كُنْ تُرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ** میں تقدیر عبارت یوں ہے :-  
**فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمْ مَعْلُومًا مِّمَّنْ مَلَائِكَ حِينَ تَرَاهُ فَمَا مِنْ مَعْلُومٍ مِّمَّنْ مَلَائِكَ حِينَ يَرَاكَ**  
**فَإِنَّهُ يَرَاكَ**۔ مزید بحث ہر جگہ ہے۔

قوله **فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ** : یعنی قیامت کے متعلق مجھے بتائیے  
 رکب آئے گی، مطلق وقوع کا سوال نہیں کیونکہ وہ تو قطعی ہے اور یہ پہلے **وَالْيَوْمِ الْآخِرِ** میں آچکا ہے  
 اس سے وقت قیامت مراد ہے۔ مسند اعظم کے الفاظ یوں ہیں **مَتَى هِيَ** کہ قیامت کا وقوع کب ہے  
 بخاری شریف کے الفاظ ہیں **مَتَى السَّاعَةُ** کہ قیامت کب ہے۔ **سَاعَةً** کے لغوی معنی ایک  
 گھنٹہ کے ہیں اور قیامت کو **سَاعَةً** پکار دجہ سے کہتے ہیں۔

۱۔ اس لیے کہ قیامت کا وقوع صرف ایک گھنٹہ میں آچا نک ہو جائے گا کما فی قولہ تعالیٰ  
**لَا تَأْتِيكُمْ بَعْدَهُ سَاعَةٌ**۔ (پک)

۲۔ قیامت کو **سَاعَةً** سرعت حساب کی وجہ سے کہا جاتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے  
 ۳۔ اس وجہ سے کہ قیامت کا پورا زمانہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ مخلوق کے نزدیک  
 ایک گھنٹہ ہے۔

۴۔ نیک فانی کی وجہ سے قیامت کا دن ایک گھنٹہ میں گزر جائے گا۔

قوله **مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمُ مِنَ السَّائِلِ** : جبریل امینؑ نے  
 جو تھا سوال یہ کیا کہ **فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ** آپ مجھے قیامت رک کی تعیین تاریخ کے  
 متعلق خبر دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمُ مِنَ**  
**السَّائِلِ**۔ **مَا** نانیہ سے **الْمَسْئُولُ** اس کا اسم اور **أَعْلَمُ** صیغہ اسم تفضیل اس کی خبر ہے۔  
 اس پر بازائدہ ہے اور تاکید نفی کے لیے ہے **الْمَسْئُولُ** پر الف لام بمعنی **الَّذِي** ہے مسئلہ میں  
 ضمیر مستتر ہے جو اس کا نائب فاعل ہے اور موصول کی طرف راجع ہے اور **عَنْهَا** کی ضمیر **سَاعَةً** کی طرف

راجع ہے ترجمہ یوں ہوگا "وہ شخص جس سے سوال کیا گیا ہے اس قیامت کے بارہ میں سائل سے زیادہ علم رکھنے والا نہیں"۔ نفسِ علم کی نفی نہیں فرمائی بلکہ اعلیت کی نفی فرمائی ہے اس لیے کہ وجودِ سماعت کا جزوی علم دونوں کو ہے لیکن کب آئے گی اس کا علم دونوں کو نہیں تعین وقت کے نہ جاننے میں دونوں برابر ہیں۔

یہ کہ مقتضی ظاہر یہ تھا کہ نَسْتُ بِأَعْلَمَ بِهَا مِنْكَ فرمادیتے یا مُطْلَقًا لَا أَعْلَمُ کہہ دیتے کیونکہ یہ تعبیر زیادہ مختصر ہے اور مطلب میں واضح ہے اتنا لبا جلد کیوں ذکر فرمایا؟ اس تعبیر سے عدل کر کے تعبیر مذکور فی الحدیث اختیار کرنے سے مقصد تعلیم کرنا ہے کہ کوئی سائل نہ جائے کوئی مسئلہ نہ جائے اس کے نہ جاننے میں سب برابر ہیں اس لیے محدث عبدالحق دہلوی اشتقاقیات مللج اپر اس کا معنی کرتے ہیں :-

من وقہر دیر بریریم در نادانستن آن بلکہ ہر سائل و مسئلہ میں حال دار و دہ آں راجز خداوند تعالیٰ کہے نہ اند و وسے تعالیٰ هیچ کس را از ملائکہ در مل برآں اطلاع ندارد ۔ جب جبریل علیہ السلام کو پہلے سے علم تھا کہ آپ ﷺ علیہ السلام کو قیامت، قیام قیامت کے وقت کا علم نہیں پھر کیوں پوچھا

**سوال** جواب اول : اس لیے پوچھا کہ لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ ظاہر ہو جائے اور آئندہ کے لیے سوال کا دروازہ بند ہو جائے۔  
**جواب دوم** : اس بات پر تنبیہ کی کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے مُشْتَقُّ لَا دَیْرَی کہنے میں غارتہ کرنی چاہیے۔

بریلوی فرقہ سوال کرتا ہے کہ مان لیا نہ جاننے میں برابر ہیں مگر نفی علم ذاتی کی ہے عطائی کی نہیں ہے۔

**سوال** جواب : جبریل علیہ السلام نے پانچ سوال کیے سائل بھی ایک مسئلہ بھی ایک، مجلس بھی ایک۔ پانچ میں سے چار کا جواب دیا مگر ایک کا جواب نہیں دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ سائل نے جو حضرت ﷺ علیہ السلام سے پانچ سوال کیے تھے تو سائل کا مقصد کیا تھا کہ اپنے ذاتی علم سے بہت لایا عطائی علم سے؟ سوال کس علم کا تھا؟ اگر کہو کہ ذاتی علم کا تھا تو ذاتی علم حضور ﷺ علیہ السلام سے

کو کچھ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ نبی کا ہر علم منجانب اللہ ہوتا ہے بہر حال سوال ہو گا تو عطائی علم کا ہو گا۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چار چیزوں کا علم عطائی تھا وہ بتلا دیا ایک کا عطائی بھی نہیں تھا اس لیے نہیں بتلایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمدؐ عبدالحق دہلویؒ نے معنی کیا ہے:

”دوسے تعالیٰ پیچ کس را از ملائکہ در سل بر آں اطلاع ندارد نہ اشعۃ اللغات ص ۱۶۱

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے کہ قیامت کا علم کسی کو نہیں اور عقیدہ قطعی چیزوں سے ثابت ہوتا ہے اور یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد قطعی ہوتی ہے۔

**سوال**

کہ یہ حدیث متواتر ہے اگر متواتر نہ بھی تسنیم کر دو خبر مشہور ہے خبر واحد نہیں ہے اور عقیدہ خبر متواتر اور مشہور دونوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔

**جواب**

قَوْلُهُ فَأَخْبِرُنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا - أَمَارَاتُ امَّارَةٍ بِالْفَتْحِ كِي جمع ہے بمعنی علامت: حضرت روح القدس کا پانچواں سوال یہ ہے کہ مجھے قیامت کی امارات و علامات ہی بتا دیجئے علامات قیامت دو قسم ہیں۔

اَوَّلُ مُتَّصِلَةٌ - وہ علامات جو قیامت کے قریب وقوع پذیر ہوں جیسے خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام، خروج دابۃ الارض ان کو علامات کبریٰ بھی کہتے ہیں۔

دَوِّمُ مُتَّفَصِّلَةٌ - جو ان سے پہلے ہوں ان کو علامات صغریٰ بھی کہتے ہیں ان میں آپ کا وجود مسود بھی داخل ہے اس لیے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرا وجود بھی قیامت کی ایک نشانی ہے اور عسکری امارات سے علامات صغریٰ مراد ہیں۔

قَوْلُهُ أَنَّ مَثَلَهُ لَا مَثَرَةَ رَبَّتْهَا - حضرت روح القدس کے پانچویں سوال

کے جواب میں مخبر صادق صلی علیہ وسلم نے دو نشانیاں بیان فرمائیں

یہ بیان فرمائی کہ ”أَنَّ مَثَلَهُ لَا مَثَرَةَ رَبَّتْهَا“ جنے گی لوٹدی اپنی مالکہ کو۔

رَبَّتْهَا میں روایت تین طرح ہے۔ (۱) رَبَّتْهَا (۲) رَبَّتْهَا (۳) رَبَّتْهَا

**پہلی نشانی**

(۱) رَبَّتْهَا: یہاں رب سید اور مالک کے معنی میں ہے اور خاوند کے معنی میں بھی مستعمل ہے یہاں دوسرا معنی سید و مالک مراد ہے۔ رَبَّتْهَا میں کئی احتمال ہیں:

۔ یہ کہ یہ تار اس بنا پر لائی گئی ہے کہ اس کا موصوف نسبتاً بلفظ ہے جو مؤنث ہے اس میں نر

و مادہ دستید، ستیدہ، دونوں داخل ہیں۔

۲۔ یہ کہ یہ تاء ربت بمعنی رکت العباد ہے اور ربت بمعنی مالک دستید میں فرق کرنے کے لیے ہے۔ اضافت کے بعد اگرچہ ربت کا اطلاق غیر اللہ پر جائز ہے تاہم تاء لانے کے بعد التباس کی جڑ کٹ گئی ہے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ تاء اپنے اصلی معنی میں ہے اس سے مراد جہنی ہوئی بنت ہے جو ستیدہ و مالک کی طرح ہے گی اس میں جہالہ ہوگا کہ جب ٹرنٹ (پیچوں) کا یہ حال ہوگا تو مذکر (بچے) جو عام طور پر آزاد ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ اس علامت کی تشریح شارحین نے مختلف انداز سے بیان کی ہے۔ یہاں صرف وہی دونوں مطلب پیش کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے جو اسہل و اقرب الی الصواب خیال کیے جاتے ہیں۔

یہ جملہ ثمرات عقوق والدین سے کنایہ ہے یعنی اولاد ماں باپ پر یوں حکم چلائے گی جیسے مالک ممنوک پر چلاتا ہے حتیٰ کہ لڑکی جس کو ماں کے ساتھ ایک خاص محبت ہوتی ہے وہ بھی ماں کو اپنی لڑکائی کے درجہ میں سمجھے گی جیسا کہ آج کل عام طور پر گھروں میں مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ لڑکوں کا حال خود سمجھ لیں۔

یہ کنایہ ہے انقلاب دھرو اور انکسائیں احوال سے یعنی بڑے چھوٹے جہانیں اعلیٰ اسافل بن جائیں گے اور اسافل اعلیٰ ہو جائیں گے۔ اصول، افروغ، اور افروغ، اصول، محکوم، محکوم، محاکم۔ حالات میں عجب پلٹا آئے گا، ہر طرف قلب موضوع کی صورتیں نظر آئیں گی۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ ہر کام نا اہلوں کے سپرد ہوگا، اہل لوگ مناصب سے محروم ہوتے رہیں گے۔

صحیح بخاری شریف کتاب العلم کی حدیث مرفوعہ میں اسی طرف اشارہ ہے: «إِذَا وُتِّدَ الدُّمُورُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَا نَتَلَدِرُ الشَّاعَةَ» جب کام نا اہلوں کے سپرد کیے جانے لگیں تو قیامت کے منتظر رہو اس لیے کہ قیامت تخریب اکبر کا نام ہے۔ قال الحافظ شیرازی:

ابن چہ خود ریت کہ در دور قری می بینم  
اسپ نازی شدہ زیر پالان مخرج  
پسراں را سر بسر خلافت پدری بینم  
ظوق زریں ہمد در گردن خرمی بینم

یَقُولُ ابُو الاسْعَاد : معاشرہ میں جنسی بے راہ روی کا عام ہونا مراد ہے۔ یعنی مرد و زن انسانی پابندیوں کو توڑ ڈالیں گے اور ان سے ایسے بچے بکثرت پیدا ہوں گے جن کو اپنے والدین کی خبر نہیں ہوگی، پھر وہی بچے بڑے ہو کر لاعلمی میں اپنی انہی ماؤں کو ملازم و نوکرانی بنائیں گے جنہوں نے ان کو جانتا تو سمجھ لو کہ قیامت قریب آگئی ہے۔

**قَوْلُهُ وَإِنْ تَدْرِي الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ النَّسَاءَ رُعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوُلُونَ فِي الْبُشْيَانِ** : یہاں دوسری نشانی بیان فرمائی ہے۔ حُفَاةَ : حافی کی جمع ننگے پاؤں والے یعنی جس کی جوتی نہ ہو۔ الْعُرَاةَ : عاری کی جمع ہے یعنی ننگے بدن والے۔ ان کے بدن کا بعض ایسا حصہ بھی ننگا ہے جس پر کپڑا ہونا چاہیے تھا۔ عَالِيَةً : عَائِل کی جمع ہے یعنی مفلس لوگ۔ رُعَاءَ : رَاعِي کی جمع ہے یعنی بکریوں کے چرواہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے رُعَاةُ الْاِبِلِ الْبَهْمِ كَالِ اَوْتُولِ کے چرواہے جو سرخ اونٹوں کے مقابلہ میں خسیس سمجھے جاتے ہیں۔ الشَّاءُ اسم جنس باجمع ہے شِاءَہ کی یعنی بکریوں کے چرانے والے يتَطَاوُلُونَ مضارع ہے تطاول سے یعنی فز کرنا۔ الحُفَاةُ الْعُرَاةُ النَّسَاءُ رُعَاءُ الشَّاءِ : تری مفعول اول ہے اور يَتَطَاوُلُونَ مفعول ثانی ہے اگر یہ رویت قلبیہ ہے اور اگر یہ رویت بصریہ ہے تو یہ حال ہوگا۔

**الْحَاصِلُ** : یہ کہ بھوکے ننگے بکریوں کے چرانے والے ارذال و اسافل جب اونچے اونچے محلوں میں بفر کر رہے ہوں گے اور کم ظرفی کی بنا پر اسی کو اپنا مقصود زندگی سمجھ رہے ہوں گے تو سمجھنا کہ قیامت قریب ہے اس کا مال بھی وہی نکلتا ہے جو پیہ جمد کا حاصل تھا۔ فَلْيَنْتَظِرِ السَّاعَةَ !

یَقُولُ ابُو الاسْعَاد : بطور ظرافت طبع جملہ مذکورہ کا بہترین معنی اخذت عبد الحق دہلوی نے اشۃ المعات میں فرمایا ہے صریح میں فرماتے ہیں :-  
لے مخاصب برہنہ پایان برہنہ تان فقر ابرائندگان گو سفندان۔

**قَوْلُهُ فَلْيَنْتَظِرِ مَلِيًّا بَفْتَحِ الْمِيَمِ وَتَشْوِيْدِ الْيَاءِ مِنَ الصَّلَاةِ**  
ای زَمَانًا طَوِيلًا كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى فِي قِصَّةِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ

عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا اِبْرَاهِيْمُ لَنْ لَمْ تَنْتَه  
لَا رَجْمَتَكَ وَاهْ جَزِيْلٌ مَلِيًّا : قَالَ السَّمُوطِيُّ دَهْرًا طَوِيْلًا

**سوال** ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب الادب باب فی القدر اور سنی شریف کی روایت میں اس کی تعبیر میں موجود ہے کہ تین دن کے بعد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کہ یہ سائل جبریل امین تھے۔

قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَمَّ شِئْتَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ هَلْ تَذَرِعُ  
مِنَ السَّائِلِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ  
أَتَاكُمْ لِيُخْبِرَكُمْ بِشَيْءٍ

اور یہ مخالف ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے کہ آپ نے اسی مجلس میں فرمادیا تھا (کافی التلخیص)

یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے سوال و جواب کے بعد حضرت عمرؓ فرماتے  
**جواب** کسی ضروری امر کے لیے مجلس سے چلے گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
دوسرے حاضرین مجلس کے سامنے بتلادیا کہ یہ جبریل امین تھے۔ پھر تین دن کے بعد حضرت عمرؓ  
تشریف لائے تو ان سے پھر مستقل طور پر فرمایا۔

فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ لِيُخْبِرَكُمْ بِشَيْءٍ فَلَا اخْتِلَافَ وَلَا تَعَارُضَ

قَوْلُهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَغْلَمُ : الشَّرُّورُ اس کے رسول ہی بہتر جاننے میں

بعض ثبت عین اس سے استدلال کرتے ہیں کہ علم باری تعالیٰ اور علم رسولؐ دونوں  
مساوی ہیں تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب کی ثابت ہوا۔

**سوال** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال جبریلؑ کی معرفت کے متعلق تھا لہذا جواب بھی  
جبریلؑ کی معرفت ہی کے متعلق ہے۔ تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم  
**جواب** علم جزئی ثابت ہوا کہ علم کلی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور رسولؐ کا علم متناہی ہے پھر دونوں  
کے علم میں مساوات کس طرح ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهُ لِيُخْبِرَكُمْ بِشَيْءٍ : اس سے دین کے قواعد کلیہ مراد ہیں۔



**سوال** - تعلیم دین کی نسبت جبریل علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حقیقی معلم تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **يُكَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** :

**جواب اول** - تعلیم دین کی نسبت جبریل علیہ السلام کی طرف بجا زاوجہ سبب ہونے کے کہ دی گئی کیونکہ ان کا سوال دین کے سکھانے کا سبب ہوا تھا اس لیے فرمایا **يُكَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ** **جواب دوم** - حسن سوال نصف العلم کے اعتبار سے **يُكَلِّمُكُمُ** کی نسبت جبریل علیہ السلام کی طرف کی ہے جیسا کہ مشہور ہے **السُّؤَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ** :

**يَقُولُ** شیخ جاجزوی رحمہ القوی : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں سوالوں کو دین فرمایا یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر ان میں سے کوئی کسی ایک کو نہیں مانتا تو وہ مؤمن نہیں بلکہ بے دین ہے۔

**قَوْلُهُ الصُّؤَالُ الْبُكْمُ** - **السُّؤَالُ** عَنْ قَبُولِ الْحَقِّ **الْبُكْمُ** عَنْ النَّاطِقِ بِالْإِثْقَاقِ : بعض شراح نے اس کو بے وقوفی سے کہنا یہ بنایا ہے اور عند بعض کہنا یہ ہے بے دینی سے یعنی دین سمجھنے اور سننے سے قاصر ہوں گے۔

فرقہ بریلویہ غلطہ کہتا ہے کہ یہ حدیث جس میں نفی علم قیامت ہے منسوخ ہے۔ **سوال** لہذا منسوخ سے عدم علم پر کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے ؟

**جواب اول** دعویٰ منسوخیت دُود جوہ سے باطل ہے۔ **اَوَّلًا** : ہر منسوخ کے لیے ناخ کا ہونا شرط ہے۔ یہاں کون سی روایت ہے جو ناخ کا درجہ رکھتی ہے اور جس میں صراحۃً شارع علیہ السلام کا فرمان ہو کہ مجھے علم قیامت کی طور پر عطا کیا گیا ہے۔ ثانیاً قرآن مقدس ان کے دعویٰ منسوخیت کی تردید کرتا ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے بطور استشہاد آیت مبارکہ **تَذَكَّرْتُمْ** فرمائی **إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عَلِمُوا لَمَّا عَلِمُوا** :

اس میں اتفاق ہے کہ آمد مائل کا دُود جمعۃ الوداع سے چند دن پہلے وقوع پذیر ہوا اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ جمعۃ الوداع کے بعد تکمیل دین ہوئی۔ **جواب دوم** اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہوا۔ جب سلسلہ وحی ختم ہو گیا تو نسخ کا قول کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت عسکریؑ کی روایت ہے۔

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ فِي الْخَيْرِ عُمَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اس کے متعلق علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں :-

هَذَا يَكُونُ عَلَى أَمَثِهِ الْمَاجَاءُ بَعْدَ أَنْزَالِ جَمِيعِ الْأَحْكَامِ لِتَفْسِيرِ زِيَادَةِ الدِّينِ ، لِغَيْرِ دِينٍ كَمَنْ جَمَعَ أَحْكَامَ كَيْ تَكْمِيلُ كَيْ بَعْدَ تَشْرِيفِ لَاسْتِ . مقصد اور تعلیم کو بچتے کرنا تھا تو اب رخ کیسے ہو سکتا ہے ۔ کما قالہ حافظ ابن حجر :-

الْمَاجَاءُ بَعْدَ أَنْزَالِ جَمِيعِ الْأَحْكَامِ :

قَوْلُهُ فِي خَمْسٍ : اس کا مبتدا محذوف ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ "يَعْلَمُ قِيَامَ السَّاعَةِ دَاخِلٌ فِي خَمْسٍ قَوْلُهُ تَعَرَّفْنَا" إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنْزِلُ الْفَيْثُ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا شَدَّرِي نَفْسُ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَلِيهِ نَفْسُ يَأْتِي أَرْضُهَا تَمُوتُ وَرَقَطَانِ بِتِ

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہی ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضمون سابق کی تائید و استشہاد کے طور پر سورۃ لقمان کی آخری آیت تلاوت فرمائی ۔ قرآن کی ضمیر کا مرجع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ صحیح بخاری شریف ص ۱۶۱ پر صراحت یہ الفاظ ہیں "شَقَرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ" اس سے قبل حدیث میں یحسین مائتہ کے علم کی نفی غیر اللہ سے کی گئی ہے "إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ" میں اس کی تائید ہے ۔ عندہ خبر مقدم ہے ، عِلْمُ السَّاعَةِ مبتداء مؤخر ہے جملہ بن کر ان کی خبر ہے تقدیم خبر اس مقام میں افادہ خبر کے لیے ہے جیسا کہ مفسرین حضرات نے تصریح فرمائی ہے ترجمہ یہ ہوگا کہ یقیناً قیامت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اس سے ثابت ہوا کہ اعطاء علی صرف حق تعالیٰ کی شان ہے ۔

يَقُولُ شَيْخُ جَاوِدِي رَحِمَهُمُ الْغَوِيُّ : آیت مبارکہ میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے مگر مقصود محض نہیں غالباً چونکہ سوال ان ہی پانچ چیزوں کے متعلق تھا اس لیے آیت میں انہی پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ۔ یعنی اکوان غیبیہ کا علم کئی تفصیلی اور محیط الشرب العزت کے ساتھ مخصوص ہے اگر کسی کو ان کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ

خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ مثلاً شاہ منصور خلیفہ عباسی نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ میری عمر کتنی ہے تو ملک الموت نے پانچ انگلیوں سے اشارہ کیا۔ مبعوثین سے اس کی تعبیر پوچھی کسی نے پانچ برس اور کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ دن سے اس کی تعبیر دی۔ لیکن امام اعظمؒ نے اس کی تعبیر یہ دی کہ اس اشارہ سے آیت مذکورہ کی طرف اشارہ ہے۔ اِنَّ اَشَدَّ عِنْدَكَ عَلَيْهِمُ الْمَسَاعِرُ الخ کہ ان پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

يقول ابو الاسود صانه الله عن الشتر والفساد : حديث مذکورہ جو کلام الاحکام ہے اور اتم السنۃ کا درجہ رکھتی ہے اس سے فوائد کثیرہ کا استنباط ہوتا ہے چند بطور مشتمل از غرر اکبر پیش خدمت ہیں :-

## فوائد مستنبطہ

- ① طالب علم کو صاف مستحضر رہنا چاہیے۔ بدلیل لا یُرَى عَلَیْهِ اَشْرَانُ تَغْبِرُ :
- ② اپنے استاذ و شیخ کے سامنے باادب بیٹھنا چاہیے بدلیل و وضع کفّیہ :-
- ③ جہاں تک ہر کے شیخ کے قریب بیٹھنے کی کوشش کی جائے بدلیل حتی جَلَسَ اِلَى الشَّيْخِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :
- ④ سفید لباس سب سے عمدہ ہے بالخصوص دینی طالب علم کے لیے بدلیل رَجُلٌ سَبِيحٌ :
- ⑤ تحصیل علم کا اصلی وقت جوانی کا زمانہ ہے بدلیل شَدِيدٌ سَوَادُ الشَّعْرِ :
- ⑥ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر حیات تک بھی علم غیب کی محیط حاصل نہ تھی بدلیل :- مَا اَلْمُسْتَوَلُونَ عَنْهَا يَا عَلَمُو مِنَ السَّائِلِينَ :
- ⑦ ملائکہ پر ایمان نہ نافرمان ہے بدلیل اَنْ تُوْمِنَ بِاللّٰهِ وَصَلَاةِ رُسُلِهِ :
- ⑧ عبادات میں صرف صورت پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ان میں احسانی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے بدلیل : اَنْ تَبْتَغِيَ اللّٰهَ كَمَا تَنْتَظِرُ لِقَاءِ لَوْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ :
- ⑨ طریقت کوئی الگ چیز نہیں بلکہ یہ شریعت کی روح ہے وغیر ذلک :-

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنِي الْإِسْلَامُ  
عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةٌ أَنْ لَا إِلَهَ  
إِلَّا اللَّهُ

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ سے مروی  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی  
ہے۔ (۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تم  
کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں

قوله خَمْسٍ - خَمْسٍ عدد تمييزی کی تین محذوف ہے خواہ دعا ہو،  
چنانچہ بعض روایات میں صراحت یہ لفظ ہے یا خصال یا قواعد مانا جائے سب صحیح ہیں۔ مسلم شریف  
میں خَمْسَةٌ بالتانیث ہے تو اس وقت اشیاء یا اکان یا اصول ماننا بہتر ہے لیکن عند تحقیق  
معدود غیر مذکور کی صورت میں عدد کی تذکرہ تانیث میں اختیار ہے۔

شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ معطوف علیہ ہے اور أَقَامَ الصَّلَاةَ، إِشَادَةً لِّلْوَثَاقِ  
الْحَبَّةِ، صَوْمَ رَمَضَانَ یہ لفظ شَهَادَةُ سے معطوف ہیں۔ اور اس کے  
چار معطوفات کے اعراب میں تین افعال ہیں: (۱) خَمْسٍ سے بدل ہونے کی بنا پر ان پر خبر ہے۔  
(۲) مُبْتَدَأُ مَحذُوفٌ کی خبر ہونے کی بنا پر ان پر رفع ہے اور وہ مُبْتَدَأُ مَحذُوفٌ ہی ہے یہ سب مل کر  
اس کی خبر ہیں، یا ہر ایک کا الگ الگ محذوف ہے۔ أَحَدُهَا شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ -  
ثَانِيهَا أَقَامَ الصَّلَاةَ، عَلَى هَذَا الْقِيَاسِ - (۳) سب پر نصب ہے بتقدیر اَعْنَى -

قوله أَقَامَ الصَّلَاةَ : أَقَامَ باب افعال کا مصدر ہے اس میں داؤد محذوف کے  
عوض آخر میں تار لائی جاتی ہے مگر یہاں طول عبارت کی وجہ سے اس کو حذف کر دیا کیونکہ مضامین  
داؤد محذوف کا عوض بننے کے لیے کافی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ تار کا حذف تخفیف کی بنا پر ہو۔  
اس حدیث میں اسلام کو ایک خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو

مطلب حدیث | درمیان میں کھڑے ہونے والے ستون (قطب) اور چاروں طرف

چار طلباء پر قائم ہوتا ہے۔ جب تک وہ درمیانہ ستون نہ ہو تو خیمہ قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور بقیہ چار طلباء اس کے معاون ہیں اگر وہ نہ ہوں تو خیمہ تو ہو گا مگر ناقص ہو گا اور کسی وقت خیمہ گرنے کا اندیشہ ہے، اسی طرح عمارتِ اسلام ان پانچ چیزوں سے مکمل ہوتی ہے ان میں کلہ تو حیدر بمنزلہ مرکزِ قطب کے ہے اگر وہ نہیں تو اسلام کا وجود ہی نہیں رہتا۔ اور بقیہ ارکان بمنزلہ طلباء کے ہیں اگر ان میں سے ایک نہ ہو تو اسلام میں نقصان ہو گا۔

سوال۔ اسلام کو خیمہ کے ساتھ کیوں تشبیہ دی جا رہی ہے؟

جواب۔ اس کی دو وجوہ ہیں

**وجہ اول** اسلام کو خیمہ کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ جس طرح انسان خیمہ کے اندر داخل ہونے سے ہر قسم کے داخلی و خارجی دشمنوں کے حملے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نیز گرمی و سردی سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح انسان جب کامل اسلام کے اندر داخل ہو جاتا ہے تو داخلی دشمن (نفسِ امارہ) اور خارجی دشمن (شیطان) کے حملے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ نیز دوزخ کے طبقہ ناریہ اور طبقہ زمھریر سے محفوظ ہو جائے گا۔

**وجہ دوم** دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے اجزاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) یہ کہ جو تقویم کی حیثیت رکھتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو وہ چیز وجود میں نہیں آ سکتی۔ (۲) دوسرے وہ جو تکمیل کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوں تو وہ چیز وجود میں تو آجائے گی مگر ناقص ہوگی۔ تو یہاں کلہ تو حیدر اسلام کے اجزاء مقومہ ہیں اور بقیہ اجزاء کے مکملہ ہیں۔

سوال۔ یہ ہے کہ شہادت و عدانیت اور شہادت و عدانیت دو مستقل چیزیں ہیں لہذا بنیادی ارکان اسلام چھ ہونے نہ کہ پانچ جب کہ حدیثِ پاک میں خمس ہے۔

جواب۔ شہادت و عدانیت بغیر شہادت و عدانیت معتبر نہیں لہذا شہادۃین بوجہ تلازم کے گویا دونوں ایک ہیں (کشافی اتصال لازم والصلۃ دم)

سوال۔ علی خمس کہ کہ پانچ میں ضم کر کے کیا حالانکہ جہاں بھی اسلام کا بنیادی ارکان

جواب۔ جہاں تو فرضِ کفایہ ہے ہاں بعض وقت فرضِ عین بھی ہو جاتا ہے یعنی ہر وقت تو فرض نہیں ہے وہ ایک وقتی فرض ہے لہذا وہ اسلام کے بنیادی چیزوں میں داخل نہیں۔ لاکٹ

الْكَلَامُ فِي فُرُوضِ الْمَنَنِ الَّتِي هِيَ اعْظَمُ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ (مرقاۃ)

**سوال** حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”بُئِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ تو اسلام مبنی ہوا اور امور خمسہ مبنی علیہ ہوئے۔ اور قانون ہے کہ مبنی اور مبنی علیہ ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں مبنی اور مبنی علیہ کے مابین تغایر ہونا چاہیے کیونکہ یہاں پر مبنی (اسلام) اور مبنی علیہ (امور خمسہ) تو متحد ہیں۔

**جواب اول** یہ ہے کہ علی خَمْسٍ میں علی مبنی علیہ ہے یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں سے رکھی گئی ہے۔ فَلَا رُشْكَالَ عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ (مکرمات)

**جواب دوم** مختصر عرض ہے کہ مبنی (اسلام) کی جانب میں اجمال اور مبنی علیہ (امور خمسہ) کی جانب میں تفصیل ملحوظ ہے اسی لیے فرمایا بُئِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ

**سوال** عند الاحصاف ایمان بسیط ہے (صرف تصدیق قلبی کا نام ہے) حالانکہ حدیث مذکورہ میں ہے کہ بُئِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ کہ اسلام ان پانچ چیزوں سے مرکب ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان مرکب ہے نہ بسیط۔

**جواب** ایمان کے دو درجہ ہیں (۱) نفس تصدیقی یہ بسیط ہے۔ (۲) ایمان کامل یہ مرکب و مرکب ہے۔

## اسمائے رجال

**حالات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ** آپ اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور نبی کریم ﷺ کے جلیل القدر

صحابی ہیں آپ کی پیدائش سال نبوت سے ایک سال پہلے مکہ میں ہوئی تھی۔ آپ نے بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنگ بندہ میں صغر سنی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے۔

غزوہ خندق اور اس کے بعد تمام غزوات میں بالاتفاق شریک ہوئے۔ سترہ سال بعد ۸۳ سال وفات

پائی۔ آپ سے ۱۶۳۰ احادیث مروی ہیں۔ آپ سے بے شمار راویوں نے حدیث روایت کی ہے۔ آپ

کے صاحبزادے حضرت سالم اور آپ کے آزاد کردہ غلام نافعؓ سرفہرست ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کی شاخیں ستر سے کچھ اوپر ہیں۔

**لفظ ابوہریرہ کی نحوی تحقیق**

قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ حُدریۃ کی تا پر اضافت کی وجہ سے بحرِ پرہی جاسکے چنانچہ ایک صاحب نے اسی کو ثواب بتایا ہے لیکن جہور محدثین وغیرہم کے نزدیک مشہور مذہب منع صرف کا ہے کیونکہ اس میں علیت اور ترکیب ہے اور اب یہ منکر لہ کلمہ واحدہ کے ہے۔ بہر حال ابوہریرہ میں درمختلف حیثیات سے اصل حالت اور موجودہ حالت دونوں کی رعایت ہے، اصل حالت کے اعتبار سے الیٰہی کا اعراب بدلتا رہتا ہے اور موجودہ حالت کے لحاظ سے حُدریۃ کی تا پر بحر نہیں آتی۔

**کنیت کی وجہ تسمیہ**

عمر بن عبد البر نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے خود فرمایا: کُنْتُ أَحْمِلُ يَوْمَ مَآجِرَةٍ فِي كُنْيَةٍ فَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هَذَا؟ فَقُلْتُ حُرَّةٌ فَقَالَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ لَبِغَ عُمَارَةُ نَعَى كَمَا كُنْتَ تَقُولُ، اور بعض نے کہا کہ آپ بنی کی تربیت اور دیکھ بھال کرتے تھے۔ (مرقسا ملاح ۱)

قولہ بَضْعٌ۔۔۔ ربكسالباء وقد تفتح، کسی چیز کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اعداد میں راجح قول کے مطابق اس کا اطلاق تین سے نو تک آتا ہے کیونکہ وہ بھی عدد کا ایک ٹکڑا ہے۔ شعبہ کے اصل معنی درخت کی شاخ اور ہر چیز کی فرع کے ہیں لیکن مراد یہاں خصائل حمیدہ ہیں۔ حاصل حدیث : اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو ایسے درخت

کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو برگ و بار والا ہو۔ اگر اس کی شاخیں اور پتے سرسبز و شاداب ہوں تو درخت بارونی بھی ہوگا اور اس سے متعلقہ فوائد و منافع بھی حاصل کیے جاسکیں گے اور اگر اس کی شاخیں اور پتے خشک ہو جائیں تو جب تک جڑ خشک نہیں ہو جاتی یہ درخت تو ہے لیکن بے رونق ہوگا۔ اسی طرح بہت سے اعمال و اخلاق ایسے ہیں جو شجرہ ایمان کے بے برگ و بار کی حیثیت رکھتے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو ایمان کا درخت بھی بارونی اور شاداب ہوگا۔ اور اگر وہ صحیح نہ ہوں تو جب تک تصدیق قلبی موجود ہے نفس ایمان تو موجود ہے گا لیکن بے رونق ہوگا۔ اس پر وہ ثمرات مرتب نہیں ہوں گے جو کامل ایمان پر ہونے چاہئیں۔

**سوال :** بعض روایات میں سَبْعُونَ کے بجائے سِتُّون ہے (کما فی البخاری) اور بعض میں شک کے ساتھ سَبْعُونَ یا سِتُّون آیا ہے۔

**جواب اول :** عدد سے تحدید مراد نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے جو ساٹھ اور ستر دونوں کو شامل ہے۔  
**جواب دوم :** عدد تیسل عدد کثیر کے متافی نہیں ہے کیونکہ وہ کثیر کے ضمن میں آجاتا ہے۔ پھر تیسل کی خصوصیت ذکرِ مقفیٰ حال کی وجہ سے ہے۔

**جواب سوم :** تعارض تب ہوتا ہے جب کہ ایک ہی وقت میں دونوں باتیں فرمائی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کو وحی کے ذریعہ ساٹھ سے کچھ اوپر شعبوں کا علم ہوا ہو۔ اس وقت آپ نے ان ہی کا تذکرہ فرما دیا ہو بعد میں وحی سے دس اور معلوم ہو گئے ہوں، دوسری مجلس میں ان کا تذکرہ فرمایا ہو۔ یَقَالُ لَهُ تَنْزِيلٌ وَحِيٌّ :-

قَوْلُهُ فَأَفْضَلُهَا - فَأَفْضَلُهَا کی فار کو فار تفصیلیہ کہا جائے گا یا فار جزائیہ ہے تعذیر عبارت یوں ہے :- إِذَا كَانَ كَمَا لَا يَمَانُ ذَا مَتَّعٍ فَأَفْضَلُهَا۔

قَوْلُهُ وَإِذَا نَاكَ إِمَاطَةٌ الْأَذَى عَنِ الْقَطْرِ لِقِ رِاؤِ اِيْمَانِ كَا سَبْ اِلٰى رِوِیْ تَعْلِیْفِ دِهْ چِیْزِ كَا رَا سْتَهْ سَهْ بَثَانَا هِیْمِ اِدْفِ دُو مَعْنُوں مِیْنِ سَمْتَلِ هِیْمِ ۔

۱۔ بحیثیت مرتبہ کم تر ہونا۔ ۲۔ باعتبار حصول کے آسان ہونا۔  
قَوْلُهُ اِمَاطَةٌ - اِمَاطَةٌ بمعنی ازالہ کے ہے "كَمَا قَالِ مَسْلٰى اللّٰهُ عَلٰیهِ وَسَلَمَ فِیْ قِصَّةِ الْحَقِیْقَةِ اَمِطُوْا عَنْهُ الْاَذٰی رَابِعًا وَدُ شَرِیْفِ مَتَّحِ ۲ بَابِ الْبَقِیَّةِ



قولہ اَذٰی - اَذٰی یا تو مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یا بالافتہ وصف مصدر کا ذات پر حمل کیا گیا ہے اور اس سے مراد موزی چیز ہے۔ مثلاً کاٹا، پتھر وغیرہ، نجاست، چھلکا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالاً ستر سے اوپر ایمانی

## فائدہ

شانوں کا تذکرہ فرمایا ہے اگر ان سب کی تفصیل کرتے تو تفسیل کا باعث ہوتا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی جامعیت اور اختصار کے ساتھ یہاں سب

شعبوں کی طرف اشارہ فرمادیا۔ مؤمنین و عظام نے ان شعبوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

## تقسیم اول

ایمانی شعبے دو قسم ہو سکتے ہیں۔ قولی، فعلی۔ قولی شعبوں میں سے قول اِنَّہٗ اَذٰی عَنِ الظُّرِیْق کا ذکر فرمایا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی سرسبزی کے لیے تمہارے افعال بھی صحیح ہونے چاہئیں۔ اور اقوال بھی۔

ایمانی شعبے دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ فعلی، ترکی۔ فعلیات میں سے قول اِنَّہٗ اَذٰی عَنِ الظُّرِیْق کا ذکر کر دیا اور ترکیات میں سے اَمَّا طَعْنُہٗ اَذٰی عَنِ الظُّرِیْق کا ذکر کر دیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان کامل کرنے کے لیے اپنے افعال بھی شریعت کے مطابق بنانا ہوں گے اور ترک بھی

## تقسیم دوم

ایمانی شعبے دو قسم کے ہیں۔ بعض وہ شعبے جو حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ پہلی قسم کے شعبوں میں سے قول اِنَّہٗ اَذٰی عَنِ الظُّرِیْق کا ذکر کر دیا۔ یہی سب سے پہلا اور اہم حق اللہ سے۔ اور حقوق العباد میں سے اَمَّا طَعْنُہٗ اَذٰی عَنِ الظُّرِیْق کا ذکر کر دیا۔ جب دوسروں کی رکھی ہوئی تکلیف وہ چیزیں دور کرے گا تو خود کبھی کسی کو تکلیف پہنچائے گا۔

## تقسیم سوم

قولہ وَالْحِیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ : حیا کے دو معنی ہیں حیا کا لغوی معنی ہے تغیر و انکساری یعنی وہ تغیر و انکساری جو بخوف عیب و ملامت انسان کو یُصَابُ بہ۔ یعنی وہ تغیر و انکساری جو بخوف عیب و ملامت انسان کو پیش آئے۔

## لغوی معنی

پیش آئے۔

**شرعی معنی**۔ حیار کا شرعی معنی ہے ”خلق یُبْعَثُ اللِّسَانُ عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيحِ وَتَمْنَعُ مِنَ الْمُتَقَصِّرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ“ یعنی وہ ملکہ جو حرکات قبوہ سے بچنے پر انسان کو برا لگتی کرتا اور صاحبِ حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتا ہے۔

**قوله شُجْبَةً**، شُجْبَةٌ میں تنوین تعظیم کی ہے یعنی حیاہ ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ بڑا اس لیے کہا گیا کہ یہ خود بھی ایمان کا ایک مستقل شعبہ ہے اور دوسرے شعبوں کو پورا کرنے کے لیے محرک بھی۔ حیاہ جتنا زور دار ہوگا اتنا ہی دوسرے شعبوں کی ادائیگی زیادہ بہتر طریقہ سے ہوگی۔

**سوال**۔ کہ یَضَعُ وَ سَبْعُونَ شُجْبَةً میں حیاہ بھی داخل ہے تو اسے مستقل طور پر کیوں ذکر فرمایا۔

یہ تخصیص ذکر کی اہتمام شان کے لیے ہے یعنی کل شعبہ ایمانیہ کے لیے داعی و منیع ہے **جواب** اور تمام معاصی سے اجتناب کا ذریعہ ہے یہی وجہ ہے کہ ثلث حیاہ سے معاصی پر جرات ہوتی ہے۔

قَالَ الشَّيْخُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ الثَّامِسُ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ الْأَوَّلَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيَ فَأَصْبَحَ مَا شِئْتَ (رواہ البخاری)  
فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے :-

ع بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔

یَقُولُ ابُو الْأَسْعَدِ : حیاہ ایک طبعی ہونے کی بنا پر شعبہ ایمان میں شعبہ ہو سکتا تھا کیونکہ حیاہیں کسب کا دخل نہیں اس شعبہ کے ازالہ کے لیے مستقل طور پر بیان فرمایا۔  
**سوال**۔ بعض کافروں میں بھی حیاہ ہوتی ہے تو اس کو ایمان کا عظیم شعبہ کس طرح قرار دیا گیا کیوں کہ ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں۔

**جواب اول** حیاہ دو قسم پر ہے (۱) حیاہ طبعی جس کو حیاہ غریبی بھی کہتے ہیں کہ کوئی انسان کسی شرم کر شائع کو ترک کر دے (۲) حیاہ حقیقی جس کو شرعی بھی کہا جاتا ہے کہ خداست باری تعالیٰ سے شرم کر معصیت کو ترک کر دے حدیث پاک میں حیاہ شرعی مراد ہے جو صرف مؤمن میں

پائی جاتی ہے۔

**جواب دوم**۔ کہ کسی کافر میں جزر ایمان موجود ہونے سے مؤمن ہونا لازم نہیں آتا جس طرح مؤمن میں کوئی کفری خصلت پائی جانے سے کافر ہونا لازم نہیں آتا۔

**سوال**۔ جب حیار شعبہ ایمان ہے تو ایمان مرکب ہوا ہی وجہ ہے کہ شوائع حقیرات میں الایمان کے من کو تبغیض نہاتے ہیں۔

**جواب**۔ عند الاحسن الایمان کی الف لام کمال کی ہے اور میں الایمان کا مٹ بیانیہ منی ہوگا «الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنْ شُعْبَةِ مَحَلِّ الْإِيمَانِ فَلَا اشْكَالَ»۔

## اسمائے رجال

### حالات حضرت ابوہریرہؓ

آپ نبوت سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے مسند میں فتح خیر کے سال میں اسلام لائے۔ سترھ میں بعمر ۸ سال وفات پائی۔ آپ نے

حضور علیہ السلام کے ساتھ مرت چار سال محبت اٹھائی لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام میں کثیر الروایت ہیں۔ چنانچہ آپ کی کل روایات پانچ ہزار تین سو چونسٹھ (۵۲۶۴) ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے آٹھ صد سے زائد صحابہؓ اور تابعینؓ روایت کرتے ہیں۔ قبیلہ کے لحاظ سے دوسری ہیں آپ کے نام میں پینیس اقوال ہیں۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اصح قول یہ ہے کہ آپ کا اسلامی نام عبدالرحمن بن محرز ہے لیکن آپ کی کنیت آپس کے نام پر غالب آگئی اور جاملی نام عبد شمس یا عبد عمر تھا۔

**ترجمہ** : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ مسلمانوں کی زیوار رسانی میں مستعمل نہ ہوں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ مَنْ  
سَلِمَ الْمُؤْمِنُونَ مِنْ لِسَانِهِ  
وَيَدِهِ -

یہ حدیث بھی ان احادیث خمسہ میں سے ہے جن کو امام ابو حنیفہؒ نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا ہے۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کا تعارف کرایا ہے کہ مسلمان وہی شخص ہے جو کسی بھی طریقہ سے کسی مسلمان کو ایذا نہ دے بلکہ امن و سلامتی کا پس کر ہو۔

**سوال :** حدیث پاک میں ان دو اعضاء کی تخصیص کیوں فرمائی اس میں کیا حکمت ہے ؟  
**جواب :** تخصیص ذکر کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر ایذا انہی دو عضوں سے دی جاتی ہے۔ اگر کوئی ان دو کو قابو کر لے تو دوسرے اعضاء سے ایذا رسانی کا خطرہ بہت کم رہ جاتا ہے۔ اب اس حدیث کے اس جملہ کا مقصد یہ نہیں کہ دوسرے اعضاء سے کسی کو تکلیف پہنچانا اسلام کے خلاف نہیں یعنی حدیث پاک میں جو حصہ سمجھ میں آ رہا ہے وہ حصہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔  
 الْمَثَلُ الْمَعْرُوبُ كَرَّاسَانٍ تَوَعَّرَبَ هِيَ هِيَ۔ اَلْمَثَلُ الَّذِي يَلِي مَالًا تَوَادَنْتَ هِيَ هِيَ عَرَفَ فِي فَرْدٍ اَكْلَ كَسْمَقَالِدٍ مِّنْ فَرْدٍ نَاقِصٍ كَو مَعْدُومٍ قَرَّارٍ دِيَا جَاتَا هِيَ۔

يقول ابوالاسود : في الحقيقة زبان اور ہاتھ کے ذکر سے مراد پوری ذات انسان ہاں ان دو کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر ایذا ان دو اعضاء سے ہوتی ہے لہذا حدیث میں ایذا قوی اور ایذا فعلی دونوں کی نفی مراد ہے۔

**سوال :** زبان کو ہاتھ پر مقدم کیا گیا حالانکہ زبان سے تو زیادہ سے زیادہ گالیاں ہی دی جاسکتی سکتی۔ جب کہ ہاتھ سے تو قتل بھی کیا جاسکتا ہے اس میں کیا حکمت ہے ؟

**جواب اول :** لسان کا زخم بہ نسبت تیر کے زیادہ ہے۔ کما قیل  
 جَرَحَاتُ الشَّانِ لَهَا الشَّيَامُ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ  
**جواب دوم :** ہاتھ سے تو صورت حاضر ہی کو تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے جبکہ زبان سے حاضر و غائب بلکہ زندہ و مردہ سب کو تکلیف پہنچائی جاسکتی ہے۔

**جواب سوم :** لوگ زبان کے ایذا کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے چنانچہ جب کوئی آدمی کسی کے کچھ کہنے سننے پر ناراض ہوتا ہے تو کہنے والا بھی کہتا ہے کہ کیا تجھے میں نے مارا تھا صرف ایک بات ہی تو کی تھی تو اس کے اہتمام کرنے کے لیے اسے مقدم فرمایا۔

**سوال :** یہ کہ شارع علیہ السلام نے مِنْ قِسَامٍ فرمایا مِنْ كَلَامِهِ فرماتے۔

**جواب** | کہ اگر حدیث کلامیہ فرماتے تو زبان سے جو اذرا یا ذراتیں بغیر کلام کیے ہوئے پہنچتی ہیں وہ شامل نہ ہوتیں مثلاً کسی کو زبان سے اشارہ کرنا جس کو چڑا لگتے ہیں۔ تو چونکہ لسان اعم ہے نہ نسبت کلام کے کہ بعض مرتبہ بغیر کلام کے بھی صرف زبان سے ہی ایذا پہنچا کی جاتی ہے اس لیے نسبت نہ فرمایا۔

**سوال** - اَلْمُسْلِمُونَ کی قید سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو ایذا پہنچا سکتا ہے کیونکہ مفہوم مخالف حدیث پاک یہی ہے۔

**جواب** - کفار کی دو قسمیں ہیں۔ اول حربی جن کے ساتھ نہ ہم نے عقد ذمہ کیا ہے اور نہ ہمارے ان کے درمیان صلح و آئینی کا معاہدہ یا معمول ہے اور ان سے ہم محفوظ نہیں اور وہ بھی ہم سے محفوظ نہیں۔ دوم ذمی جن کے ساتھ ہم نے عقد ذمہ کیا ہے اور رواداری کا معاہدہ ہے یا معمول ہے یہ ایذا رسائی کے معاملہ میں مسلمانوں کے حکم میں ہیں حتیٰ کہ اسلام نے ذمیوں کے مال و جان بلکہ ان کے مذہب کی بھی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو اب مراد یہ ہوتی کہ مسلمان اور وہ جو مسلمانوں کے ذمہ ہیں معاملات میں المسلمون کے حکم میں ہیں اور جو کافر محارب ہیں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ کافی قولہ تعالیٰ "لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ رِبِّ الْمُسْلِمِيْنَ" جس کا تعلق اسی جواب سے ہے۔

يقول ابوالسعاد : مسلمانوں کی تفصیل اکثریت و اقلیت کی بنیاد پر کی گئی ہے کیونکہ مسلمان کا اکثر معاشرہ و معاملہ دوسرے مسلمان ہی سے ہوا کرتا ہے۔ ورنہ ناحق تو کفار کو بھی تکلیف دینا جائز نہیں ہے یہی درجہ ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں المسلمون کی جگہ الناس کا لفظ آیا ہے انسان تو انسان ہے ناحق جانوروں کو بھی تکلیف دینے میں وعید آئی ہے جیسے بخاری کی حدیث ہے "عَذَابُ امْرَأَةٍ فِيْ هَرَّةٍ" باقی اقامت حد و رد تا دیب اطفال اس حدیث کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصد ایذا نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

**سوال** - اس روایت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جس سے دوسرے مسلمان کو ایذا پہنچے وہ مسلمان ہی نہیں مالا نکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے خلاف ہے یہ تو غار جیوں کی دلیل

بن جاتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک مُرتکب کبیرہ کافر ہے۔

**جواب** - اَلْمُسْلِمُ کی الف لام کمال کی ہے معنی ہو گا کہ کامل مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ و زبان سے مسلمان محفوظ رہیں نفی اسلام کامل کی ہے جسٹل اسلام کی نفی نہیں۔  
سوال - پھر یہ قید یعنی نفی اسلام کامل والی صراحہ کیوں نہیں ذکر کر دی گئی۔

**جواب اول** یہ ہے کہ مقام دو ہوتے ہیں (۱) مقام تعلیم (۲) مقام تذکیر، مقام تذکیر اور مقام تعلیم میں ہر مسئلہ کی تتبع اور تحقیق مقصود ہوتی ہے وہاں پر ہر قید کا ذکر صراحہ کیا جاتا ہے بخلاف مقام تذکیر کے کہ اس میں عمل پر ابھارنا اور اس کی ترغیب دینا مقصود ہوتا ہے وہاں پوری قیود کا ذکر مقصود کے لیے مفید نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات مضر اور اس مقام کے منافی ہوتا ہے چنانچہ اس قسم کی جتنی احادیث ہیں وہ مقام تذکیر میں فرمائی گئی ہیں اس لیے ان میں کمال کی قید کا ذکر نہیں کیا گیا۔

**جواب دوم** یہ ہے کہ اس حدیث پاک کو ظاہر پر ہی رکھا جائے مگر اس کے باوجود ایذا ر پہنچانے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا اس کی مثال یوں سمجھو کہ مالدار لختہ ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو مال رکھتا ہو اگرچہ تلیسل ہی ہو۔ مال کے معنی ہیں عَيْنٌ يَدْفَعُ بِہِ تو جس شخص کے پاس کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز مستفیع یہ ہوگی وہ لختہ مالدار ہو گا مگر عرفاً اس کو مالدار نہیں کہا جاتا کیونکہ عرف میں اس شخص کو مالدار کہتے ہیں جو معتد بہ مال رکھتا ہو ایسے ہی دوسروں کو ایذا پہنچانے والا حقیقتہً تو مسلم ہے مگر عرفاً اس لائق نہیں کہ اسے مسلم کہا جائے اسے تنزیہ میں ناقص بمنزلۃ المعدم کہا جاتا ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں قرآن مقدس میں ہے ۱۰ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اٰہْلِکَ ۚ وَاِنَّہٗ سَعٰی لَیْغْوٰی صَاحِبِہٖ (۱۰) اور دیکھ یہ حقیقتہً بیٹا تھا۔ مگر نقصان اہلیت کی وجہ سے بیٹے کی نفی کر دی گئی تھی بڑا کہنے کے لائق نہیں۔ یہ تقریر اہل سنت والجماعت کے بھی خلاف نہیں اور اس حدیث کا وزن بھی باقی رہتا ہے اور مجرد توہین کا مطلب بھی عمل ہو جاتا ہے۔

قَوْلُهُ اَلْعٰہِلَا جُرْمٌ مِّنْ هٰذَا جُرْمًا لِّہٖ اَللّٰہُ - (ترجمہ) مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے

یہاں بھی حصر سے مراد وہی حصر ہے جو اَلْمُسْلِمُ میں گذرا۔

**ما قبل سے ربط** | اس کا ما قبل سے ربط یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہجرت مدینہ کمال ایمان و مدارِ ایمان کی علامت تھی اس حدیث میں حقوق العباد کی خصوصیت کی وجہ اہتمامِ شان ہے کیونکہ حقوق العباد قابلِ عفو نہیں۔

اس جملہ حدیث کے دو مطلب بیان کیے جاتے ہیں :-

**اول :** مہاجرین کو تنبیہ کرنا ہے کہ صرف ان کا ہجرت کر لینا کافی نہیں کہ اس کے بعد پھر کسی شئی کی ضرورت ہی نہیں بلکہ ہجرت کے بعد آدمی گناہوں سے بچے تب اس کی ہجرت کا اصل فائدہ متب ہوگا۔ **دوم :** فریقین کے لیے اہم تنبیہ ہے یعنی ایک فریق کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جن کو ہجرت من اللہ الی المدینہ کی دولت نصیب نہ ہوئی تو اب بھی قیامت تک ہجرت کا ثواب حاصل کرنے کا موقعہ میسر ہے کہ مَا تَكُنَّی اللہ کو ترک کرتے رہو۔ دوسرا فریق جس کو یہ دولت نصیب ہوئی تھی ان کے دلوں میں تفاخر پیدا کرنے کا احتمال ہے تو ان کے تزکیہ کے لیے فرما رہے ہیں کہ تم ہجرت ظاہری پر اکتفا نہ کرو ورنہ کرو کہ تم میں یہی کافی ہے اور کچھ کرنے کی حاجت نہیں بلکہ ہمیشہ ترک مَا تَكُنَّی کرنا چاہیے۔ تاکہ ہجرت کا اصل مقصد حاصل ہو۔ اس کی مفصل بحث ”اِنَّمَا اَنَا عَمَلٌ بِالْاَيَاتِ“ کے آخری جملہ ”فَهَجَرْتُهُ اِلَى مَا هَاجَرَ“ میں ہو چکی ہے۔

**قولہ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ**  
ترجمہ ”امام مسلم نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ مسلمانوں میں سب سے بہتر کون ہے۔“

ای الْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ اسے مراد ای خَصْلَةُ الْمُسْلِمِينَ جس کا حاصل یہ بتانا ہے کہ اسلام کا کون سا عمل سب سے بہتر ہے اس سے ملنے جملے مفہوم کی کئی روایات ذخیرہ احادیث میں آئی ہیں مشکوٰۃ شریف کے مشاہیر حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے ”اَفْضَلُ رَاۡةِ عَمَّالِ الْخُبْرِ فِي سَبِيلِ اللہ“ کتاب الایمان کے آخر میں اسی مفہوم کی ایک روایت آرہی ہے اس میں ذکر اللہ کا اضافہ ہے۔ بعض میں بَرِّوَالَّذِینَ، بعض میں جہاد، بعض الصَّلٰوةُ لَوَقْتُهَا یہ سب سوالات مُخَدَّ الْمَعْنٰی یا متغارب المعنی ہیں۔ اختلافاتِ جوابات کی علماء نے مختلف وجہیں بیان فرمائی ہیں جن کو جواب

تعبیر کیا جاتا ہے۔

## جواب اول

یہ سائلین کے حالات کی بناء پر ہے کیونکہ آپ طیب رومانی تھے جیسا مر فیض دیکھتے ویسا ہی نسخہ تجویز فرماتے تھے۔ چنانچہ حدیث الباب کے سائل کے اندر ایذا رسانی کا مادہ غالب تھا اس لیے مَنْ سَلَوَا الْمُؤْمِنِينَ الْغَدَاةَ جَوَابًا۔ دُفِرَ عَلٰی هَذَا۔

## جواب دوم

بسا اوقات حالات اور وقتی تقاضوں کے تحت بعض اعمال کو بہت اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہجرت کے دور میں ہجرت ہی سب سے افضل عمل تھا جہاں ایذا رسانی سے بچنے کا اہتمام نہ ہو، دہاں ظاہر ہے کہ سب سے بڑا عمل یہی ہے کہ اپنی زبان و ہاتھ سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے اور جن دنوں ملت و مذہب کو مخالفین سے شدید خطرہ ہو تو ان دنوں میں ان سے جہاد کرنا ہی سب سے افضل عمل ہوگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حالات کے تحت جس عمل کو افضل الاعمال سمجھا ذکر فرما دیا۔

## اسمائے رجال

### حالات حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص

آپ اپنے والد عمرو بن العاص سے پہلے مشرقت باسلام ہوئے اور آپ کے والد مشہد میں اسلام لائے۔ اور اپنے والد سے صرف بارہ سال عمر میں چھوٹے تھے یہ دونوں حضرات بہت بہادر اور سلطام کے قابل فخر جرنیل تھے۔ آپ نے مکہ یا طائف یا مصر میں وفات پائی۔ آپ رات کو چراغ بجھا کر قیام پل کرتے اور بہت زیادہ روتے تھے۔ حتیٰ کہ آخر عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ چونکہ آپ احادیث کو لکھ لیتے تھے اس لیے آپ کے پاس احادیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی زیادہ تھیں لیکن کتب احادیث میں صرف سات سو مذکور ہیں۔!



وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ  
أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ  
إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ :

ترجمہ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں فرمایا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے  
کوئی رکامل (مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک  
کہ میں اس کے نزدیک باپ (اصل) اور  
اولاد (فرز) اور تمام لوگوں سے زیادہ  
محبوب نہ ہو جاؤں۔

سوال : اولاد اور والدین سے نفرت اور طبعاً محبت ہوتی ہے۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم کی محبت ان سے زیادہ ہونا تو حد استطاعت سے خارج ہے۔

جواب اول | محبت دو قسم ہے (۱) محبت طبعی غیر اختیاری : محبت طبعیہ کا مطلب  
یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر کسی کی طرف طبعیت کا میلان ہو اور یہ محبت  
اولاد اور بیوی سے ہوتی ہے۔ (۲) محبت عقلی اختیاری : یعنی انسان اپنے مقتضی عقل کو خواہشات  
پر ترجیح دے۔ بالفاظ دیگر محبت عقلیہ وہ محبت ہے جو کسی کے کمالات اور خوبیاں سوچنے  
سے پیدا ہوتی ہے خواہ اس کی طرف طبعی میلان نہ ہو۔ جیسے کوڑی دوا کی طرف طبعی میلان نہیں  
ہوتا لیکن چونکہ اس کے فوائد اور منافع سے واقف ہے اس کے لیے رقم خرچ کرتا ہے اور  
تکلیف بھی برداشت کرتا ہے اور اس کو کھاتا ہے۔ حدیث مذکور میں کمال ایمان کو جس پر موقوف  
رکھا گیا وہ محبت عقلی ہے۔

جواب دوم | حدیث الباب میں حبّ ایمانی مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امور دین  
کو تمام خواہشات و اغراض پر ترجیح دینا ضروری ہے۔ مثلاً جب  
قول والدین قول رسول کے مقابل ہو جاتا ہے تو رکامل (مؤمن) قول رسول کو ترجیح دیتا ہے۔ صحابہ کرام  
میں یہی حب ایمانی تھی جو حب طبعی پر غالب تھی۔

يقول ابوالسعاد صلاته الله عن الشر والفساد : اسباب محبت چار قسم ہیں :

**اول جمال** - کسی کے اندر جمال و حسن ہو تو اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جمال پر بعض حیوان بھی عاشق ہو جاتے ہیں۔ جیسے بعض پرندے چاند کے حسن پر عاشق ہیں اور پروانے چراغ کی روشنی پر عاشق ہیں کہ جان جیسی محبوب چیز بھی قربان کر دیتے ہیں۔

**دوم نوال** - کہ کسی پر کسی کا احسان ہو تو اس سے بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے انسان تو انسان ہیں موزی جانور بھی احسان کی وجہ سے محبت کرنے لگتے ہیں اور محسن کے تابع ہو جاتے ہیں۔

**سوم کمال** - کوئی آدمی اگر صاحب کمال ہے، بڑا بزرگ ہے تو اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چاہے کتابی بد صورت بد شکل کیوں نہ ہو۔

**چہارم قرابت** - قرابت کی وجہ سے محبت کا پیدا ہونا یہ تو بدیہی بات ہے۔ ان میں سے کوئی ایک سبب موجود ہوئے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ اسباب اربعہ علی وجہ الاتم والاكمل موجود تھے۔ لہذا آپ سے محبت نہ ہو تو کس سے ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے **صفت اجمل الخلاق کی وضاحت**

حضرت کی ذات مبارک کو اپنا سب سے زیادہ محبوب بنایا تو سب سے زیادہ حسین بھی ضرور بنانا چاہیے۔ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں حدیث آتی ہے کہ آپ کو دنیا کا نصف جمال دیا گیا ہے۔ مگر منکم حکم سے خارج ہوتا ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے کمالات سے مزین کیا تو صورت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ ہونا چاہیے اس کے لیے حضرت حقانؑ کے دو شعر ہی کافی ہیں۔

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرْفُطْ عَيْنِي | وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدْ السَّاءَ  
خُلِفْتُ مِنْهُ قَبْلَ عَيْبِ | كَأَنَّكَ كُنْتَ خُلِفْتُ كَمَا نَشَاءُ

اُمّی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْأَقْبَانِ شَمْسٌ | وَشَمْسِي خَيْرٌ مِنْ شَمْسِ السَّامِ

وَسَمِعُوا أَنَّهُمْ لَطْفٌ بَعْدَ قَبْرِ | وَسَمِعُوا لَطْفٌ بَعْدَ الْبُشَاءِ

اس کے علاوہ شہر میں آپ کے جمال کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔

آپ کی ذات پر انوار کے کمان کا ٹوٹنا ہی نہیں خواہ علمی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا تعلق مع اللہ کے اعتبار

## صفت الکمال کی وضاحت

سے ہو، یا تعلق مع الناس کے اعتبار سے ہو اس کی شہادت ذوالجلال اپنی کلام مبارک میں سے ہے۔ اِنَّكَ لَمَكْنِي خُلُقِي عَظِيْمًا تمام انبیاء علیہم السلام کو جو کمالات تقسیم کر دیے گئے وہ سب تنہا حضور کو دیے گئے۔

خلاصہ یہ کہ — ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

آپ کا احسان و رحمت دریافت اس درجہ میں ہے کہ خود قرآن کریم فرماتا ہے

## صفت احسن الاحسان کی وضاحت

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ رُبَّ الْأَنْبِيَاءِ

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے

## صفت اقرب القرب کی وضاحت

تو آپ کی قربت دوسروں کی قربت سے اقرب ہے کیونکہ دوسروں سے قربت جسمانی ہے اور آپ کی ذات مبارک سے قربت روحانی ہے اس کو قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَرَبُّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ  
ذات سے بھی زیادہ ہے اور وہ بمنزلہ باپ کے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت و هوَ ابْنُ لَهْمٍ اور ابو داؤد و شریف مسجح ابابکؓ کا حسیہ اسْتَقْبَانِ الْقَبْلَةِ عَنْكَ فَصَاءَ الْحَاجَّةِ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ  
تو جب یہ اسباب محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر علی وجہ الاتم والاکمل موجود ہیں تو آپ سے محبت بھی سب سے زیادہ ہونا عقل کا تقاضا ہے۔ پھر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ محبت تین قسم کے لوگوں سے ہوا کرتی ہے۔ بڑوں سے تعظیم کی بنا پر اس کی طرف اشارہ کیا دیکھو۔

چھوٹوں سے شفقت کی بنا پر اس کی طرف اشارہ کیا ولد سے۔

عام لوگوں سے محبت ہوتی ہے جنسیت اور ہم عصری کی بنا پر، اس کی طرف اشارہ کیا  
الْبَنَانُ کے لفظ سے۔

مقصد یہ ہے کہ ہر قسم کے لوگوں بڑوں، چھوٹوں اور برابر کے لوگوں کی محبت سے آپ کی  
محبت زیادہ ہونا ایمان کامل کا تقاضا ہے۔

سوال : حدیث پاک میں والد کو پہلے ذکر فرمایا حالانکہ آدمی کو بہ نسبت اپنے والد کے  
ولد سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

جواب اول : والد وجوداً مقدم ہے اس لیے ذکر بھی مقدم فرمایا۔ نلا اشکال علیہ

جواب دوم : احتراماً مقدم ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى «وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

جواب سوم : ہر ایک کے لیے والد ہونا ضروری ہے لیکن ہر ایک کے لیے

ولد ہونا ضروری نہیں یعنی کثرت کی بنا پر ذکر کیا ہے کیونکہ ہر ایک کا والد ہے مگر ولد نہیں۔

سوال : حدیث پاک میں اپنے نفس کا ذکر نہیں کیا جس سے ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ  
کی محبت اپنے نفس سے زیادہ ہونا ضروری نہیں۔

جواب اول : حضرت عبداللہ بن ہشام کی روایت میں مِنْ نَفْسِهِ کا لفظ موجود

ہے۔ لہذا اپنے نفس سے بھی محبت رسول کا تقدم ثابت ہوا۔ کَمَا فِي فَتْحِ الْمَلِکِ ص ۱۲ ج ۱

بَابُ وَجُوبِ مُحَبَّتَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جواب دوم : بعض اوقات انسان اپنے فرزند و والد سے اپنی جان سے زیادہ محبت

کرتا ہے قرآن سے زیادہ حضور کی محبت ہونے کو ذکر کیا گیا تو اپنے نفس سے زیادہ محبت بطریق اولیٰ

ہونی چاہیے۔ علاوہ ازیں بخاری شریف ص باب الايمان والتذویر میں روایت ہے کہ ایک بار

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

«لَا تَنْتِ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي فَقَالَ

عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا حَتَّى أَكُونَ أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ

كَأَنَّكَ الْآنَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْآنَ يَا عُمَرُ ۝»

تو اس سے معلوم ہوا کہ نفس سے بھی زیادہ محبت ہونا ضروری ہے۔

**سوال** - اس حدیث سے خارجی دلیل پکڑتے ہیں کہ سارے زمانہ سے زیادہ محبت حضرت کے ساتھ ہو تو مؤمن ہے ورنہ نہیں۔ تو جب تک حضرت کے ساتھ محبت نہیں تو گویا مرتکب کبیرہ ہوا، اور مرتکب کبیرہ کو آپ ﷺ سے تعبیر کر رہے ہیں۔

**جواب** : نفی فعل پر دو طریقوں سے آتی ہے (۱) ایک نفی جنس کی جیسے لَا دَجُلٌ فِي الذَّار (۲) دوسری نفی کمال کی تو لَا يُؤْمِنُ میں نفی کمال کی ہے جنس کی نہیں اگر حضرت کو محبوب نہ رکھے گا تو وہ کامل مؤمن نہ ہوگا۔

یقول ابوالسعاد : محبت کے دو درجہ ہیں (۱) درجہ کمال (۲) درجہ ناقص۔ درجہ کمال حاصل ہوتا ہے کمال اتباع سے۔ اس کو دوسری حدیث میں فرمایا گیا "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ بَعْدَ لِمَا رَجَتْ بِهِ" اگر کمال اتباع نہ ہو تو محبت تو ہو سکتی ہے لیکن ناقص ہوگی لہذا معصیت کے ساتھ محبت جمع ہو سکتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک آدمی شراب پی کر حضور کی مجلس میں آیا تو صحابہ کرام نے اسے لعنت کرنا شروع کر دی تو آپ نے فرمایا "وَلَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ اَنْتَ تُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ" مشکوٰۃ شریف ج ۲ باب ما لا یدعی علی المحدث (د) اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کاروں کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کے دل میں اللہ و رسول کی محبت نہیں بلکہ محبت ہے مگر ناقص نفسانی خواہش کی بنا پر مغلوب ہے۔

## اسمائے رجال

### حالات حضرت انس

آپ کی کنیت ابو حمزہ اور والد کا نام مالک بن نضر ہے آپ حضور معلّم کے خادم خاص تھے جب آنحضرت صلی علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے

حضرت انسؓ کی عمر کس سال تھی اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور کس سال تک خدمت کی۔ آپ ہمیشہ مدینہ طیبہ میں رہے۔ لیکن خلافت عمر فاروقؓ میں تعلیم فقہ کے لیے بصرہ میں منتقل ہو گئے اور وہیں سلاطین بصرہ ۹ سال ذات پائی۔ آپ کثیر الاولاد تھے۔ حتیٰ کہ عند البعض پوری سزا در عند البعض آٹھ اولادیں تھیں جن میں سے ۸ ذکور اور صرف دو ناث تھیں آپ بہت مخلوق نے روایت کی ہے آپ کی کل

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ هَنَّا  
حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ -

ترجمہ: روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوں گی  
وہ انکی وجہ ایمان حقیقی کی لذت سے لطف اندوز  
ہوگا۔

قولہ ثلاث - ثلاث مبتدا ہے اور مَنْ كُنَّ فِيهِ جملہ شرطیہ خبر ہے۔  
سوال - ثلاث تو نکرہ محض ہے اور نکرہ محض کبھی مبتدا نہیں بن سکتا نکرہ کے مبتدا بننے کے لیے  
تخصیص ضروری ہے۔

جواب ۱ یہ ہے کہ ثلاث نکرہ محض نہیں ہے بلکہ نکرہ منقسمہ ہے۔ تخصیص کی کئی وجہیں ہیں  
قولہ ثلاث - ثلاث مبتدا ہے اور مَنْ كُنَّ فِيهِ جملہ شرطیہ خبر ہے۔

سوال - ثلاث تو نکرہ محض ہے بلکہ نکرہ منقسمہ ہے تخصیص کی کئی وجہیں ہیں :-  
۱ ثلاث کی تین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل میں ہے ثلاث خصائص اضافت سے تخصیص  
ہوگئی (۲) ثلاث صفت ہے اور موصوف محذوف ہے یعنی خصائص ثلاث۔

قولہ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ : بمعنی ایمان کی چاشنی۔ مُتَّحِنٌ مَضْرَات نے لکھا ہے کہ  
ایمان کی چاشنی یہ ہے کہ انسان اسلام میں شغقت برداشت کرے۔

انسانی خصلتیں دو قسم کی ہیں اَوَّل تَخْلِي عَنْ الرِّذَالِ : یہ کہ انسان اپنے دُجود  
سے اخلاقِ رذیلہ و خبیثہ کو نکال دے مثلاً حسد، ضد، بغض، تکبر وغیرہ  
فائدہ دوم تَحْلِي بِالْفَضَائِلِ : یہ کہ انسان اپنے اندر اخلاقِ حمیدہ پیدا کرے۔ مثلاً احسان کرنا، اور  
رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا وغیرہ مَنْ كَانَ اللَّهُ يَهْدِيهِ خَلْقٌ بِالْفَضَائِلِ ہے۔ اور  
وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا يَهْدِيهِ خَلْقٌ عَنْ الرِّذَالِ ہے۔

اس حدیث پاک کا حاصل یہ ہے کہ ایمان کی چاشنی اور  
حاصل بالحدیث | حلاوت کما حقہ محسوس ہونے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری  
ہے۔ (۱) اللہ و رسول کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب ہو (۲) اگر کسی مخلوق سے محبت

ہو تو صرف اللہ کے لیے ہو۔ (۳) مسلمان ہونے کے بعد کفر سے اتنی ہی نفرت ہو جتنی آگ میں ڈالے جانے سے۔

یہ کہ عداوت ایمان سے کونسی عداوت مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

## بحث عداوت فی الایمان

شیخ محمد بن العزیز اور صوفیاء و کرام کہتے ہیں کہ اس سے مراد طبعاً طاعات ہیں لذت محسوس کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی میں مشقت برداشت کرنا اور اسی میں لذت محسوس کرنا اور معاہدے طبعاً نفرت کرنا ہے۔

## قول اول

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ عداوت ایمان سے مراد عداوت حسد و ظاہر یہ مراد ہے۔ گو ایمان بالحق چیز ہے مگر اس کا اثر ظاہری حد تک سرایت کر جاتا ہے مگر اس کا اور اک دی کر سکتے ہیں جو خود ہی اس مقام تک پہنچے ہوں جیسا کہ ہلال کی کو نظر نہیں آتا مگر جن لوگوں نے اپنی آنکھوں کو دکھا ہوتا ہے ان کے کہنے سے مان لیا جاتا ہے یہاں بھی حال ہے جیسا کہ حضرت ہلال جشی کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ سختی کی حالت میں ایک ایک حد تک کہتے ہیں لذت محسوس کرتے تھے۔

## قول دوم

قولہ مما سواھما : اللہ و رسول تمام ماسوا سے پیار سے ہوں۔ ایک خطیب نے خطبہ میں یوں پڑھا : مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِيهِمَا فَقَدْ غَوَى ، اور دائر شریف ملاحج باب النرجس میں خطیب علی قویں : اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أَنْتَ مَعْلُومٌ ہو کہ اللہ و رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا درست نہیں علی التفصیل دونوں کا نام لینا چاہیے۔ مگر اس حدیث میں مِمَّا سِوَاهُمَا ضمیر میں دونوں کو جمع کر دیا۔ اس سے جواز معلوم ہوتا ہے بقاضا اس سوال کے جواب میں علماء نے دو طرز اختیار فرمائے ہیں :-

## سوال

جواب اول (۱) تطبیق کا راستہ (۲) دوسرا تہ جمع کا۔ اولاً وجہ تطبیق ذکر کیے جاتے ہیں علماء نے کئی طرح سے تطبیق دی ہے چند وجوہ حسب ذیل ہیں :-

اول : ایک ہے مقام خطبہ، ایک ہے غیر مقام خطبہ دونوں کا مقتضی الگ الگ ہے مقام خطبہ ایضاً کو چلہ متا ہے اور ایضاً اسی میں ہے کہ اللہ و رسول کا نام الگ الگ بالتفصیل لیا جائے۔ مقام غیر خطبہ میں ایجاز مقصود ہوتا ہے اور ایجاز اس میں ہے کہ ایک ضمیر میں دونوں کو جمع کیا جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز میں مقام خطبہ میں فرمائی ہے اور خود

حضور علیہ السلام کا مِثًا سِوَاھُمَا کہنا مقام غیر خطیب میں ہے لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔  
**دوم** : ایک ہے مقام محبت ایک ہے مقام معصیت دونوں کا متقاضی الگ الگ ہے  
 مقام محبت میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنا مناسب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایک ایک کی محبت کافی نہیں  
 بلکہ مجموعہ محبتین کی ضرورت ہے بخلاف مقام معصیت کے کہ وہاں الگ الگ نام لے کر بالتفصیل تذکرہ  
 مناسب ہے۔ تاکہ پتر چلے کہ اگر بالفرض ایک کی معصیت دوسرے کی معصیت سے الگ ہو سکتی ہوتی  
 تو ایک ایک کی معصیت ہی تباہ کرنے کے لیے کافی ہے صرف اللہ کی معصیت ہوئی تو بھی تباہ کن، اگر صرف  
 رسول کی ہوئی تو بھی گمراہ کن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محبت میں جمع فرمایا، اور مقام معصیت میں منع فرمایا۔  
 یقول البوالاسعاد : یَشْكُ الْخَطِيبُ فَرَانَا ضَمِيرًا مِّنْ جَمْعٍ كَرِهَ اسَ دَجَرٍ سَیِّئٍ بَلْکَ اسَ  
 نے وقف میں غلطی کی تھی جس سے معنی فاسد ہو جاتا ہے۔ اس نے یوں پڑھا تھا "مَنْ یُطِيعُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ  
 فَقَدْ رَشِدَ وَمَنْ یُفْصِهِمَا" یہاں وقف کیا تھا جس سے یہ دہم ہو سکتا ہے کہ "مَنْ یُفْصِهِمَا  
 کا عطف مَنْ یُطِيعُ پر ہے تو دونوں کا حکم ہوگا فَقَدْ رَشِدَ یہ ظاہر البطلان ہے کیونکہ معصیت سے  
 رشد حاصل نہیں ہو سکتا۔ وقف کی یہ غلطی چونکہ موہم فساد معنی ہے اس کو اس لیے بخش فرمایا۔

**جواب دوم** : ترجیح کا طریق، بعض علماء نے ترجیح کا طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ وجہ ترجیح  
 یہ ہے کہ مِثًا سِوَاھُمَا والی روایت ترجیح ہے اور یَشْكُ الْخَطِيبُ  
 والی محرم ہے۔ تو قاعدہ یہ ہے کہ جب محرم اور ترجیح میں تعارض ہو تو ترجیح محرم کو دی جاتی ہے  
 اس لیے ممالعت والی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے یا یہاں قول و فعل کا مسئلہ بھی ہے کہ  
 یَشْكُ الْخَطِيبُ قول ہے سِوَاھُمَا فعل ہے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے۔

قوله وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ۔ یہ ہے اصل معیار محبت اس لیے کہ اگر کسی  
 سے دنیا کے لیے محبت کرنا ہو تو جب یہ معلوم ہوگا کہ یہ تو بڑا نجیل ہے تو پھر اس سے نفرت ہو جائے گی۔  
 لیکن اگر اللہ کے لیے محبت کرنا ہو تو اگر کچھ دیکھی لے اور دے بے نیکی کرے مگر پھر بھی اس سے ساتھ  
 محبت کرے۔ اسی کو بعض عارفین نے یوں بیان کیا ہے

عشق بامردہ نباشد پائیدار      عشق را با حییٰ با ستیوئم دار  
 قَوْلُهُ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَفُودَ فِي الْكَفْرِ، کہیں جانا یہ کراہت شرعی ہے اور ناراض



ڈالا جائے گرامت جیسی اور طبعی ہے اور قانون ہے کہ طبعیات عقلیات پر غائب ہوتی ہیں تو حضرتؑ نے فرمایا کہ کفر میں جانے کو ایسی طرح کردہ سمجھے جیسے تاریں جانے والی کو اہمیت کو مکروہ سمجھتا ہے یعنی کفر میں جاننا کوہت طبعی بن جائے۔ یا مسلمان کو کفر سے اس درجہ نفرت ہونی چاہیے جیسے دیدہ دانستہ آگ میں گرنے سے ہوتی ہے۔ جب یہ تینوں چیزیں حاصل ہو جائیں گی تو حلاوت ایمان خود بخود حاصل ہو جائیگی۔

**سوال :** عودنی الکفر نو مسلم ہیں تو متحقق ہو سکتا ہے لیکن جو جدی و پیدائشی مسلمان ہے اس میں عودنی الکفر کیسے متحقق ہو سکتا ہے۔

**جواب اول :** یہاں عود کے معنی انتقال درجوع کے نہیں بلکہ مطلق میسرورۃ و اختیار کے معنی مراد ہیں جو جدی و پیدائشی مسلمان کو بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں انبیاء کے متعلق ارشاد ہے : **اَوْ كَفَرُوْا فَاِنْ مِّنْ مِّلَّةٍ** (پت)

**جواب دوم :** کفر دو قسم ہے (۱) بالفعل (۲) بالقوة : (۱) درمیان عام معنی مراد ہے کیونکہ ہر انسان میں کفر و شرک کی استعداد تو موجود ہے اور یہی کفر بالقوة ہے۔

**قَوْلُهُ اَنْفَكَ عَنْ اللّٰهِ** - یہ کلمہ حضرتؑ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے فرمایا کیونکہ حضرتؑ کے زمانہ میں سارے لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں آئے تھے درہ حدیث میں عموم ہے کفر سے نکل کر آدھے یا پچھلے سے اسلام پر عند البعض اَنْفَكَ عَنْ اللّٰهِ بمعنی اَنْجَاہُ اللّٰهُ اب عام ہوگا کہ ابتداء ہو خواہ ثانیاً اللہ پاک نے نجات دی۔

**ترجمہ :** حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسولِ خوشی سے مان لیا تو دیکھو کہ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔

وَعَنِ الْمُبَّاسِ بْنِ  
عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ

## خُلاصَةُ الْحَدِيثِ : حدیث پاک کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ

ایمان کی لذت اور چاشنی حاصل ہونے کا

مدار حق تعالیٰ کی ربوبیت و سلطنت کے دین ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر راضی اور قانع رہنا ہے۔ مثلاً ان اُمور ثلاثہ پر ایمان پختہ ہوگا لذت و حلاوت ایمان میں اس قدر اضافہ ہوتا جائے گا یہی وجہ ہے کہ قبر میں ان رضاؤں کے متعلق سوال ہوگا "مَنْ دُئِلَكَ ، مَنْ دُئِلَكَ ، مَنْ دُئِلَكَ" حضرت انسان کو اللہ پاک نے دنیا میں تین تعلق قائم کرنے کے لیے بھیجا،

**فائدہ** اَوَّلُ تَعْلُقٍ بِاللّٰهِ ، دَوِّمٌ ، مَذْهَبٌ كَالْتَعْلُقِ ، سَوِّمٌ ، رَہْبَرٌ وَرُشْدٌ كَالْتَعْلُقِ

مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ : یہ پہلے تعلق باللہ کا ذکر ہے سابقاً تمیز ہے ربیت کا معنی ملا علی تارخی کرتے ہیں۔ مَا لَنَا سَيِّدًا مُّتَصَرِّفًا کہ اللہ پاک کے تینوں اوصاف پر راضی ہو جائے۔ وَ بِالْاَسْلَامِ دِيْنَا یہ دوسرے تعلق مذہب کا بیان ہے۔ وَ بِمُحَمَّدٍ رَّسُولًا یہ تیسرے تعلق رہبر و مرشد کا بیان ہے

## آسمائے رجال

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ وائے قیس سے

حضرت عباسؓ کے حالات

ایک سال قیس پیدا ہوئے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال بڑے تھے۔ حضرت عباسؓ سے کسی نے پوچھا آپ بڑے ہیں یا حضور

صلی اللہ علیہ وسلم ؟ تو حضرت عباسؓ نے جواب دیا اَنَا اَكْبَرُ وَ هُوَ اَعْظَمُ۔ آپ نے

۱۲۔ رجب المرجب ۳۳ھ میں بعمر ۸۸ برس وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

آپ کی کل روایات ۲۵ ہیں۔ آپ سے آپ کے صاحبزادوں حضرت عبداللہ اور کثیر، عبید اللہ

منیز عامر بن سعد نے روایت کی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
وَالَّذِي كَفَسُ مُحَمَّدٌ بَيْدَهُ

ترجمہ ۱ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس  
ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔

**حاصل حدیث** | یعنی دنیا سے جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت اور آپ کی  
رسالت کا علم ہو گیا تو اس کی نجات اس وقت تک نہ ہو سکے  
گی جب تک کہ آپ کی رسالت پر ایمان نہ لے آئے یہ قاعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت  
کے بعد دنیا کے ہر فرد کے لیے ہے۔

مُبَشِّرِ عِلْمِ  
آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم

**حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کل ماننا عقیدہ کفر یہ ہے**

کو مختارِ کل مانتے ہیں اس جملہ سے اس کی پوری تردید ہو گئی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما رہے  
ہیں کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے تو گویا کہ حضرتؐ کی  
ذات مبارکہ کی جان مبارکہ ان کے قبضہ میں نہیں۔ نیز یہ عقیدہ رکھنا کہ حضورؐ کی ذات بابرکات  
مختارِ کل ہیں تو یہ عقیدہ کفر یہ کہلائے گا۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :-

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي كُفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (رب)

یہاں لَا أَمْلِكُ اللہ کے کلمات کے ذریعہ آپؐ سے اپنے اختیارِ کامل کی نفی فرمادی۔

**فائدہ** | حدیث پاک کے اندر لَا بَعْضَ لَيْسَ کے ہے اور أَحَدٌ اس کا اسم اور  
يَسْمَعُ اللہ سب احد کی صفات ہیں اور خبرِ محذوف ہے تقدیر عبارت  
یوں ہے: "لَيْسَ أَحَدٌ" اللہ کا شائبہ میں اصحابِ شیبی اگر کان میں اصحابِ شیبہ  
عند البعض تقدیر عبارت یوں ہے: "لَيْسَ أَحَدٌ يَسْمَعُ" بخبرِ رسالتی شَوْبَمُوتُ اللہ  
كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْمَنَارِ : تو تین قسم کے لوگ ہو گئے :-

۱۔ ایک وہ جس نے سنا اور ایمان نہیں لایا اس کا حکم وہی ہے جو مذکور ہوا۔

- ۲۔ دوسرا وہ ہے جس نے سنا اور ایمان لایا اس کا حکم اس کے برعکس ہوگا۔  
 ۳۔ تیسرا وہ جس نے سنا بھی نہیں اور ایمان بھی نہیں لایا وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے اور اس دھبہ سے خارج ہے۔

**سوال** کہ لَا تَصْرَفُ کا لفظ زائد ہے اور یہ آحاد کی صفتیں ہیں۔ اب یہ حدیث پاک کا حکم تخصیصی بن گیا کہ ان یہودی اور نصرانی میں سے جو ایمان نہ لایا وہ جہنمی ہے تو بت پرست اور دھری اس حکم میں داخل نہیں ہوئے حالانکہ وہ بھی تو مستفاد طور پر جہنمی ہیں۔

**جواب** وہ بطریق اولیٰ داخل ہیں کیونکہ یہودی اور نصرانی بت پرست، کُتبِ سماویہ اور خدا کے قائل ہیں۔ اس کے باوجود وہ آگ میں جائیں گے تو دھریوں اور بت پرستوں کے پاس کچھ بھی نہیں یہ بطریقِ اولیٰ نار میں جائیں گے۔

**سوال** حدیث پاک میں یہود و نصاریٰ کو اس اُمت میں سے قرار دیا ہے حالانکہ وہ چھٹے دین کے دشمن ہیں۔

**جواب** اُمت کی دو قسمیں ہیں (۱) اُمتِ دعوت : (۲) اُمتِ اجابت۔ اُمتِ دعوت سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو دعوت دینے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، اور اُمتِ اجابت سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ اُمتِ دعوت میں یہود و نصاریٰ بلکہ پوری دنیا شامل ہے اس لیے یہود و نصاریٰ کو اُمت کہا۔

یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَد : یہودی اور عیسائی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ روح اللہ کے ہم پیروکار ہیں، اور تورات و انجیل کے منبع ہونے کی وجہ سے ہم نجات یافتہ ہیں۔ نیز جنت تو ہمارا پیدا کنی تھی ہے۔ اس حدیث سے ان کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تمام ادیان منسوخ ہو گئے۔ لہذا جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے ہرگز نابی نہیں ہوں گے۔ اب جب یہودی اور عیسائی جن کی وقعتِ مشرکین کے طلب میں بھی تھی ان کا یہ حال ہے تو تمام مشرکین بطریقِ اولیٰ ناجی نہیں ہوں گے۔

وَعَنْ أَبِي مُوسَى  
الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ

ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے  
روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا تین شخصوں کے لیے دُہرا اجر ہے۔

### حَاصِلُ الْحَدِيثِ

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تین قسم کے لوگ ایسے  
ہیں جن کو دُہرا اجر ملتا ہے۔

اَوَّلُ : وہ جو پہلے کسی سابق نبی اور آسمانی کتب پر ایمان لایا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔  
ثَوْنُوم : وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے مولیٰ (مجازی) کے بھی۔  
ثَلَاثُوم : وہ شخص جس کی ملکیت میں کوئی باندی ہو اس کو وہ خوب تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے  
اس کو آزاد کر دے اور اس کے بعد اس سے شادی کر لے۔

قَوْلُهُ ثَلَاثَةٌ : اَيُّ ثَلَاثَةِ اشْخَاصٍ

سوال : ان تینوں کو دُہرا اجر ملنے کا سبب کیا ہے ؟

جواب : یہ کہ ان کاموں میں مشقت زیادہ ہے :

پہلا شخص : اَوَّلًا ایک نبی پر ایمان لایا اور اس پر مکمل اعتقاد کیا اس کے بعد اپنا مرکز اعتقاد بدل کر  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرکز اعتقاد بنالیا، مرکز اعتقاد تبدیل کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

دوسرا شخص : اس کے سامنے دو قسم کے حقوق ہیں۔ حقوق اللہ اور اپنے آقا کے حقوق، کبھی  
دونوں کے حقوق اور ان کے مطالبہ میں تعارض بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے موقع پر دونوں کے حقوق نبھانا  
بڑا مجاہدہ طلب کام ہے۔

تیسرا شخص : اس نے مجاہدہ تو کیا کہ باندی کی تعلیم و تربیت کی۔ جب کہ عموماً ان سے خدمت  
تولی جاتی ہے تعلیم و تربیت نہیں دی جاتی۔ پھر جب اچھی تعلیم و تربیت سے آراستہ ہو گئی اور خوب  
سلیقہ شعار بن گئی۔ تو اب اس کی خدمت حاصل کرنے کا بہترین موقع تھا۔ اب اس کو آزاد کر دیا۔

یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے پھر آزاد کرنے کے بعد اس سے نکاح کر لیا یہ اور اس سے بڑا مجاہدہ ہے کیونکہ پہلے تو وہ صرف اس کی مملوک اور ماتحت تھی اب زندگی کی برابر شریک بن گئی۔

اور بھی کئی افراد ایسے ہیں جن کے لیے دوسرے اجر کا وعدہ ہے مثلاً ازدواجِ مطہرات کے بارے میں ربُّ الدُّجَلال فرماتے ہیں :-

**سوال**

وَمَنْ يَفْعَلْ مِنْ كَلِمَةٍ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَمَلْ مَسَالِحًا نَوَّحَهَا أَجْرَهَا  
مَسْرُكَيْنِ (۱)

حافظ ابن جریر نے نسخ الباری میں بیس سے زائد نظائر پیش کیے ہیں پھر ان تین کی تخصیص کیوں کی گئی۔

**جواب اول :** یہ کہ وہ موقع ہی ان تین کو ذکر کرنے کا تھا اس لیے ان تین پر لکھا گیا۔

**جواب دوم :** حالات کی مناسبت سے کوئی اور داعیہ ہو۔

**جواب سوم :** چونکہ یہ تین قسم کے لوگ تقریباً ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں بخلاف ازدواجِ مطہرات وغیرہ کے اس لیے ان تین کو خاص لکھا۔

**سوال :** جب وہ عمل بھی دُور ذکر کرتے ہیں تو ان کو دُور ہر اجر دینا ان کی کیا خصوصیت ہوتی۔ ہر دُور کام کرنے والے کو دُور اجر ملتا ہے۔

**جواب :** وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں ایک ثواب ملے گا۔ مثلاً حضور پُر نورؐ پر ایمان لانے والا یہ نہ سوچے کہ اب تک میں جس شریعت پر رہا ہوں وہ منسوخ ہو گئی وہ سارے عمل بھی ختم ہو گئے ایسے ہی غلام نہ سوچے کہ مولیٰ کی خدمت تو میرے فرائض میں داخل ہے اس پر کوئی اجر نہ ہو گا یا آزاد کر کے نکاح کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ نکاح میں میری ذاتی منفعت ہے اس پر کیا اجر ملے گا۔ تو ان کو کہا گیا کہ تمہارے دونوں عمل میں سے ہر ایک عمل پر دو ہر اجر عطا فرمائیں گے۔

قَوْلُهُ رَجُلٌ قَبْلَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمَّنْ يَكْفِيهِ وَأَمَّنْ يُمْحَمِدُ : رَجُلٌ  
قَبْلَ أَهْلِ الْكِتَابِ كَامِصِدَاقُ كُونِ اس بَارِہِ مِیْنِ دُوسَلَكِ مِیْنِ۔

اس سے مراد صرف نصاریٰ ہیں یہود اگر مسلمان ہو جائیں تو ان کے لیے دوسرے اجر کا وعدہ نہیں ہے ان کی دیسیلیں دوسری ہیں عقلی و نقلی۔

**مسکب اول**

**دلیل عقلی** یہود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے علیہ السلام کی تکذیب کی جو کہ نبی ثابست الزمات ہیں۔ ایک نبی ثابست الزمات کی تکذیب سے دوسرے انبیاء پر بھی ایمان غیر معتبر ہو جاتا ہے۔ لہذا یہود کا ایمان موسیٰ کا عدم ہوا اس لیے وہ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ اَمَّنْ بِمَنْتہ کے مصداق ہی نہیں بنتے۔

مسلك دوم - عند الجمهور رجل من اهل الكتاب سے پیور و نصاریٰ دونوں مراد ہیں

قرآن مقدس کی آیت ہے "الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ  
هَؤُلَاءِ يَوْمَنُونَ" وَإِذَا يُخْلَى عَلَيْهِمْ قَالُوا امْتَابُوا إِلَيْنَا

الحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ أُولَئِكَ يَوْمَئِذٍ أَجْرُهُمْ مَبْرُورٌ وَيَخْلُصُ الْمُتَّقِينَ

مفسرین حضرات نے احادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ اس آیت کا شان نزول حضرت عبداللہ بن سلام اور دوسرے یہود کے علماء کا ایمان لانا مراد ہے جب اس وعدہ کے نزول کا سبب ہی یہود ہوئے تو ان کو اس کے مصداق سے خارج کیے کیا جا سکتا ہے۔

**دلیل دوم** | منہاجِ احمد کی دعوت کے نقاد ہیں رَجُلٌ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ بَيْنَ  
کتابِ بَیِّنِ تَشْبِیْہِ لِّلْفِی سِی مَعْلُومٌ ہوا کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں میں  
پھر آیت قرآنی اور اس حدیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے ۔

أَخْرَجَ النَّسَائِيُّ فِي كِتَابِ أَدَبِ الْقَضَاةِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اللَّهُ  
عَزَّ وَجَلَّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ  
كَفْلًا مِّن رَّحْمَتِهِ أَيُّ أَجْرَيْنِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَيْنَكَ  
وَالنَّبِيُّ وَالرَّسُولُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَيْنَكَ  
وَالنَّبِيُّ وَالرَّسُولُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ بَيْنَكَ  
وَالنَّبِيُّ وَالرَّسُولُ وَالْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ (كذا في التعليق مثلاً ١)

قَوْلُهُ وَالْعِيدُ الْمَمْلُوكُ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوْلَانِهِ - دوسرے  
وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی -

سوال : یہ کہ العبد کے ساتھ ملوک کی قید کیوں لگائی حالانکہ صرف لفظ العبد کی قید لگانے سے بھی تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

جواب : یہ کہ ملوک کی قید اس بے لگائی کرنا نہ نکل جائیں ورنہ عیسائے خدا میں تو وہ بھی داخل ہے۔

سوال : حَقِّ مَوَالِیْہِ میں مَوَالِیْہِ کو جمع کے صیغہ کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا ہے ؟  
جواب : اول : یہ ہے کہ اَلْعَبْدُ پر الف لام جنس کا ہے تو ہر عبد کے لیے ایک بولی ہوگا اس  
جمع کا صیغہ استعمال فرمایا۔

جواب دوم : اس لیے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ عموماً غلام مختلف ہاتھوں میں فروخت ہوتا رہتا ہے بعض یہاں عبد مشترک مراد ہے ۔

یقول ابوالاسعاد: حدیث مذکورہ کے ظاہر سے تو یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ  
ممالک کے اجراءات کے اجر سے زیادہ ہیں یعنی سادات کے اجر پر ممالک کے اجروں کا بڑھ جانا  
لازم آ رہا ہے

**جواب اول**۔ علامہ کربانیؒ نے کہا لا محدث ورفی ذلک لقولہ تعالیٰ اِنْ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَکُمْ اَنْفَکُمْ۔  
**جواب دوم**، عند البعض حدیث مذکور میں بیان کردہ جہت سے غلام کا اجر دو چند ہے  
 اور سادات کا اجر دوسری جہت یا دیگر اعمال کی جہت سے مضاعف ہو سکتا ہے۔

جواب ششم : حدیث مذکور میں اس شخص کو جس نے دونوں کا حق ادا کیا۔ اس شخص پر ترجیح



دینا ہے جس نے صرف ایک کا حق ادا کیا ترسیخ علی الترات کا ذکر بھی نہیں۔

قَوْلُهُ وَكَجَلْ كَاثُ عَشْرًا كَاثُ

**سوال :** حدیث مذکورہ میں اَجْرَانِ دو اجر کا ذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

**جواب :** اَجْرَانِ (دو اجر) کی وجہ یہ ہے کہ امہ مملوکہ کے ساتھ نکاح کرنا عمر کا موجب تعبیر ہے اس کے باوجود اس نے اپنے نفس پر بار ڈال کر اس کو اختیار کیا لہذا دو اجر ملے گا۔  
”کما فی روایت - اَجْرُکُمْ عَلٰی قَدْرِ نَصَبِکُمْ اِی مُشَقَّتِکُمْ۔“

**سوال :** حدیث پاک میں یطأھا یعنی دلی کرے کی قید کیوں لگائی؟

**جواب :** یہ ہے کہ یطأھا کی قید لگا کر شاہ فرمایا تحصیل فرج کی طرف کہ دلی کرنے سے اس کی باندی پاک دامن رہے گی۔

**سوال :** حدیث پاک میں تیسرے فرقہ (رامۃ) کے لیے بھی دو اجر بیان کیے گئے۔ مگر ان کے اعمال کی تعداد چار بیان کی گئی ہے۔ تعلیم، تادیب، اعتاق، تزویج۔ یعنی آجر اور اجرت میں فرق کیوں ہے؟

**جواب اول :** یہ ہے کہ تعلیم و تادیب پر ایک اجر اور دوسرا اعتاق و تزویج پر یا بالعکس پانچواں اسی ناکہ کی غرض سے شکر سے عطف کیا گیا ہے۔

**جواب دوم :** جس کو بھور حضرات نے اختیار کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راس امساء کے بارے میں اعتبار صرف اعتاق و تزویج کا کیا گیا ہے کیونکہ تعلیم و تادیب کا سبب اجر و ناکہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اپنی اولاد اور اجنبی کے بارے میں بھی باعث اجر ہے۔

**سوال :** حضرت نے فرمایا کہ آزاد کرے اور پھر خود شادی کرے اس میں کیا ثواب ہے اور تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

**جواب :** زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جو آدمی بدمی آزاد کرے پھر اس کے ساتھ شادی کرے یہ ایسے ہے جیسے اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسان اس کفر یہ رسم کو توڑے گا اس کو دو اجر ملیں گے۔

قَوْلُهُ خَسَاةٌ بَکَا - تادیب کا تعلق عرف کے ساتھ ہے یعنی معاشرت انسانی کا طریقہ

کھلائے کہ روٹی کیسے پکائی جاتی ہے، وہاں کو کھانا کیلے کھلایا جائے۔

قَوْلُهُ عَلَّمَهَا : تعلیم کا تعلق احکام شریعت کے ساتھ ہے مثلاً نماز روزہ کی تعلیم دینا۔  
قَوْلُهُ فَلَمَّا اجْزَانِ -

سوال - فَكَيْدٌ میں کد کا ضمیر کس کی طرف راجع ہے۔

جواب - عند الجمور لکد کی ضمیر یا قبل میں ہر ایک کی طرف راجع ہے یعنی فیہوں آجروں کی طرف، باقی تکرار کلام طویل ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

يَقُولُ ابْنُ عَبَّاسٍ : يُشِيرُ بِأَمْرِهِ إِلَى الْمُعَامَلَةِ فِيهِ اِهْتِمَامٌ كَرَانِيهِ - لِنَسَاطَةِ النَّاسِ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ  
أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ  
حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

ترجمہ : حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا  
رسول اللہ ﷺ نے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف  
سے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو کفار سے اس  
وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ گواہی  
نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ حدیث پاک سورہ توبہ کی آیت علیٰ تفسیر ہے :

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِذُوا مِنْهُمْ فِي الدِّينِ

اس حدیث پاک کو حدیث القتال بھی کہتے ہیں یعنی تسمیۃ الکل باسم الجور کے قبیل سے ہے  
کیونکہ اس میں قتال کا ذکر ہے۔ اس حدیث کے متعلق اہم مباحث کو غوانات سے لکھا جاتا ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

عنوان اول - حاصل الحدیث

کہ مجھے لوگوں سے قتال اور جہاد کا حکم دیا گیا جب تک کہ لوگ تین کام نہ کر لیں (۱) شہادتین کا اقرار۔  
(۲) اقامۃ الصلوٰۃ (۳) ایتاء الزکوٰۃ - جو لوگ یہ تین کام کر لیں گے یعنی سچے مسلمان ہو جائیں گے

وہ معصوم الذم ہو جائیں گے۔ اب ہمارے لیے شان کے مال سے تعرض جائز رہے گا اور نہ ہی جان  
البدنہ مسلمان ہو جانے کے بعد اگر کسی موقع پر کسی حق سلام کا تقاضا ہو تو وہ معصوم الذم نہ رہے گا۔

قوله اُمِرْتُ ، یعنی مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے  
امر خدا تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا لہذا اُمِرْتُ کی ضمیر رب ذوالجلال والاکرام کی طرف  
راجع ہے۔

قوله حتی : یہاں پر حتیٰ بمعنی 'کی' ہے۔ جیسے اسلمت حتیٰ ادخل الجنة  
یعنی مجھے حکم الہی ہے کہ ملک گیری یا مال گیری کی نیت سے جہاد نہ کروں بلکہ لوگوں کو ہدایت دینے  
کی نیت سے کروں۔

قوله فَإِذَا قَاتَلْتُمُوهُمْ ذَٰلِكَ - ذَالِك کا اشارہ یہ مذکورہ تین کام ہیں۔

سوال - کہ اس میں عمل داخل ہیں مگر شہادت داخل نہیں کیونکہ وہ ایک قولی چیز ہے۔

جواب ، قَاتَلْتُمُوْا عام ہے زبان سے ہو یا فعل سے۔

سوال - مسلم شریف کی روایت میں ہے یُؤْمِسُّوْا بِمَا جِئْتُمْ بہ تو اس کے

اندر عموم تھا نماز روزہ آگیا۔ پھر نماز روزہ کو علیحدہ کیوں ذکر فرمایا؟

جواب : یہ دونوں کام مہتمم بالشان ہیں اس لیے ان کو علیحدہ ذکر فرمایا۔

قوله إِلَّا يَحْتَقِ الْأِسْلَامُ : استثناء ہے ان کے معصوم الذم اور معصوم المال

ہونے سے یعنی ان کی جان و مال سے تعرض جائز نہیں۔ مگر حق الاسلام کی وجہ سے جائز ہے مثلاً  
مرغمہ ہو گیا یا محسن سے زنا کر لیا، یا کسی معصوم الذم کو عمدتاً قتل کر دیا۔ ان صورتوں میں اس کا دم محفوظ  
نہ رہے گا۔

سوال - اس حدیث میں صوم و حج کا ذکر نہیں۔

جواب اول : اس وقت تک یہ دونوں فرض نہیں ہوئے تھے۔

جواب دوم : نماز بدنی عبادت کی اور زکوٰۃ مالی عبادت کی اصل ہے۔ اس لیے

ان دونوں کو خاص کیا۔

قوله وَحَسَا بَيْتُكَ عَلَى اللَّهِ : یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے

کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مذکورہ تین کام ظاہری طور پر صرف جان بچانے کے لیے کرے دل سے مسلمان نہ ہو تو یہ جہاد شاد فرما کر اس کا جواب دے دیا کہ تم صرف ظاہر کے تکلف ہو بالہن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے ۔

## عنوان دوم

# حدیث القتال کا حکم اور اعطاء جزیہ سے تغاض

**سوال** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قتال کی غایت صرف اسلام لانا ہے حالانکہ اجماعی مسئلہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان لانے کے بجائے جزیہ دینا قبول کر لے تو اس سے بھی قتال کو روک دیا جائے ۔ کما فی قولہ تعالیٰ :-

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۚ (سورۃ بقرہ ۲۹۰)  
**جواب اول :** یہ حدیث جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے ۔ جزیہ کا حکم نازل ہونے کے بعد یہ حدیث منسوخ ہو گئی ۔

**جواب دوم :** اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ فِي النَّاسِ بِرَأْفٍ لَامِ اسْتِزَاقِ كَيْلِے نہیں بلکہ الف لام عہد خارجی کے لیے ہے اس سے خاص لوگ مراد ہیں یعنی مشرکین عرب اور ان کا حکم یہی ہے کہ ان سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں ۔ جب تک کہ مسلمان نہ ہوں ان سے جہاد ضروری ہے الف لام عہد کی ہونے کی تائید نسا کی شریف کی روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں :-  
 اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ الْمُشْرِكِينَ ۔ (عمدة القاری ص ۱۷۱)

**جواب سوم :-** حَتَّى يَشْهَدُوا کا معنی ہے کہ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا ایسی چیز کا التزام کریں جو ان کو اسلام تک پہنچائے اور جزیہ کو قبول کر کے مسلمانوں کے ملک میں رہنا یہ

## تَارِكِ صَلَاةٍ كَا حَكَمِ

تارک مصلوۃ دو قسم ہے اول تارک الصلوۃ استحلالاً، یعنی جو شخص نماز چھوڑے اور چھوڑنے کو جائز بھی سمجھے تو یہ بالاجماع کافر ہے۔ دوم تارک الصلوۃ تکاسلاً، یعنی جو شخص نماز کو فرض اور اس کے چھوڑنے کو ناجائز تو سمجھتا ہے لیکن سستی اور تکاسلاً نماز نہیں پڑھتا تو اس کے حکم میں اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسکات اول** حضرت علیؑ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ واسحق بن راہویہ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تارک القلواء المکتوبہ عندا جلا غدر کا فر ہے۔

**مُستدل** - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلوٰۃ اسلام کے ان بنیادی حکموں میں سے ایک حکم ہے جس پر اسلام اور دین کی بنیاد ہے۔ کما فی قولہا علیہ السلام: **بُئِيَ الْأِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ** فیوز صلوٰۃ کا ثبوت نص قطعی سے ثابت ہے تو گویا یہ نص قطعی کا بھی مُستکر ہے اور عند الجمہور نص قطعی کا منکر کافر ہے۔

مسئلہ دوم - مجبور علمائے امت کے نزدیک کھانا کھانا کو عملاً چھوڑنے والا کافر نہیں ہے  
فاسق ضرور ہے

مستدل۔ ترکِ مِلّۃ بھی ایک گناہِ کبیرہ ہے اور اس کا حکم دوسرے مُرتکبِ کبیرہ جیسا ہے کہ تحتِ الشَّیْئۃ ہے ۛ ان شاء عذِّبہ وان شاء غفرلہ ۛ کما فی مشکوٰۃ مشہج ۛ

کتاب الصلوة فصل اول۔ وَمَنْ كَفَرَ بِهَا مِنْ نَعْيَاتٍ بَعْدَ فَلَاحٍ لَهُ عَلَى اللَّهِ عَهْدُكُمْ إِنَّمَا شَاءَ عَذَابُكَ وَإِنَّ شَاءَ غَفْلَتُهُ۔

جس کا غلام یہ ہے  
کہ تارک الصلوة عمدہ

کفر کا حکم لگانے والوں کے مستدل کا جواب

ہے۔ لَا اِعْتِقَادًا وَحُكْمًا وَلِهَذَا لَا يَمْسُكُ بِالْكَفْرِ۔

عنوان چہارم

تارک صلوٰۃ عمدہ کی سزا

تارک صلوٰۃ عمدہ کی سزا کی ہے؟ اس بارہ میں بھی رد و مسلک ہیں۔

مسلک اول۔ امام نانک دمام شافعی کے نزدیک اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اور یہ قتل ردائے ہوگا بلکہ حدیثاً ہوگا۔

مسلک دوم۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی سزا قتل نہیں بلکہ اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم وقت اس کو قید کرے اور خوب چٹائی کرے۔ یہاں تک کہ یا تو مر جائے یا توبہ کرے۔

جو حضرات تارک الصلوٰۃ کی سزا قتل بتلاتے ہیں  
قائلین بالقتل کی دلیل اول

ان کا استدلال اس حدیث میں اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ  
الاشناس سے بھی ہے۔ اس میں قتال کی غایت شہادتین اور اقامۃ الصلوٰۃ بیان کی گئی ہے۔ معلوم  
ہو کہ اقامۃ الصلوٰۃ نہ کریں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

اس دلیل کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ قتال کی غایت میں

جواب اول الزامی اقامۃ الصلوٰۃ کے ساتھ ایثار الزکوٰۃ بھی مذکور ہے۔ اگر اس

حدیث سے یہ استدلال کیا جائے کہ تارک الصلوٰۃ کو قتل کیا جائے تو لازم آئے گا کہ تارک زکوٰۃ  
کو بھی قتل کیا جائے حالانکہ یہ حضرات اس کے قائل نہیں۔ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَبُحْبُوَانَا۔

**جواب دوم تحقیقی** | عسۃ ابن دستیق العیداس استدلال کی تردید کرنے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ استدلال قتال اور قتل میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ قتال اور قتل میں فرق ہے۔ قتال کا معنی لڑنا، اس کو قتل لازم نہیں اور یہ باب مغانہ کا مصدر ہے جو کہ جانبین سے ہوتا ہے۔ اور قتل میں جانبین سے لڑائی نہیں ہوتی بلکہ ایک فریق دوسرے کو مارتا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے امام شافعیؒ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :-  
 لَيْسَ الْقِتَالُ مِنَ الْقَتْلِ بِسَبِيلٍ فَكَذَلِكَ يَقَالُ الْقَتْلُ وَلَا يُقَالُ قَتَلْنَا  
 رَفِئَةُ الْبَسَارِيِّ (م)

خلاصہ یہ ہے کہ تارکِ صلوٰۃ سے قتال ثابت ہوتا ہے اس کے ہم بھی قاتل ہیں بلکہ نماز تو بڑی چیز ہے۔ امام محمدؒ نے آذان کے بارہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی بستی والے آذان کہنا چھوڑ دیں یا چھوڑنے پر اتفاق کر لیں اور حاکمِ وقت کے کہنے پر نہ مانیں تو حاکمِ وقت ان سے قتال کر سکتا ہے۔ جب حنفیہ تارکِ آذان سے قتال کے قاتل ہیں تو تارکِ صلوٰۃ سے بدرجہ اولیٰ قاتل ہوں گے البتہ قتل کے قاتل نہیں اور نہ ہی قتلِ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

**قاتلین بالقتل کی دلیل دوم** | دلیل پکڑی جاتی ہے ۛ قَاتِلُوا قَاتِلُكُمْ وَاقْتُلُوا الصَّلَاةَ وَاقْتُلُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (۱) اس سے قبل قتلِ مشرکین کا حکم آرہا ہے پھر فرمایا اگر وہ توبہ قبول کر لیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

یہ کہ اِقَامَتِ الصَّلَاةِ اور اِيتَاءِ الزَّكَاةِ تخلیہ سبیل کی شرط ہے یعنی جب تک نماز کی پابندی نہ کریں، زکوٰۃ نہ دیں تب تک ان کا راستہ نہ چھوڑو بلکہ گرفت کرو۔ یہ آیت احاف کے خلاف تب ہوتی جب کہ ترکِ صلوٰۃ کی صورت میں ان کا مذہب یہ ہوتا کہ ان کو چھوڑ دو، کچھ نہ کہو اور حنفیہ اس کے قاتل نہیں بلکہ وہ جیس اور تعزیرِ شدید کے قاتل ہیں۔ حکمًا منکر: اگر بالفرض ان حضرات کا استدلال اس آیت سے صحیح مان لیا جائے تو خود ان کے بھی خلاف ہوگا اس لیے کہ اِقَامَةُ الصَّلَاةِ کے ساتھ اِتِّعَاءُ الزَّكَاةِ بھی ہے تو تارکِ الزکوٰۃ کا قتل لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ حضرات بھی اس کے قاتل نہیں۔

ترجمہ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى صَلَوَتَنَا

مطلب یہ ہے کہ شریعت محمدیہ کے موافق نماز پڑھے یعنی رکوع بھی کرے۔ کیونکہ یہود کی نماز میں

## مَنْ صَلَّى صَلَوَتَنَا كَيْ تَشْرَحْ

رکوع نہیں تھا۔ اور پانچ وقت نماز پڑھے کیونکہ پہلی امتوں میں صرف دو یا ایک نماز تھی اور ایسی نماز اقرار تو حیسد اور اعتراف نبوت پر موقوف ہے۔ اور اعتراف نبوت تمام احکام شریعت کو مستلزم ہے۔ تو ادعہ نماز سے جمیع اجاء بہ النسب صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہو گئی۔ اس لیے نماز اسلام کی علامت ہے۔

اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز میں رخ کرے۔ یعنی اہل کتاب والا قبلہ نہ ہو بلکہ وہ مسلمانوں کے قبلہ کی طرف منہ کرے۔

## وَأَسْتَقْبِلَ قِبْلَتَنَا كَيْ تَشْرَحْ

یہ کہ استقبال قبلہ بھی تو بعض مَنْ صَلَّى صَلَوَتَنَا میں آگیا بلکہ صلوٰۃ میں مشروط ہو کر موجود ہے پھر اس کو علیحدہ مستقل کیوں ذکر فرمایا؟

سوال

یہ ہے کہ اگرچہ نماز ہر ایک کو معلوم نہ ہو لیکن قبلہ ظاہر عرف شہود کا محسوس ہونے کی بناء پر ہر ایک کو معلوم ہے تو گویا کہ قسدا عرف من الصلوٰۃ ہوا

جواب اول

اسی بے اس کو مستقل ذکر فرمایا۔

بعض اعمال صلوٰۃ وہ ہیں جو است محمدیہ کی نماز کے ساتھ خاص نہیں کا نظام والقرآنۃ فاستقبائ القبلۃ مخصص بنا فلینا ذکرہ مستفاد

جواب دوم

یعنی یہود و نصاریٰ کی نماز میں بھی قیام و قرأت وغیرہ اس سے بالکل امتیاز کے لیے استقبال کا امر ذکر فرمایا کیونکہ وہ لوگ نماز بیست المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے جبکہ ہمارا قبلہ کعبۃ اللہ ہے۔



قَوْلُهُ وَ أَكَلَ ذِي بَيْحَتُنَا اور ہماری ذبیحہ کو کھائے ذ بیحۃ یعنی معنوی مفعول ہے اکل ذ بیحہ عبارت اور عادت دونوں کو شامل ہے تو آپ نے ایسا میسر ذکر فرمایا جو عادت میں بھی تمیز کرے کہ وہ مسلمانوں کی ذبیحہ کھاتا ہو کیونکہ بعض کفار مسلمانوں کی ذبیحہ نہیں کھاتے تھے اور اس سے پہلے دو میزات صرف عبادتی ہیں۔ بہر حال یہاں صغر مقصود نہیں بلکہ علامات کفر کا فقدان اور علامات سلام کا وجود مراد ہے اور ان تین علامات کی خصوصیت مقتضائے زمانہ کی وجہ سے۔

**ترجمہ :** پس وہ مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے عہد و امان میں ہے۔

قَوْلُهُ فَذَٰلِكَ الْهُدَىٰ  
الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَ ذِمَّةُ  
رَسُولِهِ

پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو! یعنی شاعر اسلام کی بجا آوری کے بعد ان کے ساتھ کسی قسم کا برا سلوک نہ کرو یعنی ان کے ساتھ بد سلکی کرنا اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑنے کے مترادف ہے۔

قَوْلُهُ وَلَا تَخْضَرُوا - تخفروا، اخفار سے ہے بمعنی خیانت کرنا، عہد شکنی کرنا۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تین چیزیں مسلمان ہونے کی علامت ہیں جس میں یہ علامتیں پائی جائیں اس کو مسلمان سمجھو اور مسلمان سمجھنے کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کو اللہ و رسول کی ذمہ داری میں سمجھا جائے اس کے مال و جان و آبرو میں بغیر حق کے تعرض نہ کیا جائے۔

سوال۔ اس حدیث سے مرزائی وغیرہ استدلال پکڑتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تین کام کرے وہ مسلمان ہے اس کو کافر کہنا جائز نہیں یہ تین کام تو ہم بھی کرتے ہیں پھر جاری تکفیر کیوں کی جاتی ہے۔

یہ تین چیزیں ایمان کی ظاہری علامت ہیں اور ظاہری علامت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب کہ اس کا منافی موجود نہ ہو اور ان لوگوں

**جواب اول**

میں منافی موجود ہے منافی بعض ضروریات دین کا انکار ہے۔

**جواب دوم الزامی**۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیا ہے

حالانکہ ان کے مخالفین یہ تینوں کام کرتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کی تکفیر کی۔ کیسا اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَالَ أَتَى أَعْرَابِيَّ النَّبِيَّ ﷺ  
فَقَالَ دَلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ  
دَخَلْتُ الْجَنَّةَ

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل بتا دیجیے کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

قولہ اَعْرَابِيٌّ۔ یعنی دیہاتی جو آداب مجلس نبویؐ سے نا آشنا ہو جس کو فارسی میں بادیہ نشین کہتے ہیں۔ اور یہ اعرابی قبیلہ قیس کا ایک شخص تھا۔ جن کا نام بعض نے ابن النشوق اور بعض نے قبط بن صبرہ بتایا جب کہ مسئلہ یعنی کی رائے یہ ہے کہ یہ اعرابی سعد بن الاغرم ہیں۔ بہر حال صحابی رسولؐ ہونے میں اتفاق ہے۔

قولہ عَلَى عَمَلٍ۔ صحابی رسولؐ نے تعلیم عمل کو دخول جنت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور یہ ظاہری سبب کی حد تک ہے کیونکہ حقیقی ذریعہ لدخول الجنۃ رحمت وفضل رب ذوالجلال۔ قولہ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ۔ یہاں جنت کا دخول اولیٰ مراد ہے جو بغیر عذاب کے ہو۔ قولہ تَعَبَّدُ اللّٰهَ وَلَا تَشْرِكْ بِهِ شَيْئًا۔ تَعَبَّدُ اللّٰهَ یہ خبر معنی امر ہے اے اعبُد اللّٰهَ یا نفلظ اَنْ مقدر ہے جس کی وجہ سے ہوتا دلیل مصدر مبتدا محذوف کی خبر ہے اَنْیْ هُوَ اَنْ تَعَبَّدَ اللّٰهَ۔

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادین کا ذکر کیوں نہیں فرمایا حالانکہ بغیر شہادین زیادتی فی الکلام تصور ہوتی۔ جواب اول۔ یہ کہ وہ مسلمان تھا مسلمان ہونے کی بنا پر تعلیم شہادین زیادتی فی الکلام تصور ہوتی اس لیے ترک فرمایا۔

**جواب دوم۔** تَعْبُدُ اللّٰهَ بِعَقْلِ وَخَدِّ اللّٰهَ کے ہے کیونکہ آئندہ عبارت کا ذکر آ رہا ہے اور وحدانیت بغیر اقرار نبوت معتبر نہیں۔ لہذا اس کے ضمن میں شہادتین کا ذکر آ گیا ہے بنا بریں ذکر کی حاجت نہیں۔

**سوال۔** تعلیم اعمال میں حج کا ذکر کیوں نہیں فرمایا؟

**جواب اول۔** یہ واقعہ شہد کا ہے اور بقول مشہور حج کی فرضیت شہد میں ہوئی تکلیف بکلمہ الحج۔

**جواب دوم۔** یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے یہاں راوی سے نسیان یا اشتہار چھوٹ گیا۔

**جواب سوم۔** یہ ہے کہ وہ اعرابی بیت حج ہی نکلا تھا اس لیے ذکر کی ضرورت نہیں

قَوْلُهُ قَتَانٍ وَالَّذِي فَطَرَنِي بِسَدَةٍ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا وَلَا أَفْقَصُ مِنْهُ  
ترجمہ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا۔

**سوال۔** یہ ہے کہ اس شخص نے زیارت خیر سکر ترک پر قسم کھائی اور آپ نے اسے برقرار رکھا یعنی تکبیر نہیں فرمائی۔ حالانکہ وَقَدْ وَرَدَ التَّكْوِيْنُ عَلَى مَنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَقُولَ خَيْرًا۔ کما فی ابی داؤد مثلاً ج ۲ باب الجنث إذا كان خيراً بروایت عبد الرحمن بن سلمة إذا حلفت على يمينين فما أتيت غيرهما خيراً منها فأتيت الذي هو خير وكفرت بيمينتك : وفي مقام آخر ابوداؤد مثلاً ج ۲ باب اليمين في قطيعة الرجوع كفر عن يمينتك وكلموا أحوال :-

**جواب۔** یہ کہ احوال و اشخاص کے اختلاف کی بنا پر احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں یہاں بھی کسی خاص آدمی کے لیے کسی خصوصی حالت میں جائز رکھا گیا ہو۔

**سوال۔** یہ کہ لَا أَفْقَصُ پر مثنیٰ ہونے کی بشارت دینا تو مقتضی عقل ہے لیکن لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا پر یہ بشارت غلات نقل و عقل ہے کیونکہ قرآن مقدس میں زیارتی فی الخیر کا حکم ہے۔  
فَأَسْتَقْبِضُوا الْخَيْرَاتِ :

**جواب اول :** یہ ہے کہ لَا اَنْزِلُ عَلَیْكَ هٰذَا کَافًی ہے کہ لَا اَنْزِلُ عَلَیْكَ هٰذَا اسْئَالَ  
مطلب یہ تھا کہ اس وقت صرف یہی پوچھنا تھا جو پوچھ لیا ہے اس وقت اور سوال نہیں کروں گا اور  
جو کچھ جناب نے فرمادیا ہے اس پر عمل کرنے میں کمی نہ کروں گا۔

**جواب دوم :** یہ شخص اپنے قبیلہ کا نمائندہ بن کر تعلیم حاصل کرنے آیا تھا جا کر اس نے اپنی  
قوم کے سامنے یہ باتیں نقل کرنی تھیں اس لیے لَا اَنْزِلُ عَلَیْكَ هٰذَا اَنْفَعُ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تسلیت  
کرنے کے وقت یہ باتیں بعینہ نقل کرنے میں کمی زیادتی نہ کروں گا، پوری دیانت داری سے کام لوں گا  
اور یہی سفار تکاری کا شعار ہے۔

**جواب سوم :** یہ ہے کہ اصل مقصود اس شخص کا لَا اَنْفَعُ ہے لَا اَنْزِلُ کہنا مقصود  
نہیں یعنی لَا اَنْزِلُ تَاکِیْدًا و محاورہ ہے۔ محاورات میں عام طور پر یہ الفاظ اکٹھے ذکر کر دیے جاتے  
ہیں مثلاً بائع سے مشتری نے من پوچھے اس نے کہا سو روپے! مشتری جواب میں کہہ دیتا ہے کہ  
بھائی کچھ کمی بیشی کرو! حالانکہ مقصود کمی کرنا ہے زیادتی نہیں اسی طرح سے اس صحابی کا مقصد صرف  
نقص کی نفی کرنا تھا۔

قَوْلُهُ قَلَمًا وَ لَوْ قَالَ السَّبْحُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَكَرَهُ أَنْ  
يَنْتَظِرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا : (ترجمہ) جب وہ  
دیہاتی چلا گیا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہے  
تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔

**سوال :** جنت کے دخول اولیٰ کے لیے تمام محرمات سے اجتناب اور تمام واجبات  
کی پابندی ضروری ہے حالانکہ یہاں ان کا ذکر نہیں۔

**جواب :** عبادت کا مفہوم سب کو شامل ہے اور نماز کے متعلق قرآن مقدس میں ہے  
” إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَكُونُ فِي الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ إِلَّا هَذَا نَمَازُكَ ذَكَرَ تَمَامَ مَحْرَمَاتِ مِنْ  
اجْتِنَابِ كَذَا وَاجْتِنَابِ هَذَا“

یَقُولُ ابُوَالْاَسْحَادِ : جنتی ہونا گو خانہ بالخیر پر موقوف ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا خانہ بالخیر ہو گا۔ اس لیے لسان نبوت نے اس کے جنتی ہونے کی

بشارت سنادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنتی آدمی کو دیکھنا بھی باعثِ ثواب اور اس کے دیدار سے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اٹھ جاگ کر پیدائستیا دل مسجد دے جا | نشان کوئی مل پورے تو بھی بخشا جا  
(فرید)

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ  
عَبْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ  
قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا  
بَعْدَكَ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت سفیان  
ابن عبد اللہ ثقفی سے کہ میں نے عرض کیا  
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے متعلق ایسی  
بات بتائیں کہ آپ کے بعد اس کے متعلق کسی  
سے نہ پوچھوں۔

قَوْلُهُ بَعْدَكَ : لفظ بَعْدَكَ کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ آپ کے سوا کسی دوسرے  
سے سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ یعنی معاف مقدمہ ہے اصل میں ہے ”بَعْدَ سُؤْلِكَ“۔  
دوم یہ کہ آپ کی وفات کے بعد کسی سے سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ پہلا معنی زیادہ  
راجح ہے۔ کیونکہ دوسری روایت میں صراحۃً غیرك کا لفظ موجود ہے۔

قَوْلُهُ قَالَ قُلْتُ اَمَنْتُ بِاللَّهِ شَوْأَ سُبْحَتِهِ (ترجمہ) آپ نے فرمایا کہ دل  
اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ پر ایمان لایا، اور پھر اس اعتراف و اقرار پر قائم رہو۔  
”اَمَنْتُ بِاللَّهِ“ کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ اول ”اَمَنْتُ بِاللَّهِ“ سے اگر تمام ایمانیات  
مراد ہوں تو فَاسْتَقْبَحُ سے جمیع احکام و طاعات مراد ہوں گے۔ دوم اگر اَمَنْتُ بِاللَّهِ سے  
جمیع مأمورات و منہیات مراد ہوں تو فَاسْتَقْبَحُ سے اس پر مداومت کرنا مراد ہوگی گویا یہ حدیث  
قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر ہے ”إِنَّا أَلَيْنَا بَيْنَ فَاسْتَقْبَحْنَا اللَّهَ شَوْأَ سُبْحَتِهِ“  
یفصول ابوالاسعاد : یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ یہ تمام ایمانیات اور  
تمام طاعات کو شامل ہے بلکہ یہ عَمَّا تَنَا شَيْئًا وَحُسْنُكَ وَلَا جِد : کے قبیل سے ہے ایک

جامع لفظ کی تعبیر و تفسیر مختلف عنوان سے ہوتی ہے۔ لفظ استقامت کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً سیدنا ابوبکر الصديقؓ سے استقامت کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں فرمایا :  
 اَنَّ لَا تُكْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا -

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ : " اَلْاِسْتِقَامَةُ اَنْ تَسْتَقِيْمَ عَلَى اَمْرِ وَاللهِ وَلَا تَرْوِغَ رَوْغَانَ الْمُتَعَالِبِ " استقامت کہا جاتا ہے کہ امر وہی پر اس طرح مضبوط رہنا کہ لومڑی کی طرح ادھر ادھر میلان نہ ہو۔

وَقَالَ عِشْمَانُ بْنُ عَفَّانَ : - اِسْتَقَامُوا اَخْلَصُوا الْعَمَلَ لِلَّهِ -

خلاصۃ الکلام استقامت نام ہے تصلب فی الدین کا۔ یعنی جمیع مامور کی ادائیگی اور ہر مشکلات سے اجتناب میں مضبوط رہنا۔ لہذا دین کے کسی حکم سے ادنیٰ انحراف بھی استقامت کی ضد ہے اور یہ بہت عظیم نشان چیر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَيْئٌ لِّىْ هُوَ وَ اَخَوَاتُهَا جَعَلْنِي سُرَّةَ بَرْزَخٍ كَرِهَ رَاى كَيْفَ رَكِبَ اسَ مِنْ فَا سَتَقِيْمُ كَمَا اُمِرْتُ كَسَ مَا تَعْلَمُ كَيْفَ كَيْفَ - نیز صحابیہ کرام فرماتے ہیں کہ اَلْاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ كَلِمَةٍ

## اسمائے رجال

### حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی کے حالات

آپ کی کنیت ابو عمرو ثقفی ہے۔  
 ان کا شمار اہل طائف میں ہوتا ہے  
 کیونکہ ثقفی قبیلہ طائف میں رہتا

تھا۔ حضرت عبید فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں آپ طائف کے عامل رہے۔ آپ کی صحبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ کی کل روایات صرف پانچ احادیث ہیں۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ  
عَبِيدِ اللَّهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ  
الْأُرَاسِ تَسْمَعُ دَوْنِي صَوْتًا  
وَلَا تَفْقَهُ مَا يَقُولُ :

ترجمہ : حضرت طلحہ بن عبید اللہ فرماتے  
ہیں کہ اہل نجد سے ایک آدمی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس کے سر کے  
بال پراگندہ تھے ہم اس کی آواز کی  
گنگناہٹ سنتے تھے اور اس کی بات  
سمجھتے نہ تھے۔

قَوْلُهُ جَاءَ رَجُلٌ ، تعبیریں رجل میں مختلف روایات ہیں۔ (۱) بقول قاضی  
عیاض یہ رجل ضمام بن ثعلبہ تھے جو قبیلہ بنی سعد کے نمائندہ بن کر آئے تھے (۲) ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ  
کی تحقیق کے موافق وہ ضمام بن ثعلبہ نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہیں لیکن قول اول کو جمہور علماء نے  
ترجیح دی ہے۔

قَوْلُهُ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ، نجد اپنے علاقہ کو کہتے ہیں۔ اس کے مقابل پچھلے  
علاقہ کو غور یا تہام کہتے ہیں۔ ملک عرب کے دو حصہ ہیں ایک پستی والا جسے تہامہ وغور کہتے ہیں  
اور دوسرا بلندی والا جس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی وہ رجل ملک عرب کا باشندہ تھا لیکن عرب کے  
بالوں کی (نجد) علاقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

قَوْلُهُ ثَائِرُ الْأُرَاسِ ، اس کی دو ترکیبیں ہیں (۱) ثَائِرُ الْأُرَاسِ رجل کی صفت  
ہونے کی بنا پر مروج ہے اور اخافت لفظی کی وجہ سے تعریف کا فائدہ نہیں دیا۔ (۲) یا حال بن  
رہا ہے رجل سے مینٹی ہوگا حال ہونا اس آدمی کا کہ وہ پراگندہ سر والا تھا۔  
سوال : سر تو پراگندہ نہیں ہوتا بلکہ بال پراگندہ ہوتے ہیں۔

جواب اول : ثَائِرُ الْأُرَاسِ ، رَجُلٌ سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور صفات  
مخذوف ہے اصل میں عبارت تھی اِی ثَائِرُ شَعْرِ الْأُرَاسِ ۔

**جواب دوم :** ذکر محل بارادہ حال کی بناء پر مجازاً بال مراد میں یعنی ذکر محل سر کا مراد حال بال ہیں۔

**جواب سوم :** کلام میں مبالغہ پیدا کرنا مقصود ہے کہ بال اتنے پر آگندہ تھے کہ گویا سارا سر پر آگندہ ہے۔

يقول ابوالاعلیٰ سعاد : علماء فرماتے ہیں کہ وہ متعلم اور سائل بن کر آیا تھا اس لیے یہ تعلیم دے گیا کہ غالب مسلم کو بناء سنگھار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ایک ہی ذہن ہو کہ کسی طرح علوم نبویہ کی تسلیم کی تکمیل ہو۔

قوله ذَوِي صَوْتِه : بفتح الدال دکر الواد و تشدید الیاء یعنی صوت مرتفع اور مستکثرہ جود یعلمو کے درجہ میں ہے لیکن عند العلماء ذَوِي شہد کی نگہی کی بھینٹا ہٹ کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ آواز ہے جو سنائی دے اور مفہوم دہشتی سمجھ میں نہ آئیں۔

خَلَا صَتَا الْكَلَامِ کہ وہ شخص بوجہ رعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوالات کو دہرانے جو آ رہے تھے تاکہ گفتگو کرتے وقت غلطی کا باعث نہ بن جائے اور قوم کی نمائندگی میں کوئی فرق نہ آجائے۔ اس سے اس شخص کی رغبت فی الطلب معلوم ہوتی ہے۔

**سوال :** یہ کہ حدیث پاک میں حَسْبِي دَنَا اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے الفاظ ہیں۔ یعنی اب تک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام بھی شروع نہیں کی پہلے کیسے دَوَّی کر رہا تھا۔

**جواب :** یہ کہ قانون ہے کہ جب بدوی یا جاہل آدمی کسی شہری یا پڑھے لکھے کے پاس آئے تو اس کو اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے میں تکلیف ہوتی ہے اور خوف گنہگار کیونکہ اس کا اثر اس پر پڑتا ہے اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اس لیے آدمی اپنے سوال وغیرہ کی پہلے مشق کرتا ہے تاکہ بیان کرنے میں آسانی رہے۔ یہی حال اسی مکرم انسان کے ساتھ ہوا لہذا اپنے تئیں وہ سوال وغیرہ کی مشق کر رہا تھا لیکن انداز بیان ایسا تھا کہ ہمیں اس کی فہم کا پتہ نہیں چلتا تھا۔

قوله وَهُوَ یَسْتَلِیْ عَنْ اِلَاسْلَیْم : بعض شراح نے لکھا ہے کہ اسلام کے متعلق سوال کر رہا تھا جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔



سوال : یہ کہ اگر اس بدوی کا سوال اسلام کی حقیقت کے متعلق ہے تو پھر نماز کے متعلق کیوں بیان فرما رہے ہیں کہ چونکہ اسلام کی حقیقت شہادتین میں ہے (مکتبہ)

جواب اول : شہادتین اس کو آتی تھی اس لیے نماز سے شروع کیا۔

جواب دوم : سوال کے اندر اسلام کی حقیقت مراد لینا بالکل غلط ہے واصل یہاں

لفظ مقدمہ ہے ”وَهُوَ يَشْهَدُ عَلَى الْإِسْلَامِ أَيَّ عَنْ قَرَأْتِ الْإِسْلَامَ وَالْحُكْمَ“ چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں یوں ہے : ”أَخْبَرَنِي مَاذَا خَرَجَ اللَّهُ عَلَى (مسئلہ ج ۱) اہل شہادتین کا ذکر نہیں فرمایا۔

سوال : سائل کے سوال کے جواب میں نماز کا ذکر تو فرمایا مگر حج کو کیوں ذکر نہیں فرمایا۔

جواب اول : یہ کہ عدم استطاعت کی وجہ سے حج اس پر فرض نہ تھا اس لیے ذکر نہیں فرمایا۔

جواب دوم : یہ کہ اس وقت حج فرض نہیں ہوا تھا۔ لیکن

يقول شيخ جاجدوى رحمه القوي : سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ

کی روایت میں حج کا ذکر بھی ہے یہاں راوی سے نسباً نادرہ گیا ہے۔

وجوب وتر کا مسئلہ :

اس مسئلہ کی وضاحت سوال و جواب کی شکل میں پیش کی جاتی ہے۔

سوال : یہ کہ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو پانچ نمازوں

کا فرمایا اس نے پوچھا کہ کیا اس سے زائد نماز بھی پر فرض ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ نہیں

فرض تو اور کوئی نہیں البتہ نقل جتنے چاہو پڑھ سکتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پانچ نمازوں کے

علاوہ کوئی نماز فرض و ضروری نہیں جب کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر واجب ہیں

یہ وجوب و ترد لا قول اس حدیث کے خلاف ہے۔ وجوب وتر میں مذاہب اوردلائل

کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر ہی آئیگی۔ البتہ اس حدیث پاک کے جوابات عرض کر

رہا ہوں۔

جواب اول : یہ جواب بطور الزام کے ہے یعنی الزامی جواب ہے جس کا خلاصہ

یہ ہے کہ بالکل اسی طرح کے الفاظ زکوٰۃ کے بارے میں بھی ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اتفاق مالی فرض نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ ائمہ ثلاثہ صدقہ فطر کو فرض کہتے ہیں۔ اگر وجوب وتر اس حدیث کے خلاف ہے تو فرضیت صدقہ فطر بھی اس حدیث کے خلاف ہے۔ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَعَلُوا جَوَابُنَا !

**جواب دوم :** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وجوب وتر سے پہلے کا ہے اس وقت واقعی یہ حکم تھا کہ ان پانچ کے علاوہ کوئی اور نماز واجب نہ تھی (مزید تفصیل سیاتی) بقول ابوالاسود : عدم وجوب وتر پر اس حدیث سے دلیل پکڑنا غیر صحیح ہے کیونکہ یہاں فرائض اعتقادیہ کی نفی کرنا مقصود ہے اور عند الاحتماف بھی وتر فرائض اعتقادیہ میں سے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی شوکانی باوجود اپنی ظاہریت کے نیل الاوطار میں فرماتے ہیں کہ عدم وجوب پر اس حدیث سے استدلال کرنا محمل نظر ہے اس لیے کہ یہ ابتدائی تعلیم ہے ابتدائی اجمالی تعلیمات سے تمسک دلیل کرتے ہوئے ان فرائض و واجبات کا انکار کرنا جن کی تفصیل بعد میں وارد ہوئی یہ درست نہیں۔

قَوْلُهُ (لَا أَنْ تَطْوَعُ) اس کو دو طرح سے پڑھا جاتا ہے (۱) تطوع بتجہیف ظاہر اصل میں تَطْوَع تھا تاہم مشہورہ کی بناء پر ایک تار کو گرا دیا (۲) دوسری وجہ تطوع ہے بتشدید ظاہر اصل میں تَتَطَوَّع تھا تاہم کوٹا کیا اور ظاہر کو طائیں ادغام کیا۔

مختصراً عرض ہے کہ استثنیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منقطع۔ اصل استثناء میں اتصال ہے استثناء منقطع وہاں مراد لینا چاہیے جہاں متصل نہ بن سکتا ہو۔ یہاں اگر استثنیٰ منقطع بنائیں تو ترجمہ یوں ہوگا "تیرے ذمہ اور نمازیں فرض نہیں مگر یہ کہ تو نفل پڑھے"۔ اس صورت میں استثناء مندوب کلمے واجبات سے۔ اور استثناء متصل جو تو معنی یہ ہوگا "تیرے ذمہ اور واجب نہیں مگر یہ کہ تو نفل نماز کو شروع کر دے" نفل نماز شروع کرنے سے واجب ہو جائے گی تو استثناء واجب کا واجبات سے ہوا۔

یہاں پر ایک فقہی مسئلہ ہے جس کا نام ہے بعد شروع عبادت اتمام عبادت واجب ہے یا نہیں اس بات پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفل حج شروع

کرنے سے واجب ہو جاتا ہے۔ نفل نماز اور نفل روزہ میں اختلاف ہے اور دو مسلک ہیں :-

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اِنْ اَنَّ تَطَوُّعَ کی استثناء منقطع ہے جو

**مسلب اول**

الکن کے معنی میں ہے "الکن اِنْ شِئْتَ افْعَلْ تَهْتَوِعًا بَيْنَ الْاِثْمِ" یعنی اوقات غم کے علاوہ اور کوئی فرض نہیں ہاں اگر نفل اور اگر ناجا ہو تو منع نہیں کیا جائے گا۔ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ نفل شروع کرنے سے اتمام واجب نہیں ہوتا۔ جس طرح نفل شروع کرنے سے قبل نفل تھے بعد میں بھی نفل ہی ہیں اور توڑ دینے سے اس کی قضاء بھی لازم نہیں ہوتی۔

**دلیل اول**

عَنْ اُمِّ حَارِثَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْأَلَةُ الْمَطْلُوعَةُ اَمِينٌ لِنَفْسِهِ اِنْ سَاءَ صَامٌ وَاِنْ سَاءَ اَفْطَرَ: ترمذی شریف صحیح کتاب الصوم باب ما جاء في افطار الصائم المطلوع جب کہ واجب میں اختیار نہیں دیا جاتا۔ هكذا في المشكوة (ص ۱۱۱)

**دلیل دوم**

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحْيَانًا يَكُونُ صُومُ النَّطَوُّوعِ شَعْرًا يَقْطُرُ: (نسائی شریف ص ۱۱۱ کتاب الصوم) اگر بعد شروع اتمام واجب ہوتا تو انظار کیجے فرمایا۔

**مسلب دوم**

احناف و مالک (فی ردائم) فرماتے ہیں کہ اِنْ اَنَّ تَطَوُّعَ میں استثناء متصل ہے اور یہی استثناء میں اصل بھی ہے اس میں ضروری ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جہ سے ہو: اَيَّ لَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ عَلَى مَبِئِلِ الْوُجُوبِ اِنْ اَنَّ تَطَوُّعَ فَعَلَيْكَ اَتِمَامًا: یعنی تطوع کے شروع کرنے میں تم مختار ہو۔ ہاں اگر شروع کر دو گے تو اس کا اتمام واجب ہو جائے گا اگر کسی ضرورت سے ناقص چھوڑ دیتے ہو تو اس کی قضاء واجب ہو جائے گی۔

**دلیل اول**

قرآن پاک میں رب لا یزال کا ارشاد ہے "وَلْيُؤْفِقُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ" صاحب بدائع نے فرمایا ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ اگر کوئی آدمی قولاً نذر کرے تو اس پر ایسے قول لازم ہے حالانکہ اب تک شروع نہیں کیا تو جب فعلی نذر سے شروع کر دے تو بطریق اولیٰ لازم ہونا چاہیے۔ تو آیت مبارکہ سے بعد شروع اتمام

کا وجوب ثابت ہوا۔

**دلیل دوم** قرآن مقدس میں ہے ”لَا تُبْطِلُوا أَعْمَارَ الْكُفُورِ بِإِبْطَالِ عَمَلٍ“ نفی فرمادی ہے جس نماز اور روزہ کو شروع کیا گیا ہے اس کا مشروع فیہ حصہ بھی ایک نعل ہے اگر اس کو پورا نہ کیا تو یہ رانیکان ہو جانے کا اور ابطالِ عمل لازم آئے گا جو نہی عند ہے لہذا شروع کر کے پورا نہ کرنا نہی عند ہے اور نہی عند کی ضد مامور بہ ہوتی ہے۔ لہذا اتمام مامور بہ ہوا۔ احناف حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔

**دلیل سوم** ابو داؤد شریف ص ۱۴۱ کتاب الصوم باب من رآی علیہ الغفار میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ نے نفل روزہ رکھا تھا کہیں سے بدیہ بکری مل گئی اور دونوں نے افطار کر لیا اور بکری کا گوشت کھا لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لَا عَلَيْكُمَا صَوْمٌ مَكَانَهُ يَوْمًا“ آخر آپ نے قضا کا امر فرمایا اور امر وجوب کے لیے ہی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ روزہ شروع کرنے سے واجب ہو گیا تھا اس لیے کہ واجبات ہی کی قضا واجب ہو سکتی ہے۔

**دلیل چہارم** دارقطنی میں حضرت ام سلمہؓ کا اسی قسم کا واقعہ ہے انہوں نے بھی نفل افطار کر لیا تھا۔ ”أَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَصُومَ يَوْمًا مَكَانَهُ“ اس کی دلالت مطلوب پر واضح ہے۔ (بحوالہ انصب الراية ص ۱۲ ج ۲) ج کے بارے میں اجماع ہے کہ شروع کرنے سے اتمام واجب ہو جاتا ہے، نماز روزہ بھی حج کی طرح رکن اسلام ہیں۔ تیس کا تقاضا یہ ہے کہ حج کی طرح شروع کرنے سے یہ بھی دونوں واجب ہونے چاہئیں کما قالہ الاحناف۔

## دلائل شوافع حضرات کے جوابات

شوافع حضرات نے اپنے استدلال میں کتاب الصوم کی کچھ حدیثیں پیش کیں ان کے تفصیلی جوابات تو اپنے مقام پر ہی آئیں گے لیکن مختصراً دو جواب پیش خدمت ہیں :-

**جواب اول -** یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی نفل روزہ کو کھولنے کا حکم ہے تو وہ عذر کی بنا پر ہے اور عذر کی حالت میں چاہے نزدیک بھی افطار کرنا جائز ہے۔  
**جواب دوم -** یہ ہے کہ قضا کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قضا کا حکم دیا ہی نہیں کیونکہ مسئلہ فابط ہے کہ عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں مطلقاً ورجوب قضا کی روایات پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔

قَوْلُهُ قَالَ وَذَكَرْتُهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : قَالَ كَافَعْل  
 طلحہ ہے۔ طلحہ راوی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بھول گئے اس لیے لفظ ذکر بولا اس سے معلوم ہوا کہ روایت باللفظ اصل ہے اور اگر لفظ بھول جائیں تو ان کی طرف اجمالی اشارہ کر دیا جائے۔  
 قَوْلُهُ لَا أَرِيدُ هَذَا وَلَا الْفَصْلَ : قَدْ مَرَّ تَحْقِيقُهُ آفَاقًا  
 قَوْلُهُ أَفَلَاكَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا یہ اِنْ شرطیہ بھی پڑھا گیا ہے اور اَنْ نصب کے ساتھ بھی یعنی لِأَنَّ صَدَقَ۔

## تعارض بین الروایتین اور اس کا حل

ما قبل میں اسی نوعیت کی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث گزری ہے اس کے آخر میں ہے کہ وہ سائل چلا گیا تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مشروط طور پر اس کے صنتی ہونے کی بشارت سنائی اور فرمایا مَنْ مَسْرُهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَى رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلَيْهَا هَذَا اور زیر بحث حدیث میں ہے کہ اس کی نلاح کی خبر دی لیکن بشرط صدقِ أَفَلَاكَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ علما کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ دونوں واقعات ایک ہی شخص کے ہیں یا الگ الگ دو شخصوں کے اس میں دو قول ہیں۔  
**قول اول -** مسلم قرطبی و بعض قسارین کے نزدیک یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اس صورت میں یہاں کوئی اشکال نہیں۔

**قول دوم۔** بعض حضرات کے نزدیک دونوں روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا بیان ہے اگر یہ قول لیا جائے تو سوال ہوگا کہ دونوں روایتوں میں تعارض ہے ایک میں جہنم کے ساتھ بغیر شرط کے جنت کی بشارت دی گئی اور دوسری میں مشروط بشارت ہے۔ ایک ہی چیز مشروط بھی ہو اور غیر مشروط بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔

یہ کہ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَّقَ یہ اس کے سامنے فرمایا تھا تاکہ جزا جنتی ہونے سے مغرور نہ ہو جائے۔ جب وہ چلا گیا اس کی غیر حاضری میں دوسرے حاضرین کے سامنے اس کے جنتی ہونے کا اظہار فرمادیا۔

**جواب دوم۔** پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے صدق کی دہی نہیں آئی تھی تو اس وقت فرمایا تھا اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَّقَ بعد اس کے دل میں صدق پانے جانے کی دہی آئی تو آپ نے اس کو جزا جنتی فرمادیا۔

**جواب سوم۔** مسلح سے مراد جنت کا دخول اذل ہے جو مقید ہے اور پہلی حدیث میں نقص دخول جنت کا ذکر ہے جو مطلق اور عام ہے۔ فائدہ تعارض۔

اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اَفْلَحَ وَارِثُہُ یعنی وہ شخص کامیاب ہو گیا اس کے باپ کی قسم رکمانی البخاری و مسلم تو یہاں غیر اللہ کی قسم موجود ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ حَلَفَ بِخَلْقِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ (ابوداؤد شریف مشاح)، باب اليمين بغير الله

**جواب اول۔** علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کی عام عادت تھی کہ کسی بات کی تاکید کے لیے الفاظ قسم لے آتے ہیں اور اس سے حقیقت حلف مراد نہیں لیتے تھے تو آپ نے اس عادت کی بناء پر فرمایا۔

یہ کہ یہاں نحو یوں سے غلطی ہو گئی واؤ کو حرف قسم کے لیے خاص کر لیا حالانکہ اس کو واؤ شہادت کہنا چاہیے۔ کقولہ تعالیٰ وَالشَّيْخُ وَالزَّيْتُونِ وغیرہ۔ ایسی صورت میں کسی قسم کا اشتباہ ہی نہیں ہوتا۔ لکننا قال علامہ اور شاہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسم

علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا میں فرمایا ہے کہ حلف بالآباء تعظیم غیر اللہ کے خوف کی وجہ سے منع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تعظیم غیر اللہ کا

جواب سوم

دہم بھی نہیں۔ لہذا لابس ہے۔

یہ کاتبین کا سہو ہے اصل میں واللہ تھا تعظیم ہو کر رہا ہو گیا۔ کیونکہ دونوں کا رسم الخط یکساں ہے کیونکہ زمانہ سابقہ میں نقطے وغیرہ نہیں ہوتے

جواب چہارم

نہ۔

## اسمائے رجال

آپ کی کنیت ابو محمد ہے آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بدر کے سوا تمام غزوات

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے حالات

میں شریک ہوئے۔ جنگ احد میں نیزوں کے چوبیس کل زخم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں اپنے جسم پر برداشت کیے۔ جنگ بجل میں سنہ ۶ھ کو بھر ۶۴ سال شہید ہوئے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ  
قَالَ إِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ  
لَمَّا أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ أَوْ مِنْ  
الْوَفْدِ قَالُوا رُبْعَةٌ

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ روایت  
کرتے ہیں کہ جب وفد عبد القیس آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا  
یہ کون لوگ ہیں یا کس قوم سے آئے ہیں تو  
وفد نے جواب دیا ربیعہ کے لوگ ہیں۔

قولہ وفْدٌ : وفد کی جمع ہے واحد اسم فاعل کا صیغہ ہے الوفادة سے  
الوفادة کا معنی ہے کسی قوم کا نمائندہ بن کر امیر یا حاکم سے ملنے جانے۔ بالفاظ دیگر وہ منتخب  
جماعت جو کوئی اہم غرض لے کر بادشاہ یا حاکم کے پاس جاوے۔

## مضر۔ ربیعہ۔ اور عبد القیس کا اجمالی تعارف

حدیث میں تین قبیلوں کے نام آئے ہیں۔ مضر، ربیعہ اور عبد القیس یہ قبائل نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں نزار بن معد بن عدنان۔ نزار کے کئی ماجزادے تھے  
ربیعہ اور مضر یہ دو زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔ دوسرے دوڑ کے زید اور انمار تھے نزار نے  
مرنے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرے مال کی ایک چھٹائی ایک ایک لڑکے کو مل جائے مضر  
کے حصہ میں سونا آیا اور ربیعہ کے حصہ میں گھوڑے۔ اس لیے مضر کو مضر الحمراء اور ربیعہ کو  
ربیعہ الفرس کہنے لگے۔ پھر مضر سے جو خاندان چلا اس کو قبیلہ مضر کہہ دیتے ہیں۔ اور ربیعہ  
سے جو خاندان چلا اس کو قبیلہ ربیعہ کہتے ہیں۔ ربیعہ کی پھر آگے کی شاخیں ہیں ان میں سے  
ایک کا نام عبد القیس ہے۔ اس شاخ کا وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہے  
قبیلہ عبد القیس بحرین میں رہتا تھا۔ مضر کی اولاد میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہی وہ وفد



جس کے قبیلہ کی مسجد میں اسلام میں مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جموعہ قائم ہوا۔ چنانچہ بخاری شریف میں اس کی روایت ہے کہ

ترجمہ: مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جموعہ بحرین کے مقام جو ائی میں عبد القیس کی مسجد میں قائم ہوا ہے۔

أَوَّلُ جُمُعَةٍ جُمِعَتْ بِلَيْلَةٍ  
جُمُعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ  
عَبْدِ الْقَيْسِ بِجَوَائِي مِنْ  
الْبَحْرَيْنِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مِثْلًا بَابُ الْجُمُعَةِ فِي الْقُرْآنِ

## مدینہ طیبہ میں وفد عبد القیس کی آمد کس طرح ہوئی؟

قبیلہ عبد القیس کی آمد کا سبب یہ ہوا تھا کہ ان کا ایک آدمی منافذ بن حیان تجارت کے لیے مدینہ طیبہ میں آتا جاتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد بغرض تجارت حسب معمول مدینہ طیبہ میں آیا رہا تھا اور اپنا سامان فروخت کر رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف تشریف لے آئے تو یہ آپ کو مذا آپ نے اس کا حال پوچھا اور اس قبیلہ کے بڑے بڑے اشراف کا نام لے لے کر حال پوچھا۔ بغرض اس قدر حال دریافت فرمایا کہ منافذ کو بہت تعجب ہوا اور سلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا سبق لیا اور وطن آگیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرفاء قبیلہ کی طرف ایک والا نامہ بھی لکھوا دیا تھا۔ منافذ نے اپنے قبیلہ میں آکر ابتداء اپنے اسلام کو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو مخفی رکھا اور گھر میں نماز پڑھتا رہا۔ اس کی بیوی قبیلہ کے سردار منذر بن عاتکہ کی بیٹی تھی بیٹی نے اپنے خاوند کی نماز کا تذکرہ اپنے والد منذر کے سامنے کیا کہ جب سے مدینہ سے واپس آیا ہے اس طرح متاثر ہوا تھا کہ اسے اور کبھی کھڑا ہو جاتا ہے اور کبھی بیٹھ جاتا ہے اور کبھی ماتھا زمین پر ٹیک دیتا ہے۔ غرضیکہ ہیئت صلوٰۃ کو نقل کیا۔ منذر نے منافذ سے پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو اس نے اپنے اسلام لانے کا

سارا ماجرا بیان کر دیا۔ مندر کے دل میں اسلام کی محبت آگئی۔ والا نامہ بھی اس کو دکھلایا گیا اس نے قبیلہ کے لوگوں کو حالات سنائے اور والا نامہ سنایا سب اسلام لانے کے لیے تیار ہو گئے اور یہ فیصلہ کیا کہ تعلیم دین کے لیے ایک وفد مدینہ طیبہ بھیجا جائے۔ چنانچہ رئیس قبیلہ مندر کی قیادت میں ایک وفد تیار کیا گیا چنانچہ وہ وفد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تعلیمات فرمائیں جن کا تذکرہ حدیث میں ہے۔

يقول ابوالسعاد : اس وفد کی آمد کے سلسلہ میں حدیث پاک کے اندر ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس ابھی ایک ایسا قافلہ آنے والا ہے جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ ان کو دیکھنے کیلئے کھڑے ہوئے تو انہیں ۱۲ آدمیوں کا ایک قافلہ آتا ہوا نظر آیا جب قافلہ قریب آیا تو حضرت عمرؓ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی اور قافلہ کے ساتھ ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ اہل قافلہ کی نظر جو نبیؐ روئے نور اقدس پر پڑی تو سب کے سب بے تابانہ آپ کی طرف دوڑ پڑے اور فرط اشتیاق سے اپنا سامان اسی طرح چھوڑ کر دیوانہ وار آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک کو چومنے لگے۔ حضرت عبدالغنیس (مندر الاشج) جو امیر قافلہ تھے اگرچہ نو عمر تھے لیکن سب سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے پہلے سب کے اونٹ باندھے پھر اپنا بکس کھولا، سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا لباس پہنا پھر سکون و وقار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا بد شکل آدمی تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر اٹھائی تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آدمی کی محبت صرف اس کے ڈھانچے سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے اعضاء بتاتے ہیں اور وہ زبان و دل ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ و رسول پسند کرتے ہیں یعنی دانائی و برو باری۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں پیدا نشی ہیں یا کسی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیدا نشی ہیں ر مغاہر حق ﷺ کتاب الامان ، البدو و شریف ﷺ کتاب اللادب باب القبلة الرجل۔

## وفد عبد القیس کس سال آیا اور ان کی تعداد کتنی تھی؟

اس وفد کے افراد کی تعداد بعض روایات میں چودہ ہے اور بعض میں تیرہ اور بعض میں چالیس آئی ہے۔ ان کے مابین محدثین حضرات نے دو طرح سے تطبیق دی ہے:-

۱۔ وفد عبد القیس دومرتبہ آیا ہے ایک شہر میں فتح مکہ سے پیشتر قَالَ اَلْحَا فِظُو وَ كَا كِ ذَا لِكَ قَلِيْدًا مَّا فِي سَكْنَتَا خَمْسٍ اَوْ قِلْبَانَا رَفِخَ الْبَارِي ۱۸ ج ۸ جن کی تعداد چودہ یا تیرہ تھی۔ اور دوسری مرتبہ شہر میں فتح مکہ کے سال فتح مکہ کے بعد روانگی سے پہلے اس وفد کی تعداد چالیس تھی۔

۲۔ بعض نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ کل افراد تو چالیس تھے ان میں سے زیادہ قابل ذکر معزز افراد چودہ تھے کسی نے کل کا تذکرہ کر دیا تو چالیس تعداد نقل کی، کسی نے صرف معزز افراد کے ذکر پر اکتفا کیا ان کی تعداد چودہ بتائی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّرَافِ۔

قَوْلُهُ مِنَ الْقَوْمِ اَوْ مِنَ الْوُفْدِ : کلمہ آؤ کبھی تنویر کے لیے آتا ہے اور کبھی شک کے لیے جب شک کے لیے آئے تو اس کے بعد قائل کا لفظ مقدر ہوتا ہے یہاں دراصل عبارت یوں تھی ”مِنَ الْقَوْمِ اَوْ قَالَ مِنَ الْوُفْدِ؟“۔

يَقُولُ نَشِيْخُ جَا جَرَوِي رَحِمَهُ الْقَوِيُّ : حضور علیہ السلام کو اس وفد کی آمد کی اطلاع پہلے بذریعہ وحی ہو چکی تھی۔ یہاں یہ سوال رَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مِنَ الْقَوْمِ اَوْ مِنَ الْوُفْدِ، قبیلہ والا علم حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ تائیس و اُلْفَت کیلئے ہے قَوْلُهُ قَالُوا رَبِیْمَةٌ - رَبِیْعَةُ بِنْتُ مَحْزُوْنٍ کی خبر ہے جو کہ نَحْنُ ہے اصل میں عبارت تھی نَحْنُ رَبِیْعَةُ -

قَوْلُهُ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ : مَرْحَبًا کا باب کرم اور سع کے وزن پر آتا ہے مرحب اصل میں المکان الواسع کو کہتے ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَمَا كُنَّا عَلَيْهِمْ مُّذْکَرًا مِنْ رَّبِّمَا رَحُبَّتْ اور مَرْحَبًا منصوب ہے اس کا فعل اصْطَابَ مقدر ہے اور بِالْقَوْمِ کی بارائزہ

فاعل پر داخل ہے اُنْی اُنْی اَلْقَوْمَ مَوْضِعًا وَاِسْتَعَا عِنْدَ الْبَعْضِ بَارَ تَعْدِیۃ کے لیے ہے اور  
مَنْحَبًا مَفْعُولٌ مُّطْلَقٌ ہے اُنْی اُنْی اَللّٰهُ بِالْقَوْمِ مُنْجِبًا۔ میزان کی طرف سے یہاں کی  
آمد پر اس کے اعزاز و اکرام اور اس کے دل سے احساسِ اجنبیت دور کرنے کے لیے کہا کرتے  
ہیں کہ آپ کی آمد پر مجھے مسرت ہوئی اور میرے قلب میں آپ کے لیے رحمت و گنجائش ہے۔  
اور آپ ایک ایسی جگہ تشریف لائے ہیں جو وسیع اور آرام دہ ہے فِیْہُ ذَلِیْلٌ عَلٰی  
اِسْتِحْبَابِ تَاْتِیْسِ الْقَادِمِ۔

قَوْلُهُ غَیْرَ : حال کی بنا پر منصوب ہے یا قوم سے بدل ہونے کی بنا پر مجرور ہے۔  
قَوْلُهُ خَزَا یَا وَکَ مَسْدَاہِی : خَذا یا جمع ہے خَزَیَان کی بمعنی وہ شخص جس کی  
رسوائی ہو۔ مَسْدَاہِی جمع ہے مَسْدُ مَسَان کی مگر وہ یہاں مناسب نہیں۔ کیونکہ ندیمان شرابی  
مصاحب یا مطلق مصاحب کو کہتے ہیں اگر اسے نادِم کی جمع کہیں تو بھی درست نہیں کیونکہ نادِم  
کی جمع مسدَاہِی نہیں آتی۔ اس لیے علامہ نے کہا ہے کہ یہ جمع نادِم کی ہے مشاکلت کے لیے  
یعنی خَزَا یَا کے مقابلہ میں اسے مسدَاہِی بنا یا گیا بمعنی شرمسار و شیمان کَمَا یَقَالُ مَسْدَا یَا و  
عَشَا یَا بوجہ دیکہ عَدَاۃ کی جمع عداوت آتی ہے لیکن عَشَا یَا کے مقابلہ میں جمع کے لیے  
عَدَا یَا کہ دیا لیے ہی یہاں ہے۔ مقصد ان دونوں جملوں کا یہ ہے کہ دوسرے لوگ جنگ کے  
بعد مسلمان ہوئے یعنی ضربِ حرب قید و بند والی زلت اٹھانی پڑی جب کہ تم برفضا و غیرت  
مسلمان ہوئے اللہ پاک نے تم کو تمامی رسوائیوں سے محفوظ رکھا ہے۔

قَوْلُهُ قَالُوا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِیْعُ اَنْ نَّآتِیَنَّکَ اِذَا فِی

الشَّہْرِ الْحَرَامِ۔ (ترجمہ) پھر وفد نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم شہرِ حرامِ رحمت والے مہینے  
کے علاوہ اور کسی ماہ میں آپ کے پاس نہیں آ سکتے۔

خُلَاصۃُ الْکَلَامِ قبیلہ عبد القیس والوں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس لیے بیان کی کہ اس قبیلہ کے افراد کو اپنے وطن سے مدینہ منورہ آنے کے لیے کفارِ منکر کے قبیلہ  
کے پاس سے گزرنا پڑتا تھا اور اس قبیلہ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت زیادہ جنگ جُو تھا۔ ان  
کی آبادی کے قریب سے جو بھی گزرتا تھا ان سے جنگ ہونی ضروری تھی اس لیے اس وفد نے کہا کہ  
جو تک ہمارے لیے عام دنوں میں آنا بہت مشکل ہے اس لیے بار بار نہیں آ سکتے۔

صرف انہی مہینوں میں آسکتے ہیں جو عرب میں اشہر حرام کہے جاتے ہیں۔

## شہر حرام کون سے مہینے ہیں اور ان کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

محمد بن حضرت نے الشہر کی الف لام میں دو قول نقل کیے ہیں :-

**قول اول** | الشہر میں الف لام جنس کی ہے اور اس سے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم رجب یہ چاروں مہینے مراد ہیں۔ اور روایت حماد بن زید رافعی القاقب کا فی التعلیق میں اذ کان شہراً حراماً۔ محل کے ساتھ منقول ہے لہذا یہ دونوں روایتیں الف لام جنس ہونے کی تائید کرتی ہیں۔

**قول دوم** | عند البعض الف لام عہد کی ہے مراد ماہ رجب ہے بھیقی کی روایت میں اس کی تصریح ہے (کما فی التعلیق) کیونکہ قبیلہ مُضَر رجب کی بے پناہ تعظیم کرتا تھا اس لیے رجب کو رجب مُضَر کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ ان مہینوں کو بڑی عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان میں جنگ و جدال لوٹ مار حرام جانتے تھے اس لیے ان کو اشہر حرام کے ساتھ نام رکھا گیا۔

يقول ابو الاسود : رجب مُضَر کی تشریح یہ ہے کہ قرآن مقدس میں ہے :- اِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ یعنی جاہلیت کے لوگ ہنگامی ضرورت کے تحت اشہر حرام میں بھی قتل و قتال کرتے تھے اس کے بدلہ دوسرے مہینے کو عارضی اشہر حرام قرار دیتے تھے اور قبیلہ مُضَر دوسرے اشہر حرام کے متعلق اس قسم کا معاملہ اگرچہ ردا رکھتے تھے لیکن رجب کے متعلق ایسا معاملہ ردا نہیں رکھتے تھے بلکہ رجب کو ہر حالت میں اشہر حرام کی حیثیت سے بحال رکھتے تھے۔

**قولہ بامشیر** : امر مفرد ہے اور امر دو ہیں (۱) وہ امر بوشق ہے اور ہے اس کا معنی ہوتا ہے کام (۲) امر ہے بوشق ہے اور ہے اس کا معنی ہوتا ہے حکم کرنا۔

**قولہ فصل** : اس کے دو معنی ہیں (۱) فصل بمعنی فاصل یعنی الفاصل بسین الدعق والباطل حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا (۲) فصل بمعنی مفصول یعنی

مفصول معنی ظاہر اور واضح کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار مضر کا (مشہور جنگ جو) قبیلہ پڑنا ہے لہذا آپ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ایسی بات بتلائیں جسے ہم ان لوگوں کو بھی بتلا دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس پر عمل کرنے سے جنت میں جائیں۔

قَوْلُهُمْ وَسَاءَ لَوْهَ عَيْنِ اَنْذَرِيبَةٍ : (ترجمہ) اور ان لوگوں نے مشروبات (ظہور) کے متعلق دریافت کیا۔

سوال : وفد عبد القیس نے جو اشہد کہہ کے متعلق سوال کیا اس سے کیا مراد ہے جواب : اشہد کہہ سے نفس اشریہ مراد نہیں رکہ شراب پینا کیے ہے) کیونکہ ان کی حرمت کا علم ان کو پہلے تھا یعنی وفد عبد القیس کو غم کی حرمت تو پہلے سے معلوم تھی بلکہ اس سے شراب کے برتنوں کو دوسرے کاموں میں استعمال کرنے کے بارے میں سوال تھا اس لیے آپ نے بھی برتنوں کے بارے میں حکم بیان فرمایا یعنی مقام ہذا پر مصافحہ مقدر ہے : اَنْذَرِيبَةٍ اَنْذَرِيبَةٍ اَوْ اَنْذَرِيبَةٍ اَنْذَرِيبَةٍ :

قَوْلُهُمْ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَلَهَا هُمْ عَنْ اَرْبَعٍ (ترجمہ) تو آپ نے انہیں چار چیزوں کا حکم فرمایا اور چار چیزوں سے روکا۔

یہاں سے اجمال قبل تفصیل بیان کیا تاکہ تفصیل کا شوق پیدا ہو یا یاد کرنے میں سہولت ہو۔ قَوْلُهُمْ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ يَا لَيْلَى وَحَكْمَهُ قَالَ لَكُمْ فَوْنٌ مَا اِيْ يَمَانٍ يَا لَيْلَى وَحَكْمَهُ قَالَ اَعْلَمُوْا لَكُمْ اَعْلَمُوْا قَالَ مَشَاهِدَةٌ اَنْ لَّا اِلَهَ اِلَّا اَللّٰهُ (ترجمہ) آپ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عسکریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دو سوال ہیں جو محل طلب ہیں :-

سوال اول : یہ ہے کہ مامور یہ تو دراصل ایک ہے ای ایمان کیونکہ اَعْلَمُوْا فَوْنٌ مَا اِيْ يَمَانٍ سے ایمان کی تفسیر ہے لہذا اصل مامور یہ ایک چیز ہے اس کو اربع سے کیوں تعبیر کیا ؟

**جواب :** یہ ہے کہ ایمان جو اصل مامور یہ ہے اس کو اجزا بمقتلہ کے اعتبار سے اربع کے ساتھ بیان کیا گیا ہے

**سوال دوم :** یہ ہے کہ اجمال کے درجہ میں اَمْرُهُمْ بِاِطَاعِیْنِ فرمایا گیا اور تفصیل میں پانچ نامورات کو ذکر کیا۔ (۱) ایمان باللہ (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) خمس غنیمت۔ تو اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں۔

**جواب اول :** مسئلہ طبعی و قرینی فرماتے ہیں کہ دراصل بیان کرنا نامورات اربعہ کا ہے لیکن بطور تہدید تبرک آپ نے شہادت کا ذکر فرمادیا چنانچہ ایک روایت میں اس طرح ہے ”اَمْرُهُمْ بِاِطَاعِیْنِ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَسْرِیْعِ اَقْبِسُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّعُوا الزَّكٰوةَ وَصُومُوا رَمَضَانَ وَاعْطُوا خُمْسَ مَا غَنِمْتُمْ“ بخاری شریف ۹۷/۲ کما فی التعلیق

**جواب دوم :** مسئلہ ابن الوزیؒ کہتے ہیں کہ ادائے خمس کوئی جدا گانہ چیز نہیں بلکہ زکوٰۃ کی تفصیل ہے۔ ایک زکوٰۃ وہ ہے جو ہر وقت وصول کی جاتی ہے اور ایک گاہ بگاہ وقتاً فوقتاً، کاداء الخمس۔

**جواب سوم :** قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اصل مقصود پہلے چار اقسام ہیں باقی خمس غنیمت کا ذکر علی اسلوب الحکم خاص ان کی ضرورت کے لیے زائد فرمایا کیونکہ ان کا کفار کفر سے مقابلہ ہوتا رہتا تھا یعنی یہ لوگ اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور کفار سے مقابلہ آرائی کے نتیجہ میں مال غنیمت حاصل کرتے تھے اس لیے اسی ضرورت کو دیکھ کر مستقلاً علیحدہ ادائے خمس کا حکم دیا۔

**سوال :** یہ ہے کہ اجزائے ایمان میں حج کو کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟

**جواب اول :** زیر بحث حدیث پاک میں ایسے احکام کا بیان مقصود ہے جو فی الفور واجب ہوں جب کہ حج تو واجب التراخی ہے۔

**جواب دوم :** گو ذکر حج اس روایت میں متروک ہوا ہے لیکن مسند احمد کی روایت میں حج مذکور ہے (کما فی فیض الباری)

یَقُولُ ابِوَالْاَسْمَادِ : حج کی ادائیگی کے لیے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ مَبِيْلُهُ  
روز اور احاطہ شرط ہے اور یہ بشرط ان میں مفقود تھی کیونکہ ان کے اور محل حج کے درمیان جنگ جو  
قبیلہ مضر حاکم تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

قَوْلُهُ وَتَهَاكُمُ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَالْذُبَابِ وَالتَّقِيْرِ وَالزَّفْرِ  
(ترجمہ) اور چار چیزوں سے روکا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبد القیس کو چار برتنوں  
کے استعمال سے روکا۔

ظُرُوفِ اَرْبَعٍ کی تفصیل منقرّۃ پیش خدمت ہے۔  
الْحَنْتَمِ : رنگ دار گھڑا یا روغنی مرتبان خواہ کسی  
بھی رنگ کا ہو۔ بعض نے بزرنگ کی تخصیص کی ہے۔ لیکن صحیح رائے یہی ہے کہ ہر رنگ کے  
روغنی گھڑے یا مرتبان کو حنتم کہتے ہیں چونکہ اس زمانہ میں شراب کے لیے عموماً بزرنگ  
کیا کرتے تھے۔ اس لیے بعض نے اس کی تخصیص کر دی اس لیے اس کی تفصیل الْجُبَّةُ الْخَضْرَاءُ  
سے کی گئی۔

قَوْلُهُ الذُّبَابُ : توہی یعنی کندو کو اندر سے کرید کر جو برتن بنایا جائے۔  
عرب کے اندر رواج تھا کہ کندو کا گودا نکال کر اس کے چھلکے کو خشک کر کے برتن بناتے  
تھے۔ ذُبَابُ اسی کو کہا جاتا ہے اس میں چونکہ مسام کم ہوتے ہیں اور ہوا نہیں گنتی اس لیے اس  
میں سکر جلدی پیدا ہو جاتا ہے۔

قَوْلُهُ التَّقِيْرِ : رفیل یعنی مفقود ہے اَلْمَقْدَرُ یعنی کریدنا کھجور کے تنے کو یا کسی اور  
کڑی کا بنایا ہوا برتن۔

قَوْلُهُ الْمُرْقَتُ : بعض روایات میں اس کو اَلْمَقِيْرُ کہا گیا ہے وہ برتن جس پر  
روغن زیت یا روغن قار ملایا ہو یہ روغن کشقیوں پر ملا جاتا ہے اور زمانہ جاہلیت میں شراب  
کے برتنوں پر بھی ملتے تھے۔

ان چار برتنوں کے استعمال سے  
کیوں منع کیا گیا | ظُرُوفِ اَرْبَعٍ کے استعمال سے کیوں منع کیا گیا



علماء حضرات کے دو قول ہیں :-  
**قول اول** - بعض علماء تو کہتے ہیں کہ ان برتنوں کے استعمال سے مطلقاً روکنا مقصود ہے  
 خواہ کسی بھی مقصد کے لیے ہو۔

**حکمت اول** : شراب میں خمر کے ساتھ تشبیہ سے روکنا  
 مقصود ہے۔ شراب نوشی ان چار قسم کے برتنوں کو

**قول اول پر نہی کی حکمتیں**

استعمال کیا کرتے تھے ان برتنوں کے استعمال میں ان کے ساتھ تشبیہ ہوگا اس لیے منع فرمایا۔  
**حکمت دوم** : یہی سے مقصود شراب کی نفرت مبانی ذہنوں میں بٹھانا ہے کہ شراب  
 تو کیا شراب مازمی کے برتنوں کے استعمال کی بھی اجازت نہیں۔ اس انداز سے نفسیاتی  
 طور پر شراب کی نفرت اچھی طرح راسخ ہو جائے گی۔

**حکمت سوم** : ہو سکتا ہے کہ ان برتنوں کو دیکھ کر شراب کا پرانا تلمذ یاد آجائے۔ اور  
 شراب پینے کی تحریک دل میں پیدا ہو اس چیز کو روکنے کے لیے ان برتنوں کے استعمال  
 سے نہی کر دی گئی۔

**قول دوم** : یہ ہے کہ ان برتنوں میں نمبید بنانے سے روکنا مقصود ہے۔

اگر ان برتنوں میں نمبید بنانے سے نہی کرنا مقصود  
 ہے تو پھر حکمت یہ ہوگی کہ ان برتنوں میں اگر نمبید

**قول دوم پر نہی کی حکمت**

رکھا جائے گا تو اس کے جلدی مسک ہو جائے گا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ ان برتنوں میں  
 سام نہ ہونے کی وجہ سے ہوا نفوذ نہیں کر سکتی اس لیے اس برتن کی چیز جلدی نشہ آور  
 ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ مسک کو غلطی سے پی جائے اور اگر مسک ہونے کا پتہ چل گیا تو گرانی  
 پڑے گی جس سے اضاۃ مال ہوگا، اور اگر پتہ نہ چلا تو مسک کا پینا لازم آئے گا۔ اس لیے  
 ان میں نمبید بنانے سے منع کیا گیا تاکہ نہ دین خراب ہونے کا خطرہ ہو نہ مال۔

**ظروف اربعہ سے نہی کا حکم**

ان ظروف اربعہ سے جو نہی کی گئی ہے یہ نہی اب بھی باقی ہے یا منسوخ ہو چکی ہے

اس میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول** | امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ نہیں اسد بھی باقی ہے اس لیے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباسؓ سے

مسئلہ پوچھا گیا کہ ان برتنوں کا کیا حکم ہے ؟ تو انہوں نے ان برتنوں کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے ۔ (شرح نوہی السلم ص ۱۱۰)

**دلیل** - عَلَيَّ أَنَّ مَذْهَبَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ فِي هَذِهِ الْأَوْصِيَّةِ لَيْسَ بِمَنْسُوحٍ بَلْ حُكْمُهُ بَاقٍ إِلَى

**مسلک دوم** - منفقہ اور مجہور علماء کے نزدیک یہ نہیں منسوخ ہے ۔

**دلیل** - مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱ ج ۱ باب زیارۃ القبور : حضرت بریدؓ کی روایت ہے - تَهْتَشِكُو عَنِ النَّبِيِّ إِذَا فِي سَقَاءٍ فَاشْرَبُوا فِي الْأَسْقِيَةِ كَلَمًا وَلَا تَشْرَبُوا مُشْكِرًا -

امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن عباسؓ کو نسخ نہیں والی روایت نہ پہنچی ہو ۔

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَهُ عَصَابَةٌ  
مِنْ أَصْحَابِهِ بَايَعُونِي  
عَلَى أَنْ لَا تَشْرَبُوا بِاللَّهِ شَيْئًا

ترجمہ : حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی اس جماعت کو جو آپ کے گرد بیٹھی ہوئی تھی مخاطب کر کے فرمایا تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ بناؤ گے ۔

قَوْلُهُ عَصَابَةٌ - (بکسر اللین) یہ مأخوذ ہے عصب سے بمعنی باندھنا

اسم جمع ہے عصائب اس پٹی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی یا زخم پر باندھی جاتی ہے جس سے ہڈی یا زخم درست ہو جاتے ہیں اس کے مترادف ہے۔ عَصَبَةٌ بمعنی جماعت چونکہ افراد کی قوت جماعت پر موقوف ہے اس کے جماعت کو عصائبتہ کہا جاتا ہے۔ اور لفظ عَصَابِتہ کا اطلاق دس سے لے کر چالیس عدد تک کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ فی سُوْرۃ النور ۛ اِنَّ الَّذِیْنَ جَاؤْا بِالْحٰکِمِ عَصَبَةٌ ۚ

قولہ بَا یَعُوْذُ : بیعت کے معنی معاہدہ طاعت کے ہیں۔ بیعت میں بیع کی مشابہت ہے کیونکہ بیع میں ثمن بیع کا عوض ہوتا ہے اور بیعت میں ثواب طاعت کا عوض ہوتا ہے اور اس کا منشاء آیت کریمہ ہے۔ حِیْثُ قَالَ تَعَالٰی ۚ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بَِاَنْ لَّهٖمُ الْجَنَّةُ ۚ (پک البراءۃ)

## بیعت کے اقسام

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَا یَعُوْذُ یہ کسی بیعت تھی اس کے سمجھنے کے لیے بیعت کی اقسام بخفا ضروری ہیں بیعت کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ **بیعت اسلام** | بیعت اسلام وہ بیعت ہے جو اسلام لانے کے وقت کسی کے ہاتھ پر کی جائے۔ عہد و پیمان کی نچستگی کے لیے شرک و کفر سے توبہ کر کے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کرتے رہتے تھے۔

۲۔ **بیعت جہاد** | بیعت جہاد وہ بیعت ہے کہ مسلمان امام کے ہاتھ پر اس عہد و پیمان کے لیے کریں کہ ہم اللہ کے راستہ میں جان دینے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی کے لیے تیار ہیں جیسے حدیبیہ کے مقام پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کے دست مبارک پر مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کے لیے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کی تھی جس کا ذکر قرآن مقدس میں ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُسَیِّئُوْنَكَ حَتّٰی الشَّجَرۃُ

(پک انفجر)

اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ بیعت جہاد تھی۔

### بیعت خلافت<sup>۳</sup>

بیعت خلافت وہ بیعت ہے جو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر اس کی خلافت کے تسلیم کرنے کی نشانی کے طور پر کی جائے جیسے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر حضرات صحابہؓ نے بیعت کی۔

### بیعت طریقت<sup>۴</sup>

بیعت طریقت اس بیعت کو کہتے ہیں جو کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر اس عہد و پیمان کے لیے کی جائے کہ میں آپ کی تعلیم کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق کروں گا یعنی گناہ چھوڑ دوں گا اور نیکیاں کروں گا۔

يقول ابوالاعباس: حضرت عبادہ بن مسامت کی روایت میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت طریقت ہی بن سکتی ہے ظاہر ہے کہ یہ بیعت اسلام تو ہے نہیں اس لیے کہ بایعوثی کے مخاطب حضرات صحابہ کرامؓ ہیں جو پہلے سے اسلام لائے ہوئے ہیں ان کا بیعت اسلام کرنا تحصیل ماحصل ہے۔ بیعت جہاد بھی مراد نہیں اس لیے کہ اس میں جہاد کا کوئی مضمون مذکور نہیں نہ ہی جہاد کا کوئی موقع ہے اور بیعت خلافت بھی مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ بیعت خلافت رسولؐ کے ہاتھ پر نہیں ہوتی بلکہ خلیفہ رسولؐ کے ہاتھ پر ہوتی ہے۔ لازماً یہ بیعت طریقت ہی کہلائے گی جس کو صوفیائے کرامؓ و مشائخ عظامؓ کی اصطلاح میں بیعت السلوک کہتے ہیں جس کا مقصد صرف اور صرف اجتنب من العاصی کا عہد و پیمان لینا ہے۔ پہلی تین قسم کی بیعتوں کو سب مانتے ہیں۔

بعض علماء ظاہر نے بیعت طریقت کو بدعت قرار دیا ہے یہ غایت درجہ کی بے انصافی اور جہل مرتکب ہے جس قسم کی بیعت کو صوفیائے کرامؓ بیعت طریقت کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت حضرت عبادہ بن مسامتؓ کی اس روایت سے بھی ہے اور جو بخاری شریف میں روایت ہے وہ اس طرح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بَايِعُونِي: صحابہ کرامؓ نے عرض کیا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ حضورؐ نے پھر دوبارہ فرمایا بَايِعُونِي جب کہ وہ پہلے بیعت اسلام کر چکے تھے۔ پھر یہ بیعت سوائے

بیعت السلوک کے اور کیا تھی۔ مُسلم شریف ص ۲۲۴ ج ۱ باب الثمعی من السئلة۔

اسی طرح درج ذیل آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ قولہ تبارک :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ فِيمَا بَيْنَكَ عَلَى أَنْ ذُوْ شَرِّ كُنْ  
بِاللَّهِ شَيْخًا وَكَانَ يُسْرِقَنَّ وَلَا يُزْنِيَنَّ الْخَبْرَ وَالْمَتَّحِنَةَ الْيَتَامَىٰ (—)

لہذا اگر بزرگان دین کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم والی بیعت اور طریقہ بیعت مقصود ہوتا تو ان کی بیعت یقیناً سنت کہلائی ہوگی۔ ہاں جو لوگ حب جاہ و مال میں مبتلا ہیں تو ان سے بیعت ہونا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ وہ بھی بیعت ہے جو دکان داری ہے وہ بلاشبہ بدعت اور باعث ہلاکت و ندامت ہے۔ دکاندار سجادہ نشینوں کے متعلق علامہ ردی نے کیا خوب فرمایا ہے :-

بما البیس آدم رُوئے ہست بہر شفعی کہ نباید دار دست  
قولہ وَلَا تَأْتُوا بِنَهْثَانٍ فَنَقُصَّوْكُمْ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ  
(ترجمہ) جان بوجھ کر کسی پر ہتھان تراشی نہ کرو گے۔

قولہ بِنَهْثَانٍ یہ بھٹ سے ماخوذ ہے بمعنی مہووت یعنی ایسا جھوٹ جس کو سن کر سامع مہووت اور حیران ہو جائے۔

قولہ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ : محدثین حضرات نے اس کے مختلف مطلب بیان فرمائے ہیں۔

اول : بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ سے مراد ہے مِنْ قَبْلِ نَفْسِكُمْ یعنی ایسا ہتھان جو دل سے گھڑ لیا گیا ہو خارج میں اس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

سوال : یہ ہے کہ جیب بید اور رِجُل سے مراد قلب ہے تو پھر یہ تعبیر کیوں اختیار فرمائی بَيْنَ تَلَوْنِكُمْ ہی فرمادیتے۔

جواب : یہ تعبیر اس لیے اختیار فرمائی کہ دل ہاتھ اور پاؤں کے درمیان ہوتا ہے یا یہ کہ اکثر افعال کا صدور ان ہی سے ممکن ہوتا ہے۔

دوم : زمانہ جاہلیت میں عورتیں کسی ناجائز بچے کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دیا کرتی

تھیں۔ پھر یہ تعبیر کیے منطبق ہو سکتی ہے تو وہ یوں ہے کہ حمل پیٹ میں ہوتا ہے یہ بَیِّنٌ اَیْدِیْ ہو گیا اور شرمگاہ سے بچا ہے یہ بَیِّنٌ اَرْجُلِکُمْ ہو گیا خطاب میں مقصود اصلاً عورتیں ہیں۔ سووم : عنہ البعض بَیِّنٌ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلِکُمْ سے مراد مشافہۃ ہے لیکن کسی کے منہ پر بہتان مت لگاؤ کسی کے پس پشت بہتان لگانا بھی برا ہے لیکن اس کو منہ پر کہ ڈالنا اس سے بھی برا ہے۔

قَوْلُهُ فَمَنْ وَفَى مِيثَاقَهُ (تم میں سے جو وفائے عہد کرے گا)  
 يَقُولُ ابْنُ الْأَسْعَدِ: — قَالَ الطَّبْرِيُّ لَفْظُ وَفَى يَرْشِدُنِي أَنَّ الْأَخْبَرَ  
 إِنَّمَا يَنْتَهِى بِالْوَفَاءِ بِالْجَمِيعِ لِأَنَّ الْوَفَاءَ هُوَ الْإِثْمَانُ بِمُجْمَعِ مَا التَزَمَهُ مِنَ  
 التَّهْدِ وَالْحَقُّوقِ -

**سوال -** یہ ہے کہ یہاں صرف منہیات پر کیوں اکتفا کیا گیا حالانکہ شریعت مقدسہ کے اور مامورات بھی تو ہیں۔

**جواب** - کہ حدیث پاک میں اجمالاً مأمورات کا بھی ذکر ہے۔ حَيْثُ قَالُوا لَا تَقْصُوا عَصِيَانِ مخالفتِ امر کو کہا جاتا ہے عصیان سے منع کرنا گویا کہ مخالفتِ امر سے منع کرنا ہے تو اگر کتاب منہیات و مخالفتِ اوامر و دنوں سے منع کیا گیا چونکہ بصورتِ اجتنباب عن المقاصد، تنحی عن الرذائل اجتنباب مصالح تنحی بالفضائل پر مقدم ہے اس لیے اجتنباب عن المناہی کو مقدم کیا پھر فرمایا کہ "وَلَا تَقْصُوا"

قَوْلُهُ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ : اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ لَا یَجِبُ عَلَى اللَّهِ شَيْءٌ کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں، معتزلہ حضرات کئی چیزیں اللہ تعالیٰ پر واجب سمجھتے ہیں مثلاً جو شخص ارتکاب کبائر سے بچے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ اس کو ثواب دے۔ مرنے والے کو سزا دینا بھی اللہ تعالیٰ پر واجب سمجھتے ہیں جب کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔

**سوال** - مُتَظَرِّہ حضرات اَجُرُّہ عَلَی اللہ سے استدلال کرتے ہیں۔ طرزا استدلال یوں ہے کہ علی کا استعمال عموماً لزوم کے لیے آتا ہے۔ یہاں علی کا لانا اس بات کی دلیل

کہ ایسے شخص کا اجر اللہ پر واجب اور لازم ہے اس قسم کے اور بہت سے مجملے کتاب و سنت میں آتے ہیں جن سے بظاہر وجوب علی اللہ کا دہم ہوتا ہے۔

وجوب کی دو قسمیں ہیں (۱) وجوب استحقاقی (۲) وجوب تفضلی

## جواب اول

اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ پر لزوم استحقاقی کے نافی نہیں لزوم تفضلی کے نافی نہیں اور اس قسم کی نعوں میں لزوم تفضلی مراد ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی بندہ کا کوئی حق اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں لیکن ایسے پابندِ شرع کے متعلق اللہ نے اپنے تفضل اور عنایت سے جنت دینا لازم قرار دے لیا ہے (۲) لزوم کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) لزوم عقلی (۲) لزوم شرعی۔ اہل سنت والجماعت لزوم عقلی کے نافی ہیں اور یہاں لزوم عقلی مراد نہیں بلکہ لزوم شرعی مراد ہے۔

قَوْلُهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَعَارٍ لَهُ (ترجمہ) یعنی جو کوئی ان گناہوں میں سے کچھ کر بیٹھے اس کو دنیا میں اس کی سزا مل جائیگی۔ یہ سزا اس کے گناہ کے لیے کفارہ ہو جائے گا

حدیث پاک کے اس جملہ سے مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ حدود گناہوں کے لیے کفارہ اور ملکہ ہیں یا زواجر۔

## حدود کفارات ہیں یا نہیں؟

عسکاء میں اختلاف ہے کہ حدود و قصاص سوا تر ہیں یا زواجر یعنی دنیا میں سزا دینے سے آیا اس کا مواخذہ آخرت میں بھی معاف ہو جاتا ہے۔ ثنائی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا، یا صرف زجر کے لیے ہیں اور دنیا کا انتظام باقی رکھنے کے لیے ہیں اور آخرت کے معاملہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ آخرت میں مواخذہ ہوگا اس بارہ میں دو مسلک ہیں۔

مسئلہ اول : ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حدود و قصاص گناہ کے لیے کفارہ ہیں

سب گناہ معاف ہو جائیں گے، آخرت میں مؤخذہ نہیں ہوگا خواہ توبہ کرے یا نہ کرے  
یعنی حدود سوا اثر ہیں اور حد لگنا گناہ کی معافی کا سبب ہے۔

**شافعیہ کی دلیل** | شافعیہ کے دلائل میں سے ایک دلیل حدیث باب کے  
یہی الفاظ ہیں: مَنْ أَصَابَ ذَاكَ شَيْئًا فَعُوْبَتْ لَهُ  
فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارٌ لَهَا جب دنیا میں اسے سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے لیے مطلقاً کفارہ  
ہے دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی۔

**مسئلہ دوم**۔ احناف کے نزدیک حدود مکفرات ذنوب نہیں بلکہ فقط زواجر ہیں  
اور مکفر توبہ ہے نہ کہ حد۔ لہذا توبہ کے بغیر اگر موت حد ہوگی تو آخرت میں سزا ملے گی۔

**حنفیہ کے دلائل**۔ اختلافنا چند دلائل کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

**دلیل اول** | قَطَاعِ طَرِيقِ کی حد بیان کرنے کے بعد قرآن مقدس میں فرمایا  
ذَلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لِّفِي الدُّنْيَا وَكَهُوَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ  
عَظِيمٍ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اِلٰهَهُ  
عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ○ (یہاں دو باتیں ربّ تو والجلال نے بیان فرمائی ہیں اولاً یہ بیان  
فرمایا کہ ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے ثانیاً یہ فرمایا کہ جب توبہ کر لیں یہ اس  
بات کی صریح دلیل ہے کہ اگر قاطع الطریق پر حد جاری ہو جائے اور توبہ نہ کرے تو اس  
کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ اس عذاب سے غلامی کا وعدہ توبہ پر ہے صرف  
حد جاری ہونے پر نہیں۔ متنازع فیہ مسئلہ میں حنفیہ کا بھی مسلک ہے۔

**دلیل دوم** | ساری کی حد قطعید بیان کرنے کے بعد قرآن پاک کہتا ہے: فَصْنِ  
تَابَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ وَاصْلَحْ فَاِنَّ اِلٰهَهُ يَسْتُوْبُ عَلَيْهِ  
اِنَّ اِلٰهَهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ (یہ آیت بھی اس بارے میں صریح ہے کہ اجرائے حد  
کے بعد توبہ کی ضرورت ہے توبہ اور اصلاح کے بغیر معافی کا وعدہ نہیں۔

**دلیل سوم**۔ حدّ قذف بیان کرنے کے بعد قرآن مقدس میں فرماتے ہیں:-



وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَ  
اصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ یہ اسلوب بیان بھی صراحۃً اس بات پر  
دلائل کر رہا ہے کہ گناہ کی معافی کے لیے اور فسق سے نکلنے کے لیے صرف حد کا جاری ہونا  
کافی نہیں بلکہ توبہ اور اصلاح کی ضرورت ہے۔

**دلیل چہارم** | ابو داؤد شریف ص ۲۵۴ ج ۲ کتاب الحدود باب فی التلقین فی الحد  
میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک  
چور لایا گیا، اس نے چوری کا اعتراف کیا اور ہاتھ کاٹا گیا۔ قلعیدہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اس کو فرمایا ”اسْتَغْفِرِ اللَّهَ وَتُبْ إِلَيْهِ“ اس سے معلوم ہوا کہ حد کے بعد  
بھی توبہ و استغفار کی احتیاج ہے۔

محدثین حضرات نے مختلف جوابات  
دیے ہیں۔

## شافعیہ کی دلیل کے جوابات

**جواب اول** | اس حدیث میں عقاب سے مراد عقاب تشریفی نہیں ہے بلکہ عقاب  
تکوینی یعنی مصائب مراد ہیں مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس نے  
کوئی جرم کیا اور اس جرم کی وجہ سے حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر مصیبتیں آئیں تو یہ مصیبتیں  
اس کے لیے معافی کا ذریعہ بن جائیں گی۔ یہاں مصائب کو کفارہ قرار دیا ہے نہ کہ حدود کو  
مصائب کا کفارہ۔ سنات بنا اتفاقی مسئلہ ہے نزاع حدود کے بارے میں ہے۔

**جواب دوم** | جس پر حد جاری ہو اس کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں اکثر لوگوں کی  
یہ حالت ہوتی ہے کہ حد لگنے سے ان کے دل میں ندامت اور شرمناکی

آجاتی ہے جو توبہ کی حقیقت ہے اور بعض منڈی مزاج ایسے ہوتے ہیں کہ حد لگنے سے بھی  
نادم نہیں ہوتے۔ حنفی جو کہتے ہیں کہ حد کفارہ نہیں بنتی اس سے مراد یہ ہے کہ دوسری قسم  
کے لوگوں کے لیے کفارہ نہیں بنتی، پہلی قسم کے لوگوں کے لیے ہمارے نزدیک ہی حد کفارہ  
بن جاتی ہے اس لیے کہ وہ مقررین بالتوبہ ہو گئی، اور حدیث عبادہ کا محل ایسے ہی لوگ ہیں

جو حد لگنے سے نادم ہو جاتے ہیں چونکہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے اس لیے اس فقرے میں تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

**جواب سوم**۔ گناہ کی معافی کا سبب قریب توبہ ہے اور حد سبب بعید ہے اس لیے کہ حد سے توفیق توبہ ہوگی اور توبہ سے معافی منفعہ حد کے معافی کے لیے سبب قریب بننے کے مستحق ہیں اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ حد گناہ کی معافی کے لیے سبب بعید ہے اور اس حدیث کا محل بھی یہی ہے کہ حد کفارہ ہے یعنی گناہ معاف ہونے کے لیے سبب بعید ہے۔ حد کی برکت سے توبہ اور توبہ سے معافی ہو ہی جائیگی۔  
من شاء فليطالع اني كتب المطلق۔

## اسمائے رجال

آپ کی کثرت ابوالولید  
قبیل الجہت مدینہ منورہ

### حالات حضرت عبادة بن الصامت

سے دو دفع بیعت کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ ایک دفع عقبہ اولیٰ میں جس میں بارہ آدمی شریک ہوئے۔ اور دوسری دفع عقبہ ثانیہ میں جس میں شتر شریک تھے آپ جنگ بدر و غیرہ میں بھی حاضر رہے۔ حضرت عسیر فاروقؓ کے زمانہ میں محض کے قاضی مقرر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو مدینہ منورہ کا سردار بنا کر بھیجا تھا۔ عقبہ اولیٰ کے بارہ نقباء میں سے ایک نقیب آپ بھی ہیں سیدھے ہیں بھر ۲۷ سال وفات پائی۔ آپ کی کل مرویات ۸۱ ہیں۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ  
الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي  
أُضْحَىٰ أَوْ فِطْرٍ إِلَى الْمُصَلَّى  
فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوسعید  
خدریؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم بقرعید یا عید الفطر میں عید گاہ  
تشریف لے گئے پس عورتوں کی جماعت  
پر گزرے۔

قولہ فی اُضْحَى : اگر یہ تنوین کے ساتھ ہو تو اصحابہ یعنی قربانی اسی فی یوم الاضحیٰ  
اور اگر بلا تنوین ہو تو یوم الاضحیٰ مراد ہے۔ مطلب ایک ہی ہے قربانی اور عید چونکہ بوقت  
اضحیٰ یعنی پاخت کے وقت کی جاتی ہے اس لیے ان کو اُضْحَىٰ کہا جاتا ہے۔

قولہ أَوْ فِطْرٍ : اَوْ شک راوی کے لیے ہے یعنی راوی کو تردد ہو گیا ہے  
کہ حضور علیہ السلام عید الاضحیٰ یا عید فطر کے لیے نکلے ایسے موقع پر اَوْ کے بعد قَالِ پڑھا جاتا،  
قولہ فَمَرَّ عَلَى النِّسَاءِ : اسلام کے ابتدائی زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے  
ساتھ ہی مسجد شریف میں نمازیں ادا کرتی تھیں اس لیے عید الاضحیٰ یا عید الفطر کی نماز کے لیے  
عورتیں عید گاہ میں آتی تھیں اور چونکہ وہ الگ ایک کونہ میں بیٹھی ہوتی تھیں اور خلیفہ کی آواز مبارک  
ان تک نہیں پہنچتی تھی اس لیے ضروری ہوا کہ احکام دینی اور ضروری باتیں ان کو سنائیں چنانچہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو وعظ و نصیحت سے مشرف فرمایا۔

قولہ فَقَالِ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ كَرَامَتَكُمْ أَكْبَرُ  
أَهْلِ النَّسَاءِ۔ (ترجمہ) پس فرمایا اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ خیرات کیا  
کر دیکر تمہارے تمہیں سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے۔

سوال :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معشر نساء کو صدقہ کا حکم کیوں فرمایا ؟  
جواب :۔ حدیث پاک میں ہے کہ ”الْصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الْمَرْءِ  
یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا ہے تو غصہ رب ذوالجلال و غولِ نار کا سبب ہے

جب صدقہ ہوگا تو یہی صدقہ دخولِ نار سے مانع اور رکاوٹ بن جائے گا فَلِهَذَا اَلْمَرْفُوعُ بِصَدَقَةٍ عِنْدَ الْبَعْضِ صَدَقَةٌ كَالْعَمِّ بِحَيْثُوتِ الْكَفَرِ اَلْذُّوْبِ نَهِيں بَلْكَهٗ اَسْ كے ذریعہ یہ بُری عادت زائل ہو جائے یا توبہ کی توفیق ہونے کی اُمید کی حیثیت سے ہے۔  
 قَوْلُهُمَا كَاَيْتَشْكُنُ ۱ مُخْتَلِفِيْنَ حَضَرَاتِ نے بحث کی ہے کہ یہ روایت کونسی ہے اس میں مُخْتَلَفِ قَوْل ہیں۔

(۱) یہ اَرَأَيْتَ شِبَّ مَعْرَاجٍ میں ہوئی۔  
 (۲) یا حَالَتِ كَشْفٍ ہیں۔ (۳) عِنْدَ الْبَعْضِ وَحی کے ذریعہ اِطْلَاع دی گئی۔  
 (۴) عِنْدَ الْجُمْهُورِ کہ صلوٰۃ کسوف میں جب مسجد میں قبضہ کی جانب دیوار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت و دوزخ پیش کی گئی تھی۔ کذا فی ابی داؤد شریف ص ۱۱۱ ج ۱  
بَابُ صَلَاةِ الْكُسُوفِ وَبَابُ مَنْ قَالَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ۔

قَوْلُهُ شَكَّرْتَنِي الْقَلْبُ ۱ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اہل انار والا قول ارشاد فرمایا تو عورتوں نے کہا یا رسول اللہ اس کا سبب کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم لعن لعن بہت کرتی ہو لَعْنُ کے لغوی معنی ہیں رحمت سے دور کرنا اور انسان کی طرف سے لعن کے معنی ہیں رحمت الہیہ سے دوری اور غضب کی بددعا کرنا چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت غضب سے بہت وسیع ہے اس لیے کسی پر بھی لعن کرنا درست نہیں الا وہ کافر جس کی موت کفر پر یقینی ہو اور وحی سے معلوم ہو جس اور الجہل وغیرہ ورنہ کافر پر بھی جائز نہیں نہ زندہ پر نہ مردہ پر کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ اچھا ہو یا اچھا ہوا ہو یا بطور بُری وصف کے غیر معین آدمی پر اور قاعدہ کلیہ کے طور پر لعن کرنا درست ہے مَثَلًا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی الْكَافِرِيْنَ يَا عَلٰی اَلْكَافِرِيْنَ بِاِحْدَثِ بَاکِیْنِ ہے لَعْنُ اللّٰهُ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ اللّٰهُ (مشکوٰۃ ج ۲) اس کو خصوصاً اُس لیے ذکر کیا گیا کہ اکثر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جہاں ایک دو لڑکیاں دہاں لعن لعن کی بوچھاڑ کرنا شروع کر دیتی ہیں حالانکہ یہ حقوق العباد ہیں سے ہے جو من قبیل الکبائر ہے۔

قَوْلُهُ وَتَكْفُرُ الْفَشِيرُ : (اور خاوند کی ناشکری کرتی رہتی ہو) کفر کے معنی چھپانا کے ہیں اس سے زارع رکاشت کارم کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دانہ کو زمین میں چھپاتا ہے ، اور شرعی معنی ہیں شریعت نبوت ، وحدانیت اور دین کا الکار کرنا یہ بڑا کفر ہے ، اور کفرانِ نعمت نام ہے ناشکری کا یہ چھوٹا کفر ہے اور یہاں بھی مراد ہے اور اسی مناسبت سے اس حدیث کو کتاب الایمان میں لایا گیا ہے ۔

قَوْلُهُ الْفَشِيرُ : فَشِيرُ بمعنی معاشر اور فقیہیات یعنی زوج کفرانِ غیر یہ بھی کفر میں داخل ہے لیکن چھوٹا کفر ہے ۔ یہاں خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے :-

لَوْ كُنْتُ أُمْرَأَتٍ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِخَدِّكَ لَمَرَّتْ الْمَرْءَةُ أَنْ تَسْجُدَ لِدَوِّجِكَ - (ترجمہ) اگر غیر اللہ کو سجدہ کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کیا کرے ۔

حالانکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا شریک ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرہر کے ساتھ ناشکری کرنا سخت گناہ ہے ۔ نیز جب یہ حقوق الزوج کی ادائیگی میں سستی کرتی ہے تو وہ حقوق اللہ میں بھی کوتاہی کرے گی اسی وجہ سے اکثر عورتوں کو دوزخ میں دیکھا گیا ۔

قَوْلُهُ مَارَأَيْتُ : اس کا مفعول مقدر ہے ای مَا رَأَيْتُ أَحَدًا ۔

قَوْلُهُ لَلْبِتِ : پہلا لام جارہ ہے دوسرا نفس کلے کا اور لب نام ہے ثانیہ ہواے خاص عقل کا اور عقل اس قوت کو کہتے ہیں جس سے معافی کا ادراک ہوا اور وہ جو بڑے کاموں روکے اور وہ مؤمن کے قلب میں اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے لب خاص اور عقل عام ہے ۔

قَوْلُهُ الْحَلَاظِمِ - یہ رجل کی صفت ہے بمعنی ہوشیار ، مقصد یہ ہے کہ ناقص عقل والی ہو کہ ہمدار انسان کو اپنے جال میں پھنسا لیتی ہیں یعنی بہت بڑے کمزوری ہیں ” اِنْ كُنْتُ كُنْتُ سَقِطًا ” ۔

قَوْلُهُ وَمَا لِنَعْمَانٍ دِينِنَا وَعَقْلِنَا : اس سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم میں نہ آئے اس کو متعلم دوبارہ استاد سے پوچھ لے اور ان عورتوں نے ترتیب بدل دی کہ

دین کو عقل پر مقدم کر دیا یا تو دین کی اہمیت کی وجہ سے یا ناقصات عقل کا ثبوت دینے کیلئے۔  
**سوال** - صنف نساء کا یہ تعطل اختیار ہی نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا سبب کیسے بنتا؟

**جواب** | اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی تو بے شک نا انصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کیے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازو کے پرواز نہیں دیے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے بھی ناقص بنا یا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اس کو کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے۔ اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک جہت سے نقصان موجود ہے شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ وَكَذَٰلِكَ نَكْتُبُ مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِعَفْوِكَ عَلَىٰ بَعْضِ (إِنْ قَوْلُهُ) وَأَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ (۱۳) اس حدیث پاک میں ہے کہ جہنم میں عورتیں بکثرت ہو گئی اس کے بالمقابل دوسری حدیث میں ہے کہ جنت میں کم از کم ہر شخص کو دو ہویاں ملیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں مردوں سے زیادہ عورتیں ہو گئی یا کم از کم دو گنی تو ہو گئی اس کا تقاضا یہ ہے کہ کعب دہاں عورتیں ہیں تو مرد کم ہوں اور جہنم کے اندر مرد زیادہ ہونے چاہئیں اور عورتیں کم جب کہ اس حدیث سے مسئلہ عکس ہے۔

**جواب اول** : عورتوں کی پیداوار کثرت سے ہے اس لیے دونوں جگہ ہی زیادہ ہو گئی

**جواب دوم** : چونکہ وہ عورتیں کفرانِ عیش کی وجہ سے جہنم میں ہو گئی اور کفرانِ عیش کفر و دن کفر ہے تو ابتداءً سزا بھگتے کے لیے جہنم میں جائیں گی، اور پھر وہاں جنت میں آئیں گی تو گویا ابتداءً جہنم کے اندر کثرت اور پھر انتہاء جنت میں کثرت ہو گی۔

نبی مریم ؑ و آسیہؑ، خدیجہؑ، عائشہؑ اور فاطمہؑ ان کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ کامل عقل والی ہیں اس طرح در حاضر میں بھی بہت

**سوال**

سہی عورتیں مردوں پر حکمران ہیں پھر کیسے فرمایا کہ ناقصات عقل و دین ہیں۔  
**جواب اول :** مردوں کی نسبت یہ اقل قلیل ہے القلیل کا لحدوم و لہذا رہنمائی ہیں۔

**جواب دوم :** مسئلہ عینی لکھتے ہیں ” اِنَّ الْمُحْكَمَ عَلَى الْكُلِّ بِشَيْءٍ لَا يَسْتَلْزِمُ الْحُكْمَ عَلَى كُلِّ فَرْجٍ مِنْ اَصْرَادِ بَدَنِكَ الشَّيْءُ ” یعنی عام چیز پر کوئی حکم لگانا اس چیز کے ہر فرد پر یہ حکم پورا منطبق ہونے کو مستلزم نہیں ہوتا یعنی ناقصات عقل و دین سے یہ مستثنیٰ ہیں۔

**سوال :** نبی علیہ السلام نے نقصان دین کا سبب حیض جو غیر اختیاری اور عادی مرض ہے اس کو قرار دیا حالانکہ دوسری احادیث میں مریض کو حالت مرض میں اس کی عادت سترہ کے مطابق اجر بغیر عمل کے ملتے رہنے کا ذکر ہے لہذا حائضہ عورت کو بھی دوسرے مریض سے زیادہ ثواب ملنا چاہیے چہ جائیکہ نقصان دین کا سبب بنے۔

**جواب :** دوسری قسم کے مرض میں نیت عبادت صحیح ہے گو عبادت کی طاقت نہیں ہوتی اس لیے اِنَّهَا اَوْفَعَالُ بِالنِّيَّاتِ کی بنا پر اجر کا مستحق ہوگا لیکن حالت حیض میں نیت عبادت صحیح نہیں لہذا ثواب بھی نہ ملے گا اور نقصان دین کا سبب بھی قرار پائے گا۔

## آسمائے رجال

آپ کا نام سعد بن مالک بن سنان خدری انصاری ہے

**حضرت ابی سعید خدریؓ کے حالات**

کثیر الروایت صحابیؓ ہیں۔ حفاظ حدیث علماء فضلاء و عظام صحابہؓ میں سے ہیں آپ کثرت سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ سے صحابہؓ اور تابعینؓ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ ۳۳ھ میں بعمر ۶۵ سال وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى  
كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَعَنِي كُنْ  
لَهُ ذَلِكَ :

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ  
رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا کہ ابن آدم (انسان) مجھ کو  
جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایانِ  
شان نہیں۔

**فائدہ** سب احادیث وحی الہی ہیں لیکن بعض احادیث ایسی ہیں جن میں نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے قال اللہ وغیرہ کے صراحتاً اس بات کی حق تعالیٰ کی طرف  
نسبت کر دی ہے ایسی حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی نسبت بھی صراحتاً  
حق تعالیٰ کی طرف ہے اس اشتراک کے باوجود حدیث قدسی اور قرآن میں کئی وجوہ سے  
فرق ہے اور اس فرق کا اظہار ان دو تقسیموں سے واضح ہو جاتا ہے۔

## تقسیم اول۔ اقسام وحی

وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔  
اول : یہ کہ الفاظ و معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی مکی کے ساتھ ہوتے ہیں اور  
اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے تو اسی کو کلام اللہ ای القرآن کہا جاتا ہے۔  
دوم : اور اگر معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور نسبت بھی اس کی طرف ہو لیکن  
الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو یہ حدیث قدسی ہے۔  
سوم : اور اگر معانی و مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ہوں اور نسبت بھی حضور کی طرف ہو تو یہ حدیث نبوی ہے۔



# تقسیم دوم۔ قرآن اور حدیث قدسی میں فرق

قرآن پاک	حدیث قدسی
① قرآن پاک مجزز ہے۔	① حدیث قدسی کے لیے مجزز ہونا ضروری نہیں
② نماز میں قرأت قرآن ضروری ہے۔	② حدیث قدسی پڑھنے سے یہ فرض ادا نہ ہوگا۔
③ قرآن مُقدس کا مُشکر کافر ہے۔	③ حدیث قدسی کا یہ حکم نہیں
④ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جبریل علیہ السلام کا واسطہ ضروری ہے۔	④ حدیث قدسی عام ہے بواسطہ جبریل ہو یا بلا واسطہ بیداری یا نیند میں اتفاق کر دیا جائے۔
⑤ قرآن کریم کے اتفاق کا بھی منجانب اللہ ضروری ہے	⑤ حدیث قدسی میں ضروری نہیں۔
⑥ قرآن کریم کو بے وضو چھونا جائز نہیں۔	⑥ حدیث قدسی کے لیے وضو ضروری نہیں
⑦ قرآن کریم متواتر ہے بدوں تواتر قرأت ثابت نہیں ہوتی۔	⑦ حدیث قدسی کے لیے اس کا تواتر تک پہنچنا شرط نہیں خبر واحد کے درجہ میں ہو تو بھی اس کو حدیث قدسی کہہ دیتے ہیں۔

فَأَمَّا تَكْذِيبُ بَيْتِهِ آيَاتٍ فَقَوْلُهُ لَنْ يَتَّبِعَنِي كَمَا بَدَأْتُ (ترجمہ) اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کرے گا۔

## انکارِ بعثت سے لزومِ تکذیبِ الہی

انکارِ حیات بعد المات سے تکذیبِ الہی درحقیقت سے لازم آتی ہے :-

(۱) قرآن مقدس میں رب ذوالجلال نے متعدد مقامات پر شر و نشر اور بعثت کا ذکر فرمایا اور قرآن مقدس کلام الہی ہونے کے ساتھ مغفرت اللہ بھی ہے تو صفت الہیہ کی تکذیب خود ذات باری تعالیٰ کی تکذیب ہے۔

(۲) اگر شر و نشر اور حساب نہ ہوتا تو طاقتور اور جابر مظلوم پر ظلم کرتا رہتا تو یہ سب کارخانہ ہستی کھل کر تماشائے عبث اور بے حکمت ہو جاتا حالانکہ قرآن مقدس میں عبث اور لعب کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:-

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَآعِبِينَ (پک)

تو منکرِ شر گویا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تکذیب کرتا ہے اس لیے فرمایا: كَذَّبَتْ بَنِي إِدْرِمَ :

سوال : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں كَذَّبَتْ بَنِي إِدْرِمَ جب کہ اللہ تعالیٰ نے

كَذَّبَتْ بَنِي إِدْرِمَ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب : رب ذوالجلال کا مقصد كَذَّبَتْ بَنِي إِدْرِمَ سے تحقیر بیان کرنا مخصوص

کہ دیکھو بنی آدم جس کا مادہ بعیدہ مٹی جیسی حقیر چیز ہے اور مادہ قریبہ مٹا مہین ہے۔ یہ میری تکذیب کرتا ہے جس طرح کسی انسان کو عار دلانے کے طور پر حقیر خاندان کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔

قَوْلُهُ وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَى مَنْ أَعَادَكَ (ترجمہ) حالانکہ

دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔

یَقُولُ ابْنُ عَبَّاسٍ : حَدِيثُ بَابِ كَيْفَ يَكُونُ مَعَادُ الْكَافِرِ (حدیث پاک کے اس جملے سے تحقیقی معاد و امکان اعادہ کی

طرف علی وجہ ابلغ اشارہ ہے یعنی اس سے حیات بعد الممات کے ثبوت کی طرف ابلغ طریقہ

سے اشارہ فرمایا کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے لکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز

کو جب کہ وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر اپنا قالب کھو چکی ہو دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں

کر سکتا خود محدود قدرت رکھنے والا انسان کسی چیز کو دوبارہ بنانے میں پہلے کی مانند شکل نہیں

بکھتا ہے۔ پہلی اور دوسری مرتبہ یہ محض انسان کو سمجھانے کے لیے درندہ اللہ تعالیٰ کے لیے

ابتداء وانتهاء یعنی اعادہ دونوں یکساں ہیں کیونکہ وہ تادیر مطلق ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ  
 ”وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ  
 الْأُولَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْمُضَرِّ الْحَكِيمُ“ (سورہ روم)  
 قولہ ”وَمَا شِئْتُمْهُ إِلَّا حَقٌّ فَقَوْلُهُ“ اخذ اللہ وَلَدًا (ترجمہ) اور  
 اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا بیٹا بنایا،  
 حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں۔

**تعریف شتم :** کسی تغیر اور عیب دار چیز کو کسی کی طرف منسوب کرنے کا نام شتم ہے۔  
 حدیث پاک میں ہے کہ اخذ اللہ وَلَدًا ربّ ذو الجلال کے حق میں  
**سوال** گالی ہے حالانکہ عرف میں تو اس کو گالی نہیں کہتے لہذا اس کی وضاحت  
 ضروری ہے۔

**جواب** اخذ اللہ وَلَدًا ایسے گالی ہے کہ اولاد کا ہونا ممکن کا خاصہ ہے  
 اور حق تعالیٰ واجب الوجود ہیں ان کے لیے اولاد ثابت کرنا  
 واجب الوجود کو ممکن کہنا ہے ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑی گالی ہے جس طرح کسی انسان کو گوا  
 کہنا گالی ہے حالانکہ انسان اور گوا ممکن اور حادث ہونے میں مساوی ہیں صرف نوع کا  
 فرق ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی لکھتے ہیں کہ کسی عورت سے سانپ یا  
 بندر پیدا ہونا اس کے حق میں سخت عیب ہے حالانکہ دونوں من حیث الجنیت متحد ہیں۔  
 اب خدا کی طرف غیر جنس حادث اور ممکن کو منسوب کرنا کتنا بڑا عیب ہے لہذا یہ شتم ہے  
 (دکما فی الايضاح)

ترجمہ ۱ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تم  
 کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف  
 دیتا ہے اس طرح کہ وہ زمانہ کو برا  
 کہتا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى  
 يُؤْذِي بَنِي آدَمَ يَسُبُّ  
 اللَّهَ هَرًا۔

تعریفِ ایذلو۔ ایذلو کہا جاتا ہے اپنے قول و فعل سے دوسرے کے ساتھ ایسا معاملہ

کرنا جو اس کو ناپسندیدہ ہو خواہ وہ دوسرے میں تاثر کرے یا نہ کرے۔

سوال یہ ہے کہ حدیث کے اندر ایذا کی نسبت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہے جو ناممکن ہے کیونکہ حقیقتاً ربِّ ذوالجلال کے ثانیانِ شان یہ بات نہیں ہو سکتی اس لیے کہ وہ ذاتِ متاثر نہیں ہوتی بلکہ مؤثر ہے۔

جواب اول۔ یہ ہے کہ یہاں ایذا سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایذا والا معاملہ کرنا۔

جواب دوم۔ سلف کا مذہب مراد ہے یعنی ایذلو کا ملحق بنانا۔  
جواب سوم۔ ایذا سے غایتِ ذمیرہ مراد ہے اور اور ایذا کی غایتِ ناراض کرنا ہے کہ بنی آدم ایسا قول و فعل کرتے ہیں کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔

قوله يَسُبُّ الذَّهْرُ : یعنی بنی آدم زمانہ کو گالیاں دیتے ہیں يَسُبُّ الذَّهْرُ سے مراد یہ ہے کہ اہل جاہلیت کہتے تھے يَا خَيْبَةَ الذَّهْرِ فَعَلَ بِكَ كَذَا وَكَذَا جیسا کہ فی زمانہ بعض ایام کو منہوس خیال کیا جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کے افعال کو دھڑکی طرف منسوب کر کے دھڑ کو گالیاں دیتے تھے۔

قوله : وَاَنَا الذَّهْرُ هُوَ بِبَدَنِ الْأَمْرِاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (ترجمہ) حالانکہ زمانہ (کچھ نہیں) وہ تو کبھی ہی ہوں سب نصرتاں میرے قبضہ میں ہیں اور شب و روز کی گردش میرے ہی حکم سے ہوتی ہے

## لفظ "أَنَا الذَّهْرُ" کی بحث

محمد بن حضرت نے بحث کی ہے کہ "أَنَا الذَّهْرُ" سے کیا مراد ہے اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔  
اول۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ أَنَا الذَّهْرُ سے مراد یہ ہے دھڑ کی

طرف جس خیر و شر کی نسبت کی جاتی ہے اس خیر و شر کا فاعل میں ہی ہوں پس جس کو تم فاعل اعتقاد کرتے ہو جب اس کو گال دیتے ہو تو گویا مجھ کو گالی دیتے ہو۔

دوم : ماضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہاں معنائ مختلف ہے ای اَنَا مُقَلِّبُ الذِّهْنِ اَنَا مُصَيِّرُ الذِّهْنِ اب معنی یہ ہوگا کہ دہر میسر تصرف و اختیار سے جاری ہے اس کو کوئی اختیار نہیں تو زمانہ میں جو خیر و شر جاری و ساری ہے وہ دراصل میرے تصرف سے ہے لہذا جو شخص دہر کو گالی دے گا وہ دراصل مجھے گالی دے گا کیونکہ اصلاً نافع ضار میں ہی ہوں۔

سوم : عند البعض دہر اسما حسنہ میں ہے ایک ہے جس کی صحت قانوس سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

يقول ابوالاسعاد : اسما الہی توفیقی ہونے کی وجہ سے بلا دلیل یہ قول مسلم نہیں ہے کہ عسلا خطاب نے اس کی تردید کی ہے لیکن با قطع نظر ازاں جو دت معنی ندارد۔ رکعاً قالہ الشیخ الدہلوی فی اشعۃ اللمعات

رد فرقہ دہریہ | فرقہ دہریہ کہتا ہے کہ تمام عالم کا خالق دہر ہے وہ اَنَا الذِّهْنِ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں ہی زمانہ ہوں یعنی میں جو خالق ہوں وہ اصل میں زمانہ ہی کا نام ہے۔

يقول ابوالاسعاد : یہ دہر اسما غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ اس کے بعد بِسْمِ الذِّمْرِ اَقْلَبُ اللِّسْل وَالْهَمَار اس کے بطلان پر واضح دلیل ہے کیونکہ زمانہ نام ہے لیسل و نہار کی گردش کا اور گردش دینے والی رب ذوالجلال کی ذات پاک ہے پھر کہو کہ یہ گردش لیسل و نہار بھی خود خدا ہے۔

ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تکلیف دہ کلمات سن کر خدا تعالیٰ سے

وَعَنْ أَبِي مُوسَى  
الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحَدٌ

اَصْبَرَ عَلٰی اَذٰی النِّعِ | زیادہ تحمل کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

قَوْلُهُ اَصْبَرَ : اَصْبَرَ کے وزن پر یعنی زیادہ صبر کرنے والا۔  
تعریفِ صبر : صبر کا معنی ہے " حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تُكْرَهُ " یعنی نفس کو ناگوار چیز پر روکنا اور بند کرنا۔

یہ ہے کہ صبر کی اضافت ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف درست نہیں کیونکہ حق تعالیٰ اس بات سے منزہ ہیں مثلاً اِکْرَاهُ اور نفس وغیرہ سے۔

یہاں صبر کا حقیقی معنی ( حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تُكْرَهُ ) مراد نہیں بلکہ صبر سے مراد تاخیرِ العذاب عَنْ مُسْتَحَقِّ الْعَذَابِ ہے یعنی جو عذاب کا مستحق ہے اس کو فوری عذاب نہ دینا مراد ہے۔

قَوْلُهُ عَلٰی اَذٰی : یہ مصدر بمعنی اسمِ فاعل اور اس کا موصوفِ مخدوف ہے  
ای علی کلامِ مؤنث :

قَوْلُهُ شَرِّعًا فِيهِمْ وَيَزْنِي قُلُوبَهُمْ : یہاں عفو کا معنی معاف کرنا نہیں بلکہ بہت دینا ہے لِسُكْنِ شُرُوكِنَا فِيْهِمْ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اِنَّ الصَّبْرَ عَلٰی رَحْمَتِ الرَّحْمٰنِ الَّذِي مَحْمُودٌ وَمَنْكُورٌ اِنَّ تَقَارُفَ مَعْدُوْرٍ --

محدثین نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق اپنی جانب سے ایذا کا سامان خود تیار

## خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

کر لیتی ہے تو وہ ذاتِ پاک اس کی اطلاع دے دیتی ہے کہ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں مگر اس کے جواب میں عاقبت درزق عطا فرماتے رہتے ہیں اگر اس کے سوا دوسرے جواب کا ارادہ فرمائیں تو سب دنیا ویران ہو جائے۔ ہماری تنگ نظری اور اس کی فراخی جو سبکی ہماری بغاوت اور اس کا تحمل یہ نقشہ قیامت تک رہے گا : کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالٰی :-

وَلَقَدْ كُفِرْنَا بِهِمْ وَظَلِمُوا كُفْرًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَلَكِنْ يُؤَخَّرُهُمْ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى (ربِّ النحل)

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ كُنْتُ  
رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِي وَ  
وَبَيْنَهُ إِلَّا مُوَحَّجَةُ الرَّحْلِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت معاذؓ فرماتے  
ہیں کہ (ایک سفر میں) گدھے پر میں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا میرے اور  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پالان کی  
پچھلی بکڑی حائل تھی۔

قولہ رَدَّفَ النَّبِيُّ : بکسر اللام وكون الراء مني يركب خلف الركاب

یعنی سوار کے پیچھے سوار ہونا اردو میں ریل چڑھنا کہتے ہیں۔

قولہ عَلَى حِمَارٍ : مخذمن حضراتؓ نے لکھا ہے کہ سواریوں میں سے فرس کے  
مقابلہ میں حمار میوب سواری ہے اس لیے معنوی قباحت سے بچنے ہوئے حمار یعنی گوا  
نہیں بلکہ معنی دراز گوش سے کرنا چاہیے۔

ثامناً ، عَلَى حِمَارٍ : سے شدت تواضع کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے چونکہ دراز  
گوش گھٹیا قسم کی سواری ہے اس لیے سید الاولیاء والآخرین جیسے عالی منقبت ذات پاک کا  
دراز گوش پر سوار ہونا انتہائی تواضع پر دل ہے۔

قولہ مُوَحَّجَةُ الرَّحْلِ : اس میں کئی لغات ہیں (۱) باب افعال سے  
اسم فاعل کے وزن پر (۲) باب تفعیل سے اسم فاعل کے وزن پر جو (۳) باب تفعیل سے  
اسم مفعول (۴) اخوة الرجل پہلی اور آخری لغت الفع ہیں اس کا معنی کجاوہ کی پچھلی بکڑی یعنی  
الْحِمْلُ الَّذِي يَكُونُ خَلْفَ الرَّاكِبِ

سوال : حضرت معاذؓ کو یہ تاسنے کی کیا ضرورت تھی کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے پیچھے تھا اور ہمارے درمیان بہت کم فاصلہ تھا۔

حضرت معاذؓ یہاں اپنا تثبیت فی الروایت بتانا چاہتے ہیں یعنی  
جواب اول یہ واقعہ خوب یاد ہے حتیٰ کہ اس کی معنوی چیزیں بھی نہیں بھولیں  
لہذا میں جس حدیث کو بیان کر رہا ہوں اس میں کسی قسم کی غفلت و تساہل نہیں تھا اور یہ حدیث

نہایت اہم ہے تم سامعین غور و شوق سے سنو۔

**جواب دوم** | عارفین کے انداز کے مطابق جواب یہ ہے کہ معشوق کی ہر کیفیت کو بیان کر کے تلذذ حاصل کیا جاتا ہے۔ یہی حال حضرت معاذؓ کے ساتھ ہوا ہے کہ وہ لہو کتنا سعادت مند ہو گا کہ جب ایک محبت اپنے محبوب کے اس قدر قریب ہوا کہ سوال و جواب، پیار و نیاز کا سلسلہ چل نکلا۔ حتیٰ کہ دل کی بات کہ ڈالی، عاشق آگے راز افشاء کرنے کا حکم چاہتا ہے مگر معشوق نے بدستور گوشہ گنہامی میں رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

فَقَالَ يَا مَعَاذَ هَلْ تَذَرِي مَا حَقَّ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقَّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ :

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذؓ جانتے ہو بندوں پر اللہ کا حق کیا اور اللہ پر بندوں کا کیا حق ہے۔

## حدیث کے جملہ مذکورہ سے استدلال معتزلہ اور اس کا رد

مہمور علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک ذات باری تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں وہ محال ہیں۔ کما فی قولہ تم۔ فَقَالَ لِمَا يُؤَيَّدُ بِهِ، وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ رَبُّهُ، وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَالْغَنِيُّ الْغَنِيُّ الرَّبُّ، لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ رَبُّهُ، إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُشَاءُ رَبُّهُ، معتزلہ حضرات حق بمعنی واجب اور لازم قرار دے کر اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ اَصْلُكَ لِلْعِبَادِ یعنی مطیع کو حیثیت میں اور عاصی کو نار میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے تو حدیث پاک کے اس جملہ کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں،

اول لفظ حق معانی مختلف میں مستقل ہے حق بمعنی ثابت۔ واجب و لازم۔ لائق



ثانیان شان - ملک - نصیب تو مقام کا لحاظ کر کے الگ الگ معنی مراد لیے جائیں گے یعنی بمقتضی مقام معنی کی تعبیر میں کی جائے گی - حق اللہ علی العباد میں حق بمعنی واجب و لازم کے ہے اور حق العباد علی اللہ میں حق بمعنی لائق اور ثانیان شان کے ہے لہذا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا يُكَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا کے معنی یہ ہیں کہ شانِ خداوندی کے لائق یہی ہے کہ جن بندوں نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا اسے عذاب نہ دے -

دوم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلا کلمہ "یعنی حق اللہ علی العباد" فرمایا اس بنا پر اس کی بھی مشاکلہ حق العباد علی اللہ فرمادیا تاکہ عبارت درست اور وزن برقرار رہے گو معنی ایک نہیں -

سوم اگرچہ ربُّ دوالجلال پر کسی طرف سے کچھ واجب نہیں تاہم بطور احسان اپنے اوپر واجب کر لیا ہے جس کو درجوب تفضل یا احسانی سے تعبیر کیا جاتا ہے -

قولہ أَنْ لَا يُكَذِّبَ مَنْ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا : شانِ خداوندی کے لائق یہی ہے کہ جن بندوں نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو اسے عذاب نہ دے -

حدیث معاذ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے شرک نہیں کیا اور صدق دل سے توحید و رسالت کا اقرار کیا تو اس پر عذاب نہ ہوگا اسی طرح اگلی حدیث میں ہے کہ "حَدَّثَنَا اللَّهُ عَلَى النَّارِ" حالانکہ صحاح ستہ کی متواتر نصوص سے ثابت ہے کہ عصاة مؤمنین کے ایک طائفہ کو عذاب دیا جائے گا پھر شفاعت یا رحمت خداوندی کے ذریعہ نکالا جائے گا تو دونوں قسم کی روایات میں تضاد معلوم ہوتا ہے -

حضرت معاذؓ کی روایت کا مقصد یہ ہے کہ یہ حکم رحمت ناز والا اس شخص کے متعلق ہے کہ جس نے بوقتِ نزامت

توبہ کلمہ توحید کہا اور قدرت علی المل سے قبل ہی مرگیا اس کے لیے لَا يُكَذِّبُ وَحَدَّثَنَا اللَّهُ عَلَى النَّارِ کا حکم ہے یعنی یہ حکم عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہے - کہا ہو قول البخاری

جواب دوم : یہاں عذاب مُخَلَّدٌ دُومُود کی نفی مراد ہے نہ کہ عذاب بوقت کی بھی -  
جواب سوم : فتاویٰ عصاة مؤمنین کو دوزخ میں داخل کرنا بغرض تطہیر ہو گا نہ کہ

بغرض تفسیر۔

قَوْلُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا أَكْثَرُ بِهِ النَّاسُ قَالَ لَا يُبْشِرُ  
فَيَنْتَكِلُوا (ترجمہ) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنادوں۔  
آپ نے فرمایا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناد کیونکہ وہ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے اور  
عمل کرنا چھوڑ دیں گے)

قَوْلُهُ فَيَنْتَكِلُوا۔ اِیْ یَعْتَمِدُوْا اَوْ یَتَوَكَّلُوْا لِاجْتِهَادٍ فِیْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰی یعنی  
کو نہ بتانا یہ دین کے اندر محنت کرنا چھوڑ دیں گے اور بس اسی کو دین بنالیں گے اور کہیں گے کہ جب  
فقط درستی عقیدہ سے ہی نجات مل جاتی ہے تو نماز وغیرہ اور عبادات کی کیا ضرورت ہے حالانکہ  
دین کے اندر تو مسابِقِ بِالْاَخْبَارِ کا حکم ہے اور امر ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَنَّکَ  
الْیَقِیْنُ۔

## آسمائے رجال

حضرت معاذؓ کے حالات | آپ کی کنیت ابو عبد اللہ الصاری خزرجی ہے لیکن آپ  
معاذ بن جبل کے نام سے مشہور ہیں۔ مدینہ طیبہ کے  
باشندہ ہیں، قدیم الاسلام ہیں۔ چنانچہ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں شامل تھے جب کہ آپ کی عمر ۱۸ سال تھی  
آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے آپ کو یمن کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا پھر حضرت  
عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت ابوبکرؓ بن مزاح کے بعد ملک شام کے عامل بنائے گئے مسئلہ یہ ہے  
طاعون عمر اس کے زمانے میں ۲۸ سال وفات پائی آپ سے حضرت عمرؓ بن عباسؓ اور بہت سی مخلوق  
نے روایت حدیث کی ہے۔

وَعَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَاذُ رَدِّفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مَعَاذُ قَالَ لَبَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدُ يَلِك

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، اور حضرت معاذؓ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو فرمایا اے معاذ! عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور فرمایا بندہ تیری کے لئے تیار ہوں۔

**قولہ رَدِّفُ :** اس کی تشریح حدیث سابقہ میں گذر چکی ہے۔  
**قولہ لَبَيْكَ :** یہ لَبَّ بمعنی آجاب سے تشبیہ مفات ہے ای اجبٹ لک اجابٹ بَعْدَ اجابٹ :  
**قولہ وَسَعْدُ يَلِك :** تقریر عبارتوں ہے سَاعَدْتُ طَاعَتُكَ مَسَاعِدَةٌ بَعْدَ مَسَاعِدَةٍ : لَبَيْكَ وَسَعْدُ يَلِك کا اردو میں مختصر ترجمہ یہ ہے کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔

**قولہ ثَلَاثًا :** ای وقع هذا النداء والجواب ثلاث مراتب۔  
**سوال :** ندائے نبویؐ اور جواب معاذؓ میں تکرار کیوں ہے؟  
**جواب :** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو بار بار اس لیے مخاطب فرمایا تاکہ ان کے دل و دماغ میں مضمون کی اہمیت و عظمت بیٹھ جائے اور وہ جان لیں کہ جو بات کہی جانے والی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ سرسری طور پر سن لی جائے بلکہ اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو پوری توجہ سے سنا جائے۔

**قولہ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ :** یہ یا تو شَہَادُ کی ضمیر سے تیز ہے یا مفعول مطلق مَزْدُون کی صفت ہے ای شَہَادَةٌ صَادِقَةٌ مِنْ قَلْبِهِ۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس نے صدقِ دل

**حاصل حدیث**

سے وحدانیت و رسالت کی گواہی دی تو اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیں گے۔ اس مضمون کی کئی روایات اس باب میں آرہی ہیں مثلاً

(۱) حدیث ابو ذر میں ہے مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شُرَّ مَا تَعَلَّى ذَٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ

(۲) حدیث عبادۃ بن الصامت میں ہے: مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ

(۳) حدیث معاذ میں ہے مَفَارِئُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اس قسم کی تمام روایات سے بطور قدر مشترک یہ بات نکلتی ہے کہ نجات و دخول جنت کے لیے صرف اقرار الشہادہ میں کافی ہے۔

## حدیث الباب مرجیہ کا استدلال اور اس کے جوابات

ان احادیث ثلاثہ مذکورہ سے مرجیہ نے اپنے باطل مدعی پر استدلال کیا ہے کیونکہ مرجیہ کے نزدیک لَا تَنْفِرُ الْمُعْصِيَةُ تُنْفَخُ الْإِيمَانُ ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ٹھنڈی نہیں۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ بہت سے عُصَاةُ مُؤْمِنِينَ بھی ایک مدت کے لیے دوزخ میں جائیں گے یہی مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے تو اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث جواب اول اس زمانہ میں تھی جب کہ فقط ایمان باللہ والرسول فرض تھا، دوسرے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ بعد از نزول احکام سے یہ حکم حدیث منسوخ ہو گیا۔

جن حدیثوں میں آتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا وہاں مطلق دخول جنت کا وعدہ ہے، دخول اولی کا وعدہ نہیں، دخول اولی کا وعدہ اسی وقت ہے جب کہ اعمال بھی ٹھیک ہوں۔

جن حدیثوں میں آتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھنے والے پر نار حرام ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس پر غلہ و فی النار حرام ہے

یہ معنی نہیں کہ دخول فی النار بھی حرام ہے۔ دخول فی النار اس وقت حرام ہوگا جب کہ عمل بھی ٹھیک ہوں۔

یَقُولُ اَبُو الْاَسْعَدُ : حَبِيبُ اللّٰهِ تَعَالٰی كِي شَانِ رَحْمَتِ وَكَرَمِ  
**جواب چہارم** پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بڑی تو فرمایا بڑے مجرم

بھی فقط ایمان سے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور حبیب اللہ تعالیٰ کی شان انتقام پر نظر بڑی تو فرمایا چھوٹی چھوٹی سی تافرمانی بھی جہنم میں لے جائے گی۔ کما قال علیہ السلام: "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاةٌ وَلَا نَمْلَةٌ"۔ سعدی شیرازی نے کیا خوب فرمایا ہے

بہت دید اگر برکش تیغ حکم  
 دگر درد ہدیک صلائے کرم  
 عزازیل گوید نصیبے برم  
 (ترجمہ) دھمکانے کے لیے اگر انصاف کی تلوار کیجیے۔ تو مقرب فرشتے بہرے گوئیں گے ہو جائیں۔  
 اگر بخشش کا ایک اعلان کر دے۔ تو شیطان بول اٹھے کہ میں بھی حقہ حاصل کروں گا۔

قَوْلُهُ فَأَخْبَرَهَا مَعَاذُكَ مَوْتُهُ تَأْتِيًا : (ترجمہ) حضرت معاذؓ  
 نے اپنی وفات کے وقت خود کو گناہ سے بچانے کی خاطر مخصوص حاضرین کے سامنے  
 اس کا اظہار کر دیا۔

حضرت معاذؓ کی روایت میں ہے "أَخْبَرَهَا عِنْدَ مَوْتِهِ تَأْتِيًا"۔  
**سوال** تاتہر کا معنی ہے تَجَنُّبٌ عَنِ الْإِثْمِ یعنی گناہ سے بچنا، کتمانِ علم کے گناہ  
 سے بچنے کے لیے موت کے وقت حدیث سنائی ہے اس پر سوال یہ ہے کہ جب  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بشارت کو آگے پہنچانے سے خود منع فرمایا تھا تو پھر  
 کتمانِ علم کا گناہ کیونکر ہوتا، بالفاظ دیگر پہلی حدیث میں یہ خوش خبری لوگوں کو سنانے  
 سے منع فرمایا، اور اس حدیث میں ہے کہ کتمانِ علم کے گناہ سے بچتے ہوئے حدیث  
 سنادی۔

یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کا یہ گمان تھا کہ یہ مانعت خاص حالات  
**جواب اول** کی وجہ سے ہے کہ لوگ نو مسلم ہیں اور ابھی دین میں روبرخ حاصل

نہیں ہوا تو اس وقت بتانے سے لوگ ظاہری معنی کے اعتبار سے اعمال چھوڑ دیں گے جیسا کہ قیامت کیلئے معلوم ہوتا ہے پھر جب لوگوں کو علی استقامت نصیب ہوگی اور مستی و التکال کا اندیشہ دور ہو گیا تو آپ نے یہ حدیث سنادی۔

**جواب دوم** پہلے حضرت معاذؓ اس ممانعت کو مطلق سمجھتے رہے ہیں اس لیے انہیں بتایا بعد میں سمجھ آئی کہ یہ ممانعت عامۃ الناس کے سامنے بیان کرنے میں ہے، خواص کے سامنے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس لیے موت کے وقت خواص کے سامنے اس کو بیان کر دیا۔ اس خیال سے کہ اگر خواص کو بھی نہ بتاؤں گا تو کتمانِ علم کا گناہ ہوگا۔

**جواب سوم** علامہ شبیر احمد عثمانی رَفِیعُ اللہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ کا مقصد موت کے وقت کلمہ شہادت کی فضیلت حاصل کرنا، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں کلمہ شہادت ہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے: مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ حدیث آخر وقت میں اس لیے سنائی کہ یہ فضیلت بھی حاصل ہو جائے اور آخری دم تک تعلیم و تعلم جاری رکھنے کی سعادت بھی نصیب ہو جائے۔ چنانچہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکابر اُمت نے یہ حدیث آخری وقت میں سنانے کا اہتمام کیا ہے۔

مشہور محدث ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ کے متعلق بھی منقول ہے کہ جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو حاضرین نے کلمہ کی تلقین کے لیے حدیث معاذؓ کا تذکرہ شروع کیا تو حضرت ابو زرعہؓ نے پہلے اپنے سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند سنائی پھر حدیث کا متن شروع کیا ابھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تک پہنچے تھے، حدیث کا اگلا حصہ باقی تھا کہ روح پرواز کر گئی گویا دَخَلَ الْجَنَّةَ (جواب شرط کا علی مظاہرہ ہو گیا۔ رَفِیعُ اللہ ص ۹۵ ج ۱)۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ  
أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ  
أَبْيَضٌ وَهُوَ نَائِمٌ شَوْ  
أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ :

(ترجمہ) حضرت ابی ذرؓ سے  
مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ ایک  
سفید کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے  
پھر آپ کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ  
بیدار ہو چکے تھے۔

قوله وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضٌ : حضرت پر سفید کپڑا تھا۔

سوال : یہ ہے کہ حضرت ابی ذرؓ نے روایت میں یہ قیودات کیوں ذکر  
فرمائیں ہیں مثلاً علیہ ثوبٌ اَبیضٌ یا نائِمٌ وَبَسَدٌ قَالَ اسْتَيْقَظَ  
جواب اَوَّل : حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان قیودات کے ذکر کرنے  
سے مقصود بقیہ کے استحضار و اتقان کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تاکہ سامعین کو  
اطمینان مکی حاصل ہو جائے اور سامع، سماع پر پورا اعتماد کریں۔

جواب دوم : عند العارفين حالات محبوب کے ذکر استلزام بھی  
مقصود ہوتا ہے کیونکہ کثرت ذکر حالات محبوب بھی مشل محبوب کے مقصود ہے۔

قوله قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ شَعْرَمَاتٍ عَلَى ذَاكَ إِذَا دَخَلَ الْجَنَّةَ  
(ترجمہ) جس نے صدق دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا پھر امتثال ہو گیا تو وہ جنت میں ضرور  
داخل ہوگا۔

سوال : یہ ہے کہ روایت حضرت ابی ذرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ دخول جنت  
کے لیے اقرار رسالت ضروری نہیں۔ فقط اقرار توحید کافی ہے۔ حالانکہ اقرار رسالت  
اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ جَنَّ الْأُمَلُّ عَلَى خَمْسٍ الْخَمْسِ

یہ ہے کہ یہاں ذکر جز و مراد کل ہے ظہوری و جبر سے دوسرا حصہ  
جواب اَوَّل : ذکر نہیں کیا کما یقال قُرْآنَاتٌ قُلْ هُوَ اللَّهُ مقصود صرف  
لفظ قُلْ هُوَ اللَّهُ نہیں بلکہ پوری سورت ہوتی ہے۔ اس جواب کا قرینہ آئندہ حدیث

حضرت عبادۃ بن القاسم ہے جس میں شہادت رسالت کا بھی ذکر ہے ”وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ“

**جواب دوم :** یہ ہے کہ اقرار رسالت امر بدیہی ہے اور بعض دفعہ اختصار کے لیے امر بدیہی کو ذکر نہیں کیا جاتا اور یہ طریقہ کلام عرب میں شائع و ذائع ہے۔

بظاہر اس حدیث سے معتزلہ و خوارج کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ کبائر مخرج عن الایمان ہیں۔ اگر بقول شما مخرج عن الایمان ہیں تو پھر دخول جنت کیوں ہو رہا ہے جو عندی و عند صاحب متفق علیہ ہے۔ البتہ ظاہر امر حبیہ کی تائید ہو رہی ہے جو لَا تُصْرَفُ الْمَنَاصِيكُ مَعَ الْإِيْمَانِ کے قائل ہیں تو خذْ مَسْرَ عَقِيْقَتُهُ فِي رَوَايَةِ النَّسِّ مَعَ قِصَّةِ سَيِّدِنَا مُعَاذٌ۔

**سوال :** قولہ ، وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ، اِیْ اَدْخَلَ الْجَنَّةَ وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا پھر بار بار تکرار کیوں کیا؟

**جواب اول :** تکرار کی وجہ یہ حدیث حضرت ابوذرؓ کے پیش نظر تھی۔ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَزِلُّنِي الذَّانِقُ حَبِيْنٌ يَزِيْقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔  
**جواب دوم :** حضرت ابوذرؓ کا تکرار اس لیے تھا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دوسرا مفید جواب عنایت فرمادیں۔

**جواب سوم :** تکرار کی وجہ تعجب تھا کہ کوئی شخص محض اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان و اقرار کے بعد جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جبکہ کبائر کا مرتکب بھی کیوں نہ ہو۔ مگر نگاہ نبوت خدا کی ہیکر اس رحمت پر تھی کہ بڑے سے بڑا مکرش انسان ندامت سے توبہ کر لے تو ابدی نجات مل سکتی ہے۔

**سوال :** یہ ہے کہ کبائر تو اور بھی بہت ہیں۔ حضرت ابوذرؓ نے فقط زنا و سرقة کو خاص کر کے کیوں ذکر فرمایا؟

**جواب :** گناہ اجمالاً دو قسم ہیں (۱) حق اللہ یہ زنا ہوا (۲) حق العباد اِیْ اَخَذَ مَا لِمُغْرَبٍ بِغَيْرِ حَقِّ یہ سرقہ ہوا۔ اس لیے ان دونوں کو ذکر



کر کے تمام قسم کے گناہوں کی طرف اشارہ کیا کقولہ تعالیٰ ”وَلَمْ يَسْرِزْ تَلْهَفَ فِيهَا بَكْرَةً  
وَعَشِيًّا“ اس سے دوام مراد ہے اگرچہ دو کو ذکر کیا یعنی بکرۃ اور عشی۔

یہ ہے کہ ”إِنْ زَنَىٰ وَإِنْ سَرَقَ“ دلی روایت اور ”لَا يَزْنِي النَّارِئِي حِينَ  
يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ وَلَا يَسْرِقُ الشَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ  
مُؤْمِنٌ“ (مشکوٰۃ شریف مساجد باب الکبائر وعلامات النفاق) کے ماہین لغوی  
ہے پہلی روایت میں زانی زنا کے باوجود مؤمن ہے جب کہ دوسری روایت میں نعل زنا  
کی وجہ سے مؤمن نہیں۔

**جواب اول** حدیث ابی ہریرہؓ میں وہ مؤحدین مراد ہیں جن کے پاس  
تبلیغ احکام آپکی ہو۔ اور حدیث معاذؓ میں وہ مؤحدین  
مراد ہیں جن کے پاس تبلیغ احکام نہ پہنچی ہو۔

وَأِنْ زَنَىٰ وَإِنْ سَرَقَ“ میں عدم تکلیف فی النار مراد ہے۔ اور  
لَا يَزْنِي النَّارِئِي میں کمال ایمان کی نفی مراد ہے۔

**جواب دوم** قولہ عَلَى رَغْوِ أَنْفِ ابْنِ ذَرٍّ : سَأَعْمُ مَا أَخُوذُ مِنَ الرِّغَامِ أَيْ  
الرِّثَابِ يُقَالُ أَمَرَعُوا نَفْسَهُ أَنْفَهُ أَيْ أَلْصَقَهُ بِالرِّغَامِ أَيْ الرِّثَابِ : نَاك  
خاک آلودہ ہو۔ اب عَلَى رَغْوِ أَنْفِ ابْنِ ذَرٍّ کے دو معنی ہیں (۱) کہ ان کے ارادہ ورائے  
کے مخالف ہونے کی بنا پر ان کی ذلت کے باوجود یہی حکم ہے۔ (۲) یا ان کی کراہیت  
و ناگواری کے باوجود یہی حکم ہے چونکہ حضرت ابوذرؓ نے یہ الفاظ اپنے محبوب سے سنے  
تھے۔ اس لیے حدیث روایت کرتے وقت استلذاذاً یا تافهراً بیان کرتے تھے۔

## اسمائے رجال

**حضرت ابی ذرؓ کے حالات** آپ کا نام جندب بن جنادہ مغاری ہے جو بنو غنم  
قبیلہ کی طرف منسوب ہے آپ قدیم الاسلام ہیں

پانچویں ہجر پر اسلام لائے، تارک الدنیا تھے کہ دوسرے دن کا سامان رکھنا جائز نہ سمجھتے تھے رقیقہ الحیض

وَعَنْ عِبَادَةِ بْنِ  
الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ  
شَهِدَ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَآتَى  
مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ  
وَأَنَّ عَيْشِي عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ  
إِبْنُ أُمِّتِهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْفَاها  
إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحُ فِ مَنَّهُ

ترجمہ : عبادۃ بن الصامت  
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا کہ جو شخص گواہی دیتا ہے  
کہ خدا کے واحد کے بغیر کوئی معبود  
نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں حضرت  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیارے  
بندے اور رسول ہیں اور اس بات  
کی شہادت دے کہ حضرت عیسیٰ بھی  
خدا کا بندہ اور رسول اور خدا کی باندی  
(مریم) کے بیٹے اور اس کا حکم ہیں۔  
جس کو اس نے مریم کی طرف ڈالا تھا۔  
اور خدا کی بھیجی ہوئی روح میں ہے۔

اس حدیث میں شہادت کا ذکر ہے اس کی تشریح سابقہ روایتوں میں آچکی ہے۔  
یَقُولُ الْبَوَالِ سَعَاد : مختصرًا عرض ہے کہ مقصود اصلی یہ ہے کہ تمام ضروریات  
دین پر اس کا اعتقاد ہو۔ اس بات کی حدیثوں میں مختلف تعبیریں ہیں کہیں صرف لَا إِلَهَ  
إِلَّا اللَّهُ کا ذکر ہے، کہیں عبدیت عیسیٰ کے اعتقاد کا بھی ذکر ہے۔ وغیرہ ایک من التبعیلات  
معر عند ایک ہی ہے کہ تمام ضروریات دین کا اعتقاد ہو۔ تعبیر کا یہ اختلاف احوال مخاطب  
کے اختلاف کی وجہ سے ہے ہر مخاطب کے حال کے مناسب تعبیر اختیار کی گئی۔ مخاطب  
کی حالت دیکھ کر بعض ضروریات دین کا خصوصی طور پر ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس قبیل تال ہے

چنانچہ اکثر اوقات اسی مسئلہ پر صحابہ کرام سے بحث باحث بھی ہوتا رہتا تھا۔ مسئلہ میں بزمانہ غزوات  
عثمان مقام ربزہ میں وفات پائی۔ آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کشیرہ نے روایت  
کی ہے۔

یہ سوان بھی رفع ہو گیا کہ اکثر احادیث میں صرف شہادت توحید کا ذکر ہے۔ کیا ایمان بالزنا  
وایمان بالقدر وغیر ذالک ضروری نہیں تو حاصل جواب یہ ہے کہ لا اِلٰهَ  
اِلَّا اللّٰهُ صرف ایک عنوان و باب ہے تمام ضروریات دین کو مان لینے کا۔

**سوال :** اہل سنت والجماعت کے نزدیک تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا  
فرض ہے۔ پھر اس کے باوجود صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کیوں ہے ؟  
**جواب :** تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود  
ونصاری بہت افراط و تفریط کا شکار ہوئے جس کی تشریح آ رہی ہے۔

قَوْلُهُ اَنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللّٰهِ : اس سے نصاریٰ کی تردید مقصود ہے کیونکہ  
نصاری نے ان کو اللہ یا ابن اللہ یا ثالث ثلاثہ قرار دیا جو ان کے مرتبہ میں افراط ہے۔  
قَوْلُهُ رَسُوْلُهُ : اس سے یہود کی تردید مقصود ہے۔ یہودیوں نے ان کو  
دالیاذ باللہ قرار دے کر رسالت کا انکار کیا تو تردید ہو گئی کہ دَلِّاِزَنَا کبھی  
رسول نہیں ہو سکتا۔

قَوْلُهُ اِبْنُ اَمْتِه : یہ کلمہ فرما کر دونوں فرق فتنہ مضللہ پر رتبہ ہے۔  
نصاری پر اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی باندی کے صاحبزادے ہیں وہ کیسے اللہ یا  
ابن اللہ ہو سکتے ہیں۔ اور یہود پر اس طرح کہ وہ دالیاذ باللہ اگر دالیاذ باللہ ہوتے تو یہ شریف  
لقب (امتہ) جو افاضت تشریفی کے ساتھ اپنی طرف کیا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

لفظ کلمتہ کی تحقیق | یہ لفظ کلمہ کی یہ تحقیق ادنیٰ مناسبت سے کی جا رہی ہے  
یہ کلمہ سے مأخوذ ہے۔ یعنی توڑنا پھاڑنا چونکہ انسان

کلمہ کے ذریعہ سکوت کو توڑتا ہے اس لیے زبان سے نکلے ہوئے الفاظ جن کو معنی مفرد پر  
دلالة کرنے کے لیے وضع کیا گیا اس کو کلمہ کہا جاتا ہے اور کبھی کلمہ کا اطلاق کلام پر بھی ہوتا ہے  
جس طرح لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو کلمہ توحید کہا جاتا ہے باوجودیکہ وہ کلام ہے۔

بقول ابوالاسعاد : فی الحقیقت محاورات عرب کی بناء پر اس کو کلمہ کہا جاتا ہے  
جس طرح کلمۃ الترجیب، کلمۃ التصفیۃ وغیرہ کہا جاتا ہے اور کلمہ کا اطلاق کبھی دلیل و نجت  
پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ مخالفت کے لیے جارح ہوتا ہے۔

## حضرت عیسیٰ پر کلمۃ اللہ کا اطلاق اور اُس کی وجوہات

- (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لفظ کلمۃ اللہ کے اطلاق کرنے کی مختلف وجوہات ہیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش حق تعالیٰ کے کلمہ کُن سے ہوئی۔ اس لیے ان کو کلمہ سے تعبیر کیا۔
- (۲) یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بحالت صغیر سنی بے وقت یہ کلمہ (اِنِّی عَبْدُ اللہِ مَعاد) ہوا اس لیے ان کو کلمہ سے تعبیر کیا۔
- (۳) ان کی کلام سے چونکہ لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچا اس لیے ان کو کلمہ کہا جیسا کہ کوئی شخص تلوار سے زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اس کو صیف اللہ کہا جاتا ہے یا جو شجاعت سے فائدہ پہنچائے اس کو اسد اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لفظ رُوح کا اطلاق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لفظ رُوح کے اطلاق کرنے کی وجوہات مختلف بیان کرنے سے قبل عرض ہے کہ رُوح قَسَد کا مفاد محذوت ہے ای ذی رُوح کا اُن منہ یعنی آپ کی پھونک سے مُردہ آدمی زندہ ہو جاتا تھا جیسا کہ رُوح سے زندگی آجاتی ہے۔ کہا قال اللہ تعالیٰ "وَأُخْرِی الْمَوْتِ بِإِذْنِ اللہِ" (الایۃ پ)

سوال :- حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لفظ رُوح کا اطلاق کیونکر ہوا ہے ؟

جواب :- اس کی مختلف وجوہات ہیں۔

- ۱۔ اول : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لیے رُوح کہا گیا کہ ان کے ذریعہ اموات میں رُوح آجاتی تھی۔ کیونکہ قَسَد بِإِذْنِ اللہِ کہہ کر اموات کو زندہ کرتے تھے۔
- ۲۔ دوم : حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس لیے رُوح کہا گیا کہ وہ آخری زمانہ تک آسمان میں ذی رُوح رہیں گے۔

سوم - حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر روح کا اطلاق اس لیے ہے کہ روح الامین کے نفع سے پیدا ہوئے ہیں۔

چہارم - ان کے ذریعہ مردہ قلوب میں روح آجاتی تھی یعنی مردہ قلوب کو ایمان و ہدایت دے کر زندہ کرتے جیسا کہ عدل کرتے کرتے زید عدل کہا جاتا ہے۔

قولہ مِنْهُ : لفظ مِنْهُ سے خدا کی مخلوق اور آپ کے مقرب ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی مِنْ تبیضیہ نہیں جس سے جزئیت و بعیت باری تعالیٰ کا شبہ ہو۔ کما فی قولہ تعالیٰ "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ" میں بالاجماع مِنْ تبیضیہ نہیں کیونکہ اس وقت جمع مخلوقات اللہ تعالیٰ کی جز بن جائیں گی۔

نصاری کے بڑوں میں سے کسی بڑے سے کسی قاری القرآن کو قولہ تعالیٰ فَاتِمِدْهُ و روح مِنْهُ پڑھتے ہوئے سنا تو کہا یہی بعیت نصاریٰ کا دین ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا جزء و بعض ہے تو علی بن حسین بن واقد نے جواب دیا کہ ایک آیت میں تو یوں بھی ہے "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ" اگر لفظ مِنْهُ کے لفظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا جزء ہونا ثابت ہو تو جمع مخلوق بھی جزء بن جائے گی۔ تو وہ نصرانی مسلمان ہو گیا۔

قولہ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ : بعض کے نزدیک حقیقی صفت مشبہ بمعنی ثابت عند البعض کلمہ حق مبالغہ جنت اور نار پر محمول ہے۔ اس سے خلاصہ اور زنازعہ کی تردید ہو گئی جو جنت اور دوزخ کے وجود کے منکر ہیں۔

## جنت و دوزخ الائن موجود ہیں

نذیب معتزلہ - معتزلہ حضرات کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ قیامت کے دن بنائی جائیں گی۔

**دلیل اول عقلی :** اگر جنت و دوزخ فی الحال بھی موجود ہوں تو پھل پھول  
مڑ مڑ کر پڑیں گے، حر و غلہ ان بوڑھے ہو جائیں گے، جہنم کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی وغیرہ :  
**دلیل دوم نقلی :** معتزلہ حضرات آیت **تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا**  
سے یہ سمجھتے ہیں کہ فی الحال یہ دونوں موجود نہیں بلکہ **نَجْعَلُ** ان کے مستقبل میں موجود ہونے  
کو ظاہر کر رہا ہے۔

**مذہب اہل السنۃ والجماعۃ :** اہل السنۃ والجماعۃ فرماتے ہیں کہ جنت و  
دوزخ فی الحال موجود ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَىٰ أُعِدَّتْ لَكُمْ فِرْدَوْسٌ رَّيًّا  
وَجَنَّاتٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ  
لِلْمُتَّقِينَ رِبِّكَ ۖ اَلْعَمَلُ

**دلیل اول**

الَّذِينَ يُفْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَالْمُؤْمِنِينَ  
وَعَنِ النَّاسِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
صَلَّى لَنَا يَوْمَ الْمَلْعُوَةِ شُعْرًا فِي الْمَنِيرِ فَأَشَارَ

**دلیل دوم**

**دلیل سوم**

بِيَدِهِ قِيلَ قِيلَةَ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مِنْ صَلَاتِكَ لَكُمْ وَالْمَلْعُوَةِ  
الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ الْعَمَلُ تو تمثیل وجود کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔

**معتزلہ کی دلیل عقلی کا جواب :** یہ ہے کہ غایت الجنتہ والنار کے لیے  
ان چیزوں کو اپنی حالت پر رکھنے کی

تدرت ضرور حاصل ہے۔

يقول ابوالاسعاد : جہنم و علمہ  
نے اس سے استدلال کو کمزور

**معتزلہ کی دلیل نقلی کا جواب**

اور واہ کہا ہے۔ کیونکہ **نَجْعَلُ** میں **جَعَلُ** بمعنی خَلَق نہیں بلکہ بمعنی صَبَّوْہ ہے۔ یعنی  
جنت و جہنم کا مستقبل میں مخلوق ہونا بیان نہیں کیا جا رہا بلکہ اعادۂ مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ  
اہل تقویٰ کو نامزد کر کے جنت میں داخل کرنا ابھی نہیں بلکہ مستقبل میں ہوگا۔

قَوْلُهُ عَلَىٰ مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ : عَلَىٰ مَا هُوَ بِنِهَايَةِ دَخْلِهِ فِيهِ

من العمل یہ بیان ہے ماکہ - من صلاح وفساد حسن اوقیح قلب اوکثیر  
 صغیر اوکبیر : حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کبائر کے بوجب اگرچہ عذاب کا مستحق ہوتا ہم  
 اہل توحید جنت میں داخل ہوں گے۔ یہی مراد حدیث اہل ذر میں بھی ہے جو وَاَنْ رَّزَقْنِي وَارِثًا  
 سَرَقًا کہا گیا۔ لہذا معتز پر صراحتہ رد ہو گیا اور یہ اہل سنت کا عین مسلک ہے۔ کامر مفقدا۔  
 سوال : بعض حدیث سے تو مؤمن موصد کے لیے معافی کی بنا پر عذاب ثابت ہے۔  
 اس کے جوابات تفصیل سے گزر چکے۔ مگر خاص جواب یہ ہے کہ عَلٰی مَا كَانُوا مِنْ  
 عَمَلٍ کے معنی یہ ہیں کہ درجات و مراتب کے اعتبار سے اہل جنت کے جواعمال ہیں اس کے  
 موافق جنت میں داخل ہوں گے جس کے پاس جس درجہ کا عمل ہے وہ اس درجہ کی جنت میں  
 داخل ہوگا۔ معافی کی بنا پر عدم دخول مراد نہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ  
 قَالَ آتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَقُلْتُ ابْطُرْ يَمِينَكَ  
 فَلَبَّابُكَ -

ترجمہ : روایت ہے عمرو بن العاص  
 سے فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت  
 میں حاضر ہوا عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے  
 تاکہ آپ کی بیعت کروں۔

یہ بیعت سلام ہے صحابہ کرام اسلام لاتے وقت حضورؐ سے بیعت بھی کیا کرتے تھے۔  
 معلوم ہوا کہ بیعت کے وقت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا مسنون ہے۔ بیعت پر مفصل بحث  
 قدم آئے۔

قَوْلُهُ فَقَبَضْتُ يَدِي : میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ یہ بے ادبی نہیں  
 بلکہ مقصود قبل از بیعت لینے معاہدات پر توثیق و پختگی ہے۔  
 قَوْلُهُ نَشَرَطُ مَا ذَا : یہ استفہام ہے اصل میں عبارت تھی فَقَالَ مَا ذَا  
 اَيَّ مَا الْذِي نَشَرَطُ قِيلَ كَاَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوَلِيْتَ حَسَنَ مِنْهُ  
 اِلَى شَرَاطٍ فِي الْإِيمَانِ -

قَوْلُهُ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو (ترجمہ) حضور علیہ السلام نے فرمایا ای عمروؓ

کیا تم نہیں جانتے۔

**سوال**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَمَّا عَلِمْتُ کا کلمہ کیوں فرمایا؟

حضرت عمر بن العاصؓ کے قبول اسلام کے آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اَمَّا عَلِمْتُ کے ساتھ خطاب کرنا یہ ان کی صداقت

**جواب**

وجودِ صلیح کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ جیسے بالکل شخص کے لیے اسلام کے متعلق یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے۔ لہذا شرط لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

قَوْلُهُ اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِي مَا كَانَتْ قَبْلَهُ : محمدؐ میں اختلاف ہے کہ اسلام لانے سے سابقہ گناہوں میں سے کون سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

**اول**۔ عقلمند توبہ پسند صنفی فرماتے ہیں کہ اسلام سے حقوق اللہ و حقوق العباد اکابر و صغائر سب معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہجرت اور حج سے دوسری احادیث کے پیش نظر حقوق العباد ساقط نہیں ہوتے۔ ہاں حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی قول حافظ ابن حجرؒ کا بھی ہے۔

**دوم**۔ علمائے متحققین فرماتے ہیں کہ اسلام سے حقوق اللہ اور حقوق العباد غیر مالیہ مثلاً غیبت بہتان وغیرہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد مالیہ مثلاً دین وغیرہ باقی رہ جاتے ہیں اور اگر کوئی ذمی مسلمان ہو تو حقوق العباد مطلقاً معاف نہیں ہوتے۔ خواہ مالیہ ہوں یا غیر مالیہ اور ہجرت و حج سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں، کسی قسم کے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

**سوال**۔ ابن ماجہ شریف ص ۱۲۱ ج ۱ باب الدعاء بعرفة کتاب المناسک میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفة کی شام کو اپنی امت کی مغفرت کے لیے جب دعاء کی تو مظالم کے علاوہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے، پھر مزدلفہ کی صبح جب دعاء کی تو مظالم بھی معاف ہونے کی وجہ سے ابلیس کا جزع و فرح دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ معلوم ہوا کہ حج سے جمیع معصیات ختم ہو جاتے ہیں۔

**جواب اول**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اُمت کے مظالم حج سے معاف ہوئے جو حضورؐ کے ساتھ اس حج میں شریک تھے۔ کیونکہ ان میں کوئی بھی مضر علی المعاصی



نہیں تھا۔

**جواب دوم**۔ معافی ان مظالم کے متعلق تھی جن کا تدارک کسی شکل اور کسی صورت میں ناممکن و مشکل تھا۔ عمومی حکم نہیں ہے۔

**جواب سوم**۔ محدثین حضرات کے نزدیک حدیث ابن ماجہ کی سند ضعیف ہے۔  
فَلَا شَكَّالَ عَلَيْهِ۔

قَوْلُهُ وَأَنَّ الْهَجْرَةَ تَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَأَنَّ الْحَجَّةَ يَهْدِيهِمْ مَا كَانَ قَبْلَهُ۔ (ترجمہ) اور ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو ڈھال دیتی ہے۔ اور حج بھی ناقبل کے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بھائی

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کے کفارہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بنا دیے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کیے جائیں تو ان سے مظالم کی تلافی ہو سکتی ہے۔

## ہجرت اور حج کا ماقبل سے ربط

ماقبل سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ اسلام تو کجا اس کے بعض اعمال بھی حادوم اور مقسط ذنوب ہیں پھر چھوڑا ہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ حج اور ہجرت سے صرف معاف نہ ہوئے ہیں نہ کہ کبائر اور حقوق العباد بھی، بلکہ کبائر تو بہ سے اور حقوق العباد تو بہ اور ادا حقوق یا عفو حقوق سے معاف ہوتے ہیں۔ عند البعض کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ بغیر مسئلہ گذر چکا ہے۔

إِلَّا سَلَامٌ مَا كَانَ قَبْلَهُ سے اسلام کا مادوم ہونا ثابت ہے پھر ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بَعْدَ الْإِسْلَامِ أَوَّلُ وَآخِرُ

سوال

تمام گناہوں پر مؤاخذہ ہوگا۔ کما فی حدیث ابن مسعودؓ : ..... قَالَ قُلْنَا  
يَا رَسُولَ اللَّهِ اَلْوَأْخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
مَنْ أَحْسَنَ فِي أَوْسَلِهِمْ كَرِهَ لَوْ خَذَرُ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ ، الخ

علاءہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اخٹان فی الاسلام سے اسلام  
میں ظاہر و باطن داخل ہونا مراد ہے اور اساعۃ فی الاسلام  
سے عدم الدخول فی الاسلام بقلب و کونہ منقاداً فی الظاہر غیر معتقد بقلب مراد ہے۔ اب  
اَوَسَلَهُمْ یُہْدَمُ سے وہ اسلام مراد ہے جو ظاہر و باطن کامل طور پر ہو۔ اور کِبْرُ الْإِسْلَامِ  
جو تمام گناہ پر مؤاخذہ کے متعلق ہے یہ وہ اسلام ہے جو اسارۃ کے ساتھ منافقانہ طور پر  
بغیر اعتقاد قلبی کے ہو۔

علاءہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ احسان فی الاسلام سے  
مراد یہ ہے کہ اعتقاد قلبی کے ماتحت اس طرح مسلمان ہوا  
کہ اس کا اسلام معاصی سابقہ سے خالص تو بہ پر بھی متضمن ہو۔ پھر بعد الاسلام اس گناہ  
کی طرف عود نہ کرے۔ یہی مطلب "الاسلام یہدم ما کان قبلہ" کا ہے۔ اور اساعۃ  
فی الاسلام سے مراد یہ ہے کہ اس کا اسلام معاصی سابقہ سے تو بہ پر متضمن نہ ہو بلکہ وہ اس  
معاصی پر مستمرا رہ گیا ہے تو اس کا مؤاخذہ اول و آخر پر ہوگا تو فِ حَدِيثِ الْهَذَرِ  
مَحْمُولٌ عَلَى مَا نَصَّحَنَ اسْلَامُہُ التَّوْبَةِ وَحَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ  
مَحْمُولٌ عَلَى مَا كَرِهَ لَوْ كُنْ كَذَا لَكَ : هَذَا الْكَلِمَةُ فِي قَبْضِ الْبَارِئِ - اَللّٰهُمَّ  
يَسِّرْ لَنَا اُمُورَنَا كُلَّهَا۔

قَوْلُهُ وَالْحَدِيثُ ثَانٍ مَرْوِيَانِ : اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ دو حدیثیں  
مصابیح والے بزرگ یہاں لاتے ہیں۔ اور مشکوٰۃ والے آگے لائیں گے۔  
بَابُ التَّوْبَةِ وَالْكَبْرِ : یا یہ لف نشر مرتب ہے۔ پہلی حدیث باب التَّوْبَةِ میں  
لئے گی، دوسری حدیث باب الْكَبْرِ میں۔ کیونکہ یہ دونوں ہی کے مناسب ہیں۔ یہ فقیر  
اِنْ شَاءَ اللہ ان حدیثوں کی شرح بھی وہیں عرض کرے گا۔

# اسمائے رجال

## حضرت عمرو بن العاصؓ کے حالات

عاص میں یاء کا حذف  
اسج ہے جو تخفیف کی

بناد پر ہے۔ آپ سہہ یا سہہ میں مشرف کیا سلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان کا والی بنایا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں آپ اکثر لشکروں کے اعلیٰ افسر رہے۔ مصر آپ کی قیادت میں فتح ہوا۔ اس لیے آپ کو فاتح مصر کہتے ہیں۔ سہہ میں بعر ۹۰ سال وفات پائی۔ آپ سے آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے انیز ابن عمرؓ ورقیس بن ابی حازم وغیرہم نے روایت کی ہے۔

## الفصل الثانی

عَنْ مُسَادِّ قَالَ  
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي  
بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ  
وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ  
لَقَدْ سَأَلْتُ عَنْ أَمْرٍ  
عَظِيمٍ وَاقَّةٍ لَيْسَ يُرَى عَلَى  
مَنْ يَسْأَلُ اللَّهَ :

ترجمہ : حضرت مسادؓ سے  
مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ  
مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے  
کرنے سے میں جنت میں داخل ہو  
جاؤں اور دوزخ کی آگ سے محفوظ  
رہوں۔ آپؐ نے فرمایا سوال تو تم نے  
ایک بہت بڑی چیز کا کیا ہے لیکن جس  
پر خدا آسان کر دے، اس کے لیے یہ  
بہت آسان بھی ہے۔

قولہ : عَنْ الْبَعْضِ عَمَلٍ کی تہن تعظیم کی ہے یعنی عَمَلٍ عَظِيمٍ  
علامہ نورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ تہن نوع کی ہے۔ معنی کہ خبر دو مجھ کو خاص قسم کے عمل  
کی جو شرع کے اندر معتبر اور مقبول ہو۔

قولہ : يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ : علامہ قسطلی اللہ  
نورپشتی شارح مصابیح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مرفوع ہیں اور عَمَلٍ کی صفتیں بن رہی  
ہیں۔ مگر عند البعض اس کو مجزوم پڑھا جائے کیونکہ امر کے جواب میں ہے۔ غَیْرُ  
مُسْتَقْتَبِعٍ لَفْظًا وَمَقْمًا :

سوال - حدیث پاک میں ہے کہ کوئی شخص اعمال کے ذریعہ جنت میں نہیں جاسکتا۔  
بلکہ رحمت الہی سے جلتے گا۔ جب کہ صحابیؓ سوال کر رہے ہیں کہ ایسا عمل بتائیں کہ جس کے  
ذریعہ جنت میں جاؤں۔

**جواب :** دخول جنت کے لیے درجہ ہیں :  
**اَوَّل :** سب ظاہری وہ اعمال صالحہ ہیں۔ **دَوِّم :** مؤثر حقیقی یہ رحمت الہی ہے۔  
**حدیث باب میں سب ظاہری کی طرف اشارہ ہے کہ مؤثر حقیقی کی طرف۔**  
**یَقُولُ ابُوَالْاَسْعَاد :** ادخال فی الجنة کی نسبت عمل کی طرف کرنا مجاز ہے۔  
**کیونکہ دخول جنت کی اصل علت تو رحمت خداوندی ہے اور اعمال تو من قبیل الاسباب**  
**قَوْلُهُ امْرٍ عَظِيمٍ :** اِی سَأَلْتَنِی عَنْ شَیْءٍ عَظِیْمٍ مُشْکِلٍ مُتَعَسِّرٍ  
**الْجَوَاب :**

**سوال :** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں مسئلہ شیئی کو امر عظیم سے  
 کیوں تعبیر فرمایا ہے ؟۔  
**جواب اَوَّل :** عند البعض عمل کے اعتبار سے عظیم ہے کہ دائماً اس مداومت  
 واستقامت امر مشکل ہے۔ اسی لیے عمل میں اصالۃ استقامت شرط ہے کہ احیاء اداء۔  
**جواب دَوِّم :** یَقُولُ ابُوَالْاَسْعَاد : امر عظیم اس لیے فرمایا کہ سائل کا مقصد  
 دخول جنت کے متعلق پوچھنا تھا۔ جب کہ دخول جنت کا معاملہ مفیات الہیہ میں سے ہے  
 وَلَا یَعْلَمُهَا اِلَّا اللّٰهُ کسی کو معلوم نہیں کہ کون سے عمل کی بدولت جنت نصیب ہوگی۔ لیکن  
 جس کے لیے اللہ آسان کر دے اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ تو جو چیز فی نفسہ مشکل ہے  
 اللہ تعالیٰ کے آسان کر دینے سے آسان ہو جاتی ہے۔ لہذا امر عظیم اور وَاِنَّهٗ لَیَسِّرُہٗ  
 کوئی تعارض نہیں ہے۔ یعنی امْرٍ عَظِیْمٍ فِی الْفَعْلِ وَیَسِّرُہٗ لَکُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی  
**قَوْلُهُ تَعَبُّدُ اللّٰهِ :** بعض حضرات کے نزدیک تَعَبُّدٌ - تَشْرِیْکٌ - وَلَعَنُہُ  
 یہ مضارع بمعنى امر ہے۔ عند البعض تَعَبُّدٌ سے پہلے ہُوَ مقدر ہے جو تَعَبُّدٌ مبتدائی  
 خبرین رہا ہے۔

**سوال :** تَعَبُّدُ اللّٰہ کیسے خبرین رہا ہے کیونکہ یہ جملہ فعلیہ ہے۔  
**جواب :** تَعَبُّدُ اللّٰہ سے پہلے اَنْ مقدر ہے۔ تو پھر سوال ہوگا کہ اَنْ کے مقدر  
 ہونے کی چھ جگہیں ہیں ان میں یہ جگہ تو نہیں ہے۔ **جواب :** مشہور جگہیں تو چھ ہیں  
 مگر غیر مشہور بھی بہت ہیں۔ یہ غیر مشہور جگہ ہے۔ عند البعض مضارع کو مضارع مت واسلے

معنی سے خالی کر کے معنی مصدر کر دیتے ہیں تو معنی ہوگا هُوَ عِبَادَةُ اللَّهِ ،  
**سوال :** کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مضارع کیوں فرمایا امر فرمادیتے ؟  
**جواب :** یہ اصطلاح ہے اظہار رغبت کی کہ ہم نے حکم دیا ، انہوں نے کر بھی لیا  
 اب ہم خبر بھی دے رہے ہیں ۔

قَوْلُهُمْ شَرُّ قَاتِلٍ اِلَّا اَدُّتْكَ عَلَى ابْوَابِ الْخَيْرِ : (ترجمہ) پھر  
 ارشاد فرمایا اے معاذ ! کیا تمہیں خیر و بھلائی کی راہ کے دروازے نہ بتا دوں ۔  
**سوال :** ان امور مذکورہ کو ابواب الخیر کیوں کہا گیا ؟

**جواب :** تشبیہ مشقت کے اندر ہے ۔ جیسے دار مغلق کے اندر داخل ہونے  
 کے لیے اس کا دروازہ کھولنا ہی مشکل ہوتا ہے ۔ ایسے ہی امور ثلاثہ جو بمنزلہ ابواب الخیر  
 کے ہیں ان کی عاملیت پر مشقت ہے ۔ مثال کے طور پر رات کو اٹھنا آسان کام نہیں  
 کافی قولہ تعالیٰ " اِنَّ تَابِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا وَاَقْوَمُ قِيْلًا ۔  
 ایسا ہی صدقہ کیونکہ اس میں اخراج مال ہے جس کی محبت انسان کے دل میں بھری  
 ہوتی ہے ۔ ایسے ہی صوم ہے جس کے اندر جمیع بدن کے لیے منہیات ہی منہیات ہیں  
 جیسے جماع اکل شرب غیبت وغیرہ ۔

يَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَدِ : خَيْرُ كَوَامِكُ مَكَانُ كَيْ سَا تَحْتَبِيْهِ دَعَا اَسْ  
 كَيْ لِي ابْوَابُ كُو ثَابِتٌ كَيْ هُوَ تُوِيْهِ اسْتَعَارَهُ كُنْيَةً اَوْ حَمَلْنِيْهِ هُوَ ۔

**سوال :** کلام میں تکرار ہے کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ یعنی پہلے بھی ان عبادتوں  
 کا ذکر تھا اور دوبارہ بھی ذکر کر دیا ۔

**جواب :** پہلے فرائض کا ذکر تھا اب نوافل کی تلقین ہے ۔ قرینہ اس پر صلوٰۃ الرخيل  
 فی جوت النیل ہے ۔

قَوْلُهُ وَالصَّوْمُ جَنَّةٌ : رَوْزَةُ دُحَالٍ هُوَ ۔ كَيْسَ دُحَالٍ هُوَ ۔ اس میں مختلف  
 دُجُوہ ہیں ۔

**اَوَّل :** بھوک میں شیطان کی آمد و رفت کی راہ مسدود ہو جاتی ہے ۔ کافی الحدیث ۔  
 اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرٰى الدَّمِّ اَلَا قُضِيَ قُوَامُ جَارِيْهِ

بالجوع : لہذا شیطان کے بجاری بھوک و صوم کے ذریعہ بند کیے جائیں تو شیطان داخل نہ ہوگا اور نافرمانی کا سبب بھی نہ ہوگا۔

روم : قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صوم کو ڈھال اس لیے قرار دیا کہ وہ خواہشات نفس کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ کما فی قولہ علیہ السلام : مَا مَلَكَ آدميٌ وَعَاءَ شَرٍّ مِنْ بَطْنِهِ بخلاف بھوک و پیاس کے وہاں یہ نہیں ہے۔ لہذا صوم مانع شہوات ہو کر ڈھال بنے گا۔

قولہ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ : (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

سوال : حدیث پاک میں غلیظہ کو نار کے ساتھ کیوں تشبیہ دی ہے ؟

جواب : یہ کہ غلیظہ کو نار کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جالب الی النار ہے پھر اس کے لیے معافی بھانسنے اظفار کو ثابت کیا ہے یہ اعلیٰ استعارہ مکنیہ اور تخلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اظفار مستعمل معافی کے معنی میں ہے۔ شیز غلیظہ سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔

قولہ : نَشَرَقَالِ اَلَا اَذْكَرُ اَمِ اَلَا مَرُوعَمُودِهِ وَذُرَّةُ سِتَامِهِ قُلْتُ بَلٰی يَا رَسُولَ اللّٰہ (ترجمہ) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز دین کا سراور اس کا ستون اور اس کے کولان کی بلندی نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ضرور بتا دیجئے۔

قولہ بِرَأْسِ الْأَمْرِ : رَأْسُ کتے ہیں مَالًا وَجُودَ الشَّيْءِ بِدُونِهِ : یعنی جس کے بغیر شئی کا وجود برقرار نہ رہے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رَأْسِ الْأَمْرِ کہ اس طرف اشارہ کیا کہ اسلام بقیہ اعمال کی بہ نسبت بمنزلہ رَأْسِ کے ہے بہ نسبت بقیہ بدن کے کہ جیسا کہ بدن بدون رَأْسِ کے باقی نہیں رہتا۔ ایسے ہی بقیہ اعمال بدو اسلام بیکار ہیں۔ اور رَأْسِ الْأَمْرِ مراد دین کا سر یعنی اسلام ہے اور اسلام سے مراد شہادتین ہیں کیونکہ ان کے بغیر اعمال کا اعتبار و بقاء نہیں۔

قولہ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ : عَمُود بفتح العین یعنی ستون اور کھنڈ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح مکان کی مضبوطی ستون سے ہوتی ہے یا خیمہ کا قیام ستون کی مرہون مشتم ہے اسی طرح دین کی بنیاد و استواری بھی نماز میں ہے۔ کما یُعَالُ عَلَیْهِ السَّلَام : الصَّلَاةُ

عَمَادُ الدِّينِ - وَفِي مَقَامٍ آخَرَ لَا خَيْرَ فِيهِ دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ - رَابِعًا وَثَرِيفًا  
باب مَا جَاءَ فِي خَبَرِ الْخَلِيفَةِ كِتَابُ الْخَرَاجِ وَالْفَتَى -

قَوْلُهُ وَذَرَوْهُ سَنَامِهِ الْجَهَادُ : ذَرَوْهُ بِكسر اللام مشہور ہے ویلے  
ضمر اور فستہ بھی درست ہے اس کے معنی میں چیز کی بلند سی اور بلند جگہ اور سَنَام  
بفتح الیمین یعنی کوہان شعر مطلب یہ ہے کہ اسے انسان جب تک تو کلمہ شہادت کا متعین نہ ہوگا  
تو دین میں سے تجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ جب کلمہ شہادت کا اقرار کر لیا تو اصل دین حاصل ہوا  
لیکن اس کے لیے سترن جو اس کی عمارت کے لیے مضبوطی کا ذریعہ ہے۔

اُن پر عمل ضروری ہے۔ اس عمل کی بلندگی کے لیے جہاد ضروری ہے یعنی دین کی عمارت کی  
عظمت و شوکت و رفعت اور اس کی ترقی و کامیابی جہاد کے ذریعہ ہو سکتی ہے اور یہ جہاد عام  
خواہ بالسيف ہر یا بالمال او بالقلم او بالفسان۔ کَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ۔

قَوْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكٍ ذَالِكِ كُلِّهِ (ترجمہ) پھر آپ نے فرمایا  
کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی خبر نہ بتا دوں۔

قَوْلُهُ مَلَاكٍ : بکسر یا بفتح میم یعنی سہارا، ذریعہ، بقلا اور استحکام۔  
قَوْلُهُ ذَالِكِ كُلِّهِ : اس سے مذکورہ بالا عبادات کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ مستدرجہ بالا تمام امور و عبادات کی نچمتگی کا ذریعہ زبان کو لایینی اور سے بچانا ہے کیونکہ کفر و  
شرک غیبت و بہتان ست و شتم کذب، شہادۃ الزور وغیرہ اکثر گناہ زبان سے ہی صادر  
ہوتے ہیں۔ لہذا زبان کو لایینی باتوں سے بچانا تمام عبادات کی جڑ ہے۔

قَوْلُهُ فَأَخَذَ دُرِّيًّا مِثْلَهُ : دُرِّبان کو پھوڑ کر بھانا اہتمام کے لیے تھا اور مراد یہ ہے  
کہ لایینی بات نہ کہو کچھ ملے تو لو بعد میں بولو، زبان کو لگام دو۔ رب نے چھوٹے کے لیے دو ہاتھ اور  
چلنے کے لیے دو پاؤں، دیکھنے کے لیے دو آنکھیں، سننے کے لیے دو کان دیے مگر بولنے کے لیے  
زبان صرف ایک دی کہ کلام کم کر دیا زیادہ۔

قَوْلُهُ تَكَلَّمَكَ أَتَمَّتْ : اس کا معنی ہے تیری ماں تجھے گم کر دے۔ یعنی تو مر جا، مگر اب عرب



اس کو اپنے اصل معنی پر استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس لفظ کو تعجب و حیرت اور غضب کے وقت بولا کرتے تھے جیسے ہم بھی کہتے ہیں کہ اتنی آسان بات نہیں سمجھتے ہو تو زندگی سے موت بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان لفظوں سے بد دعا و مقصود نہیں بلکہ اس سے تنبیہ و تعجب مراد ہے۔

قَوْلُهُ وَهَلْ يَكِبُ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَازِلِهِمْ  
الْأَحْصَاءُ شِدَادُ السِّنِّهِمْ : (ترجمہ) یہ جان لو کہ لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دروزخ میں گرانے والی اسی زبان کی دربریں بائیں ہونگی۔

قَوْلُهُ يَكِبُ : ای سقط علی و جنبہ : یعنی اونٹن کا منہ کے بل۔

قَوْلُهُ مَنَازِلِهِمْ : یہ مَنْخَر کی جمع ہے جویم کے فتح اور غار کے کمرہ یا خانہ سے ہے۔  
معنی ثقبۃ الافق (ناک کا سرداخ) مراد یہاں ناک و پیشانی ہے۔

قَوْلُهُ حَصَا شِدَادُ جَمْعُ حَصِيدَةٍ : کی معنی کٹی ہوئی کھیتی لیکن مراد اس کے درانتی ہے اور اس میں تشبیہ ہے کہ زبان بمنزلہ درانتی کے ہے تو یہ استعارہ مکینہ ہے اور کلام بمنزلہ کھیتی کے لیے تو یہ استعارہ تصریحیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح درانتی رطب و یابس کا فرق نہیں کرتی۔ خشک گھاس ہر یاثر کاٹ دیتی ہے۔ یہی حال زبان کا ہے کہ اکثر زبان بھی صبح و غلط کا امتیاز نہیں کرتی۔ لہذا یعنی باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے۔

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَمَتَعَ لِلَّهِ  
فَقَدْ اسْتَكْمَلَ دِيْمَانًا -

ترجمہ : حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی سے صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے دوستی کی اور اللہ ہی کے لیے لغرت کی اور اللہ ہی کے واسطے عطا کی اور اللہ ہی کے واسطے کوئی چیز روکی تو بلاشبہ اس نے ایمان کو مکمل کر لیا۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دوا علی قلب اور حرکات جوارح سب رضائے الہی کے تابع بن جائیں

## خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں پرچ چکا ہے۔ قلب و زبان

میں پوری یک رنگی اور پوری صداقت پیدا ہو چکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شے کی گنجائش باقی نہیں رہی  
صوفیاء کرام اس کو فنا و بقا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے۔

(ف) محدثینؒ نے لکھا ہے کہ حدیث پاک میں چار فعل مذکور ہیں مگر ان کا مفعول مذکور نہیں تو علم معانی والوں  
کے اصول کے تحت حذوف مفعولیت بقصد تعمیم ہوئی ہے کیونکہ حذوف مفعولیت تعمیم کا فائدہ دیتی ہے تو  
ان کا مفعول تعمیم کے لیے مقتدر نکالیں گے ای شَيْئًا اَوْ شَخْصًا۔

سوال : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استکمال ایمان کے لیے ان چار چیزوں کو کیوں خاص کیا سب کے  
ایمان کے بِنَصِّ وَبِشَوَى شَيْئَةٍ ہیں۔

جواب : ہر کما رسہ دین میں ان چار پر اخلاص بہت مشکل ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ جو  
شخص ان چار کے اخلاص کو حاصل کر لے گا تو وہ باقیوں میں بطریق اولیٰ کر لے گا  
باقی اس روایت سے اَوْ يَمَانُ يَزِيدُ وَ يَنْقُصُ پر دلیل کرنا صحیح نہیں کیونکہ يَزِيدُ وَ يَنْقُصُ  
تصدق کی چیز نہیں بلکہ خارجی چیز ہے۔

قولہ اِسْتَمْتَلَكُمْ : اس میں سبب استعمال برائے مُبَالَغَةٍ ہے۔ اَوْ يَمَانُ میں نا علیت کی  
بنار پر رفع اور مفعولیت کی بنار پر نصب دونوں جائز ہیں۔

## اسمائے رجال

حضرت ابی امامہؓ کے حالات

آپ کا نام مُدْرَسُ بنِ جِلْجَلان باہلی ہے آپ اسی کنیت کے  
زیادہ شہور ہیں یہ مصر میں مقیم تھے پھر محض چلے گئے  
اور وہیں سترہ سال وفات پائی۔ آپ کثیر روایت صحابی ہیں۔ آپ کی کثیر روایت ابن شامہ کے پاس تھیں۔  
آپ سے غنن کثیر روایت حدیث کی ہے۔ بقول عثمان بن عیینہ آپ کی وفات سلیم میں تمام صحابہ کرامؓ کے بعد  
ہوئی لیکن صحیح قول یہ ہے کہ شام میں تمام صحابہ کرامؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن بشرؓ کی وفات ہوئی ہے۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْتَّعَبُّ فِي اللَّهِ  
وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی ذرؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے بہترین عمل اللہ کے لیے محبت اور اللہ  
کے لیے عداوت ہے ۔

بنی دونوں جگہوں پر اچلیہ اور تعلیلیہ ہے فی اللہ کا معنی ہوگا لَوْحِیَہ اللہ : نیز کلہ فی تعلیل  
کے لیے بھی آتا ہے ۔ کما فی قولہ تعالیٰ " فَسَدَ الْکُنْزُ الَّذِیْ لَمْ تُنْفِقْ فِیْہِ بِمَا وَهَّ شَمْعُہٗ جَسَدِہٖ  
وجہ سے تم مجھے ملاست کرتی تھیں حدیث پاک میں معنی ہوگا کہ بغض رکھنا اللہ کی خاطر ، محبت رکھنی اللہ  
کی خاطر ۔

قَوْلُهُ الْأَعْمَالُ : الْأَعْمَالُ کی الف لام عید کی ہے اس سے مراد مطلق اعمال نہیں

بلکہ اعمال قلبیہ مراد ہیں ۔

سوال ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اعمال کے متعلق افضل ہونا ارشاد فرمایا ہے مثلاً  
ایمان باللہ ، الطعام الطعام ، نماز ، المحب فی اللہ وغیر ذلک تو یہ تعارض ہوا ۔

جواب اول ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں مخاطبین کے احوال کی رعایت  
فرمائی ہے ۔ کیونکہ آپ روحانی طبیب تھے ۔ تو جیسا مریض دیکھتے ویسا ہی نسخہ تجویز فرمادیتے ۔

جواب دوم ، افضل اعمال ایک نوع ہے جس کے بہت سے افراد ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ  
یہ تمام اعمال اس نوع کے تحت داخل ہیں ۔

جواب سوم ۔ اعمال کی افضلیت کی حیثیات مختلف ہیں مثلاً ایمان باللہ اس حیثیت سے  
افضل ہے کہ وہ تمام اعمال کی بنیاد ہے ۔ اور الطعام الطعام اس حیثیت سے کہ اس کو مؤمن و کافر  
یکساں دیکھنا ہی پسند کرتے ہیں اور نماز اس حیثیت سے کہ اس میں معبود برحق کے سامنے غایت  
درجہ کا انکسار اور تذلل پایا جاتا ہے ۔ اور المحب فی اللہ اس حیثیت سے کہ وہ اعمال باطنیہ میں ہے ۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَى وَالْمُؤْمِنُ  
مَنْ آمَنَهُ النَّاسُ عَلَى  
دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے  
مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ پکا مؤمن وہ ہے جس سے لوگ  
اپنی جان و مال کے بارے میں بے خوف  
رہیں۔

قولہ آمَنَهُ النَّاسُ : یہاں امن سے امین سمجھنا اور بے خوف رہنا مراد ہے  
یعنی مؤمن کی امانت، دیانت، عدالت، صداقت اور اخلاق دسرتوت اس طرح ظاہر  
ہو کہ نہ کسی کو اپنے مال کے ہڑپ کر لیے جانے کا خوف ہو اور نہ کسی کو اپنی جان و آبرو  
پر دست درازی کا خدشہ ہو۔

یقول ابوالاسعاد : اس روایت کی وجہ میں ہیں اَوَّلُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ  
مِنْ نِسَابِهِ اس کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ج ۱۲ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ میں ہو چکی ہے  
دوم من آمنه الناس علی دمائهم و اموالهم کی بحث مشکوٰۃ شریف ج ۱  
بروایت حضرت ابن عمرؓ عصموا من دمائهم و اموالهم میں ہو چکی ہے۔

پروایتہ فَمُحَالَّةٌ وَالْمُجَاهِدُ  
مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللَّهِ  
ترجمہ : اور فضائل کی روایت میں یہ  
افضالہ ہے اور حقیقی مجاہد وہ ہے جس نے خدا  
کی اطاعت میں اپنے نفس کو قابو میں کر لیا۔

جہاد دو قسم ہے (۱) اکبر نفس کے خلاف جہاد کرنا (۲) اصغر فی سبیل اللہ قتال کرنا۔  
محدثینؓ نے لکھا ہے کہ مجاہد فقط وہ نہیں ہے جو کفار سے لڑتا ہے۔ بلکہ مجاہد وہ بھی ہے جو نفس  
جہاد کر کے اس کو طاعت پر برا لکھتے و مجبور کرے کیونکہ انسان کا نفس کفار سے بھی اشتداد عداوت ہے  
جیسا کہ حدیث پاک میں ہے : " اِنَّ اَعْدَاىَ عَدُوْلَكَ مَا فِي جَانِبَيْكَ "

یقول ابوالاسعاد : وجہات مختلفہ کی بنا پر نفس کے خلاف کرنا جہاد اکبر ہے۔  
اَوَّلُ نفس بمنزلہ امیر کے ہے اور کفار بمنزلہ لشکر کے ہیں تو لشکر کے مقابلہ میں امیر سے جہاد کرنا

اور نبرد آزما ہونا افضل اور اعلیٰ ہے۔ ثانیاً کفار ہم سے دور ہیں جب کہ نفس فی جہنک ؛  
ثالثاً کفار سے کبھی کبھی مقابلہ ہوتا ہے جب کہ نفس کے ساتھ تو ہر وقت حالت جنگ ہے۔  
رابعاً کفار ظاہر ہیں جب کہ نفس پوشیدہ ہے۔ ہمارا ستین ہے۔ خالصاً کفار سے آلات  
ظاہر یہ کے ذریعہ مقابلہ کیا جاتا ہے جب کہ نفس آثارہ کے ساتھ ظاہراً مقابلہ ممکن نہیں۔ بنابرین نفس  
سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر کہا گیا۔

قَوْلُهُ اَنْهُمْ اَجْرُ مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا : مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ پر بحث ہو چکی ہے۔

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَلَمًا  
خَطَبْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذْ قَالَ لَا إِيمَانَ لِمَنْ  
لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لَهُمْ لَوْ عَهِدَ لَهُ

ترجمہ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ  
کم دیا ہو گا کہ جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ اس  
شخص کے پاس ایمان نہیں جس کے پاس  
امانت نہیں اور اس کے اندر کچھ دین نہیں  
جس میں وفا و عہد نہیں۔

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

امانت و ریاست ایفائے عہد اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر  
مسلمان مؤمن مرد و عورت میں ہونا ضروری ہے۔ ان  
اوصاف کا اندازہ حدیث باب سے لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی  
خطبہ دیتے تو ان کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے۔

قَوْلُهُ قَلَمًا : قَلَمًا میں مآخذ یہ ہے اِی قَلَّ خُطْبَتُهُ خُطْبَتُ یَا مَآ کَافٍ  
یعنی اِی مَآ وَعَظْتُ دُونِ مَوْرُتٍ مِی غَايَتِ قَلَّتْ مَقْصِدُہِ جِس کا حاصل عدم اور نفی ہے۔

امانت سے کیا مراد ہے اس میں

مُخْتَلَفٌ اَوَالِہِ ہِی۔ اَوَّلُ : قَالَ

### امانت کے معنی میں اختلاف

ابن عباسؓ اَلَا مَاسَاةَ اِی الطَّاعَةِ : دَوْرہ : قَالَ عَلِیُّ بْنُ ابِی طَلْحَةَ اَلَا مَاسَاةَ

الْفَرَائِضُ : مشورہ : وَقَالَ لِبَعْضِهِمُ الْإِمَانَةُ الْفُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ۔  
چھٹا درجہ : امانت سے مراد عہد اَلْسْتُ بِرَبِّكَوَسَبَّہ۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْ بُنَيِّ آدَمَ بَيْعَتَ الْإِيمَانِ أَنْ تَقُولَ لِمَنْ يُرِيدُ مِنْكَ لَهْكَةً وَرَبِّكَ إِلَّا أَمَانَةٌ لَكَ۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے متافی و معارض نہیں بلکہ باعتبار غرض سب متفق ہیں کیونکہ تمام اقوال سے مقصد مکلف ہونا اور اوامر و نواہی کو اپنی اپنی شرائط کے ساتھ قبول کرنا ہے پھر اس کی ترتیب یوں ہے کہ ایک امانت جو حقوق کے متعلق ہے جو حقوق العباد سے تعبیر ہے۔ ایک امانت معَ اللَّهِ مِنَ الظَّالِمَاتِ وَالنَّحْوِیَّةُ اِنَّا عَرَضْنَا الْإِمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (دلیلہ الاحزاب)

بَحْثِ اِیْمَنِ  
ایمن تین قسم ہیں اول ایمن فی المالِ دوم ایمن فی الابل۔ سوم ایمن فی النفس۔ یہاں تینوں قسم مراد ہیں یعنی تعمیم ہے۔ کیونکہ حضرتؐ نے فرمایا  
” اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمِنٌ “ کہ انسان جس سے مشورہ کرے وہ بھی ایمن ہے۔

قَوْلُهُ لَا عَهْدَ لَكَ : اس مقام پر اگر عہد سے مراد وہ عہد ہے جو حقوق کے ساتھ ہے تو بعضی نگہداشتیں پیمانے کہ یا ایک دیگر بہ بندندہ۔ اگر عہد سے مراد حق تعالیٰ کا عہد ہے تو پھر یہ دو قسم ہے۔ اول عہد سے مراد حق تعالیٰ کا عہد الاقرار بروبیت ہے جو کہ تمام ذریعاتِ آدم سے روزِ ازل میں لیا تھا کما فی قولہ تعالیٰ ” وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ الْاِیْمَانَ مِنْ آدَمَ ” اور عہد الاتباع والہدایت جو بوقتِ اہلباء آدم الی الدنیا تھا کہ فی قولہ تعالیٰ ” قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِذَا یَا جَنَّتْکُمْ مِّنْیَ ” علماء ربانیہ نے مختلف فرق بیان فرمائے ہیں فرقِ اول

فرق بین الوعد والعہد  
وعد ایک جانب سے ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ ” وَوَاَعَدْنَا مُوسٰی ثَلَاثَیْنِ لَیْلَۃً “ جب کہ عہد یا بیعت سے ہوتا ہے کما فی قولہ تعالیٰ ” وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیِّ آدَمَ الْاِیْمَانَ اَنْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ لَّقَوْا الْاِیْمَانَ “

فرق دوم۔ وعدہ کا ایفاء مستحب ہے برخلاف عہد کے کہ اسکا ایفاء واجب رِائے الْعَہْدُ کَانَ مُتَوَقِّعًا  
سوال : حدیث مذکورہ کے اس جملہ (لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَہُ) سے معتزلہ کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقتِ ایمان میں داخل ہیں قَدْ مَرَّ تَفْصِیْلًا۔

**جواب اول** - حدیث مذکور سے زبرد و عید اور تغلیظ مقصود ہے معنی حقیقی مراد نہیں

**جواب دوم** - لَا اِيْمَانُ مِیْنِ لَا نَفِیْ کِمَالِ کے لیے ہے جنس کے لیے نہیں جیسا کہ

لَا صَلَوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ الَّذِیْ فِي الْمَسْجِدِ مِیْنِ ہے - یَا لَا عِیْشَ إِلَّا عِیْشَ الْآخِرَةِ مِیْنِ ہے اور اس پر فریہ حضرت ابوذر رضی عنہ کی یہ حدیث ہے "وَإِنْ زُفِیْ وَإِنْ سُرِقَ" اور احادیث میں نفی کمال والا لَّا اِيْمَانُ جگہ مذکور ہے -

**جواب سوم** - اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خیانت اور نقیض عہد یہ دونوں انجام کار کے طور پر کفر تک پہنچا دیتے ہیں -

## الفصل الثالث

یہ تیسری فصل ہے -

ترجمہ : روایت ہے عبادہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں - اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کرے گا -

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَكَانَ مُحَمَّداً رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ -

(ف) شرح حدیث اور فرق باطلہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات کافی تفصیل سے گزر چکے ہیں - مگر مختصراً ایک سوال کا جواب دیا جا رہا ہے -

**سوال** - اہل السنۃ والجماعت کے مقابلہ میں فرقہ اس حدیث سے استدلال پکڑتے ہیں کہ داخل جنت کے لیے فقط اقرار باللسان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں ھُنْكَذَا فِي الْحَدِيثِ مَنْ شَهِدَ الْعَهْدَ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ النَّارَ

**جواب اول** - اس سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان لاتے ہی فوت ہو جائے -

بے اعمال کا موقع ہی نہ ملے اس کے لیے اقرار شہادت کافی ہے۔

**جواب دوم** - تحریم نار دو قسم ہے ۱) تحریم نار مطلقاً ۲) تحریم نار مؤبدًا۔ یہاں پر تحریم مؤبدی مراد ہے اور یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ مؤمن غیر عمل صالحہ نار میں جائے گا لیکن ہمیشہ کیلئے نہیں الا ماشاء اللہ بعدہ نجات ملے گی۔ بخلاف کام یہ مؤبدًا جہنم میں ہے گا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَلْمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

ترجمہ: حضرت عثمان سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اس سختہ اعتماد پر وفات پائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں تو وہ جنتی ہے۔

**سوال** - یہ کہ حدیث مذکورہ میں صرف علم کا ذکر ہے شہادت کا ذکر نہیں۔ حالانکہ دخول جنت کیلئے شہادت ضروری ہے نہ کہ علم۔ کیونکہ علم تو کفار کو بھی حاصل ہے۔ تو پھر کفار کے لینے بھی جنت لازم ہو۔

**جواب** - یہاں علم کا معنی صرف دانستن نہیں۔ صرف دانستن نہ تو شرع کا لفظ نظر ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت ہے بلکہ معرفت ولیقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری حدیث سے ظاہر ہے۔

**خلاصۃ الحدیث** | تو اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو اس عقیدہ حازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گزر جائے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا۔ کیونکہ جنت و روزخ کی تعلیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے۔ اچھے بُرے اعمال پر نہیں۔ اس حدیث پر بھی وہی پہلی حدیث والا اعتراض ہوتا ہے اس کا جواب بھی وہی ہے کہ دخول سے مراد دخول اتالی نہیں بلکہ مُطلق دخول مراد ہے۔ سزا بھگتے کے بعد بھی نہ کبھی جنت میں جائے گا۔



## اسمائے رجال

### حالات حضرت عثمانؓ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ابو عمرو ہے۔ واقعہ اصحاب نبیل سے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ شروع زمانہ ہی سے اسلام لے آئے تھے۔ ذوبجہنم ہیں۔ اقول حبشہ کی طرف ثانیاً مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ حکماً بدری ہیں۔ کیونکہ غزوہ بدر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ جو حضرت عثمانؓ کے عقد نکاح میں تھیں وہ بیمار تھیں تو حضور علیہ السلام نے حکماً آپ کو بیمار داری کے لیے چھوڑ دیا اور پھر آپ کو ثواب سے نیز مالِ غنیمت سے حصہ ملا، ذوالنورین آپ کا لقب ہے کیونکہ آپ کی دو صاحبزادیاں رقیہ و ام کلثوم کے بعد دیگرے آپ کے حق زوجیت میں آئیں۔ اور آنحضرتؐ نے دوسری صاحبزادی کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر میری تیسری زوجہ کی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ آپ امامِ ائمہ قائم التسلل تھے، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ محرم ۳۲ھ میں خلیفہ بنے اور ۱۶ یا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعہ المبارک ۸۲ سال شہید ہوئے۔ اور ہفتہ کی رات کو جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت جبریلؑ من مہم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی کل مدت خلافت ۱۲ دن کم ۱۲ سال ہے۔ آپ سے کل ۱۲۶ احادیث مروی ہیں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ثَنَتَانِ مُوجِبَتَانِ :

ترجمہ - حضرت جابرؓ روایت کرتے  
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
دو چیزیں جنت و دوزخ کو واجب کرنے  
والی ہیں۔

فائدہ کا تعلق مستقر جنتی اور مستقر جہنمی کے ساتھ ہے۔

**فائدہ**

يقول ابي الوفاء السجاد : اگرچہ انسان ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے۔ اس لیے

اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت ہے۔ دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف ماضی مستقر ہے۔  
وَلَنَكُونَنَّ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرًّا وَمَضًى إِلَى حُسَيْنٍ رِبِّيْ جَمِيسِ خدا کی زمین پر صرف چند روز رہنا  
ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ اس کا دائمی مستقر جنت یا  
دوزخ ہیں۔ قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں کی بلکہ ایمان و کفر پر کی ہے۔  
اس لیے مومن کتنا ہی برا دگدگار کیوں نہ ہو۔ مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا۔ اور  
کافر خواہ کتنے بھی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔  
جیسا کہ حدیث باب میں دو چیزیں موجب جنت و موجب نارہن رہی ہیں۔

**سوال** - یہ ہے کہ یہاں سوال تو دو صفات و فعلتوں کے متعلق ہے لیکن جواب پیتے  
ہیں دو شخصوں سے یہ کس طرح صحیح ہے یعنی بظاہر سوال و جواب میں مطابقت نہیں۔  
**جواب اول** - یہاں فعل یا صفت محذوف ہے یعنی فَعَلٌ مِّنْ فَعَالٍ یہ فعل کرنا  
ہے اور مَرَجَاتِلَہُ ہے۔

**جواب دوم** - بسا اوقات مشتق ذکر کر کے مبداء اشتقاق مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی  
أَيُّ مَوْتٍ مِّنْ تَشْرِئِكَ يَا لَيْلَى : فَلَا شَكَّ عَلَىٰ

## اسمائے رجال

آپ کی کیفیت ابو عبد اللہ انصاریؓ ہے۔ والد کا نام بھی  
عبد اللہ ہے۔ مدینہ منورہ کے باشندے ہیں۔ مشاہیر صحابہؓ

**حضرت جابرؓ کے حالات**

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اہمارے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عمرؓ ایک جماعت کے ساتھ تھے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ  
عَنْهُ قَالَ كُنَّا قُعُودًا حَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا  
أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فِي نَقِيرٍ :

قَوْلُهُ لِنَقِيرٍ : اِی مَعَ جَمَاعَةٍ -

قَوْلُهُ بَيْنَ اَظْهَرِنَا - اَظْهَرِنَا یہ مشتق ہے ظہر سے بمعنی پشت - تشریح حضرت فرماتے ہیں کہ : اَظْهَرِنَا کا کلمہ زائد ہے مقصود تحسین کلام ہے اصل میں مِنْ بَيْنِنَا تھا۔  
یَقُولُ ابُو الْأَسْحَادِ : حق بات یہ ہے کہ مِنْ بَيْنِنَا اَظْهَرِنَا اور مِنْ بَيْنِنَا میں فرق ہے ، مِنْ بَيْنِنَا اَظْهَرِنَا کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے جہاں جماعت حلقہ بنا کر بیٹھی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں بیٹھے ہوں جب کہ مِنْ بَيْنِنَا کا اطلاق اس جگہ پر ہوتا ہے کہ جماعت صف باندھ کر بیٹھی ہو۔

قَوْلُهُ فَأَبْطَأَ عَلَيْنَا - اِی مَكُنَّا طَوِيلًا وَتَأَخَّرْنَا كَثِيرًا اِیْنِی دیر۔  
قَوْلُهُ وَخَشِينَا وَفَزَعْنَا - عِنْدَ ابْعَضِ دَوْنِ اَبْیَ لَفْظِ کھیں جو ہم سنی ہیں۔ نیز ایک دوسرے کی تاکید ہیں۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ دونوں جدا ہیں اس لیے کہ خشیت کا تعلق قلب کے ساتھ ہے جب کہ فزع کا تعلق ظاہر سے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوں اور حضورؐ کہیں اکیلے ہوں اور کوئی دشمن آپؐ کو ایذا پہنچائے۔ کیونکہ عرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت دشمن ہیں۔ یہ گھبراہٹ اسباب کے لحاظ سے ہے ورنہ اللہ ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ تھا۔

قَوْلُهُ حَاطَاطًا : اِصْل میں حَاطَطٌ دیوار کو کہتے ہیں اور یہاں وہ باغ مراد ہے

اور کثیر الروایہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ غزوہ بدر وغیرہ اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے۔  
۳۷ھ میں بزمانہ عبدالملک بن مروان بعمر ۹۴ سال وفات پائی۔ آپؐ سے خلق کثیر نے روایت حدیث کی ہے۔

جس کے گرد دیوار ہو۔ اور بستان ہر باغ کو کہہ سکتے ہیں دیوار ہو یا نہ ہو۔

قوله بَلَدٌ نَصَارٌ : انصار بڑا قبیلہ ہے، یعنی التجار اس کی شاخ ہے۔ عند البعض بنی التجار ذکر کرنا یا تو تخصیص بعد از تعمیم ہے یا بنی التجار بدل ہے انصار سے۔

قوله فَدُرْتُ بِهِ هَلْ أَجِدْ لَهُ أَبًا فَلَمْ أَجِدْ : (ترجمہ) میں نے اس باغ کے چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر دروازہ نظر نہیں آیا۔

سوال۔ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بسیار تلاش کے بعد جب دروازہ نہ ملا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے داخل ہوئے؟

جواب أَوَّل۔ یہ ہے کہ دروازہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے کے بعد مالک باغ نے بند کر دیا تھا کہ حضرت کی ذات پاک دشمنوں سے مأمون ہو جائیں۔

جواب ثَوَم۔ دروازہ تھا مگر حضرت ابو ہریرہؓ کو کثرت حیرت پریشانی کی بنا پر نظر نہیں آیا، اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ پریشانی کے وقت سامنے کی چیز نظر نہیں آتی۔ لہذا فَلَمْ أَجِدْ کا حقیقی معنی مراد نہیں۔ کیونکہ کوئی باغ بغیر دروازہ کے نہیں ہوتا۔

قوله فَإِذَا رُبِعٌ يَدْخُلُ فِي جُوفِ حَائِطٍ مِنْ بَيْتٍ خَارِجَةٍ : (ترجمہ) ہچانک ایک نالی پر نظر پڑی جو باہر کے کونے میں سے باغ کے اندر جا رہی تھی۔

قوله رُبِعٌ کو۔ اس کی تفسیر آیا ہی چاہتی ہے۔

قوله بَيْتٍ خَارِجَةٍ : لفظ خارجہ میں مین اعراب ہونے کا احتمال ہے۔

(۱) بالکسر و تنوین۔ اس وقت یہ بیڑ کی صفت ہوگی (۲) بالفتح غیر منصرف مضاف الیہ اور خارجہ مالک پر کا نام ہے۔ (۳) خارجہ بالضمیر المجرور اور صفت ہے موصوف محذوف کی "آی صِفْ بَيْتٍ فِي مَوْضِعٍ خَارِجَةٍ"۔

قوله وَالرَّبِيعُ الْجَدُولُ : یہ ربیع کی تفسیر ہے اور ربیع سے مراد چھوٹی نہر (درہندی داڑھی) ہے۔

قوله فَاخْتَفَرْتُ ای قَضَا مَمْتُ یعنی میں ابو ہریرہؓ سمٹ، گھسکر کر اس نالی میں داخل ہو گیا۔

قَوْلُهُ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَسَوِيَا رَسُولَ اللَّهِ (ترجمہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں مجھے اندر دیکھ کر حیرت سے فرمایا ابو ہریرہؓ ہوا میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ! فقال ابو ہریرہؓ والا استفہام یا تقریر کے لیے ہے یا تعجب کے لیے کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود تو کیسے یہاں آگیا؟۔ لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت پر محمول ہے کہ نبی علیہ السلام اس بشارت کے وقت بشریت سے خارج ہو کر مستغرق فی کرم اللہ سے تھے۔ لہذا حضرت ابو ہریرہؓ کو پہنچانے میں دیر ہوئی۔

سوال۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو کیسے معلوم ہوا کہ سرکارِ دو عالمؐ کی ذاتِ بابرکات باغ میں تشریف رکھتے ہیں۔

جواب اول : یہ کہ اندازہ سے چٹانگایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں ہیں۔  
جواب دوم : شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اصل معاملہ برعکس ہے کہ نسیم جمال نے بوئے محبوب عاشق کے دماغ میں پہنچائی جیسے بوئے یوسفی مصر سے کنعان پہنچ گئی۔ مگر عشاق کے حال مختلف ہوتے ہیں کبھی قبض کبھی بسط۔

قَوْلُهُ مَا شَأْنُكَ : اِی مَا سَبَبُ مَا تَأْكُلُ وَاضْطِرَّ اِلَيْكَ یعنی پریشان کیوں ہو لایمپ کیوں رہے ہو۔

قَوْلُهُ فَاَبْطَأْتُ عَلَيْنَا : اِی تَاَخَّرْتُ عَلَيْنَا یعنی واپس آنے میں آپ نے تاخیر فرمادی۔

قَوْلُهُ تَقَطَّعَ : اِی يَقْطَعُكَ اَعْدَاؤُكَ اَعْجَبُكَ (نورِ باہر) خداوند کرے کہ آپ کے دشمن آپ کو ہم سے جدا کر دیں یا ہلاک کر دیں۔  
قَوْلُهُ دَوَّكْنَا : اِی مِنْ غَيْرِ اِطْلَاعِنَا :

قَوْلُهُ كَمَا يَحْتَفِرُ الْعَلْبُ : اِی فِي مَصْئِلِ الْمَطْلَبِ یہاں سے وجہ تشبیہ کہ جیسے لوطی مکار جانور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتی ہے اور اپنے سوراخ میں داخل ہونے کے لیے اپنے دھوکہ سکیر لیتی ہے۔ میرا حال بھی تقریباً یہی ہے۔

قَوْلُهُ وَهَلَوْلَا الشَّاسُ وَرَأَى : هَلَا مُعْتَبَسٌ مِنْ قَوْلِهِ تَعَالَى حِكَايَةً عَنْ مُوسَى هَلَوْلَا عَلَيَّ اَثَرِي وَعَجَلْتُ اِلَيْكَ مَا يَتْلُو لِرَضَى (پہلے)

۱۔ نہ تنہا من دریں میخانہ ہستم — ۲۔ ایک میں ہی نہیں عالم ہے طلب گار تیرا  
 قولہ فَقَالَ اِذْهَبْ بِتَعْلٰی هَاتٰیْنِ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے  
 دونوں نعلین مبارک مجھے عنایت فرمائیں۔

سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین مُتَوَرِّیْن و مبارک کیوں  
 عطا فرمائیں؟

جواب اول : حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین مبارک اس لیے عطا کیں تاکہ صحابہ کرامؓ  
 کو یہ یقین ہو جائے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 ہو کر ہی آرہے ہیں اس سے پریشانی دور ہو جاتی چاہیے۔

جواب دوم : یہ کہ جو بشارت دی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے میں  
 اپنی طرف سے نہیں کہ رہا درجہ یقین کا اظہار ہے۔

محدثین حضرات نے بحث کی ہے  
 کہ بطور علامت کوئی اور چیز بھی لے  
 سکتے تھے پاپوش مبارک کی تخصیص

اعطاء نعلین متورین کی وجوہ تخصیص

کہوں ہے اس کے مختلف وجوہ ہیں۔ اول : شاید اس کے علاوہ کوئی اور نشانی آپ کے پاس  
 نہ تھی اس لیے پاپوش مبارک عنایت فرمائیں۔ دوم : پاپوش قدیم کے لیے لازم ہیں۔ چنانچہ  
 عرب میں پاپوش اور قدیم اتباع اور نقش قدم پر چلنے کے کنا یہ جلتے ہیں۔ چنانچہ اعطاء  
 نعلین میں اشارہ ہے کہ داخل جنت کے لیے میرے نقش قدم پر چلنا ہی اصل راہ نجات ہے۔  
 سوئم : اعطاء نعلین سے اشارہ تھا استقامت فی الدین کی طرف۔ ہم بھی وجہ ہے کہ حدیث

پاک میں عافی نعلین یعنی ننگے پاؤں چلنے والے کو ماشی دینے پیدل سے اور لابس نعلین رجوتی  
 پہننے والے کو راکب سے تشبیہ دی ہے۔ کما فی قولہ علیہ السلام

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَزْوَةٍ غَزَاهَا  
 يَقْرَأُ اسْتَكْمَرُوا مِنَ النَّعَالِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا اسْتَقْلَلَ مِنْكَ شَرِيفٌ  
 بَابُ النَّعَالِ

قَوْلُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ : آپ کا یہ خوش خبری دے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو روانہ فرمانا اس بنا پر تھا کہ صحابہ کرامؓ کے غم کا حصار کم ہو جائے جو نہایت رحمت و عنایت اور شفقت پر مبنی ہے۔

سوال : پنجمہ اعتقاد اور استیقان بِالْشَّهَادَتَيْنِ مُتَّبَعِي اِسْرَے جس کا بابتا طاقت بشری سے خارج ہے پھر ان کو کیسے حکم فرمایا کہ پہنچان کر بشارت دو۔

جواب : بشارت میں بھی استیقان قلب کی قید ملحوظ ہے کہ اس شرط پر بشارت دو کہ اس کے استیقان پر تم کو یقین ہو ورنہ نہیں۔

قَوْلُهُ فَخَضَرَتْ عَمْرُو بْنُ شَدِيٍّ فَخَضَرَتْ لِي سَبْتِي (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سترین کے بل گر پڑا۔

قَوْلُهُ شَدِيٍّ : لغت میں شَدِيٍّ کا اطلاق عورت کے پستانوں پر ہوتا ہے لیکن مراد تہائی صدر ہے چونکہ پستان صدر پر ہوتے ہیں اس لیے ان کو ذکر کیا۔

قَوْلُهُ فَخَضَرَتْ : اِی سَقَطَتْ :

قَوْلُهُ سَبْتِي : بمعنی چوتڑ کے بل یعنی مقعد اِی سَقَطَتْ عَلٰی مَقْعَدِيْ شَدَّتْ مُرَبِّیْ وَ جَرَسَ چوتڑ کے بل جاگرا۔ جو صدر سے منہ کے بل گرنے کی۔

سوال : حضرت عمرؓ کا یہ رویہ کیا شانِ مصابیت کے منافی نہ تھا۔ حالانکہ بدلیل اَنْفُسِهِمْ مِنْ سَلَمِ الْمُسْلِمُونَ مِنْ اَسَاۡئِلِهِمْ وَبِكَدِّہِ یہ حرام تھا۔

جواب اول : حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو واپس کرنے کے لیے ہاتھ مارا تھا۔ لیکن وہ اتفاقاً گر گئے یعنی گرانا مقصود نہ تھا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ

نہایت قوی اور حضرت ابوہریرہؓ نہایت ضعیف و کمزور تھے۔ جیسا کہ نعتِ موسیٰ علیہ السلام میں ہے فَوَكَرَهُ مُوسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ :

جو مصالح حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر تھیں وہ حضرت ابوہریرہؓ کے پیشِ نظر نہ تھیں اس بنا پر رد کا مگر حضرت ابوہریرہؓ نہ رُکے۔

جواب دوم : حضرت عمرؓ کو دینی غیرت آئی اور فطری جوش میں یہ عمل کیا جسے حینت دینی اور غیرت دینی کی

بنام پر موصی علیہ السلام سے القاء لوحِ ثوابت ہے ایسے ہی یہاں بھی ہے کیونکہ اَشَدُّهُمْ  
فِي اَمْرِ اللَّهِ عُمَرُ ہونا ثابت و مشہور ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ ارْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَقَدْ جَعَلْتُ اِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترجمہ) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو ہریرہؓ واپس چلے جاؤ! لہذا میں آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس لوٹ آیا۔

سوال۔ حضرت ابو ہریرہؓ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد تھے اور قاصد کا قول  
اصل کا قول ہوتا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کیوں کی اور  
واپسی کا ذکر ہے ہیں۔

جواب۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت معاذؓ کی روایت میں حضور صلعم  
نے خود فرمایا ہے: لَا تَبْشِرُوهُ فَيَتَكَلَّمُ لَكِن يَهَابُ غَلْبَةَ شَفَقَتِ رَحْمَتِ اَوْ غَلْبَةَ اسْتِغْنَانِ كِي  
وجہ سے ادھر توجہ نہ رہی حضرت عمرؓ کے یا د دلانے سے آپ کو وہ مصلحت مستحضر ہو گئی، اور  
آپؐ کو حضرت عمرؓ کی رائے پسند آگئی اس لیے رجوع فرمایا۔ ورنہ اگر امر و جواب کے لیے ہوتا  
تو کیا مجال تھی کہ حضرت عمرؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو واپس کر دیتے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ  
کی رائے کو پسند فرماتے۔

قَوْلُهُ فَاجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ : اَجْهَشْتُ ماضی واحد متکلم اَلَا يَجْهَشُ ماضی رو  
رکے فریاد کرنا، کما يَفْرَعُ الضَّبِيُّ اِلَى اُوتِهِ۔

قَوْلُهُ وَرَكِبْنِي عُمَرُ : ركب کا معنی سوار ہونا، یہ عرب کا محاورہ ہے جیسے کہا جاتا  
ہے کہ فلان پر قرض سوار ہو گیا، یعنی غالب آ گیا، یا غم ہم پر سوار ہے۔ عند البعض شدت تلاصق  
و اتصال کی وجہ سے ركبْنِي فرمایا۔

قَوْلُهُ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَتَكَلَّمَ النَّاسُ (ترجمہ) عرض کیا ایسا نہ کیجئے  
میں خوف کرتا ہوں کہ لوگ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

خلاصۃ الکلام : یعنی آئندہ حضرت ابو ہریرہؓ کو عام لوگوں سے یہ کلام کرنے کی



اجازت نہ دیں۔ اس میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مشورہ کی پیش کش ہے نہ کہ حضورؐ کے حکم سے سرتابی و شاور و مہمور فی الامر اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ آپ کا مشورہ قبول فرمالیا۔

**سوال**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر کو بشارت دینے کا حکم فرمایا۔ جب کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں لَا تَقْعَلَنَّ تَوْعَاہُہَا اَیُّکَ کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اور آپ کے حکم کی حکم عدد دلی ہوئی اور یہ مسلمان کی شان نہیں۔ چہ جائیکہ حضرت عمرؓ ایسا کریں۔

حضرت عمرؓ کا گمان تھا کہ یہ بشارت خصوصی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے عمومی بشارت سمجھ کر لوگوں کو بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لیے **جواب**۔ حضرت عمرؓ خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صورت حال کی تحقیق کی اور جان لیا کہ یہ عمومی بشارت ہے تو حضرت عمرؓ نے نہایت ادب سے اپنی رائے بارگاہ رسالت میں درج ذیل عبارت سے پیش فرمادی۔ قَالَ لَا تَقْعَلَنَّ فَاِنِّیْ اَخْشِیْ اَنْ یَّتَّکَلَّ النَّاسُ عَلَیْہَا۔ یہی وجہ ہے کہ بارگاہ رسالت میں پذیرائی ملی اور بشارت کی اشاعت سے رک دیا گیا۔

**ترجمہ**۔ حضرت معاذ بن جبلؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا جنت کی کنجیاں (خلوص دل سے) اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ  
قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَتَّبِعُ الْجَنَّةَ  
شَهَادَةُ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ :

**سوال**۔ یہ ہے کہ مفارغ مبتدأ ہے اور شہادۂ خبر ہے۔ قانون ہے کہ مبتدأ و خبر میں مطابقت ضروری ہے۔ جب کہ یہاں مطابقت مفقود ہے۔ کیونکہ مبتدأ (مفارغ) جمع ہے اور خبر (شہادۂ) مفرد ہے۔

**جواب اول**۔ کہ شہادۂ مصدر ہے اور مصدر کا مفرد جمع لانا برابر ہے۔ فلا اشکال علیہ

ترجمہ: حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہؓ کی ایک جماعت پر رنج و افسوس کا ایسا غلبہ تھا کہ ان میں سے بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں یہ شک و شبہ میں گرفتار نہ ہو جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دین و شریعت کا بھی خاتمہ ہو گیا ہے (نورِ بانہ) حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا۔

يقول ابوالاعلیٰ مہدی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ پر مختلف

حالات و کیفیات طاری ہو گئے تھے۔ بعض کے دل میں تو یہ دوسرہ پیدا ہو گیا تھا کہ جب حضور پر نورؐ کا انتقال ہو گیا تو یہ دین ختم ہو جائے گا، اور بعض نے تو حضورؐ کی موت سے انکار ہی کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے قوی آدمی بھی سنگی تلوار لے کر فرما لے گئے کہ جو کہے گا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی تو اس کا سر اسی تلوار سے اڑا دوں گا۔ اور بعض جو اس باختہ ہو کر خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے حضرت عثمانؓ وغیرہ، حضرت صدیق اکبرؓ عین وقت پر حاضر نہ تھے۔ بلکہ مدینہ منورہ سے باہر مقام بخ پر تھے۔ یہ خبر سنا کر تشریف لے گئے اور اندر جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درازوں آنکھوں کے درمیان چہرہ انور اقدس کو بوسہ دے کر فرمایا رُبُّنَا حَيٌّ وَ قَيُّوْمٌ۔

پھر صحابہ کرامؓ کے حالات دیکھ کر سیدھے مسجد نبویؐ زادماں تشریف لے گئے اور سب کو مسجد میں جمع ہونے کا اعلان کیا چنانچہ سب جمع ہو گئے تو حمد و ثنا کے بعد ایک تقریر فرمائی یہ تقریر نہیں بلکہ امت محمدیہ کی کشتی کو ساحل پر لگانا، ڈوبتے ہوئے دلوں کو سہارا دینا تھا کیونکہ یہ وقت انتہائی اہم تھا۔ کیونکہ ہر آدمی اس منکر میں تھا کہ اب اسلام کی کیا صورت ہوگی؟ مختلف خدشات تھے کہ دلوں میں آ جا رہے تھے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ منبر نبویؐ پر جلوہ افروز ہوتے ہیں، اور دردمیں ڈوبی آواز سے خطاب فرماتے ہیں:-

اَلَا مَن كَانَ يَتَّبِعُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ يَخْلُقْ لَهُ يَوْمًا وَمَنْ كَانَ يَتَّبِعُ مَخْلُوقًا فَخَلَقَ مِثْلَهُ (ترجمہ) تم میں سے جو خدا کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ وہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا، اور جو شخص مخلوق کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ مخلوق صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور درج ذیل آیات پر اچھی نظر کریں:-

۱۔ وَمَا مَعَكُمْ إِلَّا مَا رُسُلُنَا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (آل عمران آیت ۱۷۴)

۲۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ (الانبیاء آیت ۲۲)

۳۔ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّ نَفْسُكَ مَيِّتَةٌ۔ (الزمر آیت ۳۰)

تو صحابہ کرامؓ کو ہوش آگیا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کا جوش بھی ختم ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات تو ہم ہمیشہ پڑھتے تھے مگر پریشانی کی بنا پر ذہول ہو گئی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تلاوت کرنے سے معلوم ہوا تھا کہ ابھی ابھی نازل ہو رہی ہیں۔ پھر آگے طویل واقعہ ہے یہاں اس

کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِكَاتِبِهِ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِإِسَائِدَتِهِ وَلِمَنْ سَعَى فِيهِ۔

قولہ فَلَمَّا شَعَرَ بِهِ : ربہ کا ضمیر عند البعض تسلیم کی طرف ہے۔ عند البعض مروری طرف ہے۔ مگر محقق بات یہ ہے کہ ضمیر تاویل مذکور راجع بطرف ہر دو یعنی تسلیم و مروری جیسے تاویل کی عبارت سے پتہ چلتا ہے۔ وَاللَّهُ مَا شَعُرْتُ أَنَّكَ مَكْرُتٌ وَلَا سَلَمْتُ۔

قولہ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا حَمَلْتُكَ : اس مقام پر سوال ہوتا ہے۔

**سوال**۔ یہ کہ حضرت عثمانؓ نے شدت غم کی وجہ سے جواب نہ دیا جب کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ پر سلام پڑھا گیا تو انہوں نے جواب کیوں نہ دیا؟

**جواب**۔ بعد از قال عبارت اقتضای انص کے طور پر مقرر ہے اِیْ بُعْدَ اَنْ اُجَابَہُ

قولہ مَا فَعَلْتُ : مفعول مقرر ہے اِیْ مَا فَعَلْتُ عَدَمٌ سَدَّ السَّلَامَ :

قولہ لَقَدْ فَعَلْتُ۔ : مفعول مقرر ہے اِیْ فَعَلْتُ عَدَمٌ رَدَّ السَّلَامَ :

قولہ عَنْ ذَا اِلَکَ۔ : یعنی از جواب سلام

امیر کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں :-

**نجات ہذا الامر کی تشریح** | **اول**۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ الْاَمْرُ سے مراد دین ہے

یعنی دین کے اندر آتش و دوزخ سے نجات و خلاصی کسی چیز کے ذریعہ ہوگی۔

دوئم الامر سے مراد یہ ہے کہ اکثر لوگ شیطان کے دھوکا و دنیا کی محبت و میلان الی

الشہوات و ارتکاب معاصی میں مبتلا ہیں۔ ان خطرناک امور سے ذریعہ نجات کیا ہے۔

سوم یا دوسرے شیطانی سے نجات مراد ہے۔ جیسا کہ خود اس حدیث میں كَادَ بَعْضُهُمْ يُورِثُ بَعْضًا

وَقَالَ عُمَانٌ وَكَتَبْتُ وَتَهَنُّنٌ كَمَا يُجْلَسُ بِهِ۔

**سوال** : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر کلمہ بول کر اتنا اغتاب کیوں فرمایا ہے؟

**جواب**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کلمات باعث نجات ہیں بلکہ اغتاب

کر کے جواب فہمی لہذا نجات جس میں حکمت یہ ہے کہ جو ابوطالب نے تمام عمر بحالت کفری گزاری

ایک لمحہ کے لیے اقرار نہیں کیا اگر ایسا شخص بھی صرف صدق دل سے ایک دفعہ وہ

کہہ کہتا تو اس کی نجات کے لیے یہ کلمہ توحید و سیدہ بنتا اور اس کو جہنم سے خلاص کرنے میں میرے لیے نجات ہوتی۔ مگر وہ مؤمن جس کے رگ دریشہ و لحم و شحم گوشت و پوست میں کلمہ توحید سرایت کر کے جزو علم بن گیا ہے۔ تو اس کے لیے کلمے نجات کا ذریعہ نہ ہو۔ اگر کلمہ کو صراحتاً کہہ دیتے تو یہ نفعین حاصل نہ ہوتی۔

قَوْلُهُ أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا : اَيُّ اَنْتَ اَلْبَقِيُّ بِهَذِهِ الْمَسْئَلَةِ يَذْكُرُ اِلَى كُلِّ خَيْرٍ اَسْبَقُ وَاِلَى حُصُولِ الْعِلْمِ اَشْوَقُ :

ترجمہ : حضرت مقدادؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نہیں باقی رہے گا زمین کے پیٹ پر۔

وَعَنْ الْمَشْدَاذِ ابْنِهِ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَبْقَى عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ :

قَوْلُهُ ظَهْرُ الْأَرْضِ : اس سے مراد جزیرۃ العرب اور اس کا گرد و لاج مراد ہے جو قریب قریب حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور باقی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بالکل مغلوب اور مفتوح ہو چکا تھا۔

قَوْلُهُ بَيْتٌ مَدَنٍ : یہ مدینہ کی جمع ہے بمعنی خام اینٹ اور مٹی کا ڈھیلہ۔ اس سے مراد شہر اور دیہات کے مکانات ہیں کیونکہ اکثر گھر اینٹ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ قَوْلُهُ وَدَوْبِیْرٍ : یعنی اونٹ وغیرہ کی پٹم اس سے مراد صحرا اور جنگل کے خیمے ہیں۔ کیونکہ عرب کے اکثر دیہاتی آدمی پٹم سے گھر بناتے تھے۔

تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ خواہ شہر ہو یا دیہات تمام گھروں میں اسلام کا کلمہ داخل ہو کر رہے گا گویا یہ حدیث

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

مستنبط ہے اس آیت مقدمہ سے ”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ :



## اسمائے رجال

**حضرت مقدادؓ کے حالات** | آپ ذوالجبرین ہیں۔ آپ کا نام مقداد ابن عمرو ابن ثعلبہ کنذی ہے۔ مگر مشہور مقداد بن اسود کے نام سے ہیں۔ اس لیے کہ آپ کی اسود نے پرورش کی ہے۔ آپ حلیل القدر صحابی ہیں۔ مقام جبرئیل میں جو مدینہ طیبہ سے یمن میں مکہ کے فاصلہ پر ہے سترہ بیس ہزار سال وفات پائی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی نسبت کنذی ہے کیونکہ آپ کے والد اسود و نسبتی، سنے بنو کنذہ کے ساتھ معاہدہ اور حلف و فدا داری کیا تھا۔ آپ قدیم الاسلام ہیں حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ آپ چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔



ترجمہ : حضرت وہب بن مُنبہ (تابعی) سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا کلہ توحید جنت کی کنجی نہیں ہے۔

وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنْبَهٍ  
قِيلَ لَهُ أَلَيْسَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ :

قوله أَسْنَانٌ : اسنان جمع من بنی دانت مگر چابی کے دانت سے مراد اس کے دندانے ہیں جس سے تارہ کھلتا ہے۔

حضرت وہب بن مُنبہ اپنی مجلس میں وعظ و نصیحت کر کے لوگوں کو عمل کی اہمیت بتا رہے تھے۔ کسی نے

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک حدیث ۲۵ ر عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (کا سہار لے کر کہا کہ آپ تو عمل کے بارے میں اتنی شد و مد کے ساتھ متنبہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ جنت کی کنجی ہے یعنی جس نے صدق دل سے وحدانیت کا اقرار کیا وہ جنت کا حقدار بن گیا۔ خواہ اس کی عمل زندگی کیسی بھی ہو۔ اس پر وہب بن مُنبہ نے جواب دیا کہ بلاشبہ کلہ توحید جنت کی کنجی ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھو کہ کنجی اس وقت کام کرتی ہے جب کہ اس میں دندانے بھی ہوں۔ اگر کسی کنجی میں دندانے نہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے تارہ نہیں کھلتا تو جب کلہ توحید جنت کی کنجی بنی تو اس کنجی کے دندانے شریعت کے احکام و فرائض ہیں پس جو شخص فرائض شریعت پر عمل نہیں کرے گا تو گویا وہ آخرت میں ایسی کنجی لے کر جا رہا ہے جس کے دندانے نہ ہوں گے تو پھر ایسی کنجی سے ابواب جنت کس طرح کھولے جائیں گے۔ ولہذا عمل کی شریعت میں اشد ضرورت ہے۔ یعنی مفتاح سے مراد عقائد اور اسنان سے مراد اعمال ہیں۔

سوال :- یہ حدیث مسلک اہل سنت والجماعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اعمال (اسنان) کے بغیر ابواب جنت نہیں کھولے جائیں گے۔ حالانکہ مرکب اعمال سیئات ضرور بالغرہ جنت میں جاتے گا۔

جواب اول :- مفتاح سے مراد اقرار باللسان اور اسنان سے مراد تعبدی بات ہے۔



ہاں اگر اقرار کے ساتھ تصدیق نہ ہوئی تو لَوْ یَقْتَضِیْ فَلَا مَشْکَانَ عَلَیْہِ ۔  
**جواب دوم :** فتح سے مراد مطلق فتح نہیں بلکہ فتح اولیٰ مراد ہے ۔ تدریج حقیقۃً مُفْتَضِلً ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کوئی اپنا اسلام ٹھیک کرے تو جو نیکی کرے گا وہ دس گنا لکھی جاوے گی

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ فَعَلَّ مَحْسَنَةً يَفْعَلُهَا تَلْتَبَّرُ لَهُ بِعَشْرِ امْتَالِهَا :

قَوْلُهُ أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ : سلام کا حسن یہ ہے کہ تمام عقائد اسلامہ کا دل سے اعتقاد رکھے اور زبان سے اقرار کرے ۔ کافی قولہ تعالیٰ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ :

قَوْلُهُ بِعَشْرِ امْتَالِهَا : یعنی کم از کم دس گنا زیادہ سات سو گنا جیسا اخلاص اور موقع ویسا ثواب ۔ یہ قانون ہے فضل کی حد نہیں ۔ اس حدیث میں دو آیتوں کی طرف اشارہ ہے اَيُّ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امْتَالِهَا بِدَوْتِیْ مِثْلِ الَّذِیْنَ یُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ (پہلے البقرہ)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس امت کی خصوصیت

بہت ہیں ۔ ان میں سے دو سر فہرست ہیں ۔

**خُلَاصَةُ الْحَدِیْثِ**

اَوَّلُ : جب کوئی مومن نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اسی پر بس نہیں جوتا ۔ بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق بڑھتا جاتا ہے تو اجر بھی بڑھتا جاتا ہے ۔ حتیٰ کہ سات سو تک ، بلکہ بعض دفعہ اضافہ ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں تک چلا جاتا ہے جیسا کہ رحم پاک میں عمل کیا جائے تو لاکھ تک اجر چلا جاتا ہے ۔

دوّم : اس کے برعکس اور مومن سے جتنے غائبانے بشریت کوئی برائی ہو جائے تو اس کے گناہ کا افاضہ نہیں لکھا جاتا جتنی برائی ہوتی ہے اتنی جزاء ہوتی ہے اس کا جتنا شکر کیا جائے کہے۔

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ  
رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْإِيمَانُ فَكَانَ  
إِذَا سَأَلَكَ حَسَنُكَ وَسَاءُ ثَلَاثَ  
سَيِّئَاتِكَ فَأَنْتَ مُؤْمِنٌ :

ترجمہ : حضرت اُمّہ رادی ہیں کہ  
ایک شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے سوال کیا یا رسول اللہ! ایمان کی سلامتی  
کی نشانی کیا ہے : آپ نے فرمایا جب تمہاری  
نیکی تم کو خوش کرے اور تمہاری برائی تم کو  
پریشان کرے تو رکھو کہ تم مومن ہو۔

قَوْلُهُ مَا الْإِيمَانُ : بعض وقت کلمہ مَا حقیقت سوال کے لیے آتا ہے۔ مگر اس مقام پر  
علامتِ ایمان کے متعلق سوال ہے یعنی ایمان کی درستگی کی کیا نشانی ہے۔

یہ حدیث انسان کے حاسہ فطرت کی سلامتی پر مبنی

خُلاصَةُ الْحَدِيثِ ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ زبان کا  
ذائقہ درست ہو یعنی چیز میٹھی معلوم ہو، اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسہ فطرت کی صحت کی  
علامت یہ ہے کہ قلب کا حاسہ درست ہو، اس میں حسد اور حسد کا امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز  
باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اب کسی روحانی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ اب اس حدیث  
کی دو جہتیں ہیں :

أَوَّلُ : مَا الْإِيمَانُ یہ سوال اوّل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ایمان کی سلامتی بتادی  
جائے جس سے استقامت کا اندازہ کیا جاسکے۔ تو آپ نے فرمایا وہ کیفیت محسوس کرنے لگو کہ نیکی  
پر دل و دماغ خوش ہو برائی پر مغموم ہو تو وہ استقامت کی علامت ہے۔

دوّم : فَمَا الْإِسْقَاطُ یہ سوال دوّم ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ روزِ مَرۃ کی زندگی میں مومن کو  
ایسے امور کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے کہ جس کی شرعی حیثیت معلوم نہیں اب وہ کیا کرے۔ جواب دیا کہ

مؤمن کی قلب لوح ہے۔ اگر اس میں تردد و شک ہو تو سمجھ لینا کہ گناہ ہے اس کا ترک اولیٰ ہے جس کو کلامتِ ضمیر کہہ سکتے ہیں کافی قولہ علیہ السلام "اتقوا فخراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔ قولہ وَاِذَا حَالَكَ فِي نَفْسِكَ شَيْئًا فَدَعْهُ" یعنی جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے تو اس کو چھوڑ دے۔

سوال - یہ ہے کہ اگر فرائض و واجبات میں کسی کو کھٹکا ہوسنے لگے تو کیا اسے بھی چھوڑ دے۔  
جواب - یہاں ایک تیدِ محذوف ہے "ای اذا حال في غير المنصوص عليه" یعنی جس کے گناہ ہونے کی شریعت میں تصریح نہ ہو بلکہ وہ مشتبہ ہو یا قرآن و حدیث اور اجماع سے معلوم نہ ہو بلکہ مختلف فیہ ہو۔

يقول ابو الاسحاق : یہ معیار ان لوگوں کے لیے ہے جو کامل مؤمن، اربابِ باطن اور اویار اللہ ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے قلب و رماخ کی صفائی و پاکیزگی کی بنام پر برائی کی ہلکی غلش کو بھی برداشت نہیں کر سکتے اور خدا کی فرمانبرداری پر ہی ان کا دل مطمئن اور سرور ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ  
قَالَ اَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ  
مَعَكَ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ قَالَ حُرٌّ  
وَعَبْدٌ -

ترجمہ : حضرت عمرو بن عبسہ فرماتے  
ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث  
میں حاضر ہوا اور عرض کیا رسول اللہ اس  
دین اسلام پر آپ کے ساتھ کون کون ہیں  
آپ نے فرمایا ایک آزاد ایک غلام۔

قولہ هَذَا الْأَمْرُ : آئی اِلْيَمَانِ وَالْعَدَّ هَبْ وَالْإِسْلَامُ یعنی اسلام میں کوئی غلام  
بندے داخل ہو سکتے ہیں یا عام داخل ہے۔

قولہ حُرٌّ وَعَبْدٌ : خود عید سے کیا مراد ہے اس میں معتد قول ہیں۔

۱۔ تمام لوگ مراد ہیں خواہ آزاد ہوں یا غلام کہ وہ سب اس ابر دین کی موانفت کے لیے  
مأمور ہیں۔

۱- مُرسے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عبد سے زید بن عارضہ مراد ہیں۔

۲- مُرسے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عبد سے حضرت بلالؓ مراد ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "وَمَعَهُ يَوْمَئِذٍ أَبُو بَكْرٍ وَبِلَالٌ"۔

سوال - ابتدائے اسلام میں حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت علیؓ و بنی بنی خدیجہؓ بھی تھے ان کو شمار نہیں کیا۔

جواب - حضرت علیؓ کو کم سنی کی بناء پر اور حضرت خدیجہؓ کو مستورات میں ہونے کی بناء پر ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ بھی اس وقت مسلمان تھے۔

قَوْلُهُ قُلْتُ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ طَيْبُ الْكَلَامِ وَإِطْلَاقُ الطَّعَامِ (ترجمہ) میں نے کہا اسلام کیا ہے فرمایا خوش کلامی اور کھانا کھانا ہے۔

سوال - یہ ہے کہ حدیث جبریلؑ میں اسلام کے متعلق اَنْ تُوْمِنَ بِاللّٰهِ سے جواب دیا جب کہ یہاں طَيْبُ الْكَلَامِ وَإِطْلَاقُ الطَّعَامِ فَتُكَلِّمُنَا ؛

جواب اول | حدیث جبریلؑ میں سوال حقیقت اسلام سے تھا کیونکہ وہ بغیر علم تشریف لاتے تھے۔ اس لیے جواب میں حقیقت اسلام کو بیان فرمایا

اور عمرو بن عبسہؓ حقیقت اسلام سے واقف تھے کیونکہ وہ پہلے سے مسلمان تھے۔ یعنی ان کے سوال کا مقصد لوازمات اسلام تھے نہ کہ خود اسلام۔

جواب دوم | جبریل علیہ السلام ایمان کی حقیقت کو کہنے پر قادر تھے۔ اس لیے اس کے سوال میں حقیقت ایمان کو بیان فرمایا۔ بخلاف عمرو بن عبسہؓ

کے کیونکہ وہ حدیث الصد بالاسلام تھے۔ حقیقت ایمان کہنے کے لیے ان میں استعداد پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے جواب میں تفاوت کیا گیا۔

جواب سوم - یہ جواب علیٰ طریق اسلوب الفہم ہے یعنی عمرو بن عبسہؓ کو حقیقت ایمان سے اعمال ایمان سے ضرورت زیادہ تھی اس لیے اسے بیان کیا گیا۔

قَوْلُهُ قُلْتُ مَا الْإِيمَانُ قَالَ الْمَكْرُورُ وَالْتِمَاحَةُ (ترجمہ) میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں فرمایا صبر اور سخاوت۔

ایمان امر باطنی ہے اس لیے اس کا جواب بھی امور باطنی سے دیا گیا ہے۔ ایمان کے نکاح امر اخلاق سے سوال کرنے پر ان دونوں کو اس لیے ذکر کیا کہ اول سے ترک نہیات کی طرف اشارہ ہے ثانی سے فعل یا مورات کی طرف اشارہ ہے۔ **حَيْثُ قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ عَنْ مَنْصُوبِهِ اللَّهُ وَالْمُشَاحَصَةِ عَلَى أَكْبَرِ فِرَاقِ النَّصِيبِ اللَّهُ -** عند البعض الصبر سے مفقود اشیاء کی طرف اشارہ کیا الشاحصہ سے موجود کی طرف اشارہ کیا۔

**قَوْلُهُ أَيِ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ :** خلق حسن مآلِ الْإِيمَانِ کے بھانے ای الْإِيمَان میں ذکر کیا کیونکہ حسن خلق جامع ہونے کی وجہ سے دونوں کو شامل ہے یعنی صبر و صفا اس لیے ای الْإِيمَان کے جواب میں نقل کیا۔ **حَيْثُ قَالَتْ عَائِشَةُ خَلَعَهُ الْعُرَّانُ** ای خلعہ علیہ السلام۔

حضرتؓ نے چار جملے جو ابا ارشاد فرماتے اور سائل نے چار سوال عرض کیے اے ای الْإِسْلَام **قَائِدُهُ** اے ای الْإِيمَان اے مآلِ الْإِسْلَام اے مآلِ الْإِيمَان - ان میں فرق ہے یا نہیں عند الجمهور فرق ہے برابر نہیں۔ اے ای الْإِسْلَام و اے ای الْإِيمَان میں تحقیق ایمان ہے۔ مآلِ الْإِسْلَام و مآلِ الْإِيمَان میں علامت ایمان و اسلام ہے۔ **قُلْتُ** اے الْعُقُولَةُ أَفْضَلُ قَالَ طَوَّلُ الْقُتُوبِ (ترجمہ) میں نے کہا نماز میں کونسی چیز افضل ہے فرمایا درازی قنوت۔

**قَائِدُهُ** محمدؐ میں حضرات نے قنوت کے متعدد معانی بیان کیے ہیں۔ قنوت بمعنی طاعت، خشوع، سجدہ، دعا، اقام، سکوت۔ ہر معنی کی تیسیں قرآن سے کی جائے گی۔ عند الاختلاف قنوت بمعنی قیام ہے۔ اس کی مکمل بحث تفصیل کے ساتھ کتاب الصلوٰۃ میں آئیگی۔

**قَوْلُهُ قَالَ قُلْتُ أَيُّ الْهَجَرَةِ أَفْضَلُ :** چونکہ ہجرت مختلف قسم کی ہے۔ اے ایذار کفار سے بچنے کے لیے کما وقعت للضعفایۃ اے الْحَبَشَةِ اے اِعْلَاءُ کَلِمَةِ اللَّهِ کے لیے کما وقعت من مکتۃ اے الْعَدِیْسَةِ وَفِي مَعْنَاهَا الْهَجَرَةُ مِنْ دَارِ الْکُفْرِ اے اِلٰی دَارِ الْإِسْلَام۔ اے وَهَجَرَةُ الْقِبَالِ لِتَقْلِيمِ الْمَنَاطِلِ مِنْ الشَّجْرِ عَلَیْهِ السَّلَام اے وَ الْهَجَرَةُ عَمَّا نَهَا اللَّهُ عَنْهُ : اس لیے افضل کے متعلق سوال کیا گیا۔

**قَوْلُهُ قَالَ مَنْ عَقَرَ جَوَادُهُ وَ أَهْرَیْقَ دَمْدَمَ** (ترجمہ) فرمایا وہ شخص جس کا گھوڑا مارا جائے اور وہ خود بھی شہید ہو جائے۔

قَوْلُهُ عَقَرُ جَوَادُهُ اَي قَتَلَ قَرَسَهُ :

قَوْلُهُ اَهْرَاقَ : اَرَاقَ يُرْقِئُ میں بعض وقت ہمزہ کو ہار سے بدل دیتے ہیں۔ اھراق بھریق۔ اور بعض اوقات ہمزہ کے ساتھ حاد زائدہ بڑھا دیتے ہیں اور اھراق پڑھتے ہیں تو یہاں بھی حاد زائدہ ہے۔ اس جہاد میں چونکہ جانی و مالی دونوں قسم کا نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے افضل الجہاد کہا گیا ہے۔

قَوْلُهُ جَوَّفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ : آخری رات کا درمیانی حصہ یعنی آخری تہائی رات کے تین حصے کرد، اس کے درمیانی حصے میں تہجد پڑھو گویا رات کے چھ حصے حصہ میں اسی وقت نماز پڑھنا دعا میں مانگنا بلکہ استغفار کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اس وقت رحمت الہی دنیا کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اس وقت جاگنا نفس پر نشان ہے۔

پچھلی راتیں رحمت رب کی گھر گھر کرے آوازہ  
سوسے والو رب رب کر لو کھلا ہے دروازہ۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ  
وَيُصَلِّ الْخُمْسَ وَيُصُومُ رَمَضَانَ  
ترجمہ : روایت ہے حضرت معاذ بن جبل  
سے ان کا پانچوں نمازیں اور رمضان کے روزے۔

سوال : کہ حدیث مذکورہ میں زکوٰۃ اور حج کو ذکر نہیں فرمایا ؟  
جواب اول : یہ ہے کہ یہ دو فرائض مالداروں کے ساتھ خاص ہیں یعنی یہ دو حکم عمومی نہیں بلکہ خصوصی ہیں  
جواب دوم : عند البعض یہ دونوں حکم اس وقت فرض نہیں ہو سکے تھے یعنی ان کی فریضت نازل نہیں ہوئی تھی۔

قَوْلُهُ قَاتِلْهُمْ يَغْلِبُوا : فرمایا نہیں رہنے دو کہ غل کر سکتے رہو۔ یعنی عوام میں  
بمحر حدیث مت پھیلاؤ کہ وہ اس کا مطلب نہیں سمجھیں گے اور غل میں کوشش چھوڑ دیں گے۔

سوال : اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ : میں حضور خیر عوام الناس کی طرف پھر رہا ہے۔ اگر مرجع  
خواص بنائیں تو سوال ہوگا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں خوش خبری نہ دینا تو آپ کیوں

بیان کر رہے ہیں۔

**جواب :-** یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے عام آدمیوں سے روکا تھا نہ کہ خواص  
خواص کو تو خوش خبری دے رہے ہیں۔

وَعَنْهُ أَسْأَلُ الشَّيْ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ  
أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ  
وَتُبْنِضَ لِلَّهِ وَتَمْلِكَ لِسَانُكَ  
فِي ذِكْرِ اللَّهِ

ترجمہ : انہی سے روایت ہے کہ انہوں  
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل ایمان  
کے متعلق پوچھا تو حضرت نے فرمایا یہ ہے کہ  
تم اللہ کے لیے محبت وعداوت کرو۔ اور  
اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

قَوْلُهُ حُبِّ وَتُبْنِضَ لِلَّهِ : حُبِّ وَتُبْنِضَ دونوں کا مفعول مقدر ہے ”أَنْ تُحِبَّ  
أَحَدًا لِلَّهِ وَتُبْنِضَ أَحَدًا لِلَّهِ“

قَوْلُهُ وَمَاذَا : اصل میں تھا ”مَاذَا أَمْنَعُ بَعْدَ ذَلِكَ“ یعنی اس کے بعد پھر کیا کریں  
سوال :- حدیث پاک کا جملہ حُبِّ لِلَّهِ مَا حُبِّ لِنَفْسِكَ صحیح نہیں کیونکہ ایک شخص حسین بری  
رکھتا ہے، یا اس کے پاس حکومت ہے وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ دوسرا اس کو دیکھے اور اس  
کی تمنا کرے کہ ماری واقعہ سلیمان علیہ السلام ”مَا بَتِ حُبِّ فِي مُلْكًا لَوْ يَبْكُنِي لِأَحَدٍ  
مِنْ بَنِي“۔ دیکھیں

**جواب :-** یہ کلام مقید باللغۃ فی ما امكن شرعا ہے یعنی جو چیز شریعت میں ممکن ہے  
اَنْ اَنْ تُحِبَّ لِلَّهِ مَا حُبِّ لِنَفْسِكَ فِي مَا اَمْلَكَ شَرْعًا اور یہ اشیاء زن، زر، ملک  
شرعی امکان ندارد۔

هَذَا اخْرَاجَ الْإِسْنَانِ بِتَوْفِيقِ الْمَلَكِ وَالْمَلَكِ فِي الْخَيْرِ وَالْإِحْسَانِ :  
رَبِّ يَسِّرْ وَلَا تَشْدِدْ وَتَقَرَّرْ بِالْخَيْرِ (امیر)

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ — دیوانہات ۲۹ جولائی — سنہ ۱۴۲۸ء —  
بروز اتوار

## باب الکبائر و علامات التفاق

اس ترجمہ الباب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول فی بحث الکبائر: حصہ ثانی علامات التفاق۔ کبائر یہ کبیرہ کی جمع ہے بمعنی عظیمہ جو مقابل صغیرہ ہے۔ یعنی گناہ دو قسم ہیں کبیرہ۔ صغیرہ۔ اس کے متعلق یہاں تین بحثیں ہوں گی۔

### بحث اول تقسیم معاصی

علمائے کرام میں اختلاف ہے کہ گناہوں میں تقسیم ہے یا نہیں اس میں دو طائفہ ہیں۔  
طائفہ اولیٰ :- قاضی حیا من اور ابو اسحاق اسفرائینی وغیرہ کے نزدیک ہر معصیت کبیرہ ہی ہے اس میں کوئی تقسیم نہیں۔

دلیل اول نقلی - وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ نَهَى اللَّهُ عَنْهُ فَهُوَ كَبِيرَةٌ؛ یعنی ہر رویشی جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس کا کرنا گناہ کبیرہ ہے اس میں کوئی تقسیم نہیں۔

دلیل دوم عقلی - حق تعالیٰ کی نافرمانی کا نام گناہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان عظمت و کبریا کی اعتبار سے ان کی معمولی نافرمانی بھی سخت قبیح چیز ہے۔

طائفہ ثانیہ :- جمہور سلف و خلف کے نزدیک معاصی دو قسم ہیں۔ (۱) صغیرہ (۲) کبیرہ اس طائفہ کے دلائل کثیرہ ہیں۔

دلیل نقلی اول : وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِنْهَا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يَغَادِرُ مِنْهُ ذُرِّيَّةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا أَهْلُهَا (پیش کش مکلف ۱۸)



**دلیل نقلی دوم** - الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ شُرَائِهِمْ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّعَمُ  
(پٹ سے نچمٹے)

**دلیل نقلی سوم** - اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ  
(پٹ سے نچمٹاؤ، چھوٹے کبائر سے بچیں اور دوسرے کو سبکدوش سے جو معاذ میں ان جمیع نصوص  
تقسیم ذلوع کی تائید ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام غزالی اپنی کتاب البیض فی المذہب میں  
فرماتے ہیں "انکاراً لفرق بین الصغیرة والکبیرة لا یلیق بافتقار اور یہی نصوص قرآنی بہت  
ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے ترک کیا جا رہا ہے۔

**دلیل عقلی بر تقسیم معصیت** | عقل کا تقاضا بھی ہے کہ معاصی میں تقسیم ہو کیونکہ تمام گناہوں کے  
یکساں نہیں ہیں۔ تفاوت آثار کے اعتبار سے یہ کہنا پڑے گا  
کہ گناہ کبیرہ ہیں اور کچھ صغیرہ اس لیے کہ نصوص سے گناہوں کے آثار مختلف سمجھے جاتے ہیں۔  
بعض گناہ ایسے ہیں کہ بغیر توبہ کے ان کی معافی کا وعدہ نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ حسنات کے ضمن  
میں ہی معاف ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے عقلاً ماننا پڑے گا کہ تفاوت آثار کے اعتبار سے  
معصیت میں انقسام ہے کبیرہ اور صغیرہ کی طرف۔

**دلیل قیاسی بر تقسیم معصیت** | قیاس کا تقاضا بھی ہے کہ معاصی میں تقسیم ہو۔ کیونکہ بعض  
معاصی کے مرکب کو فاسق مردود الشہارۃ ٹھہرایا جاتا ہے  
اور بعض کو نہیں۔ شیوزنا اور قتل، اسی طرح قتل، گالی دینا ہرگز برابر نہیں۔ لہذا تقسیم معاصی کا انکار  
کرنا قیاس کے بھی خلاف ہے۔

**حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا جمہور کی طرف سے جواب :**

فریق اول نے حضرت ابن عباسؓ کے قول سے جو استدلال کیلئے اس کا جواب یہ  
کہ سیدنا ابن عباسؓ سے تقسیم کا قول بھی موجود ہے۔ کما فی التعلیق۔ لہذا اس اصول کے تحت کہ  
إِذَا تَقَارَصَا تَقَاطَعَا کی وجہ سے ابن عباسؓ کے قول سے دلیل پکڑنا ناقابل استدلال ہے۔

## دلیل عقلی کا جواب

انہوں نے جو یہ دلیل عقلاً پیش کی کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے اعتبار سے سب کبیرہ گناہ ہونے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ کی دو حیثیتیں ہیں (۱) ذاتِ خداوندی کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس حیثیت سے بے شک سب گناہ کبیرہ ہونے چاہئیں (۲) گناہوں کی حیثیت ایک دوسرے کی نسبت سے ہو۔ تو ظاہر ہے کہ سب گناہ برابر نہیں بلکہ بعض بعض سے برے ہیں "کَمَا يَذُنُ عَلَيْهِ الْحَدِيثُ الْأَوَّلُ فِي الْمَنَابِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ حَيْثُ سَأَلَتْ بِقَوْلِهِ تَقْرَأُ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ" تو ہم جہاں تقیم کے قائل ہیں وہ دوسری حیثیت سے ہیں پہلی سے نہیں۔

## البحث الثاني في تعريفات كبرى وصغرى

کبار و صغائر کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں :-

أول : عسامة الوعايد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کبیرہ و صغیرہ امور اضافیہ میں سے ہیں۔ ہر گناہ اپنے ماتحت کے اعتبار سے کبیرہ ہے اور اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ ہے۔ لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ اپنے ماتحت گناہ کی یہ نسبت ہر چھوٹی سی بات پر بھی کبیرہ کا اطلاق ہوگا لہذا وہ بھی بلا توبہ معاف نہ ہوگا، اور کبیرہ اپنے مافوق کے اعتبار سے صغیرہ ہونے کی وجہ سے بلا توبہ معاف ہو جائے گا۔

دوم : عسامة ابن قیثمؒ لکھتے ہیں کہ گناہوں کا کبیرہ و صغیرہ ہونا باعتبار فاعل کے ہے۔

كما قال الشاعر

فَكَبِيرُ الرَّجُلِ الصَّغِيرُ صَغِيرًا بِشَرِّ وَصَفَاءِ الرَّجُلِ الْكَبِيرُ كَبِيرًا بِشَرِّ وَمَا أَشْبَهَ قَوْلَهُ — حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتٌ لِلْمُفْسِدِينَ —

رکنانی التہذیب (مدارج التالکین)

سوم : حسن بصریؒ، ابن جبیرؒ، مجاہدؒ، ضحاکؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ جس گناہ پر قرآن وحدیث میں آگ یا جہنم کی وعید بصراحت آئی ہو وہ کبیرہ ہے، اور جس پر اس کی تصریح منقول نہیں

محض ممانعت وارد ہوئی ہو وہ مغیرہ ہے۔

چہارم : علامہ ابوالحسنؒ الواحدی نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ کبیرہ کی کوئی خاص تعریف نہیں ہے۔ بلکہ شریعت نے بعض معاصی کو کبائر سے تعبیر کیا، اور بعض کو صغائر سے تعبیر کیا اور بہت سے گناہوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا کہ کبیرہ ہیں یا صغیرہ۔ لیکن وہ بھی کسی ایک میں ضرور داخل ہیں۔ اور عدم بیان میں یہ حکمت ہے کہ خالص بندہ اسی کو کبیرہ خیال کر کے پرہیز کرے۔ اور بھی بہت سے اقوال ہیں طوالت کی وجہ سے فلا تذکرہ :

## البحث الثالث عدد کبائر

بعض احادیث میں کبیرہ گناہوں کی خاص خاص تعداد کا ذکر ہے مثلاً اسی باب کی تیسری حدیث میں سات کا ذکر ہے۔ اس سے پہلی حدیث میں اس سے کم کا ذکر ہے۔ بعض احادیث میں اس سے زیادہ کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کبائر کسی خاص تعداد میں منحصر نہیں۔ جہاں خاص تعداد کا ذکر ہے وہاں بھی محض مقصود نہیں۔ ایک عدد اپنے سے مازاد کے لیے نافی نہیں ہوتا۔

سوال۔ جب محض مقصود نہیں تو پھر خاص خاص تعداد کا ذکر کیوں کیا گیا ؟

جواب۔ یہ کہ خاص خاص گناہوں کی تخصیص کی خصوصیت احوال مخاطبین یا خصوصیت مقام کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے یا سائلین کی رعایت کے لحاظ سے ان کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے باقی کی نفی مقصود نہیں ہوتی۔

يقول ابوالسعاد : شيخ ابوطالبؒ کی لکھتے ہیں کہ احادیث میں جن گناہوں کو بصراحت کبائر سے تعبیر کیا گیا ہے ان کی تعداد سترہ معلوم ہوتی ہے۔ حتریب حسب ذیل ہے۔ ۱۔ شُرک بالشرک ۲۔ اصرار علی المعصیت ۳۔ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جانا ۴۔ عذاب الہی سے بے خوف ہونا۔ ان چار کا تعلق قلب سے ہے۔ ۵۔ شہادۃ الزور۔ ۶۔ قذف مومنات ۷۔ یسین غموس۔ ۸۔ سحر۔ ان چار کا تعلق زبان سے ہے۔ ۹۔ شرب خمر۔ ۱۰۔ اکل مال یتیم۔

۱۱۔ اکل مال ربا۔ ان تین کا تعلق بطن سے ہے۔ ۱۲۔ ذنا۔ مآ نواطت۔ ان دونوں کا تعلق نرج سے ہے۔ ۱۳۔ قتل ناحق۔ ۱۴۔ سرقة۔ ان دونوں کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ ۱۵۔ فرار من انفار۔ یوم الزحف اس کا تعلق پاؤں سے ہے۔ ۱۶۔ عقوق الوالدین۔ اس کا تعلق پورے بدن سے ہے اور بعض نے ۱۷۔ قتل اولاد۔ ۱۸۔ قطع طریق۔ ۱۹۔ خیانت در مال امانت جو ہاتھ سے متعلق ہے ہے ان کا اٹھانہ کر کے ۲۰۔ شمار کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ کل بدن انسانی جرائم کہاں میں شامل ہے

بقول ابوالسجاد صائغ، اللہ عَنِ الشَّرِّ وَالْفَسَادِ : بندہ عاصی در خدمت ناظرین و ناظرین عرض گزار ہے کہ چند باتیں جن کا تعلق معصیات سے ہے پیش کرنا چاہتا ہے۔ امید ہے کہ بنظر تحسین دیکھی جائیگی اور جن کو عراضِ ندادہ کے نام سے تعبیر کر رہا ہوں۔

یہ ہے گناہ کرنے والے کی قلبی کیفیت کا بھی شریعتِ مقدسہ میں اعتبار ہے  
**عرض اول** مثلاً ایک گناہ اپنی ذات کے اعتبار سے کبیرہ ہوتا ہے لیکن کرنے والے کے دل میں ندامت و شرمساری کی کیفیت پائی جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی قلبی کیفیت کی وجہ سے یہ کبیرہ اس کے حق میں کبیرہ نہ رہے۔ اسی طرح ایک گناہ صغیرہ ہے لیکن کرنے والے کے دل میں بے باکی اور لاپرواہی کی کیفیت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی قلبی کیفیت اس کے حق میں اس صغیرہ کو کبیرہ بنا دے۔ بقول شخصے سے

إِنِّ الْبَعْدَ إِذَا صَغُرْتُ فِي تَوْبَةٍ عِنْدَهُ كَبُرْتُ عِنْدَ اللَّهِ  
وَإِذَا كَبُرْتُ عِنْدَهُ صَغُرْتُ عِنْدَ اللَّهِ

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمی تحقیق کے مطابق تفاوتِ آثار کے اعتبار سے  
**عرض دوم** کچھ گناہ صغیرہ ہیں اور کچھ کبیرہ ہیں لیکن عمل کے اعتبار سے دونوں قسموں سے گریز کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ معصیت کو مثل آگ کے سمجھا جائے۔ آگ کی چنگاری بڑی ہو یا چھوٹی، کوئی شخص اس کو اپنے کپڑوں میں رکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ کوئی یہ جراثیم نہیں کرنا کہ چونکہ یہ چنگاری چھوٹی ہے۔ اگر یہ کپڑوں میں صندوق میں پڑی بھی رہے تو کیا حرج ہے اس لیے کہ علم ہے کہ چھوٹی ہونے کے باوجود یہ آگ ہے۔ جلدی یا دیر سے اپنا اثر ضرور کرے گی۔ اسی طرح صغائر پر بھی جراثیم نہ کرنا چاہیے، ان کے بارہ میں بے باک نہ ہونا چاہیئے۔

**عرض سوم** | جیسے گناہوں کے بارے میں بے باک ہو جانا خطرناک ہے ایسے ہی مایوس ہو جانا بھی بہت خطرناک ہے اس سے بھی بچنا چاہیے۔ کسی حد تک بھی گناہ پہنچ جائیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر بار بار توبہ کر کے توبہ چکا ہے تو بھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ مایوسی حق تعالیٰ کی امانت اور بے ادبی ہے۔ گناہوں سے زمین و آسمان بھی بھر جائیں پھر بھی محدود ہی ہیں۔ جب کہ اس کے مقابل حق تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت غیر محدود بار بار توبہ کر کے ٹوٹنے سے شیطان اس کو مایوس کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ یہ توبہ سے دور ہے اور اسی حالت میں مر جائے۔ اس لیے مایوسی بے باکی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ حق تعالیٰ کے دربار پر انوار سے ہر وقت صدمائیں آتی ہیں۔

① قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيِ انْفُسِهِمْ لَا تَقْطَعُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ (پک من الزمر)

② نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ (پک من حجر)

③ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
يُنْزَلُ رَبُّنَا عَرْشًا وَجَلَّ كُلُّ لَيْلَةٍ إِنْ سَمَاءُ الدُّنْيَا حِينَ  
يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ مَنْ يَدْعُنِي فَأَسْتَجِيبَ  
لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأَعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ  
رابوداؤد شریف ص ۱۹۲ باب ای اللیل افضل

قال الحافظ هـ

باز آہا ہر آنچہ هستی باز آ      گر کافر گبر و بت پرستی باز آ  
ایں درگ نا امید ی نیست      گر صبار توبہ شکستی باز آ



## بحث علامات النفاق

نفاق تَفَقُّ باب تَصَدَّر اور باب سَجَّعَ سے مأخوذ ہے۔ اردو میں اس کا معنی ہے در لگی۔ مگر لغت عرب میں نافقا کا معنی ہے ضبت، در فارسی سوکس مار (دور ہندی گواہ) کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں دو سوراخ رکھتی ہے۔ ایک ظاہری ہوتا ہے اور دوسرا چھپا ہوتا ہے۔ دوسرا سوراخ کسی اور جانب سے اس طرح بناتی ہے کہ نظر نہیں آتا اور دیکھنے میں زمین کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ مگر سوراخ کے منہ پر مٹی کا بہت ہلکا سا پردہ ہوتا ہے جو معمولی ٹھوکر سے کھل جاتا ہے وہی چھپا ہوا سوراخ اسی وقت کام آتا ہے۔ جب کوئی شکاری اسے پکڑنے آتا ہے اور ظاہری سوراخ پر ٹھہرتا ہے جب کہ یہ اس دوسرے خفیہ سوراخ سے نکل جاتی ہے اور شکاری کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اس خفیہ سوراخ کا نام نافقا ہے۔ اور کھلا سوراخ جس سے آتی جاتی ہے اس کا نام قاصصا ہے۔

خُلَاصَةُ الْكَلَامِ : جس طرح یہ جانور شکاری کو عین وقت پر دھوکا دے جاتا ہے۔ منافق بھی اہم وقت پر مسلمانوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔ عند البعض نفاق کا لغوی معنی چوہے کا سوراخ میں کبھی داخل ہونا اور کبھی خارج ہونا ہے۔ پھر بھی مناسب ظاہر ہے کہ جو ابھی پریشانی کے وقت کبھی داخل ہوتا ہے اور کبھی خارج۔ منافق کی بھی یہی حالت ہوتی ہے ہر وقت حیران پریشان رہتا ہے (يَتَسَبَّوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْمُنَافِقُونَ)

نفاق کا شرعی و اصطلاحی معنی ہے ظاہر کا باطن کے خلاف ہونا!

### نفاق کا اصطلاحی معنی

یہاں بھی مناسب ظاہر ہے کہ ہمیشہ منافق کا ظاہر باطن کا ساتھ نہیں دیتا۔ کہانی قولہ تعالیٰ "اِذَا جَاؤُكَ الْمُتَنَفِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ كَرِهُوْنَا اللّٰهَ وَاللّٰهُ يَكْرَهُ اِنَّكَ لَمُ سَوْدٍ" اَللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُتَنَفِقِيْنَ لَكَ اَذِیُّوْنَ۔ (پہلے منافقوں)

پھر نفاق دو قسم ہے۔ ۱۔ نفاق اعتقادی حقیقی (۲) نفاق عملی مجازی۔

نفاق اعتقادی حقیقی : یہ ہے کہ ظاہر میں اسلام ہو اور باطن میں کفر ہو، یعنی زبان سے

کسی مصلحت کے لیے کلمہ پڑھتا ہے لیکن اس کے دل میں توحید و رسالت کا عقیدہ ٹھیک نہیں ہے یہ نفاق خالص کفر ہے۔ بلکہ اشد اقسام الکفر ہے۔ اسی لیے اعتقادی منافق کا ٹھکانا جہنم کے طبقہ سفلی میں ہوگا۔

**نفاق عملی مجازی** | نفاق عملی یہ ہے کہ دل کا اعتقاد بالکل ٹھیک ہے اور زبان سے عمل کا اقرار بھی ہے۔ مگر ظاہر میں ترکِ عمل ہے یعنی عملی طور پر اس میں منافقین دانی خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:-

اِذَا حَدَّثْتُ كَذِبًا وَاِذَا وَعَدْتُ اخْلَعْتُ وَاِذَا اُتِيتُ عَذْرًا وُحَاَنَ :

یہ نفاق کفر تو نہیں لیکن فسق ضرور ہے اس پر خلود فی النار کی سزا نہیں ملے گی، دخول فی النار کا خطرہ ہے۔

## بعض مخلص صحابہ کا اپنے آپ کو منافق سمجھنے کی حقیقت

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کا اعتقاد بھی بالکل ٹھیک ہے اعمال بھی بالکل درست ہیں تقویٰ دانی زندگی ہے پھر بھی اس کو کبھی کبھی اپنے آپ پر نفاق کا شبہ ہو جاتا ہے اپنے آپ کو منافق سمجھنے لگ جاتا ہے۔ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی پیش آتی رہی ہے۔ اس حالت کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ دل میں جو ایمانی کیفیات اور بہاریں تھیں ان میں کچھ کمی نظر آنے لگ گئی ہے اور اس

**حالت مذکورہ کا منشاء** | کمی کو وہ نفاق سمجھتا ہے اور یہ شبہ کمال تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ سبب کی شان ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ ہر دل سالک ہزاراں غم برد — گزر بارغ دل خلا سے کم شود پھر جب اس کے دل میں وہی کیفیات عود کر آتی ہیں تو بڑی خوشی سے یہ کہتا ہے کہ باز آمد آپ من در جوئے من — باز آمد یار من در کوئے من

مثال :- حدیث پاک میں ہے مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۱ ج ۱ باب ذکر اللہ عز وجل والتقرب الیہ کتاب الدعوات حضرت حنظلہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ ملے تو پوچھا حنظلہ کیا حال ہے؟

حضرت حنظلہؓ نے فرمایا : نا فاق حنظلہؓ : حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کیا کہہ رہے ہو؟ سوچ کر کہو! حضرت حنظلہؓ نے کہا کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جنت اور دوزخ نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اور جب وہاں سے اٹھ کر میری پکوں کے پاس آجاتے ہیں تو دل کی وہ کیفیات نہیں رہتیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ یہی کیفیت تو میری بھی ہے۔ دونوں حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دربار اقدس میں پہنچے اور اپنی یہ حالت پیش کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ میرے پاس بیٹھنے سے جو تمہاری حالت ہوتی ہے اگر ہمیشہ وہی رہے تو تمہارے بستر و اور راستوں میں ملائکہ تمہارے ساتھ ٹھہر کر گنگ جائیں۔ آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : وَلَکُمْ بِحَنْظَلَةَ سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ یعنی ہمیشہ یہی کیفیت رہنا مناسب نہیں۔ حکمت اسی میں ہے کہ کوئی گھڑی کیسی ہو، کوئی کیسی۔

بقول ابوالاسعاد : مسلمان پر اور خصوصاً ذکر و شغل کرنے والے پر دو قسم کی کیفیات پیدا ہوتی رہتی ہیں کبھی تو اعمال صالحہ میں خوب نشاط ہوتا ہے اور دل لگتا ہے۔ اس حالت کو صوفیاء کی اصطلاح میں بسط (یعنی خوشی و فراخی) کہتے ہیں اور کبھی طبیعت میں گھٹن سی پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر وغیرہ میں وہ نشاط نہیں رہتا۔ اس حالت کو عند الصوفیہ قبض کہتے ہیں (یعنی بندش) یہ گھٹن و انقباض بعض اوقات اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو مردود سمجھنے لگتا ہے۔ قبض و بسط میں سے کوئی حالت بھی مذموم نہیں ہے۔ دونوں حالتیں مقبولین پر آتی رہتی ہیں۔ دونوں میں فوائد و حکمتیں ہوتی ہیں۔ اعمال صالحہ یعنی ذکر وغیرہ کا ثواب دونوں حالتوں میں پورا ملتا ہے بلکہ بعض دفعہ حالت قبض کا ثواب بڑھ بھی جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں مجاہدہ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اور قبض کی حالت میں گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ دونوں حالتوں میں حق تعالیٰ پر راضی رہنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہؓ کو فرمایا : لَکُنْ بِحَنْظَلَةَ سَاعَةٌ وَسَاعَةٌ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ نہ تو ہر وقت بسط رہنا مناسب ہے اور نہ ہی ہر وقت قبض بلکہ حکمت اسی میں ہے کہ کبھی بسط ہو اور کبھی قبض۔ بسط کو فخر نہار کہو، اور قبض کو ظلمت شب۔ نہ ہمیشہ دن اچھا لگتا ہے اور نہ ہی ہمیشہ تاریکی اچھی ہوتی ہے بلکہ دونوں کا یکے بعد دیگرے آتے رہنا ہی



مناسب ہے۔ قرآن مقدس میں وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی میں صُحٰی اور لَیْلِ کی قسم کھانے سے مقصود بھی وحی کو دن کی روشنی اور فرست دہی (زمانہ انقطاع) کورات کی تاریکی سے تشبیہ دے کر یہی نکتہ بھانا ہے ”اللَّهُمَّ افْعَلْ مَا يَبْغِي الْمُسْلِمِينَ۔“

## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ  
قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
أَيُّ الذَّنَبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ  
قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلَّهِ نِدَاءً وَهُوَ  
خَلَقَكَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود  
سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے  
نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔  
آپ نے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک  
بنانا ہے۔ حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

قوله نِدَاءً۔ بِالْكَسْرِ وَالتَّنْذِيرُ مِثْلُ الْخَبَرِ الَّذِي يُعْنَاهُ وَيُنَادِيهِ  
فِي أُمُورٍ۔ اور تَدْعُوْا مُسْتَفْتِينَ ہے معنی جَعَلَ كَمَا أَيْ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ نِدَاءً شَرِيكَ  
تصريح کا مطلب ذات و صفات اور عبادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر دہمتا بنانا ہے۔ مثلاً  
عبادت و بندگی کے جو طریقے اور جوارِ افعال صرف ذات باری تعالیٰ کی عبادت کے لیے مخصوص  
ہیں وہ طریقے اور افعال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے بھی اختیار کرنا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ  
حاجتوں کو پورا کرنے والا ہے۔ اسی طرح کسی اور کو بھی حاجت روا مان کر یوں فریاد رسی کرنا کہ  
اے فلاں میری یہ حاجت پوری کر، میری مدد کر وغیرہ وغیرہ۔

قوله أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةً أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ (ترجمہ تم اپنی اولاد کو  
محض اس خیال سے مار ڈالو کہ کھانے میں تمہارے ساتھ شریک ہو جائیں گی۔  
مطلقاً نہ کہ قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مگر اولاد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس بنا پر ہے

کو اس میں چار گناہ پائے جاتے ہیں (۱) قتل (۲) قطع رحمی (۳) قسارت قلب (۴) فقر وفاقہ کا اندیشہ جو رزاقیت باری تعالیٰ پر عدم ایمان کو ثابت کرتا ہے۔

## قتل اولاد کی اقسام

بقول ابوالاسعاد : قتل اولاد کی چند صورتیں ہیں :-

اول :- برائے خوف اتفاق : کافی قولہ تعالیٰ " وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَمْلَاقٍ " برائے خوف اتفاق : کافی قولہ تعالیٰ " وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً أَمْلَاقٍ " (پٹا بنی اسرائیل)

دوم :- برائے مبرودان باطلہ : جس طرح شرکین جانوروں کو آستانہ پر ذبح کرتے اسی طرح بچوں کو بھی ذبح کرتے تھے۔ کافی قولہ تعالیٰ " وَكَذَلِكَ ذَبَحُوا لِكُشْيُرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ " (س النفال)

سوم :- اولاد کو ایسی تعلیم یا پیشہ سکھایا جائے جس سے وہ دین اور اسلام سے دور ہو جائے یا اس کے دل کے اندر دین و اسلام کی محبت ختم ہو جائے اور اللہ والوں سے دور ہو جائے۔ یہ بھی قتل اولاد میں داخل ہے۔ کافی زمنا - مقام ہذا پر قتال کی قسم اول مراد ہے یعنی خشیۃ اطلاق۔

سوال :- حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال اولاد کے ساتھ خشیۃ اَن یُکْسَرَ مَعْلَکَ کی قید کیوں لگائی۔ کیونکہ قتال اولاد تو ہر وقت منوع اور غیر شرعی فعل ہے۔

جواب :- یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے جو زیادت قباحت کے لیے ہے۔ یعنی قتل کرنا مطلقاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن اپنی اولاد کو محض اتفاق کے ڈر سے قتل کرنا اکبر الذنوب میں سے ہے۔

قولہ اَن تَکْزِبَ حَبْلَکَ بَعَارِکَ (ترجمہ) ہمارے کی بیوی سے زنا کرنا۔

حَبْلَکَ حلال سے مشتق ہے معنی دھیلہ یہاں مراد بیوی ہے۔ کیونکہ بیوی شوہر کے اکثر معاملات میں ذخیل ہوتی ہے یا حَبْلَکَ حلال سے مشتق ہے بایں معنی کہ بیوی کے تمام جسم پر نظر کرنا شوہر کے لیے حلال ہے۔ زنا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لیکن پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا اور بھی

تبیح ہے کیونکہ اس میں دو قباحتیں جمع ہو جاتی ہیں (۱) حق جوار کا ضیاع (۲) اور امانت داری میں خیانت کیونکہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی پر پورا اعتماد کرتا ہے اور اس کو اپنی جان و مال اور عزت کے حق میں امین سمجھتا ہے۔ تو جب اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا تو اس نے حق جوار ادا نہ کیا، اور امانت داری میں خیانت کی بنا پر حلیہ جار کو خاص کر کے بیان کیا۔

قَوْلُهُ فَاَشْرَكَ اَللّٰهُ تَصَدَّقَ بِهَا (ترجمہ) تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت اناری۔

یہ ہے کہ مُصَدِّق تصدیق اس کی کرتا ہے جو مُصَدَّق کے موافق و برابر ہو۔ جب کہ یہاں معاملہ برعکس ہے کیوں کہ یہاں حدیث (یعنی مصدق) خاص ہے کہ زنا اور وہ بھی جار کی بیوی کے ساتھ۔ اسی طرح قتل اور وہ بھی خوف رزق کی وجہ سے۔ جب کہ آیت مبارکہ (یعنی مصدق) عام ہے کہ وَلَا يَزْنُونَ اس میں زنا عام ہے خواہ جار کی بیوی ہو یا غیر جار کی بیوی۔

تَفْصِيْلًا قَدْ مَرَّ - مختصراً عرض ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تخصیص کرنا نہیں حلیہ جار کے ساتھ بلکہ مقصد زیادت قباحت و زیادت تشبیح بیان کرنا ہے کہ یہ بات کتنی تبیح ہے کہ قتل اولاد ہو لیکن وہ بھی رزق کی خاطر اور زنا ہو وہ بھی ہمسائے کی بیوی کے ساتھ۔

## اسمائے رجال

حالات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کی کینت ابو عبد الرحمنؓ ہندل ہے۔ قدیم الاسلام میں، ذو بحرین ہیں۔ نیز زونبلسین بھی ہیں۔ کیونکہ ہجرت سے قبل و نیز سترہ ماہ بعد الحجرت بھی مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا آپ غزوہ بدر اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضور علیہ السلام کے رازدار و مقرب صحابی ہیں۔ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواک، پاپوش مبارک، اور وضو کا پانی آپ ہی اٹھاتے تھے۔ اس لیے آپ

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكِبَا ثَرْؤَ الْإِسْرَافِ  
بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ :

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو سے  
روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
نے گناہوں کے سلسلہ میں فرمایا خدا کے ساتھ  
کسی کو شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا

قَوْلُهُ الْإِسْرَافُ بِاللَّهِ : شُرک کی دو قسمیں ہیں :-  
اول شُرک اکبر : یہ کہ اللہ کی ذات و صفات و عبادت میں کسی کو شریک کرنا ۔ یہ بغیر توبہ  
کے معاف نہیں ہوگا بلکہ تجدید ایمان کی ضرورت ہوگی ۔

دوم شُرک اصغر : جسے شُرک خفی بھی کہہ سکتے ہیں جسے عبادت میں زیادہ کاری کرنا یا  
شُرک فی التسمیۃ یعنی حلف لغیر اللہ یہ بلا توبہ اور نیک اعمال سے معاف ہو جاتا ہے ۔ بحث یہ ہے  
کہ حدیث پاک میں الْإِسْرَافُ بِاللَّهِ سے کونسا شُرک مراد ہے ۔ عند البعض یہاں شُرک سے  
کفر باللہ مراد ہے کیونکہ اس کو اُکْبَرُ الْکِبَاثُ کہا گیا ہے ۔ اور مطلق شُرک کفر سے اکبر نہیں ہے  
نکراہل عرب میں شُرک کے بکثرت موجود ہونے کی بنا پر خاص کر کے اس کو ذکر کیا گیا ، اور بعض  
کے نزدیک شُرک سے مطلق شُرک ہی مراد ہے ۔ وَالْإِسْرَافُ هُوَ الْإِسْرَافُ ۔

قَوْلُهُ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ : عُقُوقُ مَشَقُّ ہے عُقٌّ سے باب نقر سے  
اس کے لغوی معنی ہیں قطع کرنا اور پھارنا ۔ لیکن یہاں عُقُوق سے مراد یہ ہے کہ غیر معیت

مع حسب السراود السراک کے عقب سے مشہور ہے ، عادات و فضا کے میں حضور علیہ السلام کے مشابہ تھے ۔ آنحضرت  
نے آپ کے لیے چار چیزوں کے متعلق دعا فرمائی تھی مَا قُرْآنٌ مَا حَدِيثٌ مَا فِتْرَةٌ مَا سِيَادَةٌ وَأَمَارَةٌ ۔ آپ نے  
لوگوں سے فرمایا کہ قرآن چار علوم ان میں حاصل کرو ۔ آپ مذہب متقی کے اصول انمول ہیں ۔ مدینہ منورہ میں بھر ۶۲ سال  
سلسلہ میں وفات پائی ۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے ۔ حضرت ابن مسعودؓ  
کی کلمہ روایات ۵۴۸ ہیں ۔ آپ سے خلفاء اربعہ نیز دیگر صحابہؓ اور تابعینؓ نے روایت حدیث کی ہے ۔

میں والدین یا ان میں سے کسی ایک کے حکم کی مخالفت کرے یا ان کو کوئی ایسی تکلیف پہنچائے جو عرفاً و عادتاً والدین اپنی اولاد سے گوارا نہ کرتے ہوں لیکن کھر سے نکلنے کے لیے ایذا پہنچانا جائز ہے۔

یَقُولُ الْبَوَالَا سَعَادُ : یہاں دونوں کے قابلِ سماعت ہیں :-

۱۔ اجداد و جدات و عم بھی والدین کے حکم میں ہیں یعنی تغیم و عدم ایذا و رسانی میں یہ افراد بھی داخل ہیں۔

۲۔ والدین کو تکلیف نہ پہنچانا واجب ہے اور اسی طرح ان کی مالی و معاشی خدمت کرنا جب کہ والدین خدمت کے محتاج ہوں۔ نیز اولاد خدمت گزاری پر قادر بھی ہو۔ لیکن والدین کے کہنے پر معصیت کا ارتکاب یعنی فرائض و واجبات کا ترک کرنا جائز نہیں کما فی قولہ تعالیٰ «وَأَمَّا جَاهِدُوا عَلَىٰ أَنْ تَشِيرَ لَكُمْ فِي مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا»

کما فی قولہ علیہ السلام لَا طَاعَةَ لِمَا خَلَقَ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ : البند مستحبات کا چھوڑنا جائز ہے، اور سنن مؤکدہ مثلاً جماعت اور صوم عرفہ وغیرہ کا ایک آدمہ دفعہ چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔

سوال : اس کی کیا وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشراک باللہ کے بعد مثلاً عقوق والدین کو ذکر فرمایا۔ حالانکہ اور بھی بہت سارے گناہ ہیں۔ مثلاً قتل ناحق سب شتم وغیرہ۔

یَقُولُ الْبَوَالَا سَعَادُ صَالِحُ : عَنْ أَشْرِقِ الْقَسَادِ : مَخْفَرُ

**جواب یا صواب**

عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جیسے ایجاد میں دخل ہے اسی طرح والدین کو بھی ایجاد بندہ میں دخل ہے۔ اگرچہ دونوں میں فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ سبب حقیقی ہیں جبکہ والدین سبب ظاہری ہیں تو سببیت میں اشتراکیت کی بنا پر اشراک باللہ کے بعد ہی کبائر میں سے عقوق والدین کو دوسرے مرتبہ پر رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مقدس میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر کیا گیا تو وہاں ساتھ ساتھ اطاعت والدین کو بھی ذکر کیا گیا :-

- ① وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَرَبُّكُمْ
- ② وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا هَٰذَا رِجَالُكُمْ
- ③ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا رَّبِّ الْعَالَمِينَ

## والدین کے حکم کے تحت بیوی کو طلاق دینے کی حیثیت

علماء حضرات نے بحث کی ہے کہ اگر والدین بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو آیا ان کی اطاعت کرنا واجب ہے یا نہیں اس میں دو آراء ہیں :-

اول یہ کہ ایسی صورت میں طلاق دینا ضروری ہے -

دوم یہ کہ اس بات میں ان کی اطاعت ضروری نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ والدین غصہ اور جذبات سے متاثر ہو کر ایسا حکم دیدیں اور بیٹا اعلیٰ کر بیٹھے - لیکن بعد میں اس کے نتائج برداشت کرنے کا تحمل نہ ہو - اس لیے ایسی صورت میں طلاق دینا ضروری نہیں - بلکہ خود اپنے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لینا چاہیے کہ طلاق دینا مناسب ہے یا نہیں - مزید بحث مع دلائل طلاق کے باب میں آئے گی -

قَوْلُهُ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ - یمین کی تین قسمیں ہیں ۱۔ یمین لغو ۲۔ یمین منقذہ ۳۔ یمین غموس -

یمین لغو | یمین لغو یہ ہے کہ ماضی کے کسی امر پر خلاف واقعہ قسم کھائے یہ کچھ کر کہ میں درست کہہ رہا ہوں - اس پر نہ کفارہ ہے اور نہ ہی گناہ ! کما فی قولہ تَعَالٰی

لَا تَتُوبُوا حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنَ الدِّينِ بِالْغَمُوسِ أَيْ مَا فَكَّرُوا | امام شافعیؒ کے نزدیک لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بلا قصد منہ سے نکل جائے خواہ ماضی کے کسی واقعہ پر ہو یا مستقبل کے واقعہ پر ہو -

یمین منقذہ | یمین منقذہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کو کہتے ہیں - اس میں حاشیہ ہونے کی صورت میں بالاتفاق کفارہ ہے -

یمین غموس | یمین غموس یہ ہے کہ کسی گزشتہ جھوٹی بات پر عذر قسم اٹھائے - مثلاً واللہ میں نے یہ کام نہیں کیا اور واقع میں وہ کام کیا تھا

عند البعض یمین غموس کے معنی ہیں کسی دوسرے سے مال لینے کے لیے جھوٹی قسم کھانا، احسان کے نزدیک اس میں فقط گناہ ہے - اور شوافع کے نزدیک کفارہ بھی ہے -

**غموس کی وجہ تسمیہ** — غموس کے لغوی معنی ہیں غوطہ دینے والی۔ تو یہ قسم بھی اپنے فاعل کو اول گناہ میں اور پھر دوزخ میں غوطہ دیتی ہے۔

قولہ وفی روایت النبیؐ — فی روایت النبیؐ خبر مقدم اور شہادۃ الزور مبتداء مؤخر۔ بدل معنی مکان منسوب بوجہ ظرفیت اور یحییٰ الغموس پر دو اعراب پڑھئے جائز ہیں۔  
۱۔ رَفَعَ الْيَحْيَى الْغَمُوسُ اعراب حکائی ہے۔ ۲۔ بَرَّ الْيَحْيَى الْغَمُوسَ مضاف الیہ بنابر۔

سوال: اختلاف روایت کیوں ہے؟

جواب اول: دونوں روایتیں جدا جدا ہیں یعنی حضرت عمرؓ کی روایت اور ہے اور حضرت النبیؐ کی روایت اور ہے۔

جواب دوم: اختلاف روایت بوجہ اختلاف مجلیسین کے ہے کہ جس مجلس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے وہاں الیٰحییٰ الغموس ارشاد فرمایا، اور جس میں حضرت النبیؐ تھے وہاں شہادۃ الزور ارشاد فرمایا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو! پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون سی ہیں فرمایا خدا کے ساتھ شریک کرنا، اور سحر و جادو کرنا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُفَوِّتَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَالسُّحْرُ

فائدہ: پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجمالاً موبہقات کو بیان فرمایا بعد ازاں تفصیل بیان فرمائی۔ تاکہ موقع فی الذہن والنفوس ہو۔ کیونکہ اولاً اجمال بعد تفصیل۔ تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

سوال — امور مذکورہ کو موبقات کیوں فرمایا ؟

جواب — موبقات بایں وجہ ہے کہ ان امور مذکورہ سے آلاء روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ جہانیت کے بھی ہلاک ہونے کا قوی خطرہ ہوتا ہے۔

## سحر کے بارہ میں مختصر بحث

يقول ابوالاسماد — اس حدیث پاک میں سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے سحر کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ لہذا اس بحث کو امور خمسہ پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔

محدثین حضرات نے سحر کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ مگر یہ احقر انقر صرف دو پر اکتفا کر رہا ہے جو میرے نزدیک جامع مانع ہونے کے ساتھ جمیع تعریفات کو محیط ہیں۔

سحر کی تعریف یہ ہے کہ اسباب خفیہ کے ذریعہ ایسے امور کو اپنے قابو میں لے آنا جو عارق للعادات ہوں اور اس کی نسبت خدا کی ذات یا صفات کی طرف نہ کی جائے۔

شرعی اصطلاح میں سحر اس کو کہتے ہیں کہ جس میں شیطان کو خوش کر کے اس سے مدد حاصل کی جائے جس طرح فرشتے تقویٰ طہارت پاکیزگی اعمال صالحہ، ذکر اللہ سے خوش ہوتے ہیں ان کی اعانت انہی ذرائع سے حاصل کی جاسکتی ہے اسی طرح شیطانیین کلمات کفر و شرک کو اکب و نجوم کی پرستش خونِ ناحق نجاست و ناپاکی سے خوش ہوتے ہیں ان کی امداد ان ذرائع سے حاصل کی جاتی ہے۔

سحر کی بہت سی قسمیں ہیں :-

امردوم اقسام سحر | اول — بعض اوقات ارواح شیطانیہ یا کسی بہادر آدمی

کی روح کو سحر کر لیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ایسے امور کو اپنے قابو میں کر لیا جاتا ہے جو دوسروں کے لیے مشکل ہوتے ہیں اور ان ارواح کی ایسی تعلیم کی جاتی ہے جس طرح خدا کی تعلیم کی جاتی ہے۔



تو یہ سحر بالاتفاق کفر ہے۔

دوّم ، اپنی قوت حاکم کو یکسو کر لیا جاتا ہے کہ ہمیشہ ایک طرف دھیان ہو۔ اس کی اہم شرط یہ ہے۔ قَلْتُ مُنَام۔ قَلْتُ نَنَام۔ قَلْتُ کَلَام۔ تو اس میں اگر اسلام کے خدات کفر کی تائید مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔ اور اگر اسلام کی تائید مقصود ہے تو جائز بلکہ ثواب کی امید ہے اور اگر کچھ مقصود نہ ہو صرف جادو سے اپنی حفاظت کرنا مقصود ہے تو مباح ہے۔

سوم ، سحر کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت ہی تبدیل ہو جائے انسان کو جانور یا پتھر بنا دیا جائے۔ امام راغب اور ابوبکر جصاص وغیرہ علماء سحر کی وجہ سے حقیقت کی تبدیلی نہیں مانتے۔ معتزلہ کی رائے بھی یہی ہے ان کے نزدیک یہ سب فریب نظر اور خیال بندی ہے کما فی قولہ تعالیٰ فِی قِصَّةِ سَيِّدِنَا مُوسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یُحٰثِلُ الْیَنۡدِ مِنْ سِحْرِ هٰٓؤُلَآءِ اَنۡہَا نَسۡیَ۔ (پہلے طے)

## امر سوم سحر میں صرف خیال بندی ہے یا تغیر نفس الامر ہے

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جادو کا اثر ہو سکتا ہے اس میں علماء نے بحث کی ہے کہ سحر میں صرف خیال بندی ہوتی ہے یا نفس الامر میں بھی کوئی تغیر ہوتا ہے۔ اس میں دو قول ہیں نہ شافعیہ میں سے ابو جعفر استرآبادی، حنفیہ میں سے ابوبکر رازی، اصحاب ظاہر میں سے ابن حزم اور چند علماء کا قول یہ ہے کہ جادو سے کسی چیز میں انقلاب نہیں آتا یہ محض تحیل اور نظر بندی ہوتی ہے۔

وہ دلیل پیش کرتے ہیں ساحرین فرعون کے سحر سے کہ اس بارہ میں قرآن کریم اعلان کرتا ہے: قَوْلُهُ تَعَالٰی "فَاِذَا حَبَّ اِلَیْہُمۡ وَعَصٰیہُمۡ یُحٰثِلُ اِلَیْہِ مِنْ سِحْرِ هٰٓؤُلَآءِ اَنۡہَا نَسۡیَ" کہ لاشیاں اور رستیاں حقیقتہً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں سانپ کی شکل ڈال دی گئی۔ لہذا یہ خیال امر ہوا حقیقت نہیں ہے۔

اعوذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَيْسَ بِشَيْءٍ اَعْظَمُ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ  
الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ وَبِاسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى  
كُلُّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرٍّ اَوْ ذَرًّا  
ترجمہ: میں اللہ عظیم کی پناہ مانگتا ہوں جس سے کوئی بڑا نہیں۔ اور اللہ کے  
کلماتِ تامہ کے ذریعہ جن سے کوئی نیک و بد انسان آگے نہیں جاسکتا، اور پناہ  
مانگتا ہوں اسماءِ حسنیٰ کے ذریعہ خواہ میں ان کو جانتا ہوں یا نہیں جانتا ہوں۔ اللہ  
کی مخلوق کے شر سے، اور جس کو وجود دیا اور پھیلایا۔

پس حضرت کعبہؑ کے گدھا کہنے کا مطلب حقیقی معنی کے لحاظ سے یہی ہوگا کہ انسان واقعی گدھا بن جائے۔ اگرچہ حمار کہنے میں مجازی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں جو بیوقوفی سے کنایہ ہے۔  
دلیل دوم — بعض صحیح روایات میں اِنَّ النَّحْلَ لِحَقِیْق کے الفاظ آئے ہیں۔

مُعْتَزِلہ کے مُسْتَدَل کا جَوَاب |  
مُعْتَزِلہ حضرات وغیرہ نے جو آیت پیش کی وہ جہاد  
کی ایک قسم کا بیان ہے، مُطْلَق سحر کا بیان نہیں ہے  
جب کہ کلام مطلقاً سحر کے متعلق ہو رہی ہے۔

امر چہارم۔ سحر کا حکم | اس کو کفر بھی قرار دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اگر حلال سمجھ کر نہیں کرتا تو حرام ہے، اور اگر حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کفر ہے۔

بقول ابوالاسعاد — ظاہر اس طرح ہے کہ امت کے خارق للعادة ہونے میں  
اشتراک ہے۔ ان میں ماہر الامتیاز کیا ہے تو چند اعتبار سے معجزہ، اکرامت اور کھر میں فرق  
کیا گیا ہے۔

## امرتہ پنجم — سحر اور معجزہ کے مابین فرق

ان میں مختلف فرق بیان کیے گئے ہیں —

### فرق اول

سحر ایک ایسا فن ہے جس کی روزمرہ تعلیم و تعلم ہوتا ہے۔ اس پر بہت سی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جو بھی اس کی تعلیم حاصل کرے گا اظہارِ سحر میں کامیاب ہوگا۔ لیکن معجزہ ایک فعلِ خداوندی ہے جو نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتا ہے وہ کسی ضابطہ اور قاعدہ کے تحت داخل نہیں وہ جب چاہے اسی کے ذریعہ معجزہ کو وجود میں لائے۔

### فرق دوم

ما صاحبِ معجزہ قبل از ظہورِ معجزہ اس کی کیفیت و تفصیل سے نا آشنا رہتا ہے، لیکن ساحر سحر کی کیفیات و تفصیلات کو حاوی ہوتا ہے۔

### فرق سوم

ساحر کے سحر کا مقابلہ دوسرا ساحر پیش کر سکتا ہے۔ لیکن معجزہ کا مقابلہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔

## کرامت اور معجزہ کا فرق

### فرق اول

کسی غیر نبی کے ہاتھ پر اتباعِ نبی کی برکت سے جو خارقِ عادات اور افعال عجیبہ نمودار ہوتے ہیں اس کا نام کرامت ہے۔ جب کہ معجزہ میں کسی کی اتباع کی ضرورت نہیں ہوتی سوائے وحی کے۔

### فرق دوم

معجزہ میں متحدی یا یعنی جیسے ہی دعوت ہوتی ہے جب کہ کرامت میں یہ نہیں ہوتا۔

الحاصل — پھر ان تینوں میں ایک عام فرق یہ ہے کہ جس شخص سے افعالِ عجیبہ اور خارقِ عادات امر ظاہر ہوں اور وہ اگر مشیع شریعت نہ ہو تو یہ سحر اور استدراج ہے۔ اور اگر وہ شخص مشیع شریعت ہے اور ساتھ ساتھ نبوت کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو وہ امرِ معجزہ ہے۔ اگر نبوت

کا دعویٰ نہ ہو تو کرامت ہے۔

## مختصر اور اختتامی ضابطہ

خلاصہ یہ ہے کہ تعویذ گنڈے، وظیفہ عزیمت، جادو ہیں پہلے الفاظ کو دیکھا جائے اگر کفریہ الفاظ ہیں غیبت، ارواح، شیطانیں، جنات، دیوی یا دیوتاؤں، ستاروں اور فرشتوں سے مدد حاصل کی جا رہی ہے تو حرام اور کفر ہے۔ چاہے غرض صحیح ہو یا غلط۔ لیکن اگر کلمات صحیح ہوں تو پھر دوسرے نمبر پر غرض اور مقصد کو دیکھا جائے گا۔ وہ بھی اگر صحیح ہے تو یہ سب چیزیں جائز ہوں گی، ورنہ نقصان پہنچانے کی نیت سے کی جائیگی تو ناجائز ہوں گی۔ تیسرے نمبر پر اگر الفاظ نامعلوم المعنی ہوں تو چونکہ اس میں کفری معنی کا احتمال ہے۔ اس لیے ایسے وظیفہ وغیرہ سے بچنا بھی ضروری ہے۔

فَإِنَّ يَكُ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ وَإِنْ يَكُ خَطَاً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ  
وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ بَرِيَانٌ : ————— : رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ  
الْعَلِيمُ ۝ وَاعْفُرْ لَنَا مَا وَقَعَ مِنَ الْخَطَايَا وَالزُّكُلِ وَمَا لَكَ سُرْحَانِ  
بِهِ مِنَ الْعَمَلِ ————— آمِينَ

وقد فرغْتُ مِنْ هَذَا الْبَحْثِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بِوَقْتِ الضُّحَى

۱۹ جمادی اولیٰ — ۱۳۲۲ھ

۱۰ اگست — ۱۳۲۲ھ

قولہ وَأَكُلُ التَّرَبُّوا — ای استعمالہ یعنی ذکر اکل مراد استعمال ہے۔ خواہ لینا ہو تب بھی ناجائز ہے، دینا ہو تو تب بھی ناجائز۔ کیونکہ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں جن کا اکلن اکل کے ساتھ نہیں مشق لباس وغیرہ۔

قولہ وَأَكُلُ مَا لِيَ الْيَتِيمِ — بلوغ سے قبل جس کا والد فوت ہو جائے۔ بلوغ

کی قید اس لیے لگائی کہ لَا يَبْقَىٰ بَيْنَهُمُ الْبِلَادُ اِغْرًا مَرَجَاۤتِهِ تَوْحِيدٌ هُوَ۔

قَوْلُهُمُ وَالشُّوْطَىٰ يَوْمَ الزَّخْفِ — الشُّوْطَىٰ اِیٰی اِلَادِیَارَ لِلْفِرَارِ اِیٰنِی بھاگنا  
الزَّخْفِ اس کے دو معنی ہیں :-

۱۔ الزَّخْفُ : اِیٰی النِّصْفِ الْاَوَّلِ کیونکہ نصف اول مرکزی مقام ہوتا ہے۔ اس سے بھاگنے  
میں کئی قباحتیں ہیں۔ ایک تو تفریق جماعت کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ بھی فرار ہونے میں کوشش کریں گے  
دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی کمزوری ظاہر ہوگی وغیرہ۔ اس لیے اس بارے میں سخت  
وعید فرمائی۔

۲۔ الزَّخْفُ : بمعنی بڑا لشکر جو دشمن کی طرف چلے اور یہ نَاحِفُ الْعَصَبِ سے مأخوذ ہے  
یعنی بچے کا سر میں سے نکل گھسٹنا چونکہ بڑا لشکر بھی بہت آہستہ آہستہ گھسٹتا ہوا چلتا ہے۔  
مبانی اس پر مصدر کا اطلاق کیا گیا۔ یہاں مراد جنگ ہے۔

حَاصِلُ جُمْلَةٍ : حدیث پاک میں دشمن کے مقابلے میں راو فرار اختیار کرنے  
کو ہلاکت کا موجب بتلایا گیا ہے۔ اس لیے کہ جس شخص نے اتنی بزدلی دکھائی کہ عین اس موقع  
پر جب کہ اس کو ایمانی شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا۔ دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا  
ہوا اور یہ مذموم حرکت اصالتہ اہل اسلام کی رسوائی کا سبب بنی۔

جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر ایک مسلمان کے  
مقابلہ میں دو یا دو سے کم کافر ہوں تو ان کے مقابلہ میں راو فرار اختیار کرنا  
گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر مقابلہ میں دو سے زیادہ تعداد ہو تو پھر بھاگنا حرام نہیں بلکہ جائز ہے  
مگر اس میں بھی اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ وہ اس صورت میں پیٹھ نہ دکھلائے۔ بلکہ مقابلہ کرے  
یا غازی ہو یا شہید۔ کما فی زَمَنَاتِ فَلَسْطِیْنِ وَ عَزْمَاۤتِیْل۔

قَوْلُهُ وَقَدْ فُتِحَتِ الْمَحْصَنَاتُ — (ترجمہ) اور تہمت لگانا پاک دامن ایماندار  
عورتوں پر جو زنا سے غافل ہیں، شریعت کے اندر محسن مرد کا بھی یہی حکم ہے۔ عورت کی  
تخصیص عادت اور آیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں الْمُؤْمِنَاتُ کی قید احترازی ہے  
یعنی اگر غیر مؤمنات پر تہمت لگائی جائے تو گناہ کبیرہ نہیں ہے غَاۤفِلَاتُ کی قید اتفاقی ہے۔

اس کا معنی ہے بے خبر از رندا و تابعات آں - یعنی عشقیہ باتیں -

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزِيحُ الزَّالِفُ  
حِينَ يَزِيحُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے  
ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہیں  
ہوتا کہ زانی زنا کرنے کی حالت میں مؤمن  
ہو۔

سوال

بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا چوری وغیرہ کبائر مخرج عن الایمان  
ہیں جس سے معتزلہ و خوارج کی تائید ہو رہی ہے جو مرتکب کبائر کو خارج عن  
الایمان قرار دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ ظاہر اہل السنۃ والجماعۃ کی مخالفت بھی ہو رہی ہے کیونکہ  
ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ مخرج عن الایمان نہیں ہے تو اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں

جواب اول

سب سے بہتر جواب جس کو صاحب مشکوٰۃؒ نے امام بخاریؒ سے  
نقل کیا ہے کہ ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ زنا وغیرہ کے وقت

کمال ایمان اور نور ایمان باقی نہیں رہتا۔ نفس ایمان کی نفی نہیں، کمال ایمان کی نفی ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَنْزِعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ وَقَدْ رَوَى مَرْفُوعًا  
أَخْرَجَهُ أَبُو جَعْفَرٍ الطَّبْرِيُّ مِنْ طَرِيقِ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ  
سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ زَانَى نَزَعَ اللَّهُ  
نُورَ الْإِيمَانِ مِنْ قَلْبِهِ قُلَانِ شَاءَ أَنْ يَرُدَّهُ إِلَيْهِ رَدُّهُ هَكَذَا رَفِ  
ابن ماجہ شریف ص ۲۹۶ باب الدلیل علی الزیادۃ والنقصان وفتح الباری

ص ۱۶ کتاب الحدود :

نیز مؤلف مشکوٰۃ فرماتے ہیں :-

وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَا يَكُونُ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا يَكُونُ لَهُ نُورُ  
الْإِيمَانِ رِ مشکوٰۃ شریف ص ۱۶

اس حدیث پاک میں نفی کے صیغے نہیں کے معنی میں ہیں نفی اور نہیں ایک دوسرے کی جگہ بلغاء کے ہاں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ حدیث کا معنی

**جواب دوم**

یہ ہے کہ مؤمن کو حالت ایمان میں زنا وغیرہ نہ کرنا چاہیے۔ یعنی اس کی حالت ایمان ایسی حرکات سے آبی اور مانع ہے۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں نفی کی جگہ نہیں کے صیغے وارد ہوئے ہیں۔ (رکعتی فتح الباری ص ۱۲)

یہاں ایمان بول کر اس کا بڑا شعبہ مراد لیا ہے یعنی حیار۔ تو مؤمن کا معنی ہوگا مستحی یعنی حیار والا۔ مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ نہیں زنا کرتا

**جواب سوم**

زنا نہ کرنے والا اس حال میں کہ وہ حیار والا ہو۔ یعنی حیار کے ہوتے ہوئے یہ حرکات نہیں ہو سکتیں۔ یقولہ البوالا سعاد : اس حدیث سے عین ارتکاب

**جواب چہارم الزامی**

کبیرہ کے وقت خروج ایمان ثابت ہو رہا ہے حالانکہ معتزلہ خروج دائمی کے قائل ہیں۔ فلا حُجَّةَ لَهُمْ !

قولہ وَلَا يَنْتَهَبُ فَلْيَبْهَ : اى اخذ مالاً قهراً يدينى ظلمًا ، کسی کا مال لوٹنا جس کو ڈاکہ زنی بھی کہتے ہیں۔

قولہ يَرْفَعُ النَّاسُ أَبْصَارَهُمْ - رفع بصريا تو تبہا ہے ان کی جرات پر یا ان کے خوف کی وجہ سے ہے۔ عطاء ربیع معنی کرتے ہیں :-

وَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ وَيَضْرَعُونَ وَيَكُونُونَ وَلَا يَقْدِرُونَ عَلَى دَفْعِهِ وَهَذَا ظَلَمٌ عَظِيمٌ لَا يَلْبِقُ بِحَالٍ مَنْ هُوَ مُؤْمِنٌ :

ڈاکہ زنی میں تین چیزیں جرم ہیں (۱) مال غیر پر ناجائز قبضہ (۲) ظاہر ظہور دوسرے کا مال چھین لینا (۳) دل کی سختی کہ لوگوں کی حسرت اور آہ و پکار پر ترس نہ کھائے۔ لہذا یہ گناہوں کا مجموعہ ہوا جو مؤمن کی شان کے خلاف ہونے کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔

قولہ وَلَا يَخْلُ - غُلَّ غُلُول سے ہے غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں۔ کبھی مطلقاً خیانت پر بول دیا جاتا ہے۔ یہاں دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

قولہ قَالَ عَكَرَ مَهْ - عَكَرَ مَهْ ابن ابی جہل نہیں ہیں۔ بلکہ عبداللہ ابن عباسؓ

کے آزاد کردہ غلام آپ کے خادم اور کاتب ہیں۔

قَوْلُهُ وَهَكَذَا اشْتَبَكَ بَيْنَ اَصْحَابِهِ وَتَرْجُمَ اور اپنی انگلیوں کو داخل کر دیا اور پھر انگلیوں کو نکالا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی انگلیوں کی مثال کے ذریعہ واضح کیا۔ انہوں نے پہلے اپنے ایک ہاتھ کے پنجہ کو دوسرے ہاتھ کے پنجہ میں داخل کیا اور دکھایا کہ یہ گویا ارتکاب معصیت سے قبل کی حالت ہے کہ نور ایمان مؤمن کے قلب میں جاگزیں ہے۔ پھر انہوں نے دونوں پنجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بتایا کہ جس طرح ایک پنجہ دوسرے پنجہ سے الگ ہو گیا ہے۔ اسی طرح ارتکاب معصیت کے وقت نور ایمان مؤمن کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ پھر انہوں نے دوبارہ پنجوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا اور کہا کہ جس طرح یہ پنجے پھر ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں اسی طرح اگر مؤمن ارتکاب معصیت کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو اس کا نور ایمان پہلے کی طرح اپنی جگہ رہیں آ جاتا ہے۔

قَوْلُهُ وَقَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ لَكُمْ هَذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَتَرْجُمَ حضرت ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کامل مؤمن نہیں رہتے۔ — یہاں سے صاحب مشکوٰۃ ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں جس کی مکمل وضاحت جواب اول کے اندر بیان کر دی گئی ہے۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهُ الْاَعْمَالُ فَوْقَ ثَلَاثٍ :

قَوْلُهُ اَيَّة - یہاں آیت سے جس آیت مراد ہے اسی لیے ثَلَاثٌ کا اس پر محل

درست ہے۔

قَوْلُهُ وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ - اَيُّ وَانْ عَمِلَ اَعْمَالُ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ وَغَيْرِهِمَا مِنْ اَقْبَادَاتِ -



قَوْلُهُ إِذَا أَوْعَدَ أَخْلَفَ - وَوَعْدُ كَالْفَتْخِ وَشَرُّ دَوْرَيْنِ فِي مَسْتَعْلٍ هُوَ جَبٌّ كَيْفَ اِيعَادُ  
كَالْفَتْخِ مَعْضُ شَرْكِ يَكُونُ مَسْتَعْلٍ هُوَ - يَهَاں بِرِ لَفْظِ وَعْدٍ وَفَتْخٍ بِرِ لَفْظِ دَوْرَيْنِ كَوَامِلٌ هُوَ كَمَا - مَكْرُورَاتُ هُوَ  
مَعْلُومٌ هُوَ تَابُ كَيْفَ خَيْرٌ كَوَاعِدُهُ مَرَادُ هُوَ كَمَا اَسْ هُوَ خِلَافٌ نَدْرُكُهُ بِخِلَافِ وَعْدِهِ شَرْكِ كَمَا اَسْ كَيْفَ  
خِلَافٌ كَرَامًا مَحْمُودٌ هُوَ بَلَكُ لَبِضٌ جَبٌّ خِلَافٌ كَرَامًا وَاجِبٌ تَابُ هُوَ - عِنْدَ الْعُلَمَاءِ اِنْ لَوْ قَرَأْتَ رَعْدَهُ اِيْقَامُ كَيْفَ نِيَّتِ  
هُوَ بِمَرْكُوبٍ مَانِعٌ دَرِيشٌ هُوَ كَيْفَ تَابُ هُوَ كَرَامًا مَحْمُودٌ هُوَ اَسْ هُوَ قَبَاحَتٌ هُوَ - كَمَا فِي رِوَايَةِ  
اَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمٍ مَرْفُوعًا اَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ  
قَالَ إِذَا أَوْعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ أَنْ يُفِي لَهُ فَلَمْ يَفِ لَهُ وَلَمْ يَجْنِ لِلْمِيعَادِ  
فَلَا شَوْءَ عَلَيْهِ :

فناشدہ - مُعْتَدِثِينَ مُضَرَّاتِ نَعْلَا هُوَ كَمَا اَسْ هُوَ قَبَاحَتٌ هُوَ - كَمَا فِي رِوَايَةِ  
سے ہے - کیونکہ انسان کی عملی زندگی تین چیزوں میں بند ہے - ۱۱ قول (۲) فعل (۳) نیت - یہ  
تینوں درست ہو جائیں تو باقی کچھ نہیں رہتا - اسی طرح عمل کے تین درجہ ہیں - ایک دل کا فعل،  
دوسرا زبان کا، تیسرا جوارح کا - اِذَا اَحَدُ ثَلَاثِ كَذَبَ قَوْلُ كَيْفَ فَسَادُ دَالِ هُوَ - وَاِذَا اَوْتَمَنَ  
خَانَ فَعَلُ كَيْفَ فَسَادُ پَرِی ہُوَ - وَاِذَا أَوْعَدَ أَخْلَفَ مِی نِیَّتِ كَمَا فَسَادُ

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر  
سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس میں چار عیوب  
ہوں وہ بڑا منافق ہے -

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَتْ  
مُنَافِقًا خَالِصًا -

قَوْلُهُ أَرْبَعٌ - اِسْ كِی صِفَتِ خِصَالٍ مَحْذُوفٌ هُوَ - اَصْلُ مَبَارَاتِ تَحِ اِبْرَی خِصَالِ  
قَوْلُهُ اِذَا عَاهَدَ عَذَرَ - پِی حَدِیثِ هُوَ اِذَا وَكَدَ تَحَا - اِسْ هُوَ اِذَا عَاهَدَ  
ہے - دونوں میں فرق یہ ہے کہ معاہدہ طرفین سے ہوتا ہے اور وعدہ ایک طرف سے - مگر اس کے  
عموم میں معاہدہ بھی داخل ہے - نیز معاہدہ کا انقضائے حرام ہے - بشرطیکہ یہ معاہدہ خلاف شرع نہ ہو -

اور وعدہ کا نقض مکروہ ہے۔

قولہ فَجَبَر - اسی مَشْحُوْر یعنی گالیاں دینا یہ اتنا بیخ فعل ہے کہ مسلمانوں کو رد کا جارہا ہے کہ کافروں کو گالیاں نہ دو۔ وَلَوْ قَسَبُوا الَّذِينَ يَبْذُ عُنُوْنٌ مِّنْ دُونِ اَعْلَمُوْا۔ (پک انعام) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں منافق کی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

### سوال اول

(۱) کذب (۲) وعدہ خلافی (۳) خیانت۔ جب کہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں چار علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان چار میں دو علامتیں تو پہلی ہی روایت کی ہیں یعنی کذب اور خیانت۔ اور دو علامتیں زائد ہیں یعنی عہد شکنی اور فخر، وعدہ خلافی صرف پہلی روایت میں ہے فَتَنًا مِّنْهُمَا۔

کسی چیز کی بہت سی علامات ہو سکتی ہیں کبھی سب کو بیان کیا جاتا ہے اور کبھی بعض کو اس لیے ایک کے ذکر کرنے سے دوسروں کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ عدد کا مفہوم مخالف بالاتفاق معتبر نہیں ہے۔

### جواب دوم

یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے عین کی وحی آئی تو تین کو بیان فرمایا۔ بعد میں ایک اور کی وحی آئی تو چار کو بیان فرمایا۔

### جواب سوم

حدیث ابو ہریرہؓ میں انحصار مقصود نہیں کیونکہ مسلم شریف میں آیۃ المنافق کے بجائے من آیۃ المنافق من تہیضہ کے ساتھ وارد ہونا اس پر قرینہ ہے۔

### سوال دوم

یہاں جو چیزیں علامت لفاق بتائی گئی ہیں۔ یہ سب ایسے مؤمنین کے اندر بھی پائی جاتی ہیں جن کے ایمان میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

تو اب مطلب یہ ہو گا کہ سب مؤمنین منافق ہیں اِلَّا مَنْ شَاءَ اللہ۔ تو اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں۔

### جواب اول

علامہ قرطبیؒ اور علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں منافق علی کا بیان ہے جو مسلمانوں میں بھی ہو سکتا ہے نہ کہ منافق اعتقادی کا جو کافر اور علفی القادری

### جواب دوم

علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ علامت و علت میں فرق ہے۔ علت پائے جانے سے معلول کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن

علامت کے موجود ہونے سے ذوالعلامت ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہذا ایک چیز کی علامت دوسری چیز میں پائی جاتی ہے۔ مگر دوسری چیز پہلی چیز نہیں ہو جاتی۔ بنا بریں یہ چیزیں منافق کی علامت تو ہیں لیکن کسی مسلمان کے اندر (یعنی ذوالعلامت) پائے جانے سے اس کا منافق ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اصل ایمان وفاق کا تعلق قلب کے ساتھ ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کذب، خیانت اور دیر خلافتی پر مدامت **جواب سوم** کرنے والا منافق حقیقی ہے کیونکہ لفظ اذہم اور نکوہہ پر دال ہے اور مسلمان ناسق کے اندر یہ خصائص علی الذہام نہیں پائی جاتیں۔ مثلاً اگر ایک دفعہ خیانت کرے بھی تو دوسری دفعہ امانت داری کا ثبوت بھی دیتا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق اس بکری کی طرح ہے جو دو بکریوں کے درمیان کھولے (چکر لگائے)

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْغَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ

قولہ عَاثِرَةً ۔ عَاثِرٌ یُعِیْرُ عِیْرًا سے مأخوذ ہے بمعنی آی العَاثِرِ لِلْبَعِیْثِ لِلْفَحْلِ الْمُتَرَفِّدَةِ ذَهَبَ وَبَعْدَ یعنی دوڑنا دچکر لگانا۔ منافق کی مثال اس بکری سے دی گئی ہے جو اپنے بڑ کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے یعنی منافقین کے عدم ثبات علی الایمان کو شاة عَاثِرَہ جو عدم ثبات علی الواحد ہے۔ اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح عَاثِرَہ کا کام صرف خواہش لٹی ہوتا ہے۔ اسی طرح منافقین کا کام مقصد برآری اور مال و جان کی حفاظت ہوتی ہے۔ لہذا اس اغراض کی تکمیل کے لیے کبھی مسلمانوں کی طرف آتے ہیں اور کبھی گھار کے پاس جاتے ہیں۔ کما قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی - ① وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ رَبِّقُوا آيَةَ ② مِّنْ بَيْنِ يَدَيْنِ يَسِينِ ذَٰلِكَ لَآيَةُ الْهُتُولَاءِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا هُمُ اللَّٰهُ (النساء آیت ۱۳۲)

قوله تَعْبِير - بفتح اوله ای تَعْبِير

قوله الى هَذِهِ - ای القطة -

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ  
قَالَ قَالَ الْيَهُودِيُّ لِصَاحِبِهِ  
إِذْ هَبَّ بِشَا إِلَى هَذِهِ الشَّيْءِ فَقَالَ  
لَهُ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ شَيْئًا -

ترجمہ : صفوان بن عسال سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو ساتھی نے کہا کہ نبی نہ کہو کہ اگر ان کو خبر ہو گئی کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔

قوله إِذْ هَبَّ بِشَا - بالتحذیر کی ہے مقصد ان کے آنے کا یہ تھا لِيَسْأَلَهُ الْمَسْئَلَةَ امْتِحَانًا جیسا کہ بے جا اعتراض کرنے کی ان کی فطرت وجہلت خبیثہ تھی۔  
عِنْدَ الْبَعْضِ الْبَاءُ فِي الْبِتَاءِ بِمَعْنَى الْمُصَاحَبَةِ أَيْ كُنْ رَقِيقًا لَنَا رَبَّنَا هَذِهِ أَمْرٌ مُبْتَدَأٌ -

قوله إِلَى هَذِهِ الشَّيْءِ - محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ جملہ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی دل سے حضرت کی حقانیت کی گواہی دیتے تھے۔ مگر محض حسد اور منہ سے انکاری تھے  
يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ -  
قوله لَكَ أَنْ تَقُولَ أَعْيُنٌ - یہ لَا تَقُلْ شَيْئًا کی علت ہے اور اس کے دو مطلب ہیں :-

اول - اس جملہ سے غرض ہونے کی طرف کنایہ ہے۔ کیونکہ انسان جب خوش ہوتا ہے

تو آنکھیں بڑی ہو جاتی ہیں۔ تو گویا دو آنکھیں چار ہو جاتی ہیں، یا خوشی سے آنکھیں چمک اٹھتی ہیں جیسا کہ غم سے عالم تاریک نظر آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جب وہ سُنے گا کہ تم نے نبی کو دیا تو وہ خوش ہو جائے گا کہ مخالفین سب مجھے نبی کہہ دیا۔

دوئم۔ یا کتنا یہ ہے انتظار کرنے سے کہو کہ انسان جب کسی چیز کی انتظار کرتا ہے تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب سُنے گا کہ تم نے اسے نبی کہہ دیا ہے تو انتظار کرے گا تمہاری کہ عنقریب یہ آپ کی اتباع بھی کریں گے۔

قوله فَأَمَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَهُ عَنِ الْيَاسَنَاتِ بَيِّنَاتٍ - (ترجمہ) پھر وہ دونوں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کئی نشانیوں کے بارے میں پوچھا۔

قوله الْيَاسَنَاتِ - آیت کی جمع ہے یعنی احکام الہیہ و معجزے۔ یہاں دونوں منوں کا احتمال ہے۔ جس طرح قرآن مقدس کی آیت "وَلَقَدْ أَتَيْنَا مُوسَى بِسَبْعِ الْيَاسَنَاتِ" یعنی اسرائیل آیت ۱۷۸ میں مفسرین کی ایک جماعت نے دونوں معنی لے کر تفسیر کی ہے۔ "ایات بَیِّنَاتِ" کی تفسیر میں دو قول ہیں :-

یہ کہ ان یہودیوں کا سوال ان نو احکام کے متعلق تھا جو ہر ملت میں مشروع ہیں، اور آپ نے ان نو کے ساتھ علی سبیل الحکمۃ دسواں حکم بھی ارشاد فرمایا جو یہودیوں کے ساتھ خاص تھا تو اس پر ان کے دل میں غیر اختیاری طور پر تصدیق پیدا ہو گئی، اور وہ حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومنے لگ گئے۔ آپ نے اس پر تکرید فرمائی کیونکہ اس میں غلبہ اسلام ہے کہ یہودیوں کا سوال موسیٰ علیہ السلام کے ان نو معجزات کے بارے میں تھا۔

قول دوم جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ اعراف میں پوری تفصیل کے ساتھ اور سورۃ نمل سورۃ بنی اسرائیل میں اجمالاً آیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں ۱۔ عَصَا مُوسَى ۲۔ بِرْ بِمُؤَلِّمًا ۳۔ قُطُوفُ سَالِي ۴۔ نَقِصُ ثَمَرَاتِ ۵۔ طُوفَانُ بَارِشٍ ۶۔ جَرَادٌ (مُذِي) ۷۔ قَتْلُ ۸۔ مَنَافِعُ (مِیْنَدُک) ۹۔ دَم۔ سوال۔ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ان کے سوال کے مطابق نہیں اس کے رد جواب میں :-

جواب اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب علی اسلوب الحکیم ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ تمہیں معجزات سے زیادہ احکام کی ضرورت ہے۔ اس لیے جواب میں احکام کا ذکر ہے۔

جواب دوم۔ اب آپ نے معجزات و احکام دونوں بتائے تھے۔ مگر چونکہ معجزات مشہور اور قرآن مقدس میں مذکور تھے۔ اس لیے راوی نے اختصاراً ان کو ذکر نہیں کیا۔ چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آپ نے یہ احکام بیان فرمانے کے بعد بطور استشہاد کے یہ آیت تلاوت فرمائی وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَىٰ كِتَابَ تِلْكَ ءَايَاتِ بَيِّنَاتٍ (پہا ۱۷۷) يَقُولُ ابْوَالاَسْعَادُ : حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ءَايَاتِ بَيِّنَاتٍ سے نہ معجزات مراد ہیں اور نہ احکام عام بلکہ تواریث میں دس دمایا گئی ہوئی تھیں ان کے متعلق انہوں نے سوال کیا تھا کہ ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی طرح حضرت کو تنگ کیا جائے رغیب کی چیز کا سوال کرے۔

سوال۔ ترمذی شریف کی روایت سے احکام یا معجزہ کی تائید ہوتی ہے اور وہ تو ہیں پھر دمایا کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ دمایا تو دس ہیں۔  
جواب۔ اس روایت کے راوی عبداللہ بن سلمہ ہیں۔ انہوں نے تِلْكَ کی زیادتی کی ہے ان کا حافظ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔ لیکن جمہور حضرات نے پہلے رد قولوں کو ترجیح دی ہے۔

قَوْلُهُ وَلَا تَعْشُوا بِبِرِّي۔ ای بمسرتی من الاشعر کہ ابا آدمی بوجگاہ سے بری ہے۔ صرف ذاتی دشمنی کی بناء پر اس کو بادشاہ کے پاس لے جانا کہ اسے قتل کرے۔  
قَوْلُهُ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً اَيُّهُمُودُ اَنْ لَّا تَعْشُدُوْا فِي السَّبِيْتِ۔ اُن سے لَّا تَعْشُدُوْا۔ اس کے اعراب میں دو احتمال ہیں۔ ۱۔ یہ بتاؤ اہل مصدر مبتدا مؤخر ہے اور عَلَيْكُمْ ظرف مستقر محل خبر مقدم میں ہے۔ ۲۔ عَلَيْكُمْ اسم فعل ہے بمعنی الزَّمُوا اَنْتَ لَّا تَعْشُدُوْا اللہ بتاؤ اہل مصدر مفعول بہ ہے۔ دونوں صورتوں میں خَاصَّةً اَيُّهُمُودُ جملہ مقرر ہے۔  
قَوْلُهُ خَاصَّةً اَيُّهُمُودُ۔ اس کی ترکیب میں بھی دو احتمال ہیں:-

۱۔ یہاں اَخْصَصَ فعل محذوف ہے خاصۃً اس کا مفعول مطلق ہے اور الیہود مفعول بہ، یعنی یہ امر میں یہود کے ساتھ خاص کرتا ہوں۔

۲۔ اَلِیْہُودُ منصوب علی الاختصاص ہے یعنی یہ اَخْصَصَ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے اور خاصۃ الیہود سے حال ہے۔

## فِی السَّبَبِ کِی تَشْرِیْح

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح تمام قوموں کے بے ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لیے مخصوص تھا اسی طرح یہود کے بے ہفتہ کا دن عبادت کے لیے متعین کر دیا گیا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس دن خدا کی عبادت میں مشغول رہیں۔ چونکہ یہ قوم شکار کا خاص فن رکھتی تھی۔ اس لیے ان کو اس دن کے شکار سے بھی منع کر دیا گیا لیکن اس قوم نے اس حکم کو کوئی اہمیت نہ دی اور سخت ممانعت کے باوجود اس دن پھلی کا شکار کرنے لگے۔ سخت ممانعت کے بعد آخر ان کو عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ چنانچہ حضرت نے ان کو بطور تاکید وہ واقعہ یاد دلایا۔

قَوْلُهُ وَقَالَ كُتِبَ عَلَيْكُمُ اسْمُ الْحَيَّةِ - ترجمہ اور بولے کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ سچے نبی ہیں۔

سوال - جملہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ وہ دونوں یہودی مسلمان ہو گئے کیونکہ وہ نبوت کی شہادت دے رہے ہیں۔

یہ کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے کیونکہ ان کا اِنَّكَ سَجِيٌّ کہنے کا مطلب نبی عرب مراد ہے اسرائیل کا نہیں۔ گویا ان کا مقصد نبی العرب ہے۔

**جواب اول** |

عمومی بعثت کے سن کر تھے جب کہ عموم بعثت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے اس کا منکر کافر ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَاْفًا مِّنْ بَشِيرٍ اَوْ نَذِيرٍ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ رِیْضِ سَیِّدِ

جواب دوم - شہادت سے مراد تصدیق نہیں بلکہ معرفت ہے ان کو معرفت حاصل تھی نہ کہ تصدیق۔ جب کہ ایمان معرفت کا نام نہیں بلکہ تصدیق کا نام ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ ”يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ“ صرف معرفت سے آدمی مؤمن نہیں بنتا۔

سوال - قرینہ کیا ہے کہ وہ مؤمن نہیں۔

جواب - حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا : «فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّقُوا اللَّهَ»  
تو جواب میں کہتے ہیں کہ «وَأَنَا نَحَافُ إِنَّ تَبِعْنَاكَ أَنْ يُقَتِّلَنَا الْيَهُودُ : قتال یہود کے خوف  
سے ایمان نہیں لارہے ۔

قَوْلُهُ اَنْ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ اَنْ يَزَالَ - حاصل اس کا یہ بنتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی آتے رہیں اور وہ بنی اسرائیل میں سے رہے۔ لہذا ان کی دعا کے مطابق بنی اسرائیل میں نبی آتے رہیں گے۔ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہود اس نبی کے ساتھ مل کر غلبہ پا کر ہمیں قتل کر دیں گے۔ اس مجبوری کی وجہ سے ایمان نہیں لا سکتے۔

یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَدُ : یہودیوں کی یہ بات ایک افتراء اور بہتان تھا۔ کیونکہ تورات اور ان کی کتاب زبور میں یہ مکتوب ہے کہ قبیلہ قریش سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے اور ان کا دین تمام ادیان سابقہ کے لیے ناسخ ہوگا اس پر مطلع ہونے کے باوجود داؤد علیہ السلام اس کے برخلاف کیسے دعاء کر سکتے ہیں۔ لہذا انہوں نے جو شہادہ کہا تھا یہ بطور نفاق تھا اس لیے صاحب تصابیح اس واقعہ کو علامات نفاق کے باب میں لائے ہیں۔

یقول ابوالسعاد ثانیاً : اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دائرہ علیہ السلام نے یہ دعاء کی تھی کہ نبوت میری نسل سے منقطع نہ ہو تو اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں ۔

**جواب اول۔** یہ کہ اس دُعا کا مقصد اور اس کی مراد اِنی یَوْمَ الْقِيَامَةِ نہ تھی۔ بلکہ اِنی بَعَثْتُمْ فِيْهِ الْاٰخِرَ الزَّمَانَ تھی۔

جواب دوم - یہ کہ ان کی اولاد میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت تک کے لیے نبی ہیں۔ وہ خاتم النبیین کے بعد امت محمدی کا ایک فرد بن کر آسمان سے نازل فرمائیں گے۔  
ہذا اشکال علیہ۔



ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں۔

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ

قوله ثَلَاثٌ - تین عرصے ہیں مضاف الیہ محدثوں کے اصل میں ثَلَاثٌ خَصَائِلٌ

قوله أَصْلٌ - بنی اساس و قاعدہ -

قوله أَكَلْتُ - یہ اجدھا کی خبر ہے اصل میں عبارت تھی أَحَدُهُمَا أَكَلْتُ

عَمَّنْ قَالَ الْإِد

قوله لَا تُكْفُرُ - یہ بیان ہے اَكَلْتُ کا کہ اس کو کافر نہ کہو۔

قوله بِذَنْبٍ - اس سے ما سوا شرک و کفر مراد ہے۔ کیونکہ صرف شرک و کفر سے آدمی کافر بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں کسی کی بدغلی دیکھ کر تکفیر کرنے سے نہیں ہے۔ اس سے خوارج کی تردید ہو گئی اور لَا تُكْفُرُ مِنْ الْإِيمَانِ بِعَمَلٍ کے

تردید ہو گئی۔ رہا سوال مرزائیوں کی تردید کا تو ان کی تکفیر ان کی بد اعمالی کی وجہ سے نہیں کی جاتی بلکہ ان کی بد اعتقادی کی وجہ سے انہیں کافر کہا جاتا ہے۔

قوله وَالْجِهَادُ مَا ضِمَّ مِنْ بَعْثِنِي اللَّهُ - اصل میں الثانی الجہاد تھا۔

قوله مَا ضِمَّ - بمعنی جباہ کے ہے۔

قوله هَذِهِ الْأُمَمُ - اس سے مراد اُمَمِ اجابت ہے اور اُمَمِ اجابت سے

مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدیؑ اور ان دونوں کے متبعین ہیں جو رجال کو قتل کریں گے۔

حَا صَلِّ جُمْلًا : وَالْجِهَادُ مَا ضِمَّ کا مقصد یہ ہے کہ جہاد اس وقت

تک جاری رہے گا۔ جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رجال اور اس کے تابعین سے جہاد

کریں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد جہاد منسوخ ہو جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد کوئی شرعی حکم منسوخ نہیں ہو سکتا بلکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رجال کے

قتل کے بعد جہاد کی ضرورت اور اس کا موقع نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس کے بعد سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے، جہاد کس سے کریں گے پھر ایک ایسا وقت آئے گا جب کہ صرف کافر ہی دنیا میں رہ جائیں گے تو جہاد کن کرے گا۔

قَوْلُهُ لَا يَبْطُلُ جَوْرٌ جَائِزٌ - (ترجمہ) جہاد کو ظالم کا ظلم باطل نہیں کر سکتا۔  
اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اسلامی سربراہ مملکت ظالم و جاہل ہو اگر دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کا اعلان کر دے تو اس کو ماننا اور اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا شرعی طور پر ضروری ہوگا یہ نہیں کہ اس کے ظلم و جبر کا بہانہ لے کر جہاد میں شرکت اور مددگار بننے سے انکار کر دیا جائے۔  
قَوْلُهُ وَلَا عَدْوً عَادِي - عدل عادل کا بھی جہاد کو ختم نہیں کر سکتا۔ اس کے دو مطلب ہیں۔

اول: نفی معنی نہیں ہے اور مقصد یہ ہے کہ امام کا عادل یا ظالم ہونا مانع جہاد نہ ہونا چاہیے بلکہ ہر قسم کے امام کے ساتھ مل کر جہاد کرنا چاہیے۔ تو امیر کا ظلم اور فسق شرکت جہاد سے مانع نہ ہو۔ نیز عدالت کی صورت میں یہ خیال نہ ہو کہ ملک میں امن و سکون ہے اور غنیمت کی ہمیں ضرورت نہیں بلکہ اس وقت بھی اعلانِ کلمۃ اللہ کے لیے جہاد جاری رکھنا چاہیے۔  
دوئم: نفی اپنے ظاہر پر ہے اور مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی امام اور کوئی بادشاہ بھی جہاد کو ختم اور باطل نہیں کرے گا۔ اس سے سلیکھ تاربان کا دجل بھی ظاہر ہو گیا جو یہ کہتا ہے کہ میرے آنے کے بعد جہاد کی فرضیت منسوخ ہو گئی ہے۔

سوال - حضرتؑ نے فرمایا جہاد کا باطل ہونا جورِ جائز سے یہ بات تو صیح ہے کہ ہر کوئی اس سے تنگ ہوگا، اس کا ساتھ نہ دیں گے بلکہ عادل کے ساتھ ہر کوئی ہوتا ہے۔ اس کو کیوں بیان فرمایا؟

جواب اول - مقصود تسویدِ الکلمِ مبارکہ ہے کہ جہاد کا حکم یکساں ہے چاہے بارشا عادل ہو یا ظالم ہو اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنا اور تسویدِ بیان کرتے وقت دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں۔

جواب دوم - دونوں صورتوں میں وہم ہوتا تھا، ظالم میں ظلم کی وجہ سے وہم تھا،

عادل میں عدل کی وجہ سے وہم تھا اس لیے دونوں کو ذکر کیا۔

قَوْلُهُ وَلَا يُمَانُ بِأَوْ قَدْ اِرْ — اور تقدیروں پر ایمان رکھنا۔ یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ اَنْ مَا يُجْرِي فِي السَّاعَةِ هُوَ مِنْ قَدَرِ اللَّهِ وَقَدْ اِرْ۔ جسے یوں بھی بیان کر سکتے ہیں۔ وَالْقَدَرُ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، مستتر نہ پر بھی ایک قسم کا رد ہے جو مخلوق کے لیے تدرست مستفاد کے قابل ہیں۔

يَقُولُ ابُو اِلَسْعَادِ — اس حدیث کو باب اکہائیں لانے کی غرض یہ ہے کہ کبار کے ارتکاب سے مسلمان کافر نہیں بنتا۔

وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَفَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ قَوْفٌ رَأْسَهُ كَالْفُلْكِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ قَرَجَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ نفا کرتا ہے تو ایمان اس کے قلب سے نکل کر سر پر سائبانہ کی طرح مُعلّق ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس مسیقت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان پھر اس کی طرف (قلب میں) لوٹ آتا ہے۔

قَوْلُهُ كَالْفُلْكِ؛ مثل سائبان کے — علامہ ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ كَالْفُلْكِ سے تشبیہ دینا یہ اشارہ ہے کہ وہ اوپر پادلوں میں چلا جاتا ہے تاکہ اس پر اوپر سے عذاب نہ آجائے۔

قَوْلُهُ فَإِذَا خَرَجَ — اِیْ فَرَّخَ مِنْ عَمَلِ الْفَرْخِ۔

سوال — اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے تو یہ معتزلہ کی دلیل ہونے کے ساتھ مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف ہے۔  
جواب اول — یہ خروج عارضی ہوتا ہے نہ کدائی۔

**جواب دوم** - یہ زبرد تہدید اور تشدید پر مجبور ہے۔  
**جواب سوم** - حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کہاں ایمانی اور حیال کے ایمانی خارج ہو جاتی ہے۔  
 اس پر گزشتہ حدیث **لَا تَكْفُرُ بِذَنْبِ قَرِينِهِ** ہے۔  
**یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ** - حافظ ابن تیمیہؒ نے اس موقع پر بہترین مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک گناہ گار انسان کی مثال ایسی ہے کہ ایک بینا شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا تو اس لحاظ سے یہ بینا شخص اور ایک نابینا شخص دونوں برابر ہیں نہ یہ دیکھتا ہے اور نہ وہ۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ وہ اس طرح کہ نابینا شخص نور بصارت سے مستقل محروم ہے اور بینا شخص نور بصارت تو رکھتا ہے مگر حجاب و غلاف کی وجہ سے دیکھنے سے محروم ہے۔ یہی حال مؤمن و کافر کا ہے کہ مؤمن کے نور بصیرت پر حجب معصیت کا حجاب پڑتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں کرتا لیکن خرد و رجحان معصیت کے بعد پھر اپنی فطرت و نور بصیرت پر واپس آ جاتا ہے۔

## الفصل الثالث یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ: حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے دس باتوں کے وصیت فرمائی تھی۔ آپ نے فرمایا یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے۔

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ أَوْصَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرٍ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ أَوْ حُرِّقْتَ -

قولہ اَوْصَانِي - ان لفظوں سے مقصود تاکید ہے۔ یہ حکم تاکید دیا تھا۔ لذت عرب میں تاکید حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔ کما فی قولہ تَدَانِي "يُوصِيكَوُا بِاللَّهِ فِي"

أَوَّلُهُ دِكْنَةً - (بِكِ الْمَسَاءِ)

قَوْلُهُ كَلِمَاتٍ - سوال - کلمات کلمہ کی جمع ہے یعنی باتیں - حالانکہ آگے جن کا بیان ہو رہا ہے وہ کلمے نہیں بلکہ دس کلامیں ہیں پھر کیے کلمات فرمایا !

جواب - زبدال والا قانون مراد ہے کہ کبھی کبھی کلمہ سے مراد کلام لی جاتی ہے - لہذا فی مقامہ قَوْلُهُ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ - حکمِ ذل کو قید لگی ہوئی ہے "إِنْ قُتِلْتَ أَوْ حُرِّقْتَ - حکم دوم کو بھی مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ اسی طرح حکم سوم کو بھی -

سوال - یہ کہ قیودات مذکورہ قرآن مقدس کے خلاف ہیں کیونکہ حکم ہے کہ قتل کا عمل ہو یا حالت اکراہ ہو تو زبان سے کلمہ کفر کا کہنا جائز ہے "إِذَا مَنَّ الْأَكْرَأُ وَقِيلَ لَهُ مُطْمَئِنَّ بِأَنْتَ بِمَنْ رِيسَانِ" اسی طرح اگر قصور ہے تو والدین کے حکم پر طلاق دینا واجب ہے - اور اگر جنگ یا مقابلہ میں دشمن تشنیں سے زائد ہوں تو بھاگنا جائز ہے -

جواب اول - یہ عزیمت کی تعلیم ہے کیونکہ اخذ بالعزیمت بہ نسبت عمل بالرخصۃ کے اولی ہے - ہاں اس کی موت سے اگر اسلام کا نقصان ہو تو رخصت پر عمل کرنا اولی ہے -

جواب دوم - یہ قیودات حضرت معاذؓ سے غاص لوگوں کے لیے ذکر فرمائی ہیں - کیونکہ حضرت معاذؓ شریعت کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اور وہ اس پر عمل کرتے تھے - جو اولی و بہتر ہوتا تھا - ان کے مزاج کے مطابق یہ حکم فرمایا -

یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ : ہُوَ كُنِيَ جَان دِيَسَ اَوَّلُ كَلِمَةٍ كَفَرَتْ كَيْفَ تَوَاجَرُ كَاسْتَحَقَّ هُ - جان سے دینا عزیمت ہے ، اور جان بچانا رخصت - اگر حدیث کا یہ مطلب ہو تو حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو عزیمت کا حکم دیا -

قَوْلُهُ وَلَا تَعْتَسَنَّ وَالِدَيْكَ - اَيُّ لَا تَحْتَالِفْهُمَا اَوْ احَدَهُمَا فِيمَا لَوْ كُنَّ مَعْصِيَةً -

قَوْلُهُ وَإِنْ أَمَرَكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ - اَيُّ أَمَرَكَ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْبَيْعِ وَالْعَشْقِ وَغَيْرِهَا - مقصد یہ ہے کہ والدین کی نافرمانی نہ کرو - اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا حکم بھی دیں - مگر یہ بھی عزیمت اور اولیت پر محمول ہے - کیونکہ والدین نے

کے حکم کے باوجود بیوی کو نہ چھوڑنے کی اور مال ہیہ نہ کرنے کی بھی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ حکم استحبی ہے والذین کے حکم پر بیوی کو فلاق دینا مستحب ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم کا اشارہ پا کر فلاق دے دی۔ یہ مستحب عمل تھا۔

قَوْلُهُ وَلَا تَسْتَوِدْ كَنْ صَلَوَةٍ مَكْتُوبَةٍ۔ (ترجمہ) جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اس کے درمطلب بیان کیے جاتے ہیں۔

اَوَّل۔ یعنی تارک الصلوٰۃ عمداً اللہ تعالیٰ کے عہد و امان میں نہیں رہتا۔ بلکہ وہ دنیا میں تعزیر کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو شخص ایک نماز عمدتاً ترک کر دے۔ اس کو امام مالکؒ امام شافعیؒ کے نزدیک حداً اور امام احمدؒ کے نزدیک اِدْتِدَاداً قتل کیا جائے گا اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدۃ العزیمہ کیا جائے گا اِلَّا یہ کہ وہ اس کے صلوٰۃ کا عہد کرے تو پھر چھوڑ دیا جائے گا۔

دَوِّم۔ یہ کبے نمازی اللہ تعالیٰ کے اَمْن میں نہیں رہتا، نماز کی برکت سے انسان دنیا میں آفتوں سے مرتے وقت خرابی خاتمہ سے قبر میں نفل ہونے سے حشر میں مصیبتوں سے بفضلتہم اَمْن میں رہتا ہے۔

قَوْلُهُ وَلَا تَشْرِبْ خَمْرًا۔ اِی شربہا خَمْرًا اِی مَا خَابَ وَالتَّقْلِ کیونکہ نشے عقل ہی جاتی رہتی ہے۔ شراب کی تخصیص اتم الخبائث کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ سُمِّیَتْ الصَّلَوَةُ اُمُّ الْبِصَادَاتِ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔

قَوْلُهُ وَاَيَاكُمُ وَالْمَعْصِيَةِ۔ خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے دور رہنا۔ کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غضبہ اترتا ہے۔

یَقُولُ ابوالاسود: معصیت سے مراد صغائر ہیں اور جی کریم علی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ چھوٹے گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کر۔ لیکن چھوٹی نیکی کو مقبر جان کر مت چھوڑو۔ چھوٹا گناہ چنگاری کی طرح ہے جو کبھی مکان کو جلا دیتی ہے۔ معمول نیکی مقور سے پانی کی طرح ہے جو کبھی جان بچا لیتا ہے۔ شیطان پہلے چھوٹے گناہ کو کرتا ہے پھر بڑے۔ یہاں تک کہ

بھر معصیت پر پیشگی ہو جاتی ہے جو ناراضگی۔ بت ذوالجلال کا سبب ہوتا ہے۔ اس لیے حسنِ سَخَطِ اللہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

قَوْلُهُ وَابْنُكَ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ ۔ اور جہاد سے بھاگ جانے سے بچو اگرچہ لوگ ہلاک ہو جائیں ۔۔۔۔۔۔ یہ حکم بھی استعجابی ہے۔ اگر کوئی نازی ایسے موقع پر ڈٹا رہے اور شہید ہو جائے تو ثواب پائے گا، اور اگر بھاگ جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ کما فی قولہ تعالیٰ " اَلَا اِنَّ تَخَفْتَ اللّٰهَ عَشْرًا " اس کی مکمل بحث فصل ثانی میں فی ردایہ صفوان بن عسال گزر چکی ہے۔

قَوْلُهُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاقْبَلْ ۔ (ترجمہ جب لوگوں میں وبا پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہو اور بھاگو مت۔

قَوْلُهُ مَوْتُ ۔ موت سے مراد ربائی امراض ہیں جیسے طاعون یا دیگر مہلکات۔ سوال ۔ طاعون زدہ مقام و شہر میں اقامت کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ جواب ۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کی نقوش کو درندے کھا جائیں گے اور ان کو کفن و دفن کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ کیونکہ تمامی لوگ تو ہجرت کر چکے ہوں گے۔

سوال ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جہاں و بار بار ہو وہ علاء ممنوعہ ہے وہاں نہ جانا۔ حالانکہ یہ تو قتل کے خلاف ہے اور شرکِ اصغر ہے۔

جواب ۔ یہ اصلاح عقیدہ کے لیے ہے کہ اگر دُباؤ والی جگہ پر جائیں اور موت واقع ہو تو کہیں گے کہ اگر میں نہ جاتا تو موت واقع نہ ہوتی۔ حالانکہ اس سے تو عقیدہ خراب ہو جاتا " وَمَا كَانَ رِئْیَ نَفْسٍ بِاَنَّیْ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۔

مسئلہ ۱ حدیث پاک کا جملہ " اِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتُ الَّذِیْہِ اسْتَقَامَتْ اور عزیمت پر محمول ہے ورنہ محل و بار سے ضرورتاً یا احتیاطاً خروج کی اجازت ہے۔ ہاں اگر بھل گئے والہ یہ عقیدہ رکھے کہ یہاں رہوں گا تو مر جاؤں گا یہ کفر ہے۔

قَوْلُهُ وَالتَّوَقُّ عَلَى عِبَادِكَ مِنْ حُلُولِكَ ۔ اپنے اہل و عیال پر اپنی وصیت کے مطابق خرچ کرتے رہو۔

قَوْلُهُ طَوَّلَكَ - اى الفضل من العال كما فى قولہ تعالى " وَمَنْ تَوَلَّىٰ  
يَسْتَرْحِبْ مِنْكُمْ طَوَّلًا " لیکن بیان میں کتب میں یقیناً بالوسع والعلفہ علی طریق  
الافتصاد ہے۔ معلوم ہوا کہ زن و فرزند پالنے کے لیے کمائی کرنا بھی عبادت ہے۔ اسلام  
مذہب میں دنیا نہیں رکھنا بلکہ غرق فی الدنیا سے منع کرتا ہے۔

قَوْلُهُ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا - ادب کی خاطر اپنا ڈنڈا ان سے  
بہ ہٹاؤ۔ اَدَبًا مفعول ہے اى اضر بھستہ تادیباً۔ یعنی ہوی بچوں کے حالات پر  
نگاہ رکھو، ان کی اصلاح کرتے رہو، چھوٹے بچوں کو مارے اور بڑوں کو زبانی ڈانٹ ڈپٹ ہے۔  
قَوْلُهُ وَاخْفِئْ فِي اللَّهِ - اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انہیں ڈرتے رہو۔  
اى ائذ رہو فی مخالفت امر اللہ۔ کیونکہ قیامت کے معاملہ میں تم سے ان کے متعلق  
بھی سوال کیا جائے گا۔ كما فى قولہ تعالى " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ  
أَهْلِيكُمْ نَارًا -

ترجمہ : روایت ہے حضرت حذیفہؓ  
سے فرماتے ہیں کہ نفاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے زمانہ میں تھا۔ لیکن آج کفر ہے  
یا ایمان۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ  
إِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلَى عَهْدِ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ  
الْوَيْعَانُ -

خُلَاَصَةُ الْحَدِيثِ : اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی کے بارے میں یعنی طور پر معلوم ہونے کے وجود کہ یہ منافق ہے۔  
اس کو مسلمان سمجھا جاتا تھا اور اس پر مسلمانوں دانے احکام جاری کیے جاتے تھے۔ چند مصالح  
دھروروں کی وجہ سے، لیکن زمانہ رسالت کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا۔ لہذا اگر معلوم ہو جائے  
کہ فلاں شخص واقعی طور پر کافر ہے۔ اور راہ نفاق اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے تو وہ مباح القہم



اور مباح المال ہوگا۔ مصالح اور ضروریات مندرجہ ذیل ہیں :-

- ۱۔ ایک مصلحت تو یہ تھی کہ اگر انہیں قتل کیا جاتا تو منافقین یہ کہنا شروع کر دیتے "اِنَّ الْمُحَمَّدَ یَقْتُلُ صَحَابَہٗ" کہ یہ تو اپنے آدمیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ اس افواہ کی وجہ سے لوگ اسلام کے قریب آنے سے ڈرتے۔
- ۲۔ دوسری مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنی مقصود تھی۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ جتنی آدمی مدعی اسلام ہوں ان کو مسلمان ہی ظاہر کیا جائے۔
- ۳۔ تیسری مصلحت یہ تھی کہ بعض منافقین جب اپنے نفاق کے بوجہ اور آنحضرتؐ کے سب کچھ سمجھنے کے باوجود اخلاق کریمانہ کا مشاہدہ کرتے تو دل و جان سے آپؐ کے گردیدہ ہو جاتے اور پتے دل سے مسلمان ہو جاتے تو یہ طرز عمل بہت سے لوگوں کے لیے مسلمان بننے کا ذریعہ بن جاتا۔

## بَابُ فِي الْوَسْوَسةِ

يقول البوالاسماد۔ — یہاں تین مباحث ہیں :-

### الْبَحْثُ الْأَوَّلُ۔ فِي ذِكْرِ التَّعْرِيفِ وَحُكْمِ الْوَسْوَسةِ

دوسرے کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔

وَسْوَسةٌ دَہْرَجٌ کے وزن پر ہے یہ رباعی بحر کا مصدر ہے اس کی جمع وساروس آتی ہے۔ لذت میں رساوی کا معنی ہوتا ہے اَلْوَسْوَسةُ اَلْحَقِ یعنی آہستہ آہستہ باتیں کرنا۔ شرعی و اصطلاحی معنی — اَلْوَسْوَسةُ هِيَ حَدِيثُ النَّفْسِ وَالْاَفْكَارِ وہ خیالات

جودل میں آتے ہیں۔ پھر خیالات دو قسم ہیں :-

**اول** - بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں جو رذائل کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کو دوسرہ کہا جاتا ہے۔

**دوم** - بعض خیالات ایسے ہوتے ہیں جو فضائل کی طرف دعوت دیتے ہیں ان کو الہام کہا جاتا ہے۔

یہ کہ جو برے خیالات از خود یعنی غیر اختیاری طور پر آجائیں تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن جو برے خیالات انسان اپنے قصد و اختیار سے لائے یا غیر اختیاری وسوسوں میں غور و خوض شروع کر دے تو ان دونوں پر مواخذہ ہوگا۔

**الحکم کا حکم** | یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا الہام ایک قسم کی وحی ہے جو قطعی حجت و قابل عمل ہے۔ لیکن غیر نبی کا الہام قطعی حجت و قابل عمل نہیں بلکہ اس میں غلطی کا احتمال بھی ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي

### فِي ذِكْرِ أَقْسَامِ خَيَالَاتِ قَلْبِيهِ مَعَ الدَّلَائِلِ وَالْحُكْمِ

محدثین حضرات نے دل میں آنے والے خیالات کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں :-  
 ۱۔ باجس ۲۔ خاطر ۳۔ حدیث النفس ۴۔ صم ۵۔ عزم -

باجس محسوس ہے یعنی گزرنا اور باجس بھی اس خیال کو کہتے ہیں جو از خود دل میں آئے اور فوراً نکل جاتے۔ دل میں قرار نہ پکڑے۔

خاطر یہ خطور (نقص) ہے مشتق ہے بمعنی پیش آنا۔ یعنی جو خیالات دل میں بار بار آتے ہیں اور کچھ دیر چلتی کر کے چلے جائیں مگر فعل اور عدم فعل کی طرف کچھ بھی متوجہ نہ کرے۔

**حدیث النفس کی تعریف** - اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں آئے اور ٹھہرے۔

فعل یا عدم فعل کے متعلق کچھ بات بھی ہوئی لیکن کسی جانب کو ترجیح نہیں دی۔

**ان تینوں قسموں کا حکم** | ان تین قسموں پر نہ ثواب ہے، نہ عقاب۔ یعنی اگر یہ خیالات اچھے ہوئے تو ثواب نہیں ہوگا، برے ہوئے تو عقاب نہیں ہوگا۔

ثواب و عقاب کا تعلق ان باتوں سے ہوتا ہے۔ جو آدمی کے اختیار میں ہوں۔ غیر اختیاری، چیز پر نہ ثواب ہے نہ عقاب بدلیل قولہ تعالیٰ اَوْ يَكْلَفُ اللّٰهُ عَسًا اِلاَّ وَّ مَعَهَا۔ (بقدرت ۲۸۶) کیونکہ تکلیف مالا یطاق کسی امت کے لیے جائز نہیں۔

**عزم کی تعریف** | ہم اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں ٹھہرے، اور فعل یا عدم ایک جانب کو ترجیح بھی دی۔ لیکن یہ ترجیح ملکی سی تھی، قوی نہ تھی۔

**عزم کا حکم** - ہم کا حکم یہ ہے کہ اس میں ثواب تو ہے لیکن عذاب نہیں ملے گا ہم تو ثواب اور بدی کا ہم ہوتے

**دلیل** | عَنْ اَبْنِیٍّ وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ فَإِنْ عَمَلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ مَسِيئَةً۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۵ باب فی البعراج)

جب کہ سابقہ امتوں پر عزم سینڈ میں ٹوٹا اخذہ تھا۔

**عزم کی تعریف** | عزم بالجزم کی تعریف یہ ہے کہ اگر جانب فعل کو قوی ترجیح ہو جائے۔ اور اس پر سخت ارادہ بھی ہو جائے اور ہر قسم کے اسباب بھی مہیا کرے، اگر مانع پیش نہ آئے تو وہ کام کر گزرے۔

**عزم بالجزم کا حکم** | عزم بالجزم میں عذاب بھی ہے اور ثواب بھی ہے یعنی اگر عزم نیکی کا ہے تو ثواب ہے اور اگر عزم بدی کا ہے تو عذاب ہے۔

**اختلافی مسئلہ** | اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ بدی کے عزم پر تو اخذہ ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسئلہ اول** | جمہور محدثین و فقہاء کے نزدیک اگر عزم نیکی کا ہے تو ثواب ہے اور اگر عزم بدی کا ہے تو عذاب ہے۔

**دلیل جمہور** حدیث صحیح میں ہے: « إِذَا لَقِيَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ » صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ تاتل نے تو

قتل کی لیکن مقتول کا گناہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰی قَتْلِ  
مَا حَبِبَہٗ۔ یعنی مقتول کے چھٹی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بھی قتل کرنے کا پختہ ارادہ  
تھا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۲ باب قَتْلِ اَهْلِ الدِّیْنِ وَالشُّعَاۃِ بِالْفَسَادِ فَصْل اَوَّلِ)

مسلمک رقوم۔ بعض علماء کے نزدیک عزمِ سبتہ میں بھی مؤخرہ نہیں ہے۔

ولیل حدیث باب "إِنَّ اللَّهَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَمَا وَسَّعَتْ بِهِ  
صُدُورُهُمَا مَا لَمْ تَحْمِلْ بِهِ أَوْ تَتَكَلَّمْ تُثْقِلُ عَلَيْهِمْ (مشکوٰۃ ص ۱۱۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک دوسرے غل اور قول مثلاً قتل اور غیبت کی حد تک نہ پہنچے معاف ہے۔ تو ثابت ہوا کہ محض بدی کے عزم پر بھی مؤاخذہ نہیں بلکہ وہ بھی معاف ہے۔ چھوڑ  
حضرات نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں۔

**جواب اول۔** حدیث کے قرینہ سے یہاں وَشَوْسَتْ سے مراد رحم کا درجہ ہے نہ کہ عزم بالجزم کا، اور رحم سیدہ میں عدم مؤخذہ کے ہم بھی قابل ہیں۔

جواب دوم۔ تجاویز سے مراد یہ ہے کہ عزمِ سیتہ میں فعلِ سیتہ جیسا مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اس سے کم گناہ ہوگا۔ بخلاف پہلی آیتوں کے کہ ان کے لیے عزمِ معصیت پر بھی فعلِ معصیت کا مواخذہ وعذاب تھا۔

یَقُولُ ابوالاسحٰد : جو حضرات عزم بدوشر پر مؤاخذہ کے قائل ہیں ان کا آپس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس مؤاخذہ کی نوعیت کیا ہوگی۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ایسے عزائم کی سزا مصائب کی شکل میں دنیا ہی میں دیدیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آخرت میں مؤاخذہ ہوگا لیکن عتاب کی صورت میں ہوگا (عقاب) عذاب کی صورت میں نہیں۔ اور بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ عزائم شر پر آخرت میں عذاب بانثار بھی ہو سکتا ہے۔ کسی شاعر نے خیالات کی ان پانچ قسموں اور ان کے حکموں کو نظم کر دیا ہے۔

مَرَاتِبُ الْقَصْرِ خَمْسٌ هَاجِسٌ ذَكَرُوا

يَلْبِسُهُ هَؤُلَاءُ قَوْمٌ كَلِمًا رُفِعَتْ — سَوَى الْآخِرِ فَبَيْنَهُ الْاِخْتِلافُ قَدْ وَفَّقَا

رحاشیہ جلالین شریف زیر ۱۳ ص ۱۵۱

ارشاد باری تعالیٰ ہے: «وَإِنْ تُبْذَرُوا مَافِي الْأَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْصَوْهُ بِمَا بَيْنَكُمْ بِسْمِ اللَّهِ فَإِنَّ هَٰذَا لَفِي ظُلُمٍ مُّكْتُمٍ وَمَا مِنْهُ لَخَبِيرٌ لَّكُمْ»۔ جب کہ حدیث الباب میں بھی مَافِی مَافِی کے لیے نجاوڑ یعنی معافی ثابت کی گئی فَتَقَارَضَا۔

**جواب اول** امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حدیث الباب احکام دنیائے متعلق ہے۔ یعنی بیع مہیہ اور طلاق وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ یہ احکامات وغیرہ دل میں ارادہ کر لینے سے منع نہیں ہو جاتے۔ جب تک ان کو زبان اور عمل سے نہ کیا جائے اور آیت احکام آخرت سے متعلق ہے۔ مثلاً عقیدہ شُرک، عقیدہ انکار ختم نبوت، حسد، بغض اور کینہ وغیرہ ان میں بلا قول و عمل محض استقرار کی صورت میں محاسبہ اور عذاب ہوگا۔

**جواب دوم** دوسرے دو قسم ہے عا اختیار و غیر اختیار یہ۔ حدیث میں وساوس اور خیالات غیر اختیار یہ مراد ہیں اور آیت میں جس محاسبہ کا ذکر ہے اس سے مراد وہ ارادے اور وساوس ہیں جو انسان اپنے قصد اور اختیار سے اپنے دل میں جمایاتا ہے اور اسباب بھی مہیا کر لیتا ہے۔ اتفاقاً موانع آنے سے عمل نہیں کر سکتا۔

**جواب سوم** مَافِي الْأَنْفُسِكُمْ میں تمام خطرات و وساوس داخل ہیں مگر آیت لَا يَكْلَمُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْطَهَا سے رد منسوخ ہے۔

(رحاشیہ جلالین علی ہذا الآیۃ)

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ — فِي ذِكْرِ عِلَاجِ لِدَفْعِ الْوَسَاوِسِ

علماء حضرات و مشائخ صوفیاء کرام نے دفع وساوس کے لیے کئی طریقے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے دو عمدہ اور آسان طریقے یہ ہیں۔

یعنی دما دس کی طرف دھیان اور توجہ ہی نہ کرے بلکہ  
 اپنے کام میں لگا رہے اور ان کے دفع کرنے کا اہتمام  
 ہی نہ کرے۔

یعنی یہ تصور کرے کہ جب شریعت  
 نے غیر اختیاری دما دس میں  
 طریقہ دوم۔ عدم مؤاخذہ و اُمیدِ اِخِر  
 مؤاخذہ نہیں رکھا تو پھر غم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ ان دما دس سے طبیعت میں کلفت  
 و تشویش ہوتی ہے تو اس کلفت و تشویش کی برداشت میں اجر و ثواب کی امید ہے۔

بقول ابوالاسعاد : دراصل ہر شخص کا مزاج جدا ہوتا ہے اس لیے مزاج کے بدلنے  
 سے علاج بھی بدل جاتا ہے۔ ایسے موقع پر سب سے بہترین طریق اپنے شیخ کی طرف رجوع کرنا  
 چاہیے۔ وہ حسب مزاج علاج تجویز کر دیں گے۔ اگر اس مبارک طریق کا راہی نہیں تو پھر تلاوت  
 قرآن پاک کثرت سے کرے۔ کیونکہ اس مبارک و مقدس کلام کا نزول بمسنی بر شفاء ہے۔ کما  
 فی قولہ تعالیٰ ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ شِفَاءُ مَا تُبْغُونَ مِنْ دُونِ الْإِسْلَامِ فَاتَّبِعُوا آيَاتِي لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُونَ“  
 (پاک یونس)

## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 یقیناً اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان کے  
 دلی خطرات میں درگزر فرمادی۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ جَاوَزَ عَنْ  
 أُمَّتِي مَا وَسَّوَسَتْ بِهِ صُدُورُهَا  
 مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَسْكُنْهُ۔

قولہ اُمّتی : امتِ اجابت مراد ہے۔

قَوْلُهُ وَسَوَسَتْ ، یہ لازمی بھی آتا ہے اور مستعدی بھی۔ اگر لازم ہی بناؤ تو صدقہ کا جس کا فاعل بنے گا اور بہ کا ضمیر مکار کی طرف ہوگا تو معنی ہوگا کہ معاف کر دیا میری امت سے ان خیالات کو جو خیال کرتا ہے ساتھ ان خیالوں کے سینہ ان کا۔ اِنْ مَّتَّعْتَنِي بِنَاوٍ تُوْبْهُرُ وَسَوَسَتْ بمعنی حَدَّثَتْ ہوگا۔ تو پھر صَدْرُهَا منصوب ہوگا اور علی ضمیر وَسَوَسَتْ کا امت کی طرف ہوگا معنی ہوگا معاف کر دیا میری امت سے ان خیالات کو جو بات کرتی ہے وہ امت ساتھ ان خیالات کے اپنے دل میں تُوْبْهُرُهَا بمعنی فَضَّلَهَا ہوگا۔

قَوْلُهُ مَا تَقْوَمُ بِهِ اَوْ تَتَكَلَّفُ ۔ وسواس و قسم ہیں و افعلى و افعلى ۔ مَا تَقْوَمُ تَعْمَلُ کا تعلق فعلی کے ساتھ ہے۔ اور اَوْ تَتَكَلَّفُ کا تعلق قولی کے ساتھ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث ہذا میں عزائم قلبیہ کو بیان فرمایا ہے ، عزائم قلبیہ کی تین قسمیں ہیں ۱۔

## حدیث کی اصل بحث

وہ عزائم قلبیہ جن کا تعلق اعتقادات سے ہے جیسے عقائد حقہ ، توحید و رسالت ، ختم نبوت اور جیسے عقائد باطلہ ، انکار توحید ، انکار رسالت ، انکار ختم نبوت ۔ عزائم کی اس قسم میں سب کا اتفاق ہے۔ اگر عقائد حقہ میں تو ان پر اجر ملے گا ، اگر عقائد باطلہ میں تو ان پر عذاب ہوگا۔ وہ عزائم جن کا تعلق ملکات اور اخلاق سے ہے۔ ان میں کچھ ملکات محمود ہیں ، اور اخلاق حمیدہ ہیں جیسے صبر ، شکر ، تواضع ، توکل اور کچھ ملکات مذمومہ اور اخلاق مذلیلہ ہیں جیسے حُریت دنیا ، حسد ، کبر اس قسم میں بھی سب علماء کا اتفاق ہے کہ اخلاق حمیدہ پر اجر ہے اور اخلاق مذلیلہ پر عذاب ہے۔

دل کے وہ عزائم جن کا تعلق افعال جوارح سے ہے۔ مثلاً کسی نے عزم کیا کہ میں سُودوں کو گایہ عزم شر ہے اس پر مؤاخذہ ہوگا۔ بشرطیکہ اس کا ارتکاب و مباشرت ہو یا جن کا تعلق افعال جوارح سے ہے مگر خیر سے مثلاً نماز پڑھنا ، صدقہ کرنا وغیرہ اس پر بھی اجر ہے۔ بغیر مباشرت کے اور وَسَوَسَتْ سے مراد افعال جوارح شرعہ مراد ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ جَاءَنَا  
مِنَ اصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الشَّيْخِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهُ إِنَّا نَجِدُ  
فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا  
أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ

ترجمہ: چند صحابہؓ بائکا و رسالت میں  
حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم  
اپنے دلوں میں بعض ایسی باتیں رد و سہہ پاتے  
ہیں جن کو بیان کرنا بھی ہم برا سمجھتے ہیں۔

قوله: نآس۔ ای جماعۃ من الصحابہؓ۔

قوله: مَا يَتَعَاظَمُ۔ اِنَّمَا يَحْدُثُ فِلْوُنَا شَيْءٌ قَبِيحٌ نَحْوِمِنْ خَلْقِ اللَّهِ  
وَكَيْفَ مَوْ وَغَيْرُهُ ثَانِيًا مَا ظَهَرَ بَرَزَن تَعَاظَمَ بِمَعْنَى الْعِيَالَةِ۔ جو زیادتی معنی پر دل ہے  
یعنی عظیم سمجھتے ہیں عظیم سمجھنا۔ ای تَشْتَظَرُ عَايَةَ اِی شَيْتَنْظَام۔  
قوله: أَحَدُنَا۔ بِرَفْعِ الدَّالِ مَعْنَاهُ يَجِدُ أَحَدُنَا التَّكَلُّمَ۔

قوله: أَوْقَدُ۔ ہمزہ کا استفہام تقریری ہے۔ اور ہمزہ کے بعد اور واؤ ہے پہلے مسنون ہے  
مقدمہ اصل میں تھا۔ حَمَلُ ذَلِكَ وَقَدْ وَجَدَ تَعَاظَمُ اور فَا ضَمِيرٌ يَتَعَاظَمُ کی طرف راجع ہے  
فائدہ۔ وَجَدَ تَعَاظَمُ کے فَا ضَمِير کے مَرَجِ اور ذَالِک کے مَثَلِ اَلِیہ کون ہیں اس میں دُو  
قول ہیں۔

یہ کہ فَا ضَمِير کا مَرَجِ اور ذَالِک کا مَثَلِ اَلِیہ تَعَاظَمُ یعنی ان دس اوس کو گراں سمجھنا۔  
اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کیا واقعی  
تم ان دس اوس کو گراں سمجھتے ہو یہ گراں سمجھنا تو صریح ایمان ہے۔ اس لیے کہ اس گراں کی مَنَشَأُ اَشْرَارِ  
اس کے رسول کی شدید جہنت ہے کہ ان کی شان کے خلاف غیر اختیاری دس اوس بھی برداشت نہیں  
کر سکتے۔

قول اول

یہ کہ ضَمِير کا مَرَجِ اور ذَالِک کا مَثَلِ اَلِیہ دس اوس ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ  
ہوگا کہ واقعی تم کو دس اوس آنے لگے ہیں۔ یہ دس اوس آنا تو صریح ایمان ہے۔ یعنی  
دس اوس ایمان کی علامت ہیں ان سے گھبراتا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ دس اوس شیطان لاتا ہے

قول دوم



نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسادس کو ایمان کے صریح ہونے کی علامت قرار دیا ہے اس میں کیا حکمت ہے ؟ کیونکہ بظاہر وسادس اور ایمان میں تعلق ہے ۔

**جواب** شیطان کا قروں کو کھیلوانے کی طرح بنا کر ان پر قبضہ کامل کرتے ہوئے ہمیشہ ان کے ساتھ کھیلتا رہتا ہے۔ کفار میں صرف دوسرے ڈولنے پر اکتفاء نہیں ”بے ل“

يَتَلَوْنَ عِبْرَتًا كَيْفَ أَرَادَ - اور مومنوں کو اس مرتبہ میں لے جانے سے ناامیدی ہونے کی بناء پر قبضہ کامل تو نہیں کر سکا۔ لہذا دوسرے ڈالتا ہے۔ اب دوسرے کا سبب محض الایمان یا دوسرے علامت محض الایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہوتا بلکہ کافروں کی طرح ہوتے تو فقط دوسرے ڈالنے پر اکتفاء نہ کرتا۔ جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے کہا کہ چور اس گھر میں داخل نہیں ہوتا جو خالی ہو۔ لہذا کافروں سے تودہ فارغ الیٰزمر ہو گیا۔ اب مومنوں کی تسکیر ہے: "وَلَيْدًا رُوِيَ عَنْهُ سَعْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ الْعَلَاءَ الْقَتْلَى لَا وَسْوَسةَ فِيهَا إِنَّمَا صَلَوَةُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى" اس سے معلوم ہوا کہ کالمین کو بھی وساوس آسکتے ہیں۔ وساوس کسی نقص کی علامت نہیں۔ بعض معاذیر کرام کو ایسے وساوس آتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ہم جل کر کوئلہ ہونا تو پسند کر سکتے ہیں، ان کو زبان پر نہیں لا سکتے۔

لَا أَنْ أَكُونَ حَفَاحَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكَلَمَ بِهِمْ وَ مَشْكُوتٌ شَرِيفٌ مَلِكٌ (باب الوساوس)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو اس سے یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ پھر وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا۔ جب اس حد کو پہنچے تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ پڑھو اور اس سے باز رہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالِ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا قَب  
السَّيْطَانُ أَحَدُكُمْ فَيَقُولُ مَنْ  
خَلَقَ كَذًّا مَنْ خَلَقَ كَذًّا حَتَّى  
يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبِّكَ فَإِذَا  
بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ وَالْيَسْتَعِذْ -

قَوْلُهُ يَا آتِي الشَّيْطَانُ - یا تو خود ابلیس مراد ہے کیونکہ وہ تمام دنیا پر غور رکھتا ہے اور سب جگہ چکر لگاتا رہتا ہے۔ یا قرین جو ہر ایک انسان کا الگ الگ شیطان ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے یا برا انسان جو ایسی باتیں کرے لوگوں کو بہکائے۔

قَوْلُهُ قَيِّمُوا مَنْ خَلَقْتُمْ كَذًّا - یہاں سے تمہید کفر ہے یعنی جب کفر کرنا مقصود ہو تو پہلے تمہید باندھنا ہے کہ اس کو کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ کی خلقت تک پہنچا دیتا ہے۔ تو نتیجۃً انسان حیران و سرگردان ہو کر وجود باری تعالیٰ کی خلقت میں سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ پیدا وہ چیز کی ہے جو ناپید بھی ہو سکے۔ رب تعالیٰ واجب الوجود ہیں۔ ان کو کون پیدا کرے۔

ثانیاً، اگر خالق کے لیے بھی خالق ہو تو خلقت کا تسلسل لازم آئے گا جو باطل ہے۔ اور سلسلہ باطل خود باطل ہے۔ لہذا یہ سوال بھی غلط ہے۔

سوال - یہ ہے کہ دونوں مقام پر آنحضرتؐ نے قَيِّمُوا کہا۔ حالانکہ وہ زبان سے تو نہیں کہتا بلکہ دل میں دوسرا کہتا ہے۔

جواب - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قَيِّمُوا کہہ کر اشارہ فرمانا چاہتے ہیں کہ دل کی بات رہی دوسرے پر بھی قول کا اطلاق ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ فَإِذَا ابْلَغْتُمْ - کا ضمیر کا مرجع قول کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ فَلْيَتَّقُوا بِاللَّهِ - تقوٰہ دو قسم پر ہے (۱) لسانی یعنی قولی (۲) فعلی۔ تقوٰہ قولی واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور تقوٰہ فعلی واجب ہے۔

قَوْلُهُ وَالْيَتَنَّهُ - یعنی تقوٰہ کے بعد اس منکر سے ڈر جائے یعنی اس کے سوال کا جواب سوچنے کی کوشش بھی مت کرو۔ کیونکہ ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔ رب خود الجلال نے شیطان کے مجدد نہ کرنے پر اس کے دلائل کا جواب نہ دیا بلکہ فرمایا فَاحْزَرْجْ مِنْهَا۔ يَقُولُ الْبَوَّاسُ : معالج حقیقی نے اپنے فرمان میں دوسرا دس سے بچنے کے لیے چار طریقے بتائے ہیں۔

(۱) — تاکہ حقیقی کی پناہ لینا۔ جو اس کی پناہ میں آتا ہے اس کو پناہ مل جاتی ہے۔

(۲) — تَذَلُّلٌ عَمَّ - یعنی وہیں ٹرک جانا، اور بات کو آگے نہ بڑھنے دینا۔

جواب جاہلاں باشد خموشی۔

۲۔ ذکر اللہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ" (رب الاعراف)

۴۔ تجدید ایمان، ایمان کی تجدید کرنا۔ پہلے اور دوسرے طریقہ کی طرف اسی حدیث میں اشارہ ہے۔ مثلاً طریقہ اول استعاذہ ہے جو قُلْ اَسْتَغِيْثُ بِاللّٰهِ سے سمجھا جا رہا ہے۔ دوم، رک جانا وَلْيَسْتَكْبِرْ سے سمجھا جا رہا ہے۔ سوم، آیت مذکورہ سے مستنبط ہے۔ اور طریقہ چہارم تجدید ایمان اگلی حدیث میں مذکور ہے جو قُلْ اَمْسِكْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ سے سمجھا جا رہا ہے۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ  
ترجمہ: بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے۔

قولہ لَا يَزَالُ النَّاسُ: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا کام ہی خلقِ خدا کو طریقِ مستقیم سے ہٹا کر طریقِ شُبہات میں ڈالنا ہے۔ جیسا کہ آج کل وجودِ خدا کے منکر دہریہ کہتے ہیں۔ قولہ قُلْ اَمْسِكْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ: یا تو بطور تسلی اور دفعِ وسوسہ اس کے یہ الفاظ کہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں نے جو کچھ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق بیان کیا ہے اس پر ایمان لایا "وَهُوَ اَنَّهُ قَدِ يَشْعُرُ وَاحِدًا" یا بطور ایمان کی تازگی و پختگی کے یہ الفاظ کہے۔ کیونکہ ایسے خیالات سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور یہ وسوسہ کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔

يقول ابوالاسود: شیطان دو قسم ہیں ایک وہ جو آنکھوں سے نظر آئے۔ یہ شیطان الانس ہیں۔ دوم جو آنکھوں سے نظر نہ آئیں یہ شیطان الجن ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر آئیں ان کے شر سے حفاظت کی صورت اعراض اور درگزر کرنا ہے۔ دوسری قسم کا علاج استعاذہ ہے۔

اس حدیث میں شیطان الانس کی طرف اشارہ ہے۔ ان دونوں صورتوں کو کسی شاعر

نے نظم کی ہے۔

فَمَا هُوَ إِلَّا مُتَعَادَةٌ ضَارِعًا | أَوِ الدَّفْعِ بِالْحُسْنَى خَيْرٌ مُطْلُوبٍ  
فَهَذَا دَوَاءُ الدَّاءِ مِنْ شَرِّ مَا يَرَى | وَذَلِكَ دَوَاءُ الدَّاءِ مِنْ شَرِّ مَا يَحْبُوبُ

زار العاد ص ۴ ج ۲

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اگر انسان کو خالق کے بارے میں دوسرے پڑے تو اس کا علاج یہ کلمات ہیں ”هُوَ لَا قَوْلَ وَلَا خَيْرٌ وَلَا ظَاهِرٌ وَلَا بَاطِنٌ وَهُوَ يَكُنِّي شَيْئًا عِلْمٌ بِشَيْءٍ“

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مَنٌ  
أَخَذَ إِذْ وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ فَرِيضَةٌ  
تَرْجَمُصُ : روایت ہے حضرت ابن  
مسعودؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس  
پر ایک ساتھی جن اور ایک ساتھی فرشتہ  
مقرر نہ ہو۔

قَوْلُهُ وَكُنْ - یہ تو کینل سے ہے یعنی تسلط یعنی مسلط کر دیا جاتا ہے۔  
قَوْلُهُ قَرِيضَةٌ مِنَ الْجِنَّ - اس کا نام اہرمن یا دوس اس ہے جو بدی کا  
حکم کرتا ہے۔

قَوْلُهُ قَرِيضَةٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ - اس کا نام ملہم ہے جو اس کو اچھائی کا حکم  
کرتا ہے۔ یہ کراٹا کا تبین کے علاوہ ہے۔

خُلَاصَتُہ : یہ کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو دو ساتھی اس کے ساتھ لگا دیے جاتے  
ہیں، ازل فرشتہ، دوم جن۔ پھر ہر ساتھی اپنی اپنی فطرت کے مطابق انسان کو چلانے کی  
کوشش کرتا ہے۔

قَوْلُهُ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَاثَنِي عَلَيْهِ فَاسْتَكْمَلْتُ - یہاں دو روایتیں ہیں۔  
۱۔ اسْتَكْمَلْتُ (میں نے ختم کر دیا) مضارع استكمل کا صیغہ سَلَّمَ باب مَبْعَع سے یعنی میں اس  
کے شر اور دوسرے عالم اور محفوظ رہتا ہوں۔ یہ علامہ خطابؒ کا قول ہے۔

مَسْلَمَہ (فتح المبرہی کا صیغہ) اسلام سے بمعنی منقاد ہونا، یعنی وہ میرے تابع و منقاد ہو گیا ہے یعنی مجھے برائی کا حکم نہیں کرتا۔ مفسرین حضرات کا ان دونوں معنوں پر زور ہے۔ قاضی عیاضؒ اسکو کا معنی کرتے ہیں کہ وہ شیطان مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

شَيْطَانٌ اَدْرَكَ كَانٍ كَافِرًا وَشَيْطَانِي مُسْلِمًا۔

سوال۔ یہ کہ شیطان کیسے مسلمان ہو گیا؟ کیونکہ اس کی پیدائش طبعاً و فطرۃً کفر پر ہے۔

جواب۔ جو بڑا شیطان ہے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا اور وہ لوگوں کو کافر بنانا رہتا ہے۔ باقی دوسرے شیطان جو چٹنوں سے ہیں وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ ان کا اسلام لانا قرآن سے ثابت ہے حتیٰ کہ شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ بڑے شیطان کا بیٹا بھی حضرتؐ پر ایمان لایا تھا اور مسلمان ہوا تھا کیونکہ جس اللہ نے اس کو کفر پر پیدا کیا، اسی اللہ کی قدرت ہے کہ اس کے اندر قبول اسلام کی صلاحیت پیدا کر دے۔ کَمَا قَالَ عَلَاءُ مَسْكَانٌ دَهْلَوِيٌّ " فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَادِرُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَسْتَعْدُّ مِنْ فَضْلِهِ أَنْ يَخْصَّ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَمْثَالِ هَذِهِ الْكَلَامَةِ وَبِمَا هُوَ قَوْلُهُمْ اِرْغَمُوا فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِحَسَنٍ اس صورت کی تائید کرتی ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت النبیؐ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کے خون کے ٹھکانوں میں گردش کرتا ہے۔

وَعَنْ النَّسِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْوَسْطَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔

قولہ مَجْرَى الدَّمِ۔ مَجْرٰی میں دریا مثال میں ہے۔

(۱) مجری مصدر بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں بڑی تیزی سے اور غیر محسوس طریقہ سے چلتا ہے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مَجْرٰی ظرف مکان ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ شیطان بھی انسان کی ہر رگ میں اثر انداز ہوتا ہے جیسا کہ خون جسم کے ہر حصہ میں پہنچتا ہے۔

سوال - حدیث پاک کی مراد کیا ہے ؟

جواب - محدثین حضرات نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں :-

اول - کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے - مطلب یہ ہے کہ واقعی شیطان خون کی طرح رگوں میں گردش کرتا ہے -

دوم - دوسری رائے یہ ہے کہ حدیث کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ یہ کنایہ ہے تسلط اور غلبہ یعنی جس طرح خون ہر وقت جسم میں گردش کرتا رہتا ہے - اسی طرح شیطان بھی ہر وقت انسان پر مشغول رہتا ہے کیونکہ اللہ پاک نے اس کو قیامت تک اس تسلط کی طاقت عطا کر رکھی ہے -

قَالَ رَبِّ انْظُرْنِي إِلَى يَوْمٍ يُبْعَثُونَ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ (پکاس حجہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آدمی زادہ ایسا نہیں ہے پیدا نش کے وقت شیطان چھوتا نہ ہو -

وَكُنْ إِلَى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ابْنِ آدَمَ مَوْلُودٍ إِلَّا يَمَسُّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُولَدُ

قولہ مَوْلُودٌ - مَوْلُودٌ مرفوع ہے کیونکہ یہ فاعل ہے اور ظرف ہے مِنْ ابْنِ آدَمَ کا -

سوال - یہ کفرت اس وقت عمل کرتا ہے جب بہارا پکڑے -

جواب - یہاں ظرف کا بہارا حرف نفی کا پر ہے -

دوسری ترکیب - مِنْ ابْنِ آدَمَ خبر مقدم ہے اور مَوْلُودٌ مبتداء مؤخر ہے -

سوال - تم مبتداء بنا رہے ہو ماس کا عمل کہاں جائے گا یہ متشبه بلیس ہے اور عمل کرتا،

جواب - یہ ہے کہ ترکیب بدلنے سے ماس کا عمل باطل ہو جاتا ہے - اب اس مقام

پر دو بحثیں ہیں -

بحث اول - کہ مَس سے کون سا مَس مراد ہے حتی مَس مراد ہے یا کوئی اور چیز مراد ہے

اس میں علماء کی دو آراء ہیں :-

اول : عند البعض من سے مراد یا مکن کنایہ ہے دوسرے کے دوسرے ڈالنا ہے ۔  
 دوم : عند الجمهور مکن حتی مراد ہے چنانچہ قیستہل صارخا کے الفاظ اسی پر دال ہیں ۔ ثانیاً :-  
 پیدائش کے وقت اکثر و بیشتر اس کا مشاہدہ ہوا ہے ۔

**حاصل حدیث ۱** : یہ ہے کہ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے اس کو شیطان ضرور  
 چھیرتا ہے لیکن دو شخصیات کا اس سے استثناء کیا گیا ہے ۔ ایک مریم علیہا السلام ، دوسرے  
 ان کے صاحبزادے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ۔ ان کو پیدائش کے وقت شیطان نے مکن نہیں کیا بجا بیت  
 دُعَا وَ اِنِّیْ اُعِیْذُ هَا بِكَ وَ ذَرَّیْنَهَا مِنْ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (ال عمران ۳۶)  
 بحث دوم ۔ علامہ نے بحث کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شیطان نے مکن کیا ہے یا  
 نہیں اس میں دو رائے ہیں ۔

اول : عند البعض آپ کو شیطان نے مکن نہیں کیا ۔  
 سوال ۔ یہ کہ اس حدیث میں صرف دو شخصیات کا استثناء کیا گیا ہے ۔  
 جواب ۔ یہ ہے کہ چونکہ قرآن مقدس میں ان ہی دو کے لیے شیطان سے حفاظت کی دُعَا کا  
 ذکر ہے ۔ رِکْعَا فِی قَوْلِهِ تَعَالٰی وَ اِنِّیْ اُعِیْذُ هَا بِكَ وَ ذَرَّیْنَهَا مِنْ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ  
 اس لیے قبولیت دُعَا بتسلل کے لیے دو ہی کا استثناء کیا گیا ہے ۔ حدیث میں مستثنیات  
 کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ اجماعت دُعَا بتانا مقصود ہے ۔  
 دوم ۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عدم مکن صرف مریم علیہا السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے  
 اس پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں ۔

یہ ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت  
 لازم آتی ہے ۔ جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی افضل از نبی ہیں

ان دونوں مبارک ہستیوں کی فضیلت جُزئی ہے ۔ جس سے حضور علیہ السلام  
 کی فضیلت کلی پر کوئی حرج نہیں آتا اور مفعول کے اندر ایک جُزوی

فضیلت کا ہونا افضل کی فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے جیسے کہ حدیث پاک میں ہے کہ جس راستہ  
 پر حضرت عمرؓ چلتے ہیں ۔ شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے ۔ کیا کوئی اس سے یہ سمجھ  
 سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل تھے کیونکہ حضرت کے ساتھ یہ معاملہ

نہیں ہے تو صرف اس سے مقصود حضرت عمرؓ کی ایک جزئی فیصلت بیان کرنی تھی۔

**جواب دوم** | اس عمومی مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہی نہیں ہیں کیونکہ  
مَنْكُم عَرَفَا حَكْمَ عَاجِزٍ هُوَ اَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ  
قَدِيرٌ میں کُلِّ شَيْءٍ سے خدا تعالیٰ عاجز ہیں انہوں نے اپنی مثل نہیں بنائی۔

**جواب سوم** | اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء اس ضابطہ سے مُشْتَقُّ  
ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ جو لوگ اس صفت پر ہوں وہ بھی مضموم  
ہیں۔ لقولہ تعالیٰ « اِنَّ عِبَادَکَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِیْنَ »

سوال دوم۔ یہ ہے کہ جس شیطان تو عنقت کے منافی ہے۔

یقول ابوالسعاد : عصمت کا معنی ہے گناہ سے محفوظ رہنا۔ لہذا گناہ تو عصمت  
کے منافی ہے کوئی تکلیف ہو جانا عصمت کے منافی نہیں ہے اور جس شیطان سے کوئی گناہ  
لازم نہیں آتا یہ صرف ایک تکلیف ہے۔ کفار نے آنحضرتؐ کو بہت ایذائیں دیں ان سے  
عصمت پر کوئی فرق نہیں آیا۔ عصمت کو توڑنے والی مصیبت ہے۔

قوله فَيَسْتَوِل : یَسْتَوِل اِھْلَاک سے ہے بمعنی رَفِیْع الصَّوْت صَرَخًا  
بمعنی الصَّوْت، یعنی بچہ چیخا ہے اور روتا ہے، یا پہلے کم روتا ہے پھر شدت تکلیف کی وجہ  
زیادہ رونا شروع کر دیتا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
زمین پر گرتے وقت بچہ کی چیخ شیطان کی  
جو کہ سے ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَاحُ  
الْمَوْلُودِ حِينَ يَقَعُ نَزْعًا  
مِّنَ الشَّيْطَانِ۔

**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ** : حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بچہ کی پیدائش  
کے بعد شیطان بچہ کی کو کہ میں انگلی مارتا ہے اور اس کی تکلیف سے بچہ روتا ہے۔ اس لیے  
سُنَّت ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اس کو غسل دے کہ دہنے کان میں آذان اور بائیں کان میں تکبیر



کہی جائے تاکہ شیطان دفع ہو۔ کیونکہ آذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ کَمَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَلْوَدِي بِالْمَلَكَةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ» (ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب رفع الصوت بالآذان)۔

یقول ابوالاحسان: مزید اس حدیث میں کوئی بحث نہیں یہ حدیث جمہور کا مستند بنتی ہے جن کے نزدیک کس شیطان جتنی ہے دوسرے مراد نہیں۔ کَمَا يَذُنُ لَفْظُ صِيَاحِ الْمَوْلُودِ۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَا يُفْتِنُونَ النَّاسَ

ترجمہ: حضرت جابر فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابلیس اپنا تخت حکومت پانی (سمندر) پر رکھتا ہے پھر وہاں سے اپنی جماعتوں کو لوگوں کے درمیان گمراہی پھیلانے کے لیے روانہ کرتا ہے۔

قَوْلُهُ يَضَعُ عَرْشَهُ — وضع عرش کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ اَوَّلٌ، یہ کہ حقیقت پر محمول ہے کہ وہ ظاہری طور پر عرش اور تخت رکھتا ہے۔ ۲۔ رُبَّ ذُو الْجَلَالِ سَنَ ابْتِلَاءِ كَيْفَ شَيْطَانُ كُوَ اس بات کی قدرت دی ہے تاکہ وہ یہ کہے کہ عرش رحمانی کے مقابلہ میں میرا عرش شیطانی بھی ہے۔ چنانچہ قرآن مقدس میں عرش رحمانی کے متعلق ارشاد ہے: «وَكَانَ عَرْشُ اللَّهِ عَلَى الْمَاءِ رَبِّكَ» (روم) یہ مجاز ہے اور کمال لفظ سے کہنا یہ ہے۔

قَوْلُهُ عَلَى الْمَاءِ — اس سے مراد سمندر ہے۔ یعنی بہت بڑے پانی پر عرش رکھتا، کَمَا جَاءَ فِي رَوَايَةٍ عَلَى الْبَحْرِ۔

قَوْلُهُ سَرَايَا — سر یہ کی جمع ہے بمعنی چھوٹی فوج جن کی تعداد پانچ افراد سے چار سو تک ہے۔ ۱۔ ذُرِّيَّةُ شَيْطَانِ کی مختلف جماعتیں ہیں ان کے نام اور کام الگ الگ ہیں چنانچہ دھنوں میں بہکاتنے والے کا نام رُلْهَان ہے اور نماز میں درغلانے والے کا نام خُزْرَب ہے۔

ایسے ہی مسجدوں، بازاروں میں اس کی الگ الگ فوجیں رہتی ہیں۔

قَوْلُهُ يَفْتَنُونَ النَّاسَ - يَفْتَنُ الْيَاكُ وَكَثَرَتِ الشَّيْءُ اَيُّ يَغْتَلِبُوهُمْ

قَوْلُهُ اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً - اَيُّ اَكْبَرُهُمْ اَضْلَالًا اَوْ اَشَدُّهُمْ اَضْلَالًا

ابلیس اپنی ذریت میں سے اُسے اپنا خصوصی قرب بخشا ہے جو لوگوں میں بڑی گمراہی یا فتنہ پھیلا کر آئے  
قَوْلُهُ قَالَ - اس کے قابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قَوْلُهُ حَتَّى قُتِلَتْ بَيْتُهُ - تفریق سے مراد طلاق ہے یعنی فساد برپا کر کے میاں

بیوی کی دائمی جدائی کرادی ہے۔ طلاق اگرچہ مباح چیز ہے لیکن اکثر فساد کی جڑ بن جاتی ہے۔

اس لیے ابلیس اس پر خوش ہوتا ہے۔ فرمان نبویؐ ہے: "اَلْبَغْضُ الْحَلَالُ الْفُلَاقُ"۔

حتی الامکان اس سے بچنا بہتر ہے۔ عند البعض یہ مطلب بھی ہے کہ میں نے خاندان بیوی میں جُلائی

کرادی کہ خاوند نے عورت کو مخلوق کر دیا کہ نہ چھڑ سکتا ہے اور نہ لساتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

فَسَدِّدْ رُحَاكَ كَالْمُعَلَّمَةِ۔

سوال۔ گناہوں میں سے اور گناہ بھی تو بہت ہیں تفریق بین الزوجین کو کیوں ترجیح دی؟

جواب۔ اس گناہ کے اثرات اور نتائج بہت دور رس ہیں۔ ثانیاً یہ زنا اور

اولادِ زنا کی کثرت کا سبب بنتا ہے۔ نیز بسا اوقات اس سے پیدا ہونے والی عداوتوں کے

خاندان کے خاندان تباہ ہر جاتے ہیں اس لیے یہ فعل شیطان کے ہاں اَحَبُّ الاشیاء ہے۔

قَوْلُهُ فَعَسَا اَنْتَ - اِگر فَعَسَا پڑھیں تو فعل مدح ہے معنی ہوگا فَعَسَا اَنْتَ لَوْ كُنَّا

يَا نِعْمَ اَلْعَمَلُ - اَنْتَ لَعَسَا پڑھیں تو حرف ایجاب ہے، پھر معنی ہوگا فَعَسَا اَنْتَ صَنَعْتَ

شَيْئًا عَظِيمًا یعنی کام تو تو نے کر دکھایا ہے۔

قَوْلُهُ قَالَ اَلَا عَمَش - اَعْمَشْنُ معنی چوندھا اس کی آنکھیں اسی طرح چوندھی

تھیں۔

سوال۔ الشہاک فرماتے ہیں "وَلَا تَشَابَرُوا بِاَلِ الْقَابِ" بڑے القاب سے

نہ پکارو۔ چوندھا تو برا لقب ہے۔

جواب۔ محدثین حضرات کے نزدیک یہ القاب تو حین کے لیے نہیں بلکہ امتیاز

کے لیے ہے۔

قولہ اَرَاہُ - مجھ کو ہے یعنی اَظُنُّ معلوم ہوا کہ شیطان کا محبوب عمل یہی ہے۔ نیز اَرَاہُ کی ضمیر کا مرجع ابو سفیان ظہری ہیں جو سلیمان اعلمی کے شیخ اور حضرت جابرؓ کے شاگرد ہیں۔ یا اس کا مرجع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہیں۔

قولہ فَيَلْتَزِمُهُ - حدیث کے راوی اعلمی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت جابرؓ نے بھائے فیئد نیہ کے فیلتزمہ رپس ابلیس اس کو لٹکے لگا لیتا ہے، کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ - ۱

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان جزیرۃ العرب کے مسلمانوں کے متعلق اِس کی پرستش کرنے سے ناامید ہو گیا ہے لیکن انہیں آپس میں بھڑکانے میں مشغول ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ  
الشَّيْطَانَ قَدْ اِيَسَ مِنْ اَنْ  
يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي حَزِيرَةِ  
العَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ

قولہ اَيْسَ - اَيْسَ بمعنی اِی صَامَ مَحْرُومًا یعنی ناامید ہونا۔ کما فی قولہ تعالى لَا تَلْبِسُوا مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اَيْسًا لَا يَلْبِسُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِذَا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ - پکا بدعت

قولہ يَعْبُدُهُ - اَيْ عِبَادًا مِّنَّا کہ میری عبادت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان کو اس بات کی امید نہیں رہی کہ جزیرہ عرب میں میری عبادت کی جائے گی۔

سوال : شیطان کی عبارت سے کیا مراد ہے؟ اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔ جواب اول : شیطان کی عبادت سے مراد دینِ اسلام سے مُرتد ہونا ہے۔

سوال : یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بہت سے لوگ مُرتد ہوئے ہیں (کَمَا فِي وَاقِعَةِ مُسَيَّلَمَةَ كَذَابٍ وَاسْوَدُ عَنَسِي غَيْرِ) تو اس کا مطلب یہ ہے اس حدیث کے خلاف ہوگا جواب : حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ لوگ مُرتد نہیں ہوں گے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اسلام

کی قوت اور شوکت دیکھ کر شیطان ارتداد سے مایوس ہو گیا ہے اور اسے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ اب کوئی شخص دین سے نہیں پھرے گا، کسی وجہ سے لوگوں کا مرتد ہو جانا اس کی مایوسی کے منافی نہیں۔

**جواب دوم** - عند البعض عبادة الشیطان سے بت پرستی مراد ہے۔ یعنی شیطان جزیرہ عرب میں بت پرستی سے مایوس ہو گیا ہے۔ اور واقعی جزیرہ عرب میں بت پرستی کبھی نہیں ہوئی "کما فی قولہ تعالیٰ" یَا أَبَتِ لَا تَقْبِلُوا عِبَادَتِ الشَّیْطَانِ - (پکڑو) سوال - حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب دوس کی عورتیں دُرُ الخُلصہ بُت کے ارد گرد طواف کریں گی، دوران طواف ان کے ٹلوں میں پلٹتے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عرب میں بھی بتوں کی پوجا ہوگی درمشکوٰۃ شریف ص ۱۰۳ ج ۲ باب لَا تَقُومُ الشَّاعَةِ لَا عَلٰی شَرًّا وَلَا نَافَعِینَ :

**جواب :** یہ قیامت کے قریب کی وجہ سے ہے کہ قریب قیامت میں ہر برائی نمود کر آئے گی۔ حدیث میں جو نفی ہے وہ قیامت سے پہلے کی ہے۔

**جواب سوّم** - شیطان کی عبادت سے مراد جاہلیت کا دور دوبارہ لانا ہے اس سے شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ دور جاہلیت میں گمراہی ہی گمراہی تھی۔ ہدایت معدوم یا بالکل مغلوب تھی۔ اب ایسا دور کبھی نہیں آئے گا۔

**قوله الْمُعَصِّلُونَ** - مُصَلِّونَ سے مراد اگر مسلمان ہیں تو جزو کہہ کر کل مراد لینا ہے۔ کما فی قولہ علیہ السلام لَمْ یَشْکُرْ عَنْ قَتْلِ الْمُعَصِّلِینَ عند البعض اہل ایمان مراد ہیں پھر نماز افضل العبادات اور عماد الدین اور ایمان کی بڑی علامت ہے۔ اس لیے اسے اختیار کیا گیا ہے۔

**قوله جَزِيرَةُ الْعَرَبِ** - اس کی تفسیر میں متعدد قول ہیں :-

اول : امام مالک کے نزدیک مکہ، مدینہ، یمن -

دوم : ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بحر ہند اور بحر شام نے جس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ

جزیرۃ العرب ہے۔

سوّم : قاموس میں ہے کہ جزیرۃ العرب کی حدود یہ ہیں عدن سے شام تک مُلَوّۃ اور

جذہ سے عراق تک عرضا ہے۔

سوال - جزیرۃ العرب کو کس بنا پر خاص کیا گیا؟

جواب اول : جزیرۃ عرب کی خصوصیت اس لیے ہے کہ اس وقت تک اسلام عرب سے باہر نہیں پھیلا تھا۔ صرف جزیرۃ عرب میں ہی اسلام تھا اس بنا پر تخصیص کی ہے۔  
جواب دوم : عند البعض تخصیص کی وجہ محیط کوچی اور دین اسلام کا مرکز ہے بخلاف دوسرے علاقوں کے وہاں یہ صورت نہیں ہے۔

قَوْلُهُ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ - تحْرِيشُ بِمَعْنَى الْأَعْزَاءِ عَلَى الشَّيْءِ كَمَا بَيَّنَّا  
اس کا اطلاق دو جالوزوں کو آپس میں لڑانے پر ہوتا ہے۔ جس طرح کہ مُرْغ اور کتے آپس میں لڑنے جاتے ہیں۔ مگر اس حدیث میں تحْرِيش کا معنی ہے کہ ایک کے قتال پر دوسرے کو اکسانا۔ لَكِنْ کے بعد هُوَ مقتدر ہے۔ اصل میں تھا هُوَ فِي التَّحْرِيشِ کہ هُوَ مُبْتَدِئٌ ہے اور فِي التَّحْرِيشِ خبر ہے۔ اس کا مرادی معنی ہے کہ عربوں کو آپس میں لڑانا رہتا ہوں یا لڑا کر آیا ہوں۔ اس حدیث میں مشابہات صحابہ کی بیشنگونی کی گئی ہے۔

## الفصل الثانی

یہ دوسری فصل ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ  
مَلَكَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيَاةً  
رَجُلًا فَقَالَ إِنِّي أَخَذْتُ نَفْسِي  
بِالشَّيْءِ لَوْ أَنَا كُنْتُ حَمَمَةً أَحَبُّتُ  
إِنِّي مِمَّنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِهِ

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک صحابیؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں سوچتا ہوں ایسی چیز دوسرے کہ میں بھل کر کوئلہ ہو جانا بہتر سمجھتا ہوں لیکن زبان سے اس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔

قَوْلُهُ إِنِّي أَخَذْتُ نَفْسِي - یعنی میں دل میں سوچتا ہوں اور خیال کرتا ہوں۔

اس کی مکمل بحث باب الوسوسہ کے ابتداء میں آچکی ہے۔

قَوْلُهُ بِالشَّيْءِ - یہ لفظ موزن اور منقح نکرہ ہے۔ اور اس کے بعد والا جملہ اسمیہ  
لَا اَنْ اَكُوْنَ اِلَّا اَسْ کی صفت ہے۔

ثَالِثٌ وَلَقَدْ اَمَرُ عَلَى اللّٰهِ يَمُكِّنُ جملہ فعلیہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

قَوْلُهُ حَمَمَةً - اس کا معنی کوئلہ بھی ہے کیونکہ لکڑی جل کر آگ میں کوئلہ بن جاتی  
ہے یا معنی انگارا بھی ہے۔

سوال - صحابی رسول نے انگارا بن جانے کو کلام پر کیوں ترجیح دی ؟

جواب - غایت قباحت کی وجہ سے انگارا بننا پسند کیا۔ صحابی رسول کا مقصد  
یہ تھا کہ مجھے عقائد اسلامیہ اور ذات و صفات الہی کے متعلق ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ مجھے  
ان کا قبول کرنا تو دور کی بات ہے یا اثنا برابر ہے کہ انگارا بن جاؤں مگر زبان پر ان کا ذکر نہ لائوں۔

قَوْلُهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي رَزَقَ اُمَّتًا اِنِّى اَتُوسَّوَسَةٌ (ترجمہ) اس خدا کی  
تعرین ہے جس نے اس چیز کو صرف وسوسہ کی حد تک محدود رکھا۔

خُلَاَصَةُ الْجَوَابِ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیؓ کو تسلی دیتے ہوئے  
یہ کلمات ارشاد فرمائے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا  
فضل ہے کہ تمہارا ایمانی احساس و شعور ہر طرح بیدار ہے۔ اور اس برے خیال کو خود تمہارا  
دل و دماغ نے قبول نہیں کیا اور وسوسہ سے آگے نہیں بڑھنے دیا اور وسوسہ پر نہ کوئی مواخذہ  
ہے اور نہ عقاب ہے۔

سوال - رَزَقَ اُمَّتًا کی ضمیر کا مرجع کس طرف ہے ؟

جواب - اس میں دو احتمال ہیں :-

اول - یہ کہ اس کا مرجع وجہ ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے اور اسے منہی شان  
ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس آدمی کا معاملہ صرف و سادس تک پہنچا ہے اور قول و عمل تک  
نہیں پہنچا۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو اس پر عمل کر لیتے تو اس پر مواخذہ ہو جانا  
اور جہاں تک وسوسہ کا تعلق ہے وہ تو معاف ہے۔

دوم - اس کا مرجع شیطان ہے اور یہی قول باصواب ہے۔

**سوال** - رجل کا ذکر تو حدیث پاک میں ہے - مگر شیطان کا ذکر تو حدیث میں نہیں - پھر مرجع خیر اس کی طرف کیسے لوٹے گی؟ -

**جواب** - شیطان کا ذکر صراحۃً حدیث میں نہیں مگر وہ ضمنًا سیاق کلام سے سمجھا جا رہا ہے۔  
**سوال** - وہ نفی میں جملہ کوں ہے جس سے شیطان کا ذکر مفسر تشریح ہوتا ہے۔

**جواب** - وہ جملہ اُحَدِثِ نَفْسِی بِاللَّشِیْءِ ہے کہ میرے دل میں دوسرے پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے شیطان ہی ڈالتا ہے کیونکہ انسان کے دو قرین ہیں ایک فرشتہ اس کے ذمہ الہام خیر ہے۔ اور دوسرا شیطان جس کے ذمہ دوسرے شر ہے۔ لہذا اُحَدِثِ نَفْسِی بِاللَّشِیْءِ سے ذکر شیطان ضمنًا معلوم ہوا۔ یعنی شیطان پہلے صریح کفر کی طرف دعوت دیتا تھا۔ اب اس کو بغیر دوسرے دوسرے کے کوئی راستہ نہیں ملتا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان میں شیطان کا بھی تعرت ہے اور فرشتہ کا بھی۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَعَةً  
بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَعَةً -

**قَوْلُهُ لَمَعَةً** - محدثین حضرات نے لَمَعَةً کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں۔  
ما اثر ما چوک مَ تَصْرُف - معنی ہوگا کہ مؤمن کے لیے دو اثر ہیں ایک شیطان کی طرف سے جو شر اور تکذیب حق کے لیے ہے۔ اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے جو خیر کے لیے ہے۔  
**قَوْلُهُ فَأَمَّا لَمَعَةُ الشَّيْطَانِ** - یہاں سے لَمَعَةُ شَيْطَانِ کا بیان ہے۔

شیطان کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ راہ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے۔ دوسرے کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں میں

**اثر شیطان کا مطلب**

تردد و شک پیدا کرتا ہے۔ مثلاً توحید باری تعالیٰ، عقیدہ ختم نبوت وغیرہ اگر ان پر عمل کر دے تو پریشان ہو جائے۔

## اثر فرشتہ کا مطلب

فرشتہ کے اثر کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور اس پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے۔ اور انسان کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سچا دین ہی انسانی ترقی کا ضامن ہے۔ اگر اپنی اصلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستے سے بچو اور نیکی کے راستے کو اختیار کرو۔  
سوال - یہ ہے کہ لفظ ایعاد عرفنا شر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جب کہ یہاں خیر کے ساتھ مُعلن کیا گیا ہے۔

جواب - ایعاد گو عرفنا شر کے ساتھ مخصوص ہے لیکن بِالْخَيْرِ کے قرینہ کی بناء پر یہاں خیر میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ قرینہ کے بدلے سے معنی میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔  
قَوْلُهُ فَمَنْ وَجَدَ ذَاكَ - ذَاكَ کا اشارہ لِقَةِ الْعَلِکَ ہے۔

سوال - فَمَنْ مَوْنٌ ہے۔ اور ذَاكَ مذکر ہے تو تطبیق کیسے ہوگی؟  
جواب - فَمَنْ کو اَنصَام کی تاویل میں کریں گے اور قانون ہے کہ جس لفظ کو جس کے ساتھ مؤنل (تاویل) کریں تو پھر اس کا حکم وہی بن جاتا ہے تو اب امام مذکر ہے تو فَمَنْ کو اَنصَام بھی مذکر کا ہو گا۔

قَوْلُهُ فَلْيَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مِنَ اللّٰهِ - یعنی جس شخص کے دل میں اس فرشتہ کے مدد کا خیال پیدا ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے اس لیے اسے چلیے کہ وہ اس رُفعت پر خدا کی تعریف کرے۔

قَوْلُهُ نَسُوْا قُرْاٰنَ الشَّيْطٰنِ يُعِدُّ كُفْرًا فَقْرًا وَّيَا مُرْكُزًا لِّفَحْشَاۤءٍ - یہ بیان استشہاد یا بیان قرینہ ہے۔ یعنی یہ شیطان برائیوں کو خوبیاں اور نیکیوں کو نصیبت بنا کر دکھاتا ہے، خیرات کے ارادہ پر فقر سے ڈراتا ہے، ناجائز ناجائز اخراجات کے موند پر ناموری کا لالچ دیتا ہے، بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مسلمان حج و عمرات کرنے سے گھبراتے ہیں لیکن شادی بیاہ کے حرام رسوم پر خوب دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہے۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ  
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے  
سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے



روایت کرتے ہیں فرمایا لوگ پوچھ گوچھ کرتے رہیں گے معنی کہ یہ کہا جائے گا کہ مخلوق کو خدا نے پیدا کیا تو خدا کو کس نے پیدا کیا۔

قَالَ لَا يَكُنُ الْإِنْسَانُ سَأَلَ تَسَاءَلُونَ  
حَتَّى يُقَالَ هَذَا خَلَقَ اللَّهُ  
الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ

قولہ لَا يَكُنُ الْإِنْسَانُ سَأَلَ تَسَاءَلُونَ - ناس سے مراد اگر امتیاز اجات ہے تو پھر سوال سے مراد سوال دوسرے کا ہو گا جس پر شریعت میں کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر ناس سے مراد امتیاز دعوت ہے تو پھر سوال سے مراد سوال اعتقاد ہو گا یا بطریق تعریض کے ہو گا۔ جس میں شریعت کے اندر مواخذہ ہے۔

قولہ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ - یعنی ہر موجود کا کوئی موجد چاہیے، اور اللہ تعالیٰ بھی موجود ہے۔ لہذا اس کا موجد بھی ہونا چاہیے۔ یہ شیطانی دوسرہ ہے۔ خیال رہے کہ شیطان علماء کے دل میں عالمانہ دوسرے، اور صوفیاء کے دل میں عاشقانہ دوسرے عوام کے دل میں عامیانہ دوسرے ڈالتا ہے۔ جیسا شکار دلیا جاوے۔ بسا اوقات انسان گناہ کو بھی عبادت سمجھ لیتا ہے۔ قولہ فَقُولُوا لِلَّهِ أَحَدٌ - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالق کے بارے میں خالق کے دوسرے کا بیان فرمایا ہے کہ اگر خالق کی خلقت کے بارے میں دوسرے ہو تو کیا کرنا چاہیے اس کے دو ظاہر علاج تجویز فرمائے ہیں۔ اولاً سورۃ اخلاص کا ورد ثانیاً بائیں طرف تھوکرنا۔ سورۃ اخلاص میں خالق توحید ہے اور توحید سے اس کو چڑ ہے۔ باطنی علاج تفصیلاً باب الوسوسہ کی تیسری حدیث میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

بقول ابوالاسعاد، فَقُولُوا لِلَّهِ أَحَدٌ یہ فَمَنْ خَلَقَ اللَّهُ والے قول پر رد ہے۔ سورۃ اخلاص کے اندر صفات خمسہ کا ذکر ہے۔ اور صفات خمسہ کے ذکر سے مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے مخلوق ہونے کی نفی کرنا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

احد وہ یکتا ذات ہے جس کا ذات و صفات میں کوئی شریک نہ ہو۔ لہذا ذات باری تعالیٰ مخلوق نہیں ورنہ مخلوقیت

صفت ۱: أَحَدٌ

کی صفت میں مخلوق کے ساتھ شرکت لازم آئے گی جو احدیت کے نشانی ہے۔

صمد وہ ذات ہے جو کسی کی مُخلّج نہ ہو اور باقی سب اس کے مُحتاج ہوں حالانکہ مخلوق اپنے خالق کی مُحتاج ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ مخلوق نہیں در نہ احتیاج لازم آئے گا۔

## صفت ۲۔ الصّمدُ

اس میں اللہ تعالیٰ کے والد ہونے کی نفی ہے جو اعلیٰ صفت ہے تو اعلیٰ کی نفی سے ادنیٰ (یعنی مولود و مخلوق)

## صفت ۳۔ لم یلدُ

ہونے کی بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

اس میں صراحۃً اللہ تعالیٰ کے مولود و مخلوق ہونے کی نفی ہے۔

## صفت ۴۔ ولم یولد

اس میں مُسادٰی کی نفی ہے کیونکہ کُفُوُ

## صفت ۵۔ وَلَوْ كُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

کے معنی مثل اور مُماثل کے ہیں یعنی نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی اس سے مشابہت رکھتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی اعلیٰ یعنی خالق و والد کی نفی بطریق اولیٰ ثابت ہوتی ہے۔

قولہ شَعْرًا لَيْسَ قُلُّ عَيْنٍ يَسَارٌ - پھر بائیں طرف تین بار تھوکو۔ یہ تھوک ضربِ دونوں سے ہے۔ تھوکنے سے مقصود اظہارِ نفرت و کراہت ہے کیونکہ عموماً جس کی نفرت دل میں ہو تو انسان اعراض بھی کرتا ہے اور تھوکتا بھی ہے۔

اگر انسان نماز میں مشغول ہو، اور دُساوس شیطانی گھیر لیں تو پھر اگر

## تھوکنے کے بارے میں فقہی مسئلہ

فرض نماز ہے تو ارکان ہی میں مشغول رہنا چاہیے، اور اگر نفل نماز ہے اور سجدہ بھی ہے تو تھوڑے پڑھ لے لیکن تھوکے نہیں، یا اگر تھوکے تو اپنے کپڑے میں لے لے، اور اگر مسجد سے باہر ہے تو پھر تھوک بھی سکتا ہے وَلَكِنْ اَيَمَسِّلْ قَلِيلًا۔

سوال - یَسَارٌ کی قید کیوں لگائی؟

جواب اول: اظہارِ فضیلت مقصود ہے یعنی دائیں جانب انفل ہونے کی وجہ سے بائیں طرف کو اختیار کیا گیا ہے۔

جواب دوم: صوفیاء کرام کے نزدیک یہ اشارہ ہے کہ شیطانی القاء بائیں طرف سے

ہوتا ہے اور خدا فی القادر انہیں طرف سے ہوتا ہے۔

## الفصل الثالث

یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَنْ يَبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَاءَلُونَ

ترجمہ : حضرت انس سے روایت ہے  
کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمیشہ لوگ  
ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے۔

قوله كذا یہ کنایہ ہے کثرت سوال سے۔

قوله قَالَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ - یہ حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ مزید  
حدیث کی مکمل بحث تدریس الفاء۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ  
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ  
فَدَّ حَالَ بَيْتِي وَبَيْنَ قِبْرَاءِ قِي  
يَلْبَسُهَا عَلَيَّ -

ترجمہ : حضرت عثمان بن ابی العاص  
سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ  
میرے اور میری نماز کے درمیان شیطان  
حائل ہو جاتا ہے اور پڑھنے میں رکاوٹ  
ڈالتا ہے۔

قوله حَالَ بَيْتِي - حائل کی ایک علت دخول فی القسوة ہے کہ شیطان نماز تو نماز رہی  
بلکہ نماز میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ دوم حائل سے مراد قرأت کا حائل ہے کہ قرأت کے  
اند پر پڑھتے پڑھتے کئی وسوسے نظر آتے ہیں۔

قوله يَلْبَسُهَا عَلَيَّ : اِنِّي يَحُلُّطِنِي وَيَسْكِبُنِي يَلْبَسُهَا كِي ضَمِيرُهَا صَلَاةُ يَاقِرَّة  
دو دنوں کی طرف پھر سکتی ہے۔

قَوْلُهُ يُقَالُ لَهُ خِزْبٌ : اس میں تین لغات ہیں مایکسرین یعنی خارالہ  
 راء مکسورہ مایکسرین یعنی دونوں مفتوح کجحفند مایکسرہ علی وزن دھم : مخزن  
 حضرات کے نزدیک یہ علم شخصی نہیں بلکہ کھفی ہے یعنی ایک شیطان مراد نہیں بلکہ نوع شیطان مراد ہے  
 لغت کے اندر خِزْب کا معنی ہے "جَرِي عَلَى الْعَصِيَّةِ" یعنی معصیت پر جرأت کرنے والا  
 اس کی وجہ تسمیہ واضح ہے کہ نماز میں سارے شیطان بھاگ جاتے ہیں یہ ایسا بخری ہے کہ نماز  
 میں بھی دھمکے ڈالنے سے نہیں چوکتا۔

قَوْلُهُ فَتَقَوُّذٌ بِاللَّهِ مِثْلُهُ - یہ تقوُّذ والا حکم نماز سے فارغ ہونے کے بعد کا  
 ہے نہ کہ اثنائے صلوٰۃ میں۔

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ : ترجمہ : قاسم بن محمد سے کسی نے  
 أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ إِنِّي أَهْمٌ دریاقت کیا کہ میں اپنی نماز میں دھم کرتا ہوں  
 فِي صَلَاتِي فَيَكْثُرُ ذَا إِلِكْ عَلَيَّ جس کی وجہ سے مجھے بڑی گرانی ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ فَيَكْثُرُ : ثار کے ساتھ کثرت سے ہے اور اگر یکبار بار کے ساتھ ہو تو  
 یعنی عظمت یا عظیم ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ لَهُ اِمْنُصْ فِي صَلَاتِكَ : یہ حکیمانہ جواب ہے کہ دساؤس  
 میں بے جا سوچ و بچار مت کرو اور نماز پوری کرو۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ  
 یہ ظن غالب ہو کہ میں نماز پوری کر چکا ہوں۔ ہاں اگر جا نہیں متساوی ہوں تو اعادہ کرے  
 اور یہ محض اس کے متعلق ہے جو بعض وقت دھم میں مبتلا ہوتا ہے، اور اگر کسی کی عادت  
 بن گئی ہو تو غالب گمان پر نماز ختم کرے۔

قَوْلُهُ فَإِسْتَعِذْ بِذَلِكَ عَنْكَ : بے شک وہ تم سے دور نہیں ہوگا۔  
 قَوْلُهُ تَنْصَرِفُ : ای تفرُّغ مِنْ صَلَاتِهِمْ : یہاں تک کہ تم نماز سے فارغ  
 ہو جاؤ۔ یعنی ان خطرات کی وجہ سے تم نماز کو نہ چھوڑو اور نہ لوٹاؤ یہ آتے ہی رہیں گے

جب نفس اور شیطان اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے تو تم نماز کیوں چھوڑتے ہو۔ مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہیں چھوڑا جاتا تم اللہ کے بندے ہو دل بکندے نہیں، دل لگے یا نہ لگے نماز پڑھتے رہو۔!

## بَابُ الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ

اس مقام پر آٹھ بحثیں ہیں یعنی مباحث ثنائیہ کا باب ہے۔

### الْبَحْثُ الْأَوَّلُ — ماقبل سے ربط

مختصراً عرض ہے کہ یہ باب تخصیص بعد از تعمیم کے قبیل سے ہے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایمان تمام ضروریات دین کے ماننے کو کہتے ہیں۔ ضروریات دین کے عموم میں تقدیر بھی تھی۔ اس عموم میں یہ بات آگئی تھی کہ تمام ضروریات دین کے ضمن میں تقدیر کا ماننا بھی ضروری ہے حدیث جبریل میں ایمان کی تعریف میں تقدیر کا صراحۃً ذکر تھا۔ اب مُصَنِّفؒ نے جاہل کہ عموم کے بعد خصوصیت سے تقدیر کو بیان کر دیا جاتے۔ اس کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ نہایت اہم و نازک ہے۔ اس میں فرق اسلامیہ کا بہت اختلاف ہوا ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہی کی طرف چلے گئے ہیں۔ اس لیے صاحب مشکوٰۃ نے اس کو خصوصی اہمیت دی ہے۔

### الْبَحْثُ الثَّانِي — اہمیت مسئلہ تقدیر

مسئلہ تقدیر مرتبہ الاقدام میں سے ہے۔ سِرُّ مَنَ اسرارِ اللہ ہے جس کی پوری حقیقت کی اطلاع نہ کسی مُقَرَّبِ فرشتہ کو دی گئی اور نہ کسی نبی و رسول کو اس لیے اس میں

زیادہ غور و خوض کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ جہاں تک قرآن و حدیث میں اجمالاً مذکور ہے۔ اسی پر اکتفا کر کے ایمان لانا چاہیئے کما حقہ اس کو سمجھنا انسانی طاقتِ عقلِ باہر ہے جتنی بحث کی جائیگی اتنا ہی خطروں میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ ایک سائل نے حضرت علیؑ سے تقدیر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:-

قَالَ طَرِيقُ مَنْظِلِهِ فَلَا تَسْأَلُهُ فَأَعَادَ السَّوَالُ فَقَالَ مَعَهُ عَمِيْقٌ  
فَلَا تَلْجِسْهُ وَأَعَادَ السَّوَالُ فَقَالَ سِرُّ الْمَلِكِ قَدْ خَفِيَ عَلَيْكَ  
فَلَا تَفْتَشْهُ (برقعات ج ۱ ص ۱۷۸) ترجمہ: حضرت علیؑ نے فرمایا یہ  
اندھیرے والا راستہ ہے۔ تو اس پر نہ چل۔ پھر اس نے سوال دہرایا تو پھر فرمایا  
یہ گہرا سمندر ہے۔ اس میں غوطہ نہ مار، پھر اس نے سوال کا اعادہ کیا تو حضرت علیؑ  
نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے تجھ پر مخفی ہے تو اس کی کھوج نہ لگا۔

اس لیے بی بی عائشہؓ کی روایت سامنے آرہی ہے:-  
مَنْ تَكَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقَدْرِ سِئِلَ عَنْهُ يُعْذَرُ الْغِيَا مَهً  
وَمَنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ لَمْ يَسْأَلْ عَنْهُ۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ۔۔۔ فی تحقیق معنی القدر والقضاء

لَقَدْ قَدَّرَ عِنْدَ الْبَعْضِ تَحْرِيكَ كَيْ سَاحَتْهُ قَدَّرَ جَب كَرِ بَعْضِ حَضَرَاتِ كَيْ زَوْدِيك  
تَكِينِ كَيْ سَاحَتْ قَدَّرَ بَعْثِ اَنْدَاہِ كَرْنَا، تَدْبِيرِ كَرْنَا۔ دُنْيَا دَا فِيمَا هِيْنَ جَوَاہِمُ هُوَ رَحْمَةُ هِيْ يَا هُوَ كَيْ  
اِس كَا اَنْدَاہِ ذَاتِ بَارِي تَعَالٰی پِلے لگا چكے هِيْنَ۔ كَمَا فِیْ قَوْلِهِمْ تَعَالٰی " اِنَّا كُلُّ شَيْءٍ

خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ رَٰٔی تَدْرٰکًا مَّقَابِلَ قَضَاءٍ هَیْ، قضاء بمعنی فیصلہ کرنا۔ کما فی قولہ تعالیٰ "فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَعُوٰتٍ رَٰٔی"

یقول ابوالسعاد: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ قضاء و قدر کے مابین کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک ان دونوں میں فرق ہے "اِنَّ الْقَضَاءَ هُوَ الْحُكْمُ الْکُلِّیُّ فِی الْاَزْلِ۔ وَالْقَدْرُ جُزْئِیَّاتُ ذٰلِکَ الْحُکْمِ۔ جیسے اللہ پاک فرماتے ہیں "وَ اِنْ قَسَمْتُ شَیْئًا اِلَّا عِنْدَ تَاَخُّرٍ اَثْبَتُهُ رَٰٔی" یہ حکم قضاء اور حکم کلی ہے آگے "وَمَا سَخَّرْنٰهُمْ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" یہ تقدیر اور جزئیات ہیں۔ عند البعض قدر وہ ہے جو چیز ذہن میں خاکہ کی شکل میں ہو اور قضاء اس کا وجود میں آجانا ہے۔

جس طرح ایک انجینیر یا معمار مکان بنانے سے قبل اسی کا ایک مثال نقشہ بنیانی | نقشہ اپنے ذہن میں اور ایک نقشہ کاغذ پر بناتا ہے۔ اور پھر اسی نقشہ کے مطابق خارج میں مکان تیار کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کا وجود سے پہلے اپنے علم میں اور پھر لوح محفوظ میں ایک نقشہ قائم فرمایا ہے۔ تو مکان بنانے سے قبل اس کا اجمالی نقشہ ذہن میں آنا یہ قدر ہے اور اسی نقشہ کے مطابق جو مکان تیار ہو کر موجود فی الخارج ہوا یہ بمنزلہ قضاء ہے۔ اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کلی اجمالی اُزلی کو تقدیر کہتے ہیں۔

## الْبَحْثُ الرَّابِعُ — فِی بَيَانِ اَقْسَامِ تَقْدِيرٍ

تقدیر دو قسم پر ہے :-

۱۔ مُجَرَّمٌ یعنی اہل تقدیر مہرِ مطلق طوری پر متعین ہو اور اس میں تغیر و تبدل کا ذرا بھی احتمال

۲۔ مُعَلَّقٌ وہ یہ ہے کہ مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہو کہ اگر فلاں نے حج کیا تو بیس سال زندہ رہے گا اور اگر حج نہ کیا تو پندرہ سال زندہ رہے گا فی الحقیقت تقدیر معلق علم الہی کے

اعتبار سے مبہم ہی ہے اور یہ تعلیق صرف لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے اور قرآن مقدس میں جو ارشاد ہے **يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ** (پکا، تو یہ محو اور اثبات بھی لوح محفوظ کے لحاظ سے ہے نہ کہ علم الہی کے لحاظ سے۔

يقول ابوالاسعاد : بندہ کے ان تقسیم ثانی بھی ہے کہ تقدیر تین قسم ہے۔  
 ۱۔ مبہم یا مشابہ مبہم یا متعلق۔ پہلی قسم میں تبدیلی ناممکن ہے۔ دوسری قسم خاص مجبوبات کی دعا سے بدل جاتی ہے۔ اور تیسری قسم عام دعاؤں اور نیک اعمال سے بدلتی رہتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتے ہیں **"يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِشَّةُ أُمِّ الْكِتَابِ"** حضرت ابراہیم کو قوم لوط کے لیے دعا کرنے سے روک دیا گیا کیونکہ ان پر دنیوی عذاب کا فیصلہ مبہم ہو چکا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر بچانے کا معاملہ کے موافق ہو گئی۔ وہ قضاء مبہم تھی اور یہ متعلق۔ یا جیسے حدیث پاک میں جلد دینی کوتاہی راجل کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ **رَمْسَانَةٌ فِي الْأَثَرِ** یا دعا کو تقدیر کی تبدیلی کا ذریعہ کہا گیا ہے۔

## الْبَحْثُ الْخَامِسُ۔ ثبوت تقدیر فی الکتاب الحمید

مسئلہ تقدیر کو قرآن مقدس نے بھی متعدد بار وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چند آیات مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سورج اور چاند کے متعلق فرمایا۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ  
 وَالْعَمَرُ قَدْ رُتِّبَ لَهُ مَنَازِلٌ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ  
 لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الْعَمَلُ سَابِقُ  
 الثَّغَارِ (پکا، ص ۱۵۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کی رفتار اور راستے متعین ہیں۔ غیر رات اور دن کی آمد و رفت حق تعالیٰ کے علم ازل کے مطابق ہے۔



۱۔ زمین کی غذاؤں کے متعلق فرمایا۔

وَقَدْ رَفِقَهَا آفُقًا تَحْتَهَا (پٹ)

۲۔ اور موت کے متعلق فرمایا۔

نَحْنُ قَدْ زَيَّنَّا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ (پٹ)

۳۔ اور مصیبت کے متعلق فرمایا۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي

كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا - (پٹ)

۵۔ اور تمام چیزوں کے متعلق فرمایا۔

وَخَلَقْنَا كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَءَاهُ نَعْدِمًا - (پٹ)

## الْبَحْثُ السَّادِسُ — فوائد اعتقادِ تقدیر

تقدیر پر اعتقاد رکھنا ضروری باتِ دین میں سے ہے۔ اس اعتقاد کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ تقدیر کو مانتا حقیقت کو تسلیم کرنا ہے۔ اس عنوان کے ماتحت یہ بتانا ہے کہ تقدیر کے اعتقاد میں انسان کے لیے بہت فوائد و برکات ہیں۔ مختصر اصراف چھ فوائد کے بیان پر اکتفا کر رہا ہوں۔

یعنی لوح محفوظ کے نقشہ کے مطابق واقعاتِ عالم کو دیکھ کر فرشتوں کے اعتقاد و تصدیق میں ترقی اور اضافہ

① زیادتی اعتقاد

ہوتا ہے۔

یعنی لوح محفوظ کے نقشہ کو دیکھ کر فرشتے قابلِ مدح اور قابلِ مذمت انسان کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور

② معرفتِ مرتبہ

پھر ہر ایک کے مرتبہ کے مطابق اس کے لیے دُعا و خیر یا دُعا و غیر خیر کرتے ہیں۔

یعنی انسان اپنی ناکامی اور مصیبت میں مایوس اور شکستہ دل

نہیں ہوتا۔ بلکہ اس میں خدا کی حکمت و مصلحت کا تصور

③ استقامت و صبر

کر کے صبر کرتا ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ" (پٹ)

یعنی عقیدہ تقدیر کی وجہ سے انسان اپنے کسی کمال اور کامیابی پر مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جان کر اس کا شکر بجالاتا ہے۔

④ شکر

نَعَامِي قَوْلِهِ تَعَالَى "وَلَا تَقْنَرُوا بِمَا آتَاكُمْ" (پٹ)

یعنی عقیدہ تقدیر کی وجہ سے انسان موت کے خوف سے بے غم ہو جاتا ہے، اور اس میں جو ان مَرَدِی اور مَمَت پیدا ہو جاتی

⑤ شجاعت

ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَيْتَابًا مُّؤَجَّلًا" (پٹ) اور قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا (پٹ)

یعنی تقدیر کا معتقد انسان ظاہری اسباب کی تسکلی کر دیکھ کر اپنی تدبیر اور حیلہ جوئی ترک نہیں کرتا، اور حوصلہ نہیں ہارتا۔ کیونکہ اس کی

⑥ تدبیر

نظر صرف ظاہری اسباب پر نہیں بلکہ مُسَبِّبُ الاسباب اور مؤثر حقیقی پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے: "كَذَٰلِكَ مِنْ قِسْمَةِ قَلْبِنَا لَعَلَّكَ فَمِنْ قِسْمَةٍ كُفِّرْنَا عَنْ ذُنُوبِ اللَّهِ (پٹ)

## مسئلہ تقدیر میں اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف

اہل السنۃ والجماعۃ کا تقدیر کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ تمام حوادث اور واقعات کے وقوع سے پہلے ہی حق تعالیٰ کو ہر بات کا علم انی تھا۔ حق تعالیٰ نے اپنے اس علم ازلی کی حکایت لوح محفوظ میں کروائی ہوئی ہے یعنی جو کچھ بھی عالم میں ہونا تھا سب کچھ لوح محفوظ میں لکھوا دیا۔ جو کچھ بھی اب ہو رہا ہے اللہ کے علم ازلی اور لوح محفوظ کے حکم ہونے کے موافق ہو رہا ہے۔

## الْبَحْثُ السَّابِعُ — فِي ذِكْرِ زَالَةِ الشُّبُهَاتِ

چند اہم شبہات کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

**شعبہ اول۔** تقدیر کی صورت میں انسان مجبور محض ہے۔ لہذا جزا و سزا نہیں ہونی چاہیے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت و ارادہ اور کسب و اختیار بھی بخشا ہے جس کے

**جواب**

تحت بندہ سے افعال تکلیفہ صادر ہوتے ہیں تو تکلیف اور جزا و سزا کی بنیاد اسی ارادہ اور قوت پر ہے۔ لہذا انسان مجبور محض نہیں کیونکہ حرکت اختیار ہے اور حرکت رعشہ میں فرق نہ کرنا اور انسان کو پتھر کی طرح مجبور محض سمجھنا یہ بڑا ہمت کا انکار ہے۔

**شعبہ دوم۔** تقدیر سے انسان میں کسبی کم ہوتی اور بے علی پیدا ہو جاتی ہے۔

قرآن وحدیث میں تقدیر کے ساتھ ساتھ اسباب کے اختیار کیسے کی بھی بہت تاکید فرمائی گئی ہے، مثلاً مرض میں علاج، جنگ میں اسلحہ، رزق میں محنت وغیرہ۔ تو پھر

**جواب**

تقدیر پر بھروسہ کر کے بے علی کا سبق لے لینا انسان کی اپنی غلطی ہے۔ و نیز کسب معاش میں تو انسان کبھی بھی تقدیر پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے رات دن اسباب اختیار کرتا ہے تو پھر اعمال شرعیہ میں تقدیر پر بھروسہ کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔

**شعبہ سوم۔** جب تمام معامی تقدیر الہی سے واقع ہوتے ہیں اور مسلمانوں پر رضاء بقضاء لازم ہے تو اس سے معامی پر راضی ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔

معامی خود قضاء نہیں بلکہ معامی میں قضاء نام ہے اللہ کے علم معصیت اور تخلیق معصیت کا تو خود معامی قدر و قضاء نہیں بلکہ محل قدر و قضاء ہیں۔ لہذا

**جواب**

اللہ تعالیٰ کے علم معصیت اور تخلیق معصیت پر راضی ہونے سے خود معصیت پر راضی ہونا لازم نہیں آتا اور تخلیق معصیت پر رضاء اس لیے ہے کہ وہ باعث کمال ہے کیونکہ خلق و ایجاد کمال قدرت کو مقتضی ہے۔

یقول ابوالاسعاد : اس شعبہ کو لوں بھی حل کیا جاسکتا ہے کہ ایک قضاء بمعنی

خلق و ایجاد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس پر رضاء واجب ہے، دوسرا قضاء بمعنی مفعول یعنی جس کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بندہ کی صفت ہے اس پر رضاء واجب نہیں۔ اب رضاء بالکفر والمعاصی میں وہ قضاء مراد ہے جو بندہ کی صفت ہے نہ کہ رب ذوالجلال کی صفت !۔

## خلق اور کسب کے مابین وجوہ فرق

علماء حضرات نے مختلف وجوہ فرق بیان کئے ہیں :-  
**فرق اول :** خلق ایجاد الفعل بغیر توسط آلہ ہے ، اور کسب آلہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے ۔  
**فرق دوم :** حافظ ابن تیمیہؒ نے بیان فرمایا ہے کہ جو فعل قدرت کے ساتھ قائم ہو وہ کسب مثلاً اِنْعَالِی الْقَبْدِ وَکَفْرِہِ بندہ کے ساتھ قائم ہے جو قدرت حادثہ کا محل ہے ، اور اگر فعل محل قدرت کے ساتھ قائم نہ ہو تو وہ خلق ہے ۔  
**فرق سوم :** جو فعل قدرت قدیم سے صادر ہو وہ خلق ہے اور جو قدرت حادثہ سے صادر ہو وہ کسب ہے ۔

## الْبَحْثُ الثَّامِنُ - بیان مذاہب فی مسئلۃ خلق افعال عباد

محدثین حضرات نے بحث کی ہے کہ آیا بندوں میں اپنے افعال اختیار کیا کرنے کی قدرت ہے یا نہیں ؟ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟ اس میں کئی مذاہب ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے اور قابل ذکر مذاہب یہ ہیں :-

**مذہب اول قدریہ** | قدریہ کا مذہب یہ ہے کہ "لَلْقَبْدِ قَدْرٌ مُّؤَثَّرٌ فِي اَعْمَالِهِمْ كُلِّهَا سَبِيحًا رَّحْمًا وَحَسَنًا رَّحْمًا وَلَا يَكُونُ

اِيْتِخَاذُ الْفَعْلِ مِنَ اللَّهِ تَخَالُفًا " یعنی انسان اپنے تمام افعال اختیار یہ اپنی قدرت و اختیار سے کرتا ہے ، اس کے افعال میں اللہ کی قدرت کا دخل نہیں ہوتا انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے ۔

حدیث میں بطور بیشکافی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی مذمت کی ہے ۔ ان کو معتزلہ بھی کہتے ہیں ۔

**سوال :** قدریہ اور معتزلہ کی وجہ تسمیہ کیا ہے ؟

**جواب :** اس نظریہ والوں کو قدریہ کہنے کی دُرُوجہیں ہیں ۔

- ۱۔ یہ اپنے اندر قدرتِ تامہ مانتے ہیں جس سے اپنے افعال کا خود خلق کر سکیں۔ قدر یہ کا معنی ہوگا کہ اپنے اندر ایسی قدرت مانتے والے ہیں۔
- ۲۔ یہ لوگ مسئلہ تقدیر میں زیادہ الجھتے تھے اور عقلی غرض کرتے تھے۔ اس لیے ان کا نام قدر پر پڑ گیا۔ معتزلہ غزل سے ہے بمعنی جدا ہونا۔ چونکہ علماء اہل سنت والجماعۃ سے یہ علیحدہ اور جدا ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کو معتزلہ کہتے ہیں۔

## قدریہ کی تردید میں چند نصوص

قرآن مقدس کی سینکڑوں آیات مذہبِ قدریہ کی تردید کر رہے ہیں۔

- ۱۔ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ : سب کچھ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے خواہ عرض ہوں یا خواہ
- ۲۔ اُولٰٓئِكَ اَلْخٰلِقُ وَالْاَوَّلُ (پ)
- ۲۔ اَلَا يَلْمِزُ مَنْ خَلَقَ (پ)
- ۳۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (پ)
- ۵۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (پ)
- ۶۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (پ)
- ۷۔ وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (پ)

ان تمام آیات سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ ہدایت و ضلالت کا مالک وہی ہے۔ تمام مخلوقات اور ان کے اعمال کا خالق وہی ہے۔

جبریت کہتے ہیں کہ لَا قُدْرَةَ لِّلْعَبْدِ اَصْلًا بَلْ

هُوَ كَالْجَمَادِ : بندہ میں کسی درجہ کا کوئی اختیار

مذہبِ دوامِ جبریت

نہیں ہے۔ بندہ اپنے افعال کا محاسب ہے نہ خالق ہے اس کے افعال محض حق تعالیٰ کی قدرت سے صادر ہو رہے ہیں یعنی بندہ مجبور محض ہے۔

سوال۔ جبریت کی وجہ تسمیہ کیا ہے ؟

جواب - چونکہ جبریت کے نزدیک انسان مجبور محض ہے۔ پھر کی طرح اس کو جس طرف گرا دو کر جائے گا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ وہ نعوذ باللہ رب زد الجلال کے جبر میں ہے۔ وَلَقَدْ یَسَّیْ جَبْرِیْنًا۔

## جبریت کی تردید اور اختیارِ عب میں دلائل

یقول ابوالاسعاد : جبریت کا مذہب نہایت واہیات ہے، اس میں دو قباحتیں ہیں :-

قباحت اولیٰ — یہ مذہب وجدانِ صریح کے خلاف ہے

انسان کا وجدان صراحتاً اس کو بتا رہا ہے کہ اس کے افعال اختیار یہ اس کے اختیار سے صادر ہو رہے ہیں بلکہ انسان کے مختار ہونے کا علم حیوانات کو ہے۔

بعض جانوروں کو جب لاشی ماری جاتی ہے تو وہ لاشی پر حملہ نہیں کرتے لاشی مارنے والے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لاشی مجبور ہے اور مارنے والا مختار ہے۔

مثال اولیٰ اگر چھت میں سے کڑی گر کر کسی کے سر پر لگ جائے تو کسی کو غصہ نہیں آتا اور اگر وہی کڑی کسی نے جان بوجھ کر ماری ہو تو اس پر غصہ آتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ پہلی کڑی کے لگنے میں کسی کے بھی اختیار کا دخل نہیں تھا، دوسری میں اس کے اختیار کا دخل ہے۔

قباحت دوم — یہ مذہب نصوصِ قرآنیہ کے بھی خلاف ہے

نیز یہ مذہب نصوصِ قرآنیہ کے بھی خلاف ہے کما فی قولہ تعالیٰ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ

نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا - یعنی آدمی میں جس قدر وسعت اور اختیار ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کو مکلف بنایا جاتا ہے۔ دیگر لائلِ مُتَرَانِیۃ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ۔ (پ)

۲۔ فَمَنْ شَاءَ اخْتَدِ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلٌ۔ (پ)

۳۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَمَنَّ الْمَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمَّ جَمِيعًا۔ (پ)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان و ہدایت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا۔

## مذہبِ شوم — اہل حق

اہل السنۃ والجماعۃ (جن کو اہل حق سے تعبیر کیا جاتا ہے) نہ تو ایسے سفہار ہیں کہ وجہانِ صحیح اور نصوصِ صریح کا انکار کریں نہ ایسے بے دین بننے کے لیے تیار ہیں کہ نصوص میں توڑ موڑ کر تادیب کریں بلکہ ان کے نزدیک انسان کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار کامل اور مستقل نہیں بلکہ ناقص اور عارضی ہے یعنی انسان کو قوتِ خالقہ تو حاصل نہیں لیکن قوتِ کاسبیہ حاصل ہے (ظہر الفساد فی التبرؤ والتحریر بما کسبت أیدی الناس) قوتِ خالقہ مگر خدا کے برکت کی صفت ہے یہ مذہب متونِ مطلقہ اور معتدل ہے کہ خلقِ انعام کو اللہ کی قدرت و تقدیر کے تابع قرار دیتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بندہ کے لیے کتب کو بھی ثابت کرتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

وَاعْفُرْ لَنَا مَا وَقَعَ مِنَ الْخَطَايَا وَالْزَّلَلِ

وَمَا لَا تَرْضَىٰ بِهِ

مِنَ الْعَمَلِ آمِينَ



## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ  
الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضَ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ  
بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو  
پیدا کرنے سے پہلے ہزار برس پہلے مخلوقات  
کی تقدیروں کو لکھا ہے۔

قوله كَتَبَ اللَّهُ - یہاں پر ایک سوال ہے۔

سوال - کتابت کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ وہ کتابت کرنے سے  
پاک ہیں۔ لہذا یہ نسبت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

جواب اول - کتابت کی نسبت فرشتوں کی طرف ہے کہ فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا۔ چونکہ آمر  
خود ذات باری تعالیٰ تھی اس لیے نسبت کتابت ان کی طرف کر دی گئی۔ جیسے بناء الا مینو حنا  
المصر اس شہر کو امیر نے بنایا ہے۔ حالانکہ امیر خود گارا اٹھاتا ہے اور نہ کوئی اور کام کرتا ہے۔ مگر  
چونکہ آمر ہوتا ہے تو نسبت اس کی طرف کر دی جاتی ہے۔

جواب دوم - کَتَبَ بمعنی اَنکَادَ ہے یعنی اللہ پاک نے صرف ارادہ کیا اور فی الفور اس  
معمود میں سب کچھ منقش ہو گیا تھا۔

یقول ابوالاسعاد: حدیث پاک کے اس جملہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ تقدیر  
ازل میں ہوئی۔

قوله مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ - مَقَادِيرُ جمع ہے مَقْدَارُ کی اس کے دو معنی ہیں  
اول اندازہ کرنے کا آلہ، دوم خود اندازہ۔ یہاں پر دوسرا معنی (اندازہ) مراد ہے۔

قوله خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ - اس کا معنی ہے پانچ سو صدیاں۔

سوال - فلاسفہ کے نزدیک حرکتِ فلک کا نام زمانہ ہے اس وقت فلک ٹوٹ تھا پھر



پچاس ہزار سال کے ساتھ اندازہ کرنا کس طرح صحیح ہوا؟

**جواب اول۔** خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ میں عدد تحدید کے لیے نہیں بلکہ تخمینہ کیلئے ہے یعنی مدت طویل مراد ہے۔

**جواب دوم۔** خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ کا فرمانا مخلوق کو سمجھانے کے لیے ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اس کا اندازہ کرتی تو ان کی نسبت سے پچاس ہزار سال کی مدت ہوتی۔

**جواب سوم۔** عند البعض حقیقت پر محمول ہے، اور ممکن ہے کہ نلک کے وجود سے قبل عرش کی حرکت کا نام زمانہ ہو۔

قَوْلُهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ۔ بعض محدثین حضرات نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ اس سے مراد زمین و آسمان شے اور صرف پانی تھا۔ مگر یہ غلط ہے۔ اس کی صحیح تفسیر وہی ہے جو جہور سے منقول ہے۔ وہ یہ ہے کہ جس طرح اب عرش اور پانی کے درمیان بہت سی چیزیں حائل ہیں اس طرح اس وقت کوئی چیز حائل نہ تھی پھر ان کی بھی تردید ہو گئی جو یہ کہتے ہیں کہ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ کا معنی ہے کہ عرش پانی پر مستقر تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ فرماتے ہیں کہ اس سے سمندر وں کا پانی مراد نہیں بلکہ عرش کے نیچے ایک قسم کا پانی ہے وہ مراد ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَفْقَدُ رَحْمَتِي الْعَجْزُ وَالْكِبَرُ۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر شے اندازہ سے ہے یہاں تک کہ عاجزی اور عقلندی بھی۔

قَوْلُهُ الْعَجْزُ وَالْكِبَرُ۔ عجز کا معنی بیوقوفی، کبر کا معنی دانائی۔ رَحْمَتِي الْعَجْزُ وَالْكِبَرُ میں دو ترکیبیں ہیں۔ ۱۔ رَحْمَتِي عَالِفٌ ہے، اس کا عطف کل پر فرمائیے گئے تو عجز اور کبر مرفوع ہوں گے۔ ۲۔ رَحْمَتِي جَارٌ ہے تو اس کا عطف شبیہ پر ہوگا اور اس کو مجرد و پڑھیں گے۔ سوال۔ یہاں کبر اور عجز کے تقابض پر اشکال ہے۔ کیفیت اشکال یہ ہے کہ عجز کی

مذکور نہیں آتی بلکہ قدرت آتی ہے اسی طرح کیس کی مدد عز نہیں آتی بلکہ اس کی ضد بلاوہ ہے  
تو دونوں میں تقابل صحیح نہیں۔

جواب۔ اس عبارت کی دو توجہیں کی گئی ہیں۔ اول عند البعض یہاں کیس کو قدرت  
کے معنی میں لے لیں۔ اب اس کا تقابل عجز کے ساتھ درست ہوگا۔ یا عجز کو بلاوہ کے معنی میں  
لے لیں۔ اب اس کا تقابل کیس سے درست ہوگا لیکن یہ تکلف ہے۔ دوم۔ جمہور حضرات  
کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانا چاہتے تھے حتی العجز والقدرة والبلاوة والکیس  
لیکن آپ نے بڑی جامعیت اور بلاغت کے ساتھ اختصار فرمایا کہ ہر دو صفتیں میں سے ایک کو  
ذکر کر کے دوسرے کو سامع کے فہم پر چھوڑ دیا جائے دوسری وہ خود سمجھ جائے گا۔ یہ طریقہ محمود  
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام مبارک میں شائع و ذائع ہے۔

یقول ابوالاسعد: اس حدیث سے معتزلہ پر رد مقصود ہے کہ جب افعال عباد کا منشاء  
بھی مقدر ہے تو افعال بطریق اولیٰ مقدر ہوں گے یا اس سے انسان کے عموم صفات کی طرف  
اشارہ ہے یعنی تقدیر کو صرف جنت و دوزخ تک محدود رکھنا غلط ہے۔ وہ انسانی حیات کے  
ہر شعبہ کو مادی ہے خواہ اس کے تعلق اوصاف ہوں یا کسی اعمال اس سے مقصد قضاء و قدر  
کی غفلت کا نقش قائم کرنا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اخْتَبَرْتُ آدَمَ وَمُوسَى  
عِنْدَ رَبِّهِمَا -

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ آدم اور موسیٰ علیہ السلام سے اپنے  
رب کے سامنے مناظرہ کیا۔ پس آدم علیہ السلام  
موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

قوله اخْتَبَرْتُ - اَيُّ ثَعَابِ بْنِ حَلَبٍ عَنْ ثَنَاهُمَا الْعُجَّةَ مِنْ مَسَاحِبِهِ  
عَلَى مَا يَقُولُ، ہر آدمی اپنے لیے ہر دلائل پیش کرے۔ اس مقام پر چند بحثیں ہیں۔

بحث دوم — محلِ مُناظرہ کو کونسا مقام تھا؟

محکمہ مناظرہ کی تعیین میں دوا حتمال ہیں :-

## احتمال اول

## احتمال دوم

**جواب —** اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میری تمام باتوں کو فراموش کر کے کیوں گیہوں کھایا۔ آدم علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ صرف نگر یہ وزاری تھا۔ اس کے

سوال ایک حرف تک منہ سے نہیں نکالا۔ اب ممکن تھا کہ کسی کے دل میں یہ دوسرے گزرتا کہ شاید آدم کے دل میں اس وقت جواب نہ آسکا ہوگا۔ اس لیے عالم غیب میں اس عقدہ کے حل کے لیے ایک محفل مناظرہ مُرتب فرمائی۔ کچھ گفتہ آید در حدیث دیگران کی صورت سے معاملہ کی حقیقت واضح کر دی گئی کہ سراسر یہ تقدیر کی مستند ہے۔

سوال دوم۔ یہ ہے کہ اس مناظرہ کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام میں سے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب اول: حضرت آدم علیہ السلام بنی آدم کے لیے مصدر وجود ہیں۔ پس یہ ملامت و مناظرہ ایسے نبی سے ہونا چاہیے۔ جن کو تکالیف شدیدہ جھیلنے کا حکم دیا گیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام وہ اول نبی ہیں جن کو تکالیف شدیدہ اور جہاد کا مکلف بنایا گیا (حاشیہ بخاری) جواب دوم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فطرۃ تیز مزاج اور ناز پروردہ تھے۔ لہذا ابوالشر کے ساتھ مکالمہ کرنے میں خائف نہ ہوں۔

قولہ "وَاسْجُدْ لَكَ مَلَايِكَةُ"۔ چونکہ عبادت لغیر اللہ جمیع ادیان و ازمان میں حرام اور شرک ہے۔ اس لیے سجدہ سے لغوی معنی بطور تعظیم آدم علیہ السلام کو وضع کرنا مراد ہے کیونکہ سجدہ کے معنی شرعی "اِی وَضَعُ الْجَبْهَةِ عَلٰی الْأَرْضِ بِقصد العبادۃ" مراد ہو تو یہ سوائے خدا تعالیٰ کے جائز نہیں ہے۔ لہذا کہا جاکے گا کہ مسجدِ حق تعالیٰ ہی ہے۔ آدم علیہ السلام کی تعظیم شان کے لیے صرف ان کو قبضہ سجود بنایا گیا جیسا کہ قبضہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتے ہیں۔ اصل سجدہ خدا تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ عند البعض آدم علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیم یعنی سجدہ تحمید کا غیر خدا کے لیے جائز تھا (لما فی البیضاوی وغیرہ) قولہ "شَعَرُ أَهْبَطَتْ النَّاسُ بِحَطِیَّتِكَ" ترجمہ: پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اتار دیا۔

سوال۔ آدم علیہ السلام سے صدور خطیہ عصمت انبیاء کے منافی ہے۔

جواب اول: یہاں خطیہ سے مراد حقیقی گناہ نہیں کیونکہ گناہ کے لیے قصد و ارادہ شرط ہے حالانکہ قرآن مقدس کا بیان ہے "فَنَسِیَ وَلَعُوْا نَجِدَ لَهُمُ عَزْمًا" (پکا)

**جواب دوم** | جنت احکام شرعیہ کا مکمل نہیں۔ لہذا شجرہ ممنوعہ سے کھانے کی ممانعت شرعی حکم نہ تھا بلکہ تشفیعی حکم یعنی محض شفقت و مہربانی کے اظہار کے لیے ایک حکم تھا جس کا توڑ ناگناہ تو نہیں ہوتا لیکن باعث مکرر ضرر ہوتا ہے۔ جیسا کہ مریض کو بد پرہیزی سے ضرر ہوتا ہے۔ لہذا یہاں خفیہ سے مراد غلط اجتہاد کی اور پیغمبرانہ اجتہاد کی ایک معمولی لغزش ہے کیونکہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس لعین نے قسم کھائیہ لالچ دیا کہ اس شجرہ ممنوعہ کے کھانے میں حیات دائمی یا ملکیت کا اثر ہے۔ تو آپ نے اس مقصد خیر کی تحصیل کے لیے انظرائی ما قال ولا تنظرائی من قال کے پیش نظر یہ اجتہاد کیا کہ شاید پہلے یہ ممانعت ضعیف استعداد کی وجہ سے ہو اور اب تو ماشاء اللہ استعداد مکمل ہو چکی ہے۔

قَوْلُهُ اصْطَفَاكَ اللَّهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلَامِهِ۔ زمین پر رہ کر بلا واسطہ فرشتہ رب تعالیٰ سے کلام کرنا موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ اس لیے آپ کا لقب حکیم اللہ ہے۔ لامکان میں پنچ کر رب کا ریزر اور اس سے کلام ہمارے حضور علیہ السلام کی خاصیت ہے۔ کیونکہ آپ حبیب اللہ ہیں۔

قَوْلُهُ قَالَ مُوسَىٰ يَا رَبِّ فَيَنْعَا مَا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا چالیس سال پہلے سوال۔ اس باب کی پہلی حدیث میں کہا گیا کہ پچاس ہزار برس پہلے تقدیر لکھی گئی۔ رَحْمَتَيْنِ اَنْفَكْتَ سِتْرًا اور یہاں مذکور ہے کہ آدم علیہ السلام کی خلقت سے چالیس سال پہلے لکھی گئی تو دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

قَالَ جَحَّتْهُ اللَّهُ عَلَى الْعَالَمِينَ الشَّهِيدَ لَوْلَا اللَّهُ بِنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ تَقْدِيرُكَ پانچ مرتب ہیں۔ ۱۔ اجمالاً جو ازل میں لکھی گئی۔ حدیث اول رَحْمَتَيْنِ اَنْفَكْتَ میں وہی مراد ہے۔ حدیث ثانی رَاكَ بَعَثْنَا عَلٰمًا میں باقی درجات مراد ہیں۔

**جواب اول** | عقدہ درین بخورچی فرماتے ہیں کہ تقدیر کی کن بت مختلف اوقات میں ہوتی۔ ممکن ہے کہ خصوصی طور پر تقدیر آدم کی کتابت آپ کی پیدائش سے چالیس سال پہلے ہوئی۔

بعض محدثین حضرات کے نزدیک کتا بہت مقدار پر پچاس سال قبل ہوئی۔  
**جواب سوم** | اور چالیس سال کی یہ روایت آدم علیہ السلام کی تصویر اور نغم روح کے  
 امین مدت پر محمول ہے۔ کما ثبت فی مسند امان بنین تصویرہ طینا و نغمہ الروح فیہ  
 کان مدۃ اربعین سکتہ۔

قولہ افسلوا منیٰ - حضرت آدم علیہ السلام کا یہ فرمانا افسلوا منیٰ اس کا مطلب  
 یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آپ ملامت کے انداز میں گفتگو کر رہے ہو۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام  
 آپ کو ملامت نہ کر سکتے تھے۔ اور کسی بیٹے کو باپ پر، شاگرد کو استاذ پر ملامت کرنے  
 کا حق نہیں۔

قولہ فتحۃ ادم مقوسہ - کہ حضرت آدم علیہ السلام پر غالب رہے۔  
 ابتداء کے حدیث میں رختہ ادم بیان دعویٰ تھا۔ آخر میں فتحۃ ادم یہ بیان نتیجہ ہے۔  
 حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کو بہانہ بنایا ہے حالانکہ اعتذار بالقدر جائز  
 نہیں کیونکہ پھر تو ہر عاصی بھی یہ کہہ کر جرم کو مٹاتا ہے کہ جو معصیت مجھ سے صادر  
 ہوئی ہے وہ تقدیری معاملہ ہے، میرا کیا قصور ہے۔ چونکہ لوح محفوظ میں میرا یہ جرم لکھا ہوا ہے  
 اس لیے مجھے یہ جرم کرنا چاہیے۔ اس سے تو جبریت کا مذہب ثابت ہوتا ہے۔ نیز ارمائی  
 رسل اور تبلیغ وغیرہ بیکار معلوم ہوتی ہے۔

عالم دنیا اور اس کے بعد کے عالموں کے حکموں میں فرق ہے۔ اعتذار  
 بالقدر جو ناجائز ہے وہ اس دنیا میں ناجائز ہے۔ دوسرے عالم کا  
**جواب اول** | یہ حکم نہیں۔ آدم علیہ السلام نے دنیا میں اعتذار بالقدر نہیں کیا بلکہ یہاں تو یوں کہا "رَبَّنَا ظَلَمْنَا  
 اَفْسُسْنَا" اعتذار بالقدر آپ نے دوسرے عالم میں کیا ہے جیسا کہ حدیث میں عیشہ  
 رَہِمَہَا اللہُ الْعَالَمِینَ سے معلوم ہوتا ہے۔

یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی معصیت پر تقدیر پیش نہیں کی  
 بلکہ مصائب پر تسلی دینے کے لیے تقدیر پیش کی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ  
**جواب دوم** | نے عرض کیا کہ آپ کی خطا کی بناء پر آپ کی ذریات دنیا میں آکر کتنے مصائب جھیل رہے ہیں  
 تو حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کو تسلی دینے کے لیے تقدیر پیش کی کہ بیٹا کیا کر دے گا۔

تقدیر میں بھی تھا۔ تو یہاں مسئلہ تسلی علی العاصب کا ہے، اعتذار عن العاصب کا نہیں۔ جیسے کفار کو جب جہنم میں ملامت کی جائے گی تو وہ تسلی کے لیے تقدیر پیش کریں گے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "قَالُوا بَلَىٰ وَ لَکِنْ حَقَّتْ مِکْلَکُمْهُ الْعَذَابُ اَبِی عَلٰی الْکَافِرِیْنِ" (پس! خاندانِ معارض)۔

سوال : مُنَظَرِہ میں آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر کیسے غالب آ گئے؟  
جواب اول : حضرت آدم، موسیٰ کے والد ہیں۔ ابوالبشر ہونے کی وجہ سے والد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے والد کو ملامت کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بغیر اذن اپنے شارع کے آدم علیہ السلام کو ملامت کی اور یہ ملامت بھی تقدیر الہی پر ہوئی ہے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے تقدیر کا سہارا لے کر اڈا موسیٰ علیہ السلام کو غاموش کر دیا۔ ثانیاً خاموشی علامت مغلوبیت و شکست ہوتی ہے اس لیے غالب آ گئے۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام عقل پر اور جواب آدم علیہ السلام حقیقت پر مبنی تھا تو ہمیشہ حقیقت عقل پر غالب رہتی ہے لہذا جواب سوم : آدم علیہ السلام غالب ہو گئے۔

ترجمہ : حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ صادق مصدق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ

لفظی تشریح عرض کرنے سے قبل خلاصۃ الحدیث پیش خدمت ہے۔  
حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابدی نجات و عذاب کی مدارِ خاتمہ پر ہے۔ اگر کسی کی پوری زندگی گناہ و معصیت یا کفر و شرک میں گزری۔ لیکن اس نے صدقِ دل سے تادم ہو کر توبہ کر لی اور سعادت کے راستہ کو اختیار کیا تو وہ نجات پا جائے گا اور یہ بات بھی معنوم ہوئی کہ انسان کو اپنے اعمال پر بھروسہ

نکرنے چاہیے۔ بس ہر وقت فضلِ ربی کا طلبِ گنج رہے۔ معلوم نہیں خاتمہ بالخیر ہو گا یا نہ۔  
 قَوْلُهُ الصَّادِقُ وَالْمَصْدُوقُ - عند البعض مصدوق صادق کی تاکید ہے۔  
 رِکْمًا فِي شَاهِدٍ وَمُشْهَدٍ - معنی ہے سچا سچوں کا۔

یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ : صَمِیحٌ قَوْلُكَ مُطَابِقٌ صَادِقٌ أَوْ مُصَدَّقٌ فِيهِ فَرْقٌ هُوَ - فروقِ اربعہ  
 ملاحظہ فرمائیں :

أَوَّلُ : صَادِقٌ كَاتِلِفٌ قَبْلُ اِزْ بَعَثَتْ هُوَ كَرَأَى اِپْنِی بَعَثَتْ سَ قَبْلُ بَیْیَی تَحْتَهُ -  
 اِس یَی مَشْرُکِیْن مَلَكَةُ اِپْی كُو اِیْمِنُ اَوْر صَادِقُ كَی لَقْبُ سَ یَا دُ كَرْتَهُ تَحْتَهُ - اَوْر مُصَدَّقٌ كَاتِلِفٌ بَوَازِ  
 بَعَثَتْ هُوَ - چنانچہ عَلَمٌ عَمْدُ اَلْحَقِّ مُخَدَّثٌ دِلْوِی صَادِقٌ اَوْر مُصَدَّقٌ كَا فَرْقُ بَیَانُ كَرْتَهُ هُوَ كَی  
 كَلِمَتُهُ هِیْ -

صَادِقٌ دِر فَا رِی رَا سَتِ گُو یَنْدِہ

الْمَصْدُوقُ رَا سَتِ گُفْتِہ شَدِہ -

رَا شَعَةُ اَلْمَعَالِیْ صَحیح (بَابُ الْقَدْرِ

دَوْمٌ : صَادِقٌ وَہ جِسْ كَی سَا سَی اَقْوَالُ سَیْیَی هِیْ وَہ جِسْ كَی سَا سَی اَعْمَالُ  
 سَیْیَی هِیْ - اِیْمِنُ الصَّادِقُ فِی اَقْوَالِہِ وَالْمَصْدُوقُ فِی اَعْمَالِہِ -

سَوْمٌ : صَادِقٌ وَہ جِسْ ہوشِ سَبْحَالِ کَرِیْجِ بَوَیْیَی ، اَوْر مُصَدَّقٌ وَہ جِسْ ہوشِ ہِیْ سَی  
 سَیْیَی ہُو - چہَا رَمٌ : صَادِقٌ وَہ جِسْ واقعہ کے مطابق خبر دے ، اَوْر مُصَدَّقٌ وَہ جِسْ اپنی زبان  
 مَبَارَکَ سَیْیَی کَی دَیْیَی واقعہ اس کے مطابق ہو جائے - حضور کی ذاتِ مبارک میں یہ سارے  
 اوصاف جمع ہیں -

سوال : اِس حدیث میں خصوصی طور پر یہ جملہ کیوں لایا گیا ؟  
 جوابِ اَوَّلُ : حضرت ابنِ مسعودؓ نے اِس جملہ کو اپنی عقیدت کے اظہار کے لیے  
 فرمایا ، اَوْر حدیثِ پاک میں ایسے جملے شائع و ذائع ہیں -  
 جوابِ دَوْمٌ : عند البعض یہاں جو حکم بیان ہو رہا ہے وہ اَلْکَلِمَہ کی اصطلاح کے  
 خلاف ہے - لہذا توثیق و تائید کے لیے اِس کو لایا اور اضافہ کیا گیا -



قَوْلُهُ عَلَقَةً : بجا ہوا خون ۔

قَوْلُهُ مُضْنَةً : گوشت کا ٹکڑا ۔

یَقُولُ ابوالسَّعَاد : تخلیق انسانی کے متعلق یہاں صرف تین مدارج کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے ۔ لیکن قرآن مقدس سورہ مؤمنون آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷ میں اس کے سات مدارج بیان کیے گئے ہیں ۔

(۱) سُلَالَةٍ مِّنْ طَيِّبٍ (۲) نُطْقَةٍ (۳) عَلَقَةٍ (۴) مُضْنَةٍ (۵) عِظَامًا (۶) كَسَوْنَا الْبِطْنَامَ لَحْمًا یعنی ہڈیوں پر گوشت چڑھانا (۷) رُوحٌ پھونکنا ۔

سوال ۔ اللہ تعالیٰ تو انسان کو بیک لہ پیدا کر سکتے ہیں ۔ (اِذَا ارَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ) پھر اس تدریج میں کیا ہکتیں ہیں ؟

جواب اول ۔ انسان کو تدریج اور اختیار اسباب کی تعلیم دینا مقصود ہے ۔

جواب دوم ۔ انسان اپنی حقیقت میں غور کرتے ہوئے تکبر نہ کرے ۔ کما قیل :

اَوَلَمْ نُنْفِثْهُ مَلَارًا وَاٰخِرُهُ جِثْعَةً قَدَرًا وَتَحْمِلُ بَيْنَ ذٰلِكَ عَذْرًا

قَوْلُهُ مِثْلُ ذٰلِكَ ۔ اس کا اشارہ الہ اما لَبَّيْنُ يَوْمًا ہے ۔

قَوْلُهُ ثُمَّ يَنْبِئُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِلَيْهِ مَلَكًا ۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار بائیں کھنے کے لیے بھیجتا ہے ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسرے اربعین کے بعد فرشتے

آجاتے ہیں ۔ جب کہ مسلم شریف میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے

کہ بالیس دن کے بعد فرشتے آجاتے ہیں اور نطفہ کو علقہ، پھر مضغ بنا دیتے ہیں ۔ فقارضا ۔

یہ کہ یہاں الگ الگ فرشتے ہیں ۔ (۱) ایک نطفہ کی حفاظت کے لیے

بھیجا جاتا ہے ۔ اس کا بیان مسلم شریف کی روایت میں ہے ۔ اور

دو سرفرشتہ تقدیر کھنے کے لیے بھیجا جاتا ہے ۔ جو تیسرے درجہ کے بعد آتا ہے ۔ لہذا

فَلَا اَشْكَالُ عَلَيْهِ ۔

قَوْلُهُ فَيَكْتَبُ عَمَلَهُ وَاَجَلَهُ ۔ فرشتہ اس کے عمل کی موت (کا وقت)

اس کا رزق اللہ اس کا نیک دہد ہونا لکھ دیتا ہے خلیفہ کتب یہ اربع کلمات کی تشریح کا بیان ہے۔

حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اربع کلمات کی کتابت ہوتی ہے لیکن کہاں ہوتی ہے

## بیان تشریح اربع کلمات

اس میں مختلف قول ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیں:-

اول، مجاہد رحمہ فرماتے ہیں کہ ان چار چیزوں کو ایک کاغذ پر لکھ کر اسے بچہ کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں۔ لیکن وہ کاغذ انسانوں کو نظر نہیں آتا۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى "وَكُلُّ الْإِنْسَانِ أَكْثَرُ مُنْكَاهٍ طَائِرَةٍ فِي عُنُقِهِ" یعنی ہر آدمی عواء وہ مومن ہو یا کافر اس کی قسمت اس کی گردن میں لٹکا دی جاتی ہے اور چٹا دی ہے۔

دوئم، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ان کی کتابت کسی متعلقہ دفتر میں ہوتی ہے۔

سوئم، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور دونوں آنکھوں کے درمیان لکھے جاتے ہیں۔ دور حاضر میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض شخص پیشانی پر ہاتھ مار کر لکھے مقتدر کہا کرتے ہیں۔

سوال، یہاں حدیث میں اربع کلمات یعنی چار کا ذکر ہے جب کہ بعض روایات میں پانچویں چیز مقام موت کا بھی ذکر ہے۔ اس سے تو خمس کلمات بن جاتے ہیں۔

جواب اول، یہاں اختصار کرتے ہوئے پانچویں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور حذف اختصاراً شائع و ذائع ہے۔

جواب دوئم، سابق قانون کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عدد کے ذکر سے دوسرے عدد کی نفی نہیں ہوتی۔

قَوْلُهُ شَعْرٌ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ - پھر روح پھونکی جاتی ہے۔

سوال - اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح سے پہلے تقدیر لکھی جاتی ہے جب کہ بہت سی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفخ روح کے بعد تقدیر قلب بند کی جاتی ہے۔ فقارضا۔

جواب - حدیث الباب کو ترجیح دیں گے۔ کیونکہ یہ روایت شیخین سے عند بعض

بہقی کی روایت میں ترتیب اخبار ہے، ترتیب واقعات نہیں۔

قَوْلُهُ فَيُسَبِّقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ : کتاب سے مراد کتاب الشقاوة والسعادة ہے۔

سوال : باب سبق متقدمی بلا واسطہ ہوتا ہے۔ یہاں پر متقدمی علی کے ساتھ ہے۔

جواب : سَبَقَ بمعنی غَلَبَ ہے۔ اور غَلَبَ علی کے ساتھ متقدمی ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ لِيَعْمَلَ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ : حدیث پاک کے اس جملہ سے معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ صرف تقدیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ عمل کا بھی دخل ہے۔ حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ کسی کے ظاہری عمل کو دیکھ کر اس کے جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا بلکہ یہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى «يَعْدِبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ»۔

(العنکبوت آیت ۷۸) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ کسی شخص کی راہِ خدا میں جان بازی دیکھ کر بھی کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اچھے اعمال سے حُسنِ خاتمہ کی امید اور برے اعمال سے سُورِ خاتمہ کا اندیشہ ضرور ہونا چاہیئے۔

یَقُولُ ابُوَالْحَسَنِ : اس حدیث نے اولیاء اللہ کا خون پانی بنا رکھا ہے۔ کیونکہ یہ خبر کس کو ہے کہ اس کا خاتمہ کیسے اعمال پر ہوگا اور اس خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیسلِ القدر صحابی بھی یہاں گریہ و زاری میں مُبتلا رہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْبَشَرَ لَيَعْمَلُ  
عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت سہل بن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک بندے عمل تو دوزخیوں کے کرتے ہیں۔

سہل بن سعد کا اصلی نام حزن تھا بمعنی غم مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے نام پسند نہیں تھے۔ جس میں لغنی برائی کے ساتھ معنوی برائی بھی ہو۔ چنانچہ ان کا نام گرامی حزن سے تبدیل کر کے سہل رکھا۔

قَوْلُهُ لِيَعْمَلَ : یہاں پر بھی اذلاً و ظاہراً متقدم کریں گے۔



۲۔ عند البعض خَيْرٌ وَكَرَامَةٌ لَهُمْ

۲۔ طُوبَىٰ بِمَنْ أُحْيِيَ خَيْرٌ بہر حال اس کا معنی خوشی ہی خوشی ہے۔

قَوْلُهُ عَصْفُور۔۔ یعنی طَیْرُ صَفِیْر۔ بعض محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ یہاں عَصْفُور سے مراد جنت کا چھوٹا سا انسان ہے۔ کبھی ایک لفظ بدل کر اس کا فرد غیر متعارف مراد لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اَلْفَلَاحُ وَاحِدُ النَّسَائِکِ، یا سرعت میرے تشبیہ یعنی وہ جہاں چاہے گلچلے پھرے گا۔

سوال : یہ فرمان اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ قَبْلِ التَّشْبِیْهِ نہیں ہے کیونکہ جنت میں چڑیا اور پرندے نہیں ہوں گے۔

جواب : بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں پرندے ہوں گے مثلاً ایک حدیث پاک میں ہے " اِنَّ فِی الْجَنَّةِ طَیْرًا کَاَمَثَالِ الْبُحْتِ یُخْتِ اَرْنَثٌ کِی طَرَحَ پَرندے ہوں گے، اور دوسری حدیث میں ہے " اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی اَجْوَابِ طَیْرِ خُضْبَرٍ، اور قرآن مُقَدَّس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ فَاَنَّا نَوْحِیْہُمْ طَیْرًا مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ (پتہ)

قَوْلُهُ لَنُرِیْذَکَ۔۔ اِی لَنُرِیْلَہُ عَمَلًا مِّنَ الشُّعُو۔

قَوْلُهُ اَوْ نَعْرِضُکَ اِلَیْکَ۔۔ کلمہ اَوْ میں چند احتمالات ہیں۔

۱۔ صحیح روایت میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور واو مفتوحہ عاقلہ ہے۔ معلوم علیہ معذرت ہے " اِنِّیْ اَقُوْلُ لَیْنِ ہَذَا وَالتَّحَقُّقُ غَیْرُ ذَٰلِکَ۔ یا۔ اَلْتَّعَدُّ دَیْنٌ مَا قُلْتَ وَالتَّحَقُّقُ غَیْرُ ذَٰلِکَ ! یعنی بے عاقلہ الیا اعتقاد رکھتی ہو۔ حق تو یہ ہے کہ اس بچہ پر قطعی جتنی ہونے کا حکم مت لگاؤ۔

۲۔ اَوْ یُسْکُوْنَ الْقَوَارِیْرَ کے لیے ہے یعنی تم جو کہتی ہو وہ ہوگا، یا دوسرا حال ہوگا

۳۔ یا اَوْ بِمَنْیٰ بَلْ ہے۔ کما فی قولہ یَعْقٰی ہ وَ اَمَّا سَلٰتٰہُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ رَاٰیَ لَیْسَتْ اٰیۃٌ ۱۳) اِی بَلْ یَزِیْدُوْنَ یعنی وہ مصفور نہیں بلکہ اس کا غیر ہے۔

سوال : اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ بی بی عائشہؓ نے اس بچہ کو جتنی قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس پر انکار فرمایا۔ حالانکہ یہ سچے مسلمانوں کا تھا۔ اور اس بات پر تمام علماء اہل امت کا اجماع ہے کہ مسلمان کا بچہ مر جائے تو وہ جنتی ہوتا ہے۔

بعض شاعرین نے کہا ہے کہ ابھی تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے۔

انکار کا مقصد یہ تھا کہ بعض اپنی رائے سے مسئلہ کیوں بتاتی ہو۔ یعنی یہ حدیث اجتہاد پر محمول ہے بعد میں آپ کو اطفال المؤمنین کے قطعی جنتی ہونے کا علم دیا گیا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے: **وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ** (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۵) اور دوسری حدیث میں ہے: **”إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ وَأَوْلَادَهُمْ فِي الْجَنَّةِ“** (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۶)

تا بالغ بچے بقا للابواب کی حیثیت سے جنتی ہوں گے۔ تو خاص اس بڑے کو یقیناً جنتی کہنے سے ان کے والدین کو جزا جنتی ہونے کا حکم لازم آتا ہے حالانکہ والدین کا خاتمہ بالخیر ہونا معلوم تو نہ تھا اس لیے تکر فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ان کے بہشتی ہونے پر نہیں تھا بلکہ بی بی عائشہ صدیقہؓ کو کلام کا ادب سکھانا مقصد تھا کیونکہ کسی کے لیے امور غیب کے متعلق صاحب وحی کے سامنے ایسے جزم و یقین کے ساتھ کہنا مناسب نہیں۔

قَوْلُهُ وَإِنَّ اللَّهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ نَفْسًا وَهَوًى فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ (ترمذی) بے شک اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے ایک گروہ پیدا کیا ہے اس حال میں کہ وہ اپنے والدین کی پشت میں تھے۔

حدیث پاک کے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ چھوٹے یا بڑے خدا نے ایک جماعت کے لیے ازل ہی میں جنت لکھ دی ہے، اور ایک جماعت کے لیے ازل ہی میں دوزخ لکھ دی ہے، پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔

افعال مؤمنین کے جنتی ہونے کے متعلق احادیث تو ابھی نقل کی گئی ہیں۔ ہاں ازل ہی میں لکھ دیے جانے کے بعد بڑوں کو عمل کی ضرورت ہے۔

کیونکہ ربِّ ذوالجلال کا قول: **”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“** اس پر صراحۃً دال ہے لیکن جنت میں جانا، اور دوزخ سے محفوظ رہنا بفضل الہی پر موقوف ہے۔ اور اس پر دقت

ہونا ہماری طاقت سے باہر ہے اس لیے ہم مجاز نہیں کہ اس پر توکل کر کے بیٹھے رہیں۔ ہمارا وظیفہ عمل کرنا ہے۔ اگر ہمیں نیک کام اچھے ننگے ہیں تو یہ جتنی ہونے کی علامت ہے۔ اور اگر برے اعمال کی طرف ہمارا رجحان ہے تو یہ دوزخی بننے کی علامت ہے۔

ترجمہ : حضرت علیؑ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جا چکا ہو۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِذًا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ

سوال : بظاہر حدیث کے الفاظ اپنے مقصد پر واضح نہیں کیونکہ معنی ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی سے دو ٹھکانے ہیں مَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ، حالانکہ ہر آدمی کا ٹھکانہ تو ایک ہوگا۔

جواب : یہ ہے کہ یہاں پر دو معنی آؤ جو کہ یا کے معنی میں ہے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ یا تو ٹھکانہ جنت میں ہوگا یا نار میں ہوگا۔

قولہ أَفَلَا تَتَكَلَّمُ - اے اَفَلَا تَصَدِّقُ عَلٰی مَا كُتِبَ لَنَا أَفَلَا تَذَكَّرُ - یہ جزاء اس کی شرط محذوف ہے "اِذَا كَانَتْ اِلَّا مُرَكَّبَةً اِنَّكَ جِبِ مَعَالِمَہِی اِیسا ہے تو پھر اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتیں عمل کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ رَكِبْنَا - اس کی اضافت عہد کی ہے "اَلَّذِیْ قَدْ رَكِبْنَا" قولہ اَعْمَلُوا فَاَكُلْ مِمَّا سَرَرْنَا - فرمایا عمل کیے جاؤ ہر ایک کو وہی اعمال آسان ہوں گے جس کے لیے پیدا کیا گیا۔ اَعْمَلُوا اللہ سے جواب نبویؐ ہے جو علیؑ اسلوب الحکیم

جواب کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر منظر ہے مجر نہیں۔ یعنی سعادت و شقاوت کا اصل داور مدار بندہ کے کسب سے پر ہے۔ وہ نیک و بد کے جس راہ کو اختیار کرتا ہے اسی کے مطابق اس کے لیے اسباب و امور پیدا کر دیے جاتے ہیں۔ لہذا تقدیر سے بچنا اور قُلْ لَّا زِمَہِی سہما۔

قوله أَمَّا مَنْ كَانَ أَهْلَ السَّعَادَةِ فَيَسْتَرْ بِمَعْلِ السَّعَادَةِ - الخ  
 لہذا جو شخص نیک نعتی کا اہل ہوتا ہے خدا اس کو نیک نعتی کے اعمال کی توفیق دیتے ہیں -  
 يقول ابوالاسعاد : أَمَّا مَنْ كَانَ أَهْلَ السَّعَادَةِ اور أَمَّا مَنْ أَهْلَ الشَّقَاوَةِ  
 سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اصول بیان فرما رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں اعمال  
 عموماً انجام کی علامتیں ہوتی ہیں۔ جتنی کو نیکیاں آسان اور گناہ بھاری معلوم ہوتے ہیں اور  
 دوزخی کو اس کا عکس۔ مگر یہ قاعدہ اکثر یہ ہے تکیہ نہیں، کبھی عمر بھر کا مجرم جتنی ہو کر مرنے لگا ہے۔  
 رکما فی واقعة سفایة الکلب : البرادہ رحمہ اللہ کتاب الجہاد باب ما یؤمر بہ من القيام علی  
 الدواب اور کبھی اس کے برعکس بھی۔ لہذا یہ حدیث گذشتہ حدیث پہلے نبی سعد کے خلاف ہیں  
 قوله شَرُّ قُرَى قَامًا مَنْ أَعْطَى - الخ۔ یہ آیت اگرچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ  
 کے ایمان اور سخاوت کے متعلق نازل ہوئی لیکن چونکہ حکم عام ہے۔ اور یہ اصول بھی ہے کہ  
 آیت اپنے شان نزول میں بند نہیں ہوتی۔ اس لیے ہر جگہ منطبق ہو سکتی ہے۔

ترجمہ : حضرت ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں  
 فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خدا نے  
 انسان کی تقدیر میں زنا کا جتنا حصہ لکھ دیا ہے  
 وہ حصہ ضرور عمل میں آئے گا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَى ابْنِ  
 آدَمَ حَصَنَةً مِنَ الزَّوْنِ أَوْ زَكٍ  
 ذَلِكَ لَا مُعَالَاةَ -

قوله إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ : محدثین حضرات نے کتابت کے دو معنی بیان فرمائے ہیں  
 اول : کتب بمعنی ثبت ای ثبت فیہ الشهوات والمیل الی النساء -  
 دوم : کتب بمعنی قدر ای قدر فی الازل یعنی لوح محفوظ میں مگر اس کا ارتکاب  
 اپنے اختیار سے ہے۔ لہذا اس سے مجبور ہونا لازم نہیں آئے گا۔

قوله ابْنِ آدَمَ : یہاں ہر انسان سے عام انسان مراد ہے ان جس کو اللہ تعالیٰ یُفَصِّلُ  
 مِنْ يَشَاءُ بفضلہ انبیاء کرام کی ذات یا برکات اس سے مستثنیٰ ہیں۔



قَوْلُهُ فَرِئْنَا الْعَيْنِ النَّظَرُ - غیر محرم عورتیں مراد ہیں ان کو نظر بد سے دیکھنا یا آنکھوں کا زنا ہے اسی طرح اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف کرنا زبان کا زنا ہے۔ پھر اسے شوق سے سنتا لذت کے لیے کان کا زنا ہے۔ بعض عورتیں اپنے خاوندوں سے دوسری عورتوں کا حسن بیان کرتی ہیں یہ سخت جرم ہے۔ اعضاء مذکورہ کا ذکر تو البعات اور مقدمات زنا کی وجہ کیا ہے نہ کہ اصل کیونکہ ان سے زنا کا صدور غیر ممکن ہے۔

قَوْلُهُ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذَٰلِكَ وَيُكَذِّبُهُ (ترجمہ) اور شرمگاہ اسے آراء کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب - تصدیق فرج کا مطلب یہ ہے کہ جب نفس انسانی ہوس و خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو اگر شرمگاہ اس کی غلط خواہش پر عمل کرتی ہے اور زنا میں مبتلا ہو جاتی ہے تو یہی اس کی تصدیق ہے۔ اور اگر اس کا احساس و شعور اور ضمیر خدا کے خوف سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور شرمگاہ فعل حرام کی تکبیل سے انکار کر دیتی ہے، اور بدکاری میں مبتلا نہیں ہوتی تو یہ اس کی تکذیب ہے۔

اصل زنا تو یہی ہے کہ کسی نامحرم عورت سے بدکاری کی جائے لیکن اصطلاح شریعت میں ان حرکات و اعمال کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے جو حقیقی زنا کے لیے اسباب کا درجہ رکھتے ہیں۔ یا جو اس تکبیل پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث باب میں ہے۔ یہ سب چیزیں چونکہ حقیقی زنا کی محرک بنتی ہیں اس لیے ان کو بھی مجازاً زنا کہا جاتا ہے تاکہ ان حرکات و اسباب کی نفرت و کراہت دلوں میں بیٹھ جائے۔

ترجمہ : روایت ہے عمران بن حصینؓ سے کہ مزینہ کے دو شخصوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ فرمائیے آج جو کچھ عمل کر رہے ہیں اور جن میں مشغول ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان پر فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور جس چیز کی تہہ پر ان میں گزری چکی ہے۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مَذْيَنَةَ قَالَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ مَا يَفْعَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ وَيَكْذِبُونَ فِيهِ أَشَيْئٌ قَضَىٰ عَلَيْهِمْ وَمَضَىٰ فِيهِمْ مِنْ قَدَرٍ سَبَقَ -

قوله مزينة - اسم للقبيلة -

قوله آذائت - بمعنى اخبرني -

قوله ما - من الخير والشر -

قوله اليوم - يوم سے مراد فی الزمان ہے نہ کہ وقت محدود -

قوله يكدحون - کدح سے ہے بمعنی سعی کرنا، تکلیف اٹھانا -

قوله شئني - مبتدأ محذوف کی خبر ہے - ائی ہوشیاری فعلی علیہم

قوله اوفينما جار مجرور وقع کے متعلق ہے -

قوله يستنبطون - یہ معرّفہ و مجرول دونوں طرح سے یعنی کیا اعمال پہلے سے ازل میں مقدر ہیں یا لوگ آئندہ زمانے میں ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں -

قوله محسا - اس میں من بیان ہے جو ما یعمل الناس کا بیان ہے -

قوله غفان لا - ملاحظہ علی قاری فرماتے ہیں کہ لا ترد کے لیے ہے - محدث

عبدالحق دہلوی معنی فرماتے ہیں ”نست ادرے مستقبل“

جس کا تعلق قبیلہ مزینہ کے لوگوں کے سوال سے ہے - سوال

یہ تھا کہ یا رسول اللہ! میں یہ ہستلا دیتے کہ دنیا میں لوگ جتنے

### خلاصۃ الحدیث

اعمال کرتے ہیں خواہ وہ اعمال خیر ہوں یا بد کیا یہ وہی ہیں جو ان کے لیے ازل ہی میں مقدر ہو

چکے تھے - اور اب وقت پر وقوع پذیر ہوتے ہیں - یا یہ وہ چیزیں ہیں جو ازل میں تو ان کیلئے

نوشترہ تقدیر نہیں بنی تھیں - بلکہ اب جب رسول آئے تو انہوں نے خدا کی طرف سے دیئے

گئے معجزات کے ذریعہ اپنی صداقت کا اعلان کیا تو یہ اعمال وقوع پذیر ہونے لگے تو ایسی

شکل میں کیا کہا جائے گا بارگاہ رسالت سے جواب دیا گیا کہ یا اعمال وہی ہیں جو ازل ہی سے

بندوں کے مقدر میں لکھ دیے گئے تھے - اور اب اسی نوشترہ تقدیر کے مطابق اپنے اپنے

وقت پر صادر ہوتے رہتے ہیں - کما فی قولہ تعالیٰ : وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا

فَجُودَهَا وَتَقْوَاهَا - رپٹ و الشس

الہم ما منی کا معنی ہے جس سے معلوم ہوا کہ

نیکی اور بدی کا بیج پہلے سے بر دیا گیا ہے

### آیت مبارکہ سے طرز استدلال

اور یہی تقدیر ہے اور مجبور و تقویٰ کو نفس کی طرف اذیت کر کے نفس کے اختیار کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی یہاں بندہ کا بھی کوئی فعل ضرور ہوتا ہے جس کی بنا پر اس کا نفس ناجر یا متقی بن جاتا ہے۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ایک جوان شخص ہوں اور میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں کہ زنا کی طرف مائل نہ ہو جائے اور میرے اندر اتنی استطاعت نہیں ہے کہ کسی عورت سے شادی کر لوں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي رَجُلٌ شَابْتُ  
وَأَنَا أَخَافُ عَلَى نَفْسِي الْفِتْنَةَ  
وَلَا أَحَدٌ مَّا أَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ  
كَأَنَّهُ لَيَسْتَأْذِنُنِي فِي الْإِخْتِمَاءِ

قولہ اِنِّی رَجُلٌ شَابْتُ - عند البعض شَابْتُ معنی غیر شادی شدہ۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ غیر شادی شدہ کے لیے رَغَب (کاملاً حدیث میں مستعمل ہے۔ لہذا صحیح معنی تو مئی الشہوت قولہ الْفِتْنَةَ - ای الاثم یعنی الفجور والزنا قال اللہ تعالیٰ ذَا لَکَ لِمَنْ خَشِيَ النَّسَبَ مِنْکُمْ۔

قولہ وَلَا أَحَدٌ - ای من النسا :

قولہ اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَاءَ - عورتیں دوہم ہیں۔ اول حرہ اس کا نفقہ وغیرہ زیادہ ہوتا ہے۔ دوہم مملوکہ وہ خرید کرنی پڑتی ہے۔ یعنی بیوی کے نان نفقہ اور مہر پر بھی تاد نہیں چہ جائیکہ لونڈی خرید سکیں۔

قولہ کَأَنَّهُ لَيَسْتَأْذِنُنِي فِي الْإِخْتِمَاءِ : بقول ابوالاعلیٰ سعاد، یہ قول تلمیذ ہے یعنی کسی راوی کا قول ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ عرض و معروض اس لیے تھی کہ حضور انورؐ ان کو خفی ہو جانے کی اجازت دے دیں تاکہ زنا کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ اتہائی تقویٰ ہے کہ مصیبت پر مصیبت کو ترجیح دیتے ہیں۔ خفی ہو کر اپنے آپ کو ناقص و فاسد کر لینا منظور ہے مگر فاسق بننا منظور نہیں۔

قَوْلُهُ فَسَكَتَ عَنْهُ - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سکر سکوت فرمایا۔

سوال : یہ کہ آپ نے خاموشی کیوں اختیار فرمائی ؟

جواب : یہ بار بار خاموشی یا تو اہتمام مسئلہ کے لیے تھی تاکہ حضرت ابو ہریرہؓ اس کا جواب غور سے سنیں یا انہیں سوال سے روکنے کے لیے، یعنی خفی ہونا تو کجا اس کا ذکر بھی نہ کرو۔

سوال : جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار سکوت فرما گئے تو حضرت ابو ہریرہؓ آپ کو کیوں تنگ کر رہے ہیں ؟

جواب : یہ سوال کرنا نہیں بلکہ التجار و زاری کرنا اور چٹ جانا ہے کہ مہربانی کر کے ہماری تسلی کرائیں۔

قَوْلُهُ جَعَتْ أَفْئَلُهُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ - جَعَتْ یہ لفظ جَعَتْ التَّوْبِ اِیْ اِذَا اُبْتَلَتْ شَوْ جَعَتْ سے نکلا ہے کہ ترکِ پرا خشک ہو جائے۔ اور اطلاقِ لازم علی الملزوم کے قبیلہ سے ہے۔ اور جَعَتْ أَفْئَلُهُ سے مراد تقدیر کی کتابت سے فراغت ہے کیونکہ کتابت سے فراغت کو قلم کا خشک ہونا لازم ہے۔ یہاں لازم ذکر کر کے ملزوم مراد لیا ہے۔

قَوْلُهُ فَأَخْتَصَّ عَلَى ذَالِكَ أَوْ ذُرٍّ - (خواہ اب خفی ہو، یا رہے دے) دُرٌّ بمعنی ای اتواك الاختصاص۔

سوال : یہ دونوں رفاختص اور ذُرٍّ امر ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ امر ایاجی ہے اور اباحتِ رخصت کی علامت ہے جب کہ انسان کے لیے خفی ہونا اور کرنا دونوں ناجائز ہیں۔

جواب : اخْتَصَّ اور ذُرٍّ میں امرِ تنخیر کے لیے نہیں بلکہ تنہید کے لیے ہے۔ یعنی امر ایاجی مراد نہیں بلکہ تنہی امر مراد ہے جیسے عرت عام میں مجرم کو کہا جاتا ہے جو کچھ کرنا چاہے کر لو پھر دیکھا جائے گا۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَفَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ

یقول ابوالاسعاد : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول

سُبَّارِکَ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہاری تقدیر میں زنا لکھا جا

خلاصۃ الکلام

چکا ہے تو خفی ہونے کے بعد بھی کر لو گے در نہ بغیر خفی ہونے کی نہ کر پاؤ گے۔ تو اس کلام میں

خصی ہونے کی اجازت نہیں دی جا رہی بلکہ اچھے طریقہ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کیونکہ انسان کا خصی ہونا مسئلہ ہے یعنی بدن بگاڑنا اور مسئلہ کرنا اسلام میں حرام ہے۔ یعنی بیکار چیز کے لیے حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہو۔

ترجمہ : روایت ہے عبد اللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں کے سارے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ  
كُلَّمَا بَيْنَ اصْصَبَتَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ  
الرَّحْمَنِ :

قولہ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ - بنی آدم میں انبیاء و اولیاء، مؤمنین، کفار سب ہی داخل ہیں۔ کوئی بھی رب کے قبضہ سے خارج نہیں۔

سوال : حدیث پاک میں بنی آدم کی تخصیص کیوں ہے حالانکہ قبضہ و قدرت خداوندی میں جمع ارواح و اجزاء داخل ہیں۔

جواب : چونکہ عام احکام شرعیہ کے مکلف صرف انسان ہیں اس لیے خصوصیت سے انسانوں کے دل کا ذکر فرمایا۔ ورنہ فرشتوں اور جنات وغیرہم کے دل بھی رب کے قبضہ میں ہیں۔

قولہ كَلْبٍ وَاحِدٍ : یعنی جیسے تم ایک چیز کے بدلے پر قادر ہو ایسے ہی اللہ تمام دلوں کو ایک وقت پھیرنے پر قادر ہیں۔ كَقَوْلِهِ تَعَالَى « مَا خَلَقْتُمْ وَلَا تَبْعُثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ » بندوں کی عادت و قدرت کی وجہ سے كَلْبٍ وَاحِدٍ لہرایا ہے ورنہ کثرت و تعدد اللہ ذوالجلال کے لیے موجب دشواری نہیں بلکہ دونوں برابر ہیں۔

قولہ يَغْرِفُهُ كَيْفَ يَشَاءُ - اِی يَقْبِضُهُ تَقْلِيْبًا كَيْفَ شَاءَ۔

قولہ اَللّٰهُمَّ مُصْرِفَ الصُّلُوبِ ، بقول ابوالاسعاد : کہ یہ دعا

کفار و مؤمن، نیک و بد کا سب ہی کے لیے ہے یعنی بدکاروں کے دل نیکی کی طرف پھیرنا

اور نیکو کاروں کے دل نیکی پر قائم رکھنا۔ خیال رہے کہ یہ دعا درحقیقت اُمت کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ آپ کی ذات بابرکات تو سید العوالمین ہے ان کے لیے ہدایت و معصومیت لازم ہے۔  
**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ** | حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام قلوب خدا کے قبضہ و تصرف میں ہیں وہ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے کسی قلب کو گناہ و معصیت کی طرف مائل کرنا بھی اس کی صفت ہے اور کسی قلب کو فرمانبرداری اور نیکو کاری کی طرف مائل کر دینا بھی اسی ذات پاک کا کام ہے۔

## کیا لفظ اصابع کا اطلاق ذات باری پر درست ہے؟

یہاں اللہ عزوجل کے حق میں اصابع کا اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ لوازمات اجسام میں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالکل منزہ و پاک ہیں۔ تو اس بارے میں عرض ہے کہ تفصیلاً اس پر کام تو آگے آرہی ہے۔ مختصر عرض ہے کہ اصابع کا اطلاق از قبیل تشابہات ہے اور تشابہات دو قسم ہیں۔

**اول۔** جس کے لغوی معانی معلوم ہوں: کقولہ تعالیٰ ”يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِي الْمَلَائِكَةِ“ ”الَّذِينَ عَلَى الْأَعْرَاشِ أَسْتَوِي“ اس قسم کے مشتق و منسوب ہیں۔  
**مذہب اول:** معتزلیوں جن کو معتزہ دہر سالہ کو خدا کی طرف سے پہنچنے والے بھی کہتے ہیں ان کے نزدیک ثابت کما هو ولا نقول عنہ کی غیبت ہے۔

**مذہب دوم:** متأخرین جنکو معتزہ رٹا دیا گیا ہے ان کے نزدیک جو معانی شان باری تعالیٰ کے مناسب ہوں۔ ان معانی کے ساتھ متوکل ہیں اور یہ تأویل عوام کے ایمان کی حفاظت کے لیے ہے ورنہ وہ لوگ سخت اشتباہ میں پڑ جائیں گے تو یہ بمعنی قوت استواری بمعنی غلبہ ایسے ہی یہاں اصابع الزحمان کہا گیا ہے۔ لہذا الضیعین سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت کی طرف اشارہ ہے کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں جیسا کہ عرف میں کہا جاتا ہے کہ فلان آدمی میرے ہاتھ میں ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ شخص تمہارے ہاتھ میں سمویا ہوا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے ماتحت و قبضہ

ہیں ہے جو کہوں گا وہ ہر صورت مانے گا۔ عند البعض اصبعین سے مراد اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں ماصفت جمالی ماصفت جلالی۔ جمالی سے الہام وتقویٰ وحسنات واقع ہوتے ہیں اور جلالی سے فسق و فجور کا القاء ہوتا ہے۔

دوم : وہ مشابہات جس کے لغوی معنی کسی کو بھی معلوم نہیں۔ وَمِنْهُ حُرُوفُ الْمُقَطَّعَاتِ الْقُرْآنِيَّةِ فِي ابْتِدَاءِ الشُّعْرِ اور اس پر اتفاق ہے کہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِعُرَادِهِ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے کہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بچہ دینِ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ سے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَيِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ

قولہ مَوْلُودٌ - مَوْلُود سے انسان کا بچہ مراد ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون حدیث سے ظاہر ہے نہ کہ مُطْلَق مَوْلُود، کیونکہ مطلق مَوْلُود میں تو جانور بھی داخل ہیں۔ جب کہ مُطْلَق صرف انسانی مَوْلُود ہے۔ ثانیاً مَوْلُودٌ کمرہ نئی کے بعد ہے تو ناییدہ مہم کا رے گا۔ ہر مَوْلُود مذکور ہوا مؤنث !

قولہ عَلَى فِطْرَةٍ - فِطْرَ بَاب نَعَزَ وَ حَرَبَ، معنی پھاڑنا، ایجاد کرنا۔ اس سے کیا مراد ہے اس میں سلف کا اختلاف ہے، اور متعدد اقوال منقول ہیں :-

فِطْرَةٍ بمعنی اسلام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں :- وَهُوَ الْمَعْرُوفُ عِنْدَ عَامَّةِ السَّلَفِ اور آیت فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي میں بھی یہی مراد ہے۔ اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ عیاض بن عمارؒ کی حدیث ہے ؟ اِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادَیْ حُنَفَآءَ مُسْلِمِیْنَ اور امام احمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان کی پیدائش اسلام پر ہوتی ہے۔ اگرچہ کافر کے گھر میں بھی کیوں نہ ہو مگر ماحول اس کو بگاڑ کر غیر مسلم بنادیتا ہے۔ اگر ماحول

قول اول

کے بیچ میں نہ پڑتا تو ہمیشہ مسلمان ہی رہتا۔

عند البعض فِطْرَةٌ بمعنى عقل سليم وفهم مستقيم ہے یعنی ہر سچے عقلِ سلیم اور فہمِ صبیح پر پیدا کیا جاتا ہے اور اسی پر رہتا ہے اگر مانع نہ آئے !

قول دوم

فِطْرَةٌ سے مراد دعویٰ اَنَسْتُ بِرَبِّكَو ہے یعنی حق تعالیٰ نے تمام ذریاتِ آدم کو پشتِ آدم سے نکال کر فرمایا تھا۔ اَنَسْتُ بِرَبِّكَو انہوں نے جواب

قول سوم

دیا تھا بکی۔ اب بکی کہنے کو فطرہ سے تعبیر کیا یعنی وہ جو اقرار کیا اس اقرار پر ہر مولود کی خلقت و پیدائش کی جاتی ہے۔

جمہور علماء و محققین کے نزدیک فطرت سے عین اسلام مراد نہیں بلکہ استعداد

قول چہارم

اور صلاحیت و قابلیت مراد ہے۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچہ میں فطری اور طبعی طور پر اسلام قبول کرنے کا مادہ رکھا جاتا ہے کہ اگر اس کو کچھ مانع پیش نہ آئے تو بلاشبہ وہ اسلام ہی قبول کرے لیکن ماں باپ جس دین پر ہوتے ہیں اس پر اس کو پھیر لیتے ہیں لیکن اس سے اس کی اصلی استعداد و صلاحیت زائل نہیں ہو جاتی۔ اس قول کی تائید کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بے شمار مخلوقات، مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہے، اور ہر مخلوق کی فطرت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے۔ مثلاً شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا ہے کہ وہ پھولوں کو پہنچانے اور انتخاب کرے، پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھترے میں لا کر جمع کرے، اسی طرح انسان کی خلقت میں ایسی استعداد رکھی ہے کہ اپنے خالق کو پہنچانے اور اس کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام فطرت ہے۔ دھلکذا فی اشعۃ اللمعات

يقول ابوالاسعاد، جمہور سلف و خلف نے قول چہارم کو اختیار کیا اور بقیہ اقوال خصوصاً قول اول و فطرہ بمعنی اسلام کو چھوڑا اس لیے کہ قول اول کو اختیار کرنے سے دو اشکالات پیش آتے ہیں جس سے نجات مل جاتی ہے۔

یہ ہے کہ فطرت سے اسلام مراد لینے سے قرآن کریم اور حدیث میں تعارض واقع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت (اسلام) کوئی بدل نہیں سکتا۔ جب کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے

اشکال اول



کہ ماحول والہین اسے بدل دیتا ہے۔ فطرۃ بمعنی استعداد مرا لینے پر یہ تعارض نہیں ہوتا کیونکہ  
والہین یہودی اور نصرانی بنانے کے باوجود استعداد کو بدل نہیں سکتے لہذا لا یُبدِلُ اپنی جگہ  
پر درست ہے۔ کما فی واقعۃ الفلام الیہودی۔

عن انسٍ أَنَّ غُلَامًا مِّنَ الْيَهُودِ كَانَ مَرَضًا فَاتَاهُ الْمَسِيحُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَعَرَضَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْإِسْلَامَ  
فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْتُ فَتَنَظَّرْ إِلَى آيَتِي وَهُوَ عِنْدَكَ رَأْسَهُ فَقَالَ لَهُ بَنُوهُ  
أَطِيعُوا أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسْلَمَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ  
يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنِ الشَّارِ ابِ الرَّبِّ ابْنِ مَرْيَمَ وَهُوَ

پیشہ کتاب ابیہنا نواب فی عبادۃ الذمی ترجمہ حضرت انس سے  
روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی  
عبادت کے لیے تشریف لے گئے آپ اس کے سر ہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا  
کہ توں مسلمان ہو جائیے سنکر اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے سر ہانے ہی  
کمر اٹھا پس اس کے باپ نے اس سے کہا ابوالقاسم حضور علیہ السلام کی اطاعت  
قبول کر پس وہ مسلمان ہو گیا اور آپ سے کہنے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ کہ تعریف اس غدا  
کی جس نے اس لڑکے کو میری وجہ سے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔

نہ چونکہ اس میں فطری استعداد و صلاحیت موجود تھی جس کی بناء پر اسلام کی دولت سے  
مالا مال ہو کر فوت ہوا۔

یہ ہے کہ اسلام قبول کرنا مامور بہ ہے اور یہ امر اختیاری ہے۔ اب  
اشکال دوم اگر اسلام ہی پر سب کی پیدائش ہو تو یہ امر غیر اختیاری ہوگا۔ لہذا مامور بہ  
نہیں ہو سکتا، اور لوگوں کو تکلف بالا اسلام قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ بدیہہ البطلان ہے۔ جب کہ فطرت  
سے استعداد مراد لینے پر کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ لہذا ہی اولی درایع ہوگا۔

حضرت غفر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل کیا تھا اس کے بارے میں روایات ہیں  
سوال آتا ہے طَبِيعٌ يُّوْقَا طَبِيعٌ كَافِرٌ یعنی وہ پیدایہی کافر کیا گیا تھا۔ اور یہ طَبِيعٌ مَوْلُودٌ  
يُولَدُ عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ کے خلاف ہے۔

**جواب** | حدیث الباب کے قریب سے طبعِ بمعنی قَدَر ہے یعنی اس بچہ کی پیدائش کے وقت ہی یہ مقدر ہو چکا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر کافر ہوگا۔ لہذا اس سے قبولِ حق کی استعداد کی نفی ہوئی تو گویا کہ طبعِ کافر بمعنی قَدَر و جِبِلّ یعنی ہوشِ بے حال کو کافر ہونا اس کے مقدر میں آچکا تھا۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

قَوْلُهُ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِ۔ جملہ مذکورہ سے اشارہ فرمایا کہ ماحول اس استعداد کو ظاہر ہونے نہیں دیتا۔

**سوال** | والدین کی تخصیص کیوں ہے؟

**جواب** | اَبَوَاهُ کی تخصیص قرب اور مؤثر فی ماحول کی وجہ سے ہے چونکہ زیادہ تاثیر والدین کے ماحول کی ہوتی ہے۔ قرب اور فطری تعلق کی وجہ سے۔ اس لیے خصوصی طور پر اس کو ذکر کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ماں باپ بچہ کے پہلے استاد ہیں ان کی صحبت بچہ کی طبیعت کے لیے مانتا ہے۔

قَوْلُهُ تَنْتِجُ۔ ای تِلْدُ۔

قَوْلُهُ جَمْعَاءُ۔ ای کامل الأعضاء

قَوْلُهُ هَلْ تَحْشُرُونَ۔ بمعنی هَلْ تَجِدُونَ

قَوْلُهُ جَدُّ عَمَّاءُ۔ ای مقطوع الأذن

بقول ابوانِ شکار: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روحانیت کو جسمانیت کے ساتھ تشبیہ سے کر ایک مثال بیان فرما رہے ہیں کہ ایک کامل اور سالم الاعضاء جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہوتا نہ کان کٹا ہوا ہوتا ہے مگر بعد میں لوگ بت کے نام پر چھوڑنے کے لیے اس کا کان کاٹ دیتے ہیں تو پیدائشی طور پر یہ بالکل صحیح سالم تھا بعد میں لوگوں نے عیب وار بنا دیا اسی طرح انسان پیدائشی طور پر سالم الا استعداد ہوتا ہے۔ پھر والدین کا ماحول اسے بگاڑ دیتا ہے۔

**ترجمہ** | حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی علیہ السلام نے خطبہ میں پانچ باتیں ارشاد فرمائیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نہ

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ  
قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ فَقَالَ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَامُ وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ  
اَنْ يَسَامَ وَيُخَفِّضَ الْقِسْطَ وَيَرْفَعَهُ

سوتا ہے اور نہ سونا اس کے لائق ہے۔ یہ  
تراز کو بلند و پست کرتا ہے۔

قوله قَامَ فَيَسَا - اى لَمَّا عَظِيَ وَكَانَ اِذَا وَعَظَ قَامَ : حضرت مسلم کی عارت مبارک  
تھی جب بھی وعظ کرتے ترقیام فرماتے۔ تاکہ لسانی موتی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دیدار محبوب  
بھی رہے اس لیے وعظ و نصیحت اور دیگر خطبات وغیرہ کھڑے ہو کر کہنا سنت ہے۔  
قوله بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ - کلمات الکلمۃ کی جمع ہے بمعنی جملۃ المفیدۃ یا کلام مفید  
عند البعض معنی خمس اشیاء، یعنی پانچ چیزیں خطبہ میں ارشاد فرمائیں۔

قوله فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسَامُ - جملہ مذکورہ سے کلمات خمس کی تشریح فرما رہے ہیں  
اصل میں عبارت تھی : وَاحِدَى الْكَلِمَاتِ مِنْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسَامُ - مطلقاً نیند کی نفی مقصود  
نہیں بلکہ وقوع نیند کی نفی مقصود ہے کہ نیند واقع بھی نہیں ہو سکتی۔ کما فی قولہ تَعَالٰی  
لَا تَاْخُذْهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ اس کا مقابل تعالیٰ ہے جو نوم و غیغیف ہے۔ یا مقدمۃ  
النوم ہے۔

قوله وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يَسَامَ - وَالْثَانِيَّةَ وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَسَامَ : یہ کلمہ ثانیہ ہے  
اس سے امکان کی نفی مقصود ہے کہ ممکن بھی نہیں کہ نیند آئے کیونکہ نفی وقوع کو نفی امکان لازم نہیں  
یعنی یہ نہیں ہو سکتا جو واقع نہ ہو وہ ممکن بھی نہ ہو جیسے آسمان کا گرنا گود واقع نہیں ہوا مگر ممکن تو  
ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ : وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ خِصْرًا  
سوال - کراؤلی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسَامُ سے نوم کی نفی ہو گئی پھر دوبارہ فرمانا وَلَا يَنْبَغِيْ لَهٗ  
اَنْ يَسَامَ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے یہ تکرار کلام ہے۔

جواب اول : کراؤلی اصولاً ہے اور کلمہ ثانیہ عاذاً وعرفاً ہے محض سمجھانے کے لیے ہے۔  
جواب دوم : امالۃ تردید مقصود ہے مشرکین کی جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا  
بنا کر ٹھک گیا ہے، اب دنیا کا کام ہمارے بت چلا رہے ہیں (معاذ اللہ) کیونکہ نیند ایک قسم  
کی موت ہے۔ جب کہ ربّ ذوالجلال کی ذات پاک حیّ لا یموت ہے اس لیے جنت و دوزخ میں  
نہیں نہ ہو گی۔ ثانیاً نیند ٹھکنے اتارنے اور آرام کے لیے ہوتی ہے جب کہ پروردگار ممکن

سے پاک ہیں، ارشاد فرماتے ہیں: **وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ رِيَّاسَةٍ**

قولہ: **وَيُخَفِّضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ**۔ والثالثة: **يُخَفِّضُ** بمعنی جھکانا نیچے کرنا، اور **يَرْفَعُهُ** بمعنی بلند کرنا۔ یعنی نیچے کرتا ہے اور بلند کرتا ہے قسط کو۔ محمد ثنیٰ حضرات کے ہاں قسط کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں:-

① قسط سے مراد میزانِ عمل ہے۔ کسی کے میزان کو اونچا کر دیتا ہے اور کسی کے میزان کو پست یعنی کسی کو نیکیوں کی توفیق دیتا ہے، اور کسی کو نہیں دیتا اس معنی کی تائید اگلی حدیث الیٰ ہریرہؓ کر رہی ہے کیونکہ اس میں خود لفظ میزان موجود ہے۔

② قسط بمعنی عدل ہے، یعنی عدل کو اونچا دیتا ہے، پھر عدل کا اونچا کرنا کناہ ہے کہ عادل بادشاہ کو لوگوں پر مسلط فرماتے ہیں۔ اور پست کناہ ہے غیر عادل کے تسلط کرنے سے۔

③ جمہور حضرات کے نزدیک قسط کے لغوی معنی حصہ ہیں۔ لیکن اس کا اطلاق رزق پر ہے۔ یعنی قسط بمعنی رزق اور ترازو کے پلے کو بھی قسط کہتے ہیں کیونکہ رزق حصہ سے ملتا ہے اور ترازو بھی حصے کرتی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ: **وَرَزَقْنَا يٰ اَنْفُسَہٗا بِالسُّسْتٰیِیٰہِی**، مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی کو زیادہ روزی دیتے ہیں کسی کو کم، یا ایک ہی شخص کو بھی غریب ہوتا ہے اور کبھی امیر، کبھی غالب، کبھی مغلوب۔

قولہ: **يَزِقُّ الْاَيْمَہٗ عَمَلُ الْاَيْمَلِ**۔ والثابۃ: **يرفع الیہ**، اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سے جو کوئی عمل سرزد ہوتا ہے وہ فوراً بلا تاخیر بارگاہِ الٰہیت تک پہنچ جاتا ہے یعنی ابھی سورج بھی نہیں نکلنا اور کوئی عمل صادر ہونے بھی نہیں پاتا کہ رات کے عمل جو بندہ سے سرزد ہوتے ہیں وہ اوپر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ اسی طرح رات شروع بھی نہیں ہوتی کہ دن کے عمل وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اب جو عمل نیک اور اچھا ہوتا ہے اسے قبولیت کے شرف سے نواز کر اس پر جزا و انعام کا پروانہ صادر کر دیا جاتا ہے۔ جو عمل بد ہوتا ہے اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے دو وقتہ پیشی کہتے ہیں۔

قولہ: **جَعَلَاہُ الشُّوْرَ**۔ حجاب وہ چیز ہے جو رانی اور مرنی کے درمیان حائل ہو لیکن یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی جلالت و کبریائی کے الزامات ہیں۔ یہ حجاب مخلوق کے عجز کے اعتبار سے ہے نہ کہ خالق کے اعتبار سے جیسا کہ چمکاؤ اس عجز کی وجہ سے سورج

کو نہیں دیکھ سکتا۔ حالانکہ سورج ظاہر ہے۔ لہذا خدا کو محجوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ محجوب مغلوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان تو وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ہے۔

قَوْلُهُ لَأَحْضَرَنَّ سُبُحَاتٍ وَجْهَهُ۔ بعضہ الثنیں والباء جمع سبحة کفہفتہ و غرافات۔ سبحة بمعنی تسبیح اس سے مراد التورہ و تہجلیات الہیہ کی روشنیاں ہیں۔ سبحات اس لیے کہا کہ انہیں دیکھ کر ملائکہ بغیر اختیار تسبیح و تہلیل شروع کر دیتے ہیں۔ وَجْهَهُ درجہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی عظمت و صفات کی حقیقت کھول دیں تو ساری کائنات حدنگاہ تک بجل کر خاکستر ہو جائیگی۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ رات دن ہر وقت خرچ کرنے سے بھی اس میں کمی پیدا نہیں ہوتی۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُ اللَّهِ مَلَأَى لَا تَقْصُصُهَا نَفَقَةُ سَحَابٍ أَلْبِيلٍ وَالنَّهَارِ

قَوْلُهُ يَدُ اللَّهِ مَلَأَى۔ اس سے مراد خزانہ ہے یا اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا فنی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ وَإِنَّ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِشْدٌ نَاخِرًا مِّنْهُ بِمِثَابٍ۔ ہے اس کی بحث اصالح الرحمن میں ہو چکی ہے۔

قَوْلُهُ لَا تَقْصُصُهَا۔ ای لا تنقصہا من اتفاق

قَوْلُهُ سَحَابًا۔ سحَابًا مَحْجُوجًا رباب نصر او پر سے چمے کی طرت اترا، لیکن یہاں سحَابًا بمعنی رواں دواں بہ نفقۃ کی صفت ہے اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ زوہیت و بلندی اور مہولت اور کثرت کے ساتھ متعین ہے۔

قَوْلُهُ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ۔ یہ امام مسلم کے استاد ہیں۔

قَوْلُهُ مَلَانٍ۔ محدثین حضرات کے نزدیک صحیح روایت ملائی ہے۔



وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَنْ ذُرَّارَةَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ  
اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِيْنَ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت  
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین  
کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ  
نے فرمایا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا  
اعمال کرتے تھے۔

يَقُولُ ابُو لَاسَعَادَ : حَدِيثُ بَابِ كِي دُو جَزَيْتِيْنِ هِيْنَ - اَوَّلُ ذُرَّارِي الْمُشْرِكِيْنَ  
دُوْمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنِ : پہلے جز و اتول کی بحث ہوگی۔

## أَطْفَالُ الْمُشْرِكِيْنَ كَا حَكَم

اطفال مشرکین کا حکم دو طرح کا ہے ۱۔ دنیوی ۲۔ اخروی۔

دنیا کے احکام کے اعتبار سے نابالغ بچوں کا حکم یہ ہے کہ  
اَطْفَالُ کَا دُنْيَوِي حَكَم  
خَيْرُ اَوَّلَ بَوْنِ دُنْيَا کے تابع ہونے ہیں اگر بچہ کے ماں  
باپ دونوں مسلمان ہوں یا دونوں میں سے ایک مسلمان ہو تو بچہ کو مسلمان تصور کیا جائے گا۔ تمام  
مسائل میں اس کے ساتھ مسلمانوں والا برتاؤ کیا جائے گا مثلاً اگر مر گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی  
جائے گی۔ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اور اگر بچہ کے دونوں ماں باپ  
کافر ہوں تو اس کے ساتھ کافروں والا برتاؤ کیا جائے گا۔ حکومت اسلامی اس کو مسلمان تصور  
نہیں کرے گی۔

اگر کوئی بچہ نابالغ ہونے کی حالت میں مر جائے تو اس کا  
اَطْفَالُ کَا اُخْرَوِي حَكَم  
آخرت میں کیا حکم ہوگا۔ سو اطفال السلین کے بارے میں تقریباً  
اتفاق ہے کہ یہ جنتی ہوں گے ان کی نجات ہو جائے گی۔ اطفال المشرکین اگر بچپن کی حالت میں مر  
جائے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ مختصر اصراف میں قول نقل کر رہا ہوں۔

## قول اول -

بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ تشابہاً ظاہراً و درخی ہوں گے۔

اصل فطرت کے اعتبار سے قطعاً جنتی ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے شبِ معراج میں اولادِ مشرکین کو بھی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جنت میں دیکھا تھا۔

رمشکوۃ شریف ص ۲۹۷ (۲۵)

## قول سوم

جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ ذراریِ المشرکین کے بارے میں توقف کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ

سفیان ابن عیینہؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، اسحق بن راہویہؒ اور بہت سے اکابر امت کا مسلک یہی ہے۔ چنانچہ علامہ محدث عبداللہ بن دہلویؒ فرماتے ہیں :-

ترجمہ : بہتر یہ ہے کہ شانِ افعال کے بارے میں توقف کیا جائے اور کسی جانب یا کسی قول پر یقین نہ کیا جائے کیونکہ اس باب میں یقین رسول اللہؐ کی جانب سے نقل صحیح قطعی پہنچنے کے بغیر درست نہیں ہے اور یہ بات خود باقی نہیں گئی اور حدیث قطعی کا درود بھی اس باب میں نہیں پایا گیا اور جن حضرات نے جو کچھ کہاہے وہ اپنی رائی اور قیاس سے کہلے یا احادیث ضعیفہ و اہمہ کو لیا ہے پس توقف واجب ہوا

زیراکہ جزم دریں باب بے دمول خبر از جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنقل صحیح قطعی درست نباشد و آن خود یافتہ نشدہ و حدیث قطعی دریں باب درود نیانستہ و ہرچہ گفتہ اند برائے قیاس خود گفتہ اند یا از اخبار ضعیفہ را ہیہ گرانند پس واجب شد توقف۔ (راشحة الکلمات ص ۹۸)

سوال - ثواب اور عذاب کا مدار عمل ہوتا ہے۔ اور عمل ان لوگوں نے کیا ہی نہیں تو ان کے عقاب اور ثواب کا کیا معنی؟

نجات یا عذاب کے لیے واقعی عمل مدار بنتا ہے لیکن عمل کا مدار بنتا صرف ان لوگوں کے لیے ہے۔ جنہوں نے عمل کا زمانہ پایا ہے۔ جن بچوں نے

## جواب

ابھی عمل کا زمانہ پایا ہی نہیں ان کے لیے عمل ضابطہ اور مدار نہیں ہے ان کا ضابطہ اور مدار نجات و عذاب الگ ہے وہ یہ کہ ان کے اندر استعداد کسی ہے اور وہ اللہ کے علم میں ہے۔

يَقُولُ الْبَوَالِ شُعَادُ، اهل السنة والجماعة کے نزدیک عمل صالح دخول جنت کا موجب

نہیں۔ صرف دخولِ جنت کی امارت ہے۔ ایسے ہی عملِ فاسد دخولِ نار کا موجب نہیں بلکہ صرف امارت ہے۔ جب عمل کی حقیقت امارت ہونے کی ہی ہے تو پھر یہ عمل والا اعتراض کیوں، دخولِ جنت کا موجب حقیقی لطفِ ربانی ہے اور دخولِ نار کا موجب حقیقی عدلِ ربانی ہے۔ جو بھی دوزخ میں جائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل سے جائے گا۔ اس کے خراب عمل صرف امارت ہے ایسے ہی جو بھی جنت میں جائے گا وہ اللہ کے فضل سے ہی جائے گا۔ اصل موجب دخولِ جنت کا فصل الہی ہے۔ عمل صالح صرف امارت ہیں۔

قَوْلُهُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِيْنَ - محمد بنِ حضراتؒ نے اس کے دو مطلب بیان فرماتے ہیں۔ اول کہ یہ تو خدا کو معلوم ہے کہ اگر وہ میسر سخی کی حالت میں نہ مرتے اور زندہ رہتے تو بڑے ہو کر کیا عمل کرتے۔ لہذا اب ان کے ساتھ جو معاملہ ہو گا اسی کے مطابق ہو گا۔ دوم: یا یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ آیا وہ جنت میں جاتے ہیں یا دوزخ میں وہاں کی حالت کسی بندہ کو کیا معلوم یعنی ”اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِيْنَ اِلَى الْجَنَّةِ اَوْ اِلَى النَّارِ۔“

## الفصل الثانی

### یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ: حضرت عبادۃ بنِ مامتؒ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب نے جو چیز پہلے پیدا کی وہ قلم تھا پھر فرمایا اس کو کلمہ قلم نے کہا یا اللہ کیا کلموں جو اب ملا تقدیر کلمہ!

عَنْ عِبَادَةَ بْنِ مَامَتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَمَّا اكْتُبُ فَقَالَ مَا اكْتُبُ قَالَ اكْتُبِ الْقَدَرَ۔

سوالِ اول | ربِّ ذوالجلال اور قلم کے درمیان جو مکالمہ ہو رہا ہے یہ ان کی شایانِ شان سے بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کلام سے پاک ہیں اور قلم کے اندر قوتِ گویائی نہیں ہے۔



**جواب** | حدیث پاک کی یہ عبارت کسی تاویل کی محتاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر اپنی شان کے مطابق عرض معروض کرنے کی طاقت رکھی ہے۔

کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ" - ۛ بنی اسرائیل،

**سوال دوم** | اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ اولِ قلم کی ہوئی۔ جب کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیقِ اولِ نور محمدؐ کی ہوئی ہے۔ ۛ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِيّ - بعض روایات میں عرش ہے ان میں حقیقتاً تخلیقِ اولِ کس کی ہے؟

**جواب** | حضرت محمدؐ اور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ الٰہی حدیثِ راجح ہے۔ لہذا اس میں اولیتِ تحقیق ہے اور باقی

تمام اضافی ہے۔ ترتیب یوں ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو، پھر عرش پھر پانی، پھر ہوا، اور لوحِ محفوظ کی پیدائش کے بعد جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ قلم ہے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ مبارک سے مراد آپ کی روحِ مبارک اقدس اور ہے۔ کیونکہ ترمذی شریف کی روایت ہے "أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ رُوحِيّ" تو نورِ یعنی روحی کیونکہ "فِي الْأَرْوَاحِ نُورَانِيَّةٌ" (مرقاۃ ۱۳۷)

قَوْلُهُ فَكُنْتُ مَسَاكَانٌ - قلم نے اُن چیزوں کو لکھا جواب تک ہو چکی ہیں۔

**سوال** :- جب سے پہلے ہی قلم کو پیدا کیا گیا تو پھر قلم سے پہلے کیا تھا جسے قلم نے پہلے لکھا۔  
**جواب اول** : اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات و ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عرش پانی وغیرہ موجود تھے۔ یہ سب مَسَاكَانٌ تھے۔

**جواب دوم** : عند البعض مَسَاكَانٌ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازِ مبارک کے اعتبار سے ہے جس کو مَسَاكَانٌ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ وَمَا هُوَ كَأَنَّ إِلَى الْآبِدِ - جب اس نے جو کچھ ہو چکا اور جو ہمیشہ تک ہو گا لکھ دیا۔

**سوال** - یہ کہ آئندہ مستقبل غیر متناہی کا نام ہے۔ پھر غیر متناہی کو کیسے لکھا گیا کیونکہ غیر متناہی خارج عن الإحاطہ ہوتا ہے۔ جب کہ مکتوب محدود ہوا کرتا ہے۔

**جواب اول** - غیر متناہی کو اجمالاً لکھا جاسکتا ہے۔

**جواب دوم** | آید سے مراد یہاں زمانہ غریب ہے یعنی جہان کے ختم ہونے تک یا قیامت تک، یا جہنم کے جنت میں اور روزخیزوں کے روزخ میں داخل ہونے تک کا زمانہ مراد ہے۔ چنانچہ حاکم اور بیہقی کی روایت میں اِلٰی یَوْمِ الْقِيَامَةِ اور اِلٰی اَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ کے لفظ بھی آتے ہیں۔

ترجمہ: مُسْلِم بن ہارماوی ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ سے "وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ الذِّكْرَ" آیت کے متعلق سوال کیا گیا پس انہوں نے کہا کہ حبیب اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا۔

وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عَنْ هِلَالَةَ الْأَيْمَنِ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ أَذْيَةً قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا۔

قولہ شَعْرٌ مَسْحٌ ظَهْرٌ - محدثین حضرات نے اس کے متعدد معانی بیان فرمائے ہیں۔ اقول: یہاں مسح رمانہ پھرنا کرنے والی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات پاک ہے لیکن مسح باب التصوير الثقیل ہے۔

دوم: مسح کرنے والا فرشتہ ہے جس کے ذمہ میں تصویر اور پچھ کے نقش و نگار کرنے کا کام ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت للتشريف والتعظیم ہے۔ سوم: مسح مأخوذ من المساحة بمعنى التقدير بمعنى مسح ای قذف ما فی ظہر من الذریتہ۔

آیت مفسرہ کے الفاظ میں بنی آدم کی پشت سے ذریات نکالنے کا ذکر ہے **سوال** | اور حدیث پاک میں آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالنے کا ذکر ہے۔ بظاہر قرآن کریم و حدیث میں تعارض ہے۔

**جواب اول** اخراج کی کیفیت یہ تھی کہ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چند ذریات مثلاً حایل و قایل کو نکالا گیا، پھر ان سے ترتیب خارجی کے اعتبار سے قیامت تک آنے والی اولاد نکالی گئی۔ تو قرآن کریم میں ترتیب خارجی کے اعتبار سے بیان کیا گیا اور حدیث میں اصل کے اعتبار سے بیان کیا گیا کیونکہ بالواسطہ سب کی اصل آدم علیہ السلام ہیں۔

**جواب دوم** پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے چند ذریات نکالی گئیں پھر انہی کی پشت پر ایک دوسرے سے قیامت تک آنے والی ذریات نکالی گئیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ایک ساتھ سب کو نکال دیا گیا۔ تو آیت میں اخراج اولیٰ کو بیان کیا اور حدیث میں اخراج ثانی کو بیان کیا گیا۔ فلا تعادضا۔ اہل جنت کے بارے میں فرمایا: *مَنْ مَسَّ ظَهْرَ يَمِينِيْ* یعنی یمن کا لفظ لائے کیونکہ غیر یمن کی طرف مشرب ہے۔ جب کہ اہل نار کے حق میں *يَسِيْرٌ* کا لفظ استعمال فرمایا۔ جب کہ قایل کا تقاضا یہ تھا کہ شمال کو ذکر کرتے۔

**جواب اول** شمال کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا کہ اس میں من و جہ سور ادب ہے *كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ "يَكُنْ يَدَى الرَّحْمَنِ يَمِيْنٌ"* شمال کے اطلاق سے کمزوری کی نسبت ہوگی کیونکہ وہ ہاتھ نسبتاً کمزور ہوتا ہے جب کہ کمزوری ذاتِ باری تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ *قَوْلُهُ فَاَسْتَخْرِجْ مِنْهُ ذُرِّيَّتَهُ* یہاں پر دو بحثیں ہیں :-

**بحث اول صورت اخراج** یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے کون سے حصے سے اخراج کیا گیا۔ اس بارے میں محدثین کے کئی قول ہیں۔ اول، شیخ عبد الوہاب شعرائیؒ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں شکاف کر کے نکالا گیا۔ *كَمَا جَاءَ فِي الْأَحَادِيثِ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ*۔

دوم، عند البعض آدم علیہ السلام کے سر کے بال کی جڑ میں جو سوراخ ہے اس سے نکالا گیا۔ سوم، جو اقرب الی القواب ہے۔ *كَمَا قَالَ الشَّيْخُ أَبُو طَاهِرٍ لَقَدْ رَأَيْتُ حَضْرَتَ* آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں جو بال ہے اس کی جڑ میں جو سوراخ ہے اس سے نکالا گیا جیسا کہ اس

سزاخ سے پسینہ نکلتا رہتا ہے جسے سہاگت بھی کہتے ہیں۔

اس میں بھی متعدد اقوال ہیں

اول : عالم ارواح میں نکالا گیا۔

**بحث دوم۔ مقام اخراج کون کی جگہ ہے ؟**

دوم : حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے کے بعد نکالا گیا۔ سوم : جمہور حضرات کے نزدیک وادی نعمان جو میدانِ عرفات کے قریب ہے وہاں نکالا گیا۔ کما جاء فی حدیث ابن عباسؓ قَالَ اخَذَ اللّٰهُ الْيَمِيْنُ شَاقِ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ يَنْفُصَانِ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۷)

**بحث سوم۔ عہد الست حقیقی واقعہ ہے یا تمثیل ہے ؟**

اس میں دو قول ہیں :-

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آیت و حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کو عقل دی، پھر اپنی معرفت کے دلائل کا مشاہدہ کرایا جس

**قول اول**

کی وجہ سے ان میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ گویا بزبانِ حال سوال ہوا اور جواب دیا گیا و اگر حقیقت میں کوئی سوال و جواب نہیں ہوا۔ معتزلہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

جمہور محدثین حضرات کے نزدیک حق تعالیٰ نے جمیع انسانوں کے ردحوں کو نکال کر ان سے قولاً وعدہ ربوبیت لیا ہے۔ لہذا یہ عہد حقیقتاً ہے

**قول دوم**

لا محاذاً و لا تمثیلاً۔ کما قالہ البیضاویؒ اس کی مؤید حدیث ابن عباسؓ ہے :-

”اِنَّهُ قَالَ اخَذَ اللّٰهُ الْيَمِيْنُ شَاقِ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ فَاَخْرَجَ مِنْ

صُلْبِهِ كُلَّ ذَرِيَّةٍ فَنَشَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ كَلَّمَهُمْ

قُبُلًا رَآئِهِمْ قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا اَلَا

(آخر جزء النسخ فی صحیحہم)

سوال۔ اس عہد لینے کا مقصد کیا تھا ؟

چونکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور ہستی کا عقیدہ پوری کائنات کی بنیاد ہے

اس عقیدہ کو ابتداء ہی سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا۔ تاکہ اس

**جواب**

سوال - وہ عہد یاد تو نہیں ہے پھر اسے کیسے تسلیم کریں ؟

ہر چند یاد نہیں مگر اس کے اثرات ضرور موجود ہیں جیسے کسی بھی عالم فاضل کو یہ یاد نہیں ہوتا کہ میں نے الف، بار، تاء کس وقت کہاں اور کس کیفیت میں شروع کی تھی، لیکن اتنا اس کو یقین ہوتا ہے کہ ضرور کسی نے مجھ کو ابجد اہل میں یہ الفاظ سکھائے ہیں، اور یہی سیکھنا میرے آگے بڑھنے کی بنیاد بنا ہے ایسے ہی اکثر اہل مذاہب کا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں مستحق ہونا اسی عہد کے اثر کی وجہ سے ہے۔ اور بعض اہل بصیرت کو وہ عہد اب بھی یاد ہے۔

اُنکے اذائل چمنِ شانِ بگوش بفریادِ نکالوا اہلی درِ خردش

کما قال علیؑ :-

انی لا ذکر الہد الذی عہد الی ربی واعرف من کان ہذا  
عن یمینی وعن شمالی۔

اور ایسا ہی سہل بن عبد اللہ القسریؒ نے کہا کہ مجھے وہ عہد یاد ہے۔

ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ یہ عہد الیسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں۔

سوال :- جب سب نے اقرار کیا تو دنیا میں آکر بعض نے انکار کیوں کیا ؟

**جواب** یہ کہ کافروں پر رعب و ہیبت طاری ہوگئی تھی اس لیے انہوں نے خوف کی وجہ سے بکلی کر دیا اور مسلمانوں پر رحمت کی بجلی ڈالی گئی۔ انہوں نے خوشی کے اندر بکلی کہی۔

قَوْلُهُ خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ -

**سوال** حدیث پاک میں ہے **خَلَقْتُ لِلنَّارِ وَخَلَقْتُ لِلْجَنَّةِ** اس سے معلوم ہوا کہ بعض تخلیق جنتی ہے اور بعض ناری ہے۔ جب کہ اصلہ سب کی تخلیق عبادت کے لیے ہے۔ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ** (پ)

## جواب

غرض تخلیق دو قسم ہے : اول تشریعی جس کا تعلق رفائے الہی کے ساتھ ہے یعنی جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو، اسے عبادت کی توہین عطا فرماتے ہیں دوئم تکوینی، اس کا تعلق ارادۃ الہی و مشیت الہی کے ساتھ ہے۔ یہاں پر تکوینی غرض مراد ہے اور آیت مقدمہ میں تشریعی غرض مراد ہے۔ فَكَتَبْنَا رَحْمَةً

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدَيْهِ كِتَابَانِ  
فَقَالَ أَتَذَرُونِ مَا هَذَا ابْنُ  
الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ  
إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ کے ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں اور فرمایا جانتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں کیا ہیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں کیا معلوم آپ ہی بتا دیجئے۔

قولہ : کِتَابَانِ۔ ان دو کتابوں کے بارے میں محدثین حضرت کی دو آراء ہیں :-  
اول : یہ کہ حقی اور حقیقی کتابیں نہیں تھیں بلکہ یہ کلام بطور تشبیل و فرض کے ہے۔ اصل میں یہ بتانا ہے کہ جنت والوں کے نام بھی طے شدہ ہیں اور جہنم والوں کے نام بھی ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ بے کسی معنی یا مشکل مسئلہ کو بھانسنے کے لیے اس قسم کی مثال دی جاتی ہے۔ یا جیسے کوئی استاد کسی حساب کو ذہن نشین کرانے کے لیے بغیر کاغذ و قلم کے ہاتھ کے اشارے سے بھانٹا تو ہاتھ بمنزلہ کاغذ و قلم کے ہے۔

دوئم : اہل باطن اور ارباب نمکا شعر کا قول یہ ہے کہ یہ دو حقیقی کتابیں تھیں جو عالم غیب سے آتی تھیں، اور اسی وقت والپس کردی گئیں تھیں۔ اس کے اندر کوئی استحالہ نہیں جب کہ نبی کا تعلق عالم غیب سے اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اگر وہ چاہے تو جنت کے باغوں میں سے انگور کا خوشہ توڑ لائے اور ہم کو دیدے۔ اس سے بھی بڑے معجزات پیش آتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالیؒ نے کیا کتنے معجزات میں لکھا ہے کہ خواص کا امتیاز عوام سے دو طرح ہے۔ اول یہ کہ عوام کو جو علوم کسب و تعلم سے حاصل ہوتے ہیں وہ خواص کو بغیر کسب و تعلم کے

متجاوز اللہ حاصل ہوتے ہیں جس کو علماء کی اصطلاح میں علم کبریٰ کہا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَ عَلَّمْتُ ۙ  
 بَيْنَ لَدُنَّ عَلَّمْتُ۔ دوم: عوام جس چیز کو خواب میں دیکھتے ہیں اس عجیب و غریب چیز کو خواص بیداری میں  
 دیکھ سکتے ہیں جب خواص امت محمدیہ کی یہ حالت ہے کہ عجائب و غرائب بیداری میں دیکھ سکتے ہیں۔ تو  
 سید المرسلین، آلہ الاطہارین و آلہ الزہراء امام الانبیاء صلعم کے ہاتھ مبارک ہیں اگر عجیب و غریب کتاب آجائے  
 تو تعجب و استعجاب کی بجائے بلکہ ظاہر حدیث میں تو یہ ہے کہ وہ کتاب صحابہ کرام کو حضرت سیدہ دھانی  
 بھی تھی۔ کما فی حدیث صحیحہ وَ فِی یَدِی عَفِیْہِ السَّلَامُ کِتَابُ مَضْمُونٍ وَ هُوَ قَائِلٌ بِسِیْدِہِ  
 عَلٰی کِتَابِ اللہ۔ یہ طبعی اور قبضہ جتنی کتاب پر دل ہے۔

قَوْلُهُ فَكُنَّا زَا۔ اس کے بعد مقررہ مقرر ہے۔

قَوْلُهُ فَكُنَّا بِلَدْنِی فِی یَدِہِ الْیَحْیٰی۔ اس کی دو ترکیبیں ہیں :-

اَوَّلُ : لام بمعنی فی ہے اور آئندہ سے پہلے مضارع مقرر ہے۔ ای فی حق الذی الذی الذی

اور تھان بمعنی اُکثر کیونکہ تھان کا استعمال عموم ہر شئی پر ہے۔

دَوِّم : لام بمعنی الی اور آئندہ سے مراد کتاب ہے۔

قَوْلُهُ شَوْأُ جَمْعٍ عَلٰی الْخَرِیْہِ۔ پھر آخر میں جمع بندی کر دی گئی۔

لہذا اس میں کسی نام کا اضافہ اور کمی نہیں ہو سکتی۔ اجماع یہ اجماعی سے ہے یعنی مجموعی چیز  
 دو ممکن اور جمع بندی کر دینا۔

قَوْلُهُ فَلَا یَزَادُ فِیْہِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْہُمْ اَبَدًا۔ لہذا ان میں کمی زیادتی

کمی نہیں ہو سکتی۔

یہ کہ اس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوگی۔ جب کہ قرآن پاک میں ہے :-

سوال

یَمَحُورُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثَبِّتُ وَ یَعِیْشُ ؕ اَمْ اَنْکِ تَابِعُہٗ جَب کہ حدیث

میں محاورہ اثبات کی نفی ہے۔

جواب

تقدیر دوم یہ ہے : اَوَّلُ مُبْرَم : جو محکم فیصد ہوتا ہے اس میں تعلیق نہیں ہوتی  
 دوم معلق : جو کسی کے ساتھ معلق ہو۔ مثلاً زید نکلان روانی استعمال کر لگا

توضیحا ہوگی۔ مبرم تقدیر نحو اثبات کو قبول نہیں کرتی۔ جب کہ معلق میں نحو و اثبات ہوتا ہے۔ تو

حدیث محمول ہے تقدیر مبرم پر جب کہ آیت قرآنی میں تقدیر معلق کا مسئلہ ہے مگر یہ تقسیم عند اللہ  
 ہے عند اللہ جمیع تقدیر مبرم ہے کیونکہ ان کے علم میں ہے کہ یہ کام ہو گا یا نہیں۔

قوله سَدُّ دُفَا وَقَارِبُوا - یعنی زاہد حق کے مطابق سیدھے چلتے رہو۔ عمل کو خوب مضبوطی سے کرو اور اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے رہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے اصل مقصد یعنی عبادت میں لگے رہو۔ حیر اور قدر کی بحث میں مت پڑو۔ یہ حکیمانہ جواب ہے۔  
قوله فَكَيْسَهُمَا - اسی طرح مَارِخَتُهَا یعنی لاکھوں کو جھٹکا دیا جس سے دونوں کتابیں غائب ہو گئیں۔ اور یہ پھینکنا ان کی امانت کے لیے نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ مقصود تھا کہ بارگاہ ربوبیت سے اس معاملہ میں کہ معنی دوزخی کون کون لوگ ہیں ازل ہی میں حکم ہو چکا ہے جو کہ نوشتہ تقدیر میں چکا ہے۔

قوله فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي الشَّيْءِ - یہ قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے۔ اور بندوں سے مراد انسان ہیں کیونکہ جنت میں ثواب کے لیے انسانوں کے سوا کوئی نہ جائے گا۔ یہ آدم علیہ السلام کی میراث انہی کی اولاد کو ملے گی۔

وَعَنْ أَبِي حُزَامَةَ  
عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ  
اللَّهِ أَرَأَيْتَ رُقًى تَسْكُرُ فِيهَا  
وَدَوَاخًا مَسْدَاوًى وَتَقَاةً تَمُتُّ فِيهَا  
هَلْ مَرَدٌ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ شَيْئًا  
قَالَ هِيَ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ -

ترجمہ : ابو حزامہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ یہ جو جھاڑ پھونک ہم رشقاہ کے لیے پڑھواتے ہیں یا دوائیں استعمال کرتے ہیں یا بچاؤ کے چیزیں رڈھال زدہ وغیرہ سے حفاظت کرتے ہیں کہ یہ چیزیں تقدیر کو بدل دیتی ہیں فرمایا نہیں یہ سب تقدیر ہی کے مطابق ہیں۔

قوله رُقًى - یہ رُقِیَّة کی جمع ہے معنی تعویذ و منتر۔ یہاں اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جن کے الفاظ مباح ہوں۔ مثلاً اسماء الہیہ وغیرہ اور ان کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے اور وہ کسی جائز غرض کے لیے ہوں ورنہ حرام ہیں۔  
قوله تَقَاةً - بمعنی بچاؤ کی چیز۔ مثلاً رڈھال زدہ وغیرہ۔



قَوْلُهُ نَتَّقِيهَا - اِی تَلْتَجِی بِهَا، یعنی دشمنوں سے حفاظت کے طور پر استغاثہ کرتے ہیں۔

سوال کا حاصل یہ ہے کہ ان اسباب ظاہروں کے اختیار کرنے سے تقدیر کا کوئی تسبیحہ مل تو نہیں سکتا پھر ان

### حَاصِلُ الْحَدِيثِ

اسباب کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اسباب تقدیر کے متافی نہیں بلکہ تقدیر کے اجزاء ہیں اس لیے تقدیر میں جہاں نتائج کھے ہوئے ہیں۔ وہاں ان کے اسباب بھی کھے ہوئے ہیں۔ مثلاً تندرست ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ غلام علاج سے تندرستی ہوگی۔ سائل نے یہ سمجھ لیا کہ تقدیر میں صرف نتائج ہی لکھے ہیں اسباب کا تقدیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

یَقُولُ ابُو اَبُو سَعَادٍ : حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قضاء و قدر اسباب کے خلاف نہیں ہیں بلکہ اسباب اختیار کرنا خود قضاء و قدر کے اندر داخل رہتے ہیں (رحمۃ اللہ الباقیہ ص ۱۷)

## اسمائے رجال

ان کے والد کے نام میں ارضتلاف ہے۔ غالباً

ان کا نام یحییٰ ہے جو یحییٰ حارث ابن سعد

### حالات حضرت ابی خُزائمہ

قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ ابو خزائمہ خود تابعی ہیں۔ اور حضرت ابو خزائمہ دوسرے صحابی ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
خَدَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ  
نُتَارِعُ فِي الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتَّى  
أَحْمَرَ وَجْهَهُ حَتَّى كَالْمَا  
فَقِيَّ وَجَدْتِيهِ حَبَّ الزَّمَانِ -

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں  
کہ (ایک دن) ہم قضا و قدر کے مسئلہ  
پر بحث کر رہے تھے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ  
علیہ وسلم تشریف لے آئے رہیں اس مسئلہ  
میں الجھتے ہوئے دیکھ کر آپ کا چہرہ انور اقدس  
غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور ایسا معلوم  
ہوتا تھا کہ گویا انار کے دانے آپ کے رخسار  
مبارک پر پھوڑ دیے گئے ہیں۔

قولہ: وَنَحْنُ نُتَارِعُ - تاراع دو قسم ہے۔ اول تاراع بدلائل یا احسن ہے۔  
دوم تاراع بغیر الدلائل یہ قبیح ہے اور حدیثی آدمی کا کام ہے۔ صحابہ کرامؓ کے درمیان تاراع  
بدلائل تھا۔

سوال - تاراع بدلائل سے کیا مراد ہے ؟  
تاراع بدلائل سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ آپس میں تقدیر کے مسئلہ پر بحث  
کر رہے تھے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نوشتہ تقدیر میں  
تو پھر عذاب و ثواب کا ترتیب کس لیے ہے۔ بعض صحابہ کرامؓ کہہ رہے تھے کہ اس میں خدا کی حکمت  
وصلت ہے بعض نے کہا کہ اعمال کا اختیار دیا ہے لیکن اختیار کس نے دیا وغیرہ وغیرہ۔

قولہ: أَحْمَرَ وَجْهَهُ - غصہ اور تحمیر وجہ کا سبب یہ تھا کہ چونکہ تقدیر کا معاملہ  
خداوندی راز ہے۔ اور رازِ خداوندی کی تکلیف منع ہے۔ نیز جو اس میں واقع ہوگا تو کامل اختیار  
سے کام لینا پڑے گا۔ جو ہر ایک کا کام نہیں لہذا خوف ہے کہ مائل بقدریہ جبریت نہ ہو جائے  
اور بندہ کو حکم یہ ہے کہ ادا پر عمل کرے، نواہی سے بچے۔ اس لیے حضور علیہ السلام ناراض ہوتے  
مگر متعلین کے رنج اعتراض کے بدلے یا نصرتِ دین کی خاطر کلام کرنا منع نہیں۔

قولہ: فَقِيَّ وَجَدْتِيهِ حَبَّ الزَّمَانِ - بصیغۃ الجہول ای عصبہ یعنی پھوڑنا۔  
قولہ: وَجَدْتِيهِ - ای خدا یہ یعنی رخسار مبارک لیکن کنا یہ ہے چہرہ ہے۔

قَوْلُهُ اَيْلَهَذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهَذَا اُرْسِلْتُمْ اِلَيْكُمْ۔ اس مقام پر اُمُ بضمیٰ کل ہے۔ اور یہ ترقیٰ مِنَ الْاَعْوَانِ اِلَى الْاَغْلَظِ ہے۔ معنی ہوگا کہ تم اس جھگڑے کا حکم کیسے کیسے گئے ہو پھر اس سے سخت کلمہ فرمایا کہ کیا میں اس تقدیر کے مسئلہ کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

قَوْلُهُ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ یہ جملہ مستأنف ہے جو جواب ہے سوال مُقَدَّر کا۔ سوال تھا "لَمَّا اَنْكَرْتُمْ هَذَا اِنْكَارَ التَّبْلِیْغِ" یا رسول اللہ! آپ ناراض اور غصہ کیوں فرما رہے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب دیا "اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ" لہذا مجھے خطرہ ہے کہ تم بھی سابقہ اُمتوں کی طرح ہلاک نہ ہو جاؤ۔

قَوْلُهُ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ اِی اَقْسَمْتُ عَلَيْكُمْ؛ قسم دیتا ہوں تم کو۔ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ۔ اِی اَوْجَبْتُ عَلَيْكُمْ؛ واجب کرتا ہوں کہ تم تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑا نہ کیا کرو۔ قَوْلُهُ اَنْ لَا تَنَازَعُوْا؛ شراح حدیث نے بحث کی ہے کہ اَنْ لَا تَنَازَعُوْا کا اَنْ کون سا ہے؛ کیونکہ اَنْ مصدر یہ بھی نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ یہ جملہ مُفْرَد بن جائے گا۔ اور جواب قسم جملہ ہوتا ہے۔ اِی طرح اَنْ زائد بھی نہیں بن سکتا اس لیے کہ جو اَنْ لا کے ساتھ آئے وہ زائد نہیں ہوتا۔ تو لا محالہ اَنْ مُفْرَد ہوگا یا اَنْ مُفْرَدٌ مِنَ الشُّقْلِ ہوگا یعنی "اَنْ لَا تَنَازَعُوْا" وَاَنْ لَا تَجَادِلُوْا۔

قَوْلُهُ وَرَوٰی ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ۔ آخر حدیث میں صاحب مشکوٰۃ نے ابن ماجہ کی اس طرح کی روایت کردہ حدیث کی سند کا ذکر کیا ہے۔ یہ سند کتب حدیث میں بکثرت آتی رہتی ہے اس کے متعلق ضروری باتیں جان لینا ضروری ہے۔

اس قسم کی روایات کو روایت الابیاء عن الآباء کہا جاتا ہے

اس عمرو بن شعیب کا نسب نامہ یوں ہے؟ عمرو بن شعیب بن محمد

مکمل سلسلہ نسب

بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص بن وائلؓ امام احمدؒ اور دوسرے جہور محدثینؒ اس سند سے حدیث لاتے ہیں لیکن امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نہیں لاتے۔ مؤلف مشکوٰۃ اپنے رسالہ "الاکمال فی اسماء الرجال" میں اس کی وجہ لکھی ہے جو دہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ مزید اس کی وضاحت بحث کے اندر بھی آ رہی ہے اب اس سند میں دو ضمیر ہیں۔ اَوَّلُ عَنْ اَبِيْهِ اس میں

اتفاق ہے کہ ابیہ کی ضمیر عمرو کی طرف راجع ہے اور ابیہ کا مصداق شعیب ہیں یعنی عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں۔ دوم عَنْ جَدِّہ - جَدِّہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ اول اس ضمیر کا مرجع عمرو ہیں۔ اور اس کے مصداق محمد ہیں۔ یعنی شعیب عمرو کے دادا محمد سے روایت کرتے ہیں حالانکہ محمد تابعی ہیں۔ اس صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی۔ دوم جَدِّہ کی ضمیر کا مرجع ابیہ ہے۔ اب جد کا مصداق عبداللہ بن عمرو ہوں گے۔ جو کہ شعیب کے دادا ہیں مطلب یہ ہوگا کہ شعیب اپنے دادا عبداللہ سے روایت کرتے ہیں تو یہ روایت مرسل نہ ہوگی بلکہ منقطع ہوگی کیونکہ شعیب کو اپنے دادا عبداللہ سے سماع ثابت نہیں۔ بلکہ ان کو اپنے دادا کا صحیفہ مل گیا تھا اس سے روایت نقل کرتے ہیں۔

بحث یہ کہ ان دو احتمالوں میں سے کونسا احتمال راجح ہے؟

عام طور پر اس انداز کی سندوں میں ابیہ اور جَدِّہ دونوں ضمیروں کا مرجع پہلا راوی ہوتا ہے جیسے عَنْ یٰہٰزِ بْنِ حَکِیْمٍ عَنْ ابِیْہِ عَنْ جَدِّہ ۲ اس میں دونوں ضمیروں کا مرجع بہز ہے لیکن زیر بحث سند میں عندالمجہور دوسرا احتمال راجح ہے۔ اس احتمال کے راجح ہونے کے کئی قرائن ہیں۔ سب سے واضح قرینہ یہ ہے کہ ابو داؤد شریف ص ۱۱۱ باب باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً - کتاب الطہارۃ اور نسائی شریف بحوالہ تدریب الدلای ص ۲۵۴ کی روایات میں یوں ہے عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعْبٍ عَنْ ابِیْہِ عَنْ جَدِّہ ۲ عبداللہ ۲ دکانی الترمذی ص ۱۱۱ سوال یہ کہ شعیب کو عبداللہ سے سماع حاصل نہیں۔

جواب - یہ ہے کہ شعیب کو اپنے دادا سے یعنی عبداللہ سے سماع حاصل ہے اس لیے کہ شعیب ابی بنے ہی تھے کہ ان کے والد محمد کا انتقال ہو گیا ان کی پرورش ان کے دادا عبداللہ نے کی ان سے شعیب نے علمی استفادہ بھی کیا۔

سوال - اگر احتمال ثانی راجح ہے تو پھر امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث نے کیوں اس سند کو اپنی صحیح میں نقل نہیں کیا، ان کا نقل نہ کرنا یقیناً دلیل ہے کہ اس احتمال میں اتفاق نہیں۔

جواب - امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث لانے کے لیے کڑی شرائط

مُتَّفَرِّز کر رکھی ہیں اس لیے اس سند کی کوئی حدیث اپنی صحیح میں نہیں لائے اس کے برخلاف بڑے بڑے محدث اس سند کو ذکر فرماتے ہیں۔ کما فی نصب الثابتہ ص ۲۲۲ : ”وَأَيْسَرُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَالْحُمَيْدِيُّ وَاسْتَحَقَّ بْنُ رَاهُوِيَهٗ يَحْتَجُّونَ بِعَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ“ یہ بھی ممکن ہے کہ امام بخاری کا حدیث کو نہ لینا کسی اور وجہ سے ہو۔

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ  
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ  
خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبْضُهَا  
مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ  
بَنُو آدَمَ عَلَى أَقْدَارِ الْأَرْضِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابو موسیٰؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ  
اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک ٹھٹی (ٹی)  
سے پیدا کیا جو تمام روکے زمین سے لی  
گئی۔ لہذا اولادِ آدم زمین کے اندازہ  
پر آئی۔

قَوْلُهُ قُبْضَةً - بِالضَمِّ مِلَّةٌ الْكَفِّ يَا قُبْضٌ بِمَعْنَى الْاِخْتِلاَفِ بِجَمِيعِ الْكَفِّ  
مُشَى بھری ہوئی۔

حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اصلی مادہ کی طرف اشارہ کیا ہے

### حَاصِلُ الْحَدِيثِ

کہ انسانی برادری میں اَنزَان کا اختلاف، فطرت کا اختلاف، شقاوت و سعادت کا اختلاف  
مزاج و طبیعت کا اختلاف اسی بنیادی مادہ کی وجہ سے ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام  
کی تخلیق کی گئی ہے۔

قُبْضَةٍ کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ حالانکہ قبض و بسط  
یہ مکلفین کی صفت ہے ذات باری تعالیٰ اِن صفات سے پاک ہیں۔

سوال

**جواب** - قبضہ کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف آکر ہونے کی وجہ سے ہے۔  
حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو حکم دیا کہ ہر جگہ کی مٹی اکٹھی  
کی جائے۔ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے ہر قسم کی زمین سے ٹھوڑی  
ٹھوڑی مٹی حاصل کی، اور اس کو ہر قسم کے پانی سے گوندھا۔ چونکہ حضرت عزرائیلؑ نے ہی یہ  
مٹی اٹھائی تھی۔ اس لیے جان نکالنے کا کام بھی انہی کے سپرد کیا۔ تاکہ زمین کی امانت وہی  
واپس کریں۔

**سوال** - اس مٹی پر قبضہ کا اطلاق درست نہیں کیونکہ ہر جنس سے مٹی اکٹھی کی جائے تو انبار  
ملگ جائیں۔ پھر قبضہ کیسے کہا؟

**جواب اول** : یہ متشابہات سے ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهِ۔  
**جواب دوم** : پہلی مضاف مقرر ہے۔ "قَبْضُهَا مِنْ جَمِيعِ اَوَانِ الْاَرْضِ"  
تو اَوَان سے اتنی مٹی بن جاتی ہے کہ اس پر قبضہ کا اطلاق ہو سکے۔

قَوْلُهُ مِنْهُمْ اَلْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ - صفات دو قسم ہیں۔ اَدْلُ ظَاهِرَةٌ مِنْهُمْ  
اَلْاَحْمَرُ سے صفات ظاہرہ کا بیان ہے۔ دُومُ صفات باطنہ "وَالشَّهْلُ وَالْحَزْنُ" سے  
صفات باطنہ کا بیان ہے۔

**ترجمہ** : حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے  
ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے  
ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق و جن  
و انس کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان  
پر اپنے نور کا پرتو ڈالا جس کو اس نور کی  
روشنی میسر آگئی وہ راو راست پر لگ گیا  
اور جو اس سے محروم رہا وہ گمراہی میں  
پڑا رہا۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الہی  
پر قلم خشک ہو چکا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ  
خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ فَأَنفَقَ  
عَلَيْهِمْ مِنْ نَوْرِهِ فَمَنْ أَصَابَهُ  
مِنْ ذَٰلِكَ النُّورِ اهْتَدَى وَمَنْ  
أَخْلَعَهُ فَضَلَّ فَلِذَا ذَٰلِكَ أَقُولُ  
جَعَلَ الْقَلَمُ عَلَى عِلْوِ اللَّهِ

قَوْلُهُ فِي ظُلْمَةٍ - ظُلْمَةٌ سے مراد نفسِ امارہ کی ظلمت ہے کہ انسان کی جبلت میں خواہشاتِ نفسانی اور غفلت کا مادہ رکھتا تھا۔ لہذا جس کا قلب ایمان کی روشنائی سے منور ہو گیا اور اطاعتِ الہی سے اپنے آپ کو مشغول کر لیا وہ نفس کے مکر و فریب سے نکل گیا جو اس نفس کے فریب میں پھنس گیا وہ نورِ ایمان سے محروم رہا۔

قَوْلُهُ فَأَنفَقَ عَلَيْهِمْ مِنْ تَوْرَةٍ - نور سے مراد ذاتی نور نہیں بلکہ تجلی ہے کیونکہ ذاتی نور کا پرتو، تو انبیاءِ کرامؑ بھی برداشت نہ کر سکے کجا عام مؤمن۔ کما فی قولہ تعالیٰ "فَلَمَّا بَلَغَ رُسُلَهُ لَلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَنَاءً" - عند البعض نور سے مراد شواہد و دلائل قدرت اور منزلِ آیات ہیں۔ اور ظلمات سے مراد حرص، حسد، کبر وغیرہ ہے۔

سوال - یہ حدیث فطرت کے خلاف ہے۔

جواب : دراصل یہ حدیث فطرت کے خلاف نہیں بلکہ اس کی شرح ہے کیونکہ یہاں ظلمت سے مراد ظلمتِ نفسِ امارہ ہے اور ظلمتِ قوتِ بہیمیت ہے۔ اور نور سے دلائلِ عقل و فطرت اور قوتِ تکلیف مراد ہے۔

قَوْلُهُ تَجَفَّتْ الظُّلُمَاتُ - یہ جملہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ خلقت کے وقت جس کی فطرت ہدایت دانی تھی۔ اس کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اور جس کی فطرت خلقت کے وقت ضلالت دانی تھی اسے گمراہی کے سوا کچھ نہ ملا۔ لیکن اس سے انسان کے لیے جبر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ دلائلِ قوت بھی لکھا جا چکا ہے کہ یہ بندہ اپنی خوشی یہ کام کرے گا، کام بھی تحریر کے اندر آچکے اور اس کا ارادہ اور خوشی بھی۔

وَعَنْ أَلَيْسَ قَالَ كَانَتْ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَكْتُمُ أَنْ يَقُولَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ  
ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ  
يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَمَّا بِكَ وَبِمَا  
جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا

ترجمہ : حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ فرمایا کرتے تھے "اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ" میں نے کہا یا نبی اللہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے لائے ہوئے دین و شریعت پر

بھی ایمان لائے تو کیا اب بھی ہمارے پاس  
میں آپ ڈرتے ہیں۔

قَوْلُهُ يَشْتَبِهُ عَلَى دَرِينِكَ - محمد بن حضرتؑ نے لکھا ہے کہ یہ دعا  
امت کے لیے تھی نہ کہ اپنی ذات پاک کے لیے۔ اس قول پر دو قرینے ہیں :-  
اول : آپ کی ذات پاک میں عَلِيٌّ الْوَجْهُ مَحْفُوظٌ مَعْصُومٌ ہیں۔ لہٰذا اللہ کسی غلط عمل کا  
شائبہ تک نہیں۔ یہ ایسے ہی ناممکن ہے جیسے خدا کا شریک۔  
دوئم : حضرت انسؓ کی کلام دلالت کر رہی ہے فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا کہ آپ  
ہمارا خوف کر رہے ہیں۔

قَوْلُهُ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا - محمد بن حضرتؑ نے بحث کی ہے کہ خوف  
سے کونسا خوف مراد ہے۔ خوف کی وضاحت سے قبل ایک نائدہ ملاحظہ فرما دیجئے :-  
جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک انہیں کرامؑ کی ذات پاک گناہوں  
سے معصوم ہیں ان سے کبھی کسی وقت گناہ سرزد نہیں ہو سکتے۔ گویا  
انہیں کرام کی معصومیت پر امت کا اتفاق ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے محفوظ ہونے پر  
امت کا اتفاق ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں مگر خدا ان کی حفاظت کرتا رہتا ہے  
اب خوف دو قسم بنتا ہے :-

- ۱۔ مطلق ایمان سے پھرنا۔ اس کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خوف تھا، اور نہ  
حدیث کی پیروی سے۔ کیونکہ خود قرآن پاک صحابہؓ کے قلوب کے بارے میں فرماتا ہے :  
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آمَنُوا فَالْتَوَىٰ بِهِمْ نَضْوَىٰ ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
۲۔ کامل الایمان کا کامل ایمان سے ضعیف ایمان کی طرف آنا۔ جمہور محدثین کے نزدیک  
خوف سے مراد یہی ضعیف الایمان والا خوف ہے۔ نہ کہ مطلق ایمان۔ مطلق ایمان کا خوف  
یہ شیعوں کا عقیدہ ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔

حضرت انسؓ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے  
حضرت انسؓ کے سوال کا خلاصہ یہ ہے  
کہ آپ تو معصوم ہیں لہٰذا یہ دعا ہمارے



لیے ہی کرتے ہوں گے کیا ہم آپ کے صحابہ ہونے کے بوجہ و گمراہ ہونے کے خدشہ میں ہیں  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ قلوب کا رخ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جس طرح چاہتا  
ہے ان کو پھیرتا رہتا ہے۔ نہ معلوم کس کے قلوب کا رخ گمراہی کی طرف کب ہو جائے اس لیے  
یہ دعا مانگنی چاہیے۔

سوال - سابقہ حدیث میں مِنْ أَسْبَاحِ الرَّحْمَنِ ہے اور حدیث الباب میں  
مِنْ أَسْبَاحِ اللَّهِ ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟

جواب - حدیث سابقہ میں مجزور دعویٰ تھا پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ صفت جمالی  
ذکر کی جائے اور یہاں بطور استدلال مائل کے سوال کا جواب ہے تو اس کا مقتضی ہے کہ اسم  
جلالی ذکر کیا جائے۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ !

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيشَةٍ  
بَارِضٍ فَلَاةٌ يُقْلِبُهَا الرِّيحُ ظَهَرَ  
الْبَطْنِ -

ترجمہ : حضرت ابی موسیٰؓ فرماتے  
ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
دل کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پرکھی کھلے  
میدان میں پڑا ہوا ہو اور ہوا میں اس کو  
پیٹھ سے پیٹ اور پیٹ سے پیٹھ کی طرف  
پھرتی رہتی ہیں۔

قولہ کَرِيشَةٍ - ریش بمعنی پُر یا بمعنی شاخ - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریش  
کی صفت اَرْضِ بَيَان کی اس میں حکمت یہ ہے کہ جو ریش یا شاخ درخت پر لگی ہوئی ہوگی اس  
کی قلبیت قدرے مشکل ہوتی ہے بخلاف زمین پر پڑی ہوئی کے کہ اس میں قلبیت خوب سے  
خوب تر ہوگی۔

قولہ فَلَاةٌ - بمعنی خالی میدان - یہ اَرْض کی صفت ہے کیونکہ بعض میدان  
زمین پر ہوتے ہیں مگر اس پر درخت ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ہوا جو سبب قلبیت رکھتی  
آتی ہے - بخلاف فَلَآةِ (خالی میدان) کے کہ اس میں ہوا کا دخول و خروج اچھے طریقہ پر ہوتا

اس بے فَلَآء کو اَرْض کی صفت بنایا ہے۔

قَوْلُهُ ظَهَرَ الْبَطْنُ - یہ یَقْلِبُهَا کی ضمیر سے بدل بعض واقع ہوا ہے اور لام بمعنی الی ہے۔ اصل میں عبارت تھی "ای من ظہر الی بطن"۔ کقولہ تبارک "مُسَاوِيَا يَنَادِي بِلَا يَمَانٍ"۔ عند البعض مفعول مطلق ہے ای تَقْلِبُنَا ظَهَرَ الْبَطْنُ - یا حال مُقَدَّرہ ہے "ای یَقْلِبُهَا مُخْتَلِفَةً"۔

اس حدیث میں نبی کریم علیہ السلام نے صفت عجیبۃ الشان

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

بیان کی ہے کہ ریش کو ہوا میں کبھی تو پیٹ کے بل کبھی پیٹ کے بل پھرتی رہتی ہیں۔ یہی حال انسانی دلوں کا ہے کہ وہ کبھی برائی سے بھلائی کی طرف رخ کر لیتے ہیں اور کبھی بھلائی سے برائی کے راستہ پر جا لگتے ہیں۔

یَقُولُ ابوالاسعاد: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دل گویا پتا ہے، دنیا غلام ہے اور اچھی دہری صحبتیں تیز ہوا میں ہیں۔ اگر یہ پتا کسی بھاری پتھر کے نیچے آجائے تو ہواؤں کی زد سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح انسان اگر کسی اچھی صحبت و اسے شیخ کی پناہ میں آجائے تو بے دینی سے محفوظ رہتا ہے۔ چنانچہ بیعتِ مرشد کا بھی یہی منشاء ہوتا ہے۔

ترجمہ: حضرت علیؑ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس وقت تک بندہ مؤمن نہیں ہوتا۔ جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے۔ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ بھیجا اور مرنے اور مرنے کے بعد اٹھنے اور تہذیر پر ایمان لائے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ -

قَوْلُهُ يَشْهَدُ: يَشْهَدُ کو مروج پڑھو تو یہ اَرْبَع کی تفصیل ہوگی۔ چار کیا ہیں

شہادت وغیرہ اگر منصوب پر ہو تو پھر اذیج سے بدل ہے چار کیا ہیں ؟  
 قَوْلُهُ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ - یہ حال مذکورہ ہے رَسُوْلُ اللّٰہ سے منیٰ ہو گا بیشک میں  
 اللہ کا رسول ہوں حال ہونے اس اللہ کے کہ اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا یا یہ خبر بعد از خبر  
 بِشَهَادَاتِي رَسُوْلُ اللّٰہ بِشَهَادَتِي بِالْحَقِّ -  
 قَوْلُهُ يُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ - موت پر ایمان لانا۔

سوال : موت پر ایمان تو ہر ایک کو ہے حتیٰ کہ کافر اور دھری کو بھی ہے ۔  
 جواب اول - موت سے مراد موت العالم ہے کہ اس بات کو یقینی جانے کہ اس  
 دنیا کی تمام زندگی عارضی و فانی ہے کہ دونوں جہان ایک دن فنا ہو جائیں گے ۔  
 جواب دوم - یا اسباب موت کی نفی کرنی ہے کہ موت کا ایک دن مقرر ہے اور خدا کے  
 حکم سے آتی ہے ۔ بیماری یا عارضہ یا تکلیف موت کا حقیقی سبب نہیں بلکہ یہ چیزیں بادی النظر  
 میں ظاہری اسباب ہوتے ہیں ۔ کسی انسان کی زندگی اور موت تکلیف خدا کے ہاتھ میں ہے  
 یعنی مقصود تردید فلاسفہ ہے ۔

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ فرماتے  
 ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 کہ میری امت میں دو فرقے ایسے ہیں جن  
 کو سلام کا کچھ حصہ نصیب نہیں ۔ اور وہ  
 مرجیئہ و قدریہ ہیں ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنَ أُمَّتِي  
 لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ  
 الْمُرْجِيَّةُ وَالْقَدَرِيَّةُ :

قَوْلُهُ نَصِيبٌ - یہ نکرہ ہے اور تحت النفی ہے يُضَيِّدُ الْقَوْمَ مُسْلَقًا اسلام  
 میں حصہ نہیں ۔

اس حدیث میں دو جماعتوں کے متعلق پیشگوئی  
 کر کے ان کی مذمت کی گئی ہے ۔ اور بتایا گیا

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

ہے کہ وہ اسلام کی طرف اپنے آپ کو منصوب کریں گے حالانکہ اسلام میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا

ہماری دعا ہے کہ ان عزیز و فداکاروں کی قربانیوں کی تعریف و تحسین اللہ تعالیٰ کی رحمت میں کی جاسکے۔ آمین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص نے کسی کو کھانا پکوانا سکھایا وہ اس کے لئے سات سو سال کی عمر کا اجر رکھتا ہے۔

تقدیر پر ایمان رکھنا اور وہ تقدیر کا مستحق ہے اور اللہ  
تقدیر میں بہت کچھ کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے  
سارے کائنات کو اپنے فضل کے حلق کی قدر نامزد کر رکھا ہے۔

[illegible]

**سوالِ قول** | خبر من فی تغیری چاہئے، لیکن بعض حضرات کو قول ہے تو سوال یہ ہے کہ حدیث پاک میں ان کو تاویل علیہ سنائی آئے ہیں، جس سے قرآن و روایا یک ہے۔

جواب اول: اُمّت کی دو قسمیں ہیں، ایک اُمّتِ دعوت ہے اور دوسری اُمّتِ رُحوت ہے۔ اُمّتِ رُحوت خدا کا عطا کردہ ہے اور اُمّتِ دعوت کے لیے عطا کیا گیا ہے۔

چونکہ اسبابِ دفعہ دوم سے مزید ایک ایسی حالت کی بحث پر کلام ہے جیسا کہ آگے پہنچے۔  
 اگر ان لوگوں کا حق ہو جو اس نتیجے پر پہنچ گئے تو سوال یہ ہے کہ  
 حدیث میں تو کہا گیا ہے: "لَيْسَ فَلَاحُ فِي تَرْكِ نَصِيحَةٍ"۔

نہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ لَيْسَ كَلِمًا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ میں نصیب سے مراد نصیب کامل ہے۔ یعنی یہ کامل مسلمان نہیں ہیں بلکہ مُتَلَقُّ مُسْلِمَانِ ہیں۔ کما یقال لَيْسَ لِلنَّجِیْلِ مِنْ مَّالِهِ نَصِيبٌ۔

**جواب دوم** : یہ حدیث راجعہ تعلیل پر محمول ہے۔ کما فی الحدیث لَا صَلَوةَ لِبَارٍ أَلَسَّجِدِ إِلَّا فِی الْمَسْجِدِ۔

یقول شیخ جابر بن حنفی رحمہ اللہ : حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں جن گمراہ فرقوں کا ذکر کیا ہے ان میں مرجئہ کو بھی شمار کیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ حنفیہ مرجئہ ہیں اس لیے معتزلہ استدلال قائم کوٹے ہوئے کہتے ہیں کہ حنفیہ گمراہ ہیں کیونکہ حضرت پیران پیر نے ان کو گمراہ کہا ہے۔

**جواب اول** عند البعض غنیۃ الطالبین میں لوگوں نے اپنی طرف سے کافی اندراج کیا ہے۔ کما فی زمیننا۔ لہذا یہ حضرت کی کلام نہیں بلکہ بعد کا اندراج ہے۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت کی کلام کو لوگوں نے صحیح طریقہ پر سمجھا ہی نہیں دراصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے تمامی احناف کو مرجئہ میں شمار نہیں کیا بلکہ بعض حنفیہ جو فر دغا تو حنفی تھے لیکن اصولاً مرجئہ کی طرف میلان رکھتے تھے، یا معتزلہ کی طرف رجوع رکھتے تھے۔ جیسے علامہ زحشری وغیرہم توان کو مرجئہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین میں "و بعض من الحنفیۃ" لہذا حضرت کی عبارت سے خود اس بات کی تصریح ہو گئی کہ یہ حکم جمع احناف پر نہیں لگایا جاسکتا۔

**جواب دوم** جس حدیث سے دلیل پکڑی گئی ہے وہ حدیث ہی ضعیف ہے چنانچہ امام ترمذی نے کتاب الایمان بالقدر میں اس حدیث کو

ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں علی بن نزار اور اس کا باپ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ لکھا اشکال علیہ

ترجمہ : حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ فِي

زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا  
بھی ہوگا اور یہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو  
تقدیر کے منکر ہیں۔

أُمْتُي خُصِفَتْ وَمَسَخَتْ وَذَلِكَ  
فِي الْمَلَكِ بَيْنَ بِالْقَدَرِ۔

قَوْلُهُ خُصِفَتْ - الْخُصِفَتْ هُوَ الْعَيُوبَةُ فِي الْأَرْضِ : یعنی زمین میں غائب

ہونا یا زمین میں دھنس جانا۔

قَوْلُهُ مَسَخَتْ - وَالْمَسَخُ تَحْوِيلٌ صُورَةٍ إِلَى مَا هُوَ أَقْبَعُ مِنْهَا - مسخ کے

معنی میں اپنی اصل صورت و شکل کو بدترین شکل و صورت میں تبدیل کر دینا۔

يَقُولُ ابْنُ عَبَّاسٍ : يَهْدِي عَذَابُ مَنكَرِينَ تَقْدِيرَ كَيْفَ لِيَهْجُرَ مِنْ جِزَائِهِمْ جُلُوسَ الْعَمَلِ كَيْفَ طَوْرًا

اس لیے کہ یہ لوگ تمام افعال کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو گویا انہوں نے افعال کو  
جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مٹا دیا، اور اس کی صورت کو بگاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو زمین کے  
نیچے دبا کر مٹا دیتے ہیں اور ان کی صورت بگاڑ دیتے ہیں۔

سوال : کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ میری اُمت کو خُصِفْ و مسخ

سے بچانا پھر فرمایا کہ دعا قبول بھی ہوگئی ہے مگر اس حدیث میں اس کے خلاف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ظاہری و صورتی خُصِفْ و مسخ

تواڑھ گیا۔ یہاں جو ثابت ہے یا کیا گھیا ہے وہ معنوی خُصِفْ

**جواب اول**

و مسخ ہے یعنی باعتبارِ قلوب کے ہے۔ فَكَلَّا تَتَذَكَّرُ۔

جواب دوم : نفی کی حدیث اصل ہے اور یہ حدیث زجر و تہدید پر محمول ہے۔

عمومی طور پر خُصِفْ و مسخ اُمت محمدیہ پر نہ ہوگا۔ بل خصوصاً منکرین

تقدیر پر قرب قیامت میں خُصِفْ و مسخ ہوگا۔ عند البعض حدیث

**جواب سوم**

باب بطور شرط و جواز کے ہے۔ یعنی اگر میری اُمت میں خُصِفْ و مسخ ہوتا تو اس فرق منکرین تقدیر  
پر ہوتا۔ جب ان پر نہیں ہوا تو کسی پر نہیں ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ

بسم الله الرحمن الرحيم

کتابخانه عمومی مسجد جامع کربلا

[illegible]

— 225 —

ترجمہ: محمد رفیع مسعود

فرماتے ہیں کہ یہ سچا ہے کہ یہ سچا ہے کہ یہ سچا ہے

سنگ کو تھوڑا سا زور سے دھکیلتے ہوئے

[illegible]

کے لیے یہ سب کاموں میں مددگار بنیں۔

کے ہمسایہ پر بھی برحاکم۔

۱۔ کہہ دیجئے کہ میں اللہ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں محمدؐ کی رسالت سے قبول مجوس کی تحقیقت

۱۔ علیؑ جو جاسکے، مپوسس ایک آگ کی پست ٹیمر سے جو وقفہ مانتی ہے، ایک وہ خدا جو نیکی، در

جس کی کا پیر غرض سے اس کا کیا، نہ کہنے لیں۔ دوسرے دو درجوں کی درجہ کی کام کرنے

تو ان کے لئے یہ سب کچھ ہے۔

سوال :- اگر کسی کو کس بات میں مشابہت ہے یعنی روح تشدد ہے،

**جواب :-** انھیں کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کھانا بھیج دے گا۔

کے نام سے ایک نئی چیز برحق ملے۔ اس طرح غصہ سے اس کو مکہ وہ بھی سب سے زیادہ بڑھاپا

مصلحتاً میں اس سے کہتا ہوں کہ "مذہب" اور "مذہب" کے مابین۔

یہودیوں نے یہودیوں کے خلاف بھی کئے گئے جرائم کے بارے میں ان کی اپنی کتاب "یہودیوں کے خلاف جرائم" میں بیان کیا ہے کہ:

— *Journal of the American Medical Association*, 1997

۱۰۰ مساجد است جو، اس جماعت کو لگا دوں گے

نصرت و جنت اور عبادت کا حکم

موتوں سے بچنا ایسا ہے جس میں وہ لوگ جس قسم کے امور اور فیصلوں کی زندگی میں رہیں گے ان سے اجتناب کریں گے۔

[illegible]

وہاں پہنچ کر ان کے ساتھ ساتھ چلے گئے۔

کہ انھوں نے ان کے پاس ہی رہنے کی بات کی کہ ان کے پاس ہی رہنا بہتر ہے۔

...and the fact that the *Journal* is a journal of the American Psychological Association, the largest and most prestigious of the professional associations in the field of psychology, is a source of great pride for me.

یقولوا لا سعادۃ فی تحقیق معذات کے نزدیک علیہ السلام کی ہیں ہے کہ عدم عبادت و عدم حضور جنازہ پر غل کیا جائے کیونکہ شریعت تقدس کا محبوب و مقصود بھی اسی میں ہے کہ ان سے ہر قسم کا معاملہ ہوا اور ہر قسم کا بائیکاٹ ہو۔ تاکہ وہ شک نہ ہو تو یہ کہیں۔ بائیکاٹ بڑا مکمل علاج ہے۔ رب تعالیٰ ان فرماں مویوں کے منتقل فرماتے ہیں۔ وَأَنْتُمْ كَوَاهِلٌ فِي الْمَضَاجِرِ یہ بھی ایک قسم کی نصیحت کا بابت ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمرؓ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہریروں کے ساتھ نشست و رہنمائی نہ رکھو نہ ان سے کلام کی ابتداء کرو۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجَاسُوا أَهْلَ الْقَدْرِ وَلَا تَفْاجَهُوهُمْ

قولنا وَلَا تَفْاجَهُوهُمْ۔ اس جملہ کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔  
 ۱۔ یہ فتنہ (بکسرہ وفتح) بمعنی فیصلہ۔ کھائی قولنا تَدَانِ رَضَا قُدَّةً یعنی ان کے پاس فیصلہ کے لیے منت جاؤ کہ یہ تمہارے ہیں تم ہوں۔  
 ۲۔ ان سے ابتداء بالسلام اور ابتداء بالکلام نہ کرو۔  
 ۳۔ جو زیادہ راجح ہے کہ ان سے مناظرہ نہ کرو۔ کیونکہ بحث بجا حد سے عام طور پر وقت ضائع ہوتا ہے اور فائدہ بہت کم ہوتا ہے۔ پھر بر آدمی مناظرہ کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خود باطل سے متاثر ہو جائے۔ اس لیے عوام الناس کے لیے یہی حکم ہے کہ باطل سے بحث نہ کریں بلکہ کہیں کہ تحقیق ظلم کے سامنے اپنے شبہات پیش کر دے کھائی قولنا وَلَا تَقْنَدُوا بَعْدَ إِذْ كُنْتُمْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ (ب)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرمائی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ آدمی ہیں جن پر میں نے اور اللہ نے

وَعَنْ عَائِشَةَ فَكَانَتْ قَالَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ نَعْتَهُمْ وَ



لعنت کی، اور ہر نبی مقبول الدعاء ہے۔ اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا، اللہ کی تقدیر کا انکار کرنے والا۔

وَلَعْنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابِبُ  
الْكَرَاهِيَّةَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَالْكَذِبِ  
بِقَدْرِ اللَّهِ

قَوْلُهُ لَعْنَتُهُمْ - شریعت مقدمہ کے اندر واضح کفر پر لعنت کرنے کی اجازت ہے یا جس کی لعنت شرعاً منقول ہو۔ یہاں شرعاً لعنت منقول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لعنت فرما رہے ہیں۔

قَوْلُهُ لَعْنَهُمُ اللَّهُ - یہ جُزء یا توبہ دعائیہ ہے کہ اللہ پاک بھی لعنت کرے۔ یا یہ جُزء متاخر ہے اور قانون ہے کہ جُزء متاخر سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے۔ سوال : یہ ہے کہ آپ نے لعنت کیوں کی ؟ حالانکہ آپ فرماتے ہیں ”إِنِّي لَا أَبْغِي لَعْنَانَ“ جواب : یہ کہ لَعْنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ يُجَابِبُ کہ پہلے اللہ نے لعنت کی، پھر نبی نے آمین کہی۔ اور آئین دعائیہ اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے اس لیے میں لَعْنَهُمُ کہ رہا ہوں۔

قَوْلُهُ الْكَرَاهِيَّةَ فِي كِتَابِ اللَّهِ - ان چھ شخصوں میں سے پہلا شخص کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا ہے۔ اور زیادتی سے مراد تحریف ہے۔ تحریف فی کتاب اللہ کی یمن صورتیں ہیں۔ (۱) تحریف لفظی یعنی غیر متواتر لفظ زیادہ کر دے یہ کفر ہے۔ (۲) معنی میں ایسی تاویل کرے جس کا خود الفاظ قرآن انکار کرتے ہوں یہ بدعت ہے۔ (۳) قرأت شاذہ کو بحیثیت قرآن ظاہر کرے یہ حرام ہے۔ مثلاً ”وَتَكُونُ لِحَبَالٍ كَالِإِهْيَافِ الْمَنْفُوشِ“ کو ”وَتَكُونُ الْإِهْيَافُ كَالْمَنْفُوشِ الْمَنْفُوشِ“ اور سورۃ ناسخ میں ”إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ کو ”إِهْدِنَا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا“ پڑھے۔ الخ۔

قَوْلُهُ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدْرِ اللَّهِ - دوسرا شخص تقدیر کی تکذیب کرنے والا۔ کیونکہ تقدیر کا اعتقاد رکھنا و جود ایمان کے لیے ضروری ہے اس لیے جو شخص تقدیر کا انکار کرتا ہے وہ لعنت ہی کا مستحق ہے۔

قَوْلُهُ وَالْمُسْتَطِطُ بِالْجَبَرُوتِ - اس کا معنی زور و حکومت کرنے والا۔

خواہ وہ اپنے قہر و غلبہ سے حکومت حاصل کرے، یا باہر کی طاقت کے ذریعہ حکومت پر قابض ہو، دونوں مراد ہیں۔ یعنی لوگوں کی مرضی کے خلاف ان کے حاکم بننے والے۔ جیسا کہ آج کل علی العموم ہو رہا ہے۔

قَوْلُهُ لِيُذِلَّ مَنْ أَعَزَّهُ اللَّهُ - یہ تسلط و جبروت کی عثبت ہے۔ کہ جب ان لوگوں کی حاکمیت قہر اور ظلم پر مبنی ہوگی تو لازماً ان سے افعال بھی ایسے سرزد ہوں گے کہ ایسے آدمیوں کو معزز بنائیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر رکھا ہوگا، اور معزز کو ذلیل کریں گے اور یہ ذلت اور عزت والا معاملہ دینی اعتبار سے ہوگا۔ کہ وہ ظالم حاکم اپنے اغراض و مقاصد کی بنا پر حکومت و دولت کے نشہ میں خدا کے ان صالح بندوں اور مسلمانوں کو ذلیل و خوار کرے گا۔ جو خدا کے نزدیک بڑی عزت و عظمت کے مالک ہوں گے اور ایسے کافروں، جاہلوں اور بدکاروں کو عزیز رکھے گا جو خدا کی نظر میں سخت ذلیل و بدکار ہوں گے۔

قَوْلُهُ وَأَنْتُمْ تَحِلُّونَ لِحَرَمِ اللَّهِ - جو تھوہ شخص جو ان چیزوں کو حلال سمجھتا ہے جو خدا کی جانب سے حرام کر دی گئی ہیں مثلاً بیت اللہ شریف (مکہ مکرمہ) میں جن باتوں کو خدا نے ممنوع قرار دیا ہے جیسے کسی جانور کا شکار کرنا، درخت وغیرہ کا کاٹنا، یا بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، ان کو وہ حلال سمجھتا ہو۔

قَوْلُهُ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِزِّ قَوْمٍ مَا حَرَّمَ اللَّهُ - عزت سے مراد قریبی رشتہ دار یعنی اولاد و خاوندان جن کو سادات کہا جاتا ہے اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں جن چیزوں کو خدا نے حرام کیا ہے ان کو حلال جانتا ہو، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعظیم کرنا ضروری ہے لیکن کوئی شخص نہ کرنے کو جائز سمجھے یا ان کو تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا گیا ہے ان کو تکلیف پہنچانا حلال جانے تو اس پر بھی لعنت فرمائی گئی۔

مطلب اول | دوسرا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص میری اولاد سے ہونے کے باوجود ان افعال کو حلال جان کر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح مطلب ثانی کا مقصد سبیدوں کو تنبیہ کرنا ہے کہ یہ لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے ناطے گناہ و معصیت سے بچتے رہیں۔ اس لیے کہ دوسری

فرمان کے مطابق اس قسم کی مصیبت اگر وہ عاقل کا باعث ہے تو نہ اس کی ہمت نہ اس کی  
 عفو اللہ علیہ ستر کے ساتھ ہے۔ پس اگر عاقل اگرچہ ہے۔

تو یہ کہو کہ عاقل اگرچہ ہے۔

قوله والنتی رت نستقی۔ چنانچہ مفسرین اس آیت کو مبرا دیا ہے ہونست  
 نبوی کا تائید جو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص ہستی اور حسن بنیاد پر تائید کو ترک کرے جو  
 گناہ گار ہے اور جو شخص سنت کو نہ دبا کر ناقابل اعتقاد سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ بدستور ہے۔ لیکن  
 اس لغت میں ردوں شریک ہیں۔ مگر یہ کہا جائے کہ جو شخص تائید کو نہ دبا کر ناقابل اعتقاد سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ بدستور ہے۔ لیکن  
 ہے اس پر لغت کو ناگزیر و قریح کے یہ ہے۔ اور جو شخص تائید کو نہ دبا کر ناقابل اعتقاد سمجھ کر چھوڑتا ہو تو وہ بدستور ہے۔ لیکن  
 کرتا ہے اس پر حقیقتاً لغت ہوئی۔

تو جملہ یہ کہ عاقل اگرچہ ہے۔  
 عاقل اگرچہ ہے۔  
 عاقل اگرچہ ہے۔  
 عاقل اگرچہ ہے۔  
 عاقل اگرچہ ہے۔  
 عاقل اگرچہ ہے۔

وَعَنْ مَصْرِيٍّ عَنِ عُمَارِ بْنِ  
 قَاتٍ قَالَ رَسُوْنَا اللَّهُ مَكِّيَ اللَّهِ  
 عَالَمُهُ وَنَكْرًا إِذَا قَضَى اللَّهُ  
 يُعْبَدُ أَنْ يَمْلُوكَ بِأَرْضِ مَعْلَمٍ  
 لَهُ رَيْفًا حَاجَةً

قوله إِذَا قَضَى اللَّهُ۔ اس کا تعلق عند البعض اول میں ہے یعنی إِذَا تَكَلَّمَ اللَّهُ  
 فِي الْأَوَّلِ۔ عند البعض دینا میں اس وقت جب اس کو بارنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ حدیث علامہ  
 ہے یا اس میں اشارہ ہے قرآن پاک کی آیت فی موتہ۔ وَمَا تَشَاءُ نَقِصَ الْبَاقِ  
 رَاجِعًا ثَمُوت۔

قوله عَمَّا مَسْنَدُ۔ بضم المیم وکسر المیم۔ ان کا شمار کو میں ہے جو تائید میں  
 سے صرف یہی حدیث ایک ہی منقول ہے اور اس کے ساتھ ہی ہونے کے ساتھ ہی اختلاف ہے۔ وہ  
 حدیث پر کلام ہوئی۔

اَمْ لَكُمْ اِلٰهَةٌ اِلَّا هُوَ قُلْ لَنْ يَخْلُقَ سِوَاهُ ۚ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

ذٰلِكَ رَجْعُ الْاُمُوتِ مَبْنِيٍّ

اَمْ لَكُمْ اِلٰهَةٌ اِلَّا هُوَ قُلْ لَنْ يَخْلُقَ سِوَاهُ ۚ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

ذٰلِكَ رَجْعُ الْاُمُوتِ مَبْنِيٍّ

اس حدیث کی نقل بحث مشکوٰۃ شریف میں کتاب الاٰیاتی اور حصہ اول میں حدیث چھٹے

میں ہو چکی ہے۔ مگر یہاں ایک سوال ہے۔

حدیث پاک کی جزو اول اور جزو ثانی میں بعض فرق کیا میں معلوم ہوتا ہے جو کہ

اول میں فرمایا اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ اور اَعْمَالِ مَشْرِئِیْنَ ہے۔ دوسرے تابع ہوں گے

جزو ثانی میں فرمایا اِن کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کوئی بشری بات نہیں بتا سکتی۔

جزو اول : اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ سے متعلق ہے۔ مثلاً میرا ہے متلاۃ بخارۃ وغیرہ

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے ساتھ نہیں فرمایا اِن کے لئے

حاکم کے سوال پیدا ہوا کہ کیا تیرے اعلیٰ کے آباء کے تابع ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِن سے جو ذکر فرمایا ہے۔

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

اَللّٰهُ يَحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ وَيُحْيِي الْمَيِّتَ

**جواب :** مؤدودہ اپنے والدین کے تابع ہو کر نارہیں جائے گی۔

يقول ابوالسعاد : جن علماء کے نزدیک مشرکین کی اولاد دوزخ میں جائیگی ان کے مذہب پر تو کوئی اشکال نہیں۔ البتہ جن حضرات کے نزدیک اولاد مشرکین کی بھی نجات ہوگی تو ان کے مذہب پر اشکال ہے اور یہ جواب ان کے خلاف ہے تو علماء حضرات نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں۔

**جواب اول :** مؤدودہ کے بارے میں یہ حدیث منسوخ ہے۔ ناسخ وہ حدیث ہے جس میں وَالْوَيْدُ فِي الْجَنَّةِ آتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲ ج ۲)

**جواب دوم :** بعض حضرات نے حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدہ سے مراد قابله (یعنی دائی) ہے اور المؤدودہ کا اصلہ مخدوٹ ہے یعنی الْمَوْعُودَةُ لَهَا وَالْمَرْءُ یعنی وہ عورت مراد ہے جس نے بچا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ بچی کی والدہ اور قابله دونوں آگ میں جائیں گے کیونکہ ظلم کے کام میں معاون ہوتی تھی۔ عرب میں رواج تھا کہ ولادت کے وقت عورت کو ایک گڑھے میں بٹھا دیتے تھے۔ اگر بچہ ہوتا تو اسے رکھ لیتے، اگر بچی ہوتی تو اسے گڑھے میں پھینک کر اوپر سے مٹی ڈال دیتے تو چونکہ قابله برابر کی شریک ہوگی تھی اس لیے اس کو بھی عذاب ہوگا۔

## الفصل الثالث

یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَعَ  
إِلَى كُلِّ عَبْدٍ مِمَّنْ خَلَقَهُ مِنْ  
خَمْسٍ مِنْ أَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَ  
مَضْجَعِهِ وَآثَرِهِ وَرِزْقِهِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکا ہے مگر اس کی موت سے مگر اس کے عمل سے مگر اس کے رہنے کی جگہ سے۔ مگر اس کی واپسی کی جگہ سے مگر اس کے رزق سے۔

قَوْلُهُ فَرَّخَ إِلَى - اس کا مقام پر ایک سوال ہوتا ہے۔

سوال : یہ کہ فَرَّخَ کا باب لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے مثال : سَفَّرُوهُ  
لَكَوْا إِلَيْهَا الْمُتَّقِينَ : جبکہ یہاں اِلی ہے۔

جواب اول : یہ کہ اِلی بمعنی لام ہے۔

جواب دوم : اِلی کو اپنے معنی پر رکھو اور فراغ مُتَّقِينَ ہے معنی انتہا کو۔ مطلب  
یہ ہے کہ فارغ ہو چکا ہے ہر بندے کی پیدائش سے۔

قَوْلُهُ مِنْ خَلْقِهِ : یہ بدل ہے عبد سے۔

قَوْلُهُ مِنْ خَمْسٍ : یہ بدل ہے خلق سے۔

قَوْلُهُ مِنْ أَجْلِهَا : یہ بدل ہے خَمْسٍ سے یا بیان ہے خمس کا۔

قَوْلُهُ مُضْجِعُهُ : بمعنی سکون و قرار۔

قَوْلُهُ أَثَرُهُ - : بمعنی حرکت و نشان قدم۔ اور مراد کل حرکات و سکنات ہیں

اور یہ بھی احتمال ہے کہ مَضْجِعُهُ سے مراد جائے قرار و اَثَرُهُ سے مراد ثواب و عذاب

اور جنت و نار ہے۔ یہ اشیاء غمراہان کی پیدائش سے قبل ازل میں لکھ دی گئی تھیں گویا یہ

تقدیر مسکونہ ہے۔ یہ تشبیہ اس آیت قرآنی کے ساتھ دی ہے إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ

السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ إِنَّ اللَّهَ فَاعِلٌ

## اسمائے رجال

آپ کا نام غویر ہے لیکن اس میں بہت

اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اصل نام

حضرت ابی الدرداءؓ کے حالات

عابد ابن مالک ہے اور غویر لقب ہے لیکن یہ اپنی کنیت ابو الدرداءؓ سے مشہور ہیں۔ درداء ان کی بی

کا نام ہے۔ انصاری شریبی ہیں یہ اپنے گھروالوں میں سب بعد میں ایمان لائے، فقید، عابد صحابی ہیں۔ شام

میں قیام فرمایا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے دو سال قبل مکہ میں دمشق میں مقابلی اور وہیں مدفون ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَقُولُ مَنْ تَكَلَّمَ فِي شَيْءٍ مِمَّنْ  
تَقَدَّرَ رُشْدُهُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
وَمَنْ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ لَمْ يُسَلِّمْ  
عَنْهُ -

ترجمہ : روایت ہے ابی بن کثیر  
سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو فرماتے ہوئے سننا کہ جو مسند تقدیر میں  
عمت کرے گا اس سے قیامت میں اس کی  
باز پرس ہوگی ، اور جو اس میں بحث ذکر کیا  
اس سے باز پرس نہ ہوگی ۔

قوله مَنْ تَكَلَّمَ - بعض حضرات نے مطلقاً کلام سے منع کیا ہے لیکن یہ غیر صحیح  
ہے کیونکہ مطلقاً منع سے کتمان لازم آتا ہے ۔ دراصل جس کلمہ سے منع کیا گیا ہے وہ کلام  
بالعقل ہے یعنی عقلاً ممنوع ہے نہ کہ نقلاً ۔ اب اس حدیث کا مقصد تقدیر کے مسند میں  
غور و فکر اور تحقیق و تجسس سے منع کرنا ہے کہ خدا کے راز میں جو چندوں پر ظاہر کرنا ہی  
مصلحت خداوندی ہے ۔ اور یہ غور و فکر آخرت کے لیے کوئی کارآمد نہیں بلکہ اس مسئلہ میں  
تجسس خسران آخرت اور قیامت میں باز پرس کا باعث ہے ۔ تو سنت احادیث اسی میں ہے کہ  
تقدیر پر ایمان لائے اور عمل کرے ۔

وَعَنْ ابْنِ الدَّيْبِيِّ قَالَ  
أَكْبَتْ ابْنُ بَنِي كَثَبٍ فَقُلْتُ لَهُ  
قَدْ وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ مِمَّنْ  
تَقَدَّرَ فَعَدَّ شَيْءٌ لَعَلَّ اللَّهَ  
أَنْ يَذْهَبَ مِنْ قَلْبِي -

ترجمہ : ابن دیبی فرماتے ہیں کہ میں  
حضرت ابی بن کثب کی خدمت میں حاضر  
ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے  
بارے میں کچھ شبہات پیدا ہو رہے ہیں  
اس لیے آپ کوئی حدیث بیان کیجئے شاید  
اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس شبہ سے پاک  
کر دے ۔

قوله وَقَعَ فِي نَفْسِي - ای عقلاً لا نقلاً کیونکہ ان کو عقلی اشکال پیش آئے ۔

ظاہر نہیں۔ جب کہ تقدیر میں کلام کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ اَنْ يَتَذَكَّرَ - اس سے معلوم ہوا کہ غلام و صالحین کی خدمت میں جانا اور

ان سے مسائل پر پوچھنا اور اپنے شکوک و فہم کو رفع کرنا سنت صحابہؓ ہے۔ "کہا فی قولہ تَذَكَّرَ اَنْ يَتَذَكَّرَ"۔

قَوْلُهُ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ - غیر ظالم کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذات پاک سادے جہان

کی مالک ہے۔ اور مالک اپنے ملک میں جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

قَوْلُهُ كَاَنَّكَ رَحِمَةٌ خَيْرٌ لِّكَ - رحمت کو خیر اس لیے کہا کہ اعمال سب

میں مؤثر حقیقی نہیں، مؤثر حقیقی رحمت الہی ہے۔

قَوْلُهُ اَنْ مَا اَصْبَحْتَ لَمْ يَكُنْ لِيْ خَطْبَتَانِ - اس کا مطلب یہ ہے کہ

میں نے جو کچھ حاصل ہوا اس کے بارے میں یہ نہ کہو کہ اسے میں نے اپنی سعی و کوشش سے حاصل

کیا ہے اور اگر کوئی چیز نہیں نہ ملے تو یہ مت کہو کہ اگر یہ کوشش و جدوجہد نہ کرنا ضرور ملے

حاصل کرتا اس لیے کہ جو کچھ تم تک پہنچا ہے اس میں تمہاری سعی و کوشش کو دخل نہیں بلکہ

وہ نوشتہ تقدیر ہے۔ اور جو چیز تمہیں ملی تو وہ تمہارے مقدر میں تھی جو نہیں ملی وہ تمہارے مقدر

میں نہ تھی یہ سب تقدیر الہی میں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جہنم میں اور کفار کو جنت

میں داخل کرنا عظیم ممکن و جائز اور تخت قدرت ہے۔ اور حضرت

**نائدہ**

عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام کے قول "اِنَّ تَعْدِيْلَ بَہْمٍ فَاَنْتُمْ تَعْدِلُوْنَ" وَاِنَّ تَعْفِيْلَ لَہُمْ فَاَنْتُمْ

اَنْتُمْ اَلْخَوِيْرُ اَلْحٰکِمِيْنَ" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن شرعاً اللہ کا مَنَوُج ناممکن

ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ابداع اور وعدہ سے بچے ہیں۔ اور خلاف وعدہ و اخبار ممکن

یہی مسئلہ ارکان کذب کا حامل ہے جو دراصل عمومِ قدوس کا مسلک ہے۔

وَعَنْ نَّافِعٍ اَنْ يُّحَدِّثَ اَنِّيْ - ترجمہ: نافعؓ سے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کے پاس

اَتٰہُ لِيَسْأَلَہُ عَنْ شَيْءٍ - ترجمہ: آگیا کہ اس سے پوچھنا ہے۔

عَنْ نَّافِعٍ اَنْ يُّحَدِّثَ اَنِّيْ - ترجمہ: نافعؓ سے کہ ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کے پاس



میں نے سنا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر واقعی وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا۔

اِنَّهُ قَدْ اَحَدَثَ فَيَا كَاث  
قَدْ اَحَدَثَ فَلَا تَقْرِئُوهُ  
مِنِّي السَّلَامَ۔

قوله قَدْ اَحَدَثَ - عند البعض حدث سے مطلق بدعت مراد ہے۔ مگر میری قول کے مطابق تقدیر کے الکار کی بدعت مراد ہے یعنی وہ تقدیر کا منکر ہے اور تقدیر بن گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ تقدیر یہ مذہب بڑا پرانا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا۔ قوله فَلَا تَقْرِئُوهُ مِنِّي السَّلَامَ - اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ میں سلام قبول نہیں کرتا اگر میں قبول کر لوں تو وہ بدعتی ہے پھر مجھے جواب دینا پڑے گا۔ عند البعض معنی ہو گا کہ مطلق میرا سلام نہ کہنا۔ محدثینؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کو کس طریق سے معلوم ہوا ہو گا کہ یہ شخص تقدیر میں بدعات کا موجد ہے۔ اس لیے ان لوگوں سے سیدل جوں اور تعلقات وغیرہ قائم کرنے سے حضرت نے روک دیا ہے۔ چنانچہ علماء حضرات نے اس حدیث کی بناء پر اس بات کا حکم لگاتے ہیں کہ فارسی فاہر اور اہل بدعت پر اؤلاً سلام ہی نہ پڑھا جائے۔ اگر اہل بدعات خود بخود سلام پڑھیں تو ان کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں بلکہ سنت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ سلام اور جواب سلام ایک قسم کے دعائیہ کلمات ہیں جو صرف مؤمن مخلص کے لیے خاص ہیں نہ کہ منافق اور مبتدعین کے لیے، اور ان دعائیہ کلمات میں ربّ ذو الجلال نے مؤمن مخلص کی تعظیم اور محبت کا پہلو بھی تہ نظر رکھا ہے تو تعظیم کے قابل اہل ایمان ہیں نہ کہ اہل بدعات۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی گویا اس نے خدا کو ناراض کر دیا۔ یا فرمایا فَقَدْ هَدَمَ الدِّينَ یعنی اس نے میرے دین کو گرا دیا۔

قوله قَدْ اَحَدَثَ - اَي مَطْرُوحًا لِحِجَاةٍ، یعنی تمہارے بارش۔

قوله وَفِي حَدِيثٍ نَافِعٌ قَالَ التِّرْمِذِيُّ حَدَّثَنِي حَسَنُ بْنُ صَحْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْتَفٍ عَلَيْهِ الرِّجَّةُ كَمَا ان کلمات پر محدثین حضرات سے سوال کیا ہے۔

سوال : حاتم جلال الدین سیوطیؒ نے قوت المفتدی میں لکھا ہے کہ ابن صلاح سے

منقول ہے کہ ترمذی کے اس قول پر اشکال ہے کہ غریب حسن سے قاصر ہے پھر حسن صحیح سے قاصر ہے لیکن یہ سب جمع کس طرح ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ "لَا تَنْفِي فِي الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ جَمَعَ بَيْنَ نَفْيِ ذَٰلِكَ الْفُضُولِ وَاشْبَاحِهِ"۔

جواب اول : یہ دو قسم کا حکم باعتبار دو اسناد کے ہے کہ حدیث واحد جب دو اسناد سے مروی ہو۔ ایک اسناد حسن، دوسری اسناد صحیح۔ تو وہاں حدیث حسن صحیح کہنا بجا ہوگا۔

جواب دوم : یہاں دونوں سے اصطلاحی معنی مراد نہیں کہ جس سے تعارض ہو بلکہ حسن سے معنی لغوی "أَيُّ مَا تَمِيلُ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَلَا يَأْبَاهُ الْقَلْبُ" مراد ہے اور صحیح سے معنی اصطلاحی مراد ہے "أَيُّ الصَّحِيحَةِ هُوَ الْعَدِيدُ الَّذِي يَكُونُ مُتَّصِلَ الْإِسْنَادِ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى مَتْنِهَا بِتَقْدِيرِ الْقَدَلِ الصَّابِغِ عَنْ مِثْلِهِ وَلَا يَكُونُ شُدُّ وَذًا وَلَا عِلَّةً"۔ جواب سوم : غریب دو قسم ہے۔ (۱) غریب من جهة المتن وعلم، وغریب من جهة الإسناد فبحسب المتن حسن، و صحیح، و بحسب الإسناد غریب فالمراد ههنا هو لغت الشان من القريب۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؑ نے فرماتے ہیں کہ نبیؐ بنی خدیجہؓ نے نبیؐ علیؑ کو علیہ السلام سے اپنے بچوں کے متعلق پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ دونوں آگ میں ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَدِيجَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَاتَا لَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمَا فِي النَّارِ

قولہ لَا بُغْيَ لَهَا۔ نہیں ان سے محبت اور ان کے عذاب پر غم جیسی تک ہے کہ جب تک تم نے ان کا ٹھکانا نہیں دیکھا اگر دیکھ لیتیں تو بغض فی اللہ کے تحت تم بھی ان سے برکت کا اعلان کر دیتی۔ معلوم ہوا کہ جنتی ماں باپ اور روزخی اولاد میں قطعاً محبت نہ ہوگی۔ وہاں محبت رشتہ ایمان سے ہوگی نہ کہ رشتہ جہان سے۔ باقی ذرا المشرکین کی بحث ہو چکی ہے۔



اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام سوال کریں اور اس سوال پر وہ صورت حال مُرتب ہو جو آگے پیش آئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر میں ساٹھ سال دینا تو حضرت داؤد علیہ السلام کے روشن ہونے کا یہ مطلب نہیں کردہ تمام صفات کمالیہ میں سبک تر جع رکھتے تھے۔ سوال بالکل وار بھی نہیں ہوتا کیونکہ حدیث پاک میں یہ الفاظ ہیں :-

### جواب دوم

فَاَعْجَبَهُ تَوَاجِبُ رِيسَمٍ فِي حَسَنِ كَا هُوَ صَرُورِي فِي حَسَنِ حَسَنِ اور چیز پسند آنا کچھ اور ریسلی سے بڑھ کر حسید عورتیں اور بھی تھیں۔ مگر مجنوں کی آنکھ کا انتخاب اعجاب وہی ٹھہری، نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ بعض دفعہ حبشی بھی اعجاب میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یقول ابوالا سعاد : حضرت آدم علیہ السلام میں خلافت و نبوت دونوں جمع تھیں اور آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے پیغمبر جو دونوں صفات کے جامع تھے وہ حضرت داؤد ہیں۔ اس لیے حضرت داؤد، حضرت آدم ع کے زیادہ مشابہ تھے۔ اسی بنا پر نظر انتخاب ٹھہرے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ہستیوں کا لقب خلیفۃ الارض ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ : **وَإِذْ قَالَتْ رَبِّكَ لِلْمَلَأِ مَكَّةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً رَبِّ يَا دَاؤُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ**۔ (پ ۳۳ ص ۱)

قوله فَأَيُّ رَبِّ زِدْنِي مِنْ عُمْرِي أَوْ كَبِّرْنِي سَنَةً۔ عرض کیا مولا میری عمر میں سے چالیس سال انہیں بڑھا دے۔

سوال : یہ تو علم الہی میں ترسیم ہے۔

جواب : یہ ترسیم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ داؤد علیہ السلام کی عمر سو سال ہوگی، لیکن یہ مذکور شدہ درخواست کی صورت میں ہوگی۔ رہی آیت کریمہ : **إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَأْذِنُونَ** وہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔ کیونکہ آیت میں تقدیر مبرم یعنی علم الہی کا ذکر ہے اور یہاں تقدیر مُعلق کی تحریر کا ذکر یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار سے اپنی عمر کم و بیش نہیں کر سکتا۔

قوله أَوْ كَبِّرْنِي سَنَةً : یعنی چالیس سال ابھی باقی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف مناج ۲ باب السلام کتاب اللہ فصل ثالث میں روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اپنی عمر چالیس سال تھی۔

### سوال

آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے ان کو ساٹھ سال دیے۔ یہ قال یارب فانی قَدْ جَعَلْتَ لَنَا مِنْ عَمْرِي مِثْقِينَ مِثْقَلًا لِّكُنْ حَدِیْثُ بَابِ مِیْنِ اس کے برعکس ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اپنی عمر ۷۰ سال تھی۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو ۴۰ سال عطا کیے۔ لہذا دونوں میں تعارض ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اولاً بیس سال اور پھر مزید چالیس سال کل ۷۰ سال دیے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کی اپنی اصلی عمر چالیس سال تھی۔ نقص روایت میں جو اصلی عمر ۷۰ سال وارد ہوئی ہے۔ وہ آدم علیہ السلام کے عطا کیے ہوئے بیس سال سمیت ہے۔ فائدہ فی التعارض۔

## جواب

قَوْلُهُ فَجَعَلَ آدَمُ۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام انکاری ہوئے۔ اس بات پر تعجب کا اتفاق ہے کہ آدم علیہ السلام نے صریحاً یہ بات نہیں کہی تھی کہ میں نے اپنی عمر سے داؤد علیہ السلام کو کچھ نہیں دیا اور صریحاً انکار ممکن بھی نہ تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی زبان سے کوئی جھوٹ قصداً اور صریحاً صادر نہیں ہوتا۔ لہذا کہا جائے گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا انکار بطور تعریض تھا۔ جیسا کہ بعض صورتیں اس طرح دیگر انبیاء کرام سے ثابت ہیں۔ کَمَا فِي قِصَّةِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِمُ اللَّيْلُ رَأَوْا كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّيَ الْغَرِبَ اِنْفَامُ قَوْلُهُ فَجَعَلَ ثُ دُرِّيَّةً۔ کیونکہ اَلْقَوْلُ سَيِّدُ رَبِّي۔ جو صفت والہی تھی وہی اولاد میں بھی رہے گی گویا کہ یہ سب واقعات تقدیری ہیں ایمان لانا ضروری ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے داہنے کندھے پر دست قدرت لگا یا جس سے سفید رنگ کی اولاد چھوٹیوں کی طرح نکالی، اور ان کے بائیں کندھے پر دست قدرت مارا تو کالی اولاد کو ملے کی طرح نکالی۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ حِينَ خَلَقَهُ فَضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُمْنَى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً بَيَضَاءَ كَالْهَرَمِ الدَّمَوُ ضَرَبَ كَتِفَهُ الْيُسْرَى فَأَخْرَجَ ذُرِّيَّةً سَوْدَاءَ كَالْهَرَمِ الْحُمْرِ

قوله حِينَ خَلَقَهُ - یہ ظرف ہے اور خَلَقَ اللہ کے متعلق ہے۔ اور یہ اشارہ ہے، حضرت کے عدم علم کی طرف کبھے بتا نہیں کہ مخلوق کب پیدا ہوئی۔ دَوْم : یا حِينَ خَلَقَ مُتَعَلِّقٌ بِهٖ فَضَرَبَ نَوْحًا كَے۔

سوال : یہ کفار کا مابعد اقبل میں عمل نہیں کرتا یہاں پر کیسے عمل کر رہا ہے۔  
جواب : حِينَ خَلَقَهُ ظرف ہے اور ظرف میں دُست ہوتی ہے "الظُرُوفُ يَتَوَسَّعُ فِيْهِ مَا لَا يَسْتَوْفِي غَيْرُهُ"۔

قوله كَتَفَهُ الیٰعْنٰی : یہ از قبیل مشابہات ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ مٹھی کے ظاہری معنی سے پاک ہیں۔

قوله ذُرِّيَّةٌ بَيْضَاءُ - ای نورانیۃ : اس سے مؤنثین مراد ہیں :  
کما فی قولہ تعالیٰ "يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ"۔

قوله كَاٰلَهُمُ الذُّرَّ - ذال کے فقر کے ساتھ۔ عند البعض ذر یعنی صفا والنحل و عند البعض نمل۔ تم تشبیہ جاست و صغر یعنی چھوٹا ہونے میں ہے کیونکہ ہیئت تو انسانی تھی کچھ حضرت نے کون میں بھی تشبیہ دی ہے۔

قوله سَوَادًا - ای الظلمۃ اس سے کافر مراد ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ "وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ"۔

قوله كَاٰلَهُمُ الْحَمَمُ : یعنی جمرہ یعنی انکا راز زیادہ جل کر سیاہ ہر چکا ہو جائے کوئلہ ہوتا ہے یہ تشبیہ بھی رنگت میں ہے۔

سوال : حضرت ابو ہریرہؓ کی سابق روایت میں ہے "وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ مُلْءِ اِنْسَانٍ وَبَيْنَ عَيْنَيْ نُورٍ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی آدم خواہ راستی موندھے سے نکالے گئے یا بائیں موندھے سے، سب کے چہرے کے سامنے چمک تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں موندھے سے جو نکالے گئے وہ سیاہ تھے۔ لہذا دونوں روایتیں متعارض ہیں۔

اس میں تطبیق یوں ہے کہ پہلی روایت میں فطرت سلیمہ کی طرف اشارہ ہے جس میں کافر مسلم سب مشترک ہیں۔ جب کہ حدیث باب میں ذُرِّيَّةٌ بَيْضَاءُ

سے ایمان کا نور، ذُرِیَّتُهُ مَسْکُونَةٌ سے کفر کی ظلمت مراد ہے فَلَا تَمَازَضَا۔  
 قَوْلُهُ وَلَا أُبَاقِي۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ کون کیسے اعمال کرے، کون کہاں  
 جائے میں غَفَقَ عَنِ النَّعَاقِمِیْنِ ہوں۔ عند البیض وَلَا أُبَاقِي کا تعلق دخول جنت دار  
 سے ہے یعنی مخلوق کے جنتی ہونے سے ہمارا کچھ نفع نہیں، اور جنتی ہونے سے کچھ نقصان  
 نہیں خود ان کا ہی نفع و نقصان ہے۔ ثانیاً اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ پر  
 کوئی چیز واجب نہیں اعمال المرات میں جنت کے لیے نہ کہ مہجبات اور جنت میں جانا افضل ہے  
 نار میں داخل کرنا عدل ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابی نصرؑ  
 سے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ میں سے ایک  
 صاحب جنہیں ابو عبد اللہؑ کہا جاتا تھا ان  
 کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں گئے وہ  
 رو رہے تھے۔ تو یہ حضرات بولے کیوں نہ  
 ہو کیا تم سے حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا  
 تھا کہ اپنی مونچھیں کٹاؤ، پھر اس کے پابند  
 رہو۔ یہاں تک کہ تم بچے ملودہ بولے ہاں۔

وَعَنْ أَبِي النَّضْرِ أَنَّهُ  
 رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ  
 لَهُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ دَخَلَ عَلَيْهِ  
 أَصْحَابُهُ يَتَوَدَّدُونَ وَهُوَ يَتَلَقَّى  
 فَعَالُوا مَا يُبْكِيكَ أَلَمْ يَقُلْ لَكَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 خُذْ مِنْ شَاوِبِكَ شَعْرًا قَصْرًا  
 حَتَّى تَلْقَانِي قَالَ بَلَى۔

مختصر عرض ہے کہ حضرت ابو عبد اللہؑ صحابی بیمار  
 ہوئے، ان کے کچھ دوست و اصحاب مزاج پرسی

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ کیفیت  
 دیکھ کر کہا کہ آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ اور پھر مزید  
 یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ فرمایا تھا کہ تم اپنی مونچھوں کو پست یعنی ہلکی کر لے  
 رہنا اور اسی پر قائم رہنا۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر یا جنت میں مجھ سے تم ملاقات کرو تو گویا

آپ کو جنت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی بشارت دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جنت میں داخل ہونا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونا بغیر اسلام کے نہیں ہو سکتا تو معلوم ہوا کہ آپ کا خاتمہ بالخیر ہو گا اور آپ ایمان و اسلام کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کریں گے۔ لہذا پھر دقت کیوں ہے، اور یہ منکر و غم کیسا۔ اس کا جواب مروجی آگاہ نے یہ دیا کہ تمہارا کہنا صحیح و بجائے اور اس بشارت کی صداقت کا اعتقاد بھی ہے۔ لیکن پروردگارِ عالم بے نیاز ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کی مرضی میں کسی کا دخل نہیں ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ میں بے چاہتا ہوں جنت کی سعادت سے نوازتا ہوں، اور بے چاہوں دوزخ کے حوالہ کر دوں، اور مجھے اس کی پروا نہیں ہے تو مجھے یہ خوف کھانے جا رہا ہے کہ نا معلوم میرا کیا عشر ہو اور دل اس خوف سے لرزاں اور آنکھیں ڈر سے آشکبار ہیں کہ دجانے خدا تعالیٰ نے میرے مُقَدَّر میں کیا لکھ رکھا ہے۔

قَوْلُهُ وَهُوَ يَبْكِي - موت کے خوف یا بیماری کی تکلیف سے نہیں بلکہ خوفِ خدا سے رو رہے تھے۔ جیسا کہ لگے مضمونِ حدیث سے ظاہر ہے۔ اس وقت یہ حالت اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے۔

قَوْلُهُ خُذْ مِنْ شَارِبِكَ - مونچیں کٹوانے کی بحثِ فطرت والے امور میں آنے لگی۔ اجتماعِ عرض ہے کہ قص کر دانا امامِ اعظم کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے۔ باقی مقدار یہ ہے کہ اوپر کے ہونٹ کا سارا کٹنا کھل جاتے اور عافِ نظر آنے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتباعِ سنتِ جنت کی کنجی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ترکِ سنت کی عادت حضور علیہ السلام سے دوری و بُعد کا سبب ہے۔ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا مَنَظَرَ -

قَوْلُهُ شَرًّا قَرَّةً - بفتح الهمزة وكسر القاف وتشديد الزاء: ای دمِ خلیہ۔ یعنی پھر اس قص (مونچیں کاٹنے) پر موافقت کر اور مستقل رہنا۔

قَوْلُهُ حَتَّى تَلْقَانِي - ای علی العوض، اب اس مقام پر سوال ہوتا ہے۔

سوال، یہ کہ اس صحابی رسول کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل جانے کی بشارت بھی مل گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ رو رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جوابِ اول - خود حدیثِ پاک میں ہے کہ اِنَّ الْمَلَّهَ عَزَّ وَجَلَّ قَبَضَ بِمِمْبِنِهِ وَخَصَّ



**جواب دوم** | حضرت محبائی رسول کارونا غلبہ خشیت کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ جب حق تعالیٰ کی ہیبت اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو ایسی اشیاء میں یا د نہیں رہتیں جیسے کوئی بیچ کسی ملزم سے کہہ دے کہ میں تمہیں بُری کر دوں گا، پھر بھی عدالت میں ہاکر دواں کا خاص رعب اور ڈر ہوتا ہے۔ کما فی مَقُولَةِ الصُّوفِيَّةِ : عِدَّ عَشَقَ اسْتِہْزَاؤَ بَدِیْغَانِ۔

یعنی اللہ پاک کے مقرب بندوں کو ہر وقت اپنے اوپر مددگمانی رہتی ہے۔ حج مقرباں را پیش بود چرانی  
بلکہ حضرت خود فرما رہے ہیں "وَلَا تُدْرِي فِي أَيِّ الْفِتْنَتَيْنِ"  
سوال : یمنین کا مقابل کیا رہے تو یہاں پر کیا رکیوں نہیں فرمایا؟  
جواب : اللہ پاک کیا رہے پاک ہیں۔ حدیث شریف میں ہے "كَلَّمَا يَدَّيْهِ بِمِصْبِحٍ هَامٍ"

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ أَخَذَ اللَّهُ الْيَمِثَاقَ مِنْ  
ظَهْرِ آدَمَ يَنْتَعِمَانِ بَيْنِي عِزَّةً  
فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ  
ذَرَأَاهَا فَنَشَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ  
كَالذَّرِّ.

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ مروی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پشت آدمؑ سے نعمان یعنی عرفات میں عہد لیا۔

قولہ شَمَّان۔ نعمان پہاڑ کے معتقد اور طائف کے درمیان سے شروع ہو کر عرفات تک پہنچتا ہے اس پہاڑ پر یہ واقعہ ہوا۔ لہذا یہ حدیث بھی درست ہے کہ عرفات میں عہد لیا گیا اور طائف کے قریب لیا گیا۔

قولہ قبلاً۔ یعنی بلا واسطہ ملائکہ مشافہۃً رو برو ان سے بات چیت کی اور قبلاً

بعضین ہے اور اس میں چار نکات اور بھی ہیں جو بروزانِ عتَبِی، قُفْلُ، صَرَدُ، جَبَدُ میں اس حدیث کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ باب الایمان بالقدر فصل ثانی میں ہو چکی ہے مگر یہاں ایک فائدہ ملاحظہ فرمادیں۔

اس حدیث کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرت اشارہ کیا ہے کہ یہاں آیت ہذا میں اللہ پاک نے مشرکوں اور کافروں کو خبردار کیا ہے کہ تم قیامت میں یہ دلیل نہیں دے سکتے کہ چونکہ ہمارے باپ دارا نے شرک کیا تھا اس لیے ہم بھی ان کے ساتھ ہیں۔ یا ہم اپنے باپ دادوں کے تابع ہیں جیسے انہوں نے مذہب اختیار کیا ہم بھی وہی کرنے کے پابند رہتے۔ اس لیے ہم عذابِ دوزخ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ پس اے کافر و جہان لو قیامت کے دن یہ فحشت تمہارے لیے کار آمد نہیں ہو سکے گی کیونکہ تم سے ہم نے توحید کا اقرار کر لیا ہے، اور اسی اقرار کو مضبوط کرنے کے لیے انبیاء کرام ؑ تشریف لائے تاکہ وہ پر لسنے عہد کو یاد دلائیں۔

سوال : حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ میثاق پہلے لیا، بعد میں مخلوق کو نکال دیا حالانکہ میثاق بعد میں تھا۔ اَخَذَ اللّٰهُ الْمِیْثَاقَ مِنْ ظَهْرِ اٰدَمَ بِمَنْعَمَانِ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ جَوَاب : مقام ہذا میں میثاق کا عہد مراد نہیں بلکہ میثاق کا ارادہ مراد ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی بن کعبؓ سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق جب آپ کے رب نے اولادِ آدمؑ کی پشت سے ان کی اولاد نکالی فرمایا انہیں جمع کیا، انہیں جوڑے بنایا پھر انہیں صورت دے دی تو وہ بولے : پھر ان سے عہد میثاق لیا، اور انہیں خود ان کی ذات پر گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں بولے ہاں۔

وَعَنْ اَبِي بِنِ كَعْبٍ فِي قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ثُمَّ قَالَ جَمْعُهُمْ فَجَعَلَهُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاَسْتَنْطَقَهُمْ ثُمَّ قَتَلَهُمْ ثُمَّ اَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِیْثَاقَ وَاشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فَاَنۢتَوۡا بِلٰیؕ

قَوْلُهُ فِي قَوْلِ اللَّهِ - یہ اصل میں تھا "فِي تَفْصِيلِ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ -  
قَوْلُهُ جَعَلَهُمْ - اس سے پہلے اقتضار النفس کے طور پر یہ الفاظ نکالیں گے  
"ان أَخْرَجَهُمْ فَجَعَلَهُمْ -

قَوْلُهُ - فَأَسْتَخَفُّهُمْ - "ای خلاق فیہو العقل و طلب منهم النطق"  
یعنی عقل دے کر تکمیل کر دیا۔

قَوْلُهُ السَّمُوتِ السَّبْعِ - یعنی آسمان و زمین کی مخلوق کو "ای اهل السموات  
والارض" یا خود آسمان و زمین کو دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

قَوْلُهُ اَنْ تَقُولُوا - یہ ماقیل کے لیے علت نہیں بن سکتا۔ اصل میں لِشَا اَنْ تَقُولُوا  
تھا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے قبل کیا ہیئت کا لفظ مقدم کریں گے۔

قَوْلُهُ وَاَنْزَلَ عَلَيْكُمْ كُتُبًا - رب نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا کہ اِذَا دَمَ عَلَي السَّامِ  
تاریخ قیامت دنیا ایک آن نبوت سے خالی نہ رہی۔ خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت  
کچھ اور پیغمبر کی ظاہری زندگی کا زمانہ زمانہ نبی ہے اور ان کے دین کی بقا کا زمانہ زمانہ نبوت ہے  
چنانچہ قیامت تک ہمارے حضور علیہ السلام کا زمانہ ہے۔

قَوْلُهُ شَهِدْنَا - یہاں شہادت بمعنی علم ہے یعنی ہم نے مشاہدہ سے تیری ربوبیت  
اور معبودیت جان پہچان لی یا شہادت بمعنی گواہی یعنی ہم ایک دوسرے کے اس اقرار و عید  
پر گواہ بن گئے۔

قَوْلُهُ قَالَ اِنِّيْ اَحْبَبْتُ اَنْ اَشْكُرَ - غنی، دولت مندی کی وجہ سے شکر کرے گا  
اور فقیر فراغت اور غم مال سے نجات پر شکر کرے گا۔ علیٰ ہذا خوب صورت پہلے حسن پر اور بد صورت  
فقر حسن سے نجات پر شکر بجالائے گا۔ دراصل یہ آدم علیہ السلام کو جواب دیا جا رہا ہے جس کا  
غلام یہ ہے کہ ان میں فرق پیدا کرنے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ اگر میں صبح کو یکساں پیدا کرتا  
تو یہ شکر ادا نہ کرتے۔ اور جب ایک انسان میں وہ صفات و خصائص پیدا کر دے جائیں گے۔  
جو دوسرے انسانوں میں نہیں ہوں گے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر شکر ادا کریں گے اور رحمت  
کے مستحق بن جائیں گے۔

سوال - آدم علیہ السلام کو کیا حق تھا کہ انہوں نے سوال کیا۔

**جواب اول :** اولاد کی محبت میں آکر سوال کیا کہ ہیں تو میرے بیٹے مگر یہ فرق مجھے پسند نہیں۔

**جواب دوم :** سوال بطور اعتراض نہیں بلکہ بطور استفادہ کے ہے یعنی حکم کے لیے سوال کر رہے ہیں۔

**قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ** - تمام روحوں پر فطرت والا نور تھا۔ مگر انبیاء کرام پر دو نور تھے۔ **نُفُوسُ وَالْأَنُورُ** اور نبوت والا نور۔

**قَوْلُهُ خُصَّوْا بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ** - انبیاء کرام سے خصوصیت کے ساتھ خاص عہد و پیمان لیے گئے یعنی مزید اہتمام کے لیے عام میثاق کے بعد انبیاء کرام سے تبلیغ رسالت میں ثابت قدم رہنے اور باہمی ایک دوسرے کی مدد کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین پر وغیرہ کے متعلق خاص میثاق بھی لیا گیا۔ یہ میثاق تو سب پیغمبروں سے لیا اور احزاب کی آیت میں پانچ پیغمبروں کے نام جو خصوصیت سے ذکر کیے گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر ہیں۔

**قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى** - تَبَارَكَ اور تَعَالَى جہاں بھی ہو گا حال بنے گا صفت نہیں بنے گا کیونکہ اضممار نہ موصوف ہوتے ہیں اور نہ صفت۔ دوسرا یہ کہ تعالیٰ اور تبارک جملہ ہیں اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اور ضمیر میں معرفہ ہیں اس لیے حال نہیں کے صفت نہیں۔

**قَوْلُهُ كَانَ فِي تِلْكَ الْأَرْوَاحِ قَارِئُكَ إِلَى مَرْدِيَّهِ** : اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھیج دی۔ حضرت اُن کی بیان کرتے ہیں کہ یہ روح حضرت مریم علیہا السلام کے منہ کی طرف سے ان کے جسم میں داخل ہو گئی، یعنی ارواح انبیاء سے خاص میثاقی ملے کہ ان ارواح کو پشت آدم میں واپس لوٹا دی گئیں۔ لیکن روح عیسیٰ کو باقی رکھا گیا حتیٰ کہ جب بی بی مریم پیدا ہوئی تو ان کے منہ میں روح پھونک دیا گیا کیونکہ آپ کی ولادت بغیر والد کے ہونے والی تھی۔

**قَوْلُهُ مَنْ فِيهَا** - اِیْ فِي قَوْمِهَا فِیْہِ اِشَارَةُ اِلَى قَوْلِہِ تَعَالٰی "فَنَفَخْنَا فِيْہِ مِنْ رُّوْحِنَا"۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ  
يَتِمُّ نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَشْدُ أَكْرُمَ  
مَا يَكُونُ إِذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمْ  
يَجْبِلُ زَالَ عَنْ مَكَانِهِ فَصَدُّوهُ  
وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ  
عَنْ خُلُقِهِ فَلَا تَصَدِّ قَوْلِيهِ  
فَإِنَّهُ يَصِيرُ إِلَى مَا جِبِلَّ عَلَيْهِ

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو الدرداء  
سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی بارگاہ میں تھے، اور جو کچھ ہوتا ہے اس  
کا تذکرہ کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سنو کہ پہاڑ اپنی  
جگہ سے ٹل گیا تو مان لو، اور اگر یہ سنو کہ  
کوئی آدمی جلی عادت سے بدل گیا تو نہ  
مانو نہ پھر اسی طرف لوٹ جائے گا جس پر  
پیدا ہوا۔

قَوْلُهُ نَشْدُ أَكْرُمَ مَا يَكُونُ - کہ واقعاتِ عالم گزشتہ فیصلہ کے مطابق ہو  
ہے ہیں، یا اتفاقاً مگر یہ تذکرہ مناظرانہ رنگ میں تھا بلکہ تحقیق کے لیے تھا۔ اسی لیے حضور  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے منع نہ فرمایا۔ بلکہ ایک مسئلہ کی وہ تحقیق فرمادی۔ معلوم ہوا کہ  
علمِ کلام پڑھنا ممنوع نہیں مسئلہ تقدیر میں جھگڑنا منع ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث معلوم ہوا۔  
قَوْلُهُ فَلَا تَصَدِّ قَوْلَهُ - کیونکہ ہر چیز مقدر ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔  
یعنی قضاء و قدر کے دوسرے شعبوں میں جس طرح تبدیلی و ترمیم نہیں ہو سکتی اسی طرح اخلاق  
و عادات میں بھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، مثلاً پہاڑ، بڑل، اور ذکی غیبی نہیں بن سکتا۔  
قَوْلُهُ يَصِيرُ إِلَى مَا جِبِلَّ - اسی ماحلق: یعنی جلی خلقت، انسان اور مائے  
دو قسم پر ہیں

جو تبدیل نہیں ہو سکتے۔ حدیث پاک میں جو فرمایا جبل ممکن الزوال  
ہے۔ عادات و صفات ممکن الزوال نہیں وہ عادات و صفات

أَوَّلُ صِفَاتِ مُبْرَمٍ

مُبْرَمٌ ہیں۔ یہ صفات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی بری طبیعت میں پڑ کر چور بن گیا  
دُوم عارضہ۔ یہ صفات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی بری طبیعت میں پڑ کر چور بن گیا  
پھر بزرگوں کی طبیعت میں آ کر نیک بن گیا۔

**سوال :** یہ ہے کہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی عادت تبدیل نہیں ہوتی پھر تہذیب اخلاق کا حکم کیوں دیا گیا یہ تو تکلیف مالہ یطابق ہے۔

**جواب :** یہ سوال دراصل اصلاح اخلاق کے معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اصلاح اخلاق کا معنی ازالہ اخلاقی رذیلہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اصلاح اخلاق کا یہ معنی نہیں بلکہ اصلاح اخلاق سے مراد امالہ اخلاق ہے۔ ازالہ اخلاق کا معنی ہے کسی کے فطری سُلُق کو تبدیل کر کے بالکل ختم کر دیا جائے۔ یہ ناممکن ہے اور نہ ہی اس کا حکم ہے۔ البتہ امالہ اخلاق کا حکم ہے جو صوفیاء کرام کرتے رہتے ہیں۔ امالہ کا مطلب یہ ہے کہ ان غصلتوں کا رخ و صرفت بدل دیا جائے۔ جیسے بعض صحابہؓ ہیں اسلام سے پہلے غضب تھا اسلام لانے سے یہ غصلت داخل نہیں ہوئی بلکہ اس کا رخ بدل گیا، پہلے غضب ناحق تھا اب حق کے لیے ہے۔

وَعَنْ رُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا يَزَالُ يُصِيبُكَ  
فِي كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِّنَ الشَّامِ  
الْمُسَمُّومَةِ الْخِي أَكَلَتْ قَانَ  
مَا أَصَابَنِي شَيْءٌ مِّنْهُمَا  
إِلَّا وَهُوَ مَكْتُوبٌ عَلَيَّ وَآدَمُ فِي  
طَيْبَتِهِ۔

**ترجمہ :** روایت ہے بی بی ام سلمہ سے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو ہر سال اس زہریلی بکری کی تکلیف ہوتی ہے جو آپ نے رخسیر میں کھالی تھی فرمایا مجھے اس کے سوا کوئی شئی نہیں پہنچتی جو میرے مقدر میں اس وقت لکھ دی گئی جب حضرت آدمؑ اپنے خمیر میں تھے۔

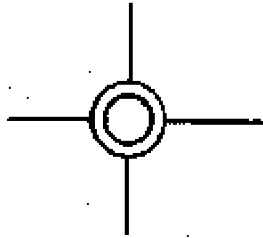
اس حدیث کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۲ ج ۲ باب المعجزات فصل ثانی میں دیکھی جاسکتی ہے مگر مختصر عرض ہے کہ یہ تقدیر کی طرف اشارہ ہے کہ تقدیر کے مسئلہ میں بھی غیر نبی برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خمیر نہ جاتے تو زہر نہ کھاتے۔ خمیر جاننا وہاں زہر آلود گوشت کھانا سب کچھ لکھا جاتا تھا۔ ثانیاً یہ حدیث قرآن پاک کی اس آیت کی تشریح ہے :-

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ

مَنْ قَبِلَ أَنْ تَبْرَأَ مَا - اِی تَخْلُقُهَا : رَبِّی الْحَدِیدُ

## اسمائے رجال

**حالات اُم سلمہ** آپ کا نام حسد بنت ابی اسلمہ ہے پہلے اسلام کے نکاح میں تھی ستر میں بیوہ ہوئیں۔ اور اسی ستر کے اواخر میں شہرہ منکر میں حضور علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔ شہرہ میں مدینہ پاک میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔



## بَابُ اثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

باب ہذا میں مُصَنَّف علیہ الرحمۃ عذاب قبر کے ثبوت پر احادیث ذکر فرمائیں گے۔

**سوال** قبر میں جس طرح عذاب ہوتا ہے اسی طرح ثواب بھی ہوتا ہے لیکن حضرت مُصَنَّف علیہ الرحمۃ نے عُنَّانِ بَاب میں صرف عذابِ القبر کا ہی ذکر کیا ہے یہ ترتیب ذکر کیوں اختیار فرمائی؟

**جواب اول** چونکہ اکثر افراد کافر یا فاسق ہیں (قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُورُ) تو گویا عذاب کا وقوع ثواب کے وقوع سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے ترجمۃ الباب میں عذاب کے لفظ کو زیادہ اہمیت دی ہے۔

**جواب دوم** عَذَابُ الْقَبْرِ کا لفظ بول کر مُرَاد مُطْلَق احوالِ قبر ہیں خواہ تکلیف ہو، خواہ راحت۔ تعلیلاً سب کو عَذَابُ الْقَبْرِ کہہ دیا گیا ہے۔

تائید کے طور پر حوالہ ملاحظہ کریں یہ

سُئِيَ عَذَابُ الْقَبْرِ وَفِيمَهُ وَارَتْهُ رَوْحَةٌ أَوْ حُفْرَةٌ نَابِلًا عَنَّا  
غالبہ العلق۔ (کتاب الروح ص ۱۸، مینی ص ۱۸ ج ۱)

**جواب سوم** مہاجرین کو اگر عذاب معروف نہ بھی ہو تو کچھ نہ کچھ دشت اور دہشت و ماں جاکر ضرور ہوتی ہے یہ بھی ایک قسم کا عذاب ہی ہے۔ مقام ہذا پر بحث علامہ ہیں ملاحظہ فرمادیں۔



# الْبَحْثُ الْأَوَّلُ — فِي إِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ

داخل ہو کر مجرئی طور پر عالمِ تین ہیں :-

**اَوَّلُ عَالَمٍ دُنْيَا** جس میں عذاب و راحت بلا واسطہ بدن پر ہوتے ہیں ، اور اس عالم میں ارواحِ بدن کے تابع ہیں اس لیے احکام شرعی بھی اعضاء و جوارح کے ظاہری حرکات پر مرتب ہوتے ہیں ۔

**دَوِّمُ عَالَمٍ بَرَزَخ** اس عالمِ برزخ میں عذاب و راحت کا تعلق اَوَّلًا بلا واسطہ ارواح سے ہے اور بدن اس کے تابع ہے اور یہ عالم برزخ دنیا و آخرت کا درمیانی عالم ہے جس کا دونوں سے تعلق ہے ۔

**ثَلَاثُ عَالَمٍ آخِرَت** جو قیامت سے شروع ہوگا لیکن اس کی انتہاء نہیں کہ بعثت بعد الموت سے شروع ہو کر لائی نہایہ زمانہ کا نام ہے ۔ وہاں عذاب و راحت بدن و روح میں سے ہر ایک پر بلا واسطہ جاری ہوگا ۔

بقول ابوالسعاد : چونکہ ہر عالم کے احکام الگ الگ ہیں ۔ بنا بریں ایک عالم کو دوسرے عالم پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا ۔ عالمِ آخرت میں احکام کا تعلق جو جسم و روح کے ساتھ ہوگا ۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ دو آدمیوں نے ایک درخت کے پھل چوری کرنے کا ارادہ کیا ۔ مگر ایک ان میں سے لسنکڑا ہے اور دوسرا اندھا ہے دونوں نے یہ مشورہ کیا کہ اندھے کے کندھے پر لسنکڑا سوار ہوا وہ اس کو درخت کے نیچے لے جائے اور وہ دیکھ کر پھل توڑتا رہے تو چار کام بن جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا تو مالک نے آکر دونوں کو پکڑ لیا ، اور سزا دی کیونکہ دونوں سبب ہوئے ۔ اسی طرح آخرت میں جسم و روح کو برابر سزا ہوگی ۔

تمام صحابہ کرامؓ و تابعین عظامؓ اور جمہور اہل الشیئۃ والجماعۃ عالمِ برزخ کے عذاب و نعمت کے قائل ہیں ۔ مگر فرقہ مبتدعہ میں سے خوارج و اکثر معتزلہ و بعض رد الفی فی عذاب قبر کا بالکل انکار کیا ہے وہ کسی طرح بھی عذابِ قبر کے قائل نہیں ہیں ۔ معتزلہ میں انکار

عذاب قبر میں زیادہ پیش پیش دو شخص ہیں۔ مزار بن عمرو اور بشر بن عزیسی۔

## دلائل فرقی مبتدعہ در نفی عذاب و نعمت قبر

اختصاراً چند دلائل پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

**دلیل اول** فرقی مبتدعہ بر زخی احوال کا انکار کرتے ہیں اور اس کی بناء صرف ان کا وہم و فطن ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر عذاب قبر ہوتا تو ہمیں نظر آتا، حالانکہ بہت سے مردوں کی قبر کھود کر ہم دیکھتے ہیں مگر کچھ نظر نہیں آتا بلکہ مردہ ویسے کا ویسا ہی دیکھتے ہیں جیسا چلتا ناچتا نظر نہیں آتا نہ سانپ نہ بچھو وغیرہ اور اسی طرح نہ کسی قسم کی راحت و آرام جو مومن کے لیے ہونا چاہیے۔

**جواب اول** اہل سنت والجماعت کی طرف سے اس کا اجمالی جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب قرآن کریم وحدیث مشہورہ جیسا کہ مسکا اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کے بیان میں آئے گا اسے اس کا ثبوت موجود ہے تو اس کے مقابلہ میں قیاس آرائی کرنا خود عقل سلیم کے خلاف ہے اور نہ اس کا کوئی اعتبار ہے۔

**جواب دوم** یہ کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ عالم برزخ کو عالم دنیا پر قیاس کرنا درست نہیں، اور پھر دنیا کی آنکھ سے اُس عالم کے احوال کو دیکھنا ممکن نہیں ہے جب کہ فرقی مبتدعہ دنیا کی آنکھ سے دوسرے عالم کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں بیکیے ہو سکتا ہے بعداً ایک چیز کا نہ دیکھنا اور نظر نہ آنا اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں خور دنیا میں بہت سے نظائر ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے مگر واقع میں وہ سب کے نزدیک مسلم ہیں چند نظائر ملاحظہ فرمائیں۔

**تظہیر اول** موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور قریب الموت آدمی کے ارد گرد بیٹھتے ہیں حتیٰ کہ سلام بھی کرتے ہیں اور بعض دفعہ وہ شخص سلام کا جواب بھی دیتا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

**تظہیر دوم** حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لے کر آتے ہیں، اور بعض اوقات قرآن کریم کا تکرار کرتے تھے حالانکہ قریب بیٹھنے والے صحابہ کرام کو کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔

**تظہیر سوم** جنات کسی پر سوار ہوتے ہیں اور اسے دوڑا رہے ہوتے ہیں مگر نظر نہیں آتے اسی طرح عذابِ قبر کو اگرچہ ہم نہیں دیکھتے مگر ائمہ فی الشہادۃ یقین اللہ و رسول کی خبر سے یقین کیوں نہ ہو، اور اس میں شبہ کیوں کریں۔

**دلیل دوم** بعض مردوں کو جلا کر رکھ دیا جاتا ہے یا بعض کو شیر و غیرہ کھا لیتا ہے حتیٰ کہ اس کا جزہ بن جاتلے پھر اس کو عذاب دیا جائے تو شیر و غیرہ کو تکلیف ہوتی اور وہ دوڑتا بھاگتا۔ مگر یہاں دکھائی نہیں دیتا لہذا اتنی بدیہی بات کے خلاف عالم برزخ کے احوال کی تصدیق کیسے کی جائے؟ بناء بریں معلوم ہوا کہ سوائے عالم آخر کے درمیان میں کوئی عالم نہیں ہے۔

**جواب** تمہارا یہ کہنا کہ آگ سے جل کر رکھ دیا جائے یا شیر کھا کر اس کا جزہ بن جائے تو عذاب کس طرح ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مردہ کے اجزاء جہاں کہیں بھی ہوں روح کا تعلق ان کے ساتھ ہوگا اور روح پر اصل عذاب ہوتا ہے اور اس کے واسطے ہر جزہ پر عذاب ہوگا۔ باقی شیر و غیرہ کو ان کے واسطے عذاب نہیں ہوگا کیونکہ شیر تو اس کا جزہ نہیں ہے اور دنیا میں اس کی نظیر موجود ہے کہ کسی کے گوشت کے اندر جزہ کا نیفک کے اعتبار سے کیڑے ہو جائیں تو دوا کے ذریعہ ان کو مارا جاتا ہے جس سے کیڑوں کو تو بہت تکلیف ہوتی ہے مگر اس شخص کو کچھ پتا نہیں چلتا۔ اسی طرح شیر کے اندر مردہ کے اجزاء کو عذاب ہوگا مگر شیر کو پتا نہیں چلتا۔ لہذا اب عالم برزخ کے عذاب و نعمت کے ثبوت میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہا۔

**دلیل سوم** سورۃ یٰسین ۳۲ میں ربّ ذو الجلال کا ارشاد ہے کہ کافروں کو جب قبروں سے اٹھایا جائے گا تو کہیں گے "قَالُوا يٰوَيْلَنَا مَسْنَا فَعَشْنَا مِنْ عَذَابِ الْآلِ" جب کہ مرقد آرام گاہ یا آرام کی جگہ کو کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ کافر آرام میں ہوں گے نہ کہ عذاب میں۔

## جواب

قیامت کا منظر ایسا ہولناک اور دہشت انگیز ہوگا کہ کفار قبروں کے عذاب کو بھول جائیں گے اور بچیں گے کہ ہم اب تک سوئے رہے ہیں اس لیے جب قبروں سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ ہمیں نیند سے کس نے جگایا ہے۔ یہ مغلط نہیں کہ قبر کے اندر عذاب نہیں ہوا۔

یَقُولُ الْإِنْسَانُ: بات وہی ہے جو حضرت شیخ جابر دی رحمہ القوی نے جواب میں عرض فرمادی ہے لیکن یہ اس قدر تشریح سے الفاظوں کو ایک نئے قالب میں ڈھال رہا ہے۔ **مِنْ مَرَقَدٍ** کا لفظ اس لیے بولیں گے کہ اس وقت انہیں یہ احساس نہ ہوگا کہ وہ مریچکے تھے اور اب ایک مُدتِ دراز کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گئے ہیں مگر وہ اس خیال میں رہیں گے کہ ہم سوئے پڑے تھے۔ اب یکایک کسی خوفناک حادثہ کی وجہ سے ہم جاگ اٹھے ہیں اور بھاگے جا رہے ہیں۔ مگر شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کی برزخی زندگی بھی دکھوں بھری ہوگی رکنا قاذر الجہنم، پھر اس کو مرقدا اور آرامگاہ سے کیسے تعبیر کر رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کی ہولناکیوں کے آگے تو عذابِ قبر عنینت اور ایک طرح سے نیند و آرام گاہ معلوم ہوگی، اشغال کے طور پر ایک آدمی کو چھوٹی ٹی کے کاٹنے سے درد ہو مٹا اسے چاقو کا دار کر کے زخمی کر دیا جائے تو مجروح چاقو والے زخم کی وجہ سے چھوٹی ٹی کے کاٹنے والی تکلیف کو بھول جائے گا یہی حال کافروں کا ہوگا، قبر کا عذاب تو ہوگا مگر حشر اور قیامت کے دن والے عذاب کے مقابلہ میں چھوٹی ٹی کے کاٹنے والے درد کی طرح محسوس ہوگا۔

## — دلائل اہل السنت والجماعت اثبات عذاب و نعمت قبر —

مختصر چند دلائل پر التفہیم کیا جا رہا ہے۔ — آیات قرآنیہ —

دلیل اول: قرآن مقدس میں ہے۔  
وَجَاقِلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سُوْءَ الْعَذَابِ الّٰی الّٰی تَكْرَهُوْنَ عَلٰیہَا

عَذَابًا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ :  
 (۳۷) اس آیت میں پہلے تو یہ ارشاد فرمایا کہ مُتَعَلِّقِينَ فِرْعَوْنَ کو سخت عذاب نے گھیر لیا  
 صبح و شام ان پر آگ پیش کی جاتی ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا "وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ  
 أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ" : یعنی قیامت کے دن ان کو اس سے سخت  
 عذاب میں داخل کیا جائے گا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ سے معلوم ہوا کہ اس صبح پہلے جس عذاب  
 کا ذکر ہے وہ قیامت سے پہلے کا ہے۔ اور وہ عذاب قبر اور عذاب برزخ ہی ہو سکتا ہے۔  
 چنانچہ مفسرین کثیرہ اس آیت کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں :-

هَذِهِ الْآيَةُ أَصْلُ كَبِيرٍ فِي اسْتِذْلالِ أَهْلِ النُّشْطَةِ عَلَى

عَذَابِ الْبَرَزِخِ فِي الْقُبُورِ (ابن کثیر ص ۴۵)

دلیل دوم : سورۃ نوح ۱۱ میں ارشاد فرماتے ہیں :-

مِمَّا خَطَبْتَهُمْ أُعْرِقُوا فَأَدْخِلُوا نَارًا : (یٰ نوح)

فہ تعقیب مع الاصل کے لیے آتی ہے فَأَدْخِلُوا کا مطلب یہ بنا کہ قوم نوح کے ڈھونڈے  
 جانے کے فوراً بعد آگ میں داخل کیا گیا تو یہ آگ برزخ ہی کی ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ نارا آخرت  
 تو بہت صدیوں کے بعد آئے گی "أَدْخِلُوا نَارًا" میں نارسے مراد نارا البرزخ ہے۔

دلیل سوم : سورۃ النعام آیت ۹۳ میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں :-

الْيَوْمَ يُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ :

یعنی فرشتے کافروں کو مار مار کر جان نکال لیتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ آج تم کو  
 زلت کی سزا دی جائیگی۔ یہ عذاب قبر ہے کیونکہ قیامت کا عذاب تو کافی مدت کے بعد  
 ہوگا، اور اگر اس سے عذاب قبر مراد نہ ہو تو الْيَوْمَ کا ترتیب ما قبل کے ساتھ صحیح نہ ہوگا۔

### احادیث نبویہ

دلیل چہارم : احادیث میں تو عذاب القبر اور ثواب القبر کا تذکرہ نہایت صراحت  
 اور لواثر کے ساتھ وارد ہوا ہے اور عذاب قبر اور ثواب قبر کے ثبوت پر صحابہؓ اور تابعینؓ کا اجماع  
 بھی ہے اس لیے اس کے انکار کی گنجائش نہیں ہے بہت سے فقہاء اور متکلمین نے منکر عذاب قبر

کی کفر کی ہے جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ محقق ابن الہمام شارح ہدایہ ارشاد فرماتے ہیں :  
 لَا تَجُوزُ الصَّلَاةُ خَلْفَ مَنْكَرٍ أَوْ شَفَاعَةٍ وَالتَّوْبَةُ وَعَذَابُ الْقَبْرِ  
 وَالْكَرَامُ الْكَاتِبِينَ لَا تَمُوتُ كَافِرًا لِتَوَارِثِ هَذِهِ الْأُمُورِ عَنْ الشَّارِحِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فتح القدیر ج ۲ باب الامانة)  
 علامہ نووی عذاب قبر کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کے متعلق فرماتے ہیں :  
 وَالْأَحَادِيثُ فِي ذَلِكَ لَا تَحْصِي كَثِيرًا : بطور نمونہ ان میں سے صرف دو احادیث  
 یہ ہیں :-

حدیث عبداللہ بن عمرؓ مرفوعاً : « إِنْ أَحَدُكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ  
 بِالْقَدَاةِ وَالْأُفْشَى النَّعْمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵ ج ۱)  
 حدیث عائشہؓ : اَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ  
 فَقَالَتْ لَهَا عَاذِلِي اللَّهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ لَنَعْرِضَ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقًّا : (متفق علیہ بحوالہ مذکورہ)

## الْبَحْثُ الشَّانِي — فی بیان مُرادِ قبر

جاتا چاہیے کہ احادیث میں جو قبر کا ذکر آتا ہے اس سے کئی کام عدوت گڑھا مراد نہیں ہے  
 بلکہ اس سے مراد عالم برزخ یعنی مرنے کے بعد سے بعثت تک کی حالت مراد ہے خواہ کئی میں  
 مدفون ہو، یا دریا میں غرق ہو، یا جلا کر ہوا میں اڑا دیا جائے، یا جہاں کہیں بھی ہو وہیں مُعَذَّب  
 یا مُنعم ہوگا۔ بسکن چونکہ اکثر لوگ کئی میں مدفون ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثریت کی بناء پر قبر کا ذکر  
 آتا ہے۔ باقی اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے  
 کہ عالم دنیا، اس عالم برزخ کے سامنے الیا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام عالم دنیا کے سامنے  
 ہے جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے اسی طرح برزخ  
 دنیا و آخرت کے مابین ایک عالم ہے اس کا ثبوت قرآن مُقَدَّس میں اس طرح ہے :-

« وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ بِرُزْخٍ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ط (رَبِّ الْعَالَمِينَ)

قبر کے دو اطلاق ہیں ۱۔ قبر عرفی ۲۔ قبر شرعی ۔ قبر عرفی سے مراد یہ معروف زمین اور گڑھا ہے جس کا بیان سابق میں گذر ہے ۔ اور قبر شرعی سے مراد عالم برزخ ہے ۔ یہ زمینی معروف گڑھا مراد نہیں ۔ کیونکہ پھر سوال ہو گا کہ وہ آدمی جو حریق یا غریق ہے ، یا ماکول فی بطن الحيوانات ہے ۔ اسے تو اس معروف زمینی گڑھے میں دفن نہیں کیا جاتا ، پھر چاہیے کہ اس کو بھی عذاب و نعمت راحت نہ ہو ۔ کیونکہ وہ معروف قبر میں مدفون نہیں ہے ۔ جبکہ بالفاظ جمہور جیسے ہو ، جہاں ہو مؤذّب و منعم ہو گا ۔ ولہذا شریعت مقدسہ کے اندر قبر سے مراد یہ معروف زمینی گڑھا نہیں بلکہ عالم برزخ ہے ۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں :-  
**اقول :** علامہ ہرودی المعروف بملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۲۱ ج ۱ یہ فرماتے ہیں :-

کلّ ما استقرّ فیہ بعد الموت فہو قبر :-

نواب استقرّ میں تعیم ہے جہاں ہو وہی اس کی قبر ہے ۔

**دوّم :** عقیدۃ الطحاوی جس میں امام طحاویؒ نے احاث کے عقائد ذکر فرمائے ہیں ص ۲۲ پر فرماتے ہیں :-

واعلم انّ عذاب القبر هو عذاب البرزخ فکلّ من مات وهو

مستحقّ للعذاب نالہ نصیبہ منہ قبراً ولعقبر :-

**سوم :** والمراد بالقبر ہلہنا عالم البرزخ قال تھانی " ومن

ورائہم برزخ " انی یوم یبعثون " وهو عالم بین الدنیا

والآخرة لہ تعلق بکلّ منہما ولیس بہ الحفرة الّتی یدفن فیہا

المیت فربّ میت لا یدفن کا تعریق والحریق والمأکول

فی بطن الحيوانات یعذب وینعم ویسأل والتعلیق ص ۱۲۱ ج ۱

**چہارم :** علامہ محدث عبدالحق دہلویؒ لکھتے ہیں :-

ومراد بقبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت وتعلق دارد بہر

دو مقام نہ آں گور سے کہ مردہ را در و گور گسترد ۔ (اشعۃ القلعات ص ۱۱۱ باب اثبات عذاب القبر)

ان حوالہ جات و رد روشن کی طرح واضح ہوا کہ قبر سے معروف زمینی گڑھا مراد نہیں بلکہ عالم برزخ ہے ۔

# الْبَحْثُ الثَّالِثُ — فی تحقیق کیفیت عذاب القبر

## عرض حال

یقول ابوالاعلیٰ سعاد : انسان پیدا ہوتے ہی شایع موت پر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے ۔ وہ اپنی پہلی منزل پر موت سے ہٹکار ہو کر عالم برزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور عالم برزخ میں لمبے پیش کیا جاتا ہے ۔ یہ ہمارے فہم و ادراک سے ماورای ہے ۔ ہمارے حواس خمسہ ، آنکھ کی بصارت ، کان کی سماعت ، زبان کا ذائقہ ، ناک کا سونگھنا ، ہاتھ کا لمس بھی حیات بعد الممات کے واقعات کا احساس و ادراک نہیں رکھتے ۔ موت کے بعد قیامت تک کے زمانہ کا نام برزخ ہے ۔ یہ دنیا و آخرت کی زندگی کے درمیان ایک وقفہ اور ایک پردہ ہے یعنی برزخ ایک ایسا محاسب ہے کہ اس کے حالات کا مشاہدہ ہماری نگاہ نہیں کر سکتی ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ قوت ہی عطا نہیں فرمائی کہ وہ اہل برزخ کے حالات دیکھ سکے یا سن سکے ۔

حدیث پاک میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر پر سوار ایک قبرستان سے گذر رہے تھے کہ خچر یکدہا ، آپ نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اس قبرستان میں یہودیوں کو عذاب ہو رہا ہے ۔ اور میں جو کچھ سن رہا ہوں اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کروں وہ نہیں بھی سنائے تو تم اپنے مردہ دفن کرنا چھوڑ دو ۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ ج ۱ باب اثبات عذاب القبر فصل اول عالم برزخ کا عذاب و ثواب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت کے تحت انسان کی نظر و سماعت سے پس پردہ رکھا ہے ۔ اس جہان رنگ و بو میں ایک لاکھ سے زائد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے ۔ یہ ایسا سلسلہ رشد و ہدایت تھا کہ لوگ ایمان نہ لانے کے باوجود انکی پاک بازی و راست گوئی اور بلند فی اخلاق کے متصرف تھے ۔ اور ان کی پاکدامنی پر کسی بد اخلاقی کا داغ لگانے کی جرأت نہیں کر سکے ۔ اس مقدس گروہ کا عقیدہ و اعلان ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں انسان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے



جو کہ قیامت تک رہتا ہے۔ مقام ہذا پر استدلال حدیث کی روشنی میں اس بات کی  
وضاحت کی گئی ہے کہ میت کسی حالت میں بھی ہو وہ قبر کے اندر ہو یا باہر اس کا جسم آگ میں  
جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا دی گئی ہو یا ہوا میں اڑا دی گئی ہو۔ یا جانور کھا گئے ہوں  
ان تمام صورتوں میں برزخ کا عذاب و ثواب میت کو ہوتا ہے مگر آگے یہ کہ محل عذاب  
کیا ہے؟ روح پر فقط، روح مع الجسد منصری پر، یا جسد ثانی پر۔ یہی تشریح مقام ہذا  
پر مطلوب ہے۔ بندہ نااہل ابوالاسعاد اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے حسب توفیق  
ایزدی کوشش کی ہے جو مفہوم جمہور سلف و خلف کے ہاں معتبر و غیر معتبر ہے۔ اسے بیان کر دیا  
جائے۔ مگر یہ بندہ اس میں کہاں تک کامیاب رہا۔ یہ ناظرین و قارئین باعقلین کے عقل سلیم  
پر موقوف ہے کہ وہ جو فیصلہ فرماویں۔ بقول علامہ شاطبیؒ

وَأَمَّا هِيَ أَعْمَالُهَا بِبَيْنَتِهَا خُذْ مَا صَفَّ وَاحْتِمْ بِالْعَوْمِ مَا كَدَمَا

ترجمہ: اور یہ مجموعہ تو صرف ایسے اعمال ہیں جو اپنی نیت کے موافق ہیں پس جو مضمون ماضیہ  
صحیح ہو اس کو تو توڑ دے۔ جو گدلا درغلل ہو اس کو معافی کے باعث برداشت کر دے۔  
آمدوم بر سر مطلب۔ اس بات میں کہ محل عذاب کیا ہے؟ صرف روح پر  
ہوتا ہے، یا صرف جسم پر ہوتا ہے؟ یا دونوں پر ہوتا ہے۔ اس میں فرق اسلامیہ کے مذاہب  
مختلف ہیں۔ یہاں صرف اہم اور مشہور مذاہب کے بیان پر اکتفا کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن کریم اور ابو الحسن مالکی وغیرہ کا مذہب یہ ہے  
مذہب اول کہ عذاب صرف جسم پر ہوتا ہے۔ لیکن جس جسم پر عذاب  
ہو رہا ہے اس میں کسی قسم کی بھی حیات نہیں ہے اس سے روح کا کوئی تعلق نہیں۔ بالکل  
بے جان ہونے کے باوجود جسم پر عذاب مانتے ہیں یہ آتنا احمقانہ مذہب ہے کہ قابل تردید  
بھی نہیں مشہور متکلم علامہ خیالیؒ شرح عقائد کے ص ۱۹ حاشیہ ۲ پر ارقام فرماتے ہیں  
وَجَوَّزَ بَعْضُهُمْ تَعَذُّبَ نَبِيِّ عَدِ الْجَنَّةِ وَلَا شَكَّ أَنَّ سَعْسَطَةَ

علامہ ابن حزم ظاہریؒ اور ابن میسرہؒ، ابن قیمؒ و ان لوگوں

مذہب دوم کا مذہب یہ ہے کہ برزخ میں عذاب و ثواب صرف روح  
کو ہوتا ہے جسم کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ مذہب اجماع حدیث صریح ظاہرہ کے خلاف ہے

کیونکہ عذاب قبر کی روایات اس پر دال ہیں کہ یہ معاملہ جسم پر ہو رہا ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص ۲۲  
باب آداب الخلاء کی فصل اول میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
دو قبروں کے پاس سے گذرے اور فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے ان دونوں پر پٹنی گاڑی  
ہے۔ یہ حدیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عذاب اسی گڑھے میں ہو رہا ہے۔  
تیسرا حدیث میں تصریح ہے۔ یَعْنَانِ لِذُنُوزِ الشَّعْطِ عَلَيْهِ قَتْلَتُمُ عَلَيْهِ فَتَحْتَلِفُ  
أَصْدَاقُهُ فِي الظَّالِمَاتِ عَذَابِ حَمِّهِمْ بِرُؤُلَاتِ كَرِهِيهِمْ۔

صوفیاء کرام کا مذہب یہ ہے کہ روح مع الجسد المتالیٰ پر عذاب  
ہوتا ہے نہ کہ جسد منفرد پر یعنی یہ حضرات جسد متالیٰ پر وقوع عذاب  
کے قائل ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد اندر شاہ صاحب کتبیریؒ فرماتے ہیں :-

”وذهب الصوفية الى انه جسد المتالی وهو اكشف عن علم

الارواح واللطيف من علم الاجساد رفيع الباری ص ۲۹ ج ۲

نیز فرماتے ہیں :-

”قال الصوفية انه بالجسد المتالی دون المتالی (یعنی الباری ص ۲۹ ج ۲)

توقیف و تفویض محض، یعنی کیفیت عذاب رب ذوالجلال  
ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ عذاب ہوتا ہے۔  
چنانچہ علامہ ابن الہمام مامرہؒ میں فرماتے ہیں :-

العذاب حق والکیف مفوض الى الله جل شأنه ومنه وای

من العنيفة من اوجب التصديق بذلك ای العذاب

المتبر ونعیمه ومنع من الاشتغال بالکیف ای بکیفیت

عود الروح والادراك بل طریقہ ہوا تفویض ای تفویض

علم کیفیتہ ذالک الى الخالق عز وجل کما هو شان السلف

فی تفویض علم ما یشکل ظاهراً الیه سبحانه وتعالى رؤسائهم

اہل السنۃ والجماعہ کے نزدیک عذاب ثواب جسد منفرد مع الروح

پر ہوتا ہے اور جسم میں نوع من الحیات ہوتی ہے۔ لیکن یہ

حیات ایسی نہیں ہوتی جس میں کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت ہو اور جس میں روح جسم کے اندر تصرف اور تدبیر کرتی ہو اس وقت جو دنیا میں ہماری حیات ہے اس میں روح کا جسد سے تدبیر و تصرف کا تعلق ہے اور ایسے تعلق سے جسم کی حرکات محسوس ہوتی رہتی ہیں اور اسے کھانے پینے کی احتیاج ہوتی ہے۔ قبر میں روح کا جسد سے تعلق تو ہے جس سے نوع من الحیات پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ تعلق تدبیر و تصرف کا نہیں ہے وہ دنیا میں تھا اور ختم ہو گیا ایسا تعلق دوبارہ صرف آخرت میں ہوگا۔

## موقف اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل

اہل السنۃ والجماعۃ نے عذاب قبر کے بارے میں جو موقف اختیار کیا ہے یہ بالکل احادیث صحیحہ صریحہ کے مطابق ہے چند دلائل ملاحظہ فرمادیں۔

**مستدل اول۔** مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ ج ۱ فصل اول باب اثبات عذاب القبر میں حضرت انسؓ کی روایت ہے ”إِنَّ الْعَذَابَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ أَثَامًا مَلَكًا“ اس سے معلوم ہوا کہ جس قبر میں اس بندہ کو دفن کرنے والوں نے رکھا ہے وہیں فرشتے آتے ہیں سوال و جواب دہیں ہوتا ہے۔ پھر اسی روایت میں ہے یُقْعَدُ لَہٗ یہ بٹھانا بھی جسم کی کیفیت ”لِیَسْمَعُهَا مِنْ یَلِیْہِ غَیْرَ الْمُتَقِیْنَ“ یہ نقل صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ معاملات اس قبر میں جوتے ہیں۔ **مستدل دوم۔** مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ ج ۱ فصل اول باب اثبات عذاب القبر حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے ”فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ تَبْتَغِي فِي قَبْرِہَا“ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس گڑھے میں یہ جسم خاک کی رکھا گیا ہے وہیں عذاب ہو رہا ہے اس لیے تو انہیں قبروں کے پاس پہنچ کر سواری بد کی ہے۔

**مستدل سوم۔** مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ ج ۱ باب آداب القلادہ فصل اول میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرتے اور فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے ”قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَا لَیْسَ بَیْنَهُمَا“ پھر ان دونوں پر ٹہنیاں گاڑ دیں۔ یہ روایت صراحۃً اس بات پر دلالت

کرتی ہے کہ یہ عذاب اسی گڑھے میں ہو رہا ہے جس کے پاس سے حضورؐ گزرے تھے۔  
**مستدل چہارم**۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱ باب اثبات عذاب القبر فعل ثانی  
 حضرت براہ بن عازب کی گویا روایت ہے اس میں تصریح ہے ”و یعاد روحہ فی  
 جسدہ“ کہ روح کا جسم میں اعادہ کیا جاتا ہے اس سے تو بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ جسم  
 مع الروح پر عذاب و ثواب ہو رہا ہے اور روح کا جسد کے ساتھ تعلق ہے۔

یقول ابوالامجاد: حضرت براہ بن عازب کی روایت پر بہت اعتراضات  
 کیے گئے ہیں (خصوصاً علامہ ابن حزم ظاہری نے روایت براہ بن عازب کو ایسی ہیجانی ثابت کرنے  
 کی بڑی کوشش کی ہے) تو ان سب کے ثانی، کافی دانی جوابات علماء نے دے دیئے ہیں۔  
 من شاء فلیطالع کتاب الروح للحافظ ابن القیثم۔

ثانیاً: اگر روایت براہ بن عازب سے دلیل نہ بھی پکڑی جائے تو بھی کوئی مفسر نہیں  
 کیونکہ ہمارا مقصد صحیحین کی حدیثوں (بحوالہ مشکوٰۃ شریف) سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔  
 ثالثاً: اس بندہ ناکارہ نے حسب توفیق ایڑی حضرت براہ بن عازب کی روایت پر  
 ہونے والے چند اعتراضات کے مختصر جوابات دینے کی کوشش کی ہے جو معتبر کتابوں کے حوالے  
 نقل کرنے کے بعد پیش خدمت ہوں گے

### کتب معتبرہ سے چند حوالہ جات

حوالہ جات میں عربی عبارت کے متن کا مکمل اردو ترجمہ کرنے کے بجائے صرف مفہوم اور  
 منطوقاً اشارہ کر دیا گیا ہے تاکہ طوالت کلام سے بچا جا سکے۔ نافہم یا تمنا الہی  
 محقق و مدقق علامہ ابن الہمام رقم طراز ہیں :-

**حوالہ اول** ”ولن اکان الحق ان المیت المعبذب فی قبرہ  
 نوضع فیہ الحیات بقدر ما یحس بالذکر والبشیۃ لیست لبشرط  
 عند اهل السنۃ حتی لو کان متفرق الاجزاء بحيث لا تنصیز الاجزاء  
 بل هی مختلطۃ بالتقارب فغذب جعلت الحیات فی تلك الاجزاء  
 انی لا یاخذها البصر وان الله علی ذلک لقدير“ فتح القدیر ص ۱۲۷

ملفوظہ احیاء التراث العربی بیروت

عسقلہ ابن الہمام کی عبارت کا مفہوم واضح ہے کہ جسم پر عذاب ہونے کے لیے یا روح کا جسم سے تعلق ہونے کے لیے بقاۃ البدن شرط نہیں ہے یعنی اس کے لیے جسم کے ڈھانچہ کا محفوظ رہنا شرط نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی قدرت یہ ہے کہ جسم کے کل یا بعض اجزاء جو مٹی میں مل چکے ہوں کہ جن کی تیز شکل ہو۔ روح کا تعلق قائم کر کے ان میں نوع من الحیاة پیدا کر کے عذاب و ثواب دے۔ فافہم و تذکر! تعالیٰ۔

اہم نویدی تشریح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۸۵ و ص ۲۸۶ باب عرض

### حوالہ دوم

مقعد المیت من الجنة والنار علیہ۔ میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے۔ مذاہب نقل کرنے کے ساتھ ساتھ شبہات کے بھی جوابات ارشاد فرمائے ہیں اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کو واضح کیا ہے فرماتے ہیں:-

”ثم المحدث بعبء اهل السنة الجسد بعد ابعاضه

بعد اعاده الروح اليه او الى اجزاء منه“

اعادۃ الروح کے الفاظ دال برسلک اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:-

### حوالہ سوم

”وذهب ابن حزم وابن هبيرة الى ان السؤال

يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد وخالفهم الجمهور

فقالوا تعاد الروح الى الجسد او بعضه كما ثبت في الحديث

ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بهذا الاختصاص

رفسح البسار في شرح صحيح بخاری باب ما جاء في عند ابا القبر

ص ۱۲۵ ج ۲ ملفوظہ دارالعرفت بیروت

عبارت مذکورہ کے الفاظ ”تعاد الروح الى الجسد او بعضه“ واضح طور پر دال بر

سلک اہل السنۃ والجماعۃ ہیں خصوصاً کما ثبت فی الحدیث کے الفاظ۔

فقہ اکبر میں ہے:-

### حوالہ چہارم

سؤال منکر و تکبر حق فی القبر و اعادۃ الروح

الما اتجسد فی قبرہ حق و ضلطة القبر حق و عند اہل حق  
 للکافرین کلہم اجمعین و بعض عصاة المؤمنین - مثلاً  
 اسی عبارت کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں،  
 اعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق في الميت  
 نوعاً حياً في القبر بقدر ما يتألم ويلتذّر شرح فقہ اکبر ص ۱۱۲  
 مطبوعہ مطبع مجتہدائی دہلی

ملا علی قاریؒ باب اثبات عذاب القبر کی دوسری حدیث کی  
 شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وفیه دلالة علی حیاة الميت فی القبر لأن الاحساس بدون  
 الحیاة مستنزع عادة - (مرقوقا شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۰۱ باب  
 اثبات عذاب القبر -)

## حدیث برادر بن عازب پر اعتراضات اور ان کے جوابات

جن احادیث صحیحہ سے جہوڑا بن السنہ والجماعہ نے اپنے مسلک پر دلیل پکڑی ہے  
 ان میں ایک حدیث حضرت برادر بن عازبؓ بھی ہے اس میں یہ لفظ ہیں " یعاد روحہ  
 فی جسده " اس کی سند پر کچھ اعتراضات کہے گئے ہیں اور معتزنین میں ہر فہرست  
 حافظ ابن حزمؒ ہیں - انہوں نے بڑی کوشش کی ہے اس حدیث کو گراسنے کی - یہاں ان  
 اعتراضات کو نقل کر کے مختصراً جواب دیں گے - مزید تشریح منشاء فیضان کتب  
 الروح للناظر ابن القتیوبہ -

اس حدیث پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کو حضرت برادرؓ  
 سے نقل کرنے والے نا اذان ہیں اور وہ " یعاد روحہ "

یعنی جسدہ " وال زیادتی نقل کرنے میں متعذر ہیں - ونبذا منفرد کی زیادتی غیر مقبول ہے -

## جواب اول

یہ ہے کہ زاذان ثقہ ہیں بہت سے ائمہ حدیث نے ان کی توثیق کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ حمید

بن ہلال نے ان کے بارے میں کہا ہے "هو ثقہ لا یسئل عن مثل هؤلاء" (کتاب الروح ص ۵) یحییٰ بن معین کا قول حافظ نے نقل کیا ہے "ثقہ لا یسئل عن مثله" (تہذیب التہذیب ص ۲۰۳)

محمد بن یحییٰ کا یہ مشفقہ قاعدہ ہے کہ ثقہ اگر کسی حدیث میں کوئی زائد بات نقل کرے جس کو دوسرے نقل نہیں کرتے تو یہ زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ لہذا اگر زاذان متغیر بھی ہوں اس زیادتی کے نقل کرنے میں تب بھی قواعد محمد بن یحییٰ کی روشنی میں اسے قبول کرنا پڑے گا۔

حضرت براہیہ سے اس حدیث کو نقل کرنے میں زاذان متغیر

## جواب دوم

نہیں ہے بلکہ ان کے ادبی مبالغات ثقات کہلاتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیم کتاب الروح میں فرماتے ہیں "وقد رواه عن البراء بن عازب جماعة غیرہ اذان منهم عدی بن ثابت و محمد بن عقیقہ و مجاہد (کتاب الروح ص ۵)

اس کے بعد متابعت دلی روایات پیش کی ہیں :

حافظ ابن مندہ کی کتاب کتاب الروح والنفس میں اس سند سے یہ حدیث ہے :-

## متابع اول

اخبرنا محمد بن یعقوب بن یوسف قال حدثنا محمد بن السفار انا ابو النضرهاشم بن القاسم ثنا عیسیٰ بن المستب عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة رجل من الانصار (کتاب الروح ص ۵) بحوالہ کتاب الروح والنفس للحافظ ابن مندہ

اس طویل حدیث میں "تعاذروا" کے لفظ کے بجائے "فتودروا" وحہ "انی مضجعه" کے لفظ ہیں۔ اس سند میں حضرت براہیہ سے نقل کرنے والے

راذان نہیں بلکہ عدی بن ثابت ہیں۔ اور عدی سے نقل کرنے والے منہال نہیں بلکہ عیسیٰ بن شیبہ ہیں۔

ابن مندہ نے ایک اور سند پیش کی ہے امن طریق بن

سلمۃ عن خصیف الجزری عن مجاہد

## مُتَمَلِّح دُوم

عن البراء بن عازب، اس میں براء سے نقل کرنے والے قجاء ہیں اور مجاہد سے نقل کرنے والے منہال نہیں بلکہ خصیف جزری ہیں۔ غرضیکہ نہ راذان مُتَمَلِّح ہے نہ منہال مُتَمَلِّح ہے۔ دونوں پر نفوذ کا الزام غلط ہے۔

**اعتراض دُوم:** اس حدیث پر یہ کیا گیا ہے کہ راذان کو حضرت براءؓ سے سماع حاصل نہیں۔ لہذا یہ روایت مستطیع ہوگی۔

**جواب:** یہ الزام بھی غلط ہے اَوَّلًا اس لیے کہ رجال کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ راذان جن صحابہ کرامؓ سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت براءؓ بن عازب ہیں (کافی تہذیب التہذیب ص ۳ ج ۲)۔ ثانیًا: صحیح ابو عوانہ میں سماع کی تصریح موجود ہے (کتاب الروح ص ۵ ج ۲) یعنی راذان اس کو سَمِعْتُ البراءؓ کہہ کر نقل کرتے ہیں اس کے بعد کسی قسم کا خلجان باقی نہیں رہنا چاہیئے۔

**اعتراض سوّم:** اس حدیث کو راذان سے نقل کرنے والے منہال بن عمرو ہیں اور منہال ضعیف ہیں۔ لہذا یہ حدیث قابل قبول نہیں کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہوگی۔

**جواب:** منہال کو ضعیف کہنا غلط ہے اس لیے کہ بہت سے ائمہ رجال نے ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن القیمؒ اپنی کتاب، کتاب الروح میں فرماتے ہیں:

فالمُنْهَالُ أَحَدُ الثَّقَاتِ الْعَدُولِ قَالَ ابْنُ مَحَلِّينَ الْمُنْهَالُ ثِقَةٌ

وَقَالَ الْعَبْدُ الْكُوفِيُّ ثِقَةٌ (کتاب الروح ص ۵) اسی طرح حافظ ابن حجرؒ

نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے (تہذیب التہذیب ص ۱۰ ج ۱۰)

## حقیقت جرح بر منہال

منہال بن عمرو پر جو جرح کی گئی ہے وہ مفصلًا تہذیب التہذیب میں موجود ہے۔



مختصر عرض ہے کہ منہال بن عمرو کے گھر سے کسی نے گانے کی آواز سنی۔ عاقلاً ابن عمرو  
ارشاد فرماتے ہیں :-

ولیس علی المنہال جرح فی ما حکى ابن ابی حاتم منذ کر حکایۃ الضفدۃ  
آخر میں عاقلاً ابن القیم فرماتے ہیں :-

وجرحہ بهذا التمسک ظاہر رہتا ہے کہ تہذیب التہذیب ص ۲۰ ج ۱۰  
یعنی اس بنا پر ان پر جرح کرنا مکمل ہے انصافی ہے اس لیے کہ اقولہ تو یہ متیقن نہیں کہ  
انہی کے گھر سے آواز آرہی تھی ہو سکتا ہے کہ پڑوس کے گھر سے یہ آواز آئی ہو۔ ثانیاً اگر انہی  
کے گھر سے آئی تھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ وہاں موجود نہ ہوں۔ یا یہ بات ان کے علم میں نہ ہو۔ اس لیے  
اس بنا پر جرح بعید از انصاف ہے۔ عاقلاً ابن جریر نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

قال وہب بن جریر عن شعبۃ انیث منزل المنہال سمعت  
منہ صوت الطنبور فرجعت ولما سئلہ قلت فہذا سألته

عنی کان لا یعلم رہتا ہے کہ تہذیب التہذیب ص ۲۰ ج ۱۰

اس سے ثابت ہوا کہ شعبہ کو اس بات کی ہرگز اور بالکل متیقن نہیں ہوئی کہ واقعی یہ آواز  
ان کے اختیار میں تھی اور ان کے علم میں تھی۔

یقول ابوالاسعاد : اگر علی سبیل التزلزل تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ زیادتی "یساد  
روحہ الی جسدہ" منہال بن عمرو کی وجہ سے ضعیف ہے تب بھی اس کو تسلیم کیے بغیر چارہ کار  
و قرار ممکن نہیں۔ اس لیے کہ عند الحدیث حدیث ضعیف کو اگر تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے  
تو وہ حدیث صحیح کے حکم میں ہوتی ہے۔ آپ کو بہت سے مسائل کی احادیث ایسی نظر آئیں گی  
کہ جن کی سند پر کلام ہے لیکن اس سے جو مسئلہ نکلتا ہے اس کو اکثر تسلیم کرتے ہیں۔ سنن  
ترمذی شریف میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ امام ترمذی حدیث کی سند پر کلام  
فرماتے ہیں اس کے بدلیوں گویا ہوتے ہیں "والفعل علیہ عند اهل العلم"  
آخر میں حدیث مذکورہ کی محنت کے بارہ میں ائمہ حدیث سے دو شہاد میں پیش کرنا  
مناسب سمجھتا ہوں :-

**شہادت اولیٰ** | حدیث کے مشہور امام حافظ ابو عبد اللہ اللہ الحاکم اپنی کتاب "المستدرک" میں فرماتے ہیں :-

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَقَدْ احْتَجَّ جَمِيعًا بِالْعُضَمَاءِ بَنِي عَمْرٍو وَنَازِدَانَ ابْنِ عَمْرِو الْكَلْبِيِّ وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ فَوَائِدُ كَثِيرَةٌ لِأَهْلِ السُّنَنِ وَقَمَعَ لِلْعُبَيْدِ عَمْرٍو - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ حَاكِمٌ ص ۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

**شہادت ثانیہ** | حافظ ابن قیمؒ اس حدیث کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں "هَذَا حَدِيثٌ ثَابِتٌ مَشْهُورٌ مُتَّفَقٌ

صَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُحَافِظِ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِنَ الْمُتَعَدِّ الْحَدِيثِ طَعَنَ فِيهِ بَلَرُوهَ فِي كُتُبِهِمْ وَتَلَقَّوْهُ بِالْقَبُولِ وَجَعَلُوهُ أَصْلًا مِنْ أَصُولِ الَّذِينَ فِي عِلَالِ الْقَبْرِ وَنَفِيسِهِ وَسَأَلَهُ مَنْكَرٌ وَنَكِيرٌ وَقَبَضَ الْأَرْوَاحَ وَصَعِدُوا إِلَى بَيْتِ يَدَيِ اللَّهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى الْقَبْرِ (كتاب الروح ص ۵۵)

**اختتامیہ** | اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ، ہمچھ، صریحہ کے مطابق اہل السنۃ

والجماعۃ کے نزدیک عذاب اسی دفن کیے ہوئے جسم پر ہوتا ہے اور روح کے تعلق سے اس میں ایک گونہ حیات ہوتی ہے۔ اور اس میں جو اہم اشکالات تھے۔ ان کے جواباً کا خلاصہ حسب تو نسیق ایزدی پیش کر دیا ہے۔ مزید مسئلہ شاء فلیطالع الی کتب المطبوع۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم !

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

ابوالاسود دوسٹ جاجرووی

نژادیں جامعہ اسلامیہ بدر العلوم عمادیہ

رحیم پور راجان - ۲۶/۶/۱۴۲۳ھ

## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ  
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ الْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي  
النَّفَرِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ  
فَدَلَّكَ قَوْلُهُ يُثَبِّتُ اللَّهُ  
الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ  
فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
براء بن عازب سے وہ نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا کہ مسلمان ہے  
جس وقت قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو  
گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی  
معبود نہیں، بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب ہے  
اس ارشاد ربانی کا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں  
کو ثابت و قائم رکھتا ہے جو ایمان لانے  
ہیں مضبوط اور محکم طریقہ پر ثابت رکھنا دنیا  
کی زندگی میں اور آخرت میں۔

قَوْلُهُ الْمُسْلِمُ ، مقام ہذا پر ایک سوال ہوتا ہے :

سوال : لفظ مُسْلِمٌ مذکر مؤنث میں پر لا جاتا ہے حالانکہ قبر میں سوال مذکر مؤنث  
دونوں سے ہو گا مگر حضرت نے مذکر کی تخصیص کیوں فرمائی ؟

جواب اول : الْمُسْلِمُ کی الف لام جنس کی ہے اور مُسْلِمٌ کا معنی ہے مَنْ أَسْلَمَ  
جو بھی اسلام لائے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث ہو لہذا عمومیت کی وجہ سے مذکر مؤنث دونوں  
کو شامل ہے۔

جواب دوم : یہ کہ مُسْلِمٌ سے مُذْكَرٌ مراد ہے۔ مگر ذابت باری تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے کہ

احکام کے اندر جانوں کو خطاب فرماتے ہیں۔ لیکن عورتیں تبعاً آجاتی ہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ ”کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ“ جب کہ فرضیتِ صیام میں رجال و نساء دونوں برابر ہیں مگر خطاب رجال کو ہے۔

قولہ اِذَا شِئِلَ فِي الْقَبْرِ : یعنی جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے۔  
سوال : یہ سوال تو ہر میت سے ہوتا ہے قبر میں دفن ہو یا نہ ہو پھر قبر کی تفصیص کیوں کی گئی؟  
جواب : شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللغات میں فرماتے ہیں کہ یہاں قبر سے اصطلاحی قبر یعنی مسروقہ زمینی گڑھا مراد نہیں بلکہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے یعنی جہاں میت موجود ہو جس حالت و جس کیفیت میں ہو کما مؤانفاً۔

قبر کے دو اطلاق ہیں ایک نقباء حضرات کا دوسرا متکلمین حضرات کا۔  
فناء حضرات کے نزدیک قبر کا اطلاق اس گڑھے پر ہے جس میں لاش رکھی جاتی ہے کیونکہ نقباء حضرات بحث کرتے ہیں احکام کی اور احکام اس گڑھے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ متکلمین حضرات کے نزدیک قبر اس گڑھے کا نام نہیں بلکہ برزخ کا نام قبر ہے اس لیے ان کی بحث عذاب و تنعیم سے ہے اور عذاب و تنعیم کا تعلق اس گڑھے کے ساتھ نہیں کیونکہ اس گڑھے میں عذاب قبر نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں عذاب ہوتا ہے تو اس سے یہ سوال دفع ہو گیا جیسا کہ سابق میں گذرا کہ ایک آدمی کو آگ میں جلا دیا جاتا ہے یا پانی میں ڈبو دیا جاتا ہے اور اس کو پھلیاں وغیرہ کھا جاتی ہیں اور اس کو قبر میں دفن نہیں کیا گیا تو پھر اس کو عذاب کیسے ہو رہا ہے کیونکہ یہ دفن نہیں کیا گیا تو متکلمین حضرات بھی جواب دیتے ہیں کہ قبر سے مراد برزخ ہے اور برزخ میں ہر ایک پہنچ جاتا ہے یہ گڑھا مراد نہیں۔ اب اس برزخ کی تشریح ہو جائے کہ برزخ کا کیا معنی ہے۔

## تشریح برزخ

برزخ کے دو معنی ہیں لغوی و اصطلاحی۔  
لغوی معنی : آڑ اور حد فاصل کے ہیں : کما فی قولہ تعالیٰ ”وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ“  
بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ط رِبِّ الْمُؤْمِنُوْنَ

**اصطلاحی معنی** : دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے ”هُوَ مَا بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ (کتاب الروح ص ۹) ”واسطاعت میان دنیا و آخرت“ (اشعۃ اللمعات) بعض صوفیاء اس کو عالم مثال بھی کہتے ہیں۔

**سوال** : تم کہتے ہو کہ عذاب قبر سے عذاب برزخ مراد ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر فرماتے ہیں۔ دوسرے محدثین حضرات بھی عذاب قبر کہتے ہیں نہ کہ عذاب برزخ۔

**جواب** : عذاب برزخ کو عذاب قبر کہنا باعتبار غالبیت کے ہے کیونکہ اکثر طور پر مردوں کو قبروں میں دفن کیا جاتا ہے یہ شاذ و نادر ہے کہ کسی کو آگ میں جلا یا جاکے تو غالبیت کی بناء پر عذاب قبر کہا جائے۔  
وَسَمِعَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَنَفْسُهُ وَاتَّهَ رَوْضَةٌ أَوْ حَفْرَةٌ نَارٍ  
بِاعْتِبَارِ غَالِبِ الْخَلْقِ (کتاب الروح ص ۹)

**سوال** : قولہ مَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ : یہ آیت عذاب قبر کے بیان میں نازل ہوئی۔ اس آیت میں مؤمن کو عذاب ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مؤمن کے ثابت رہنے کا ذکر ہے۔ پھر یہ کیسے فرمایا کہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سوال کو یوں بھی پیش کیا جاسکتا ہے کہ سورۃ ابراہیم کی آیت ۲۷ ہے اور سورۃ ابراہیم تو رکئی ہے اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا۔ اب یہ آیت عذاب قبر کے لیے کیسے ہو سکتی ہے ؟

**جواب اول** - سورۃ ابراہیم کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے لیکن یہ کہیں مرقی صحیحہ سے منقول نہیں۔

**جواب دوم** : مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ ”يَا تَقُولِ الثَّابِتِ“ سے مراد کلمہ شہادت ہے اور حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ فی الآخِرَةِ سے مراد قبر ہے اور قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔

**جواب سوم** : آیت میں لفظ فی الآخِرَةِ وارد ہوا ہے۔ اور آخرت دو ہیں۔ عا آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ و عا آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر۔

لفظ آخرت اپنے عہد کی وجہ سے دونوں کو شامل ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمنین کے متعلق ثابت قدم رکھنے اور کافروں کے متعلق ثابت قدم نہ رہنے کا وہ حصہ جو قیامت کے متعلق تھا وہ مکمل ہی میں منکشف ہو گیا، اور دوسرا حصہ یعنی عذابِ قبر اور نعیمِ قبر مدینہ میں منکشف ہوا۔ پس آیت کے نکلنے اور آیت کے عذابِ قبر کے بارہ میں نازل ہونے میں کوئی تباہی نہیں رہی۔

قَوْلُهُ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ - قبر میں تین سوال ہوں گے۔ ۱۔ رب کے متعلق مدارِ رسول کے متعلق مدارِ مذہب کے متعلق۔

سوال : ان تین کی تفصیل کیوں ہے ؟  
جواب : انسان دنیا میں تین تعلق قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ ۱۔

اَوَّلُ مَا لَكَ مِنْ جِسْمِكَ سَوَالِ مَنْ رَبُّكَ سے ہوگا۔

دَوِّمُ رَسُولِ مَنْ جِسْمِكَ سَوَالِ مَنْ رَبُّكَ سے ہوگا۔

ثَلَاثُ مَذْهَبِ مَنْ جِسْمِكَ سَوَالِ مَنْ رَبُّكَ سے ہوگا۔

تخصیص کی وجہ بھی یہی تین تعلق ہیں اور یہی مدارِ نجات ہیں۔

قَوْلُهُ وَمَنْبِئِي مُحَمَّدٌ :

سوال : یہ ہے کہ سوال تو صرف یہ تھا مَنْ رَبُّكَ تو جواب میں نبی کا اضافہ کیوں کیا گیا۔

جواب اول : دراصل سوال میں مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ رَبُّكَ تھا لیکن راوی نے اختصار

کر دیا جس پر دوسری روایت دال ہے۔

جواب دوم : چونکہ مؤمن کو یقین ہوگا کہ دوسرا سوال نبوت ہی کے بارہ میں ہوگا اس لیے

خوشی و مسرت میں سوالوں سے قبل ہی جواب دے گا۔ خلاصہ یہ کہ غایتِ سرور کی وجہ

جواب میں اضافہ کر دیا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انس

سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے کہ جب بندے کو قبر میں رکھا جائے

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ سَأَلَ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا أُلْقِيَ إِذَا وَضِعَ فِي قَبْرِهِ وَ

تَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ أَلَسَّ  
لَيْسَمُ قَرَعَ نَعَالِهِمْ أَنَا مَلَكًا  
فَيَقْعِدُ أَنَّهُ فَيَقُولُ مَا كُنْتُ  
تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمَحَمَّدٍ

اور اس کے ساتھی کوٹھتے ہیں تو وہ ان کی  
جو تہیوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس  
دو فرشتے آتے ہیں اور بٹھاتے ہیں، پھر  
کہتے ہیں کہ تو اس صاحب کے متعلق کیا کہتا  
تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں۔

قَوْلُهُ تَوَلَّى : تَوَلَّى كِي تَشْرِيحُ خُودِ حَدِيثِ پاكِ هِي هِي جيسا كہ مسلم شریف كِي رِوَايَتِ  
كے الفاظ هِي اِذَا النِّصْرُ فُؤَا تَوَلَّى كِي تَوَلَّى هِي پھر نامراد هے

قَوْلُهُ لَيْسَمُ : يَهْ بِفَتْحِ اللّٰمِ هِي لَتَاكِيْدِ-

قَوْلُهُ قَرَعَ نَعَالِهِمْ : قَرَعَ بِمَعْنَى صَوْتِ نَعَالٍ بِكسر النون جمع نَعْلٍ بِمَعْنَى جَوْتِ  
يعني جوتيوں كِي كھڑكھڑا هٹ يہ جملہ حاليہ هے اس سے پہلے داؤ مقدر هے - وَاسْتَأْذَنَ اور اَنَاءُ جزا  
هے اِذَا وُضِعَ كِي يَأْتِي لَيْسَمُ جزا هے اور اَنَاءُ جملہ حاليہ هے ، اس سے قبل قَدْ مقدر  
هے اَيَّ قَدْ اَنَاءُ -

جو حضرات سماعِ نوٹی كے قائل هِيں وہ روایت مذكورہ سے دليل پكڑتے

هِيں كہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا كہ مُردہ دفن كر كے واليس ہونے

والے آدميوں كِي جوتيوں كِي آ هٹ سنتا هے تو معلوم هوا كہ سماع ثابت هے - بندہ اللہ الاعلىٰ

عرض گزار هے كہ اس كِي كَمَلِ بَحْثِ "الْمَذْهَبُ الْمَأْثُورُ فِي بَيَانِ عِلْمِ

سَمَاعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ" ، (زير طبع) ميں ملاحظہ كِي جاسكتي هے -

ثَانِيًا جو حضرات سماعِ نوٹی كے قائل هِيں وہ سماعِ كَلِي كے قائل هِيں - جب كہ حديث

مذكورہ ميں سماعِ جُزْئِي كَا اثبات هے كيونكہ حديثِ پاكِ كے الفاظ هِيں أَصْحَابُهُ اور نَعَالِهِمْ

كِي ضمير أَصْحَابُ كِي طرف لوٹ رهي هے - لہذا صرف ان كِي جوتيوں كِي آواز سُن رہا ہوتا هے

نہ كہ ہر آواز -

ثَالِثًا يہ حديث خبر واحد هے جب كہ قرآن مقدس كے اندر نص قطعي آچكي هے -

”وَمَا أَنْتَ بِمُصْبِحٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ“ اور حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نص قطعی کے مقابلہ میں جب خبر واحد آجائے تو نص قطعی کو اپنے مورد پر بند کرتے ہوئے خبر واحد میں تاویل کریں گے۔ چنانچہ اب خبر واحد (حدیث قرع نعال) میں تاویل کریں گے، اور یہ تاویل فقیہ اُمت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گتنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے کوکب الدردی ص ۳۹ و تقریر الجنبوہی ص ۳۲ میں یہ کی ہے کہ یہ ہے سُرْعَتِ اِثْنَانِ مَلَکَیْنِ سے کہ فرشتے اتنی جلد ہی نازل ہوتے ہیں کہ ابھی آپ مٹی ڈال کر غارِ جو رہے ہوتے ہو کہ فرشتوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔

قَوْلُهُ اِنَّكَ مَلَکَانِ : اور اس کے پاس قبر میں دو فرشتے آجاتے ہیں۔ یہ دو فرشتے کون ہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔

اَوَّلُ : بعض علماء کے نزدیک کرائما کا تین کی طرح ایک جماعت کثیرہ ہے وہ حجاب لیتی ہے لہذا ملککان سے وہی مراد ہیں۔

دَوِّمُ : جمہور حضرات کے نزدیک ملککان سے مراد منکر و نکیر ہیں۔ منکر بفتح الکاف بصیغہ اسم مفعول (دوسرا نکیر بروزن فیعل سیاہ رنگ، نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں چونکہ ان کی شکل و صورت بالکل اوپری ہوتی ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہ اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے، بالکل نئی مخلوق ہوتی ہے۔ اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر و نکیر ہے۔ عند البعض یہ فرشتے ساتلین کفار ہوتے ہیں۔ اور مؤمنین کے لیے سوال کرنے والوں کا نام مبشر و بشر ہے۔

سوال : ہوتا ہے کہ دو فرشتے وقت واحد میں تمام مردوں سے مختلف مقامات میں یکے سوال کر سکتے ہیں۔

جواب اَوَّلُ : یہ دو گرد ہوں کا نام ہے جن کے تحت بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ جواب دَوِّمُ : اللہ پاک نے ان کو اتنی قوتِ سماعت دے رکھی ہے کہ دو فرشتے وقت واحد میں تمام مردوں سے مختلف مقامات میں سوال کر سکتے ہیں جیسا کہ اللہ پاک نے ہزاروں کی بستیوں کو فرشتوں کے پردوں پر اٹھا کر اور اللہ کر تباہ کر دیا۔ کھافی واقعۃً قوم لوطؑ سوال۔ ہر مردے سے سوال کرنے کے لیے دو فرشتے مقرر کرنے کی حکمت کیا ہے؟



**جواب :** یہ دو فرشتے بمنزلہ دو گواہوں کے ہیں یا یہ کہ دونوں کرائما کا تبین کے قائم مقام ہیں۔

قوله فَيَقْبِضَانِهِ : یہاں پر دو چیزیں ملاحظہ فرمادیں : ۱۔ قعود : یہ مقابل قیام ۲۔ جلوس یہ مقابل اضطجاع (یعنی لیٹنا) ہے۔

**سوال :** حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ اس کو اٹھاتے ہیں حالانکہ قعود مقابل قیام ہے یہاں پر جلوس ہونا چاہیے تھا۔ قعود کہنا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ میت کھڑا نہیں ہوتا بلکہ لیٹا ہوا ہوتا ہے۔

**جواب اول :** بعض دفعہ عرف میں مطلق بیٹھنے کے معنی پر بھی لفظ قعود کا اخلاق ہوتا ہے۔ - هَكَذَا فِي هَذَا الْمَقَامِ :  
**جواب دوم :** یہ روایت بالمعنی ہے کیونکہ بعض روایت فَيَجْلِسَانِهِ ہے ازل سے ثانی اولیٰ ہے۔

## قبر کے سوال و جواب میں مؤمن و کافر برابر ہیں فرق ہے

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سوال و جواب مؤمن اور کافر سب ہوگا یا صرف کافر سے ہوگا یا صرف مؤمن سے ہوگا اس بارے میں دو قول ہیں۔

**قول اول :** حافظ ابن القیم اور علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ سوال مؤمن اور منافق سے ہوگا، کافر سے سوال نہیں ہوگا کیونکہ سوال تو امتیاز کے لیے ہوگا جبکہ یہاں امتیاز کی ضرورت نہیں اس لیے کہ کافر مجاہدین القباس نہیں ہے۔

**سوال :** بعض حدیث پاک میں کافر کا ذکر صراحتہ آتا ہے۔

**جواب :** کافر سے مراد بھی منافق ہے۔

**قول دوم :** جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ مؤمن کافر سب سوال ہوگا جسے آیات قرآنیہ و احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ - باقی قول ازل والوں

کی یہ دلیل کہ سوال امتیاز کے لیے ہوگا جب کہ کافر کے لیے تو امتیاز کی ضرورت نہیں یہ تو

سہو محض ہے کیونکہ سوال صرف امتیاز کے لیے نہیں ہوگا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ شرافت اور کافروں پر الزام بھی مقصود ہوگا۔ جو یہاں مطلوب ہے۔

قَوْلُهُ فَيَقُولُونَ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمَ حَمَدْتَهُ، اور اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں تم اس شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتے تھے۔

يَقُولُ ابوالاسعاد: هَذَا الرَّجُلُ كَعَدْلٍ لِمَ حَمَدْتَهُ یہ راوی کی طرف سے هَذَا الرَّجُلُ کا بیان ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ فرشتے مختصر اور عام سے لفظ کے ساتھ اس لیے سوال کریں گے تاکہ مسؤل عدل کا پورا امتحان ہو سکے۔ تعلیمی الفاظ و القاب مسؤل سے کو جواب کی طرف تلقین ہو سکتی تھی۔ جب کہ یہ امتحان کے مقصد کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رجل سے تعبیر کرنا مسؤل کے امتحان کے لیے ہے تاکہ وہ سائل فرشتہ کے الفاظ سے جواب نہ بچ سکے۔

هَذَا اشاره قریب کے لیے آتا ہے اور دنیا کے مختلف گوشوں میں سے سوال

ایک ہی وقت میں بہت سے اموات دفن ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ ہر قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔ لہذا اس سے حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت ہوا۔ قاضی میاضی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالی

جواب اول قبر میں پیش کی جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ محدث عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں: با حضار ذات شریف دے در اعیان بایں طریق کہ در قبر شالے از حضرت سے صلی اللہ علیہ وسلم حاضری ساختہ باشند (اشعۃ الکلمات ص ۱۱۱)

يقول شيخ جاجروى رحمه القوي: جمهور حضرات نے محدث کے اس قول کو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی شرح بخاری ص ۲۹ ج ۲ میں فرماتے ہیں: وَلَا تَقْلَعُوا حَدِيثًا صَحِيحًا مَرُويًا فِي ذَلِكَ۔

میت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حجابات اٹھائیے جواب دوم جاتے ہیں جس سے میت خود ذات مبارکہ کا مشاہدہ کر لیتی ہے

لیکن یہ تو جیہ بھی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ ہروی عاقلہ ابن حجر سے نقل کرتے ہیں:-

وَلَا يَلْزَمُ مِنَ الْإِشَارَةِ مَا قِيلَ مِنْ رَفْعِ الْحَجَبِ بَيْنَ الْمَيِّتِ  
وَبَيْنَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَرَاهُ وَيَسْأَلَ عَنْهُ لَوْ أَنَّ مِثْلَ  
ذَلِكَ لَا يَثْبُتُ بِالْإِحْتِمَالِ (مفرد ج ۱)

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ  
هَلْ يَكْشَفُ لَكَ حَتَّى يَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجَابَ  
اَنَّهُ لَوْ يَزُوْجِدُ حَدِيْثٌ وَاِنَّمَا اَدْعَاهُ بَعْضُ مَنْ لَا يَدْعُوْهُ بِهٖ بِغَيْرِ  
مُسْتَنْدٍ (شرح الصدور ص ۵)

بسا اوقات کوئی چیز مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے ذہنوں میں متنب  
جواب سوم | ہوتی ہے تو اس کی طرف اشارہ قریب کر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ حشاً  
وہ چیز غائب ہوتی ہے چنانچہ مرقول ص ۱۳ میں ہے :-

”وَيَجُوزُ عَلَى قَلِيلَةٍ لَفْظِ الْحَاضِرِ نَحْوُ قَاتِلِ هَذَا الرَّجُلِ وَإِنْ كَانَ غَائِبًا“  
تو چونکہ حضور علیہ السلام اپنی شہرت کی وجہ سے مہمود ذہنی ہیں اس لیے بقول علامہ قسطلانی  
اسی مہمود ذہنی کی طرف اشارہ قریب کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی شرح الصدور میں  
فرماتے ہیں :-

”وَلَا انْ اِلْاِشَارَةُ اِلَى الْحَاضِرِ فِي الذِّهْنِ“

اور علامہ علی قاری فرماتے ہیں :-

”وَاللَّامُ لِلْهَدِّ الذِّهْنِي“ (مفرد ج ۱)

کلام نصیح اور بلیغ میں اس کی سیمکڑوں شامل ہیں۔

مثال اول : مسلم شریف ص ۹۶ میں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ مکتہ سے بہت دور تھے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنے تو تحقیق حال کے لیے اپنے بھائی کو بھیجے ہوئے  
کہا ”اِرْكَبْ اِلَى هَذَا الْوَادِي“ بخاری شریف ص ۵۴۴ جب کہ هَذَا الْوَادِي کا اشارہ الہ  
کہ ہے جو وہاں سے بہت دور تھا۔

مثال دوم : حضرت امیر معاویہؓ علاقہ شام سے مدینہ طیبہ میں حضرت حسنؓ کے پاس  
دو قاصد بھیجے ہوئے فرمایا ”اِذْهَبَا اِلَى هَذَا الرَّجُلِ“ بخاری شریف ص ۳۴۲ ج ۱

**مثال سوم**۔ وفد عبد القیسؓ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہے اور اپنے راستہ میں کفارِ مضر کا واقع ہونا ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔  
 وَبَيْنَا وَبَيْنَكَ هَذَا الْعَجَبُ مِنْ كُفَّارٍ مُضَرٍّ (بخاری شریف ص ۱۱۷) جب کہ  
 کفارِ مضر ان سے کوسوں میل دور تھے۔

قَوْلُهُ قَدْ أَبَدَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ ، تحقیق بدل دیا  
 اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کے دو ٹھکانے رکھے ہیں  
 ایک جنت میں ایک دوزخ میں کافر اپنے ٹھکانے پر بھی قبضہ کرتا ہے اور مومن کے دوزخی  
 ٹھکانے پر بھی اور مومن جنت میں اپنا اور کافر کا جنتی ٹھکانا سمجھتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔  
 " إِنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ " یہاں زمین سے جنت کی زمین مراد ہے  
 (جلالین شریف) وَفِي مَقَامٍ آخَرٍ : وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدًا  
 وَأَوْفَرْتَنَا الْأَرْضَ (پہلے نمبر) اور وراثت سے کافر کے حصہ کی ملکیت مراد ہے وہی اس  
 حدیث کا مقصد ہے یعنی اگر توجہ اب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچاتا تو دوزخ میں  
 یہاں رہتا یہ اس لیے کہا جاتا ہے تاکہ مومن کی خوشی دوبالا ہو جائے۔

قَوْلُهُ كُنْتُ أَقُولُ مَا يَسْئَلُونَ ، اس جملہ کا قائل کون ہے اس میں رد قول ہیں  
 اَوَّلُ ، النَّاسُ سے مراد مومن ہے اور قال کا قائل منافق ہے کیونکہ وہ دنیا میں  
 مسلمان کے ساتھ مل کر کلمہ پڑھتا تھا۔

دَوِّمُ : یہ قائل کافر ہو گا لیکن کافر کا کہنا دنیوی عذاب کے لیے ہو گا۔ عند البفس  
 فرق ہے کہ " لَا أَدْرِي " صرف کافر کہے گا اور منافق " لَا أَدْرِي " کے ساتھ كُنْتُ أَقُولُ مَا  
 يَسْئَلُونَ النَّاسُ بھی کہے گا۔

قَوْلُهُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَكَلَيْتَ - دَرَيْتَ یہ درایت سے ہے جس کا معنی ہے  
 سمجھنا۔ تَكَلَيْتَ یہ تلو سے مأخوذ ہے بمعنی پیروی کرنا یعنی اس سے کہا جائے گا کہ نہ تو نے  
 عقل سے پہنچانا اور نہ تو نے جاننے والوں کی پیروی کی یا تَكَلَيْتَ تلاوت سے مأخوذ ہے  
 یعنی نہ تو نے

قرآن پاک کی تلاوت کی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تحقیقی ۲۔ تقلیدی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تحقیقی کی طرح ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کا ایمان۔  
**قولہ بِحُكِّ اَرَقٍ :** مظارِق، مطرقتہ کی جمع ہے بمعنی لوہار کا ہتھوڑا اور گرز،  
**قولہ يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ :** جو قریب ہوں یعنی دواۓ و ملائکہ وغیرہ اس کی  
 پہنچ کو سنتے ہیں لیکن یہاں مفہوم مخالف مراد نہیں کیونکہ مگر پر حضرت برادر بن عازب کی حدیث  
 میں ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام کائنات اس چبیخ کو سنتی ہے۔

**قولہ غَيْرِ الثَّقَلَيْنِ :** سوائے جن اور انسانوں کے ثقلین سے مراد جن و انس ہیں  
 محدثین حضرات نے انس و جن کو ثقلین کہنے کی مختلف توجیہات لکھی ہیں :-

- ۱۔ ثقلین ان دونوں کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمین پر ان کا دب دہ اور ہیبت ہے۔
- ۲۔ یا اس لیے کہ ثقل سے مراد تکلیف شرع ہے یعنی انسان اور جن کو مکلف باشرع ہونے  
 کی حیثیت سے ثقلین کہا جاتا ہے۔ **كَمَا قَالَ تَعَالَى ۖ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۖ** (پلۃ الاعزل)
- سوال۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ ثقلین کو سماعت سے محروم کر دیا گیا ہے ؟

**جواب اول** | کیونکہ انس و جن غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اگر ان کو  
 آواز سنائی دے یا وہاں کے حالات کا علم ہو تو پھر ایمان بالغیب  
 جاتا رہے گا۔

**جواب دوم** | اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے تو خوف کی  
 وجہ سے دنیا کے کامدیار میں کل پھل مچی رہے گی اور سلسلہ کفن و  
 دفن و معیشت منقطع ہو جائے گی ولہذا ربّ ذوالجلال کا کرم ہے کہ انہوں نے ایک پردہ قائم  
 کر دیا ہے جس طرح انس و جن مردوں کے حالات سے من مکن الوجہ نا آشنا ہیں اسی طرح  
 وہ بھی جاریہ کلم و راحت سے ناواقف ہیں۔

**بقول ابوالاسعاد :** بعض محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ **يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ**  
 غیر الثقلین عادی طور پر فرمایا ہے کہ عادت یہی ہے کہ انس و جن کے علاوہ سب سنتے  
 ہیں کیونکہ انسانی فکری اس کے سننے پر قادر نہیں۔ ہاں اگر خلافت عادت کسی کو سنا دیا جائے تو  
 یہ اور بات ہے۔ دوسروں کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

**فائدہ :** اس حدیث میں مؤمن کامل اور کافر و منافق کا حکم مذکور ہے۔ باقی مؤمن فاسق کا حکم

یہ ہے کہ وہ جوابات دینے میں تو مومن کامل کے ساتھ شریک ہے۔ لیکن بہشت کا دروازہ کھلنے میں اور بشارت وغیرہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں لیکن اس کا درجہ بمقابلہ مومن کامل کمتر ہے اور اس کو اپنے اعمال سیدہ کی کچھ سزا بھی ملے گی۔ ”إِنَّكَ مَعَنَا شَاءَ رَجُلًا - فَقَوْلُهُمَا“ وَيَقْعِدُ مَا دُونَكَ ذَالِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (پے)

ترجمہ : روایت ہے عبداللہ بن عمرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے جب کوئی مر جاتا ہے تو صبح و شام اس پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت کا ٹھکانا اور اگر دوزخیوں میں سے ہے تو دوزخ کا ٹھکانا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ  
إِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ  
بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ وَإِنْ كَانَ مِنْ  
أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ  
وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ  
أَهْلِ النَّارِ :

قولہ عُرِضَ عَلَيْهِ : عرض سے کیا مراد ہے اس میں دو قول ہیں۔  
اول۔ کہ بہشتی ٹھکانا اٹھا کر اس کے قریب برزخ میں لے آتے ہیں مگر یہ قول کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

دوم : عرض بمعنی ظہور ہے یعنی ٹھکانا ظاہر کر دیا جاتا ہے برزخ میں پس وہ وہاں سے دیکھتا رہتا ہے کہ یہ میرا ٹھکانا ہے۔

قولہ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشِيِّ - اس کی مراد میں بھی دو قول ہیں۔

اول : عَدَاة سے مراد صبح اور عَشِيِّ سے مراد شام ہے۔

دوم : عَدَاة عَشِيِّ سے مراد دوام و استمرار ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِمَا تَعَالَى  
”النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا“ یہ عذاب قبر کی تین دلیل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودِيَةً  
دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ  
الْقَبْرِ فَقَالَتْ أَعَادَ لِي اللَّهُ مِنْ  
عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلْتُ عَائِشَةَ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ لَعَنَ  
عَذَابُ الْقَبْرِ حَقًّا -

ترجمہ : حضرت عائشہؓ راوی ہیں  
کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس  
آئی اور اس نے عذابِ قبر کا ذکر کیا پھر  
اس نے بی بی عائشہؓ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ  
تمہیں عذابِ قبر سے بچائے۔ پس بی بی  
عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عذابِ  
قبر کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ لعن  
عذابِ قبر حق ہے۔

قوله أَنَّ يَهُودِيَةً دَخَلَتْ : یہاں پر ایک سوال ہے۔  
سوال : بی بی عائشہ صدیقہؓ یہودیہ کافرہ عورت کے سامنے کس طرح آئیں کیونکہ  
مسلمہ عورت کا کافرہ اور بدکارہ عورتوں سے پردہ لازم ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :  
وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَتَنُصِّنْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ إِلَى الْأُنثَىٰ آنِهِنَّ -  
جواب : حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مقدس میں ایسی کافرہ عورت کے  
سامنے جانے سے ممانعت فرمائی۔ جو اس کے حسن و جمال کو کسی کافر کے پاس بیان کرے  
اور اس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

سوال : پُرآء یہودیہ کو عذابِ قبر کا کس طرح پتا چلا؟  
جواب اول : اس نے تورات کے اندر پڑھا تھا کہ عذابِ قبر حق ہے۔  
جواب دوم : اس نے خود تو نہیں پڑھا تھا لیکن علماء یہود سے براہِ راست  
سنا تھا۔

سوال : مسلم شریف ص ۱ اور مسند احمد ص ۱ باب عذاب القبر میں آتا ہے کہ  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیہ کی بات سن کر فرمایا کہ یہود جھوٹ بولتے ہیں قیامت سے  
پہلے کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ البتہ یہود کو قبر میں عذاب ہوگا۔ کذب یہود وَلَعَذَابُ  
ذُنُونٍ عَذَابُ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّمَا تَقِفُ الْيَهُودُ جب کہ باب کی روایت میں ہے

کہ عذابِ قبر حق ہے۔ فتنا رضاً۔

## جواب اول

علامہ نوویؒ تبعاً للعلما دی فرماتے ہیں کہ یہاں حقیقت میں دو توقعات میں پہلا واقعہ یہ ہے کہ یہودیہ عورت آئی اور عذابِ قبر کا تذکرہ کیا تو آپ نے اپنے عدم علم کی بنا پر انکار فرمایا پھر حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دے دی گئی کہ عذابِ قبر حق ہے لیکن بی بی عائشہؓ اس وقت حاضر نہ تھیں۔  
دوسرا واقعہ: پھر جب اس یہودیہ نے آکر کہا تو بی بی عائشہؓ نے انکار میں جواب دیا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہؓ سے فرمایا کہ اثباتِ عذابِ قبر کے بارے میں وحی نازل ہوئی ہے۔ لہذا عذابِ القبر حق، تو تحریرِ انکار علیحدہ علیحدہ واقعہ کے متعلق ہیں تو فاسد دفع التعارض۔

## جواب دوم

عاطق ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً عموماً عذاب سے انکار نہیں فرمایا بلکہ صرف مؤمنین پر عذابِ قبر کا انکار فرمایا پھر جب وحی آئی کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب دے خواہ مؤمن ہی کیوں نہ ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جزم بر عذابِ قبر ہوا تو فرمایا عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ۔

## سوال

حدیث میں عذابِ قبر کا اثبات اور آمد یہودیہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے جبکہ عذابِ قبر والی آیت "النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا۔ مَكَ" میں نازل ہوئی ہے اور مکہ میں عذابِ قبر کا اثبات ثابت و معین ہو چکا تھا تو پھر بی بی عائشہؓ کو عذابِ قبر کا کیوں نہ پتا چلا؟

## جواب اول

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا والی آیت میں خاص طور پر فرعونوں کا ذکر ہے کہ فرعونوں کو پیش کیا جاتا ہے کہ بی بی عائشہؓ نے یہ سمجھ لیا کہ یہ فرعونوں کے متعلق خاص ہے۔ اُمتِ محمدیہ اس سے مستثنیٰ ہے اس لیے سوال کیا۔  
جواب دوم۔ جس کو حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ آیتِ عذابِ رُوح کے متعلق ہے۔ اور بی بی صاحبہؓ نے ان اجساد کے متعلق سوال کیا جو قبروں میں ہیں۔

قَوْلُهُ إِلَّا تَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ : اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے آپ سرّاً تعوذ کیا کرتے تھے بعد میں تعلیمِ اُمت کے لیے عذابِ قبر کے بارے میں لوگوں



کے تعجب کو زائل کرنے کے لیے جبراً شروع کر دیا، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ تعویذ اپنی ذات اقدس انور کے لیے نہیں تھا بلکہ تعلیم اُمت مقصود تھی۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے باغ میں اپنے خمر پر سوار تھے اور ہم حضورؐ کے ساتھ تھے کہ اچانک آپ کا خمر بدکا اور قریب تھا کہ آپ کو گرنا دیتا۔ ناگاہ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں حضورؐ نے فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی پہنچانا ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ  
بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فِي حَائِطِ بَنِي النَّجَّارِ  
عَلَى بَعْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ  
حَادَثَ بِهِ فَكَادَتْ تَلْقِيهِ وَإِذَا  
أَقْبَرِسَتْهُ أَوْ خَمُسَتْ فَقَالَ  
مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هَذِهِ الْقُبُورِ

قوله حَائِطٍ : بمعنى بستان یعنی باغ۔

قوله بَنِي النَّجَّارِ : قَبِيلَةٌ مِنْ الْأَنْصَارِ۔

قوله إِذْ حَادَثَ : مشہور قرأت حاء کے ساتھ ہے بمعنی بدکا، بعض نسخوں میں حَادَثَ ہے بمعنی گرنا مگر صحیح بالجاء ہے۔

قوله فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ أَصْحَابَ هَذِهِ الْقُبُورِ : ذات اور صفات ولادت، وفات وغیرہ۔

قوله قَالَ فَمَتَى مَاتُوا : قَالَ سے پہلے یہ جملہ مقدمہ ہے (إِذَا كُنْتَ تَعْرِفُهُمْ) جب تو پہنچاتا ہے تو بتلاؤ کہ یہ کب فوت ہوئے ہیں، زمانہ جاہلیت میں یا میری بعثت کے بعد۔

قوله إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ : اُمت سے اُمتِ اجابت و دعوت مراد نہیں بلکہ جنس انسانیت کی طرف اشارہ ہے۔

قوله نُبَشِّرُكَ : بعض حضرات نے نُبَشِّرُكَ بمعنی تَمُنَّعَنَّ کیا ہے یعنی ان کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ مگر جمہور حضرات نے نُبَشِّرُكَ بمعنی عذاب کیا ہے کہ قبروں کے اندر

ان کو عذاب دیا جا رہا ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آگاہی فرمادی۔

قَوْلُهُ فَلَئِنْ - اس سے پہلے عبارت مُقَدَّر ہے اصل عبارت تھی » اِنْ كُنْتُمْ لَا مَخَافَةَ عَذْمِ الشَّدَاقِ - یعنی مجھے تمہارے دفن کرنے کا اگر خوف نہ ہوتا۔  
قَوْلُهُ اَنْ لَّكَ شَدَاقٌ - یعنی اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتا کہ تم کو بھی اس عذابِ قبر کی آواز سنلے جس کو میں سن رہا ہوں۔

یہ کہ عذابِ قبر تو دفن پر موقوف نہیں جیسا کہ بالتفصیل گذر چکا کہ عالمِ برزخ کا عذاب بعد الموت قبل القیامت میت جہاں بھی ہو جس کیفیت میں ہو یُذَرُّكُمْ الْعَذَابُ الْفَجْرُ لِهَذَا یَہَاں کس طرح فرمایا کہ عذاب کو تم اگر سننے تو دفن نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عذابِ دفن پر موقوف ہے۔

حدیث کی مراد یہ ہے کہ اگر تم عذابِ قبر کو سننے تو تم پر ایسا خوف لاحق ہوتا کہ تم بے ہوش و بے عقل ہو جاتے کہ مُردوں کے قریب نہ جاتے اور دفن پر قوت و فرست نہ پاتے۔ اس لیے میں دُعا نہیں کرتا کہ خدا تم کو سنائے۔

چونکہ مقابر میں زیارت کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اب اگر عذابِ قبر سننے تو لوگ اپنے مُردوں کو مکاؤں سے دور محروم اور جنگل میں ڈال دیتے رملکے آنچا ضرور و لشور عذابِ ایساں را و مطلع نگرود بر عیب ہائے ایساں تاکہ لوگ مقابر میں نہ جائیں اور ان کے عیویات پر مطلع نہ ہوں۔ ایضاً قال علیہ السلام اَذْكُرُوا مَوْتَكُمْ بِالْخَيْرِ

قَوْلُهُ تَحَوُّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْمَنَارِ - یعنی اللہ تعالیٰ سے عذابِ نار کی پناہ پکڑو۔

حدیثِ پاک میں تغلیب کیوں ہے یعنی عذابِ قبر مقدم ہے عذابِ نار سے کہ عذابِ قبر پہلے ہے اور عذابِ دوزخ بعد میں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر میں عذابِ نار کو مقدم اور عذابِ قبر کو مؤخر یہ کیوں ہے ؟

**جواب :** اگرچہ عذاب قبر پہلے ہے اور عذاب دوزخ بعد میں لیکن چونکہ عذاب دوزخ سخت ہے اور عذاب قبر ہلکا کہ دوزخ میں آگ ہے اور قبر میں آگ کا اثر اس لیے دوزخ کا ذکر پہلے فرمایا اور قبر کا بعد میں۔

## الفصل الثانی

یہ دوسری فصل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَرَ  
الْمَيِّتُ أَنَا مَكَانٍ أَسْوَدَ  
أَزْمَقَانٍ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا  
الْمُسْكِرُ وَلِلْآخَرِ الشَّكْبَرُ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میت دفن  
کی جاتی ہے تو اس کے پاس درسیاہ  
رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں  
ایک کو مسکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ إِذَا أُقْبِرَ : اِیْ اُدْفِنَ یعنی قبر دفن کے معنی میں ہے۔ کَمَا جَاءَ  
فِي حَدِيثِ ابْنِ دَاوُدَ شَرِيفٍ ۹۹ بَابُ الدَّفْنِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا  
عُقَيْبُ بْنُ عَامِرٍ كِي رَوَايَتِهِ هِيَ :

قَالَ ثَلَاثُ مَسَاعِدٍ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا  
أَنْ نَصْلِيَ فِيْهِنَّ أَوْ نَقْبِرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا الْغَ -

یہاں قبر سے مراد دفن ہے۔ نیز دفن کا ذکر اتفاقی ہے یا یہ قیید نفیسی ہے کیونکہ عرب  
میں اکثر اوقات مردوں کو قبر میں دفن کیا کرتے تھے۔

قَوْلُهُ أَسْوَدَانِ : باعتبار جسم کے اسود ہوں گے۔

قَوْلُهُ أَزْمَقَانِ : باعتبار آنکھوں کے نیس لگوں ہوں گے عند البعض یہ کہنا ہے  
کہ ان کی شکل اتنی خوفناک ہوگی۔

قَوْلُهُ الْمُسْكِرُ : یہ الکاز بمعنی نہ جاننے سے اسم مفعول ہے۔

قولہ الشکیر : یہ تکرار باب معنی نہ پہنچانا سے صفت کا صیغہ یعنی مغفول مطلب یہ ہے کہ دونوں فرشتے میت کے اعتبار سے نا آشنا غیر مانوس اور اجنبی ہوں گے۔ علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ کفار کے سوال کنندگان کا نام ہے۔ یہ دونوں کے معنیوں کا نام میسر و بشیر ہے۔

سوال : کفار کے معنیوں کو یہ شکل کیوں دی جاتی ہے جب کہ ملائکہ تو نورانی مخلوق ہیں جواب : ملائکہ کو یہ ہیبت ناک اور خوفناک شکل اس لیے دی جاتی ہے تاکہ ان کے خوف سے کافروں پر ہیبت طاری ہو جائے اور وہ جواب دینے میں بدحواس ہو جائیں لیکن مؤمنوں کے لیے یہ آزمائش اور امتحان ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدم رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ صحیح صحیح جواب دیتے ہیں اس بنا پر وہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں خوفِ خدا رکھتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قبر میں ہر قسم کے خوف و دہرا سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

قولہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ : ضروری جواب تو هَذَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُہ سے آچکا۔ لیکن یہ تطویل کلام نشاط اور سرور کی بنا پر ہے۔ ج۔ لہذا یلہ حکایتے دراز تر گفتم۔ قولہ فَيَقُولُ كَيْفَ كُنَّا نَسْمُوكَ اَنْتَ تَقُولُ هٰذَا ا۔ اور وہ دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا۔

سوال : فرشتوں کو یہ کس طرح علم ہوا کہ یہی جواب دیں گے اس سے تو ملائکہ کے بے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب اول : فرشتوں کا یہ کہنا کہ ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا اس پر ہر ہو گا کہ پروردگار عالم کی جانب سے ان کو خبر دی جائے گی کہ فلاں مردہ یہ جواب دیگا اور فلاں مردہ وہ جواب دے گا۔

جواب دوم : یہ ہے کہ مردہ کی پیشانی اور اس کے آثار سے یہ معلوم کر لیتے ہیں کیونکہ مؤمن کی پیشانی پر نور ایمانی کی چمک اور سعادت و نیک نیتی کا نشان ہوتا ہے جب کہ کافر منافق کے چہرہ پر پھمکار برستی ہے اس لیے وہ کہتے ہیں قَدْ كُنَّا نَسْمُوكَ اَنْتَ تَقُولُ هٰذَا

قَوْلُهُ تَتَرَفُّعُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا۔ اس کے بعد اس کی قبر لمبائی اور چوڑائی میں سترگز کشادہ کر دی جاتی ہے۔

سوال : حدیث براء بن عازب میں یہ الفاظ ہیں ”وَيُفْسَحُ لَهُ فِيهَا مَدَّةُ بَصَرِهِ“ کہ جتنی اس کی نظر پڑتی ہے۔ یہاں سترگز کے الفاظ ہیں۔ فَمَعًا رَضًا۔

جواب اقول : سَبْعُونَ سے تخصیص مُرَدِّہ نہیں کیونکہ کنَبُ الایمان میں یہ بات گدبچی ہے کہ سَبْعُونَ کا عدد اہل عرب تکثیر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قبر میت فراخ کر دی جائے گی چنانچہ مَدَّةُ بَصَرِهِ اس کی تفسیر بن جائے گی۔

جواب دوم : اِحْتِشَاءُ اشخاص سے دوست میں بھی اختلاف ہو گا کہ میت اگر اعمال کثیر والا ہو گا تو اس کے ساتھ مَدَّةُ بَصَرِهِ والا معاملہ ہو گا۔ اگر اعمال قلیل ہیں تو سَبْعُونَ ذِرَاعًا پر عمل ہو گا۔

قَوْلُهُ فِي مَسْبُوعِينَ ، یعنی چار ہزار نو سو گز جو ستر کی ضرب ستر میں دینے سے حاصل ہے۔ یعنی سترگز لمبی، سترگز چوڑی کل رقبہ چار ہزار نو سو بنتا ہے۔ سَبْعُونَ کے بعد مَسْبُوعِينَ ضرب بیان کرنے کے لیے لائے ہیں۔

قَوْلُهُ فَيَقُولُ ارْجِعْ اِلٰى اَهْلِيْ۔ مومن جب صبح جواب دیتا ہے اور اس پر خدا کی رحمت اور اس کی نعمتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں تو اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو اس اچھے معاملہ اور عظیم نعمتوں کی خبر دے جیسا کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ راحت و سکون پاتا ہے اور وہاں عیش و آرام کے سامان اسے ملتے ہیں تو اس کی تمنا یہی ہوتی ہے کہ کاش اس وقت میں اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچ جاتا تاکہ انہیں اپنے آرام و عیش سے مطلع کرتا۔ اسی لیے مومن مُرَدِّہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جانے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

قَوْلُهُ تَتَرَفُّعُ مَدَّةَ الْعُرْوَةِ۔ یہاں سونے سے مُرَاد آرام کرنا ہے یعنی یہ برزخی زندگی آرام سے گزار کہ نہ تو تک سوا کے خدا کی رحمت کے کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچ سکے گی۔ جیسا کہ عروس دلہن کے پاس دلہا کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا یہ عظمت والی نیند مراد نہیں۔ ثانیاً حدیث پاک کی یہ عبارت تائید کر رہی ہے۔ قرآن مقدس کی اس

آیت مبارکہ کی بزرگ قوت فرجین بِنَا آتَا هُوَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَتَّبِعُونَ  
بِالَّذِينَ نَهَى يَلْحَقُوا بِهِمُ اللَّهُ رَیْبُ الْاَعْرَافِ

قوله فَتَلَسَّطُوا عَلَيْهِ - التَّسَامُ بمعنی انضمام و اجتماع کے ہے یعنی دائیں پسلیاں  
بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف لیکن اس کی یہ حالت انسانی جس سے بالا ہے۔  
اگر ہم کافر کی دشمن دیکھیں ویسے ہی صحیح معلوم ہوگی۔ خیال رہے کہ اگر ایک ہی قبر میں کافر و مؤمن  
دفن ہو گئے تو وہی قبر مؤمن کے لیے فراخ ہوگی اور کافر کے لیے تنگ، مؤمن کے لیے روشن  
اور کافر کے لیے اندھیری، مؤمن کے لیے ٹھنڈی، کافر کے لیے گرم۔ جیسا کہ ایک بستر میں  
دو آدمی سو رہے ہوں ایک اچھا اور دل خوش کن خواب دیکھے، دوسرا پریشان کن اور  
ہیبت ناک خواب دیکھے، بستر ایک ہے مگر دونوں کی حالتیں مختلف خواب برزخ کی  
ایک ادنیٰ سی تشیل ہے۔ خواب اکثر خیال ہوتے ہیں جب کہ برزخ میں حقیقت ہوگی۔  
فَتَحْتَلِفُ أَصْلًا عَنْ فَرَمَانَا بھانے کے لیے ہے درجن کفار کی پسلیاں راکھ  
بنادی گئیں یا جانوروں نے ہضم کر لیا ان کی روح پر بھی تنگی ایسی ہی ہوگی اس لیے قبر  
ایک شکنجہ ہے۔

ترجمہ : حضرت برادر بن عازبؓ  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں  
کہ آپ نے فرمایا کہ مردے کے پاس دو  
فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں پھر اس  
سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے  
کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ تیرا  
دین کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔

وَعَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ  
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ يَا تَيْبَةُ مَلَكَانِ  
فَيُجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ مَنْ  
رَبُّكَ فَيَقُولُ رَبِّيَ اللَّهُ فَيَقُولَانِ  
لَهُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُولُ دِيْنِي  
الْإِسْلَامُ .

قوله مَنْ رَبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ : یہ سوال دو جواب سب عربی زبان میں  
ہوئے کیونکہ بعد الموت سب کی زبان عربی ہو جائے گی۔ اگر میت غیر عربی بھی کیوں ہو۔

قوله مَا هَذَا الرَّجُلُ - کبھی مکہ سے وصف کا سوال بھی کیا جاتا ہے معنی ہوگا کہ کیا صفت ہے اس جوان کی جو بھیجا گیا ہے آیا وہ رسول ہے یا نہیں۔

قوله وَمَا يُدْرِيكَ : کہ کونسی چیز تجھ کو بتلا رہی ہے کہ تیرا رب اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے رسول ہیں وہ جواب دے گا : قَرَأْتُ كِتَابَ الْبُرْهِانِ سَنَ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب میں پڑھا تھا۔

سوال : قرآن پاک ہر شخص تو پڑھا ہوا نہیں ہوتا پھر قُرْآنُ کِتَابِ اللہ کیسے کہے گا۔  
جواب : قُرْآنُ عام ہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ہو کہ خود پڑھا یا عالموں سے سنا۔  
قوله قَالِ : اس کا ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

قوله مِنْ رَوْحِهَا - بالفتح بمعنی لیسو الریح یعنی ہوا۔  
قوله وَطَيِّبُهَا - اور خوشبو یہ دونوں جنت کی صفیں ہیں۔ کہ جنت کی خوشبو نہیں اور ہوائیں جو معطر شدہ ہوتی ہیں وہ اس کو پہنچنا شروع ہو جاتی ہیں۔

قوله هَاهُ هَاهُ : هَا هَا ایک لفظ ہے جو عربی میں دہشت زدہ اور متحیر شخص بولتا ہے جیسے اردو میں حیرت و دہشت کے وقت آہ، ہائے اور دائے دائے بولا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس وقت کا فراتنا خوف زدہ ہو جاتا ہے کہ اس کی زبان سے ہیبت ناک کی وجہ سے خوف و حیرت کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا اور وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا گویا کہ لَا أَدْرِي اس ہا ہا کی تفسیر ہے۔

قوله فَيَسْأَلُكَ مِنْ السَّمَاءِ أَنْ تَكْذِبَ - تب ایک پکارنے والا آسمان سے یہ فرمان سناتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے اس لیے کہ دین اسلام کی آواز مشرق سے ملے کہ مغرب تک پہنچی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن چار دانگ عالم میں پھیلایا اور تمام دنیا اس آفاقی و آسمانی مذہب سے باخبر تھی اس کے باوجود اس کا یہ کہنا کہ میں کچھ نہیں جانتا یا مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا سراسر کذب و جھوٹ ہے۔

قوله مِنْ حَرِّهَا - اِی حَرِّ النَّارِ - سَعْوِهَا - بمعنی ریح الحارہ یعنی گرم ہوا۔

قوله يُقَيِّضُ - اِی يُسَلِّطُ : یعنی اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ اَعْطَى وَاَصْفَرُ : مُتَشَبِّهٌ حَضْرَاتِ نَبِيِّنَا ﷺ نے لکھا ہے کہ یا تو وہ فرشتے حقیقتاً اندھے اور پھرے ہوتے ہیں یا اندھے اور پھرے سے مراد سخت دل بے رحمی اور لاپرواہی ہے کہ اس کی تکلیف دیکھ کر رحم نہیں کرتے۔ آہ و پکار سن کر کان نہیں دھرتے ورنہ اندھا اور بہرہ ہونا عیب ہے جس سے فرشتے پاک ہیں۔ رب ذو الجلال قیامت میں کافر سے فرمائیں گے وَكَذَلِكَ اَلْيَوْمَ تُنْشَىٰ حَالًا نَكَمَ اللّٰهُ تَعَالٰی کی ذات پاک بھول سے پاک ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عثمانؓ سے کہ آپ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ عرض کیا گیا کہ آپ جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے۔ اس سے روتے ہیں تو فرمایا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں سے پہلی منزل ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرِ بَكِيٍّ حَتَّى يَبْلُغَ لَحْيَتَهُ فَيَقِيلُ لَهُ تَذَكُّرًا لِّلْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هَذَا فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ -

سوال - کیا وجہ تھی کہ وقوف قبر سے یہ کیفیت ہو جاتی تھی ؟

جواب : یہ ہے کہ قبر پر کھڑے ہو کر انسان عیش و عشرت کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوفِ خدا سے اپنے قلب کو لرزاں پاتا ہے اور آخرت سے لگاؤ محسوس کرتا ہے اور ماقبل کے حالات اس کے سامنے آجاتے ہیں اور خوف سے رونا شروع کر دیتا ہے اس لیے وقوف سے یہ کیفیت ظاہر ہوتی تھی۔

سوال : حضرت عثمانؓ کو تو دنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی تھی پھر کیوں

روز ہے ہیں ؟ جواب اول :- یہ کہ جنت کی بشارت ان کے سامنے نہیں دی اور نہ ان تک



ہم بھی بلکہ ان کی غیبت میں دیدی تھی اس درجہ سے رو رہے ہیں اگر ان کے سامنے ہوتی تو پھر نہ دیتے۔

**جواب دوم :** یہ ہے کہ صغیر قبر کی درجہ سے رو رہے ہیں جو انبیاء کے علاوہ سب لوگوں کو ہوتا ہے۔

**جواب سوم :** اس طرف اشارہ ہے کہ جب میں بشارت کے باوجود اس قدر خائف ہوں تو دوسروں کو بطریق اولیٰ یہ خوف پیدا کرنا چاہیے۔

قَوْلُهُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ : میدان محشر میں حساب کے لئے پیشی، پل صراط و زن اعمال، جنت و نار یہ سب منازلِ آخرت میں سے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِذُنُوبِكُمْ ثُمَّ سَلُوا لَهُ بِالنَّبِيِّ فَإِنَّهُ أَوْكَى يُسْتَأْنَدُ -

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو دہان کچھ ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعائے مغفرت کرو، پھر اس کے لیے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اب اس سے سوالات ہو رہے ہیں۔

قَوْلُهُ ثُمَّ سَلُوا لَهُ بِالنَّبِيِّ : غیبت سے مراد یُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ہے اور اس دعا کو تلقینِ میت کی دعا بھی کہتے ہیں۔ اکثر شوافع اور حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ دعا یہ ہے۔

يَا قُلُوبُ بَنِي آدَمَ أَذْكُرُوا الْعَهْدَ الَّذِي خَرَجْتُ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةً أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ الْمَسَاعَةَ بَيْنَهُ لَأَرْبَابٍ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ قُلْ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا

وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَرَسُولًا وَبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَبِالْقُدْرَانِ  
 أَمَامًا وَبِالْمُسْلِمِينَ إِخْوَانًا رَبِّيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ  
 الْعَظِيمِ :

یہ حدیث ابوالامامہ سے مروی ہے جسے علامہ سیوطی جمیع الجوامع میں طبرانی سے ذکر کیا ہے  
 نیز تلقین میت کے سلسلہ میں اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۃ بقرہ کا پہلا  
 رکوع مُفْلِحُونَ تک اور بقرہ کا آخری رکوع اَمَّنَ الرَّسُولُ سے پڑھنا بھی منقول ہے۔  
 رحمہما فی سنن البیہقی :

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ لَيْسَ طُفْءٌ عَلَى الْكَافِرِ فِي  
 قَبْرِهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ  
 نَشْأَتْنَهُسُهُ وَتَلَدَغُهُ حَتَّى  
 يَقُومَ السَّاعَةُ لَوْ أَنَّ تَلْيِئَنَا  
 مِنْهَا نَفْعٌ بِأَرْضٍ مَا أَتَبَتْ  
 خَضْرًا -

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 ابوسعیدؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر پر اس کی قبر میں  
 ننانوے سانپ مسلط کیے جاتے ہیں۔ جو  
 اسے قیامت تک نوچنے اور ڈستے رہیں گے  
 اگر ان میں سے ایک سانپ زمین پر بھونک  
 مار دے تو کبھی بھی زمین سبز نہ آگائے۔

قَوْلُهُ تَلْيِئَنَا : بھٹی سانپ جو زہر سے پُر ہو۔  
 قَوْلُهُ تَنَهْسُهُ - اُتَاخَذُ اللَّحْمَ بِأَطْرَافِ الْأَسْنَانِ - یعنی دانتوں سے کاٹنا  
 قَوْلُهُ تَلَدَغُهُ - اِی مَرَبُّ السِّنِّ بِمَا قَطَعَ بِغَضِّ دَسْنَا - عند البعض دونوں  
 ایک دوسرے کی تاکید ہیں۔

سوال - تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ کی تخصیص کیوں ہے ؟  
 جواب اول - یہ مبالغہ کے لیے ہے باقی اس کا فائدہ شارع علیہ السلام کو معلوم ہے۔  
 جواب دوم - امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اخلاق ذمیرہ کی تعداد ننانوے ہے تو

ان اخلاق ذمہ کو سانپ کی شکل بنا کر قبر میں سمیٹا جاتا ہے اور وہ ڈستا ہے گا۔  
**جواب سوّم**۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام معروف ہیں تو ہر نام کے انکار پر ایک سانپ مسلط کیا جائے گا۔ اس لیے یہ عدد مبین فرمایا۔  
**قولہ قَالَ سَبْعُونَ بَدَلًا**۔ تِسْعَةً وَتِسْعُونَ۔ مقام ہذا پر سوال ہے۔  
**سوال**۔ یہ ہے کہ روایات میں بظاہر تعارض ہے کہیں ستر ہیں، کہیں ننانوے ہیں۔  
**جواب اوّل**۔ علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ سَبْعُونَ والی روایت ضعیف ہے۔ صحیح روایت تِسْعَةً وَتِسْعُونَ ہے۔ فَلَا تَقَارُضَ۔  
**جواب دوّم**۔ حافظ ابن حجرؒ نے بین الروایات میں تطبیق دی ہے۔ تِسْعَةً وَتِسْعُونَ والی روایت کافر متبوع کے لیے ہے۔ اور سَبْعُونَ والی روایت تابع کافر کے لیے ہے۔ یا تِسْعَةً وَتِسْعُونَ والی روایت غنی کافر اور سَبْعُونَ والی روایت فقیر کافر کے لیے ہے۔ فَاَنْدَفَعَ التَّعَارُضُ۔

## الفصل الثالثُ یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ جب حضرت سعد ابن معاذؓ نے وفات پائی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی طرف گئے۔ جب حضور علیہ السلام نے ان پر نماز پڑھ لی اور وہ اپنی قبر میں گئے اور ان پر مٹی برابر کر دی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دراز لہجہ پڑھی اور ہم نے بھی پڑھی، پھر نکیر کہی اور ہم نے بھی نکیر کہی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ حِينَ تَوَفَّى فَلَمَّا صَلَّى عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ فِي قَبْرِهِ وَسُويَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيلًا دَلِيلًا كَثِيرًا فَلَكَبَرْنَا۔

قَوْلُهُ وَسَوَّى : اى التراب یعنی قبر وغیرہ کی تیاری سے نارغ ہوئے۔  
 قَوْلُهُ سَبَّحَ : تسبیح و تکبیر سے خدا کا غضب رحمت میں اور اس کا غصہ شفقت میں بکمل جاتا ہے۔ اور وہاں مقدس کلموں کی بدولت اپنی رحمت و شفقت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے خوف و درہشت کے موقع پر یا کسی خوفناک چیز کو دیکھ کر تکبیر کہنا مستحب ہے۔

قَوْلُهُ فَكَبَّرْنَا : پھر آپ نے تکبیر کہی، ہم نے بھی تکبیر کہی۔ حاکم بن حمرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا تسبیح کرنا قبر کی تسنگی کے وقت تھا، اور تکبیر کہنا کشادگی قبر کے وقت تھا کیونکہ عبد صالح پر قبر کی تسنگی کا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت شان بیان کرنا مناسب سمجھا کیونکہ وہ محل تسبیح تھا۔ جبکہ تکبیر کشادگی قبر کے بعد تھی کیونکہ تکبیر عموماً خوشی کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ ثانیاً تکبیر کے ساتھ طویل نہیں فرمایا۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ تسبیح طویل بھی تکبیر طویل نہیں تھی۔ لہذا لا یمد کر۔

قَوْلُهُ الْعَبْدُ الْمَتَانِعُ : صالح کی قید لگا کر اشارہ فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذؓ گناہ گار نہیں تھے۔ یعنی اشارہ تعظیم و تحریف کے لیے ہے۔ ثانیاً یہ بھی اشارہ کیا کہ جب ایسا نیک بندہ صنف قبر میں مبتلا ہے تو دوسروں کا کیا حال ہو گا۔

## اسمائے رجال

### حضرت سعد بن معاذؓ کے حالات

آپ قبیلہ انصار میں اوس کے سردار ہیں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد مدینہ منورہ میں ایمان لائے۔ آپ کے ایمان سے جبرائیلؑ بھی ایمان لائے۔ حضورؐ پر ہوئے ان کا نام سید الانصار رکھا۔ جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر و احد میں شریک رہے۔ غزوہ خندق کے دن کھنڈہ میں تیر لگا جس سے زخم جاری ہوا۔ اور ٹھیک ایک ماہ کے بعد زخمی قعدہ شدہ میں نے وفات پائی۔ ۷۳ سالہ عمر ہوئی۔ حضورؐ کے ہاتھوں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الَّذِي تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَهِدَ كَمَا سَمِعُوا الْفَأَمِّنَ الْمَلَأَ ثِيَابَهُ لَقَدْ ضَرَفَ ضَمَّتَ ثَوَفِرَجَ عَنْهُ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ وہ ہیں جن کیسے عرش رحمان ہل گیا اور ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے اور ان پر شتر ہزار فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی قبر تنگ کی گئی پھر یہ تنگی دور ہوئی اور پھر ان کی قبر کشادہ ہو گئی۔

### حدیث پاک کا شان و رُود

مختصراً عرض ہے کہ بنو قریظہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ ۵۵ھ میں غزوہ خندق کے دوران ان یہودیوں نے جو منافقانہ کردار ادا کیا اور باوجودیکہ سابقہ معاہدہ کے تحت مدینہ منورہ کے اس دفاعی مورچہ پر ان یہودیوں کو بھی مسلمانوں کے شانہ بشانہ کفار عرب کی جارجینٹ کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنی زوایتی بد عہدی اور شرارت کا مظاہرہ کیا اور مختلف قسم کی سازشوں کے ذریعہ اس دفاعی مورچہ کو توڑنے کے لیے کفار عرب کے آگہ کار بن گئے۔ ان کی اس بد عہدی اور سازشی کاروائیوں کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کی فتح سے فارغ ہوتے ہی ان بنو قریظہ کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔ اور ان سب یہودیوں کو ان کے قلعہ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے بنو قریظہ کے قلعہ کا محاصرہ ۲۵ دن تک جاری رہا۔ آخر کار انہوں نے یہ تجویز رکھی کہ ہمارا معاملہ حضرت سعد بن معاذؓ کے سپرد کر دیا جائے جو قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ اور قبیلہ اوس بنو قریظہ کا حلیف تھا ان یہودیوں نے کہا کہ ہم حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم (فیصل) تسلیم کرتے ہیں۔ وہ ہمارے بائیسے ہیں جو بھی فیصلہ کریں گے ہم اس کو بے چون و چرا مان لیں گے یہودیوں کا خیال تھا کہ حضرت سعدؓ چونکہ ہمارے حلیف قبیلہ کے سردار ہیں چونکہ ان کے اور ہمارے درمیان تعلقات کی ایک خاص نوعیت ہے اس لیے حضرت سعدؓ یقیناً ہمارے ہی حق میں فیصلہ دیں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا کہ وہ آکر اس معاملہ میں اپنا فیصلہ دیں۔ بہر حال حضرت سعدؓ بن معاذؓ آئے اور انہوں نے

پورے معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اہل ان کے جرم بد عہدی و غدار ہی کی بناء پر انہی کی شریعت کے مطابق جو فیصلہ دیا اس کا حاصل یہ تھا کہ ان کے لڑاکے سرد قتل کر دیے جائیں عورتیں اور بچے غلام بنائے جائیں، اور ان کے مال و اسباب کو تقسیم کر دیا جائے چنانچہ اس فیصلہ پر کسی حد تک عمل بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جب فوت ہوئے تو یہودیوں نے کہا کہ اس نے ہمارے خلاف فیصلہ دیا تھا اس لیے ان کا جنازہ ہٹا کر ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ کے فضائل بیان فرمائے کہ اصالۃ ملائکہ نے ان کا جنازہ اٹھا رکھا ہے۔ (مذاہر حق مشرق ۲۸۵، بالتمام) **قَوْلُهُ تَحَرَّكَ لَهُ الْكَرْسِيُّ**۔ مُمْتَنِعِينَ حضرات نے عرشِ رحمن کی تحریک کے مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں :-

**اَوَّلُ** : تحریک عرشِ خوشی کی بناء پر تھی کہ ایک پاک روح ہماری طرف آ رہی ہے۔  
**دَوِّم** : نیک لوگوں کے اعمال صالحہ اور برجاتے ہیں ان کی وفات سے وہ اوپر آنا بند ہو گئے اس افسوس میں عرش نے حرکت کی یعنی رنج و غم کی وجہ سے۔ **كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "فَمَا بَلَكَ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ"۔** (يٰۤاَذْهَبَانِ)

**سَوِّم** : بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ عرش سے مراد حملۃ العرش ملائکہ ہیں، یعنی عرش کو اٹھانے والے فرشتوں نے حرکت کی۔ کیونکہ عرش غیر ذی روح ہے اس کیلئے طرب و نشاط رنج و غم نہیں ہو سکتا۔ لیکن جہو حضرات نے حرکت عرش کو اصل قرار دیا ہے۔  
**سوال** : اتنے عظیم الشان صحابی کو عذابِ قبر میں کیوں مبتلا کیا گیا۔؟

**جواب اَوَّل** : ربِّ ذو الجلال و العتدال مقرر ہیں جس کو چاہیں عذاب دے جس کو چاہیں نجات دیں۔ **لَا يُسْكَنُ عَمَّا يَعْمَلُ وَهُمْ يُسْتَلَوْنَ**۔ (یٰۤاَۤاَنبِیَآءَ)

**جواب دَوِّم** : صحابہ کرام معصوم تو نہیں ہیں ہو سکتے ہیں ان کا کوئی معمولی گناہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہو کہ آخرت میں ان کا درجہ تھوڑی سی تکلیف دے کر بلند کیا جائے۔

**جواب سَوِّم** : دوسروں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب اتنی بڑی ہستی پر آثار عذابِ قبر نمودار ہو سکتے ہیں تو دوسروں کو مامون نہ رہنا چاہیے بلکہ ہمیشہ بچنے کا سامان تیار کرنا چاہیے۔



وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي  
بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا  
وَذَكَرَ فِشْنَةَ الْمَبْرُوكِيَّةِ يَفْلِنُ  
فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ  
صَحَّ الْمُسْلِمُونَ صَجَّةً -

ترجمہ : روایت ہے اسماء بنت  
ابی بکرؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
وعظ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے  
فشنہ تبرکاً ذکر فرمایا جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے  
تو جب یہ ذکر کیا تو مسلمانوں نے جسیعہ  
ماری۔

قَوْلُهُ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيبًا : قیام مجددی  
شریف میں تھا جہاں مردوں اور عورتوں کا اجتماع تھا مرد آگے تھے، عورتیں پردہ کے ساتھ پیچھے  
جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا بلکہ عورتوں کو حکم تھا کہ وعظ کی مجلس میں شرکت کیا کریں۔ تاکہ  
انہیں احکام و مسائل معلوم ہوں۔ خیال رہے کہ خطبہ اور وعظ کھڑے ہو کر کرنا سنت ہے۔ شای  
ہے کہ خطبہ نکاح بھی کھڑے ہو کر پڑھا جائے۔

قَوْلُهُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ : اس کا اشارہ یہ ماذکر من الافتنان ہے یہ اس لیے  
نکالا کہ ذالک مذکور ہے اور فِشْنَةُ مؤنث ہے۔ تو ان دونوں میں تلبیس نہیں ہوتی تھی اس سے  
تلبیس ہو جائے گی۔

قَوْلُهُ صَجَّةً : بعضی روایات چلا نا۔ اس کی تخریج تنظیم کی ہے کہ بہت روئے اور چلا  
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان مبارک سے ہمیت ملادی ہوئی اور ہیبت سے گھبرا کر  
رو پڑے اور بے اختیار جسیعہ نکل گئی۔ اس میں ربائی گنجائش نہ تھی خیال ہے کہ خوف الہی میں صرف  
آنسوؤں سے رونا بہت بہتر ہے۔ کما فی قولہ تَلَانِ مَرَى أَعْيَنَهُمْ فَهَضَمُوا مِنْ  
الدُّمُوحِ بِإِيسَٰكٍ اگر بے اختیاری میں لوگوں کے سامنے چیخ نکل جائے تو بھی عبارت ہے۔

قَوْلُهُ قَرِيبٌ مِنِّي : یا تو قرب مکانی یا قرب نسبی تھا۔ ای اس کا اشارہ محدثین  
ہے ای قُلْدَن۔

قَوْلُهُ قَالَ قَالَ - پہلے قَالَ کا فاعل قریب والا جواں ہے، دوسرے قَالَ کا  
فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قَوْلُهُ قَرِيبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ - فتنہ دجال کی طرح قبر کے فتنہ میں بھی مبتلا کیے جاؤ گے۔

سوال : یہ کہ قبر کے فتنہ کے ساتھ دجال کے فتنہ کا ذکر کیوں کیا اس کی توجہ بحث بھی نہیں؛

یہ کہ دجال کے فتنہ کو اس لیے ذکر کیا کہ اس کے فتنہ کا اثر قبروں پر بھی پڑے گا۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ خاص کر بغیر عثمانؓ کی

**جواب اول**

قبر پر ضرور اثر پڑے گا۔

یہ کہ دجال کے فتنہ کا ذکر ہلاکت و خسران کے اعتبار سے ہے کہ جس طرح

فتنہ دجال اپنی تباہی و بربادی اور نقصان و خسران کی بناء پر سخت

ہلاکت آفرین اور تباہ کن ہوگا، اسی طرح فتنہ قبر بھی ہول و دہشت و سختی کی بناء پر بہت زیادہ خوفناک ہوگا۔ لہذا انہیں چاہیے کہ اس سے پناہ پکڑو۔

**جواب دوم**

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِلَّتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيُصَوِّئُ دَعْوَى أَصْلَى :

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے تو اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں۔

قَوْلُهُ مُثِلَّتْ لَهُ الشَّمْسُ - اِی صُوْرَتٌ وَحِیْلَتٌ لِیَعْنِیْ خِیَالُ کَرْتَا ہِے

یا اس کے سامنے غروب آفتاب کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔

قَوْلُهُ یَمْسَحُ عَيْنَيْهِ - اِی عَلٰی هٰئِیْکَةِ الْمُسْتَقِیْظِ : کیونکہ کرم موت

کی بجائی ہے۔ کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ ۚ اَلْعَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اٰخِیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَابَیْہِ النَّشُوْرُ ۚ

سوال : قبر میں سوال و جواب کے وقت میت کو غروب آفتاب کا وقت دکھایا جاتا ہے



اس میں کیا حکمت ہے ؟

اس میں اشارہ ہے نماز عصر کی تاکید پر کہ مؤمن نماز عصر کا بہت اہتمام کرتا ہے اور متافقی اہتمام نہیں کرتا۔ دیکھو مؤمن کو قبر میں بھی

## جواب اول

نماز عصر کی بس کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً تمام نمازوں، خصوصاً نماز عصر کی بڑی تاکید ہے۔  
 کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ" حضرت عمارؓ بن  
 ربيعة کی روایت ہے "قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ بَدِئَ  
 النَّسَارَ رَجُلٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الْغُرَاوَادُ وَشَرِيفَ صَلَاةٍ  
 بَيْنَ الْخَامَةِ عَلَى الصَّلَاةِ

ملا علی قادی فرماتے ہیں کہ غروب شمس دنیا سے نکلنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دنیا بمنزلہ دن کے ہے اور برزخ بمنزلہ رات کے ہے اور آخرت بمنزلہ دوسرے دن کے ہے تو میت کو یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ ایک عالم سے نکل کر دوسرے میں جو بمنزلہ رات کے ہے داخل ہو رہے ہو۔

## جواب دوم

در اصل غروب آفتاب کا وقت پیش کرنا اس کی حالت مسافرت اور تنہائی کی مناسبت کی وجہ سے ہے چنانچہ جب کوئی مسافر کسی شہر میں شام کو پہنچتا ہے تو حیرانی و پریشانی کے عالم میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ کہاں جاؤں اور کیا کروں جیسا کہ شام غریباں مشہور ہے۔

## جواب سوم

تراویح رات کی تار یک شد جہاں  
 نماز شام غریباں چوں گریہ آغازم  
 اکون قنار شام غریباں کجا روند  
 بہ بائے بائے غریبانہ گم بہ پروازم

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ  
 النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 قَالَ إِنَّ الْمَيِّتَ يُمَسِّدُ إِلَى الْقَبْرِ  
 فَيُجْلِسُ الرَّجُلُ فِي قَبْرِهِ غَيْرَ  
 فَرْجٍ وَلَا مَشْفُوعٍ شَرُُّ يُقَالُ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ مُردہ قبر میں پہنچتا ہے، پھر اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے نہ گھلایا ہوا نہ پریشان، پھر اس سے کہا جاتا ہے تو کمر بن میں تھا وہ کہتا ہے کہ

اسلام میں تھا، پھر کہا جاتا ہے کہ یہ کون صاحب  
ہیں، وہ کہتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
ہیں۔!

فِيْمَا كُنْتُ فَيَقُوْلُ كُنْتُ فِي  
اِسْلَامٍ فَيَقَالُ مَا هَذَا الرَّجُلُ  
فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى  
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

قَوْلُهُ يُصَيِّرُ : یہاں پر يُصَيِّرُ بمعنی يَدْخُلُ فِي الْقَبْرِ کے ہے۔

قَوْلُهُ قَدْ رَجَعَ : گھبرناک ہونا۔

قَوْلُهُ مَشْغُوبٌ : خوف زدہ ہونا۔

قَوْلُهُ حَلَّ رَأَيْتَ اللّٰهَ : یعنی توجہ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نشانیاں

لائے۔ کیا تو نے رپ ڈوا الجلال کو انہیں نبی بنا کر بھیجتے ہوئے اور نشانیاں دیتے ہوئے دیکھا  
تھا وہ جواب میں کہتا ہے کہ خود تو نہیں دیکھا دیکھنے والے محبوب سے سنا تھا مجھے ان کے  
کلام پر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے۔ میری آنکھیں جھوٹی ہو سکتی ہیں لیکن ان کا کلام غلط نہیں  
ہو سکتا۔ خیال ہے کہ یہ گفتگو امتحان کے علاوہ ہے، فرشتے خوش ہو کر اس سے یہ باتیں  
کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ يَحْطُرُ : اے یا کل بَعْضُهَا بَعْضًا۔

قَوْلُهُ زَهَرَ تَهَا : بفتح الزاء اے حسنہا۔ اس کی ہیبت اور خوبصورتی۔

قَوْلُهُ وَمَا قِيَهَا : اے مِنَ الْخُورِ وَالْقُصُورِ۔

قَوْلُهُ هَذَا مَقْصِدُكَ : اے بِعَدَا الْعَشْرِ فِي الْعُقُبَلِ۔

قَوْلُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ - : یہ بغیر تبریک کے ہے یا تحقیق کے ہے، کما فی

قَوْلِهِ تَعَالَى " اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَوْ يَشَاءُ "۔

قَوْلُهُ الشُّوْرَ - : سُوء سے مراد رجل کا فر ہے جو ضد صالح ہے، فاسق فاجر مراد نہیں۔

بقول ابوالاسعاد : آخر میں حدیث کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

خُلَاصَةً : یہ ہے کہ وَالْكَلِّ بَقِصَا شَيْءٍ وَبِقَدْرِهِ وَبِهَذَا تَحْصُلُ الْمُنَاسِبَةُ

بَيْنَ هَذَا الْبَابِ وَمَا قَبْلَهُ۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ  
 فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ وَنَعُوذُ بِكَ  
 مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ  
 الْمَمَاتِ : آمِينَ  
 بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ  
 الرَّاحِمِينَ  
 يَا ذَا الْجَلَدِ  
 وَالْكَرَامِ



## بَابُ الْإِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

سوال ۔ اس باب کا مقبل سے کیا ربط ہے ؟

جواب ۔ مقبل سے ربط یہ ہے کہ غذابِ قبر اور تقدیر کے لیے صرف دلائل عقلیہ کافی نہیں بلکہ دلائل نقلیہ کی بھی ضرورت ہے اور وہ قرآن و سنت ہیں۔  
فائدہ ۔ ترجمۃ البَاب میں تین لفظ ہیں ہر ایک کی علیحدہ لفظی تشریح مطلوب ہے  
قَوْلُهُ الْإِعْتِصَامُ ۔ بمعنی الْإِسْتِمْسَاكُ ہے ۔ کما فی قولہ تم  
”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا فِي الْقُرْآنِ وَالْأُتُوتِ“  
بِصَلَةٍ مِنْ بَعْنَى بِنَاوَيْنَا ۔ کما فی قولہ تعالیٰ ”سَأُوتِي إِلَىٰ جَنَّةٍ يَجْزِيكَ مِنْهَا“  
مِنْ الْأَمْوَالِ“ لیکن اس مقام پر اعتصام بمعنی الْإِسْتِمْسَاكُ بِالْقُرْآنِ وَالْأُتُوتِ ہے ۔ چنانچہ  
عکلمہ محدث عبدالحی دہلوی (اعتصام کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

واعتماد بہ کتاب و سنت اعتقاد آوردن  
بحقیقت آن و عمل کردن است بآنچہ  
دراں واقع شدہ و در بودن از بدعت  
و مذاہب اہل ہوا ۔  
(اشعۃ اللمعات ص ۱۲۵ ج ۱)

ترجمہ : اور کتاب و سنت کے  
ساتھ اعتصام اس کی حقیقت کے ساتھ  
اعتقاد رکھنا اور جو کچھ اس میں واقع ہے  
اس پر عمل کرنا ہے ۔ بدعت اور اہل ہوا  
کے مذاہب سے دور رہنا ہے ۔

قَوْلُهُ الْكِتَابُ : اس پر الف لام عہد کا ہے اس سے مُزاد قرآن مُعَدّس ہے ۔

قَوْلُهُ السُّنَّةُ : سنت کے دو معنی ہیں ۔

أَوَّلُ لُغَوِي ۔ لغت کے اندر سنت بمعنی طریقہ کے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ ”سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ يُجَادِلُ فِي سُنَّةِ اللَّهِ يَذَّادِفُهُمْ“  
دَوِّمُ اصطلاحی ۔ محدثین حضرات نے سنت کے معانی مختلف بیان فرمائے ہیں ۔ مگر

جمہور محدثین نے سنت کا اصطلاحی معنی بیان فرمایا ہے یعنی المراد بالسنتہ اقوالہ وافعالہ واحوالہ علیہ السلام : یہ کہ سنت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال ہیں جن کے مجموعہ کا نام حدیث ہے۔

## الفصل الأول یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اخْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ كَاذِبٌ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ایسا ذکر کرے ہمارے دین میں وہ طریقہ جو اس دین سے نہیں وہ مردود ہے۔

قوله اخْدَثَ : ای اخترع وابتدع اپنی طرف سے گھڑتا ہے یا پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ احداث عام ہے خواہ بطور عقیدہ ہو یا بطور عمل و قول سب کو شامل ہے۔ قوله أَمْرِنَا جمہور علماء امت کے نزدیک اَمْرُنَا سے مراد دین اسلام والا امر ہے۔ علامہ ہردیؒ لکھتے ہیں ”ای فی دین الاسلام“ مرتبہ ۲۱۵ - محدث عبدالحی دہلویؒ لکھتے ہیں ”کہے کہ نوپدید کرد در دین کا“ اشعة المعانی ۲۱۵ - لہذا اَمْرُنَا سے مراد دینی امر ہے۔ يقول ابوالاسماد : لفظ اَمْرُنَا سے حضور پرورد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ اولاً اس طرف اشارہ ہے کہ جو چیز تخی ایجا نہ ہوئی لیکن اسے امر دین میں شمار نہیں کیا جی تو وہ بدعت کے زمرے میں نہیں آئے گی۔ ثانیاً اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا کام صرف اور صرف دین ہی ہونا چاہیئے۔

قوله هَذَا : اسم اشارہ ہے جو محسوس کے لیے موضوع ہے۔ اس کو نا کر یہ بتلانا مقصود ہے کہ دین اسلام کی حقانیت ایسی رافع ہے کہ وہ کا محسوس ہے اس کا انکار برباد ہوتا ہے انکار ہے۔ قوله مَا لَيْسَ مِنْهُ : یعنی ایسی کسی چیز کا دین میں اضافہ کرنا جس کی سند کتاب و سنت میں ظاہر و باطناً مطلقاً و مستنبطاً کسی طرح بھی نہ ہو۔

قوله فَهُوَ كَاذِبٌ۔ راقی مصدر مضی اسم مفعول ہے یعنی مردود و مبالغہ کے لیے مصدر

سے تعبیر کر دیا گیا جیسے خلق یعنی مخلوق، اور مَوَصِّر کے مَرَجِع میں دو احتمال ہیں۔

أَوَّلُ: أَحَدُث سے جو محدث (یعنی گھڑی جو کسی چیز، مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف راجع ہے یعنی ای ہَذَا المحدث مردود۔

دوئم: یا ضَرِیْحَ مَن مَّعْرُوْلَہ کی طرف راجع ہے (یعنی ایجاد کرنے والا) ای ہَذَا المَرَجِعُ الَّذِیْ أَحَدُث رَدَّ اِیْ مطرود عن جناب اللہ تعالیٰ بعض حضرات کے نزدیک رَدَّ بمعنی واجب الرد ای عدم الاتباع۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں بدعت کی مذمت کے ساتھ بدعت کی تعریف بھی واضح ہو جاتی ہے۔

**بدعت کی تعریف** - محدثین حضرات نے بدعت کے دو معنی بیان کیے ہیں:-

**بدعت کا لغوی معنی** - لَفْظُ بدعت کہتے ہیں بلا مثال سابق کسی چیز کو از سر نو ایجاد کرنا خواہ اچھی ہو یا بُری۔

شریعت کے اندر بدعت کہتے ہیں کہ مَا لَیْسَ مِنَ الدِّیْنِ کو دین میں داخل کرنا۔ جب کہ اس کی اصل اور

## بدعت کا شرعی معنی

تغیر قرون ثلاثہ مشہود لہا بالتحیر اور اجماع امت میں نہ ملے نہ ظاہراً نہ کُنْیَہً اور نہ کسی سے مستنبط ہو یہ چند قیودات ہیں تو پہلی قید سے وہ امور بدعت سے نکل گئے جن کا نمونہ قرون ثلاثہ میں موجود ہیں، یا ان سے مستنبط ہیں۔ جیسے مسائل فقہیہ و کلامیہ۔ دوسری قید سے وہ امور نکل گئے جن کو ثواب کچھ کرنے کیا جائے جیسے تَوَشُّعُ فی اللذائِذِ و المآکلِ و المشارِبِ اور ذرائع آمد و رفت، تلبسری قید سے وہ امور نکل گئے جن کی ضرورت صحابہ کرامؓ کو نہ پڑی تھی اس لیے نہیں کیا اور بعد والوں کو ضرورت پیش آئی اس لیے کیا۔ جیسا کہ خاص انتظام سے دینی رنگ میں بنا نا وغیرہ۔ اس تعریف سے بدعت کی تقسیم حسنة و سئۃ کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ کیونکہ تقسیم کرنے سے حسنة و سئۃ کے درمیان حد فاصل مقرر کرنا بہت مشکل ہوگا کیونکہ جس کو ہم سئۃ کہیں گے بدعتی لوگ اس کو حسنة کہیں گے۔ اور حدیث مَلِكٌ یُنِیْدُ بَعَثَ صَلَواتُہُمْ اَیْزِیْرُ تَاوِیْلُ کے صحیح ہو جائیگی۔

الفرض بدعت سب کی سب سئۃ ہے حسنة کچھ بھی نہیں۔ اس لیے مکتوبات میں حضرت

مُحَمَّد و آلِہ ثانی فرماتے ہیں کہ "یَحِیْجُ اَزْ بَدْعَتِ بَدْعَتِ حَسَنَہٌ نَبِیْتُ"

سوال - حضرت عمرؓ نے تراویح باجماعت کو نعمة الیہدۃؓ فرمایا ہے اسکی معلوم ہوا کہ بدعت

حسنہ ہے؟  
جواب اول - نِعْمَتُ الْیَہْدِ عَتَہُ ۛ فرمانا وہاں بدعت سے لغوی بدعت مراد ہے  
کیونکہ صحابہ کرامؓ کا فعل بدعت شرعی نہیں ہو سکتا۔

جواب دوم - یا مراد یہ ہے کہ اگر بدعت کوئی اچھی ہوتی تو یہ بدعت نہیں ہے لہذا  
بدعت کا کوئی فرق حسنہ نہیں ہے۔

بعض سنن سے جو تقسیم منقول ہے اس سے بدعت لغوی مراد ہے  
شیخ عز الدین عیسیٰ السلام فی آخر کتاب القواعد لکھتے ہیں کہ بدعت لغویہ

فائدہ اولیٰ

پانچ قسم ہیں :-

اول واجب : مثلاً فرق باطلہ قادیانیت وغیرہ کی تردید کرنا۔ کیونکہ شریعت مقدسہ  
کی ایسی بدعات سے حفاظت کرنا واجب ہے اور یہ چیزیں اس کا مقتضی ہیں، اور واجب کا مقتضی  
بھی واجب ہوتا ہے۔

دوم حرام - مثلاً جبریہ اور معتزلہ کے عقائد وغیرہ۔

سوم مستحب - مثلاً مدارس دینیہ اور تزکیہ نفوس کے لیے خانقاہوں کی تعمیر  
یا تراویح باجماعت ادا کرنا۔ حضرت عمرؓ اس کے متعلق فرماتے ہیں نِعَصْتُ الْیَہْدِ عَتَہُ ۛ۔  
تو یہاں بھی بدعت لغویہ مراد ہے جو حقیقت سننہ حسنہ ہے۔

چہارم مکروہ - مثلاً عقیب الصبح والعصر مصافحہ کرنا۔ عند الاضاحات مکروہ اور  
عند الشرائع مباح ہے۔ لَنْ اَتَّحَابِتُمْ مَا صَافَحُوا بَعْدَ اَدَاءِ الصَّلَاةِ وَلَا تَهَا  
مِنْ سَخَنِ التَّوَاقُضِ وَتَهَا سَخَا اِیْدَادِ الْاَحْکَامِ ۛ (ج ۱) وعلیٰ ہذا میت کا سوئم اور چہلم  
بھی بدعت مکروہ ہے۔ چنانچہ تہامی ۛ ج ۱ میں ہے ”وَبِکَرِ ۛ اتِّخَاذِ الطَّعَامِ فِی الْیَوْمِ  
الْاَوَّلِ وَالْثَلَاثِ وَبَعْدَ الْاَسْبُوعِ ۛ

پنجم مبہاح - مثلاً کھانے پینے اور مکان بنانے میں توسع کرنا جب کہ مال حرام سے  
نہ ہو اور اسی طرح مساجد اور قرآن پاک کے نسخوں میں نقش و نگار کرنا، عند الاضاحات مباح و عند الشرائع  
مکروہ ہے۔ اور بیٹ بھر کے کھانا۔ چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں ”اَوَّلُ بِدْعَةٍ فِی الْاِسْلَامِ

شیع البطن -

جس چیز کی نسبت دین کی طرف کی جانے اس کی دو قسمیں ہیں۔

**فائدہ ثانیہ** | **اَوَّلُ مَا مِنَ الدِّينِ** - دُومَ مَا لَيْسَ مِنَ الدِّينِ مَا مِنَ الدِّينِ  
سے مراد یہ ہے کہ اس شئی کے دین میں سے ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم ہو اور مَا لَيْسَ مِنَ الدِّينِ وہ چیز ہے جس کے دین میں سے ہونے پر کوئی شرعی دلیل قائم نہ ہو۔

**کسی چیز کے بدعت ہونے کی کیا دلیل ہے؟**

مفتی جن حضرات نے تقیم کے بعد کسی چیز کے بدعت ہونے کے لیے دو شرطیں لگائی ہیں۔

**اَوَّلُ** : مَا لَيْسَ مِنَ الدِّينِ کے قبیل سے ہو۔

**دُومَ** : اس کو دین میں سمجھا جائے۔ مثلاً ایصالِ ثواب کا جواز دلیل شرعی سے ثابت ہے اگر کوئی شخص ایصالِ ثواب کو مشروع سمجھتا ہے اور اس کو کرتا ہے تو اس نے مَا مِنَ الدِّينِ کو دین سمجھا ہے اس لیے یہ بدعت نہیں کیونکہ یہاں بدعت کا پہلا رکن یعنی مَا لَيْسَ مِنَ الدِّينِ ہونا مفقود ہے لیکن اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو ایصالِ ثواب کرنے کا زیادہ ثواب ہے تو اس دن کی تخصیص کی یہ بدعت ہے اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں۔ یہ مَا لَيْسَ مِنَ الدِّينِ کے قبیل سے ہے۔ اس لیے اس شخص نے اس کو دین میں داخل کر دیا اور موجبِ ثواب سمجھا یہ بدعت ہوگی۔

احادیثِ نبویہ میں بدعت کی بہت مذمت کی گئی ہے۔ چند

احادیث پیش خدمت ہیں :-

**مذمت بدعت**

① **وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَفَّرَ صَاحِبٌ بِدْعًا عَنَّا فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هٰذِهِمُ الْاِسْلَامَ**  
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۱) یعنی جو بدعتی کی تعظیم کرے گا وہ اسلام کی سچ گئی میں اعانت کرے گا۔

② **حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عَجِبْتُ النَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ**



کیونکہ بدعتی آدمی بدعت کو گناہ نہیں سمجھتا اور توہ گناہ سے ہوتی ہے۔

(۲) بدعتی پر سکھام پڑھنے اور سکھام کا جواب دینے سے منع کیا گیا ہے جب کہ سلام شعا نیز اسلامی ہے۔

(۳) بعض محققین کا قول ہے کہ بدعتی جو دین میں نیا امر شامل کرتا ہے وہ محقق غور پر مدعی غوث ہے کیونکہ دین میں اضافہ دینی مسئلہ اور گناہ یا توہین نبی ہے جب کہ اس نے اسلام کی عدم تکمیل کا مدعی بن کر اَلْيَوْمَ اَتَمَمْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ آیت ص ۱۷ کی تکذیب کی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کی جتنی مذمت فرمائی ہے شاید کفر و شرک کے بعد کسی اور چیز کی اتنی بُرائی بیان نہیں فرمائی۔  
(وَلَوْ دُيَا لَمْ يَكُنْ مِنْ ذَا الْاَمَلِ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و صلوة کے بعد یقیناً بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد مصطفیٰ احمدیؐ کا ہے اور بدترین چیز دین کی بدعتیں ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْإِسْلَامِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ

قولہ اَمَّا بَعْدُ : اس میں تھا "بَعْدَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ" حضرت نبی کریم علیہ السلام کوئی خطبہ ارشاد فرما رہے ہوں گے کہ اَمَّا بَعْدُ فرمایا اس کی تشریح آچکی ہے اور یہ اَمَّا بَعْدُ بطور فصل الخطاب کے نقل کیا جاتا ہے۔

قولہ اَلْحَدِيثُ : حدیث کے معنی مطلقاً بات اور کلام کے ہیں۔ لہذا اس معنی سے قرآن بھی حدیث ہے اور لوگوں کی کلام بھی، مگر اصطلاح میں صرف حضورؐ کے فرمان اور کلام کو حدیث کہا جاتا ہے۔ مگر یہاں لغوی معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام تمام کلاموں پر ایسا ہی بزرگ ہے جیسے خود پروردگار اپنی مخلوق پر۔

قَوْلُهُ هَذِي : لفظ مشہور ہڈی ہے لیکن بعض حضرات ہڈی بھی پڑھتے ہیں دونوں کے معنی سیرت طیبہ اور اچھی خصلت کے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اچھی ہے کیونکہ یہ رب کی طرف سے ہے جب کہ ہمارے کام اور ہماری کلام نفسانی اور شیطانی بھی ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل رحمانی ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل پر اعتراض کفر ہے کیونکہ وہ رب پر اعتراض ہے۔ لوگوں نے آپ کے نکاح پر اعتراض کیا تو رب زد الجلال کو کہنا پڑا ”فَوَرَّوْا عَنْكُمْ“ ہم نے آپ کا نکاح کر لیا۔

قَوْلُهُ مُحَدَّثَاتُہَا : یہ مُحَدَّث سے ہے مُحَدَّث بمعنی جدید اور نو پختہ چیز تعافی قولہا تعافی ”بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ (بقرہ پل) اس سے عمومی بدعات مراد ہیں قولی ہوں یا فعلی ہوں یا اعتقادی ہوں۔

سوال۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدعت کو شرعاً مورد کہا حالانکہ شرعاً مورد تو اور بھی بہت ہیں مسئلہ زنا، چوری، قتل وغیرہ اس کی تخصیص کی کیا وجہ ہے ؟

جواب اول۔ مقام اور مجلس کے اعتبار سے تخصیص فرمائی ہے کہ جہاں یہ خطبہ ارشاد فرمایا ہوگا وہاں کے لوگوں میں بدعات کا رواج ہوگا۔

جواب دوم۔ مریض دو قسم ہیں عا مریض جو اپنے آپ کو بیمار سمجھے اور علاج بھی کرائے۔ عا وہ مریض جو فی الواقع بیمار تو ہے لیکن اپنے آپ کو بیمار نہیں سمجھتا جب بیمار ہی نہیں سمجھتا تو علاج کہاں سے کرائے گا۔ یہی حال چوری زنا وغیرہ کا ہے کہ ان کا مرتکب اپنے آپ کو گناہگار سمجھتا ہے اور کسی وقت بھی اس کو توبہ نصیب ہو سکتی ہے جب کہ بدعتی ایک ایسا مجرم ہے جو اولاً بدعت کو حرم ہی نہیں سمجھتا بلکہ نیکی کا درجہ دیتا ہے۔ ثانیاً توبہ بھی نہیں کرتا۔ تو قانون ہے کہ جب کسی فعل کو نیکی سمجھ کر کیا جائے تو اس کا ترک ناممکن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ گناہگار کو توبہ نصیب ہو سکتی ہے۔ بدعتی کو نہیں۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعاً مورد فرمایا۔

قَوْلُهُ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ - یہ قاعدہ کلیہ ہے فَلَا مَحْصَصَ لَهَا۔

سوال۔ جب حدیث پاک کے مطابق ہر بدعت ضلالت ہے تو پھر اس کی تقسیم کیسے صحیح ؟ کہ ہر بدعت لغوی و شرعی، کیونکہ حدیث کے اس جملہ سے تقسیم کی تردید ہوتی ہے۔

جواب اول۔ اس جملہ میں بدعت شرعی کی تقسیم نفی ہے یعنی كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

سے مراد بدعت شرعیہ اصطلاحیہ ہے جو مطلقاً مذموم ہے اور جو حرام ہے وہ حرام رہے گا۔ البتہ بدعت لغویہ کی تقسیم ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں:-

وَأَمَّا مَا وَقَعَ فِي كَلِمِ السُّنَنِ مِنْ اسْتِحْسَانِ بَعْضِ الْبِدَعِ فَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي الْبِدَعِ الْخُصُوصِ فِي الشَّرْعِ عَيْنَةً : (رجوع العلوم والحکم ص ۱۹)

**جواب دوم**۔ حدیث پاک کے اندر ضلالت کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی اور واقعی ہے قرآن مقدس اور حدیث پاک میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں:-

اللہ پاک فرماتے ہیں ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ الَّتِي بَيْنَ يَدَيْكُمْ بِالْبِدَعِ الَّتِي هِيَ كَالْعُرْجِ السَّاقِطِ“ (سورہ بقرہ ص ۲۸)

درود گناہ کھار۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درود گناہ کا نہ کھاؤ۔ ایک حصہ یا تھوڑا کھاؤ تو جائز ہے۔ حالانکہ رباقیل و کثیر من کل الوجوه حرام ہے تو یہاں بھی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔

وَمِنَ الشَّيْءِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (لقمان ۶۱) لَهْوَ الْحَدِيثِ کی شرار ممنوع ہے کیونکہ

اس سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ مطلقاً آلات مزامیر کی شرار ممنوع ہے خواہ نیت گمراہی کی ہو یا نہ ہو تو یہاں بھی قید اتفاقی ہے۔

**سوال**۔ ترمذی شریف ص ۹ ج ۲ باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة میں اور مشکوٰۃ شریف ص ۱۱ ج ۱ باب الاعتصام بالكتاب والسنة فصل ثانی میں بھی یہی روایت ہے۔ بلال بن المحارب مزی کی روایت جس کے الفاظ ہیں ”ومن ابتدع بدعة ضلالة اس میں بدعت ضلالتہ کی قید مذکور ہے۔

**جواب**۔ ترمذی شریف کی یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں کثیر بن عبد اللہ شراذی ہے اس کے متعلق امام شافعیؒ اور امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں ”رکن من ارکان الکذاب بعض حضرت نے منکر وک واچ کہا ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ  
مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُتَّبِعٌ فِي  
أَوَّلِ سَلَامٍ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطْلَبٌ  
دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِبُغْضِ  
دَمِهِ۔

نے کہ اگر تعالیٰ کے ہاں تین شخص سب سے  
زیادہ مبغوض ہیں، حرم میں بے دینی کرنے والا  
اسلام میں جاہلیت کے طریقہ کا متلاشی میلان  
کے خون ناحق کا طلب گار تاکہ اس کی خون ریزی  
کرے۔

قوله أَبْغَضُ النَّاسِ - النَّاسُ کی الف لام عہد کی ہے المراد عصاة المسلمین یعنی  
گناہگار اب معنی ہر گناہ گار لوگوں میں سے زیادہ مبغوض الشریک کی طرف تین شخص ہیں۔  
قوله ثَلَاثَةٌ - اصل میں ثَلَاثَةٌ اشخاص تھا۔

قوله مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ : مُلْحِدٌ الحاد سے ہے الحاد کے معنی ہیں میلان اور جھکنا۔  
شریعت میں باطل کی طرف جھکنے والے کو ملحد کہتے ہیں۔ اور مراد یہاں ہے کہ بے دینی پھیلانے والا  
حرم میں۔ یعنی پہلا شخص وہ ہے جسے خدا نے اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائی۔ مگر اس کے  
باوجود ایسی چیزیں اختیار کرتا ہے جو ایک طرف تو اس مقدس جگہ کی شان و عظمت کے کٹافی ہیں  
اور دوسری طرف احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کے مترادف ہیں مثلاً دیاں لڑائی جھگڑا  
کرنا، شکار کرنا یا کوئی مطلق گناہ کرنا۔

قوله مُتَّبِعٌ فِي أَوَّلِ سَلَامٍ - اسی طالب فی الا سلام دوسرا شخص وہ ہے جس کو  
خدا نے ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور اس کے قلب کو یقین و اعتقاد کی روشنی سے منور  
کیا مگر وہ اسلام میں ان چیزوں کو اختیار کرتا ہے جو خالص زمانہ جاہلیت کا طریقہ اور غیر اسلامی ہیں  
تھیں۔ جیسے نوحہ کرنا یا مصائب و تکلیف کے وقت گریبان چاک کرنا، بُرے سنگون لینا نذر  
دنیا کرنا وغیرہ وغیرہ۔

قوله سُنَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ - سنت کے لغوی معنی طریقہ کے مراد ہیں یعنی طریقہ  
جاہلیت جس کی تفصیل آچکی ہے تو اس سوال کا بھی دفعیہ ہو گیا کہ سنت کا اطلاق تو حضور علیہ السلام کے  
اسوہ حسنہ پر ہوتا ہے جو محمود ہی محمود ہے جب کہ جاہلیت کا طریقہ تو مذموم ہے لہذا سنت کا لغوی  
معنی مراد ہے اسی طریقہ الجاہلیت۔

قَوْلُهُ وَمَطْلَبُ دَمِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ : مُطْلَبُ بِمَعْنَى اِنْتِظَارٍ هِيَ ، يَاطْلُبُكَارِ كَسْتَنِي مِثْلُ هِيَ ، اَيْنِي تَبْسُاطُ شَخْصٍ وَهِيَ جَوْكِي مُسْلِمَانِ كَانَا حَقَّ خُونٍ بَهَا نَعْلَ كَا طَلَبُ كَارِ هُوَ اَيْنِي كَسِي مُسْلِمَانِ كَو قَتْلُ كَرْنَعِ كَا مَقْصِدُ مَحْضِ خُونِ رِيْزِي هُوَ اَدْر كُو كِي مَقْصِدُهُ هُوَ ۔

سوال ۔ شَارِعِ عَلِيهِ السَّلَامُ نَعْلَ اَنْ تَمِيْنِ كِي تَحْصِيصِ كِيُوْنِ فَرْمَايَ ، اَسْ مِيْنِ كِيَا حَكْمَتُ هِيَ ؟  
جواب اَوَّل ۔ حَكْمَتُ مَوْقِعِ مَحَلِّ هِيَ كَهْ وَهْ مَوْقِعِ مَحَلِّ اِيْسا تَحَا بَلَكَهْ اَنْ كَارِ وَاَجِ تَحَا اَسْ يَعْلَمُ اَنْ كِي تَرْوِيْدُ فَرْمَايَ ۔

جواب دَوِّم ۔ اَنْ كِي مَبْغُوضُ هُوْنَعِ كِي وَجْهُ يَدِ هِيَ كَهْ اَرَايِكُ نَظَا هِيْنِ اَسْ كِي سَا تَحَا سَا تَحَا مَزِيْدُ قَبَا حَتِّ كِي اِيْسا اَيْكَا مَرِ هِيَ هِيَ جِسْ كِي وَجْهُ يَدِ مَبْغُوضُ هُوْ يَحْ هِيَ ۔

مِثَالُ جُرْمِ اَوَّل : اِلْحَادُ مَطْلَقًا مَنُوعُ هِيَ اِپْهَرُوْهْ هِيَ حَرَمُ پَاكِ مِيْنِ ۔  
مِثَالُ جُرْمِ دَوِّم : هَرِ غَلَطُ رَا سَتَهْ بُرَا هِيَ لَيْكِيْنِ وَهْ هِيَ جَا اَبْلِيَّتِ وَالَا هِيَ كُو قُرْآنِ مُقَدَّسِ نَعْلَ مُسْلِمَانِ نَحِيْسِ بَلَكَهْ مُسْلِمِيْنِ فَرْمَايَ ۔

مِثَالُ جُرْمِ سَوِّم : قَتْلُ دِيْسا بُرَا هِيَ اِپْهَرِ قَتْلُ هِيَ نَا حَقِّ اَيْنِي قَتْلُ بُرَا نَعْلَ قَتْلُ اَدْر وَهْ هِيَ خُونِ رِيْزِي كَسِي ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی ۔ عرض کیا گیا کہ منکر کون ہے فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا ، جس نے میری نافرمانی کی منکر ہوا ۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَتَى قَبْلَ مَنْ أَتَى قَالَ مَنْ أَتَى عَنِّي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ

قَوْلُهُ كُلُّ أُمَّتِي ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت دوسم ہے ۔

اُمتِ اِجَابَت ۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و شریعت کو قبول کیا

جیسے اہل ایمان۔

**اُمتِ دعوت**۔ جنہوں نے حضرت کی دعوت کو قبول نہیں کیا جیسے غیر ملتِ اسلامیہ اب اگر اُمت سے اُمتِ دعوت مراد ہے تو اِلَّا مَن آئی کی استثناء منقطع ہوگی اور اگر اُمت سے اُمتِ اجابت مراد ہے تو پھر استثناء منقطع ہوگی۔ اسی طرح اگر اُمت سے اُمتِ دعوت مراد ہو تو آئی سے مراد کافر ہیں۔ اگر اُمتِ اجابت ہے تو آئی سے مراد عامی و گناہکار لوگ ہیں تو اس صورت میں حدیث تغلیظ پر محمول ہے یا اس سے دخولِ اولیٰ کی نفی مراد ہے۔ اور مَن آئی کا معطوف علیہ مقدر ہے اصل میں عبارت تھی ”عَرَفْنَا الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَمَن آئِي“۔

**تشریح مَن آئی** | اباؤ اور انکار کی دھمکی میں ہیں۔ اول اباہ اعتقادی؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر (نصوص باللہ) پورا اعتقاد نہیں تو ایسا شخص غالباً فی الثار ہوگا۔ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میری اُمتِ دعوت جنت میں ضرور جائیگی۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اباہ اعتقادی یعنی کفر کیا یہ جنت میں کبھی نہیں جائیں گے۔ دوئم اباہ عملی؛ یعنی اعتقاداً تمام ضروریاتِ دین کو ماننا ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض باتوں پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے ایسے شخص کے دخول فی اندر کا خطرہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میری اُمتِ اجابت کو جنت کا دخولِ اولیٰ ضرور حاصل ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے بدعملی کی ہوگی۔

**سوال**۔ یہ ہے کہ مَن آئی کی تفسیر تو مَن عَصَانِي ہے لیکن مَن اَطَاعَنِي کیوں فرمایا اور یہ کس کی تفسیر ہے؟

**جواب اول**۔ بعض حضرات کے نزدیک توافقِ بین عبارت کے لیے فرمایا ہے اور مَن اَطَاعَنِي یہ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ کی تفسیر ہے۔

**جواب دوئم**۔ یہ زیادتی علی الجواب ہے اور یہ لفظ عرب میں شائع و ذائع ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ  
مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَهُوَ نَابِئُهُ فَقَالُوا اِنَّ  
لِصَاحِبِكُمْ هَذَا مَثَلًا قَاصِدًا  
لَهُ مَثَلًا قَال بَعْضُهُمْ اِنَّهُ نَابِئُهُ  
وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْقَيْنَ نَابِئُهُ  
وَالْقَلْبُ يَنْفُصَانِ -

بارگاہ میں فرشتے ضرر ہوئے جب کہ آپ  
سوہے تھے تو بولے کہ تمہارے ان صاحب  
کی کہارت ہے ان سے بیان کر دو بعض  
بولے کہ وہ سوہے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان  
کی آنکھیں سو رہی ہیں اور دل مبارک  
بیدار ہے۔

قَوْلُهُ جَاءَتْ مَلَائِكَتُهُ : لہذا سے مراد فرشتوں کی جماعت ہے جن میں  
حضرت جبریلؑ و میکائیلؑ بھی داخل ہیں۔ حضرت جبریلؑ آپ کے سر ہاتھ تھے اور میکائیلؑ  
پانتنی کی جانب تھے۔ جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ حضرت جابرؓ فرمے ” قَالَ خَرَجَ  
عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ  
جِبْرِيْلَ عِنْدَ رَأْسِي وَمِيكَائِيْلَ عِنْدَ رِجْلِي الْغ (مِثْلًا)

اور یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے خود حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت  
میں ہے یا حضرت جابرؓ نے خود یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا اور یہ گفتگو اپنے کانوں سے سنی ہو  
جیسا کہ ترمذی شریف اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے :-

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّدَ فَنَحَدَهُ  
فَرَقَدَ وَكَانَ إِذَا نَامَ لَفَعَ فَبَيْنَا أَنَا قَاعِدٌ إِذَا تَابَرَجَانِ عَلَيْهِمَا قَوْثَانِبُ  
بِيضَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَهُمْ مِنَ الْجَمَالِ فَجَلَسَتْ طَائِفَتٌ  
مِنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَائِفَةٌ  
عِنْدَ رِجْلَيْهِ الْغ (مِثْلًا)

قَوْلُهُ إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ : اِی الْمُحَمَّدِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ یعنی صاحب سے  
حضرتؐ کی ذات پاک مراد ہے۔

قَوْلُهُ قَاصِدٌ لَمْ يَكُنْ مَثَلًا : اِی بَيِّنٌ لَمْ يَكُنْ مَثَلًا یعنی ان کو مثال بیان کر دینا تاکہ  
وہ سن کر اپنی امت کو پہنچا دیں کیونکہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ مَادُّبَةً - بِضْعَةِ الدَّالِ مَادُّبَةً أَدَبٌ سَخِي كِهَانَةِ كِي دَعْوَت مَكْرَامَتًا  
میں عام کھانے کو مَادُّبَةً کہا جاتا ہے جیسے ولیمہ وغیرہ۔

قَوْلُهُ أَوْ لَوْهَا - اِی فُشِّرُوا الْحِکَايَةَ لَعْنَى وَفَاحَت سے مثال کو بیان کرو۔

قَوْلُهُ يَفْقَهُهَا - اِی يَفْهَمُهَا تَاكِيْدًا كِهَانَةِ سَاخِي اِس كُو وَفَاحَت سے سمجھیں۔

قَوْلُهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ : یہاں پر ایک سوال ہے۔

سوال - یہ کہ فرشتوں نے سوال کو مکرر کیوں کیا ؟

جواب - اِس مسئلہ کی تَاكِيْد و اِهْتِمَام کے لیے مکرر سوال کیا تاکہ یہ مسئلہ ذہن نشین ہو  
جائے۔ عِنْدَ الْبَعْضِ عَظَمَتِ شَانِ بَيَان کرنے کے لیے بھی دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔

## بیان فوائد

اِس مضمون کی ایک اور حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ آگے ملے گی  
فائدہ اولیٰ فصل ثانی میں آرہی ہے۔ ان حدیثوں کا حاصل دو باتیں ہیں۔ اولاً یہ بات  
امت کو بتلانا مقصود ہے کہ فلاں آخرت اور جنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی سے حاصل  
ہو سکتی ہے۔ کَمَا قِيلَ ۔

میں پندرہ صدی کہ راہِ صفا — قرآن رفت جز بر پئے مصطفیٰ  
ثانیاً : اِس حدیث کی تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ بمنزلہ جل کریم  
کے ہیں۔ یا گھر بنانے والے یا دسترخوان چھنے والے ہیں اور جنت بمنزلہ دار کے ہے اور نعلانے  
جنت بمنزلہ مَادُّبَةٍ (سالن) کے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ داعی کے ہیں۔  
نیز آئندہ کو جوتی ہے اور دل بیدار ہوتا ہے۔ عالم بالا کے لحاظ سے  
فائدہ ثانیہ دنیا کے لحاظ سے نہیں۔ حضرت علامہ رومیؒ نے مثنوی کے اندر

اِسی حدیث کا سنائی بیان کیا ہے ۔

لَا يَنَامُ الْقَلْبُ عَنْ رَبِّهِ الْاَمَامِ

گفت پیغمبر کہ معنی تنام

حضرت کی دل مبارک بیدار تھی عالم بالا کے اندر اور فرشتے بھی عالم بالا کے تھے۔ اِس لیے



حضرت کی ذات مبارک یہ کلام سن رہی تھی۔

قَوْلُهُ وَ مُحَمَّدٌ قَرَقَ بَيْنَ الشَّامِ - اِی قَارَقُ بَيْنَ الْمُؤْمِنِ  
وَالْكَافِرِ وَالصَّالِحِ وَالْفَاسِقِ - یعنی کفر و ایمان، کافر و مؤمن میں فرق صرف حضور علیہ السلام  
کی ذات پاک سے ہے کہ ان ہی کا ماننے والا مؤمن ہے اور ان کا منکر کافر۔

## اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةً وَالْقَلْبُ يَقْظَانِ کِی بَحْث

اسی معنوں کی اور روایت بھی ہے جس کو امام ابو داؤد نے اپنی سنن ابی داؤد مشیح ابی  
فِی الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ میں نقل فرمایا ہے: " قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي الْغَدَاةَ عَامَ لَوْنِ كِي نیند صرف ظاہری اعضاء پر ہی اثر انداز نہیں  
ہوتی بلکہ ان کا دل بھی اس سے متاثر ہوتا ہے لیکن انبیاء کرام کی نیند سے صرف ظاہری اعضاء ہی  
متاثر ہوتے ہیں دل پر ان کی نیند کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ متحدہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ  
انبیاء علیہم السلام کے دل نہیں سوتے چنانچہ ابن سعد کی ایک روایت میں جو عطار سے مرسل مروی ہے  
اس میں اس طرح ہے: " اَنَا مَحَاشِيرُ الْأَنْبِيَاءِ تَنَامُ أَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوبُهُمْ وَنَهَلُ  
کیونکہ نبی کی ذات پاک کو ہر وقت عالم بالا سے علم حاصل کرنے کے لیے تیار رہنا ہوتا ہے۔ اس  
طرح ان کے قلوب مبارک بھی ہر وقت ہم اور لفظ میں حصول علوم وحی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اگر  
اس غلط نظریہ کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ اعضاء ظاہری کے سونے سے نبی کا دل بھی سو جاتا،  
تو وحی کی اس قسم پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اس لیے جہاں اس بات پر اُمت کا اجماع و ایمان ہے  
کہ انبیاء کرام کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے تو لازمی طور پر یہ مانا جائے کہ نیند کی حالت میں بھی انبیاء  
کرام علیہم السلام کے قلوب مبارک بیدار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کا خواب وحی کی ایک  
مستقل قسم ہے اور وحی کی دوسری اقسام کی طرح قطعی اور حجت ہے۔

قتل اولاد جس کی حرمت قطعی ہے لیکن نبی کے خواب سے اس کا نسخ ہو

سکتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ میں اپنے پیارے

بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو وحی قطعی سمجھ کر اس پر عمل کرنے کے لیے

مثال

تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر اپنے پیاسے پیٹے سے استحاناً پوچھتے ہیں اور وہ جواباً عرض گویا ہیں: **يَا أَيُّهَا أَفْطَنُ مَا أَفْطَنُ مَرَدُّ**۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی اس خواب کو حق تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی نبی کے خواب کو محبت سمجھتے تھے در نہ کون اپنی جان لینے پر تیار ہوتا ہے۔ ثانیاً قرآن مقدس نے بھی ان دونوں مقدس ہستیوں (ابرہہؑ و اسماعیلؑ) کی مدح سرائی کرتے ہوئے اس نظریہ کو بڑا انکار نقل کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مقدس کی نظر میں بھی نبی کا خواب وحی قطعی اور محبت ہوتا ہے چونکہ نیند کی حالت میں بھی نبی کا دل نہیں سوتا۔ اس کے انبیاء علیہم السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ یہ مضمون معتقد احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اور علمائے اُمت کا بھی یہی نظر یہ ہے بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوجاتے اور اٹھ کر نیا وضو رکھے بغیر نماز پڑھ لیتے (مسلم شریف ص ۱۲۱) باب صلوٰۃ النسبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعاہ باللیل۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں: **«فَمَسَلِي ثَوْبًا صُلِحَ خَتَامُ حَتَّى نَفَعَهُ شَعْرًا أَتَاهُ بِإِلَهِ قَاذَاهُ بِالصَّلَاةِ فَخَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ وَلَوْ مَيِّتَوْضًا»**۔ قَالَ سَعْيَانُ وَهَذَا النَّسَبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً لِأَنَّهُ بَلَغَنَا أَنَّ النَّسَبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَنَامٌ عَيْنَاهُ وَلَمْ يَسَامُ قَلْبُهُ۔

**سوال۔** ایک حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے: **بِإِذْنِ الْإِسْلَامِ كِتَابُ الصَّلَاةِ** میں آئے گی جس کو حدیث کیلئے التقریریں کہتے ہیں اس میں ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح صادق کے قریب سونے کے لیے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ صبح صادق کے وقت جگا دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سرگئے اتفاق سے حضرت بلالؓ کو بھی میندا لگی اور فجر کے وقت کسی کو بھی جاگ نہیں ہوئی۔ جب سورج نکل آیا تو جاگ ہوئی۔ اس وقت آپؐ کو جگ کا حکم دیا بعد نماز قضا فرمائی۔ اسی پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ تو کہتے ہیں کہ نبی کا دل ہر وقت بیدار ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح صادق کا علم کیوں نہ ہوا؟ بعض حضرات نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی کے دل کا ہر وقت جواب اول | بیدار ہونا نکلی نہیں اکثری ہے کہی کہہا نبی کا دل بھی نیند سے متاثر ہو جاتا ہے ایسے مواقع میں سے ایک موقعہ کیلئے التقریریں کا واقعہ بھی پیش آیا ہے۔ لیکن یہ تمہور حضرات نے اس جواب کو مردود کہا ہے کیونکہ نبی کا ہر خواب وحی ہے اگر یہ کہہ دیا جائے

کہ نبی کا دل بھی بعض اوقات نیند سے متاثر ہو جاتا ہے تو وحی کی اس مستقل قسم پر اعتقاد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ہر خواب میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس وقت نبی کا دل سویا ہوا ہو اس لیے یہ جواب مردود محض ہے۔

اکثر شارحین نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا لیلۃ التقریس سے کوئی تعارض ہی نہیں۔ ہر عضو کے وظائف الگ الگ ہیں۔ صبح صادق کا معلوم کرنا دل کا نہیں آنکھوں کا کام ہے۔ صبح صادق مندرکات بصر میں سے ہے ہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر لے اور دل جاگ رہا ہو تو اس کو صبح صادق کا ادراک بالکل نہیں ہوگا۔ لیلۃ التقریس میں صبح کے علم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور ادراک صبح ان کا کام تھا۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ اللہ القوی مصالح شریعہ کے پیش نظر خلافت معمول آپ پر ایسی نیند طاری کی گئی جس کی وجہ سے صبح صادق کا ادراک نہ ہوا تاکہ لوگوں کو ایسی صورت میں قضا نماز کا مسئلہ معلوم ہو جائے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کبھی کبھی میں بھلا دیا جاتا ہوں تاکہ نہیں طریقہ معلوم ہو جائے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تین شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوئے جب انہیں عبادت کی خبر دی گئی تو غالباً انہوں نے اُسے کم سمجھا

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطٌ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَخْبَرُوهُمَا أَنَّهَا تَقَاتِلُوهَا فَقَالُوا آتَيْنَا نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ عَقَرَهُ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔

قوله ثلاثه رهط : ای جماعت ثلاثه اشخاص کیونکہ یہ فردس سے کم کی جماعت کو کہا جاتا ہے۔ یہاں غالباً بمعنی فرد ہے یعنی تین صحابہ کرام حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ، یا مقدادؓ ابن اسودؓ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق مصلوات لینے کے لیے کسی زوجہ مطہرہ کے ہاں تشریف لے گئے۔

سوال : یہ کہ ازواج مطہرات سے کیوں سوال کر رہے ہیں جب کہ صحابہ کرام موجود تھے ان سے سوال کرتے۔

جواب : سوال عام عبادت کا نہیں تھا بلکہ عبادت فی البیوت کا سوال تھا جن کا تعلق لامحالہ ازواج مطہرات سے ہے ورنہ دن کی عبادت تو وہ جانتے ہی تھے۔

قوله کا تھم تھالوھا۔ ای وخذواھا قلیلاً یعنی صحابہ کرام نے اس عبادت کو کم خیال کیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ حضور ساری رات جاگتے ہی ہوں گے اور سوائے عبادت کے کوئی کام نہ کرتے ہوں گے مگر انہیں بتایا گیا کہ شب میں سوتے بھی ہیں، جاگتے بھی ہیں۔ جاگتے ہیں عبادت بھی کرتے ہیں۔

قوله فقالتوا این نحن۔ اس کے تین مطلب ہیں :-

اول : یہ کہ حضور پر نورؐ تو مغفور و معصوم ہیں ہماری ان سے کیا نسبت ! ہمیں تو اپنا انجام معلوم نہیں کہ کیا ہوگا۔

دوم : یا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے تو ایسا تعلق ہے کہ ان کی معمولی عبادت بھی ان کو کافی ہے ہمیں اپنی نسبت سے عبادت کی تسکیر کرنی چاہیے۔

سوم : یا یہ مطلب ہے کہ آپ کی ظاہری عبادت اگرچہ کم ہے لیکن باطنی یا قلبی عبادت زیادہ ہے۔ چنانچہ وارد ہے "تفکروا ساعۃ خیر من عبادۃ سبتین سنۃ"

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دالوا الفکر متوا صل الاحزان۔

قوله : فصن رغب عن سئی۔ ای اعراض عن سئی۔ اعراض عن السنۃ

دو قسم پر ہے۔ اول اعراض عن السنۃ للثماون وانکاہ لیتہ ایہ اعراض سے انسان خارج از اسلام نہیں ہوتا۔ دوم اعراض عن السنۃ تحقیقاً ایہ اعراض سے انسان خارج از اسلام ہو جاتا ہے۔

یَقُولُ ابُو الاسْعَاد : اِس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو بدعتِ حسنہ کے قائل ہیں۔ اِس لیے کہ تینوں صحابہؓ نے جن چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرنے کا ارادہ کر لیا تھا وہ عبادت کی قسم سے تھیں لیکن یہ طریقہ سنہ نبویہ کے خلاف تھا اِس لیے حضرتؐ نے تردید فرمادی۔

## مَسْئَلَةُ الْعُلَمَاءِ فِي مَسْئَلَةِ عَصْمَةِ الْأَنْبِيَاءِ

وَحَدَّثَ عَنْهُ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذِكْرِهِمْ وَمَا تَأَخَّرَ

اِس حدیث اور اِس قسم کی دوسری نصوص میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف ازب یا اِس قسم کے دوسرے الفاظوں کی نسبت کی گئی ہے۔ اِس قسم کے نصوص نے کہ محمد بن مسند عصمت انبیاء کرام علیہم السلام میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اِس لیے اِس مقام پر قدرے تفصیلاً اِس اہم مسئلہ کی وضاحت کی جا رہی ہے (سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا بِكَ مَا عَلَّمْتَنَا) مسئلہ کی وضاحت سے قبل چند فوائد کا جائنا ضروری ہے۔

**فائدہ اولیٰ** | عصمت انبیاء کا مسئلہ دین کے بنیادی اور اہم مسائل میں سے ہے بلکہ اِس کو سب مسائل کی بنیاد ہی کہا جا سکتا ہے اِس لیے کہ پوری شریعت مظہرہ انسانیت کو نبی کے واسطے ہی ملتی ہے نبی کی ہر بات دین میں حجت ہوتی ہے قرآن کریم میں ہے:-

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُرْسَلِينَ نُؤْتِهِ مَا يَلْفُوفُ وَنُصَدِّقُهُ جَهَنَّمَ  
وَمَنْ آتَتْ مَمَئِدًا مِّنْهُنَّ لِنِسَاءٍ

اِس آیت میں نبی کی ہر قسم کی مخالفت کو گمراہی اور دخولِ جہنم کا سبب قرار دیا ہے۔

**فائدہ ثانیہ** | آیت کے اطلاق اور عموم سے معلوم ہوا کہ نبی کا ہر قول و فعل اور اِس کی ہر تقریر حجت اور تشریحی مقام رکھتی ہے۔ اگر نبی سے بھی تقاضائے بشریت سے مغلوب ہونے کی وجہ سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے تو یہ اِس

آیت کے منافی ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے ہر قول، فعل اور تقریر کو محبت کہنا اور اس کی مخالفت کو دخولِ نار کا سبب قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ اگر نبی کی زندگی میں کچھ باتیں غلط ہوتیں تو حق تعالیٰ یہ اعلانات کبھی نہ فرماتے کہ ان کی ہر بات ماننا ضروری ہے اگر نہ مانو گے تو جہنم کی سزا ہوگی۔ غلط بات کے نہ ماننے پر دوزخ کی سزا کیسے ہو سکتی ہے۔

**فائدہ ثالث** نبی کی طبیعت مبارک شریعت کا سانچہ ہوتی ہے جس میں سے شریعت ڈھل ڈھل کر نکلتی اور اُمت کے سامنے آتی ہے جس طرح کسی اینٹ

کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس سانچے سے وہ بن کر آئی ہے وہ بھی درست ہو ایسے ہی شریعت پاک و صاف اور پوری انسانیت کے لیے واجب العمل قہر ہی ہو سکتی ہے جب کہ نبی کی طبیعت اور فطرت کو پاک و صاف تسلیم کیا جائے اور کہا جائے کہ نبی کے طبعی میلانات اور رجحانات اتنے صاف ہوتے ہیں کہ وہ کبھی گناہ کے قریب بھی نہیں جھٹک سکتا۔ اسی بات کا دوسرا عنوان عصمتِ انبیاء ہے۔ اور عصمتِ انبیاء کا انکار دراصل پوری شریعت سے ہی اعتماد اٹھانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔

**فائدہ رابع** ① محمدؐ میں حضرات نے لکھا ہے کہ ذنب سے خلافِ شانِ کُور یا خطا اجتہادی مراد ہے مثلاً اسلمی بدر سے فدیر قبول

کرنا غزوہ تبوک میں متخلفین کو تخلف کی اجازت دے دینا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے جنازہ میں شریک ہونا۔ ان کاموں کے مقاصد تو صحیح تھے لیکن فعل خلافِ ادلی تھا۔ جب کہ گناہ کی قدرت و اختیار موجود ہوتے ہوئے بالفعل گناہ سے محفوظ رہنے کو عصمت کہا جاتا ہے اسی لیے امام ابو منصورؒ نے فرمایا کہ عصمت مُکلف ہونے کو زائل نہیں کر دیتی بلکہ وہ معصوم ہونے کے باوجود مُکلف ہی رہتا ہے۔

② حضرت اللہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عصمت اللہ ذنب میں فرق یہ ہے کہ عصمت عدول عن الحکم و انحراف عن الطاعة کا نام ہے۔ جس کو اُردو میں نافرمانی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مترادف خطا ہے جو ضد ثواب ہے۔ جس کو اُردو میں نادرست سے بھی تعبیر کرتے ہیں جب کہ ذنب أخف المراتب ہے۔ مَعْنَاهُ الْمَصِيب۔

سوال۔ بعض لصوص میں انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب یا اس جیسے دوسرے الفاظ کی

نسبت کی گئی ہے ایسے ہی بعض انبیاء کا استغفار کرنا مذکور ہے۔ استغفار توبہ ہی ہو سکتا ہے جب کوئی گنہ سرزد ہوا ہو۔

**جواب اول** | انبیاء علیہم السلام کے ذنب کا وہ مفہوم نہیں جو عام لوگوں کے ذنب کا ہوتا، بعض دفعہ مضاف الیہ کے بدلنے سے لفظ کے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے جیسے لفظ محبت اس کی نسبت کئی قسم کے لوگوں کی طرف کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اس کی نسبت ماں کی طرف بھی کی جاسکتی ہے مگر محبت کے تصورات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ محبت زوجہ کا جو تصور ہے وہ محبت مادہ میں ہرگز نہ ہوگا۔ ایسے ہی ذنب کا مفہوم مضاف الیہ کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ جب اس کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا یہ مفہوم نہیں جو عام لوگوں کی طرف نسبت کرنے کی صورت میں ہوتا ہے لہذا یہاں ذنب کے حقیقی معنی گنہ مراد نہیں بلکہ (حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْسِدِينَ) ذنب سے تعبیر کی گئی ہے۔

**جواب دوم** | کبھی ایک کام کے دو طریقہ ہوتے ہیں عا فاضل عا افضل۔ بعض اوقات نئی افضل کو چھوڑ کر فاضل پر عمل کو لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زیادہ فضیلت والا عمل چھوڑ کر کم فضیلت والا اختیار کرنا کوئی گناہ نہیں ہے لیکن نئی کی ذات پاک اس کو اپنا تصور سمجھتے ہیں اور اس پر اتنا استغفار کرتے ہیں جتنا کوئی دوسرا واقعی غلطی سرزد ہونے پر بھی نہیں کرتا اس کو ذنب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور نئی کے ذنب کی یہی صورت ہے۔

**جواب سوم** | نئی کی ذات پاک کا ذاتی طاعت جتنا بلند ہوتا ہے کسی اور کا نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا اونچا مقام ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔ اور قانون ہے کہ

جتنا کسی کا ذاتی طاعت بلند ہوگا اتنا ہی اس کو معمولی باتوں پر گناہ کا احساس اور ندامت زیادہ ہوگی۔ کتنے لوگ ہیں جن کو کبھی قیام النہیل کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ ساری رات گناہوں میں گزر جاتی ہے اور ان کو کبھی توبہ و استغفار کا خیال تک نہیں آتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو ساری رات عبادت میں گزار دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہماری عبادت بھی گناہوں کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ النَّاسِ مَنِ يَهْتَجِدُونَ وَاِذَا سَحَارٌ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔

(الذاریات ۱۸)

ان لوگوں کا اپنے آپ کو گناہگار سمجھنا اور استغفار کرنا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے واقعی کوئی معصیت کی ہے بلکہ اس کی وجہ ان کے ذوقِ طاعت کی بلندی ہے ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کا اپنے بعض افعال یا احوال کو ذنب سمجھنا ان کی عدم معصیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو ان کے ذوقِ طاعت کی انتہائی بلند ہونے کی دلیل ہے۔

**سوال** - یہ کہ نبی کی ذات پاک جس چیز کو گناہ سمجھ کر استغفار کرتی ہے اگر وہ واقعی گناہ نہیں ہے تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے کہ تم سے کوئی غلطی ہی نہیں ہوئی معافی کی کیا ضرورت ہے حالانکہ نصوص میں اس قسم کے مواقع پر اس طرح نہیں فرمایا گیا بلکہ ہر جگہ اعلانِ توبہ ہی مذکور ہے۔  
**جواب** - حق تعالیٰ انبیاء کے مزاج شناس بلکہ اس مزاج کے خالق ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اس طرح کہہ دینے سے ان کی تشفی نہیں ہوگی بلکہ ان کی تشفی کے لیے فرما دیتے ہیں کہ مان لیا کہ تم سے گناہ ہو گیا لیکن کیا ہوا ہم نے معاف کر دیا ہے۔

**سوال** - انبیاء کرام تو سب معصوم ہیں مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص کیوں کی گئی؟  
**جواب** - یہ کہ نفسِ مغفرت جو ہر نبی کے لیے عام ہے اس کو یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے خاص نہیں کیا گیا۔ ہاں اعلانِ مغفرت حضور علیہ السلام کے لیے خاص ہے اور اعلانِ مغفرت کے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لیے کچھ خصوصیات ہیں شفاعتِ کبریٰ مقامِ محمود وغیرہ اگر اعلان نہ کرتے تو دیگر انبیاء کرام کی طرح اپنے ذنب کو یاد کر کے قلبی گھبراہٹ کی وجہ سے اپنے خصوصی حق کی طرف پیش قدمی نہ کرتے۔ اب اعلانِ مغفرت کر کے آپ صلعم کو مطمئن کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب دیگر انبیاء کرام پر شفاعتِ کبریٰ کو پیش کیا جائے گا تو فرمائیں گے۔

اٰیْتُوْا مُحَمَّدًا صَلٰی عَلَیْہِ وَسَلٰمٌ فَاِنَّہٗ قَدْ غَفَرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ  
ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔

وَفِیْ مَقَامِ الْاٰخِرِ۔

قال ابن عبد السلام لیسخیر اللہ احدًا من الانبیاء علیہم السلام  
بالْمَغْفِرَةِ وَلِذَا قَالُوا فِی الْمَوْقِفِ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْ هَبُوا اِلٰی مُحَمَّدٍ  
فَقَدْ غَفَرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ۔



**سوال** - مغفرت کے لیے گناہ کا وجود ضروری ہے لہذا مآ تأخّر کا کیا مطلب ہے ؟  
**جواب** - ذنوب مآ تأخّر اگرچہ وجود میں نہیں آئے مگر عظیم خداوندی میں سب موجود ہیں۔  
 لہذا سب کی مغفرت دفعۃً کر دی گئی۔

**ترجمہ**، روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا پھر اس کی اجازت ہو گئی مگر ایک گروہ نے اس سے پرہیز کی۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی، پھر فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان چیزوں سے بچتے ہیں جو میں کرتا ہوں اللہ کی قسم میں ان سب سے اللہ کو زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے خوف والا ہوں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرُخِصَ فِيهِ فَتَزَوَّاهُ عَنْهُ قَوْمٌ فَلَبِغَ ذَٰلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمَدًا ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَزَوَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعَهُ قَوْلَ اللَّهِ إِنْ لَأَعْلَمُهُمْ بِاللهِ وَأَشَدَّهُمْ لَهُ خَشْيَةً -

**قولہ صَنَعَ شَيْئًا** - محمد مبین حضرات نے بحث کی ہے کہ وہ کام کیا تھا جو آپؐ نے کیا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں :-

**قولِ اوّل** - علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حالتِ صوم میں اپنی زوجہ مطہرہ منورہ کو بوسہ دیا تھا۔

**قولِ دوم** - عند البعض حالتِ سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ نہیں رکھا تھا

**قولِ سوم** - محیی الدین ابن العربیؒ سے جب اس بارے میں دریافت کیا تو فرمایا لا اَدْرِي

**قولہ فَرُخِصَ** - معلوم بھی ہے اور مجہول بھی اگر مجہول (رُخِصَ) پڑھا جائے تو

مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی اجازت مل گئی یعنی رخصت دی گئی۔

## رخصت و عزیمت کی تعریف

رخصت کی تعریف یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کو باقتضای احوال مختلف سختی سے آسانی کی طرف

منتقل کر دیا جائے۔ اور اسی پر عمل نہ کر کے اصل حکم پر عمل کرنا عزیمت ہے۔

صحابہ کرامؓ نے خیال کیا کہ عزیمت میں درجہ زیادہ ہے اور رخصت میں کم، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بلند ہے۔ اور آپ کی

## صحابہ کرامؓ کا قیاس

ذات پاک بابرکات شارع ہے خواہ عزیمت پر عمل کریں یا رخصت پر آپ کا درجہ بلند ہوتا ہے گا جب کہ ہم تو گناہگار ہیں۔ ہمیں عزیمت پر عمل کرنا چاہیے تاکہ کمالات زیادہ حاصل ہوں۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ اس رخصت سے بچے۔ تو آپ نے تنبیہ کر دی کہ کبھی کبھی رخصت پر بھی عمل کرنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عبادت و انکساری کا اظہار ہو۔

قَوْلُهُ خَيْرٌ - اَي تَبَدُّدٌ وَاجْتِنَابٌ عَنِ الْعَمَلِ بِهِيَ اِجَازَاتُ كَيْفَ يَجُودُ يَحْتَجِ

نَحْنُ عَمَلٌ نَحْنُ كَرْتَنَ تَحْتِ -

صحابہ کرامؓ کا اجتناب ازراہ اعراض نہیں تھا بلکہ ازروئے

احتیاط تھا کیونکہ یقین کے باوجود دوسرے لینا، یا سفر میں روزہ نہ رکھنا

## صحابہ کرامؓ کی مُراد

یہ رخصت ہے۔ شریعت نے اختیار دے دیا ہے۔ مگر اس وقت رخصت پر عمل کرنا ضروری تھا تاکہ جواز کے طور پر لوگوں کو معلوم ہو کہ شریعت نے فلاں کام کے اندر آسانی دے رکھی ہے۔ اور مقام پر حضرت کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتے ہیں جو رخصتوں پر عمل کرتا ہے جیسے اولیٰ پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے۔

سوال - حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو خشیت پر مقدم فرمایا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

خشیت اللہ نتیجہ علم ہے یعنی علم آنے کے بعد خشیت اللہ آتا ہے اور قانون

## جواب

بھی یہی ہے کہ نتیجہ آخر میں ہی آتا ہے اس لیے ترتیب بیانی میں بھی علم کو مقدم اور خشیت اللہ کو مؤخر فرمایا کہ فی قولہ تعالیٰ "اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ"

(پہلے علماء)

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ  
قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُوَ  
يَا بَتْرُونَ النَّحْلَ فَقَالَ مَا  
تَصْنَعُونَ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ  
قَالَ تَعْلَمُمْ لَوْلَمْ تَفْعَلُوا كَانَتْ  
خَيْرًا فَرَكُوا فَتَفَقَّصَتْ  
قَالَ فَذَكُرُوا ذَا لَيْلٍ لَهُ فَقَالَ  
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ  
مِنْ أَمْرِ دُنْيِكُمْ فَخُذُوا بِهِ  
وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَافِعٍ  
فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ

ترجمہ: روایت ہے رافع بن خدیج  
سے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ  
تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجور کے درختوں میں  
ٹائیر کیا کرتے تھے تو فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو تو وہ  
بولے ہم پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں فرمایا  
مکن ہے کہ تم یہ نہ کرو تو اچھا ہو لوگوں نے  
یہ تاثیر چھوڑ دی تو پھل کم ہو گئے۔ فرماتے  
ہیں کہ انہوں نے یہ واقعہ آپ کے عرض کیا  
تو فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں جب تم کسی کو  
دینی کام کا حکم دوں تو اسے لے لو اور جب  
اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں بشر ہوں۔

قوله يَا بَتْرُونَ النَّحْلَ - يَابَتْرُونَ بمعنى يَشَقُّونَ طلع الاناث و  
يدرون فيه طلع الذكور: یعنی ٹائیر نخل یہ ہے کہ مادہ کھجور کا شگوفہ (در ہندی سپ) چیر کر  
نر کھجور کا شگوفہ اس پر ڈالیں۔ چنانچہ طلحہ بن عبید اللہ کی روایت میں يُلَقِّحُونَ بمعنى يجمعون  
الذكر في الانثى کے لفظ میں (مفاحج) یہ اہل عرب کی عادت تھی اس سے ایک تو کھجور مقدار  
میں زیادہ آتی تھیں۔ ثانیاً جیتہ اور عمدہ بھی ہوتی تھیں۔

فائدہ محمدین حضرات نے لکھا ہے کہ کھجور بنی آدم کی اس مٹی سے بنائی گئی تھی جو آدم علیہ السلام  
کی پیدائش کے وقت پڑ گئی تھی اس سے اس کو بنایا گیا تو چونکہ بنی آدم میں سلسلہ  
توالد و تامل جماع کے ذریعہ ہے اس لیے یہ بھی ایک قسم کا جماع بین النخلین ہے حتیٰ کہ بعض  
کاشتکاروں سے سچے کدو میں بھی اس کا تجربہ ثابت ہے۔

سوال - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹائیر نخل سے کیوں روکا؟  
جواب اول - آپ کا منع فرمانا اس بنا پر تھا کہ یہ رسم جاہلیت اور خرافات وغیرہ

**جواب دوم** یہ لوگ تاہیر عقل کو علت سمجھتے تھے اور مستبب الاسباب کی طرف سے نظر پھیر لیتے تھے۔ بناء بریں آپ نے ابتداءً ان کو منع فرمایا تاکہ وہ اس کو سبب محض سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف نظر مبذول ہو جائے کیونکہ اسباب کو من حیث الاسباب اختیار کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں تو جب یہ عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا تو تاہیر عقل کی اجازت دے دی۔

وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْمُؤَدَّةِ ثِيَابِكُمْ يَرَانِي وَأَخْطُتُ فِيهِ فَتَدَّ  
تَسْتَبِيدُوا قَالُوا إِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَخْطِئُ كَمَا تَخْطِئُونَ۔

قولہ قَالُوا إِنَّا بَشَرٌ۔ یعنی میں بھی ایک آدمی اور انسان ہوں چونکہ نبی کی ذات باریکات تشریفات کی حامل ہوا کرتی ہے۔ اور امور اخروہ کی تعلیم کے لیے اس ذات مبارکہ کی بعثت ہوتی ہے اور امور مملوکیات جو معاشیات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ ان سب کو انسان کی عقل پر چھوڑ دیا کیونکہ عموماً یہ عقل سے سمجھے جاتے ہیں اور جہاں عقل ٹھک جاتی ہے وہاں سے وحی کا آغاز ہوتا ہے۔ بناء بریں شریعت نے ذرائع معاش میں کوئی پابندی نہیں لگائی۔ انسان جو نسا طریقہ چاہے اختیار کرے کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ اس کا طریقہ استعمال بتلا دیا کہ جائز طریقہ سے کرے اسی لیے آپ نے فرمایا کہ امور دین میں میری بات حجت ہے کیونکہ وہ وحی خداوندی سے ہوتی ہے اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ اور امور دنیا میں کچھ کہوں تو یہ میری رائے ہوتی ہے اس میں خطا ہو سکتی ہے تمہاری مانند اس کا اتنا ضروری نہیں یہ صرف ایک مشورہ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں "أَسْأَلُكُمْ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ" (مسئلہ) رواہ مسلم ص ۲۲۲ ج ۱۔

فانذار رب ذوالجلال کا علم محیط بکل شئی ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی اونچا ہو جائے اس کا علم محیط نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ علامہ ہرودی شارح مشکوٰۃ "أَمَّا أَنَا بَشَرٌ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "أَيُّ قَلِيلٍ لِّيَ إِطْلَاقٌ عَلَى الْغَيْبَاتِ" (مسئلہ ص ۲۲۲ ج ۱)

## اسمائے رجال

رائع بن خدیج کی کنیت ابو عبد اللہ ہے حارثی انصاری ہیں جنگ احد میں ان کو تیرا کر لگا جس

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّمَا مِثْلِي وَمِثْلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ  
بِهِ كَمِثْلِ رَجُلٍ آتَى قَوْمًا فَقَالَ  
يَا قَوْمُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ  
فَالنَّجَاءُ فَاطَّاعُوا طَائِفَةً مِّنْهُمْ  
قَوْمِهِ فَأَذْجُوا فَأُطْلِقُوا عَلَى  
مَهْلِكِهِمْ فَنَجَّوْا۔

(ترجمہ) روایت ہے حضرت ابو موسیٰؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ میری اور جو کچھ مجھے اللہ نے دیکر بھیجا اس  
کی کہادت اس شخص کی سی ہے جس نے  
کسی قوم کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں  
سے ایک لشکر دیکھا ہے۔ میں کھلا ڈرے  
والا ہوں پھر پھر اس کی قوم سے ایک ٹولہ  
نے اس کی بات مان لی اور اندھیرے میں  
اٹھے اور بد وقت نکل گئے تو بچ گئے۔

قولہ کَمِثْلِ رَجُلٍ - یہ تشبیہ مرکب کی مثال ہے۔ پورے واقعہ کو پورے واقعہ  
کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔ اور اس رجل سے مراد امین اور سچا آدمی ہے جس کی بات پر  
لوگوں کو اعتماد ہو جو وہ کہے اسے بغیر دیکھے تسلیم کر لیا جائے۔  
قولہ جِئْتُ - اس سے لشکر کثیر مراد ہے اس سے مقصود غزوات میں شدت  
پیدا کرنا ہے کیونکہ اتنے لشکر عظیم کا مقابلہ کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے۔  
قولہ بَعَثَنِي : رؤیت بصری تو رَأَيْتُ سے کبھی جارہی تھی مگر عینیت کو علیحدہ ذکر  
کرنے سے رَأَيْتُ الْجَيْشِ کی تاکید کرنی مقصود ہے اور عینیت کو تکفیف و تشدید دونوں طرح  
پڑھا جاسکتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمہارے اس تیر کا گواہ ہوں ان کا زعم عبدالملک بن مردان کے  
زمانہ تک چلا سوائے غزوہ بدر کے کہ اس وقت آپ پہنچے تھے۔ باقی تمام غزوات میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے  
۳۳ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی ان کی عمر چھیالیس سال کی ہوئی ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے  
(خریج) خلفہ کعبہ کے فتح اہل کے کسرہ اور آخر میں ہجرت کعبہ کے ساتھ ہے۔

قوله أَنَا الشَّدِيدُ بِزُلْفَىٰ - اس کی مراد میں دُور قول ہیں :-

**قول اول** | بعض محدثین حضرات کے نزدیک أَنَا الشَّدِيدُ بِزُلْفَىٰ سے مراد وہ مجرات نبویہ ہیں جو خوارقِ عادات ظہور پذیر ہو رہے ہیں مثلاً شَقُّ الْقَمَرِ و سیرالی السلوات کما فی واقعة المعراج وغیرہ۔ باقی ان پر عریان کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ "رَأْسُهُ أَكْبَرُ فِي الْعَالَمِينَ"۔

**قول دوم** | یہ ایک مثل مشہور ہے جو سخت ناگہانی خطرے کے موقع پر بولی جاتی ہے مگر اس کی تشریح سنتے سے حدیث کا مطلب واضح ہو جائے گا۔ دور جاہلیت میں عرب کے اندر غارت گری کا عام رواج تھا۔ اکثر حملے اچانک ہوا کرتے تھے۔ بعض دفعہ دشمن سر پر آجاتا اور اس کا پتہ صرف آدھ ایک کو چلتا ایسی صورت میں وہ قبیلہ کو دشمن کی آمد کی فوری اطلاع کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کرتا کہ اپنے کپڑے اتار کر چھڑی وغیرہ پر لٹکا لیتا اور اس کو ساتھ لے کر قبیلہ وغیرہ میں اعلان کرتا، اسی طرح تنکا ہو کر اعلان کرنا انتہائی خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا تو گویا کہ "أَنَا الشَّدِيدُ بِزُلْفَىٰ" کے دو معنی ہوتے :-  
 اول : کہ یہ بے غرض ڈرانے والا ہے۔ دوم : یہ شخص بالکل سچا ہے۔

يقول ابوالاسعاد : یہی دونوں معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں علی وجہ الائم موجود ہیں۔ جس کو علامہ محدث عبدالحق دہلوی نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے "وایں ہر دو معنی در انداز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دو جراتم پیدا ہویدا است از جہت ظہور صدق در خبر و سے وجود کمال خوف از وقوع عذاب کہ خبری دہد بڈاں۔" (راشحة اللغات ص ۱۱۹)

لہذا بولنے کا وہ ہلاکت سے محفوظ رہے گا جس کو حدیث پاک میں "مَنْ عَقَلَنِي فَاتَّبَعْنِي سَبْعِينَ أَلْفًا نَجَوْتُ" کے معنی میں ہے اور جو نافرمانی کرے گا وہ ہلاک ہو گا جس کو مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَنِي کے معنی میں ہے۔

قوله فَالْنَجَاءُ النِّجَاءُ - نجات سے پہلے فعل محذوف ہے ای الزموا النجاء کہ نجات اور نجات جانے کو لازم کرو۔ یا منصوب علی الاغرار ہے اور نجات بمعنی اسرع کا مصدر ہے کما يقال ناقة ناجية ای سرعت، ای اطلبوا النجاء اور تفرار

تاکید کے لیے ہے یعنی نجات کی راہ ڈھونڈو ر من قبیل الطريق الطريق لا عينہ بل  
بشاہد۔

قوله فاذلجوا۔ ادلاج باب افعال ای ساروا اول القیل یعنی جب ان کو  
اطلاع ملی تو انہوں نے تاخیر نہیں کی بلکہ رات کے اندھیرے میں چل پڑے۔ الذلج والذلجۃ  
رات کے آخری حصہ کا وقت یعنی قوم کے کچھ لوگ اپنے گھروں سے راتوں رات نکل کھڑے ہوئے  
رکسی محفوظ مقام پر پہنچ کر نجات حاصل کر لی۔

قوله علی مہلہم۔ امہان بمعنی تحریک المہیۃ والسکون۔ یعنی سکون  
و آرام سے چلتا۔ اس میں دونوں اعراب میں تسکین اور تحریک۔

قوله فنجوا۔ نجات کا تعلق اس بات پر ہے کہ سننے والے دو ٹوٹے بن گئے  
ایک ٹوٹے اس نذیر کا اعتبار کیا اور دشمن، لشکر کے حملے سے قبل اندھیرے ہی میں بھاگ  
گئے یہ نفع میں رہے اور نجات پا گئے۔

قوله فصبتہم الجیش۔ ای اتاہم الجیش العدو فی وقت الصبح  
کیونکہ عرب میں غارت گری کے لیے بیشتر صبح کا وقت ہی مقرر تھا۔ قال اللہ تعالیٰ۔  
فَالْمُؤْمِنُونَ أَصْحَابُ الصُّبْحِ۔ اس لیے عادت کے مطابق جسے دعا دیتے تو یہی دعا دیتے  
صَبَّحَكَ اللہ بِخیر اللہ تیری صبح اچھی رکھے۔

قوله والنجیاحہم۔ ای استاصلہم و اهلكہم بالکلۃ۔ یعنی ان کو  
جڑ ہی سے ختم کر دیا۔

قوله فذلک مثل من اکتا عینی۔ یہاں وجہ تشبیہ کا بیان ہے جس کا  
خلاصہ یہ ہے کہ جسے نجات و ہلاکت کی مدار اس اعلان کرنے والے کی تصدیق یا تکذیب ہے  
ایسے ہی آخرت کے عذاب سے بچنے نہ بچنے کی مدار حضور علیہ السلام کے ماننے اور نہ ماننے پر ہے۔  
يقول ابوالاسعد: عذاب الہی گویا لشکر ہے موت سے پہلے تو بہ کر لینا گویا  
بر وقت خطر ناک جگہ سے نکل جانا ہے اور آخر تک گناہوں میں ڈھار ہنا اور حضور علیہ السلام  
و مسلم کو جھٹلانا گویا خطر ناک جگہ میں رہ کر دشمن کے ہاتھوں مارا جانا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلِي كَمِثْلِ رَجُلٍ  
اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ  
مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْغِيَاثُ فِي  
هَذِهِ الدَّقَائِبِ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ  
يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يُخَذِّدُهُنَّ  
وَيَقْلِلُنَّه فَيَتَقَحَّمْنَ فِيهَا  
فَأَنَا اخِذٌ بِخُصْرِكُمْ عَنِ النَّارِ  
وَأَمْسُو تَقَحَّمُونَ فِيهَا.

ترجمہ: روایت ہے حضرت  
ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری مثال اس  
شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی  
جب آگ نے ارد گرد کو روشن کر دیا تو پڑے  
اور وہ جانور جو آگ میں گر اترتے ہیں اس میں  
گرنے لگے اور وہ انہیں روکنے لگا اور وہ  
جانور اس پر غالب آجاتے ہیں آگ میں  
گرے جاتے ہیں۔ چنانچہ میں تمہاری کمر  
پکڑ کر آگ سے بچاتا ہوں اور تم اس میں  
گرے جاتے ہو۔

قولہ کمثل رجل۔ یہاں سے بھی تشبیہ مرکب ہے کہ ایک پورے واقعہ کو پورے

## اسمائے رجال

یہ ابو موسیٰ ہیں نام عبد اللہ  
قیس کے بیٹے اور اشعری ہیں

## حالات حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس

مکہ میں مسلمان ہوئے اور سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ پھر اہل سفند کے ساتھ آئے۔ اس وقت آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم خمیر میں تھے۔ سنیہ میں حضرت عمرؓ الخفاف نے ان کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ حضرت ابو موسیٰ  
نے اہواز کو فتح کیا۔ ابتدائے خلافت عثمانؓ تک بصرہ ہی کے حاکم رہے۔ پھر وہاں سے معزول ہو گئے اور کوثر کی  
طرف منتقل ہوئے اور وہاں قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کوثر کے والی رہے۔ حضرت علیؓ  
اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات طے کرنے کے لیے حضرت علیؓ کی طرف سے حکم بنائے گئے اس کے بعد  
ایسے سال رفتاں سلاہ تک مکہ ہی میں رہے۔ بروز جمعہ وارانہ کی سچ فر کر راہی ملک بقا ہوئے اور  
جنت البقیع کی مقدس زمین میں آسودہ آرام فرما دیں۔



واقف سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اس حدیث کی تشبیہ کا حاصل یہ ہے  
کہ محرمات اور منہکات بمنزلہ آگ کے

## حاصل تشبیہ مرکب بالحدیث

ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو بیان فرمانا بمنزلہ آگ روشن کرنے کے ہے۔ اور  
جاہلوں کا بے انجام سوچے ان محرمات کا ارتکاب کرنا بمنزلہ ان پروانوں و دیگر جانوروں کے  
گرنے کے ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری قوت سے روکنا بمنزلہ پکڑنے کے ہے۔

يقول ابوالاسعاد۔ اس تشبیہ کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سلسلے کھول کھول کر بیان  
کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی شخص آگ بجلائے اور اس شخص کے روکنے کے باوجود پروان  
آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح یا وہودیکہ میں تمہیں بُرے راستے سے ہٹاتا ہوں اور  
بُورے کام سے روکتا ہوں۔ لیکن تم اسی ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو، اور دوزخ  
کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

وفي الحديث بيان ما كان فيه صلى الله عليه وسلم من اللطف والرحمة  
والحرص على حياة الأمة - كما قال تعالى "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ  
أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ  
رَؤُوفٌ رَحِيمٌ" (ربك التوبة)

قوله الْفِرَاشُ - الْكُتَيْبُ الْقَتَبِيُّ تَسَاقَطَ فِي التَّارِيخِ لَكُنْ فِي

الفا رسی پر واند۔

قوله هَذِهِ الذِّكْرُ وَآيَاتُ : یہ عطف تفسیری ہے یا اس سے مراد دوسرے جانور  
ہیں مثلاً کَالْبَقِ وَالْبَعُوضِ باقی فِرَاش اور ذِکْر کی تخصیص بیان جہل کی وجہ سے ہے  
کہ ان کو اپنے انجام بد یا جہل کر نیت و نابود ہونے کی خبر تک نہیں۔ کما فی قولہ تعالیٰ  
"إِنَّ شَرَّ الذِّكْرِ وَآيَاتِ عِنْدَ اللَّهِ الضُّعْفُ الْمُسْكِرُ الَّذِينَ لَا يَفْقَهُونَ رَبَّهُمْ وَلَا  
قَوْلَهُ يُجْحِزُهُمْ" - بِضَمِّ الْجِيمِ أَيْ يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْوُقُوعِ فِيهَا  
کہ وہ شخص جس نے آگ بجلائی وہ روکتا ہے کہ یہ داخل نہ ہوں۔

قوله يَقْلِبُنَّهُ - اى يَلْوِقُوْعٍ فِيْهَا - يعنى وہ پروانے اور ذواتہ داخل ہونے میں غالب آجاتے ہیں اور داخل ہو کر رہتے ہیں۔

قوله فَيَقْمَحُصْنَ فِيْهَا - اى يَدْخُلْنَ فِيْهَا۔

قوله لِحُجْزِكُمْ - بضم الحاء وفتح الجيم جمع حجرة وہی مقدسہ ازار من المسراويل : کہ چادر کی وہ جگہ جو مقعد پر ہوتی ہے۔ اس مقام کی تخصیص کیوں کی اس میں حکمت یہ ہے کہ یہ جگہ پکڑنے میں مضبوط ہوتی ہے۔ اور روکنے میں مؤثر ہوتی ہے۔  
قوله هَلُوْا عَنِ النَّارِ - یہ اسم فعل معنی اِسْتَوْا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :-  
وَالْفَآئِلِيْنَ لِخَفَآئِهِمْ هَلُوْا النَّارُ بِحِزَابِ احْزَابِ اس سے پہلے حَالِ كُوْنِيْ قَائِلًا مَّعْدُوْنٌ ہے۔ اور هَلُوْا عَنِ النَّارِ کی تقدیر عبارت یوں ہے : " اِسْرَعُوْا اِلَیْ - یا - اِسْتَوْا اِلَیْ وَاَبْعِدُوا عَنْ النَّارِ۔

یقول ابوالاسعاد : دنیا کے نابکھ انسانوں اور رسول خدا کی محبت اور خیر خواہی کا جو نقشہ اس مثال میں کھینچا گیا ہے اس سے زیادہ سچے اور مؤثر انداز میں کھینچنا ناممکن ہے۔ نہ پروانے کو اپنے انجام کا ہوش ہوتا ہے، نہ آج دنیا کے کفر کو فردائے قیامت کی فکر ہے۔ بے رحمی اور نادانی سے ان قربان کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا پکار رہا ہے کہ تم آگ میں جا رہے ہو کوئی نصیب والا ہوگا جو اس کی آواز کو سنے گا۔

وَعَنْ اَبِي مُوسٰى قَالَ  
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ  
وَسَلَّمَ مَثَلٌ مَا بَعَثَنِی اللّٰهُ بِہِ  
مِنَ الْهُدٰی وَالْیَلْمِ كَمَثَلِ  
النَّشْرِ الْکَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا  
فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَیِّبَةٌ  
فَبَلَّتِ الْمَآءُ فَاَنْبَتِ الْکَلَّاۗءُ  
وَالْغَشَبُ الْکَثِیْرُ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو موسیٰ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس ہدایت و علم کی مثال جو رب نے مجھے دے کر بھیجا اس بہت سی بارش کی طرح ہے جو کسی زمین پر پہنچی اس کا کچھ حصہ اچھا تھا جس نے پانی چوسا اور گھاس اور بہت سا چارہ اُگادیا۔

قوله مِنَ الْهُدَى - ہدایت سے مراد مطلق دلالت علی الخیر بھی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ » وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَنَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ ؕ رِبًّا ضَلَّ اور موصول الی الحق کے معنی میں بھی مستعمل ہے » کما فی قولہ تعالیٰ : إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَئِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ رِبًّا تَقْصَصُ

قوله وَالْعِلْمُ - اور اس علم سے مراد ظاہر و خفی ہے۔ تقدیم ہدایت علی العلم اس بنا پر ہے کہ یہ ہدایت وسیلہ علم ہے نہ کہ ذات ہدایت۔

قوله الْغَيْثُ : غیث کا معنی ہے اَلْمَطَرُ الْكَثِيرُ یَأْتِي بِأَسْطَرَارِ الْخَلْقِ یعنی ایسی بارش جو بہت دن قحطِ مطر کے بعد ہو کہ لوگ بارش کے لیے بہت پریشان و محتاج ہوں۔ کما فی قولہ تعالیٰ : وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا ؕ رِبًّا ضَلَّ شَوْذِي

سوال - بشتِ نبوی کو غیثِ کثیر کے ساتھ کیوں تشبیہ دی گئی ہے ؟

جواب - غیثِ اس بارش کو کہا جاتا ہے جو بہت دنوں بعد برے۔ جب کہ لوگ نہایت پریشان اور محتاج ہوں اسی طرح علی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت بھی ایسے وقت ہوئی۔ جب کہ پوری دنیا علم و ہدایت سے بالکل خالی تھی۔ لوگ اس کے محتاج تھے۔

قوله طَائِفَةٌ - طَائِفَةٌ بِمَعْنَى قِطْعَةٍ مِنَ الْأَرْضِ لَا جَمَاعَةَ۔

قوله طَيِّبَةٌ - بِمَعْنَى عَمْدَةٍ وَجَيِّدَةٍ كَمَا جَاءَ فِي الْبُخَارِيِّ نَقِيَّةٌ۔

قوله قِيلَتِ الْمَاءُ - یہ طَيِّبَةٌ کی صفت ہے۔

قوله الْكَلَاءُ الْغَاسُ -

قوله وَالْعَشْبُ - بِمَعْنَى سَبْزٍ وَتَرْتِغَاسٍ، اِنْ دَوْنِ هَذَا فَمِنْ قَدَرِ فَرْقٍ هُوَ۔

وَالْعَشْبُ وَالْكَلَاءُ وَالْحَشِيشُ كَلَامٌ اسْمٌ لِلنَّبَاتِ الْكَثْرِ الْحَشِيشُ مُخْتَصٌّ بِالْيَابِسِ، وَالْعَشْبُ مُخْتَصٌّ بِالرُّطْبِ وَالْكَلَاءُ يَقَعُ عَلَى الْيَابِسِ وَالرُّطْبِ -  
 (کذا فی التعلیق)

قوله أَجَادِبُ - وَهِيَ الْأَرْضُ الصُّلْبَةُ الَّتِي تَمْسُكُ الْمَاءَ أَجَادِبُ الْأَجْدَبِ كِي جَمْعٌ بِمَعْنَى وَهِيَ سَخْتٌ زَمِينٌ جَرَّ پَاقِی کو چوس کر ختم نہ کر دے۔ اسی لیے قحط کو جَدْبُ

کہتے ہیں یہاں مراد نشیبی زمینیں ہیں جو تالاب بن جاتے ہیں۔

قَوْلُهُ أَمْسَكْتَ الْمَاءَ - یہ صفت اِجَارِ ب ہے۔

قَوْلُهُ وَسَقَوْا فَشَدُّوا - فَشَدُّوا کا تعلق ذاتِ انسان سے ہے۔ اور

سَقَوْا کا تعلق دَوَّالِہُم کے ساتھ ہے یعنی خود بھی پیا اور اپنے جانوروں کو بھی پلایا۔

قَوْلُهُ قِيَعَانِ - جس کا واحد قَاع ہے یعنی وہ چٹیل میدانِ زمین جو نہ خود نفع حاصل

کرے اور نہ دوسروں کو نفع پہنچائے یعنی غیر نافع غیر منفع۔

قَوْلُهُ فَعَلِمُوا وَعَلَّمُوا : یعنی خود بھی سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا۔

يقول البوالاسعاد : یہ بھی ایک تشبیہ ہے اور اس تشبیہ سے دو فائدہ حاصل ہوئے۔

۱۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مبارکہ سے

بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ زمین کسی اعلیٰ ہو اور کتنا ہی اچھا تخم بویا جائے مگر بارش کی محتاج ہے اور

دین و دنیا کی ساری بہاریں اس شریعت مقدسہ کے دم سے ہیں جس کی بنیاد آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک مظہر و منور ہے۔ ۵

شکر فیض تو چمن کند لے ابر بہار کہ اگر خار و در گل ہم پروردہ تست

۲۔ دوسرے یہ کہ تاقیامت مسلمان کلمہ فی الآفاق علماء صالحین کے محتاج ہیں کہ ان کی کھیتوں

کو پانی انہیں تالابوں سے ملے گا۔ حضور علیہ السلام کی رحمت ان ہی کے ذریعہ نصیب ہو گی۔

قَوْلُهُ مَنْ لَوْ يَرْفَعُ - عدم رفع رأس کتا یہ ہے تکبر سے کہ اس محروم شخص نے

میری لاکھ ہوتی شریعت و ہدایت کو قبول نہیں کیا اور نہ اس طرف توجہ کی۔ کیونکہ متکبر انسان

اپنے تکبر کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہتا ہے لہذا عرف میں جس چیز کی اہمیت نہ ہو اس طرف

سراٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا یعنی لَوْ يَرْفَعُ كُنَايَةً عَنْ عَدَمِ الْإِتِّفَاعِ وَالْإِعْرَاضِ۔ یہ

تیسرے قطفہ زمین کے شاہ یعنی کافر و جاہل محروم انسان ہے۔

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ - اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

علوم وحی کو اور ان سے استفادہ کرنے والوں کو ایک مثال اور تشبیہ دے کر دکھایا ہے کہ علوم

کی مثال بارانِ رحمت کی سی ہے اور ان سے استفادہ کرنے والوں کی مثال مختلف زمینوں کی

سی ہے۔

## تشبیہ کا حاصل - اس میں دو تقسیمیں ہیں۔

**تقسیم اول** انسان تین قسم میں بٹا جس نے نفع لیا بھی اور دیا بھی، جیسے فقہار مجتہدین باعمل محدثین و مفتیین۔ ۱۔ جس نے خود نفع نہ لیا لیکن دوسروں کو نفع پہنچایا جیسے بے عمل معتکفین، بے عمل محدثین غیر مجتہدین۔ ۲۔ وہ جس نے نہ خود نفع لیا اور نہ دوسروں کو نفع پہنچایا یعنی جاہل محروم مشرک وغیرہما۔

**تقسیم دوم** زمین کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ جو پانی کو جذب کر کے اس میں پھل پھول اُگاتی ہے یعنی نافع و منفیع۔ ۲۔ وہ جو سخت اور شیبی ہے وہ پانی کو جذب تو نہیں کرتی لیکن پانی کو روک رکھتی ہے اور اس پانی سے دوسرے استفادہ کرتے ہیں یعنی نافع غیر منفیع۔ ۳۔ وہ زمین جس میں نہ پانی رکنا ہے نہ پیداوار ہوتی ہے یعنی غیر نافع غیر منفیع۔

## مُشَبَّہ اور مُشَبِّہ بہ کی تطبیق

تطبیق کی دو تفسیریں نقل کر رہا ہوں ایک حضرت شیخ جاجروی رحمہ اللہ کی فرمودہ ہے اور دوسری بندہ کی حاصل مطالعہ ہے۔

**اول** یقول شیخ جاجروی رحمہ اللہ - میرے نزدیک مُشَبَّہ اور مُشَبِّہ بہ کے درمیان اس طرح انطباق دیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص عالم بھی ہے اور عامل و معلم بھی۔ یہ تو زمین کی پہلی قسم کی مثل ہے کہ خود سیکھا اور عمل کر کے نفع اٹھایا، دوسروں کو بھی سکھا کر نفع پہنچایا اور دوسری زمین کی مثال اس شخص پر منطبق ہوتی ہے جو عالم تو ہے مگر عمل کی توفیق نہیں یعنی دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے لیکن عمل نہ کر کے خود اس نفع سے محروم ہے۔ اور بات ہے کہ کوئی اس سے بڑھے اور دعام کرے کہ اسی طرح کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ مقصد یہ کہ اپنی ذات سے اپنے بے کچھ نفع نہ ہو۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ اس میں نہ قانینت حفظ علم کی ہے اور نہ خود منتفع ہونے کی صلاحیت ہے۔ تو ایسا علم و بال ہے۔ یہ زمین کی تیسری قسم کی مثال ہوتی۔

**دوم** یقول ابوالاسعاد: جو علم و ہدایت میں لے کر آیا ہوں اس کی مثال کثیر

بارش کی ہے جب نازل ہوتی ہے تو تین طرح کی زمینوں پر پڑتی ہے۔ اول ایک وہ زمین جس میں نرمی بہت ہے کہ بارش ہوتی اور اس نے پانی چوس لیا۔ اور پھر گھاس، سبزہ، پھل پھول اگائے۔ یہ ائمہ مجتہدین امام اعظم، امام شافعی وغیرہم کی مثال ہے۔ ان لوگوں نے احادیث کو پی لیا۔ پھر اصول و فروع کے پھل پھول اگائے اور مسائل کے بل بوتے لگائے۔ اب ان کے حدیث کا سوال ہی نہ کرنا چاہیے۔ انہوں نے سب کچھ تمہارے سامنے سنوار کر رکھ دیا ہے اور ترتیب دے دی ہے۔ دوم: دوسری وہ زمین ہے جو کہ نرم تو نہیں بلکہ سخت ہے مگر اس میں شیب ہے جیسے تالاب وغیرہ کہ اس میں پانی جمع ہو گیا لوگ اس سے منتفع ہو گئے۔ یہ مثال محدثین کی ہے کہ وہ احادیث کے ذخائر جمع کر دیتے ہیں اور مجتہدین ان کو پی کر مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے امام بخاری، امام نسائی وغیرہم۔ سوم: تیسری زمین ایسی ہے کہ نہ تو پانی چوس کر پھل پھول اگاتی ہے اور نہ ہی پانی روکتی ہے بلکہ چیل میل لے لے۔ یہ ان دونوں کے علاوہ کی مثال ہے جو نہ خود علم حدیث میں مشغول ہوا اور اس علم کو پھیلایا جیسے کافر جاہل لوگ!

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْغُیُوْبِ ۝ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۝ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَلِيْبُ الْحَكِيْمُ ۝

**سوال۔** حدیث باب پر ایک اہم اشکال یہ ہوتا ہے کہ کیا ہر مثال میں تین قسم کی اراضی کا ذکر ہے۔ قبلت الماء۔ امسکت الماء۔ وقیمان لا تمسک الماء اور مقلل میں صرف دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ مَن وَفَّقَهُ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ۔ وَمَنْ اَبٰی۔ تو مثال اور مثل لڑ میں مضافت نہ ہوئی۔

علامہ عینی اور علامہ طبری فرماتے ہیں کہ مثال میں تقسیم ثنائی ہے

**جواب اول** یعنی زمین کی بھی دو قسمیں ہیں وہ اس طرح کہ زمین کی پہلی اور دوسری منتفع بہ ہونے کی حیثیت سے ایک قسم کی طرح ہے لہذا زمین مجموعی طور پر دو قسم کی ہوئی منتفع اور غیر منتفع بہ۔ ایسے ہی انسان کی دو قسمیں ہیں احدهما مما ینتفع بہ یعنی مجتہد اور معلّم غیر مجتہد۔ والثانی لا ینتفع بہ یعنی جاہل۔

یقول ابوالاعلیٰ سعاد۔ اس جواب کو اس انداز سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں عا محمود و مذموم۔ پھر محمود کی دو شاخیں ہیں (۱) نافع منتفع (۲) نافع غیر منتفع

اور مشتبہ بہ دو چیزیں ہیں۔ انسان محمود، انسان مذموم، پھر انسان محمود کی دو شاخیں ہیں۔ مُعَلِّمٌ مُجْتَبَدٌ مُعَلِّمٌ غَيْرُ مُجْتَبَدٍ۔ اور ان میں سے دوسری شاخ کو قیاساً علی المشبہ بہ ذکر نہیں کیا۔ الحاصل یہ تشبیہ ثنائی ہے نہ کہ ثلاثی۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ حدیث میں لفظ اصابت اور لفظ طاعت فقط صرف دو جگہ آ رہا ہے نہ کہ تین جگہ۔

یہ کہ لوگ بھی تین قسم پر ہیں مگر جو اس قدر علم دین قبول کرتے ہیں کہ  
**جواب دوم** جس سے خود عمل کر سکیں لیکن وہ فتویٰ اور تدریس کے قابل نہیں ہوتے  
مگر جو فتویٰ، تدریس اور تعلیم کے بھی قابل ہیں مگر جو علم دین کو قبول ہی نہ کریں۔

مشتبہ کی جانب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری قسم یعنی عالم غیر عامل  
**جواب سوم** مُعَلِّمٌ کو صراحتاً بیان نہ فرمایا مگر ایک اہم بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے  
وہ اہم بات یہ ہے کہ ایسا غیر نافع غیر مُنْتَفِع ہونا عالم کے شایانِ شان نہیں اور بے عمل عالم  
جاہل کے مرتبہ میں ہے جو اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔

حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح بارش ہر قسم کی زمین  
**حدیث کا ماحصل** کو پہنچتی ہے مگر زمین کی استعداد و تفاوت ہونے کی وجہ سے  
قبولیت میں تفاوت ہوتا ہے۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و وحی ہر قسم کے  
انسان کے پاس پہنچا ہے مگر اپنی استعداد کے تفاوت کی حیثیت سے انسان میں بھی تفاوت  
ہوا۔ (کافی قولہ تعالیٰ) فَمِنْهُمْ شَقِيحٌ وَسَيِّدٌ رَبُّ هودٍ فَمِنْهُمْ طَائِفَةٌ  
لَيْسَ لَهُمْ مِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُؤْتِي بَالِكِ اللَّهُ ذَالِكِ هُوَ  
الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (بک فاطر)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہ  
سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے آیت تلاوت کی کہ رب وہ ہے  
جس نے تم پر کتاب اتاری جس میں واضح  
آیات ہیں اور وہ مائدہ کرے اور اولوا

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
تَلَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ  
الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ  
وَقُرْآنٌ إِلَى وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أُولُوا

الْأُتْبَابُ قَالَتْ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَيْتَ وَعِشْدَ  
مُسْلِمٍ رَأَيْتَ الذِّينَ يَتَّبِعُونَ  
مَا نَشَأَبَهُ مِنْهُ فَأُولَئِكَ  
الَّذِينَ سَمَّاهُمُ اللَّهُ فَأَحْذَرُوا  
هُمَّ -

الْأُتْبَابُ تک پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا جب تم (اور مسلم شریف میں ہے)  
لوگ انہیں دیکھو جو متشابہات کے پیچھے  
پڑتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ نے  
ذکر فرمایا ان سے بچو۔

قَوْلُهُ سَمَّاهُمُ اللَّهُ - ای سَمَّيْتُمُ اللَّهُ یعنی اللہ پاک نے نام رکھا ہے  
اللہ پاک نے کیا نام رکھا ہے قرآن پاک میں ہے "وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمُ ذُرِّيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ  
رَبِّهِمْ (یعنی اہل نریغ)۔

قَوْلُهُ فَأَحْذَرُوا هُمْ : ان سے بچو اِی لَوْ تَجَاسَّوْهُمُ۔

یَقُولُ الْبَوَّالُ سَعَادُ : آیات متشابہات سے بگٹ کرنا اور ان سے غلط استدلال  
کرنا ہر دور کے اہل نریغ و باطل کا معمول رہا ہے۔ اس لیے اس حدیث کی تشریح قدرے  
تفصیل سے لکھی جاتی ہے۔

## هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ كِي تَشْرَحُ

آیات کی تقسیم سے قبل هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ کی تشریح ہو جائے کیونکہ محکمات کو قرآن پاک  
میں أُمُّ الْكِتَابِ کہا گیا ہے۔ لغت عرب میں لفظ أُمُّ کے معنی اصل اور بڑے کے لئے ہیں  
مِثَال (قَالَ اللَّهُ تَعَالَى) "وَلْيَسْتَدِرُّ أُمُّ الْقُرَى وَمَنْ حَقَّ لَهَا رَبُّ الْغَنَامِ" أُمُّ الْقُرَى  
سے مراد مکہ المکرمہ ہے اور مکہ المکرمہ کو أُمُّ الْقُرَى اس لیے کہا جاتا ہے کہ زمین کا مرکزی نقطہ اور  
اس کی اصل یہی ہے۔ یہیں سے زمین اطراف و جوانب میں پھیلائی گئی ہے۔ سورۃ فاتحہ کو بھی  
أُمُّ الْكِتَابِ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اصول کتاب پر حاوی ہے۔ اس لحاظ سے محکمات



کے ائم الکتاب ہونے کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ قرآن مقدس کے لیے اصل ہیں۔

## قرآن کریم کی آیات مبارکہ کی تقسیم

اختصاراً عرض ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں تین قسم کی ہیں :-  
اَوَّلُ مُحْكَمَاتٍ : جن آیات میں ایسی مضبوطی ہو کہ لفظاً و معنی و دلالتاً اس میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

دَوِّمُ مُتَشَابِهٍ مُطْلَقٍ : وہ یہ ہے کہ جس کے لغوی معنی بالکل معلوم نہ ہوں۔  
جیسے حرف مقطعات اس میں قطعی معنی بیان کر سکتے ہیں بشرطیکہ محکمات سے تعارض نہ ہو۔  
ثَوِّمُ مُتَشَابِهٍ مِنْ وَجْهِ : جس کے لفظ و معنی میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ مگر دلالت اور معنی اور مراد میں اشتباہ ہو جیسے بَدَّ اللَّهُ - وَجَّهَ اللَّهُ - اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ اس کی تائید کی جا سکتی ہے جو محکمات کے ساتھ تعارض نہ ہو۔

حدیث الباب کی آیت دَهْوَالْدَى آتَزَلْ عَلَيَّكَ اَيْتُكَ اب سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض قرآن حکم اور بعض متشابہ ہے۔ لیکن اس آیت مبارکہ "اَللّٰہُ کَتَّابُ اَحْکَمَتِ الْاَیَّاتُ رَبِّ مُدُّم سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن حکیم حکم ہے جب کہ اس کے برخلاف "اَللّٰہُ کَتَّابُ اَحْسَنَ الْاَعْدِیَّتِ کِتَابًا مُتَشَابِهًا رَبِّ مُدُّم سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن پاک متشابہ ہے فَکَيْفَ التَّوْفِیْقُ۔

علیحدہ علیحدہ اعتبار سے الگ الگ حکم لگا یا گیا۔ پہلی آیت میں دلالت و معانی کے اعتبار سے بعض کو حکم کہا گیا اور بعض کو متشابہ۔ اور دوسری آیت میں مضبوطی اور عدم تذبذب و تبدل کے اعتبار سے سب کو حکم کہا گیا، اور تیسری آیت میں بلاغت و فصاحت و نظم و نسق کے اعتبار سے پورے قرآن کریم کو متشابہ کہا گیا لہذا کوئی تعارض نہیں۔

## جواب

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ هَجَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، رَوَيْتُ عَنْهُ هَجَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، رَوَيْتُ عَنْهُ هَجَرْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، رَوَيْتُ عَنْهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَالَ  
قَسِمَ عَ أَصَوَاتِ رَجُلَيْنِ  
اِخْتَلَفَا فِي آيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُعْرِضُ فِي وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ  
إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ  
بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ -

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر  
ہوا تو آپ نے دو شخصوں کی آوازیں سنیں  
جو کسی آیت میں جھگڑ رہے تھے حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو چہرہ  
انور میں غصہ معلوم ہوتا تھا فرمایا تم سے پہلے  
لوگ کتاب اللہ میں جھگڑوں کی وجہ سے  
ہلاک ہو گئے۔

قوله هَجَرْتُ - یہ تہجیر سے مشتق ہے بمعنی الظہیرۃ دو پہر کا وقت اس کو  
ہاجرہ اور ہجرہ بھی کہتے ہیں معنی چھوڑنا۔ چونکہ اس وقت شدت گرمی کی وجہ سے لوگ سفر کرنا  
چھوڑ دیتے ہیں اس لیے اس کو ہاجرہ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ شاید اس  
وقت حضرتؓ کی ذات مبارکہ مسجد میں تشریف رکھتے ہوں یا ہاجرہ مبارک میں آرام کرنے کیلئے  
جارہے ہوں اور فَلَا يَفْقُوهُ شَيْئٌ مِّنْ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ کچھ نہ کچھ حاصل ہو جائے گا  
ثانیاً اس سے حضرت ابن عمرؓ کا طلب علم کے لیے مشقت اختیار کرنا بھی ثابت ہو  
رہا ہے کہ اس وقت ہر ذی روح آرام میں ہے اور آپؐ حصول علم کے لیے گرمی کی مشقت  
برداشت کر رہے ہیں۔

قوله فِي آيَةٍ - ای فی آیۃ متشابہۃ یعنی آیات متشابہات میں اختلاف  
کر رہے ہیں نہ کہ محکمات میں۔

قوله بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ - علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مذہب اختلاف  
وہ ہے جو کفر و بدعت تک پہنچا دے۔ مثلاً قرآن کے لفظ میں اختلاف کرنا یا ایسے معنی میں  
اختلاف کرنا جو محل اجتہاد نہ ہو۔ جیسے متشابہات کے قطعی معنی یا ایسا اختلاف جس سے فقہانہ  
شک و شبہ پیدا ہوتا ہو یہاں یہ اختلاف مراد ہے باقی مسائل اجتہاد یہ میں آئمہ مجتہدین کا  
اختلاف مذہب نہیں کیونکہ وہ مسائل محل اجتہاد ہیں بلکہ یہ اختلاف محمود اور دین میں وسعت کا  
باعث ہے۔ اور حدیث "اِخْتِلَافُ أُمَّتِي رَحْمَةٌ" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ فِي الصُّلَّيْنِ  
جُزْءًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ  
لَمْ يَجِدْ عَلَى النَّاسِ فَحُذِّمَ  
مِنْ أَجْلِ مَسْئَلَتِهِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت سعد بن  
ابن وقاصؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ مسلمانوں میں بڑا مجرم وہ ہے جو  
کسی غیر حرام چیز کے بارے میں سوال کرے  
تو اس کے سوال کی وجہ سے وہ چیز حرام کر  
دی جائے۔

قوله مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ - سوال سے مراد وہ سوال ہے جو کسی مباح چیز کے  
متعلق ہو اور بلا ضرورت ہو کیونکہ اگر اس کی وجہ سے قیودات آجائیں تو وہ گنہگار ہوگا اس لیے کہ  
اس قسم کے سوالوں میں کبر کی بو ہوتی ہے اور خود کے لائق، فائق و متعلیٰ کل ہونے کا دعویٰ مضمر  
ہوتا ہے کہ میں اس کو کر سکتا ہوں جب کہ ربّ ذوالجلال والاکرام کے ہاں دعویٰ کام نہیں کرتا بلکہ  
عجز و انکساری کا رگڑ ہوتی ہے۔

يقول ابوالاسود : یہ وعید ”إِنَّ أَعْظَمَ الصُّلَّيْنِ“ آپ نے ان لوگوں  
کے متعلق بیان فرمائی جو آپ سے ازراہ سرکشی سوالات کرتے تھے یا ان کا سوال کرنا محض تصنع  
کی وجہ سے ہوتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل نے بقرہ کے بارے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال  
کیا تھا جس کو قرآن پاک میں کہا گیا ”أَسْتَفْهِدُكُمْ وَأَنَا بَقَرَةٌ“ (آپ بقرہ) ہاں جن لوگوں کا سوال کرنا واقعہً  
علم حاصل کرنے یا کسی ضرورت کی بناء پر ہوتا تھا وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ اس کو اپنے صحیح سوال  
پر ثواب ملتا ہے ”قَالَ اللَّهُ تَعَالَى“ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ” (پ)

## اسمائے رجال

آپ کا اسم شریف سعد بن  
ابی وقاص اور کنیت ابواسحق

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حالات

ہے۔ آپ کے والد کا نام مالک ابن دہیب ہے اور کنیت ابو وقاص ہے۔ آپ زہری قبیلہ قریش میں سے ہیں  
اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، قدیم الاسلام میں چنانچہ آپ تیسرے مسلمان ہیں۔ یوفیت اسلام آپ کی عمر شریف تشرچہ

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي الْخَيْرِ الزَّمَانِ دَجَالُونَ كَذَّابُونَ يَا لَوْ تَكْفُرُ مِنَ الْفَعَارِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوا أَسْمَعُوا وَلَا أَبَاكُمْ فَأَيَّاكُمْ وَآيَاهُمْ لَا يُضِلُّوكُمْ وَيُفْسِدُوكُمْ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانہ میں جھوٹے دجال ہوں گے جو تمہارے میں وہ احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے ان کو اپنے سے دور رکھو وہ تمہیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

قَوْلُهُ دَجَالُونَ - دَجَالٌ دَجَلٌ کی جمع ہے بمعنی التباس ای مُلْتَبِسُونَ وَ خَذَّاعُونَ دھوکا کرنے والے، حق و باطل کو ملاسنے والے۔ چنانچہ دجال کو بھی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حق و باطل کو ملا دے گا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کی صفت کتاب بیان کی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ کُلُّ دَجَالٍ فَهُوَ كَذَّابٌ اَب قَوْلُهُ فَأَيَّاكُمْ وَآيَاهُمْ - ای ابعثوا الفسك عنكم۔ قَوْلُهُ وَآيَاهُمْ - عند البعض یہ اَيَّاكُمْ کی تائید ہے جب کہ بعض حضرات کے

نہی۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے اس بات کی لوگوں میں بڑی شہرت تھی۔ ان کی بددعا سے لوگ ڈرتے تھے اور ان سے دعا کے خیر کی تشار کرتے تھے اور یہ بات اس لیے تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا کی تھی اے اللہ ان کے تیر کو سیدھا پہنچا دے اور ان کی دعا کو قبول فرما لے۔ ان کے لیے اور حضرت زبیرؓ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مالِ بآپ دونوں کو جمع کر کے اس طرح فرمایا " اَنْتُمْ فِدَا اَبِي وَ اُمِّي "۔ ایسے الفاظ ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے نہیں فرمائے۔ یہ کوتاہ قاست اور ٹھکے ہوئے بدن والے تھے، گندی رنگ تھا اور جسم پر بال زیادہ تھے۔ مقامِ عقیق سے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے اپنے گھر میں وفات پائی اور لوگوں کے کندھوں پر مدینہ لے جائے گئے۔ مردان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مروان اسس زمانہ میں مدینہ کے گورنر تھے۔ مقامِ بقیع میں دفن کیے گئے۔ یہ واقعہ ۳۵ھ میں پیش آیا ان کی عمر ساڑھ کچھ اوپر ستر سال ہوئی۔

نزدیک اس کا معنی ہے "ای بَعِدُ وَهُوَ عَنكَ"۔

قوله لَا يَصِلُوكُمْ۔ یہ استیثات ہے جو جواب ہوگا کہ کیوں ابَعِدُ وَهُوَ قَوْلُهُ کہ ان سے کیوں دور رہیں جواب دیا يَصِلُوكُمْ تاکہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں "کَمَا فِي قَوْلِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَى يَنْفِرُ" قَوْلُهُ وَلَا يَفْتَنُوكُمْ۔ "أَيُّ لَا يُؤَفِّقُوكُمْ فِي الْفِتْنَةِ وَهِيَ الشِّرْكَ" وہ فتنہ شرک ہے۔ "قَالَ تَعَالَى: وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ"۔ باعذابِ آخرت مراد ہے۔ قَالَ تَعَالَى "ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ"۔

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ : یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اول، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت نے پیشگوئی فرمادی ہے کہ قیامت کے قریب دینِ مستین میں غلبہ ست پیدا کرنے والے لوگ پیدا ہوں گے۔ لہذا خیال کرنا ہر مدعی علم و فضل سچا نہیں ہوتا، ہر تجدید و احیاء دین کی تحریک حقیقت نہیں ہوتی۔ ہر نظام مصطفیٰ کے مدعی مخلص نہیں اگر کہیں نادانستہ طور پر ابتلا ہو جائے تو سلف صالحین کی ہدایت کو دیکھنا اگر ان میں نہیں تو رد کر دینا جس کو فرمایا لَوْ تَسْمَعُوا آيَاتَهُ وَلَا الْبَاطِلُ

دوّم، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عامی کے لیے باطل لوگوں کا طریق بچر یعنی کتابیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم صحیح خُذْ مَا صَفَا وَذَعْ مَا كَدَّرَ بِرَعْنِ کرتے ہوئے اچھی باتوں کو لے لیں گے اور بُری باتوں کو چھوڑ دیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہر آدمی صحیح اور غلط میں تمیز کر سکے گا۔ ہر آدمی کے اندر تمیز کا سلیقہ کہاں ہوتا ہے صرف دعویٰ کر دینے سے تو سلیقہ نہیں آتا بلکہ اس کے لیے ماہر کی تصدیق ضروری ہے کہ واقعی یہ شخص حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔

بنا بصاحبِ نظر گوہرِ خود را — عیسیٰ نتوان گشت بتصدیقِ خیرے چند  
البتہ جس کے بارے میں علماء و مشائخ کی رائے یہ ہو کہ یہ صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتا ہے اور اس کا اپنا رنگ پختہ ہو چکا ہے اس کو باطل کی کتابیں تردید اور غلطی واضح کرنے کی نیت سے پڑھنا جائز ہے۔

وَعَسَىٰ أَن تَنصَدُوا لَهَا أَهْلَ  
الْكِتَابِ يَفْسَدُوا مِنَ التَّوْرَةِ  
بِالْغِبْيَانِ يَوْمَ هُمْ يُلْقُونَهَا  
بِالْفُكْرِ بِيْنَهُ لَأَهْلِ الْأَسْلَامِ  
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَا تَصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ  
وَلَا تُكْذِبُواهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا  
بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا الْآيَةُ -

ترجمہ : روایت یہی ہے فرماتے  
ہیں کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی  
زبان میں تورات پڑھ کر عربی میں ترجمہ کرنے  
تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل  
کتاب کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔ یہ کہہ دو کہ ہم  
اللہ پر اور اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف  
اُتارا گیا ہے۔

قوله بِالْغِبْيَانِ - بکسر العين یہ یہودیوں کی زبان ہے اور بنی اسرائیل  
کی بھی یہی زبان تھی۔ تورات کا نزول بھی اسی زبان میں ہوا تھا۔  
سوال۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مطلق ذکر کیا کہ نہ ان کی تصدیق کرو  
اور نہ تکذیب کرو حالانکہ بہت سے امور میں ان کی تصدیق و تکذیب موجود ہے۔  
جواب۔ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ مقتیدہ ہے۔

## لَا تَصَدِّقُوا وَلَا تُكْذِبُوا کی تفصیل

جو باتیں اہل کتاب اپنی کتابوں سے نقل کریں گے وہ کئی قسم کی ہو سکتی ہیں۔ اول بعض باتیں  
ایسی ہوں گی جن کی ہماری شریعت مُقتدہ نہ ہے بھی تصدیق کی ہوگی جیسے موسیٰ علیہ السلام کا نبی ہونا  
اور ان پر تورات کا نازل ہونا ایسی باتوں میں ان کی تصدیق کی جائے گی اس حیثیت میں کہ یہ  
باتیں ہماری شریعت مُقتدہ میں بھی ثابت ہیں۔

دوئم : بعض باتیں ایسی ہوئیں گی جن کی تکذیب کتاب و سنت میں موجود ہے جیسے عزیر کا  
باسح علیہ السلام کا بننا اللہ ہونا ایسی باتوں میں ان کی تکذیب کی جائے گی۔

سوم : تیسری قسم کی وہ باتیں جن کے بارے میں کتاب و سنت ساکت ہیں ایسے امور کے متعلق

حکم ہے کہ نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ ہی ان کی تکذیب کرو۔

خُلَاَصَةُ الْحَدِيثِ : علی الاطلاق تصدیق سے منع کر دیا تاکہ ان کی غلط باتوں کی تصدیق نہ ہو جائے اور علی الاطلاق تکذیب سے بھی تاکہ کچھ باتوں کی تکذیب نہ ہو۔

يَقُولُ الْبَوَالِغُ : لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكْذِبُوا هُودَ الْأَعْمَى  
اولاً تھا بعد میں تو حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابی کو نورات پڑھنے سننے سے ہی منع فرمایا اور فرمایا کہ میرے پاس کیا نہیں ہے جو تم نورات میں ڈھونڈتے ہو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی موجود ہوتے تو میری شریعت کی پیروی کرتے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کو یہی کافی ہے کہ ہر سنی بات بیان کر دے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِيَ  
بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ  
مَا سَمِعَ۔

قَوْلُهُ بِالْمَرْءِ : بِالْمَرْءِ مِمَّنْ بَارَزَ كُفِيَ كَامْفُوعٌ ہے اور مفعول پر بارنا کدہ  
خلاف قیاس بطور ثاذ کے ہے۔ کما فی شعر الانصاری :  
وَكُفِيَ بِنَا فَضْلًا عَلَى مَنْ غَيْرِنَا حُبُّ الشَّيْءِ مُحْتَمَلٌ اِثْنَانَا  
قَوْلُهُ كَذِبًا۔ بفتح الكاف وكسر الال۔ یا بکسر کاف وکون زال۔ مصدر ہو تو حمیز  
ہے یا بالتاویل حال ہے اور ایک روایت میں کَذِبًا کے بجائے اِثْنَانَا ہے۔  
قَوْلُهُ اَنْ يُحَدِّثَ۔ یہ کُفِيَ کا فاعل ہے۔

خُلَاَصَةُ الْحَدِيثِ : اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی خود جھوٹ نہیں بولتا مگر ہر سنی سُنَّا کی بات بغیر تحقیق کے نقل کر دیتا ہے تو وہ بھی جھوٹا ہی ہے۔ لہذا پہلے تو لو پھر لو۔ بالخصوص حدیث نقل کرنے میں تو اور زیادہ احتیاط کرو۔ اور اس حدیث کو باب الاعتصام میں لاسنے کی غرض بھی یہی ہے۔ ثانیاً محدثین نے لکھا ہے کہ حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو اور اس کی صداقت کا علم نہ ہو اُسے

بیان کرنا یا اس کی تشریح کرنا منع ہے۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَنَحٍ بَعَثَهُ اللَّهُ  
فِي أُمَّتِهِ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ فِي  
أُمَّتِهِ حَوَارِ يُونُ وَأَصْحَابُ  
يَاخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَعْتَدُونَ  
بِأَمْرِهِ -

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن مسعود  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے ایسا کوئی  
نبی نہیں بھیجا جس کی امت میں سے کچھ لوگ  
ان کے خاص کدو گار اور وہ صحابہ نہ ہوں  
جو ان کی سنت لیں اور ان کے احکام کی پیروی  
کریں۔

قَوْلُ سَحَوَارِ يُونُ - یہ حور یعنی خالص سفید سے مشتق ہے اللہ مخلص دوست اور  
معاون کو صفائی نیت کی وجہ سے حواری کہتے ہیں، یا دھو بی کو حواری کہا جاتا ہے کیونکہ وہ  
بھی کپڑا کو سیل کیس سے صاف کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تین دھو بی ہونے  
کے ساتھ ساتھ مخلص و معاون بھی تھے۔ پھر حواری تین کی کثرت اکثر انبیاء علیہم السلام کے اعتبار سے  
ہے ورنہ حدیث کے اعتبار سے بعض انبیاء علیہم السلام کا صرف ایک حواری اور بعض کا بالکل  
نہ ہونا ثابت ہے۔ کہا جاء فی حدیث النبیؐ "وَأَنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بَنِيًّا مَا هَدَى  
وَمِنْ أُمَّتِهِ أَرَجُلٌ وَاحِدٌ" مشکوٰۃ شریف ج ۲ باب نقائل سید المرسلین صلوات الرحمن۔  
کتاب الفتن

قَوْلُهُ أَصْحَابُ : اصحاب عام ساتھی کو کہا جاتا ہے اور حواری خاص ساتھی کو۔ تو  
اصحاب کا عطف تفسیری ہے یا عطف العام علی الخاص ہے۔

قَوْلُهُ بِسُنَّتِهِ - ای بھدیہ و سیرتہ۔

قَوْلُهُ وَيَعْتَدُونَ بِأَمْرِهِ : ای يَتَّبِعُونَ فِي أَمْرِهِ وَتَهْبِہ اس سے  
اوامر و تنہیات مراد ہیں۔

قَوْلُهُ تَخْلُفُ - بِصَرْفِ اللَّامِ ای تَخْدُثُ یعنی ان کے بعد پیدا ہوئے۔

قَوْلُهُ خَلُوفٌ - بِصَرْفِ الْخَاءِ أَمْ يَنْشِجُ الْخَاءُ يَسْكُونُ اللَّامُ كَعُدُولٍ وَعُدُولٌ



اس کا معنی ہے "هُوَ الرَّدَى مِنَ الْأَعْقَابِ" جو طریقوں کے پیچھے چلے۔ یا دوسرے، یعنی بالآخر  
جانشین۔ قولہ تعالیٰ "فَخَلَفَ مِنْ بَدِ هِمِّ خَلْفٍ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا  
الشَّهْوَاتِ رَبِّهِمْ مَرِيعًا"

قولہ فَمَنْ جَاهِدْ هُمْ بِيَدِكَ۔ ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے زبان کے  
جہاد کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور منع کرے  
اور ان کی برائی کی بیان کرتا رہے۔ اسی طرح دل سے جہاد کا مقصد یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو بُرا  
جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں، اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت  
رکھے۔

يقول ابوالاسعاد: یعنی ایسے بد عقیدہ اور بد عمل لوگوں کی اصلاح میں جماعتیں  
تین طریقوں سے کریں :-

۱۔ مستحکم طاقت سے مجرموں کو سزائیں دیں۔

۲۔ اہل علم زبان سے انہیں وعظ کریں۔

۳۔ عوام مؤمن دل سے ان لوگوں سے نفرت کریں اور دور رہیں۔

قولہ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ : وِكَاءٌ، لَيْسَ کی خبر ہے۔ اور  
حَبَسَهُ خَدَّيْ اسْم ہے۔ مِثْلُ الْإِيمَانِ حَبَسَهُ کی صفت ہے لیکن بوجہ تقدیم کے حال  
بن رہا ہے۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ جس شخص کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں  
کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی رہتی  
بھی نہیں کیونکہ کسی غلطی کو غلط نہ کہنا یا غلط عقیدہ کو برا نہ جاننا اس بات کا اظہار ہے کہ وہ اس  
برائی پر غور و خوض و راسخی ہے اور یہ کفر کا خاصہ ہے۔

## بحث امر بالمعروف ونہی عن المنکر

یہ بحث وَيُقِصِّدُونَ بِأَمْرِهِ پر ہو رہی ہے۔ اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر  
کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع النکار جانتے کی ہے۔ بسا اوقات بے محل

انکار خود ایک منکر کی صورت میں بن جاتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں :-

اول: منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کے بجائے نیکی پیدا ہونے کی اُمید ہو۔

دوم: اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی اُمید ہو۔

سوم: یا اس کے ہم وزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

چہارم: یا اس سے برتر برائی کا خطرہ ہو۔

صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے۔ اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر کھیل میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہو گا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص نادل پڑھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بد دین اور فاسد العقیدہ مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو نادل پڑھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہو گا ایسے شخص کو ان مشاغل میں بہنے دینا مناسب ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایت کی طرف بلائے اس کو تمام عاملین کی طرح ثواب ملے گا۔ اور اس سے ان کے اپنے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہوگا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا۔

قولہ مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى: دعوت الی الہدایت دینے والے کو ثواب اس کی دعوت تبیلغ کی وجہ سے دیا جا رہا ہے اور مَنْ تَبِعَهُ کو سزا عمل کی وجہ سے۔

**سوال -** رَعَوْتَ إِلَى الْهُدَايَةِ اور دعوتِ اِلَى الضَّلَالَةِ کا فرق نہیں کیونکہ اس کے بارے میں ہے ”لَا يَنْقُصُ ذَاكَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا“ اسی طرح ضلالت کے بارے میں ”لَا يَنْقُصُ ذَاكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا“

**جواب -** نقص دو قسم ہے۔ اول حسی، کہ اجر دس نیکیاں ہوں اس کو کم کر کے پانچ کر دی جائیں۔ دوم معنوی، یہ کہ اصول تو یہی ہے کہ اجر دس نیکیاں ہونگی مگر عادت یہ ہے کہ دس میں بڑھاوا ہو جاتا ہے۔ ”وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ“ یہاں پر نقص حسی ہے کیونکہ قانون ہے کہ نیکی کے اجر کی تضعیف ہوتی ہے اور اثم کے اجر کی تضعیف نہیں ہوتی۔ تو اس مقام میں نقص حسی مراد ہے نہ کہ معنوی۔

**سوال -** یہ تعبیر کا اختلاف کیوں ہے کہ ہدایت پر فرمایا لَا يَنْقُصُ ذَاكَ مِنْ أَجُورِهِمْ شَيْئًا اور ضلالت پر فرمایا لَا يَنْقُصُ ذَاكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا دہاں اجر فرمایا اور یہاں آثام فرمایا۔

**جواب -** ہدایت کے عوض جو جزاء ہوتی ہے اس کو اجر کہتے ہیں۔ ضلالت کے عوض جو سزا ہوتی ہے اس کو آثام کہتے ہیں۔ ”كَمَا فِي قَوْلِهِمَا تَعَالَى: إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ“ یہاں محسنین کے لیے اجر فرمایا یہی تعبیر یہاں اختیار کی۔

**سوال -** یہ قانون ”مثل آثام من تبعه الخ“ قرآن مقدس کی آیت کے معارض ہے۔ کما فی فعلہ تعالیٰ ”لَا تَقْرَأُ وَذُرْهُ“ ”وَذُرْهُ أَخَذَ“ (پتہ)

**جواب -** یہ دوسروں کا دُر نہیں بلکہ اس گمراہی کا وبال ہے جو اس کے ذریعہ پھیلا ہے۔ یقول ابوالسعاد: ایک مسئلہ ہے جو اس حدیث مبارک سے مستنبط ہے۔ جس کا بیان خالی از فائدہ نیست۔

**مسئلہ -** تائب ہونے کے بعد اضلال گناہ کی معافی ہے

اگر کوئی ضلالت کا داعی تائب ہو جائے لیکن اس کے اضلال کے آثار سے لوگ گناہ کرتے رہیں تو آیا وہ داعی اس اضلال کے گناہ سے بری ہوگا یا نہیں؟ تو ملّا علی قاریؒ برأت

کو ترجیح دیتے ہیں ورنہ تو یہ کی محنت کے کیا سنی ہیں چنانچہ بہت سے صحابہ کرام پہلے ضلالت و گمراہی کے مُبْتَلٰغ تھے اور بعد وہ مُشْرِتِ باسلام ہو گئے اور وہ اس اضلال کے گناہ سے بُری سمجھے گئے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام غریبی سے شروع ہوا، اور جیسا شروع ہوا تھا ویسا ہی پھر ہو جائے گا غریبا کو خوش خبری ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدْءُ الْأِسْلَامِ غَرِيبًا وَ سَيَعُودُ كَمَا بَدْءَ قَطُوفِي لِلْغُرَبَاءِ -

قَوْلُهُ بَدْءٌ - بَدْءٌ ہیں دو لغتیں ہیں - ۱۔ بَدْءٌ ہمزہ کے ساتھ بمعنی شروع، یعنی اسلام شروع ہوا - ۲۔ بَدْءٌ بغیر ہمزہ بمعنی ظہور یعنی ظاہر ہوا - قَوْلُهُ غَرِيبًا - غَرِيبًا - بمعنی کالغریب - یہ بَدْءٌ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے - اور غربت کے لفظی معنی ہیں تنہائی اور یکسائی - اسی لیے مسافر اور تنگ دست کو غریب کہا جاتا ہے کہ مسافر سفر میں اکیلا ہوتا ہے - قَوْلُهُ قَطُوفِي : اَي قَرْحَةٍ وَقَدْ عَيْن -

قَوْلُهُ لِلْغُرَبَاءِ - نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تفسیر یوں کی ہے : "الَّذِينَ يَصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ بَدْءًا مِنْ سُوءِهِ" یعنی اس مراد وہ لوگ ہیں جو غربت اسلام اور زورِ گمراہی کے زمانہ میں بھی اسلام کو تھامے ہوئے ہوں اور لوگوں کی اصلاح میں اور سُوءِ کے احوال میں سرگرم عمل ہوں -

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ : خلاصہ یہ ہے کہ ابتداء میں اسلام مسافر کی طرح اجنبی ہے بارود دنگار اور غریب، قلیل الاتباع تھا اور اس کے ماننے والے لاجاری اور بے بسی و قلت کی حالت میں تھے حتیٰ کہ ان کو قاتل بھی مسافر دہا بھر بننا پڑا لیکن پھر خلافت راشدہ کے دور میں اسلام اپنی پوری شان و شوکت اور آب و تاب سے مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اپنی اصل حالت کی طرف لوٹ آیا -

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً ایمان مدینہ  
کی طرف ایسا سمٹ آوے گا جیسے سانپ  
اپنے سوراخ کی طرف ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْتِي إِلَى الْمَدِينَةِ  
كَمَّا تَأْتِي الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا۔

قَوْلُهُ لَيَأْتِي - يَكْسُرُ التَّاءِ، يَشُدُّ الْأَكْثَرَ وَرُوي بِالْفَتْحِ وَهُوَ  
بِالنَّصْبِ، أَيِ بَأَوَى وَيَنْدُو بِمَعْنَى تُحْكِمُ تَابِتًا  
قَوْلُهُ جُحْرِهَا - أَيِ نَقَبِهَا، يَعْنِي سَوْرَاخَ -

سوال : دشمنان اسلام کے مصائب اور مظالم سے اہل ایمان کے بھاگنے اور ایمان پر  
ثابت قدم رہنے کی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سانپ سے دی ہے اس میں کیا  
حکمت ہے؟  
جواب : اس میں متعدد حکمتیں ہیں :-

اَوَّلُ : دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں سانپ تیز بھاگتا ہے۔

دَوِّمُ : اور یہ جانور بہت جلدی سمٹ کر بل میں جاتا ہے۔

ثَلَاثُ : اور پھر شکل ہی سے وہ بل سے نکالا جاتا ہے۔

یہی وجہ اسلام کے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے وقت ہوں گے۔

خِلَاصَةُ الْحَدِيثِ : یہ کہ اہل ایمان مدینہ منورہ کو پناہ گاہ سمجھ کر اس میں  
آکر ٹھہریں گے۔ بعض نے کہا کہ یہ ہجرت کے متصل کا زمانہ ہے اور بعض نے کہا کہ یہ رجال  
کے زمانہ کا وقت ہے جیسا کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر مدینہ مع اپنے حوالی  
وجوانب کے مراد ہے جیسا کہ دوسری روایت میں لفظ حجاز آیا ہے (مشکوٰۃ ص ۲۲۳ ج ۱)

قَوْلُهُ وَسَنَدُهُ كَرُوحِدٍ نَيْثٍ أَيْ هَكَذَا يَرْكُزُ، يَعْنِي وَهَذَا تَيْنُونٌ حَدِيثِي رِابِعِي هَرِيرَةٌ  
مَعَادِيَةٌ، جَابِزٌ، مَصَابِيحٌ فِيهَا هِيَ تَحْقِيقٌ لَكِنِ هَمْنٌ نَسَبَتْ كِي وَجَبَ عَنْهَا بَابُونَ فِي  
ذِكْرِهَا هِيَ۔

## الفصل الثانی

عَنْ رَبِيعَةَ الْجَرَشِيِّ  
قَالَ أَمَّا شَيْءُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ لَسْتُ  
عَيْنِكَ لَسْتُ أَدْنُكَ وَلَيْسَ  
قَلْبُكَ قَالَ فَتَأَمَّتْ عَيْنِي  
وَسَمِعْتُ أَذْنَائِي وَعَقَلَ قَلْبِي

## یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ربیعہ  
جرشی سے فرماتے ہیں حضورؐ کی خدمت میں  
آئے والا آیا اور حضورؐ سے کہا گیا کہ مناسب  
آپ کی آنکھیں سو جائیں، آپ کے کان  
سننے اور دل سمجھتا رہے۔ فرماتے ہیں کہ میری  
آنکھیں سو گئیں اور کان سننے رہے، دل  
سمجھتا رہا۔

قوله أَمَّا - مجمل ہے ای المذکورہ اس سے فرشتہ مراد ہے۔

قوله قِيلَ لَهُ - ای الشیء صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قوله لَسْتُ - یعنی چاہیے کہ نیند کریں تمہاری دو آنکھیں، یہاں ذکر انشاء کا ہے  
اور مراد خبر ہے کہ تمہاری آنکھیں نیند کرتی ہیں اور کان دل جلا گئے ہیں۔ اور اس سے مراد  
امثال امر اور حضور دل اور توجہ کامل کے ساتھ مثال کو مستجاب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خوب  
غور و غوض اور حضور دل کے ساتھ اس مثال کو سنبھالنے جو ہم پیش کرنے والے ہیں تاکہ یہ خوب  
اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ "فَتَأَمَّتْ  
عَيْنَا" یعنی میری آنکھیں سوئیں بس کن کان اور دل بیدار ہے اور میں پورا متوجہ ہوں اور  
بیدار شخص کی طرح دل پورا بیدار ہے۔

قوله مَا دُبَّتْ - عام دعوت کا کھانا مراد ہے۔

قوله وَالذَّارُ الْأَمْلَقُ - یعنی دار سے مراد اسلام ہے۔

سوال - پہلی حدیث رباب الاعتصام فصل اول بروایت جابرؓ میں گزرا کہ دار سے مراد  
جنت ہے۔ اور یہاں فرماتے ہیں کہ دار سے مراد اسلام ہے فقارضا۔

جواب : اسلام دخول جنت کا سبب ہے تو اس حدیث میں سبب کو اور پہلی حدیث

میں مستحب کو ذکر کیا۔ فامند فاع التفاضل۔ اس روایت کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۰  
فصل اول باب الاعتصام حدیث جابر میں گذر چکی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو رافع  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
سنے کہ نہ پاؤں تم میں سے کسی ایک کو کہ ٹھہری پر  
تکیہ لگاتے ہوئے ہو کہ اس کے پاس میرے  
احکام ہیں سے جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے  
میں نے منع کیا کوئی حکم پہنچے اللہ وہ کہہ سے  
کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن شریف میں پائیں گے  
ہم اس کی پیروی کریں گے۔

وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا أَلْفَيْنَ أَحَدٌ كُفُّ مُتَكِيًا عَلَى  
أَرِيكْتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ  
أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ  
نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي  
مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ  
إِتِّعْنَا لَا۔

قولہ لَا أَلْفَيْنَ۔ یہ نفی بمعنی نہیں کہے ہے اور اس قسم کی بھی بہت زور دار اور  
مؤثر ہوتی ہے۔ علامہ طیبی بھی فرماتے ہیں کہ یہ نفی ایسی ہے جسے باپ اپنے بیٹے کو کہتا ہے  
کہ تم کو بازار میں نہ دیکھوں۔

قولہ مُتَكِيًا۔ ای مُسْتَدًّا یعنی ٹیک لگانے والا، سہارا کرنے والا اور یہ  
احد کو سے مال ہے۔

قولہ عَلَى أَرِيكْتِهِ۔ بمعنی مڑیں تخت۔ محدثین حضرات نے مُتَكِيًا عَلَى  
أَرِيكْتِهِ کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔

اول کتا یا ہے عیش و عشرت و راحت سے اور اس سے انکار حدیث کی طرف  
اشارہ ہے کہ جس وقت یہ لوگ ترقع و تنعم میں ہوں گے تو انکار حدیث کریں گے کیونکہ  
حدیث نبوی ان پر قیودات لگاتی ہے جب کہ وہ لوگ تو ہر چیز میں آسانی و سہولت پسند  
کرتے ہیں اور حدیث پر عمل کرنے سے ان پر تنگی ہوگی۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے  
آرام طلب لوگ مراد ہیں کیونکہ حدیث حاصل کرنے میں بہت مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

اور دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ تو جو ان مُشتقوں سے کنارہ کشی کرتا ہے وہ آرام سے بیٹھے بیٹھے کہتا رہتا ہے اب حدیث کی ضرورت نہیں ہے قرآن ہی کافی ہے۔

دوئم : مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص انرا وہ غرور و تکبر نہ کرے جو کہ بیٹھا نہ ہے اور نہ طلب علم و حصول حدیث میں کوتاہی کرے، اور نہ دینی علوم کو ترک کرے اور انرا وہ جہالت و نادانی میرے کسی ایسے حکم کے بارے میں جو قرآن مُقدس میں صراحت کے ساتھ موجود نہ ہو یہ نہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتا اور نہ اس کے سوا کسی دوسری چیز کی پیروی کرتا ہوں۔ لہذا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہل اور مُتکبروں سے فکرے لوگوں کے بارے میں پیش گوئی فرمادی ہے۔

قوله لَا أُدْرِجِي - اى غير القرآن اصل عبارت تھی "اى لا الضمين احدكم وانحال الله مُشكئ" ویأتیہ الامر فیقول لا ادري۔

يقول ابوالاسعاد : فاهراً یہ نعرہ بہت اچھا و دل فریب ہے مگر حقیقت میں اس کے اندر زہر بکھرا ہوا ہے۔ کیونکہ حدیث کے انکار سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ خلاصۃ الحدیث : حدیث پاک کے مذکورہ جملہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ یہ خیال کریں گے کہ دین و شریعت کے احکام و مسائل صرف قرآن ہی میں مُنحصر و مذکور ہیں۔ حالانکہ وہ عقل کے اندھے یہ نہیں جانتے کہ بہت سے مسائل و احکام قرآن مجید میں موجود نہیں ہیں وہ صرف حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی لیے علماء اہل سنت و الجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح احکام شرائع کے لیے قرآن دلیل و حجت ہے اسی طرح حدیث بھی دلیل و حجت ہے کیونکہ جس طرح قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے اسی طرح احادیث کے علوم و معارف بھی بارگاہ الہییت ہی سے نازل ہوئے ہیں اور دونوں وہی ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمار بن عبدیکرب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ ہو کہ مجھے قرآن

وَعَنِ الْمُقَدِّادِ بْنِ مُعَدِّكَرِبٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنِّي أَوْثَقْتُ



بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کا مثل  
بھی خبردار قریب ہے کہ ایک پیٹ بھرا  
اپنی ٹھہری پر کہے کہ صرت قرآن کو تمام لو۔

الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ الْيُوشِكُ  
رَجُلٌ مَشْبَعَانٌ عَلَى أَرْجُلَيْهِ  
يَقُولُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ

قَوْلُهُ أَلَا إِنِّي - أَلَا حرف تنبیہ اور اِنَّ حرف تحقیق ہے اور جملہ اسمیہ لاکر اس بات  
کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مابعد میں جو بات بتائی جا رہی ہے وہ نہایت اہم اور اہمیت بال نشان  
ہے اس میں سُننے اور عمل کرنے پر پوری توجہ چاہیے۔

قَوْلُهُ وَمِثْلَهُ مَعَهُ - قرآن کا مثل حدیث ہے یعنی جس طرح قرآن مجھ پر  
نازل کیا گیا ہے اسی طرح حدیث بھی مجھے بارگاہ الوہیت سے عطا ہوئی ہے لیکن فرق یہ  
ہے کہ قرآن وحی ظاہر ہے جو متلو بھی ہے اور حدیث وحی باطن ہے جو وحی غیر متلو ہے مگر دونوں  
دونوں ہیں۔ حدیث پاک کی تائید قرآن مقدس کی اس آیت سے ہوتی ہے "وَيُتْلَىٰ لَكَ  
الْكِتَابُ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْبَاقِينَ"

سوال : قرآن مقدس قطعی ہے اور حدیث پاک قطعی ہے تو مثل کس طرح فرمایا؟  
اس کے مختلف جوابات بیان فرمائے گئے ہیں۔

جواب اول : یہ ہے کہ یہاں مثل اثبات حکم کے اعتبار سے کہا گیا کہ جس طرح قرآن  
سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔ حدیث پاک سے بھی اسی طرح ثابت ہوتے ہیں۔  
جواب دوم : مثل بعض احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ کل کے اعتبار سے  
اور احادیث میں سے بعض احادیث متواترہ ہیں اس کا منکر کافر ہے جس طرح قرآن کریم کا  
منکر کافر ہے۔

جواب سوم - یقول البوالا سعاد : امام غزالیؒ نے مستصفیٰ میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرامؓ  
کے لیے کل حدیثیں قطعی ہیں کیونکہ وہ حضرات بالشافہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنتے  
تھے اس لیے کسی قسم کا شک و شبہ نہ تھا جب کہ ہمارے لیے کثرت وسائل کی وجہ سے  
قطعی ہو گئیں تو مثل صحابہ کرامؓ کے اعتبار سے کہا گیا۔

قَوْلُهُ يُوشِكُ : يَكْسِرُ الشَّيْنُ اِی يَكْفُرُ بَلْ یعنی قریب ہے۔

قَوْلُهُ شَبَّعَانٌ - بغیر تنوین شیع کا اطلاق کثرت اکل پر ہوتا ہے اور کثرت اکل شتم اور غرور مال و جاہ سے پیدا ہوتا ہے تو گویا کہ کنایہ ہے بغیر شیع سے - چنانچہ کثرت اکل بھی وبلا دت کا سبب ہوتی ہے -

قَوْلُهُ عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ - کنایہ ہے تکبر اور غرور و مال و جاہ سے جو طلب علم سے مانع اور انکار حدیث کا باعث ہوتا ہے -

يَقُوْلُ الْبَوَالِ سَعَادُ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو نقطوں "شَبَّعَانِ عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ" سے انکار حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ موصوف بالصفۃ پر حکم لگانے سے وہی صفت اس حکم کی علت ہو ا کرتی ہے کیونکہ کثرت طعام سے سیر شکم آدمی مراد ہے - جو مانع عن العلم ہے اس لیے کہ حدیث پاک کے لیے محنت عنیہ اٹھانی پڑتی ہے جب کہ کثرت طعام سے شستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے -

لِهَذَا شَبَّعَانٌ عَلٰی اَرِيْكَتِهٖ وَالْاَعْمَتِ نہیں کر سکتا - عند البعض اس سے بڑے لظن والا مراد ہے اور وہ ترفع و شتم میں کسی پرست کبرانہ بیٹھے گا، اور عموماً بڑے پیٹ والا بلید و کندہ بن ہوتا ہے - حدیث کہنے کی صلاحیت نہیں ہوتی - بنابرین انکار حدیث کتبے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے "النَّاسُ اَعْدَاءُ لِمَا جَهِلُوا"۔

قَوْلُهُ عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ - اِی الْقُرْآنُ وَالْعَمَلُ بِهِ وَلَا تَكْفُرُوا اِلٰی غَیْرِہِ یعنی بس قرآن ہی کافی ہے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں - بظاہر یہ نعرہ بڑا لفظ ہے - لیکن حقیقت دینی لحاظ سے تباہ کن ہے -

قَوْلُهُ مَا وَجَدْتُمْ فِيْہِ - اِی فِی الْقُرْآنِ -

قَوْلُهُ اَلَا لَا يَحِلُّ - یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مثال کے ایسے شرعی مسائل بیان فرمائے ہیں جو قرآن مقدس میں صریحاً مذکور نہیں اور نہ ان کی حرمت مذکور ہے - حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی آکر ان کی حرمت بیان کی ہے اور اس حرمت پر امت کا اتفاق ہے - یعنی ثابت بالسنۃ ہیں -

قَوْلُهُ جَمَاعًا اَلَا هَلٰی - یہ مثال ازل ہے - ان میں پہلا ہمارا اہلی ہے یعنی اہل گناہ اور اہل گمراہی جو گمراہ رہتا ہے ادا سے کام کاج میں استعمال کیا جاتا ہے اور

یہ حرام ہے۔ اس کے مقابل حمار وحشی ہے یعنی وحشی گردھا جسے گور خر کہتے ہیں یہ حلال ہے۔  
یعنی منکرین حدیث کو چاہیے کہ گدھوں پر ہاتھ صاف کریں کیونکہ انہیں قرآن مقدس نے  
حرام نہیں کیا بلکہ حدیث پاک نے کیا ہے۔

قوله وَلَا كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ الشَّيْبَاعِ - نَاب اَنْيَاب سے بمعنی ڈاڑھ۔  
شیبَع بمعنی جانور یعنی کھلی رکھنے والے جانور۔ مقصد یہ ہے کہ لیلے جانور جو ڈاڑھ سے شکار کرتے ہیں  
اور شکار کو بچارتے ہیں جیسے بھیریا، شیر، کتا وغیرہ یہ بھی حرام ہیں ان سب کی حرمت حدیث پاک  
سے ثابت ہے۔ یہ مثال ثانی ہے۔

قوله وَلَا لِقُطْبَةُ مُعَاهِدٍ - بِضْعَةُ اللَّامِ وَفَتْحُ الْقَافِ اِی مَقَاتِلُ مَضَاعٍ مِنْ  
شَخْصٍ بِسُقُوطِ اَوْ غَفْلَةٍ - یعنی کوئی چیز غفلت کی وجہ سے گر جانے یا ضائع ہو۔ مُعَاهِد  
اس کافر کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ صلح و امان ہو خواہ وہ کافر ذمی ہو یا غیر ذمی  
اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی گری ہوئی چیزیں بھی استعمال کرنا حرام ہے۔

سوال - معاہدہ کی تخصیص کیوں کی یہ تو ہر ایک کے نزدیک مُتَم بات ہے کہ دوسرے کے ملک  
میں بغیر اجازت تصرف مشروع ہے مُسَلَم ہو یا غیر مُسَلَم ؟

جواب اول : لفظ معاہدہ میں افاقۃ للتخصیص کافر حربی کے اعتبار سے ہے مسلمانوں  
تخصیص کرنے کے لیے نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کا لفظ تو بطریق اولیٰ حرام ہونا چاہیے۔

جواب دوم : یہ تخصیص احوال مخاطبین کے اعتبار سے ہے کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے  
لفظ کو لوگ حرام قرار دیتے تھے اور معاہدوں اور ذمیوں کے لفظ کو غنیمت قرار دے کر حلال سمجھتے  
تھے اس لیے تاکید فرمائی کہ وہ بھی مسلمانوں کے لفظ کی طرح حرام ہے۔

## اشیاء مملوۃ کا شرعی حکم

بقول ابوالاسعاد : مختصر اعرض ہے کہ عام طور پر اشیاء مملوۃ کا یہ حکم بیان کیا گیا  
کہ ایک سال تک اعلان کیا جائے مگر یہ اس زمانے کے لیے ہے جب کہ خبر رسائی کے ذرائع  
دشوار تھے۔ اب جب کہ ذرائع مواصلات کے ذریعہ خبر رسائی آسان ہو گئی ہے تو اب ایک

سال تک اعلان کرنا ضروری نہیں بلکہ اتنے دن اعلان کرے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ اگر کوئی مانگ ہوتا تو ضرور آنکلتا۔ اب اگر کوئی مانگ نہ نکلتا تو شراغ کے نزدیک ملتقط کو اختیار ہے چاہے خواہستہاں کرے یا کسی کو دیدے خواہ غریب ہو یا تو نگر۔ احسان کے نزدیک اگر خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے ورنہ کسی فقیر کو صدقہ کر دے یا اگر فقور ایسی چیز ہے جس سے اس کا مانگ بے نیاز و بے پردہ ہو۔ جیسے گٹھلی چمکا، گاجر، مری یا ایسی ہی کوئی حقیر چیز تو اس کو ملے لینا جائز ہے۔ مزید تفصیل کتاب الفقہ میں آئے گی۔

قوله إِلَّا أَنْ يَسْتَفْزِي عَنْهَا صَاحِبُهَا : جب اس کا مانگ اس سے مستفی ہو جاوے۔ استفتار کی میں ضرور میں ہیں۔ و اعلان کے بعد کوئی مانگ نہ نکلے یا مانگ خود اس کو دیدے یعنی مہربان کی شکل ہو یا اپنی حقیر چیز جو کہ مانگ اس کی تلاش میں نہ ہو۔

قوله وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلْيُفْرِغْ أَنْ يُفْزِرَهُ : جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس شخص کے لیے یہ اجازت ہے کہ وہ بغیر اذن مہمانی کے مائدان سے وصول کرے۔

قوله أَنْ يُفْزِرَهُ : اسی یا خذھو کہ زور سے چھین لے۔ خلاصۃ الجملہ : یعنی یہ مسئلہ بھی قرآن مقدس میں نہیں ہے۔ حدیث میں ہے خیال ہے کہ اس زمانہ میں دیہاتی کفار سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر لشکر اسلام یا کوئی مسلمان تہلے گاؤں پر گزے تو تم سے ایک دو وقت کا راشن دینا۔ اس معاہدہ کے ماتحت لشکر اسلام کو اپنا راشن ان سے وصول کرنے کا حق تھا۔ حدیث میں اس کا ذکر ہے اب بھی بعض ہنگامی حالت میں لشکر یا پولیس کا خرچ اہل شہر پر ڈال دیا جاتا ہے اس صورت میں یہ حدیث غیر منسوخ ہے۔ اب بھی اگر کفار سے یہ معاہدہ ہو جائے تو ان پر اس کی پابندی لازم ہوگی۔

## ضیف کی ضیافت کا مسئلہ

اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ مہمان کی مہمانی واجب ہے یا مستحب ہے؟ چنانچہ اس بارے میں فقہاء کے دو مسلک ہیں۔ اول : امام احمد بن حنبلؒ اور امام لیثؒ کے

نزدیک شیف کی ضیافت واجب ہے۔

دلیل حنا بلہ : حدیث باب ہے جسے بزورِ طاقت بھی اپنے حقے وصول کرنے کا حکم ہے۔

دوئم : جمہور حضرات کے نزدیک مہمان کی مہمانی سنت یا سبب ہے۔

دلائل جملہ اور : دلیل اول : قال اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ فِي الْكَلَامِ الْحَبِیْدِ  
 ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْلِ إِلَّا أَنْ  
 تَكُونُوا بَيْنَ تَرَافٍ عَنْ تَرَافٍ مَشْكُورٍ رِثَ نِسَاءٍ“  
 دلیل دوئم : حدیث مشہور :

”لَا يَحِلُّ مَالٌ اِمْتَرَجِي مَسْلُوبٍ إِلَّا عَنْ طَيْبِ نَفْسٍ رَغْبِیْسٍ حَلَالٍ مَالٍ مُسْلَمٍ  
 کا استعمال مگر برفاء و رغبت، مرقعات ص ۳۳۵ (ج ۱)

دلیل سوم : وَعَنْ أَبِي شَرِيحٍ الْكَلْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكَلِّمْ  
 صَبِيحَهُ جَارَئِزَتَهُ يَوْمَ وَلَيْلَتِهِ رَشَاقَةً شَرِيفَةً ص ۳۳۵ (ج ۲ باب الضیافہ)  
 اور جارتہ کے معنی ہدیہ کے ہیں اور ہدیہ واجب نہیں ہوتا۔

جہاں تک حنا بلہ کے مسئلہ حدیث باب کا تعلق ہے تو محمد بن حضرات نے اس کے  
 مختلف جواب دیے ہیں۔

جواب اول : یہ حدیث اہل ذمہ کے متعلق ہے جن پر اہل اسلام کی مہمانی بمقتضائے  
 معاہدہ ضروری ہے۔

جواب دوئم : یہ حدیث مضطر کے بارے میں ہے جو شدتِ بھوک کی وجہ سے موت  
 کے قریب پہنچ چکا ہو۔

جواب سوم : یہ حدیث منسوخ ہے اور ناسخ اس سے آئندہ حدیث ہے۔

”وَلَا أَكُلُ ثَمَارَهُمْ إِذَا أَعْطَوْكُمُ الدِّينَ عَلَيْهِمْ“

یقول ابوالاسعد : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے معاہدہ فرماتے تو اس  
 وقت یہ شرط ہوتی کہ میرے مجاہدین تمہارے پاس سے گذریں اور تمہارے مہمان ہوں تو تم پر ان

کی مہمان داری ضروری ہوگی اگر نہ کرو گے تو تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جائے گا۔ پھر جب مسلمانوں کی حالت اچھی ہوگئی اور لطافت و اکناف میں بہت سے افراد مسلمان ہو گئے اور ذمیوں کے پاس مہمان ہونے کی ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمر باغش بن ساریہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرما کر فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخصہ پر شک لگا کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بحر ان چیزوں کے کوئی چیز حرام نہ کی جو قرآن میں ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ سَارِيَةَ  
قَالَ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّكُمْ  
أَخَذَ كُفْرًا مُتَكِيًا عَلَى أَرِيكْتِهِ  
يُظَنُّ أَنَّ اللَّهَ لَعَنَ مُجْرِمَ شَيْئًا  
الْأَمَانِي هَذَا الْقُرْآنِ -

قولہ قَامَ : حدیث پاک میں لعنہ قَام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد وعظ و تقریر کے لیے قیام مراد ہے۔

قولہ يَظُنُّ - يَظُنُّ لَعَنَ مَعْنَى يَحْسَبُ پر معلق تفسیری ہے۔

قولہ كَعَثَلِ الْقُرْآنِ : اَلْقُرْآنُ کا ضمیر اشیاء مذکورہ کی طرف ہے جن کا بیان ہوا ہے قرآن کے مثل یا مقدار میں ہے یا قابل مثل ہونے میں۔ مزید بحث قدیمہ تھا۔  
قولہ اَوْ اَكْثَرُ : اکثر اس لیے فرمایا کہ بعض دفعہ قرآن پاک کی کسی آیت میں اجمال ہوتا ہے تفصیل حدیث پاک میں جوتی ہے۔ جیسے واقعہ ہے۔ باقی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا "اَوْ اَكْثَرُ" وافر مانا شک کے لیے نہیں بلکہ یقین پر محمول ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا عمل وثاقاً فوقاً ترقی پذیر تھا، کبھی مکاشفہ ہوتا ہے کبھی الہام کبھی وحی۔ ولہذا یہ الفاظ زیادتی و اسے درست ہیں۔  
قولہ وَاِنَّ اللَّهَ لَعَنَ يَجْعَلُ لَكُمُ : وَاِنَّ اللَّهَ لَعَنَ يَجْعَلُ اللہ سے آخر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند احکام بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ احکامات قرآن مجید میں نہیں ہیں ہی نہیں بتلارہا ہوں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ ان احکامات سے یہ کہہ کر اعراض نہیں کیا جاسکتا کہ یہ چونکہ قرآن میں موجود نہیں ہیں اس لیے واجب العمل بھی نہیں۔

قوله اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوتَ اَهْلِ الْكِتَابِ : یہاں ایام جاہلیت کی بری عادتوں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ عرب کی عام عادت تھی کہ اپنے ماتحت لوگوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو کر ان کی عورتوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے اور ان کے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بری عادتوں کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ ذمیوں کی عزت و آبرو اور ان کے حقوق مسلمانوں کی عزت و آبرو و حقوق کے مانند ہیں۔

سوال - یہ حکم تو عام ہے مسلم ہو یا غیر مسلم کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا شرعاً منع ہے  
جواب اول - اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عموماً مسلمانوں کے دنوں کے اندر ان کی نفرت ہے شاید اس بنا پر ان کا خیال نہ کریں اور گھر میں داخل ہو کر ایذا پہنچائیں۔  
جواب دوم : عند البعض اہل کتاب کی قید اس لیے لگائی کہ مشرکین عرب سے جز یہ قبول نہیں کیا جاتا ان کے لیے دو صورتیں ہیں۔ (۱) قتال (۲) اسلام۔

قوله وَلَا تَضْرِبْ نِسَاءَهُمْ - اِی ضَرْبًا شَدِيْدًا، خفیف کی اجازت ہے اگر اصلاح کے لیے ہو۔ نساء سے اہل کتاب کی نساء مراد ہیں۔ ان کی تخصیص کی وجہ بھی وہی ہے جو اہل کتاب کے لفظ کی ہے۔

قوله رواہ ابو داؤد : آخر روایت میں لفظ رواہ کے بعد مشکوٰۃ شریف کے اصل نسخہ میں جگہ خالی ہے اس لیے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس حدیث کے راوی کا علم نہ ہو سکا ہو گا لیکن بعد میں میرک شاہ (جو شارح مشکوٰۃ ہے) نے مذکورہ عبارت لکھ دی ہے۔

## اسمائے رجال

آپ صحابی ہیں آپ کے والد ساریہ کی کنیت

ابو نبیح تھی۔ حضرت عمر باض اصحابِ مختہ میں

حالات حضرت عمر باض بن ساریہ

سے تھے، شوقِ الہی اور خوفِ الہی اپنے دل میں بہت رکھتے تھے۔ شام میں قیام کیا اور سہ

میں وہیں وفات پائی۔ آپ سے ۲۱۔ احادیث مروی ہیں محض میں آپ کا مزار پُرکوار ہے ان سے

ابو امامہ اور ایک تابعین کی جماعت روایت کرتی ہے (نبیح نون کے ذریعہ) کے زیر اور حملے مہلہ کے ساتھ

وَعَنْهُ قَالَ صَلَّى بِنَا  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ذَاتَ يَوْمٍ ثَوًّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا  
بِوَجْهِهِ فَوَعظَنَا فَوَعِظَنَا  
بِلَيْلَتِهِ زَكَّيْنَا مِنْهَا الْقُلُوبَ  
وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ :

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمیں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر ہماری  
طرفت چہرہ کیا اور نہایت بلند وعظ فرمایا اس  
سے انگلیں رداں ہو گئے دل ڈر گئے۔

قولہ ذَاتَ يَوْمٍ : اس روایت میں مطلقاً یوم کا ذکر ہے اور نماز کے وقت کا ذکر نہیں  
مگر دوسری روایت  
وقت کے انتخاب کی وجہ کیا تھی صراحۃً معلوم نہیں۔

يقول البوالاسعاد : البته یہ وجہ ممکن ہے کہ اس وقت آپ پر ایک خاص کیفیت  
طاری ہوئی تھی کہ یہ دن کا آخری حصہ ہے فرشتے یومیہ اعمال آسمان پر لے جا رہے ہیں۔ بناء بریں آپ  
نے آخری وصیت فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ آذان صلوٰۃ مغرب کی مخصوص دعا کی آپ نے تعلیم دی  
جس میں خصوصی طور پر ادبارِ نہار اور اقبالِ لیل پر مغفرت کا سوال ہے۔

« عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ  
أَقُولَ عِندَ الْإِذَاَنِ الْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا الْوَدَّاءَ يُقْبَلُ كَيْلِكَ وَ  
إِذَا بَارَكْتَ لَهَارِكَ وَأَصَوَاتُ دُعَائِكَ فَاعْفُ عَنِّي رَابِعًا وَشَرِيفًا مَثَلًا بَابِ  
مَا يَقُولُ عِندَ الْإِذَاَنِ الْمَغْرِبِ »

قولہ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ : اقبال سے وجہ والی بات سمجھ آ رہی تھی بس تاکہ  
کسی لیے بوجہ کہہ کر کیا۔

قولہ بِلَيْلَتِهِ : محدثین حضرات نے اس کے دو معنی ذکر فرمائے ہیں :-  
أَوَّلُ : بِلَيْلَتِهِ بِمَعْنَى اِشْدَ فِي الْاِنْتِدَارِ وَالتَّخَوُّلِ -

دُومُ : فَلَيْلَتُهُ اللفظ وكثير المعنى الغامض مختصر مگر معانی بہت تھے، انداز کے تمام پہلو  
موجود تھے کما فی قولہ تالٰی « (وَقُلْنَا لَهُمْ قَوْلًا بَلِيغًا) نَسَاء :



ہوں تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامی وعظ ہی مؤثر ہوتے تھے لیکن خصوصیت سے یہ وعظ بہت پر تاثیر تھا جس میں عشق خدا خوف کبر یا کا صیاموں میں مارا تھا۔

قوله زَرَفْتُ مِنْهَا الْعُيُونَ : زَرَفْتُ بفتح الراء ای دَمَعْتُ و سَأَلْتُ دَمُوعَ الْعُيُونَ اور یہ کلام مبالغہ فرمائی ہے۔ کیونکہ آنکھ تو نہیں بہتی بلکہ آنسو ہی بہتے ہیں۔  
کما فی قولہ تعالیٰ " تَكْرِى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَذَنًا "

قوله وَوَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ وَوَجَلَّتْ يَكْثُرُ الْجَبِيدُ ای خافت یعنی دلوں میں خوف پیدا ہو گیا اور دل ڈر گئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ " إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ " (انفال)

سوال - یہ ہے کہ زَرَفْتُ مِنْهَا الْعُيُونَ والا جملہ بعد میں ہونا مناسب تھا اور وَجَلَّتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ پہلے ہونا چاہیے تھا کیونکہ اثر پہلے دل پر ہوتا ہے اور آنکھ پر بعد میں اثر ظاہر ہوتا ہے جب کہ یہاں قلب پہلے ہے۔

جواب - یہ ہے کہ دل کی خبر تو کسی کو نہیں آنکھ کے آنسو سے اس کے اثر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔

قوله مَوْعِظَةٌ مُّوَدَّعٍ - اس کو دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔  
اَوَّلٌ : مَوْدِعٌ - بمعنی اَدَال یعنی اُدواغ کہنے والے کے کہ ایسا بلیغ وعظ کیا کہ لگتا ہے کہ آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

دَوِّمٌ : مَوْدِعٌ - بفتح الدال بمعنی امانت رکھا ہوا کہ ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ واقعی امانت کے قابل ہے کہ اس کو محفوظ کر کے رکھیں۔

سوال - تشبیہ کس بات میں ہے؟

جواب - جب کوئی رخصت ہونے والا نصیحت کرتا ہے تو جتنی ضروری باتیں ہوں اور داریں میں فائدہ مند ہوں تو ان کو نہایت اخلاص کے ساتھ مختصر الفاظ میں بیان کر رہا ہے اور بیان میں یہ کوشش کرتا ہے کہ کوئی پہلو تشدد نہ رہ جائے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ بھی ایسا تھا۔  
اس لیے اس کے ساتھ تشبیہ دی۔

قوله اَوْصِيَكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ : یہ جملہ جوامع الکلم میں سے ہے اس لیے کہ اس

ایک کلام میں دین کے تمامی مأمورات و منہیات آگئے کیونکہ تقویٰ کی اجمالی تعریف یہ ہے :-  
 امتثال المأمورات واجتناب المنہیات ، اسی لیے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-  
 رأس الدین التقوی - وللتقوی مراتب - ۱۔ الاتقاء عن الشرک ۲۔ الاتقاء  
 عن الکبائر ۳۔ الاتقاء عن الشیطات ۴۔ الاتقاء عن الشبهات ۵۔ الاعتراض  
 عما سوى الله تعالى -

درجہ ۵ عام لوگوں کے لیے نہیں بلکہ خواص امت انبیاء و صدیقین کے لیے ہے۔  
 یقول ابوالاسعاد : عاقل ابن کثیر نے حضرت اُبی بن کعبؓ سے تقویٰ کی جو تعریف  
 نقل کی ہے وہ سب سے جامع ہے وہ یہ کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے اُبی بن کعبؓ سے تقویٰ  
 کے بارے میں دریافت فرمایا تو حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ جب تم کسی کانٹے دار جنگل میں  
 چلو گے تو کس طرح چلو گے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس طرح دامن کھینٹ کر چلوں گا کہ ایک کانٹا  
 بھی نہ لگے تو حضرت اُبی بن کعبؓ نے فرمایا کہ تقویٰ یہی ہے کہ دین پر اس طرح چلا جائے کہ غیر  
 دین کا ایک کانٹا بھی نہ لگنے پائے۔

قوله والسمع : اس کا تعلق خلیفہ کی کلام کے ساتھ ہے۔

قوله والطاعة : اس کا تعلق خلیفہ کی فرمانبرداری کے ساتھ ہے۔

قوله وان کان عبداً حبشياً : یہ حقارت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عرب میں  
 عبد کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی ، پھر حبشی حبشی یہ اور زیادہ قباحت ہے۔

سوال : یہ کہ خلیفہ بننے کے لیے تو حریت شرط ہے جب کہ آپؐ عبد حبشی فرما رہے ہیں۔

جواب : یہ کہ مالغز کے طور پر فرمایا ہے یعنی عبد سے نفس عبد نہیں بلکہ عہد سے نالائق کم فہم

اور کم عقل مراد ہے اور حبشی سے بد شکل اور بد صورت سیما مراد ہے مطلب یہ کہ اگر امیر بد صورت

و بد شکل اور نالائق ہو یعنی نہ ظاہری کمال ہے اور نہ باطنی کمال ، تب بھی فتنہ و فساد نہ کر کے مان

لینا چاہیے تاکہ مسلمانوں کی اجتماعیت برقرار رہے لیکن واضح ہو کہ یہ اطاعت اس وقت ہے

جب کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ ہو اگر معصیت کا پہلو ہو تو پھر اطاعت ضروری نہیں بلکہ جائز

ہی نہیں رکھا فی قولہ علیہ السلام : لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ۴

سوال : حدیث پاک میں ہے : ” لَا تَقْبَلُوا مِنْ حَتَّى تَقْرَأُوا بِأَلْفِ لَيْلٍ ”

وخلات فریشیوں کا حق ہے، پھر یہاں کیسے فرمایا "وَأِنْ كَانَ عَبْدٌ حَبَشِيًّا"۔  
**جواب :** یہ مُتَكِدَّة کے حق میں ہے یعنی غلام کو امیر نہیں بنانا چاہیے جیسا کہ ابھی حدیث  
 گزری ہے "الْأَنْصَارُ مِنْ قُرَاشٍ"۔ لیکن اگر زبردستی بن جائے تو مان لینا چاہیے۔  
 قوله فَسَيَرَى الْإِخْتِلَافَ كَثِيرًا - ای من و ملل کثیر یعنی بہت مذہب  
 پیدا ہو جائیں گے ہر ایک کے اعتقادات دوسرے کے خلاف ہوں گے اس سے اثناء فرمایا  
 اہل بدعت اور اہل ہوا کے ظہور کی طرف۔

قوله : عَلَيْكُمْ لِسَانِي وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ : جملہ مذکور سے  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص جماعت کی پہچان کے لیے ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ بیان  
 ضابطہ سے قبل خلفاء راشدین کی وضاحت ضروری ہے کہ خلفاء راشدین سے کوئی مبارک  
 ہستیاں مراد ہیں۔

## ترتیب خلفاء راشدین

بقول ابوالاسعد : جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک خلفاء راشدین سے  
 خلفاء اربعہ مراد ہیں۔ جن کی ترتیب یوں ہے :-

افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر  
 الصديق ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان  
 ثم علي بن ابي طالب لكن واكثر المستزلة يفضلون عليا  
 على ابي بكر الصديق هذا غلط ليس بصحيح :

کیونکہ معتزلہ کا یہ تقریر حدیث مبارک کے خلاف ہے حدیث پاک میں ہے صحابہ کرامؓ فرماتے  
 ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے بعد مقام اور رتبہ میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ  
 کو سمجھتے تھے اور ان کی ذات کے مقابلہ میں کسی کو شمار نہیں کرتے تھے (عن ابن عمرؓ)  
 قال كنا نقول في زمن النبي صلى الله عليه وسلم لا نذل بابي بكر احدا  
 ثم عمر انما وايضا قال سألوا بن عبد الله ان ابن عمر قال كنا نقول

ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجی افضل ائمة النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
بعدہ ابو بکرؓ الخ وایضاً عن محمد بن الحنفیہ قال قلت لابی اخی  
الناس خیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو بکرؓ الخ :  
والعدد اود شریف ۳۸۵ ج ۲ باب فی التفضیل) وفی شرح العقائد علی ہذا الترتیب  
وجدنا التلک كما فی الفقه الاکبر وشرحہما مثلاً

**سوال :** آپ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء اربعہ کی سنت کو کیوں ملایا یعنی خلفاء اربعہ کی  
سنت کو اپنی سنت کے مقابلہ میں کیوں ذکر فرمایا ؟

**جواب اول :** حضور علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ خلفاء اربعہ میری سنت سے استنباط کر کے  
جو اجتہاد کریں گے اس میں خطا نہیں ہوگی اور ان کی راہی بالقواب ہوگی۔ ومن ہذا  
الباب قتال ابی بکر بما لقی الزکوة۔

**جواب دوم :** حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان دی گئی تھی کہ آپ  
کی بعض سنتیں آپ کے زمانہ مبارک میں اتنی شائع نہیں ہونگی۔ جس قدر خلفاء اربعہ کے  
زمانہ میں ہونگی۔ ومن ہذا الباب منع عمر عن بیع امہات الاولاد :

**سوال :** وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَكُونُ فِي أُمَّتِي إِثْنَا عَشَرَ  
خَلِيفَةً جب کہ مقام ہذا پر چار کو کیوں خاص کیا گیا ؟

**جواب :** تخصیص کی وجہ ان کی تفریق شان و تصویب رائے و تفوق کو بیان کرنا ہے  
اسی وجہ سے تو راشدین المہدیین کی خاص صفت لائے۔

یقول ابوالاسعاد : علی منہاج النبوت خلافت ان تک خاص رہی ہے اور تخصیص  
کی وجہ بھی یہی ہے۔ بعد میں تمام خلافتیں اسلامی خلافت تو کہی جاسکتی ہیں لیکن علی طریقہ منہاج  
النبوت نہیں کی جاسکتیں۔

قوله عَصُوا عَلَيْهَا يَا تَوَاحِدٍ - یہ جملہ تم کو ایہا کی تاکید ہے عص کا معنی ہوتا  
ہے منہ میں کوئی چیز داخل کر کے اسے مضبوطی سے پکڑنا۔ تواجد جمع کا جذا ہے العَصْرُ  
الاحیر، یعنی آخری دھڑیں اگر ان کے نیچے کوئی چیز آجائے تو مشکل چھوٹی ہے۔ عَصُوا  
عَلَيْهَا يَا تَوَاحِدٍ کو دو باتوں میں تشبیہ دی ہے۔

آول: عمل کرنے میں تشبیہ ہے اس لیے کہ جب کوئی کسی چیز کو مضبوطی کے ساتھ پکڑتا ہے تو دانت کا ٹٹا ہے۔

دوم: کثفت و تکلیف میں تشبیہ دی ہے کہ اگر سنت پر عمل کرنے میں بہت زراعت کثفت و تکلیف ہو تب بھی سنت پر عمل کرنا مست چھوڑا اور تکلیف برداشت کر دیکر کہ تکلیف کے وقت انسان دانت کا ٹٹا ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: وَيَوْمَ يَقْضَى الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِمْ يَقُولُوا يَا لَيْتَنِي اخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا رَبُّ الْفَرَقَانِ

قوله مُحَدَّثَاتٌ: بدعت وغیرہ کی مکمل بحث باب الاعتصام بالکتاب والسنة میں ہو چکی ہے۔ مختصر اعرض ہے کہ مُحَدَّثَات یعنی ہر نئی چیز سے مراد نئے عقائد ہیں جو اسلام میں حضور علیہ السلام کے بعد ایجاد ہوئے یا کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ یہاں اسے گمراہی کہا گیا۔ گمراہی تو عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ اعمال میں۔ لہذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے اور اگر اسکی نئے اعمال مراد لیے جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہوگی۔

قوله وَلَوْ يَدُكَ الْمَلُوءَةَ: اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اس روایت میں امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے نماز پڑھنے کا ذکر نہیں کیا یعنی ان کی روایت میں حدیث کے الفاظ "صَلَّى بِمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کو نہیں ہیں بلکہ حدیث وَعَظَمْنَا مَوْعِظَتَهُ سے شروع ہوتی ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا پھر فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے دائیں بائیں اور کیریں کھینچیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثَوْرًا قَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثَوْرًا خَطَّ خُطُوْمًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ

قوله خَطَّ لَنَا: اى خَطًّا مُسْتَقِيمًا۔ نبی کریم علیہ السلام کا خط کھینچنا بطور نمونہ یا بطور تعلیم کے تھا کیونکہ مثال دے کر کھانا یہ بہترین طریقہ ہے تعلیم و تعلیم کا۔ چنانچہ قرآن مقدس

اہم سابقہ کی مثالوں سے پُر ہے جس کو فارسی میں کہتے ہیں :-

ع عبارت از نظیر بے نظیر می شود۔

قوله تَعْرِفَانِ هَذَا سَبِيلَ اللَّهِ : یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے۔

سوال : کہ یہ خط تو اللہ پاک کا راہ نہیں ہے ۔ حضور علیہ السلام کیسے فرما رہے ہیں " هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ "۔

جواب : مضاف مقدر ہے ۔ ای ہذا مثل سبیل اللہ ۔

قولہ وَقَرَأْتَ كَاتِلَقُ آغَضَرْتِ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے

کہ آپ نے بطور استشہار کے یہ آیت مبارک تلاوت فرمائی " وَتَحْتَمِلُ كَأَن يَنْجِجَ الْفَصِيرُ الْحَاثِبُ بْنُ صَعُوذٍ لِّكِنْ بَطُورِ حَكَايَتِ عَنْ قَوْلِ اللَّهِ تَدَالِي هُوَ كَا ۔

بقول ابوالاسعاد : حدیث باب سے روایتیں کچھ میں آرہی ہیں :-

اول : خط مستقیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کھینچا تھا وہ راہِ خدا کی مثال ہے

جس سے صحیح عقائد اور نیک و صالح اعمال مراد ہیں ۔ اور دوسرے چھوٹے اور ٹیڑھے

خطوط راہِ شیطان ہیں جن سے گمراہی و ضلالت کے راستے مراد ہیں ۔

دوئم : اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق کی راہ صرف ایک راہ ہے جس میں

کوئی ناہمواری اور تشیب و فراز نہیں ہے اور گمراہی کی راہیں بہت ہیں اور وہ بھی پُر غم اور

پُر بیچ ہیں ۔ صرف نفسانی حرص ان کو سیدھا دکھلاتا ہے ۔ راہِ مستقیم پر گامزن ہونے میں

اگر کوئی اندرونی اضطراب محسوس ہو تو وہ راہ کی ناہمواری نہیں بلکہ چاروں طرف سے دعوت

شیطان کی اثرات ہیں جتنا ادھر کان لگاؤ گے اس اضطراب میں اضافہ ہوتا رہے گا اور

جتنا ان سے غافل رہو گے اس قدر اپنے قلب میں الطینان اور سکون دیکھو گے ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت

عبد اللہ بن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے

کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ كَوْنَهُ

حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ بَيْنَ الْمَاجِثِ

جب تک کہ اس کی خواہش جیسے لائے ہوئے  
کے تابع نہ ہو۔

یہ :

قَوْلُهُ هَوَاً : اِی میل فِیْهِ یعنی میلانیتِ نفس یا خواہشاتِ نفسانیہ دُعا  
فِی قَوْلِهِ تَعَالٰی " اَسْأَلُكَ مِنَ الْهَوَاۗءِ اَفَاثَتِ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَکِبَلٌ  
رُبَّ فِرْقَانِ

قَوْلُهُ لِمَا حِثُّ بِهِ : اِی انْتِرَانِ وَالْحَدِیْثِ ۔

## لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ یُغْنِیَ نَفْسُہٗ

محمدؐ میں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ لَا یُغْنِیَ مِنْ أَحَدُكُمْ میں نفی اصل الایمان  
ہے یا نفی کمال الایمان ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک نفی اصل الایمان مراد ہے کہ دل سے حضور علیہ السلام  
کے لائے ہوئے احکامات پر یقین کرے منافقین کی طرح اگر وہ قتل

قول اول

و تلواری کی بنا پر نہ بلکہ کامل اعتقاد کے ساتھ مَسَاجِدُ حِثُّ بِهِ کے تابع و مقتدی ہو ورنہ وہ  
مومن نہیں لہذا اصل ایمان کی نفی ہوتی۔

علاقہ حافظہ تو رپشتی فرماتے ہیں کہ یہاں اصل الایمان کی نفی مراد نہیں

بلکہ کمال ایمان کی نفی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے اپنی مرغوبات و

قول دوم

مُلُوفَاتِ اَشْیَاہِ سے محبت ہوتی ہے اس طرح نبی کریم علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو  
دل و جان سے قبول کرے اور قبول کرتے وقت کسی قسم کی تشنگی محسوس نہ کرے بلکہ عمل کرتے  
وقت دل میں فرحت و خوشی محسوس کرے اور یہ مقام اللہ تعالیٰ کے خاص و مقرب بندوں

کو حاصل ہوتا ہے جسے مَوْفِیَار کی اصطلاح میں دِلَالِیَّتِ کہاجاتا ہے ذَالِکَ هُوَ الْفَضْلُ

الْکَبِیْر۔ اور یہ مقام اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ دل میں انْجِلَاد و نورانیت ہو

اور بہیمیت اور آلائشِ نفسانیہ ختم ہو جائے تو پھر اعمالِ شرعیہ کھانے پینے کی طرح مرغوب

ہو جاتے ہیں۔

سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کو مباحِ حُتّٰی بہ کے تابع ہونے کے متعلق تو کہا بالکل محذوم و ذرا اہل کرنے کے متعلق نہیں فرمایا یعنی تبخا فرمایا عدا کیوں نہیں فرمایا؟

جواب : یقول ابوالاسود : تبخا کے مقابلہ میں عدا ممکن نہیں آخر اس جہاں آرام کو بھی تو زیب آرائش بخشی ہے ، ثانیاً عدا میں کوئی کمال بھی نہیں۔ مزا تو تب ہے۔

ع۔ گواخت جاں کہ خود کار دل تمام دلشد۔ بسوختیم دریں آرد زئے خام دلشد۔

قولہ وَقَالَ النَّوَوِيُّ فِي أَرْكَبَيْنِهِ : بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی میری اُمت تک چالیس حدیثیں پہنچا دے۔ قیامت میں اس کی بخشش ہوگی اس لیے علامہ محمد ثین نے پہل حدیثیں لکھیں۔ المم نووی شارح مسلم شریف نے بھی حدیثیں جمع فرمائیں جس کا یہاں ذکر ہے تو یہ حدیث بھی اسی میں ہے۔

توجہ : روایت ہے بلال بن عمارت مرنے سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو میری مُردہ سنت کو جو میرے بعد فنا کر دی گئی زندہ کرے اسے ان تمام کے برابر ثواب ہوگا جو اس پر عمل کریں اس کے بغیر کہ ان عاملوں کے ثواب سے کچھ کم ہو۔

وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُؤْمِنْتُ بِئِدَى قَارَتِ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا

قولہ اُحْيَا : سُنت کا احیاء تو عمل کے ذریعہ ہوتا ہے یا اشاعتِ حدیث کے ذریعہ ہوتا ہے۔ دونوں طریقوں سے زندہ کرتا ہے۔

قولہ اُؤْمِنْتُ : ای ترکِ تِلْكَ السُّنَّةِ عَنْ الْعَمَلِ : مرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں نے اس سنت کو چھوڑ دیا ہے۔



بقول ابوالاسعاد : احیاء کی ہمیں صورتیں ہیں :  
 اَوَّل : خود عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دے یہ سب اعلیٰ و افضل صورت ہے  
 دوم : دوسری صورت یہ ہے کہ خود عمل کرے لیکن دوسروں کو کچھ ترغیب نہ دے ۔  
 سوم : تیسری صورت یہ ہے کہ خود عمل نہ کرے مگر دوسروں کو عمل کرنے کی ترغیب دے ۔  
 یہ سب سے ادنیٰ صورت ہے ۔

سوال : یہ کہ حدیث پاک کے پہلے جملہ میں کوئی نیا فائدہ نہیں ہے کہ حضرت معلوم فرماتے ہیں کہ جس نے میری سنت زندہ کی یعنی اس پر عمل کیا اس کا اجر اتنا ہے جتنا اس پر عمل کرنے والے کا ہے تو اس میں کونسا فائدہ ہوا کیونکہ جو زندہ کر رہا ہے اس کا حق بھی یہی ہے کہ اس کو ابخرے جس طرح عمل کرنے والا ہے تو پھر ان دونوں میں کیا فرق ہوا ۔

جواب : آٹھنی سے مراد حثّ الغیر علی العمل ہے کہ صرف دلالت علی الخیر کرتا ہے اور لوگوں کو برا لکھتے کرتا ہے مگر خود عمل نہیں کرتا مگر عمل کرنے کا ثواب مل جائے گا ۔

قولہ یدْعُوہٗ صِلَہٗ : جب یہ معلوم ہوا کہ ہر بدعت ضلالت ہے پھر علیحدہ ضلالت کی قید کیوں لگائی ۔ اشارہ فرمایا کہ شاید بدعتی کسی بدعت کو نیکی سمجھ کر کریں یا احسانات شمار کریں تو ان کا اخراج ہو جائے ۔ نیز یہاں بدعت کی جتنی صفتیں لائی گئیں یہ سب صفات کاشف ہیں کہ بدعت مرتا یا گمراہی ہے ۔ جس پر اللہ و رسول راضی نہیں ہیں اگرچہ بعض نے بدعت حسنہ کو نکالنے کے لیے صفت متعبدہ قرار دیا ہے مگر وہ مرجوح ہے ۔ باقی اس حدیث کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۴۹ ج ۱ فصل اول باب الاعتقاد حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہو چکی ہے ۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الذِّينَ لَيَسَارُونَ  
 إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَبِشَةُ  
 إِلَى جُحَشِهَا ۔

اس حدیث کی تشریح مع ترجمہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۹۱ فصل اول کے آخر میں گذر چکی ہے۔

قَوْلُهُ اِلَى الْحِجَازِ : حجاز عرب کا وہ صوبہ ہے جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ طائف وغیرہ ہیں۔

سوال : فصل اول کی آخری حدیث میں لَيَأْتِيَنَّ اِلَى الْمَدِينَةِ جب کہ اس حدیث پاک میں حجاز کا ذکر ہے ؟

جواب : انضمام دو قسم ہے ۱۔ انضمام عام۔ انضمام عام تو یہ ہے کہ سامعے ملکوں سے نکل کر حجاز میں آئے گا۔ انضمام خاص یہ ہے کہ پھر حجاز بھی نکل کر صرف مدینہ منورہ میں آجائے گا۔ کیونکہ ابتداء دین کا درخت وہاں سے ہی پیدا ہوا تھا جیسے سانپ سارا دن اور جگہ پھر تار پھٹتا ہے اور شام کو اپنے سوراخ میں آ بیٹھتا ہے۔ (هَكَذَا فِي مُسَامَلَةِ الدِّينِ) قَوْلُهُ وَالْيَتَقِلْنَ - اِي يَلْتَحِجَّتْ : یعنی پناہ پکڑے گا دین۔

قَوْلُهُ اُرْوِيْتَهُ : بمعنی معز جل۔ یعنی پہاڑی بکری جو پہاڑ کی چوٹی پر پناہ پکڑے۔ مثال دینے کا مقصد یہ ہے کہ پہاڑی بکریاں دن بھر ہر جگہ پھرتی ہیں اور شام کو اپنے تھان یعنی پہاڑ کی چوٹی پر باندھ دی جاتی ہیں جہاں وہ درندوں سے محفوظ ہو جاتی ہیں۔ حجاز خصوصاً مدینہ منورہ اسلام کا تھان ہے۔ اس میں اشارۃً یہ فرمایا گیا کہ اسلام آخرین شریفین سے کبھی نہ نکلے گا اور سب مسلمانوں کا تعلق اسی سے قائم رہے گا جیسے سانپ کا تعلق اپنے سوراخ سے اور بکری کا تعلق اپنے تھان سے ہر وقت رہتا ہے۔

قَوْلُهُ اَفْسَدُ الشَّامِ : فساد سے ترک عمل بالسنۃ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ عند البعض فساد کتاب ہے بدعت کے ایجاد سے سنت کے مقابلہ میں بدعات کثیرہ رواج پکڑ چکی ہوئی تو بدعت رواج پر عمل ہو گا نہ کہ سنت پر تو یہی غریبہ عامل بالسنۃ ہوں گے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت پر لعینہ

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ كَيْفَ تَبَيَّنَ عَلَى أُمَّتِي كَمَا

أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ حَدُّو  
النُّعْلِ بِالنُّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْ  
أَتَى أُمَّتَهُ عَلَا نِيَّةً لِّكَانَ فِي أُمَّتِي  
مَنْ يُضَعُّ ذَالِكَ :

و ایسے حالات آئیں گے جیسے بنی اسرائیل پر  
آئے جیسے جوتے کی جوتے سے برابری حقیقی  
کہ اگر کسی نے اپنی ماں سے اعلا نیہ زمانہ  
تو میری امت میں بھی وہی ہوگا جو ایسا کرے گا۔

قَوْلُهُ لَيَأْتِيَنَّ : یہ اتیان سے ہے بمعنی اَلْمَجِيئِ بِمَنْهُولِيهِ كَمَا فِي قَوْلِهِمْ  
”مَا تَدْرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ الرَّجُلُ كَأَنَّهُ مَيِّتٌ“ (پہلے ڈاربات)  
ثَانِيًا لَفْظُ أَتَى كَيْفَ جَبَّ عَلَى آتَاهُ وَأُورِثَ اس کا فاعل ہوتا ہے تو بلاکت کے معنی  
پر دلالت کرتا ہے۔ اب عبارت یوں بنے گی ”ای لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي نَعْمَانِ اِثْنَانَا  
مِثْلُ الْاِثْنَانِ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ“

قَوْلُهُ أُمَّتِي : اُمت سے مراد اُمتِ اِبراہیم ہے جو سلمان سمجھے جاتے ہیں۔  
قَوْلُهُ حَدُّو وَالنُّعْلُ بِالنُّعْلِ : یہ استعارہ فی التَّسَادُی ہے اور منصوب علی المصدر ہے۔  
ای یَحْدُو وَنَهْمُو حَدُّو وَ مِثْلُ حَدِّ وَالنُّعْلُ بِالنُّعْلِ : معنی ہوگا یوا فقونہو مِثْلُ مَوَاقِفِ  
النُّعْلِ بِالنُّعْلِ یَعْمَلُونَ مِثْلَ اَعْمَالِهِمْ گویا تشبیہ بد اعمالی اور بد اعتقادی ہیں ہے کہ  
جیسے وہ مبتلائے عصیاں ہوئے تم بھی اسی طرح ہو گئے مثل دو جوتیوں کے کہ ان میں سر مو تفاوت  
و اختلاف نہیں ہوتا یہی حال امت محمدیہ کا ہوگا۔

سوال : فان قيل قد وقع فيما مدعی قتل الانبياء و تحريق الكتب  
ولم يقع في هذه الأمة فكيف يصح قوله عليه السلام حد والنعل بالنعل  
قلت : لعل ما وقع في أيام بني أمية من قتل علماء التابعين  
مثل سعيد بن المسيب ونحوه هذا القليل فعلماء أمية كانوا يهاجمهم ولكنهم  
كذبوا على بني أمية هذا السؤال من قبيل السائل كالأعلى انظر الى  
البداهية والنهائية للتحقيق والتدقيق۔

قَوْلُهُ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّةً عَلَا نِيَّةً : یہاں تک کہ  
اگر ان (بنی اسرائیل) میں کوئی ایسا شخص نکلا ہوگا جو علانیہ اپنی ماں پر ربدکاری کے لیے آیا تھا

تو یقیناً میری اُمت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو ایسا ہی کرے گا۔ یعنی اُمّت محمدیہ پر بھی ایسی نفسانی خواہش غالب ہوگی کہ ہاں اور غیر ہاں کی تمیز نہ ہے گی۔ بعض حضرات کے نزدیک اُمّت سے حقیقی ماں مراد نہیں بلکہ ماریسل ماں مراد ہے اگرچہ حقیقی ماں کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب بالکل محال بھی نہیں ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ درحاضر میں بعض انسانوں پر ایسی حیوانیت اور ہیمنیت طاری ہوگئی کہ اپنی حقیقی مٹی سے منہ کالا کیا تاہم یقیناً ماں کی طرف جنسی رغبت میں بغیر شرعی رکاوٹ کے طبعی رکاوٹ بھی ہوتی ہے۔ اس لیے سوتیلی ماں ہی مراد لینا انسب ہے۔

قَوْلُهُ تَفَرَّقْتُ عَلَى ثَلَاثِينَ وَسَبْعِينَ، مُعْتَمِدِينَ حضرت نے بحث کی ہے کہ تفریق سے کونسی تفریق مراد ہے۔ چنانچہ مہمور علماء اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث پاک میں جس افتراق کا ذکر ہے یا جس کی مذمت ہے اس سے فردعی اختلاف مراد نہیں بلکہ اس سے وہ افتراق مراد ہے جو عقائد و نظریات کی بنیاد پر ہو یہی وجہ ہے کہ حدیث پاک میں بہتر فرقوں کو جنہی قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ لوگ اپنی بد اعتقادی کی وجہ سے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بد عملی کی وجہ سے ان میں سے کوئی دوزخ میں چلا جائے۔ بہر حال اصولی اختلاف مراد ہیں نہ کہ فردعی۔

قَوْلُهُ ثَلَاثٌ وَسَبْعِينَ مِلَّةً : يَقُولُ ابُو اَلْاَسَدِ : اَلْاِمْسَانُ بَضْعٌ وَثَلَاثُونَ شُعْبَةً کے تحت تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ کلام عرب میں یہ عدد محض کثرت بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ نیز اشلہ سے بھی واضح کر دیا تھا اور پھر دیاں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کو تکثیر کے لیے مخصوص کرنے کی کیا وجہ ہے؟ یہاں بھی میری رائے یہی ہے کہ یہ لفظ کثرت بیان کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے یعنی اس امت میں بہت سے فرقے ہوں گے۔ خاص کر تمہر کی تعداد مراد نہیں اور ہے بھی حقیقت کیونکہ اگر سوچا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ہائے مختلفہ کی تعداد بے شمار ہے اور نہ جانے آگے مزید کتنے فرقے پیدا ہوں گے لہذا ان کو تمہر کی تعداد میں بند کرنا تکلف سے خالی نہیں۔

## ثَلَاثٌ وَسَبْعِينَ كِتَابًا (یعنی تہتر کی تعین)

بعض حضرات نے ثَلَاثٌ وَسَبْعِينَ (یعنی تہتر) کی تعین کی ہے وہ اس طرح کہ  
اہلِ حویٰ کے اصولی فرقے چھ ہیں : (۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) معتزلہ (۴) جبر یہ (۵) مُرجیہ  
(۶) مُشبہ — شیعہ — خوارج — معتزلہ — جبر یہ — مُرجیہ — مشبہ  
جمع ۲۲ — جمع ۱۵ — جمع ۲ — جمع ۳ — جمع ۵ — جمع ۵  
مکرمات میں یہ تعین اس طرح کی گئی ہے :-

معتزلہ — شیعہ — خارجی — مُرجیہ — بخاریہ — جبر یہ — مشبہ  
جمع ۲۰ — جمع ۲۲ — جمع ۲۰ — جمع ۵ — جمع ۲ — جمع ۱ — جمع ۱

## مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي كِتَابًا

اس جملہ کی تشریح ان الفاظ سے ہوگی

## فرقہ ناجیہ کو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي سے تعبیر کرنے کی حکمت

یَقُولُ ابُوَالْاَسْعَاد : بظاہر صحابہ کرام کے سوال مَنَ جِی کے جواب میں یوں  
ارشاد فرمانا چاہیے تھَا أَنَا وَأَصْحَابِي یعنی وہ جماعت میں ہوں اور میرے صحابہ میں اور  
بلاشبہ اس وقت فرقہ ناجیہ کا مقصد اسی جماعت تھی اس سے بڑھ کر کوئی آئین نکل جانا  
مقصود تھا تو یہ فرما دیا جاتا کہ کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتُہِ لیکن اس کے بجائے مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ  
أَصْحَابِي سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ سائل کا مقصد اس دور کی جماعتِ حقہ کو  
متعین کرنا نہیں تھا بلکہ وہ یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ اس دورِ فتن میں حق اور اہلِ حق کی تعین  
کیسے ہوگی۔ اب اگر آپ جواب میں صرف کتاب و سنت بتاتے تو یہ دورِ فتن کے مناسب

نہ تھا کیونکہ دو سنتیں میں باطل سے باطل فرق کا دعویٰ بھی ہوتا ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ اور ہم ہی کتاب و سنت کے حامل ہیں۔ دیکھئے معتزلہ اپنے آپ کو اہل البدل والتوحید کہتے ہیں۔ آج کل کے منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي ظاہر ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام کتاب و سنت کے عمل پر تھے لیکن اس تعبیر سے یہ واضح فرمادیا کہ راوی ہدایت صرف کتاب و سنت نہیں بلکہ کتاب و سنت کی وہ عملی تصویر ہے جو آپ نے صحابہ کرام کے سامنے پیش فرمائی اور صحابہ کرام نے اسے مِنْ دَعْوِ اُمّت کے سامنے نقل کر دیا۔ یعنی فرقہ ناجیہ کی تعیین کے لیے یہ علامت قیامت تک کے لیے کارآمد ہے۔

سوال : اس موقع پر ایک خاص اشکال کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ ایک ایسا شخص جو باطل تھا اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔ اس کے سامنے اہل السنۃ والجماعۃ بھی، شیعہ بھی دونوں اس کے سامنے اپنے حق پر ہونے کے دلائل پیش کرتے ہیں وہ تو مسلم حیران ہے کہ وہ کس جانب رجوع کرے جب کہ وہ علم سے بے بہرہ ہے۔

جواب : اس کا سید حاصل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو مصلحت کے ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے حق پر ہونے کی دلیلیں ہیں جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت پر دلائل کے عنوان سے پیش نظر ہیں۔

## اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت پر دلائل

دلیل اول | سب سے بڑی دلیل قرآن پاک کا حفظ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عظیم نعمت ہے وہ شیعوں کے عقیدے میں ہے کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا گیا ہو سکتا ہے کہ لاکھوں میں سے ایک ہو جو شاذ و نادر کا معدوم ہے۔

دلیل دوم | جتنے اولیاء اللہ و بزرگان و صلحاء اُمت جو شریعتِ مقدّمہ کے ستون مانے گئے ہیں وہ سب محمد اللہ و بقول اللہ سستی ہی تھے۔

**دلیل سوم** جتنے شعائر اسلام ہیں مثلاً حج بیت اللہ الحرام، جمعہ کی نماز، عیدین کی نماز وغیرہ ان کو علی الاعلان جس طرح سستی ادا کرتے ہیں۔ دوسرے اس طرح ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

**دلیل چہارم** مہبط کوچی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ زادھا اللہ شرنا و کرنا میں اہل السنۃ والجماعہ ہی کا مسلک دائمی طور پر رائج رہا اور ہے اور تاقیامت ہے گا۔ اللہ الغرض اس مسلک صادقہ کی حقانیت پر بے شمار دلائل ہیں جو شخص بھی نفاذیت سے انک ہو کر قلب صادق کے ساتھ حق کو جاننا چاہتا ہو اس کے لیے مذکورہ دلیلیں کافی ہیں لیکن مَا يَشَدُّ كُذْرًا مِّنْ يُّشَيِّبُ دِيكَ حَقْرُ مُؤْمِنٍ

قوله كُذْرًا فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً : سارے کے سارے جہنمی ہونگے مگر ایک جماعت جنتی ہوگی۔

**سوال**۔ دخول فی النار سے دخول ابدی مراد ہے یا غیر ابدی۔ اگر دخول ابدی مراد ہو تو مستثنیٰ امنہ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ یہ تمامی فرق باطلہ کافر نہیں ہیں لہذا یہ ابدال آباد کے لیے درزخی نہیں ہوں گے، اور اگر دخول غیر ابدی مراد ہو تو مستثنیٰ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہوتا کیونکہ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت ہے کہ اہل السنۃ والجماعہ کے گنہگاروں کا بھی ایک دفعہ دوزخ میں داخل ہونے کا احتمال ہے اگرچہ بعد میں ناجی ہوں گے۔

يقول البوالاسعاد : جواب تلاش بسیار کے بعد بندہ کو شافی کافی کوئی جواب نہیں ملا کیونکہ اکثر شارحین اس کو توجہ نہیں فرمائی۔ البتہ حضرت علامہ محدث عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات ص ۱۴۱ میں اس طرف اشارہ فرمایا، لکھتے ہیں :-

ہمہ ایثان سستی در آدن دوزخ یا شند بخت سوہ اعتقاد و الالبخت عمل شاید کہ فرقہ ناجیہ نیز در آئند، قول بآنکہ ذنوب فرقہ ناجیہ مطلق مغفور است سخن بے دلیل است۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ دخول نار روا اعتبار سے ہوگا (۱) خرابی اعتقاد کی بنا پر (۲) یا خرابی اعمال کی بنا پر۔ جب کہ اہل السنۃ والجماعہ کے عصاۃ خرابی اعمال کی بنا پر

داخل ہوں گے۔ فلا اشكال فيه فافهمه واحفظه ودعا له لتجاسته :  
 سوال - حدیث مذکورۃ التذیل میں ہے "كلهم في النار اذ ملئة واحدة"  
 جب کہ الايضاح ص ۲۱۱ ج ۱ میں روایت ہے "كلهم في الجنة اذ ملئة واحدة"  
 فكيف التوفيق :-

جواب اول : بعض نے اس کو موضوع کہا بعض نے اس کو ضعیف کہا ہے فلا  
 ضرورة للجواب :

يقول البوالاسعد جوابيا : بالفرض اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو  
 كلهم في النار کی روایت اُمتِ دعوت کے متعلق ہے اور كلهم في الجنة  
 اُمتِ اجابت کے متعلق ہے۔ فی النار سے مراد صرحت دخول ناریہ ہے نہ کہ خلود اور كلهم  
 في الجنة سے مراد جنہوں نے حضور علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا وہ جتنی ہو گئے خواہ دخول  
 اولی ہو یا ثانوی اور اذ ملئة واحدة سے مراد کفار ہیں جنہوں نے دعوت رسول پر تنیک  
 نہیں کیا وہ روزخ میں جائیں گے ان کو جنت میں دخول ثانوی بھی نصیب ہوگا۔ راذائق تشاع  
 قوله وفي رواية احمد وهي الجماعة : جماعت سے مراد وہ  
 لوگ ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور فقہ کا صحیح علم رکھتے ہوں جو فقہاء، علماء اور  
 مجتہدین کی جماعت ہے جس کو اہل السنۃ والجماعۃ سے تعبیر کرتے ہیں باقی ان کو جماعت  
 اس اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ کلمہ حق پر جمع اور متفق ہیں۔

قوله تتجاری - یا ناشرین ای تدخل وتخرجی وتسری -

قوله تلك الاهواء : جمع هواء ای البدعة : یہاں سبب ذکر کر کے  
 مستبب مراد لیا گیا ہے یہ خواہشات ہی بدعات اور افتراق و انتشار پیدا کرتی ہیں۔  
 قوله الكلب : بفتح الكاف واللام : اور کلب سے مراد نفس کلب نہیں بلکہ وہ  
 مرض مراد ہے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے سے ہو جاتی ہے جس کو ہڑک کہتے ہیں اور یہ مایعویا  
 کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کا اثر مریض کے ہر رگ و اعصاب میں برایت کر جاتا ہے ایسے  
 مریض کو پانی سے سخت نفرت ہوتی ہے وہ پانی کو دیکھ کر چلانا اور بھاگتا ہے حتیٰ کہ وہ شدت  
 پیاس سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔



## أَهْلُ الْهَوَىٰ كِي هُرْك كِ مَرِيض كِ سَاتِه تشبيه

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہوی کو ہُرک کے مریض کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔  
اس کی وجہ یہ ہے کہ ہُرک کی بیماری میں دو چیزیں ہوتی ہیں :-  
اول : جب یہ مرض کسی کو لاحق ہوتی ہے تو اس بیماری کا اثر مریض کے رگ وریشہ  
اور ہر ہر جھڑ میں سرایت کر جاتا ہے اس لیے یہ لا علاج مرض ہے۔ ایسے ہی ہوی  
جب انسان کے رگ وریشہ میں سرایت کر جائے تو پھر وہی انسان کو بشکل ہڈی نظر آنے لگتی ہے اور توبہ کی توفیق باقی نہیں رہتی : ”کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى : أَفَرَأَيْتَ مَنِ اخْتَلَفَ  
إِلَهُهُ هَؤُلَاءِ رِبًّا فَارِقَانًا“

دوئم : دوسری چیز اس مرض میں یہ ہے کہ یہ مرض متعدی ہوتی ہے جس کو وہ مریض  
کاٹے اس کو بھی وہ مرض لگ جاتی ہے۔ یہی حال ہوی و بدعت کا ہے کہ اس کا اثر  
دوسرے پر جلدی ہوتا ہے یعنی بدعتیں اُمراض متعدیہ ہیں اور بدعتیوں میں چوائے لغسانی  
اس طرح سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے کہ وہ حتی تک پہنچنے سے ڈرتے ہیں حتی کہ بدعت  
کی موت مَر جاتے ہیں : ”کَمَا فِي قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَتَى احْبَبْتَ اَنْ يَكْتُمَ  
رَبُّكَ فَلْيَسْأَلْكَ مَخَالِطَةُ الشَّيْطَانِ وَمَجَالِسَةُ اصْحَابِ الْاَهْوَاءِ  
فَاِنْ مَجَالَسْتَهُمُ الصَّقَ مِنْ الْجَرَبِ :“  
قوله عذق : بكسر العين بمعنى رگیں۔  
قوله مفصل : ملتحق العظمین یعنی دو ہڈیوں کے ملنے کی جگہ جے  
جوڑ کہتے ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے ابن عمر  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ میری

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ

أُمِّي أَوْ قَالَ أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ  
عَلَى صَلَاحٍ لَّهِ وَيَدُ اللَّهِ عَلَى  
الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَدَّ شَدَّ  
فِي الشَّارِ :

اُمّت کو یا فرمایا اُمّت محمد مصطفیٰ کو گمراہی  
پر متفق نہ ہونے دے گا جماعت پر  
اللہ کا دستِ کرم ہے جو جماعت سے  
الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا۔

قوله أَوْ قَالَ أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ : جملہ مذکورہ میں اؤ شک کے لیے ہے  
یعنی راوی کو شک ہے۔ یا تو آپ نے اُمّی فرمایا یا اُمّۃٌ مُحَمَّدٍ فرمایا۔ لا تفریعہ  
کہ نوع و قسم بیان کرنا مقصود نہیں۔ اور اُمّت سے اُمّت اجابت مراد ہے یعنی حضور علیہ السلام  
پر ایمان لانے والے لوگ یہ حدیث کچھلی حدیث کی گویا تفسیر ہے۔ یعنی اگرچہ میری اُمّت  
میں بنی اسرائیل سے زیادہ فرقہ ہونگے لیکن فرقہ یہ ہے کہ وہ سارے گمراہ ہو گئے تھے  
جب کہ میری اُمّت ساری گمراہ نہ ہوگی بلکہ قیامت تک ایک فرقہ اس میں حق پر رہے گا۔  
قوله وَيَدُ اللَّهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ : دستِ کرم سے مراد مفاہلت، مدد  
اور رحمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ جماعت کو غلطی اور دشمنوں سے ایذا سے بچائے گا اور  
ان پر سکینہ اتارے گا۔ کما فی قولہ تعالیٰ : يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ وَفِي فَتْحِ  
قوله مَنْ شَدَّ : ای انفراد عن الجماعۃ - اعتقاداً، قولاً، فعلاً  
تینوں مراد ہیں۔

قوله شَدَّ : ای اُلْفَى فِي الشَّارِ :

خلاصۃ الحدیث | اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ،  
کیا گیا کہ اُمّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام  
پر اللہ پاک نے جہان اور احسان فرمائے ہیں ان میں ایک احسان یہ بھی ہے کہ وہ کبھی  
گمراہی اور غلطی پر اجماع نہیں کریں گے کیونکہ اُمّت کے ایک فرد کی رستے تو غلط ہو  
سکتی ہے لیکن جس بات پر تمام علماء و مجتہدین جمع ہو جائیں وہ غلط نہیں ہو سکتی۔ نیز  
حدیث باب میں یہ بحث ہے کہ اجماع اُمّت نجات دہکتا ہے یا نہیں۔

## بحثِ حُجَّتِ اِجماع

اجماع کے دو معنی ہیں لغوی و اصطلاحی۔

اجماع کا لغوی معنی : لغت میں اجماع کا معنی ہے اتفاق رائے۔

اجماع کا اصطلاحی معنی : اصطلاح شریعت میں اجماع کا معنی ہے کہ ایک

زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیتین اور راہبیین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع ہے۔ حُجَّتِ اجماع کی بحث کو فرائد کی شکل میں بیان کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جس طرح قرآن و حدیث حُجَّتِ ہیں اسی طرح اجماع بھی حُجَّتِ ہے۔

### فائدہ اولیٰ

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا اجماع اُمت کے

حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے۔ آپ نے قرآن پاک سے دلیل معلوم کرنے کے لیے تین روز تک مسلسل تلاوت قرآن کو معمول بنالیا۔ بالآخر آیت کریمہ ”وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ ۖ يُضِلِّهِ اللَّهُ إِلَىٰ سَبِيلٍ مُبِينٍ“ اور اس کو علماء کے سامنے بیان کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کے حجت ہونے پر یہ دلیل کافی ہے

اجماع شرعی کے لیے یہ شرط ہے کہ رائے دینے والے علماء

### فائدہ ثانیہ

و علماء و اقبیاء ہوں کس و نا کس کو رائے دینے کا اختیار نہیں

دنیا کا مسئلہ اصول ہے کہ علاج کے متعلق اقبیاء، تعمیر کے متعلق انجینئروں کا متفقہ فیصلہ کارآمد ہوتا ہے تو علماء شریعت کا متفقہ اجماع کیسے حجت نہ ہو گا۔ ”مَا تَكُونُ كَيْفَ تَحْكُمُونَ“ اجماع کے حجت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ دین میں اختلافات

### فائدہ ثالثہ

اور رخنہ اندازوں کی صورت میں اس کو محفوظ رکھنے کے لیے

کسی قوت معصومہ کی ضرورت ہے جس کی بات صرف آخر ہو اور اس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ اصل میں ایسی قوت معصومہ محافظہ تو نبوت ہی ہے۔ پہلی امتوں میں جب کوئی نبی رخصت ہو جاتا ہے اور بعد میں دین کے اندر رخنہ واقع ہونے لگتے تو حق تعالیٰ

نئے نبی مبعوث فرما دیتے چونکہ نبی کریم علیہ السلام پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اس دین مقدس کو قیامت تک باقی رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے طویل عرصہ میں اختلافات پیدا ہوں گے، رخنہ اندازیاں ہوں گی اور نئے نئے مسائل درپیش ہوں گے ان کے آخری فیصلہ کے لیے قوت معصومہ کی ضرورت ہے ایسی قوت محافظہ معصومہ ظاہر ہے کہ اب نبوت کی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور نبی کے علاوہ امت کے کسی فرد کی رائے کو تو قوت محافظہ قرار نہیں دیا جاسکتا اس لیے کہ ہر امتی کی رائے میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو یہ خصوصی شان دے دی کہ اس امت کے تمام علماء کسی غلط بات پر جمع نہیں ہو سکتے جس بات پر ان کا اجماع ہو جائے وہ فیصلہ کن اور آخری ہوگی۔ اجماع کا محنت ہونا اس امت کے خصوصی امتیازات میں سے ہے۔ اس امت کو یہ نعمت ختم نبوت کے صدقہ میں ملی ہے، امت نے بھی شکریہ کے طور پر سب سے پہلا اجماع ختم نبوت پر ہی کیا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو انگ رہا وہ انگ ہی آگ میں جلنے لگا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اتَّبِعُوا السَّوَادَ الَّذِي عَظُمَ فَإِنَّهُ  
مَنْ شَدَّ شِدَّتِي فِي الشَّارِ

قولہ السَّوَادُ : سواد بمعنی سیاہی اور یہ لفظ جماعت پر بھی بولا جاتا ہے یعنی مسلمانوں کی بڑی جماعت۔ سواد کا اطلاق بڑی جماعت پر ہوتا ہے اس لیے کہ سواد بمعنی سیاہی، تو جہاں بہت لوگ جمع ہوں ازدحام اور رش کی وجہ سے زمین کالی ہو جاتی ہے یا زمین کو کالا کر دیتے ہیں اس لیے اس کو سواد سے تعبیر کرتے ہیں۔

## تشریح سواد اعظم

تشریح سواد اعظم میں علمائے کرام کے متعدد اقوال ہیں۔ قول اول : العدد الکثیر۔

قول دوم : سَقَاؤُ النَّاسِ عَائِتُهُمْ ۔

قول سوم : مَا آتَانَا عَلَيْهِ وَأَمَّا حَائِنُ : یعنی اس سے مراد جمہور علماء اہل السنۃ ہیں جو اہل حق ہیں اگرچہ عدد اکم ہیں اس لیے حدیث پاک اعظم فرمایا اکثر نہیں فرمایا لیکن یہ حکم اصول عقائد کا ہے باقی فروعی مسائل میں ہر مجتہد کی تقلید شخصی درست ہے ۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اصول و عقائد میں جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ رہو وہی حق پر ہونگے کیونکہ یہ ان کا خاصہ ہے کہ وہ گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے ۔

یقول ابوالاسود : بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سواد اعظم سے صرف افراد کی کثرت مراد ہے لیکن یہ خیال احمقانہ ہے ۔ غور کرنا چاہیے کہ اس دور فتن میں اہل حق کی کثرت کہاں ہو سکتی ہے پھر اس اکثریت کو ہر حق و باطل کے فیصلہ کا شرعی معیار قرار دینا اور بھی بیوقوفی ہے ۔ اگر آج ایک طرف بے دینی و ہریت ، مذہبی حریت ، افواض و منکرات کی اکثریت موجود ہے تو کیا یہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو سواد اعظم کا معزز لقب دیکر فرقہ ناجیہ کا مصداق ٹھہرائے ۔ لہذا ہر بحث و جدل کے مواقع پر اس حدیث کو پڑھنا دراصل حدیث پاک کی توہین ہے ۔

قولہ : يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَا جَاءَكُمْ مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ وَآيِنِ عَصَا صِدْقِي  
کتاب السنۃ : مشکوٰۃ شریف کے موجود نسخوں میں عبارت ” مِنْ النَّبِيِّ “ تک ہے حالانکہ مکمل عبارت ” کتاب السنۃ “ تک ہے جو کہ مظاہر حق ص ۱۱۱ ج ۱ اب الاقتصام اسی حدیث کے تحت مذکور ہے ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ ” ہواہ “ کے بعد اصل مشکوٰۃ شریف میں جگہ خالی تھی ۔ اس لیے کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس کتاب کا نام معلوم نہیں ہوا تھا جس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے بعد میں میرک شاہ نے مذکورہ عبارت نقل کی ہے ۔

ترجمہ : حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے بچے اگر تم یہ کر سکو کہ صبح

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ  
لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِنَّ قَدْرَ مَسْ

اَنْ تَصْبَحَ وَتَمْسِيَ وَلَيْسَ فِيْ  
قَلْبِكَ غَشٌّ لِوَاحِدٍ فَاَقْبَلْ | اور شام ایسے گزارو کہ تمہارے دل میں کسی  
کی طرف سے کھوٹ (کینہ) نہ ہو تو کرو۔

قوله يَتَنَّى : بضمة الباء تعزیر ابن ہے اور شفقت کے لیے دلائل  
قوله تَصْبَحُ وَتَمْسِي : محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے  
صبح و تمسی فرما کر پورا دن اور رات مراد لیا ہے کیونکہ قلب کا عقل ہونا تعاتیل مذہب سے  
ہر وقت معتبر ہے نہ کہ احیاناً۔

قوله غَشٌّ : غش کا معنی ہوتا ہے بلا دھ کرنا۔ "مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا"۔  
مگر یہاں غش نفع کی ضد ہے معنی ہے کسی کے متعلق برائی سوچنا، اس سے دل پاک ہو اور اس  
غش سے مراد دنیوی اور ذاتی بغض و کینہ ہے نہ کہ شرعی یعنی شریعت مقدسہ کی خاطر کسی  
بدی و ناپسندیدہ سے بغض و کینہ رکھنا تو عین ایمان ہے۔ "كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُشْكراً فَلْيُتَرِّكْهُ بَيْدِهِ الْخَ - قَالَ اللَّهُ تَسْلَى  
لَا يَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
رَبِّكَ مِنْ مُجَادِلِهِ"

قوله لا تحسد : الحسد میں مسلمان تو ویسے ہی داخل ہیں مگر کافر بھی احسد  
میں داخل ہیں کیونکہ کافر کی خیر خواہی بھی بغض امور میں اس کے ایمان لانے کی کوشش ہے  
لہذا سے زبان سے مالی تعاون ہے۔

قوله مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي : محبت کی علامت محنت پر عمل کرنا ہے عمل کے  
بغیر محنت محبت ہی نہیں بلکہ نفاق ہے۔

سوال : یہ ہے کہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں "مَنْ فِي الْجَنَّةِ" کہ اس  
شخص کو معیت فی الجنۃ نصیب ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام کی  
شان و مرتبہ میں امت برابر ہے۔ حالانکہ حضرت اکرم شان کوئی مستی نہ آج ہے نہ ہوگی  
تا قیامت ہے بعد از خدا بزرگ توفی قصۃ مختصر !

**جواب :** معیت دو قسم ہے۔ اول معیت ثرب، دوم معیت فی الدرجہ۔  
 كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ ۖ مَعِيتِ ثَرْبٍ مُرَاد ہے نہ کہ اتحاد فی الدرجہ۔

اس حدیث مبارک میں اس طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

پسند کرنا اور اسے محبوب رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا سبب اور جنت میں رفاقت کے حصول کا ذریعہ ہے تو یہ سوچنا چاہیے کہ جب آپ کی سنت کو پسند کرنے پر یہ خوش خبری ہے تو سنت نبوی پر عمل کرنا کتنی بڑی سعادت کی بات ہے کیونکہ "فَإِنَّ الْمَرْءَ مَعَ مَنْ أَحَبَّ"۔

**ترجمہ :** روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میری امت کے بگڑنے وقت میری سنت کو مضبوطی سے تھاما تو اے سو شہیدوں کا ثواب ہے

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِندَ فُسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ

**فولہ فسادِ اُمّتی :** فساد سے مراد بدعت و جہل کا غلبہ ہے جس کی وجہ سے سنت متروک ہو (کما فی زمانہ فی سنتہ اللعینہ)

**سوال :** ایک سنت کے احیاء پر اتنے اجر عظیم کی خوش خبری بوجہ معنی دارد۔

**جواب :** شہیدین اسلام کو زندہ رکھنے اور اس کی شان و شوکت بڑھانے کے لئے دنیا کی تمام مصیبتیں جھیلتا ہے یہاں تک کہ اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے یعنی شہید تو ایک بار تلوار کا زخم کھا کر پار ہو جاتا ہے اپنا مطلوب حاصل کر لیتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر لوگوں کے طعنے اور زبانوں کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے اس کا جہاد جہاد اکبر ہے جیسے اس زمانہ میں ڈاڑھی رکھنا، سود سے بچنا وغیرہ اس لیے اس کو سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔

یَقُولُ اَبُو لَا سَعَاد : اِس حدیث کا حکم اس سُنّت کے بارہ میں ہے جس کے مقابلہ میں بدعت ہو، اگر سُنّت کے مقابلہ میں دوسری سُنّت ہو جیسے رُفَعِ یَدَیْنِ ترک رُفَعِ یَدَیْنِ تو اس کا یہ حکم نہیں بلکہ امام کی تقلید ضروری ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ اَنَا اُتَمَرْتُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيثَ مِنْ يَهُودٍ نَعْجِبُنَا اَفْتَرَا اَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابر سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت عمرؓ آئے فرمایا کہ ہم یہودیوں کی کچھ باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بھلی لگتی ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ کچھ لکھ بھی لیا کریں۔

قَوْلُهُ اِنَّا نَسْمَعُ : چونکہ حضرت عمرؓ کا گھر شہر مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آنے وقت درمیان میں اہل کتاب کے مکانات آتے تھے تو کبھی کبھی حضرت عمرؓ ان کی مجلس میں بیٹھ جاتے تھے یہ ان کا علمی شوق تھا اور یہ خیال فراتے کہ جہاں سے بھی علم دین میسر ہو جائے لیسنا بہتر ہے۔

قَوْلُهُ مِنْ يَهُودٍ : علامہ زعزعیؒ نے لکھا ہے کہ یہود سے لام کو ترک کیا گیا ہے یعنی مِنَ الْيَهُودِ نہیں کہا کیونکہ یہ قوموں کے علم میں رکھا اجڑی یہودیاً وَ يَهُودٍ مجری شعیرۃ و شعیر (مگر علامہ ابہری کے نزدیک یہود غیر منصرف علیت اور تائید ہے والا صیغہ قول الاول کہ علیت اور وزن فعل ہے اس لیے کہ اسلمتے قابل میں تائید لفظی نہیں ہوتی۔

قَوْلُهُ نَعْجِبُنَا : بضموا الشاء و کسر الجیم و ای تحسن عندنا و تمیل قلوبنا الیہا۔ یعنی ہمیں ان کی باتیں پسند آتی ہیں اور دل کو بھلی لگتی ہیں جس کی وجہ سے ہمارا میلان قلبی ان کی طرف ہو جاتا ہے۔



قوله أَقْسَرُ أَي قِشَازٌ لَكَ : ہمیں اجازت دیں ہم ان کو کچھ لیا کریں۔

قوله أَمْتَهُمْ كَوْنٌ : هُوَ التَّحَبُّرُ وَعَدَمُ الْقَرَارِ وَالْإِسْتِقَامَةُ عَلَى شَيْءٍ

کسی ایک امر پر قرار نہ ہو اور آدمی تذبذب کا شکار ہو۔ بلا علی قاری معنی کرتے ہیں :-

”أَيُّ مُتَحَيِّرُونَ فِي دِينِكُمْ حَتَّى تَأْخُذُوا بِالْبَلْعِ مِنْ غَيْرِ كِتَابِكُمْ

وَلَيْسَتْ كُمْ“ کہ کیا تم متر و جحر دوسرے ادیان و کتب سے دین سیکھنا چاہتے ہو حالانکہ میرا

دین مکمل ہے جس میں ہر قسم کا حکم موجود ہے۔ دوسرے ادیان سے لے کر اضافہ کی ضرورت نہیں

کیونکہ دوسرے ادیان والوں کا دین مکمل نہیں خصوصاً یہود کیونکہ وہ کتاب الہی کو چھوڑ کر اجبار و

ربہان کی اتباع کرتے ہیں تم بھی ایسے بن جاؤ گے اگر اس میں قرار و استقامت نہ ہو۔

قوله بَيْضَاءُ : أَي وَاضِحَةٌ

قوله نَقِيَّةٌ : يَهْيَأُ كِي صِفَتٍ هِيَ اس كے متعدد معانی ہیں :-

أَوَّلُ : خَالِصَةٌ وَخَالِيَةٌ عَنِ الشَّرِّ وَالنُّجَسَةِ

رُومُ : مَحْفُوظَةٌ عَنِ التَّسَدُّلِ وَالشَّحْرِيفِ وَالْإِغْلَالِ

سُومُ : خَالِيَةٌ عَنِ التَّكَالُفِ الشَّاكِرَةِ

تینوں اپنے مقام پر صحیح ہیں یعنی میری شریعت واضح روشن اور تحریف و شک اور شبہ

سے محفوظ و خالص ہے تو کیا تم افضل کو چھوڑ کر مفضول کو اختیار کرنا چاہتے ہو۔

حافظ نور پاشی فرماتے ہیں :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دو صفیں بیان فرمائی ہیں :-

۱۔ بَيْضَاءُ سے اشارہ ہے اس کے افضل و اکرم کی طرف کیونکہ اہل عرب

کے نزدیک سفید رنگ تمام ألوان سے افضل و اکرم سمجھا جاتا تھا۔

۲۔ نَقِيَّةٌ سے اشارہ ہے اس کے صاف ستھرے ہونے کی طرف کہ ہر قسم کی

تحریف و تغیر سے پاک و صاف ہے اور نہ اس میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

قوله لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسِعَكَ إِلَّا آيَاتِي : حضرت نبی کریم

علیہ السلام کا جملہ مذکورہ بیان فرمانا دو وجہ سے ہو سکتا ہے :

أَوَّلُ : مَا قَبِلَ كَهِ اوصاف کی تحقیق کے لیے یہ وصف لائے کہ اگر حضرت موسیٰ ؑ

اس وقت زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا کیونکہ ان کے زمانے کے احکام اس زمانہ کے لیے مناسب نہیں ہیں تو تم کیسے اس کے احکام سے کہتے ہو۔

دوئم : اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں سے حضور علیہ السلام کی اتباع کا عہد لے لیا تھا وَلَكُونُوا مِنَّا بِهٖ وَكَتُفُّوا مِنْهُ پھر تم ان کی امت سے میرے ہوتے ہوئے بدایت لینے کیوں جاتے ہو۔ آفتاب کے ہوتے ہوئے چرائیوں سے روشنی نہیں لی جاتی آج مسلمان اپنے کو بھول گئے اس لیے دوسری قوموں کے اخلاق اور امانت داری کی تعریفیں کرتے ہیں یہ ہماری جیب کے گرے ہوئے موتی ہیں جو غیروں نے اٹھا لیے۔

سوال : ماقبل میں حضور علیہ السلام نے دونوں فرقوں پر یہود و نصاریٰ کا نام ذکر کیا مگر نبیوں کے تذکرے میں صرف موسیٰ علیہ السلام کا نام ذکر فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام کیوں نہیں ذکر فرمایا۔

جواب اول : بغور زہر کے ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہودی بہ نسبت نصاریٰ کے زیادہ خبیث النفس موذی ہیں۔

جواب دوم : زیادہ تر مقابلہ اہل کتاب میں سے یہود کے ساتھ تھا اس لیے ان کی تخصیص کی کہ دیکھو تمہارے نبی کا یہ حال ہے کہ وہ میری اتباع کر رہے ہیں لیکن تم کیوں نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ : یہ ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ حیران ہیں کہ انہوں نے کتاب اللہ اور اپنے نبی کی سچی تعلیم کو چھوڑ کر اپنے خود غرضی لالچی علماء کی خواہشات کے مطیع ہو گئے۔ کیا تم بھی اسی طرح منحرف ہو کر اپنے دین کو ناقص و مکمل سمجھ کر دوسروں کے دین کے محتاج ہو رہے ہو۔ حالانکہ میری لائی ہوئی شریعت اتنی مکمل اور واضح ہے کہ جس دین کی تم تنہا کر رہے ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو میری اتباع کرتے۔ اَدِّمْ وَ مِنْ دُونِهِ غَفَلَتْ لَوَالِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا  
وَعَمَلَ فِي سُنَّةٍ وَآمَنَ النَّاسُ  
بَوَاقِيهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابوسعید خدریؓ سے فرماتے ہیں فرمایا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاک و  
حلال کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ  
اس کے فتنوں سے محفوظ رہیں تو وہ  
جنت میں جائے گا۔

قولہ مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا : حلال رزق کا مطلب یہ ہے کہ خواہ تجارت ہو یا  
ملازمت یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش ہو ہر جگہ ایمان دار کا قوانین و داری کے دامن کو  
پکڑے ہے، اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے۔ شرعی نقطہ نظر سے تجارت میں  
حلال کمائی کے لیے یہ شرط ہے کہ کسی مال کو فروخت کرتے وقت نہ تو عقد بیع سے پہلے نہ  
عقد بیع کے وقت اور نہ عقد بیع کے بعد کوئی ایسی شکل اختیار کی جائے جو شرعی طور پر مفید ہو۔  
قولہ وَعَمَلَ فِي سُنَّةٍ : فِي سُنَّتِهِ میں فِي استغراق کے لیے ہے۔  
جیسے فِي استغراق کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے سارے اعمال سنت  
کے موافق ہوں اور پوری زندگی سنت میں گزارے، جو بھی کام کرے یا جو بھی بات کہی جائے  
وہ سب سنت نبویؐ کے مطابق ہو گویا انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو خواہ عبادات یا  
معاملات یا معاشرت سب میں سنت نبویؐ کی جھلک ہو اور اتباع رسولؐ کا جذبہ ہو۔  
سوال : نبی کریم علیہ السلام نے اکل طیب کو عمل بالسنۃ پر کیوں مقید فرمایا ؟  
جواب : اکل طیب کو عمل بالسنۃ پر اس لیے مقید فرمایا کہ اعمال صالحہ کی توفیق  
بغیر اکل حلال ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کو سب سے اکل طیب  
کا حکم دیا، پھر اس پر عمل صالح کو عرف کیا لَا يَأْتِيَنَّكَ التَّوْسُونَ تَلَمَّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ  
وَأَعْمَلُوا صَالِحًا رِيشًا مُؤْمِنُونَ

قولہ بَوَاقِيهِ : اسی شرور و تعیم ہے دینی ہوں یا دنیوی اسلام میں  
دو قسم کے حقوق ہیں عدا حقوق اللہ و حقوق العباد۔ اس حدیث میں دونوں کی ادائیگی

کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا یعنی مَنْ عَمِلَ فِي سُنَّتِهِ حقوق اللہ کی طرف اور امن الناس سے حقوق العباد کی طرف اشارہ فرمادیا اور ظاہر بات ہے کہ جو دونوں حقوق ادا کرے گا اس کے جنتی ہونے میں کیا شک ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ رَجُلٌ : بطور تعجب کے سوال کر رہے ہیں کہ صفت مذکورہ کے موصوف تو تمہارے زمانہ مبارک میں بہت ہیں مستقبل میں ہونگے یا نہیں ؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے بعد بھی ایسے لوگ ہوں گے یعنی اس امت سے خیر و بھلائی بالکل ختم نہیں ہوگی۔ البتہ فتنہ و فساد کی وجہ سے کم ہو جائے گی۔ یعنی ان صفات سے موصوف لوگ میرے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مستقبل میں بھی ہوں گے اگرچہ قلت و کثرت کا فرق ہو گا کہ بعد والے بہ نسبت پہلے کے کم ہوں گے لیکن فی ذاتہ بہت ہوں گے۔

قَوْلُهُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي : یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف :-  
خَيْرُ الْمُقَرُونِ قُرُونِي شَرُّهُنَّ شَرُّ الدِّينِ يَكُونُنَّهُنَّ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جو احکام شرعیہ کا دسواں حصہ چھوڑ دے وہ ہلاک ہو جائے پھر وہ زمانہ آئے گا کہ جو احکام کے دسویں حصہ پر عمل کرے نجات پاوے گا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّكُفُوا فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ شَوْءٌ بَاقِي زَمَانٍ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرٍ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا :

سوال : مَا أُمِرَ سے کیا مراد ہے کیونکہ اگر مَا أُمِرَ سے فرائض مراد لیے جائیں تو حصہ اول ”مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عَشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ“ صحیح ہوتا ہے کہ عشر عشر بھی ترک کر دیں تو نجات نہیں ہوگی مگر دوسرے حصہ ”مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعَشْرٍ مَا أُمِرَ بِهِ“

ذبحاً کا مطلب صبح نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ فرائض کا ایک جزو بھی ترک کرنے سے ہلاکت یقینی ہے۔ چہ جائیکہ نوحۃ ترک کرنے سے نجات ہو، اور اگر مَا اُمِرَ سے سنن و مستحبات مراد لیے جائیں تو دوسرے حصہ کا مطلب صبح ہوتا ہے کہ دسویں حصہ پر عمل کرنے سے نجات ہوگی۔ کیونکہ سنن و مستحبات بالکل نہ کرنے سے بھی نجات ہوگی۔ چہ جائیکہ کچھ کیا۔ مگر پہلے حصہ کا مطلب ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ پر بھی سنن و مستحب پر عمل کرنا ضروری نہیں کہ عشر عشر کو چھوڑ دینے سے ہلاکت ہوتی ہو۔

مَا اُمِرَ بِهِ سے مراد امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے تمام امورات شرعیہ مراد نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث میں عہد رسالت اور مابعد کے فرق کا پتہ چلتا ہے کہ عہد نبویؐ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا چرچا اتنی شدت و کثرت کے ساتھ تھا کہ ذرا سی لغزش بھی ہلاکت و تباہی کا باعث بن سکتی تھی۔ لیکن آخر زمانہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کمی واقع ہو جائے گی۔ تو اس وقت اتنا فرق ہوگا کہ اس وقت دسویں حصہ پر عمل کر لینے سے (یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر) نجات ہو جائے گی۔

جواب دوم : مَا اُمِرَ بِهِ سے مراد اخلاص ہے یعنی اس زمانہ میں جتنا اخلاص ضروری ہے قیامت کے قریب اگر اس کا دسواں حصہ بھی کسی میں موجود ہوگا تو کافی ہے۔

وَعَنْ ابْنِ اُمَامَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ضَلَّ قَوْمٌ  
بَبْدَى هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ  
اَوْ اَوْتُوا الْجِدَلَ لَشَوْ قَرَمِ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ هَذِهِ الْاَيَةُ "مَا  
ضَرَبُوا لَكَ اِلَّا جِدَلَ بَلْ

توجہ : روایت ہے حضرت  
ابو امامہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم ہدایت  
پر رہنے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اس  
میں جھگڑے پیدا ہو گئے۔ پھر رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت  
فرمائی کہ وہ لوگ آپ کے لیے مثال نہیں  
بیان کرتے مگر جھگڑنے کے لیے بلکہ وہ

هٰؤَاقَوْمٌ خَصِمُونَ ؕ | قَوْمٌ يَّهْكُوالْوَهْءَ۔

قولہ الْجَدَلُ : جدال کے متعدّد معانی ہیں ؕ اِھْوَ الْقَصُومَةُ بِالْبَاطِلِ مَعَ قَبِيحِهِ ؕ اَلْمُتَّحَاتِلَةُ الْحُبَّةُ بِالْحُجْبَةِ ؕ اَلْمُرَادُ بِالْجَدَلِ اَلْتَّحَادُ : یعنی ضد۔ تینوں معانی اپنے مقام پر صحیح ہیں۔ جدال دو قسم ہے۔ اول : جدال بالمحق یہ حرام اور کفار کی عادت تھی۔ دوم : جدال للمحق حق کے لیے اور حق کے دفاع کے لیے لڑنا یہ مستحسن ہے اور مومنین کا کام ہے یہاں پر جدال بالمحق مراد ہے۔

یہ ہے کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جدال کرنا جائز نہیں کیونکہ زمانہ ماضی میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور فساد فی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے۔

## آیت کا شان نزول

یقول ابوالاسحاق : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کے طور پر جو آیت تلاوت فرمائی اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب آیت ”اتَّكَلُوا مَا آتٰكُمُ اللّٰهُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ اَنتُمْ لَهَا عَٰمِدُونَ“ پڑھے مشرکین تم اور غیر اللہ جنہیں تم پوجتے ہو دوزخ کے ایندھن ہیں ؕ نازل ہوئی تو مشرکین کہ بہت خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنے غیر اللہ معبود ہیں وہ سب دوزخ میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں لہذا وہ بھی اس آیت کے مطابق دوزخ میں جائیں گے۔ اور ہمارے بت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر نہیں ہیں اس لیے ہم اس پر راضی ہیں کہ ہمارے بت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔

مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ ”مَا سَرُّبُوا لَكَ إِلَّا جَدًّا ذِي رُحَاتٍ“ نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب خدا سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلط معنی مراد لیتے ہیں وہ محض ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی زبان کے قواعد ان کو معلوم ہیں اگر ان قواعد ہی کو معلوم کر لیں تو ان کو اس کا جواب مل سکتا ہے۔ مگر میں نہ مانوں گا کیا حل ہے۔ مختصراً دو جواب پیش خدمت ہیں :-

**جواب اول** | مَا غَيْرُ ذَا الْعُقُولِ كَيْلَ اسْتِعْمَالٍ ہوتا ہے یعنی جہنم میں جنت ڈالے جائیں گے، پھر یہ اعتراض کہ ان کو تکلیف تو نہیں ہوگی تو عرض ہے کہ ان کا جہنم میں ڈالا جانا بطور توحین و تذلیل کے ہوگا کہ دیکھو جو معبود ہوتا ہے اُسے تو نفع ہی نفع ہوتا ہے دوسروں کی مدد تو کجا آج اپنا یہ حال ہے کہ جہنم میں پڑے ہوئے ہیں۔

**جواب دوم** | اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَ الْاَحْسَنِ اُولَٰئِكَ عَلٰی مَا مُبْتَدِئُوْنَ ہ (پکالا نسیا) یہ کہ جن لوگوں نے ان کی عبادت کی اور وہ اس عبادت کرانے پر راضی تھے ان کو ایندھن بنائیں گے جو راضی نہیں تھے وہ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کرنے پر راضی نہ تھے اور نہ انہوں نے حکم دیا تھا ان کا حال تو یہ ہے۔

”وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَآلِهِ الْهٰكِنَ مِّنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ اَلْعِزُّ بِمَا تَدْعُو

ترجمہ : روایت ہے حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا۔

وَعَنْ اَلنَّبِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ يَقُوْلُ لَا تَسْبِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ فَيَسْبِدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ :

قَوْلُهُ لَا تَشْدِ دُؤَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ : اس جملہ کے مؤثرین حضرات نے

دو مطلب بیان فرمائے ہیں :-

اول : یہ کہ تم اپنی جانوں کو خواہ مخواہ محنت و مشقت کا عادی نہ کرو یعنی ریاضت میں ایسے طریقے اختیار نہ کرو جن کو تمہارے قومی برداشت کرنے کے اہل نہ ہوں کَصِيَامَ اللَّهِ هَدًى ہمیشہ روزہ رکھنا ساری رات عبادت کرنا، عورتوں سے من کل الوجوه اعتزال کرنا وغیرہ یہ کام نہ کرو۔ دوم : اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزوں کو اپنے اوپر سوام نہ کرو جو خدا نے تمہارے لیے مباح قرار دی ہیں اگر تم سختی کر دگے تو خدا تمہارے اوپر ایسی چیزوں کو فرض کر دے گا لیکن تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں کہ تم ان کا حق ادا کر سکو تو نتیجہ بلاکت و تباہی ہو گا جیسے بنی اسرائیل کا حال تھا، انہوں نے بھی سختی کی اور اللہ نے بھی سختی کر دی۔

يَقُولُ ابْنُ الْأَسْعَدِ : لِبَعْضِ حَضَرَاتٍ لَمْ يَشْدِ دُؤَا عَلَى أَنْفُسِكُمْ سے مراد ایسے سوال یہ ہیں جن کا تعلق تعلق فی الدین سے ہو گا یعنی دین اور شریعت مقدمہ میں بے مواقع سوال نہ کرو۔ جیسے یہود نے بقرہ کے متعلق مختلف سوال کیے آخر مشقت میں پڑ گئے کہ گائے کی کھال بھر سونا دینا پڑا۔

قَوْلُهُ فَإِنْ قَوْمًا شَدَّ دُؤَا - مثلاً نصاریٰ نے رهبانیت اور یہود نے احباریت کو ایجاد کیا اور پھر مشقت کی وجہ سے پورا نہ کیا۔

قَوْلُهُ فَبَقَا يَا هُمْ : الفاء لِلتَّعْقِيبِ یہ اشارہ ہے ذہن کی طرف جو جماعت کا تصور ہے۔

قَوْلُهُ الصَّوَامِعُ : صوامع صومعۃ کی جمع ہے صومعہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں عیسائی عبادت کیا کرتے ہیں جسے گرجا گھر کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ الذِّيَارَ : زیادہ کی جمع ہے یعنی یہودیوں کی عبادت گاہ جسے کلیسا بھی کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ رَهَبًا نَبِيَّةً : رهبانیت کہتے ہیں کہ عبادت و ریاضت بہت زیادہ کی جائے اور اپنے نفس کو مشقتوں اور تکلیفوں میں ڈالا جائے دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے، ٹاٹ کے پیراہن استعمال کرے اگر دن میں زنجیر باندھ لے، قوتِ مردمی ختم



کر ڈالے۔ چنانچہ اہل کتاب نے رہبانیت اپنے اوپر لازم کر رکھی تھی اور ان کے عابد و زائد لوگ ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لائے ہی اعلان فرمایا: لَا تَهْبِئَاتٍ فِي الْإِسْلَامِ

قَوْلُهُ وَرَهْبَانِيَّةٌ إِنَّ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاَهَا عَلَيْهِمْ: یہ قرآن مقدس کی آیت کا معنی یہاں دَحْبَانِيَّةٌ مفعول بہ کی بنا پر منصوب ہے۔ مفعول بہ کے عامل جن چار جگہ میں حذف کرنا واجب ہے ان میں سے ایک مَا أَضْمَرَ عَامِلُهُ عَلَى شَرْطِطَةِ التَّفْسِيرِ ہے اس قاعدہ کی بنا پر ابتداء عوا عامل کو یہاں حذف کریں گے کیونکہ ابتداء عوا سے اس قول کی تفسیر کی جارہی ہے اور وہ مفعول بہ کی ضمیر کے ساتھ مشغول ہوا ہے اب عبارت بنے گی ”ابتداء عوا دھبانیۃ مَا كَتَبْنَاَهَا عَلَيْهِمْ اِی مَا اَمَرْنَا هُوَ يَهَا“ (جلالین شریف ص ۴۵ ج ۲) رہبانیت ہم نے شروع نہیں کی اور نہ ہم نے اس کا امر کیا خود انہوں نے ابتداء کی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى  
خَمْسَةِ أَوْجِهٍ حَلَالٍ وَحَرَامٍ  
وَمُحْكَمٍ وَمُشَابِهٍ وَأَمْثَالٍ  
فَأَحَلُّوا الْحَلَالَ وَحَرَّمُوا  
الْحَرَامَ :

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن پاک پانچ قسموں پر اترا۔ حلال، حرام، محکم اور مُشَابِہ اور مِثَالِیں۔ لہذا حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام مانو!

قَوْلُهُ أَوْجِهٍ: أَوْجِهٍ بمعنی قسم بھی ہے کہ قرآن پاک کے مضامین باعتبار اقسام کے پانچ ہیں یا بعض حضرات کے نزدیک أَوْجِهٍ بمعنی بیان کے ہے کہ قرآن مقدس اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے پانچ طرح کی آیات پر مشتمل ہے۔  
أَوَّلُ: ایسی آیات جن میں حلال کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں

دوم : ایسی آیات جن میں حرام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے احکام بتائے گئے ہیں  
سوم : ایسی آیات جن کے معانی و مطالب میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں ہے بلکہ وہ  
اپنے مقصد و اراد کو صاف اور واضح کرتی ہیں۔ جیسے اَقِصُوا الصَّلَاةَ وَالْأَنْوَاعَ الْكُلَّیَّةَ (پ)  
اس حدیث میں ایسی ہی آیات کو لحکم کہا گیا ہے۔

چہارم : ایسی آیات جن کی مراد واضح نہیں ہے اور نہ ان کے معنی و مطالب کسی  
ظاہر کیے گئے ہیں جیسے "يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" حدیث پاک میں ایسی ہی آیات  
کو متشابہ کہا گیا ہے ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ "لَوْ مِثْنُ بَيْنَهُمَا وَكَانَ تَسْمَعُ عَنْ  
مَتَّائِيٍّ وَمَطَالِبٍ" مزید تشریح حکم و متشابہ کی مشکوٰۃ شریف ص ۲۸ ج ۱ باب الاعتصام  
فصل اول حدیث عائشہؓ میں ہو چکی ہے۔

پنجم : ایسی آیات جن میں سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی  
نیک اقوام کی فساد و کامرانی اور بد اقوام کی تباہی و بربادی کے واقعات بتائے گئے ہیں  
ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان امثلہ سے عبرت حاصل کرو کہ ایمان والوں کا انجام بخیر  
ہوا، نجات ملی، مگر نافرمان سرکش لوگوں کا انجام باعث عبرت ہوا کہ آج بھی ان کے واقعات  
داستان عبرت ہیں۔

قوله و هَذَا الِغْطَاءُ بِسَبْعٍ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ : یہ صاحب مصابیح  
پر ایک قسم کا اعتراض ہے کہ مجھے ان کے الفاظ نہیں مل سکے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں تین  
طرح کی ہیں ایک وہ جس کا ہدایت مہنا  
ظاہر ہے اس کی پیروی کرو ایک وہ جس کا  
گمراہ ہونا ظاہر ہے اس سے بچو، ایک  
وہ جو مختلف ہے اسے اللہ کے حوالہ کرو۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَمْرُ ثَلَاثَةٌ  
أَمْرٌ بَيِّنٌ وَرُشْدٌ فَاسْتَبِهُ  
وَأَمْرٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَاجْتَنِبْهُ  
وَأَمْرٌ أَخْطَلَفَ فِيهِ فَيُكَلِّمُ  
إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ :

قوله الْأَمْرُ شَلَاثَةٌ : ثلاثاً کی تین مضاف الیہ کے عوض ہے  
 ”ای ثلاثۃ اقسام یا ثلاثۃ انواع۔“

قوله أَمْرٌ - أَمْرٌ مِنْهَا أَمْرٌ أَوْ أَحَدُهَا أَمْرٌ ،

قوله بَيْنَ رُشْدَةٍ : ای ظاہرِ ثواب۔ جس کی ہدایت واضح ہے یہ  
 پہلی قسم ہے یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا حق ہونا واضح طور پر احادیث سے ثابت ہے (جیسے  
 نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ) ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی پیروی کرو۔

قوله أَمْرٌ بَيْنَ نَعِيَةٍ : ای مَنكَوَسُہ یعنی وہ امر جس کی گمراہی واضح  
 ہے یعنی ایسی چیزیں جن کا باطل و ناسد ہونا ظاہر ہو جیسے کفار کی رسموں اور ان کے طوطیوں  
 پر عمل کرنا یہ گمراہی ہے ان سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

قوله أَمْرٌ اخْتَلَفَ فِيهِ : اختلاف کے مصداق ہیں تین قول ہیں :-  
 اَوَّلُ : اس سے آیات متشابہ مراد ہیں۔

دَوِّمُ : اس سے وہ مسائل مراد ہیں جن کے بارہ میں دلائل مختلف ہیں۔ جیسے  
 سور حمار ، اطفال مشرکین وغیرہ۔

ثَلَاثُمُ : وہ امور مراد ہیں جن کے بارہ میں شریعت نے کچھ نہ کہا ہو اور اس میں  
 اختلاف کرتے ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے کما فی تیسین اوقات القیامۃ  
 چنانچہ علامہ ہمدانی المعروف بہ تلامذ علی قادریؒ لکھتے ہیں :-

ای فَوَضَّ أَمْرَهُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فَلَا تَقُلْ فِيهِ شَيْئًا مِنْ نَفْسِ

اَوَاشِبَاتٍ (مردقات ص ۲۵۴ ج ۱)

علامہ محدث عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں :-

پس بسیار ادرابخدا و توقف کن دران و طلب کن رشد و ہدایت دران  
 (اشعۃ اللمعات ص ۱۴ ج ۱)



## الفصل الثالث

یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
معاذ بن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان  
آدمی کا بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کا بھیڑیا  
الگ اور دور اور کن سے والی کو پکڑتا  
ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ  
ذَنْبُ الْإِنْسَانِ كَذَنْبِ الْإِنْسَانِ  
كَذَنْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّ  
الْقَاصَةَ وَالنَّاحِيَةَ :

قولہ ذَنْبُ الْإِنْسَانِ : ذنب انسان کی صفت حقیقیہ نہیں بلکہ یہ صفت  
مستعار یہ ہے عاریہ لی گئی ہے فساد اور ہلاکت کے لیے جس طرح ذنب غنم کو ہلاک  
بھی کرتا ہے اور خراب کرتا ہے بعینہ شیطان انسان کو گمراہ بھی کرتا ہے اور برباد بھی کرتا ہے۔  
قولہ كَذَنْبِ الْغَنَمِ : بکریوں کے ذنب میں دو چیزیں ہوتی ہیں عادات  
وہ ہلاکت۔ کما فی قولہ تعالیٰ " إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكَنُورٌ عَدُوٌّ فَاتَّخِذْهُ وَعَدُوًّا "

ربط فاطمہ

قولہ الشَّاذَّ : غنم میں قسمیں ہیں ان میں پہلی شاذہ ہے۔ شاذہ بمشید النزال  
اس کا معنی ہے " حی الشاذة التي لم تولد بأخواتها ولو ضلَّ بها "۔  
وہ ایک سی بکری جو وحشت کی وجہ سے ریڑ سے بھاگ جائے اور مستقر ہو جائے۔

قولہ وَالْقَاصِيَةَ : ابد غنم کا صید وہ بکری ہے جو مستقر تو نہ  
ہو لیکن گھاس کھانے کے لیے ریڑ سے الگ ہو جائے۔

قولہ النَّاحِيَةَ : ناحیہ وہ بکری ہے جو ریڑ سے الگ تو نہ ہو مگر کھانے  
کنار سے چلے۔

یَقُولُ الْبُعَاثُ سَعَادُ : خلاصہ تشبیہ یہ ہے کہ دنیا ایک جنگل ہے جس میں ہم لوگ مثل بکریوں کے ہیں، شیطان بھیڑیا ہے جو ہر وقت ہماری تاک میں ہے جو جماعۃ المسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا۔

قَوْلُهُ اِيَّاكُمْ وَالتَّشَبُّهُ : شَعَابُ شُعْبَةٍ کی جمع ہے، دو پہاڑیوں کے درمیان تنگ راستہ کو شعبہ کہتے ہیں۔ یعنی کتاب و سنت کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر پرخطر بدعت کے راستے اختیار کرنا بمنزلہ پہاڑی دزدوں اور گھائیوں کے ہے اور اجماع امت کی شاہراہ سے منحرف ہونا یہ سب ہلاکت ہے۔

قَوْلُهُ وَتَعْلِيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ : عامۃ جماعۃ کے لیے تاکید دینا کیسے ہے مطلب یہ ہے کہ جمہور علماء اہل السنۃ کے ساتھ رہو۔

## مطلوب حدیث

حدیث مذکورہ کے محدثین حضرات نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں :-  
 اول : کہ جس طرح بھیڑیا جب کسی ایسی بکری کو پالیتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو گئی ہو تو وہ اس بات پر دلیر ہو جاتا ہے اور اسے اٹھا کر لے جاتا ہے بھی حال اس آدمی کا ہے جو علماء صالحین کی جماعت سے الگ ہو جاتا ہے اور اپنے عقل و فہم کے بل بوتہ پر نئے نئے مذاہب نکالتا ہے اور نئے مسلک پیدا کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پوری طرح تسلط ہو جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص شیطان کے جنگل میں پوری طرح آکر گمراہی لگے انتہائی گہری گھاٹیوں پر جا گرتا ہے۔

دوم : دوسرا مطلب یہ ہے کہ جنگلوں، پہاڑوں میں راہبوں کی طرح نہ رہو کہ درندوں، ڈاکوؤں، جیٹوں وغیرہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوذرؓ سے فرمائے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَتَهُ إِلَّا سَلَامٌ مِنْ عُنُقِهِ :  
 نے جو جماعت سے بالشت بھر پھڑا  
 اس نے اسلام کی رتھی اپنی گردن سے  
 اتار دی۔

قوله فَارَقَ : تفریق سے مراد توجہ نہ دینا وغیرہ ہوتی ہے مگر یہاں مفارقتہ  
 الجماعة کنایہ ہے ترک السنۃ واتباع البدع سے (کما قال الا بھری)  
 قوله شِبْرًا : شبیر کا معنی ہوتا ہے ایک بالشت۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے  
 کہ مقام ہذا پر شبر سے ساعۃ قلیلہ مراد ہے یعنی کنایہ ہے قلت سے کہ تھوڑے وقت میں  
 اور تھوڑے احکام میں بھی اجماع اور جمہور کی خلاف ورزی کرنا قابل وعید ہے۔  
 قوله خَلَعَ : اِی نَزَعَ رَفَا خَلَعَ فَمَلَّكَ : بَطَّ طَعْمُ

قوله رِبْقَتَهُ إِلَّا سَلَامٌ : بعض محدثین حضرات نے ربقہ کا معنی ذمہ  
 بھی لیا ہے کہ جو آدمی جماعت سے ایک بالشت بھی دور ہوا تو اس نے اسلام کی ذمہ داری  
 گردن سے اتار دی۔ مگر جمہور حضرات کے نزدیک ربقہ بمعنی پٹہ، حلقہ، رسی جو جانوروں کے  
 گلے میں ڈالا جاتا ہے پھر اس سے باندھا جاتا ہے مگر استعیدت لا نقیاد الرجل :  
 سوال۔ فاروق الجماعۃ سے مراد بدعتی ہے حالانکہ اہل السنۃ والجماعۃ کے  
 نزدیک بدعتی کافر نہیں۔ جب کہ حضور علیہ السلام فرما رہے ہیں "فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ"  
 تودہ مسلمان نہ رہا۔

جواب اول : سلام سے مراد کمال اسلام ہے یعنی کمال اسلام کی رتھی نکال دی  
 نہ کہ مطلق اسلام کی۔

جواب دوم : حلقہ اسلام کے گردن سے نکال دینے کا یہ حکم بطور تعلیظ اور  
 تشدید کے ہے کہ یہ رویہ آہستہ آہستہ دائرۃ اسلام سے خارج کر دے گا۔  
 یقول ابوالاسعاد خلاصۃ : جو آدمی ایک ساعۃ کے لیے اہل السنۃ والجماعۃ  
 کے عقیدہ سے الگ ہوا یا کسی معمولی عقیدہ میں بھی ان کا مخالف ہوا تو آئندہ اس کے اسلام  
 کا خطرہ ہے بکری وہی محفوظ رہتی ہے جو منخ سے بندھی ہے ماک کی قید سے آزاد ہو جانا

بکری کی ہلاکت ہے مسلمانوں کی جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسی ہے جس میں ہر قسم کی بندھا ہوا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ فرض کا انکار ہی خطرناک ہے کبھی مستحبات کا انکار بھی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن سلام نے صرف اونٹ کے گوشت سے بچنا تھا کہ رب نے فرمایا "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُلُوا مِمَّا حَلَلُوا فِي الْكِتَابِ كَالْقَتْلِ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ (پک بقرة)

ترجمہ: حضرت اللہ بن مالک (مُرسِل) فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے تم میں سے دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت۔

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ  
مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكْتُ  
فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا  
مَا تَمَسَّكْتُمَا بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ  
وَسُنَّةُ رَسُولِهِ :

قولہ مُرْسَلًا : مُرْسَل کی تعریف یہ ہے "اعلم ان المرسل هو ان يقول الثابتي قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا هو المشهور عند اهل الحديث" محدثین کے نزدیک مرسل وہ حدیث ہے جس میں صحابی کا ذکر نہ ہو، تابعی یہ کہ دیں کہ حضورؐ نے یہ فرمایا مگر فقہاء کے نزدیک وہ حدیث بھی مُرْسَل ہے جس میں تابعی اور صحابی دونوں کا ذکر نہ ہو۔ بیچ تابعی فرمادیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا یہاں فقہی مرسل مراد ہے کیونکہ امام مالکؒ تابعی نہیں بیچ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

قولہ أَمْرَيْنِ : امرین کے دو معنی ہیں ۱۔ امر بن ای شئیئین عظیمین ۲۔ امر بن بعض حکمین بفتحہما۔

**خلاصۃ الحدیث :** حدیث باب میں تسک قرآن وحدیث پر مسلمانوں کو برا ٹیکھنے کرنا ہے کہ جب تک یہ دو چیزیں قابل عمل ہوگی تو گمراہی بالکل نہیں ہوگی جب یہ دونوں ناقابل عمل بھی جائیں گی (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ) اور علماء اپنے مزاج کے مطابق غلط فیصلے کریں گے تو گمراہی گمراہی ہوگی صَلُّوْا وَاصْلُوْا۔

**ترجمہ :** حضرت عصف بن حارث ثمالی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے لہذا سنت کو پکڑنا بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے۔

وَعَنْ عَصْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بَدْعًا إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ أَحْدَاثٍ بَدْعَةٍ :

قولہ مِثْلُهَا : یعنی نے لکھا ہے یہاں ضدین ایک دوسرے کے مثل ہیں۔  
کما فی قولہ ثَمَالِیُّ "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ" پس یہاں بھی ایسا ہے کہ احداث سنت رفع بدعت کو اور احداث بدعت رفع سنت کو لازم ہے۔  
قولہ خَيْرٌ : یہاں خیر معنی تفصیل سے مجزوب ہے کما فی قولہ ثَمَالِیُّ "ثَمَالِیُّ" اللہ لِحَسَنِ الْتَعْلِیْقِیْنِ (بٹ منوں) درجہ لازم آئے گا کہ بدعت فی نفسہ خیر ہو تو کم درجہ کہوں نہ ہو۔

سنت پر عمل کرنا اگرچہ وہ معمولی درجہ کی کیوں نہ ہو بدعت پیدا کرنے اور بدعت پر عمل کرنے سے

**خلاصۃ الحدیث**

بہتر ہے اگرچہ وہ بدعت حسنہ ہو۔ اس لیے سنت نبوی کی اتباع سے روح میں جلا پیدا ہوتا ہے جس کے نور سے قلب و دماغ متور ہوتے ہیں اس کے برخلاف بدعت ظلمت و گمراہی کا سبب ہے۔



وَعَنْ حَسَّانَ قَالَ مَا تَبْدِعُ  
قَوْمٌ بِذَنبَةٍ فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ  
اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ  
لَا يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: روایت ہے حضرت  
حسانؓ سے فرمایا کوئی قوم اپنے دین میں بدعت  
نہیں ایجاد کرتی مگر اللہ تعالیٰ اسی تدران کی سنت  
اٹھا لیتا ہے پھر اسے تاقیامت ان میں نہیں  
واپس کرتا۔

يقول ابو الاسعاد: اس حدیث شریف میں کوئی بحث نہیں یہ سابقہ روایت  
کی توثیق کر رہی ہے جو غصیفؓ کی روایت ہے۔ محدثینؒ نے لکھا ہے کہ اس سنت کا واپس نہ آنا  
اس کی مثال اس درخت کی ہے جس کو جوڑے کاٹ دو پھر جتنی کوشش کرو کہ یہ دوبارہ لگ جائے  
اور پھل پھول دینے لگے یہ ناممکن ہے یہی حال سنت کا ہے جو کئی رو قیامت تک واپس نہ ہوگی  
یعنی سنت درخت ہے اور یہ بدعتیں اس کا پھاڑا ہیں۔

## اسمائے رجال

حالات حضرت غصیفؓ بن الحارث | نام غصیف (غصیف میں غین معجم پر ضرغام  
معجم پر فتح اور یار ساکن آخر میں فاء ہے)  
حارث ثمالی کے بیٹے ہیں رثالی ہیں ثمالی ۳ نقطوں والی مضموم اور میم بغیر تشدید ہے، ابو اسامہ کینت اور دہن  
شام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا۔ ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے لیکن خود ان کا بیان ہے  
کہ میری پیدائش آپ کے زمانہ مبارک میں ہوئی ہے میں سنے آپ سے موت کی اللہ آپ نے مجھ سے معافی  
فرمایا حکمہ، قالہ ابن حبان فی کتاب النقات۔ حضرت عمرؓ اور ابوذرؓ و عائشہؓ سے حدیث کی  
سماعت فرمائی اور ان سے کھول اور سلیم بن عامر نے روایت کی۔

وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ  
بِدْعَةٍ فَقَدْ أَكَانَ عَلَى هَذِهِ  
الْإِسْلَامِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابراہیم  
بن میسرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے بدعتی کی  
تعلیم کی یقیناً اس نے اسلام ڈھانے  
پر مدد دی۔

قَوْلُهُ مَنْ وَقَّرَ : بِالتَّشْدِيدِ : اِی عَظَّمُوهُ وَكَبَّرُوهُ . حَافِلًا بِنَجْمِہٖ فَرَمَاتے  
ہیں کہ تو قریب ہے کہ بدعتی کے لیے کھڑا ہو جائے یا اس کو صدر مجلس بنے . بِالْبَلَاءِ عَذْرَ اس  
کی خدمت کرے ۔

قَوْلُهُ صَاحِبَ بِدْعَةٍ : چاہے وہ بدعت کا داعی ہو یا نہ یا صرف عامل ہے۔  
قَوْلُهُ هَذِهِ الْإِسْلَامِ : علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ ”وَمُؤْمِنٌ بِأَبِ التَّغْلِيظِ :  
عِنْدَ الْبَعْضِ حَقِيقَتِہٖ بِمَحْمُولِہٖ ہے۔ اور اسلام سے مُرَاد سنت ہے۔  
سوال : اُس میں کیا حکمت ہے کہ بدعتی کی تعلیم کرنے سے اہدام اسلام لازم آتا ہے۔  
جواب : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بدعتی کی تعلیم و عزت کرتا ہے  
تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اسے سُنت کی عزت و احترام کا کوئی خیال  
نہیں تو یہ سنت کی تحقیر کا باعث بنا اور ظاہر ہے کہ سنت کی تحقیر اسلام کی عمارت کو اجاڑنے  
کے مُترادف ہے اور اسی پر اہل السنۃ کی تحقیر کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پابند  
شرح و سنت کی توہین کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس وعید میں شامل ہے کہ اس نے دین کی عمارت  
یا سنت کی عمارت کو نقصان پہنچایا۔

فَ : قَوْلُهُ مَيْسَرَةَ : بَلَّغِ السَّيْنَ اَبُوہٗ تَابِی ہُنَّ طَائِفٌ شَرِیْفٌ كے رہنے والے  
تھے ، ہوسے مشقی اور پرہیزگار تھے یہ حدیث مُرْسَل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں جس نے قرآن سیکھا پھر اس کی اتباع کی اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہی سے بچائے گا اور قیامت کے دن سخت عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ تَتَبَعَ مَا فِيهِ هَدًى اللَّهُ مِنَ الصَّلَاةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوْءَ الْحِسَابِ

قولہ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : یہ مرفوعاً ہے لافرقاً۔

قولہ - مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ - تعلیم میں تعلیم ہے "نَظَرَ احْفَظًا اَوْ عَلَّمَ" قولہ : تَتَبَعَ : اتباع میں بھی عمرم ہے "اِعْتَقَادًا اَوْ عَمَلًا" قولہ : مَا : اس سے مراد اوامر و نواہی ہیں۔

سوال : هُدًى کا صلہ مَنْ تو نہیں آتا فکیف فی ہذا المقام ؟  
جواب : هُدًى سَفَیْنِ ہے معنی "مَسْئَلَةُ كَوْنِهَا تَكْبِيْهُ كَوْنِ اس بے علم مَنْ آیا ہے اب تقدیر عبارت یوں ہوگی "مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ تَتَبَعَ مَا فِيهِ اَمَنَهُ اللَّهُ مِنْ اَرْكَابِ الْمَكَاسِي مَا كَادَ يَفْقَسُ - اور بطور استہارہ آیت تلاوت فرمائی "فَمَنْ اَتْبَعَ هٰذَا فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْغَى (پہ طہ)  
قولہ وَفِي رَوَايَةٍ قَالَ : ای ابن عباسؓ :  
قولہ مَنْ اَتْبَعَ : ای فی الاعتقادات والعبادات -

قرآن پاک کا پڑھنا باعث سعادت اور اس

خلاصۃ الحدیث : پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے یعنی دین و دنیا

دونوں جگہ سعادت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کے اندر خدا کی جانب سے اس پر یہ سعادت ہوگی کہ وہ گنہ سے بچ جائے گا کیونکہ اس نے اپنا رہبر قرآن کو بنایا ہے آخرت میں یہ سعادت ہوگی کہ حساب و کتاب کی سختی سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ قرآن پاک میں بھی یہی دو چیزیں ہیں "فَلَا يَضِلُّ" ای فی الدُّنْيَا اور وَلَا يَشْغَى نہ بدستخت ہوگا ای فی الآخِرَةِ۔

وَعَنْ بَنِي مُسْعُودٍ أَنَّ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا  
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَعَنْ  
جَنَّتِي الصِّرَاطِ سُورَانِ  
فِيهَا الْبَوَابُ مُفْتَحَةً وَعَلَى  
الْأَبْوَابِ سُورٌ مُرْخَاةٌ  
وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن مسعود  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ اللہ نے سیدھے راستہ کی  
مثال قائم فرمائی اور اس راستہ کے  
دو طرف دو دیواریں ہیں جن میں کھلے ہوئے  
دروازے ہیں، دروازوں پر پردے  
لٹکے ہیں، راستہ کے کنارہ پر پکارنے  
والا کہہ رہا ہے۔

قوله ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا : یہ حدیث قدسی ہے کیونکہ یہ مضمون قرآن  
میں نہیں آیا۔ حضور علیہ السلام پر وحی ہوا جسے آپ نے رب تعالیٰ کی نسبت سے اپنے الفاظ  
میں بیان فرمایا اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔

قوله صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا - سیدھے راستہ سے مراد نبوت کا راستہ ہے رب  
مک پہنچانے والا! اب رہ قرآنی راستہ ہے اور یہ مَثَلًا سے بدل واقع ہوا ہے۔  
قوله جَنَّتِي : بفتح الجیم وسكون النون ای جانیہ و طرفیہ :  
اور یہ جملہ صِرَاطًا سے حال واقع ہوا ہے۔

قوله سُورَانِ : ای جداران یعنی دیواریں ہیں  
قوله فِيهَا الْبَوَابُ مُفْتَحَةً : سُورَانِ کی مفت ہے۔

قوله سُورٌ : جمع السُّور بکسر السین - یعنی پردے۔  
قوله مُرْخَاةٌ : ای مُرْسَلَةٌ وَمُسَبَّلَةٌ یعنی لٹکے ہوئے۔

قوله وَلَا تَعْوَجُوا - بِتَشْدِيدِ الْعَاوِ مِنْ الْأَعْوَاجِ ای لَا تَصِلُوا إِلَى  
الْأَطْرَافِ : ادھر ادھر نہ جاؤ سیدھی لائن پر چلو۔

قوله تَلْجِسُ ای تَدْخُلُهُ : کہ ترکھونے سے اس میں داخل ہو جائے گا۔  
قوله وَأَنَّ السُّورَ الْمُرْخَاةَ : حدیث پاک کے اندر ستر مرخاۃ کی تفسیر

حُدُودِ اللّٰہ سے کی گئی ہے۔ مگر علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لٹکے ہوئے پردے وہ امور ہیں جن میں دلائل کے تعارض یا کسی ایہام کی وجہ سے کوئی شبہ رہ جاتا ہے۔ چنانچہ شرعی ہدایت یہ ہے کہ ان سے دور رہ کر ہٹا دیا جائے تاکہ اشتباہ کی محضرت سے بچا جائے۔ ”کَمَا فِي قَوْلِهِ تَسَاءَلِي " تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا " (پہلے)

یہ خدا کی حدود ہیں ان کے قریب بھی نہ آؤ۔

قَوْلُهُ وَهُوَ وَاِعْظُمُ اللّٰهِ : اور پر بلند دانہ کے تفسیر وَاِعْظُمُ اللّٰهِ سے (یعنی عظماء کی ہے اس سے مراد وہ فرشتہ ہے جو انسان کو نیکی کے راستہ پر گامزن کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب تائب و توفیق الہی ہوگی جیسے قرآن مغفرت کو زہر کہا گیا ہے مگر یہ زہر اس وقت ہے جب مشیت ایزدی ہو۔ اس حدیث میں ایک تشبیہ کو بیان کیا گیا ہے تشبیہ کا حاصل یہ ہے کہ اسلام بمنزلہ راستہ

**خلاصۃ الحدیث**

کے ہے اور محرماتِ الہیہ بمنزلہ ابوابِ مغفرت کے ہے اور احکام و حدود جو بندوں کو ان محرمات سے روکنے والی ہیں وہ بمنزلہ پردوں کے ہیں اور قرآن بمنزلہ اس داعی کے ہے جو راستہ کے سروں پر بیٹھا ہے اور یوں کہتا ہے ”اسْتَقِمْ صَوًّا عَلَى الصِّرَاطِ وَ تَقْوُ جُودًا اور انعام علی جو دل میں اچھا خیال آتا ہے یہ بمنزلہ اس داعی کے ہے جو راستہ کے اوپر بیٹھا ہے اور پکار رہا ہے وَ تَجْلِكَ لَا تَفْتَحْ خِيَالُكَ الرَّاسُوسُ ہے دروازہ نہ کھول کَمَا قَالَ الْبُشَطَانِيُّ ۝

ایک گام ز دنیا دیکے گام ز کام  
نزدانہ طمع بہر کہ رستی ز دام

خواہی کہ رسی بکام برادر دو گام  
نیکو خستے زده است پیر بسطام

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جو سیدھی راہ جانا چاہے وہ وفات یافتہ بزرگوں کی راہ چلے کہ زمرہ پر فتنہ سے امن نہیں

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَنْ كَانَ مُسْتَبْتًا فَلَمْ يَسْتَنْ لِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمِنُ عَلَيْهِ انْفِئْسَهُ أُولَئِكَ

اصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا  
افْضَلَ هَذِهِ الْأُمَّةِ : | وہ بزرگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو  
اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں۔

قَوْلُهُ ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ : یہ حدیث موقوف ہے نہ کہ مرفوع یعنی حضرت ابن مسعود  
صحابی کا اپنا فرمان ہے صحابی کے قول و فعل حدیث موقوف کہلاتے ہیں اور حضور علیہ السلام کا  
قول و فعل حدیث مرفوع ہے۔

قَوْلُهُ مُسْتَنًا : اِی مُقْتَدِیَا

قَوْلُهُ فَلَمْ يُسْتَنَّ : اِی فَلَمْ يُقْتَدَ یعنی جو آدمی کسی کی اقتداء کرنا چاہے تو اس کو  
چاہیے کہ وہ ان لوگوں کی اقتداء کرے جو فوت ہو چکے ہیں اسی طرح مُسْتَنًا یعنی اتباع اور  
قَلَمُسْتَنَّ بمعنی فلیتبع بھی ہے یہ معنی نہایت اعلیٰ ہے اس معنی کو علامہ محدث عبدالحق دہلوی  
نے اپنی بیسیوی زبان (فارسی) میں یوں ادا فرمایا ہے۔ مَن کَاکَی مُسْتَنًا : کسیکے ہی خواہد کہ برو  
راہ راست را۔

قَوْلُهُ فَلَيْسَتْ بِمَنْ قَدْ مَاتَ : پس باید کہ برو راہ را و اقتداء کند بہ کسیکے  
بتحقیق از عالم گزشتہ اند (اشترک اللغات ص ۱۴۸ ج ۱)

قَوْلُهُ قَدْ مَاتَ : مرے ہوئے لوگوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں  
اور زندوں سے۔ ابن مسعود کے زمانہ کے لوگ اور تابعین مراد ہیں۔

سوال : حضرت ابن مسعود کے ارشاد سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ کرام  
انتقال فرما گئے ہیں ان ہی کی پیروی اور اطاعت کرنی چاہیے حالانکہ یہ بات تو صحیح نہیں۔  
کیونکہ اتباع کے لائق صحابہ کرام کی پوری جماعت ہے خواہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے رخصت  
ہو چکے ہوں۔

جواب اول : مَاتَ کی تخصیص اس لیے کی کہ اکثر صحابہ کرام حضرت ابن مسعود  
کے دور میں انتقال فرما چکے ورنہ یہاں زندہ اور مردہ دونوں مراد ہیں۔

جواب دوم : موت کی قید اس لیے لگائی کہ زندوں کے خاتمہ بالغیر  
پر یقین نہیں اس سے اپنے نفس کی طرف تفریط ہے اور تواضع کی بنا پر اپنے آپ کو اس کے

نکالنا مقصود ہے۔

**سوال :** حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بات کیوں کہی اور کہنے کی وجہ کیا ہے؟  
**جواب اول :** سیدنا ابن مسعودؓ نے یہ بات تابعینؓ کے سامنے ازراہ نصیحت فرمائی تھی ان کو وعظ فرما رہے تھے تو یہ مضمون بھی بیان کر دیا۔

**جواب دوم :** یہ کہ اس دور میں بالکل فرتے جہنم لینے لگے تھے جو صحابہ کرامؓ کی ذاتِ اقدس پر اعتراضات کرتے تھے جیسا کہ رافضیوں اور فہم برین کے گروہ اس ناپاک مشغلہ میں لگے ہوئے تھے اس لیے ابن مسعودؓ نے ان کے غلط الزامات اور صحابہؓ پر باندھے گئے جہتانے کے ریز میں صحابہؓ کی عظمت و بزرگی اور ان کی نصیحت کا اظہار فرمایا۔

قوله اُولَئِكَ اصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : جماعت صحابہؓ کی طرف تعظیماً اشارہ حسیہ کیا کہ ان کے اعمال و اخلاق ایسے مشہور و معروف ہیں گویا کہ وہ حضرات نور مشہور ہیں۔

قوله كانوا افضل هذه الأمة : اُمت سے مراد امتِ اجماعت سے جو تمام اُمتوں سے افضل ہے کما قال اللہ تعالیٰ "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (پک ال عمران) اس خطاب کے مخاطب بالذات صحابہ کرامؓ ہیں۔ لہذا ان کا ساتھ بجز انبیاء علیہم السلام کے تمام انسانوں سے افضل ہوا۔ ثانیاً خود حضرت ابن مسعودؓ بھی شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اُمت کے بہترین لوگ تھے۔

قوله ابْرَئْهَا قُلُوبًا : اَبْرَئْهَا کے دو معنی ہیں ۱۔ اَحْسَنُهَا قُلُوبًا کہ وہ نیک تھے از روئے تلوّب کے۔ ۲۔ در فارسی "دیک ترین اُمت از روئے دلہا" (اشعر نعمات) کما فی قولہ تعالیٰ "وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ" ۱۔ مَنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ" کیونکہ ایمان کا تعلق بھی دل کے ساتھ ہے۔ ۲۔ اَبْرَئْهَا بمعنی اَخْلَصَهَا قُلُوبًا کہ ان کے دل خالص تھے نفاق وغیرہ نہیں تھا۔ "اُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَلِلْفَقْوِ رِبَّ جَنَاتٍ" قوله وَاَعَمَّقَهَا عِلْمًا : اس کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اول : اَعَمَّقَهَا عِلْمًا ای اکثرھا عَمُورًا مِنْ جَمْعَةِ الْعِلْمِ : یعنی علم کے اعتبار سے بہت غور کرنے والے تھے۔

دوم : اعمقہا ای او فرہا حظاً من العلوم المختلفة یعنی دینی علوم کے اندر زیادہ حصہ رکھنے والے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، تصوف، گویا ہر صحابی جامعاً للشمائل السنیة والفضائل البہیة کا مصداق تھا۔ درنازی "درد اندیشہ ترازوئے علم" قولہ "اقلہا تکلفاً" تکلف میں تلیل یعنی صحابہ کرام کا ہرگز معاشرت نصیغ و بناوٹ سے بالکل پاک و صاف تھا۔ علامہ محدث عبداللہ دہلوی "تکلف کا معنی کرتے ہیں" تکلف نہ لغت بخود درست کن کا ہے بے فرمودن و رنج پر خود نہادن (راشعہ اللغات) بے کار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول کرنا اور نفٹ کی معیبت اٹھانا۔

لیکن اقلہا تکلفاً کی جامع تشریح ملا علی قاری ہروی نے فرمائی ہے رقم طراز ہیں :-  
 "فَرَأَاهُمْ كَانُوا يَمْشُونَ حُفَاةً وَيَسْلُكُونَ عَلَى الْأَرْضِ وَيَأْكُلُونَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَيَشْرَبُونَ مِنْ سُودِ النَّاسِ : وَإِذَا قَالُوا وَيَجْتَمِعُونَ لِلْبَيْتِ وَالْمَازِمِيرِ وَلَا يَتَحَلَّقُونَ بِالْذِّكَارِ وَالنِّسَاءُ بَرَجْنَ الصُّوْفِ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا فِي بَيْوتِهِمْ بَلْ كَانُوا فَرَشِيينَ بِأَبْدَانِهِمْ عَرَشِينَ بَارِوًا جِهَةً وَإِذَا كَانُوا يَلْتَمِسُونَ مَا تَسِيرُ لَهُمْ مِنَ الصُّوْفِ وَالْقَطْرِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَإِذَا وَكَلَّ هَذَا مَبْتَرِيَةً النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَوَاتِرُ الْكَامِلُ الْمَكْمَلُ -

(مرقات منہاج الباب الاعتصام فصل ثالث)

قولہ اختارہم اللہ لصحبہ نبیہ - یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو العلم والانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور رفاقت کے لیے پسند کیا کیونکہ وہ اس کے اہل تھے۔ کما فی قولہ تبارک "وَأَلَزَمَهُمْ كَلِمَةً التَّقْوَى وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَحْكَمًا رَبِّ فَتَحْ

اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کی طرح صحابیت بھی وہی چیز ہے نہ کہ کسی، وہی چیزوں میں جرح و تشح کرنا جائز نہیں لہذا اصحاب رضوان کے متعلق طعن و تشنیع جائز نہیں ہوگی۔ قولہ ولإقامۃ دینیہ : اور دین کی اقامت کے لیے ان کو منتخب کیا تھا یعنی صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل دین حاصل کیا اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے



ہے انتہاء قربانیاں دیں، اور جہاد کے ذریعہ ممالک فتح کر کے ان میں حکومتِ الہیہ قائم کی اس لیے وہ قبلہ اقوامِ عالم ہوئے۔

**سوال**۔ حضرت ابن مسعودؓ تو صحابہ کرامؓ کی تقلید کا حکم فرمائے لیکن ائمہ کرامؓ کی تقلید کیسے جائز ہوگی؟

**جواب**۔ صحابہ کرامؓ کی آراء میں منتشر تھیں۔ عام لوگ ان کو جمع کر کے فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جب کہ ائمہ کرامؓ نے ان کو جمع کر کے مُتَّفَع کر دیا۔ لہذا ائمہ کی تقلید کرنا ضروری ہوا۔ تو ان کی تقلید کرنا گویہ صحابہ کرامؓ کی تقلید کرنا ہے۔

قَوْلُهُ فَأَعْرِضُوا لَهُمْ فُضِّلَهُمْ : اس کا تعلق یا تو غیر ہے ہے کہ عام اتنی سے ان کو فضیلت ہے۔ یا پھر بعض صحابہ کرامؓ مراد ہیں کیونکہ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل تھی علم میں اِنْفَاق میں، سخاوت میں، جہاد میں ”لَا يَسْتَوِي مَشْكُومٌ مِّنَ النَّفَقِ مِنْ قَبْلِ الْقَبْرِ وَقَاتِلُ أَوْلِيكَ أَغْلَى دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَعْمَلُوا مِنْ بَعْدُ وَمَا تَلَوْا النَّبِ رُبَّ الْحَلَوِيْدِ“

**ترجمہ** : روایت ہے حضرت جابرؓ سے کہ حضرت عمرؓ بن الخطابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تورات کا نسخہ لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا نسخہ ہے حضورؐ خاموش ہے آپ پڑھنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور بدلنے لگا۔

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ عُمَرَ  
بْنِ الْخَطَّابِ أَتَى رَسُولَ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بِنُسخَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ فَقَالَ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ نُسخَةٌ  
مِّنَ التَّوْرَةِ فَجَعَلْتُ  
يَقْرَأُ وَوَجَّهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ :

قَوْلُهُ فَجَعَلْتُ : رحمتِ دوزم مزاجی کی وجہ سے سکوت فرمایا۔  
قَوْلُهُ فَجَعَلْتُ يَقْرَأُ : حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ آپ کی خاموشی علامت

اجازت ہے اس لیے پڑھنا شروع کر دیا اور نہ حقیقتاً خاموشی ناراضگی کی وجہ سے تھی کہ حضرت عمرؓ یہود کے پاس کیوں جاتے ہیں اور توراۃ میں کیا پڑھ رہے تھے ہیں مگر شققت کی وجہ سے خاموش رہے۔ لہذا فاروقِ عظیمؓ کے اس فعل شریف پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ خلفاءِ اجتہادی ہے جو قابلِ معافی و عدمِ مواخذہ ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ تَكَلَّمْتُكَ الشَّوْكَاءُ : بَلَسَرَ الْكَافِ أَيْ فَقَدْ تَكَلَّمَ الْفَوَاقِدُ۔ گم کریں تمہیں گم کرنے والیاں بَلَسَرَ الْكَافِ الْبَوَالِغُ رُوِّیَسِ تَمِیْسِ رُوْنِے وَالْبِیَاسِ۔ اس سے مراد اُتھات و الہنات والاخوات ہیں کیونکہ یہ فراق میں زیادہ روتی ہیں۔ مگر جملہ مذکورہ ”تَكَلَّمْتُ الْخ“ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے موت کے لیے ہر دعا ہے۔ لیکن یہ ایک اہل عرب کا محاورہ ہے جو اپنے اصلی معنی میں استعنا نہیں ہوتا بلکہ ایسے مواقع پر بولا جاتا ہے جب اپنے کسی بے تکلف دوست سے کسی تعب کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے بے تکلف مخاطب سے ایسے موقع پر جب کہ وہ کسی ظاہری بات کو بھی نہیں سمجھ رہا ہوتا یہ کہے کہ مجھے برا تعب ہے کہ یہ کھلی ہوئی بات بھی تم نہیں سمجھ رہے۔ ”کثرتِ یمنینہ و رغبتہ“

قَوْلُهُ فَتَنَظَرَ عُمَرُؓ : اِی فُتِرَ آثَارُ الْغَضَبِ فِیْہِ فَقَالَ ” قَوْلُهُ لَوْ بَدَا لَکُمُ : اِی ظَہَرَ لَکُمُ۔ یعنی بالفرض و الحال اگر آج بھی موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہو۔

خُلَاصَةُ الْحَدِیْثِ : یہ کہ کتاب و سنت کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور حکماء فلاسفہ کی کتابوں کی طرف بے ضرورت رجوع کرنا مناسب نہیں بلکہ گمراہی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور اللہ کا کلام بعض بعض کو منسوخ کرتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَانَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَلَامِي لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللَّهِ وَ  
كَلَامَ اللَّهِ يَنْسَخُ كَلَامِي وَكَلَامَ اللَّهِ  
يَنْسَخُ بَعْضُهُ بَعْضًا :

# بحث ناسخ و منسوخ

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ - تعريف نسخ

نسخ کے دو معنی ہیں : ۱۔ لغوی و اصطلاحی

لغت کے اندر نسخ کا معنی ہے مٹانا، ازالہ کرنا۔ کما یقال

”نسخت المذبح آثار القوم“ کہ ہوا سنے لوگوں کے

پاؤں کے نشان مٹا دیے۔ یا نسخ تنقال کے معنی ہیں بھی مستعمل ہے۔ کما یقال نسخہ المکتب  
الی المکتب ”ایک جگہ سے دوسری طرف کتاب کو منتقل کیا۔

اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے :-

”رَفْعُ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِيلٍ شَرْعِي“

## نسخ کا اصطلاحی معنی

کسی شرعی حکم کو کسی شرعی دلیل سے ختم کر دینا۔

یَقُولُ ابُوَالْاَسْعَاد : ”مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کسی زمانے کے حالات

کے مناسب ایک شرعی حکم نافذ فرماتے ہیں پھر کئی دوسرے زمانہ میں اپنی حکمت باللہ کے پیش نظر

اس حکم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی نیا حکم عطا فرماتے ہیں اس عمل کو نسخ کہا جاتا ہے اور اس طرح

جو پرانا حکم ختم کیا جاتا ہے اسے منسوخ اور جو نیا حکم آتا ہے اسے ناسخ کہتے ہیں۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي - حقیقت نسخ

دنیا کی حکومتوں اور اداروں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف

ہے لیکن انہوں کے احکام میں نسخ کی تین صورتیں ہیں :-

**صورت اول**۔ نسخ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ پہلے کسی غلط فہمی سے ایک حکم جاری کر دیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی تو حکم بدل دیا۔

کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آگے آنے والے واقعات اور حالات کا اندازہ نہیں تھا۔ جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا، یہ دونوں صورتیں احکام خداوندی میں نہیں ہو سکتیں۔

**صورت سوم** یہ ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے معلوم تھا کہ حالات بدل لیں گے، اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا۔ دوسرا حکم دینا ہوگا۔ یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دے دیا، اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو حکم بھی بدل دیا۔

**مثال** مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی۔ الشرجل شائد کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے ہر آنے والی صورت اور نازل ہونے والی کتاب نے پچھلی صورت و کتاب کو منسوخ کر کے نئے احکامات جاری کیے اور یہی حال شریعت محمدیہ میں بھی ہے۔

(صحیح مسلم شریف ص ۴۹ جلد ۲۔ کتاب الزہد) "لم تکن نبوة قط إلا تناسخت"

## البحث الثالث۔ نسخ کی ممکنہ صورتیں مع امثلة

عقلاً نسخ کی چار صورتیں ممکن ہیں :

### صُورَتِ اَوَّل

نسخ القرآن بالقرآن

### مشال

پیلے یہ حکم تھا کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں دس کافر ہوں تو مقابلہ ضروری ہے بھاگنا جائز نہیں پھر اسے آیت کریمہ اَذْكُنَّ خَفَافَ اللّٰهُ عَنْكَ اللّٰهُ سے منسوخ کر دیا گیا۔ اب ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو کافر ہوں تو بھاگنا جائز نہیں۔

### صُورَتِ دُوّم

نسخ الحديث بالحدیث

### مشال

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کنت فہیتکم عن زیارة القبور فزوروها راہ حدیث: مشکوٰۃ شریف مشاج باب زیارة القبور اس میں ناسخ و منسوخ دونوں مذکور ہیں۔

### صُورَتِ سَوّم

نسخ الحديث بالقرآن

### مشال

حدیث کی رد سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع ہے "قُولِ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" منسوخ کر دیا گیا۔

### صُورَتِ چہارم

نسخ القرآن بالحدیث

### مشال

آیت قرآنی "کُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا أَنْ تُوَصِّيَهُ حَيْثُ پاك لا وَصِيَّةَ يُؤَدِّتْ سُورُخِ ہرگ

**فائدہ** یہ کل چار صورتیں بنتی ہیں ان میں دو متفقہ ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں نہ ان کی یہاں بحث ہے یعنی نسخ القرآن بالقرآن و نسخ الحدیث بالحدیث (اختلاف آخری دو صورتوں یعنی عدا اور مکارہ میں ہے۔

مسئلہ اول : شوافع حضرات کے نزدیک آخری دو صورتیں سزا کا جائز نہیں  
ان کی دو دلیلیں ہیں۔ ۱۔ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے ”سکڑی  
دبسل اول نقلی۔“ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے ”سکڑی

لا يَنْفِخُ كَلَامَ اللَّهِ  
**دلیل دوم عقلی** - صورت سوم نسخ قرآن بالحدیث (اس لیے جائز نہیں کہ مشبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو رسولؐ نے تبدیل کر دیا، یا رسولؐ نے قرآن کی تکذیب کر دی اور صورت چہارم نسخ حدیث بالقرآن) اس لیے جائز نہیں کہ مشبہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بات کو رد کر دیا۔

مسئلہ دوم۔ احسان والکلیۃ کے نزدیک آخری دو صورتیں یعنی قرآن کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے نسخہ بھی جائز اور واقع ہے ہر ہر مؤثرات کے (دو دو دلیلیں ملاحظہ فرمائیں)۔

دلیل اول - صُورَتِ سَمِیْعِ قُرْآنِ بِالْحَدِیْثِ آیتِ وَصِیَّتِ "کُتِبَ عَلَیْکُمْ  
إِذَا حَضَرَ أَحَدُکُمْ الْمَوْتُ إِذَا بَقِیَ (بقرة) کو حدیث "لَا وَصِیَّةَ لِلْوَارِثِ" نے منسوخ  
کر دیا، رواج یہ تھا یا حکم یہ تھا کہ جمیع مال میں آدمی وصیت کرتا مگر اس حدیث نے آکر اس  
حکم کو ختم کر کے ورثاء کے حصے تقسیم کر دیے کہ باپ کو اتنا بیٹے کو اتنا اس کو کہا جائے گا نسخ  
قرآن بالحديث۔

سوال۔ آیت وصیت آیت میراث سے مشروح ہے نہ کہ حدیث ”لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ“ سے۔

جواب : آیت میراث سے وصیت کے ورثاء کے صرف حقوق و حصص متعین ہو رہے ہیں وصیت باطل نہیں ہو رہی۔ لہذا وصیت کا نسخ حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے ہی ہوا ہے۔

## دلیل دوم، صورت سوم نسخ قرآن بالحديث

قرآن مقدس میں ہے رُبُّوْصِيْكُمْوَاللّٰهُ فِیْ اَوَّلَادِكُمْوَالْغَرِبِّ نِسَاؤُا اس میں نبی وغیر نبی سب شامل ہیں سب کو خدا حکم دے رہا ہے اور سیدنا محمد مصطفیٰ احمدی مجتبیٰ علی اللہ علیہ وسلم بھی اس میں شامل ہیں مگر ”فَحَتُّ مَكَا شِرْءَا لَا نَبِیَّاءَ لَا تَرِثُوْا وَلَا تُوَرِثُوْا وَمَا تَرَكْنَا صَدَقَةً۔ اِنَّا مَكَا شِرْءَا لَا نَبِیَّاءَ لَا تُوَرِثُوْا مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً (رواد النساء)“ یہ حدیث پاک انبیاء علیہم السلام کے بارے میں آیت میراث کو منسوخ کر رہی ہے۔

## دلیل سوم، صورت سوم نسخ قرآن بالحديث

علامہ نے حضرت آدم کو سجدہ تحمید کا ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجَمْتُونَ (ب)“ اور یوسفؑ کو اخوین مع ابوائے نے سجدہ تحمید کا کیا۔ ”وَرَفَعَ اَبُوْیُوْسُفٰی الْقَمَرِیْنَ وَخَرُّوْا لَہٗ سَجْدًا (د) یوسفؑ، لیکن شریعت محمدیہ میں یہ حکم حدیث سے مشروح ہے اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”قَوَّكْتُ مِثْرًا اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَا مَدْرَکَ الْمَدْرَآةِ اَنْ یَّسْجُدَ لِزَوْجِہَا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴ ج ۲)“

## دلیل اول، صورت چہارم نسخ حدیث بالقرآن

حدیث لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ ہے جو کہ آیت وصیت کے لیے ناسخ ہے۔

## دلیل دوم: صورت چہارم نسخ حدیث بالقرآن

آیت تحویل تفسیر نے بیٹا المقدوس کی طرف رخ کرنے کو منسوخ کر دیا جو کہ دہی خفی اور حدیث سے ثابت تھا اس سے نسخ حدیث بالقرآن ثابت ہوا۔

## شواہد حضرات کے دلائل کے جوابات

**دلیل دوم عقلی کا جواب:** یہ کہ یہ دلیل درست نہیں کیونکہ یہ دلیل تب ہوتی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کی اپنی طرف سے کہی ہوگی بات ہوتی۔

**دلیل اول نقلی کا جواب اول:** کلام اللہ سے مراد وہ کلام ہے جو آپ اپنی رائے و اجتہاد سے فرمائیں  
 معنی ہوگا کہ یعنی میں اپنی رائے سے قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ کما فی قولہ تم  
 "قُلْ مَا يَكُونُ اَنْ اُبَدِّلَ لَكُمْ مِنْ تِلْكَ آيَةٍ تَلْفَافًا نَفْسِي اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يَأْتُنِي  
 اِلَٰهِي رَبِّي يُولِيهِ"

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کلام نبوی کلام الہی کے الفاظ کی تلاوت منسوخ نہیں کر سکتی اور اس کے ہم بھی قائل ہیں چنانچہ  
**جواب دوم:** آیت دہیت اور آیات سجدہ تہجد کی تلاوت باقی ہے اور حکم منسوخ ہے۔  
**جواب سوم:** یہ حدیث جبرون بن راقدا فریقی کی وجہ سے سند ضعیف ہے۔  
 جبرون پر وضع حدیث کا طعن موجود ہے رکزانی المیزان ص ۲۸ ج ۱۱

## نتیجہ بحث

بقول ابوالاسعاد: مذکورہ بالا بحث سے ہمارا مقصد دراصل یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ کلام الہی اور کلام نبوی میں نسخ کا وجود (معاذ اللہ) کوئی عیب و نقص نہیں ہے بلکہ



یہ حکمت الہی کا عین منشاء و تقاضا ہے۔ لہذا کسی آیت وحدیث کو محض اس بناء پر رد کرنا کہ اس سے قرآن مقدس میں نسخ لازم آتا ہے کو ناہ علمی اور علوم قرآنیہ سے عدم واقفیت ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم و اجل۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہمارے بعض حدیثیں بعض کو قرآن کی طرح منسوخ کرتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَادِيثَنَا يَنْسَخُ  
بَعْضُهَا بَعْضًا كَنْسَخِ الْقُرْآنِ

قَدْ مَرَّ تَحْقِيقُهُ إِنْفًا:

یقول ابوالاسعاد: یہ حدیث بھی احناف کے خلاف نہیں کیونکہ سند ہی لحاظ سے یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ وفی اسنادہ ایضاً محمّد بن الحارث وهو ضعیف اشہد الضعف (کذا فی التعلیق)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابی ثعلبہ خشنی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض لازم فرمائے انہیں ضائع نہ کرو، کچھ حرّمات حرام کیے ان کی حرمت نہ توڑو۔

وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُسَنِيِّ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَرَضَ  
قَرَائِضَ فَلَا تُصَيِّتُوهَا وَحَرَّمَ  
حُرُمَاتٍ فَلَا تَسْهِكُوهَا

قوله قَرَضَ - بِمَعْنَى أَوْجَبَ -

قوله قَرَائِضَ - أَيْ أَحْكَامُهَا يَعْنِي الشَّرَائِكُ الَّتِي تَهْدِي إِلَى أَسْوَاقِ الْحِكْمَاتِ وَاجِبَ فَرَاغَ هِيَ - بَاقِي فَرْضِ كَيْ تَعْرِيفَ مَا كَيْتَ بِدَلِيلِ قَطْعِيٍّ جَوْدِ لَيْسَ قَطْعِيٍّ سَ ثَابِتٍ هُوَ، يَا جَسَّ كَيْ تَرْكٍ بِرَغَابٍ هُوَ، وَكَرَّ كَيْ تَرْكٍ بِرَغَابٍ هُوَ۔

قوله فَلَا تُصَيِّتُونَهَا : ای ستر کیلھا۔ یعنی اسے ضائع نہ کر دو محمد بن حضرت  
نے اس کے دو معنی بیان فرمائے ہیں :-

أَوَّلُ فَلَا تُصَيِّتُونَهَا - ای بالہیاء والعجب والغرور یعنی ان امور میں ریاء کبر  
وغیرہ کرنا یہ بھی ایک قسم کا ضیاع ہے۔ کما جاء فی الحدیث الباریک « وَ عَنْ مُحَمَّدٍ  
بن لَبِیدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اخْوَنَ مَا اخَافَ عَلَيْكَ  
الشَّرْكَ الْأَصْفَرُ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الشَّرْكَ الْأَصْفَرُ قَالَ الرِّيَاءُ -

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۵ ج ۲) باب اریاء والتمتع

دوئم : دوسرا معنی یہ ہے کہ قرآن کے بعد ارکان کو چھوڑ دیا جائے فلا تَتَّبِعْهُنَّ  
ای لا تقربوہا یعنی حرام کے قریب بھی نہ جاؤ کرنا ترک کیا۔

قوله وَحَدِّ حُدُودًا - ای تعیین حُدُودًا مِنَ الْقَتْلِ وَالضَّرَبِ  
قوله وَسَكَّتَ عَنْ أَشْيَاءٍ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ - کتنی احکامات شریعت  
کے تھے جن کے بارے میں وضاحت نہیں فرمائی۔ وضاحت نہ فرمانے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ  
کو نسیان ہو گیا بلکہ عمداً مصلحت خداوندی کے پیش نظر ان کو چھوڑ دیا۔ بَلْ مِنْ رَحْمَةٍ  
إِحْسَانٍ وَفِي الْآرْبَعِينَ رَحْمَةً لَكُمْ غَيْرِ نِسْيَانٍ :

قوله وَلَا تَبْخَثُوا عَنْهَا : ای لَا تَنْفَكِرُوا فِيهَا۔ کہو کہ اس ذات پاک  
کی معرفت "کنشہ الذات مرْدُوْدٌ والطريق الى كنهه الصقَات مُسْدُوْدٌ۔

المعجز عن درل الادراك ادراكك :

والبحث عن سرِّ ذات الرب اشراك :

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ  
هَدَانَا اللَّهُ -

# کِتَابُ الْعِلْمِ

ای ہذا کتابُ العلم یعنی بیان فضل العلم  
و تعلیمہ و تعلّمہ - اس کتاب میں علم اور تعلیم و تعلّم کی  
فضیلت اور علم شرعی کی حقیقت کا بیان ہے۔

**سوال :** کتابُ العلم پر کتاب الایمان کی تقدیم کیوں ہے ؟  
**جواب :** تقدیم اس لیے فرمائی کہ تمام امور شرعیہ خواہ من قبیل اعتقاد ہوں یا من قبیل  
عمل و اخلاق ہوں۔ سب کا موقوف علیہ ایمان ہے اس کے علاوہ سب کے سب بیکار ہیں۔  
بنا بریں ایمان کی بحث کو مقدم کیا اور ایمان کے بعد اعمال کا درجہ ہے اور اعمال خواہ من قبیل  
عبادت ہوں یا معاملات یا معاشرت ہوں سب علم پر موقوف ہیں لہذا سب پر علم کو مقدم کیا۔

## کِتَابُ الْعِلْمِ کا ماقبل سے ربط

کتابُ العلم کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ علم عام اور کتاب و سنت خاص ہے تو بابِ الاعتقاد  
کے بعد کتابُ العلم لانا تعلیم بعد از تخصیص ہے۔  
**فائدہ :** کتابُ العلم کا عنوان قائم کرنے سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد اس کی تعریف  
اور حقیقت بیان کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ اہل لغات یا معقولین کا کام ہے محدثین کا کام نہیں ہے  
اور نہ شریعت مقدمہ کا مقصود ہے بلکہ یہاں عنوان رکھنے کا منشاء علم کی فضیلت اور اس کی  
تعلیم و تعلّم کی فضیلت بیان کرنا ہے۔  
یقول ابوالاسعاد : مقام ہذا پر مباحث ثلاثہ کا جاتا ضروری ہے۔

# الْبَحْثُ الْأَوَّلُ ، علم کالغوی واصطلاحی معنی

علم کے درمندی ہیں علم الغوی و اصطلاحی ۔

**علم کالغوی معنی** - علم ضد ہے جہل کی ، اور اس کا لغوی معنی دانستن ہے ۔

**علم کا اصطلاحی معنی** | اصطلاحی معنی میں بہت اختلاف ہے کیونکہ بعض حضرات علم کو قابل تحدید نہیں مانتے ۔ لکن اہل امام الحرمین والغزالی کیونکہ جنس و فصل کے لیے جامع عبارت سے تعریف محسوس میں بھی مشکل ہوتی ہے تو غیر محسوسات میں بطریق اولی مشکل ہوگی ۔ لہذا علم کی شناخت تحدید سے نہیں ہوگی بلکہ اس کی اقسام و اشغال سے ہوگی ۔ جب کہ علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ علم میں اہل البہدہیات ہونے کی بنا پر قابل تحدید نہیں لیکن جہور حضرات کے نزدیک علم قابل تحدید ہے پھر اس کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں ۔

**قول اول فلاسفہ** | فلسفہ کے نزدیک علم کہا جاتا ہے ” هو حصول التصور او التصور العاصی فی الذہن کیونکہ ان کے نزدیک اس

معدوم سے علم کا تعلق نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے اس معدوم کی صورت کو علم کے لیے واسطہ بنایا کہ اولاً وہ صورت ماضی ہوگی پھر اس صورت کے واسطہ سے معدوم کا علم حاصل ہوگا ۔

**قول دوم ماتریدیہ** | ان حضرات کے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے کہ ” العلم صفة مؤدعة فی القلب تنكشف بها الأمور

كما لقوة الباصرة في العين والقوة السامعة في الأذن

**قول سوم** | علامہ عینی کے نزدیک علم کی تعریف یہ ہے ” العلم صفة من صفات النفس تعجب تصيرا لا يحتمل النقيض في الأمور

المعنوية لیکن جہور حضرات نے ماتریدیہ کی تعریف کو ترجیح دی ہے ۔

**علم کا شرعی معنی** - شرعاً علم کی تعریف یہ ہے ” هو نور في قلب المؤمن مقبوس

من نور النور من الاقوال المحمدية والافعال الاحمدية والاحوال  
المحمودية يهتدى به الى الله تعالى وصفاته واثاماته واحكامه  
وانوار المأمور

## الْبَحْثُ الثَّانِي - اقسام علم

یہاں کتاب العلم کا جو عنوان قائم کیا گیا ہے اس علم سے مراد علم دین ہے جو شریعت کی  
نظر میں بنیادی اور ضروری حیثیت رکھتا ہے۔ علم دین جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ پر مشتمل  
ہے اس کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ اول کسبی - جو کسی بشر کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ دوم لذتی یا علم ربانی : جو بغیر واسطہ بشر حاصل ہوتا ہے وہ علم جو بواسطہ بشر حاصل  
ہو اس کی دو صورتیں ہیں :-

۱۔ صورت اول : کہ وہ علم بواسطہ وحی حاصل ہو تو اس کو علم نبوت کہا جاتا ہے۔  
جو انبیاء کرام کے ساتھ خاص ہے۔

۲۔ صورت دوم : وہ علم بصورت انوار الہام فی القلب یا قرأت سے حاصل ہوتا  
ہے جو نبی و ولی و دوز کے لیے عام ہے۔ ”کما کان للخصر علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ  
”وَعَلَّمَكُم مِّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا“ (پاک کتب) پھر کسی علم دو قسم ہے :-

۱۔ اول از قبیل مبادی : جس پر علم دین کی معرفت موقوف ہے مثلاً لغت، نحو، صرف  
بلاغت وغیرہ۔

۲۔ دوم از قبیل مقاصد : جن کے سوا اللہ و رسول کی اطاعت ممکن نہیں یعنی وہ علوم جو عقائد  
و احکام سے متعلق ہیں اور اسی کو علوم شرعیہ کہا جاتا ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ - تحصیل علم کا حکم

بلوغ کے بعد جن امور کا انسان مکلف ہے ان کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے تقلید سے

ہو یا دلیل سے مشکا تو حیدر، رسالت، نماز اور صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ اور رمضان میں روزہ اور تاجر ہو تو بیع و شراہ کے احکام و مسائل، اور شادی کرے تو حیض و نفاس اور طلاق و نکاح کے مسائل، علیٰ ہذا معاصی کا علم تاکہ ان سے اجتناب کرے۔ یہ سب چیزیں فرض عین ہیں اور اس مقدار سے زائد بہتر علیٰ حاصل کرنا محض فرض کفایہ ہے۔

یَقُولُ الْبَوَالِ سَعَادُ : وہ علوم جن کا تعلق از قبیل مقاصد ہے ان کا ایک قسم جس کو علم باطن یا علم مکاشفہ بھی کہتے ہیں۔ علم باطن یا علم مکاشفہ دراصل وہ نور ہے جو علم ظاہر پر عمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے جس کی روشنی سے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت پیدا ہوتی ہے اور اسی کو علم وراثت بھی کہتے ہیں جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : **مَنْ تَعَمَّلَ بِمَا عَلَّمَهُ وَرَكَهُ اللَّهُ مَالَهُ يَعْلَمُ** جو شخص علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس چیز کا علم نصیب کرتا ہے جو نہ جانا جاتا ہے اور نہ پڑھا جاتا ہے۔ بہر حال یہ دونوں علم لازم و ملزوم ہیں۔

## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ سے لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوا عَنِّي  
وَلَوْ آيَةً :

قَوْلُهُ بَلِّغُوا : نَعْلَمُ بَلِّغُوا کا معنی کُلِّمَا أَخَذْتُ مُؤَمَّهٌ مخدوت ہے یعنی جو کچھ تم نے مجھ سے حاصل کیا دوسروں کو پہنچا دو۔  
قَوْلُهُ وَلَوْ آيَةً : آیت خبر ہے کَانَ مخدوف کی کَانَ اور اس کا اسم مخدوف ہے تقدیر عبارت یوں ہے **وَلَوْ كَانُ الْمُبَلِّغُ آيَةً**۔

حدیث تو مراد نہیں ہو سکتی اس لیے کہ آیت کا  
اطلاق حدیث پر نہیں ہوتا آیت سے کتاب اللہ

## آیت سے کیا مراد ہے؟

مراد لینا بھی بعید ہے اس لیے کہ اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ سننے لے لی ہے۔ اسی لیے نبی کریم  
علیہ السلام کو یہ حکم دیا جا رہا ہے ”لَا تُحَدِّثْكَ بِهِ لِسَانُكَ لِتُحْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ  
وَقُرْآنَهُ رَبُّكَ أَفْصَحُ“ وفي مقام آخر ”إِنَّا نَحْنُ مُزَالِمُكُمْ وَإِنَّا لَكُلِّكُمْ فَطُونٌ۔  
رَبِّكَ حَكِيمٌ) تو پھر اس سے کیا مراد ہے اس میں دو قول ہیں۔

ابن العرب کے نزدیک آیت سے مراد وہ احادیث ہیں جو بظاہر تو چھوٹی چھوٹی  
ہیں لیکن انادات کے اعتبار سے علوم و معارف کے بحر بیسکراں اپنے  
اندر سموئے ہوئے ہیں جیسے ایک چھوٹی سی حدیث ہے ”مَنْ حَمَلَتْ نَجًّا“ اب اس جملہ  
وَلَوْ كَانَ آيَةً كَانَتْ مَطْلَبِہَا کہ اگر تم میری کسی ایسی حدیث کو پاؤ جو جملہ کے اعتبار سے یا الفاظ  
کے اعتبار سے بہت چھوٹی اور مختصر ہو مگر دوسروں تک ضرور پہنچاؤ۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین  
حضرات نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا اصل علم کو پھیلانے اور دوسروں کو علم کی روشنائی  
سے متور کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔

سوال۔ آیت کا اطلاق حدیث پاک پر کیوں کیا گیا ہے؟

جواب : یہ ہے کہ قرآن کریم کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے لینے کے بعد جب  
اس کی تبلیغ کی تاکید کی گئی ”يَا أَيُّهَا الْمَرْسُوفُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
رَبِّكَ مَا بُدِّئَ)

تو حدیث کی تبلیغ بطریق اولیٰ ضروری ہوگی جس کی ذمہ داری خود نہ لے کر اُمت کے حوالہ کر دی۔

عند البعض آیت سے اصطلاحی آیت مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی

علامت۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے اشارة کوئی بات کہی اسے بھی

دوسروں تک پہنچاؤ۔

قوله حَدِّثُوا عَنْ آبَائِكُمْ إِسْرَافِيلَ وَلَا حَرَجَ۔ اِی بَلِّغُوا عَنْ مَنِّیْ  
اسراہیل النصوص والآیات النصبیة وَلَا اِثْرَ عَلَیْہِ۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے  
کہ اگر تم بنی اسرائیل سے کوئی نصیحت سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو بیان کر سکتے ہو

اس لیے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کرنا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرنا مگر ان کے احکام وغیرہ کو نقل نہ کیا جائے کیونکہ شریعت محمدی کا نفاذ ہو چکا ہے بس اس کی اشاعت کر دے۔

سوال۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ ج ۱ باب الاعتصام فصل ثالث حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے تورات کی باتیں آپ کے سامنے بیان کیں تو آپ کو سخت ناگوار گزریں جب کہ اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

جواب اول۔ حدیث الباب میں حکایات و نصوص (کحکایہ عوج بن علق) بطور عبرت نقل کرنے کا حکم ہے جبکہ پہلی حدیث میں ان کی کتابوں کے احکام نقل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ فَلَا تَقْرَءُوا۔

مشرع اسلام میں ثنائیت تھی جب اسلام صحابہ کرام کے دلوں میں راسخ ہو گیا تو شریعت کی حدود و قیود متعین ہو گئیں۔ اور صحابہ کرامؓ کو یہ بھی علم ہو گیا کہ بنی اسرائیل نے اپنے دین و اپنی کتب میں تغیر و تبدل کر دیا ہے تو اب صرف قصص و حکایات کو نقل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ جب کہ انہیں عبرت و تذکیر کی نیت سے نقل کیا جائے۔

قوله مَنْ كَذَّبَ بَعْدِي مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدًا مِنَ الشَّارِبِ۔  
ای فلیتخذ منزلہ من الشارب یہ امر "فلیتَّبِعُوا" بمعنی خبر ہے۔

یقول ابوالاسعاد: پہلے جملہ میں تبلیغ حدیث کی تاکید کی گئی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص جو شش خطابت میں آکر غلط روایت کرنا شروع کر دے اس لیے بعد میں آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تاکہ حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ عمدۃ نقل الشرح بن حسین نورپشتی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی مانند اور کوئی حدیث نہیں دیکھی تقریباً ستر صحابہ کرامؓ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں انہوں نے روایت کی ہے۔



## حدیث پاک کا شانِ درُود

حَدَّثَنَا أَبُو أُمَيَّةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِي قَالَ سُرِيدَةُ كَانَ  
عَمِّي مِّنْ بَنِي نِيْثٍ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ عَلَى مِثْلَيْنِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ  
حُطِبَ امْرَأَةٌ مِنْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَبَا أَنْ يَزْوَجُوهَا فَجَاءَ لَهُمْ  
وَعَلَيْهِ حَدٌّ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَانِي  
هَذِهِ الْحُلَّةَ أَمَرَنِي أَنْ أَحْكُمَ فِي دِمَائِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ بِمَا أَرَى وَأَنْطَلِقُ  
فَتَزَوَّجَ عَلَى الْمَرْأَةِ فَأَرْسَلَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ، ثُمَّ أَرْسَلَ رَسُولًا وَقَالَ إِنَّكَ أَنْتَ وَجَدْتَهُ حَيًّا  
فَأَضْرِبْ عُنُقَهُ وَذَارِكُ تَجْدَاءَ حَيًّا وَإِنْ وَجَدْتَهُ مَيِّتًا فَحَرِّقْهُ  
بِالنَّارِ فَجَاءَهُ فَوَجَدَهُ قَدْ لُدَّ غَتَهُ أَفْعَى فَمَاتَ فَحَرِّقْهُ بِالنَّارِ فَذَكَرَ  
قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَمَتِّدًا  
فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ" رُشِكْلُ الْأَثَارِ ۱۵۱۳ ج ۱ باب بيان مُشْكِلِ مَا  
رَوَى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَمَتِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا  
مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

ترجمہ : ہمیں ابو اُمیہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہمیں زکریا بن عدی نے بیان کیا  
کہ حضرت سُریدہؓ نے فرمایا بنی نِیث کا ایک قبیلہ مدینہ سے داخل دور رہتا تھا۔ ایک آدمی نے  
جاہلیت کے زمانہ میں ان کی کسی عورت سے خطبہ کیا پھر قبیلہ والوں نے اس عورت کے  
ساتھ اس آدمی کے نکاح کا انکار کر دیا۔ پھر وہ ان کے پاس اس حالت میں آیا کہ اس  
کے اوپر خاص قسم کی پوشاک تھی کہنے لگا یہ لباس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنایا ہے  
مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے خونوں اور مالوں کے بارے میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کروں  
اور جا کر اس عورت کے پاس آ کر پڑا۔ پھر قبیلہ والوں نے نبی علیہ السلام کی طرف ایک  
آدمی کو بھیج دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے پھر آپؐ

نے ایک قاصد بھیجا اور فرمایا اگر تو اس کو زندہ پائے تو اس کی گردن کاٹ دے اور میں تجھے ایسے زندہ کر دوں گا کہ تو اسے زندہ چھوڑ دے اور اگر تو اس کو مردہ پائے تو پھر اس کو آگ سے جلا دینا۔ پھر وہ قاصد اس کے پاس آیا اور اس کو سیاہ سانپ کا کاٹا ہوا پایا کہ وہ مر چکا تھا پھر اس کو آگ کے ساتھ جلا دیا تو یہ قاصد اسی ہے رسول اللہ کے فرمان کا۔ جو آدمی میرے اوپر عمداً جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنائے (مشکل الآثار ص ۱۱) یہ باب اس مشکل کے بیان میں ہے جو نبی علیہ السلام سے منقول ہے۔  
 مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا قَلَيْتُ بِتَوَّاعٍ مُّقْتَصِدٍ لَا مِنْ الشَّارِدِ

اس وضع حدیث پر وعید بیان کی گئی ہے۔ وضع حدیث کا کیا معنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی بات کی نسبت کی جائے جو آپ نے بیان نہ فرمائی ہو، وضع حدیث کے متعلق علماء کے تین مذہب ہیں  
 مذہب اول۔ امام الحرمین کے والد ابو محمد جو نبی نے وضع حدیث کو کفر قرار دیا۔  
 مذہب دوم۔ جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک وضع حدیث اگر جائز سمجھ کر نہ کرے تو کفر نہیں البتہ بہت بڑا گناہ کا کام ہے۔

مذہب سوم۔ بعض مؤلفیاء کی رائے یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کے لیے وضع حدیث جائز ہے اور احکام میں ناجائز ہے۔ یہ لوگ ترغیب و ترہیب کے لیے یا اس کے جو ان پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں:-

دلیل اول۔ یہ ہے کہ حدیث پاک میں عَلَيَّ کا لفظ استعمال ہے۔ ”مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ“ اور عَلَيَّ ضرر کے لیے آتا ہے مطلب یہ ہوا کہ ایسی وضع حدیث ناجائز ہے جس سے میرے دین کا ضرر ہوتا ہو۔ جب کہ ترغیب و ترہیب میں حدیث وضع کرنے سے دین کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ نائدہ ہوتا ہے کہ لوگ اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

جواب۔ یہ استدلال ان کا جہالت پر مبنی ہے کیونکہ عَلَيَّ کا استعمال جہاں ضرر کے لیے ہوتا ہے وہاں استغلاء کے لیے بھی ہوتا ہے اگر آپ ضرر کے لیے بناتے ہیں تو فرق ثانی استغلاء کے لیے بھی بنا سکتا ہے۔ ماحو جو ابکو فہو جو ابنا۔ تو مواقع کی مناسبت سے معنی کیا جاتا ہے۔ لہذا کذاب کا سد جب عَلَيَّ آتا ہے تو اس کا مطلب وہ نہیں جو ان لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی کی طرف

ایسی بات منسوب کرنا جو اس نے نہ کہی ہو اور حدیث کی مُراد بھی یہی ہے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں "لِيُضِلَّ بِهِ"

النَّاسَ (حاشیہ مُلم شریف مشحاج ابانہ النہی عَنِ الْعِدِّیْثِ)

بَلَّغَ مَا سَمِعَ) اس قید سے معلوم ہوا کہ وضع حدیث پر (عید) اس وقت ہے جب کہ اس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو حالانکہ ترغیب و ترہیب میں وضع حدیث لوگوں کو گمراہ کرنا نہیں بلکہ دین پر لگانے کے لیے ہے۔

## جواب اول

لِيُضِلَّ کی قید احترازی نہیں بلکہ واقعی اور اتفاقی ہے یہ قید

مزید قباحت بیان کرنے کے لیے لگادی گئی ہے۔ یہ مطلب

نہیں کہ اگر گمراہ کرنا مقصد نہ ہو تو وضع حدیث جائز ہے۔ یہ قید ایسی ہے جیسے قرآن پاک میں ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ كَوَيْحِشٍ عَاطِلٍ رِيطَ الْإِسْلَامِ"

یہاں وحشیہ اطلاق کی قید لگا کر یہ بتانا مقصود نہیں کہ اگر انلاکس کا دُور نہ ہو تو قتل اولاد منہی عنہ میں نہیں ہے حالانکہ قتل اولاد تو اس قید کے بغیر بھی برا ہے اصلاً یہ قید لگا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر قتل اولاد کا سبب وحشیہ اطلاق ہو تو اس فعل کی قباحت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ایسے ہی اس حدیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وضع حدیث ویسے بھی برا کام ہے لیکن جب اس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو تو اس کی قباحت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ ہے کہ لِيُضِلَّ میں لام کی کی نہیں بلکہ یہ لام عاقبت کی ہے

جیسے قرآن مقدس کی اس آیت میں ہے "فَالْتَقَطْنَا آلَ"

## جواب دوم

فِرْعَوْنَ لِيَسْكَوُنَ لَهُمْ عَذَابِي وَحَرْنَا رِيطَ قِصَصِ)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے سے فرعونوں کی عرض یہ تھی کہ وہ ان کے لیے دشمن ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اٹھانے کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا۔ ایسے ہی اس حدیث میں لِيُضِلَّ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص وضع حدیث کرے جس کا انجام و نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اس کی وجہ سے گمراہ ہوں گے ایسا شخص اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

يَقُولُ ابُو لَاسَعَادٍ جَوَابًا : لِيُضِلَّ النَّاسَ (والی زیادتی غیر صیح ہے۔ حافظ

ابن حجر دَعَا بَدْرُ الدِّينِ عَيْنِي، اور امام طحاوی سب نے اس زیادتی کو غلط کہا ہے۔ چنانچہ

عسکرم نووی شارح مسلم فرماتے ہیں :-  
 قوله يُضِلُّ النَّاسَ زِيَادَةً بِأُطْنِهِ اتَّفَقَ الْمُحَافِظُونَ عَلَى إِطْلَاقِهَا  
 وَأَنَّهَا لَا تَعْرِفُ صَحِيحَةً (مشح)

ترجمہ : حضرت سمرہ ابن جندب  
 اور منیرہ ابن شعبہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میری طرف ایسی بات  
 نقل کرے جسے تھوڑا جانتا ہے تو وہ  
 جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ  
 وَالْمُنِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ عَنِّي  
 بِحَدِيثٍ يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ  
 فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ :

قوله يَرَى أَنَّهُ كَذِبٌ : لفظ بڑی کو دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے۔  
 اول معروف : بڑی اگر معروف پڑھا جائے تو حدیث موضوع کے نقل کرنے کی مذمت  
 اس وقت ہوگی جب اس کے موضوع ہونے کا یقین ہو۔  
 دوم مجہول : بڑی اگر مجہول پڑھا جائے تو یہ یُظَنُّ کے معنی میں ہوگا اب موضوع  
 حدیث کو نقل کرنے کی مذمت اس وقت بھی ہوگی جب کہ اس کے موضوع ہونے کا ظن (غائب)  
 ہو۔ لیکن مشہور طریق مجہول ہے۔

قوله أَحَدُ الْكَاذِبِينَ : قال الطَّبِيعِيُّ قَوْلُهُ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ  
 مِنْ بَابِ قَوْلِهِمْ اقْلَعُوا أَحَدَ الْقُلُوبِ مَنَيْنَ وَالْمَخَالِ أَحَدَ الْإِبْوِينَ : لفظ کاذبین  
 کو بھی دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے تشبیہ اور جمع اگر تشبیہ ہو (کاذبین) تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص  
 دو جھوٹوں میں سے ایک ہے یا جھوٹا حدیث وضع کرنے والا اور دوسرا اس کو روایت  
 کرنے والا، اور اگر جمع ہو (کاذبین) تو مطلب ہوگا کہ یہ شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے  
 اور یہی مشہور ہے۔

يقول ابوالاسود خُلاصَةً : بعض گفته اند کہ : احتمال کذب و شک و مشبہ

روایت نیز درنا باشد و صواب آنست کہ مجرد احتمال ترک نماز کرد و تفصیل این است کہ اگر ظن غالب در جانب صدق باشد جائز است و اگر در جانب کذب بود ناجائز در صورت شک جواز و عدم جواز ہر دو برابر (کما فی الاشعۃ)

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُكْرِدِ اللَّهَ  
بِهِ خَيْرًا يُفْقَهُ فِي الدِّينِ  
وَأَنَا فَأَسْمُوهُ وَاللَّهُ  
يُعْطِي

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جس کا  
بھلا چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا  
ہیں یا مٹنے والا ہوں اللہ دیتا ہے۔

قوله خَيْرًا : یہاں خیر کی تین تفہیم اور تفہیم کے لیے ہے ای خیر

کثیراً۔  
قوله يُفْقَهُ فِي الدِّينِ : فقہ کی اصطلاحی تعریف کیلئے۔ چنانچہ علامہ فضل اللہ  
بن حسین توریشی فرماتے ہیں کہ "الفقہ هو التوصل من علم شاهد الى علم  
غائب" ایسا ملک جس کے ذریعہ انسان قرآن و حدیث سے ایسے نکات نکالے کہ اس کا دل  
روشن ہو جائے اور کسی قسم کا شک باقی نہ رہے لیکن حدیث ہذا میں فقہ سے اصطلاحی فقہ  
مراد نہیں بلکہ اس سے احکام شرعیہ و الحقیقہ و الطریقہ یعنی پورے دین کی سمجھ مراد ہے۔ کما  
فی قولہ تعالیٰ "مَنْ قُوَّتْ الْحُكْمَةُ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" (ب بقرة)  
یاجیسا کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں "الفقیہ الزاہد فی الدُّنْيَا التَّزَاوُجُ فِي الْأَخْبَرِ

البصیر فی امر دینہ المداوم علی عبادۃ ربہ (مفسر)  
سوال۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں اسے  
تفقہ فی الدین عطا فرما دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ خیریت فقہاء میں بند ہے حالانکہ فقہ فی الدین  
کے علاوہ بھی بہت سے امور خیر لیے ہیں جو غیر فقہاء میں بھی پائے جاتے ہیں جیسے ایک بندہ کافر  
مسلمان ہوا تو ظہر کا وقت تھا اس نے نماز ظہر ادا کی اور تراویح ملک بقاء ہوا تو

اس کے لیے بھی خیر ہے کیونکہ اسے گناہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

**جواب اول :** حَبِّئَا پر تنوین تشکیک کے لیے نہیں بلکہ تعظیم کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جس کو خیر عظیم دینا چاہتے ہیں اس کو تفقہ فی الدین کی صفت عطا فرما دیتے ہیں۔

**جواب دوم :** بعض محدثین حضرات یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ یہاں مبالغہ فقہ کی بہ نسبت غیر فقہ سے ارادہ خیر کی نفی کی گئی ہے۔  
**جواب سوم :** یہاں تنوین تشکیک کے لیے ہے لیکن یہ کلام تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کے قبیل سے ہے۔

## تشریح تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم

بلاغت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ایک چیز میں اس کے حسنات عالیہ اور صفات کمالیہ موجود نہیں ہیں اگر نہیں بھی تو وہ حد درجہ ناقص ہیں تو ایسی چیز کے ناقص اوصاف کو بمنزلۃ معدوم یعنی نہ ہونے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور اسی کو تنزیل ناقص بمنزلۃ المعدوم کہتے ہیں۔ کلام عرب میں یا حدیث پاک میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں ”لَا تَحْزَنُ الرَّعْبِيُّ وَلَا تَسْتَفْتِ الرَّقْءُ دُؤَالْفَقَّارِ“ گویا دیگر جوانوں کی طاقت اور قوت حضرت علیؑ کے مقابلہ میں ناقص ہے اس لیے اس کو معدوم سمجھا گیا۔ اسی طرح اور بھی تلواریں ہیں مگر اتنی تیز نہیں جتنی دُؤَالْفَقَّارِ ہے۔ اس لیے بقیہ کو معدوم سمجھا گیا۔ ”لَا مَسْلُوَةَ لِحَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ“ اب جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ اگرچہ غیر فقہاء کے پاس بھی خیر ہے تو وہ خیر فقہاء کے مقابلہ میں اتنی ناقص ہے کہ گویا کا معدوم ہے۔

قَوْلُهُ وَإِنَّمَا آتَاكَ سَيِّئًا وَاللَّهُ يُعْطِي - قَائِمٌ بَانِئٌ دَائِمٌ اور مُعْطٍ عرف میں مالک کو کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں یعنی نعمت اپنے خداوند ہی میرے ذریعہ سے بندوں کو ملتی ہیں۔

## رابطہ مابین الجملتین

اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي كے مابین ربط کیا ہے  
تو اس ربط کو ایک سوال کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال ۱ :- ہے کہ نبی کریم علیہم السلام کی تعلیم تو تمام صحابہ کرام کے لیے برابر تھی یعنی سب کو برابر علم سکھاتے تھے اس کے باوجود تقاضا ہوتا ہے کہ سب یکساں نہیں کوئی تفریق ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔

**جواب :-** تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں تو صرف قاسم ہوں معنی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کے متعلق خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اُسے تقاضا ہوتا ہے فی الدین عطا فرما دیتے ہیں۔ مگر ہر ایک اپنی اپنی استعداد کے مطابق تقبیہ ہوتا ہے۔

یقول شیخ جاجروی رحمہ القوی : بعض لوگ "اَنَا قَاسِمٌ" سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو سب اختیارات ہیں جس کو وہ چاہیں اور جو چاہیں دے سکتے ہیں کیونکہ خود آپ اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہیں "اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي" کما قالہ السیریلویسیہ "ع  
دویندا خدا ہے دؤ دیندے محمدؐ

اور حدیث باب میں لفظ رزق مفہوم کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے روزی رساں ہیں لیکن علماء اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ساری مخلوقات کی روزی رساں ربّ ذو الجلال کی ذات پاک ہے۔

اَللّٰهُ يَكْسِطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ رُكْنًا مِنْ رُكْنَيْهِ  
تَحْنُ قَسْمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ  
فَوْقَ بَعْضٍ رُّبًّا وَفُخْرًا

یہاں مصرعے کہ ہم ہی تقسیم کرتے ہیں نہ کہ کوئی اور ذات - جہاں تک اس فرقہ کا لفظ رزق مفہوم کرنا ہے یہ سراسر دجل و فریب ہے۔ بلکہ دؤ دجہ سے حدیث پاک کے ظاہر کے بھی خلاف ہے۔ اولاً حدیث پاک کا سیاق صاف بتا رہا ہے کہ یہاں قاسم سے مراد صرف علوم وحی کا تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ اس سے پہلے بات بھی علم کی چل رہی ہے۔  
"مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفْقِدْهُ فِي الدُّنْيَا" چنانچہ سب شارحین نے بھی

تشریح کی ہے کہ اس سے علوم تقسیم کرنے والا مراد ہے۔  
 ثانیاً: امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو باب العلم میں ذکر فرمایا ہے اگر تقسیم سے  
 تقسیم رزق مراد ہوتا تو رزق کی بحث میں ذکر فرماتے۔

سوال۔ اگر حدیث مذکورہ کا تعلق رزق سے نہیں بلکہ تقسیم علم سے ہے تو بعض  
 محدثین نے حدیث مذکورہ کو کتاب الغنائم اور کتاب الزکوٰۃ میں کیوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ  
 غنائم اور زکوٰۃ کا تعلق بھی تو رزق سے ہے دیکھا فی صحیحہ المسلمین ج ۲۲ کتاب  
 الزکوٰۃ باب انہی عن المسئلة بروایت حضرت عبدالرحمن بن عوف  
 مشکوٰۃ شریف ج ۲ باب رزق المولاة و هذا یا ہور بروایت حضرت ابوہریرہ  
 جواب: مال کے ساتھ جن محدثین نے اس کا تعلق لگایا ہے تو ان کے  
 نزدیک بھی تقسیم ماتحت الاسباب ہے مافوق الاسباب کسی محدث کے ہاں نہیں ہے  
 اس لیے کہ منافقین تقسیم مال کے وقت اعتراض کرتے تھے کہ کسی کو زیادہ کسی کو کم یہ  
 صحیح نہیں ہے تو آپ نے ان کی تردید فرمائی چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی روایت کے الفاظ  
 ہیں: مَا اعطیکم ولا امنکم وانا قاسمواضع حیث امرت

## اسمائے رجال

آپ کا نام شریف معاویہ ابن ابوسفیان ابن حرب ابن  
 امیہ ابن عبد الشمس ابن عبد شمس ہے۔ آپ باپجوئیں  
 پشت یعنی عبد المنان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ آپ کی والدہ ہند بنت عتبہ  
 ابن ربیعہ ابن عبد الشمس ابن عبد شمس ہیں۔ آپ صلح حدیبیہ کے سال اسلام لانے کو فتح مکہ کے  
 دن اسلام ظاہر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے میں اور کاتب وحی ہیں، عہدہ نازوقی میں شام کے حاکم  
 بنے چالیس سال وہاں کے ہی حاکم رہے۔ ام حسن ابن علی رضی اللہ عنہا نے آپ کے حق میں خلافت سے  
 دست برداری فرما کر صلح فرمائی۔ آپ کی وفات ۴۰ رجب المرجب ۳۵ھ میں لقمہ کی بیماری سے ہوئی  
 ۶۷ سال عمر شریف پائی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں کہا کرتے تھے کاش کہ میں وادی ذی کھوی میں



وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ النَّاسُ مَعَادِي كَمَعَادِنِ  
 الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خَيْرٌ رَهُمْ  
 فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيْرٌ رَهُمْ  
 فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَمَهُوا -

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے کہ لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح  
 مختلف کانیں ہیں۔ جو کفر میں اعلیٰ تھے وہ  
 اسلام میں بھی اعلیٰ ہیں جب کہ عالم بن  
 جائیں۔

فائدہ : حدیث باب کی دو جز میں ہیں ہر ایک کی علیحدہ تشریح ہوگی۔  
 جُزْءُ اَوَّلٌ : "النَّاسُ مَعَادِي كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ" جز اول کا  
 مطلب یہ ہے کہ جس طرح کان میں جواہر اور خزان ہوتے ہیں ایسے ہی حق تعالیٰ نے انسانی طبائع  
 میں بھی مختلف قسم کے جواہر اور خوبیاں رکھی ہیں پھر جس طرح مختلف کانوں میں مختلف نوعیت کے  
 خزان ہوتے ہیں کسی میں سونا، کسی میں چاندی کسی میں کوئی اور چیز ایسے ہی مختلف انسانوں میں  
 مختلف خوبیاں ہوتی ہیں کسی میں کوئی خوبی، کسی میں کوئی خوبی۔

کہ لوگ مکارم اخلاق میں مختلف استعدادیں رکھتے  
 ہیں جیسے کانیں مختلف ہوتی ہیں کوئی لعل و زرد کی  
 کوئی عطار و نقرہ کی، اسی طرح انسان میں حیثیت المادہ سب برابر ہیں مگر استعداد کے تفاوت  
 کی بناء پر ان کے مراتب میں تفاوت ہوتا ہے کوئی عالم فقیہ ہوتا ہے اور کوئی جاہل رہتا،

قریش کا ایک آدمی ہوتا اور یہ حکومت وغیرہ کچھ نہ جانتا۔ ان سے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر، قمیص اور  
 ازار لکھے ہوئے مبارک اور ناخن مبارک موجود تھے۔ انہوں نے وجہ پوچھی تھی کہ مجھے آپ کی قمیص ازار اور  
 چادر مبارک میں کفن دیا جائے اور میری ناک اور زبان ان اعضاء میرے جن سے سجدہ کیا جاتا ہے آنحضرتؐ  
 کے بال مبارک اور ناخن مبارک بھر دیے جائیں اور مجھے ارحم الراحمین کے واسطے تنہا چھوڑ دیا جائے وہ میرے  
 ساتھ جو معاملہ مناسب سمجھیں گے کریں گے۔

کوئی مکارم اخلاق کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور کوئی رذیل اخلاق کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔  
**سوال :** دوسرے جواہرات کو چھوڑ کر صرف سونا و چاندی کے ساتھ انسان کو تشبیہ دی ہے اس میں کیا حکمت ہے ؟ حالانکہ مشبہ بہ اور بھی بہت ہیں۔

**جواب اول :-** سونا و چاندی کو بار بار آگ میں ڈال کر نکھارا جاتا ہے بخلاف دوسرے معادن کے کہ ان کو آگ میں نہیں ڈالا جاتا۔ علیٰ ہذا انسان کو بھی مجاہدہ و ریاضت کی بھٹی میں بار بار ڈالا جاتا ہے کہ ایک عبادت سے فارغ ہو کر دوسری عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

**جواب دوم :** جیسے سونے و چاندی کی صفائی بھٹی میں ڈالنے سے بڑھتی ہے ایسے ہی عبادت و ریاضت کی زیادتی سے انسان کی صفائی باطن بھی ترقی کرتی ہے۔  
**جواب سوم :** سونا و چاندی اکثر باقی دھاتوں سے زیادہ قیمتی ہے اور انسان بھی باقی حیوانات سے زیادہ قیمتی ہے۔

يَقُولُ الْبَوَالِيسَادُ جَوَائِبًا : اَلَّذِي هَبُّ وَالْفَضْلَةُ مَحَلَّةٌ لَتَوْقِيعِ السُّلْطَانِ فَكَيْذَ اَلْكَلْبِ الْمُؤْمِنِ مَحَلَّةٌ تَوْقِيعِ الرَّحْمَنِ « قَالَ اَللّٰهُ تَعَالٰى كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَلْاِيْمَانَ رَبِّعٌ مِنْ مُّجَادِلِهِ »

**جزء دوم :** خِيَارُ هُوَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُ هُوَ فِي الْاِسْلَامِ -

محدثین حضرات نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں :-  
 اول یہ کہ جو لوگ ایمان لانے سے پہلے حالت کفر میں بہترین خصائص و عادات کے مالک تھے مثلاً سخاوت، شجاعت، دیانت داری، محبت وغیرہ وہ اسلام لانے کے بعد بھی ان صفات کی بنا پر بہترین قرار دیے گئے ہیں۔

جو فطری جواہر کے اعتبار سے جاہلیت میں

الفضل تھا وہ اسلام لانے کے بعد بھی افضل

**خلاصہ جملہ ثانیہ**

ہے گا البتہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دین کی فہم پیدا کرے وگرنہ ہو سکتا ہے کہ جو مفضول تھا وہ دین کی فہم پیدا کر کے افضل بن جائے۔ اور افضل دین سے دوری کی وجہ سے مفضول بن جائے اس کو کہا گیا ہے اِذَا فَهَمُوا۔

دوم : دومرا مطلب یہ ہے کہ جو جاہلیت میں مردار تھا اسلام میں بھی اس کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ بشرطیکہ دینی علوم حاصل کر لے۔ وَلَنْتَقَرَّ مَا قَبِلَ ۝

الْعَلَمُ يَهْدِي بِالْخَيْسِ إِلَى الْفَلِی وَالْجَهْلُ يَقْلُدُ بِالْفَقْرِ الْمَسْجُوبِ

سوال - اس حدیث پاک کے دونوں جملوں میں ہٹا ہر کوئی ربط نظر نہیں آتا کیونکہ پہلے جملہ میں "الْأَنَاسُ مَعَادِنُ" کا تذکرہ ہے جب کہ جملہ ثانی میں یہ کہا گیا کہ جو زمانہ جاہلیت میں خیار تھے وہ مستقبل میں بھی خیار ہیں بشرطیکہ دین کو سمجھیں۔

جواب - دونوں میں ربط ہے اور وہ ربط درجہ تشبیہ سے ہے یعنی ذہب اور فضہ میں کیفیت ربط یہ ہے کہ پہلے جملہ میں فرمایا کہ انسان استعداد کے لحاظ سے مختلف ہیں جس طرح معادن مختلف ہوتی ہیں۔ جب کہ جملہ ثانیہ میں بھی ذہب و فضہ کو مد نظر رکھا کہ دیکھو سونا اور چاندی جب تک کان میں پڑے رہتے ہیں تو پڑے رہنے کی وجہ سے اپنی اصلی حالت میں نہیں ہوتے مگر جب انہیں کان سے نکالا جاتا ہے اور بھٹی میں ڈال کر تپایا جاتا ہے تو وہ اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتے بلکہ ان کی آب و تاب میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی ظلمت میں چھپا رہتا ہے تو وہ کتنا ہی با اخلاق ہو اسے برتری حاصل نہیں ہوتی مگر جب اسلام کی دولت اسے نصیب ہو جائے تو اس کے اوصاف مذکورہ میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

قَوْلُهُ إِذَا أَفْقَهُوْا - فَمِنْهُ بَابٌ سَمِعَ بِمَعْنَى عَالِمٌ هُوَ نَا - اور فَقَدْ بَابٌ كَرَّمَ بِمَعْنَى فَخِرٌ هُوَ نَا دونوں صورتیں صحیح ہیں کیونکہ فقہاء امت کے لیے علمیت اور علمیت کے لیے فقہاءت لازم ہے۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي  
أَشْيَيْنِ رَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ مَالًا  
فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكْتِهِ فِي الْحَقِّ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کے سوا کسی میں  
رشک جائز نہیں۔ ایک شخص جسے اللہ  
مال دے تو اسے اچھی جگہ خرچ پر لگائے۔

قوله اشنین - یہ صفت ہے اس کا موصوف رَجُلٌ مُقْتَدِرٌ ہے بعض روایت میں (کَمَا فِي الْعَاشِيَةِ) اشنتین یا اثنتان کے لفظ ہیں پھر یہ صفت خصلتین یا خصلتان کی بنے گی۔

قوله رَجُلٌ - اس میں دو اعراب ہیں رَجُلٌ مرفوع ہو تو مبتداً محذوف کی خبر بنے گا۔ اِنِّیْ هُوَ رَجُلٌ غر مجرور پڑھیں تو اشنین سے بدل ہوگا۔  
قوله فَسَلَطَهُ - اِیْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَوْ دَلَّهٖ اللّٰهُ تَعَالٰی -  
قوله عَلٰی هَلَكَةٍ - اِیْ انْفَاكَ -

سوال - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلکتہ والی تعبیر کیوں اختیار فرمائی ؟  
یوں فرماتے "انفقتہ فی الحق فہلکتہ" کہنے میں کیا حکمت ہے ؟

جواب - فہلکتہ کی تعبیر ذکر کر کے مبالغہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ رجل مال کو جمع نہیں رہنے دیتا جو نہی آتا ہے طریق خیر میں خرچ کر ڈالتا ہے۔ اگر انفقتہ کی تعبیر ہوتی تو اشارہ ہوتا کہ خرچ تو کیا مگر بعض مال جیسا کہ ہلکت سے مکمل مال ہلاک کیا۔ اس وجہ سے یہ ان کی تعبیر اختیار کی۔

قوله فی الحق - اس قید سے اعراض مقصود ہے اسراف سے۔ کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ مال خرچ کرنے کا مصروف صحیح ہو۔

قوله ان حکمتہ - حکمت یہ علم صحیح، عمل صالح، قول صادق، عقل سلیم، تفہم فی الدین، اصابت رأی، خشیتہ اللہ وغیرہم تقریباً تیسرے معنوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن بعض روایات میں بجائے حکمت کے لفظ قرآن آیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہاں فہم قرآن مراد ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی فہم عطا فرمائی، اور پھر وہ شخص اپنے معاملہ اور دوسروں کے معاملہ میں بھی اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے تو اس میں جہن باتیں جمع ہو گئیں۔

خلاصۃ الحدیث : یہ ہے کہ حد کرنا ہے تو ان دو قسم کے لوگوں پر کر دینی غنی اور عالم، ان کے علاوہ کسی پر حمد نہ کرو۔

سوال۔ یہ ہے کہ دوسری نصوص میں حسد کی مطلقاً مذمت کی گئی ہے۔ وَلَا تَحْسَدُوا وَلَا يَكْبَا غَضُوهَا الْعَدُوِّ رَابِعُ مَا جَاءَ شَرِيفُ مَجْلَدِ ۲۸ ج ۱ بَابُ الدُّعَاءِ بِالْعَفْوِ وَالْعَافِيَةِ۔ وَفِي مَقَامِ الْخَيْرِ۔

”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ“ رَابِعُ مَا جَاءَ شَرِيفُ مَجْلَدِ ۲۸ ج ۲ بَابُ الْحَسَدِ

جب کہ اس حدیث میں دو قسم کے لوگوں پر حسد کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ تو دونوں میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب اول: حسد یہاں اپنے معنی میں نہیں بلکہ اس سے مراد یہاں غبطہ اور اور رشک ہے۔ اب حسد اور غبطہ کی تشریح ہو جائے۔

حسد کی تعریف  
هُوَ تَمَنَّى زَوَالِ نِعْمَةِ الْغَيْرِ سِوَا مَا حَصَلَ لَهُ  
أَمْ لَا۔ حسد کہا جاتا ہے کہ کسی کی نعمت کے زوال کی تمنا کرتے ہوئے اپنے لیے حصول کی تمنا کرنا۔

غبطہ کی تعریف  
هُوَ تَمَنَّى زَوَالِهَا عَنْ الْغَيْرِ غَبْطَ كَيْفَ جَاءَ تَابَهُ كَيْ دَوَّسَ  
کی نعمت کی مانند نعمت حاصل ہونے کی تمنا کرنا اور اس کے زوال کی تمنا کرنا۔

اول بالاتفاق حرام ہے اور رأس الاثم ہے۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ پکڑی ہے۔ ”مَنْ شَبَّ حَاسِدًا إِذَا حَسَدَ“  
دوم جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن و مرغوب ہے۔ اب حدیث ہذا میں جو حسد کہا گیا اس سے غبطہ مراد ہے۔ چونکہ نفس حصول نعمت کی تمنا دونوں میں مشترک ہے اس لیے ایک کا اطلاق دوسرے پر جائز ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے بابُ الْإِعْتِبَاطِ کے تحت اس حدیث کو لا کر اشارہ کر دیا کہ حسد غبطہ کے معنی میں ہے۔

جواب دوم:  
یہ کہ حسد اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے لیکن یہ کلام علی سبیل الغرض و تقدیر کے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بالغرض حسد کرنا جائز

ہوتا تو ان دو پر جائز ہوتا لیکن فی الواقع یہ مشروع ہے۔ لہذا اب ان پر صدق کی اجازت نہیں آپ نے کہا کہ غبطہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن و مستحب ہے۔ حالانکہ علامہ

### سوال

تقاضی بیضاویؒ نے غبطہ کو ناجائز کہا ہے۔ بقولہ تعالیٰ  
 ”وَقَالَ الَّذِينَ يُبْرِئُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا كَيْتُ كُنَّا مِثْلَ مَا أُوتِيَ  
 قَارُونُ۔ رِبِّ الْعَصَصِ ح“

یہاں مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ سے غبطہ ہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس پر یہ آیت ہے  
 ”وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلْكُوْا“۔ اب اہل علم نے جو غبطہ کرنے  
 پر بھی وکیل کہا حق تعالیٰ نے انکار نہیں کیا۔ اور یہ بات خود حدیث پاک سے ثابت ہے  
 کہ لفظ وکیل ہلاکت اور تباہی کے لیے مستعمل ہے۔ ”کما فی واقعہ دلیل لا عقاب  
 مِنَ الْمَنَارِ“ معلوم ہوا کہ غبطہ بھی حسد کی طرح تباہی ہے۔

ہر غبطہ مستحسن و مستحب غبطہ نہیں بلکہ جو غبطہ مفضی الی الحمد ہو

### جواب

وہ بھی حسد کی طرح ناجائز ہے اور تقاضی بیضاویؒ کا بھی یہی  
 مقصد ہے کہ غبطہ مفضی الی الحمد ناجائز ہے ”کما فی واقعہ قارون“ لیکن جو مفضی الی الحمد  
 نہ ہو تو وہ مستحسن و مستحب ہے۔

سوال : غبطہ تو دوسری صفات میں بھی جائز ہے صرف ان دو کی تخصیص کیوں کی گئی؟

جواب : مبالغہ کے لیے تخصیص کی گئی کہ غبطہ تو ویسے ہر صفات محمودہ میں شائع  
 ہے لیکن خصوصاً یہ دو صفات غبطہ کے لائق ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ  
 انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ  
 ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ  
 أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو  
 ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب آدمی مر جائے  
 تو اس کے عمل بھی ختم ہو جاتے ہیں سوائے  
 تین اعمال کے ایک دائمی خیرات، یادہ  
 علم جس سے نفع پہنچتا رہے یادہ بچہ جو اس

صَالِحِ يَدُ عُوَانَةِ۔ | کے لیے دعا کے خیر کرتا ہے۔

قَوْلُهُ ثَلَاثَةٌ : تقدیر عبارت یوں ہے " اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اَعْمَالٍ يَا ثَلَاثَةَ اَشْيَاءِ ۔

## تقسیم اعمال

۱۰ اعمال صالحہ دو قسم ہیں :-

أَوَّلُ اَعْمَالٍ عَارِضِي - ایسے اعمال جن کا تعلق دنیوی زندگی سے ہوتا ہے ان اعمال کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ کیونکہ جب زندگی ختم ہو گئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء و سزا کا ترتیب بھی ختم ہو گیا۔

دَوِّمُ اَعْمَالٍ دَائِمِي - جن کے ثواب کا سلسلہ صرف زندگی میں ہی نہیں ملتا۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے جسے اعمال دائمیہ کہتے ہیں ایسے ہی اعمال کے بارہ میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

قَوْلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ جَارِيَةٍ - یہ ثَلَاثَةٌ سے بدل ہے پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے یعنی اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں زمین وقف کر گیا ہے یا کنواں دتالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی مخلوق خدا کے فائدہ کے لیے کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے تو اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

قَوْلُهُ اَوْ عَلِمُوْا يَنْتَفِعُ بِهِ : دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے دنات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور اپنے علوم و معارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لیے فائدہ مند اور رشد و ہدایت کا سبب بنی ہے۔ یا کسی ایسے شخص کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے۔

جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لیے سرمایہ سعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔  
**قوله** **أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ**۔ تیسری چیز اولاد صالح ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لیے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ صالح اولاد نہ صرف ماں باپ کے لیے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لیے وسیلہ نجات اور ذریعہ صلاح بھی بنتی ہے۔

**سوال**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **وَلَدٌ** فرمایا ابن کیوں نہیں فرمایا۔ حالانکہ ولد میں تعیم ہے جب کہ ابن میں تخصیص ہے۔

**جواب**۔ **وَلَدٌ** فرما کر تعیم کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور تعیم سے مراد تعیم وصفی ہے نہ کہ جنسی یعنی بیٹے بیٹیاں، مذکر، مؤنث سب کو شامل ہو جائے۔

**قوله** **صَالِحٍ** : **صَالِحٍ** کی قید لگا کر صالح کو ترغیب دی دعا کی۔ درناگر کوئی فاجر فاسق **وَلَدٌ** اپنے والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو وہ بھی مفید ہے۔

**قوله** **يَكُنْ عَوًّا**۔ اس طریق پر **يَكُنْ عَوًّا** کی قید بھی ترغیب ہے کہ والدین کے لیے انسان دعا کرتا رہے ورنہ اگر دعا نہ بھی کرے ثواب تو پھر بھی ملے گا۔

**يقول** **الابوالسعاد** : حدیث پاک میں ہے کہ جس آدمی سے والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک ناراض ہو کر فوت ہو جائے اور یہ ان کے لیے دعا مغفرت کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو فرما نبرد آڑوں میں کھ دیتے ہیں و مشکوٰۃ شریف ج ۲۲ کتاب الادب باب (ابن العبد)

**سوال**۔ یہ ہے کہ پہلے دونوں (صدر جاریہ و علم نافع) میں تو ظاہر ہے کہ ان کا عمل تھا اس لیے ثواب مل رہا ہے۔ مگر تیسرے (ولد صالح) کے بارے میں اشکال ہے کہ یہاں تو اس کا کوئی عمل نہیں ہے کہ ثواب ملتا رہے۔

**جواب**۔ سببیت کی بنا پر ولد کے عمل میں والدین کا دخل ہے جیسے حدیث پاک میں آتا ہے **”أَنْتَ وَمَا لَكَ لِإِبْنِكَ إِنَّ أَوْلَادَكَ كُنُوزٌ مِنْ كَسْبِكَ“**

و مشکوٰۃ شریف ج ۲۲ باب النفقات وحق المملوك



اس لیے دلہ صالح کو والدین کے عمل کا ثمرہ قرار دیا۔

**سوال۔** مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ ج ۲ کتاب الجہاد فصل ثانی میں حضرت نضالؓ کی روایت ہے ”کُلَّ قِتَابٍ يَخْتَلُو عَلَى عَمَلِهِ اَوْ اَلْمَوَاطِنِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَاَمْتَهُ يَذْمُوْنَهُ عَمَلُهُ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرحدی محافظ کے عمل کا ثواب بھی اس کی وفات کے بعد جاری رہے گا۔ اسی طرح مَنْ سَنَّ مَسْنَةً حَسَنَةً کے متعلق بھی یہی حکم ہے لہذا حصر علی الاطلاق باطل ہوا۔

**جواب اول۔** مَرَابِط کی اپنی زندگی والے عمل کا ثواب بڑھتا رہتا ہے دوسرے کے عمل سے بل کر اس کے ثواب میں اضافہ نہیں ہوتا اور حدیث باب میں ہے کہ دوسروں کے اعمال جو میت کی وفات کے بعد وجود میں آتے ہیں۔ تو سبب کی بناء پر میت کو بھی ان کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مَرَابِط کا اپنا عمل بڑھتا ہے اور یہاں دوسروں کے اعمال کا ثواب ملتا ہے۔

**جواب دوم۔** مَرَابِط کا عمل مسلمانوں کی نصرت ہے جو صدقہ جاریہ میں داخل ہے اسی طرح اجر کے مَنْ لَمْ يَسَنَّ مَسْنَةً حَسَنَةً علم نافع میں داخل ہے۔  
**جواب سوم۔** عند البعض ثلاثہ کا حصر اعمالی ہے تحقیق اور استغراق نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَنْ لَفَسَ عَنْ مُؤْمِنٍ  
كَرْبَةً مِّنْ كَرْبِ الدُّنْيَا  
لَفَسَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرْبَةً مِّنْ  
كَرْبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ :

**ترجمہ :** روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جو کسی مسلمان کو دنیوی تکلیف سے  
راہی دے تو اللہ اس سے روز قیامت  
کی مصیبت دور کرے گا۔

قَوْلُهُ لَفَسَ : بِاللَّشْدِيدِ يَتَقَبَّسُ سَعَى اِي حُدَّجْ زَائِل  
کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

قوله مؤمنین : یہ نکرہ ہے اس میں متقی و غیر متقی دونوں آجائیں گے۔  
چنانچہ بعض محدثین یہاں پر وَلَوْ كَانَتْ حَاسِبًا کی قید لگاتے ہیں۔

قوله كَرِبَةٌ - بضو الكاف اى الحزن اس کی تنوین تمقیر و تعلیل کے لیے ہے۔ اور ثانی کَرِبَةٌ کی تنوین تعظیم کے لیے ہے اسی کَرِبَةٌ عظیمہ اب سوال وارد نہ ہوگا۔ کہ قرآن مقدس میں تو ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرٌ امثالھا اپ - یہاں تو کَرِبَةٌ کے بدلہ ایک کَرِبَةٌ کا ازالہ ہے۔ تو جواب واضح ہے کہ پہلی کَرِبَةٌ سے مراد کَرِبَةٌ حقیرہ ہے اور کَرِبَةٌ ثانی یعنی آخرت والی کَرِبَةٌ سے مراد کَرِبَةٌ عظیمہ ہے تو عشر امثال کے بالکل برابر ہے۔ دراصل حدیث پاک کے یہ الفاظ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کی تفسیر ہیں کیونکہ اَلْخَلْقُ عِبَادُ اللّٰهِ۔

قوله وَمَنْ يَكْسِرْ عَلَى مُعْسِرٍ : اس کا معنی ہے اسی سَمَلٌ عَلَى فَعْسِرٍ مُّسَرٍّ - بفتح التین یعنی مُصِیبت زدہ - یہ عام ہے کیونکہ نکرہ لا بالکبیر اس میں مؤمن کافر سب برابر ہیں۔ اس لیے محدثین یہاں وَلَوْ كَانَتْ قَدْرًا کی قید بھی لگاتے ہیں اس طرح تیسرا عام ہے کہ فرض خواہ کچھ مہلت دیدے یا بالکل بُری کر دے۔

قوله وَمَنْ مَسَكَ مَسْلَمًا : ستر دو قسم ہے۔  
اول حتی : مثلاً کوئی آدمی اپنی ناداری و غفلت کی بناء پر لباس کی نعمت سے محروم ہے اور اتنا تنگدست ہے کہ اپنے ستر کو بھی نہیں چھپا سکتا اور یہ اپنے بھائی کی ستر پوشی کرتا ہے تو یہ بھی شریعت کو مطلوب ہے ”کَمَا فِي رَوَايَةِ مُسْلَمٍ“ اسی ستر بد منہ باللباس

دوئم معنوی : عیوب بات کی پردہ پوشی کہ کسی مؤمن سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اُسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے اور چھپائے تو یہ بھی مستحسن فعل ہے البتہ فساد کے سرفراز حالات کو ظاہر کرنا اور اس کے عزائم سے ارباب انتظام کو آگاہ کرنا۔ یا وہ آدمی جو کسی کی چوری کرنے کا ارادہ کر رہا ہو اور اس کو آگاہ کرنا یا قتل وغیرہ پر مطلع کرنا اس سے مستثنیٰ ہے۔

قوله مَا كَانَ - بمعنى مَا دَامَ

قَوْلُهُ الْفَيْدُ : یہاں مَشْهُوْلًا کا لفظ مُقَدَّر کر دیں گے۔  
 قَوْلُهُ اَحْيَاهُ : فی الدِّین کی قید مُقَدَّر ہے کیونکہ بعض روایت میں مُسلَم  
 کے الفاظ ہیں۔ پھر غوثیت عام ہے۔ بدن سے ہوا، قلب سے ہوا، مال سے ہو۔  
 قَوْلُهُ مَسَلَّكَ : اِی مَسَلَّی

قَوْلُهُ طَرِيقًا : طریق دو قسم ہے۔ اَوَّل حَسَنی یعنی راستے وغیرہ۔ دَوِّم معنوی  
 مثلاً دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا، دونوں طریق داخل ہیں۔ کیونکہ علم کے حصول کے لیے  
 دونوں کی ضرورت ہوتی ہے پھر طریقی کا کلمہ نکرہ ہے اس میں طریق صغیر و کبیر دونوں  
 شامل ہیں۔

قَوْلُهُ سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ۔ تسہیل کا زمانہ کب ہے ؟ بعض حضرات کے  
 نزدیک آخرت میں سہولت ہوگی۔ دوسرے حضرات کہتے کہ دنیا کی سہولت مراد ہے یعنی  
 اس دنیا میں سچے عقیدے اور صحیح عمل کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔  
 قَوْلُهُ بَيُّوتُ اللَّهِ : مساجد کے بجائے بیت کی قید لگائی۔ تعمیم کی  
 طرف اشارہ مقصود ہے کہ وہ ہر مقام جو قربِ خداوندی کا ذریعہ بنے۔ مساجد والمدراس  
 والرباط وغیرہ۔

قَوْلُهُ يَسُدُّ اَرْسُوبَهُ : تلاوت اور درس کا فرق ہے تلاوت صرف  
 انفراداً ہوتی ہے جب کہ درس کا اطلاق قرآنہ بعض علی بعض پر ہوتا ہے۔ اس لیے تلاوت  
 کے بعد درس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔

قَوْلُهُ حَفِظَهُمُ الْمَلَائِكَةُ : اِی اَحَاطُوا بِهِمْ وَطَاقُوا بِهِمْ  
 يَسْمَعُوا مِنْ اَقْدَانٍ۔ اور ملائکہ سے مراد ستیا مین ملائکہ ہیں جو ذکر کی مجالس  
 دُھونڈتے پھرتے ہیں ورنہ اعمال نیکے والے اور حفاظت کرنے والے فرشتے ہر وقت انسان  
 کے ساتھ رہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جہاں مجمع کے ساتھ ذکر اللہ ہو رہا ہو وہاں یہ تین  
 رحمتیں اترتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہا ذکر سے جماعت کا بل کا ذکر کرنا افضل ہے  
 جماعت کی نماز کا درجہ زیادہ ہے اگر ایک کی قبول سب کی قبول۔

قَوْلُهُ مَنْ عَسَدَا : اس سے مراد فرشتوں کی جماعت جو ملائکہ الاعلیٰ

کہلاتی ہے۔ اس کی شرح وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو رب کو اکیلے یاد کرے رب بھی ایسے ہی اُسے یاد کرتا ہے۔ جو جماعت میں یاد کرے تو رب اسے فرشتوں کی مبارک جماعت میں یاد کرتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "قَدْ كَرُّوْنِي اَذْكُرْكُمْ كَوْفٍ" قولہ مَنْ بَطَاو۔ بالتشديد الطاء یہ تعبیل کی ضد ہے۔

قولہ لَمْ يَسْرَخْ بِهِ شَيْءٌ اى لَمْ يَقْدِمْهُ نَسْبٌ يَمْنَى لا يحصل التعزيب الى الله تعالى بالنسب بل بالاعمال الصالحة۔ یعنی آخرت کی کامیابی و کامرانی عمل پر ہے نسب پر نہیں ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ "اِنَّ اَكْثَرَ مَكْرُوٍّ عِنْدَ اللَّهِ اَنْتَ كَاكُرٌ" و فی قولہ علیہ السلام "يَا صَفِيَّةُ عَمَّةُ مُحَمَّدٍ يَا فاطمة بنت مُحَمَّدٍ اَسْتَوِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا عَمَّالِكُمْ لَا يَأْتِيكُمْ فَاَنِي لَا اَغْنِي عَنْكُمْ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا (مرقاۃ)

بندہ عشقِ خدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیت

ترجمہ: روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلے جس کا فیصلہ قیامت میں ہو گا وہ شہید ہے۔ اسے لایا جائے گا تب رب اس سے اپنی نعمتوں کا اقرار کر لے گا فرمائیں گے کہ اس کی شکر یہ میں تو نے کیا مل کیا عطا کرے گا۔ تیری راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ النَّاسِ يُقْضَىٰ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اَسْتَشْهَدُ فَاَنِي بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا فَقَالَ قَمَا عَمِلْتُ فِيهَا قَالَ قَا نَلْتُ فَيْلِكَ :

قولہ اُسْتُشْهِدَ۔ اى قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔

قولہ فَعَرَّفَهُ۔ بالتشديد اى ذكره تعالى یعنی اُنہی سے کہ اس کو یاد دلایا

قوله فَمَكَرَهَا : بِالْمَكْرِفَةِ : اى تَدَكَّرَهَا - جو دہشت کی وجہ سے بھول  
چکی ہوگئی۔

قوله فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا : اَشْپَاكُ فَرَامِيسَ گے کہ تو نے کیا شکر کیا  
ہے۔ - فَاك - فی اجلہ تعلیل ہے یعنی تیری خاطر۔

قوله اسْتَشْهَدْتُكَ - جہاد کرتے ہوئے میں شہید ہو گیا۔ یہ مقولہ ان کے اپنے  
زعم میں ہے ورنہ شہادت ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی شہادت وہ ہے جو خدا کی رفتار کے لیے  
ہو۔ ”كَمَا فِي قَوْلِهِ تَمَازِي « يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا » (پَتِ الْكَلِمَاتِ)  
عند البعض ان کی عادت کے مطابق ہے جس طرح زندگی میں جھوٹ بولنے کی عادت  
تھی، خدا کے سامنے بھی جھوٹ بولے گا۔

”يَوْمَ يَدْعُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُخَلِّفُونَ لَهُ كَمَا يَخْلِفُونَ لَكَو  
يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ أَلَّا إِلَهُهُمْ هُوَ أَكْذَابُ يَوْمَ رِثَا مُجَاطَمِ  
قوله قَالَ كَذِبْتُ : بظاہر اس جملہ پر ہوتا ہے۔

سوال : یہ ہے کہ یہ جملہ کیسے صحیح ہے حالانکہ شہادت تو ظاہری حاصل ہے۔  
جواب : یہ ہے کہ عبارت یہاں مقدر ہے دراصل عبارت یوں تھی ”كَذِبْتُ  
فِي دَعْوِي الْإِخْلَاصِ أَمْ فِي دَعَاءِ اللَّهِ لَا فِي أَصْلِ الدَّعْوَةِ -  
قوله جَزَيْتُ - اصل میں اَنْتَ جَزَيْتُ تَخَا۔

قوله فَقَدْ قِيلَ : کہ جو تیری مراد تھی وہ حاصل ہوگئی۔  
قوله فَسُحِبَ - اِنِّیْ جَزَيْتُ عَلٰی وَجْهِهِ - یعنی نہایت ذلت کے ساتھ  
ہوئے کئے کی طرح ٹانگ سے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

سوال - حدیث پاک میں وَجْهَهُ کی تخصیص کیوں کی ہے حالانکہ اعضاء اور بھی تو ہیں۔  
جواب - چونکہ جھوٹ اس نے منہ سے بولا تھا اس وجہ سے منہ کے بل گھسیٹا جائیگا۔  
یعنی جوار بالنشل ہے۔

قوله تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلِمْتُہ : درجہ آزل تکمیل کا ہے کہ پہلے خود کامل ہو  
دوسرا درجہ علمتہ اکمال کا ہے کہ دوسروں کو کامل کیا۔

قوله قَرَأْتُ الْقُرْآنَ - یہ تخصیص بعد از تعمیم ہے اہتمام شان کے لیے ورنہ علم میں قرأت قرآن بھی شامل تھا۔

قوله وَسَمِعَ اللّٰهُ : ای کثر مانہ۔

قوله جَوَّادٌ - جمع جود بمعنی سخی کریم۔

اعمال میں نیت کا کیا درجہ ہے اور خلوص کی

خُلاَصَةُ الْحَدِيثِ : کتنی ضرورت ہے اس حدیث سے بخوبی

دافع ہوتا ہے بندہ کتنا بڑے سے بڑا عمل خیر کو بے بڑی سے بڑی نیکی کر ڈالے۔ لیکن اگر اس کی نیت خیر نہیں ہے تو اس کا وہ عمل اور نیکی کسی کام نہیں آئے گی۔ خدا کو وہی عمل پسند جس میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضائے مطلوب ہو اور جذبہ اطاعت سے بھرپور ہو۔ ورنہ جو بھی عمل بغیر اخلاص اور بغیر نیت خیر کیا جائے گا۔ چاہے وہ کتنا ہی عظیم عمل کیوں نہ ہو۔ بارگاہ الوہیت سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ عذاب خداوندی میں گرفتار کیا جائے گا۔ کما فی ہذا الحدیث۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ علم کو کچھ کرنا اٹھایا کہ بندوں سے کچھ لے بلکہ علماء کی وفات سے علم اٹھایا جائے گا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبِضُ  
الْعِلْمَ إِشْرَاعًا مِّنْ تَوَعُّمٍ  
مِّنَ الْعِبَادِ وَلَكِنَّ يَقْبِضُ الْعِلْمَ  
بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ

قوله الْعِلْمُ : علم سے مراد دین کا علم یعنی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

قوله إِشْرَاعًا : یقبض کا مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت یوں ہے :

لَا يَقْبِضُ قَبْضَ إِشْرَاعًا۔

قَوْلُهُ يَقْبِضُ الْعُلَمَاءُ - اى بموتہم و رفع ارواحہم۔

قَوْلُهُ رُؤْسًا : اٹھد کا باب دو مغوروں کو تقاضا کرتا ہے رُؤْسًا مفعول ثانی جہاں لا مفعول ازل ہے۔ رُؤْسُ بمعنی خلیفۃ و فاضیاء و مُفْتِیَّاء اِمَامًا وَ شِیْخًا جن کے ذمہ دینی کام ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دینی عہدے جاہل سنبھال لیں گے اور اپنی جہالت کا اظہار پسند نہیں کریں گے۔ مسئلہ پوچھنے پر یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں خبر نہیں بلکہ بغیر علم غلط مسئلے بتائیں گے۔ اس کا انجام ظاہر ہے۔ بے علم طبیب مریض کی جان لیتا ہے جب کہ جاہل مفتی اور خطیب ایمان برباد کرتا ہے۔

قَوْلُهُ فَصَلُّوا - اى صَارُوا صَلَاتَیْنِ : خود بھی گمراہ ہوئے۔

قَوْلُهُ وَ اَصَلُّوا - اى مُضِلِّیْنِ لِتَسْبِیْهِہِ : اردو مردوں کو بھی گمراہ کیا۔  
یعنی جہالت میں کشتی تعمیر ہے۔

قَوْلُهُ فَاقْتُوا لِنَبِیِّہِ عَلَیْہِ : دین کا علم نہ رکھنے کے باوجود جب فتویٰ جاری کریں گے تو قبیحہ گمراہی لازمی ہوگی۔ اس لیے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی میں پانچ چیزیں نہ ہوں تو وہ مسند اقامہ کو زینت نہ بنے۔

(۱) نیت صالحہ (۲) حلم و وقار (۳) مسائل میں بصیرت اور ان میں ثبات قدمی کی شان (۴) بقدر ضرورت ذرائع معاش (۵) لوگوں کے احوال کی معرفت۔

## قبض علماء کی بحث

مؤد ثین حضرات نے قبض علماء کی متعدد صورتیں لکھی ہیں۔

صورت اول - یہ کہ لوگ علوم دینیہ کا حصول ترک کر دیں۔ جب حصول دین ہی نہیں ہوگا تو علماء کہاں سے پیدا ہوں گے یہ بھی قبض علماء کی صورت ہے۔

صورت دوم - یہ کہ لوگ علوم دینیہ کی کتب درسا کی اشاعت بند کر دیں اور اس کے مقابلہ میں الحادی و غیر شرعی علوم کی کتب کی اشاعت ہو۔ کیونکہ دنیا کے اندر علوم دینیہ کی اشاعت کا ذریعہ کتب درسا کی اشاعت ہے۔

**صورت سوّم** - اللہ پاک آن واحد میں علماء کے قلوب سے علوم دینیہ کو اشاعیں یا مٹا کر دیں۔

**صورت چہارم** - اللہ پاک علماء ربانیین کو فوت کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری صورت کو ترجیح دی ہے کہ قبض علم کی تمام صورتیں صبح ہیں مگر ان کا وقوع نہیں ہوگا۔ جب کہ آخری صورت کا وقوع ضرور ہوگا۔

**سوال :** حدیث پاک میں ہے ”و عن زیاد بن حبیب انہ سئل عن المصنوع في ليلة (ابن ماجہ صحیح)

اس سے توفیق علماء دینی صورت کی نفی ہوتی ہے اور امتزاعاً مبتزعه کا اثبات ہوتا ہے۔

**جواب :** قبض علماء کی دو حالتیں ہوں گی :  
حالت اول : اس طرح ہوگی قبض علماء کی شکل میں۔ پھر جب جہل عام ہوگا اور قیامت کا قرب ہوگا اور علماء پیدا ہوں گے۔

**حالت دوم :** آن واحد میں علم اٹھ جائے گا رات کو علماء سوئیں گے اور صبح اٹھیں گے تو جاہل ہوں گے۔ يُصْبِحُ عَالِمًا فَيُفْشِي جَاهِلًا۔

**سوال :** قبض علم کی یہ تعبیر کیوں اختیار کی اس میں کیا حکمت ہے ؟  
**جواب :** اللہ پاک کی مرضی کے مطابق قیامت تک اس مقدس دین نے باقی رہنا ہے اگر آن واحد میں علم کا ارتقاع ہو تو پھر مکمل طور پر ختم ہو جائے اس لیے علم کو مٹا کر علماء ربانیین کے ساتھ کہ علماء ربانیین قیامت تک رہیں گے ان شاء اللہ۔ تو علم بھی باقی رہے گا۔

**سوال :** حدیث پاک میں ہے ”لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنصُورِينَ لَا يَصُدُّهُمْ عَنْ خَلْقِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرٌ مَلَكِي (ابن ماجہ شریف)

مذہب ۱ باب اشباح المصنف جب کہ حدیث سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں علماء ختم ہو جائیں گے۔

**جواب :** يَأْتِيَ أَمْرٌ مَلَكِي سے قیامت مراد نہیں بلکہ اس سے ہوا مراد ہے



اور یہ ہوا قرب قیامت میں چلے گی جس کی وجہ سے رب مؤمن مر جائیں گے اور باقی  
بُڑے لوگ رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ كَانَ  
عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ يُذَكِّرُ  
النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ  
فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
لَوْ دِدْتُ أَنَّكَ ذَكَرْتَنَا فِي كُلِّ  
يَوْمٍ قَالَ أَمَا إِنَّهُ يَنْفَعُنِي  
مِنْ ذَاكَ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
شقیقؓ سے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ  
ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے  
عرض کیا کہ اے ابو عبدالرحمن میری تمنا  
یہ ہے کہ آپ روزانہ وعظ فرماتے تو فرمایا  
مجھے اس سے رکاوٹ یہ ہے کہ میں ناپسند  
کرتا ہوں کہ تمہیں ملال میں ڈال دوں۔

قوله يُذَكِّرُ - بِالشَّدِيدِ اِی یُعِظُ : یعنی وعظ و نصیحت فرماتے۔  
قوله فِي كُلِّ خَمِيسٍ : یومِ خمیس کی تخصیص وصولِ برکتِ یومِ الجمعہ کی وجہ سے  
ہے یعنی خمیس کا دن جمعہ کا پڑوسی ہے اس کی برکت جمعہ تک پہنچے گی۔  
قوله لَوْ دِدْتُ - اِی اُحِبِّتُ وَتَمَنَّیْتُ ۔  
قوله اَنْ اَمْلَکُ - اِی اَمْلَا لَکُمْ بَعْضُ اَیْقَاعِکُمْ فِی الْمَلَانَةِ کہ  
کہیں تم مال میں پڑ جاؤ۔

قوله اَتَحْزَنُ لَکُمْ - مِنْ التَّحْزَنِ اِی اَلْحَافِظُ لَکُمْ اَوَّلَ خِیَالِ کَرَنَا۔  
قوله السَّامَةِ - اِی الْمَلَانَةِ مَالِ یہ ہے کہ ” یُعِظُنَا یَوْمًا دُونَ  
یَوْمٍ وَوَقْتُ دُونَ وَقْتٍ کَرَاهِیَةِ الْمَلَانَةِ - کیونکہ ملالت کے وقت وعظ کا اثر  
نہیں ہوتا۔

خُلَاصَةُ الْحَدِیْثِ | اس حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ وعظ و نصیحت  
اور تبلیغ کے معاملہ میں اعتدال سے کام لینا چاہیے ہر وقت اور ہر موقع پر وعظ و نصیحت نہیں کرنی  
چاہیے اس لیے کہ اس سے لوگوں کے دل اچاٹ ہو جاتے ہیں اور وہ اکتا جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ ان پر کوئی اچھا اثر نہیں ہوتا فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے لہذا جو نصیحت وقت پر ہو وہ قابل عمل ہوتی ہے اور قابل اثر ہوتی ہے۔

## اسمائے رجال

حضرت شقیق بن سلمہ کے حالات

یہ شقیق بن سلمہ ہیں، ابو داؤد اسی کی کثرت ہے انہوں نے اگرچہ

حضور علیہ السلام کا زمانہ پایا لیکن آپ سے کچھ سنا نہیں ہے کہا کرتے تھے کہ میری عمر بشتِ نبویؐ کے وقت کس سال تھی۔ اس وقت میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک بڑی تعداد سے روایت کرتے ہیں ان میں حضرت عثمان الخطیب اور ابن مسعود ہیں۔ ابن مسعود کے خاص لوگوں میں سے اور ان کے بڑے درجہ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان سے بہت حدیثیں مروی ہیں ثور اور مثنیٰ نے۔ محتاج کے زمانہ میں انتقال ہوا۔ اور ایک قول کے مطابق سلمہ میں ہوا تھا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لفظ بولتے تو اسے تین بار دہراتے تاکہ سمجھ لیا جائے۔ اور جب کسی قوم پر تشریف لاتے اور انہیں سلام کرتے تو تین بار سلام فرماتے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتَّى تَفْهَمَ عَنْهُ وَإِذَا أَتَى عَلَى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَامًا ثَلَاثًا.

قولہ اَعَادَهَا۔ اَعَادَهَا بِمَعْنَى قَاتَلَهَا کے ہے ورنہ کلمہ چار مرتبہ ہو جائیگا۔ قولہ حَتَّى تَفْهَمَ۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا

ثَلَاثًا اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ آپ ہر گفتگو کے موقع پر ایسا عمل اختیار فرماتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کلمات کا اہتمام مقصود ہوتا یا جس کے سمجھنے میں تکلیف ہوتی اس کا اعادہ فرماتے تھے اور حدیث پاک سے بھی یہی سمجھا جا رہا ہے حَقًّا تَقْفُو عَنْهُ اسی پر دال ہے۔

یَقُولُ ابوالاسعاد : دراصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اذہان کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو بات اہم ہوتی اس کو تین بار دہراتے اس لیے کہ لوگوں میں تین درجے ہیں۔ مَکْرُوکِی : جس کو اعلیٰ بھی کہہ سکتے ہیں وہ اول مرتبہ سے ہی سمجھ جاتا۔ مَکْرُوکِی : دوسری مرتبہ سے سمجھ جاتا مَکْرُوکِی : جس کو ادنیٰ بھی کہہ سکتے ہیں وہ تیسری مرتبہ سے سمجھتا۔ اس لیے کہا جاتا ہے وَمَنْ لَوْ يَفْهَمُ فِي ثَلَاثِ مَرَّاتٍ لَعَفَاهُ قولہ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا : تین مرتبہ سلام پڑھنے کے کئی مطلب بیان کیے جاتے ہیں۔

اول : حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ تین سلام اس وقت کرتے جب کسی بڑے سے جمع میں تشریف لے جاتے تو ایک سلام ابتداء جمع میں، دوسرا وسط میں، تیسرا آخر میں۔  
دوم : سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا۔ استیذان پر محمول ہے۔ اگر اجازت نہ ملتی تو تین مرتبہ سلام فرما کر لوٹ جاتے۔

سوم : پہلا سلام استیذان کا، دوسرا پاس جانے کے وقت تحیہ کا، تیسرا رخصت کے وقت الوداع کا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی سعید انصاریؓ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بولا کہ میرا اونٹ ٹھک گیا ہے مجھے سواری دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس نہیں۔ ایک نے کہا یا رسول اللہ میں اُسے

وَعَنْ أَبِي سَعْدٍ الْاَنْصَارِيِّ  
قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ إِنَّهُ أُبِيدِعُ بَنِي فَاحْمِلْنِي  
فَقَالَ مَا عِنْدِي فَقَالَ رَجُلٌ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَدُلُّهُ عَلَى  
مَنْ يَحْمِلُهُ :

وہ آدمی بتاتا ہوں جو اسے سواری دیدے

قوله اُبْدِعْ عُرِي : ای انقطع عن السیر کہ میرا سواری والا جانور ٹھک چکا ہے اور سفر کرنے سے قاصر ہے۔ گویا سواری کا دائمی عادت کے خلاف چلنے سے رک جانا ایک قسم کا ابداع اور ایجاد ہے۔

قوله فَأَحْمِلْنِي - اِنِّي اجْعَلْنِي مَحْمُولًا عَلَى دَابَّةٍ غَيْرِهَا کہ برائے کرم مجھے کوئی سواری عنایت فرمائیں۔

قوله فَقَالَ مَا عَشِدْتِي - ای لا اجد ما احملکو علیہ۔ یعنی میرے پاس تو کوئی سواری نہیں جو میں تجھے دوں۔ دراصل یہ حدیث پاک اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے : وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَقْبَوْا لِيَحْمِلَهُمْ قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ۔ (رپٹ برواۃ)

حدیث مذکورہ میں تو صرف یہ الفاظ ہیں مَا عَشِدْتِي کہ میرے پاس سواری نہیں ہے جب کہ دیگر حدیث میں ہے کہ کرایہ یا مزید قرض بھی نہیں کستھے دوں۔ علامہ محدث جبریل دہلوی معنی کرتے ہیں :-

نیت نزد من شتر یا چیزیکہ شتر برداں توں خریدد کہ ایہ کورد۔ (راشعة القعات ج ۱) معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی ذات مبارک خزانوں کی مالک نہ تھی۔

قوله مَتَّى ذَلَّ : دلالت قوی ہو یا فعلی تعلیم ہے۔ سوال۔ بحث تو علم کی پل رہی ہے جب کہ حدیث مذکورہ کا تعلق تو جہاد کے ساتھ ہے کیونکہ سائل مجاہد تھا جہاد کے لیے اسے سواری کی ضرورت تھی بظاہر دونوں میں ربط نہیں۔ جواب۔ ذَلَّ عَلَى خَيْبَر سے ربط ہے۔ کفایت ربط یوں ہے کہ علم سے بھی دلالت علی الخیر ہوتی ہے، لوگوں کو ناکہ پہنچتا ہے یہاں پر بھی دلالت غیر الخیر ہو رہی ہے اہل جہود کی طرف ان کی رہنمائی کی جا رہی ہے یہ بھی ایک قسم کی خیر ہے۔

وَعَنْ جَبْرِ بْنِ قَالٍ كُنَّا فِي | ترجمہ : روایت ہے حضرت جبریلؑ

صَدْرَ النَّهَارِ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ  
قَوْمٌ عَرَاةٌ مُجْتَابِي الثَّمَارِ  
أَوِ النَّبَاءِ مُتَقِلِّي السُّيُوفِ  
عَاثَتُهُمْ مِنْ مُصْرَبٍ كُلُّهُمْ  
مِنْ مُصَرٍّ :

فرماتے ہیں کہ ہم صبح سویرے حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ آپ کی  
خدمت میں ایک قوم آئی جو جنگی اور  
کبیل پوش تھی، تلواریں گلے میں ڈالی ہوئی  
تھیں۔ ان میں اکثر مضر سے تھے، بلکہ سارے  
ہی قبیلہ مضر سے تھے۔

قوله صَدْرَ النَّهَارِ : صدر بمعنى سينه ، یعنی دن کا سینہ نکل چکا تھا۔ لیکن  
یہاں صدر بمعنی ازل النہار ہے جس کا اطلاق دن کے دس گیارہ بجے کے وقت پر ہوتا ہے۔  
قوله عَرَاةٌ - عَرَاةٌ جمع عاری یعنی ان کا اکثر بدن تنگاکھا تھا بالکل برہنہ نہ تھے  
قوله مُجْتَابِي - بالجمع یعنی لاپس پیٹنے والے پٹینے والے۔  
قوله الثَّمَارِ : بكسر التثنية جمع نمرہ ہی کسانے مخططة من صوت  
یعنی وہ ادنیٰ و عاری جس میں سفید و سیاہ دھاریاں ہوں۔  
قوله النَّبَاءِ - بالمد و بفتح النون جمع عِبَاءٌ - بمعنی چوغہ۔ یہاں  
اَوْ شَكَّ رَاوِي بَاتَمَوِيلِ کے لیے ہے یعنی غربت کی وجہ سے ان کے پاس سوا ایک کبیل و عباد  
کے تن ڈھانکنے کو کوئی کپڑا نہ تھا۔

سوال - لفظ عَرَاةٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کپڑے نہیں تھے۔ جب کہ  
لفظ مُجْتَابِي الثَّمَارِ سے مراد بعض حقہ پر کپڑے تھے۔

جواب اول : عَرَاةٌ سے مراد ہے کہ اکثر بدن برہنہ تھے اور مُجْتَابِي الثَّمَارِ  
سے مراد بعض حقہ پر کپڑے تھے۔

جواب دوم : جو کپڑے تھے وہ اپنے نہیں بلکہ عاریۃ لائے تھے۔

قوله مُتَقِلِّي السُّيُوفِ : تغلید شیف گردن میں تھا اور تلواروں کا ٹکانا یا تو  
خون کی وجہ سے تھا کیونکہ قبیلہ مُصَرٍّ کے اکثر عربی دشمن تھے۔ اس لیے کہ یہ لڑاکا قبیلہ تھا۔  
یہ لوگ اگرچہ غریب تھے مگر بہادر تھے۔ جس پر لفظ متقلی السیوف دال ہے اور یہ وہی

لوگ ہیں جو وفد عبد القیس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے روکتے تھے۔

قَوْلُهُ بَلْ كَلْبُفَرٍ مِنْ مُصَدَّرٍ : یہ مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے۔

قَوْلُهُ فَتَنَعَصَّرَ : اِی ظَهَرَ عَلَيْهِ اَثَارُ الْحُزْنِ ان کی شکستہ حالی کو دیکھ کر حضور انور اقدس کو پریشانی لاحق ہوئی جس کی وجہ سے چہرہ انور مُتَغَيَّر ہو گیا۔ اس لیے کہ آپ کے پاس ان کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ ۷

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم بستہ — سائے جہاں کا درد ہمارے بگڑ گیا ہے  
قَوْلُهُ فَتَنَعَصَّرَ : حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر میں داخلہ یا تو تجدید طہارت کی وجہ سے تھا یا کوئی چیز لینے کے لیے تھا تاکہ ان کو دوں۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت دولت غائیہ اقدس میں کچھ نہ تھا۔

قَوْلُهُ فَصَلَّى - صلوٰۃ سے مکتوبہ مراد ہے بدلیل الاذان والاقامت، اور مکتوبہ سے بھی صلوٰۃ ظہر مراد ہے کیونکہ صدر النہار کے بعد صلوٰۃ ظہر ہی ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ فَخَطَبَ : یہ خطبہ وعظ تھا اور یہ وعظ لوگوں کو خیرات پر رغبت دینے کے لیے تھا۔

قَوْلُهُ فَاَيُّهَا النَّاسُ : آپسے اپنے ارشاد میں مذکورہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں جو ابلغ فی الحث علی الصدقة ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلی آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ

کا بہت بڑا احسان ہے اس کا تقاضا

### خُلَاصَةُ الْآيَاتِ

یہ ہے کہ وہ دوسروں پر احسان کریں۔ نیز اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ تمام انسان ایک آدم کی اولاد ہیں۔ لہذا ہر ایک کی تکلیف دوسروں کے لیے باعث تکلیف ہونی چاہیے اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرے اور دوسری آیت میں یہ مذکور ہے کہ ہر انسان کو اپنی آخرت کا سامان تیار کرنا چاہیے۔ اور صدقہ ان میں سے بہت اہم سامان ہے۔

قَوْلُهُ تَصَدَّقْ رَجُلٌ : اس کو دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے۔

اول - تَصَدَّقْ - صیغہ امر اصل میں تَصَدَّقْ لَامِ امر تخفیفاً حذف کر دی گئی ہے۔  
دوم - ماضی بھی پڑھی جاسکتی ہے تو یہاں خبر بمعنی انشاء ہے جیسے تَوَضَّعُوا لِلَّهِ

وَرَسُولِهِ وَتَجَاهِدُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : اس دقت لوگوں کو صدقہ پر برا بھلا کہنے کے لیے بجا کے امر کے مافی استعمال کی گئی ہے۔

قَوْلُهُ وَلَوْ بِشِقِّ تَمَكُّرَةٍ : شق یعنی ٹکڑا بھی ہے۔ یا نصف تَر بھی یعنی نصف خراب کیونکہ رب تعالیٰ کے دربار میں خیرات کی مقدار نہیں دیکھی جانی بلکہ دینے والے کا اخلاص دیکھا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ قَالَ : الراوی

قَوْلُهُ بِصَنْعَةٍ : بعض حضرات نے لکھا ہے کہ تفصیلاً تھا جو گندم سے پڑتا لیکن صحیح یہ ہے کہ صَنْعَةٍ بمعنی تخیلی جس میں درہم و دنانیر رکھے جاتے ہیں۔

قَوْلُهُ عَجَزَتْ : عَجَزَ كَالْتَقِ كَثْرَتِ اور ثقل کے ساتھ ہے کہ وہ تخیلی بھاری تھی۔

قَوْلُهُ كَوْمَيْنِ : بِمَعْنَى الْمَكَانِ الْمُرْتَفِعِ (درہندی (ڈیڑ) کی گوشت۔

قَوْلُهُ يَتَهَلَّلُ : اِی یَسْتَبِيرُ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِ اِمَارَتِ الْمُرُورِ۔

قَوْلُهُ مُنْهَبَةً : اِی مَامُوهَ بِالْمَذْهَبِ : یعنی سونے کا پانی پھرا ہوا جس کو سُخْرٰی بھی کہتے ہیں۔ اور چہرہ انوارِ قدس کے چمکنے کی دو وجوہ ہیں۔

اَوَّلُ : لوگوں کے صدقہ کی وجہ سے ان غریب آدمیوں کی رشکستہ حالت ابھی ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانی دور ہو گئی۔ بنا بریں چہرہ انور چمکنے لگا۔

دَوِّمُ : جب لوگوں نے بہت صدقہ دیا تو آپ کے قلبِ مبارک میں خوشی آئی کہ میری اُمت میں بھی ہمدردی کا جذبہ موجود ہے لہذا چہرہ انور چمکنے لگا۔

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً : اس سے وہ سنت مراد ہے جس کی اصل پہلے ہی سے موجود تھی مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اس شخص نے اس کا اظہار کر دیا یہ مراد نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی نئی سنت ایجاد کی جو بدعت ہے۔

سوال : اس حدیث کو باب سے کیا مناسبت ہے ؟

جواب : مَنْ سَنَّ سُنَّةً سے مناسبت ہے یہی حال علم کا بھی ہے۔

وَعَنْ اَبْنِ مَسْعُودٍ قَالَ | ترجمہ : روایت ہے ابن مسعود

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا إِنْ كَانَ عَلَى  
ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كَيْفٌ مِنْ دَمِهَا  
يَا شَيْءَ أَوَّلٍ مِنْ سَقِّ الْقَتْلِ

سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی ظلماً قتل نہیں کیا جاتا اگر اس کے خون ناحق میں حضرت آدمؑ کے پہلے فرزند کا حقہ ضرور ہوتا ہے کہ اسی نے پہلے ظلماً قتل ایجاد کیا۔

قَوْلُهُ ظُلْمًا - یہ قید لگا کر شرعی قتل کو خارج کر دیا مثلاً زانی محض کا قتل باقصاص کا قتل۔

قَوْلُهُ ابْنُ آدَمَ الْأَوَّلِ : اَوَّلُ کی قید لگا کر باقیوں کو خارج کر دیا کیونکہ سلا مویود ابن آدم ہے اَوَّلُ قابیل و ہابیل تھے۔

جو انسان بھی دوسرے کو قتل کرے گا اس کا گناہ قاتل کے علاوہ قابیل کو بھی ملے گا۔ جس نے

**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ**

اپنے بھائی کو قتل کر کے یہ بری عادت جاری کی۔

سوال : قرآن مقدس میں ہے ”لَا تَزِدْ وَلَا تَنْقُصْ“ اُخْرٰی پتہ یعنی کوئی نفس کسی نفس کا لہجہ نہیں اٹھائے گا جب کہ حدیث کے مطابق قاتل کوئی اہد ہے اور اس کا گناہ قابیل پر بھی ڈالا جاتا ہے فقہارضا :

جواب : یہ گناہ اس قاتل کا نہیں بلکہ اس طریقہ کا ہے جو اس نے رائج کیا یعنی قاتل انسانی۔

سوال : قرآن مقدس میں ہے فَأَصْبَحَ مِنَ النََّادِمِينَ اور حدیث پاک میں ہے التَّوْبَةُ التَّدَامُ یعنی ندامت تو بہ ہی ہے جب اس نے توبہ کر لی پھر کس چیز کا گناہ اس کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے۔

جواب : ندامت کا تعلق اس فعل بید سے نہیں ہے بلکہ لوگوں کی شرارت سے ہے کہ اس کو کہاں چھپاؤں گا کیسے دفن کر دوں گا۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے کوا کو بھیجا ”لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِئُ سُوءَ مَا أَخْبَتْ ثُمَّ مَعْلُوم ہوا کہ یہ ندامت



اور پشیمانی توبہ کی ندامت نہ تھی۔ جو ندامت خدا کے خوف سے ہو وہ توبہ ہے اور جو ندامت اور پریشانی و پشیمانی دنیا کی ذلت کے ڈر سے ہو وہ ایک ارضی ہے وہ شرعی توبہ نہیں۔

قوله وَ سَمِعْنَا كُرْحِدِ بْنِ مَعَاوِيَةَ : یہ حدیث معراج میں اسی جگہ تھی مگر ہم نے مناسبت کے لحاظ سے اس باب میں بیان کی۔

## قابیل و ابیل کا قصہ مختصر

يقول ابوالاسعاد اختصاراً : یوں تو سب آدمی اولادِ آدم ہیں مگر چھوڑ  
مفسرین کے نزدیک یہاں حضرت آدمؑ کے دو ٹٹلی بیٹے ہابیل و قابیل مراد ہیں جن کا واقعہ مختصراً بیان کیا جا رہا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے باتفاق علماء لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ و حواء کے دنیا میں آنے کے بعد تو والد و تاسل کا سلسلہ شروع ہوا جس کی صورت یہ تھی کہ ہر دو بچے تو اُم (یعنی لکھے) پیدا ہوتے تھے ایک لڑکا اور اس کے ساتھ دوسری لڑکی اور چونکہ اولاد میں بہن بھائیوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ اور حقیقی بہن بھائی کا رشتہ اتنا قریبی تھا کہ ان میں نکاح کی اجازت نہیں ہو سکتی تھی۔ جب کہ دنیا کی آباری بھی پیش نظر تھی۔ اس لیے حضرت آدمؑ کی شریعت کا خصوصی حکم یہ تجویز ہوا کہ ایک ہی بار پیدا ہونے والے دونوں بچے حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں ان کا باہم نکاح جائز نہیں ہو گا مگر ایک دفعہ پیدا ہونے والا لڑکا دوسری مرتبہ پیدا ہونے والی لڑکی کا حقیقی بھائی نہیں سمجھا جائے گا اس لیے ان میں باہم نکاح کی اجازت ہوگی کیونکہ اختلاف بطون کو اختلاف نسب کے قائم مقام قرار دے دیا گیا اس اصول پر قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے اور اس کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح قابیل سے ہونا چاہیے تھا مگر ہابیل کے نکاح میں آنے والی لڑکی حکیل و حسین اور قابیل کے حصہ میں آنے والی لڑکی بد شکل نکلی جس سے قابیل اپنے بھائی ہابیل کا دشمن ہو گیا اور اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنے پر ایضاً ہوا مگر حضرت آدمؑ نے خلاف اصول ہونے کی وجہ سے اس کو

منقولہ کیا جس سے بھائیوں میں اختلاف پڑ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے رنج نزاع کی یہ صورت تجویز فرمائی کہ دونوں بھائی اپنی اپنی قربانی اور نیاز پیش کریں جس کی نذر قبول ہو جائے گی حسینہ لڑکی اسی کے عقد میں آجائے گی کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یقین تھا کہ ہابیل حتیٰ پر ہے اسی کی قربانی قبول ہوگی۔

اس زمانہ میں قبولیت نذر کی علامت یہ تھی کہ غیبی آگ اس کو کھا جاتی تھی ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں رہتی تھیں اور قابیل کاشتکاری کیا کرتا تھا اس لیے ہابیل نے تو قربانی کے لیے بہترین ذبحہ پیش کیا اور قابیل نے کچھ اناج کے دانے نذر کر دیے دستور کے مطابق ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی نیاز کو دیے ہی چھوڑ گئی غرض یہ کہ ہابیل کی نیاز قبول ہوئی اور قابیل کی نیاز قبول نہ ہوئی تو قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اپنے بھائی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا۔ چنانچہ تھاں کے بانٹیں ہونے کی وجہ قتل کا گناہ اس کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے۔

(دکنانی انوار ص ۱۵ ج ۲)

## الفصل الثانی

یہ دوسری فصل ہے

عَنْ كَثِيرٍ مِنْ قُرَيْشٍ  
قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي  
الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ مَشْقٍ  
فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا  
أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّي جِئْتُكَ  
مِنْ مَدْيَنَ يُسَمُّهُ الرَّسُولُ مُحَمَّدٍ  
عَلَيْهِ سَلَامٌ لِحَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّكَ  
تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

توجہ سے : روایت ہے کثیر بن قیس  
سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو الدرداء  
کے ساتھ دمشق میں جامع مسجد میں بیٹھا  
تھا کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور  
بولاکر لے ابو الدرداء! میں رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے آپ کے  
پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں  
مجھے خبر لگی ہے کہ آپ حضور سے روایت

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ | فرماتے ہیں اس کے سوا اور کسی کام کیلئے  
نہیں آیا۔

قَوْلُهُ مِنْ مَقْدِ يَنْفِذُ الْمُرْسُولِ - مدینہ کے ساتھ رسول کی قید لگائی  
اس لیے کہ بغداد کے اندر بھی ایک مدینہ تھا جس کو مدینۃ المنصور سے پکارتے تھے۔  
اس قید سے اس کا اخراج مقصور ہے اور مدینۃ المنصور سے دمشق تک سواری اونٹ  
کا ایک ماہ کا سفر ہے۔

قَوْلُهُ بَلَّغْنِي : بلاغ دو قسم ہے :-  
اَوَّلُ بِلَاغِ اَجْمَالِي - یہ کہ کسی نے کہا ہو کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس حدیث ہے

حدیث بتائی نہ ہو۔  
دَوِّمُ بِلَاغِ تَفْصِيلِي - یہ کہ حدیث بھی بیان کر دی کہ حدیث نبویؐ یہ ہے۔  
سوال - اگر بلاغ سے مراد بلاغ اجمالی ہو تو پھر سفر کرنا درست ہے اگر بلاغ  
تفصیلی ہے تو پھر سفر کرنے کا کیا مطلب ہے ؟ کیونکہ جس مقصد کے لیے سفر کر رہے ہیں وہ  
تو حاصل ہے۔

جواب اَوَّلُ : سفر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بلا واسطہ حدیث حاصل  
کرنا تھی یعنی بلا واسطہ توسُّن لی ہے بلا واسطہ بھی سن لوں۔

جواب دَوِّمُ : پہلے صریح معنی ہی سنئے تھے اب الفاظ پوچھنا چاہتے ہیں :  
سوال : بلا واسطہ حدیث پاک حاصل کرتے ہیں کیا فائدہ ہے۔  
جواب : دونائے ہیں۔ اَوَّلُ : اَلْهَيْئَانِ قَلْبِي اور اَزْدِيَّاتِ لَقِينِ حاصل ہوگا۔ دَوِّمُ  
راوی اگرچہ ثقہ ہیں مگر علوسند کے لیے سفر کیا تھا کیونکہ علماء نے لکھا ہے کہ « اِنَّ الْاَسْنَادَ  
مِنْ الدِّيْنِ » اور علماء و صالحین میں علوسند کے لیے سفر مروج نہیں ہے۔

علوسند کے لیے میر سید شریف کا طویل سفر

میر سید شریف کو شوق ہوا کہ شرح مطالع مصنف سے پڑھنی چاہیے چنانچہ ان کے

پاس پہنچ گئے وہ اس قدر ضعیف تھے کہ پلوں کو اٹھا کر دیکھا اور پوچھا کہ کون ہے کہنے لگے میرا نام سید شریف ہے کہیں اگرچہ شرح مطالعہ پڑھ چکا ہوں لیکن صرف اس کتاب سے کہ آپ سے پڑھوں آیا ہوں۔ جواب دیا کہ میں تو بالکل ضعیف ہوں۔ روم میں میرا ایک شاگرد ہے جس کا نام مبارک شاہ ہے اس سے پڑھنا میرے پاس پڑھنا ہے۔ سید شریف نے روم پہنچ کر سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارے داخلہ کی ایک شرط ہے۔ ایک اشرفی یومیہ ایک سہتی کے لیے لوں گا۔

اب سید شریف ایک اشرفی یومیہ کہاں سے لاتے فرماتے ہیں میں نے سوچنے کے بعد کہا کہ ایک بات عرض کرتا ہوں۔ روزانہ کی شرط نہیں جب میرے پاس اشرفی ہوگی سبق پڑھ لوں گا فرمانے لگے منظور ہے۔

میر صاحب نے فیصلہ کیا کہ جہوئی پھیلا کر بھیک مانگوں گا جب اشرفی یومیہ پوری ہو جائیگی سبق پڑھ لوں گا۔ مگر نوبت نہیں آئی تھی کہ ایک رت میں کو معلوم ہو گیا اس نے بلا کر کہا کہ یومیہ اشرفی میں دوں گا سبق پڑھنا شروع کرو۔ سید شریف نے سبق شروع کر دیا ایک ہفتہ اسی حالت میں گذر تو ایک روز استاذ نے بلا کر کہا میاں ہیں اس کی کچھ پروا نہیں ہمارا مقصد تو صرف جانچنا تھا اور امتحان لینا تھا وہ ہو چکا اپنی اشرفی اپنے پاس رکھو۔ اب تم باقاعدہ سبق میں بیٹھا کرو مگر پھر دوسرا امتحان شروع ہوا کہ اگلی صفت میں بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی پیچھے بیٹھتے تھے بولنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ آخر سید نے تقاضائی کو بھی ایسے شکست نہیں دی تھی۔ دل میں جوش اٹھتا، شکوک و شبہات اٹھتے، آخر خاموش ہو نہ پڑتا تھا کیونکہ اجازت نہ تھی۔ مگر ان کا دستوریوں تھا کہ بھرہ میں دیوار کو مخاطب کر کے یوں کہتے تھے کہ صاحب کتاب نے یوں کہا ہے اور استاذ نے یوں کہا مگر میں یوں کہتا ہوں۔

ایک روز استاذ گفت کرنے کے لیے نکلے جب ان کے کمرہ کے قریب آئے تو آواز میں سن کر کمرے ہو گئے جب سید شریف نے کہا وَأَقُولُ ھٰکذا خوب غور سے سنابات بہت عمدہ تھی پسند آئی صبح آکر پوچھا۔ فلاں حجرہ میں کون رہتا ہے بتایا گیا سید شریف۔ بلایا گیا اور کہا گیا تم اگلی صفت میں بیٹھو اور جی کھول کر پوچھو اتنی معمولی شرح

مطالع کے لیے اتنی مصیبتیں برداشت کیں تو حدیث نبویؐ کے لیے جس قدر بھی سفر اور اس کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی ہوں تو کیا بعید رہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے ایک حدیث کے لیے مدینہ طیبہ سے مہر تک کا سفر کیا جو ایک ماہ کی مسافت ہے۔

قَوْلُهُ مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ - سائل نے آتے ہی کہا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دنیوی منفعت یا محض ملاقات نہیں بلکہ علم دین کا طلب کرنا ہے۔ سوال : حضرت ابو الدرداءؓ نے سائل کے جواب میں جو حدیث بیان فرمائی ہے آیا سائل کی مطلوبہ حدیث ہے جس کا وہ طالب تھا یا کوئی اور ہے۔

جواب اول : طالب کی مطلوبہ حدیث یہی ہے جس میں طالب العلم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

جواب دوم : حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے وہ طالب کا مطلوب نہیں تھی چونکہ طالب نہایت مشقت و پریشانی برداشت کر کے حصول علم کی خاطر آیا تھا اس لیے اس کی سعادت و خوشنہختی کے اظہار کے طور پر اس کا ثواب بیان کیا اور اس کی مطلوبہ حدیث جو انہوں نے بیان کی وہ باب کے مناسب نہیں اس لیے مصنف کتاب نے اسے بیان نقل نہیں کیا۔

قَوْلُهُ سَلِّكَ اللَّهُ : اِی سَهَّلَ اللَّهُ طَرِيقًا اور عَلَّمَا کی تشکیک سے معلوم ہوا کہ علم دین کا کوئی حصہ قلیل ہو یا کثیر اس کے لیے کوئی سارا ستہ نزدیک ہو یا دور یہی فضیلت رکھتا ہے۔

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَدِ : عَلَّامٌ طَبِیْعٌ فَرَمَاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو علم کی برکت سے نیک اعمال کی ترسینق عطا فرمائے گا جو دخول جنت کا سبب ہوگا۔

قَوْلُهُ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا - فرشتے طالب العلم کی رضامندی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ کیا یہ حقیقت پر محمول ہے اس میں چار قول ہیں :-

قول اول : حقیقی معنی مراد ہیں کہ ذاتی فرشتے طالب العلم کے اعزاز کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اس پر بہت واقعات شاہد ہیں (کَمَا فِي الْمَرْقَاتِ)

قول دوم : لَتَنْصَحُنَّ الْجَنَّةَ كَمَا يَهْدِي طَيْرَانٌ سَمْعِي رَكْنَا اور سماع ذکر کے لیے اترنا یعنی فرشتے اڑنے سے رک جاتے ہیں اور زمین پر اتر کر مجلس علمی میں شریک ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں گزرا ہے (وَحَفَّتُهُمُ الْمَلَائِكَةُ) قول سوم : وضع جناح کنایہ ہے تواضع سے کما فی قولہ تعالیٰ "وَاحْفَظْ لَكَ مَا جَنَاحُ الدَّيْنِ"۔ (یہ بنی اسرائیل) تواضع کے معنی مراد ہیں۔

قول چہارم : وضع جناح فرشتوں کی سلامی ہے جس طرح فوج شاہی مہمانان شاہان کو سلامی دیتی ہے اسی طرح فرشتے بھی مہمانان رسولؐ کے لیے اپنے پر جھکا کر سلامی دیتے ہیں۔ قولہ "وَإِنَّ الْعَالَمَ لَاسْتَفْعَدُ لَكَ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" آسمان اور زمین میں خدا کی جتنی مخلوق ہے حتیٰ کہ مچھلیاں بھی عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔

سوال - یہ کہ تعظیم بعد از تخصیص میں کیا نائدہ ہے کہ پہلے تعظیم کر کے کہا "مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ"۔ عالم کے لیے مغفرت کرتی ہیں پھر تخصیص کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لیے استغفار کرتی ہیں ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہیں ان کو الگ کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب اول : کہ دراصل عالم کی انتہائی فضیلت و عظمت کا اظہار مقصود ہے اور عظمت کے اظہار کا یہ ایک طریقہ ہے اسی وجہ سے یہ تعبیر اختیار کی گئی۔

جواب دوم : اس طرٹ اشارہ ہے کہ پانی کا برسننا جو رحمت خداوندی اور نعمت الہی کی علامت ہے۔ اور دنیا کی اکثر آسانیاں اور راحتیں اسی سے حاصل ہوتی ہیں اور تمام خیر و بھلائی جو اس کے علاوہ ہیں سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہیں یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے عطا ہی کی برکت کی بنا پر ہے حدیث شریف میں ہے "يُمُطَّرُونَ وَ يَبْرَحُونَ"۔

سوال - یہ سب چیزیں عالم دین کے لیے کیوں استغفار کرتی ہیں ؟

جواب : پورے عالم کا بقا بقائے عالم پر موقوف ہے اس لیے کہ جب تک

اللہ اللہ کہنے والے اس دنیا میں رہیں گے تو دنیا باقی ہے گی۔ اور جب کوئی بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی نہ ہے گا تو قیامت آجائے گی۔ اور اللہ اللہ کھانے والا طبقہ علماء دین ہی کا ہے گویا علماء دین دنیا کا تعوید ہیں۔

قَوْلُهُ وَإِنْ فَضِّلَ الْعَالِمُ عَلَى الْعَابِدِ ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب طالب علم کی فضیلت بیان کی ، اب عالم کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں۔ عالم اور عابد کی تعریف ملاحظہ فرمادیں۔

عالم سے مراد وہ شخص ہے جو فرائض و واجبات پر سے کڑا ہو  
محرمات سے بچتا ہو اور نفل عبادت کی طرف بھی کچھ توجہ ہو  
تعریف عالم دین

لیکن اس کے زیادہ مشاغل تعلیمی ہوں یعنی وصف علم غالب ہو۔  
جس کو ضرورت کے مطابق علم بھی ہو مگر وصف عبادت غالب ہے  
تعریف عابد  
کہ اکثر اوقات فرائض میں مصروف رہتا ہے علی مشغول نہیں رکھتا  
اس عالم کی فضیلت اس عابد پر بیان کی جا رہی ہے۔ ورنہ نرا عالم بے عمل اور عابد بے علم قابل ذکر بھی نہیں کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے " اَشَدُّ النَّاسِ عِنْدَ اَبَا يَعْمُ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعِهِ اللَّهُ بَعْلًا لَا تَهْ يَكُونُ حَيًّا مَيِّتًا مُضِلًّا "

قَوْلُهُ كَفَضَّلَ الْقَمَرُ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو قمر کے ساتھ تشبیہ دی اور عابد کو ستاروں کے ساتھ وجہ تشبیہ دو ہیں :-  
اول وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح ستاروں کی روشنی منقذی نہیں بلکہ اپنی ذات پر منحصر ہے دوسروں تک منقذی نہیں بخلاف قمر کے کہ اس کی روشنی دوسروں تک منقذی ہے اسی طرح عالم کے علم کا فائدہ دوسروں تک منقذی ہے۔

دوئم ، جس طرح قمر کی روشنی اپنی ذاتی نہیں بلکہ مستفاد من الشمس ہے اسی طرح عالم کا علم مستفاد من شمس النبوت ہے بخلاف عبادت کے کہ یہ مستفاد من شمس النبوت نہیں ہے وہ حقیقت میں علم ہی نہیں بلکہ وہ ایک صفت ہے۔

سوال - یہ کہ عالم اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر عمل نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں اسی طرح عابد

بغیر علم کے عابد نہیں ہو سکتا کیونکہ عبادت کی اصل روح علم میں پوشیدہ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جو عالم باعمل ہوگا وہی عابد بھی ہوگا جو عابد ہوگا وہی عالم بھی ہوگا تو دونوں میں کیا فرق ہوا؟  
**جواب :** عالم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادت میں مشغول ہے۔  
 لہذا معلوم ہوا کہ عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے۔ اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔  
 قَوْلُهُ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَكُنُوزٌ تَوْجِدُ يَسَارًا : مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اموال ان کی وفات کے بعد رشتہ داروں کو میراث میں نہیں ملتے بلکہ پوری امت کے لیے وقف ہوتے ہیں تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ انبیاء کرام نے کبہ پروری کے لیے مال جمع کیا تھا۔ یعنی نبی کریم علیہم السلام نے من کل الوجوه دنیا کی نفی کر دی۔

**سوال :** آپ نے تو درہم دنیا پر نفی فرمادی حالانکہ آپ کی کافی ملکیت تھی مثلاً

صفا یا بنو نضیر، ذک، خبیر وغیرہ؟

**جواب :** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے مال کی نفی فرما رہے ہیں جو وراثت والا ہو جس میں وراثت جاری ہوتی ہو۔ یہ ذک، بنو نضیر صفا یا وغیرہ۔ یہ ان کی زندگی مبارک میں تھا بعد میں یہ مال نواب المسلمین کے حکم میں تھا۔ حضرت کی ذال ملکیت نہیں تھی۔ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک واقعہ اس پر شاہد ہے۔

## تقسیم میراث رسول کا واقعہ

وَبَدَأَ كُرْعَنَ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّكَ مَرَّ يَوْمًا فِي السُّوقِ بِضَمِيمٍ مُشْتَمِلِينَ  
 بَنِي جَارَاتِهِمْ فَقَالَ اسْتَوْفُوهُمْ وَأَمِيرَاتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْسَمُونَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَامُوا سِرَاعًا إِلَيْهِ فَلَقُوا حَبِيبًا  
 فِيهَا إِلَّا الْقُرْآنَ وَالذِّكْرَ وَمَجَالِسَ الْعِلْمِ فَقَالُوا إِنَّ مَا قُلْتَ  
 يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ هَذَا مِيرَاثُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يُقْسَمُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ وَلَيْسَ بِمَوَارِيثِهِ ذُنُكُورُ رَمَقَاتٍ ۝ ۲۸۱



قَوْلُهُ أَخَذَ بِحِطِّ وَاقِرٍ : بِحِطِّ میں بار زائد ہے اِیَّ أَخَذَ حِطًّا وَاقِرًا  
یعنی نصیباً تاماً عند البعض أَخَذَ بِمَعْنَى الْأَمْرِ : اصل عبارت تھی "فَصَنَّ  
أَرَادَ أَخَذَ" فَلْيَأْخُذْ بِحِطِّ وَاقِرٍ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوامامہ  
ؓ سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں دو شخصوں کا ذکر ہوا جن میں  
سے ایک عابد دوسرا عالم ہے تو حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم کی عابد پر فضیلت  
ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ

وَعَنْ أَبِي أَمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ  
قَالَ ذَكَرَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا  
عَابِدٌ وَالْآخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ  
الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي أَذْكَاءُ

قَوْلُهُ رَجُلَانِ : رَجُلَانِ سے کون سے رَجُلَانِ مراد ہیں۔ مُؤَدِّمِینَ نے  
لکھا ہے کہ یہ تمثیل تھی یا واقع میں موجود تھے۔ خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں  
یا اس سے پہلے سب احتمالات ہیں لیکن جمہور حضرات کے نزدیک خاص مراد انہیں  
بلکہ عمومی سوال ہے یعنی اگر دو آدمیوں میں سے ایک عالم دوسرا عابد ہو تو درجہ کس کا  
زیادہ ہوگا؟ عالم و عابد کی تحقیق گزری چکی ہے۔

قَوْلُهُ عَلَى أَذْكَاءُ : حضرت نے یہ جملہ استعمل فرما کر تواضع کے اندر مباذ  
فرمایا۔ اگر یوں فرماتے "كَفَضْلِي عَلَى أَذْكَاءُ" تب بھی صحیح تھا کیونکہ امت کا اعلیٰ سے  
اعلیٰ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ شان کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا جیسے اور مقام پر  
فرماتے ہیں "وَاحْشَرْنِي فِي رُتَبَةِ الْمَسَاكِينِ"

رب تعالیٰ فرماتے ہیں "مَكَلْنَا نُورَهُ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ" اس آیت  
میں نور الہی کی مثال نور چراغ سے دی گئی۔ حالانکہ چراغ کے نور کو اس نور سے کیا نسبت  
اس طرح یہ بھی تمثیل ہے۔

قَوْلُهُ مَلَأْنَا مَكَلْنَا : عالمین عرش فرشتے مراد ہیں۔

قوله اهل السموات : مقام ہذا پر ایک سوال ہے۔

سوال : ملائکہ بھی اہل السموات ہیں۔ جب ان کا ذکر ہو چکا پھر اہل السموات کو کیوں بیان فرمایا ؟

جواب اول : ملائکہ خاص فرشتے عالمین عرش مراد ہیں جب کہ اہل السموات سے باقی فرشتے مراد ہیں۔

جواب دوم : یہ تعلیم بعد از تخصیص ہے یعنی عطف العلم علی الخاص کے قبیل سے ہے۔ قوله والارض - مِنَ الْجِنِّ وَالْانْسِ وَالْحَيَوَانَاتِ حیوانات مراد لینے کا قرینہ حتی الثملة ہے۔ کیونکہ حتی انتہاء غایت کے لیے آتا ہے اور غایت مغمیاں اس وقت ہوتی ہے جب شئی داخل ہو۔

قوله حتی الثملة : حتی کے اندر ممکن احتمال ہیں۔ اول : حتی عاطفہ ہے تو ثملہ منصوب ہوگی۔ دوم : حتی جارہ ہے تو ثملہ مجرور ہوگی۔ سوئم : حتی ابتدائیہ ہے تو ثملہ پر رفع ہے لیکن نصب اصح ہے۔

سوال : ثملہ کی تخصیص کیوں کی حالانکہ ما قبل میں اهل الارض کا ذکر ہے جس میں ثملہ بھی داخل ہے۔

جواب اول : ثملہ واحد جانور ہے جو ذخیرہ بہت جمع کرتا ہے تو اس کو اپنے ذخیرہ کی برکت کے لیے علماء کی دعاؤں کی ضرورت ہے اس لیے یہ علماء کے لیے دعا ذخیرہ کرتی ہے۔

جواب دوم : ثملہ اور حیوت کی تخصیص کر کے اشارہ کیا جنس الحلال والحرام کی طرف کہ بحر میں جنس حیوت حلال ہے اور بحر میں جنس ثملہ حرام ہے۔

قوله علی معلو الناس الخیر : جو تعلیم دیتا ہے لوگوں کو خیر کی خبر سے مراد عند البعض علم دین ہے عند البعض مابہ النجاة ہے۔

يقول ابوالاسعاد : حضرت معلو الناس الخیر کی تعبیر تو اختیار کی ادبوں کیوں نہ فرمایا معلو ليعلمو یہ اشارہ ہے کہ دعا خیر کا مستحق وہ عالم ہو سکتا ہے جو اشاعت دین میں معروف ہو جو بیکار ہے یا دیوی کاروبار میں ہے۔ اس کیلئے یہ دعا نہیں۔

قَوْلُهُ عَنْ مَكْحُولٍ وَلَوْ يَدُ كَثَرِ رَجُلَانِ : یہاں سے دو اختلاف تھے ان کو بیان کر رہے ہیں۔

یہ کہ پہلے روایت متصل تھی کیونکہ حضرت ابوامامہؓ ابابلی صحابی ہیں اور انہوں نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے جب کہ مکحولؓ تابعی ہیں انہوں نے براہ راست نہیں سنی۔ جو مرسل بنے گی جس کو کاتب کہے ہیں عن مکحول مرسلاً۔

## اختلاف اول

حضرت ابوامامہؓ ابابلی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ”رجلان

احدهما عابدٌ والاخر عالِمٌ“ مگر مکحول کی روایت میں ”رجلان کا ذکر ہی نہیں جس کی یوں بیان کیا۔“ وَلَوْ يَدُ كَثَرِ رَجُلَانِ قَوْلُهُ ثَوْرٌ تَكَ ..... اِی مکحولؓ ونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

قَوْلُهُ اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ : یہ آیت تلاوت فرما کر فضیلت عالم کی علت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ علم دین سے خشیت اور خشیت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ اگر میت اور افضلیت کا سبب ہے ”اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اَتْقَاهُمْ“

قَوْلُهُ وَسَدَّ الْحَدِيثَ : اَيُّ ذِكْرٍ وَاَوْسَدُ مَكْحُولٌ بِفَيْتَةِ الْحَدِيثِ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوسعید خدریؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تمہارے تابع ہیں اور بہت لوگ اطراف زمین سے تمہارے پاس دینی فقہ سیکھنے آئیں گے جب وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو۔

وَعَنْ ابِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النَّاسَ لَيَكْفُرُونَ وَإِنَّا رَجَاءُ يَأْتُونَكَ مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ يَتَفَقَهُونَ فِي الدِّينِ فَإِذَا اتُّوْكَفَرُوا فَاسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا

خلاصہ الحدیث : اس حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کو یہ

بتایا جا رہا ہے کہ میرے بعد چونکہ تمہاری ہی ذات دنیا کے لیے رہبر و راہنما ہوگی اور تم ہی لوگوں کے پیشوا اور امام بنو گے اس لیے تمام دنیا کے لوگ تمہارے پاس علم دین حاصل کرنے کے لیے آئیں گے تو تمہیں چاہیے کہ تم ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کی نگہداشت کے اندر کوتاہی نہ کرنا۔ نیز ان کے قلوب کو علم دین کی اس مقدس روشنی سے جس سے تمہارے قلوب براہ راست فیض یاب ہو چکے ہیں منور کرنا۔

قوله لَكُمْ تَبِعُوا - تتبعوا تابع کی جمع ہے لفظ تابعی اس حدیث سے لیا گیا ہے یعنی صحابہ کے کابل متبعین اور یہ خطاب صحابہ کرامؓ اور علیہ السلام کو ہے کہ تاقیامت مسلمان تمہارے اخلاقی افعال اور اقوال کی پیروی کریں گے کیونکہ تم نے بلا واسطہ مجھ سے فیض لیا ہے۔ شریعت میرے اقوال ہیں، طریقت میرے افعال، حقیقت میرے احوال ہیں۔ تم نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے۔

ثانیاً: اس میں پیشگوئی ہے علوم نبوت کے پھیلنے کی۔ ثالثاً: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین سیکھنے کے لیے صرف مطالعہ کافی نہیں بلکہ تفقہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی کے سامنے زانو کے تلمذ طے کیے جائیں خواہ اس کے لیے طویل سفر کی مشقت ہی برداشت کرنی پڑے۔

قوله مِنْ أَقْطَارِ الْأَرْضِ : اسی جوا نبھا و افاقھا۔ یعنی دور دراز کا سفر کر کے آپ کے ہاں پہنچیں گے۔

قوله يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ : اسی یطلبون العلم مراد اس سے مطلقاً دینی مہارت حاصل کرنا ہے۔

قوله فَاسْتَوْصُوا بِهٖ خَيْرًا - اس کی تشریح میں کئی اقوال ہیں :-

- (۱) ان کو خیر کی وصیت کرو۔ وصیت سے مراد پر سوزنا کیسری نصیحت ہے۔
- (۲) ان کے بارہ میں خیر کی وصیت قبول کرو یعنی میں تم کو ان کے ساتھ حسن معاملہ کی وصیت کرنا ہوں۔ معلوم کائنات کی طرف سے امت کے تمام معلقین کو وصیت ہے متعلقین کے ساتھ حسن معاملہ اور بھلائی کے ساتھ پیش آنے کی۔
- (۳) تم ان کے بارہ میں اپنے قلب سے خیر کی وصیت طلب کرو یعنی یہ سوچو اور مراقبہ کرو

کہ جو لوگ مرت علم دین کے لیے اتنے لمبے سفروں کی مشقت برداشت کر سکتے ہیں ان کے ساتھ کس نوع کا معاملہ کرنا چاہیے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علی بات عالم کی اپنی گم شدہ چیز جہاں پائے وہی اس کا مقدار ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْكَلِمَةُ الْحَكِيمَةُ  
ضَالَّةٌ الْحَكِيمُ فَحَيْثُ وَجَّهَهَا  
فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا۔

قولہ کَلِمَةُ الْحَكِيمَةِ: حکمت سے کیا مراد ہے اس میں مختلف قول ہیں  
اول: حکمت سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔ کہانی قولہ تعالیٰ رِیَاضُ الْحَكِيمَةِ  
مَنْ يَسَاءُ بِتِ

دوم: حکمت سے مراد کلمات حکیمانہ ہیں۔ کہانی قولہ تعالیٰ: لَيْسَ وَالْفُزَّاءِ الْكَلِمَةُ الْحَكِيمَةُ  
سوم: جمہور حضرات کے نزدیک ہر اہم خیر حکمت میں داخل ہے۔

قولہ ضَالَّةٌ: گم شدہ چیز کو کہتے ہیں۔ کہانی قولہ علیہ السلام۔ مَنْ سَمِعَ  
رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا آذَانَ هَذَا اللَّهُ إِلَيْكَ رَابِعًا شَرِيفًا  
بَابُ كَرَاهِيَةِ انْتِزَاعِ الضَّالَّةِ فِي الْمَسْجِدِ۔

قولہ الْحَكِيمُ: تعریف حکیم در اصطلاح منطقیان۔ الْحَكِيمُ مَنْ  
اتَّقَنَ فِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ بَقِيَّةً طَاقَةً الْبَشَرِيَّةِ مِمَّا اس جگہ حکیم بمعنی عالم باعلیٰ ہے۔  
قولہ وَجَّهَهَا۔ اِی الضَّالَّةُ۔

یہ حدیث دانشمند اور صاحب فہم انسان

خُلاصۃ الحدیث: کہ یہ احساس و شعور غش رہی ہے کہ جب

کسی سے دین کی کوئی فائدہ مند بات سنی جائے تو عقل کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ فوراً اسے  
قبول کر کے اس پر عمل کرے یہ انتہائی بیوقوفی کی بات ہے کہ اگر فائدہ مند بات پہنچے مگر

سنے اور لسنے ناقابلِ عمل کچھ کر چھوڑے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حق بات کو حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے صاحبِ عقل سے سنے اور عمل کرے۔ پھر وہی بات اپنی کسی کنیز سے سنے اور عمل نہ کرے تو وہ مُستَکِب کہلاتے گا۔

مرد باید که گیرد اندر گوشش — گر نوشته است پند بر دیوار

## تشریح ضالۃ الحکیم

اس کلمہ تشریح میں مُتَعَدِّد قول ہیں :-

**قول اول :** دانا کو دانا کی بات کسی اوتی آدمی سے بھی حاصل ہو تو اس کے لینے میں عار نہ کرے کیونکہ یہ اس کا گمشدہ سامان ہے جس طرح کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور اس کو دوسرا شخص پائے تو لے لیتا ہے اس کی طرف نہیں دیکھتا کہ وہ کیسا ہے اچھا ہے یا بُرا! الحاصل : فَانْظُرْ اِلٰی مَا قَانَ وَذَنْتَظُرْ اِلٰی مَنْ قَانَ۔

**قول دوم :** دانا آیت یا حدیث سے دقائقِ مسائل کا استنباد کرے تو ناقص فہم اس کا انکار نہ کرے۔ جیسے صاحبِ ضالہ سے متنازع نہیں کیا جاتا جب کہ وہ اپنے گم شدہ سامان کو پائے۔

**قول سوم :** کسی کو کوئی علمی بات سمجھ میں نہ آئے تو اس کو حکیم کے حوالہ کرے ضائع نہ کرے جیسے گم شدہ سامان کو اس کے مالک کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

**قول چہارم :** عالم سے اگر کوئی مسئلہ پوچھے تو بتانے میں بخل نہ کرے جیسے صاحبِ ضالہ سے ضالہ کو روکا نہیں جاتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جیسے اہل علم روکنا درست نہیں، نااہل کو دینا بھی درست نہیں جیسا کہ آگے حدیث میں آ رہا۔  
” منع علم از اہل آں جائز نیست، اعطائے آں بہ نااہل نیز روا نہ باشد (اشعۃ المعانی)“

بے ادب را علم و فن آموختن دادن تیغ بدست را ہزن

سوال : حدیث مذکورہ کا حدیث ثانی سے تعارض ہے۔

”وَعَنْ ابْنِ مَسْرُوقٍ قَالَ إِنَّ هَذَا الْعُلُوْءَ دَيْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ“

دینکھو (منکولہ شریف مناجا)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ استاذ کے عمل و اخلاق دیکھ کر منتخب کرو۔

یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کی مراد الگ الگ ہے۔ حدیث الباب  
ایسے لوگوں کے متعلق ہے جن کو بصیرت اور تفقہ فی الدین حاصل ہے

**جواب**

جو غیر شر میں تمیز کر سکتے ہیں۔ جب کہ حدیث ابن سیرینؒ ایسے لوگوں کے متعلق ہے جو  
عدم البصارت ہوں اور جو کھر سے اور کھڑے میں خود فرق نہیں کر سکتے۔ اور جو بغیر تحقیق  
ہر نصیحت و حکمت کا اتباع ہی کر لیں گے ان کے لیے ہے کہ استاذ دیکھ کر انتخاب کریں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن  
عباسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فقیہ شیطان پر ہزار  
عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ  
عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ :

قولہ فقیہ : فقیہ سے مراد وہ شخص ہے جس کو فہم دین اور فطانتہ صادقہ عطاء  
کی گئی ہو اور وہ نفس و شیطان کے مکر و فریب کو اچھی طرح جانتا ہو۔ بعض حضرات کے نزدیک  
فقیہ سے مراد عالم یا حکام الدین ہے جو موافق حلت و حرمت کو خوب جانتا ہو۔

قولہ الف عابد : الف کی قید احترازی نہیں بلکہ عدد تکثیر مراد ہے۔  
مختمین حضرات نے بحث کی ہے کہ کیونکہ فقیہ واحد الف عابد سے زیادہ سخت ہے  
شیطان پر اس میں دو قول ہیں :-

فقیہ چونکہ شیطان کے مکر و فریب سے خوب آگاہ ہوتا ہے ایسا شخص  
صرف یہ کہ خود شیطان یا اغوار سے بچا رہتا ہے بلکہ اور بھی کئی لوگوں

**قول اول**

پر اس کے حملے ناکام بنا دیتا ہے بخلاف عابد کے کہ اس کو گمراہ کرنا شیطان کے لیے  
بہت آسان ہوتا ہے اس لیے ہزار عابد سے وہ اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایسے فقیہ سے  
ڈرتا ہے۔

**قول دوم** مقابلہ کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ کامیابی اس شخص کے ہتھ میں آتی ہے جو اپنے حریف و مد مقابل کے دائرہ بیچ سے بخوبی واقف ہو اور اس کا توڑ جانتا ہو یہی حال عالم و نقیبہ کا ہے کہ وہ شیطانی حملوں کا توڑ جانتا ہے بخلاف عابد کے کہ عابد اس کے حملوں سے نا آشنا ہے۔ فیہذا قال

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

**قول اول** قولہ طَلِبُ الْعِلْمِ: علم سے مراد کون سا علم ہے اس میں دو قول ہیں۔ ۱۔ علم سے مراد اخلاص اور آفات نفس کی معرفت مراد ہے یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں سے خود بے بضاعت رکھے اور ان چیزوں کا علم حاصل کرے جو اعمال خیر کو ناسد کرتی ہیں۔

**قول دوم** جمہور حضرات کے نزدیک علم سے مراد علم دین ہے جس کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ میں پڑتی ہے۔

قَوْلُهُ فَرِيضَةٌ: فرض کا معنی ہے مَا ثَبَتَ بِكَ لَيْلٍ قَطٍ جس کا انکار کفر ہے۔ اور فرض دوم ہے ۲۔

۱۔ فرض عین: ضروریات دین جس پر نجات موقوف ہے۔ ۲۔ فرض کفایہ: فرض عین کی تاء مبالغہ کی ہے ہر قسم کے فرائض مراد ہیں یعنی فرض عین و فرض کفایہ فرض عین میں کسی مسلم کی تخصیص نہیں۔ سوائے غیر بالغ کے کیونکہ بندہ جس چیز کا مکلف ہے اس کا علم فرض عین ہے مثلاً معرفت مانع و وحدانیت نبوت، نماز وغیرہ یا جس خاص کام میں مبتلا ہو اس کا علم بھی فرض عین ہے فرض کفایہ میں جماعت



کی ضرورت نہیں اور اس سے مراد اجتہاد و فتویٰ وغیرہ کے درجات ہیں یہ سب فرض کفایہ ہیں۔

قَوْلُهُ عَلَى كُلِّ مَسْئَلٍ : یہاں پر اشکال ہے۔

سوال : مُسْلِمَتٌ کیوں نہیں فرمایا حالانکہ حصول علم تو ان کے لیے بھی ضروری ہے  
جواب : مُسْلِمٌ سے مراد مکمل مُسْلِمٌ مَنِ يَتَّصِفُ بِأَوَّلِ شَلَمٍ سَوَآءٌ كَانَ ذَكَرًا  
أَوْ أُنْثَىٰ لِهَذَا مُسْلِمٌ میں مذکور مؤنث دونوں شامل ہیں۔

قَوْلُهُ وَوَضَعَ : وَضَعَ بِمَعْنَى يُسَرِّضُ یعنی پیش کرنا۔ فی زمانہ اس کی شکل  
تعلیم کی ہے۔

قَوْلُهُ غَيْرِ أَهْلِهِ : غیر اہل سے کون مراد ہے ؟ اس میں محدثین کے متعدد

اقوال ہیں ۱۔  
قول اول - غیر اہل سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کی فہم و فراست سے یہ علم  
بالآخر یعنی جو سمجھ نہ سکے۔

قول دوم - غیر اہل سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کا مقصد تحصیل علم سے دنیا کا حصول  
ہو نہ رضائے باری تعالیٰ۔

قول سوم - جوامع مانائی الاقوال ہے کہ جس کو دین کی تڑپ نہ ہو زہدی زور اس کو  
پڑھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں «لَا تَحْدِثُوا النَّاسَ بِمَا يَفْهَمُونَ»  
يَعْرِفُونَ اَتَحْبِبُونَ اَنْ يَكْذِبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ رَمَلَتْ مَا جَاءَ

قَوْلُهُ هَذَا حَدِيثٌ مُشْتَبُهٌ : یعنی یہ حدیث بہت سی ضعیف اسنادوں  
سے مروی ہے لہذا قوی ہے کیونکہ کثرت اسناد ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوئیں اچھے  
اخلاق اور نہ دینی تقاہت۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ  
فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ مَعْتَبٍ

وَلَا فِقَّةٌ فِي الدِّينِ :

قَوْلُهُ حَصَلَتَانِ : اسی صفتان میں کو وصف اور فصلت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔  
قَوْلُهُ لَا يَجْتَمِعَانِ : اکثر حضرات اس کا معنی کہتے ہیں کہ جمع نہیں ہوتیں مگر  
اس پر سوال ہوگا یہ دو فصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں اکیلی اکیلی آ سکتی ہیں حالانکہ اکیلی اکیلی بھی  
نہیں ہوتیں۔

جواب : یہ معنی نہیں کہ جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ دونوں صفیتیں نہیں آ سکتیں  
یعنی تقی جمع کی نہیں بلکہ پیدائش و آمد کی نفی ہے کہ منافق ہیں یہ صفیتیں پیدا ہی نہیں ہوتیں جب  
پیدا ہی نہیں ہو سکتیں تو اجتماع کیسے۔

سوال : پھر یہ تعبیر کیوں اختیار فرمائی یعنی لَا يَجْتَمِعَانِ تو فرمایا لَا يَخْلُقَانِ کیوں  
نہ فرمایا۔

جواب : اصلاً یہ تعبیر اختیار فرما کر دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا جو لَا يَخْلُقَانِ  
میں نہیں تھیں۔ اول : حضرت نبی کریم علیہ السلام نے یہ تعبیر اختیار فرما کر مسلمانوں کو اس بات  
پر ابھارا ہے کہ وہ ان دونوں صفات کو حاصل کریں ترے علی ہذا الصفات کی طرف اشارہ ہے  
کما فی قولہ تعالیٰ «فَوَيْلٌ لِلْمُصْشِرِ لِكَيْ لَا يَكُونَ مِنَ الْزَّكَاةِ وَهُوَ بِآلِهَا خَلِيفَةٌ  
هُوَ كَاخِرُونَ رَبِّكَ خَسِرَ السَّجْدَةَ» حالانکہ شرک کو زکوٰۃ کے ساتھ کیا تعلق ہے وہ تو  
اس کا مکلف بھی نہیں بلکہ مسلمانوں کو زکوٰۃ پر ابھارنا ہے۔

دوئم : اس بات کی بھی رغبت دلائی مقصود ہے کہ یہ دو صفیتیں ایسی ہیں کہ مسلمان  
و مؤمن مخلص کی شایان شان ہیں اور اسی کو زیب دیتی ہیں منافق کا کیا حق ہے کہ وہ اس  
کو حاصل کرے کما فی قولہ علیہ السلام «الْكَلِمَةُ الْحَكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيمِ وَبِهِتْ  
وَجَدَهَا فَمَا وَاحِقٌ بِهَا»۔

قَوْلُهُ حَسَنٌ سَمِئٌ : سَمِئٌ بمعنی خلق و سیرت و طریقہ حسنہ یعنی اچھے  
اخلاق کا مالک ہونا، اچھی سیرت کا مالک ہونا، اچھے طریقہ پر چلنا۔  
قَوْلُهُ فِقَّةٌ فِي الدِّينِ : عیلامہ نور پستی فرماتے ہیں کہ تفقہ فی الدین سے

مراد فہم دین ہے اور فہم دین کی حقیقت یہ ہے کہ دین کی معرفت پیدا ہو جائے زبان سے اس کا اظہار ہو اور اس کے مطابق عمل کرے جس کے سبب سے خوفِ خدا اور تقویٰ حاصل ہو۔  
سوال : بہت منافق عالم ہوتے ہیں۔

جواب : علم اور چیز ہے فقاہت اور چیز ہے نفی فقاہت مقصود ہے علم کی نفی مقصود نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مقدس میں فرماتے ہیں : « قُلُوْجٍ لَا تَفْقَهُوْنَ بِهَا دِلَّ لَا يَعْلَمُوْنَ بِهَا » نہیں فرمایا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تلاشِ علم میں نکلا وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِي طَلِبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَتَّى يَرْجِعَ

قولہ خَرَجَ : ای من بیتہ او بلدہ : گھر اور شہر دونوں کا خروج مراد ہے کیونکہ بعض دفعہ بیت خود شہر میں ہوتا ہے و بالعکس۔  
قولہ فِي طَلِبِ : ای لِحُصُولِ الْعِلْمِ - فی اجلہ تفسیر یہ ہے کیونکہ علم غرٹ تو نہیں بن سکتا۔

قولہ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے یعنی وہ طالب علم دین، مجاہد کی طرح ہے جو خواب مجاہد فی سبیل اللہ کو ملتا ہے وہی طالب علم دین کو ملتا ہے۔ فی سبیل اللہ کی قید لگا کر رضاء الہی کی طرف اشارہ فرمایا کہ حصول علم میں رضاء خداوندی ہو نہ کہ غرض دیگر۔

سوال : طالب علم کو مجاہد کے ساتھ کس بات میں تشبیہ ہے۔

جواب : تین باتوں میں تشبیہ ہے۔

اول : اذلالِ شیطان کہ جس طرح شیطان کا مقصد پورے عالم کی گمراہی ہے جب کہ مجاہد کا مقصد پورے عالم پر اللہ کی حکمرانی ہے یہی حال طالب علم دین کا ہے کہ

کہ پورے عالم میں اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت ہو۔  
 دوئم عتاب نفس : کہ نفس خواہشات و طویل زندگی کو پسند کرتا ہے جب کہ  
 مجاہدانِ دوزوں کی نفی کرتا ہے۔ یہی حال طالب علم دین کا ہے کہ حصولِ دین میں جو  
 مشقتیں ہیں نفس ان کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن طالب علم دین نفس کی پرواہ کئے بغیر  
 اس کے حصول میں لگا رہتا ہے۔

سوم احیاءِ دین : کہ مجاہد کا ایک مقصد جہاد سے دین نبوی کی اشاعت ہے  
 اور کفر و ضلالت کا خاتمہ ہے۔ یہی حال طالب علم کا ہے کہ وہ بھی اپنے علم کے ذریعہ ضلالت  
 و جہالت کو ختم کر کے دین کی اشاعت کا طالب ہے۔

قولہ حَتّٰی یَرْجِعَ : اَیْ فِیْ بَیْتِہٖ وَبَلَدِہٖ - یعنی جب تک وہ واپس  
 نہ آجائیں اپنے گھر یا اپنے شہر کی طرف۔

یَقُوْلُ اَبُو الْاَسْعَاد : تحصیل علم کے لیے خروج یہ بھی ایک درجہ ہے مگر  
 اعلیٰ درجہ بعد حصول العلم تدریسی و تعلیمی مشاغل کا ہے۔ جس کو قرآن مُقَدَّس میں یوں  
 بیان کیا گیا ہے۔

”فَلَوْ لَا تَفَرَّدَ مِنْ كُلِّ فِرْقَہٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لَّيَتَفَقَّهُوا  
 فِی الدِّیْنِ لَیُعَلِّمُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْہِمْ لَعَلَّهُمْ  
 یَحْذَرُوْنَ“ (پک لوبہ)

یعنی حَتّٰی یَرْجِعَ فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب وہ فارغ ہو جائے  
 ہیں اس وقت اس سے بھی بڑا درجہ پاتے ہیں کیونکہ اب وہ وارث الانبیاء بن کر دین  
 کی تعلیم و ترویج اور ناقصوں کو کامل بنانے کے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنی تعلیم کے بعد  
 تدریسی مشاغل اختیار کرنے کی طرف ترغیب ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت سیدنا  
 اُردی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے تلاش علم کی تو

وَعَنْ سَخْبَرَةَ الْأَنْدَلُسِ  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ

كَانَ كَفَّارَةً لِّمَا مَعْنَى

یہ تلاش اس کے گزشتہ گناہوں کا  
کفارہ ہوگئی۔

قَوْلُهُ اَلْبَلَمُ : جمہور حضرات کے نزدیک شریعت مقدس کا علم مراد ہے  
جب کہ صوفیاء کرام کے اس علم باطنی جس کو علوم طریقت بھی کہتے ہیں وہ مراد ہے۔

قَوْلُهُ كَانَ : طلبت علم کی طرف مرجع ہے۔  
قَوْلُهُ كَفَّارَةً لِّمَا مَعْنَى : ایسے گناہوں کا کفارہ ہیں جو صائر ہیں یعنی  
حقوق اللہ عند البعض علم کفارہ نہیں بلکہ طلب العلم وسیلہ ہے مَا يَكْفُرُهُ الذَّنُوبُ  
کے لیے۔

طالب علم سے صغیر گناہ معاف ہو جاتے

ہیں جیسے وضو، نماز، عبادات وغیرہ

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طالب علم جو گناہ چاہے کرے یا مطلب یہ ہے کہ اگر تم  
نیت خیر سے علم طلب کرنے والوں کو گناہوں سے بچنے اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا  
کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

قَوْلُهُ وَابْنُ دَاوُدَ الرَّاوِي يَضَعُفُ : یہ ابوداؤد اور ابن سلیمان ابن  
اشعث سجستانی نہیں ہیں جن کی مشہور کتاب سنن ابی داؤد شریف ہے بلکہ ان کا نام نفع  
ابن عمارث ہے کوڈ کے رہنے والے ہیں۔ ہمدان کے قاضی تھے اور نابینا تھے حدیث  
میں ضعیف مانے جاتے ہیں۔

## آسمائے رجال

یہ حضرت سحبرہؓ ہیں اور ان کی کنیت ابو عبد اللہ الزدجلی  
ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ روایت کرتے ہیں ان کے

حالات حضرت سحبرہؓ

ہی ایک روایت ہے جو کنیہ العلم میں ہے۔ سحبرہؓ میں مدینہ پر فخر اور غام مجرماکن اور باہر مہترہ  
مفتوح ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ  
الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَنْ يَشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَيْرٍ  
يَسْمَعُهُ حَتَّى يَكُونَتْ  
الْمُنْتَهَاءُ الْجَنَّةُ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو سعید  
خدری رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن خیر کے سنے  
سے کبھی سیر نہ ہوگا تاکہ اس کی انتہاء  
جنت ہو جائے۔

قَوْلُهُ لَنْ يَشْبَعَ : اى لن يملأ البطن ؛ کہ اس کا پیٹ نہیں بھرے گا  
جب آدمی کھانا کھائے اور سیراب ہو جائے تو اس پر شبع البطن کا اطلاق ہوتا  
ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفارح کا صیغہ استعمال فرمایا جو دال براستمرار ہے  
معنی ہوگا کہ کبھی بھی سیراب نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ الْمُؤْمِنُ : مؤمن سے مراد کامل مؤمن ہے مطلق مراد نہیں مگر مؤمن  
کی قید لگا کر اشارہ فرمایا کہ علم دین کی حرص ایمان کی علامت ہے جتنا ایمان قوی ہوگا  
اتنی ہی یہ حرص زیادہ ہوگی بڑے بڑے علماء علم پر قناعت نہیں کرتے۔

قَوْلُهُ مِنْ خَيْرٍ : خیر سے مراد علم ہے اور خیر یعنی نفعی کے ہے یعنی مؤمن  
کو علم سے سیر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عالم کی یہ صفت ہے کہ وہ مرتے دم تک علم کی تلاش میں  
ہے۔ موفیاء فرماتے ہیں : « اطلبوا العلم من المهد إلى المهد »

قَوْلُهُ الْمُنْتَهَاءُ الْجَنَّةُ : یہاں عبارت بتقدیر عوض مضاف الیہ کے مقدّمہ  
در اصل عبارت تھی « حَتَّى يَمُوتَ فَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ » طلب علم ایمان کا خاصہ ہے  
چونکہ ایمان نہ ہی فہم ہے اس لیے مؤمن علم کو نور الہی سمجھ کر پوری طرح سے جذب کر  
لیتا ہے اس لیے فرمایا کہ مؤمن کا پیٹ علم سے کبھی نہیں بھرتا جوں جوں علم کی بلندیوں  
پر پہنچتا جاتا ہے اس کی حرص تحصیل علم کے لیے بڑھتی جاتی ہے۔ اس حدیث سے دو  
باتیں معلوم ہوئیں :-

اول : درحقیقت اس حدیث میں طالب علم اور اہل علم کے لیے عظیم بشارت ہے

کہ یہ لوگ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ نصرت ہوتے ہیں اور رضا الہی سے ان کا دامن پر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل اللہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک حصولِ علم میں منہمک رہے ہیں۔ باوجودیکہ ان کی علمی فضیلت و عظمت انتہائی درجہ کی تھی۔  
دوئم : علماء فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمہ کی خبر نہیں سوائے عالمِ دین کے کہ ان کے لیے حضور علیہ السلام نے وعدہ فرمایا کہ اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے علم دین دیتا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس سے علمی بات پوچھی گئی ہے وہ جانتا ہے پھر اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائیگی۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلَّمَهُ شَرَّ كَتَمَهُ الْجَحْمُ نَوْمَ الْقِيَامَةِ يَلْجَأُ مِنْ تَارٍ

قَوْلُهُ عَنْ عَلِيٍّ : عِلْمٌ سَرَّاهُ دِينِي فَرَأَيْتُ دَوَابَّ جَاهِلِيٍّ فِي طَرْتِ سَائِلٍ وَاقِعِي طَوْرٍ بِرَحْمَتِهِ هُوَ۔

قَوْلُهُ شَرَّ كَتَمَهُ : جملہ مذکورہ میں شَرُّ اسْتِخَارَہ کے لیے ہے۔ یعنی کسی عالم کی شان کتمانِ علم ہونا بہت ہی بعید از عقل بات ہے۔

قَوْلُهُ يَلْجَأُ مِنْ تَارٍ : لُجَامِ مَعْرَبِ لُكَامِ ہے اور لُكَامِ اس رُتْبِی رَجُلِ (یا پٹے کو کہتے ہیں اَلَّتِي يَدْخُلُ فِي فَتْرَةِ الدَّابَّةِ هَذَا جَزَاءُ قَيْنِ جَنْسِ الْقَمَلِ ہے۔ اور یہ لُكَامِ اس لیے لگائی جائے گی کہ سَمُولُ نے بھی سَائِلِ کے سوال کے جواب کو چھپا کر اپنے منہ میں لُكَامِ لگالی تھی۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بے زبان جانور جس طرح فیضِ تعلیم و تبلیغ سے محروم ہیں اسی طرح وہ آدمی بھی لہذا وہ بھی چھپائے کی طرح لُكَامِ کا ستھی ہے۔

## بحث کتمانِ حق

کتمانِ علم کے پانچ اسباب ہوتے ہیں :-

- ۱ : کسی کے خوف و ڈر کی بنا پر ہو۔
- ۲ : محض تکبر کی بنا پر ہو۔
- ۳ : بتانے سے اس پر فوقیت ہو جائے گی۔
- ۴ : کسی دنیوی غرض کی بنا پر ہو۔
- ۵ : سستی کی بنا پر ہو۔

یہ سب اصول دین کے خلاف ہیں، پھر کتمانِ علم کی وعید کا مستحق ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ اگر ان میں کوئی شرط مفقود ہو تو کتمانِ علم کا گناہ نہیں ہوگا۔

۱ : جس بات کو چھپا رہا ہے اس کی پوری تحقیق ہو اگر مسئلہ میں تردد ہونے کی وجہ سے چھپایا ہے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

۲ : پوچھنے والا واقعی طالب علم ہو، اگر قرائن سے واضح ہو جائے کہ مسائل طالب صادق نہیں ہے تو مسئلہ نہ بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر بتائے گا تو واضح العلم عند غیر اہلہ لمقلد الخنازیر کے مثل ہوگا۔

۳ : طالب کو اس مسئلہ کی ضرورت بھی ہو اور وہ اس کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو

۴ : دلائل کوئی اور مسئلہ بتانے والا نہ ہو اور اگر دلائل کوئی اور عالم بھی موجود ہو تو پھر

یہ وعید نہیں۔ (اذا فات الشرط فأت الشرط۔)

ترجمہ : روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اس لیے علم طلب کرے تاکہ علماء کا مقابلہ کرے یا جہلاء

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ  
لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُجَارِيَ



جھکڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرے  
تو اسے اللہ آگ میں داخل کرے گا۔

بِهِ السُّفَهَاءُ أَوْ يُصْرَفُ بِهِ  
وَجُودَةُ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ  
اللَّهُ النَّارَ

قَوْلُهُ لِيُجَارِيَ بِهِ : عِلَّتِ أَوَّلُ هِيَ : يَهْ جَزْأً هِيَ مَأْخُذٌ هِيَ بِمَعْنَى مَعَارِضَ  
وَمُقَابِلَةٌ كَرْنَا۔ اور بِهِ کی بار سبب ہے یعنی جس نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس  
کے سبب یا اس کے ذریعہ علماء دین کے ساتھ مقابلہ کرے بعض حضرات نے جَزْأً  
بِمَعْنَى مَعَارِضَ کے بھی کیا ہے یعنی جعل نفسه مثل غيره

قَوْلُهُ يُجَارَى بِهِ : يَه عِلَّتِ ثَانِي هِيَ : اِيْ يَجَادِلُ بَعْضُ حُفَرَاءِ كَةِ نَزْدِكِ  
اِگر مَرْيَ (شک) سے مأخوذ ہے تو مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے قول میں شک  
کرتے ہوئے جھکڑا کرے۔

الغرض دینی علم دنیا کی باہ و دولت حاصل کرنے کے لیے طلب کیا۔  
قَوْلُهُ السُّفَهَاءُ : جمع سفیه وهو قليل العقل كمراد جاهل ہے۔  
قَوْلُهُ أَوْ يُصْرَفُ بِهِ : يَه عِلَّتِ ثَالِثَ هِيَ بِمَعْنَى بِمِثْلِ الْعِلْمِ  
قَوْلُهُ وَجُودَةُ النَّاسِ : ناس سے مراد عوام یا طالب العلم ہیں یعنی صرف  
علم کے حصول کا مقصد بھی ہے کہ لوگ میری تعلیم کریں۔

قَوْلُهُ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ : اس کی دو توجہیں ہیں ۱۔ یہ کہ یہ جملہ خبریہ  
ہے خبر دی جا رہی ہے۔ ۲۔ یہ کلمہ بد دعائیہ ہے بد دعاء وہی جارہی ہے کہ اللہ یا اس  
کو نار میں داخل کریں۔ اور یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جس کا مقصد صرف اغراض  
فاسدہ ہوں۔ ہاں کسی علم دین کو لوجہ اللہ طلب کیا لیکن بعد میں بتقائے جبلت اغراض  
فاسدہ کی کچھ آمیزش ہوگئی تو وہ اس وعید میں شامل نہیں۔

اگر کوئی شخص محض دنیوی منفعت اور ذاتی  
عزت کی خاطر علم حاصل کرتا ہے یا اس سے

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

علم حاصل کرتا ہے کہ میں علماء کے ساتھ مقابلہ کروں یا جاہلوں سے جھکڑا وغیرہ کروں تو

آخرت میں اس کی نیت کے کھوٹ کی وجہ سے سخت باز پرس ہوگی۔ جس کا انجام دخول نار ہوگا۔

**سوال۔** اس میں کیا حکمت ہے کہ علم کے حصول پر نیت کی تبدیلی سے اتنی بڑی سزا دی جا رہی ہے۔

**جواب :** علم نور الہی ہونے کی وجہ سے غرور تکبر، ریاکاری کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جب علم دین کی اولین روشنی ہی ہوتی ہے کہ وہ انسان کے دل و دماغ سے ظلم و جہل کی تاریکی کو دور کرے تو یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ جس عالم کے دماغ میں علم کی مقدس روشنی ہو اور غیر اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کرے۔ اسی وجہ سے دخول نار کی سزا دی جا رہی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ  
عِلْمًا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ  
لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ  
عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ  
عَرَفَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
يَعْنِي رَجُلًا

**ترجمہ :** روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی وہ علم سیکھے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا و حمد لڑھی جاتی ہے صرف اس لیے کہ اس سے دنیوی سامان حاصل کرے۔ وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

## اسمائے رجال

**حالات حضرت کعب بن مالک**

آپ انصاری خزرجی ہیں عقیقہ ثانیہ کی بیعت میں شریک تھے۔ اسلام کے نامور شعراء میں سے ہیں آپ غزوہ تبوک میں نہ گئے تھے اسی پر آپ نے ایک کاف کی گئی۔ پھر کعبہ میں بعد آپ کے اور آپ کے دو صاحبزادے

یاں ابن امیر اور مرارہ ابن ربیعہ) کہ تو یہ قول ہوئے۔ رب فرماتے ہیں وَتَعْلَى الشُّعْبَةُ الَّذِينَ خَلَقُوا دُلَّ تَوْبَهُ) آخر عمر میں ناجیا ہو گئے تھے ۷۰ سالہ عمر مبارک ہوئی منہ میں رہی ملک بقا ہو گئے :-

قوله مِمَّا يُبْتَغَى : وَمِمَّا كَانَتْ اَصْلًا بَيَان ہے علمًا کہ  
 قوله لَا يَتَكَلَّمُ : اس میں ترکیبائیں اشغال ہیں۔ (۱) حال ہے من فاعل  
 تعلم یعنی ضمیر تعلم سے کیونکہ علمًا مِمَّا يُبْتَغَى سے تخصیص آگئی لہذا بلا تقدیم حال واقع  
 ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ (۲) یا مفعول ہے تعلم کی ضمیر سے (۳) یا علمًا کی صفت  
 ثانیہ ہے یعنی علوم دینیہ (کالتسلوۃ والصوم) سیکھنے کا مقصد رفائے مولا کے  
 علاوہ کچھ نہیں۔

قوله إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ - ای لیناں و يحصل بذی العلم حضرت  
 حسن بصریؒ ایک بازی کر کر سی پر غماشا کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا إِنَّ هَذَا خَسِرَ  
أَمْحَا بِأَدْنَىٰ يَأْكُلُ الدُّنْيَا بِالدُّنْيَا وَأَصْحَابُنَا يَأْكُلُونَ الدُّنْيَا بِالدُّنْيَا۔  
 قوله عَرَضًا ، ای حفظًا مآلًا أَوْ جَاهًا۔

قوله وَيَجْهًا : عرت کی تفسیر رنج سے کی ہے یہ راوی کی طرف سے ہے اس  
 خوشبو سے مراد جنت کی خوشبو ہے جو پانچ سو سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی۔ کرا  
 فی الحدیث۔

سوال : اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب دنیا عالم جنت میں  
 داخل نہیں ہوگا اور یہ مغزکہ کا عقیدہ ہے کہ ترک کب کبیرہ دائمی جہنمی ہے۔  
 جواب اول : یہ مستحل پر محمول ہے جو دنیا کے لیے طلب علم کو حلال سمجھے۔  
 جواب دوم : یہ حدیث زبرد تو بیخ پر محمول ہے۔

جواب سوم : عدم وجہ ان رنج مقتدیہ یوم القیامۃ کے ساتھ جو نام ہے  
 حشر سے لے کر جنت و نادائیں دخول تک کا تو مطلب یہ ہوا کہ کامل ایمان و عمل صالح واسلے  
 علماء تو ابتداء ہی سے جنت کی خوشبو سے محروم پائیں گے لیکن یہ ریاکار طالب دنیا  
 عالم ، ناسد مزاج مریض کی طرح ابتداء جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا اور اس  
 کے بعد جنت میں داخل ہوگا۔

يقول ابو الاسعاد : بعض محدثین نے یوں بھی جواب دیا ہے کہ الیسا بد بخت  
 آدمی اس کا مستحق ہے لیکن اللہ پاک اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل فرمائیں تو

ادبیات ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَرَ اللَّهُ عَبْدًا  
سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا  
وَوَعَاهَا وَآذَاهَا قُرْبَ حَامِلٍ  
فِيهِ غَيْرُ فَقِيهِهِ وَرُبَّ حَامِلٍ  
فَقِيهِ إِيَّيَّ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ اس بندے  
کو ہر بھرا رکھے جو میرا کلام سنے اور  
اسے یاد رکھے، خیال رکھے اور پہنچائے  
کیونکہ بہت سے فقہ اٹھانے والے  
خود غیر فقیہ ہیں اور بہت لوگ اپنے سے  
بڑے فقیہ تک فقر اٹھاتے ہیں۔

بقول ابوالاسعاد : اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو  
باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے :-

اول : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث مبارکہ یاد کر کے لکھنے پہنچانے کی  
ترغیب دے رہے ہیں۔

دوم : روایت حدیث کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص حضور مسلم کی  
مستجاب دعا میں شامل ہونا چاہے تو وہ روایت حدیث کو اپنی زندگی بنالے۔

قال ابوا سحاق ابراہیم عبد القادر الراحمي التتومى :-

اهل الحديث طويلا اعمارهم ووجوههم بدعا للنبي منضرة

وسمعت من بعض المشائخ انهم ارزاقهم ايضا به مثكثه

فيل لا مام احمد بن حنبل " هل يلبو في الامراض ابدال قال نعم

فيل من هم قال ان لم يكن اصحاب الحديث هم الابدال فما عرف

لله ابدالاً

وكان الشافعي يقول اذا رأيت اصحاب الحديث فكأنى رأيت

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

قَوْلُهُ نَحْنُ رَأَيْنَاهُ ، لَقَدْ نَحْنُ تَخْفِيفٌ وَتَشْدِيدٌ دُولُوں طرح سے ہے اور ماضی کا صیغہ ہے اور ماضی کی اصل وضع اخبار کے لیے ہے لیکن یہاں کس معنی میں ہے اس میں دو احتمال ہیں -

اول ماضی اپنے اصل معنی میں ہے یعنی اخبار کے لیے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حدیث سن کر یاد کر کے آگے پہنچانے والے کے لیے تردید تازہ اور خوش و خرم ہونے کی خبر دے رہے ہیں - یہ بات اگرچہ مستقبل کی ہے لیکن کبھی کبھی مستقبل کی بات کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں تحقق وقوع کے لیے یعنی جتنی ماضی کی بات یقینی ہوتی ہے یہ بھی اتنی یقینی ہے - حاصل یہ ہوا کہ ایسے شخص کو حق تعالیٰ ضرور بالضرور تردید تازہ و خوش و خرم رکھنا درم : دوسرا احتمال یہ ہے کہ ماضی اپنے معنی میں نہ ہو بلکہ یہاں دعا کے لیے ہو - ماضی کا صیغہ عربی زبان میں دعا کے لیے بکثرت استعمال ہوتا رہتا ہے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کے لیے خوش و خرم رہنے کی دعا فرماتے ہیں -

قَوْلُهُ سَمِعَ مَقَالَتِي : مَقَالَتِي سے مراد حدیث ہے بلا واسطہ ہوا بلا واسطہ -

قَوْلُهُ فَحَفِظَهَا - حفظ مقابل ہے ناظرہ کے بعض دفعہ مقابل نسیان بھی ہوتا ہے اس جگہ مقابل نسیان ہے یعنی دل میں یاد ہو یا کتابت محفوظ ہو - عند البعض حفظ عمل کے معنی میں ہے یعنی حفظها ای عمل بموجبها فان الحفظ قد يستعمل للعمل قال تباري " وَالْعَاقِلُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ " ای العاملون بغرائضه قَوْلُهُ وَوَعَاهَا : بعض حضرات کے نزدیک وَوَعَاهَا ، حَفِظَهَا کی تاکید ہے مگر صحیح قول کے مطابق حفظ سے مراد ہے اشدائد یاد کرنا - اور وَوَعَاهَا سے مراد ہے یاد کرنا کہ بعد تکرار و مذاکرہ کے ذریعہ محفوظ رکھنا جس کو تعلم و تعلیم ، درس و تدریس بھی کہہ سکتے ہیں - قَوْلُهُ وَأَذَاهَا : ای اعطاء الثام علوم الدینیۃ من غیر تحریف و نفسیر ، کیونکہ ابنین میں جو روایت ہے اس کے الفاظ ہیں " سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا فَأَذَاهَا كَمَا سَمِعَهَا " بالآگے حضرت ابن مسعود کی روایت

میں ہے۔ ”فَبَلَّغْهُ كَمَا سَمِعْتَهُ“

قَوْلُهُ قُرْبَتْ حَامِلٌ فَقِيْهِ عَنِ فَقِيْهِهِ : قُرْبَتْ مِیْنِ فَاتْلِیْلِیْ  
ہے۔ پہلے جملہ نَضَرَ اللہ میں حدیث یاد کر کے آگے پہنچانے کی ترغیب دی اور اس جملہ  
میں اس کی علت بیان فرمائی ہے اور قُرْبَتْ تکفیر کے معنی میں مستعار ہے بمعنی بہت۔  
حَامِلٌ بمعنی داعی، طالب، تلمیذ تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ فَقِيْهِ : فقہ سے علم حدیث یا علم دین مراد ہے۔ اس تعلیل کا حاصل یہ ہے  
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام انتہائی جامعیت کی حامل ہوتی ہے اس کا ایک ایک جملہ بہت  
سے فقہی مسائل کا مجموعہ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو الفاظ حدیث تو  
یاد آتے ہیں لیکن ان کی گہرائی میں پہنچ کر اور مسائل نکال کر امت کے سامنے پیش کرنے کی  
صلاحیت نہیں ہوتی ہے ایسے شخص کو حامل فقہ کہا گیا ہے گویا اس نے فقہی جواہر کا صندوق  
اٹھایا ہوا ہے لیکن اس کو کھول کر ان قیمتی جواہر سے استفادہ نہیں کر سکتا اگر یہ شخص یہ  
صندوق اپنے پاس رکھے گا تو اس قیمتی خزانہ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے لہذا اس کو  
چاہیے کہ یہ خزانہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دے جو اس میں سے جواہر نکال کر خود بھی مستفید  
ہو اور لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔

قَوْلُهُ وَرُبْتَ حَامِلٌ فَقِيْهِ اِنْ مِّنْ هُوَ اَفْقَهُ : اس جملہ کا حاصل  
یہ ہے کہ نقل و روایت بھی حدیث میں مفید ہے۔ بعض اوقات حامل فقہ اتنا فقہی مسائل  
کا ماہر نہیں ہوتا جتنا آگے والا جس کو مسائل پہنچانے جا رہے ہیں یعنی بعض اوقات شاگرد  
استاذ سے فہم معافی میں قائل ہوتا ہے۔ تو اپنے سے کم یا محض الفاظ کے ناقل سے بھی علم  
حاصل کرنے میں غار نہ کرنی چاہیے۔ چونکہ روایت حدیث دین کی تجدید و رونق کا سبب  
ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے راوی کے لیے تازگی کی دعا کی ہے  
اس سے دو باتیں واضح ہوئیں۔

اول، خدام علوم و طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عالمین فقہ جواہر حدیث کو یاد کر کے  
امت کی آئینہ نسلوں تک پہنچاتے ہیں یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ دوسرے فقہاء  
صرف الفاظ یاد کر لینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ علوم نبوت کے بحر بے کنار میں غوا می

کر کے اس کی شد سے قیمتی جواہر نکال کر اُقت کے سونے پیش کرتے ہیں۔  
 ردّم : اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حفظ حدیث کے لیے فہم حدیث میں  
 فائق ہونا ضروری نہیں حامل فقہ کو چاہیے کہ فقہ سے پوچھ کر عمل کرے۔  
 قولہ ثَلَاثٌ : ثلاث میں تہوین عرض ہے مضاف الیہ محذوف کے اصل میں  
 ثَلَاثٌ خَصَالٌ تھا۔

قولہ لَا يُقْبَلُ : بَقْل کے در معنی بیان کیے گئے ہیں۔  
 اَوَّلُ یَنْبَلُ : بفتح الباء و کسر الفین بمعنی کیشہ پرور ہوتا۔  
 ردّم یُقْبَلُ : بفتح الباء و فتح النین اغلال سے مأخوذ ہے بمعنی خیانت کرنا  
 مطلب یہ ہے کہ جس مؤمن کا دل ان صفات ثلاثہ پر قائم ہو تو ان کی برکت سے اس کا دل  
 کیشہ و خیانت سے پاک و عاف ہو جاتا ہے۔  
 قولہ عَلَیْھِمْ : ای ثلاث خصال۔

سوال - اس جملہ کا ناقبل سے ربط کیا ہے ؟  
 جواب : اس کے دو ربط ہیں۔ ۱۔ یہ کہ پہلے تسبیح حدیث کی ترغیب  
 دی اور پھر اس جملہ سے اس کی تائید فرادی کہ تسبیح حدیث باب اخلاص عمل اور باب  
 نصیحت مسلمین اور باب المحقوق الواجبة لجماعة المسلمین میں سے ہے۔ ۲۔ یہ کہ پہلے تسبیح  
 حدیث کی ترغیب دی اور پھر ایک جامع حدیث ارشاد فرادی۔

قولہ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ : اخلاص عمل یہ ہے کہ عمل ریا اور تحصیل مال و  
 جاہ کے لیے نہ ہو۔ پھر اس میں بھی دو درجہ ہیں۔ ایک عوام کا اخلاص کہ ان کا عمل حصولِ جنت  
 کے لیے ہوتا ہے۔ دوسرا خواص لوگوں کا کہ ان کا عمل حصولِ جنت کے لیے نہیں بلکہ محض  
 اللہ تعالیٰ کی رفاہ کے لیے ہے۔

قولہ وَالتَّصَبُّعُ لِلْمُسْلِمِیْنَ : التَّصَبُّعُ بمعنی خیر خواہی مسلمانوں  
 کی خیر خواہی کی تفسیر خود حدیث پاک میں ہے ” اَنْ تَحِبَّ لِاَخِیْکَ مَا یَحِبُّ لِنَفْسِکَ  
 وَتُکْرَہَ کُھْرَ مَا تُکْرَہُ لِنَفْسِکَ “

قولہ وَلِزُومُ جَمَاعَتِہُمْ : مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے کے معنی

یہ ہیں کہ زندگی کے ہر مرحلہ پر اجتماعیت کے اصول پر کار بند رہے۔ اور اپنے آپ کو کبھی انفرادیت کی راہ پر نہ ڈالے۔ علماء دین اور علماء امت کے متفقہ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی موافقت کرتا رہے مثلاً نماز جمعہ اور عیدین وغیرہ۔

قَوْلُهُ فَإِنْ دَعَوْهُمْ لَمْ يَحْجِظْ : اَيْ تَذَوُّرٌ مِنْ وَرَائِهِمْ : مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں میم کے زیر کے ساتھ اور بعض میں زیر کے ساتھ ہے۔ مطلب اس جملہ کا یہ ہے کہ شیطان کے کردار فریب سے بچنے کے لیے جماعت کو مسلمانوں کی دعا گیرے ہوئے ہے جس کی بنا پر وہ شیطان کی گراہی سے بچے ہوئے ہیں۔ شہزادوں میں اس بات پر تلبیہ بھی مقصود ہے کہ جو کوئی علمائے دین اور علماء امت کی جماعت سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا تو اس کو نہ جماعت کی برکت میسر ہوتی ہے اور نہ مسلمانوں کی دعا اُسے حاصل ہوتی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن مسعودؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ اسے ہر اچھے کام کے جوہر سے بکھٹے۔ اور پھر اسی طرح اسے آگے بٹھاتا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْوُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأَةً سَمِعَتْ مِنْ شَيْئَةٍ فَيَلَفَهُ كَمَا سَمِعَتْ :

قَوْلُهُ سَمِعَتْ : سماع سے مراد علم ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات نقل کی جاتی ہے علم کی ہوتی ہے مگر تعبیر سماع کی کیوں اختیار کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کا بڑا اور بڑا سماع ہی ہے اس لیے اس سے تعبیر فرمایا۔

قَوْلُهُ مِنْ شَيْئَةٍ : کلمہ مِنْ شَيْئَةٍ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کو شامل ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کو بھی شامل ہے۔

قَوْلُهُ شَيْئَةٍ : کلمہ شَيْئَةٍ احوال و افعال و احوال سب کو شامل ہے اس لیے مِنْ شَيْئَةٍ جمع اور شَيْئَةٍ نکرہ ارشاد ہوا۔

فَإَيُّكُمْ : محمدؐ میں حضرات نے لکھا ہے کہ شَيْئَةٍ کے بعد عنہ نہیں کہا اس



کی وجہ التباس اظہار ہے کہ ضمیر حضرت ابن مسعودؓ کی طرف لوٹ جاتی  
 قَوْلُهُ مُبْتَلِغٌ : بفتح اللام المشددة یعنی منقول الیہ درموصول لدریہ۔  
 قَوْلُهُ أَوْعَى لَهُ : ای احفظوا فہم و اتقن۔

## روایت بالمعنی نقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

یقول ابوالاسعاد : اختلف فی نقل الحدیث بالمعنی والی جواز  
 حضرت ابن عمرؓ، مالک بن انسؓ، ابن سیرینؓ وغیرہم کے نزدیک حدیث کی روایت  
 بالمعنی حرام ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں ہے ”کَمَا سَمِعْتُمْ“ ثانیاً بعض اوقات لفظ کے  
 بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے اور راوی کو خبر نہیں ہوتی۔ جمہور حضرات کے نزدیک روایت  
 بالمعنی جائز ہے کہ راوی حدیث کے الفاظ اس طرح بدل دے کہ معنی نہ بدلیں اور روایت  
 بالمعنی نقل کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ عربی زبان کا ماہر ہو۔ اور کَمَا سَمِعْتُمْ  
 بھی اسکی پر محمول ہے۔ پہلے قول میں احتیاط ہے دوسرے میں گنجائش بہتر بھی ہے کہ  
 الفاظ بھی نہ بدلیں۔

مثال : حضرت وائل بن حجرؓ نے نماز کی آئین کے بارے میں فرمایا مَدَّ يَدَا  
 مَسْوَئَةً بعض راویوں نے اسے رَفَعَ يَدَا مَسْوَئَةً سے روایت کیا وہ کہے کہ دونوں  
 کے معنی ایک ہی ہیں۔ مگر بعد والوں کو کم علی کی وجہ سے دھوکا لگا شاید اس کے معنی میں  
 بلند آواز سے آئین کہی حالانکہ اس کا ترجمہ تھا کہ آئین کھینچ کر الفت کے تد کے ساتھ  
 کہی روایت بالمعنی میں یہ خطر ہے اس لیے فرمایا جیسی سنے رہی پہنچاتے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْحَدِيثَ  
 عَنِّي إِلَّا مَا عَلِمْتُمْ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری حدیث روایت  
 کرنے سے بچو مگر ان کے جنہیں تم جانتے ہو۔

قَوْلُهُ اتَّخَذُوا الْحَدِيثَ : اس سے پہلے مضاف مُعْتَذِر ہے تقدیر عبارت  
یوں ہے ” اے احذرو! روایۃ الحدیث - بعض حضرات کے نزدیک فعلیل (حدیث)  
بمعنی مَقُول عِنْدِی یہ کہ مُتَقَلِّق ہے اور اَلَا مَا عَلِمْتُمْ کی استثناء مُنْقَطِع ہے حاصل  
عبارت یوں ہے ” احذرو! مَعًا لَا تَقْلَمُونَهُ مِنَ التَّحْدِیثِ عِنْدِی لَا تَحْذَرُوا  
مَعًا تَقْلَمُونَهُ ” اس حدیث کی روایت کرنے سے اجتناب کر د جس کے بارہ میں  
علم نہ ہو علم کے ہوتے ہوئے اجتناب نہیں کرنا چاہیے۔

مقصود یہ ہے کہ حدیث کے بیان کرنے میں  
احتیاط سے کام لینا چاہیے اور جس حدیث  
**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ**  
کے بارہ میں یقین کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو کہ واقعی یہ حدیث آپ ہی کی ہے اسے لوگوں کے  
سلسلے بیان نہیں کرنا چاہیے ان احادیث کو بیان کرنا چاہیے جن کے بارہ میں یقین یا ظن  
غالب کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ وہ آپ ہی کی حدیث ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات اقدس کی طرف غلط حدیث کی نسبت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین عظام  
کثرت حدیث بیان کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ بلکہ امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں  
کثرت کے ساتھ حدیث بیان نہ کرنے کا باب باندھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کثرت  
سے روایات بیان کرتے تھے ان پر بھی اعتراض ہوا اہل انہوں نے جواب دیا۔ ملاحظہ  
کریں مشکوٰۃ شریف ص ۵۴ ج ۲ باب فی المعجزات فصل اول : باقی آگے دے جملہ (مَعًا)  
كَذَّبَ عَلَى مُنْعَقِدٍ اس کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۵۴ ج ۲ کتاب فی العلم فصل اول  
میں ہو چکی ہے فَلَا قَائِدَةَ فِي بَيَانِهِ۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے  
کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ  
قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَنْتَبِئْ  
مَعْمَدَهُ مِنَ النَّارِ

قوله قَالَ - قَالَ بِمَعْنَى تَكَلَّمَ بِهِ اور قَالَ میں دو احتمال ہیں - ۱۔ لفظ القرآن  
یعنی قرأت ۲۔ معنی القرآن -

قوله بِرَأْيِهِ - رَأْي کے معانی معتقد ہیں لیکن سب سے بہترین معنی لَمَّا عَلٰی  
فارسی نے لکھا ہے فرماتے ہیں -

« اى من تلقاء نفسه من غير تتبع اقوال الاكثمة من  
اهل اللغة والعربية المطابقة للقواعد الشرعية  
بل بحسب ما يقتضيه عقله » مرقا ۲۹۱ ج ۱

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر بالرای وہ ہے جس کی بنیاد حدیث نبویؐ اور صحابہ کرامؓ و  
تابعینؓ کے اقوال و افعال اور ائمہ مفسرینؒ کی نقل پر نہ ہو اور نہ ہی وہ قواعد عربیہ مشہورہ  
کے موافق ہو اور نہ ہی سیاق و سباق کے موافق ہو یہ حرام ہے مثلاً « وَدَرِشَ  
سُلَيْمَانُ دَاوُدَ » کے یہ معنی کہ اس سے حضرت علیؓ کی علمی دراست مراد ہے  
یا جنابت سے راز کا افشاء اور غسل سے عہد و پیمان کی تجدید مراد ہے اور اس قسم کے  
دوسرے خرافات ہیں -

قوله بِتَفْسِيرٍ عَلَيْهِ : مُتَعَدِّينَ نے بحث کی ہے کہ رَأْي ہوتی بغیر علم کے ہے  
جس کے پاس کم علم ہوتا ہے وہی عقل لڑاتا ہے دین میں - وَلِهَذَا يُتَفَسَّرُ عَلَيْهِ كَقَوْلِهِ  
اس لیے یہاں عبارت مُتَقَدِّرٌ ہے « بِتَفْسِيرٍ عَلَيْهِ اى دَلِيلٌ يَقِيْنِي اَوْ ظَنِّي اَوْ  
عَقْلِي مُطَابِقٌ لِلشَّرْعِ - مُتَعَدِّينَ نے اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ جس کے اندر  
تفسیر کی اہلیت نہ ہو اُس کا تفسیر کرنے کی جرأت کرنا ہی غلط ہے - خواہ اس کی بیان کردہ  
تفسیر صحیح ہی کیوں نہ ہو - یہ ایسے ہے جیسے اگر کوئی غیر مستند طبیب کسی کا علاج کرے اور  
مریض صحت یاب بھی ہو جائے تب بھی اُس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے  
یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے علاج سے کتنے مریض شفا یاب ہو چکے ہیں کیونکہ یہ غیر مستند  
ہوتے ہوئے کسی کا علاج کر کے ایسا راستہ اختیار کیا ہے کہ جس میں ہلاکت کا خطرہ  
زیادہ ہے ایسے ہی جس شخص کو علماء کے دقت تفسیر کا اہل نہ سمجھتے ہوں اگر یہ قرآن کی تفسیر  
کرتا ہے تو اس کا یہ اقدام ہی غلط ہے - اس نے تفسیر کی جرأت کر کے انتہائی خطرناک

وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ  
بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ

ترجمہ : روایت ہے حضرت جعفر رضی  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے کہ جو قرآن میں اپنی رائے سے  
 کہے پھر ٹھیک بھی کہہ دے تب بھی خطا  
 کر گیا۔

قوله فَأَصَابَ : ای وافق۔

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

یعنی یہ تفسیر کا طریقہ شریعت کے خلاف ہے اور آئینہ چیل کر تفسیر کے غلط ہونے کا احتمال

ہے لہذا غلط اگر راست آید تاہم غلطی است۔ تو ایسے آدمی کو مصیب ہونے کے باوجود شرعاً غلطی ہی کہیں گے۔ اور اس کے برعکس مجتہد کو باوجود غلطی کے ناجور کہیں گے کیونکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی رائے سے نہیں بلکہ شریعت کی ہدایت کے مطابق کرتا ہے یعنی احکامات اور خطا کا محل علیحدہ علیحدہ ہے احکامات کا محل حکم و نتیجہ اور خطا کا محل طریقہ ہے مطلب یہ ہوگا کہ نتیجہ میں صواب کو پہنچ گیا لیکن راہ غلط ہے کہ تو انہیں شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے تفسیر کی ہے۔

ثانیاً : اس جیسی احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ بدوں حدیث کے روشنی کے مطلقاً قرآن کی تفسیر کہی نہیں سکتے بلکہ ایسی تفسیر جو سیاق و سباق کے خلاف نہ ہو تو اعداءِ بیت پر مبسوط ہو تو ہر زمانہ کے علماء کا اس کے جواز پر اتفاق رہا ہے۔

کما فی قولہ تعالیٰ ”لَعَلَّکُمُ الَّذِینَ یَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُ لَیْسُوا بِشَیْءٍ“ (پٹ)

## اسمائے رجال

حالات حضرت جُنُودؑ۔ یہ جُنُودِ عبد اللہؐ کے۔ عیسیٰؑ سنیانِ بکلی علقی کے پوتے ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں بھگوانا کفر ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِدَاءُ فِي  
الْقُرْآنِ كُفْرٌ :

قولہ الْمِدَاءُ : مِدَاء سے کیا مراد ہے ؟ اس میں مختلف قول ہیں۔  
قول اول : مِدَاء سے مراد مشابہات میں بحث کرنا ہے جب کہ شریعت متشابہات میں بحث کرنے سے روکتی ہے یہ فتنہ پرداز لوگوں کا کام ہے۔

قول دوم : قرآن مقدس کے مضامین میں شک کرنا ہے " قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هَذَا  
تَكُفٌ فِي مِثْلِهِ قَبِيحٌ " (پکا)

قول سوم : تَرْجُحُ الشُّكِّ میں ہے کہ مِدَاء سے مراد قرأت صحیحہ کا انکار کرنا ہے  
حالانکہ سب قرأت مُنَزَّل من اللہ ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

قول چہارم : علامہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ مِدَاء سے مراد تدار ہے یعنی مختلف آیات کے بعض کا بعض سے رد کرنے میں سے مقصود تکذیب القرآن بالقرآن ہو۔ لہذا قرآن مقدس کا مطالعہ کرنے والے کو چاہیے کہ بظاہر متعارض آیات میں تطبیق دے اگر کہیں اشکال پیش آئے تو اپنی سو فہم کا قصور سمجھے۔

يقول ابوالاسعاد خلاصتہ : قرآن مقدس میں ایسا بحث مباشرہ کیا جائے کہ جس سے قرآن مقدس کا انکار لازم آتا ہو وہ کفر ہے۔ مگر حدیث مذکور میں مطلقاً بحث کرنے کو کفر کہا گیا ہے یہ بطور انجام و مکمل کے ہے کہ فضول بحث انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے اسی کو کہا گیا ہے الْمِدَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ۔

علقہ قیدہ بچیلہ کی ایک شاخ ہے اور بچیلہ میں کچھ لوگ ہیں جنہ کو قسمر کہا جاتا ہے قات کے برابر زمین کی جزم کے ساتھ یہ لوگ خالد بن عبداللہ القسری کا خاندان ہے۔ فقہ حضرت عبداللہ نے زہیر میں اس سے چار سال کے بعد ذات پائی انہی سے ایک جاعقہ نے روایت کی ہے۔ جذہم کے ضمہ ازلہ کے جزم کے ساتھ ہے دائہ کا بیٹے اور زہیر دروغ میں ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ  
شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ  
جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَوْلًا يَشَدُّ أَرْوُنَ فِي الْقُرْآنِ  
فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ  
قَبْلَكُمْ بِهَذَا

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عمر بن شعیب سے وہ اپنے والد سے  
وہ اپنے دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو  
قرآن پاک میں جھگڑا کرتے سنا تو فرمایا  
کہ اس حرکت سے تم سے پہلے لوگ  
ہلاک ہو گئے۔

قَوْلُهُ يَشَدُّ أَرْوُنَ : ای مختلفون فیہ - عند البعض یشد افعون کے  
معنی میں بھی ہے یعنی ایک دوسرے پر دافع کرنا۔

قَوْلُهُ مَنْ : اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

قَوْلُهُ بِهَذَا : اسم اشارہ ہے اس سے تحقیر و تعظیم دونوں مراد ہیں یعنی ضرر و فیر و حکم

قَوْلُهُ ضَرَبُوا : ضرب سے مراد رد کرنا اور تاقض پیدا کرنا ہے یا ضرب سے

مراد غلط لفظ کرنا ہے کہ حکم و مشابہ تارض و منسوخ میں امتیاز نہ کرے۔

قَوْلُهُ كِتَابُ اللَّهِ : اس سے جنس کتاب مراد ہے کوئی خاص کتاب نہیں۔

جو بھی مُنَزَّلُ مِنَ اللَّهِ ہو۔

قَوْلُهُ وَمَا جَعَلْتُمْ : جہل سے مراد عدم علم و تحقیق بھی ہے یا جہالت کا تعلق

مشابہات سے ہے لَا يَكْمُلُهُ إِلَّا اللَّهُ۔

قَوْلُهُ فَكَلَوْهٗ : ای فَوَضَّوْهُ بمعنی سونپ دینا۔

قَوْلُهُ إِلَىٰ عَالِمِهِ : عالم سے مراد رب ذوالجلال کی ذات باریکات بھی ہے

اور اہل علم بھی مراد ہیں جو ان سے فائق و لائق ہوں۔

يَسْتَدْرِكُونَ فِي الْقُرْآنِ - صَدَرُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فِي

## تشریح

ان جملوں کے مطلب و تشریح میں دو قول ہیں۔

قول اول : علامہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ تکذیب کے ارادہ سے بعض آیات کو بعض آیات سے حکم دیا جائے اور تعارض و تناقض ثابت کیا جائے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن آیات میں بظاہر تناقض معلوم ہو ان میں تطبیق دینے کی کوشش کرے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے بظاہر متعارض آیات کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے تطبیق دی۔ مثلاً قیامت میں مشرکین کا اپنا حال چھپانا۔ کما قال اللہ تعالیٰ "وَاللَّهُ وَبَسًا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ" (پ) اور ان کا اپنے حال کو ظاہر کرنا۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَلَا يَكْتُمُونَ لِلَّهِ حَدِيثًا (پ) تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ کتمان زبان سے ہو گا اور اظہار دوسرے اعضاء سے ہو گا فلا تعارض۔

قول دوم : حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ حجتہ اللہ الباقیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے مذہب کی تائید میں ایک آیت پیش کرے اور دوسرا شخص اس کے خلاف دوسری آیت پیش کرے اور پہلی آیت کی تکذیب و تردید کرے تطبیق اور اظہار حق مقصود نہ ہو بلکہ محض اپنے مسلک کی تائید مقصود ہو یہ طریقہ موجب ہلاکت اور باطل و غلط ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ  
عَلَى سَبْعَةِ أَحْزَفٍ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن مسعودؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن سات طریقوں  
پر اترا۔

يقول ابوالاسعاد : حدیث پاک کے دو جزو ہیں :-

اَوَّلُ ، اُنْزِلَ اَنْهَذَا عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرَفٍ -  
 دُوْمٌ : لِكُلِّ اَيَّةٍ قَوْلُهَا قَلْبُهُمْ وَبَطْنُهُمْ وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعُهُ -  
 اوّل جوہر اوّل کی بحث ہوگی ، ثانیاً جزء ثانی کی یہاں نہیں مباحث ہیں -  
 ما تشریح سبعہ احراف ما حکمت سبعہ احراف ما حیثیت حدیث سبعہ احراف -

## الْبَحْثُ الْاَوَّلُ - حیثیت حدیث سبعہ احراف

حدیث مذکورہ (سبعۃ احراف) معنی کے اعتبار سے متواتر ہے چنانچہ مشہور محدث امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے اس کے نوادر کی تصریح کی ہے اور حدیث وقرآت کے مشہور امام علیہ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مستقل کتاب (جوہر) میں اس حدیث کے تمام مطلق جمع کیے ہیں اور ان کے مطابق یہ حدیث حضرت عمر بن الخطاب ، ہشام بن حکیم بن حزام عبد الرحمن بن عوف ، ابی ابن کعب ، عبد اللہ بن مسعود ، شاذ بن جلیل ، ابو ہریرہ ، عبد اللہ بن عباس ، ابو سعید خدری ، عذیلہ بن بیان ، ابو بکرہ ، عمرو بن عاص ، زید بن ارقم انس بن مالک ، عمرہ بن عبد ربیع ، عمر بن ابی سلمہ ، ابراہیم ، ابو ظہر اور ابراہیم انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے (الفرائد القریآت العشر ص ۱۷۱)

ان کے علاوہ محدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان نے منبر پر یہ اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہو کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل کیا گیا ہے - چنانچہ صحابہ کرام کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جسے شمار نہیں کیا جاسکتا تھا -  
 (البرہان فی علوم القرآن للزکری ص ۱۷۱)

## الْبَحْثُ الثَّانِي - حروف سبعہ کا مفہوم

یہ بڑی معرکہ اللہ اور فریل الذیل بحث ہے - محدثین حضرات نے حدیث سبعہ احراف کو مشکل الآثار میں شمار کیا ہے - اور مشکل الآثار ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے معانی



کی تعیین میں بہت احتمالات ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر الاتقان فی علوم القرآن ص ۱۱۳ میں پالیس کے قریب اقوال نقل کیے ہیں۔ جبکہ علامہ محمود اکوستیؒ نے روح المعانی میں سات قول نقل کیے ہیں۔

يقول ابوالاسحاق : اصالة اختلاف في وجه خود لفظ احرط ہے کیونکہ لغت کے اندر اس کے بہت معانی آتے ہیں مثلاً کبھی لفظ احرط طرف و کنارہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، کبھی اسم و فعل کے مقابلہ میں آتا ہے کبھی اس سے حرط بھی مراد ہوتے ہیں لیکن علامہ سنذریؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اقوال ضعیف و غیر مختار ہیں۔ یہاں پورے اقوال نقل کرنا مشکل ہے البتہ قابل اعتبار چند اقوال کے نقل کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں :-  
(مَنْ شَاءَ فَلْيُحَاطِئْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُتَوَكَّلْ)

**قول اول :** بعض حضرات کے نزدیک سَبَحَ اَحْرُط سے مراد سات قاریوں کی قرائتیں ہیں لیکن یہ خیال تو بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ قرآن کریم کی متواتر قرائتیں ان سات قراءتوں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ارد بھی متعدد قرائتیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں سات قرائتیں تو محض اس لیے مشہور ہوئیں کہ علامہ ابن مجاہدؒ نے ایک کتاب میں ان سات مشہور قراء کی قرائتیں جمع کر دی تھیں نہ ان کا مقصد تھا کہ قرائتیں کل سات میں منحصر ہیں۔

**قول دوم :** بعض حضرات کے نزدیک حرط سے مراد تمام قرائتیں ہیں سات کے لفظ سے سات کا مخصوص عدد مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کثرت ہے اور عربی زبان میں سات کا لفظ محض کسی چیز کی کثرت بیان کرنے کے لیے اکثر استعمال ہوتا ہے دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں :-

مثال اول : جیسا کہ حدیث اَوْ يَمَانُ يَضَعُ وَ سَبْحَتُ شَبَعَةَ میں لفظ سبوح عدد کامل ہونا مراد ہے بالتفصیل مسئلہ گزر چکا ہے۔

مثال دوم : کما فی قولہ تعالیٰ « مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ سَبْحَتُ الْبَحْرِ مَا كُنْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ » (پ)

تو یہاں پر سات بحر کی تخصیص نہیں بلکہ کثیر مراد ہے تو یہاں بھی حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کریم جن حروف پر نازل ہوا وہ مخصوص طور پر سات ہی ہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم

بہت سے طریقوں پر نازل ہوا ہے۔ علماء متقدمین میں قاضی عیاضؒ کا یہی مسلک ہے اور آخری دور میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔  
مصنفی شرح موطا ص ۱۸۷ ج ۱

**قول سوم :** حافظ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں سات حروف سے مراد قبائل عرب کی سات لغات ہیں چونکہ اہل عرب مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کی زبان عربی ہونے کے باوجود دوسرے قبیلہ سے تھوڑی تھوڑی مختلف تھی۔ اور یہ اختلاف ایسا ہی تھا جیسے ایک بڑی زبان میں علاقائی طور پر تھوڑے تھوڑے اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی آسانی کے لیے قرآن کریم سات لغات پر نازل فرمایا تاکہ ہر قبیلہ اسے اپنی لفت کے مطابق پڑھ سکے۔ امام ابو حاتم بھستانی نے ان کے نام بھی متعین کر دیے ہیں :-

قریش - ہذیل - بنو نضیم - لوی - ہوازن - ثقیف - ربیعہ۔

**قول چہارم :** بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سبب احرف سے مراد سات اقالیم ہیں یعنی قرآن پاک پوری دنیا کے لیے نازل کیا گیا تاکہ اقالیم سب سے قرآن پاک کا حکم جاری ہو سکے اور پوری دنیا کی تقسیم سات اقالیم پر کی گئی ہے۔

**قول پنجم :** سبب احرف سے مراد قرآن کریم کے سات مضامین ہیں۔ امر - نہی - قصص - اثال - وعید - وعدہ - وعظ - بعض نے سات مضامین کی تفسیروں کی ہیں :-  
عقائد - احکام - اخلاق - قصص - اثال - وعدہ - وعید۔

## قول ششم : سبب احرف کی راجح ترین تشریح

سب سے پہلے تشریح اور تعبیر یہ ہے کہ حدیث میں حروف کے اختلاف سے مراد قراتوں کا اختلاف ہے اور سات حروف سے مراد اختلاف قرات کی سات نوعیتیں ہیں چنانچہ قراتیں تو اگرچہ سات سے زائد ہیں لیکن ان قراتوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات اقسام میں منحصر ہیں چنانچہ مشہور مفسر قرآن علامہ نظام الدین قمی نیشاپوری اپنی تفسیر

غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ سبوح اُحرف کے بارے میں امام مالکؒ کا یہ مذہب منقول ہے کہ اس سے مراد قراءات میں مندرجہ ذیل سات قسم کے اختلافات ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

اول : مقرر اور جمع کا اختلاف : کہ ایک قرأت میں لفظ مفرد آیا ہو اور دوسری میں صیغہ جمع مثلاً : «وَكُنْتُمْ كَلِمَةً رَبِّكَ» اور «كَلِمَاتُ رَبِّكَ»

ثوم : تذکیر و تانیث کا اختلاف جیسے لَا يُقْبَلُ لَا تُقْبَلُ۔

ثوم : وجوہ اعراب کا اختلاف : کہ دیر و زبر وغیرہ بدل جائیں مثلاً حَسَنٌ مِنْ خَالِقٍ عَلِيُّ اللَّهِ اور عَلِيُّ اللَّهِ

جہازم : صرغی ہیئت کا اختلاف : جیسے يَكْرِيشُونَ يَكْرِشُونَ  
لَكِنَّ الشَّيَاطِينَ : اَدْوَات (حروف تحریر) کا اختلاف : جیسے لَكِنَّ الشَّيَاطِينَ اور لَكِنَّ الشَّيَاطِينَ

ثوم : لفظ کا ایسا اختلاف جس سے حروف بدل جائیں : جیسے نُنْشِرُهَا اور نُنْشِرُهَا۔

ثوم : لہجوں کا اختلاف : جیسے خفيف، تغيم، امالة، مد، قصر، الہاء، ادغام وغیرہ۔ پھر بھی قول علامہ ابن قتیبہؒ امام ابو الفضل رازیؒ اور محقق ابن الجوزیؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ محقق ابن الجوزیؒ جو قراءات کے مشہور امام ہیں اپنا یہ قول بیان کرنے سے قبل تحریر فرماتے ہیں۔

« میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلا رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور و فکر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صریح ہوئی۔ رالشرفی القراءات العشر (ج ۱) »

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ - حکمت سبوح اُحرف

علامہ فضل اللہ بن حسین نوریشیؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی بعثت کا فائدہ اناس کی طرف ہوئی مگر اولین مخاطب اہل عرب کو بنایا گیا اور پورے عالم کی اصلاح کے لیے

عرب کا انتخاب کیا گیا کہ اگر ان کو ہدایت مل گئی تو پورے عالم کی ہدایت ہو جائے گی اور ان کو منتخب کرنے کی کئی وجوہات ہیں۔

اول : بعض حضرات کے نزدیک نظر انتخاب ان کا اس لیے ہوا کہ ان میں برائی زیادہ تھی۔

دوم : بعض حضرات کے نزدیک جیسے ان کے اندر برائیاں زیادہ تھیں اسی طرح محاسن اخلاق بھی ان میں بہت زیادہ تھے، دوسروں میں ایسا نہیں تھا۔

سوم : ساری دنیا محکوم یعنی ایران و روم کے ماتحت تھی۔ جب کہ اہل عرب بالکل آزاد تھے۔ اس لیے ان میں اصلی فطرت باقی تھی۔ دین کا اثر ان کے دلوں میں پہنچا نا آسان تھا بہ نسبت دوسروں کے۔

چہارم : عربی زبان میں جو لطافت و مزہ ہے دوسری زبانوں میں نہیں ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اہل عرب کو حامل قرآن و دین بنایا اور ان کی اصلاح پہلے کی جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اَمَّا اِذَا مَلَاحِظَ الْعَالَمِ بِاصْلَاحِ الْعَرَبِ

اس کے بعد عرب میں دو قسم کے لوگ تھے۔ ما شہری و ما جنگلی و بدوی۔ ان دونوں کی زبان الگ الگ تھی انہی سے سات قبائل مشہور ہو گئے اور ہر ایک کی زبان الگ تھی۔ اگرچہ معانی مختلف نہیں ہوتے تھے۔ اور ہر ایک اپنی زبان کے عادی تھے دوسروں کی زبان ادا نہیں کر سکتے تھے تو ابتداء میں قرآن کریم لغت قریش میں نازل کیا گیا پھر موسم حج میں لوگ اطراف و اکناف سے آتے تھے تو عرب جس لفظ کو اچھا سمجھتے اپنی زبان میں داخل کر لیتے جس کی وجہ سے قرآن مقدس کو ایک لغت میں پڑنا مشکل ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے مشہور سات لغات میں پڑھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ طحاوی شریف میں حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی مغارہ میں تشریف فرما تھے اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے ایک لغت میں قرآن پڑھنے کا تو آپ نے فرمایا کہ میری امت مختلف اللغات میں ایک لغت میں مشکل ہو گا تو

رد کی اجازت دی گئی۔ اس پر بھی آپؐ نے مشکل کا اظہار فرماتے ہوئے سات لفظ کی اجازت دی گئی۔ اور فرمایا اُنْزِلَ الْفُتْرَانُ عَلٰی سَمْعِكَ اَحْرَفٌ اور یہ سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک جاری رہا۔ آپؐ کی خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو پھر دروازے کے علاقوں میں اختلاف لغات کی بناء پر جھگڑے ہونے لگے۔ اس لیے حضرت عثمان غنیؓ نے پچاس ہزار صحابہ کرامؓ کے اجماع سے قرآن مقدس کی حفاظت کے لیے اس عارضی اجازت کو ختم کر دیا اور محض لغت قریش کے موافق چند نسخے لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں بھیج دیے۔ اور باقی لغات میں غیر نصیح لغات کو ختم کر دیا جو قریش کے نزدیک معتبر نہ تھے۔

قَوْلُهُ لِكُلِّ اَيَّةٍ مِنْهَا ظَهَرَ وَ بَطُنٌ۔ اس کے مختلف مطلب بیان کیے گئے ہیں :-

اَوَّلٌ : ظَهَرَ سے مراد لفظ اور بَطُن سے مراد معنی ہے یعنی قرآن مقدس کے جو الفاظ ہیں ان کے معانی بھی ہیں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنی نہ ہو۔

دَوِّمٌ : ظَهَرَ سے مراد وہ معانی ہیں جو مُفَسِّرِينَ بیان کرتے ہیں اور بَطُن سے مراد وہ احکام ہیں جو ائمہ مجتہدین مستنبط کرتے ہیں۔

سَوِّمٌ : ظَهَرَ سے مراد ظاہری احکام اور معانی ہیں اور بَطُن سے مراد وہ اسرار و دقائق ہیں جو اصحاب معرفت بیان کرتے ہیں۔

جہازم : ظَهَرَ سے تلاوت مراد ہے اور بَطُن سے اس میں تفکر و تدبر کرنا مراد ہے اور بھی بہت احتمالات ذکر کیے گئے ہیں "مَنْ شَاءَ فَلْيُطْلِعْ اِلٰی كِتَابِ الْمُطَوَّلِ"۔

قَوْلُهُ وَ لِكُلِّ حَدِّ مُطْلَعٌ۔ بِتَشْدِيدِ اِلْطَاءِ وَ فَتْحِ اَلْاَلَمِ۔ اطلاع پانے کی جگہ مراد ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو احکام بیان کیے ہیں ان تک پہنچنے کے راستے اور حکمیں قرآن حکیم میں موجود ہیں جو کسی حکم کی جگہ پر پہنچ جائے

وہ اس حکم کو سمجھ بھی جانتا ہے چنانچہ علماء حضرات نے لکھا ہے کہ ظہر کی جائے اطلاع علم عربیت ہے اور علم شان نزول و ناسخ و منسوخ۔ اور وہ تمام علوم ہیں جن سے قرآن کریم کے ظاہری معنی تفتی رکھتے ہیں اور بطن کی جائے اطلاع ریاضت و مجاہدہ و تزکیہ نفس ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ بن عمرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کہ علم تین ہیں۔ ظاہر آیتیں ثابت و مضبوط سنت ان کے برابر فریضہ جو ان کے سوا ہیں وہ زبانی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلِفُوا ثَلَاثَةً أَيْةٌ مُحْكَمَةٌ أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ۔

قوله أَلِفُوا : أَلِفُوا میں الف لام عہد خارجی کا ہے مراد وہ علم ہے جو علوم دینہ میں اصل ہے۔

قوله أَيْةٌ مُحْكَمَةٌ : خبر ہے مبتداء محذوف کی ای احدهما مُحْكَمَةٌ اس سے مراد قرآن مقدس کی وہ آیات ہیں جن کا حکم منسوخ نہ ہوا ہو اور اس کی مراد بھی واضح ہو۔

قوله أَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ : اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا ثبوت صحیح طریق سے ہو چکا ہو۔ صحابی کا قول بھی سُنَّةٌ قَائِمَةٌ میں داخل ہے۔

قوله أَوْ فَرِيضَةٌ عَادِلَةٌ : اس کی تشریح میں مستند اقوال ہیں۔

اول : عند البعض اس سے مراد وراثہ کے حصص ہیں۔

دوم : حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ فریضہ عادلہ سے مراد اجماع ہے۔

سوم : عند الجمهور فریضہ عادلہ سے مراد اجماع و قیاس دونوں ہیں۔

**سوال :** ان کو فریضہ سے کیوں تعبیر کیا اس کی وجہ کیا ہے ؟  
**جواب :** فریضہ اس لیے کہا گیا ہے کہ کتاب و سنت کی طرح یہ بھی دونوں واجب العمل ہیں۔

**سوال :** عائدہ کیوں کہا ؟  
**جواب :** عائدہ بمعنی مساویہ ہے یہ دونوں واجب العمل ہونے میں کتاب و سنت کے مساوی ہیں اور یہ مساوات نفس و جوب عمل میں ہے مرتبہ و جوب میں نہیں۔  
 قوله وَمَا كَانَ مِثْلَهُ ذَالِكَ : اى المذکور الثالثہ۔

قوله فَهُوَ فَضْلٌ : فَضْلٌ بمعنی زائد، اور زائد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دلیل شرعی نہیں بنے گا۔ اس سے مَا عَدَا ذَالِكَ کا ناجائز ہونا لازم نہیں آتا۔

یہ ہے کہ حدیث باب میں جن علوم کا ذکر ہے ان کا جائز و ضروری ہے اور ان کو حاصل کرنا

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

فرض کفایہ ہے اور کوئی شہر ان علوم کے حامل عالم سے خالی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ علوم دین کے لیے موقوف علیہ ہیں اس کے علاوہ باقی علوم دینیہ فضیلت و مستحب کے زمرہ میں آتے ہیں۔

علم دین فقہ است تفسیر و حدیث ہر کہ جو بد غیر ازیں باشد نجیست

ترجمہ : روایت ہے حضرت عوف بن مالک انجمی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قصہ گوئی نہیں کرتے مگر حاکم یا محکوم یا مشککہ۔

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ  
 الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لَا يَقْصُصُ إِلَّا أَمِيرًا أَوْ مَأْمُورًا  
 أَوْ مُحْتَاجًا :

قوله لَا يَقْصُصُ : قَصَّ يَقْصُصُ بمعنی وعظ کہنا۔ اس لیے داعظ کو خاص کہتے ہیں اور لَا يَقْصُصُ میں لافقی کے لیے ہے نہی کے لیے نہیں کیونکہ نہی والا معنی درست

نہیں نہیں میں مطلب ہو گا کہ وعظ کی اجازت کسی کو نہیں۔ مگر امیر، امیر و مختار یعنی وہ ہے۔  
یعنی شریعت مُتکبر کو بھی وعظ کی اجازت دیتی ہے۔ جب کہ مُتکبر کو شریعت اجازت نہیں  
دیتی۔ تشریح کا سیاق۔

قَوْلُهُ أَمِيرٌ : اِی حَاكِمٌ۔

قَوْلُهُ مَا مَوْزٍ : اِی مَا ذُوْنُ۔ اور مَا ذُوْن عام ہے حاکم کی طرف سے

ہو یا عند اللہ جیسے علماء والادباء :

قَوْلُهُ مُحْتَالٌ : مُتَفَرِّغٌ مُنْكَرٌ جُوْعُوْمَتٍ دِرْیَا سِت کا طالب ہو۔

یہ ہے کہ وعظ تین آدمیوں کو کرنا چاہیے۔

امیر وقت کا حاکم کیونکہ وہ رعیت پر سب

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ اور رعایا کی اصلاح کے لیے مامور ہو کر جاتا ہے۔ اگر حاکم خود  
وعظ نہ کہے (کما فی زمنا) تو وہ جس شخص کی صلاحیت کو دیکھ کر اس کام کے لیے مقرر  
کرے جس کو مامور سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ بھی علماء سے ان دو کے علاوہ جو شخص بھی  
وعظ کہے گا وہ مُتکبر ہو گا۔ دوسری روایت میں مختار کے بجائے مُرَاد ہے یعنی رباکار

یَقُولُ ابْوَ السَّعَادِ : آج کل علائقہ صحیحہ نہیں ہے اور نہ ہی حکومتوں کی طرف

سے عموماً ایسے امور کا اہتمام کیا جاتا ہے اس لیے آج کل کچھ میں یہ آتا ہے کہ وقت

کے مشائخ اور علماء بمنزلہ امیر کے ہیں (اس حکم میں) اور جن کو مشائخ اور محققین وقت

وعظ کا اہل سمجھیں وہ بمنزلہ مامورین کے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی مختار اور مرآت ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ

سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے کہ جو بے علم فتویٰ دے اس کا

گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے اور جو اپنے

بھائی کو کسی چیز کا مشورہ یہ جانتے ہوئے

دے کہ درستی اس کے علاوہ میں ہے تو

وَعَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ

كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ

وَمَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِأَمْرٍ

يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِي غَيْرِهِ



فَقَدْ خَامَتْهُ : | اس نے اس کی خیانت کی۔

قَوْلُهُ مَنْ أَكْشَى : اس کے درمطلب ہیں :-

اول : جو شخص علماء کو چھوڑ کر جاہلوں سے مسئلہ پوچھے اور وہ غلط مسئلہ بتائیں تو پوچھنے والا بھی گنہگار ہوگا کہ یہ علماء کو چھوڑ کر جہلہ کے پاس کیوں گیا نہ یہ پوچھتا نہ وہ غلط بتاتا اس صورت میں أَكْشَى یعنی اِسْتَفْتَى ہے۔

دوم : جس شخص کو غلط فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے اس صورت میں أَكْشَى بھول ہوگا۔

خلاصہ : یہ ہے کہ اگر کوئی مفتی کسی مستفتی کو غلط مسئلہ بتا دیتا ہے اور وہ غلط عمل کرتا ہے تو اس کا گناہ مستفتی کو نہیں ہوگا بلکہ صرف مفتی کو ہوگا یہ اس وقت ہے جب کہ مستفتی مستند مفتی سے مسئلہ پوچھے اور لاپرواہی کی وجہ سے غیر تحقیقی جواب دیدے اگر مستفتی نے مسئلہ ہی کسی غیر مستند سے پوچھا ہے تو اب مستفتی کو بھی گناہ ہوگا۔

اس سند مبارک کے لیے محدثین حضرات نے مختلف

شرائط لکھی ہیں لیکن علامہ فضل الرحمن بن حسین توریشیؒ

شرائط مستند مفتی

فرماتے ہیں کہ چار شرائط کا ہونا مفتی کے لیے واجب ہے۔ درنہ وہ مفتی نہیں بلکہ مضلی اور ذلیل الکلامت ہے۔

اول : مستند مفتی وہ ہے جس کو وقت کے مشائخ اور محققین امت افتاء کا اہل کہیں

دوم : علم الغرائض میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

سوم : جس پر خوفِ خدا غالب ہو۔

چہارم : اخلاقِ حمیدہ کا مالک ہو کہ خلقِ خدا اگر سائل بن کر آئے تو خندہ پیشانی سے پیشکش آئے۔

اسی طرح مفتی کے گنہگار ہونے کی بھی دو شرطیں ہیں :-

اول : وہ عالم نہیں۔ یعنی مفتی کا مادہ اشتقاق (مفت) سے ہے مفت چر باید گفت۔

دوم : عالم ہے مگر اچھی طرح تحقیق کے بغیر فتویٰ دیتا ہے۔

قوله وَمَنْ أَشَارَ : اِی مَلَبَّ الْمُشْمُورَةِ - علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جب لفظ اِشَارَ مُتَعَدًی بَعْلًی ہو تو وہ مشورہ کے معنی میں آتا ہے یعنی کَيْفَ اَفْضَلَ هَذَا الْاَمْرَ قَوْلُهُ فِي غَيْرِهِ : اِیْ غَيْرَ مَا اِشَارَ اِلَيْهِ یعنی جو مشورہ وہ دے رہا ہے اس میں خیر نہیں۔ اس کے غیر میں خیر ہے۔

قوله خَاتَمُ - اِیْ خَاتَمُ الْمُشْتَشَارِ الْمُشْتَشِرِ، یعنی مشورہ دینے والے (مُشْتَشِر) نے مشورہ لینے والے (مُشْتَشَار) سے خیانت کی ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے : « اِنَّ الْمُشْتَشَارَ مُؤَكَّدٌ مُطْلَبٌ یَہُے کہ اگر کسی شخص نے اپنے کسی بھائی کی بدخواہی اس طرح چاہی کہ اسے اس چیز کا مشورہ دیا جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے بلکہ دوسرے امر میں ہے تو یہ اس کی خیانت ہے خیانت بایں وجہ کہ اس نے غیر اخلاق و غیر شرعی عمل کیا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُعَاوِظَہ دینے سے منع فرمایا ہے

وَعَنْ مُعَاوِیَّةَ قَالَ  
اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
نَهَى عَنْ الْاَعْلُوْطَاتِ :

قوله اَعْلُوْطَاتِ : جمع اغلوطہ اور اغلوطہ ایسے مسائل کو کہا جاتا ہے جو بظاہر پیچیدہ ہوتے ہیں اور جس کے جواب سے علامہ پریشان ہو جائیں۔ ایسے سوالات کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں اپنی بڑائی اور دوسرے کی ذلت اور شرمندگی ہوتی ہے۔ علامہ نے لکھا ہے کہ یہ ابتدائے حرام ہے لیکن اگر کوئی آدمی علامہ حقہ کو ایسے لٹے سوالات کر کے الجھانا چاہتا ہے تو جواباً : « جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا » کے موجب اغلوطہ سے سوال کرنا جائز ہے۔

یَقُولُ ابُوْا سَعَادَ : اگر کوئی شیخ و استاذ طلبہ کی علمی استعداد معلوم کرنے کے لیے ایسے سوالات کرتا ہے تو جائز ہے۔

مثال : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے پوچھا کہ ایک درخت ایسا ہے جو مومن کے ساتھ خاص مشابہت رکھتا ہے۔ بتاؤ وہ کونسا درخت ہے۔ سب صحابہ جنگل کے درختوں کے متعلق سوچنے لگے کہ کونسا ایسا درخت ہو سکتا ہے۔ حضرت نے خود ارشاد فرمایا کہ وہ درخت گھور کا درخت ہے۔ یا جیسے یہ پوچھنا کہ وہ کونسا سفر ہے جس میں قصر نہیں یا وہ کونسی صورت ہے کہ نمازی اپنے گھر میں وقتی نماز قصر پڑھے۔ یا وہ کونسی صورت ہے کہ نماز پڑھی تو نہ جائے لیکن بعد میں خود بخود ہو جائے۔ یا وہ کون بزرگ ہیں جن کی اپنی عمر چالیس سال، پینے کی ایک سو بیس سال اور پوتے کی تیس سال اور تینوں بیک وقت زندہ ہیں۔ اس قسم کے سبب مسئلہ شامی وغیرہ نے ارشاد فرمائے اس سے ذہن تیز کرنا مقصود نہ کہ کسی کو ذلیل کرنا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم میراث اور قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ میری وفات ہونے والی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْلَمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ

قولہ فَرَّائِضَ - محدثین حضرات نے فرائض کے معنی کی تعیین میں دو قول نقل کیے ہیں : اول فرائض سے مراد عام فرائض اسلام اور احکام شریعت ہیں جیسے صوم صلوٰۃ زکوٰۃ دوم اس سے مراد علم الفرائض یعنی میراث کا علم مراد ہے پھر علم الفرائض کے دو معنی ہیں ایک خاص ایک عام - معنی خاص یہ ہے کہ ترکہ اور مستحقین ترکہ کی بحث کی جائے عام معنی یہ ہے کہ مطلقاً اموال متروکہ کی تقسیم پر بحث کی جائے۔

قولہ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ : اُمِّی سَأُقْبَضُ میں منقریب فوت کیے جانے والا ہوں سوال - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ علم الفرائض کی تعلیم کی تاکید کیوں فرمائی ہے ؟

**جواب :** تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ باقی تمام علوم کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے جب کہ اس کا تعلق موت کے ساتھ یا اس بناء پر کہ قرب قیامت میں یہ علم دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اس لیے خصوصیت سے اس کے سیکھنے کی تاکید فرمائی۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ  
كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَّصَ بِصُرْمٍ  
إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا  
أَوَانٌ يُخْتَلَسُ فِيهِ الْعِلْمُ مِنَ  
النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدَرُوا مِنْهُ  
عَلَى شَيْءٍ ،

ترجمہ بمعنی : روایت ہے حضرت  
ابو الدرداءؓ سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلعم  
کے ساتھ تھے کہ سرکارِ دو عالم نے آسمان  
کی طرف نگاہ اٹھائی پھر فرمایا کہ یہ وہ وقت  
ہے جب علم لوگوں سے اٹھ لیا جائے گا  
حتیٰ کہ کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے۔

قوله فَشَخَّصَ : ای دفع۔  
قوله أَوَانٌ : ای وقت۔

قوله يُخْتَلَسُ : یہ مفت ہے اَوَان کی اور اختلاس کا معنی ہے بختلف و  
بکلیب پسرغہ یعنی جلدی سے کسی چیز کا اٹھایا جانا۔ اس حدیث کے دو مطلب ہیں۔  
اول : پہلا مطلب یہ ہے کہ عنقریب علم اس دنیا سے اٹھنا شروع ہو جائے گا اور  
یہ قیامت کے قریب ہوگا۔

دوئم : علم سے مراد علم وحی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آسمان کی طرف  
دیکھا اور آپ کو قرب اجل کا انکشاف ہوا تو آپ نے امت کو فرمایا کہ میں عنقریب دنیا  
سے رخصت ہونے والا ہوں۔ اور میرے ساتھ ہی علوم نبوت اور معارف کتاب و سنت  
کے دروازے بند ہو جائیں گے لہذا زیادہ سے زیادہ حاصل کر لو۔ رکھا ہوا المقصود  
من الحدیث الذی قبلہ عن ابی ہریرۃؓ

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَوَيْتُ  
يُوشِكُ أَنْ يُضْرِبَ النَّاسُ  
أَكْبَادَ الْأَبْلِ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ  
فَلَا يَجِدُونَ أَحَدًا أَعْلَمَ  
مِنْ عَالِي الْمَدِينَةِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابو ہریرہؓ سے کہ لوگ تلاشِ علم کرتے ہوئے  
اونٹوں کی سیدھ کوئی کریں گے تو مدینہ  
کے ایک عالم سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں  
گے۔

قولہ رَوَيْتُ : روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث  
مرفوعاً بیان کی ہے۔ رفع کی صورتیں ہیں مثلاً یوں کہ دینا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ چنانچہ رفع کی صورتوں میں سے ایک رَوَيْتُ کہنا بھی ہے۔ لہذا  
رفع کی طرف اشارہ کیا۔

سوال : رفع بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

جواب : حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیث مرفوعہ بیان کی مگر ان کے شاگرد کو  
حضرت ابو ہریرہؓ کے الفاظ یاد نہ رہے اس لیے انہوں نے یوں نقل کیا۔

قولہ يُوشِكُ : بکسر الشین لیکن فقہ کے ساتھ پڑھنا لغت ردیہ ہے بمعنی یُغْرِبُ  
قولہ أَكْبَادَ الْأَبْلِ : اکباد کبہ کی جمع ہے بمعنی جگر اس کی مراد میں دونوں ہیں  
اول : عند البعض اکباد الابل کنا یہ ہے سیر سربیع سے کہ اونٹ تیزی سے سفر  
کریں گے اتنی تیزی کہ اسی تیزی میں ان کے جگر پھٹ جائیں گے۔

دوم : اکباد الابل کنا یہ ہے شدت عطش (پاس) سے اس کا مطلب یہ ہے کہ  
جب لوگوں میں علم کا چرچا عام ہو گا تو حصولِ علم کے شوق میں لوگ اونٹوں پر اتنا لمبا  
سفر کریں گے کہ اونٹوں کے شدتِ پاس سے جگر پھٹ جائیں گے اور اونٹ خشک ہر  
کہ مر جائیں گے لیکن نتیجہً دونوں قول برابر ہیں کہ یہ کنا یہ ہے تیز دوڑنے اور طویل مسافت  
دھمت اور شقت سے۔ معلوم ہوا کہ طالبِ علم کو علم پر جرحیں ہونا چاہیے۔

قولہ مِنْ عَالِي الْمَدِينَةِ : اس حدیث میں جس عالم مدینہ کا ذکر ہے اس  
کا مصداق کون ہے اس میں مختلف آراء ہیں :-

۱۔ اس سے مراد عمری الزاہد ہیں جیسا کہ حضرت ابن عیینہؒ کے ایک شاگرد حضرت اسحاق بن موسیٰ فرماتے ہیں جن کا نام صاحب مشکوٰۃ نے عبد العزیز بن عبد اللہ ذکر کیا ہے یہ اپنے درجہ کے عالم اور اللہ کے ولی تھے۔ چونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے ہیں۔ اس لیے عمری کہا جاتا ہے۔ اور زاہدان کی صفت ہے جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے متقی اور زاہد تھے۔

۲۔ عند الجہور اس کا مصداق امام مالکؒ بن انسؒ ہیں واقعی ایک وقت ایسا آیا ہے کہ دارالرحمت مدینہ منورہ میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تھا لوگ دور دراز کا سفر کر کے ان کے پاس تحصیل علم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہؒ جو حضرت امام مالکؒ کے اصحاب اور حضرت امام شافعیؒ کے شیوخ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مراد حضرت امام مالکؒ کی ذات محترمہ ہے۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن ابی جعدیث کے جلیل القدر ائمہ مشہور امام ہیں فرماتے ہیں کہ حدیث میں جس عالم مدینہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد حضرت امام مالکؒ ہی ہیں۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہؓ اور تابعینؓ کے دور کے اعتبار سے ہے ان کے زمانوں میں مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم کسی دوسری جگہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کے بعد حبیب علم کی مقعدس روشنی مدینہ سے نکل کر اطرافِ عالم میں پھیلی تو اس کے نتیجے میں دیگر ممالک اور شہروں میں ایسے ایسے عالم و فاضل پیدا ہوئے جو اپنی فراست و علم کے اعتبار سے مدینہ منورہ کے عالموں سے مقام و مرتبہ میں بڑھے ہوئے تھے۔

تیسرا اس حدیث کے ظاہری معنی جو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب اور انسب ہیں یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے اس بات کی خبر دینا ہے کہ آخر زمانہ میں علم اپنی وسعت و فراخی کے باوجود صرف مدینہ منورہ میں منحصر ہو جائے گا۔ جیسا کہ دیگر احادیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ فِيمَا أَعْلَمُ  
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ  
عَزَّ وَجَلَّ يَبْقِي لِهَذِهِ الْأُمَّةِ  
عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ سَنَةٍ مَنْ  
يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا :

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
میری دانست میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم سے راوی ہیں فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ  
اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک  
مجدد بھجوا رہے گا جو ان کا دین تازہ کرے  
گا۔

قَوْلُهُ فِيمَا أَعْلَمُ : بِمَسْئَلِ الْإِسْبَاحِ : یہ کلام کسی نیچے کے راوی کا ہے وہ  
فرماتے ہیں کہ میرا غالب گمان یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث حضورؐ سے روایت  
کی ان کا اپنا قول نہیں۔  
قَوْلُهُ الْأُمَّةُ : عند الجمهور امت اجابت مراد ہے عند البعض مجتہل امتہ  
المتعویۃ۔

قَوْلُهُ رَأْسُ كُلِّ مِائَةٍ سَنَةٍ : ای انتہا پہلے وابتداء پہلے لیکن جمهور  
حضرات کے نزدیک مائۃ سَنَةٍ سے صدی کا آخر مراد ہے۔  
قَوْلُهُ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا : جمہور دین کا معنی ہے ”احیاء ما اندرس من  
العمل بالکتاب والسنة والامر بالمعقضاہما“ یعنی علوم نبوت اور شریعت  
مقدس پر جو بدعات اور رسومات کی گردوغبار پڑ گئی ہے اس کو دور کیا جائے۔ افراط  
و تفریط ختم کر کے صحیح معتدل دین امت پر پیش کیا جائے۔  
حدیث کے لفظ ”مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا“ کے مَنْ میں دو احتمال ہیں۔

**فائدہ** | **اَوَّلُ :** مَنْ سے مراد ایک جماعت ہے یعنی ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایسی  
جماعت پیدا کرتے رہیں گے جو دین کو نکھار کر پیش کرے گی۔  
**دَوِّمُ :** مَنْ سے مراد شخص واحد ہے یعنی ہر صدی میں ایسی شخصیت پیدا ہوگی جو تجدیدی  
کارنامے انجام دے گی اسی کو صدی کا مجدد کہتے ہیں۔

**سوال :** ماقبل میں گذرا کہ جو عمل غیر القرون سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے  
تو جب مجدد دین تجدید دین کرے گا تو وہ بھی بدعت شمار ہوگی !

**جواب :** تجدید دین سے مراد کسی نئی بات و طریقہ کا ایجاد نہیں بلکہ دین کے  
اندر بدعات و رسومات اور غلط تاویلات کی وجہ سے پکے دین پر جو گرد و غبار ہو گا ان  
کو صاف کر کے امت کے سامنے پیش کرنا مراد ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
يُجَدِّدُ لَكُمَا دِينَكُمْ فرمایا نہ کہ يُجَدِّدُ دِينِي دِينَهُمَا فرمایا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ ”خلاصۃ الاثر

**مُجَدِّدِ شَرَايِطِ** فی اعیان قرن الحادی عشر میں بحث کی ہے کہ کون کس  
صدی کا مجدد ہے اور مجدد کی شرائط کیا ہیں ؟ طوالت سے بچتے ہوئے مختصر اعرض کر رہا  
ہوں۔ مجدد کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں :-

اول : ظاہری و باطنی علوم کا جامع ہو۔

دوم : اس کی تدبیر و تالیف اور تذکرہ سے عام فائدہ ہو۔

سوم : بدعات کو مٹانے اور سنتوں کے زندہ کرنے میں کوشاں ہو۔

چہارم : ایک صدی کے آخر میں، دوسری کے شروع میں اس کے علم کی عام شہرت

ہوتی ہو۔ لہذا اگر ایسی شخصیت نے صدی کے آخر کو نہ پایا ہو یا پایا ہو مگر شاعت

شریعت میں کوشش نہ کر سکا ہو تو وہ اصطلاحی مجدد نہیں کہلائے گا۔ اور مجدد کی تعیین

اس کے معاصرین کرتے ہیں۔ لیکن کیا اوقات صدی کے وسط میں ایسی شخصیتیں

پیدا ہو جاتی ہیں جو اپنی دینی جد و جہد مجدد دین کے ہم پیکر ہو جاتی ہیں بلکہ مرتبہ میں ان سے

بھی بڑھ جاتی ہیں گویا انہیں اصطلاحی مجدد نہیں کہا جائے گا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت

ابراہیم بن عبد الرحمن عذری سے

فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے کہ اس علم کو ہر کھلی جماعت

وَعَنْ اَبِرَاهِيْمَ بْنِ

عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَذْرِي

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هَذَا



میں سے پرہیزگار لوگ اٹھاتے رہیں گے  
جو غلو والوں کی تبدیلیاں اور جھوٹوں کی  
دروغ بیانیاں اور جاہلوں کی ہیرا پھریاں  
اس سے دور کرتے رہیں گے۔

الْبَلَاءُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهُ  
يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيفُ الْعَالِيْنَ  
وَاِنتِحَالُ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيلُ  
الْجَاهِلِيْنَ :

قوله يَحْمِلُ : ای بچھڑے یا خدے یعنی خلافت کرتے رہیں گے۔

قوله هَذَا الْعِلْمُ : ای علم الکتاب والمستی - بعض حضرات نے  
علم فقہ کو بھی داخل کیا ہے لیکن هُوَ غَيْرُ صَحِيحٍ لائقہ مأخوذ منها :

قوله مِنْ كُلِّ خَلْفٍ : خلف بمعنی پیچھے آنے والا لیکن اس سے مراد وہ مرد  
سارح ہے جو کسی کے بعد آئے۔ یا خلف سے مراد جماعت مانسیہ بھی ہے۔

قوله عُدُوْلُهُ : عُدُوْل سے مراد عادل، ائمہ اور صاحبِ تقویٰ لوگ مراد ہیں۔

قوله يَنْفُوْنَ : ای طار دین عن هذا العلم بمعنی دور کرنا، ہٹانا یعنی  
یہ لوگ دور کریں گے، ہٹائیں گے۔

قوله غَالِيْنَ - ای الْمُتَكَبِّرِيْنَ الدِّیْنَ یَتَجَاوَزُوْنَ فِی كِتَابِ اللّٰهِ  
وَسُنَّةِ رَسُوْلِهِ سچا پر غلو بھی حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں مثل اقوال القدریۃ  
والتجبریۃ والمشیبۃ۔

قوله وَاِنتِحَالُ : انتحال بمعنی ادعاء الشیء باطل - مُبْطِلِیْنَ بمعنی  
مُكْذِبِیْنَ اور یہ جھوٹ سے کتا یہ ہے یعنی باطلوں کی افزاء پر دازی تو کتا یہ ہوگا دروغ  
گوئی سے۔

یہ حدیث سابقہ حدیث مجدد کی توثیق کر رہی ہے

کہ ایک جماعت علم دین کے ذریعہ جھوٹ

خُلَاصَةُ الْحَدِیْثِ

ہمتان، غلط تاویلات کو دور کرتی رہے گی۔ عند البعض جماعت مراد نہیں بلکہ فرد واحد  
یعنی مجدد مگر ترجیح جماعت کو ہے جیسے اور مقام پر فرمایا لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ  
اُمَمٍ طَائِفَتِیْنِ عَلٰی الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمُ مَنْ خَالَفَهُمْ (الخ)

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْقَوْتُ  
وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ  
الْإِسْلَامَ قَبِيلَهُ وَبَيْنَ الْبَيْنَتَيْنِ  
دَرَجَةً وَاحِدَةً فِي الْجَنَّةِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
حسنؑ سے مُرْسَلًا فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے موت  
اس حال میں آئے کہ وہ اسلام زندہ کرنے  
کے لیے علم سیکھ رہا ہو تو جنت میں اس  
کے اور نبیوں کے درمیان ایک درجہ ہوگا۔

قوله دَرَجَةً وَاحِدَةً : اس حدیث میں درجہ واحدہ سے مراد نبوت کا  
درجہ ہے کیونکہ صحیح علماء و ارث انبیاء میں مطلب یہ ہے کہ جو علماء صحیح معنی میں انبیاء کے  
وارث ہیں۔ ان میں اور انبیاء میں جنت کے اندر مرتبہ وحی اور درجہ نبوت کا فرق ہوگا  
اگرچہ یہ فرق بڑا نہ ہو مگر ہر حال دوسرے اہل جنت کی بہ نسبت ایسے علماء  
کا درجہ بہت بلند ہوگا۔

ثانیاً : حدیث باب کے اندر نبی کریم علیہم السلام تحصیل علم دین کی اہمیت بیان کی  
اور ساتھ ساتھ تحصیل علم کا مقصد بھی واضح کیا ہے لَبِّحِي بِهٖ الْإِسْلَامَ مزید اس کی  
مکمل تشریح مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ فصل ثانی باب العلم حدیث الی ہریرۃ میں ہو چکی ہے۔

## اسمائے رجال

ابن حدیث ہے جسے جہنم مطلقہ بولا جائے تو اس سے  
خواجہ حسن بھریؒ مراد ہوتا ہے جسے بھریؒ ابو الحسن

حالات حضرت حسن بھریؒ

جسے بیڑہ ہے ان کی کشتہ الو سعید ہے نہ زبردستی ثابت کے آزاد کردہ غلام ہے۔ انہ کے باپ کا نام یسار ہے

وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ  
سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي مَكْنٍ  
إِسْرَائِيلَ أَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا  
بِفَصْلِ الْمَكْتُوبَةِ ثُمَّ يَخْلِسُ  
فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْحَبَرَ وَالْأَخْرَ  
يُصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ  
أَيُّهُمَا أَفْضَلُ :

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے  
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو  
شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا جو بنی اسرائیل  
میں تھے ایک تو عالم تھا جو صرف فرائض پڑھتا  
تھا، پھر بیٹھ جاتا تھا لوگوں کو علم سکھاتا تھا اور  
دوسرا دن کو روزے رکھتا، رات بھر عبادت  
میں کھڑا رہتا۔ ان دونوں میں بہتر کون ہے

قَوْلُهُ وَعَنْهُ مُرْسَلًا : حدیث مرسل وہ ہے جس میں صحابی کا ذکر ترک کر دیا  
جائے۔ خواہ جس بھری صحابی کا ذکر یا تو اس لیے پھوڑتے ہیں کہ حدیث کے راوی  
بہت صحابہ ہوتے ہیں کس کس کا نام لیں۔ یا اس لیے کہ انہیں حدیث کی محقق پر یقین ہوتا ہے  
غرضیکہ ان جیسے بزرگوں کا ارسال معتبر ہے اور ان کی مرسل روایتیں مقبول ہیں جیسا کہ قانون ہے  
مرا سیل الثقات حُجَّتُهُ عِيْنُهُ نَا۔

قَوْلُهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلَيْنِ - ای عن شاذلہما وحکمہما۔  
قَوْلُهُ كَانَ عَالِمًا : یعنی اس کا علم عبادت پر غالب تھا زیادہ اوقات علمی خدمت  
میں گزارتا تھا۔

قَوْلُهُ يَصَلِّي الصَّلَاةَ - اى يكتفى بالعبادة الصلوة، یعنی مکتوبہ کی قید اس لیے لگائی کہ صرف فرائض پر اُمر تھا فرائض پر عامل نہیں تھا۔

قَوْلُهُ كَفَضَ عَلَيَّ اَدْنَا كَفَرٌ : جواب میں الطاب فرماتا یعنی اتنی دراز عبادت کا فرمانا عالم کی شان لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لیے ہے ورنہ اتنا کافی تھا کہ پہلا دوسرے افضل ہے۔ مآئیت : سابق میں یہ گذر چکا ہے کہ یہ مثال نوعیت کے بیان کے لیے ہے۔ یعنی جس قسم کی بزرگی مجھ کو تم پر حاصل ہے۔ اس قسم کی بزرگی عالم کو عابد پر ہے جیسے رب ربُّ الدُّجَلال نے فرمایا "مَثَلُ نُوْرٍ كَوْشَكُوَةٍ السَّجْدَةِ لِهَذَا اَسْرَعُ مِنْ لَازِمِ نَهْرٍ اَنَّا كَالْعَالَمِ لَبِي كَرَّ بَرَّ بَرَّ جَانَسَ۔"

بنی اسرائیل کے مذکورہ دونوں عالم یوں تو اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ہم رتبہ تھے مگر فرق یہ تھا کہ ایک عالم نے تو اپنی زندگی کا مقصد صرف عبادت خداوندی بنالیا تھا۔ چنانچہ ہر وقت عبادت میں مصروف رہا کرتا تھا۔ بندگانِ خدا کی اصلاح و تعلیم سے اسے غرض نہیں تھی مگر دوسرا عالم فرض عبادت بھی پوری کرتا تھا۔ اور اپنے اوقات کا بقیہ صرفہ لوگوں کی اصلاح و تعلیم میں بھی صرف کیا کرتا تھا لہذا دونوں میں افضل اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جو خود بھی اپنے علم پر عمل کرتا ہے دوسروں کو بھی علم سکھلا کر انہیں راہِ ہدایت پر لگاتا تھا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِيهُ فِي الدِّينِ اِنْ اِحتَبَجَ اِلَيْهِ فَنَقَعَ وَاِنْ اِسْتَنْبَى عَنْهُ اَعْنَى نَفْسَهُ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؑ نے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عالم دین بہت اچھا ہے کہ اگر اس کی ضرورت پڑے تو نفع پہنچا دے۔ اگر اس سے بے پرواہی ہو تو اپنے کو بے نیاز رکھے۔

قَوْلُهُ نِعْمَ الرَّجُلُ : اى کامل فى اوصاف العبدية۔

قَوْلُهُ إِنَّ احْتِیَاجَ : بِكسر التَّوْنِ وَضَعَهَا اِیْ اَنْ اَحْتَاجَ النَّاسُ ۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک عالم کی یہ شان ہونی چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کا محتاج کر کے اپنی حیثیت کو کتر نہ کرے ۔ نیز غلط اغراض و مقاصد کی خاطر عوام کی طرف میلان نہ رکھے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو عوام سے لاتعلقی کر کے علم کے نفع سے محروم کرے ۔ بلکہ ان کے اسلامی ضروریات کو پورا کرے اِن اگر عوام خود لاپرواہی نہیں ۔ نفع نہ اٹھائیں تو اپنے آپ کو مستغنی کر دے یعنی تلادست قرآن ذکر اذکار تالیف و تصنیف میں مشغول رکھے اسی کو اسغنیٰ حقہ کہا گیا ہے ۔

یَقُولُ شَيْخُ جَاوِدِی رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ : عام طور پر اس کا کیا مطلب مراد لیا جاتا ہے کہ کوئی دین پڑھنے آئے تو پڑھا دو ۔ در نہ مستغنی بن کر بیٹھ جاؤ ۔ جبکہ یہ مطلب قرآن پاک کے مفہوم کے خلاف ہے ۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام قوم کے پاس جلتے قوم اگر نہ سنتی تو بھی ضرور سناتے ۔ اسی طرح ہر نبی کا یہی طریق تہذیبی رہا ہے ۔ لہذا صحیح مطلب اس اثر کا یہ ہے کہ اچھا عالم وہ ہے کہ جب تدریس کا موقع ملے تدریس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچائے اگر نفع کا موقع نہیں ملتا تو خالق کی عبادت میں مشغول رہے یہ حدیث بعینہ معنی صدق ہے اس آیت مقدسہ کا ۔ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ۔ (پت)

وَعَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا النَّاسُ كُلُّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنَّ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنَّ أَكْثَرَتْ فَثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا تَمِلْ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت عکرمہ سے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو ہفتہ میں ایک دفعہ دعا سنناؤ اگر نہ مانو تو دو دفعہ اگر بہت ہی کرو تو تین بار اس قرآن سے لوگوں کو اکتانہ دو

قَوْلُهُ كُلَّ جُمُعَةٍ : اس سے مراد اسبوع ہے یعنی ہفتہ ۔

قوله فَإِنْ آيَيْتَ : اے اُنکے اب انکار کا تعلق سماع سے نہیں بلکہ  
تحدیث مرثیہ سے ہے یعنی ان کا خیال ہے کہ ایک دفعہ سے زیادہ وعظ کرو۔ ملا علی قاریؒ  
نے آیت کا معنی کیا ہے وارادت الزیادة حِرْصًا عَلَى افادة العلم ونفع الناس  
قوله وَلَا تَعْمَلْ الْفَاسَ : يقال مللته ومللت بمعنى اکتبانا۔ کیونکہ  
بعض دفعہ اکثر املال کا ذریعہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا مقصد تھا کہ روزانہ وعظ  
نہ سناؤ ہفتہ میں ایک بار دہن بار سناؤ پھر بھی اتنی دیر وعظ نہ کہو کہ لوگ سیر ہو جائیں  
بلکہ ان کا شوق باقی ہو کہ ختم کر دو۔

يقول ابوالسعاد : یہ ارشاد رہا ہے جہاں لوگ اکتاتے ہوں لیکن دینی  
ہذبہ کے تحت سائق ہیں ترنہ روز وعظ کرنا برائے دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار  
غیر سے مغرب تک وعظ فرمایا۔ عالم کو چاہیے کہ لوگوں کے شوق کا اندازہ رکھے۔  
قوله وَلَا الْفَيْتُكَ : اے لا اجد لك یہاں سے نصیحت ثانیہ شروع ہے۔

قوله فَإِذَا أَمْرُوكَ : اے طلبوا منك التحدیث  
قوله فَإِذَا أَمْرُوكَ - اے طلبوا منك التحدیث یعنی جہاں لوگ کسی بات  
چیت اور آپس کی گفتگو میں مشغول ہوں تو ایسے موقع پر پہنچ کر وعظ و نصیحت شروع نہیں  
کر دینی چاہیے۔ اگرچہ ان کی بات چیت و دنیوی امور سے متعلق ہو یا دینی باتوں پر مشتمل ہو  
اس سے علم اور عالم کی احانت بھی ہوتی ہے۔

ثانیاً : اگر وہ بتقاضائے بشریت اس وعظ و نصیحت کو گوارہ نہ کریں تو وہ گناہ میں  
مبستلا ہونگے۔ بلکہ ان کے قلوب پر دین کی عظمت اور اہمیت کا نقش بھی قائم نہ ہوگا۔  
ہاں اگر مصلحت کا تقاضا ہی یہ ہو کہ انہیں اس گفتگو سے باز رکھا جائے تو پھر ایسا  
انداز و طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے انہیں ناگواری بھی نہ ہو اور وہ اس کلام گفتگو  
سے رک جائیں۔

قوله وانظروا السجع : اے صرکتَ نَظَرًا مِنَ السَّجْعِ یعنی دعامیں  
سجع بندی اور وزن شاعری سے بچو۔ یعنی دعامر تاثیر کے اعتبار سے وہی بہتر ہوتی ہے  
جو فصیح و بناوٹ سے پاک ہو۔ اور جس میں شعر و شاعری کا دخل نہ ہو یعنی قافیہ بندی نہ ہو۔

**سوال :** حضرت ابن عباسؓ جمع فی الدعاء سے منع فرما رہے ہیں جب کہ اکثر آثار و دعاؤں میں جمع بندی ہے مثلاً "اللَّهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ الْخ"۔

**جواب :** یہاں مراد وہ جمع ہے جو بال تکلف اور بالذات اختیار کیا جائے۔ کیونکہ اس سے دعا میں شروع و خضوع و خلوص و حضور قلب نہیں رہتا باقی فصیح کلام میں جو جمع بلا تکلف اور بال تسبیح آجائے وہ ممنوع نہیں ہے۔

**یقول ابوالاسعد :** مطلق تسبیح بلا تکلف عبارتیں بذات خود مذموم نہیں ہیں بلکہ انسان کے کلام کی فصاحت و بلاغت اور قابلیت کا پرکھو ہوتی ہیں۔ چنانچہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان اور آپ کا کلام مستمع و متفقی عبارتوں سے مزین ہوتا تھا۔ بطور خاص آپ سے جو دعائیں منقول ہیں ان کے الفاظ کی جامعیت تسبیح و متفقی عبارتوں کی بہترین مثال ہیں جیسے یہ دعا ہے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ" حاصل یہ کہ وہ تسبیح عبارت مذموم ہے جو بلا تکلف زبان و قلم سے ادا ہو۔

**ترجمہ :** روایت ہے حضرت وائل بن اسقع سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو علم طلب کرے پھر پا بھی لے تو اسے ثواب کا دوہرا حصہ ہے لیکن اگر نہ پاسکے تو اسے ثواب کا ایک حصہ ہے۔

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ أَسْقَعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَأَدْرَكَهُ كَانَ لَهُ كِفْلَانِ مِنَ الْأَجْرِ فَإِنْ لَمْ يُدْرِكْهُ كَانَتْ لَهُ كِفْلَةٌ مِنَ الْأَجْرِ :

**قولہ فَأَدْرَكَهُ :** اسی حصہ لیکن شارح علیہ السلام نے اَدْرَكَہَ فرمایا ہے نہ کہ حصہ دہر یہ ہے کہ ادراک میں مبالغہ زیادہ ہے بہ نسبت حصہ کی کیونکہ ادراک کہتے ہیں کسی شے کی انتہا تک پہنچنا۔ یعنی بلوغ اقصیٰ شے یعنی اس طلب علم

نے علم کے تمامی درجات حاصل کیے ۔

قوله كَيْفَلَان : ائى نصيبان : دو ثواب اس طرح ملیں گے کہ ایک ثواب تو طالب علم اور اس کی مشقت و محنت کا ہوگا جو اس نے حصول علم کے سلسلہ میں اٹھائی ہیں ۔ اور دوسرا ثواب علم کے حاصل ہونے کا اور پھر دوسروں کو علم سکھانے کا ہوگا ۔ یا دوسرا ثواب عمل کا ہوگا جو اس نے علم پر کیا ہے ہاں اس شخص کو جیسے اس کی طلب و کوشش کے بعد علم حاصل نہیں ہوا ۔ صرف ایک ثواب اس کی محنت و مشقت کا ہوگا ۔

قوله كَانَ لَهُ كَيْفَلٌ مِّنَ الْاَجْرِ : اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو زمانہ غالب علی میں مرجا کے تکمیل کا موقع نہ ملے ، یا اس کا ذہن کام نہ کرے مگر وہ نگاہ ہے تب بھی ثواب پائے گا جیسے مجتہد اگر صحیح اجتہاد کرے تو دوسرا ثواب اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِمَّا يُلْحَقُ  
الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ  
بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَ  
نَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا شَرَكَهُ  
أَوْ مَصْحَفًا وَرَثَهُ :

ترجمہ ، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اعمال و نیکیاں مؤمن کو بعد موت بھی پہنچتی رہتی ہیں ان میں سے وہ علم ہے جسے سیکھا گیا اور پھیلا یا گیا ۔ اور نیک اولاد جو چھوڑ گیا اور قرآن شریف جس کا وارث بنا گیا ۔

قوله مِمَّا : مِمَّا اصل میں مِنْ مَّا تھا یہ جار مجرور متعلق ہے کائِنْ مقدم کے اور یہ خبر مقدم ہوگی اِنَّ کی عِلْمًا عَلَّمَهُ اس کا اسم ہے

قوله مِنْ عَمَلِهِ : مِمَّا کے کا بیان ہے ۔

قوله حَسَنَاتِهِ : اس کا عطف عَمَلِهِ پر عطف تفسیری ہے ۔

قوله بَعْدَ مَوْتِهِ : متعلق ہے یُلْحَقُ کے اور بَعْدَ مَوْتِهِ کا مفہوم



مخالف جائز نہیں کیونکہ حیاتی کے اندر بھی ثواب ملتا رہتا ہے۔

قَوْلُهُ تَشْكُرُهُ عام ہے قَلِيلًا تَالِيفًا وَوَقْفًا اَلْكَتَب

قَوْلُهُ صَالِحًا : اس قید احترازی سے بدکار و نافرمان اولاد نکل گئی۔

قَوْلُهُ تَرَكْلَهُ : اس سے فرط (فوت شدہ بچے) نکل گئے کیونکہ وہ والد کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔

قَوْلُهُ مَصْحُفًا : قرآن کے حکم میں شرعی کتابیں بھی داخل ہیں اسی طرح مسجد کے حکم میں علماء کے قائم کردہ مدرسے اور خانقاہیں جو ذکر اللہ و تزکیہ نفس کے لیے ہوں شامل ہیں یعنی ان کا ثواب بھی مرنے کے بعد برابر پہنچتا رہتا ہے۔

قَوْلُهُ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ : مؤمنین حضرات نے وَحْيًا تَبَّہ کی واد کو جمع کی بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرتے وقت تندرستی بھی ہو اور زندگی میں نے

بیماری کی حالت والا صدقہ قبول نہیں ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کے متعلق پوچھا گیا کہ کونسا صدقہ افضل ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

” اِنْ تَصَدَّقْتَ وَ اَنْتَ صَحِيْبٌ شَيْءٍ فَتَصَدَّقْ اَلْفُ مَرَقَاتٍ

کیونکہ مرض کی حالت میں خود اپنے کو مال کی حاجت نہیں رہتی جب کہ دوسرے حضرات

فرماتے ہیں کہ واؤ عا طفر ہے اس جگہ عطف ہے اور عطف مغایرت کو تقاضا کرتا ہے

یعنی تندرستی کی حالت میں نکالے یا مرض کی حالت میں بہر حال صدقہ جاریہ مراد ہے۔

**سوال :** مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ فصل اول میں ہے کہ جن اعمال کا ثواب موت

کے بعد جاری رہتا ہے وہ یمن ہیں علم و لد صالح ، صدقہ جاریہ اور یہاں سات چیزوں کا

ذکر ہے تو یہ تعارض ہوا۔

**جواب :** علم اور لد صالح کے علاوہ باقی پانچ چیزیں مصحف ، مسجد

بیت ابن السبیل ، نہر ، خیرات یہ سب صدقہ جاریہ کی تفصیل ہیں۔ فلا تعارض

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ  
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ  
عَزَّ وَجَلَّ أَوْحَى إِلَيَّ أَبْنَةَ  
مَنْ سَلَكَ مَسْلَكَ فِي طَلَبِ  
الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهُ طَرِيقَ  
الْجَنَّةِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ  
اللہ عزوجل نے مجھے وحی فرمائی کہ جو تلاش  
علم میں ایک راہ چلا تو میں اس پر جنت  
کا ایک راہ آسان کر دوں گا۔

قوله أَوْحَى إِلَيَّ : بطریق الہام یا بذریعہ حضرت جبریل علیہ السلام کہ مضمون  
رب کی طرف سے الفاظ معنوی کے اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ حدیث قدسی  
اور قرآن میں بھی فرق ہے کہ قرآن کی عبارت اور معنوں سب رب کی طرف سے ہے۔  
قوله سَلَكَ : اِی ذَهَبَ وَ مَشَى چلتا ہے یا جاتا ہے۔

قوله مَسْلَكَ : اِی طَرِيقًا :  
قوله طَرِيقَ الْجَنَّةِ : جنت کے راستے آسان کرنا۔ ایک مطلب یہ بھی  
ہے کہ دنیا میں معرفت و حقیقت کی دولت سے نوازا جائے گا۔ اور عبادت خداوندی  
کی توفیق عنایت فرمائی جائے گی تاکہ وہ اس کے سبب جنت میں داخل ہو سکے۔  
دوسرا یہ کہ جنت میں جو محل اہل علم کے لیے مخصوص ہے اس کی راہ آسان کر دی  
جائے گی۔

قوله سَهَّلْتُ : اِی اخَذْتُ  
قوله كَرِهْتُكُمْ : اِی عَيَنْتُكُمْ : یعنی رد آنکھیں۔ آنکھوں پر کرہیت کا اطلاق  
اس لیے فرمایا کہ عالم دنیا کے نور کی نذر اسی آنکھوں پر ہے یا کُلُّ شَيْءٍ بِكُمْ فَهُوَ  
بِكُمْ كَرِهْتُكُمْ۔

قوله اَنْتَبِهُ : اِی جَزَيْتُهُ عَلَيْهَا۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ قَاتِلْهُمْ  
اللَّهُ بِمَا قَاتَلُوا جَنَابِہٖ عِنْدَ الْبَعْضِ مَعْنَى اَعْطَاهُ الْجَنَّةَ تَوَاصِيہٗ رَیْنِ

ماور زار اندھا) بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے بشرطیکہ صبر کرے۔

قَوْلُهُ عَلَيْهِمَا : اِی عَلٰی سَلٰیہَا

قَوْلُهُ فَضَّلَ فِي الْعِلْمِ : اِی زِیَادَہٗ فِي الْعِلْمِ ۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ پہلے فضل کی تشریح تفصیل کے لیے ہے اور دوسرے فضل کی تشریح اکثر کے لیے بھی جائے اس سے معنی میں مبالغہ آجاتا ہے اور عبادت سے تقویٰ عبادت مراد ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ فرائض چھوڑ کر علم سیکھے۔

قَوْلُهُ مِلَّةَ لَکَ : اِی اَصْلُہٗ وَصَلٰحَہٗ : یعنی اصل اور بڑھ۔

قَوْلُهُ الْوَرَعُ : بمعنی تقویٰ اِی اجتناب عَنِ الْحَرَامِ وَالْمَشْتَبِهَاتِ کیونکہ یہ تقویٰ ہی ہے جو انسان کو محرمات سے بچاتا ہے۔

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رات میں ایک گھڑی کا علم کا درس تمام رات بیداری سے افضل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَذَارُ مِنَ الْعِلْمِ سَاعَةٌ مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنَ أَحْيَانِهَا :

قَوْلُهُ كَذَارُ مِنَ الْعِلْمِ : یہ تدریس سے ناخود ہے معنی تعلیم و تعلم

تکرار وغیرہ کرنا۔

قَوْلُهُ سَاعَةٌ : ساعت دو قسم ہے مد لغوی جو ایک لمحہ کو کہتے ہیں۔ مد عرفی جس کا اطلاق گھنٹوں پر ہوتا ہے۔ یعنی معین اوقات۔ مقام ہزار ساعت لغوی مراد ہے۔

یعنی تمام رات عبادت کرتے رہنے سے یہ

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ : زیادہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر تک آپس میں تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا مشغلہ رکھا جائے۔ اسی حکم میں دینی علم کا کھنا یعنی

تصنیف و تالیف اور دینی کتب کا مطالعہ کرنا بھی داخل ہے۔

سوال : کیل کی تخصیص کیوں فرمائی ؟

جواب : کیل کی تخصیص اس بناء پر ہے کہ کیل بہ نسبت دن کے زیادہ محل انکار و سکون ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ « هِيَ اَشَدُّ وَ طَآءٌ وَاَقْوَمُ قِيْلًا وَاَقْوَمُ قِيْلًا »

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں بھلائی پر ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهِ  
فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلَى خَيْرٍ وَ أَحَدُهُمَا  
أَفْضَلُ مِنَ صَاحِبِهِ :

قولہ مَجْلِسَيْنِ : ای حلقَتَین ، یعنی دو حلقے بنے ہوئے تھے۔  
قولہ فِي مَسْجِدِهِ : اس سے مراد مسجد نبوی زادِ ہما اللہ شرفاً ہے۔  
قولہ كِلاَهُمَا عَلَى خَيْرٍ : یعنی دونوں حلقے خیر پر ہیں۔

سوال : خیر کا تعلق دونوں حلقوں کے ساتھ ہے جب کہ حلقوں کے بھلائے اہل حلقہ کے ساتھ خیر ہوتی ہے یعنی خیر مجلس کی صفت نہیں بلکہ اہل مجلس کی صفت ہوتی ہے جب کہ مقام ہذا پر تو خیر مجلس کی صفت ہے۔

جواب : یہ عمل مبالغہ ہے یا یہاں مضاف مُقَدَّر ہے ای صاحبہما علی الخیر۔

قولہ أَحَدُهُمَا أَفْضَلُ - یعنی مجلس علم مجلس عبادت سے افضل ہے اس کی وجہ آگے آرہی ہے۔

قولہ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمَا - یعنی عابدوں کی محنت اپنی ذات کے لیے ہے۔ جس کی قبولیت اور ثواب یقینی نہیں ، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے اس نے ان چیزوں کا وعدہ نہیں فرمایا اس حدیث میں مستترہ کا کھلا ہوا رد ہے۔

کہ وہ عبادت کا ثواب واجب اور ضروری جانتے ہیں۔

قَوْلُهُ أَوْ الْعِلْمُ : اَوْ شک ہے۔ راوی کو شک ہے کہ فقہ کہا یا علم کہا جب شک کی صورت ہو تو درمیان میں قَالْ پڑھا جاتا ہے۔ اب عبارت یوں ہے:-  
فَيَتَعَلَّمُونَ الْفِقْهَ أَوْ قَالِ الْعِلْمُ۔

قَوْلُهُ إِنَّمَا بُشِّرْتُ مُعَلِّمًا : یہ اس آیت مبارک کی تفسیر ہے وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

قَوْلُهُ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِمْ : حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان ہی سے علماء کی مجلس کی فضیلت کا اظہار ہی نہیں فرمایا بلکہ اس مجلس میں بیٹھ کر مزید عزت و شرف کی دولت بخشی۔

يَقُولُ أَبُو الْإِسْعَادِ : علم اور عالموں کی اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ سرورِ دربارِ انبیاء احمد البقی سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابدوں کی مجلس کو چھوڑ کر عالموں کی ہی ہم نشینی اختیار فرمائی ہے اور اپنے آپ کو ان ہی میں سے شمار کیا ہے

گرایانِ راندیں مغنیِ خبر نیست | کہ سلطانِ جہاں باماتِ امروز

وَعَنْ أَبِي الدَّمَ دَاعٍ قَالِ  
سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدُّ الْعِلْمِ  
الَّذِي إِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ  
فَقِيهًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ  
حَفِظَ عَلَى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ  
حَدِيثًا فِي أَمْرِ دِينِهَا بَعَثَهُ  
اللَّهُ فَقِيهًا وَكَفَتْ لَهُ يَوْمَ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابو الدرداءؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلعم  
سے پوچھا گیا کہ اس علم کی حد کیا ہے  
جہاں انسان پہنچے تو عالم اور حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو میری امت میں  
سے چالیس احکامِ دین کی حدیثیں حفظ  
کرے اسے اللہ فقیہاً ٹھائے گا۔ اور  
قیامت کے دن میں اس کا شفیع  
اور گواہ ہوں گا۔

## الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا |

قَوْلُهُ مَا حَدَّثَ الثَّلَاثَ : اِنَّ الْمُرَادَ بِالْحَدِّ الْمِثْقَالُ يَعْنِي عِلْمُ كُونِ مِقْدَارٍ مُرَادٍ هُوَ ۔

قَوْلُهُ كَانَ فَيَقِيهَا ۔ اس سے مراد اصطلاحی فقیر نہیں بلکہ وہ عالم مراد ہے جو عالم آخرت میں زمرہ علماء میں اٹھایا جائے ۔

قَوْلُهُ حَقِيقًا عَلَى امْتِنَانٍ ۔ علامہ نوویؒ نے لکھا ہے کہ محقق سے مراد نقل حدیث ہے اگرچہ یاد نہ ہوں یعنی چالیس حدیثیں جمع کر کے لوگوں تک پہنچائے ۔ ضروری نہیں کہ یاد بھی ہوں ۔

قَوْلُهُ فِي امْرِئٍ مِّنْهُمْ ، یہ قید لگا کر ان احادیث کا اخراج کرنا مقصود ہے جن کا تعلق اخبار غیب سے ہے کیونکہ ان کا دین کے ساتھ اعتقاداً و عملاً تعلق نہیں ہے ۔  
قَوْلُهُ بَعَثَهُ اللَّهُ فَيَقِيهَا ۔ یعنی قیامت کے دن علامہ و فقہاء کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا ۔

يَقُولُ ابُو لَاسَعَادَ : حدیث مذکورہ کے بہت پہلو ہیں ۔ چالیس حدیثیں یاد کر کے مسلمانوں کو سنانا ، چھاپ کر ان میں تقسیم کرنا ، ترجمہ یا شرح کر کے لوگوں کو سمجھانا ۔ راویوں سے سن کر کتابی شکل میں جمع کرنا سب ہی اس میں داخل ہیں یعنی جو کسی طرح دینی مسائل کی چالیس حدیثیں میری امت تک پہنچا دے تو قیامت میں اس کا حشر علمائے دین کے زمرہ میں ہوگا اور میں اس کی خصوصی شفاعت اور اس سے ایمان و تقویٰ کی خصوصی گواہی دوں گا ۔ ورنہ عمومی شفاعت اور گواہی تو ہر مسلمان کو نصیب ہوگی ۔

اسی حدیث کی بناء پر قریباً تمام محدثینؒ نے جہاں حدیثوں کے دفتر کئے وہاں علیحدہ چھل حدیثیں جنہیں اربعینات کہتے ہیں جمع کیں ۔ امام نوویؒ اور شیخ محدث عبداللہ دہلویؒ کی اربعینات مشہور ہیں ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انس بن مالکؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کہ بڑا سخی کون ہے ؟ عرض کیا کہ اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ بڑا بخود ہے۔

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُونَ مَنْ  
أَجْوَدُ جُودًا قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
أَعْلَمُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَجْوَدُ  
جُودًا۔

قوله هَلْ تَدْرُونَ : بمعنی هل تعلمون کیا تم جانتے ہو۔  
قوله أَجْوَدُ جُودًا : عندا بعض اچود بمعنی اکثر جود بمعنی کما ای اکثر  
کرمًا۔ گو بہر حضرت کے نزدیک اچود بمعنی اکبر اور جود بمعنی سخی یعنی تم میں سے بڑا سخی  
کون ہے۔

قوله أَعْلَمُ : اسم تفصیل کا صیغہ ہے اس کا تعلق لفظ اللہ و  
رَسُولُهُ کے ساتھ ہے لیکن نسبت کا فرق ہے۔ اللہ پاک کی عالمیت کلی ہے یعنی تمامی  
مخلوق سے۔ لیکن رسول اللہ کی طرف نسبت عالمیت اضافی ہے یعنی ہم سے زیادہ عالم  
دجانتے والے ہیں۔

قوله اللَّهُ تَعَالَى أَجْوَدُ جُودًا - محاورہ عرب میں عموماً سخی اسے کہتے ہیں  
جو خود بھی کھائے اور دلوں کو بھی کھلائے۔ جو آد وہ جو خود نہ کھائے اور دلوں کو کھلائے۔  
اسی لیے اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہا جاتا۔ سخی کے مقابل بخیل ہے جو خود کھائے اور دلوں کو  
نہ کھلائے۔ جو آد کا مقابل مسک ہے جو نہ کھائے نہ کھائے دے اللہ تعالیٰ کی تمام  
دنیوی و دینی نعمتیں دنیا کے لیے ہیں اس کے لیے نہیں۔

قوله شَرَُّنَا أَجْوَدُ سَبْغِي الدَّمِ - یہ ارشاد فخرؓ نہیں بلکہ شکرؓ ہے۔  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت سے بڑے سخی ہیں۔ اس کا ظہور خاص طور پر رمضان المبارک  
میں ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں جو آدمی بھی جس چیز کو  
مالگتا آپ ضرور عنایت فرماتے چونکہ انسان اشرف المخلوق ہے اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔

سوال :- آدم ؑ کو اتجود والا حکم شامل نہیں ہوگا کیونکہ وہ بنی آدم میں داخل نہیں۔  
جواب اول : جب بنی آدم مطلق بولا جائے تو آدم ؑ اور اولاد آدم سب کو شامل ہوتا ہے۔

جواب ثانی : حدیث پاک میں آتا ہے اَدَمُ مِنْ دُونِهِ تَحْتَ نَوَائِبِ  
تجسّیے تحت لوہ داسے حکم میں آدم ؑ و اولاد آدم شامل ہیں تو اتجود داسے حکم میں بھی  
شامل ہوں گے۔

قَوْلُهُ رَجُلٌ عَلِيمٌ عِلْمًا : یہاں رتیبہ کی بعدیت مراد ہے نہ کہ زمانہ کی لہذا  
اس میں صحابہ کرامؓ اور تاقیامت علماء داخل ہیں یعنی میری سخاوت کے بعد عالم دین کا  
درجہ ہے کہ مال کی سخاوت سے علم کی سخاوت افضل ہے۔

قَوْلُهُ أَمِيرًا وَحَدًّا : اس کے درمطلب ہیں۔ اَوَّلُ یعنی عزت و عظمت  
کے لحاظ سے اس جماعت کی طرح ہوگا۔ جس میں باقاعدہ امیر و مأمور ہوتے ہیں۔  
دوم : یہ معنی ہیں کہ وہ خود مستقل امیر ہوگا کسی کے تابع نہ ہوگا۔

قَوْلُهُ أَوْ أُمَّةً وَحَدًّا : امۃ یعنی گروہ و جماعت ہے۔ مطلب یہ ہے  
کہ وہ شخص ایک گروہ و جماعت کی مانند ہوگا یعنی مخلوق خدا کے درمیان معزز و مکرم  
ہوگا۔ کما فی قولہ تعالیٰ ۛ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَأَحَدًا ۖ وَاحِدًا ۖ  
کے بھلنے اور اُمۃ واحد فرمایا۔ اشارہ کیا کہ رادی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرًا وَحَدًّا فرمایا اُمۃً وَاحِدَةً نہیں فرمایا۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو حریفیں  
سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریف جو اس کا  
سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا حریف اس کا  
سیر نہیں ہوتا۔

وَعَنْهُ أَنَّ الشَّيْءَ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنَ  
لَا يَشْبَعَانِ مِنْهُمْ فِي الْعِلْمِ  
لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمِنْهُمْ فِي  
الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔



قَوْلُهُ مَثَلُهُمْ مَانٍ : اى حَرِيصَانِ - يعنى دور حریص ہیں۔  
 قَوْلُهُ لَا يَشْبَعَانِ : اى لَا يَقْنَعَانِ - يعنى تھوڑے پر قناعت نہیں کرتے زیادتی  
 کی تمنا ہر وقت رہتی ہے۔

قَوْلُهُ مَثَلُهُمْ فِي الْعِلْمِ : اى حَرِيصٌ فِي الْعِلْمِ اور جو حریص فی العلم  
 ہوتا ہے وہ کبھی سیراب نہیں ہوتا۔ کما فی قولہ قتادہ " قُلْتُ رَبِّ ذِي عِلْمًا  
 فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِ "۔

قَوْلُهُ مَثَلُهُمْ فِي الدُّنْيَا : اس کی مثال مستغنی کی طرح ہے جس کو پائس  
 کی تکلیف ہو وہ کبھی سیراب نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ مَثَلُهُمْ فِيمَا بَيْنَ النَّاسِ وَ لَيْسَ لَهُ إِسْنَادٌ صَحِيحٌ  
 حضرت امام احمد نے حضرت امام ابو داؤد کی حدیث کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اس  
 کا متن لوگوں میں مشہور ہے مگر اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ اس لیے امام نووی فرماتے  
 ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کے طرق متعدد ہیں جن میں بعض کو دوسرے  
 بعض کی بناء پر تقریت ملی ہے لیکن دیسے بھی یہ بات کچھ یعنی چاہیے کہ علماء کا اس پر اتفاق  
 ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 عونؓ سے فرماتے ہیں فرمایا حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ نے کہ دور حریص ہیں  
 کہ سیر نہیں ہوتے۔

وَبَعَثَ عَوْنٌ قَالَ قَالَ  
 عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ مَثَلُهُمْ  
 لَا يَشْبَعَانِ - الخ۔

قَوْلُهُ لَا يَسْكُوِيَانِ - اى فِي الْمَكَانِ وَالْعَاقِبَةِ : انجام اور نتیجہ کے  
 اعتبار سے برابر نہیں۔

قَوْلُهُ فَيَسْمَادَى - اى يَزْدَادُ وَيَتَوَسَّعُ : حُب دُنْيَا کے غلبہ کی وجہ سے  
 رحمان سے دوری اور دنیا میں زیادتی یہ طغیان ہے اور طغیان بھی ہوتا ہے کہ رحمت

خداوندی سے انسان دور ہوا ہی سُبْعَدُ عَنْ رَحْمَةِ الرَّحْمٰنِ  
 قَوْلُهُ شَوْ قَرَأَ : پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بطور استشہاد کے آیت  
 مبارک تلاوت فرمائی۔

قَوْلُهُ قَالَ قَالَ - پہلے قَالَ کے قائل حضرت عون ہیں۔ دوسرے قَالَ  
 کے قائل حضرت ابن مسعودؓ ہیں یعنی بَعْدَ قِرْأَتِهِ مَا سَبَقَ وَهُوَ قَوْلُهُ " اِنَّ  
 الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ " الخ۔

یہ حدیث سابقہ حدیث کی تشریح ہے  
 جس کو تفسیر الحدیث بالقرآن کہہ سکتے ہیں

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

کہ دو جھوکے ہیں ایک کی جھوک بہتر ہے کہ اس سے رضائے باری تعالیٰ زیادہ ہوتی ہے  
 کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى " اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ " جب  
 خوف خدا ہوگا تو تقویٰ بھی ہوگا اور یہ ساری چیزیں علم دین کی وجہ سے آتی ہیں۔ دوسرا  
 دنیا کا مزہ اس میں طمع، لالچ، نافرمانی ہے جس کی وجہ سے عبادت خداوندی یا  
 رضائے خداوندی سے دوری ہے یعنی مال کی محبت نے اس کو خدا سے دور کر دیا ہے  
 علم دین ہو تو اس کو دنیا کی حقیقت واضح ہو۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى " كَلَّا اِنَّ  
 الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ " اور یہ سرکشی اس وقت آتی ہے جب مال ہو آئے تَرَامُ اسْتَغْنَى

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے  
 کچھ لوگ علم دین سیکھیں گے اور قرآن  
 پڑھیں گے کہیں گے کہ ہم امیروں کے پاس  
 جائیں ان کی دنیا لے آئیں اپنا دین بچائیں  
 لیکن ایسا نہیں ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُنَاسًا مِّنْ  
 أُمَّتِي سَيَتَفَقَّهُونَ فِي الدِّينِ  
 وَيَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ يَتَوَلَّوْنَ  
 نَاقِيَ الْأُمْرَاءِ فَتَضَيَّبُ مِنْ  
 دُنْيَاهُمْ وَتَنْتَزِلُهُمْ  
 بِدِينَتِنَا وَلَا يَكُونُونَ ذَالِكَ

قَوْلُهُ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ : قرآن مقدس کی تفصیل اہتمام شان کے لئے ہے  
قَوْلُهُ نَأْتِي الْأَمْكَارَ : لَا لِحَاجَةٍ ضَرُورَةٍ إِلَيْهِمْ بِأَنَّ لَهَا ظَهَارَ الْقَضِيَّةِ  
وَالظَّمْعِ -

قَوْلُهُ فَضَيَّبَ - اِی نَأْخُذُ وَ تَحْصِلُ -  
قَوْلُهُ وَ كَسَّرَ لَهُمْ - اِی تَبَعْدُ عَنْهُمْ بِدِينِنَا یعنی دنیا کا حصہ ان  
سے لے لیں اور انہیں دین بچالائیں -  
قَوْلُهُ وَلَا يَكُونُ ذَاكَ - اِی لَا يَصْعَقُ مَا ذَكَرَ مِنَ الْجَمْعِ بَيْنَ  
الْمُتَدِينِ ، یعنی دنیا کا حصول اور دین کا بچانا یہ متدین کو محسوس کرنا ہے جو غیر صحیح  
ہونے کے ساتھ ممکن بھی ہے -

قَوْلُهُ كَمَا لَا يَجْعَلُنِي : اِی لَا يُؤْخَذُ -  
قَوْلُهُ مِنَ الْقِتَادِ : يَفْتَحُ الْقَاتِبُ رِسْمَ شَجَرَةٍ كُلُّهُ شَوْكٌ  
قَاتِلُ اس درخت کو کہتے ہیں جو غیر شجر اور کانٹے دار ہو -  
قَوْلُهُ الشَّوْكُ : کانٹے کو کہتے ہیں کہ غیر شجر درخت سے زخم اور کانٹے ہی  
مل سکتے ہیں اور کچھ نہیں ملتا - یہی حال مجلس امرار کا ہے لہذا نہ جانا ہی بہتر ہے -

قَوْلُهُ إِذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَاتِبُهُ لِعَبْنِي الْخَطَايَا - اس  
عبارت کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اِذَا کے بعد کسی لفظ کا تکلم نہیں فرمایا چنانچہ  
مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ جو ایک جلیل القدر محدث اور امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کے حدیث کے  
استاذ ہیں اس کی وضاحت فرمادی کہ آپؐ کی مراد لفظ اِذَا کے بعد خطایا ہے - مگر  
آپؐ نے اسے حذف فرمایا اور اس کا تکلم نہیں کیا - اب حدیث پاک کے الفاظ  
یوں ہوں گے " لَا يَجْعَلُنِي مِنْ ضَرْبِ يَهُودٍ اِذَا الْخَطَايَا " یعنی امرار کی صحبت سے  
حاصل نہیں ہوتے مگر گناہ -

سوال : آپؐ نے لفظ خطایا کو حذف کیوں فرمایا ؟  
جواب : ایک نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ نکتہ یہ ہے کہ اس میں اس  
طرف اشارہ مقصود ہے کہ امرار کی صحبت کا نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اسے زبان سے

بیان نہیں کیا جاسکتا۔

یہ ہے کہ اس اہمیت میں ایسے عالم پیدا ہوں گے جن کا مقصد حصول علم سے محض

### خُلَاَصَةُ الْحَدِيثِ

یہ نہج کا گروہ علم حاصل کر کے اور قرآن پڑھ کر امراء کے پاس جائیں اور ان کے سامنے اپنی بزرگی و فضیلت کا اظہار کر کے ان سے مال و دولت حاصل کریں اور علم کا جو تحقیق منشاء ہوگا یعنی مخلوق خدا کی ہدایت اور عوام الناس کی بغیر کسی لالچ اور طمع کے دینی راہ پوری اس سے انہیں قطعاً کوئی مطلب نہ ہوگا۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ کس طرح ممکن ہے کہ بیک وقت تفقہ فی الدین اور امراء کی قربت و صحبت جمع ہو جائے تو وہ جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم ان سے مال و دولت تو حاصل کریں گے مگر اپنے دین کو ان سے بچائیں گے اور اس کی حفاظت کریں گے حالانکہ یہ امر محال ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
مَسْعُودٍ قَالَ لَوِ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ  
صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوهُ عِنْدَ  
أَهْلِهِ لَسَادُّوا بِهِمُ أَهْلَ مَمَالِكِهِمْ  
وَلَكِنَّهُمْ بَدَلُوهُ لَأَهْلِ الدُّنْيَا  
لَبَسَا لَوَاهِمَهُ مِنْ دُنْيَاهُمْ  
فَهَالُوا عَلَيْهِمْ

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عبد اللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ اگر  
علماء علم محفوظ رکھتے اور اسے اہل پر  
ہی پیش کرتے تو اس کی برکت سے اپنے  
زمانہ والوں کے سردار ہوتے مگر انہوں نے  
علم دنیا داروں کے لیے خرچ کیا تاکہ اس  
سے ان کی دنیا کمائیں اس سے وہ ان  
پر لگے ہو گئے۔

قَوْلُهُ : صَانُوا - ای حفظوہ اس کی حفاظت کرتے۔

قَوْلُهُ عِنْدَ أَهْلِهِ : اہل سے مراد کون ہیں عند البعض اہل سے مراد تدریس  
علم ہیں یعنی جن لوگوں کے دلوں میں علم دین کی تدریس ہے اگرچہ جاہل بھی کیوں نہیں لیکن اکثر  
محدثین حضرات کے نزدیک اہل سے مراد اہل العلم یعنی علماء حضرات ہیں۔

قَوْلُهُ لَسَادُؤَا : یہ سیادت سے ہے بمعنی سرداری یعنی علم کی حفاظت کے سبب ان کو سرداری ملتی۔ کما فی قولہ تَعَالَى "يَرْثِعَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ" قَوْلُهُ فَهَاتُوا : ای دُکھو اہلِ اَلْعِلْمِ : قَوْلُهُ تَبَيَّنْكُمْ : یہ خطاب تریخِ مخالفین کے طور پر ہے ورنہ ہر مسلم و مؤمن کیلئے یہی ہیں۔

قَوْلُهُ هَمُومٌ : ای الحُزْنُ یعنی سارے غموں کو چھوڑ کر ایک غم بنالینا ہے تو اللہ پاک اس کے بدلہ میں اس کے دنیا کے تمام غموں کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔ قَوْلُهُ تَشَقُّبَتْ : ای تَفَرَّقَتْ اَلْهَمُومُ یعنی پراگندہ کرتا ہے اپنے غموں کو کبھی اس غم پر پریشان ہوتا ہے تو کبھی دوسرے غم پر۔ قَوْلُهُ هَكَذَا : ای لَا يَكْفِيهِ هَمُّ دُنْيَا وَلَا هَمُّ آخِرَاتٍ یہ اس انسان کے مثل ہے جس کے مُتَعَلِّقُ عِزٍّ وَجَلَّ عِلَّا فرماتے ہیں مَوْحِشَاتُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ؕ پٹ مں الحجۃ

ترجمہ : روایت ہے حضرت اعمشؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور اس کی بربادی یہ ہے کہ نا اہل پر بیان کر دے۔

وَعَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْسَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَارْضَاعَتُهُ أَنْتَ مُخَدِّثٌ بِهِ غَيْرَ أَهْلِهِ :

قَوْلُهُ أَفْسَةُ الْعِلْمِ : آفت و دقہم ہے و اقبیلی علم حاصل کرنے سے پہلے جو آفات پیش آتی ہیں مثلاً زادِ راہ کی کمی یا ازدواجی حقوق وغیرہ۔ و ابعدی جو حصولِ علم کے بعد پیش آئیں۔ مُخَدِّثِینَ سفرات کے نزدیک آفت بعدی مراد ہے کیونکہ نسیان حصولِ علم کے بعد ہی آتا ہے۔

یَقُولُ اَبُو اَلْاَسْعَدِ : عِلْمٌ حَاصِلٌ هُوَنَ سَے پہلے تو بہت سی آفات اور مصیبتیں ہوتی ہیں وَ بَئِذَا شِئْنِي اَفْتَدُ وَ لَقِيْلَهُ اَفَاتٌ ۚ یعنی ہر چیز کی ایک ہی آفت ہوتی ہے مگر علم کے لیے بہت سی آفات ہیں کیونکہ جس چیز کا شان اور بچا ہوتا ہے اس کی رکاوٹیں بھی بہت اونچی ہوتی ہیں لیکن حصولِ علم کے بعد ایک ہی آفت ہے اور وہ ہے نسیان یعنی بھولنا ہے اور یقیناً کسی چیز کے حاصل ہو جانے کے بعد زائل ہو جانا اور ذہن میں آکر پھر محو ہو جانا نہ بردستِ روحانی اذیت ہے۔

سوال - جب علم کی آفت نسیان ہے تو نسیان شریعتِ مقدسہ میں غیر اختیاری چیز ہے پھر اس سے انسان کیسے بچ سکتا ہے۔

جواب : حدیثِ پاک کا مقصد یہ ہے کہ نسیان کے اسباب سے بچے اور اسبابِ نسیان اختیاری ہیں۔ دراصل حدیثِ باب سے اس بات پر تشبیہ مقصود ہے کہ طالبِ علم اور اہل علم کو چاہیے کہ وہ ایسی باتوں سے اجتناب کریں جو نسیان کا سبب ہیں یعنی گناہ و معصیت سے بچیں اور ان چیزوں سے دل نہ لگائیں جو ذہن و فکر کو غافل کر دیتی ہیں جیسے دنیا کی چمک و دک اور خواہشاتِ نفسانی میں دل چسپی لینا چنانچہ امام شافعیؒ نے اسی مفہوم کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

شَكَوْتُ اِلَيْكَ وَ كَيْفَ سُوءُ حِفْظِي ۚ فَادِّصَانِي اِلَى تَرْكِ السَّعَاۤءِ  
ترجمہ : میں نے اپنے استادِ ذکیع سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترکِ معصیت کی نصیحت کی۔

فَاَنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ مِّنْ اِلٰهِ ۚ وَ قَسَمُ اللّٰهِ لَا يُدْنِي بِعَاصِي ۚ  
ترجمہ : کیونکہ علم تو خدا کا ایک فضل ہے۔ اور خدا کا فضل گنہگار کے حق میں نہیں آتا

(اشعۃ اللمعات ص ۱۴۵ ج ۱)

قَوْلُهُ وَ اَرْضَاعُكُمْ : اِیْ جَعَلَ الْعِلْمَ صَائِغًا۔

قَوْلُهُ اَنَّ مُحَمَّدًا غَيْرُ اَهْلٍ ۖ : یَاۤتٰی لَا یَفْهَمُہٗ اَوْ لَا یَقْضٰی بِہٖ  
من اسبابِ الدُّنْیَا۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ علم اس کے نااہل اور ناقدران کے سامنے پیش کرنا دراصل علم کو ضائع کرنا ہے اور نااہل وہ شخص ہے جو نہ تو علم کو

بکھتا ہے اور نہ علم کی قدر جانتا ہے۔ لہذا جب اس کے سامنے علم پیش کیا جائے گا تو علم ضائع ہوگا۔ اس لیے علم انہی کو سکھانا چاہیے جو اس کے اہل اور قدر دان ہوں یعنی وہ علم سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ بھی ان کے اندر موجود ہو۔ بقول عارفؒ:

بے ادب را علم و فن آموختن دادن تیغے بدست راہزن

وَعَنْ سُفْيَانَ أَنَّ عُمَرَ  
بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ لِكُتَيْبٍ  
مِنْ أَرْبَابِ الْعِلْمِ قَالَ الَّذِي  
يَعْمَلُونَ بِمَا يَكْتُمُونَ.....  
قَالَ فَمَا أَخْرَجَ الْقُلُوبَ مِنْ  
قُلُوبِ الْعُلَمَاءِ قَالَ الْكَمُ

ترجمہ: روایت ہے حضرت  
سفیان سے کہ حضرت عمرؓ ابن الخطاب  
نے حضرت کعبؓ سے فرمایا کہ اہل علم  
کون لوگ ہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل کرتے  
ہیں فرمایا کہ علماء کے دل سے علم کس  
چیز نے نکال دیا فرمایا لاپچ۔

قولہ لِكُتَيْبٍ: سوال کران کے ساتھ کیوں خاص کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ  
تورات کے حافظ تھے۔ اور تورات کے جمیع علوم سے واقفیت رکھتے تھے یعنی مولوی تھے  
اس لیے سوال بھی کیا اور مِنْ أَرْبَابِ الْعِلْمِ بھی فرمایا اور ارباب العلم سے اصحاب العلم  
مُراد ہیں۔

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

حضرت عمرؓ کے سوال کا مطلب یہ تھا  
کہ علماء کے دلوں سے نور علم اور علم کی  
عظمت و برکت کو نکالنے والی کون سی چیز ہے اور کیا شئی ہے جس کی موجودگی علم کے  
مٹانی ہے۔ حضرت کعبؓ نے فرمایا کہ لاپچ۔ اور لاپچ وہ بری خصلت ہے جو علم کے  
نور کو عالم کے دل سے ضائع کر دیتی ہے کیونکہ جب کسی عالم کے اندر جاہ و جلال کی  
محبت اور لاپچ اور دنیاوی اسباب عیش و عشرت کی طبع پیدا ہو جائے گی تو پھر علم  
کا نور اور علم کی برکت اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور عالم کے دل و دماغ علم کی تحقیقی روشنی

سے متوزن رہ سکیں گے۔

وَعَنِ الْأَخْوَصِ ابْنِ  
حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلَ  
رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا  
تَسْأَلُونِي عَنِ الشَّرِّ وَسَلَوْنِي  
عَنِ الْخَيْرِ لَكُمْ لَهَا مَثَلَاتُ  
ثَلَاثُ قَالَ إِنْ شَرَّ الشَّرِّ شَرُّ  
الْعُلَمَاءِ وَإِنْ خَيْرَ الْخَيْرِ خَيْرُ  
الْعُلَمَاءِ :

ترجمہ: روایت ہے حضرت اخوص  
ابن حکیم سے وہ اپنے والد سے راوی فرماتے  
ہیں کہ کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
سے برائی کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ مجھ سے  
برائی کی بابت نہ پوچھو بھلائی کے متعلق  
پوچھو میں بار فرمایا، پھر فرمایا آگاہ رہو کہ  
بدترین شریر برے علماء ہیں اور اچھوں  
سے اچھے بہترین علماء ہیں۔

قولہ سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ عَنِ الشَّرِّ۔ رَجُلٌ سے مراد صحابی رسول ہیں۔  
صحابی کے سوال کا مقصد یا تو نفس برائی کے بارہ میں دریافت کرنا تھا جیسا کہ ترجمہ سے  
معلوم ہوا یا وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ بدترین آدمی کون ہے۔ اب جواب کو  
دیکھتے ہوئے ہی مقصد ثانیہ زیادہ واضح ہے۔

قولہ لَا تَسْأَلُونِي عَنِ الشَّرِّ: یعنی صرف شر کا سوال نہ کرو بلکہ شر  
مع الخیر کیونکہ الْأَشْيَاءُ تُقَدَّرُ بِأَصْدَادِهِ :

سوال: آپ نے اس طرح کے سوال سے کیوں منع فرمایا؟

جواب: چونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سراپا رحمت  
اور سراپا خیر ہے اس لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ سے محض بدی اور برائی  
ہی کا سوال کیا جاتا۔ یعنی میں جمال و جلال دونوں کا مظہر ہوں بلکہ جمال و رحمت کا زیادہ  
مظہر ہوں ”کَمَا قَالَ تَفَافِي“ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (پکا)  
ہر حال یہ بھی اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت کی ذاتِ بابرکات کو فقط جلال کا غالب



منظہر سمجھ لیا جائے۔

قَوْلُهُ يَقُولُهَا - اس کے مرجع میں دو قول ہیں ۱۔ اس کا مرجع وَسَلُّوْیَ  
عَنِ الْغَيْرِ ہے ۲۔ اس کا مرجع دونوں ہیں وَسَلُّوْیَ عَنِ الْغَيْرِ وَسَلُّوْیَ عَنِ الشَّيْءِ  
قَوْلُهُ اِنَّ شَرَّ الشَّيْءِ شَرُّا زَالِمًا ۱۔ شر ترین معنوں میں مشتعل ہے  
بُذْ، بدترین، بُرْتے۔ اسی طرح خیر بھی جین معنوں میں مشتعل ہے۔ نیک ترین  
بہترین۔ اور یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ اور ہمزہ کے ساتھ اَشْرُّ کا استعمال ضعیف  
ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں بدترین عذاب و مقام علماء سوء کا ہوگا  
اور بہترین ثواب و مقام علماء خیار کا ہوگا۔

سوال : علماء کی تفصیص کیوں فرمائی ؟

جواب : تفصیص کی وجہ یہ ہے کہ علماء کی ذات چونکہ عوام کے امداد ایک  
معیار اور نمونہ ہوتی ہے اور لوگ ان کے تابع و معتقد ہوتے ہیں۔ لہذا عالم کی ہر صفت  
اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں تک بھی پہنچتے  
ہیں۔ عالم اگر نیک اخلاق و عادات کا مالک ہوتا ہے تو اس کے سامنے والے اور  
اتباع کرنے والے بھی نیک اخلاق و عادات کے مالک ہوتے ہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ  
عالم بد اخلاق، بد کردار ہو جائے تو پھر اس کے جراثیم دوسرے تک پہنچتے ہیں  
اور اس کے سامنے والے بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ  
قَالَ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ  
عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ  
بِعِلْمِهِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
أَبُو الدَّرْدَاءِ سے فرماتے ہیں قیامت کے  
دن اللہ کے نزدیک بدتر درجہ والا وہ  
عالم ہے جس نے اپنے علم سے نفع حاصل  
نہیں کیا۔

قَوْلُهُ عَالِمٌ لَا يَنْتَفِعُ : عالم سے مراد کون سا عالم ہے اس میں دو قول ہیں

اَوَّلُ : وہ عالم مراد ہے جس نے ایسا علم سیکھا جو فائدہ پہنچانے والا نہیں یعنی غیر شرعی علوم حاصل کیے جو نفع بخش نہیں ہیں۔  
دوئم : یا پھر وہ عالم مراد ہے جس نے علم تو شرعی یا دینی حاصل کیا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

ایسے عالم کے بارہ میں کہا جا رہا ہے جو قیامت کے دن مرتبہ کے لحاظ سے وہ خدا کے

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

نزدیک سب سے بدتر ہوگا یعنی یہ جاہل سے بھی زیادہ برا ہوگا بھی وجہ ہے کہ اس پر جو عذاب ہوگا وہ جاہل کے عذاب سے سخت ہوگا جیسا کہ منقول ہے نہ  
وَوَيْلٌ لِّلْجَاهِلِ مَثَرَةٌ ۖ وَوَيْلٌ لِّلْعَالِمِ سَبْعَ مَثَرَاتٍ  
ترجمہ : جاہل کے لیے ایک مرتبہ بربادی ہے۔ اور عالم کے لیے سات مرتبہ بربادی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت زیاد بن جریرؓ سے فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا جانتے ہو کہ اسلام کو کیا چیز ڈھاتی ہے میں نے کہا نہیں فرمایا اسلام کو عالم کی لغزشیں اور منافق کا قرآن میں جھگڑنا اور گمراہ کن سرداروں کی حکومت تباہ کرے گی۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ جَرِيرٍ  
قَالَ قَالَ لِي عُمَرُ بْنُ الْكَرْنِ  
مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ  
لَا قَالَ يَهْدِمُهُ ثَلَاثَةٌ  
الْعَالِمُ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ  
بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأُمَمَةِ  
الْمُضِلِّينَ :

قَوْلُهُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ : يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ کے دو معنی ہیں۔  
اَوَّلُ يَهْدِمُ ای بزدل عورتہ الْإِسْلَامَ کہ وہ کون سی چیز ہے جو اسلام کی عزت کو منہدم کر دے۔

دوئم : يَهْدِمُ کا اصل معنی ہے اسقاط البناء تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی عمارت اسلام کے پانچ بنیادی اصول کلمہ توحید - نماز - روزہ - زکوٰۃ - حج

سڑوک ہو جائیں ان پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔

قَوْلُهُ قُلْتُ لَا : ای نہ اعدت۔

قَوْلُهُ رَأَيْتُ الْعَالِمَ : زَلَّہ کا معنی ہے ای اعرض عن طریق النصح  
 صبح راستہ سے ہٹنا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ جب عالم اپنے حقیقی فرائض امر بالمعروف  
 نہی عن المنکر کی ادائیگی کو اپنی خواہشات پر قربان کر دے تو دین میں فساد آجاتا  
 ہے کیونکہ مشہور ہے زَلَّہ الْعَالِمُ رَأَيْتُ الْعَالِمَ۔

قَوْلُهُ جَدَّالُ الْمُتَنَافِقِ بِالْكِتَابِ : جدال کی تفسیر ہو چکی ہے  
 مگر اس مقام پر جدال سے مراد تاویلات فاسدہ ہیں جس کے ذریعہ اقامت بدعات  
 میں غلو کرنا۔ اور منافق سے مراد بدعتی ہے یعنی منافق جو بظاہر تو اسلام کا دم بھرتا  
 ہے مگر اندرونی طور پر کفر و بدعات کا پورا مہنوا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ جھگڑتا  
 ہے اور غلط تاویلات کر کے احکام شرعیہ کو رد کرتا ہے اور دین میں فساد پیدا کرتا ہے  
 قَوْلُهُ وَحُكْمُ الْأُمَّةِ الْمُضِلِّينَ : ای ظہور ظلم و الاثم  
 الْمُضِلِّينَ۔ ضالین کے بجائے مُضِلِّينَ فرمایا از دیار قباحت کے لیے کہ خود  
 بھی گمراہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 حسنؑ سے فرماتے ہیں کہ علم دو طرح  
 کے ہیں۔ ایک علم دل میں یہ علم  
 قائمہ مند ہے۔ دوسرا علم صرف  
 زبان پر۔ یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی  
 محنت ہے۔

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ  
 الْعِلْمُ عِلْمَانِ فَعِلْمٌ فِي  
 الْقَلْبِ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ  
 وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذَاكَ  
 حُجْبَةُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى  
 ابْنِ آدَمَؑ

قَوْلُهُ فَذَاكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ : علم باطن کو نافع اس لیے کہا کہ  
 اس علم باطنی ہوتا ہے جب تک باطن پاک نہ ہوگا علم کسی کا نہ ہوگا۔ علم نافع

کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ایک تو علم معاملہ جو عمل کا باعث ہوتا ہے۔ ۲۔ علم مکاشفہ جو عمل کا اثر ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس کے دل میں یہ نورِ علم ڈال دیتے ہیں۔ اور حضرت حسن بھریؑ نے جس علم کو نافع قرار دیا ہے وہ یہی علم ہے اور جو علم زبان کے اوپر ہوتا ہے یہ وہ علم ہوتا ہے تاثر رکھتا ہے اور نہ دل میں نورانیت پیدا کرتا ہے۔

علم جوں بر دل زند بارے شود علم جوں بر تن زند بارے شود  
 قَوْلُهُ حَقِّقْتَ اللَّهَ : خدا کی محقق ہو کہ خدا بندوں کو الزام دیتے ہوئے فرمائے گا کہ میں نے جو تمہیں علم دیا تھا تم نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔  
 يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ایک تو تم میں پھیلا دیا۔ اور دوسرا اگر اسے پھیلاؤں تو یہ کاٹ ڈالا جائے یعنی گلا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَاسِكَيْنِ  
 فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَشَّئْتُ فِيكُمْ  
 وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَشَّئْتُ قَطَعَ  
 هَذَا الْبَلْعُومُ بَيْنِي مَجْرَى  
 الطَّعَامِ۔

قَوْلُهُ وَعَاسِكَيْنِ : دو عاسکین کا اصل معنی تو ہے ظرف یعنی برتن مگر یہاں دو عاسکین ظرف والے معنی میں نہیں بلکہ مظرف یعنی نو عین کے معنی میں ہے معنی ہو گا کہ میں نے دو طرح کے علم حاصل کیے یعنی ذکر محل کا ہے ارادہ حال کا ہے کیونکہ برتن تو یاد نہیں کئے جاتے۔

قَوْلُهُ فَبَشَّئْتُ : اِی اظہر متہ بالتقفل۔ اس علم کو میں تقفل کے ذریعہ ظاہر و بیان کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ بِلَعْنَتِهِ : بِلَعْنَتِهِ کی تفسیر خود راوی نے کر دی ہے یعنی مجری الطعام ،  
 طعام کے جاری ہونے کی جگہ جس کو نکلا یا مخلوق کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دو قسم  
 خُلاَصَةُ الْحَدِيثِ کے علوم حاصل کیے۔ ایک کی میں نے نشر و  
 اشاعت کر دی ہے اور اس سے مراد وہ احادیث ہیں جن کا تعلق شریعت کے ادا اور  
 نواہی سے ہے جن میں عقائد اعمال اور اخلاق کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ دوسری  
 قسم ثانیہ وہ اگر میں بیان کروں تو میرا کلا کاٹ دیں۔

مُحَمَّدُ بْنُ حَفْرَات نے بحث کی ہے کہ وہ علوم کون سے ہیں جن کے متعلق فرما رہے ہیں  
 قَطْعٌ هَذَا بِلَعْنَتِهِ اس میں دو قول ہیں :-

قول اول : اول علم سے مراد علم ظاہر ہے اور علم ثانی سے مراد علم باطن ہے یعنی  
 تصوف کے وہ اسرار و معارف جو عاتقہ الناس کے فہم سے بالاتر ہیں اور ان کے بیان  
 کرنے میں بسا اوقات جان کا خطرہ ہوتا ہے بلکہ اس کے اظہار میں عوام کی گمراہی کا بھی  
 خطرہ ہوتا ہے مثلاً فسق فی اللہ کا مقام وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود۔ امکان کذب  
 وغیرہ۔ قول دوم : علماء اہل بیتؑ فرماتے ہیں کہ علم ثانی سے مراد وہ احادیث ہیں  
 جن میں امراء مجر کا تذکرہ اور ان کے حالات، ان کی مذمت، ان کے دور حکومت کا  
 ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کبھی کبھی کسی آدھ کا ذکر بھی فرما دیا کرتے تھے۔

سوال : حضرت ابو ہریرہؓ کا علوم کو چھپانا یہ تو بہت بڑا علم کی وعید کے تحت  
 ہے لہذا کیسے بیان نہیں فرمایا؟

جواب : یہ کہ وعید اس علم کے چھپانے پر ہے جس کا تعلق اصلاح عقائد  
 و اعمال و اخلاق سے ہے اور ان کے چھپانے پر لوگوں کا دینی نقصان ہوتا۔ ایسے علوم  
 جن کے چھپانے پر رخصیہ پڑتا ہو تو ان کو چھپانے کی اجازت ہے۔ نیز یہ علوم  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز بتائے تھے ان کو راز میں رکھنا ضروری تھا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ | ترجمہ : روایت ہے حضرت

أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا  
فَلْيَقُلْ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ  
فَلْيَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ فَإِنَّ مِنَ  
الْعِلْمِ أَنْ تَقُولَ لِمَا لَا تَعْلَمُ  
اللَّهُ أَعْلَمُ :

عبد اللہؑ سے فرمایا اے لوگو جو کوئی  
کچھ جانتا ہو تو بیان کر دے اور جو نہ  
جانتا ہو وہ کہہ دے اللہ جانتے کیونکہ علم  
یہی ہے جسے تم نہ جانتو کہہ دے اللہ جانتے۔

قوله النَّاسُ : خطاب عمومی ہے مگر علماء کو خاص طور پر شامل ہے۔

قوله شَيْئًا : علوم دینیہ مراد ہیں۔

قوله وَمَنْ لَمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلْ : ای فی الجواب :

قوله اللَّهُ أَعْلَمُ : کما قالت الملائكة (لَا يَعْلَمُ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا)

ذکر انزل من حضرت فی سبیح الابرار " إِنَّ عَلِيًّا كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ سُئِلَ عَنْ  
شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى الْمَنْبَرِ فَقَالَ لَا أَدْرِي فَقِيلَ كَيْفَ تَقُولُ لَا أَدْرِي وَ  
أَنْتَ طُنِيتَ فَوْقَ الْمَنْبَرِ فَقَالَ عَلِيٌّ إِنَّمَا طُنِيتُ بِقَدْرِ عَلِيٍّ وَلَوْ طُنِيتُ  
بِمَقْدَارِ جَهْلِي لَبُنِيتَ السَّمَاءُ -

اس حدیث میں تصحیح علی سے روکا جا رہا ہے

ثانیاً اپنی کم علمی کا اقرار کرنا سکھایا جا رہا ہے۔

خُلاَصَةُ الْحَدِيثِ

" وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلٌ " پھر حضرتؑ نے بطور استشہاد کے  
آیت مبارکہ پڑھی اس میں بھی تکلف سے منع کر دیا گیا ہے۔ مزید تکلف کی وضاحت  
مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ باب الاعتصام فصل ثالث میں گزر چکی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن سیرینؒ سے فرماتے ہیں کہ علم دین  
ہے۔ لہذا غور کرو کہ اپنا دین کس سے  
حاصل کرتے ہو۔

وَعَنِ ابْنِ سِيرِينَ  
قَالَ إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ  
فَاَنْظُرُوا عَمَّ تَأْخُذُونَ  
وَدِينَكُمْ ؟

قوله اِنَّ سَيِّئِيْنَ: ان کا نام محمد ہے مشہور تابعی اور مجتہد ہیں۔ سیرین علیت اور یار و لون زائد تین کی وجہ سے غیر مشغوف ہے کیونکہ ابو علی نخوی کے مذہب کے مطابق مطلقاً حروف زائد تین غیر مشغوف کا سبب ہیں۔

اس ارشاد سے دراصل اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب علم دین حاصل

### خُلَاَصَةُ الْحَدِيثِ

کرنے کا ارادہ کرو تو اس بات کو خوب اچھے طریقہ پر جانچ لو کہ تم جس سے علم دین حاصل کر رہے ہو وہ کس قسم کا آدمی ہے آیا وہ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ جب تمہیں اس عالم یا راوی کے حالات کا پوری طرح علم ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ واقعی دیندار پرہیزگار اور قوی الحافظ ہے تو اس سے علم دین حاصل کرو۔

ثانیاً۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر کس و نا کس کو اپنا استاذ نہ بناؤ اور نہ ہر شخص سے حدیث کی روایت کرو۔ خصوصاً اہل بدعت و اہل ہوا و محضرات وغیرہ کیونکہ ان سے عقائد و اعمال پر غلط اثرات مرقب ہوتے ہیں۔

وَعَنْ حَدِّثُ فَقَدْ قَالَ  
يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ اسْتَقْبِلُوا  
فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبَقًا بَعِيدًا  
وَاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِينًا وَشِمَالًا  
لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا

ترجمہ: روایت ہے حضرت حفصہؓ سے آپؐ نے فرمایا اے قاریوں کے گروہ سیدھے رہو کیونکہ تم بہت پہلے ہی ہو۔ اگر تم ہی اٹھے سیدھے ہو گئے تو تم بڑی گمراہی میں پڑ جاؤ گے۔

قوله يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ: معشر یعنی جماعت قرار کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں۔ اول: حفاظ قرآن مراد ہیں۔ دوم وہ علماء مراد ہیں جو اعمال میں کوتاہی کرتے ہیں۔ سوم: جہور حضرات کے نزدیک وہ صحابہ کرامؓ مراد ہیں جو ابتداء ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے تھے۔ اور قرار کا اطلاق صحابہ کرامؓ پر بایں معنی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں قرأت کو علم معنی لازم تھا۔

قَوْلُهُ اسْتَقْبَحُوا - وَهِيَ الثَّبَاتُ عَلَى الْعَقِيدَةِ وَالصَّحِيحَةِ  
 كَمَا نَرَى أَنَّ الْإِسْتِقَامَةَ خَيْرٌ مِنَ الْكَلْبَةِ كَمَا مَرَّ فِي اسْتِقَامَتِ دَالِ الْأَمْرِ الْغَالِي بِهِ  
 يَقُولُ أَبُو الْأَسْعَدِ، مُخْتَلَفِينَ حَضَرَاتِ سُنَّةٍ لَهَا هِيَ كَمَا هِيَ فِي اسْتِقَامَتِ كَيْفِيَّةٍ  
 يَهْمُ بِهَا كَيْفِيَّةٌ عَقِيدَةٍ بِمَضْبُوعَةٍ سَائِلَةٍ رَاجِعَةٍ نَفْعٍ دِينِيٍّ دَالِّ عِلْمٍ وَدَلِيلٍ صَالِحٍ بِرَدِّهِ  
 اخْتِيَارِ كَيْفِيَّةٍ - اخْلَاصِ خَالِصِ رُكْعَةٍ أَوْ الشَّرْعِ الْغَالِي كَيْفِيَّةٍ سَوَاءً تَامٍ حِزْوٍ سَعْدِيٍّ  
 بِشَاكِرِ حَقِّ تَعَالَى كَيْفِيَّةٍ سَائِلَةٍ لَهَا هِيَ كَمَا هِيَ فِي اسْتِقَامَتِ كَيْفِيَّةٍ

قَوْلُهُ قَدْ سَبَقَتْ - اس میں معروف و مجہول دونوں روایتیں ہیں  
 اگر معروف پڑھو تو مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ابتداءً اسلام کو پایا ہے تو عمل و استقامت  
 کے ذریعہ تم آنے والی نسلوں سے بڑھ جاؤ گے کیونکہ متبوع کا درجہ تابع سے زیادہ جوتا  
 ہے۔ اور اگر مجہول پڑھو تو مطلب یہ ہوگا کہ تم سے پہلے ارباب استقامت گزرے ہیں  
 تم بھی استقامت اختیار کرو اور ان سے پیچھے نہ رہو پہلی روایت صحیح اور دوسری لغت  
 مشہور ہے۔

قَوْلُهُ يَمِينًا وَشِمَالًا - بِهٖ مَقَابِلُ طَرِيقِ اسْتِقَامَةٍ هِيَ أَوْ اسٓ مِنْ مَرَادِ  
 رَافِدِ اسْتِقَامَةٍ هِيَ مَرَادِ اسْتِقَامَةٍ كَوَافِرٍ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى «وَأَنَّ  
 هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَأَسْمِعُوهُ وَلَا تَسْلُبُوا السُّبُلَ فَتَفْشَرُوا لَكُمْ  
 عَنْ سَبِيلِهِ» (پٹ)

## اسمائے رجال

آپ کا نام خذیفہ بن الیمان ہے۔ اور بیان کا نام  
 حَسْبُكَ تَعْقِیْرُ كَيْفِيَّةٍ سَائِلَةٍ لَهَا هِيَ كَمَا هِيَ فِي اسْتِقَامَتِ كَيْفِيَّةٍ

## حضرت خذیفہ بن کے حالات

حضرت خذیفہ بن کے کنیت ابو عبد اللہ العنسی ہے۔ مین کے بیٹے اور باؤ کے سکون کے ساتھ آگے مسلمان کے  
 راز دار ہے اس کے ذریعہ آپ کا لقب صاحب امر بھی ہے اس لیے کہ آپ کو منافقین اور قیامت کے قریب  
 اہم واقعہ کی خبر دی گئی تھی ان سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابو الدرداء وغیرہ صحابہ  
 اور تابعین نے حدیث کو روایت کیا ہے۔ شہر مدائن میں ان کی وفات واقع ہوئی اور وہ ان کی قبر شریف ہے  
 ان کی وفات کا واقعہ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے چالیس رات کے بعد مشہور یا مشہور میں پیش آیا۔



وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ  
مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوا  
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ  
قَالَ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ يَتَعَوَّذُ  
مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ  
أَرْبَع مِائَةِ مَرَّةٍ

ترجمہ، روایت ہے حضرت  
ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کے کنوئیں سے  
اللہ کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے عرض کیا  
یا رسول اللہ تم کا کنواں کیا ہے فرمایا دوزخ  
میں ایک وادی۔ جس سے خود دوزخ  
روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔

قوله مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ - بضم الحاء وسكون الزاء ای من بئر  
فیہا الحزن، یعنی ایسا کنواں جس میں حزن ہی حزن ہے۔ جب کی افافت حزن کی  
طرف ایسے ہی جیسے دارالتلام میں داری کی افافت سلام کی طرف ہے۔  
سوال: حزن کو جبت کے ساتھ تشبیہ دی اس میں کیا حکمت ہے؟  
جواب: وجہ تشبیہ عمق یعنی گہرائی ہے کہ جس طرح کنوئیں میں گہرائی ہوتی ہے  
اس میں بھی گہرائی ہوگی۔ یعنی جبت الحزن دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت  
گہری ہے اور کنوئیں کے مشابہ ہے۔

قوله يَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ - اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ اتنی  
بہت ناک اور وحشت ناک ہے کہ دوزخی تو الگ رہے بلکہ خود دوزخ دن میں چار سو مرتبہ  
اس سے پناہ مانگتی ہے۔

سوال - جہنم کی طرف تعوذ کی نسبت کی گئی ہے۔ حالانکہ تعوذ یعنی پناہ پکڑنا تو  
ذی روح کا کام ہے۔

جواب: کنائی معنی مراد ہے یعنی شدت کی طرف اشارہ ہے۔

جواب دوم: حقیقت پر محمول ہے کہ واقعی جہنم جبت الحزن ہے دن  
میں چار سو مرتبہ پناہ پکڑتی ہے۔

جواب سوم۔ بعض حضرات کے نزدیک جہنم سے مراد اہل جہنم اور جہنم پر متعین فرشتے ہیں یعنی فرشتوں کا تہذیب مراد ہے جو جہنم پر مقرر ہیں جن کو زبانہ کہا جاتا ہے۔  
 قوله الْعِزَّاءُ : الَّذِينَ يَحْفَظُونَ الْعَثَانَ بِالسِّنِّهِمْ فَقَطْ ، بعض محدثین کے نزدیک قراء سے مراد العلماء بالکتب والسنة المقصرون في العمل۔ قوله الصَّاعُونَ بِأَعْمَالِهِمْ : ای السَّاعُونَ بِأَعْمَالِهِمْ کیونکہ قراءت کا تعلق اقوال کے ساتھ ہے نہ کہ اعمال کے ساتھ۔

قوله الَّذِينَ يَزُودُونَ الْأُمَرَءَ - امراء سے مراد سردار ہیں سرداروں سے ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ جو قاری سرداروں سے محض حب جاه و مال اور دنیوی طمع و لالچ کی خاطر ملتا ہے وہ خدا کے نزدیک مبغض ترین ہے۔ ان اگر سرداروں سے ملنا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے ہو یا بطریق جبر اور ان کے شر کے دفعیہ کے لیے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

قوله قال المعاصرات : یہ روایت حدیث ہیں۔

قوله الحيورة : محاذی فرماتے ہیں کہ امراء سے مراد ظالم امراء ہیں تو عادل امراء کے پاس جانا مضر نہیں۔ بلکہ ان کی زیارت ثواب و عبادت ہے بشرطیکہ دنیوی طمع نہ ہو۔

يقول ابوالاسعاد : محدثین معضرات نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں قاریوں کی تخصیص کی ہے۔ مگر اس حکم میں زیادہ کار عالم اور عابد بھی داخل ہیں کیونکہ علم کی اصل بنیاد تو قرآن ہی ہے اسی طرح عبادت بھی قرآنی احکام ہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے عالم اور عابد جو زیادہ کار ہیں وہ بھی انہیں قاریوں کے ہرہہ اسی کنوئیں کا لقمہ نہیں گئے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنقریب لوگوں پر

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ

وہ وقت آئے گا جب اسلام کا صرت  
نام اور قرآن کا صرف رواج ہی رہ جائیگا  
ان کی مساجد آباد ہوئیں گے مگر ہدایت سے  
خالی۔

نَا مَانٌ وَلَا يَسْتَقِي مِنَ الْإِسْلَامِ  
إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَسْتَقِي مِنَ  
الْقُرْآنِ إِلَّا نَامَ سَمُهُ مَسَاجِدُهُمْ  
عَامِدَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِمَّنْ  
الْهْدَى -

قَوْلُهُ يُؤْمِنُكَ - اِی بُعْرَبُ -

قَوْلُهُ إِلَّا اسْمُهُ : ہر شئی کے لیے دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک اس کو صحت  
کہتے ہیں۔ دوسرا مسمیٰ : اس کو حقیقت بھی کہتے ہیں مثلاً اللہ پاک کو اللہ بھی کہتے ہیں یہ  
اسم بھی ہے اور مسمیٰ بھی کہتے ہیں۔ لیکن معبودان باطلہ کو بزعم مشرکین اللہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ  
یہ اسم تو ہے مسمیٰ نہیں ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صرف اسلام کا اسم رہے گا مسمیٰ نہیں  
ہوگا۔ یاد دہانی میں نام باقی رہے گا عمل ختم ہو جائے گا جیسے زکوٰۃ الحج نام کے ہونگے  
عمل ختم ہو جائے گا۔ "سند البعض" لَا يَسْتَقِي مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ کا معنی یہ ہے  
کہ ریاکاری عام ہو جائیگی ظاہری طور پر تو نماز پڑھیں گے اسلام کی وجہ سے مگر ہوگا ریاکار  
جس کا ثواب نہیں بلکہ اللہ عذاب ہوگا۔

قَوْلُهُ إِلَّا نَامَ سَمُهُ : اِی اَشْرَظَ ظَاهِرًا مِنَ الْقِدْرَةِ اس کا مطلب یہ ہے  
کہ تجوید و قرأت سے قرآن پاک پڑھا جائے گا۔ مگر اس کے معنی و مفہوم سے ذہن قطعاً  
نا آشنا ہونگے یا اس کے ارادہ و نوا ہی پر عمل ہوگا مگر قلب اخلاص کی دولت سے  
محروم ہوں گے۔

قَوْلُهُ عَامِدَةٌ : مُلَاعِلٌ قَارِئٌ نے اس کا معنی کیا ہے :-

« اِی بِالْاِبْتِیَءِ الْمَرْقُوعَةِ وَالْجِدَارِ الْمُنْقَشَةِ وَالْفَتْحِ دِلِ

الْمَسْرُجَةِ وَالْبَسِطِ الْمَقْرُوشَةِ »

بلند و بالا عمارت منقش دیواریں، روشنی کا خوب انتظام اور قالین وغیرہ  
بھی ہوئی ہوئیں گی۔

مقصود ظاہری آبادی ہے۔ محمدؐ میں حضرات نے مساجد ہوں گے کے

دو مطلب بیان فرمائے ہیں :-

اول : یعنی مسجد میں لوگوں سے تو آباد ہو گئی مگر ان میں ہدایت والے یا ہدایت دینے والے نہیں ہو گئے۔ ان کے نہ ہونے سے دیران ہو گئی۔ کما قال الذکتر، مُحَمَّدٌ اَقْبَلُ سے مسجد میں مرقبہ خواں ہیں کہ نمازی نہ ہے یعنی وہ صاحب اوصاف مجازی نہ ہے۔

دوم : دوسرا معنی یہ ہے کہ مسجد میں بظاہر بڑی خوب صورت ہوں گی آرائش و زیبائش میں محلات شاہی سے کم نہ ہوں گی، بیش قیمت قالین بچھے ہوں گے۔ مگر انے مساجد میں جو راہنما ہوں گے وہ ان مساجد کی روحانی ویرانی کا سبب ہونگے کیونکہ وہ لوگوں کو بدعات کی طرف دعوت دیں گے اور اہل حق کی مخالفت ان کا شعار ہوگا قوم کو نظری مسائل میں الجھائے رکھیں گے۔ ہر مسجد سے لاڈلے اسپیکر کے ذریعہ درس کی آوازیں آئیں گی مگر وہ درس زہر قاتل ہوں گے جن میں قرآن کے نام پر کفر و فتنیان پھیلا یا جائیگا۔ کما قال الذکتر، مُحَمَّدٌ اَقْبَلُ سے دین مِلَّا فی سبیل الشرفاد

قوله خَذَرْتُ قِبْلَتَ الْهَدَى - یہ جملہ بظاہر معارض ہے سابقہ جملہ مساجدِ حُرِّ عَامِرَةٍ کے کیونکہ جب عامرہ ہیں تو پھر خراب کیسے؟ لہذا توافق ظاہری ہوں ہے کہ آبادی سے حتیٰ آبادی تو ہے معنوی نہیں۔ بعینہ اسی طرح خرابی بھی معنوی ہوگی نہ کہ حسی فَلَا تَعَارَضَ۔

قوله علماء هم شر - یہ دفعیہ سوال مقدر ہے سوال ہوتا تھا کہ جب لوگوں کی یہ حالت ہوگی تو علماء کہاں جائیں گے؟ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ ان کی حالت تو یہ ہوگی کہ هُوَ اَشْرُّ النَّاسِ تَحْتَ اَدْنِی السَّمَاءِ۔ قوله اَدْنِی - اے دُنْیَا کا اور اسی سے آدم بھی مشتق ہے لِأَنَّ بَحْسَدَهُ مِنْ اَدْنِی الارض۔

قوله مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ : کیونکہ اَنْ فَسَادُ الْعَالَمِ فَسَادُ الْعَالَمِ۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ كَيْسِدٍ قَالَ | ترجمہ : روایت ہے زیاد بن کسید

سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ علم جاتے رہنے کے وقت ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے جاسکتا ہے ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بچوں کو پڑھاتے رہیں گے اور تاقیامت ہماری اولاد اپنی اولاد کو۔

ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذَاكَ عِنْدَ أَوَانٍ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَذْهَبُ هَبِّ الْعِلْمِ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقَرِّئُهُ أَبْنَاءَنَا وَيُقَرِّئُهُ أَبْنَاءُ نَا أَبْنَاءَهُ هُوَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

قوله شَيْئًا - شَيْئًا سے مراد یا تو شئی ہا عِلْدٌ ہے یعنی خوف والی بات یا شَيْئًا سے مراد غصت ہے لیکن نسیان راوی کی وجہ سے بیان نہ ہو سکی۔  
قوله ذَاكَ : بعض نسخوں میں ذَاكَ کے لفظ بھی ہیں مراد اس سے شئی الخوف جس کا خوف دیا گیا ہے۔

قوله أَوَانٍ - ای وقت اذان یعنی وقت ہے اصل عبارت یوں ہے :-  
”اِیْ عِنْدَ وَتَبِ ذَهَابِ الْعِلْمِ“ : یعنی اس شئی متخوف کا وقوع علم کے ختم ہو جانے کے بعد ہوگا۔

قوله وَيُقَرِّئُهُ أَبْنَاءُ نَا - یعنی اَنَّ الْقُرْآنَ مُسْتَمِرٌّ بَيْنَ النَّاسِ اِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَمَا يَذْهَبُ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالَى ” اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَنَاهُ لَنَاقُطُونَ “ یہاں قرآن پڑھنے پڑھانے سے مراد پورا علم سیکھنا اور سکھانا ہے یعنی جب تعلیم و تعلم کا مشغلہ قائم رہے گا تو علم کیونکر اٹھ جائے گا۔ مصدر کے ہوتے ہوئے حامل مصدر کہاں جاسکتا ہے۔

قوله تَكَلَّمَ لَكَ اَمَّاكَ : ای فقد تكل اَمَل واصله الدعاء بالموت ثم يستعمل في التعجب۔

قوله لَا اَمَّا اَنْ - ای لَا اَطْنُكَ فَمِنْهَا فِي الْمَدِيَّةِ - اس سے معلوم ہوا کہ اسناد اپنے شاگرد کو غیر مناسب سوال کرنے پر عتاب کر سکتا ہے مثلاً یہ الفاظ

”کہ ہم نہیں ایسا جانتے تھے تم ایسے نکلے“ یہ اظہار عتاب کے لیے ہوتے ہیں۔

قوله اَوَلَيْسَ هٰذَا بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى - یعنی علم جاری مولا نبیہ علم ہے یعنی علم ہوگا عمل نہ ہوگا۔ اور ساتھ ساتھ حضرت زیاد کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے میرے کلام کا منشاء جانے بغیر یہ خیال کر لیا کہ صرف قرآن کا پڑھنا اور اس کا حاصل کر لینا ہی کافی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے جس طرح یہود و نصاریٰ کرتے کہ وہ بھی اپنی اپنی کتابوں یعنی تورات و انجیل کو پڑھتے ہیں اور اس کا علم بھی حاصل کرتے ہیں لیکن ان کے احکام پر ذرہ برابر بھی عمل نہیں کرتے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ  
وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ تَكْتُمُوا الْقُرْآنَ  
وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ تَكْتُمُوا الْقُرْآنَ  
وَعَلِّمُوهُ النَّاسَ فَإِنِّي إِمْرَأٌ  
مَقْبُوضٌ وَالْعِلْمُ سَيَقْبُضُ  
وَيُظْهِرُ الْفِتَنَ حَتَّى يَخْتَلِفَ  
إِشْنَانٌ فِي فَرِيضَةٍ لَا يَجِدَانِ  
أَحَدًا يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا -

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ میں وفات پانے والا ہوں علم عنقریب اٹھ جائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے مٹنی کے دو شخص ایک فریضہ میں جھگڑا کریں گے ایسا کوئی نہ پائیں گے جو ان میں فیصلہ کرے۔

قوله - الْعِلْمُ : وَالْمُرَادُ بِالْعِلْمِ الشَّرِيعَةُ بِأَعْوَانِهَا -  
قوله الْقُرْآنُ : فَرَائِضُ كِي تَعْبِيدٍ فِي دَوَقُولِ هِيَ - اَوَّلُ : اِسْلَامِي فَرَائِضُ  
نماز روزہ وغیرہ - دُوم : خاص علم میراث مراد ہے - قول دوم زیادہ راجح ہے جیسا کہ  
اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ اگرچہ علم اور قرآن میں یہ بھی آگیا تھا مگر زیادتی اہتمام  
کے لیے اس کو علیحدہ ذکر کیا۔

قَوْلُهُ إِنِّي أَمَرْتُ مَقْبُوضٌ - مقبوض قبض سے ہے بمعنی رفع لیکن مراد اس سے موت ہے «ای انسان بموت لا یعیش أبدا» کما فی قولہ تَعَالَى وَمَا جَعَلْنَا لِشَرٍّ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُوَ الْخَالِدُ وَتَرَى بِكَ الْآيَاتِ

قَوْلُهُ يَظْهَرُ الْفِتْنَةُ - قبض علم کے بعد ظہور فتنہ کو بیان فرمایا یہ اشارہ ہے کہ قبض علم سبب الفتنہ :

قَوْلُهُ لَا يَجِدُ أَحَدًا - قلت علم کثرت فتنہ کی وجہ سے کوئی عالم نہیں ملے گا۔ یعنی اب تو ہمیں آسانی ہے کہ ہر مسئلہ علم سے پوچھ سکتے ہو۔ میرے بعد ایک وقت آنے کا علماء ائمہ جائیں گے یہاں تک کہ اگر ایک میت کی میراث پانچ ہوگی تو مفتی نہ ملے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ دوسے مراد میت کے دو وارث ہیں۔ اور فریضہ سے مراد سند میراث ہے یا فریضہ سے مراد کوئی شرعی مسئلہ ہو۔ کما مر :

ترجمہ : روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانہ کی سی ہے جس سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُ عِلْمٍ لَا يَنْتَفِعُ بِهِ كَمِثْلِ كَنْزٍ لَا يُنْفَقُ مِنْهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

قَوْلُهُ لَا يَنْتَفِعُ بِهِ - عدم انتفاع کا تعلق عمل اور تعلیم دونوں سے ہے ورنہ علم تو فی نفع نافع ہے۔

سوال : علم کو کثر کے ساتھ تشبیہ دی ہے ان میں وجہ تشبیہ کیا ہے ؟  
جواب : وجہ تشبیہ ما بین العلم والکثر زیادتی (یعنی بڑھنا) ہے جیسے علم کی جتنی زیادہ تدریس ہوگی اتنا ہی وہ بڑھے گا، یہی حال کثر کا ہے کہ جائز طریقہ پر اس کو خرچ کر دے یہ اتنا ہی بڑھے گا۔ کما فی قولہ تَعَالَى :

« وَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ شَيْءٍ تَرْيَدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُضِلُّونَ رَبِّكَ الرَّؤُوفُ ع »

نيز مشهور ہے :

« وَالْعِلْمُ يَزِيدُ بِالْوَقْفِاقِ وَالْكَسْرُ يَنْقُصُ وَالْعِلْمُ بَاقٍ  
وَالْكَسْرُ قَائِمٌ - وَاللَّهُ أَعْلَمُ :

قَدْ تَعَرَّكَتْ بِ الْعِلْمِ بِحَوْلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ  
وَحُسْنِ تَوْفِيقِهِ فَأَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى

سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ

وَعَلَى آلِهِ

وَأَصْحَابِهِ

أَجْمَعِينَ :

الْحَمْدُ لِلَّهِ قَدْ انْتَهَى بِحَوْلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ الْجُزْءُ الْأَوَّلُ

مِنْ أَسْعَدِ الْمَقَاتِلِ عَلَى مَشْكُوتِ الْمَصَارِيحِ وَيَسْلُوهُ

الْجُزْءُ الثَّانِي بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَوَّلُهُ كِتَابُ الطَّهَارَةِ -

وَبَلَّغَ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

بمآء ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۲۲ھ

مطابق ماہ ۲۳ مئی سنہ ۱۹۰۲ء



اداره تحقیقات علمیہ کی عظیم پیشکش

فلاحین (شرح اردو) تفسیر اغراض جلالین

(جلد اول) (پارہ اول مکمل)

فلاحین (شرح اردو) تفسیر اغراض جلالین

(جلد دوم) (سورۃ البقرہ مکمل)

فلاحین (شرح اردو) تفسیر اغراض جلالین

(جلد سوم) (سورۃ آل عمران مکمل) (زیر طبع)

از افادات

استاذ العلماء ہریر صلحاء شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ابو محمد عبدالغنی جاجروی رحمہ اللہ القوی

ترتیب

ابوالاسعاد یوسف جاجروی

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف ادارہ تحقیقات علمیہ و استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ، رحیم یار خان

ناشر

ادارہ تحقیقات علمیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان، فون: 0731-72432

## ادارہ تحقیقات علمیہ رحیم یار خان کے علمی جواہر پارے

- (۱) أسعد الفلاح فی حل مشکوٰۃ المصابیح      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
ابتداء خطبہ کتاب تا آخر کتاب العلم۔
- (۲) أسعد الفلاح جلد دوم از کتاب الطہارۃ      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
تا آخر کتاب الصلوٰۃ
- (۳) فلاحین شرح اردو اغراض تفسیر جلالین شریف      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
جلد اول پارہ اول (مکمل)
- (۴) فلاحین شرح اردو اغراض تفسیر جلالین شریف      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
جلد دوم مکمل سورۃ البقرۃ
- (۵) فلاحین شرح اردو اغراض تفسیر جلالین شریف      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
جلد سوم مکمل سورۃ آل عمران (زیر طبع)
- (۶) الفتح السماوی شرح اردو تفسیر بیضاوی      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
(زیر طبع)
- (۷) فتح البیان فی حل مشکلات القرآن      از افادات علامہ ابو محمد عبد الغنی جاجروی رحمہ اللہ  
(زیر طبع)
- (۸) فتح الودودی فی حل قال ابو داؤد      ابوالسعد یوسف جاجروی رئیس ادارہ تحقیقات علمیہ

ناشر:

ادارہ تحقیقات علمیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادید رحیم یار خان پاکستان

فون: 72432 - 0731

مدرسین درس نظامی و طلباء حدیث کے لئے ناوہ علمی تحفہ

اسعد المفتح

(شرح اردو)

مشکوٰۃ المصابیح

(جلد دوم)

(عنقریب چھپ کر منظر عام پر آ رہی ہے۔ انشاء اللہ)

از افادات

استاذ العلماء رہبر سائنس شیخ الغیر والحدیث حضرت مولانا ابو محمد عبدالغنی جاجروی رحمہ اللہ القوی

فتح الودود

فی حل

قال ابوداؤد

مع مقدمة الكتاب

تالیف

ابوالاسعاد یوسف جاجروی

ناشر

ادارہ تحقیقات علمیہ جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان فون: 0731-72432

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ فَلَاحُقٌ بِهِ يَشْرَحُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ

# الْبَيْتُ الْمَقْدِسُ

شرح اردو

## مَشْكُوتُ الْمَضَيِّعِ

جلد دوم

ترتیب و مراجعت

اُستاذ العلماء شیخ القرآن والحديث علامہ  
ابو محمد عبد الغنی جابر بن جبر بن جبر

ترتیب و مراجعت

ابو الایمن علی بن یوسف بن جبر بن جبر



فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ فَلَاحُقٌ بِهِ تَرْجُمَتُهُ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَافِكْهُ لَا هَاجِرَ لَهُ ۚ فَيُفَكِّكْهُ مِنْ أَيْنَ يَشَاءُ وَيُفَعِّلْ فِيهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُفَعِّلُ فِيهِ مَا يُرِيدُ ۚ

# اسْحَابُ الْمِفْطَحِ

شرح اردو

## مَشْكُوتُ الْمَضِیَّحِ

جلد دوم

ترتیب و مراجعت

استاذ المسارح شيخ القرآن والمحدث علامه

ابو محمد عبد الغنى جابر بن جابر بن جابر

ترتیب و مراجعت

ابو الامام محمد بن يوسف بن جابر بن جابر

### مكتبة الحسن

33 - حي شريف مارو بازار لاہور

042-37241355

## ضابطہ

جملہ حقوق طبع و نشر و ترجمہ بنام ادارہ تحقیقات علمیہ محفوظ ہیں۔

نام کتابی ..... اسلام البقیات شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح (دوم)  
 از القادات ..... علامہ ابو محمد عبدالغنی جاجروی  
 ترتیب و مراجعت ..... ابو الاسعد یوسف جاجروی  
 طبع اول ..... شعبان النظم ۱۴۳۱ھ اگست ۲۰۱۰ء  
 کتبہ ..... ابو القاسم شیر احمد فلردنی  
 بالہشام ..... ادارہ تحقیقات علمیہ و حیم یار خان  
 نشر ..... مکتبہ الحسن ۳۳ حق سہریٹ اردو بازار لاہور 042-37241355  
 تعداد ..... گیارہ سو (۱۱)

## ملنے کے پتے

★	لاہور	مکتبہ سید احمد شہید دو بازار لاہور
★	گوجرانوالہ	ادارہ نشر و اشاعت نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
★	راولپنڈی	مکتبہ حقیقہ سولہ گیس روڈ گوجرانوالہ
★		کتاب خانہ رشیدیہ و احیاء بازار راولپنڈی
★		مکتبہ رشیدیہ کمیٹی چوک اقبال مارکیٹ راولپنڈی
★		مکتبہ صفیریہ مصریان روڈ المیلد پلازہ راولپنڈی
★	اسلام آباد	مکتبہ شہید اسلام مرکزی جامع لال مسجد اسلام آباد
★		مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
★	چکوال	کشمیر بک فو چکوال
★	ساہیوال	مکتبہ سراجیہ نزد خانہ سنڈی ساہیوال
★	فیصل آباد	مکتبہ القرآن امین پور بازار فیصل آباد
★	ملتان	مکتبہ حقیقہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
★	سرگودھا	مکتبہ سراجیہ مثلاًنیت چوک سرگودھا۔ اسلامی کتب خانہ پھولن والی گلی سرگودھا
★	پشاور	دارالخلاص اکیڈمی محلہ جنگلی پشاور
★	مردان	مکتبہ الاحرار
★	ڈیرہ اسماعیل خان	مکتبہ الحمید دفتر جامعہ خدیجۃ الکبریٰ بالمقابل گورڈسٹیشن ڈیرہ اسماعیل خان
★	کرک	مکتبہ احیاء العلوم تخت نصرتی ضلع کرک
★	بنوں	مکتبہ الاحسان گرین مارکیٹ چوک بازار بنوں
★	کوہاٹ	مکتبہ المدینہ کمال پلازہ کوہاٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

در اندین دوزخین کے نام

جن کی

علیٰ و علیٰ تربیت

اور دعائے محمد گاہی

نے مجھ لیے

کم مایہ کو اس

قابل بنایا کہ

ضیوت الرحمن

دینی تلافی کے

خداست میرے ایک مفید تالیف پیش کر سکا۔!

ہزاروں سال زرخش اپنی بے نوری پہ رزقی ہے  
بڑی مشکل سے ہوتا ہے جن میں دیدہ در پیدا

## هَدْيٌ تَبَرُّكٌ

یہ ہدیہ اُمّتِ مسلمہ کے ان خوش نصیب فرزندان کی خدمت میں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں یہ وہ مبارک ہستیاں ہیں کہ جن کے لیے کائنات کی سب سے بڑی مبارک و مکرم و مستجاب الدعوات شخصیت رنداء اُبی ذائقہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دُعا کی ہے ۔

نَصَرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَ  
وَعَاَهَا وَاِذَاهَا فَرُبْتُ حَامِلٌ فَقَبِهْ غَيْرَ فَقِيبِ  
وَرُبْتُ حَامِلٌ فَقَبِهْ اِلَى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ -

(مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ : اللہ تعالیٰ اس بندے کو قرد تازہ اور خوش و خرم رکھے جس نے میری بات کو سنا اور سن کر یاد کر لیا، پھر اس کو محفوظ رکھا اور اس کو آگے پہنچا دیا (ایسے شخص کی یہ خدمت واقعی قابلِ قدر ہے) اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ بعض دین کی بات محفوظ رکھنے والے ایسے ہوں جو خود اس کی زیادہ گہری سمجھ نہ رکھتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ دماغ کسی شخص کو یہ بات پہنچا دے جو اس سے زیادہ فقیہ بصیرت رکھنے والا ہو۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو یہ دعائیں سنے ہیں ۔  
کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ بشارت عظمیٰ دی گئی ۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ

۱۱ مین یا رَبِّ اَنْطَلِعِیْنِ



# ایسہ کتاب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹	وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ كَمَا مَطْلَب	۲۱	کتاب الطہارت
۳۰	قَوْلُهُ وَكُلُّ نَفْسٍ يَنْفَرُ وَوَا كِي تَحْقِيق	۲۲	البحث الأول :
۳۱	قَوْلُهُ وَلَوْ لَجِدَ هَٰذَا مِنَ الرَّبِّ وَابْتِ	۲۳	کتاب الطہارت کا مقابل سے ربط
۳۲	فِي الصَّحِيحَيْنِ كِي عبارت کا مقصد	۲۴	البحث الثاني :
۳۳	قَوْلُهُ فَذَا الْكُفْرُ الزَّبَاطُ كَا شَارَالِیہ	۲۵	معنی کتاب و طہارت
۳۴	تینوں مأمور ہیں ۔	۲۶	البحث الثالث :
۳۵	وَعَنْ عُثْمَانَ ۔ بحث خروج	۲۷	تقسیم طہارت
۳۶	خطایا ہ من جسدہ	۲۸	الفصل الاول
۳۷	فَالْکَلِمَةُ قَوْلُ اَوَّلِ كِي مُسْتَدَلَات کے جوابات	۲۹	قَوْلُهُ اَللّٰهُمَّ رَسُوْلُ اِلٰہِیْمَا ن
۳۸	وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلُهُ نَظَرُ اِلَیْہَا	۳۰	کی بحث
۳۹	پر شبہ اور اس کا جواب ۔	۳۱	قَوْلُهُ الْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالٰی الْمِيزَان
۴۰	قَوْلُهُ لَا یَجِدُثُ نَفْسُهُ فِیْہِمَا	۳۲	پر شبہ اور اس کے جوابات
۴۱	بِشَیْءٍ کِي تَحْقِیق	۳۳	اَلصَّلٰوۃُ نُورٌ کِي توجیہات
۴۲	قَوْلُهُ ثَمَانِیۃُ الْبَوَابِ کِي تَشْرِیح	۳۴	
۴۳	قَوْلُهُ الْمُتَطَهِّرِیْنِ پر شبہ اور اس	۳۵	
۴۴	کے جوابات ۔	۳۶	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۲	تشریح اَنْتُمْ اَصْحَابِي	۴۹	وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ :
۶۴	قوله فِي مَا بَيْنَ نَوْحٍ اِلَى امْتِكَ	"	الْبَحْثُ الْاَوَّلُ : تَحْقِيقُ غَرَضِ تَحْمِيلِ
"	کی تشریح۔	۵۰	الْبَحْثُ الثَّانِي : اطالة الفسدة
۶۵	<b>باب ما يوجب الوضوء</b>	"	والتحجید کی شرعی حیثیت
۶۶	موجبات کی تقسیم	۵۱	الْبَحْثُ الثَّالِثُ : جملة مَنْ اسْتَطَاعَ
"	<b>الفصل الاول</b>	"	منكم ان يطيل الله مرفوع ہے
۶۶	قوله لَا تَقْبَلُ صَلَاةَ بَغِيرِ طَهْوَرٍ	"	یا موقوف :
"	ولا صدقة من غلول کی تقسیم	۵۲	کیا وضو امت محمدیہ کی خاصیت ہے
۶۸	لفظ قبول کے معانی۔	<b>الفصل الثانی</b>	
۶۹	مسئلہ اولی : کیا نماز جنازہ بغیر طہارت	۵۲	قوله اسْتَقْبِلُوا اَوَّلَكُمْ تَحْصُوا
"	جائز ہے ؟	۵۴	کے دو مطلب
۷۰	نماز جنازہ کے لیے عدم طہارت پر	۵۵	قوله مَنْ تَوَضَّاءَ عَلٰی طَهْرٍ
"	مشکلات کے جوابات۔	"	کی تشریح
۷۱	مسئلہ ثانیہ : کیا سجدہ تلاوت بھی	"	<b>الفصل الثالث</b>
"	بغیر طہارت جائز ہے۔	"	عن جابر : قوله مفتاح الجنة
۷۲	ابن عمرہ کے مسئلہ کا جواب	"	الصلوة : اس پر شبہ مع جواب
۷۳	مسئلہ ثالثہ : فاقدا الطهورین	۵۹	قوله والصوم نصف الصبر
۷۴	حدیث مذکور کی جزر ثانی کی بحث	"	کے دو مطلب۔
۷۵	جملہ مذکور کا ناقبل سے ربط۔	۶۰	قوله نَافِلَةٌ لَهُ كَمَا مَطْلَب
"	مسئلہ : ملک حبش کا قصہ کیا ہے	"	قوله وَاَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ
۷۷	وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذْنُوًّا	۶۱	لَا حِقُّونَ اس پر شبہ مع جوابات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۹۷	اصحابِ ظواہر و من و افقہ کے مستدلات کے جوابات	۷۷	تعریف مٹی، تعریف مذی، تعریف کوری
۹۹	<b>الفصل ثانی</b>	۷۸	قولہ فَلَکُنْتُ اسْتَحْجِیْ اَنْ اَسْئَلَ
۱۰۱	جلد اولیٰ: مفتاح الصلوٰۃ	۷۹	کی تشریح
۱۰۱	الظہور کی تشریح	۸۰	المسئلۃ الاولیٰ: کیا مذی کے اندر
۱۰۱	جلد ثانیہ: وتحدیصھا التکبیر کی تشریح	۸۱	اقتصار علی الاحجار جائز ہے؟
۱۰۱	مسئلہ اولیٰ: کیا دخول فی الصلوٰۃ کے لیے صرف نیت کافی ہے	۸۱	المسئلۃ الثانیہ: کیا خروج مذی کے وقت ذکر مع الانشئین کا غسل ضرور محاسب ہے؟
۱۰۳	مسئلہ ثانیہ: تکبیر تحریم کے الفاظ کون سے ہیں۔	۸۲	مستدل حنابلہ کے جوابات
۱۰۵	جلد ثالثہ: وتحلیلھا التسلیم کی تشریح	۸۲	کیا آگ کی بجلی ہوئی چیز سے وضو کرنا واجب ہے؟
۱۰۶	لفظ سلام کہنا فرض ہے یا واجب	۸۳	اہل ظواہر کے مسئلہ کے جوابات
۱۰۹	قولہ وکاء السنہ کی تحقیق	۸۶	المسئلۃ الاولیٰ: کیا لحم اہل کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔
۱۱۰	نوم ناقص وضو سے یا نہیں؟	۸۹	مرابض غنم و مبارک اہل میں فرق
۱۱۱	فائدہ: انبیاء کرام کی حالت منامی مذہب اول کی دلیل رفیع نام فلیستحیٰ کا جواب	۹۰	المسئلۃ الثانیہ: کیا مبارک اہل میں نماز پڑھنا جائز ہے؟
۱۱۳	مذہب دوم کی دلیل ینامون و لا یسوّضون کا جواب	۹۳	قولہ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدُ رِیْحًا کی تشریح
۱۱۵	مذہب سوم کی دلیل ینامون و لا یسوّضون کا جواب	۹۴	کیا شرب لبن سے وضو واجب ہے
۱۱۶	مسئلہ: پس ذکر ناقص وضو سے یا نہیں	۹۵	مسئلہ المذکور میں فقہار کرام کے مذاہب کیا ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	<b>باب آداب الخلۃ</b>	۱۱۸	میں ذکر کو ناقص و ضور سمجھنے والوں
۱۳۹	لفظ آداب کی تشریح	"	کی دلیل یعنی روایت بشرہ کے جوابات
۱۵۰	لفظ خلۃ کی تحقیق	۱۱۹	بی بی بشرہ بنت صفوان کا واقعہ
۱۵۱	آداب خلۃ	۱۲۰	بقول ابوالاسعد : روایت بی بی
		"	بشرہ پر بعض شوافع کا اعتراض اور
		"	اس پر عادلانہ تبصرہ
۱۵۲	<b>الفصل الاول</b>	۱۲۲	صاحب مصابیح کا حدیث طلق بن علی
۱۵۲	قوله ولكن شربوا وغربوا	"	کے منسوخ ہونے کا دعویٰ اور اسکی فصاحت
	کی وضاحت	۱۲۵	میں مرآۃ ناقص و ضور ہے یا نہیں ؟
۱۵۲	استقبال و استدبار قبلہ عند قضاء الحاجۃ	۱۲۶	احناف و من وافقہ کے دلائل
۱۵۴	سلسلۃ الدلائل	۱۲۸	ائمہ ثلاثہ کے مستدلّات اور ان کے جوابات
۱۵۵	شوافع و موالک کے مستدلّات	۱۳۱	سند میں عروۃ ابن زبیر مراد ہے نہ کہ
۱۵۶	احناف حضرات کے مستدلّات	"	عروۃ المزنی۔
۱۵۶	سلسلۃ الجوابات	۱۳۲	مسامحہ صاحب مشکوٰۃ
۱۶۳	مسک احناف کے وجوہ ترجیح	۱۳۳	قوله والیثا اسناد ابراہیم
۱۶۵	لفظ استیجار کا لغوی و اصطلاحی معنی		القیسی عنہا کی بحث
۱۶۶	استیجار بالیین کا حکم	۱۳۴	منکرین حدیث کا ایک بے جا اعتراض
۱۶۶	تلبیث الحجار کی شرعی حیثیت		<b>الفصل الثالث</b>
۱۶۰	امام اعظم و من وافقہ کے دلائل	۱۴۰	نجاست خارج من غیر التلبین کا حکم
۱۶۴	لفظ خبیث اور خبیث کی تشریح	۱۴۰	مخرج معتاد و مخرج غیر معتاد کا فرق
۱۶۵	البحث الاول : محل دعاء	۱۴۲	احناف و من وافقہ کے دلائل
۱۶۶	ایک ضابطہ	۱۴۵	شوافع اور مالکیہ کے مستدلّات کے جوابات
۱۶۷	البحث الثانی : دخول بیت الخلاء کوقت		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۰۱	منکرین استنجاء بالماء کے دلائل کے جوابات	۱۷۷	شیاطین سے استعاذہ کی حکمت
		۱۷۸	البحث الثالث : الفاظ دعا
۲۰۲	<b>الفصل الثانی</b>	۱۷۹	قوله مَرَّ بِقَبْرَيْنِ : یہ اہل قبور
		۱۸۰	کون تھے ؟
۲۰۳	مقصود بیان الحدیث	۱۸۱	قول اول کے دلائل کے جوابات
۲۰۴	البعاد ( دور جانا ) فی البراز کی حکمت	۱۸۲	ارجاع ضمیر اور صفت استخدام
۲۰۶	قوله فی اصل جِدا کی تشریح	۱۸۳	قوله وَمَا يُعَدُّ بَيَانٌ فِی کَبِيرٍ
۲۱۰	رُوث اور رُمہ کی تحقیق	۱۸۴	قوله مِنْ بَوْلِهِ کا مفہوم عام ہے
۲۱۳	بحث اول : رُوث اور عظام سے	۱۸۵	لطیفہ بدلیہ
۲۱۴	استنجاء نہ کرنے کی علت	۱۸۶	قوله لَعَلَّهُ أَنْ يَحْفَظَ مَا لَمْ يَكُنْ
۲۱۵	بحث دوم : رُوث و عظام ( نرا د )		کی وضاحت :
	اخوانکے کیسے ہیں ۔	۱۸۸	کیا قبور پر بھول چڑھانا شرعاً درست
۲۱۷	بحث سوم : رُوث و عظام سے	۱۸۹	فعل مذکور عقلاً بھی غیر شرعی ہے ۔
۲۲۱	استنجاء کرنے کی شرعی حیثیت	۱۹۰	فعل مذکور عقلاً بھی درست نہیں ۔
۲۲۱	سرمدہ مینے کا شرعی طریقہ	۱۹۳	جُزْءِ اَوَّلٍ : قوله اذا شرب احدکم
۲۲۷	بول فی الغسل کی شرعی حیثیت	۱۹۴	فلا یتنفس فی الاناء کی بحث
۲۲۹	سوراخ میں پیشاب نہ کرنے کی وجوہ	۱۹۵	باقی پینے کا شرعی طریقہ
۲۳۳	کشف عورت کے متعلق فقہی مسئلہ	۱۹۶	جُزْءِ رَوْمٍ : اذا اتى الخلاء فلا یمس
۲۳۴	” نحدث عند قضاء الحاجة ”	۱۹۷	ذکرہ کی بحث
۲۳۶	میں علامہ شوکانی کا نظریہ	۱۹۸	جُزْءِ رَوْمٍ : قوله ولا یمسح
۲۳۷	لفظ ” غفرانک ” کی ترکیب	۱۹۹	بیمینہ کی بحث :
۲۴۷	بعد الفراغ من الخلاء استنجاء کی حکمت		علت نہی اول ۔ روم
۲۴۹	مشال : شکر کی حقیقت		استنجاء بالماء اور ائمہ کا مسلک

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶۶	لفظ سواک اور ایک عجیب لطیفہ	۲۴۱	استنجا کرنے کے بعد <b>رَدْلُکَ الْمَبْدِ</b>
۲۶۷	البعث الثانی : فضائلِ سواک	"	علی الارض کا شرعی حکم
"	البعث الثالث : آدابِ سواک	۲۴۲	قولہ <b>قَدْحَ مِنْ عِبْدَانِ</b> کی وضاحت -
۲۶۸	البعث الرابع : فوائدِ سواک	۲۴۷	لفظ سیاطِ قوم کی تشریح
۲۶۹	البعث الخامس : مقاماتِ سواک	۲۴۸	<b>الفصل الثالث</b>
"	البعث السادس : سواک کی شرعی حیثیت	۲۴۹	قَالَ مَا بُولُکَ کرنے کی شرعی حیثیت
۲۷۱	<b>الفصل الاول</b>	۲۵۰	تبدیلی حالات کی رعایت
"	لَوْلَا کا مفہوم	"	حضرت عمرؓ کے اثر کا جواب
"	لَوْلَا عَلَیْ لَهْلُکَ عُمَرُ کا پس منظر	۲۵۱	حضرت حذیفہؓ کی روایت کے جوابات
۲۷۳	سواک سنت و ضرور ہے یا سنتِ صلوة	۲۵۲	روایت حذیفہؓ اور عائشہؓ کا تعارض
۲۷۴	قول فیصل	"	اور ان کے جوابات
۲۷۹	لفظ فِطْرَةٍ کی تفسیر میں شراح کے اقوال	۲۵۷	محاکمہ بن الصَّوَر
۲۸۱	طریقہ احفادِ الشارب	۲۵۹	جامعیت شریعت کی ایک جھلک
"	مقدارِ نجیہ کی شرعی حیثیت	۲۶۰	قولہ "صاحب بنی اسرائیل" کی تشریح -
۲۸۳	حضرت امام شافعیؒ کا ایک واقعہ	۲۶۵	<b>باب السواک</b>
۲۸۶	جستہ کرانے کی عمر	"	سواک کے مباحثِ ستہ کا تفصیلی بیان
۲۸۷	<b>الفصل الثانی</b>	"	البعث الاول : سواک کا لغوی معنی اور
۲۸۸	قولہ <b>سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ</b>	"	ماخذ اشتقاق -
۲۸۹	قولہ <b>الْحَبَاءِ حَبَاءِ</b> کی تقسیم	۲۶۶	تحقیق لفظِ سواک
۲۹۲	<b>الفصل الثالث</b>		
۲۹۳	تقسیم کے وقت ضابطہ "الایمن فالایمن"		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۹۳	مسحِ راس کی مباحث ثلاثہ	۲۹۳	یا "الاکبر فاذکبر"
"	بحثِ اول : مقدارِ مفروض	۲۹۴	قولہ سَبَّيْنِ ضَعْفًا کی تشریح
۲۹۴	بحثِ ثانی : تثلیثِ مسح	۲۹۸	سواک کو موضعِ القدم پر رکھنے کی حکمتیں
۲۹۵	بحثِ ثالث : کیفیتِ مسح	۳۰۰	<b>باب سنن الوضوء</b>
۲۹۶	وکیل اور زوج کا فرق	"	لفظِ سُنَنِ کی تحقیق
"	الاعْتَابُ میں الف لام کی تحقیق	"	<b>الفصل الاول</b>
۲۹۸	حدیث "وَبَيْلٌ لِّلْعُقَابِ مِنَ النَّارِ"	۳۰۱	المسئۃ الاولیٰ : غسل الیدین والاھکم
"	کا پس منظر	"	عام سے یا خاص -
۲۹۹	حدیث الباب کا مقصد	"	المسئۃ الثانیہ : غسل الیدین کے
"	الاختلاف بین اھل السنۃ	۳۰۳	حکم کی شرعی حیثیت -
"	والروافض فی غسل التَّحْلِیْنِ	۳۰۴	المسئۃ الثالثہ : استیقاظ من النوم
"	ومسحھما	"	کے بعد حکمتِ غسل -
۲۳۱	دلائل اہل تشیع شیع	۳۰۵	قولہ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى
۲۳۲	دلائل جمہور اہل السنۃ والجماعۃ	"	خیشومۃ کی تشریح -
۲۳۳	بحر جوار کے نظائر	۳۰۸	مضمضہ اور استنشاق کی شرعی حیثیت
۲۳۶	مسح علی العار کے شرعی حیثیت	۳۱۰	امام احمد بن حنبل کی دلیل کا جواب
۲۳۸	قائلین جواز مسح علی العلامہ کے دلائل کے جوابات	۳۱۱	طہارت میں مضمضہ اور استنشاق کی حقیقت
۲۳۹	<b>الفصل الثانی</b>	۳۱۲	کیفیتِ مضمضہ و استنشاق کی بحث
۲۴۱	وضو کی ابتداء میں بِسْمِ اللہ پڑھنے	۳۱۵	غسل الیدین میں مرفیقین داخل ہیں یا نہ
"	کی شرعی حیثیت	۳۱۶	قولہ فَأَقْبِلْ بِهَمَّا وَأَدْبِرْ کی
۲۴۲	اہل تلامذہ کی دلیل کے جوابات		تشریح -

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۷۵	<b>الفصل الثالث</b>	۳۴۵	تحلیل اصابع یدین ورجلین کی شرعی حیثیت
۳۷۹	قولہ الفسیل کی وضاحت	۳۴۸	المسئلة الأولى: تحلیل لمحیہ کی شرعی حیثیت -
۳۸۱	اسرار فی الوضوء کی تقسیم	۳۵۱	خلال لمحیہ کا طریقہ
۳۸۳	<b>باب الغسل</b>	"	المسئلة الثانية: وطبہ لمحیہ غسل ہے
"	امراؤں: سابق سے ربط	"	باسح؟
"	امردوں: غسل کی حقیقت	۳۵۲	آب زمزم اور وضوء کے پچے ہوئے پانی کا حکم
۳۸۳	امریکیم: اقسام غسل	۳۵۵	وضوء میں اذنین کا مسح ہے یا غسل
۳۸۵	اسرچہارم: لفظ غسل کی تحقیق	۳۵۸	مسح رأس کے لیے تجدید ماء کی بحث
"	<b>الفصل الاول</b>	۳۶۰	مسح اذنین میں ماء جدید لینا ضروری ہے یا نہیں؟
۳۸۶	شعبۃ الاسابع کی تشریح -	"	"الاذنان من الرأس" والے
"	جماع بغیر انزال کا حکم	۳۶۲	جملہ پر چند اعتراضات اور ان کے جوابات -
۳۸۸	جمہور کی طرف سے "الماء من المساء" کے جوابات -	۳۶۵	اعضایہ وضوء کو ایک بار دہرنا فرض ہے
"	نسح اول: فی زمان النبی صلی علیہ وسلم	۳۶۶	قولہ فَمَنْ زَادَ عَلَى هَذَا اِی بحث
۳۸۹	نسح دوم: فی زمان الصحابة رضی اللہ عنہم	۳۶۷	ردایت سنن ابی داؤد شریف پر اعتراض
۳۹۲	قولہ ان الله لا یستحی من الحق کی تشریح -	۳۶۸	قولہ: المقصد الا بیض کی تشریح
"	نسبت حیار الی الخالق کی حقیقت	۳۶۹	اعتداء فی الدعاء کی تشریح
۳۹۳	کیا عورت کو احتلام ہونا ہے؟	۳۷۱	تعیین وکھان للوضوء
۳۹۵	کیا نبی کریم کی ازواج مطہرات کو احتلام ہونا	۳۷۲	وضوء کے بعد اعضا کو پونچھنا



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲۵	<b>الفصل الثالث</b>	۲۹۶	منکرین احتلام کے مسئلہات کے جوابات
۲۲۸	ثوبِ نجس کی تطہیر میں مذاہب ائمہ	۲۹۹	غسلِ جنابت میں غسلِ جلیں کو مؤخر کرنے کی شرعی حیثیت۔
۲۳۰	<b>باب مخالطة الجنب وما یباح له</b>	۳۰۰	غسلِ جنابت سے قبل کے وضو میں مسحِ راس ہے یا نہیں؟
"	<b>الفصل الاول</b>	۳۰۲	قوله خُذْنِي فِرْصَةً کی تشریح
۲۳۱	نجاست کی تقسیم	۳۰۵	غسلِ جنابت میں عورت کے لیے نقضِ ضغائر واجب ہے۔
۲۳۲	المؤمن لا یتجسس کی تشریح	۳۰۷	فتویٰ برائے گیسوئے رجال
۲۳۳	منطوق حدیث پر سوال اور اس کا حل	۳۰۸	مد اور صاع کے وزن کی تحقیق
۲۳۵	وضوء الجنب قبل النوم	۳۱۱	امام ابو یوسفؒ کے واقعہ سے استدلال کے جوابات
۲۳۷	المسئلة الأولى: مالت جنابت کے احکام	۳۱۲	قوله دَخَّ دَخَّ بِي کی تشریح
۲۳۸	المسئلة الثانية: مجنب کے لیے قبل نوم کونسا وضو ہے؟	۳۱۳	<b>الفصل الثانی</b>
۲۳۰	بین الجماعتین غسل کی شرعی حیثیت	۳۱۴	سوال اول یا صورت اول کی وضاحت
۲۳۱	طواف علی النساء پر اشکال اور اس کا حل	۳۱۶	قوله اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرَّجَالِ کی وضاحت۔
۲۳۲	البحث الثانی: مسئلہ تعدد ازواج البی	۳۱۸	قوله تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ کی تشریح۔
۲۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ مردانگی کی مثال۔	۳۲۰	قوله ثُمَّ عَادَيْتُ رَأْسِي کی تحقیق
۲۳۵	قوله دیدا کما لله عزوجل علی کلِّ لحیانہ کی تشریح	۳۲۱	مار مخلوط بشی طاهر سے وضو اور غسل میں اختلافات

## الفصل الثانی

۴۴۶

المسئلة الأولى: بغیر وضو مس قرآن

۴۴۹

جائز ہے یا نہیں؟

"

المسئلة الثانية: عائضہ اور مجنب

۴۵۰

کے لیے تلاوت قرآن کا حکم

"

مجنب اور عائضہ کا مسجد شریف میں

۴۵۲

داخلہ ممنوع ہے۔

قوله "لا تدخل الملائكة

۴۵۸

بيتا في صُورَةٍ" کی تشریح

کیا کلب کی تمامی اقسام دخول ملائکہ

۴۵۹

سے مانع ہیں۔

محاکمہ بین القولین

۴۶۱

جر و کلب والی روایت کا جواب

"

قوله "لَمَّا كُنْ عَلَى طَهْرٍ" کی تشریح

۴۶۶

ترک سلام کے مواقع

۴۶۷

ضابطہ اولیٰ، ثانیہ

۴۶۸

## الفصل الثالث

۴۷۰

مرد کے لیے فضالہ (بچا ہوا پانی)

۴۷۲

عورت سے حصول طہارت کا مسئلہ

"

## باب احکام المیاء

لفظ میاء کی تحقیق

## الفصل الاول

۴۷۹

کیا مار دائم میں بول و براز دونوں

منع ہیں۔

۴۸۰

قوله "ثُمَّ يَفْشِلُ" میں تین ترکیبیں

۴۸۲

حدیث مذکور میں "ثُمَّ" کس مقصد

"

کے لیے لایا گیا ہے۔

۴۸۵

ختم نبوت کے بارے میں قدر تشریح

۴۸۷

مار مستعل کی نجاست و طہارت میں

"

اختلاف

"

مار مستعل کے پاک ہونے کے دلائل

۴۸۸

مار مستعل کے ناپاک ہونے کے دلائل

"

## الفصل الثانی

۴۹۰

دَوَاب (جانوروں) کی دو قسمیں

۴۹۱

طہارت مار و نجاست مار میں ائمہ کرام

۴۹۲

کے مذاہب۔

۴۹۳

امراؤل پر دلائل

۴۹۴

امردوم پر دلائل

۴۹۵

ضروری اور اہم قاعدہ۔

۴۹۶

عَشْرَةٌ فِي عَشْرٍ یعنی ۱۰x۱۰

۴۹۷

کی حقیقت۔

۴۹۸

صاحب شرح فتاویٰ پر تعقیب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲۰	کیا سبک طافی حلال ہے ؟	۴۹۸	صاحب بحر کا شایع وقایہ کے استدلال پر اعتراضات
"	سبک طافی کی تعریف		
۵۲۲	امراء اول : نبیذ کی تعریف	۴۹۹	حدیث بیہ بضاعت کے جوابات
"	امراء دوم : نبیذ کے اقسام	۵۰۲	کیفیت اضطراب فی السند
"	امراء سوم : کیا نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے ؟	"	حدیث اقلتین کے جوابات
"	اہم اور ضروری فائدہ	۵۰۴	سکوت امام ابو داؤد کی حیثیت
۵۲۵	امراء چہارم : سلسلۃ السوالات علی روایت نبیذ التمر :	۵۰۵	اضطراب فی السند
"	ملاحظہ	۵۰۶	اضطراب فی المتن
۵۲۹	قوله من الطوافین	"	اضطراب فی المعنی
۵۳۰	والطوافات	۵۰۷	اضطراب فی المصداق
"	سورہ ہرہ میں ائمہ کا اختلاف بیان مذاہب	"	بعض شوافع حضرات کا قلعہ کو مع اللیل مسعین کرنا۔
۵۳۱	روایت کبشہ کے جوابات	۵۰۹	قوله الحیض والسنن کی تشریح۔
۵۳۲	سورہ حار کا حکم	"	قوله سئل رجل عن کون مرآة
۵۳۶	کیفیت شک	۵۱۰	قوله اثنان ترک البحر کی تشریح
۵۳۷	سورہ انحرار کے مشکوک ہونے کے اسباب۔	"	قوله ونحمل معنا القلیل
"	محاکمہ	۵۱۱	هو الطهور ماء کا کی تشریح
۵۳۸	سورہ سباع میں فقہاء کرام کا اختلاف	۵۱۲	هو الطهور ماء کی تشریح
۵۳۹		۵۱۳	امراء دوم جواب الطناب کی وجہ والحل مبیستہ کی وضاحت
۵۴۳		۵۱۴	امراء سوم : زیادۃ جواب کا فائدہ
۵۴۵		"	دریائی جانوروں کی حلت و حرمت کا سند
	<b>الفصل الثالث</b>		
	ماہر شمس سے غسل کرنے کا حکم		

## باب تطہیر النجاسات

قولہ النجاسات کی تشریح

## الفصل الاول

البحث الاول : کیا سورۃ الکلب

یاک ہے ؟

حضرت شیخ المہند کا واقعہ

حکیت کلب پر مالکیہ کے دلائل

مالکیہ حضرات کے دلائل کے جوابات

البحث الثانی : طریقہ تطہیر اور

مذاہب ائمہ۔

کراچی کی روایت پر اعتراض اور

اس کا جواب۔

حدیث تسبیح کے جوابات

تسبیح و تتریب (مٹی سے مانجھنا)

کی حکمتیں۔

اعرابی کی تعیین میں اقوال

فائدہ عجیبہ

اعرابی اور اس کی دعا

قولہ اَلْمَا بِلْعَثَمِ مُبِیْسَ بْنِ

کی تشریح۔

نجس زمین کی تطہیر

۵۴۵

۵۴۶

۵۴۶

۵۴۷

۵۴۸

۵۴۹

۵۵۱

۵۵۲

۵۵۳

۵۵۴

۵۵۵

۵۵۶

۵۵۸

۵۶۰

۵۶۱

۵۶۲

۵۶۳

۵۶۴

۵۶۵

۵۶۶ حنفیہ پر اعتراض اور اس کا حل

۵۶۹ دم حیض اور قذر منقوعہ میں اختلاف

۵۷۰ محاکمہ بین القولین

۵۷۲ منی کی نجاست اور طہارت میں اختلاف

۵۷۳ منی کے اقسام

۵۷۴ انسان کی منی کے بارے میں اختلاف

۵۷۵ قائلین نجاست کے دلائل

۵۷۵ قائلین طہارت منی کے دلائل کے

۵۸۰ جوابات۔

۵۸۰ شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم

۵۸۱ المسئلۃ الاولیٰ : بول صبی کا حکم

۵۸۱ المسئلۃ الثانیۃ : بول غلام اور

۵۸۲ بول جاریہ سے طریقہ تطہیر

۵۸۳ نضجہ بمعنی غسل پر دلائل۔

۵۸۵ بول صبی و صبیہ میں فرق

۵۸۶ مردار کے چمڑہ کا حکم

۵۸۶ صورتہ اولیٰ : دباغت سے اباب

۵۸۸ غیر میتہ۔

۵۸۸ صورت ثانیہ : دباغت اباب میتہ

۵۹۰ حضرت عبداللہ بن عکیم کی روایت

۵۹۰ کے جوابات۔

۵۹۰ روایت عبداللہ بن عکیم کا

۵۹۰ سندی ضعف۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۱۷	باب المسح علی الخفين	۵۹۱	روایت عبد اللہ بن عکیم کا
"	فائدہ اولی : تحقیق لفظ مسح و خفین	"	منتہی اضطراب
۶۱۷	فائدہ ثانیہ : مسح علی الخفین پر	۵۹۳	الفصل الثانی
"	صحابہ کرامؓ کا اجماع	۵۹۴	لفظ لا ذی کی تعیین میں فقہاء کرامؒ
۶۱۸	امام مالکؒ کے مسلک کی تحقیق	"	کے اقوال -
"	اختلاف حضرت ابن عمرؓ کی تحقیق	۵۹۵	جوتے کے ساتھ نجاست لگنے کا مسئلہ
۶۲۰	فائدہ ثالثہ : مسح علی الخفین افضل ہے	۵۹۷	قوله " امشی فی المکان المقدس "
"	یا عکس رحلین	"	کی تشریح -
۶۲۲	الفصل الاول	"	اسبال ازار کا مسئلہ
۶۲۳	توقیت فی المسح کی بحث	"	دامن کے ساتھ گندگی لگنے کا مسئلہ
۶۲۶	عدم توقیت کی روایات اور	۶۰۳	قوله اَلْفَرْطُ کی وضاحت
"	ان کے جوابات	۶۰۴	الفصل الثالث
۶۳۲	المسئلة الثانية : لبس خفین کے	۶۰۶	قوله كانت الکلاب تقبل
"	وقت طہارت کا ملہ شرط ہے یا نہیں	"	و تدبر کی وضاحت -
۶۳۳	لبس خفین کے وقت طہارت کا ملہ کے	۶۰۷	المسئلة الاولى : ما کول اللحم جانوروں
"	شرط نہ ہونے پر عقلی دلیل -	"	کے پیشاب کا حکم -
۶۳۷	اہم و عجیب فائدہ	۶۱۲	حدیث عربیتین کے جوابات
۶۳۹	الفصل الثانی	۶۱۴	المسئلة الثانية : تدوی بالحرام
۶۴۱	لفظ لکن کی بحث	۶۱۵	حرام میں شفاء نہ ہونے کا مفہوم
۶۴۲	ایک نحوی اشکال اور اس کا حل	۶۱۶	حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۵۸	قیودات کی تشریح	۶۴۲	عبارت حدیث حجت ہے یا
"	البحث الثانی : تیمم کی مشروعیت	"	نحوی قاعدہ ؟
۶۵۹	البحث الثالث : تیمم کس غرضہ	۶۴۵	کیا اسفل خفین پر مسح مشروع ہے
"	میں پیش آیا ؟	۶۴۸	حدیث معلول کی بحث
۶۶۰	<b>الفصل الاول</b>	"	مؤزوں پر مسح کرنے کا طریقہ
۶۶۲	تیمم کس چیز سے جائز اور کس سے	۶۴۹	روایت مذکورہ سے چند امور
"	ناجائز ہے ؟	"	مستفادہ :
۶۶۵	کیا ٹمٹی پر غبار بھی شرط ہے ؟	۶۵۰	البحث الاول : مسح علی الجوزین
۶۶۹	المسئلة الأولى : تیمم سے مراد	"	کی شرعی حیثیت
"	طہارت ضروریہ ہے یا طہارت	۶۵۱	جوزابوں کے اقسام
"	مطلقہ :	"	بیان مذاہب
۶۷۱	المسئلة الثانية : محدث بحدیث	۶۵۲	مسح علی الجوزین مطلقاً جواز کے
"	اکبر کے لیے جواز تیمم میں اختلاف	"	قائلین کی دلیل کے جوابات
"	کیفیت مسح میں اختلاف	۶۵۳	البحث الثاني : مسح علی النعلین
۶۷۲	المسئلة الثالثة : تعدد ضربات	"	<b>الفصل الثالث</b>
"	میں اختلاف	"	حضرت علیؑ سے کلام کا مطلب
۶۸۰	قیاس علی السرقہ کے جوابات	۶۵۶	
۶۸۲	<b>الفصل الثاني</b>	۶۵۷	<b>باب التیمم</b>
۶۸۶	کیا اجماع البدر والبدر اعضاء	"	تیمم کے متعلق مباحث ثلاثہ
"	واحد میں جائز ہے ؟	"	البحث الاول : معنی التیمم لغةً وشرعاً
۶۸۹	تیمم کو وقت کے اندر پانی مل جائے تو کیا کرے	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۰۵	حیض کی اقل مدت و اکثر مدت	۶۹۱	<b>الفصل الثالث</b>
۷۰۶	بیان مذاہب -		
۷۰۸	<b>الفصل الاول</b>	۶۹۲	باب غسل المسنون
۷۱۱	استمناع بالحيض کا حکم		
۷۱۶	قوله يَتَكَيُّ كَيْ تَشْرَح	۶۹۳	<b>الفصل الاول</b>
۷۱۷	مِنَ الْمَسْجِدِ كَاتِلَقُ كَسْ كے		
"	ساتھ ہے؟	۶۹۴	غسل يوم الجمعة واجب
۷۱۸	قوله ان حيضتك ليست في	"	ہے یا مستحب؟
"	يدك کی تشریح -	۶۹۸	<b>الفصل الثاني</b>
۷۲۰	<b>الفصل الثاني</b>	۶۹۹	قوله مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلَيْسَ بِشَيْءٍ
۷۲۰	کاہن کی تعریف	۷۰۰	تقدیم غسل کا فر کی بحث
۷۲۱	اِتِّيانُ فِي دُبُرِ الْمَرْأَةِ كَيْ تَحْقِيق	۷۰۱	روایت قیس کے جوابات
۷۲۳	مقدار صدقہ میں کتنی پیش کیوں ہے؟	۷۰۲	<b>الفصل الثالث</b>
۷۲۶	کیا حالت حیض میں جماع کرنے		
"	کے کفارہ واجب ہے -	۷۰۳	<b>باب الحيض</b>
"	قائدہ : اِتِّيانُ حالۃ پر صدقہ	۷۰۳	حیض کا لغوی و شرعی معنی
"	کیوں ہے؟	۷۰۴	وقت حیض کا آغاز
	<b>الفصل الثالث</b>	"	ممنوعات حیض
		۷۰۵	حیض کی ابتداء

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۲۷	<b>الفصل الثانی</b>	۴۲۹	<b>باب المستحاضۃ</b>
۴۲۸	تمیز بالاثوان کی بحث	"	امراؤں و استحاضہ کا لغوی معنی
۴۲۳	مستحاضہ کے لیے وجوب وضوء	۴۳۰	استحاضہ کا اصطلاحی معنی -
"	کا مسئلہ -	"	امردوئم : استحاضہ اور حیض کے
۴۲۷	قولہ رکضۃ کی تحقیق	"	کے درمیان فرق -
۴۲۸	قولہ فی علم اللہ کی وضاحت	۴۳۱	امردوئم : مستحاضہ کے ساتھ
۴۵۰	ہذا اعجب الامرین ائی	"	جماع کا حکم
"	کی تشریح -	۴۳۲	امردوئم : زمانہ نبوت کی
"	"	"	مستحاضہ عورتیں -
۴۵۲	<b>الفصل الثالث</b>	۴۳۵	منتخبہ کے اقسام
۴۵۲	کَمَتِ بِالْخَيْرِ	۴۳۳	<b>الفصل الاول</b>
-----	-----	۴۳۳	المسئلۃ الاولی : مستحاضہ کی قسمیں
-----	-----	۴۳۶	المسئلۃ الثانیہ : کیا مستحاضہ کیلئے
-----	-----	"	صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے



## کتاب الطہارت

مقام ہذا پر دو فوائد اور عین مباحث کا جانا ضروری ہے۔  
 کتاب الطہارت مرکب اضافی (نافع) مستند و محدث  
 فائدہ اولیٰ کی خبر ہے (ای ہذا کتاب الطہارات) یا مختار  
 محدث و اخیر ہے (ای کتاب الطہارات ہذا) یا منصوب ہے (ای  
 حال اوخذ او اقداء کتاب الطہارات۔

سوال : طہارت کو مفرد کیوں ذکر کیا (یعنی طہارت) جمع کیوں نہیں ذکر کیا  
 (یعنی طہارت) حالانکہ طہارت کی بہت ساری قسمیں ہیں۔  
 جواب اول : طہارت مصدر ہے اور مصدر میں اصل افراد ہی ہے  
 اور اسم جنس ہے جو قلیل اور کثیر کو شامل ہے۔ اس لیے مصنف نے مفرد  
 ذکر کیا کیونکہ اس میں ہر قسم کی طہارت، وضو، غسل، دھو، دھو، دھو  
 سب کو شامل ہے۔

جواب دوم : جن مصادر کے آخر میں تاء تائید جہاں کو جمع وغیر جمع  
 لانا جائز ہے کما یجوز مسجد التین والتلاوات ولہذا  
 یجوز طہارت و طہارات۔

محققین کی عام عادت ہے کہ اپنی کتاب کو  
 بعنوان کتاب و باب و فصل شروع کرتے ہیں  
 فائدہ ثانیہ اور اس میں فرق یہ کرتے ہیں کہ اگر مختلف الاجناس متحد انواع مسائل بیان  
 کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کتاب کا عنوان ذکر کرتے ہیں۔ اور جہاں مختلف

الانواع و متحد الاشخاص مسائل کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں لفظ باب کا عنوان ذکر فرماتے ہیں۔ اور جہاں متحد الاشخاص مسائل بیان کرنا مقصود ہوتا ہے تو وہاں لفظ فصل سے عنوان رکھتے ہیں۔

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ

### کتاب الطہارت کا ماقبل سے ربط

محدثین حضرات نے مختلف ربط بیان فرماتے ہیں۔ صرف در ربط بیان کر رہا ہوں۔  
**ربط اول** کتاب الایمان اور اس کے لواحق کے بعد کتاب الطہارت کو شروع کیا کیونکہ قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد صلوٰۃ کا درجہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کے بعد نماز ہی کا حکم دیا گیا۔ اور آپ بھی ایمان کے بعد نماز ہی کا حکم دیتے تھے اس لیے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں تمام عبادات کا مقصود علی وجہ الاتم پایا جاتا ہے کیونکہ تمام عبادات کا اصل مقصود الظہار عبدیت ہے۔ اور نماز کا ہر ہر جز اس پر علی وجہ الاتم دال ہے اور نماز کا موقوف علیہ طہارت ہے۔ بناء بریں طہارت کی بحث پہلے شروع کی۔

**ربط دوم** علم کا ثمرہ و نتیجہ عبادت ہے اس لیے کتاب العلم کے بعد عبادات لائے۔ پھر عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز ہے کیونکہ وہ عبادتین اور اولیٰ مسئلہ ہے۔ نیز کثیر الوقوع ہے۔ اس لیے نماز کو مقدم کیا۔ پھر نماز موقوف ہے شرائط پر اور موقوف علیہ موقوف سے مقدم ہوتا ہے اس لیے شرائط نماز کو مقدم کیا۔ پھر شرائط نماز میں سے طہارت کو مقدم کیا اس لیے کہ طہارت کے مسائل بہت ہیں۔ نیز حدیث میں طہارت کو مفتاح الصلوٰۃ کہا گیا ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي

### معنی کتاب و طہارت

کتاب لفظ مصدر بمعنی جمع و ضم ہے۔ یقال کتبتُ (الشیء) ای جمعتہ اسی سے لفظ کتیبہ مجتمع لشکر کے لیے بولتے ہیں۔ کتابت بھی مصدر ہے کیونکہ اس میں بعض صروف کو بعض کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے پس کتاب الطہارت بمعنی جمع مسائل الطہارت ہے۔ یا کتاب بر وزن فعال بمعنی مفعول ہے۔ جیسے لباس بمعنی لمبوس بہرہ و تقدیر بمعنی مجموع ہے اور شرعاً بمعنی شمل و احاطہ ہے جن کو بعض حضرات نے مترادف مانا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ احاطہ عام ہے اور شمل خاص کیونکہ شمل کے معنی ہیں کہ متفرق اشیاء کو جمع کیا جائے۔ یقال جمع اللہ شملہ ای ما تفرق من امرٍ اور احاطہ اس کو کہتے ہیں جو شئی کو جمع کرنے کے بعد محیط ہو۔ شمل کی مثال کلمہ جمع ہے جس کے متعلق سخاۃ نے کہا ہے کہ یہ موجب اجتماع ہوتا ہے جیسے کوئی امیریوں کے جمع من دخل هذا الحصن قلعة عشر قین الابلہ تلعہ میں دس آدمی داخل ہوں تو دسوں کے لیے صرف دس اونٹ ہوں گے اور ہر ایک کو ایک ایک لے گا اور احاطہ کی مثال لفظ کل ہے مثلاً امیر نے کہا نہ کل من دخل هذا الحصن قلعة عشر قین الابلہ اور دس آدمی داخل ہوئے تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے۔ معلوم ہوا کہ کلمہ جمع شمول کے لیے ہوتا ہے نہ کہ احاطہ کے لیے اور کل اس کے برعکس اصطلاح میں کتاب مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جن کو مستقل مان لیا گیا ہو۔ خواہ وہ فی نفسہ مستقل ہو جیسے کتاب اللفظ یا بعد کا تاریخ ہو جیسے کتاب الطہارت !

### بحث معنی طہارت

طہارت طہر کا مصدر ہے جس کے برعکس دس ہے یہ باب فہرہ اور محوم ہے

طہارت کے دو معنی ہیں لغوی و اصطلاحی۔ طہارت کا لغوی معنی اَلتَّطَاهُتُ وَالتَّزَاوُتُ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ حِسِّيٍّ اَوْ مَعْنَوِيٍّ۔ بعض حضرات نے تھوڑے سے فرق کے ساتھ یوں بھی لغوی معنی بیان کیا ہے اَلتَّطَاهُتُ وَالتَّزَاوُتُ عَنِ الْاَقْدَاسِ وَالْاَقْدَاسِ یعنی گندگی اور میل پچیل سے پاک و صاف ہونا۔

نظافة البدن والثوب والمكان من الحدث والغث والاضلالات الاعضاء

### طہارت کا شرعی معنی

بعض حضرات کے نزدیک شرعاً طہارت کہتے ہیں اِزَالَةُ الْحَدَثِ يَاجِبُثِ كَيْلَ قَاعِدِهِ شَرْعِيَّةِ كَيْلَ الْمُطَهَّرِينَ رَايَ الْعَاءِ وَالتَّرَابِ كَوَاسْتِقَالِ كَرَنَاءِ۔ تو اس تعریف سے طہارت کی دو قسمیں ہوتیں مَّا اِزَالَةُ الْحَدَثِ مَّا اِزَالَةُ غَثِّ۔ پھر اول کی دو قسمیں ہیں (۱) عَنْ الْحَدَثِ الْاَصْفَرِ جِسْمٍ كَوَضُوْءٍ كَيْلَ يَاجِبُثِ (۲) عَنْ الْحَدَثِ الْاَكْبَرِ جِسْمٍ كَوَضُوْءٍ كَيْلَ يَاجِبُثِ۔ یہاں پر مطلق اور جنس طہارت مراد ہے اس لیے کہ مصنفؒ کا مقصود دونوں کو ذکر کرنا ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ

### تقسیم طہارت

قَالَ حُجَّةُ اللَّهِ عَلَى الْعَالَمِينَ الشَّهِيدُ بَوَلَّى اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرَّحِيمِ قَدْ سَلَّمَ اللَّهُ اسْمَاءَهُ وَافْتَى اِبْرَاهِيمَ (مِنْ) طہارت میں قسم ہے :-

اَوَّلُ : طَهَارَاتُ الْجَسَدِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْبَدَنِ وَالثَّوْبِ وَالدَّارِ  
 دَوِّمُ : طَهَارَاتُ مِّنَ الْاَوْسَاقِ الثَّابِتَةِ مِّنَ الْبَدَنِ كَشَعْرِ الْمَانَةِ  
 دَوِّمُ (نَبَاتَاتٍ) وَالْاَضْغَامِ بِهٖ دَوْنُ قِسْمِ طَهَارَتِ الْاِنْسَانِ طَبِيعَتِ كَيْلَ مَقْتَضَى  
 مِمَّا سَعَى كَوْنِ قَوْمٍ دَلَّتْ اِسْ سَعَى خَالِیْہِ۔

سوم۔ کلہا سہ؟ مِّنَ الْحَدِيثِ : یہ اصول دین سے ہے۔ صوفیاء کے نزدیک بھارت کی چند قسمیں ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اس کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ تَطْهِيرُ عَنِ الْحَدِيثِ وَالْحَبْثِ

۲۔ تَطْهِيرُ الْجَوَارِحِ عَنِ الْحَدِّ

۳۔ تَطْهِيرُ الْقَلْبِ عَنِ التَّذَاتِلِ

۴۔ تَطْهِيرُ السِّرِّ عَمَّا سِوَى اللَّهِ تَعَالَى : یعنی اندرونِ قلب کو غیر اللہ کے تعلق سے پاک کرنا۔

۵۔ پاک کن قلب مرا تو از خیال غیر خویش

وقال أبو الطیب

عَدَلَ الْقَوَازِلَ حَوْلَ قَلْبِي النَّابِ وَهُوَ الْأَحْبَبُ مِنْهُ فِي سَوَادِهِ

## الفصل الاول

## یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو مالک اشعریؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پاکی نصف ایمان ہے اور الحمد للہ ترازو کو بھرے گی اور سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں اور نماز روشنی ہے، خیرات دلیل ہے۔ اور صبر جگ ہے۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَمْلَأُ أَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالصَّلَاةُ نُورٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ

(رواہ الدارمی)

قَوْلُهُ الظُّهُورُ، اس میں دو لغتیں ہیں۔ اَوَّلُ بَضْمِ الظَّارِ (ظہور) تو اس کا معنی ہے ”مَا يَتَطَهَّرُ بِهِ“ جس کے ساتھ پاکی حاصل کی جائے یعنی پانی، مٹی وغیرہ دَوِّمُ بَفَتْحِ الظَّارِ (ظہور) تو اس کا معنی ہے پاک ہونا۔ مگر زیادہ تر مشہور لغت اول سے۔  
قَوْلُهُ شَطْرٌ، شطر کے دو معنی آتے ہیں۔ کسی چیز کا جزرہ شطر بمعنی کسی کا نصف، کَمَا أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ فِي ابْوَابِ الدَّعَوَاتِ الظُّهُورُ يَصِفُ الْإِيمَانَ اگر شطر کا معنی اول مراد لیا جائے تو مطلب بالکل بے غبار ہے کہ لہارت ایمان کا حصہ و جزو ہے اگر شطر کا معنی ثانی مراد لیا جائے جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت ہے تو اس پر سوال وارد ہوتا ہے۔

سوال۔ جس نماز کے لیے وضو شرط ہے اس نماز کا ثواب بھی تو ایمان کے ثواب کا نصف نہیں ہو سکتا۔ بَلْ جَمِيعُ الْأَعْمَالِ لَا يَصْلِحُ أَنْ يَكُونَ نِصْفًا وَلَا إِيْمَانٌ تَوْضُوهُ كَيْسَ طَرَحَ نِصْفَ إِيْمَانٍ هُوَ كَمَا ؟

جواب : شریعت مقدسہ میں اجر و ثواب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک اجرِ اصل یعنی انسان نفسِ عمل کے ذریعے سے تو اعد وضو ابط خداوندی کے موافق علم باری میں اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ وہ اجرِ اصلی ہے۔ دوسرا اجرِ عارضی و فضلی : جو حق تعالیٰ بندہ کو بروز قیامت اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمائیں گے (ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ رَبُّ الْبَقْعَةِ)

اب ہر عمل (وضو، نماز، زکوٰۃ، صوم و ایمان وغیرہ) کے لیے ایک متعین اجرِ اصلی ہے اور ایک حق تعالیٰ کی طرف سے عارضی ہے۔ اب وضو کا اجر عارضی ایمان کے اجرِ اصلی کا نصف ہے نہ یہ کہ وضو کا اصلی ثواب ایمان کے اصلی ثواب کا نصف ہے یا وضو کا عارضی ثواب ایمان کے عارضی کا نصف ہرگز مراد نہیں لان الاصل لا یساوی الفروع ابداً۔

خلاصہ یہ کہ لہارت کا اصلی و عارضی (جسے فضلی بھی کہہ سکتے ہیں) ثواب مل کر ایمان کے اصلی ثواب کا نصف ہوگا و لہذا قال ”الظُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ“

جواب دَوِّم : ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کبائر و صفاتِ دونوں کو ماحط کر دیتا ہے۔ ”الاسلام یکلہم ما کان قبلہ“ اور وضو سے صرف صفاتِ معاف ہوتے ہیں

اس لیے فرمایا ” اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ “

**جواب سوّم :** یہاں ایمان سے مراد ایمان بمعنی اِقْرَأْنَا بِاَللّٰسَانِ ، مَعَدِّ بِاَللِّسَانِ وَ اَسَدُّ يَنْقُ بِالْقَلْبِ “ نہیں بلکہ ایمان بمعنی صلوٰۃ ہے ۔ کما فی قولہ تعالیٰ ” وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّعَايْمَا تَكْبُرُ (پک) اِی صِلُوْكُمْ (کما فی الجلالین) اور شطر بمعنی نصف نہیں بلکہ شطر بمعنی شرط ہے ۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ طہارت صلوٰۃ کی شرط ہے یہ عین منشاء شریعت ہے کما فی قولہ علیہ السلام ” لَا یَعْبُدُ اللّٰهُ مَسْلُوْةٌ یَّخْبِرُ طَهُوْرُ “

قولہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلِکُ الْاِیْمَانَ - اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْاِجْلُ حَبِ اِنْسَانِ اور کرتا ہے تو میزان بھر جاتا ہے ۔ اس کے مشابہ رب ذوالجلال کا یہ قول بھی ہے ” وَالنَّوْزُ یَوْمَ مَعْدِنَ الْحَقِّ (پک)

**سوال -** اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ایک کلمہ ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے پھر اس کو کیسے تو لا جائے گا ، اور ترازو کو کیسے پُر کرے گا ۔ بالفاظ دیگر یعنی بندہ جو عمل کرتا ہے وہ ساتھ ساتھ معدوم و فانی ہر جاتے ہیں کیونکہ وہ اعراض مستحیلة البقاء ہیں ان کو میزان میں رکھ کر کس طرح وزن کیا جائے گا ۔

**جواب اوّل :** وزن کرنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ان اعمال کے ثواب کو مجسم فرض کیا جائے تو تَمْلِکُ الْاِیْمَانَ کا حکم ہے ویسے نہیں ۔

**جواب دوّم :** اعمال و اقوال اگرچہ اس عالم کے اعتبار سے اعراض ہیں لیکن وہ سب آخرت کے اعتبار سے اجسام و جواہر ہیں کما وَ تَرَکَ فِی الْاَحَدِیْثِ ” جَاءَ جَلِیْبُ عَلِیْہِ السَّلَامُ بِاَنُوْیْمَانَ وَالْحِکْمَةِ فِی الطَّشِیْثِ “ تو یہ اس عالم کے اندر جواہر ہو گئے تھے ۔

**جواب سوّم -** قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اعمال کو جُستہ عطا فرمائے جس کے ذریعہ ترازو پُر ہوگا ” کما فی قولہ تعالیٰ ” فَمَنْ تَطَلَّثَ مَوَازِیْنِہُ فَأُولَٰئِکَ حُمُومُ الْمُتَشِیْخُوْنَ (پک)

**سوال -** یہ کہ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے میزان بھر جائے گا تو دوسرے اعمال کہاں

جائیں گے؟

**جواب** - یہ شبہ نوزانی اور لطیف چیزوں کو مادی اور کثیف چیزوں پر قیاس کرنے کی وجہ سے پیش آیا۔ اس لیے کہ کسی مادی شے کا کسی عرف میں وجود تو دوسرے کے وجود سے نالغ ہوتا ہے۔ نوزانی چیز کا وجود دوسری کے لیے مانع نہیں ہوتا بلکہ دونوں مادی چیزیں ایک وقت میں ایک ہی ظرف میں سما سکتی ہیں۔

**مثال** : جیسے ایک بلب کی روشنی چورے کمرہ میں موجود ہوتی ہے اگر دوسرا بلب بھی اسی کمرہ میں روشن کر دیا جائے تو اس کی روشنی بھی اسی کمرہ میں سما جائے گی۔

قَوْلُهُ وَتُجِبُّكَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ تَعَالَى - اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ ان دو کلموں کا ثواب اگر دنیا میں پھیلا یا جائے تو اتنا ہے کہ اس سے سارا جہان بھر جائے یا مطلب یہ ہے کہ تُجِبُّكَ اللَّهُ میں اللہ تعالیٰ کی بے غیبی کا اقرار ہے اور وَالْحَمْدُ لِلَّهِ میں اسی کے تمام کمالات کا اظہار ہے اور یہ دو چیزیں وہ ہیں جن کے دلائل سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ ہر ذرہ اور ہر قطرہ رب کی تسبیح و تہلیل کر رہا ہے۔

قَوْلُهُ أَوْ تَعْلَمُوا مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ : تَعْلَمُوا کے فاعل وہ ہیں۔ تُجِبُّكَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ لیکن صیغہ کو مفرد لانا من حیث المجرع کل واحد کے اعتبار سے ہے۔ مقصد اس جملہ کا یہ ہے کہ ہر ایت کے درمیان میں رادے کو شک ہو گیا کہ نبی کریم علیہ السلام نے لفظ تَعْلَمُوا مفرد فرمایا یا ثنیہ (تَعْلَمُونَ) پھر تُجِبُّكَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ فرمایا۔ یا تَعْلَمُوا مَا بَيْنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فرمایا۔

قَوْلُهُ وَالصَّلَاةُ تَنْوِرُ : نور ظلمت کے مقابل ہے، ظلمت کے عین مراحل ہیں اور مقام لِئَلَّا يَرْتِيئُوا مراد ہیں۔

**اول** : قبر کی ظلمت نماز کا نور باریں معنی ہے کہ نماز ہی وہ چیز ہے جو قبر کی ظلمت میں روشنی کا باعث بنے گی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ مؤمن کو جب قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور فرشتے حساب و کتاب کے لیے آتے ہیں تو کہتا ہے ”دَعُونِي أُمِرْتُ“ چھوڑو مجھ کو میں نماز پڑھتا ہوں۔

**دوم** : پھر صراط کی ظلمت : یہی نماز پل صراط پر بھی نور بنے گی۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى



نُورُهُمْ لَيْسَ لِي بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَلَا يَلْمِزُهُمْ رَبِّي)۔

سوّم، گناہوں کی معنوی ظلمت : دنیا میں بھی یہی نماز نور ہدایت ہے کہ اس نور کی وجہ سے آدمی گناہوں سے بچتا رہتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ « إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ » (۱)۔

یَقْبُولُ الْبُرْءَانَ سَعَادَ : بعض محدثین دھونیا کر ائم کے ہاں نور سے مراد وہ علامات و داغ ہے جو مصلیٰ کے پچھلنے پر ہوتا ہے جس سے اشراق و انوار و معارف و انشراح قلب و مکاشفات حق کا اظہار ہوتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ « سَيَمَاحُورُ قُبُورِ وَحُجُجٌ هَامِرٌ مِّنْ أَثَرِ التَّجَوُّدِ » (۲)۔

قَوْلُهُ الصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ : صدقہ دلیل ہے اس کی تشریح میں دو قول ہیں۔

قول اول : صدقہ کو خدا کی راہ پر خرچ کرنے کو دلیل اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ مومن کے دعویٰ ایمان کی صداقت اور پروردگار عالم سے محبت پر دلالت کرتا ہے اس لیے وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ اس کا صلہ محدثوں سے ہے عَلَى الْإِيمَانِ صَاحِبُهَا کہ صدقہ دلیل ہے صاحب ایمان ہونے پر۔

قول دوم : کہ قیامت میں جب مال دار سے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ تم نے تمہیں مال و دولت بخشی تھی۔ تم نے اس مال و دولت کو کہاں خرچ کیا تو اس کے جواب میں صدقہ بطور دلیل پیش ہوگا کہ خدا یا تیرا دیا ہوا مال تیرے راستہ پر خرچ کیا گیا ہے اس لیے وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ کہا۔

قَوْلُهُ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ : صبر سے مراد محمود صبر و معروف صبر مراد ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں :-

- ۱۔ الصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ
- ۲۔ الصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِيَّاتِ
- ۳۔ وَالصَّبْرُ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْمَصَائِبِ۔

یہاں تینوں مراد ہو سکتے ہیں۔ عند البعض صبر سے مراد صوم ہے کیونکہ صبر کو صلوٰۃ و صدقہ

جس سے زکوٰۃ مراد ہے ان دونوں کو ساتھ ذکر کیا جیسا کہ « اَسْتَعِيذُونَ بِالْمَشْرِ وَالْمَضِلِّ »  
 میں بھی صبر سے صوم مراد ہے اور انہوں نے مسئلہ نکالا ہے کہ « الْقَصُومُ أَفْعَلُ مِنَ  
 الْمَضْلُوعِ » کیونکہ روزہ میں نہیں عن اشیاء ثلاث (کھانا، پینا، جماع) یہ صفات الہیہ میں  
 سے ہے اور نماز میں تذکرہ ہے جب کہ ربِّ ذوالجلال کی ذات مبارک اس سے پاک ہے۔  
 قَوْلُهُ ضِيَاءٌ : ضِيَاءٌ اقْوَى مِنَ النُّورِ ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ « هُوَ الَّذِي  
 جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا » (پاک یونس)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ترتیب اختیار فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 صبر کا مقام نماز سے افضل ہے کیونکہ فرمایا « اَلْمَضْلُوعُ نُورًا وَالْمَشْرُوعُ ضِيَاءٌ »  
 قَوْلُهُ وَالْقُدْرَانِ حُجَّتُكَ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ - یہ راوی کو شک ہے کہ  
 لَكَ فرمایا ہے یا عَلَيْكَ فرمایا حُجَّتُكَ کا معنی یہ ہے کہ قرآن تمہارے اوپر حجت  
 یعنی پڑھو گے، عمل کرو گے تو تمہارے لیے باعث منتفعت ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ «  
 وَاسْأَلْ مِنَ الْقُتْرَانِ مَا هُوَ شَعَاءٌ وَرَاحَةَ خَصَّةٍ لِلْمُؤْمِنِينَ » (پاک)  
 حُجَّتُكَ لَكَ : یا تمہارے واسطے حجت ہے اگر نہ پڑھو گے اور عمل نہ کرو گے تو یہ تمہارے  
 لیے باعث ضرر ہے « کما فی قولہ تعالیٰ » وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا » (پاک)  
 قَوْلُهُ كُلُّ النَّاسِ يَافِقُ فَبَايَعْتُ نَفْسَهُ فَمُتَّقِهَا اَوْ مَوْبِقِهَا -  
 قَوْلُهُ يَفِقُ : غدا کا اطلاق صبح پر ہوتا ہے بمعنی « صبح کرتا ہے ہر نفس »۔  
 قَوْلُهُ فَبَايَعْتُ : جان کو بیچنے کا معنی یہ ہے کہ جس کام کی طرف آدمی متوجہ ہوتا ہے  
 تو اس میں اپنی ذات کو ڈال دیتا ہے اور کھپا دیتا ہے۔

قَوْلُهُ فَمُتَّقِهَا اَوْ مَوْبِقِهَا : پس آزاد کرتا ہے یا ہلاک کرتا ہے اس کا مطلب  
 یہ ہے کہ جب کوئی شخص سوکرا اٹھتا ہے تو اپنے کام میں لگ جاتا ہے اور دنیا میں مشغول ہو جاتا  
 ہے۔ لہذا اب اس نے اگر اس کام کے بدلہ میں آخرت خرید لی یا اس طور کہ اس کام پر  
 آخرت کو ترجیح دی تو اس نے اپنے نفس کو عذاب سے آزاد کر لیا اور اگر خدا نخواستہ اس  
 نے دنیا اور دنیا کے اس کام کو آخرت کے بدلہ میں خرید لیا یا اس طور کہ اس کام کو آخرت  
 پر ترجیح دی تو اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور اپنے نفس کو عذاب میں ڈال دیا۔

۱۔ بدنیاتوانی کہ عقبی خسری بخیر جان من در نہ حسرت بری

قوله لم اجد هذه الرواية في الصحيحين - اس عبارت کا مقصد صاحب مشکوٰۃ کا صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے۔

اعتراض : یہ ہے کہ آخری روایت نہ صحیحین و بخاری و مسلم میں ہے اور نہ بخاری کی کتاب میں ہے، اور نہ جامع الاصول میں بلکہ یہ روایت داری کی ہے تو پھر اس کو فصل اول میں کیوں ذکر کیا ہے؟

جواب اول : فصل اول میں صحیحین کی احادیث کا التزام اصول حدیث کے اعتبار سے ہے نہ کہ زیادتی کے اعتبار سے بھی تو یہ زیادتی ہے نہ اصل حدیث۔

جواب دوم : داری کی زیادتی صحیح مسلم کی اصل حدیث کے تابع کر کے لائے ہیں نہ کہ بالاصالة فلذا اشکان علیہ۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى  
مَا يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا  
يَرْفَعُ بِهِ الْقَدَمَ جَابَتْ قَالُوا  
بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اسْبِغْ  
الْوُضُوءَ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ  
الْخُطَى إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ  
الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذَلِكَ  
الْمُرَبَّاطُ : (رواه مسلم)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ خطائیں مٹا دے، درجات بلند کر دے لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہؐ زیادہ منور پورا کرنا مشقتوں میں مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا۔ نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا یہ ہے سرحد کی حفاظت۔

قوله أَلَا أَدُلُّكُمْ : الا استفہام کے لیے ہے کما یدل علیہ حرف بلی جو آگے ہے تنبیہ اور نفی مقصود نہیں کسی بڑی چیز کے اہتمام شان کے لیے اس طرح بیان کیا جاتا ہے

کما فی قولہ تعالیٰ " اَلْقَارِیُّ عَنِ مَا الْقَارِیُّ عَنِ وَمَا اَذْنٰکَ مَا الْقَارِیُّ عَنِ :  
 قَوْلُهُ یَمَحُّوْا اللّٰہُ - بعض حضرات کے نزدیک محو (مٹانا) سے مراد قلب کا محو ہے

یا نامہ اعمال کا محو مراد ہے۔ " مَلَفَزٌ عَنْکُمْ سَبِّحًا تَحْمَدُ وَتُذْخِرُکُمْ مِّنْ خَلْدٍ  
 کبریم (۱) کما فی قولہ تعالیٰ " فَاقُوْا لِلّٰہِ یُسَبِّحُ اللّٰہُ سَبِّحًا تَحْمَدُ حَسَنًا  
 (۲) قَوْلُهُ الْخَطَا یَا : کون سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس کی مکمل بحث آگے روایت  
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ " خَرَجْتُ خَطَا یَا مِنْ جَسَدِی " میں ہوگی۔

قَوْلُهُ دَرَجَاتٌ : درجات سے مراد جنت کے درجے ہیں یا دنیا میں ایمان کے  
 درجات ہیں۔

قَوْلُهُ اِسْبَاعُ الْوُضُوْءِ : اسبغ کے معنی لغتاً اتمام کے ہیں جس کے تین  
 درجے ہیں :-

اَوَّلُ : وضو کے تمام قرآن و واجبات سنن و آداب کا لحاظ کر کے کامل طور پر وضو کرنا۔  
 دُوْنُہُمْ : مقدار فرض دھونے کے بعد احوال غرض کہ کچھ زائد حصہ دھونا۔ اس پر  
 حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث دال ہے اور یہ مستحب ہے بشرطیکہ فرض نہ سمجھے۔  
 سَوْمٌ : وضو سے فارغ ہونے کے بعد ایک چلو پالی سے کریشانی پر ڈال دے کہ چہرہ  
 پر بہتا رہے۔ اس پر حضرت علیؓ کا عمل دال ہے۔

" لَمَّا اَخَذَ بِکَفِّهِ الْیَمَنِی قَبْضَةً مِّنْ مَّاءٍ قَصَبَهَا عَلٰی نَاصِیَہِ  
 فَتَرَكَهَا لَسَانُہُ رَابِعًا دَائِدٌ شَرِیْفٌ مَّلَاحٌ (۱) بَابُ صِقَّةٍ وَضُجُجٍ  
 الشَّیْخُ مَلَّی اللّٰہَ عَلَیْہِ وَسَلَّوْا کِتَابَ الطَّهَّارَةِ

قَوْلُهُ مُكَارَہٌ : یہ مکراہ (بغض المیسر) کی جمع ہے بمعنی اشتت دالہ۔ مُكَارَہَاتُ  
 در قسم ہیں :-

اَوَّلُ مُكَارَہٌ بَدَنِی - یعنی جن کا تعلق بدن کے ساتھ ہے جیسے سخت سردی کا ٹوکھ ہے  
 کہ پانی سے بہت تکلیف ہوتی ہے یا جسم میں زخم ہے کہ پانی استعمال کرنے میں تکلیف ہوتی  
 ہے تب بھی کابل طور پر وضو کرتا ہے یا پانی بہت در ہے اس کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے۔  
 دُوْنُہُمْ مُكَارَہٌ مَالِی - کہ پانی خرید کرنا پڑتا ہے یا انتہائی درجہ کا مہنگا ہے (وغیرہ ذالٹ)

یہ سب صورتیں باعثِ مغفرت ہیں،

قَوْلُهُ وَكَثْرَةُ الْخَطَايَا — یہ غلطیوں کی جمع ہے بمعنی ما بین القدرین لیکن

مراد قدم ہیں یعنی بہت قدم اٹھانا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ مکان مسجد سے بہت دور سے قبل بھی جگہیں شریک ہونا تاکہ قدم زیادہ ہوں۔

۲۔ ہمیشہ جماعت میں شریک ہونا تاکہ مسجد کی طرف قدم زیادہ ہوں۔

۳۔ اگر گھر مسجد کے قریب ہو تو بہ نیت طلبِ رحمت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانا تاکہ قدم

زیادہ ہوں۔ کَمَا يُقَالُ عَ رَحْمَتِ مَنْ بَهَانَهُ جَوِيدٌ - وَفِيهِ نَظَرٌ

قَوْلُهُ وَاسْتِظْأَرُ الصَّلَاةَ بَعْدَ الصَّلَاةِ — انتظارِ صلوٰۃ کی دو قسمیں ہیں

اَوَّلُ اَسْتِظْأَرُ قَسْبِي : کہ نماز پڑھ کر چلا گیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ لیکن دل نماز

کی طرف متوجہ ہے کہ جب وقت آتا ہے اور میں نماز پڑھوں جیسا کہ اور روایت میں ہے :-

”مَنْ جَلَسَ قَلْبُهُ مُتَمَلِّئًا بِالصَّالِحِ“

دَوِّمُ اَسْتِظْأَرُ بَدَلِي : کہ نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتا، دوسری نماز کی انتظار میں جیسے کہ

صلوٰۃ عصر پڑھ کر صلوٰۃ مغرب کے لیے بیٹھ جاتا ہے اور صلوٰۃ مغرب پڑھ کر صلوٰۃ عشاء

کے لیے بیٹھ جاتا ہے وغیرہ ایک : مقام ہذا پر دونوں انتظار مراد ہیں۔

قَوْلُهُ فَذَا إِلَيْكُمْ الزَّيْبَانُ : یہاں رابطہ سے ہے ربط کہتے ہیں کہ کوئی مسلمان

اسلامی مملکت کی سرحد پر دشمنانِ اسلام کے مقابلہ پر نگہبانی کی خاطر بیٹھے تاکہ دشمن سرحد پار کر

کے اسلامی مملکت میں داخل نہ ہو جائے۔ اس کا بڑا ثواب ہے کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ“

(بک) چنانچہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھنا اصل ربط ہے کہ جیسے کفار

کے مقابلہ میں وہاں بیٹھنا ہوتا ہے تو یہاں شیطان کے مقابلہ میں بیٹھنا پڑتا ہے جو دین میں

سب سے بڑا دشمن ہے اس لیے جیسی فضیلت و سعادت ربط میں ہے ویسی ہی فضیلت و سعادت

نماز کی انتظار میں بیٹھنے کی ہے۔

يَقُولُ الْبَوَالِغُ سَعَادٌ : فَذَا إِلَيْكُمْ كَمَا مَشَارَالِہِ بِأَتُونِیْنَ مَا مَوْرِدَ اِسْبَاغِ الرِّمَاقِ

وَكَثْرَةُ اَلْخَطَايَا : انتظارِ الصلوٰۃ میں ہیں۔ یا صرحتِ آخری ”انتظارِ الصلوٰۃ“ ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ جس طرح ظاہری دشمن سے پہرہ داری کے لیے اسلامی سرحد کی پہرہ داری کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح باطنی دشمن (یعنی شیطان) کے حملہ سے بچنے کے لیے بھی اپنے دل کی پہرہ داری کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ وہ باطنی دارالسلام (یعنی قلب) میں داخل نہ ہو سکے اور یہ نینوں مامور بہ یا آخری اس کی پہرہ داری کے مثل ہیں اس سے دل کی حفاظت ہوتی ہے۔ چونکہ کثیر الناس صرف پہلے کو راہ دیکھتے ہیں اس لیے تَعْرِيفُ الْمُسْنَدِینِ کر کے بطور حُصْرِ ادْعائی کے ساتھ بیان فرمایا کہ اصل یہی پہرہ داری ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ  
فَأَحْسَنَ التَّوَضُّؤَ خَرَجَتْ  
خَطَايَا كَمَا مِنْ جَسَدٍ حَتَّى  
تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ أَظْفَارِهِ ۝

ترجمہ: روایت ہے حضرت عثمانؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے تو اچھا وضو کرے اس کی خطائیں اس کے جسم سے نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتی ہیں

قوله فَأَحْسَنَ التَّوَضُّؤَ - احسن کا تعلق جمیع ارکان کے ساتھ ہے خواہ فرض ہوں، واجب ہوں، مستحب ہوں۔ کَمَا يُقَالُ "إِحْسَانُ التَّوَضُّؤِ وَهُوَ إِتْيَانُ بِأَلْفِ كَلِمَاتٍ -

قوله خَرَجَتْ خَطَايَا - نکل جاتے ہیں گناہ وجود سے، حتیٰ کہ ناخنوں سے بھی نکلتے ہیں۔

سوال: گناہ اجرام میں سے نہیں ہے بلکہ اعراض میں سے ہے اور لفظ خروج اجرام کی صفت ہوتی ہے نہ اعراض کی۔ تو یہاں گناہ کی صفت لفظ خروج کو کیسے قرار دیا گیا یعنی خروج جسمانی چیزوں کا ہوتا ہے۔ گناہوں کا جسم نہیں ہے تو پھر خروج کا اطلاق کیسے درست ہے۔

جواب اول: خروج کنایہ ہے غفران سے۔ گناہ نکلتے ہیں یعنی اللہ پاک معاف فرمادیتے ہیں۔

**جواب دوم۔** خروج خطایا سے مراد اثر سواد کا خروج و زوال ہے۔ کیونکہ خطا سے ظاہر باطن میں قلب پر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ کَمَا يَذُنُ عَلَيْهِ رَايَةَ النَّسَائِ " عَنْ أَبِي حُرَيْرَةَ " قَالَ إِنَّ الْقَبْدَ إِذَا أَذْنَبَ ذُنُوبًا نَكَتَتْ فِي قَلْبِهِ مُنْكَتَةً سَوْدَاءَ رَسَائِي شَرِيف بِحَوَالِهِ التَّعْلِيْقِ ص ۱۱

یہی وجہ ہے کہ بنی آدم کے خطایا سے جو اسود میں اثر کر کے اس کو سیاہ کر دیا۔ لہذا صاحب خطا کے بدن میں جو اثر سواد ہوتا ہے وہ نور سے اس کا خروج ہوتا ہے۔ یعنی لَفْظُ خَطِيئَةٍ سے پہلے مَضَاتٌ مُقَدَّرَةٌ ہے " اِیْ اَثَرُ كُلِّ خَطِيئَةٍ " **جواب سوم۔** التَّسْلِيمُ ثُمَّ التَّغْوِيْلُ یَقِیْنُ ہے کہ گناہ نکلنے میں باقی خروج کا طریقہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

## بحث خروج خطایا مِنْ جَسَدِهِ

بہت سی احادیث میں مختلف اعمال پر گناہوں کے معاف ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے اس حدیث میں حضور کر نے پر تمام گناہوں کے معاف ہونے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ علماء نے بحث کی ہے کہ معافی صغائر کی ہے یا کبائر کی اس میں رد قول ہیں۔ **قول اول۔** عسلا ابن حزم ظاہریؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک تعیم ہے کہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔

**دلیل اول۔** حدیث پاک میں مُطْلَق لَفْظُ خَطِيئَةٍ ہے یا خَرَجَتْ خَطَايَاهُ کے الفاظ ہیں اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں بلکہ تعیم ہے۔ لہذا صغائر و کبائر دونوں کو یہ حکم شامل ہے۔ **دلیل دوم۔** مشکوٰۃ شریف ص ۱۱ ج ۱، اسی باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں لَا تَكُنْ خَطِيئَةً اور اس کے آخر میں یہ جملہ "حَتَّى يَخْرُجَ نَفْسًا مِنَ الذُّنُوبِ" مراۃ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

**قول دوم۔** جمہور اہل اکتفاء و الجماعہ کے نزدیک صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں کبائر بدن تو یہ معاف نہیں ہوتے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

**دلیل اول**۔ قرآن مقدس میں ہے ”إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَارَ مَا تُنتَهَوْنَ عَنْهُ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا (پہلے آیت مذکورہ میں مراعاتِ اجتناب کبار کا حکم دیا جا رہا ہے۔

**دلیل دوم**۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي الْكَلَامِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ ”إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْخِلُ فِيهَا الصَّغَائِرَ“ (پہلے ہو) وغیرہ میں قلیل الحسنات ہے اور سیئات کا اطلاق صغائر پر ہوتا ہے لہذا ضرور سے صغائر ہی معاف ہونے چاہئیں نہ کہ کبار۔

**دلیل سوم**۔ اس پر اتفاق ہے کہ کبار کے عفو کے لیے توبہ کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو توبہ کا حکم دیا ہے ”وَجَعَلَ مِنْكُمْ يَوْمَ يَنْتَبِ ظَالِمًا“ فَقَالَ تَاللَّهِ ”وَمَنْ لَمْ يَنْتَبِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (پہلے) اگر کبار بھی صغائر کی طرح اعمال کے ذریعہ سے بغیر توبہ کے معاف ہو جائیں تو توبہ کی حاجت بھی نہ رہے ”وَهَذَا بَابٌ طَلَبُ الْجَمَاعِ“

**دلیل چہارم**۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ اس باب کی فصل اول میں حضرت عثمان غنی کی روایت بحوالہ مسلم موجود ہے اس میں ہے ”مَا كُنْتُ يُؤْتَى كَبِيرَةٌ“ معلوم ہوا کہ صغائر وغیرہ سے کبار معاف کرنے کا وعدہ نہیں ہے۔

**دلیل پنجم**۔ محدث عبدالحق دہلوی ”اشعۃ القلبات“ ص ۱۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں نہ کہ اتفاق است علماء را کہ مراد گناہائے صغیرہ است بدلیل قول علیہ السلام ”الصلوة الخمس والجمعة اى الجمعة ورمضان الايام مكررات لعل ما اجتنبت الكبائر۔“

## قائلین قول اول کے مستدلات کے جوابات

**جواب اول**۔ دلائل مذکورہ میں لفظ ذنب یا خطیئہ کا استعمال ہوا ہے اور ان دونوں کا اطلاق صغائر پر ہوتا ہے۔ لہذا صغائر ہی معاف ہوں گے جیسا کہ ہماری مراد ہے۔



**جواب دوم۔** بعض محدثین حضرات کے نزدیک حدیث الباب جن میں مطلق غلایا کا ذکر ہے۔ دوسرا یہ کراہی کی پاکیزہ معاشرت پر عمل کیا جائے اور بغیر توبہ واستغفار کے گنہگاروں کے معاف نہ ہونے کی احادیث کو شر القرون پر عمل کیا جائے۔

**جواب سوم۔** کبار کی دو حیثیتیں ہیں یا نفس کبیرہ یا اثر کبیرہ (یعنی سیاہ نقطہ) وضو وغیرہ سے صغیرہ اثر کبیرہ زائل ہونا مراد ہے۔ جبکہ نفس کبیرہ وہ بدوں توبہ معاف نہیں ہوتا۔ اس بناء پر امام اعظم سے ماہ مستعل کے بارہ میں تین قول منقول ہیں :-

- ۱۔ مُرتکب کبیرہ کا عتقاد نجاست غلیظہ ہے۔
- ۲۔ مُرتکب صغیرہ کا عتقاد نجاست خفیفہ ہے۔
- ۳۔ مُرتکب مباحات کا عتقاد ظاہر غیر مُطہر ہے۔

**جواب چہارم۔** جس کو جہور نے اختیار کیا ہے کہ جن احادیث میں مطلقاً گناہ معاف ہونے کے متعلق وارد ہو ہے یہ صفائے خاص ہیں۔ کیونکہ دیگر روایات میں کبار کی استثناء موجود ہے۔ اس لیے علامہ نے ان عام روایات کو صفائے خاص کیا ہے یعنی جو شخص صفائے کبار کا مرتکب ہو اس کے مرتبہ صفائے معاف ہوں گے۔ کبار کیلئے توبہ شرط ہے۔ جس کے نہ صفائے ہوں اور نہ کبار تو یُزَادُ فِي حَسَنَاتِهِ۔

**سوال۔** یہ کہ اگر وضو سے مرتبہ صفائے ہی معاف ہوتے ہیں تو اکثر نصوص میں ان کو مطلق کیوں رکھا گیا ہے صغیرہ کی تہذیب کیوں نہیں لگائی گئی۔

**جواب۔** حدیث پاک میں اَقْبَبْتُ الْمُسْلِمَ دُكَا فِي سَوَابِغِ ابْنِ هَرَبِثَ جَوَکَ (ہے) کے عنوان سے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جہدِ مسلم کی شان ہی یہی ہے کہ وضو کے وقت اس کے ذمہ کوئی کبیرہ گناہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اَوَّلُ مُسْلِمٍ شَانُہ سے یہ بعید ہے کہ وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ ثانیاً اگر تقاضائے بشریت کبیرہ سرزد ہو جائے تو اس سے جب تک توبہ نہ کرے چین نہیں آتا۔ اگر بالفرض توبہ کرنے میں سستی ہو جائے تو جب وہ وضو کرنے بیٹھے گا تو اس کا ضمیر فرہ اس کو ملامت کرے گا کہ جہم تو ظاہری حدیث سے پاک کر رہا ہے اور قلب کو گناہ کی آلودگیوں سے پاک کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ یہ احساس و ندامت توبہ کی روح ہے۔ توجہ کے مسلم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وضو کے وقت اس کے ذمہ کوئی کبیرہ گناہ باقی

نہ رہے۔ جب اس کے ذمہ کوئی کبر و گناہ ہے ہی نہیں مرنے صغائر ہی ہیں تو صغیرہ ہونے کی قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔

سوال - حضرت عثمانؓ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ متوضی کے جمع وجود کے گناہ خارج ہوتے ہیں۔ جب کہ اس کے خلاف اسی سے متصل حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اسی طرح مشکوٰۃ شریف ص ۱۱، اسی باب میں حضرت عبد اللہ الصناہجی کی روایت ہے۔ ان دونوں سے صرف اعضاء مسحہ و مضمولہ کے گناہ کا اخراج ثابت ہو رہا ہے تو یہ تعارض کیوں ہے؟

جواب اول - وضوء دو قسم ہے۔ اول وضوء مع التسمیہ۔ دوم وضوء بلا تسمیہ اگر وضوء مع التسمیہ ہے تو سارے جسم کے گناہ خارج ہوتے ہیں جس طرح حضرت عثمانؓ کی روایت ہے۔ اگر بلا تسمیہ ہو تو صرف اعضاء مسحہ و مضمولہ کے گناہ خارج ہوتے ہیں فلا تعارض سوال - اس جواب کا قرینہ کیا ہے؟

جواب - قرینہ یہ ہے کہ تین روایتیں دارقطنی ص ۱۱ پر موجود ہیں بروایۃ ابی ہریرۃؓ و عبد اللہ بن عمروؓ و ابن مسعودؓ ان میں ہے کہ تسمیہ سے جمع گناہ نکلے ہیں اگر وضوء بلا تسمیہ ہو تو اعضاء مسحہ و مضمولہ کے نکلے ہیں۔

یقول شیخ جاجروی رحمہما القوی : یہ تطبیق صحیح نہیں کیونکہ دارقطنی کی تینوں روایتیں ضعیف ہیں لہذا صحیح یہ ہے کہ احادیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک میں مِنْ جَسَدٍ ہے نہ کہ مِنْ جَمِیعِ جَسَدٍ تعارض تب ہوتا اگر جمیع جسد کے لفظ ہوتے اس لیے مِنْ جَسَدٍ کا مِنْ تفسیر یہ ہے کہ جسد کا مخصوص حصہ مراد ہے۔ وہ اعضاء مضمولہ و مسحہ ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب مسلمان بندہ یا مؤمن وضوء کرنے لگتا ہے اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ فَتَنَسَّلَ وَجْهَهُ

خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلَّ خَطِيئَةٍ  
نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ  
أَوْ مَعَ الْخَيْرِ قَطْرًا لِمَاءٍ فَإِذَا  
غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ  
يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَأَنَّهُ يَطْشُهَا  
يَدًا مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ الْخَيْرِ  
قَطْرًا لِمَاءٍ (رواه مسلم)

کے چہرہ سے ہر وہ خطیہ نکل جاتی ہے جس سے  
آنکھوں سے دیکھا ہو یا پانی یا پانی کے آخری  
قطرہ کے ساتھ۔ پھر جب اپنے ہاتھ دھوتا  
ہے تو ہاتھوں سے ہر وہ خطیہ نکل جاتی ہے  
جسے اس کے ہاتھ نے پکڑا تھا پانی یا پانی  
کے آخری قطرہ کے ساتھ۔

قَوْلُهُ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوِ الْمُؤْمِنُ : جملہ مذکورہ میں اَوْ شک کیلئے  
ہے یعنی راوی کو شک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عَبْدُ مُسْلِمٍ فرمایا یا مؤمن  
توزیع (تقسیم) کیلئے نہیں۔ اگر تقسیم کے لیے بنائیں تو حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ تفصیلت  
مسلم یا مؤمن کے لیے ہے دروں کے لیے نہیں جب کہ اس کا قائل تو کوئی بھی نہیں۔  
قَوْلُهُ نَظَرَ إِلَيْهَا : آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔

سوال : خطایا از قبیل معنویات ہیں نہ کہ از قبیل محسوسات۔ پھر نظر کیسے آتے ہیں؟  
یعنی نظر کا تعلق محسوس چیزوں سے ہے جب کہ خطایا تو معنوی چیز ہے۔  
جواب : إِلَيْهَا سے پہلے مفاد مُقَدَّر ہے اِی الٰی سَبَبِهَا یعنی سبب کا اطلاق  
سبب پر ہے۔ مبالغۃً ان گناہوں کے اسباب کی طرف رکھتا ہے۔ مثلاً شہوت کے  
وقت عورت کے چہرہ کو دیکھنا یہ سبب ہے۔

قَوْلُهُ بِعَيْنَيْهِ : جدھر آنکھوں سے دیکھا ہو۔

سوال : چہرہ تو زبان، کان، آنکھ، ناک سب کو شامل ہے تو پھر آنکھوں کی تخصیص  
کیوں فرمائی؟

جواب اَوَّل - باقی اعضاء کے لیے تو مستقل بہارت موجود ہے یعنی زبان کہنے  
مضغہ، ناک کے لیے استنشاق اور کان کے لیے سمع بخلاف آنکھ کے کہ اس کے لیے کوئی  
مستقل بہارت نہ تھی اس لیے آنکھ کی تخصیص کی گئی ہے۔

جواب دوم - عینین کثرت ذنوب کا سبب بنتی ہیں چنانچہ امراض و شقیۃ اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب دھوسے اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں تو دوسرے اعضاء کے گناہ بطریق اولیٰ معاف ہونا چاہئیں۔

قوله مع الماء أو مع آخر قطر الماء، اس میں آؤ شک کے لیے ہے تنزیع کے لیے نہیں۔

قوله بطنها - ای اخذ تھا، جیسے ملاست عزائم ہو گئی وغیرہ ذاک یہاں پر بھی بکدالہ تاکید کے لیے ہے۔

قوله مشتها - اس کا ضمیر خطیئة کی طرف ہے منسوب بنزع الخافض ہے۔ اصل عبارت تھی "ای مشئت بها إلى الخطيئة"۔

قوله يخرج نقیة من الذنوب - ذنوب سے مراد اذنوب اعضاء ہیں یا تمامی ذنوب ہیں لیکن وہ بھی من الصفارة۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عثمان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ابا کوئی مسلمان نہیں کہ جس پر فرض نماز آئے تو اس کا وضو اور شریعہ درکوع اپنی طرح کرے مگر یہ اس کے دیکھ لگن ہوں گا کفارہ ہو جاتا ہے۔ جب تک کہ گناہ کبیرہ نہ کیا ہو اور یہ ہمیشہ ہی ہوتا ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ امْرَأَةٍ مُسَلِّمَةٍ تَحْضُرُهُ صَلَوَةٌ مَكْتُوبَةٌ فِيْ حَسَنٍ وَضَوْءٌ هَا وَخَشَوَعَهَا وَرَكْعَتَاهَا إِذْ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَوْ لَوِيَتْ كَسِيرَةٌ وَذَلِكَ الَّذِي هُوَ كَلِمَةٌ - (سواء مسلّم)

قوله مکتوبہ - ای مقرر و حدّد : خیال ہے کہ مکتوبہ کی قید احترازی نہیں کیونکہ نماز تہجد و اشراق و عیدین کے وضو کا بھی یہی حال ہے چونکہ اکثر وضو نماز پنجگانہ کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر فرمایا۔ نیز اگر کوئی آدمی وقت سے پہلے وضو کرے تب

بھی یہی ثواب ہوگا۔

قَوْلُهُ فَيُحَسِّنُ وَصَوَّعَهَا - حسن وضوء کا تعلق اسباق وضوء کے ساتھ ہے یعنی  
فرائض مستحبات وغیرہ تمامی ادا کرتا ہے۔

قَوْلُهُ حَسَّنُوْهَا - عند البعض شروع سے مراد سجدہ ہے مگر جمہور حضرات کے نزدیک  
عاجزی مراد ہے اور شروع کا اطلاق ظاہر پر بھی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ «وَحَسَّنْتَ

اَوْصَوَاتِ لِلرَّحْمٰنِ» (پاک) اور باطن یعنی قلب پر بھی بوجا جاتا ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ  
«اِنَّ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ» (پاک) مقام ہذا پر دونوں شروع مراد ہیں ظاہر اور باطن۔

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَد: نماز کا شروع یہ ہے کہ اس کا ہر رکن صحیح ادا کرے اول میں  
عاجزی اور خوف خدا ہو۔ نگاہ اپنے ٹھکانے پر ہے کہ قیام میں سجدہ گاہ رکوع میں پاؤں کی پشت

سجدہ میں ناک کی جگہ اور قعدہ میں گردیں ہے، شروع نماز کی روح ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ اَلَّذِيْ  
هَوَّيْنَا صَلَوٰتَهُمْ خَاشِعُوْنَ (پاک)

قَوْلُهُ رُكُوعُهَا - اس کا تعلق بھی حسن وضوء کے ساتھ ہے۔ اے فایضین رُكُوعُهَا  
سوال - رکوع کی تخصیص کیوں ہے۔ حالانکہ اراک ان بھی تو ہیں مثلاً سجدہ، قعدہ

قیام وغیرہ ذالک۔  
جواب اول - رکوع کی تخصیص مبالغہ اور تاکید کے لیے ہے کیونکہ رکوع میں بوجہ

راکع پر پڑنا ہے جس کی بنا پر شستی کا احتمال تھا بخلاف سجدہ جس کے اس میں بوجہ زمین پر پڑنا ہے۔

جواب دوم - رکوع کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ اُمت محمدیہ کا خاصہ ہے۔ مبالغہ  
ائمہ کی عبادات میں رکوع نہ تھا۔

سوال - آپ نے کہا ہے کہ سابقہ اُتم میں رکوع نہیں تھا حالانکہ قصہ بنی مریم میں اللہ تم  
فرماتے ہیں «وَاَنْكِرِيْ رُكُوعًا» (پاک)

جواب - قصہ بنی مریم میں «وَاَنْكِرِيْ» بمعنی انقیاد والاعت ہے نہ رکوع اصطلاحی  
قَوْلُهُ مِنَ الذُّكُوْبِ - یہ لما قبلہا کے مآ کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ مَا تُوَلُّوْنَ كِبْرًا - مسئلہ ابن عطیہ نے اس کے درمختی بیان فرماتے  
ہیں۔ اول شرط اول معنی جو اس کا ظاہر ہی معنی ہے کہ نماز موقوفہ احوال صغائر کا کفارہ ہونا

اجتناب من الکبائر پر موقوف ہے لہذا فان لم یجتنب من الکبائر لم یکتفبر۔ اگرچہ منیٰ مختل ہے مگر جہور نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ اس سے معتزلہ کی تائید ہوتی ہے اور یہ مطلب دوسری احادیث کے خلاف ہے جن میں یہ قید مذکور نہیں۔

دوئم : جہور حضرات کے نزدیک مَا لَمْ یُؤْتِ اسْتِثْنَاءً کے لیے ہے شرط کیے نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ موصوفہ نماز گزشتہ تمام گناہوں کا کفارہ ہوگی بشرطیکہ کبائر موجود نہ ہوں ورنہ صرف صغائر کا کفارہ ہوگی نہ کہ کبائر کا بھی کیونکہ کبائر قربہ سے یا فضل الہی سے معاف ہوتے ہیں قَوْلُهُ ذَا لِكَ الدَّهْرُ کُلُّهُ۔ یہ ظرفیت یا نزاع خافض کی بناء پر منصوب ہے مطلب یہ ہے کہ نماز موصوفہ کفارہ صغائر پڑھنے میں کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم دائمی ہے کہ ہر نماز کفارہ ہے۔

ترجمہ : روایت ہے انہی سے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو ہاتھوں پر مین بار پانی بہایا، پھر کلی کی، ناک میں پانی لیا، پھر مین بار چہرہ دھویا پھر کہنی تک داہنا ہاتھ مین بار، پھر بائیں ہاتھ مین بار دھویا کہنی تک، پھر سر کا مسح کیا۔

وَعَنْهُ أَنَّكَ تَوَضَّأَ  
فَأَمْرَعُ عَلَى يَدَيْهِ ثَلَاثًا  
ثُمَّ تَمَضَّمَضَ وَاسْتَنْشَرُ  
ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ مَشْدُودًا  
ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى إِلَى  
الْمِرْفَقِ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ  
يَدَهُ الْيُسْرَى إِلَى الْمِرْفَقِ  
ثَلَاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ۔  
(شفیع علیہ)

قَوْلُهُ وَاسْتَنْشَرُ : استنثار کا معنی ہے اخراج الماء من الأنف ناک سے پانی کا نکلنا اس کے لیے استنشاق ضروری ہے استنشاق کہتے ہیں ادخال الماء فی الأنف ناک میں پانی داخل کرنا استنشاق کے لیے استنثار لازم ہے استنشاق ہوگا تو استنثار بھی ہوگا۔ مگر حدیث پاک میں صرف استنثار پر اکتفاء کیا گیا ہے یا تو شہرت کی وجہ سے اس کو ترک کر دیا گیا ہے یا اور روایت میں اس کا ذکر ہے۔ (استنشاق و استنثار)

قَوْلُهُ تَحَوُّوْهُ وَضَوُّوْهُ هُنَا ۱۔ تحتمین حضرات نے نحو اور مثل میں فرق کیا ہے کہ لفظ نحو مطابقت لفظی کے لیے ہے اور مثل مطابقت لفظی و معنوی دونوں کے لیے مستعمل ہے یہ الفاظ فرمانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ حضرت عثمان غنیؓ کا وضو ان لوگوں کے سامنے تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ان لوگوں سے مخفی اس لیے آپ نے اس طرح فرمایا در نہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کا وضو حضور پر نورؐ کے وضو کی مثل تھا نہ کہ حضور پر نورؐ کا وضو آپ کے وضو کی مثل تھا۔

قَوْلُهُ يَصْلِيْ مَنْ كَفَّيْنِ۔ اس کے بعد دو کفین تحیۃ الوضوء پڑھے اس کو شکر الوضوء بھی کہتے ہیں۔

سوال۔ تحیۃ عبادت کی نسبت وضو کی طرف صحیح نہیں کیونکہ معنی ہو گا عبادت وضو کی۔ جب کہ یہ شکر ہے کیونکہ عبادت تو خدا کی ہوتی ہے۔

جواب۔ تحیۃ کی نسبت وضو کی طرف یہ اصلاً سبب کی طرف ہے۔ عبارت یوں کہ غَبِيْةُ الْوُضُوْءِ بِسَبَبِ الْوُضُوْءِ۔ کہ عبادت تو م خدا کی کرتے ہیں مگر سبب وضو ہے۔

قَوْلُهُ لَا يَجْزِيْ نَفْسُهُ فَبِهَذَا يَشِيْئُ، یعنی اس رو کا نہ تحیۃ الوضوء میں پانے قصد و اختیار کے ساتھ کوئی دنیوی بات نہ سوچے۔

يَقُوْلُ ابُو الْاَسْعَدِ: عِنْدَ الْبَعْضِ اِسْ سَعْرٌ مَّرَادُ يَهْ بِهْ كَهْ نَمَازٍ مِّمَّنْ مَطْلَقًا كَوْنِيْ خِيَالِ بھی نہ آئے نہ دماؤں اختیاری و غیر اختیاری تب ان دو کفوں کا ثواب ملے گا مگر یہ قول دو وجوہ سے باطل ہے۔

أَوَّلًا، دماؤں غیر اختیاری اُمت سے معاف ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے "إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَفَا عَنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخَوَاطِرَ الَّتِي تَعْرِضُ وَادَّاسْتَقْرَشَ

ثَانِيًا، یہ درجہ علیا ہے جو انبیاء کرام کی شان ہے۔ لہذا جمہور حضرات کے نزدیک لَا يَجْزِيْ نَفْسُهُ سے مراد دنیوی امور کا خیال کرنا اور وہ بھی عمدًا۔ ہاں اگر آخر دی اور کاملاً خیال کرتا ہے تو یہ مشروع و مضموع کے منافی نہیں۔

سوال۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے "إِنِّي لَا جَهَنَّمَ جِيشِيْ وَأَنَا فِي الْقَتْلُوْةِ"

میں نماز میں بھی لشکر کی تیاری کا سوچ رہا ہوتا ہوں۔ تو یہ بظاہر حدیث سابقہ "لَا يُحَدِّثُ نَفْسُهُ" کے منافی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ مامور بالجہاد تھے تو جس طرح کوئی شخص دشمن کے سامنے نماز خوف پڑھے

**جواب اول**

اور اس کے لیے امور جہاد کا تصور مقرر نہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے لیے یہ تصور مقرر تھا

حضرت عمرؓ از روئے حدیث طعم اور محدث بنی اسرائیل کے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زبان اور دل پر حق رکھا تھا "كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

**جواب دوم**

مَكَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهِ" تو نماز میں امور جہاد اور تدبیر لشکر کا تصور ثمرہ و نتیجہ تھا خشوع و خضوع حضور قلب مناجات والہام الہی کا اور حدیث بالا میں اس الہام کے قبول کر لینے کو مجازاً "لَا يُحَدِّثُ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ سَعَّرَ لَكُمْ مَا تَقْدَرُونَ مِنْ ذَنْبِهِ : اى مِنَ الصَّغَائِرِ لَعْنَى صَغَائِرِ مَا كَرِيهَ جَاتِهِ هِيَ۔

**سوال**۔ حدیث الباب میں مغفرت کا تعلق وضوء مع الصلوة دونوں کے ساتھ ہے جب کہ حدیث سابقہ میں مغفرت کا تعلق صرف وضوء کے ساتھ ہے۔ تکلیف الترفیق۔

**جواب اول**۔ در اصل مغفرت کا تعلق وضوء ہی سے ہے لیکن نماز کو اتماماً لاحق کیا گیا ہے

**جواب دوم**۔ بعض کے وضوء ایسے ہیں کہ اسبابِ اور اتمام کی وجہ سے ان کی مغفرت ہر جاتی ہے۔ اور بعض کے وضوء ایسے ہیں کہ فقط وضوء ہی سے ثمرات مرتب نہیں ہوتے بلکہ اس کے ساتھ نماز ادا کرنے سے یہ ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔

بقول ابوالاعلیٰ سعاد جواباً۔ وضوء مکفر ہے گناہ ظاہرہ کا اور وضوء مع الصلوة مکفر ہے ظاہرہ و باطنہ دونوں کا۔ فلا تعارضاً۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی مسلمان

وَعَنْ عُقَيْبِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ



يَكُونُ فَيُحْسِنُ وَضُوءَهُ  
ثُمَّ يَقُومُ فَيَسْأَلُ رَاكِعَتَيْنِ  
مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا يَقْلِبُهُ وَوَجْهَهُ  
إِلَّا وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ  
(رواہ مسلم)

جس جو وضوء کرے تو اچھا کرے پھر کھڑے  
ہو کر دو رکعتیں پڑھے تو توجہ ہو کر پیشے  
مگر اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے

قوله مُسْلِمًا : اس میں تسلیم ہے مذکر ہو یا مؤنث ۔

قوله مُقْبِلًا : ای متوجہاً علی الرکعتین ۔

قوله بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ : قلبہ سے مراد باطن ہے و وجہہ سے مراد ظاہر ہے  
یعنی ظاہر و باطن دونوں طرفوں سے توجہ کرتا ہے قلب میں شروع ظاہری اعضاء پر مضموع ہے ۔  
قوله وَجِبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ : یہ بحث ماقبل میں گزر چکی ہے کہ وجوب سے  
کوئی وجوب مراد ہے یعنی وجوب تفضلی مراد ہے ۔ مزید تحقیق تدریجاً

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِثْلُكَ قَسَدٌ  
أَحَدٌ يَتَوَضَّأُ فَيَبْلُغُ أَوْ يَبْسُجُ  
الْوُضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ أَشْهَدُ  
أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا  
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ : (رواہ مسلم)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمرؓ  
بن الخطاب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ایسا کوئی  
نہیں جو وضوء کرے تو مبالغہ کرے یا پورا  
وضوء کرے ۔ پھر کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں  
کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں ۔

قوله فَيَبْلُغُ : یَبْلُغُ بلاغ سے ہے بمعنی مقصود تک پہنچانا ۔ اسباق بمعنی کمال  
کرنا بعض کے نزدیک ابلاغ و اسباق دونوں کمال کے معنی میں ہیں ۔ لیکن رادی کو شک ہے  
کہ ابلاغ فرمایا اسباق ۔

قوله وَفِي رِوَايَةٍ : یعنی دوسری روایت میں وَحْدًا لَا شَرِيكَ لَهُ کی زیادتی بھی موجود ہے

اور قانون ہے کہ زیادتی ثمر رادی کی طرف سے ہو تو وہ مقبول ہوتی ہے اس لیے یہ الفاظ درست ہیں۔  
**قَوْلُهُ إِذَا فُتِحَتْ لَهُ :** بمعنی کھولے جا چکے ہیں۔

**سوال**۔ ابواب جنت قیامت کے دن کھولے جائیں گے مگر حدیث پاک میں مامی کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ کھولے جا چکے ہیں۔

**جواب**۔ تہذیب کا اصول ہے کہ ماضی فی کلام الشرعین کے لیے ہوتی ہے۔ ہمارا ایمان و یقین ہے کہ دروازے کھولے جائیں گے۔

**قَوْلُهُ أَبْوَابُ**۔ ابواب اپنے حقیقی معنی میں ہے کہ قیامت کے دن واقعی دروازے کھولے جائیں گے۔ بعض حضرات کے نزدیک ابواب مجازی معنی میں مستقل ہے یعنی کنا یہ ہے رحمت سے۔

**قَوْلُهُ ثَمَّا بَسِطَ أَبْوَابُ**۔ اس کے لیے آٹھ دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔  
**سوال**۔ کہ مدخل ایک ہے مگر مدخل آٹھ کیوں؟ فکیف یدخل فی جمیع الابواب فی وقت واحد۔

**جواب اول**۔ حدیث پاک کے اندر تشبیہ مراد ہے خلاصہ تشبیہ یہ ہے کہ جس نے وضو کیا، پھر یہ دعا پڑھی تو صابر بمنزلہ من فتحت له ثمانية ابواب  
**جواب دوم**۔ آٹھ دروازوں کا کھلنا بطور اکرام کے ہے جیسے بادشاہ کی آمد پر شہر کے تمامی دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

**سوال**۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں حالانکہ دوسری احادیث میں جنت کے دروازوں کی تعداد اس سے بہت زائد آتی ہے اس کے در جواب ہیں۔

**جواب اول**۔ یہاں میں معتد ہے ای من ابواب الجنة الثمانية جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔

**جواب دوم**۔ دروازے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک داخل و اندرونی اور ایک بیرونی یعنی صدر دروازے اور پھاٹک تو یہاں پر صدر دروازے مراد ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ صرف آٹھ ہی ہوں۔ جیسا کہ جہنم کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے اندر سات دروازے ہیں۔ علماء نے ان

آٹھ دروازوں کے نام بھی لکھے ہیں۔ باب الایمان۔ باب القلۃ۔ باب القیام۔ اس کا دوسرا نام باب الزکات بھی ہے) باب الصدقہ۔ باب الکاملین القیل۔ باب التواضعین۔ باب الجہاد۔ باب التوبہ۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں ان اعمال میں سے جس عمل کا غلبہ ہو گا وہ اسی دروازے سے داخل ہو گا۔

قوله اللہم اجعلنی من التوابین ، توابین سے روستی ہیں۔  
 اول : توابین یعنی رجوع کرنے والا اس کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف بھی جاترہے لیکن جب ذات باری تعالیٰ کی طرف نسبت ہوگی تو معنی ہوگا کہ رجوع کرنے والے بندوں پر معافی کے مسئلہ میں کہ ان کی خطائیں معاف کرنے والے اور ان کی توبہ قبول کرنے والے ہیں۔  
 دوم : توابین یعنی توبہ قبول کرنے والا۔ کافی قولہ تعالیٰ «إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ»  
 سوال۔ توبہ گناہ کے بعد ہوتی ہے اس کا معنی ہوا کہ توبہ کی دعا مانگنا گویا صفحہ گناہ کرنے کی دعا ہے جب کہ دعا میں توبہ مقصود نہیں۔

جواب۔ دعا میں گناہ کا ذکر نہ مرا حہ ہے نہ ضمناً بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اگر بالفرض مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو مجھے توبہ کی توفیق عطا فرما۔ کافی قولہ علیہ السلام وکلکھ خطاؤن وخیروالخطاؤین التوابون مصباح ۱ باب ۲۲۰ تودرج خطا کی نہیں بلکہ توبہ کی ہے

قوله المستغفرین : طہارت دوم ہے اول حسی۔ دوم باطنی۔ حسی دھو سے ہوئی اور باطنی دعا سے جو اخلاق ذمیرہ پر مشتمل ہے۔

سوال۔ جب دھو سے طہارت حاصل ہوگئی تو پھر حصول طہارت کی دعا کس کے لیے یہ تو تحصیل حاصل ہے۔

دعا کے مقصود طہارت نہیں وہ تو دھو سے حاصل ہوگئی۔ بلکہ دوام علی الطہارت کی دعا مقصود ہے۔ کافی قولہ تعالیٰ «إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ» : اہدینا میں ہدایت آگئی تو پھر صراط مستقیم کی طلب کیوں ہے تو یہاں بھی یہی اصول ہے کہ اہدینا سے نفس ہدایت کی درخواست ہے اہد الصراط المستقیم سے دوام علی الہدایت کی درخواست ہے۔

جواب اول

**جواب دوم** ۱۰ اُکالہ غزہ ” کہتے ہیں۔ اس کی بحث آگے آرہی ہے تو گویا رداء میں طہارت کی طلب نہیں بلکہ اُکالہ غزہ کی طلب ہے جو اُنت کے خُصائص میں سے ہے۔

یقول ابوالاسعد : اصل میں دُعا کے اندر بندہ کا اظہار عجز مقصود ہے کہ جسم اور اعضاء ظاہری کی طہارت و صفائی ہمارے اختیار میں تھی اس کو ہم نے پورا کر لیا۔ اب باطنی احوال کی طہارت اور اندرونی صفائی آپ کے قبضہ میں ہے لہذا اپنے فضل و کرم سے باطنی پاکیزگی بھی عنایت فرمائیں۔ یعنی ضرور سے ظاہری طہارت اور دُعا سے باطنی طہارت کی درخواست ہے۔

رباعی : سسے درخم چو گال تو دل ہم چون گوئے ۔ ماز فرماں تو جاں یک مرموئے  
ترجمہ : سسے کہ تیرے درخم چو گال میں ہمارا دل ایک گیند کی طرح ہے۔ ہم تیرے فرمان سے ایک بال برابر بھی باہر نہیں ہیں۔  
ظاہر کہ بدست ماست شستیم تمام ۔ باطن کہ بدست توست آں را تو لطرئے  
ترجمہ : ظاہر جو ہمارے قبضہ میں تھا ہم سسے دھو چکے ہیں۔ باطن جو تیرے قبضہ میں ہے سسے تو ہی دھو سکتا ہے۔

قوله : والحدیث الذی رواہ مُنْحَى الشُّشْتَرِ ۔ اس عبارت سے مشکوٰۃ کے مؤلف صاحب مصابیح پر اعتراض کر رہے ہیں۔

**اعتراض** - روایتوں پر ہے۔

اول : پہلی بات یہ ہے کہ صاحب مصابیح نے حدیث نقل کرنے کے بعد صحاح کا حوالہ دیا ہے یعنی ”رواہ مسلم“ مگر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ یہ روایت صحیحین میں نہیں ہے جب کہ صاحب مصابیح نے وعدہ کیا تھا کہ فصل اول میں صرف صحیحین کی روایتیں نقل کروں گا۔

دوم : دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت ترمذی میں ہے مگر وہ بھی اختلاف کے ساتھ کہ جو لفظ ہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا تو اَنْ مُحَمَّدًا سے قبل اَشْهَدُ کا لفظ ذکر نہیں کیا جس کو کہتے ہیں اَلَّا يَكْلَمُوْا اَشْهَدُ قَبْلَ اَنْ مُحَمَّدًا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ أُمَّتِي يَدُ عَوْنٍ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرٌّ لِمُحِبِّينَ  
مِنَ النَّارِ الْوَضُوءِ فَمَنْ اشْتَطَعَ  
مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرْمَهُ  
فَلْيُقْتَلْ : (متفق عليه)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ میری امت قیامت کے دن  
بہشتی کھیان بلائی جائے گی آثار وضو سے  
تو جو اپنی نچک دمک دراز کرے تو کیسے

قوله : إِنَّ أُمَّتِي : یہاں امت سے امت اجابت مراد ہے نہ کہ امت و امت  
یعنی جس کو خواص امت یعنی عبادت گزار امت مراد ہے ۔  
قوله يَدُ عَوْنٍ : اس کے دو مطلب ہیں : اول - یہ کہ ان کا نام غُرٌّ مجمل ہوگا  
یستعمل بارہی اسی نام سے پکارا جائے گا۔ دوم : غُرٌّ مجمل کر کر پکارا جائے گا نام نہ ہوگا اس  
کیوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ يَدُ عَوْنٍ بمعنی يُنَادُونَ : غُرٌّ منصوب حال بنے گا  
مَا يَدُ عَوْنٍ بمعنی يُسْمُونَ تو غُرٌّ مفعول ثانی ہوگا يَدُ عَوْنٍ کا۔  
حدیث مذکورہ میں تین بحثیں ہیں :-

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ — تحقیق غُرٌّ و مجمل

غُرٌّ جمع اُغْرَہ ہے بمعنی سفید چہرہ لیکن اصالةً غُرٌّ کہتے ہیں اس سفیدی کو جو گھوڑے  
کی پیشانی میں ہوتی ہے۔ مجمل اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ہاتھ اور پاؤں سفید ہوں۔ مگر اصالةً  
اس کا اطلاق بھی اس گھوڑے پر ہوتا ہے جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک  
سفید ہوں اس کو بھی فرس مجمل کہتے ہیں اور فرس مجمل عرب میں بڑا بیش قیمت سمجھا جاتا ہے  
مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز وضو کے اثر سے یہ تمام اعضاء روشن ہوں گے۔ جب  
محشر میں ان کو بلا یا جائے گا تو وہ لوگوں کے درمیان اس طرح آئیں گے کہ ان کے اعضاء

وضو و روضن و چمک دار ہوں گے۔

محدثین کی اصطلاح میں وضو کے اندر مقدار مفروض سے تجاوز کو اِطالۃ الغُزۃ والتَّجْمیل سے

## تعریف اِطالۃ الغُزۃ والتَّجْمیل

تعبیر کرتے ہیں مثلاً چہرہ دھوتے وقت پیشانی کے ساتھ مقدم راس کا کچھ حصہ بھی شامل کر لیا جائے یا بدن اور رجلین کو دھوتے وقت حد مفروض یعنی برقعین و کعبین سے تجاوز کیا جائے اور کچھ اوپر کا حصہ بھی دھویا جائے۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي — اِطالۃ الغُزۃ والتَّجْمیل کی شرعی حیثیت

بحث یہ ہے کہ اِطالۃ غُزۃ والتَّجْمیل کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس میں دو مسلک ہیں:-

امام مالکؒ کے نزدیک اِطالۃ غُزۃ والتَّجْمیل مکروہ ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اِطالۃ سے مراد اِدَامۃ اور تَجْمِید وضو ہے یعنی ہمیشہ با وضو رہنا اور تازہ وضو کرنا نہ کہ اعضاء مغسولہ کو مقدار معینہ سے زائد دھونا مراد ہے۔

### مسلک اوّل

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جندب کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں ” قَسَمْتُ مَا أَدَّ عَلَى هَذَا أَوْ لَقِصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ “

### دلیل اوّل

(ابوداؤد شریف ص ۲۱۷ ج ۱ کتاب الطہارت باب الوضوء ثلثاً)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت جس میں اِطالۃ غُزۃ کا حکم ہے وہ مرفوع نہیں بلکہ موقوف علی ابی ہریرہؓ ہے۔ چنانچہ حاشیہ نمبر ۱ مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۷ میں ہے ” ملہج من کلام ابی ہریرہؓ موقوف علیہ الخ “

### دلیل دوم

اُحاث اور شوافع کے نزدیک مستحب ہے۔ استحباب کی مقدار کیا ہے اس میں شوافع کے تین قول ہیں:

### مسلک دوم

- ۱۔ فرض مقدار سے کچھ زیادہ دھولیا جائے بغیر کسی تحدید کے۔
- ۲۔ نہ نصف عضو تک اور پاؤں نصف ساق تک دھویے جائیں۔
- ۳۔ پاؤں گھٹنوں تک اور نہ بغلوں تک دھویے جائیں۔

آحنات حضرات سے کوئی مقدار معین منقول نہیں۔ (رہلکذا قالہ الشاشی) اس لیے شوافع حضرات کے مندرجہ بالا تین قولوں میں سے کسی پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

ولیسئل : حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے " قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحَلِيَّةُ مِنَ الْمَوْءِ مِنْ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوَضُوءُ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ کنایۃ القہارت فصل اول) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک وضو کا پانی پہنچے گا وہاں تک زیر پہنا کے جاہیں گے۔ تو یہ صرف اطلاع غرہ ہی میں ممکن ہے کیونکہ اس میں مقدار زائد ہوتی ہے۔

عرض یہ ہے کہ اَسَاءَ وَظَلَمَ کا تعلق اس مالکیہ حضرات کے مُستدلِ اَوَّل کا جواب زیادتی کے ساتھ ہے جو فی الزَّاتِ ہو، نہ کہ زیادتی فی الخَلَات یعنی جو تین مرتبہ سے زیادتی کرے اس کے متعلق ہے فَقَدْ ظَلَمَ مَحَل کی زیادتی ملو نہیں جب کہ اطلاع غرہ محل د یعنی اعضائے مفسولہ کے اندر ہوتا ہے۔  
مُستدلِ ثانی کا جواب۔ اس کی مکمل تحقیق بحث ثالث کے اندر آئے گی۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ - جُمْلَةٌ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَطِيلَ الْخُ مَرْفُوعٌ هِيَ يَامَوْقُوفٌ - ۱

جُمْلَةٌ "مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَطِيلَ الْخُ" مَرْفُوعٌ هِيَ يَامَوْقُوفٌ حضرت ابوہریرہؓ کے کلام کے سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی مَرْفُوع ہی ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ جملہ مَرْفُوع نہیں بلکہ مَوْقُوف ہے تین اُوامر کے ماتحت۔  
اَمْرُ اَوَّل - یہ کہ یہ حدیث اس صحابہ کرامؓ سے منقول ہے ان میں سے کسی کی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔  
اَمْرُ دَوِّم - حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے کئی ہیں نعیم مجمر کے علاوہ کوئی بھی یہ جملہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل نہیں کرتا۔

اَمْرُ سَوِّم - مُسند احمد بن حنبل کی نعیم سے ایک روایت ہے جس کے آخر میں یہ لفظ ہیں " قَالَ نَعِيمُ لَادِرِي قَوْلُهُ مِنَ اسْتَطَاعَ الْخُ مِنْ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مِنْ قَوْلِ ابْنِ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ الْبَارِي ص ۲۳ ج ۱) ان سب باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ جملہ مَوْقُوف علی ابی ہریرہؓ ہے۔  
بقول ابوالاسعاد : جملہ مذکورہ کو مَوْقُوف تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ اس سے

اظہار غرہ کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ صرف اسی بات کو بنیاد بنا کر کہ فصیح استطاع الخ والہ جملہ کلام الی ہریرہ ہے لہذا اظہار غرہ غیر مسنون ہے درست نہیں کیونکہ اولاً اظہار غرہ کا استحباب خود حدیث سے ثابت ہے۔ کافی قولہ علیہ السلام « یدعون غُثْرًا مُّحْتَجِلِينَ درمات ۱۵۳ » باب ہدام ثانیاً؛ خود حضرت ابن عمر سے اظہار غرہ ثابت ہے قولہ وفعلاً۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبْلَغُ الْحَلِيَّةُ  
مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلَغُ الْوُضُوءُ  
(رواہ مسلم)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے نہانے  
ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مؤمن  
کا زیور دہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا  
پانی پہنچے۔

قَوْلُهُ تَبْلَغُ؛ اِی تَصِلُ بِمَعْنٰی پَہنچنا۔

قَوْلُهُ الْحَلِيَّةُ؛ بِکسر الحاء بمعنی رونق حسن ہے۔ اور بفتح الحاء حَلِيَّةٌ بمعنی زیور۔  
حدیث پاک میں دونوں قرأتیں ہیں۔

قَوْلُهُ الْوُضُوءُ؛ لفظ وضو واؤ کے پیش سے اس مشہور اصطلاحی وضو کو کہتے ہیں  
اور واؤ کے ذریعے وضو کا پانی۔ مقام ہذا پر واؤ زبر کے ساتھ ہے یعنی جہاں تک وضو کا پانی  
پہنچے گا وہاں تک نور اور زینت و رونق ہوگی یا وہاں تک زیور پہنایا جائے گا۔

حدیث اکبر سے عبارت  
حاصل کرنا جس کو غسل کہتے

کیا وضو امت محمدیہ کی خاصیت ہے

ہیں۔ یہ تو اس امت کے خصائص میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے مکلف تو بنی اسرائیل  
بھی تھے جیسا کہ حضرت دہب سے عبد بن حمید کی روایت کے الفاظ « مَكْتُوبٌ فِي الْقُرْآنِ  
مَنْ اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَاتَمَّ عِدْوِي حَقًّا وَمَنْ تَوَقَّضَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَاتَمَّ  
عِدْوِي حَقًّا » اس پر دال ہیں۔ اور وضو کی بابت بعض علماء جن میں سر فہرست علامہ علی  
بزدگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ وضو اس امت کے خصائص میں سے ہے لیکن انبیاء کے لحاظ  
سے نہیں بلکہ اہم سابقہ کے لحاظ سے چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے « التَّوَضُّعُ الْبَلِيبُ فِي خِصَائِهِ الْجَنَابَةِ »



میں لکھتے ہیں » وبالوضوء فی احد القولین وهو الاصح فلم یکن الا الانبیاء و دون ائمتھم اور انبیاء کے لیے وضوء کا ہونا حدیث کے الفاظ » فذلک و منوی و وضوء الانبیاء من قبلی « سے ثابت ہے۔ لیکن جمہور علماء امت کے نزدیک وضوء امت محمدیہ کی خاصیت نہیں۔ سابقہ ائمہ کے لیے بھی وضوء ثابت ہے۔ خاصیت صرف غزہ مجلین ہے کہ قیامت کے دن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اور ہاتھ پاؤں چمکدار ہوں گے جب کہ دیگر امتوں کے چہرہ اور اعضاء چمکدار نہ ہوں گے۔ وضوء کی عدم خصوصیت پر مستند وجہ دلائل شاہد ہیں۔

اول، حضرت بریدہؓ سے طبرانی کی روایت کے الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضوء کو دو درجہ فرمایا » هَذَا وَضُوءُ الْأَمَّةِ قَبْلَكَو (السابع) دوم، بخاری شریف و مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت بی بی سارہؓ کا فقہ مرفوعاً مروی ہے۔ اس میں حضرت بی بی سارہؓ کی بابت یہ الفاظ ہیں » فَقَامَتْ تَتَوَضَّأُ وَتُصَلِّي۔

## الفصل الثانی

یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ثوبانؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ استقامت حاصل کر دیاں پوری استقامت کی تم طاقت تو نہیں رکھتے اور یقین کرو کہ تمہارے عملوں میں بہترین عمل نماز ہے اور وضوء کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِيمُوا وَلَكِنْ مُحْصُوا وَأَعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ وَلَا يَحْفِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ۔ (رواہ مالک)

قوله اسْتَقِيمُوا۔ علامہ بیہقی استقامت کا معنی کرتے ہیں » الاستقامة اتباع

الحق والقيام بالعدل وملائمة المنهج المستقيم وذلک بخطب عظیمہ بعض محدثین حضرت نے معنی کیا ہے » ای مشقوفی وسط الافراط والتفریط « یعنی

یعنی افراد تغریب کے درمیان چلتا رہا و اعتدال ہے۔

قَوْلُهُ وَلَنْ تَحْصُوا : محمد بن حنفیہ نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔

اَوَّلٌ ، وَلَنْ تَحْصُوا اِیْ كُنْ تَطْبِقُوا اِیْ تَسْتَقْبِلُوا : یعنی پورے کمال و رسوخ کے ساتھ تم استقامت حاصل نہیں کر سکتے۔ اور نہ تمہارے قبضہ میں یہ بات ہے یہ اللہ پاک کی توفیق پر ہے۔ اگر منجانب اللہ توفیق ہوگی تو استقامت بھی نصیب ہوگی۔ اگر توفیق نہیں تو استقامت بھی نہیں۔

دَوِّمٌ : الاحصاء یعنی عدد یہ حصی سے مشتق ہے حصی کہتے ہیں چھوٹی گنتیوں کو جس سے عدد شمار کیے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دین پر استقامت اختیار کرو اور اس استقامت کا ثواب تم شمار نہیں کر سکتے لَنْ تَحْصُوا اِیْ ثَوَابُهَا۔

قَوْلُهُ اَنْ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةُ ۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ جب فرمایا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھتے تو ایک آسان اور سہل عمل کی طرف اشارہ کر دیا کہ جس کی ادائیگی سے تمام تفصیلات کا تدارک ہو جائے گا یعنی استقامت مکمل کا اجر ملے گا وہ ہے نماز پر مداومت کرنا جو شریعت کے ساتھ۔

سوال ۔ دین کے اندر اعمال بھی ہیں لیکن صرف صلوٰۃ کی تفصیل کیوں فرمائی؟  
جواب ۔ اسلام میں سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔ سارے اعمال فرض پر آجے مگر نماز عرش پر بلا کر دی گئی جس نے نماز درست کر لی۔ ان شانہ اللہ اس کے سارے اعمال درست ہو جائیں گے۔ نیز نماز بہت سی عبادات کا مجموعہ اور سارے گناہوں سے بچانے والی ہے کہ بحالت نماز جھوٹ غیبت وغیرہ سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

قَوْلُهُ لَا يَحْفَظُ : اِیْ لَا يَوَاطِبُ نہیں مداومت کرنا یا ہمیشگی کرتا۔ وضو سے مراد اصطلاحی وضو ہے یا مُرَادًا مطلقاً طہارت ہے۔

مُؤْمِنٌ ۔ مُؤْمِنٌ کی تین کمال کی ہے کہ کامل مؤمن وضو پر مداومت کرتا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ عدم مداومت کرنے والے کی ایمان کی نفی نہ ہو کیونکہ کہتے مؤمن ہیں جو ایمان کے ہوتے ہوئے مداومت علی الوضو نہیں کرتے۔

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مَنْ كَوَّضَاءَ عَلَى طَهْرٍ  
كُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ -  
(رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن  
عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ جو پاکی پر وضو کرے اس  
کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

قولہ مَنْ كَوَّضَاءَ عَلَى طَهْرٍ - بعض روایات میں علی کھنڈا ہے۔ مقصد  
ایک ہی ہے کہ وضو پر وضو کرنا واقعی یہ فعل باعث ازراہ حسنات ہے لیکن فقہاء کا اس بارے  
میں قدرے اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں :-

شافعیہ کے یہاں تجدید وضو میں چار قول ہیں :  
قول اول - ۱۔ یہ کہ تجدید اس شخص کے حق میں مستحب ہے جس نے وضو اول  
سے کوئی نماز پڑھی ہو فرض یا نفل۔

۲۔ یہ کہ صرف فرض نماز پڑھی ہو۔  
۳۔ یہ کہ وضو اول سے کوئی ایسا عمل کیا ہو جو بغیر طہارت کے جائز نہیں جیسے منیٰ مصحف  
اور سجدہ تلاوت وغیرہ

۴۔ یہ کہ تحلل یا نسیان ہو یعنی پہلے وضو اور دوسرے وضو کے درمیان زمانہ حائل  
ہو کچھ فصل ہو چکا ہو۔ ایک وضو کے بعد فوراً دوسرا وضو نہ کیا جائے نیز ان کے  
نزدیک غسل کی تجدید مستحب نہیں ہے اور تمام یہ دونوں روایتیں لکھی ہیں۔  
حنفییہ کے یہاں تجدید وضو کا استحباب اس صورت میں ہے کہ  
باتواختلاف مجلس ہو یا توسط العبادات بین الوضوین ہو یعنی پہلے وضو  
سے کوئی عبادت کر چکا ہو۔

قولہ عَشْرُ حَسَنَاتٍ : حَسَنَات کی تعبیر میں دو قول ہیں۔  
اول : حسنات اپنے ظاہر پر محمول ہے معنی دس نیکیاں یعنی اس کو دس نیکیوں کا ثواب  
ملتا ہے۔ دوم : حسنات معنی وضو یعنی اس کو دس وضو کے ثواب ملتے ہیں۔

سوال - یہ روایت ترمذی شریف میں ہے اور امام ترمذی نے افریقی راوی کی

وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے پھر اس پر عمل کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے  
**جواب :** علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف مقبول ہے  
 یعنی حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہو سکتا ہے کما فی ہذا المقام۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے کہ جنت کی چابی نماز ہے اور  
 نماز کی چابی پاکی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ  
 الْجَنَّةِ الصَّلَاةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلَاةِ  
 الطَّهْرَةُ۔ (مسند احمد)

قولہ مفتاح الجنة الصلوة۔ دخول جنت کے لیے صلوٰۃ کو چابی سے  
 تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے مقفل دروازہ بغیر چابی کے نہیں کھل سکتا۔ اسی طرح بغیر طہارت کے  
 نماز نہیں ادا کی جاسکتی اور نماز کے بغیر جنت کا حصول ناممکن ہے۔ اس حدیث میں  
 مماثلت نماز کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے و فیہ دلیل لمن یکفر تارک الصلوٰۃ و  
 انها الفارقة بین الایمان والکفر

**سوال :** کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ (مفتاح الجنة كلمة التوحيد)  
 کہ چابی کلمہ توحید ہے جب کہ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ”مفتاح الجنة الصلوة“  
**جواب :** اصل میں یہاں عبارت مقدر ہے ”مفتاح درجۃ الجنة الصلوة“  
 نتیجہ یہ نکلا کہ جنت کے درجات حاصل کرنے کے لیے نماز چابی ہے مگر نفس جنت کے لیے  
 توحید شرط ہے تو اس تاریل سے تعارض رفع ہو جائے گا۔

ترجمہ : روایت ہے شعب بن  
 ابی روح سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ شُعَيْبِ بْنِ  
 رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ

مَا سُئِلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِنَّ سَأَلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ  
فَقَرَأَ الرَّؤْمَ فَأَلْبِيسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا  
صَلَّى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّونَ  
مَعَنَا لَا يُحْسِنُونَ الظُّهُورَ وَالْمَا  
يُلْبِسَ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أَوَّلَ ذَلِكَ  
(رواه النسائي)

کسی صحابی سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
نے نماز فجر پڑھی اور سورۃ روم کی قرأت فرمائی  
تو آپ کو متشابہ لگ گیا جب نماز پڑھ  
چکے تو فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہم سے  
ساتھ نماز پڑھتے ہیں ظہارت اچھی طرح نہیں  
کرتے ہم پر یہی لوگ قرآن مشتبہ کر  
دیتے ہیں۔

قوله عَنْ تَرَجِلٍ : رجل مجهول الحال ہے وقال سيوط اسمع اغتر النفازي  
ليكن به قول متني نہیں۔ البتہ اس میں اتفاق ہے کہ رجل میں صحابی رسول اور جہالۃ الصحاب  
لا تضمر کبریکہ کلہم وعدوہ۔

قوله الرَّؤْمُ - ای سورۃ الرّوم کمل سورۃ روم یا بعض حصہ تلاوت فرمایا۔

قوله فَأَلْبِيسَ : ای اِشْتَبِهَتْ یعنی مشابہ لگ گیا۔

قوله فَلَمَّا صَلَّى : ای فَرَخَ مِنْ الصَّلَاةِ۔

قوله مَا بَالُ أَقْوَامٍ : ای ما حال جماعات۔

قوله ای لَا يَأْتُونَ بِوَأَجِبَاتِهِ وَسُنَنِهِ : کیونکہ یہی سنن بل کرداجبات  
مکمل کرتے ہیں۔

حدیث مذکورہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں :-  
اَوَّلُ : اس حدیث میں اس طرٹ اشارہ ہے کہ کسی عمل

### مَطْلُوبُ حَدِيثٍ

اور کسی عبادت کے جو سنن و آداب ہوتے ہیں وہ واجب کو کا بل کرتے ہیں اور برکت کا سبب  
ہوتے ہیں اسی برکت کا اثر نہ صرف یہ کہ عامل کی ذات تک محدود رہتا ہے بلکہ وہ برکت  
دوسروں میں بھی سرایت کرتی ہے جیسے کہ کوتاہی اور قصور عامل کی ذات کے علاوہ دوسرے کے  
ضرر کا بھی باعث ہوتا ہے۔

دَوِّمُ : یہ حدیث درحقیقت ان بے بصیرت لوگوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو

صحبت کی تاثیر کے منکر اور اس سے غافل ہیں لہذا ایسے لوگوں کے لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ سرکارِ دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود اس رنجہ کے اور قرآن پڑھنے کی حالت میں جو تقرب الی اللہ کا وقت ہے ایک ادنیٰ اتنی کی صحبت نے اثر کیا جس سے دھنور کے آداب دست میں کوتاہی یا تصور ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آپ کی ذات مبارک کو قرأت میں متشابہ لگا کر ایسے لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو شب و روز اہل فتن اور اہل بدعت کی صحبت کو اختیار کیے رہتے ہیں۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي  
سُلَيْمٍ قَالَ عَدُّهُنَّ مَسْئُورٌ  
اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فِي يَدَيْهِ أَوْ فِي يَدَيْهِ قَالِ  
الشَّيْبُ نِصْفُ الْمَيْزِ اب  
وَالْعَمْدُ لِلَّهِ يَمْلَأُ وَالتَّكْيِ  
يَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ  
وَالْأَرْضِ وَ الصَّوْمُ نِصْفُ  
الصَّبْرِ وَالظُّهُورُ نِصْفُ  
الْإِيمَانِ - (رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے بنی سلیم کے ایک صاحب سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے یا اپنے ہاتھ مبارک پر یہ چیزیں شمار کر لیں فرمایا تسبیح آدمی ترازو ہے اور الحمد للہ اسے بھر دے گی اور تکبیر آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیتی ہے اور روزہ آدمی کو بھر دے گی اور پاکی آدمی کو بھر دے گی۔

قوله وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِي سُلَيْمٍ - مراد صحابی رسول ہیں یہ سابی گذر چکا ہے کہ سارے صحابہ کرام عاقل ہیں لہذا ان کا نام معلوم نہ ہونا معجز نہیں۔ قوله عَدُّهُنَّ اس کا ضمیر خصالِ آیتہ کی طرف راجع ہے جن کا بیان آیا ہی چاہتا ہے قوله فِي يَدَيْهِ أَوْ فِي يَدَيْهِ - حدیث کو بیان کرتے وقت راوی کو شک ہو گیا ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو میرے ہاتھ پر شمار کیا ہے یا اپنے ہاتھ مبارک پر شمار کیا ہے۔ بہر حال ان کو شمار اس طرح کیا کہ یا تو آپ نے اس صحابی کی

انگلی پکڑی یا اپنی انگلی پکڑی اور ان کو پھیلی پر بند کر کے ان پانچ باتوں کو شمار کیا۔  
قَوْلُهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلِكُهَا - اس کے دو مطلب ہیں :-

اول : سُبْحَانَ اللّٰهِ نصف میزان کو بھرتا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ دوسرے نصف حصہ کو بھرتا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شان میں دونوں برابر ہیں۔

دوم : سُبْحَانَ اللّٰهِ نصف میزان کو بھرتا ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سارے میزان کو بھرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تسبیح پر تمجید کو فوقیت ہے۔

سوال :- کیا وجہ ہے کہ تسبیح پر تمجید کو ترجیح دی۔

جواب :- تسبیح صفت سبلی ہے کہ اللہ پاک جمیع نقائص سے پاک ہیں اور حمید صفت ایکائی ہے کہ جمیع صفات کاملہ کا ایجاب اللہ پاک کے لیے ہے اس غلبہ کی وجہ سے ترجیح دی۔

قَوْلُهُ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّائِرِ - اس کے دو مطلب ہیں :-

۱۔ اصل میں صبر دو قسم ہے۔ صبر علی الطاعات، صبر عن المعاصی۔ روزہ صبر عن المعاصی ہے کیونکہ وہ شہوت نفسانیہ کے لیے قانع ہے۔ لہذا روزہ نصف صبر ہے۔

۲۔ صبر دن رات کا ہوتا ہے تو روزہ نصف صبر ہے یا اس معنی کہ وہ دن کا صبر ہے لہذا نصف صبر ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے صبر ایک جانب اور روزہ ایک جانب۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ الصَّنَائِعِي  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ  
الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ خَرَجَتْ  
الْخَطَايَا مِنْ فَمِهِ وَإِذَا  
اسْتَنْشَرَتْ خَرَجَتْ الْخَطَايَا  
مِنْ أَنْفِهِ وَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهُ  
خَرَجَتْ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهِ

ترجمہ : روایت ہے عبد اللہ الصنائعی  
صنائعی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جو من جب  
وضو کرے گے گئی کرے تو خطائیں اس  
کے من سے نکل جاتی ہیں اور جب ناک  
میں پانی لے تو خطائیں اس کے ناک سے  
نکل جاتی ہیں اور جب اپنے چہرہ کو دھوے  
تو خطائیں اس کے چہرہ سے نکل جاتی ہیں۔

قوله اشْفَاءُ عَيْنَيْهِ - اشفاء جمع ہے شَفَّوْا شَفْوً کی بمعنی پلکوں کی جڑ۔ (ف) حدیث مذکور کی نقل بحث کتاب الطہارت فصل اول میں ہو چکی ہے قوله المصلوۃ - اس میں تعیم ہے فرض میں یا نفل۔

قوله نَافِلَةٌ لَهُ - ای اضافۃً نیز نفل کا اطلاق اس العام پر ہوتا ہے جو زائد از محض ہو۔ کہانی قولہ تعالیٰ «وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَجَدَ لَهُ نَافِلَةً رَّبًّا» دنی مقام آخر «وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً رَّبًّا» الانبیاء ہر حال میں وہ تکفیر صغائر سے زائد چیز ہوگی یعنی تخفیف کیا تر یا رفع درجات یا بقید اعضاء کے صغائر کے کفارہ کا سبب بنے گی۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان تشریف لے گئے تو فرمایا اے مومن قوم کی جماعت تم پر سلام ہو ان شاء اللہ تم بھی تم سے ملنے والے ہیں مجھے یہ تمنا ہے کہ اپنے بھائیوں کو دیکھتا صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں فرمایا تم میرے ساتھی دوست ہو ہمارے بھائی وہ ہیں جو آب تک نہیں آئے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ  
يَا دَاةَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ  
اللَّهُ بِكُمْ لَوَاحِقُونَ وَدِدُّنَا  
أَنَّا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا قَالُوا  
أَوَلَسْنَا إِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
قَالَ أَسَلُّكُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا  
الَّذِينَ كُنُوا يَتَوَلَّوْنَ بَعْدُ  
(مراد مسلم)

قوله أَتَى الْمَقْبَرَةَ : بفتح الباء یا بضم الیاء ہے۔ اور مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً و ذکرًا کا قبرستان جنت البقیع ہے جہاں حضورؐ زیارت قبور کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔

قوله دَاةَ قَوْمٍ - دار سے مراد گھر بھی ہے اور جماعت بھی جیسا کہ بعض محدثین نے



دائرے جماعت مراد فی ہے (کمانی المرتات) لیکن خاتمہ الطبیعی و نعل مرادہ احد المعجانات بن العبد کورین۔ کمانی قولہ تعالیٰ "وَأَسْئَلُ الْقَرِیْبَ" اصل میں "وَسْئَلُ لَهِل الْقَرِیْبَ" ہے۔

قولہ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حَقُّوْنَ - یعنی عنقریب وفات پا کر تم سے ملاقات کریں گے۔

سوال - موت تو یقینی ہے پھر آپ نے ان شاء اللہ کیوں فرمایا اس سے تو کلام میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔

جواب اول - نفس موت کے متعلق شک کرنا مراد نہیں بلکہ مقام موت اور مدفن کے بارہ میں شک مراد ہے۔ کمانی قولہ تعالیٰ "وَمَا تَنْتَهِیْ نَفْسُکَ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" (پک لقمان)

جواب دوم - یہاں حُسنِ خاطر میں شک مراد ہے اور اب اس سے مقصود تعلیم و ارشاد اُمت ہو گا۔

قولہ وِدِدْتُ - بکسر اللام ای تھنیت و احببت۔

قولہ اِنَّا - ای اَنَا وَاصْطَحَبَائِیْ میں اور میرے اصحاب کرامؓ۔

قولہ قَدْ رَأَیْنَا - یہ نمٹی رویت فی الحیاة ہے قیل بعد الصلوات یعنی آئندہ پیدا ہونے والے مسلمانوں سے حیات ظاہری میں ملاقات کرنا۔ تفسیر یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نبی کریم صلیم کو مَآکِن اور مَآیَسُکُوْنَ کا علم نہیں ہے اگر علم ہوتا تو یوں نہ فرماتے۔

سوال - ذکرِ مَوْتِی کے ساتھ اس جملہ کی کیا مناسبت ہے؟

جواب اول - مَوْتِی کے ساتھ احیاء کی یاد بھی آگئی اس لیے ذکر فرمایا۔

جواب دوم - آپ پر عالمِ اُرداح کا انکشاف ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اُرداح کا مشاہدہ فرمایا اور اس وقت آگئی پچھلی تمام اُرداح موجود تھیں۔

## تشریح اَسْتَوْصَحَابِیْ

حدیث پاک کے اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد پیدا

ہونے والے مسلمانوں میں نہ معرفت یہ کہ بڑا دلچسپ اور لطیف فرق بیان کیا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کو امتیازی شان بھی بخش دی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میرے درست ہو اور بعد میں پیدا ہونے والے مؤمنین میرے بھائی ہیں۔ یعنی تمہارے ساتھ تعلقات کی دونوں عینیں ہیں۔ ۱۔ یہ کہ تم میرے بھائی ہو مگر اَلْمُؤْمِنِينَ اِخْوَانٌ ۲۔ اس کے ساتھ ساتھ تم میرے رفیق خاص بھی ہو یعنی صحابی۔ جب کہ بعد میں آئے تالبعین ان کے ساتھ ایک ہی تلقین ہے وہ ہے اخوانِ مسلم۔

قَوْلُهُ كَيْفَ تَعْرِفُ : اِی فی المعشر یہ اس لیے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قنات تھی رویت کی اور وہ پوری نہ ہو سکی۔ جب روایت نہ ہوئی تو معرفت کیسے ہوگی کیونکہ معرفت موقوف بر رویت ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ غَيْرُ مُحْجَلَةٍ - قدمٌ تحقیقہ انفاً۔

قَوْلُهُ بَيْنَ ظَهْرِي - اِی اقاموا بَیْنَهُمْ بَیْنَ الْخَيْلِ وَالْحَيَوَانَاتِ :

قَوْلُهُ دُهُمٌ - یہ اَدھن کی جمع یعنی سیاہ۔

قَوْلُهُ بُهْمٌ - یہ بھیم کی جمع ہے یعنی سخت سیاہ اور خالص سیاہ درمراہ کی  
”کالا تو تو“۔ یا کالا کرٹھ۔

قَوْلُهُ اَلَا يَخْبَرُ خَيْلَهُ : ہمزہ انکار کے لیے ہے یعنی کیا اس حالت میں وہ اپنے گھوڑے کو نہیں پہچان سکے گا۔

قَوْلُهُ قَالُوا بَلٰی : اِی بعد فہما کہ واقعی وہ پہچان جائے گا۔

یَقُولُ الْبَوَالُ سَعَادٌ : سبحان اللہ کیا نفس تشیل ہے کہ جیسے بیچ کلیان گھوڑا کالا گھوڑوں میں نہیں جھپتا ایسے ہی میری امت دیگر امتوں میں نہیں چھپے گی اس کا مطلب یہ نہیں کہ بچلی امتوں کے سارے مؤمن سیاہ رو ہوں گے۔ سیاہ روئی تو صرف کفار کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ آثار و صفات کی خاص چمک صرف امتِ مصطفویٰ میں ہوگی۔ کما مر

قَوْلُهُ اَنَا قَرُطُھُمْ عَلٰی الْحَوْضِ - اِی متقدّمہم فی حوضی فی المعشر  
فرد لشکر کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو فوج سے پہلے جاتا ہے اور سامان وغیرہ تیار کرنا ہے جس کو عربی میں مُقَدَّمَةُ الْجَمِشِ کہتے ہیں اور اردو میں میرساں۔ میرساں کا مطلب یہ ہے

کہ میں امت سے پہلے خدا کے ہاں جا کر ان کی مغفرت کے اسباب درست کروں گا۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَوَّلُ مَنْ  
يُؤْذَنُ لَهُ بِالشُّجُودِ يَوْمَ  
الْقِيَامَةِ وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ  
لَهُ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ فَإِنْ نَظَرُ  
إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَأَعْرِفُ  
أُمَّتِي بَيْنَ الْأُمَمِ وَمِنْ  
خَلْقِي مِثْلُ ذَالِكَ وَعَنْ يَمِينِي  
مِثْلُ ذَالِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلُ  
ذَالِكَ - (سداہ احمد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو الدرداء  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ میں پہلا وہ ہوں جسے قیامت  
کے دن سجدہ کی اجازت ملے گی اور میں  
ہی پہلا وہ ہوں جسے سر اٹھانے کی اجازت  
ملے گی تو میں اپنے سامنے بھڑدیکھوں گا  
تو تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان  
لوں گا۔ اور میرے قریب بھی اسی طرح اور  
میرے داہنے بھی اور میرے بائیں بھی  
اسی طرح ہوں گے۔

قَوْلُهُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُؤْذَنُ لَهُ - اٹلا علی ناری مرقات میں لکھتے ہیں اولیت کی  
وجہ یہ ہے کہ ”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ رُوحَهُ أَوْ لَوْحًا“ اس سے دلوں کی پہلے آپ ہی  
شفاعت کریں گے۔

قَوْلُهُ أَوْ بِالشُّجُودِ - یہ سجدہ عبادت کا نہ ہوگا بلکہ شفاعت کبریٰ کی اجازت کا  
ہوگا۔ یقول ابوالسعاد : عشر میں جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ حمدیت  
میں حاضر ہوں گے یہ وہ وقت ہوگا جب سارے انبیاء نفسی نفسی کر کے جواب دے چکے ہوں گے  
تو آنحضرتؐ کی ذات پاک سجدہ میں جائیں گے اور بہ مقدارِ ہفتہ یا چونتاربت زوالِ جلال چاہیں گے  
سجدہ میں رہیں گے پھر بعد میں بارگاہِ الوہیت سے حکم ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا  
سر مبارک اٹھائیے اے میرے محبوب ”سَلِّ تَعْطَى“ مانگیئے کیا مانگتے ہو ہم آپ کی درخوا

کو شرفِ قبریت سے نوازیں گئے اس کے بعد شافعِ محشر آٹا گئے نامدار سرورِ کائناتِ فخرِ موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداءِ روحی) مخلوقِ خدا کی شفاعت کے لیے اپنی لسانِ مبارک سے بارگاہِ خداوندی میں درخواست پیش فرمائیں گے حدیث کے ابتدائی حصہ میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ مَا سَبَّيْنِ بَيْنَهُ - اِيْ قُدَّ اِيْ وَ اَمَارِيْ بِعْنِيْ بِنِيْ سَابَنِيْ -  
قَوْلُهُ خَلْفِيْ، يَمِيْنِيْ، شِمَاْنِيْ - ان جملوں کے اندر میدانِ محشر میں اُمتِ محمدیہ کی کثرت و زیادتی کی طرف اشارہ ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
”تَنْزُوْجُ الْوَدُوْدِ الْوَلُوْدُ كَقَاتِيْ مُكَافَرٍ بِكُفْرٍ اَلْاُ صَحْرُ رَمْلِكُوْهُ شَرِيْفٌ بِحَقِّ”  
کتاب النکاح فصل ثانی، ایسی عورتوں کے ساتھ نکاح کرو جو بہت بچے پیدا کرنے والیاں ہوں کیونکہ میں قیامت کے دن فخر کروں گا۔

قَوْلُهُ فَقَالَ مَا جَلَّ قِيَاَسُ سُؤْلِ اَللّٰهِ : صحابیؓ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک ایک بڑی لمبی مدت ہے اور ایک بڑا طویل زمانہ ہے۔ اسی دوران میں ایک دو نہیں بلکہ بہت زیادہ اُمتیں گزری ہیں۔ پھر تعداد و شمار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بے انتہاء مخلوقِ خدا اس زمانہ میں پیدا ہوئی اور مری ہوگی تو اتنے ازدحام اور اتنی اُمتوں میں آپؐ اپنی اُمت کو کس طرح پہچان لیں گے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امتیازی صفت کا ذکر فرمایا جس سے اُمتِ محمدیہ کے افراد مُتَصِف ہوں گے اور تمام اُمتوں میں ممتاز ہوں گے۔

قَوْلُهُ فِيْ مَا سَبَّيْنِ نُّوْحٍ اِلٰى اَمَّتِكَ - نوح علیہ السلام سے اپنی اُمت تک۔  
سوال - نوح علیہ السلام کی تخصیص کیوں ہے؟  
جواب اوّل - نوح علیہ السلام کی تخصیص شہرت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ آدم

ثانی ہیں۔

جواب دوم - چونکہ تمام نبیوں میں بہت زیادہ مشہور ہیں اس لیے ان کا نام لیا۔  
جواب سوم - حضرت نوح علیہ السلام کے نام مبارک سے طویل زمانہ مراد ہے۔  
کیونکہ ان کی مدتِ تبلیغ بہ نسبت دیگر انبیاء کرامؑ کے طویل ہے نہ کہ علمِ شخصی۔

قوله هُوَ عَزَّ وَجَلَّ مَحْجَلُونَ - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی معرفت کے لیے نبین و صفیں بیان فرمائی ہیں۔

وصف اول : ان میں غرہ نقل ہوں گے اس کی بحث ہو چکی ہے۔

وصف دوم : نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملیں گے۔

سوال - دوسری نصیر سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی امتوں کے اعمال نامے بھی دائیں

ہاتھ میں دیے جائیں گے تو پھر امت محمدیہ کی تخصیص کیوں !

جواب اول - امت محمدیہ کو باقی امتوں سے پہلے اعمال نامے دائیں ہاتھ میں

دیے جائیں گے۔

جواب دوم - امت محمدیہ کے اعمال ناموں کا نور باقی امتوں کے نور سے زیادہ

ہوگا اس لیے وہ پہچانے جائیں گے۔

وصف سوم - جنت میں لے جانے کے لیے چھوٹے ماں باپ کے آگے چلیں گے

شفاعت کے لیے یہ بھی خاص ہے اس امت کے ساتھ لیکن عسکرمہ طیبی فرماتے ہیں۔

”قال الطیبی“ لعمریات بالوصفین هلین بن لفضلتہ و تمیزا کا اول

بل انی بہما مدحا لا قتہ۔“ کبر لکہ قرآن مقدس میں ہے۔

”الْحَمْدُ لِلَّهِ ذُرِّا یُکَلِّمُ“ (پٹا طور)

## بَابُ مَا يُوجِبُ الْوُضُوءَ

اس باب میں موجبات وضو بیان کریں گے یعنی ان اسباب کا بیان ہوگا جن

کی وجہ سے پہلا وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور عبادت کی ادائیگی کے لیے نیا وضو

کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے باب ما یوجب الوضو کو محمول کریں گے باب اسباب

ما یوجب الوضو پر۔ وضو کے موجب دو ہیں۔

اول موجب حقیقی : یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اس نے ہمارے

ہے واجب کیا ہے۔

**دوّم مُوجِب عارضی**۔ یعنی امارات و علامات وجوب ایسی نشانیاں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شرع نے یہاں وضوء واجب کر دیا ہے مثلاً بول کے وقت وضوء کو حقیقتاً واجب کرنے والے تو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہیں مگر بول ایک ظاہری نشانی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں وضوء واجب ہو چکا ہے۔

**فائدہ**۔ یہاں مُصَنَّف عَلَیہِ الرَّحْمَۃُ تین قسم کے موجبات بیان فرمائیں گے۔

**أَوَّل**۔ وہ چیزیں جو باتفاق ائمہ موجب وضوء ہیں جیسے خروج النجاستہ من التّیلیلین۔

**دوّم**۔ ایسے اُمور جن کے موجب ہونے یا نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے مثلاً مَسْ ذِکْر، مَسْ مَرَأَة خروج النجاستہ من غیر التّیلیلین وغیرہ۔

**سوم**۔ ایسے اُمور جن کے متعلق بعض روایات سے کچھ میں آتا ہے کہ یہ موجب ہیں لیکن ان کے موجب نہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

## الفصلُ الأوّلُ — یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بے وضوء کی نماز قبول نہیں یہاں تک کہ وضوء کرے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْبَلُ صَلَوةٌ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَتَوَضَّأَ (متفق علیہ)

قوله مَنْ أَحَدٌ : اى صار ذا حدث قبل الصلوة اوفى اثنائها۔

قوله حَتَّى يَتَوَضَّأَ : اس میں محرم ہے وضوء حقیقی ہو یعنی بالماء یا کھڑا ہو یعنی

تیمم۔ عند البعض یَتَوَضَّأُ یعنی یَسْطَهِّرُ اس میں ہر قسم کی طہارت آجائے گی۔ مزید اس کی بحث اگلی حدیث میں ہوگی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَا تَقْبَلُ صَلَوةٌ بِغَيْرِ  
طَهْوٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ  
(رواہ مسلم)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ نہ بغیر پاکی کے نماز قبول ہوگی  
اور نہ خیانت کے مال سے صدقہ اور خیرات  
قبول ہے۔

فائدہ۔ حدیث مذکور کے درجہ ہیں۔ جزء اول: لا تقبل صلوة بغیر طہو۔  
جزء دوم: ولا صدقة من غلول و دون جزؤں کی علیحدہ علیحدہ بحث ہوگی۔

## حدیث مذکور کی جزء اول کی بحث

قَوْلُهُ لَا تَقْبَلُ۔ قبول دو معنوں میں مستعمل ہے۔ اول: قبول معنی اجابت جس کا مطلب  
ہے کون الشئ مستجمعاً لجميع الشرائط والامكان "اس معنی کے لحاظ سے یہ محنت  
کا مترادف ہے اور اس کا نتیجہ دنیوی اعتبار سے فراغ الذمہ ہے۔ مثلاً حدیث پاک میں ہے  
" لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ حَائِضٍ أَوْ بَخْمَارٍ رَوَاهُ شَرِيفٌ رحمہ اللہ كِتَابُ الْفَلَاحِ  
باب الرَّأَةِ تَعْلَى بِغَيْرِ نَمَازٍ "

یہاں قبول اجابت و محنت کے معنی میں ہے کہ حالت یعنی بالغہ کی نماز نیکے سر صحیح ہی نہیں  
دوئم: قبول معنی اجابت و رضا کے ہے (اس کا مطلب ہے " وقوع الشئ فی  
حیث مرصاة الرب سبحانه وتعالى " اس کا نتیجہ آخرت کا ثواب ہے۔ مثلاً  
حدیث پاک میں ہے " من شرب الخمر لم تقبل له صلاة امرأین صاحباً۔  
مشکوٰۃ شریف کتاب الحمد و باب بیان الخمر و عید شاربہا) اس میں قبول معنی اجابت

مراد ہے۔ اس وضاحت کے بعد دو امروں کا جانا ضروری ہے۔

**امراؤں**۔ اس میں اختلاف ہے کہ لفظ قبول کے حقیقی معنی کیا ہیں اس میں دو قول ہیں  
۱۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ قبول اجابت کے معنی میں حقیقت ہے اور اصابت  
کے معنی میں مجاز ہے۔

۲۔ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس کو اصابت کے معنی میں حقیقت اور اجابت کے  
معنی میں مجاز قرار دیا ہے۔

**امر دوم**۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس حدیث میں قبول سے کون سے معنی مراد ہیں  
اس میں دو قول ہیں

**قول اول**۔ علامہ تقی الدین ابن دقین العید نے فرمایا کہ یہ لفظ درحقیقت دونوں  
معنی میں مشترک ہے اور کسی ایک معنی کا کوئی قرینہ نہیں ہے لہذا ہمیں اس حدیث کی  
تشریح میں توقف کرنا چاہیے۔

**قول دوم**۔ بہرہ حضرات کے نزدیک یہاں قبول بمعنی اصابت ہے اس صورت  
میں علامہ عثمانیؒ کے قول پر تو کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک یہی اس لفظ کے  
حقیقی معنی ہیں۔ البتہ حافظ ابن حجرؒ کے قول پر سوال ہو سکتا ہے۔

**سوال** : یہ کہ حقیقی معنی کو کیوں چھوڑا گیا ؟

**جواب** : یہ کہ یہاں ایک قرینہ کی وجہ سے حقیقی معنی کو چھوڑا گیا اور وہ قرینہ  
تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز بغیر طہارت کے صحیح اور معتبر ہی نہیں ہوتی۔

**قولہ صلوٰۃ**۔ صلوٰۃ نکرہ تحت النفی واقع ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب نکرہ  
تحت النفی آجائے تو مفید للعموم ہوتا ہے۔ یہاں بھی صلوٰۃ اپنے معنی عموم کی بنا پر جملہ انواع  
صلوٰۃ کو شامل ہے مثلاً صلوٰۃ ذات الركوع والسجود وغیرہ اوقات الركوع والسجود۔

**خلاصہ**۔ یہ کہ حدیث باب سے یہ معلوم ہوا کہ مطلق صلوٰۃ رکن کل الوجہ اور من  
بعض الوجہ (بغیر طہارت کے ادا نہیں ہو سکتی۔ کما فی قولہ لا رجل فی الدار۔ نیست مری  
سرائے۔ حدیث کے اس جملہ میں کئی فقہی مسائل آتے ہیں۔



## مسئلہ اولیٰ - کیا نماز جنازہ بغیر طہارت جائز ہے؟

اس مسئلہ میں کہ کیا نماز جنازہ بغیر طہارت جائز ہے — در مسئلہ میں  
**مسئلہ اول** - امام شعبیؒ، ابن علیؒ اور ابن جریر طبریؒ و امام بخاریؒ ان حضرات کے  
 نزدیک نماز جنازہ کے لیے طہارت کوئی ضروری نہیں۔

یہ ہے کہ حدیث میں صلوٰۃ کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے جب مطلق کا  
 اطلاق کیا جائے تو فرد کامل مراد ہوتا ہے اور نماز کا فرد کامل  
 وہ نمازیں ہیں جن میں رکوع و سجود و قیام سب امور پائے جائیں۔ نماز جنازہ ان امور پر مشتمل  
 نہیں ہے۔

**مسئلہ دوم** امام بخاریؒ نماز جنازہ کے متعلق کہتے ہیں "انما هو دعاء" کساثر الادعیۃ  
 دعاؤں کی طرح نماز جنازہ بھی بغیر وضو کے ادا کی جاسکتی ہے کیونکہ یہ بھی میت کے لیے دعا ہے۔  
**مسئلہ دوم** - جمہور علماء اُمت کے نزدیک نماز جنازہ کی صحت کے لیے بھی  
 طہارت شرط ہے۔

نماز جنازہ اگرچہ صلوٰۃ مطلقہ نہیں لیکن بہت سی نصوص میں اس پر  
**مسئلہ اول** صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے کہانی تو لہ تعالیٰ "وَلَا تَقْصِرْ عَلٰی  
 اَحَدٍ مِنْهُمْ شَاْءًا اَبَدًا" وَلَا تَقْصِرْ عَلٰی تَبْرِیْمِ رِبِّكَ تَعْبِیْرًا لِّہِذَا نَمَازُ جَنَازَہِ کَا حَکْم  
 بھی صلوٰۃ والا ہی ہونا چاہیے۔ حدیث پاک میں ہے۔  
 جب سیدنا ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔  
 تو اس پر بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

رُحَمَاءُ مَا تِ اِبْرَہِیْمُ بْنُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ عَلَیْہِ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المقاعد راہوداؤد شریف مشہور ۲  
 کتاب الجنت فی باب فی الصلوٰۃ علی النفل

اسی طرح ایک واقعہ ہے کہ حضرت کے زمانہ مبارک میں ایک عورت تھی جو مسجد نبوی کو  
بھاڑ دیا کرتی تھی وہ فوت ہو گئی صحابہ کرامؓ نے جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کر دیا بعد حضرت  
کو خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر پر ملے جاؤ۔ حضرت اس مرحومہ کی قبر پر تشریف  
لے گئے اور نماز جنازہ پڑھی تو یہاں بھی جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

» قال دلتونی علی قبرہ قد تود فصلى علیہ راہد او دشریف ص ۲  
کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی القبر

اور بھی کافی دانی آثار ہیں جن میں جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ طوالت کے خوف سے  
ترک کیا جا رہا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:-

واجمعت الأئمة علی تحريم الصلوة بنسیر

مُسْتَدَل دُوم

طهارة من ماء أو تراب ولا فرق بين الصلوة المفروضة  
والنافلة وسجود التلاوة والشكر وصلوة الجنائز الذميمة  
حكى عن الشعبي ومحمد بن جرير الطبري من قولهما  
تجوز صلوة الجنائز بنسیر طهارة هذا مذهب باطل  
واجمع العلماء علی خلافه۔ (نووی شرح مسلم شریف ص ۱۷۳ ج ۱ کتاب الصلوة)

نماز جنازہ کے لیے عدم طہارت پر مُستدلّات کے جوابات

جس میں اس چیز کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ حدیث  
پاک میں صلوٰۃ کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے اور مطلق

مُسْتَدَل اَوَّل کا جواب

سے فرد کابل ہی مراد ہوتا ہے۔ مختصراً جواب عرض خدمت ہے کہ واقعی یہ اصول ہے مگر یہ  
اصول (فرد مطلق والام) اس وقت تک اصول ہے گا جب تک کہ اس کے مقابلہ میں نصوص  
صریحہ مذکور نہ ہوں جب نصوص صریحہ کا ذکر ہو تو پھر اس اصول کی کوئی حیثیت نہیں رہتی  
چنانچہ قرآن مقدس و حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا گیا ہے

**مستدل دُوم کا جواب** | جس میں امام بخاریؒ کی طرف اس بات کی نسبت کی گئی ہے کہ نماز جنازہ بھی دعاء کی طرح ایک دعاء ہے تو جس طرح دعاء کے لیے طہارت نہیں اس کے لیے بھی طہارت کوئی ضروری نہیں چند وجوہ یہ بات غیر صحیح ہے۔ اولاً: امام بخاریؒ کی طرف بھی منسوب ہے لیکن یہ نسبت درست نہیں ہے اس لیے کہ امام بخاریؒ نے اس کے مقابلہ میں بخاری شریف علیہ السلام کتاب القلۃ میں باب ذکر کیا ہے۔

« باب سنة الصلوة على الجنائز وقال النبي صلى الله عليه وسلم  
من صلى على الجنائز وقال صلوا على صاحبكم وقال صلوا  
على النجاشي وإن كانا أم أمة بن بحرهما ستمها صلوة ليس فيها  
ركوع ولا سجود »

تو ایام بخاری کیسے اپنے قول کے خلاف کر سکتے ہیں ۔  
 ثانیاً : اگر یہ قول بخاری " اَللّٰهُمَّ اَوْدِعْهُ عَذَابِ كَسَاثِرِ الْاَدْعِيَةِ " درست بھی ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں جس طرح لوگوں نے کچھ رکھا ہے کہ نماز جنازہ دعا ہے اور وہ سری دعاؤں کی طرح نماز جنازہ بھی بغیر وضو جائز ہے نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ تلافی مقصود ہے کہ جنازہ بھی میت کے لیے دعائے مغفرت ہے جیسے زمرہ لوگوں کے لیے طلب رحمت و مغفرت از ذنوب کی درخواست کی جاتی ہے ایسے ہی میت کے لیے بخشش طلب کی جاتی ہے یعنی نص طلب میں دونوں برابر ہیں نہ کہ ادائیگی بغیر طہارت چنانچہ ہم کہتے ہیں :-  
 " اَللّٰهُمَّ اَعِزِّدْ لِحَيَّتِنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا — فَانْصُرْنَا يَا اَكْبَرُ "۔

مسئلہ ثانیہ۔ کیا سجدہ تلاوت بھی بغیر طہارت جائز ہے؟

کيا سجدہ تلاوت بغیر طہارت جائز ہے اس میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول** - امام بخاریؒ، ابن جریر طبریؒ، عامر شعبیؒ اور ابن علیؒ ان حضرات

کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں۔ دُورِ حاضر میں مودودی صاحب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

**مُستدل**۔ صحیح بخاری شریف ص ۱۶۱ اکتب الصلوٰۃ باب سجود السَّجْدِینَ مَعَ الْمُشْرَکِیْنَ میں حضرت ابنِ عمرؓ کا اثر ہے جو تعلیقاً روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔  
”سجد علی غیر وضوء“

**مسک دوّم**۔ جمہور حضرات جن میں احناف بھی ہیں ان کے نزدیک سجدہ تلاوت بغیر طہارت جائز نہیں۔

**مُستدل اوّل**۔ سجدہ تلاوت ایک طرح کی نماز ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سجود بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے مثلاً ”وَمِنَ الْمَلَائِكَةِ فَاَسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَبَّكَ طُوبٰیلاً وَبِحَمْدِہٖ“ اور نماز کے لیے طہارت باتفاق امت شرط ہے۔ کما فی قولہ تَبَارَکَ الَّذِیْنَ اِذَا قُمُّوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاسْتَلَوْا وَجُوْهُکُمْ اِلَیْہِ۔

**مُستدل دوّم**۔ مفسرِ صلّی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ اور اسلافؓ کا اجماعی تعامل کہ انہوں نے سجدہ تلاوت کے لیے ہمیشہ وضوء فرمایا ہے۔

جس میں ”سَجَدَ عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ“ ہے

چند وجوہ سے اثر مذکور سے دلیل پکڑنا

## ابن عمرؓ کے مُستدل کا جواب

درست نہیں۔ اوّلًا یہ ایک اثر ہے جو کہ قول و فعل شارع علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں کما فی کتب اصولنا۔ ثانیًا۔ ابن عمرؓ کا قول بھی اس کے خلاف ہے مثلاً۔

وروی الیہقی باسناد صحیح عن ابن عمرؓ قال لا یسجد الرجل الا

وہو طاهر (حاشیہ بخاری ص ۱۶۱ ج ۱ باب مذکور سابق)

اور فعل بھی خلاف ہے۔

لما روی ابن ابی شیبۃ کان ابن عمرؓ یبذل عنہ رطلہ فیہ ریح

الماء ثم یرکب فیقرأ السجدة فیسجد الخ (حاشیہ مذکورہ سابق)

ثالثًا: بخاری شریف کے اصلی نسخہ میں ”سجد علی غیر وضوء“ کے بجائے سجد

علی وضوء دارِ جو اسے تو یہ تعارض ہوا۔ اذا تعارضتا قطعاً فلا حجت لہ۔

## مسئلہ ثالثہ — فاقد الطہورین

فاقد یعنی گم کرنے والا طہورین بمعنی الماء والتراب۔ یعنی ایسا شخص کہ نماز کے وقت نہ تو اس کے پاس پانی ہے کہ وضو یا غسل کر سکے اور نہ ہی مٹی ہے کہ تیمم کر سکے اس کی صورت بعض نے یہ بیان کی ہے کہ کوئی آدمی درخت پر چڑھا ہوا ہوا درخت پر چڑھ کر شیر وغیرہ ہو لیکن علامہ ابن نجیم عزمین ابراہیم (المتوفی سنہ ۷۵۰ھ) کہتے ہیں :-

بأن حبس في مكان نجس (البحر الرائق ص ۱۶۴ ج ۱)

امام ابوسلمان احمد بن محمد خطابی (المتوفی سنہ ۷۲۸ھ) معالم السنن ص ۲۵ ج ۱ میں کہتے ہیں کہ ایک موزیہ ہے کہ "کالمحبوس فی حبس بیت الخلاء میں محبوس ہے" اور دوسری صورت کالمصلوب ہے۔ درمنار ص ۲۲۲ ج ۱ میں ہے :-

بأن حبس في مكان نجس ولا يصح له اخراج تراب مطلقا وكذا العاجز عنها الممرض :

الغرض نجس مکان میں محبوس ہو یا سولی پر لٹکا ہوا ہو، یا پاک مٹی حاصل کرنا ممکن نہ ہو، یا کسی بیماری کی وجہ سے ایسا عاجز ہو کہ حرکت نہ کر سکے یہ سب فاقد الطہورین کی صورتیں ہیں حضرت مدنیؒ اس کی مثال ہوائی جہاز کے مسافر کو ٹھہراتے ہیں ممکن ہے کہ اس زمانہ میں ہوائی جہاز میں پانی کا انتظام نہ ہوتا ہو مگر اب ہے۔ اس مسئلہ میں شدید اختلاف ہے اور ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں :-

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا شخص نماز نہ پڑھے بلکہ بعد میں قضاء کرے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس وقت نماز پڑھے بعد میں قضاء واجب نہیں۔

امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص سے نماز ساقط ہو جاتی ہے نہ

اس وقت نماز پڑھنا ضروری ہے اور نہ بعد میں قضاء کرنا۔

امام شافعیؒ سے اس بارہ میں چار اقوال مروی ہیں۔ ایک امام اعظمؒ کے مطابق

دوسرا امام احمدؒ کے مطابق اس کو علامہ مزنیؒ نے اختیار کیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ

یصلیٰ استحباً یا ویقضی وجوباً - اور چوتھا قول یہ ہے کہ "یصلیٰ ویقضی و  
هو الاصل من اقولہم۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناقد الطہرین اس دقت کو بعض تشبیہ  
بالصلین کر کے گالیبنی نماز کی ہیئت بنائے گا۔ قرأت نہ کرے گا اور بعد میں قضاء لازم ہے  
امام ابو حنیفہؒ سے بھی اس قول کی طرف رجوع ثابت ہے اور احناف حضرات کے نزدیک  
اسی پر سنتی ہے۔ اور یہی قول فقہی اعتبار سے زیادہ مروج ہے کیونکہ شریعت مقدسہ میں اس کی  
متعدد نظیریں ملتی ہیں۔

کوئی بچہ نہار رمضان میں بالغ ہو جائے یا کافر اسلام لائے۔ یا عائدہ عورت  
نہار رمضان میں ظاہر ہوگئی چونکہ ابتداء نہار میں عائدہ تھی اس لیے  
اس دن کا روزہ حقیقتہً نہیں بن سکتا۔ لیکن نقباء کا اتفاق ہے کہ بقیہ دن اس عورت کے لیے  
کھانے پینے سے اساک ضروری ہے۔ دوسرے روزہ داروں کی طرح ظاہر ہے کہ اس کا کھانے  
پینے سے رُکے رہنا حقیقتہً صوم نہیں ہے اسے تشبیہ بالصائغین ہی کہا جاسکتا ہے۔

اگر عزم وقوف عرفہ سے پہلے ٹوٹی کر بیٹھے تو اس کا حج فاسد ہو جاتا ہے  
اس سال ادارہ نہیں کرے گا آئندہ کسی سال قضاء کر لی پڑے گی۔ اس سال  
ادا نہ ہو سکے کے باوجود سب نقباء کا اجماع ہے کہ ایسا شخص حج کے تمام افعال دوسرے  
حاجیوں کی طرح کرتا رہے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ ادا تبسگی افعال حج تو نہیں ہے اسے تشبیہ  
بالحائضین ہی کہا جاسکتا ہے یہی حال ناقد الطہرین کا ہے۔

## حدیث مذکور کی بجز ثانی کی بحث

قَوْلُهُ وَلَا صَدَقْتُمْ مِّنْ غُلُولٍ - غُلُول اب نَصْرٌ سے مصدر ہے اس کا  
معنی غنیمت کے مال سے قبل از تقسیم چوری کرنا (نودی شرح مسلم ج ۱۱) پھر مطلقاً ہر امانت  
میں خیانت کو غلول کہہ دیا جاتا ہے بلکہ تشاد مجازاً ہر حرام مال پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس  
جملہ میں یہ کہنا کہ مال حرام سے صدقہ کرنا جائز نہیں۔

سوال - جب غلوں سے مال حرام مراد ہے تو صاف مال حرام کیوں نہیں فرمایا غلوں کا لفظ کیوں بولا گیا ہے۔

جواب - غلوں کے لفظ لاسنے میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جب غنیمت کے مال میں اپنا حق ہونے کے باوجود تیز سے پہلے صدقہ کرنے کا یہ حال ہے تو جس مال میں اپنا حق بالکل نہیں ہے تو اس سے صدقہ کرنے کا کیا حال ہوگا خوراندانہ کرلو۔

## جملہ مذکور کا ماقبل سے ربط

محدثین حضرات نے ان دو جملوں میں مختلف ربط بیان فرمائے ہیں۔  
 اوّل : جملہ سابقہ ”لا تقبل صلوة بشیر طہور“ میں ظاہری طہارت کا بیان تھا جب کہ جملہ مذکور میں باطنی طہارت کا بیان ہے۔ یعنی دھو ظاہر کی طہارت ہے اور صدقہ باطن کی طہارت ہے۔

دوّم : پہلے عبادت بدنیہ کا ذکر تھا۔ اب عبادت مالیہ کا ذکر ہے قدر مشترک دونوں میں عبادت ہے۔

سوّّم : جملہ سابقہ میں حقوق اللہ کا ذکر تھا جس کا تعلق نماز سے ہے اور جملہ مذکور میں حقوق العباد کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق بندوں کے ساتھ ہے۔

## مسئلہ۔ ملک خبیث کا مصرف کیا ہے؟

ہر وہ کمائی جو ناجائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہو مثلاً زانیہ کی آمدنی جو زنا سے حاصل ہوئی، چور کوئی آمدنی جو چوری کر کے یا ڈاکہ ڈال کر حاصل کی ہو، وہ ملک خبیث کہلاتا ہے جسے مال حرام بھی کہہ سکتے ہیں۔ فقہار نے بحث کی ہے کہ اگر کسی کے پاس ملک خبیث ہو یعنی حرام کا مال ہو تو وہ اس کو کس طرح خرچ کرے۔ اس کا مصرف کیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔

صورت اوّل - ملک خبیث کا مالک معلوم ہو تو اس صورت میں صدقہ کرنا اور صدقہ

کرنے کے بعد ثواب کی امید رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ اصل مالک کی طرف لڑنا نا واجب ہے باتفاق ائمہ بلکہ علامہ شامیؒ نے ص ۲ ج ۲ میں لکھا ہے کہ حرام مال کا صدقہ کرنے کے بعد ثواب کی نیت کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

### صورت دوم

جب کہ مالک معلوم نہ ہو تو امام اعظمؒ اور تمام ائمہ کے نزدیک ایسے شخص پر صدقہ کرنا واجب ہے لیکن صدقہ کرتے وقت اس میں ثواب کی نیت نہیں رکھنی چاہیے بلکہ فراغ الذمہ کی نیت کرنی چاہیے کہ کسی طرح یہ مال حرام میرے گھلے سے نکل جائے سنن دارقطنی میں روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے مستنبط کیا تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ”من حدیث عاصم بن کلیب“ عاصم بن کلیب کی حدیث امام ابو داؤد نے اپنی سنن ابی داؤد شریف ص ۲ ج ۲ کتاب البیوع باب فی اجتناب الشبهات میں روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آپ تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرماتے ہوئے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بکری مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ تحقیق کرنے پر داعی عورت نے بتایا کہ میں نے بکری خریدنے کے لیے آدمی بھیجا تھا لیکن بکری نہ مل سکی۔ میں نے اپنے پرہیزی سے بکری خرید کرنا چاہی تو وہ بھی موجود نہیں تھا اس کی بیوی نے اس کی اجازت کے بغیر یہ بکری میرے پاس بھیج دی۔ آپؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا ”اطعمیہ الاسانی“ کہ یہ طعام قیدیوں کو کھلا دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملک غیبت واجب التصدیق ہوتی ہے البتہ اس میں ثواب کی نیت نہیں ہونی چاہیے بلکہ فراغ الذمہ کی نیت رکھے۔

یقول ابوالسعاد: علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ثواب کی امید بھی رکھے تو مضائقہ نہیں۔ ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ درحقیقت ثواب کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو صدقہ کا ثواب دوسرے اطاعت باریؑ کا ثواب یہاں صدقہ کا ثواب تو نہیں ملے گا لیکن اس اطاعت کا ثواب ضرور ملے گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کیلئے اسے خود استعمال کرنے کی بجائے دوسروں کو دے دیا۔ یہ علماء کے اقوال میں بہترین تعلیق ہے۔



وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ  
رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ اسْتَحْيِي  
أَنْ أَسْأَلَ الشَّيْءَ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ ابْنَتِهِ  
فَأَمَرْتُ الْمُعْتَدَّاءَ فَسَكَلَهُ  
فَقَالَ يُسَلُّ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ  
(متفق عليه)

ترجمہ: روایت ہے حضرت علیؓ  
سے فرماتے ہیں کہ میں بہت نڈی والا تھا  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے ہوئے  
شرماتا تھا۔ آپ کی صاحبزادی کی وجہ سے  
تو میں نے مقتدا سے کہا انہوں نے حضورؐ  
سے پوچھا تو فرمایا کہ شرمگاہ دھو لیں اور  
وضو کر لیں۔

قوله كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً: ای کشیدہ المذی فی۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ حضرت  
علیؓ نے اپنے متعلق یہ الفاظ کیوں استعمال فرمائے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نوجوان تھے  
بی بی فاطمہؓ بھی نوجوان تھی، محبت بھی ان کی بہت تھی تو ملاجست کی وجہ سے غروج نڈی کا احتمال  
زیادہ تھا بلکہ اور روایت میں ہے «حَتَّى تَشْفُقَ ظَهْرِي» (ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب  
فی المذی، کتاب الطہارت) کہ غسل کر کر کے میری کمر پٹ چکی تھی۔

لَقَدْ صَدَّقَ كَلَامُهُمَا دُونَ لَفْظِي هُنَّ۔ اوّل میم کے فقہ اور ذال کے سکون اور یاء  
کی تخفیف کے ساتھ اَلْمَذَى دُونَ اَلْفَعْلِ۔ دُونِ بفتح المیم و کسر الذال و تشدید الباء  
بروزن عربی۔

قائده۔ انسان کے ذکر سے عادتاً خارج ہونے والی بول کے علاوہ تین چیزیں ہیں  
نڈی۔ نڈی۔ وُزْی ہر ایک کی مستطلاً علیہ علیہ تعریف ہوگی۔

مَا أَجَابَ بِيضُ ثَخِينٍ يَسْتَوْلِدُ مِنْهُ الْوَلَدُ وَهُوَ يَتَدَفَّقُ  
فِي خَدَّوَجِهِ وَيَخْرُجُ بِشَهْوَةٍ مِنْ بَيْنِ صُلْبِ الرَّجُلِ  
وَنَرَائِبِ الْمَرْأَةِ سَفِيدًا كَارِخًا يَأْتِي مِنْهُ بَحْمٌ يَبْدَأُ هَوَاتِمَ، نَكَلْتُهُ وَقْتُ تَلْكَتُهُ  
جَوَانِ كِي بَشْتِ اور عورت کی چھائی سے شہوت کے ساتھ نکلتا ہے۔

هُوَ مَا أَجَابَ أَبْيَضُ مَا قَبْلَ لَذِجٍ يَخْرُجُ عِنْدَ الْمَلَا عِبَسَتْ  
اَوْتَدَ كَرِ الْجَمَاعِ دَوَّهٍ سَفِيدًا يَأْتِي بِتِلْكَ كَارِخًا جَوْبِي كِي سَاثِ

تعریف مٹی

تعریف نڈی

بوس و کنار کے وقت یا جماع کے تذکرہ کے وقت نکلے

هُوَ مَا قَدْ أَبْيَضَ كَدَرُ ثَعْبَيْنِ يَخْرُجُ عَقِيبَ الْبُولِ

(وہ پانی سفید پتلا گاڑھا ہو پیشاب کے بعد نکلے) ورنہ کبھی

## تعریف و ردی

بول سے پہلے اور کبھی بول کے ساتھ بھی خارج ہوتی ہے اس لیے بعض فقہار نے "یَخْرُجُ مَعَ الْبُولِ" اور بعض نے "يَسْبِقُ الْبُولَ" فرمایا ہے۔ ان میں کوئی تعارض نہیں۔ مٹی کی کشت اپنے مقام پر لگنے کی۔ مٹی کی بنیاد اور اس کے ناقض وضو ہونے میں سب کا اتفاق ہے البتہ طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے جس کا بیان اپنے مقام پر ہوگا۔ ورنہ کے نہیں ہونے اور ناقض وضو ہونے اور طریقہ تطہیر سب میں اتفاق ہے۔

قَوْلُهُ فَكُنْتُ أَسْتَحِيْ اَنْ اَسْتَلَّ : داماد ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق سوال نہیں کرتا تھا۔

حضرت علیؑ کیوں فرما رہے ہیں "فَكُنْتُ أَسْتَحِيْ اَنْ اَسْتَلَّ الشَّيْءُ" جب کہ اور روایت میں ہے "اِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحِيْ مِنَ الْحَقِّ فَاَسْأَلُوْهُ

## سوال

وَلَا يَسْتَحِيْ مِنَ الْحَقِّ" جب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک صاحب حیا ہو کر بھی حق بات بیان کرنے سے حیا نہیں کرتے تو تم لوگ حق پوچھنے سے کیوں حیا کرتے ہو "تَخْلُقُوْا بِاَخْلَاقِ اللَّهِ"

عَلَى هَذِهِ السُّوَالِ مَا يَحْتَاطُ عَلَيْهِ اَوْ كَيْفَ تَمَّ بِهِ

حضرت علیؑ نے یہ تصور کر رکھا تھا کہ شاید میں سوال کروں اور نبی کریمؐ

## جواب اول

ناراض ہوں کہ آج تک نہجی مذہبی کے مسائل یاد نہیں تو نے اس کی تعلیم کیوں نہیں حاصل کی اس وجہ سے شرم و عار محسوس کی۔

حدیث پاک میں ہے "اِنَّ التَّوَجَّعَ لَيَسْتَعْبَلُ اَنْ لَا يَذْكُرَ

مَا يَتَمَلَّقُ بِجَمَاعِ النِّسَاءِ وَالْاَسْتِمْتَاعِ بِهِنَّ بِحَضْرَةِ

## جواب دوم

ابیہما وابنہما وغیرہم من اقاربہما فرح اللہم من فرح الباری) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بی بی طاہرہؑ کی والدہ ماجدہ تھی۔ اس لیے حضرت علیؑ نے سوال کرنے سے حیا کیا

سوال۔ براہ راست سوال نہ کرنے کی علت "فان ابنتی عنده" ہے مگر بالواسطہ سوال

کرنے کے اندر علت تو پھر بھی وہی ہے مگر سوال بدستور ہے۔

**جواب :-** بالورا سطر سوال کرنے سے اصل سائل کا پتہ نہیں چلتا اس وجہ سے  
 "فَاتَّ ابْنَتِي عَشْدَةً" والا مسئلہ مبہم رہ جاتا ہے کہ کوئی سائل ہے جو مبتلا بہ مسئلہ کا  
 حل پوچھ رہا ہے۔

**سوال** روایت مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضرت مقدادؓ کو دو کیل  
 بنایا کہ یہ مسئلہ حضرتؑ سے آپ پوچھ لو جب کہ "نَسَاكَ شَرِيفٌ مِّنْ رَّجَائِ  
 الطَّهَارَاتِ بَابُ مَا يَنْقُضُ الرُّضُوءَ وَمَا لَا يَنْقُضُ الرُّضُوءَ مِنَ الْمَذْيِ" میں سائل حضرت عمار بن یاسرؓ ہیں  
 "إِنَّ عَلِيًّا قَالَهُ كُنْتُ مَجْلُودًا مِّنْكَ فَأَمَرْتُ عَمَّامَةً يَأْتِيَنِي بِسِلَاسٍ  
 مَا سَوَى اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَجْلِ إِبْنَتِهِ عَشْدَةٍ فَقَالَ يَكْفِي  
 مِنْ ذَلِكَ الْوُضُوءُ"۔

جب کہ اس کے برعکس مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب ما یوجب الرضوء فصل ثانی کی دوسری  
 روایت ہے جس میں ہے کہ یہ سوال حضرت علیؑ نے خود براہِ راست حضرتؑ سے کیا۔ کسی کو واسطہ  
 نہیں بنایا فتہامضت الروایات فکیف التطبیق۔

**جواب اول** علامہ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اولاً حضرت عمارؓ  
 کو پوچھنے کے لیے فرمایا۔ انہوں نے تاخیر کی تو پھر حضرت مقدادؓ  
 کو کیل بنایا انہوں نے بھی تاخیر کی تو شدت احتیاج کی بنا پر خود سائل بن کر مسئلہ دریافت فرمایا  
 علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے یہ مسئلہ حضرت مقدادؓ اور  
 عمار بن یاسرؓ دونوں کے ذریعہ دریافت کرایا تھا۔ حضرت علیؑ کی

**جواب دوم** طرف نسبت بھارتا کی گئی ہے کیونکہ وہ سوال کے سبب بنے تھے۔ یا حضرت علیؑ آمر تھے اور  
 فعل کی نسبت جس طرح مأمور کی طرف ہوتی ہے اسی طرح امر کی طرف بھی ہوتی ہے اس لیے سوال  
 کی نسبت حضرت علیؑ، حضرت عمارؓ حضرت مقدادؓ تینوں کی طرف بیک وقت درست اور صحیح ہے  
 کما فی قولہ تعالیٰ "يَا هَآءَا مَنَآ اِبْنُیْ صَدْرُحَا رَبَّنَا فَصَصْ" فرعون نے امان کو کہا میرے لیے عمل  
 تیار کر، حالانکہ عمل تو معماروں اور مزدوروں نے تیار کرنا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ آمر تھا اس لیے  
 اس کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔ اہلکذا فی ہذہ الواقعہ۔

**جواب سوم**۔ تینوں صحابہ کرامؓ حضرت کی مجلس مبارکہ میں موجود تھے ایک نے سوال کیا

مگر اتحاد مجلس کی وجہ سے راوی نے ہر ایک کی طرف نسبت کر دی ہے۔ حدیث مذکور کے تحت دو فقہی مسائل بیان ہوں گے۔

## المسئلة الأولى

کیا نڈی کے اندر اقتصار علی الحجار جائز ہے؟

نڈی کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس میں اقتصار علی الحجار جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جیسے پانی نہ ہونے کی صورت میں استنجاء کے لیے اقتصار علی الحجار ثابت ہے۔ کیا نڈی کے اندر بھی یہی صورت جائز ہے کہ پانی کے نہ ہونے کی صورت میں الحجار پر اکتفاء کر لیا جائے اس میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ نڈی میں الحجار کے استعمال پر اکتفاء جائز نہیں غسل ضروری ہے۔

**دلیل**۔ حدیث مذکور میں ارشاد ہے ”یفسل ذلک“ اس میں صرت فعل ذکر کا

حکم ہے۔ **مسلک دوم**۔ احناف اور شوافع حضرات کے نزدیک جیسے بول میں غادم الماء ہونے کی صورت میں اکتفاء علی الحجر جائز ہے۔ اسی طرح نڈی میں بھی جائز ہے لیکن افضل اور ادنیٰ پہر بھی غسل ہے۔

**دلیل**۔ جن روایات میں اکتفاء علی الحجر کا حکم ثابت ہے۔ نڈی کے مسئلہ کو بھی اسی پر قیاس کیا گیا ہے اور عقلاً بھی یہ بات درست اور صحیح ہے کیونکہ غائط اور بول بالنبت نڈی کے زیادہ نجس ہیں۔ ان کے لیے جب اکتفاء علی الحجر ثابت ہے تو نڈی جو بالنبت غائط اور بول کے کم نجس ہے اس میں اکتفاء علی الحجر کیوں جائز نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

یفسل ذلک فرماتا اس لیے

عدم قائلین کے مستدل کا جواب اول

نہیں کہ اکتفاء علی الجواز نہیں بلکہ یغسل ذکرہ، اس لیے فرمایا کہ یہ افضل و ادلی طریق ہے۔  
اس کے ہم بھی قائل ہیں اور دوسرے طریق کے جواز کی نفی مقصود نہیں۔

**جواب دوم**۔ غسل ذکر کا حکم شرعاً و تشریعاً نہیں بلکہ علائجاً ہے کہ پانی کی ٹھنڈک  
کی وجہ سے خروج نڈی کم ہو جائے گی جو گرمی وغیرہ ہے وہ ختم ہو جائے گی جس کی وجہ سے  
خروج نڈی نہیں ہوگا۔

## الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَّةُ

### کیا خروج نڈی کے وقت ذکر مع الانشیین کا غسل ضروری ہے

اس میں فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ خروج نڈی سے غسل نہیں صرف وضو واجب ہے  
اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف اتنی جگہ کا دھونا ضروری ہے جہاں نجاست لگی ہے۔ یا  
پورے ذکر مع الانشیین (خصیتین) کا دھونا بھی ضروری ہے اس میں دو مسلک ہیں :-  
**مسلک اول**۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اتنی جگہ کا دھونا ضروری  
ہے جہاں نجاست لگی ہے یعنی موضع النجاست کا دھونا ضروری ہے، خصیتین کا دھونا کوئی  
ضروری نہیں۔

**دلیل اول نقلی**۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱ کتاب الطہارت باب ایوجبا الوضوء  
فصل اول میں روایت علیؑ ہے جس میں صرف غسل ذکر کا حکم ہے "یغسل ذکرہ"۔

**دلیل دوم عقلی**۔ لواطت وضو میں صرف موضع النجاست کو دھونا پڑتا ہے لہذا  
یہ بھی ناقض وضو ہونے کی بناء پر صرف محل نجاست کو ضرور دھونا چاہیے نہ کہ مقام دیگر۔  
**مسلک دوم**۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ذکر مع الانشیین (یعنی خصیتین)  
دونوں کا دھونا ضروری ہے۔

**دلیل**۔ ابوداؤد شریف ص ۱۷۱ کتاب الطہارت باب فی النڈی میں حضرت علیؑ  
کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں "فقال رسول اللہ ﷺ

## مستدل ختابلہ کے جوابات

جمہور حضرات نے مستدل ختابلہ "یفسل ذکرہ و انشبیہ" کے مختلف جوابات

دیے ہیں :-

امام طحاویؒ نے فرمایا اگر غسل انشبین تشریفاً نہیں بلکہ علاجاً ہے کیونکہ

ماہ بارہ جس طرح قاطع بول رہیں ہے اسی طرح قاطع مذی بھی ہے

اس لیے کہ انشبین میں مخصوص رگیں ہیں جو غسل سے سکڑ جاتی ہیں چونکہ انشبین ہی کے ساتھ مذی کا تعلق ہے۔

### جواب اول

اگر مان لیا جائے کہ پورا ذکر و انشبین کا امر ہے تو یہ امر دجوبی

نہیں بلکہ استحبابی ہے اس لیے کہ کبھی نجات پھیل جاتی ہے

اور پتہ نہیں چلتا اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ذکر انشبین دھو لیا جائے لیکن احتیاط کی بناء پر جو امر ہوتا ہے وہ استحبابی ہوتا ہے نہ کہ دجوبی۔

### جواب دوم

يقول ابوالاسعاد : جواباً عرض ہے کہ ختابلہ حضرات نے حدیث کے جس لغز

سے دلیل پکڑی ہے بھائے خود اس کا صحیح سند کے ساتھ ثبوت نہیں "فکیف یعمل علی

هذا من شاء فليطالع الى فتحة العود في حلی قال ابو داود" بندہ نے مکمل

بند کے ساتھ بحث کی ہے کہ سندی اعتبار سے یہ زیادتی ثابت نہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ

سے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے ہوئے سنا کہ جسے آگ پکائے

اس سے وضو کر دے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ تَوَضَّأُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

(رواہ مسلم)

**قَوْلُهُ مِمَّا** - مِمَّا موصولہ ہے اور اس کا اصل ضمیر ہے۔ اصل میں تھا مشتبہ الثام  
**قَوْلُهُ مَسْتَبْت** - یہ مِمَّا مَسْتَبْت سے ماخوذ ہے بمعنی چھوٹا۔ مقصود ہے کہ ایسی چیز  
 جس کو آگ پہنچے، آگ لگے۔ مِمَّا اصل میں مِمَّنْ مِمَّا تھا مِمَّنْ کے بعد اور مِمَّا سے پہلے  
 مِمَّنْ مَسْتَبْت ہے "ای مِمَّنْ اَنْجَلْ وَشَرِبَ مِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامُ" اس حدیث میں  
 وضو مِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامُ کا مستند ہے۔ بحث شروع کرنے سے قبل ایک فائدہ قابل  
 سماعت ہے۔

**فائدہ** - ابتدائے سلیم میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔  
 چنانچہ علامہ مازنیؒ کتاب الا اعتبار میں، اور امام نوویؒ شرح مسلم ج ۱ میں اور قاضی  
 شوکانیؒ نیل الاوطار ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی دور میں حضرات صحابہ کرامؓ میں  
 مِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامِ کی وجہ سے وضو کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف تھا، اور ان اختلاف  
 کرنے والوں میں حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو طلحہؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ  
 حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ ہیں۔ لیکن اس کے بعد تقریباً سب ہی کا  
 اتفاق ہو گیا کہ مِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامُ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ لیکن فقہاء میں پھر وہی اختلاف  
 عود کر آیا اور اس مسئلہ میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول** - اہل نواہر کے نزدیک مِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامُ سے وضو واجب ہے۔  
**مستدل** - حدیث مذکورہ تَوْضُّؤْ اِمِمَّا مَسْتَبْتِ الثَّامُ ہے۔ اس طرح  
 وہ احادیث جن میں وضو کرنے کا امر آیا ہے۔

**مسلک دوم**، جمہور فقہاء اہل سنت جن میں احناف بھی ہیں ان کے نزدیک مِمَّا  
 مَسْتَبْتِ الثَّامُ سے وضو واجب نہیں۔

**مستدل اول** - مشکوٰۃ شریف ج ۱ کتاب الطہارت باب ما یوجب الوضوء

فصل ثانی میں ہے۔  
 "عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا قَالَتْ فَزَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ جُنُبًا مَشْهُوًّا فَكُلُّ مِنْهُ شَرُّ قَامٍ اِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ  
 اس میں واضح ہے کہ بکری کی ران استعمال فرمائی تو لازماً اس کو آگ پر پکایا ہو گا۔ آپ نے

وضو نہیں فرمایا۔

۱۔ بحوالہ مذکور ابن عباسؓ کی روایت ہے :-  
” قَالَ أَكَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كَثْفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ بِمَسْحَةٍ كَانَتْ تَحْتَهُ شَوْ قَامٌ فَصَلَّى -  
اگر وضو ضروری ہوتا تو وضو فرماتے۔

مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۲۱۶ کتاب فی الاطعمہ فصل ثانی حضرت

عبد اللہ بن الحارث بن جزر کی روایت ہے :-

” قَالَ أُقْبِلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي  
الْمَسْجِدِ فَأَكَلْتُ وَأَكَلْنَا مَعَهُ شَوْ قَامٌ فَصَلَّى وَصَلَّيْتُ مَعَهُ وَلَمْ  
عَلَى أَنَّ مَسَحْتُ أَيْدِيَّ بِمَا بَالِ حَصْبَاءٍ “

اس میں واضح ہے کہ گوشت تناول فرمانے کے بعد کھڑے ہو کے اور نماز شروع کر دی وضو  
نہیں فرمایا۔

۲۔ امام لحادیؒ فرماتے ہیں کہ پاک کھانا پکانے سے پہلے  
جس طرح اس کا کھانا بال اتفاق حدیث نہیں ہے تو

مُستدل چہارم عقلی

اسی طرح پکانے کے بعد بھی کھانا حدیث نہ ہونا چاہیے۔

## اہل ظواہر کے مُستدل کے جوابات

جمہور کی طرف سے حدیث باب اور اس جیسی دوسری احادیث کے مختلف جوابات

دیے گئے ہیں :-

جس کو صاحب معانی علامہ محی السنۃ نے اختیار فرمایا ہے  
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث ” مَا مَسَّتِ الْمَسَامُ ”

جواب اول

منہوخ ہیں، نا صحیح حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے :-

” أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ أَكَلَ كَثْفًا شَوْ قَامًا فَصَلَّى وَلَمْ يَسْوِمًا ”



بقول ابوالاسود: صاحب مصابح کا دعویٰ نسخ درست صیح لیکن بطور دلیل نسخ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو پیش کرنا درست نہیں کیونکہ نسخ و نسخ کے لیے ضروری ہے کہ ان کی تاریخ معلوم ہو لیکن یہاں تاریخ معلوم نہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت پہلے کی ہے اور وضو والی روایت بعد کی ہے۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کی روایت کو نسخ قرار دیا جائے۔ جمہور نے بھی ابن عباسؓ کی بجائے روایت جابرؓ کو ترجیح دی ہے جو کہ "البداء و شریف مشاج کتاب الطہارت باب فی ترک الوضوء مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ" میں ہے فرماتے ہیں:-

«كَانَ اخْرَاجَ مَدِينٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ الْوُضُوءَ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ»

وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو بھی ثابت ہے اور ترک وضو بھی اور یہ استحباب کی شان ہے نہ کہ وجوب کی۔

وضو مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ میں وضو شرعی مراد نہیں۔ بلکہ لغوی وضو مراد ہے۔ لغت میں وضو کا اطلاق غسل پدین اور غسل قم پر آتا ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر ہاتھ دھو لیا کرو اور کھلی کر لیا کرو۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف مشاج ۲ کتاب الاطعمہ فصل ثانی میں حضرت سلمانؓ فارسی کی روایت ہے:-

«بِرَكَّةِ الطَّهَامِ الْوُضُوءَ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءَ بَعْدَهُ» - کھانے کی برکت اس میں ہے کہ پہلے بھی ہاتھ دھوئے جائیں اور بعد میں بھی۔ اس مقام پر محدثین حضرات نے وضو سے ہاتھ اور منہ دھونا ہی مراد لیا ہے اور یہی لغوی وضو ہے۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف مشاج ۲ کتاب الاطعمہ فصل ثانی میں حضرت عکراش بن ذریب کی روایت ہے جس میں یہ لفظ ہیں:-

فَغَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَيْلِ كَتِفَيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَقَالَ يَا عِكْرَاشُ هَذَا الْوُضُوءُ مِمَّا

غَلَزَتِ الْمَسَارُ

خود حضرت عکراشش فرما رہے ہیں اور اس سے بھی لغوی وضو مراد ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ  
أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَتَوَضَّأُ  
مِنْ لَحْمٍ الْفَنَوِ قَالَ إِنْ شِئْتَ  
فَتَوَضَّأُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأُ  
قَالَ أَتَتَوَضَّأُ مِنْ لَحْمٍ الْإِبِلِ  
(رواه مسلم)

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابر  
ابن عمرؓ سے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم بکری کے  
گوشت سے وضو کریں۔ فرمایا اگر چاہو کر دو  
چاہو نہ کر دو۔ عرض کیا کہ کیا ہم اونٹ کے  
گوشت سے وضو کریں فرمایا اونٹ کے  
گوشت سے وضو کر دو۔

قَوْلُهُ لَحْمٌ - لحم سے مراد مطبوخ (پکا ہوا) ہے کیونکہ وہی اکل کے ساتھ تعلق  
رکھا ہے۔ غیر مطبوخ و کچا اکل کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اس حدیث میں دو مسئلوں سے  
بحث کی گئی ہے۔

## الْمَسْئَلَةُ الْأُولَى

### کیا لحم ابل کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

اس میں سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ لحم غنم کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ  
لحم ابل کے بارے میں سلف کا اختلاف واقع ہوا ہے اور اس میں درمسلک ہیں۔  
مسئلہ اول - امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ وضو من لحم الابل کو واجب  
کہنے میں خواہ اس کا اکل بغیر طبع بھی کیوں نہ ہو۔  
مستدل اول - مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب ما یوجب الوضو

(حدیث مذکور جس پر بحث ہو رہی ہے اس میں وضوء کا حکم ہے)

**مستدل دوم** - ترمذی شریف ص ۲۵ ج ۱ باب الوضوء من لحوم الابل حضرت براء بن عازب کی روایت ہے :-

« قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَضُوءِ مِنْ لَحْمِ الْإِبِلِ فَقَالَ تَوَضَّؤُوا مِنْهَا »

**مسک دوم** - جہر حضرات جن میں اُحاف بھی ہیں ان کے نزدیک وضوء من لحوم الابل واجب نہیں۔

**مستدل اول** - ابن ماجہ شریف ص ۲۵ ج ۱ باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل میں روایت ہے :-

« تَوَضَّؤُوا مِنَ الْبَإِنِ الْإِبِلِ وَلَا تَوَضَّؤُوا مِنَ الْبَإِنِ الْبَقَرِ »

یہ کہ مذکورہ روایت میں البان ایل سے وضوء کا ذکر ہے حالانکہ لبن ایل سے وجوب وضوء کا کوئی بھی قائل نہیں  
**طرز استدلال**  
حقی کہ امام احمد بن حنبل بھی قائل نہیں۔ لہذا وضوء من البان ایل استحباب پر محمول ہے تو جب وضوء من البان الابل بالاجماع استحباب پر محمول ہے تو وضوء من لحوم الابل بھی استحباب پر ہوگا۔

**مستدل دوم** - علقہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ خلفاء اربعہ ابن مسعودؓ اُبی بن کعبؓ، ابن عباسؓ، ابو الدرداءؓ وغیرہم کا تہمیب بھی یہی ہے کہ البان ایل سے وضوء واجب نہیں۔

**مستدل سوم عقلی** - امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ جمیع احکام میں لحوم غنم و لحوم ایل کا فرق نہیں متحد ہیں۔ جیسا کہ بکری کی بیع حلال اور اس کا دودھ مشروب اور گوشت پاک ہے ایسے ہی اونٹ کی بھی بیع حلال اور دودھ مشروب و گوشت پاک ہے تو اکل لحوم کے مسئلہ میں بھی دونوں برابر ہوں گے یعنی لا وضوء بعد اکل لحوم الابل۔

## جوابات مُستدل امام احمد بن حنبلؒ وُمن وافقہ

محدثین حضراتؒ نے ان جیسی روایات کے مختلف جوابات عنایت فرما کے ہیں:-

**جواب اول** وہ روایات جن سے لحوم اہل کو موجب وضوء قرار دیا ہے وہ استحباب پر محمول ہیں کیونکہ مسلم شریف ص ۱۵۵ ج ۱ باب الوضوء من لحوم اللہ اہل میں یہی روایت ہے اس کے آخری الفاظ ہیں ”إِنْ شِئْتَ“ اگر چاہے تو وضوء کر نہ تو نہ کر، اور یہ تعبیر ”إِنْ شِئْتَ“ دلیل وجوب نہیں بلکہ دلیل استحباب ہے کیونکہ اگر واجب ہوتا تو اجازت نہ دیتے۔

**جواب دوم** لحوم اہل واسے مسئلہ میں بھی وہی مضبوطیت ہے جو نما مَسْتِ التَّيَّارِ واسے مسئلہ میں ہے یعنی اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے یہاں وضوء سے مراد وضوء لغوی و لہجائی مراد ہے یعنی ہاتھ دھونا اور کھلی کرنا کیونکہ اونٹ کے گوشت میں دسومت و چربی وغیرہ ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے (فَإِنَّ لَهُ ذَسْمًا) تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ لحوم اہل کے استعمال کے بعد ضرور ہاتھ منہ دھونے جائیں۔

سوال - لحوم اہل کو خاص طور پر کیوں ذکر فرمایا؟

**جواب** اس کے زرد جوہ ہیں۔ اَقْلًا، اونٹ کے گوشت میں دسومت یعنی چربی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بالنسب دیگر ماکول اللحم حیوان کے تو اس کے استعمال سے منہ اور لمٹھوں میں ایک خاص بو پیدا ہو جاتی ہے اس وجہ سے تاکید اس کے لیے وضوء کا حکم دیا۔ ثانیاً۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”کہ اونٹ کا گوشت بنی اسرائیل کے لیے حرام تھا۔ لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے جائز قرار دیا گیا لہذا اباحت کے شکرانہ کے طور پر وضوء کو مشروع قرار دیا گیا۔“

## مراہض غنم و مبارک اہل میں فرق کیوں ہے؟

اختلافات کی وضاحت سے قبل ایک ناکندہ کا جاننا ضروری ہے :-  
فائدہ — مراہض و مبارک کی تحقیق

مراہض جمع مراہض بروزن مجلس مأخوذ از عروض الغنم یعنی بکری کا باڑا یعنی پیٹھ اور باندھنے کی جگہ، اور مبارک جمع مبارک بروزن جعفر مأخوذ از بروک الابل، الموضع الذی یروک فیہ الابل یعنی اونٹ کا ٹھکانہ یعنی باندھنے اور بیٹھنے کی جگہ۔ اگر نماز پڑھنے کی جگہ کے نجس ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو وہاں نماز پڑھنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ مراہض غنم ہو، خواہ مبارک اہل ہو۔ اگر جگہ کے پاک ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو تو پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

سوال :- جب کسی جگہ میں نماز کے جواز و عدم جواز کا مدار اس جگہ کی پاکی یا ناپاکی کے ظن یا یقین پر ہے تو پھر حدیث پاک میں مراہض غنم اور مبارک اہل کے حکم میں فرق کیوں کیا گیا ہے کہ مراہض غنم میں نماز پڑھنے کی اجازت دی اور مبارک اہل میں نہیں دی گئی۔

جواب اول :- عرب کے ماحول میں مراہض غنم ایک الگ چیز تھی یعنی اونچی جگہ بنانے کا رواج تھا وہ پاک وصاف رہتا تھا جب کہ مبارک اہل میں اس کا رواج نہ تھا۔ اس لیے مراہض غنم میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی اور مبارک میں نہیں دی گئی۔

غنم اہل سے مقابلہ میں چھوڑا جاتا ہے۔ اور پیشاب کے وقت اور بھی نیچے ہو جاتا ہے، اور پیشاب کے چھینٹے دور تک نہیں پڑتے بخلاف اہل کے کہ اس کی بلندی کی وجہ سے پیشاب کے چھینٹے دور تک پڑتے ہیں جس سے نماز کی کپڑے نجس ہونے کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ جبکہ اس کے پیشاب کے دور تک زمین بھی نجس ہو سکتی ہے اس وجہ سے روکا کہ مبارک اہل میں نماز نہ پڑھو، اور مراہض غنم میں نماز پڑھو۔

جواب دوم :-

**جواب سوم** | اونٹوں کی صحبت سے مزاج میں سرکشی بڑھتی ہے اور بکریوں کے پاس رہنے سے مسکنت اور تواضع پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بکریاں چرواہیں گئیں مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ ج ۲ کتاب الاطعمہ فصل اول) "فَقِيلَ اَكُنْتَ كَرْمِي الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا رَعَاهَا" گویا فرق کے اس انداز سے بکریاں رکھنے کی ترغیب ہے۔ ایک روایت میں "اَرَمَ لِي مَنَافِرَتِي" ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَتَّخِذُ عِيَّ غَنَمًا فَانْهَابَتْكَ" نیز ایک روایت میں ہے "اَلْغَنَمُ مِنْ دَوَائِبِ الْجَحَنَّمَ" (الدرر النشوء ص ۲۲ ج ۲ باب الوضوء من لحم الابل)

## المَسْئَلَةُ الثَّانِيَّةُ

کیا مبارک الابل میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

اونٹ باندھنے کی جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں دو مسلک ہیں۔  
**مسلک اول**۔ امام احمد بن الحنبل و اسحاق بن راہویہ و طاہریہ کے نزدیک مبارک ابل میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

**مُسْتَدَلْ اَوَّل**۔ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے:-  
 "سُئِلَ الشَّيْخُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَبَارِكِ الْاِبِلِ فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَصَلُّوا فِي مَبَارِكِ الْاِبِلِ۔  
 (ابوداؤد شریف ص ۱۸۱ ج ۱ کتاب الطہارت باب الوضوء من لحم الابل ص ۲۲)

**مُسْتَدَلْ دَوِّم**۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے:-  
 "قَالَ اُصَلِّي فِي مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لَا" (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۱ ج ۱ باب ما وجب الوضوء کتاب الطہارت ص ۲۲)

**مسلک دوم**۔ جمہور ائمہ جن میں احناف بھی ہیں ان کے نزدیک مبارک ابل میں

نماز پڑھنا صحیح ہے بشرطیکہ مبارک اہل میں جگہ پاک ہو نجاست نہ ہو۔

**مُسْتَدَلْ اَوَّل -** جُمِلْتُ لِي الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا رَاوِدًا

ترجمہ: اے کتاب الفضلۃ باب فی المراضع التي لا تجوز فيها القلوة

**مُسْتَدَلْ دَوِّم -** حضرت ابی سعید کی روایت ہے کہ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِنْ حُوِّلَ مَذْكُورُهُ بِاللَّحْلِ

جب تمام زمین کو مسجد قرار دیا گیا لہذا مبارک اہل بھی مسجد بننے کے قابل ہو گا۔

**مُسْتَدَلْ سَوِّم -** حضرت ابن عمرؓ و حضرت عبادہؓ کی روایت ہے کہ اَنَّ

عَلَيْهِمَا السَّلَامُ كَانَ يُصَلِّي اِلَى بَيْتِهِ رَمْلًا شَرِيفًا مَسْجِدًا اِنْ حُوِّلَ مَذْكُورُهُ بِاللَّحْلِ

فی اعطان الابل۔

وَفِي الطَّحَاوِي وَقَدْ كَانَ ابْنُ عَمْرٍو مَعَ اَدْرَكْنَا مِنْ خِيَارِ

اهل ارضنا يمرض احدهم نأقته بدينه وبين القبلة

فبصلى اليها وهي تبعد وتبول (حوالہ مذکورہ)

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ میں نماز ثابت ہوئی۔

## مُسْتَدَلْ حَنَابِلَہُ وَمَنْ وَاَفَقَهُ كَے جَوَابَات

اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں :-

**جواب اَوَّل -** اونٹ شرعاً جائز ہے اس کے پاس نماز پڑھنے میں الہینان

اور خاطر جمعی کا ماحول میسر نہیں ہو گا۔ کیونکہ اونٹ کے بھاگ کھڑا ہونے کو بالائے ذکر وغیرہ

کا خوف ہر وقت رہتا ہے۔

**جواب دوم -** حدیث پاک میں اونٹ کے متعلق ہے کہ "فَرَأَيْتُمْ شَيْطَانًا"

لہذا اونٹ کے پاس نماز پڑھنے سے شیطان دوسرے ڈالتا رہے گا لہذا اس وجہ سے

منع فرمایا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ  
فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ  
أَخْرَجْ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا  
فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ  
حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ  
رَیْحًا (رواه مسلم)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے  
پیٹ میں کچھ پائے تو اس پر مشتبہ ہو جائے  
کہ کچھ نکلا یا نہیں تو مسجد سے نہ جائے۔ تا  
آئنگہ آواز سن لے یا بو محسوس کرے۔

قَوْلُهُ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا۔ اِی كَالْقَرْقَرَةِ بَانَ شَرَّدَ فِي بَطْنِهِ رَیْحًا۔  
پیٹ کے اندر ہوا پیدا ہو گئی اور ہوا حرکت کر رہی ہے۔  
قَوْلُهُ فَأَشْكَلَ۔ اِی الْكِبَسَ یعنی اشتباہ ہو گیا ہے کہ آیا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں؟  
سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ" یہ یقین پر دلالت  
کرتا ہے بعد ارشاد فرمایا "فَأَشْكَلَ" جو زعم پر دلالت کرتا ہے ایک جملہ میں یقین بھی اور  
شک بھی جب کہ یہ غیر مناسب ہے۔

جواب۔ اِذَا وَجَدَ میں وجدان بمعنی زعم ہے فَلَا إِشْكَالَ عَلَيْهِ۔  
قَوْلُهُ فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ۔ اِی لِلْمَوْضُوءِ وضو کرنے کے لیے  
نکلتا ہے اور یہ کنا یہ ہے وضو کے نہ ٹوٹنے سے اور مسجد سے باہر کا بھی حکم ہے لیکن  
مسجد کی تخصیص میں یہ اشارہ ہے کہ مؤمن کو چاہیے کہ وہ مسجد ہی میں نماز پڑھے۔

فائدہ | امام نوویؒ شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اصول اسلام میں سے  
ایک اصل اور فقہی قواعد میں سے ایک قاعدہ کلیہ ہے وہ یہ کہ جمہور فقہاء  
و علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی اشیاء کے خلاف پر یقین نہ ہونے تک  
وہ اشیاء اپنے اصل پر باقی رہیں گی "یعنی اَنَّ الْيَقِيْنَ لَا يَزُولُ بِالشَّكِّ" چنانچہ نماز  
میں طہارت کے ساتھ ہونا یقین ہے اس لیے طہارت کے خلاف ہر حدیث ہے اگر اس پر



یقین نہ ہو تو یقینی طور پر طہارت نازل نہ ہوگی۔

قَوْلُهُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا صَوْتًا سے مراد ریح مع الصوت ہے اور ریحا سے مراد بوی ہے جو ریح بغیر الصوت کہلاتی ہے۔ اور یہ حصر با تفاق افغانی ہے اور ریح با تفاق یقین حدیث سے کنایا ہے۔ چنانچہ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ اگر صوت اور ریح کے بغیر خروج ریح کا یقین ہو جائے۔ تب بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کی دلیل البرادہ شریف ص ۱۸۱ کتاب الطہارت باب اذا شک فی الحدث جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ بات دوسرے کے ایک مرتب سے فرمائی تھی۔ یا جیسے باب ہذا فصل ثانی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ”لَا وَضُوءَ اِلَّا بِسَمْعِ صَوْتٍ اَوْ رِيحٍ“ لیکن چونکہ یقین یا غلبہ ظن حاصل ہونے کے لیے عمومی اور اکثری سبب دو ہیں یا بدلوانا یا آواز سنانا۔ اس لیے حدیث میں ان دو کو ہی ذکر کیا گیا۔ اگر کسی اور طریقہ سے موجب وضو پائے جانے کا غلبہ ہو جائے تب بھی حکم ہے۔

حدیث پاک میں موجب وضو دو ذکر کیے گئے ہیں یعنی صوت یا وجدان ریح۔ حالانکہ وہ آدمی جو خردش و اہم ہو یعنی بہرا جس کی قوت سماعت ختم ہے وہ کس طرح سنے گا یا وہ آدمی جو اخشم ہو یعنی جس کی قوت شامہ (یعنی سونگھنا) ختم ہے وہ کس طرح وجدان ریح کر سکے گا۔

امام محمدی الشنتہ شرح الشنتہ میں لکھتے ہیں کہ ”حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا“ سے یقین مراد ہے اس معنی کے لیے حدیث میں کئی قرائن ہیں جیسا کہ البرادہ شریف کی روایت ہے جو سابق میں گذری ہے لیکن عمومی طور پر یہی دو سبب ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی تخصیص کی۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تو کئی فرمائی اور فرمایا کہ اس میں چکناہٹ

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ إِنَّ لَهُ دَسْمًا

۱ ہوتی ہے۔

## شرب لبن سے وضو واجب ہے یا نہیں؟

اس حدیث میں مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ شرب لبن سے ٹکلی کرنا واجب ہے یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول** - اہل ظواہر کے نزدیک دودھ پینے سے ٹکلی کرنا واجب ہے۔  
**مستدل** - بھی روایت ہے جس میں امر کا صیغہ مستعمل ہے اور امر واجب کیلئے آتا ہے۔

**مسلک دوم** - چھوڑ حضرات جن میں اخاف بھی ہیں ان کے نزدیک شرب لبن سے مضغہ واجب نہیں۔

**مستدل** - اہل اذود شریف وراج اکٹایہ التہارت باب الرخصة فی ذالک میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے:

”يَقُولُ إِنَّ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا  
فَلَمْ يَمُضْهُمُ وَكَوْنُهُ يَتَوَضَّأُ وَصَلَّى“

اس میں واضح ہے کہ آپ نے دودھ استعمال فرمایا اور ٹکلی نہیں فرمائی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ

حدیث پاک میں شرب لبن پر

## اہل ظواہر کے مستدل کا جواب

جو مضغہ کا امر وارد ہوا ہے یہ امر واجب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے دوجوہ کی بنا پر ہے۔

**اول** : ایک تو خود حضرت فرما رہے ہیں کہ مضغہ کا حکم اس لیے دیا جا رہا ہے کہ ان کے دسغاء کہ دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ اگر آدمی چکناہٹ استعمال نہ کرے تو یہ حکم ختم ہو جائیگا۔

**دوم** : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک مضغہ و عدم ترک مضغہ دونوں ثابت ہیں۔  
دکائی سن لیا و اذود شریف) تو یہ مستحب کی نشانی ہے نہ کہ وجوب کی۔

**سوال** - یہ کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا۔  
**جواب** - یہ ہے کہ چونکہ اس حدیث میں جس کلمی کا ذکر کیا گیا ہے وہ مہتممات  
 وضو سے ہے اس لیے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى  
 الصَّلَاةَ يَوْمَ الْفَتْحِ بَوَضُوءٍ  
 وَاحِدٍ وَمَسَّ عَلَى خُفَّيْهِ  
 فَقَالَ لَمْ عُمَرُ صَنَعْتُ الْيَوْمَ  
 شَيْئًا لَمْ تَكُنْ تَصْنَعُهُ فَقَالَ  
 عُمَرُ صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ  
 (مسند امام مسلم)

ترجمہ : روایت ہے حضرت بريدہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے چند نمازیں پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح فرمایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آج حضورؐ نے وہ کام کیا جو کرتے نہ تھے فرمایا اے عمرؓ ہم نے قصد کیا۔

قوله صَلَّى الصَّلَاةَ - ای صلوات الخمس : یعنی پانچ نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں کیونکہ ابوداؤد و شریف و ترمذی و ابن ماجہ و کتاب الطہارت باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد میں حضرت بريدہؓ کی روایت ہے اس میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے۔  
 " قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ  
 خمس صلوات بوضوء واحد "

**خلاصۃ الحدیث :** اس حدیث سے دو چیزوں کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ۱۔ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنا ۲۔ مسح علی الخفین۔ اس مسئلہ کی وضاحت آئندہ مستقل باب میں آئے گی۔ پہلے مسئلہ کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

**کیا ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے؟**

اس بارہ میں کہ کیا ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے اس میں دو مسلک ہیں :-

**مسئلہ اول**۔ اصحاب ظواہر اور اہل تشیع حضرات کے نزدیک مقیم کے اہل ہر نماز کے لیے تجدید وضو واجب ہے۔

**مُستدل اول**۔ قرآن مقدس کی آیت ہے ”رَاٰ قُمْصُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ مِّنَ الْمَآءِ“

آیت مبارک میں قیام الی الصلوٰۃ کے وقت وضو کا حکم ہے محدث و غیر محدث کی کوئی قید نہیں ہے نہ علوم ہر نماز کے لیے تجدید وضو ضروری ہے۔

**مُستدل دوم**۔ ابو داؤد شریف ص ۲۱۱ کتاب الطہارت باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے۔

” فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ

**مسئلہ دوم**۔ جمہور فقہائے اہل سنت جن میں احناف بھی ہیں ان کے نزدیک ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے جب تک وضو نہ ٹوٹے نیا وضو کرنا واجب نہیں ہے البتہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔

**مُستدل اول**۔ حضرت بریدہؓ کی حدیث باب ہے جس میں واضح ہے کہ فتح مکہ والے سال آپؐ نے پانچ نمازیں ایک ہی وضو سے پڑھیں۔

**مُستدل دوم**۔ بخاری شریف ص ۲۱۱ میں حضرت سوید بن نعان کی روایت ہے۔

رَأَيْتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ صَلَّى الْعَصْرُ ثَقَدَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يَوْتِ إِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَأَمْرَبَهُ فَلَوِي نَاكِلٌ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا نَتَقَامُ إِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضُ وَمَضْمَضُنَا تَقَرَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔ اس میں واضح ہے کہ عصر اور مغرب ایک ہی وضو سے پڑھے ہیں۔

**مُستدل سوم**۔ نبیل الادوار ص ۱۱۱ میں علامہ شاکانیؒ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں۔

” أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَمَرَ بِالْوُضُوءِ لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ أَوْ غَيْرَ طَاهِرًا فَلَمَّا شَقَّ ذَلِكَ عَلَيْهِ أَمَرَ بِالسَّوَالِ مِمَّنْ كُلِّ صَلَاةٍ وَوَضَعَ عَنْهُ الْوُضُوءُ إِلَّا مَنْ حَدَّثَ

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لیے تجدید وضو مستحب ہے ضروری نہیں۔

## اصحاب ظواہر و من وافقہ کے مستدلات کے جوابات

محدثین حضرات نے آیت مذکورہ "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ" کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

**جواب اول۔** قُمْتُمْ میں قیام سے مراد قیام من النہم ہے یعنی جب نیند سے اٹھو اور نماز کا ارادہ ہو تو وضو کر لیا کرو اور نیند سے اٹھنے کی صورت میں سب کے نزدیک وضو واجب ہے۔

**جواب دوم۔** آیت مذکورہ میں خطاب عام نہیں بلکہ یہ خطاب خاص ہے اور من محمدون کو ہے اصل عبارت یوں ہے "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنْتُمْ مُعَذِّونٌ" پھر حکم ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ اِنَّہِی وجہ ہے کہ علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ اجماع ہے "إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنْتُمْ مُعَذِّونٌ" کی قید سے مقید ہے مطلق نہیں۔ لہذا آیت مرتبہ وضو کے لیے نیا وضو واجب کرتی ہے۔ غیر محمدین کے لیے نہیں اور اس تقید و تخصیص کا قرینہ خود قرآن کریم کی آیت ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے آخر میں ہے "مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مَغْرَبٌ وَلَا لِيُثْقِلَ عَلَيْكُمْ يُرِيدُ لِيُخَفِّضَ كُمُ" اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے امر کا مقصد تطہیر ہے اور تطہیر کا معنی ہے ازالۃ الحدث ظاہر ہے کہ ازالۃ الحدث کی انہی لوگوں کو ضرورت ہے جو پہلے حدث ہوں ظاہر نہ ہوں اگر ظاہر پھر طہارت حاصل کریں تو یہ حرج ہوا جو کہ صراحۃً لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مَغْرَبٌ کی نفی ہے لہذا یہ خطاب صرف محدثین یعنی بے وضو لوگوں کو ہے۔

**جواب سوم۔** امام طہادی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کلام وغیرہ ہر کام کے لیے وضو ضروری ہے ان کی اصلاح کے لیے فرمایا گیا کہ مرتب ارادہ صلوٰۃ کی صورت میں وضو ضروری ہے۔

## اصحابِ ظواہر کے مسئلہ ثانی کا جواب

مخبرین کے نزدیک حضرت انسؓ دالی روایت منسوخ ہے اور ناسخ حضرت بریدہؓ کی روایت ہے جس میں ہے کہ منسوخ مکہ واسے سال آپؐ نے چند نمازوں کو ایک ہی وضو سے پڑھایا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے جو ابو داؤد شریف ص ۱۱۱ ج ۱ کتاب الطہارت باب التوکل میں ہے کہ دونوں ناسخ بن سکتی ہیں و لہذا منسوخ شدہ حدیث کے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

**سوال**۔ آپؐ نے حضرت انسؓ دالی روایت کو منسوخ کہا ہے حالانکہ اصالة اس حدیث کی تائید قرآن مقدس کی آیت سے ہوتی ہے یعنی "اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ" تو قرآن مقدس کی آیت نص قطعی ہے، نص قطعی خبر واحد سے کیے منسوخ ہو سکتی ہے اس کے لیے تو نص قطعی چاہیے۔

**جواب**۔ جو چیز عملی طور پر متواتر ہو جائے وہ بھی قطعیت کا فائدہ دیتی ہے لہذا تو از عملی سے آیت منسوخ ہو گئی نہ کہ خبر واحد سے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت سوید بن ثعلبان سے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال گئے جب مقام صحبار میں پہنچے جو خیبر کے قریب ہے تو حضورؐ نے نماز عصر پڑھی پھر توشہ منگایا مرن ستر لائے گئے پھر آپ کے حکم سے بھگوئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھائے اور ہم نے بھی کھائے۔

وَعَنْ سَوِيدِ بْنِ ثَعْلَبَانَ  
أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ  
خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصُّهْبَاءِ  
وَهِيَ مِنْ أَدْنَى خَيْبَرَ صَلَّى  
النَّصْرَتُ دُعَاءَ الْآزَمَةِ وَادَّ  
فَلَمْ يُؤْتِ إِلَّا بِالسُّوْبِقِ فَأَمَرَ  
بِهِ فَنَشَرُوهُ فَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْنَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

قَوْلُهُ ادْفِ خَيْبَرُ : اِی قَرِیْبٌ مِّنَ الْخَيْبَرِ - لَفْظُ خَيْبَرٍ مَنْصُوتٌ بِحِیْ  
 پڑھا جا سکتا ہے اور غیر مَنْصُوتٌ بھی ، اگر غیر مَنْصُوتٌ پڑھیں تو منع صرف کی ایک تو علمت  
 علمیت ہے اور دوسری تائید کیونکہ خَیْبَرُ بَقْعَةٌ کو کی تائید میں مؤنث ہے لیکن غیر مَنْصُوتٌ  
 ادلی ہے۔

قَوْلُهُ اِنْرَادُ : جَمْعُ نَادٍ لِعَنَى تَوْشِعٍ وَغَيْرِهِ -  
 يَقُولُ الْبَحَا لَا سَعَادَ : یہ سلطان کو نہیں کا غزوات میں کھانا اور شاہی راشن  
 جن کے نام لیوا آج دنیا بھر کی نعمتیں کھا رہے ہیں۔

بوریا ممنون خواب راحتش  
 تاج کسری زیر پائے آتش

خیبر کی جنگ ہے اور مجاہدین بلکہ خود حضور سید المرسلین کا کھانا سٹو ہے۔  
 قَوْلُهُ فَسَوَّرَ : اِی خَلَطَ مِنَ الْمَاءِ پَانِی کے ساتھ ملانا کیونکہ ویسے خال سٹو  
 کھانا مشکل ہو جاتا ہے ، اگر پانی کے ساتھ ملا کر کھائیں تو آسانی ہو جاتی ہیں۔  
 خِلَاصَةُ الْحَدِيثِ - اس حدیث میں اس مسئلہ کی وضاحت  
 کردی کہ آگ پر کی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سٹو  
 کھایا جو آگ پر تیار کیا جاتا ہے تو صرف کھلی کر کے نماز مغرب ادا فرمائی وضو نہیں فرمایا  
 مسئلہ کی تحقیق ہو چکی ہے۔

## الْفَصْلُ الثَّانِي — یہ دوسری فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے کہ وضو نہیں واجب ہوتا اگر  
 آواز یا بو سے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ إِذَا مِمَّنْ  
 صَوْتٍ أَوْ رِيحٍ (رواہ احمد)

اس حدیث کی مکمل بحث فصل اول روایت حضرت ابی ہریرہؓ "اِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ الْغُ" میں ہو چکی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ یہ حصہ ہوا کے لحاظ سے ہے یعنی جب تک کہ ہوا نکلنے کا یقین نہ ہو تب تک وضو نہیں جاتا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں جاتا۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں سوال کیا میں نے نبی کریم ﷺ علیہ وسلم سے کُذی کے بارے میں۔ الخ

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَذْيِ - الْغُ (رواه الترمذی)

قد مَدَّ تَحْقِيقُهُ الْإِنْفَافِي رَوَايَةِ السَّابِقِ لَمَّا كُنَّا نَسْأَلُ عَنْهُ: **سوال**۔ یہ کہ حضرت علیؓ نے سوال تو صرف کُذی کے متعلق کیا مگر نبی کے بارے میں نہیں کیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے مٹی کا مسئلہ بھی بیان فرمادیا اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**۔ کُذی کے ساتھ مٹی کو متعلق کرنا علیؓ اسلوب الحکم کے قبیل سے ہے چونکہ دونوں میں رُغلت، شہوتِ قدرے مشترک ہے تو تشابہ کی وجہ سے اتحاد فی الحکم کا شبہ ہوتا تھا اس لیے مٹی کا حکم بھی بیان کر دیا۔

ترجمہ: روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ نماز کی کبھی طہارت ہے اور اس کا احرام تکبیر اور اس سے کھلنا سلام ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفْتَحُ الصَّلَاةِ الظُّهُورُ وَخَيْرُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ: (رواه ابوداؤد)

حدیث پاک میں تین جملے ہیں، ہر جملہ کی علیحدہ بحث ہوگی۔



## جملہ اولیٰ

### مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الظُّهُورُ کی تشریح

اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ نفسِ صلوٰۃ مثلِ قفص و تالا کے ہے، اور طہارت بمنزلے چابی کے ہے جیسا کہ بغیر چابی کے تالا نہیں کھلتا دہلے ہی بغیر طہارت نماز نہیں ہوتی۔ اس جملہ کے متعلق مسائل کی وضاحت حدیث ”لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةَ الْغَيْرِ طَهْرًا“ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال - سترِ عورت بھی تو صلوٰۃ کے لیے مفتاح ہے صرف ظہور کو کیوں مفتاح کہا گیا؟  
جواب - اور بھی مفتاح ضرور ہیں مگر غیر کامل، کامل مفتاح صرف طہارت ہے وَلِهَذَا يُخَصِّصُ۔

## جملہ ثانیہ

### وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ کی تشریح

اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ جیسے ج کا احرام تلبیہ پڑھنے سے بندھتا ہے کہ تلبیہ کہتے ہی حاجی پر صد اچیزیں حرام ہو جاتی ہیں رشتہ کار، جماع، خوشبو وغیرہ، ایسے ہی نماز کا احرام تکبیر سے بندھتا ہے کہ تکبیر کہتے ہی کلام، سلام، کھانا، پینا سب حرام ہو جاتا ہے۔ حدیث کے اس جملہ کے دو فقہی مسائل آئیں گے۔

## مسئلہ اولیٰ

کیا دخول فی الصلوٰۃ کے لیے صرف نیت کافی ہے؟

اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ دخول فی الصلوٰۃ کے لیے صرف نیت کر لینا ہی کافی ہے

یا کوئی لفظ بولنا بھی ضروری ہے۔ اس میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ علامہ ابن شہاب زہری کا مذہب یہ ہے کہ دخول فی الصلوٰۃ

کے لیے محض نیت ہی کافی ہے کسی تلفظ کی ضرورت نہیں البتہ تکبیر کہنا سنت ہے۔

**مستدل**۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ دیا چہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت عمرؓ کی روایت

ہے: "اَلَمَّا اَلَا عَمَالُ بِالنِّيَّاتِ" "صلوٰۃ بھی عملوں میں ایک عمل ہے اس کے لیے بس ارادہ کافی ہے۔

**مسلک دوم**۔ امام ربیع اور تہجد کا مذہب یہ ہے کہ صرف نیت دخول فی الصلوٰۃ

کے لیے کافی نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ کا تلفظ ضروری ہے۔

**مستدل**۔ یہی حدیث ہے تحذیریمہا التکبیر ثانیاً تحذیریمہا التکبیر

میں مسند اور مسند الیہ دونوں معارف ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب مُسْتَدْنِ معرفہ ہوں تو کلام میں حصر پیدا ہو جاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ حرمت الصلوٰۃ میں داخل کرنے والی چیز صرف تکبیر ہی ہے۔

## مستدل ابن شہاب کے جوابات

اس کے مختلف جواب دیے گئے ہیں۔

**جواب اول**۔ اعمال دو قسم ہیں مادہ اعمال جن کے لیے صرف نیت و ارادہ

ہی کافی ہے مثلاً (صلوٰۃ جنازہ عیدین وغیرہ) مگر وہ جن کے لیے نیت مقرون بالتلفظ

ضروری ہے۔ مثلاً رُج و عمرہ کا احرام، طلاق وغیرہ) یعنی حج و عمرہ کے احرام کے لیے صرف

نیت احرام کافی نہیں۔ تلفظ تلبیہ بھی ضروری ہے۔ لہذا فی الطلاق کہ طلاق میں بھی صرف

نیت کافی نہیں بلکہ نیت مقرون بالتلفظ ضروری ہے۔ چنانچہ صلوٰۃ بھی ان عملوں میں سے

ہے کہ اس کے لیے تلفظ و تکلم ضروری ہے۔

**جواب دوم**۔ "تَحْذِيرُهُمَا التَّكْبِيرُ اَلَمَّا اَلَا عَمَالُ بِالنِّيَّاتِ" والی روایت

سے خاص ہے یعنی یہ جملہ (تَحْذِيرُهُمَا التَّكْبِيرُ) حدیث "اَلَمَّا اَلَا عَمَالُ بِالنِّيَّاتِ"

کے لیے مختص ہے۔ ثانیاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بھی اس کے لیے خاص کرنے کا

درجہ رکھتا ہے کہ آپ دائماً تکبیر تحریمہ کا تلفظ فرماتے تھے نہ کہ صرف نیت پر اکتفا فرماتے۔

## مسئلہ ثانیہ

### تکبیر تحریمہ کے الفاظ کون سے ہیں —؟

اس بات پر تو جمہور کا اتفاق ہے کہ دخول فی الصلوٰۃ کے لیے نیت کافی نہیں تلفظ ضروری ہے۔ مگر اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ کون سے لفظ کہنے یہاں ضروری ہیں اس میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ————— فریضۃ  
ادا ہونے کے لیے ہر ایسا لفظ کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم موجود ہو اور حاجات الناس کا شائبہ نہ ہو جیسے **اللَّهُ أَعْظَمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، سُبْحَانَ اللَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ** وغیرہ  
**مسلک دوم**۔ باقی ائمہ جن میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ بھی شامل ہیں ان کے نزدیک صرف **اللَّهُ أَكْبَرُ** کے الفاظ ضروری ہیں اور کسی لفظ کا اعتبار نہیں یا اس مادے جیسے الفاظ **”اللہ الاکبر، اللہ الکبیر“** وغیرہ

یقول ابوالاسعاد : امام اعظمؒ معنی کا اعتبار کرتے ہیں جب کہ باقی محضرات مادہ کا اعتبار کرتے ہیں۔

## امام اعظمؒ کے دلائل

متمم چند دلائل پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

**مستدل اول**۔ قرآن مقدس کی آیت ہے ”وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَكَلِمٌ“  
(پتہ) اپنے رب کا ذکر کر پھر نماز پڑھ۔ صلی سے پہلے فارہے جو تعقیب مع الرصل کے لیے استعمال ہوتی ہے یعنی یہ فارہے کہ ذکر اسْمِ رَبِّہ سے وہ ذکر مراد ہے جس کے

فوراً بعد نماز شروع ہو جاتی ہے ایسا ذکر وہی ہو سکتا ہے جو افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت تحریم کے لیے ہوتا ہے۔ اس ذکر میں اور نماز میں تعقیب بلا فصل ہے گویا تحریم کے وقت کے ذکر کو قرآن پاک نے ذکرِ استعوذِ ربّہ کے لفظوں سے ذکر فرمایا جو مطلق ہے اس اطلاق سے یہ بات نکلی کہ افتتاحِ صلوٰۃ کے وقت تحریم کے لیے اللہ کے نام کا کسی لفظ سے ذکر کر لینا کافی ہے لفظ اللہ اکبر متعین نہیں۔

**مُستدل دوم۔** مُصنّف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ:

”سئل ابوعالیٰ یٰ بای شیعی کانت الذنوباء یفتتحون الصلوٰۃ قال بالتوحید والتسبیح والتهلیل“ (لکن فی عمدۃ القاری ص ۲)  
اس میں کوئی تخصیص نہیں مقصود تعظیمِ خداوندی ہے۔

**مُستدل سوم۔** امام شیعہ فرماتے ہیں:-

”بای شیعی من أسماء الله تعالى استفتحت الصلوٰۃ فقد اجزأ تلك“ (الخروج بدر الدین عینی)

## ائمہ اربعہ کے دلائل

یہ حضرات حدیث مذکور سے دلیل پکڑتے ہیں جس کا ذکر آیا ہی چاہتا ہے:-

**مُستدل۔** یہ سب حضرات را امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، حدیث ہذا کے جملہ ”تحریمھا التکبیر“ سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں مبتداء و خبر معرفہ ہیں جو عصر کا فائدہ دیتے ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ تحریر منحصر ہے تکبیر پر  
”لا یجوزنا الی غیر التکبیر“

## ائمہ اربعہ کے مُستدل کے جوابات

مُحَمَّد مین حضرات نے مختلف جوابات دیے ہیں:-

**جواب اول**۔ اگر مان لیا جائے کہ اس حدیث میں تکبیر سے مراد اللہ اکبر کہنا ہی ہے۔ پھر بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس سے اللہ اکبر کہنے کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ خبر واحد ہے۔ اور ظنی الثبوت ہے۔ دلیل ظنی مفید فرضیت نہیں ہوتی۔ مفید وجوب ہو سکتی ہے تو تحریف کا التکبیر کے خبر واحد ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ اللہ اکبر کہنے کا وجوب ثابت ہوگا۔ اس کے تو ہم بھی قائل ہیں اس میں نزاع نہیں۔ نزاع بخصر صہ اللہ اکبر کہنے کی فرضیت میں کا درودہ حدیث سے ثابت نہیں۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ تعریف الطرفین (یعنی مسند و مسند الیہ دونوں معزز ہوں) ہمیشہ حضر کے لیے نہیں آتی کما قال القصاص انی بلکہ کبھی فرد کامل کی طرف اشارہ کرنے اور اہتمام شان کی خاطر آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے زید العالم تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ زید ہی عالم ہے۔ باقی سب جاہل ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ زید اپنی علمیت میں فرد کامل ہے تو حدیث ہذا میں بھی لفظ ”اللہ اکبر“ اہتمام شان اور فرد کامل دکھانے کے لیے معزز لا بگیا یہ غرض نہیں کہ دوسرے لفظوں سے جائز نہیں۔

**جواب سوم**۔ تکبیر کا معنی ہے تعظیم یعنی عظمت بیان کرنا لہذا تکبیر کا مصداق ہر وہ لفظ ہو سکتا ہے جس سے کسی کی عظمت سمجھ میں آجائے نہ کہ تکبیر سے مراد صرف اللہ اکبر ہے کما فی قولہ تعالیٰ ”فَلَمَّا سَأَلُ يَسُّةُ أَكْبَرُ فَكَدَّ يَدَا يُوْسُفَ اِی عَظَّمْتَهُ (جلالین) جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو اسے بہت بڑا سمجھا نہ کہ اکبر کہا۔ اور مقام پر رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں ”وَرَبُّكَ فَكَبَّرُ دَبَّ مُدَّحِ اِی عَظَّمْتَهُ (جلالین) جمہور مفسرین کے نزدیک کبر سے مراد لفظ اللہ اکبر نہیں بلکہ اس سے مراد تعظیم ہے یعنی اپنے رب کی عظمت بیان کرو۔ غرضیکہ تحریف کا التکبیر میں ہر وہ ذکر داخل ہے جس سے عظمت الہی سمجھ میں آئے تو ایسے ذکر سے نماز کی تحریم اور افتتاح ہو جائے گی۔

## جملہ ثالثہ تحلیلہا التسلیم کی تشریح

تحلیل محل سے ہے یعنی حلال کرنے والی چیز مراد خروج من الصلوۃ بتانا ہے

یہ مقصود ہے کہ نماز سے نکلنے کا طریقہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہنا ہے۔ باقی سلام کو تحلیل اس لیے کہتے ہیں کہ سلام کی وجہ سے بہت سے مباحات جو پہلے حرام ہو گئے تھے وہ حلال ہو گئے جیسے حج کے احرام سے نکلنا سر منڈانے سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی نماز کے احرام سے نکلنا سلام سے ہوتا ہے کہ سلام پھیرتے ہی مذکورہ بالا چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔ اس جملہ کے تحت مسئلہ آتا ہے کہ لفظ سلام کہنا فرض ہے یا واجب؟

## کیا لفظ سلام کہنا فرض ہے یا واجب

نماز سے نکلنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام کہہ کر آدمی نکلے مگر سلام کہنے کی حیثیت میں اختلاف ہوا ہے اور اس میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول**۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لفظ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فرض ہے دوسرے کسی طریقہ کے ذریعہ نکلنے سے نماز نہیں ہوگی۔

**مستدل اول**۔ حدیث الباب ہے کہونکہ اس میں خبر معروفہ ہے جو مفید حضرت (کَمَا مَرَّ) یعنی تحلیل صرف سلام کہنا ہے۔

**مستدل دوم**۔ اَنَّہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَخْتَعِرُ الصَّلَاةَ بِالشَّلِیْمِ وَکَذَ قَالَ الشَّیْخُ صَلی اللہ علیہ وسلم صَلُّوا کَمَا سَأَأَ یُتَوَدَّیْ اُصَلِّیْ۔

الایضاح ص ۲۹ ج ۱، معارف الشف ص ۱۱ ج ۱، بذال المعجمود ص ۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں تسلیم ہے لہذا وہی خاص ہونا چاہیے۔

**مسلک دوم**۔ اہم اعظم کے نزدیک فرض صرف خروج بوضع الصلی ہے۔ اور لفظ سلام کہنا واجب ہے۔ لہذا جو شخص صیغہ سلام کے علاوہ کسی اور طریقہ پر نماز سے خارج ہو اس کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا لیکن نماز واجب الادا رہے گی۔

**مستدل اول**۔ احناف حضرت عبد اللہ بن مسعود کے اس واقعہ سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تشہد کی تعلیم دے کر فرمایا۔

اِذَا قُلْتَ هَذَا اَوْ قَضَيْتَ هَذَا فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَوَاتُكَ اِنْ

شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ رَابِعُ دُرِّ شَرِيف ص ۱۳۹

کتابُ الصَّلَاةِ بَابُ الشَّهَادَةِ

اس سے ثابت ہوا کہ قعود بقدر الشہد کے بعد کوئی اور فریضہ نہیں ہے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت اور حدیثِ باب کے الفاظ سے وجوب ضرور معلوم ہوتا ہے ہم اس کے قائل ہیں۔

مُسْتَدَل دَوِّم۔ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَرْقُوعًا إِذَا رَفَعَ الْعُمَلَى رَأْسَهُ مِنَ الْخُرُصَلَاةِ وَقَضَى تَشَهُدَهُ فَتَوَاحَدَتْ فَقَدْ تَحَقَّتْ صَلَاتُهُ فَلَا يَعُودُ بِهَا رَطَاوِي شَرِيف ص ۱۳۹ ج ۱ بَابُ التَّلَامُ فِي الصَّلَاةِ هَلْ هُوَ مِنْ فَرُوضِهَا أَوْ مِنْ سُنَنِهَا :

روایت مذکور سے بھی تکمیلِ شہد کے بعد اتمامِ صلوٰۃ کا حکم دیا جا رہا ہے سلام کا ذکر بھی نہیں۔

## ائمہ ثلاثہ کے مُستدلات کے جوابات

اختصاراً چند جوابات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

تحلیلہا التسلیم والی روایت کی جو سند ہے اس میں عبد الشریف محمد بن

مُسْتَدَل اَوَّل کا جواب اَوَّل

مقبول ہے۔ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب ص ۱۵۱ میں لکھتے ہیں۔

قال احمد وابن سعد منكر الحديث وقال ابن مسين ضعيف لا يجهل بعد يشهد وقال النسائي ضعيف وقال ابو حاتم ليس بالحديث وقال الخطيب سبني الحفظ وقال ابن حبان ردني الحفظ۔

تو لیے رادی کی روایت سے فریضت درکنیت یکے ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ کہ تحلیلہا التسلیم میں غیر مُعَرَّفَت باللام ہونے کی بنا پر مفید

حصر ہے تو اس کا جواب ثانی یہ ہے کہ اس میں صغرِ حقیقی نہیں

جواب دَوِّم

بلکہ صحر کمال اور فقر عادی ہے جیسے "لَا فَتْحَ إِلَّا عَلَيَّ وَلَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفَقَارِ" میں فقر کمال ہے۔

یہ ہے کہ خبر واحد ہے اور خبر واحد ثبوت کے لحاظ سے قطعی ہوتی ہے جب دلیل کے ثبوت یا دلالت میں سے ایک چیز میں غیبت آجائے تو اس سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی وجہ یا ثبوت مؤکرہ کا درجہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے یہ حدیث دلیل ہوگی اس بات کی کہ سلام کہنا واجب ہے نہ کہ فرض اس کے ہم بھی تامل ہیں۔ فَلَا مُعَايَنَةً۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت علی ابن طلح سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی بے آواز ہوا نکالے تو وضو کرے اور عورتوں کی دہروں سے نہ جاؤ۔

وَعَنْ عَلِيٍّ بْنِ طَلْحٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي إِعْجَابِنَهُنَّ۔ (رواہ الترمذی)

قولہ فَسَا۔ یہ مقابل ضراط ہے۔ فَسَا بمعنی وہ ای الریح التي لا صوت له من أسفل الانسان ای الذی بر جب کہ ضراط ریح مع الصوت کو کہتے ہیں۔ قولہ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ: ای لا تجاؤنواھن یعنی اتیان کنایہ ہے جماع سے قولہ إِعْجَابِنَهُنَّ: اعجاز جمع ہے عجز کی بمعنی شئی کا آخری حصہ یعنی دبر۔ اب إِعْجَابِنَهُنَّ کا معنی ہوگا وہ ای ادبارھن حدیث کی فقہی بحث قدر تحقیقہ آنگاہ۔ سوال۔ یہ کہ حدیث کے جزء اول اور آخری جزء میں بظاہر کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا کیونکہ جزء اول میں خروج ریح سے لقص وضو کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے جب کہ آخری جزء میں جماع فی الدبر کی نہی بیان ہو رہی ہے۔

فَبَسْوَةٌ ایک خفیف سی چیز ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قرب الہی سے مانع بن جاتی ہے تو جماع فی الدبر جو کہ بہت

جواب اول



آغلند ہے وہ بطریق اولیٰ ناقض ہوگا اور قرب الہی سے مانع ہوگا کیونکہ یہ گندی جگہ ہے اس میں اپنی قوت صرف کرنا کتنی بے حیائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”لَسَاءَ كَوْمٌ حَزَنٌ لِّكَوْمٍ اَلِیٍّ“ اور یہ موضع حشر نہیں ہے۔ اس لیے جمہور امت کے نزدیک جماع فی القبر حرام ہے۔  
**جواب دوم**۔ کہ نسا یعنی روح کا تعلق بھی دہر کے ساتھ ہے توجاع کا تعلق جس سے رو کا جارہا ہے وہ بھی دہر کے ساتھ ہے یعنی مابہ الا شراک محل دہر ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِیْ  
 سُفْيَانَ اَنَّ الشَّيْءَ مَلَکُ اللّٰهِ  
 عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعِشَانِ  
 وَكَاءُ الشَّيْءِ فَاِذَا نَامَتِ الْعِشَانُ  
 اِسْتَطْلَقَ الْوُكَاءُ (برہان الدارمی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت معاویہ  
 ابن ابی سفیان سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا آنکھیں سرین کا بندھن ہیں تو  
 جب آنکھ سو گئی تو بندھن کھل گیا۔

قوله وکاء : وکاء کا معنی ہے ”مَا یُشَدُّ بِدَسَاءٍ سِیِّئِ الْکَلْبِ“ وہ تسمہ یا ناگا  
 جس سے تھیل کا منہ باندھا جائے۔

قوله الشئ : الشئ کی اصل الشئہ ہے۔ اسی لیے اس کی جمع استاء  
 اور تقیر سئیدہ آتی ہے۔ پھر تار خفیفاً حذت کر دی گئی یعنی حلقۃ الذہب یعنی دہر کا کھانا  
 اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ دو آنکھیں بمنزلہ تسمہ کے ہیں اور دہر بمنزلہ تھیل کے ہے  
 جیسے تھیل کے کھلنے اور بند ہونے کی مدار تسمہ پر ہے جب چاہے تسمہ کو کھینچا تو تھیل بند، اگر  
 تسمہ کو چھوڑ دیا تو تھیل کھل جاتی ہے۔ یہی حال آنکھوں کا ہے اگر آنکھیں بند تو دہر کھلی ہوئی  
 ہوتی ہے۔ اگر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو دہر بند ہے۔

**سوال**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعبیر کیوں اختیار فرمائی ہے ؟

**جواب**۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعبیر اختیار فرما کر دو باتوں کی طرف اشارہ  
 فرمایا ہے۔ اول : وکاء الشئ یہ کنایہ ہے نوم سے کہ آنکھیں بند تو غیندہ ہے اگر کھلی ہیں  
 تو بیداری ہے۔ دوم : یہ حدیث سے کنایہ ہے کہ جب انسان جاگتا رہتا ہے تو گویا

اس کی مقعد پر بند لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے ہوا خارج نہیں ہوتی بلکہ رُک رہتی ہے اور اگر خارج ہوتی ہے تو اس کا احساس ہو جاتا ہے۔ اور جب انسان سو جاتا ہے تو چونکہ وہ بے اختیار ہو جاتا ہے اور دُبر کے کنارے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو ہوا کے خارج ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے جس کا اسے یقیناً احساس نہیں ہو سکتا اس لیے نیند کو ناقض وضو کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ رَسَطَ طَلَقَ : اى اخل بمعنى كحلنا يعنى بندھن کا کھل جانا۔ فقہی بحث آگے والی روایت میں ہوگی۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سرین کا بندھن آنکھیں ہیں تو جو سیرا وہ وضو کرے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ الشَّهَ الْعَيْنَانِ قَمَمٌ نَامٌ فَلْيَتَوَضَّأْ : (رواہ ابو داؤد)

قَوْلُهُ مَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ : یعنی اگر آنکھ کھلی رہے تو رنج نکلنے کی خبر ملتی ہے سونے ہی سے خبری ہو جاتی ہے۔ لہذا اب نیند ہی ناقض مان لی گئی خواہ رنج نکلے یا نہ نکلے نیند کا جھوٹا آیا اور وضو کیا۔ حدیث باب میں مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ نوم ناقض وضو ہے یا نہیں۔

## نوم ناقض وضو ہے یا نہیں؟

فقہی مسئلہ کی وضاحت سے قبل وہ فوائد کا جائز ضروری ہے :-

نواقض الوضو کی دو قسمیں ہیں برا ناقض حقیقی۔ جب واقعہ کسی شخص چیز کا انسانی بدن سے خروج محقق ہو۔ یا ناقض حکمی : جو فی نفسہ

فائدہ اولیٰ

تو ناقض الوضو نہیں لیکن ناقض حقیقی (خروج بخاست) کا سبب ہے مثلاً نوم فی نفسہ ناقض وضو

نہیں۔ مگر بعض اوقات بوجہ استرخائے مفاصل قائم سے خروج ریح کا تحقق بھی ہو جاتا ہے۔  
اس لیے سبب کو مستبب کے قائم مقام قرار دے کر نوم کی بعض صورتوں کو ناقض الوضوء قرار دیا گیا ہے۔  
يقولون ابوالاسعاد: انداز شریعت یہ ہے کہ جب کسی شئی کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہو تو  
اس چیز کے سبب ظاہری کو اس کے قائم مقام قرار دے کر مدار حکم بنا دیا جاتا ہے۔

سفر میں جو رخصتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی اصل علت مشقت ہے لیکن  
مثال اس کی تحقیق کہ کس سفر میں اتنی مشقت ہوتی ہے جو مدار رخصت ہے اور  
کس سفر میں اتنی مشقت نہیں یہ مشکل ہے۔ اس لیے شریعت نے مشقت کے سبب ظاہری  
کو اس کے قائم مقام قرار دے کر اسی کو رخصت کی علت و مدار بنا دیا ہے۔ اور وہ سبب  
ظاہری تین منزل کا سفر ہے حدیث میں اور بھی بہت سے تفارک ہیں۔ یہاں بھی نقض وضوء  
کی اصل علت خروج ریح ہے اس کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہے۔ اور نوم مستغرق خروج  
ریح کا سبب ظاہری ہے۔ اس لیے مدار حکم اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ جب بھی نوم مستغرق ہوگی  
نقض وضوء کا حکم لگ جائے گا خواہ واقعہ میں ہوا نکلی ہو یا نہ۔

## فائدہ ثانیہ انبیاء کرام کی حالت منامی

فقہاء و علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم الانبیاء ناقض الوضوء نہیں چنانچہ امام نوویؒ  
شرح مسلم ص ۲۳۷ ج ۱ میں، امام خطابی معالم السنن ص ۲۵۱ ج ۱ میں، امیر ممانی غیر مقلد سبل السلام  
ص ۱۵ ج ۱ میں، قاضی شرف الدین نیل الادکار ص ۲۱۱ ج ۱ میں، مولانا سید محمد انور شاہ صاحب  
العرف الشذی ص ۱۵ میں، مولانا عثمانی فتح الملہم ص ۱۲۱ ج ۲، اور مولانا محمد ذکریاء الامام الدہلوی  
ص ۱۱ ج ۱ میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند ناقض وضوء نہ تھی۔  
کیونکہ انبیاء کو بظاہر سوئے ہوئے ہیں مگر ان کے قلوب مبارکہ بیدار رہتے ہیں۔  
ناقض الوضوء (حقیقی) کے تحقق اور عدم تحقق کا انہیں علم رہتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اگر انبیاء کرام  
کا قلب مبارک بھی غافل اور نیند سے مغلوب ہو جائے تو پھر وحی کی تعلیم اور اس کا تحفظ محذو  
ہو کے رہ جاتا ہے۔ وحی کے تحفظ کے لیے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ قلب ہر وقت بیدار رہے۔

اور اس پر کبھی بھی غفلت طاری نہ ہو کہ معلوم نہیں کس وقت وحی کا نزول ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں » تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي « اور اود شریف مناجات کتاب الطہارت باب فی الوضوء من النوم۔ اسی طرح ابن سعد کی ایک روایت جو عطاء سے مرسلہ مروی ہے اس میں اس طرح ہے » اَنَا مَعَ شَرِّ اَذْنَبِيَا تَنَامُ اَعْيُنُنَا وَلَا تَنَامُ قُلُوبُنَا «  
 (کما فی الفہم)

اس لیے انبیاءؑ کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب میں اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا، اور پھر اس خواب کو خدا تعالیٰ کا حکم جان کر اس کی تعمیل کرنا، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب دیکھنا سفر حدیبیہ کے لیے اوردہ بعینہ پورا ہو کر رہا۔ کما فی قولہ تعالیٰ »

» لَقَدْ صَدَّقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الْرُّعْيَا بِالْحَقِّ لَتَنُدَحِّضَنَ الْمُسْجِدَ  
 الْحَرَامَ « (پہلے الفتحہ)

اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انبیاءؑ کے قلوب حالت منامی میں غافل نہیں ہوتے بلکہ بیدار رہتے ہیں اس لیے انہیں ماخروج من التنبیلین کا احساس بھی ہو جاتا ہے۔  
 آمد مبرسہ مطلب : اصل بحث کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے ورنہ من النوم کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ ذہبیؒ نے آٹھ اور علامہ عینیؒ نے دس اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان اقوال کا خلاصہ تین قول یا تین مذہب ہیں۔

مذہب اول۔ نوم مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ قلیل ہو خواہ کثیر یہ قول حضرت من لہریؒ امام زہریؒ اور امام اوزاعیؒ سے منقول ہے۔

دلیل مستدل اول۔ حضرت علیؑ کی روایت مذکورہ ہے » فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ « اس میں نوم کو علی الاطلاق ناقض وضو کہا جا رہا ہے۔

مستدل دوم۔ حضرت صفوان بن یشاکؒ کی روایت ہے :  
 قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَسْتَوِزَّ خَفَافًا نَلَا كَثَرًا أَيَّامًا وَلَيْسَ لِيَهْدِيَنَا إِلَّا مِنْ جَنَابِ سِتْرٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَعُومٍ رَزَقَ شَرِيفٌ مِنْ أَكْثَرِ الطَّهَارَاتِ بِابِ السَّحَابِ

مَلِكِي الْمُحْتَمِلِينَ لِلْمَسْأَلَةِ الْمُقِيمِ

اس میں نوم کو بول دیا کہ اس کے ساتھ ذکر کیا۔ بول دہرا جس طرح مطلقاً ناقض وضو ہے نوم بھی مطلقاً ناقض وضو ہوگی۔

مذہب دوم۔ نوم مطلقاً غیر ناقض وضو ہے۔ یہ مسلک حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت حمید الاعرجؓ اور حضرت شعبہؓ سے منقول ہے۔

مُسْتَدَل۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔  
كَانَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَأَمَّرُونَ  
شَوْقًا يَقُومُونَ فَيُصَلُّونَ وَكَذَا يَتَوَضَّأُونَ رُحْلًا شَرِيفًا ۝۱۴۳

کافی مشکوٰۃ الشریف ص ۱۴۳ باب الباطن

مذہب سوم۔ نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب غیر ناقض ہے۔ یہ مسلک ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے۔ درحقیقت اس تیسرے قول کے قائلین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوم بغیر ناقض نہیں بلکہ منظرہ خروج ریح کی وجہ سے ناقض ہوتی ہے۔ چونکہ یہ منظرہ معمولی نیند سے پیدا نہیں ہوتا اس لیے یہ مسلک اختیار کیا گیا کہ نوم غیر غالب ناقض نہیں البتہ نوم غالب یعنی ایسی نیند جس سے انسان بے خبر ہو جائے اور اس طرح کے مفاصل درجہ اولیٰ پڑ جائیں (متحقق ہو جائے) ناقض وضو ہے۔ چونکہ حالت نوم میں خروج ریح کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس طرح کے مفاصل کو شرعاً خروج ریح کے قائم مقام کر دیا گیا۔

مُسْتَدَلِ اَوَّل۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۳ کتاب الطہارت باب ما یوجب الوضوء

فصل ثانی میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

” قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْوَضُوءَ يَكْفِي مَنْ تَأَمَّ مُضْطَجِعًا فَإِنْ شَاءَ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَشَ مَقَاصِلَهُ  
مُسْتَدَلِ دَوِّم۔ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِبُّ الْوَضُوءَ عَلَى مَنْ تَأَمَّ جَالِسًا أَوْ قَائِمًا أَوْ سَاجِدًا حَتَّى يَضَعَ جَنْبَهُ فَإِنْ شَاءَ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَشَ مَقَاصِلَهُ  
مَقَاصِلُهُ (رجاء الصالح بن یحیی ص ۱۴۳)

ان دونوں ردائیوں میں حالت اضطرار کی نیند کو ناقض وضو اور عکلت استرخاء مفصل بتائی ہے۔

**فائدہ**

تیسرے قول والوں میں استرخائے مفاصل اور نوم غالب کی تحدید میں اختلاف ہو گیا۔ امام شافعیؒ نے زوال مقعد عن الارض کو استرخاء مفاصل کی علامت قرار دیا ہے۔ لہذا ان کے نزدیک زوال مقعد کے ساتھ ہر نیند ناقض ہو گی جب کہ حنفیہ کا مختار مسلک یہ ہے کہ نوم اگر ہیئت صلوٰۃ پر ہو تو استرخاء مفاصل نہیں ہوتا۔ لہذا ایسی نیند ناقض نہیں ہے اور اگر نوم غیر ہیئت صلوٰۃ پر ہو تو پھر اگر تمام المقعد علی الارض باقی ہے تو ناقض نہیں، اور اگر تمام فوت ہو گیا تو ناقض ہے۔ مثلاً اضطرار سے یا قفا پر بیٹھنے سے یا کہ دھڑ پر بیٹھنے سے اسی طرح اگر کوئی شخص ٹیک لگا کر بیٹھا ہو، اور اسی حالت میں سو جائے تو اگر نوم اس قدر غالب ہو کہ ٹیک نکال دینے سے آدمی گر جائے تو یہ نوم بھی ناقض وضو ہو گی کیونکہ اس صورت میں تمام فوت ہو گیا۔

یقول ابوالاحسان: حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ نوم کے ناقض ہونے کا اصل مدار حدیث باب کی تصریح کے مطابق استرخاء مفاصل پر ہے۔ اور اسی کے بلے فقہاءؒ نے مختلف علامتیں مقرر کی ہیں اور چونکہ استرخاء مفاصل زمانہ اور لوگوں کے قومی کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے یہ حدود بھی دائمی نہیں ہیں۔ لہذا حنفیہؒ کو آج کل اپنے مسلک پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ ہیئت صلوٰۃ پر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اس دور میں ہیئت صلوٰۃ پر بھی استرخاء مفاصل مستحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بسا اوقات دیکھتے ہیں آٹا ہے کہ ہیئت صلوٰۃ پر سونے کے دوران وضو ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ اور سونے دے کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (کما فی الکوکب الدرری ص ۱۱)

**مذہب اول کی دلیل فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ**  
اور حدیث صفوان بن عسال کا جواب اول

صحیح دلائل سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ اس نوم سے مراد نوم غالب ہے جس سے نقض لہارت لازم ہے نہ کہ ہر قسم کی نیند اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ تو

فَلَا مُعَارَفَتًا !

روایت حضرت علیؓ قَصَصْنَا فَمَنْ فَلَيْتَوْضًا مُنْقَطِعٌ ہے کیونکہ

عبدالرحمن بن غافر کا سماع حضرت علیؓ سے ثابت نہیں۔ ثانیاً

حدیث مذکور کے راوی بقیہ ہیں جو ضعیف ہیں جن کے متعلق ابوسہرستانی فرماتے ہیں :-  
أَحَادِيثُ بَقِيَّةٍ لَيْسَتْ بِنَقِيَّةٍ فَكُنْ مِنْهَا تَقِيَّةً (کما فی الدرر باب تفریق الروض)

## مذہب ثانی کی دلیل یَا مُؤْمِنَ وَلَا يَتَوَضَّئُونَ کا جواب اول

صحابہ کرامؓ کی نوم مستغرق نہیں تھی بلکہ خفیف ہوا کرتی تھی جس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ انتظار نماز عشاء کھیلے ہوا کرتی تھی۔ (کما فی روایۃ علیؓ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ) اور نماز عشاء کی انتظار میں نوم مستغرق کا وقوع صحابہ کرامؓ کی شان سے بعید از عقل ہے۔ ثانیاً سند بزاز میں ہے کہ نوم میں مستغرق ہونے والے تمام صحابہ کرامؓ نے وضو کیا۔ لہذا اس سے عدم نقص وضو پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

قَوْلُهُ تَخْفِضُ رَأْسَهُمْ : اس کا معنی ہے حَتَّى تَسْقُطَ رَأْسُهُمْ عَلَى الصُّلْبِ یہ کنایہ ہے نیند سے کیونکہ جب بٹھے ہوئے شخص کو نیند آ جائے تو اس کا سر پیٹے پر جھک جاتا ہے۔

قَوْلُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ : امام ابی داؤد اور امام ابو یعلیٰ ترمذیؒ نے بھی روایت نقل کی ہے مگر امام ترمذیؒ نے اپنی روایت میں ”يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ حَتَّى تَخْفِضُ رَأْسَهُمْ“ کے بجائے لَقَدْ يَنَامُونَ ذکر کیا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک وضو اس آدمی پر ہے جو نیند کرے لیٹ کر۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُضُوءَ عَلَى مَنْ  
نَامَ مُضْطَجِعًا : (رواہ الترمذی)

قَدْ مَرَّ حَقِيقَةُ النَّفْسِ :

وَعَنْ بَسْرَةَ قَالَتْ كَانَتْ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا مَسَّ أَحَدُكُمْ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ  
(رواه النسائي)

ترجمہ : روایت ہے حضرت بصرہؓ  
سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے عضو خاص  
کو چھوئے تو وضو کرے۔

قولہ مَسَّ أَحَدُكُمْ ، مَسَّ یہ مس ایسا ہے جس سے ہاتھ لگانا یعنی کوئی  
آدمی اپنے ستر غلیظ (اکثر تناسل) کو ہاتھ لگائے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے کہ اس کا وضو  
ٹوٹ گیا۔

## مسئلہ - کیا مَسَّ ذکر ناقض وضو ہے یا نہیں؟

فقہاء محدثین کے درمیان یہ مسئلہ معرکہ الآراء رہا ہے کہ مَسَّ ذکر موجب وضو ہے یا نہیں  
اس میں درمسلک ہیں :-

مسئلہ اول - امام شافعیؒ کے نزدیک مَسَّ ذکر باطن الکف بلا حائل ناقض وضو ہے  
علامہ ابواسحاق شیرازی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ مَسَّ فرج امرأۃ کا بھی یہی حکم ہے۔ امام شافعیؒ نے  
کتاب الاثم میں تصریح کی ہے کہ مَسَّ در بھی ناقض وضو ہے امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی ایک  
روایت شافعیہ کے مطابق ہے۔

یَقُولُ ابُوَالْاِیْثَادِ : ائمہ ثلاثہ کے درمیان مسئلہ مذکورہ میں کچھ اختلاف ہے  
بعض کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے اور بعض بغیر حائل کی قید اور بعض باطن کف کی شرط  
اور بعض شہوت کی قید لگاتے ہیں۔

خلاصۃ الکلام : ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں نقض طہارت کے قائل ہیں۔  
دلیل اول - حضرت بصرہؓ بنت صفوان کی مندرجہ ذیل روایت باب ہے۔  
دلیل دوم - حدیث ابی ہریرہؓ مرفوعہ اذا فاضی احدکم بیدہ  
انی ذکرہ لیس بینہ وبينہا شیء (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب ما یوجب الوضو)



اور بھی روایات ہیں جو اسی مضمون کی ہیں من شاء فليطالع الى كتب المصنوع۔

**مسئلہ دہم۔** امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مس کے ذکر و طرح و بر و خصیتیں کسی سے وضو واجب نہیں تھی کہ شہوت و بغیر شہوت حامل بلا حائض جمیع صورت میں غیر ناقص وضو ہے۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ سے بھی ایک روایت ان کے موافق ہے۔ وہ کما صرح بہ ابن خزیفہ فی صحیحہ۔

حضرت لحن بن علیؒ کی روایت ہے:

## دلیل اول

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ مَنِ الرَّجُلُ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ قَالَ وَهَلْ هُوَ إِلَّا بَضْعَةٌ

مِنْهُ رَمْكَ شَرِيفٌ مِنْكَ رَجُلٌ ثَانِي بَابُ الْيُوجِبِ الْوَضُوءَ

دوسری کتب حدیث میں یہ حدیث تدریجاً تفصیل سے آئی ہے۔

عَنْ طَلْحِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ وَضُوءٌ فَقَالَ الشَّبِيحُ لَا تَمْسَاهُ وَبَضْعَةٌ

مِنْكَ رَأَى عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ مَا جَاءَ بَابُ نَسِ الْوَضُوءَ غَيْرَ نَاقِضٍ

خلاصہ الحدیث: یہ کہ جیسے دوسرے اعضاء کے مس سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح مس کے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام محمدؒ مرقا امام محمدؒ ج میں فرماتے ہیں۔

## دلیل دوم

وَفِي ذَلِكَ آثَارُهُ كَشِيرَةٌ، حضرت علیؒ کا اثر ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ فِي مَنِ الذِّكْرُ قَالَ مَا أَبَايَ مَسْسَةً أَوْ طَرَفَ

الْفَقَى، حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي مَنِ الذِّكْرُ وَانْتِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ مَا أَبَايَ

مَسْسَةً أَوْ مَسْسَةً الْفَقَى (مرقا امام محمدؒ)

حضرت ابن مسعودؓ کا اثر ہے۔

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ مَثَلُ عَنِ الْوَضُوءِ مَنْ مَنِ الذِّكْرُ فَقَالَ إِنَّكَ تَبْ

تَجَسَّأُ فَاقْطَعْهُ (مرقا امام محمدؒ) (مرقا امام محمدؒ) (مرقا امام محمدؒ)

ان جمیع آثار سے عدم نقض لہارت واضح طور پر ثابت ہو رہی ہے ۔

تعارض کے وقت بعض دفعہ عقل کی طرف بھی رجوع کیا جاسکتا  
**دلیل سوم عقلی** | ہے مثلاً باتفاق علماء یکتہ جو عورت (ستر) میں شامل

نہیں جبکہ فخذ (دران) جو عورت میں شامل ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ فخذ جو کہ ستر غلیظ  
 میں شامل ہے اس سے ذکر کا دائمی طور پر منس رہتا ہے ۔ اس سے تو نقض وضوء نہیں ہوتا جبکہ  
 ہاتھ جو کہ ستر غلیظ میں شامل ہی نہیں اس سے کیوں کہ نقض لہارت لازم ہے ۔ فتفکر و تدبر

تعارض حدیث کے وقت کبھی قیاس کی طرف بھی  
**دلیل چہارم قیاسی** | رجوع کیا جاتا ہے مثلاً بول و براز میتہ وغیرہ

جو خمس العین ہیں اس پر کسی کے نزدیک بھی ناقض وضوء نہیں جب کہ اعضاء مخصوصہ جن کا  
 ظاہر ہونا متفق علیہ ہے ان کا متس بطریق اولیٰ ناقض نہ ہونا چاہیے ۔

## مسئلہ ذکر کو ناقض سمجھنے والوں کی دلیل یعنی روایت بسرۃ کے جوابات

جس کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے کہ وضوء سے شرعی  
**جواب اول** | وضوء مراد نہیں بلکہ لغوی وضوء یعنی ہاتھ وغیرہ وضو نامرزا

اس جواب کا قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں وثین متس ذکر کم اوانشیکہ (کافی التعلیق)  
 آیا ہے ۔ حالانکہ متس انشیین سے ائمہ ثلاثہ بھی وجوب وضوء کے قائل نہیں ۔

مسئلہ ذکر کیا ہے خردج نذی بالشہوت سے اگر ذکر کو مس کیا  
**جواب دوم** | جائے تو عام طور نذی نکل آتی ہے اور ایسی باتوں میں حضور علیہ السلام

زیادہ ذکر کیا ہی سے گفتگو کرتے تھے ۔ مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ جس سے منس ذکر کرتے  
 ہوئے نذی نکل آئے تو اس پر وضوء واجب ہے ۔ اس کے تو ہم بھی قائل ہیں کیونکہ خردج  
 نذی بالشہوت ہمارے نزدیک ناقض وضوء ہے ۔

## جواب سوم۔ بی بی بُسرۃ بنت صفوان کا واقعہ

یَقُولُ الْبُحَارِيُّ: ملا بی بسرۃ بنت صفوان کا واقعہ جس کو امام نسائیؒ نے سنن نسائی شریف میں کتاب التَّهَارَاتِ بابُ الْوُضُوءِ مِنْ تَحْتِ الذَّكْرِ میں اور امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن ابوداؤد شریف (بحوالہ مذکور) نقل فرمایا ہے :

کہ ایک مرتبہ حضرت عُروۃؓ کی مُردان علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہوئی اتفاق سے نواقض وضو کا ذکر چلا تو مردانؓ نے میں ذکر کو بھی نواقض وضو سے شمار کیا، اور استدلال میں جھٹ سے حضرت بسرۃؓ کی یہ روایت نقل کر دی لیکن حضرت عُروۃؓ نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جیسا کہ حمادی شریف میں صراحت مذکور ہے۔

”فَكَانَ عُرْوَةُ لَعَنَ بَدْرَ بَعْدَ يَتْلُو سَأَلًا (حمادی شریف باب من الغرض بہن

بجواب فیہ الوضوء ام لا)

اور واقعہ بھی یہ ہے، اس زمانہ میں دستور بھی یہی تھا کہ جب ایک شخص حدیث بیان کرتا تو لوگ حد درجہ ادب و احترام سے ادھر مُتوجہ ہو جاتے تھے۔ لیکن مردانؓ نے جب حضرت بسرۃؓ کی حدیث بیان کی تو حضرت عُروۃؓ اس زمانہ کے دستور کے مطابق کوئی توجہ نہ دی مردانؓ مدینہ منورہ زادہما اللہ شرفاؤد کرنا کا امیر تھادہ حضرت عُروۃؓ کے اس طرز عمل سے مجھ گیا کہ ان کے نزدیک حضرت بسرۃؓ کی روایت کسی اہمیت اور توجہ کے قابل نہیں۔ لہذا مردانؓ نے فوراً ایک شرعی (پولیس والا) بلایا اور حکم دیا کہ وہ جلدی سے حضرت بسرۃؓ کے پاس جا کر ان سے اس حدیث کی تصدیق کرائیں، شرعی نے بھی آکر یہی حدیث سنائی شرعی بے چارے نے تو یہ حال حکم کی تعمیل کرتی تھی خدا جانے فی الواقعہ وہ حضرت بسرۃؓ کے پاس گئے بھی ہوں گے یا نہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عُروۃؓ نے یہ حدیث براہِ راست حضرت بسرۃؓ سے نہیں سنی بلکہ بیچ میں شرعی یا مردانؓ کا واسطہ ہے اگر شرعی کا واسطہ ہو تو وہ مجہول الحال اور اگر مردانؓ کا واسطہ ہو تو وہ مختلف فیہ راوی ہے۔ بعض نے اس کی تصنیف کی ہے۔ اور بعض نے توثیق کی ہے۔

## سوال

بعض شرافع حضرات نے جواب سوم پر اعتراض کرنے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عروہؓ نے اس واقعہ کے بعد براہ راست حضرت بسرہؓ سے اس حدیث کی تصدیق کر لی تھی چنانچہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں اس واقعہ کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے (کہ عروہ بن الزبیرؓ نے بعد میں براہ راست حضرت بسرہؓ سے سوال کیا تو انہوں نے مردان کی تصدیق کی) اس سے معلوم ہوا کہ عروہ بن الزبیرؓ اور حضرت بسرہؓ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

بقول ابوالاحسان جَوَاباً۔ عرض ہے کہ یہ زیادتی صحیح نہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی صحیح ہوتی تو امام بخاریؒ اس حدیث کو اپنی صحیح میں ضرور ذکر کرتے حالانکہ امام بیہقیؒ کے قول کے مطابق امام بخاریؒ نے یہ روایت اس لیے نقل نہیں کی کہ بسرہؓ سے عروہؓ کا سماع مشکوک تھا اس کے علاوہ مستدرک حاکمؒ ج ۱ اور سنن داؤد بن علیؒ ج ۱، ۵۵، ۱ اور سنن کبریٰ للبیہقیؒ ج ۱ میں رجاء بن مرجمیؒ کے طریق سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد خیف میں حضرت یحییٰ بن معینؒ اور علی بن الدینؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا اجتماع ہوا اور میں ذکر کا مسئلہ زیر بحث آیا تو یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ میں ذکر سے وضو واجب ہے جب کہ علی بن الدینؒ کا کہنا یہ تھا کہ وضو واجب نہیں۔ ابن معینؒ نے وجہ وضو پر حضرت بسرہؓ کی روایت سے استدلال کیا تو اس پر علی بن الدینؒ نے اعتراض کیا کہ حضرت عروہؓ نے یہ حدیث براہ راست حضرت بسرہؓ سے نہیں سنی۔ چنانچہ فرمایا:-

”کیف تَتَقَلَّدُ اسنادہ بِسُوءٍ وَمَرَوَاتِ اسْلَ شَرَطِثًا حَتَّى رَأَى

جَوَابُهَا الْبَلَدُ“

اور خود علی بن الدینؒ نے طلق بن علیؒ کی حدیث ہمیش کی جس پر یحییٰ بن معینؒ نے اعتراض کیا وہ قیس بن طلق سے مروی ہے:-

”وَقَدْ اكْثَرْنَا سِ فِي قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ وَلَا يَحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ“

امام احمدؒ نے دونوں اعتراضوں کی توثیق کی اور فرمایا

”كَلَّا لَا مَرِينِ عَلَيَّ مَا قُلْتُمَا“

اس پر یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا:-

”ما لك عن نافع عن ابن عمر أنه تَوَضَّأَ مِنْ مِثْلِ الذَّكَرِ“

اس پر علی بن المرثیؒ نے فرمایا :-

”كان ابن مسعود يقول لا يتوضأ منه وإنما هو بضعه من جسدك“

اس پر بھی بن مَعِیْنؒ نے اس کی سند دریافت کی تو علی بن المرثیؒ نے فرمایا :-

”سفيان عن أبي قيس عن هزيل عن عبد الله“

اور ساتھ یہ بھی فرمایا :-

”وإذا اجتمع ابن مسعود وابن عمر واختلفا فإن مسعوداً أولاً

أن يستمع“

امام احمدؒ نے یہ سنکر فرمایا :-

”نعم ولكن أبو قيس لا يحتج به بعد يشبه“

اس پر علی بن مرثیؒ نے فرمایا :-

”حدثني أبو نعيم نا مسعود عن عمرو بن سعيد عن عمار

بن ياسر قال ما أبالي متستة أو انقى“

اس پر امام احمدؒ نے فرمایا :-

”عمار وابن عمر استويا فمن شاء اخذ بهلذا ومن شاء اخذ بهلذا“

اس کٹاغور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بھی بن مَعِیْنؒ علی بن المرثیؒ اور امام احمدؒ

جیسے جلیل القدر محدثینؒ سنی کرام بخاریؒ تک حضرت عمرؓ بن الزبیرؓ کی حدیث میں

”فما كنت بأسرة بعد ذلك فصَدَقَتْهُ كَيْ زيارتي سے بے خبر تھے۔

## صاحب مصابیح کا حدیث طلق بن علیؓ کے منسوخ ہونے کا دعویٰ اور اس کی وضاحت

قَوْلُهُ وَقَالَ الشَّيْخُ الْمَامُ مَحْيِي الشُّكَّةَ هَذَا مَنْسُوخٌ

یہاں سے اخاف کی دلیل پر اعتراض ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محی الشک نے حدیث طلق بن علی کو منسوخ کہا ہے اور ناسخ حدیث ابی ہریرہؓ کو قرار دیا ہے۔ دلیل نسخ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت طلقؓ کی حاضری دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے ہوئی جب کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہو رہی تھی سلمہ میں اور حضرت ابو ہریرہؓ اس کے بعد سلمہ میں اسلم لائے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت طلقؓ نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سنی اور حضرت ابو ہریرہؓ نے من وکر کے ناقض ہونے والی حدیث بعد میں سنی اور متأخر مقدم کیلئے ناسخ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ناسخ اور حدیث طلق منسوخ ہے۔ منسوخ سے کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

کسی حدیث کے ناسخ بننے کے لیے صحیح دتوی ہونا ضروری ہے  
جواب اول | جبکہ روایت ابو ہریرہؓ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس سند میں حمزہ بن جابر اور ایوب بن عبیدہ ہیں۔ علامہ الحاکمی کتاب الاعتبار ص ۱۲۴ میں لکھتے ہیں:

« ضعیفان عند اهل العلم بالحديث » اور امام بیہقی سنن الکبریٰ ص ۱۲۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جابر متروک ہے۔ تو ایسی ضعیف روایت سے صحیح روایت کس نسخ کا کیا معنی ہے ثانیاً یہی روایت دارقطنی نے کتاب الطبقات میں اسی مقام پر حدیث مذکور کو ذکر کیا، اس کی سند میں یزید بن عبد الملک ابن المغیرہ نو فلی راوی ہے جو کہ متروک الحدیث ہے امام ابوزرعہ نو فلی کے متعلق لکھتے ہیں « واهى الحديث واغلط القول جسداً » امام نسائی فرماتے ہیں متروک الحدیث ہے، علامہ ماجی فرماتے ہیں « ضعیفٌ مُنْكَرٌ لِحَدِيثٍ واغلط بآخرة »

**جواب دوم** | محدثین کا اصول ہے کہ کسی صحابی کے اسلام کا تقدم اس کی روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ متأخر الاسلام صحابی جو حدیث بیان کر رہے ہیں وہ متقدم الاسلام صحابی کی حدیث سے پہلے کی ہو اور اس متأخر الاسلام صحابی نے یہ حدیث کسی اور تقدم الاسلام صحابی سے سنی۔ یہی بات ان دونوں بزرگوں کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔

**جواب سوم** | علامہ فضل الرحمن قریشی فرماتے ہیں کہ شیخ عبد الرحمن کا دعویٰ نسخ خلاف احتیاط پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ مسجد نبویؐ مَا أَذْهَمَنَا اللَّهُ شَرًّا وَكَمًّا کی تعمیر مسجد کے بعد دوبارہ بھی ہوئی۔ چنانچہ مجمع الزوائد میں ہے "حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر میں شریک تھا" (الْمُسُو كَانُوا يَحْمِلُونَ الْكَبِيرَ اِذَا بَنَاءَ الْمَسْجِدِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا فَاسْتَقْبِلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَارٍ مِنْ لَبْنَةٍ عَلَى بَطْنِهِ فَظَنَنْتُ اَنْهَا شَقْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ نَا وَلِهَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ خَلَدَ غَيْرَهَا يَا اَيُّهَا صَبْرٌ فَاَسْتَمِرَّ لَا عَيْشَ اَلْأَعْيَاشِ اَلْآخِرَةُ رِوَاهُ أَحْمَدُ وَرِجَالُ الصَّحِيحِ) علامہ مہدویؒ دثار الوفاء ص ۲۱۴ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ شرکت تعمیر ثانی میں ہے۔ اس تعمیر ثانی میں حضرت عمرؓ و بن عامر اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ باپ بیٹا دونوں شریک تھے۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ

"وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْعَارِثِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْوَلَدِ قَالَ لَمَّا وَفَّيْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ حِينَ مَبْنَى الْمَسْجِدِ لِعَقَارِ اَنْتَ حَرِيمٌ عَلَى الْجِهَادِ وَاَنْتَ لِمَنْ أَهْلُ الْجَنَّةِ وَلَقُتْلَتِكَ اَنْفُسُ الْبَاغِيَةِ قَالَ بَلَى قَالَ فَلِمَ قُتِلْتُمْ قَالَ وَاللَّهِ مَا تَزَالُ تَدْرَحُضُ فِي بَوْلِكَ حَتَّى قُتِلْتَ"۔ اَلْمَا قُتِلَ الَّذِي خَاتَمَهُ (رواه الطبرانی ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ص ۲۹ ج ۱)

وَفِي الْمُسْتَدْرَكِ الْحَاكِمُ :

فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ أَنَحْنُ قَتَلْنَاهُ أَلَمْا قَتَلَهُ عَلِيٌّ وَاصْحَابُهُ

جَاؤَ أَحَدُنِي الْقَوْلَ بَيْنَ رَمَاحِنَا أَوْ قَالَ سَيُوفُنَا ،

ایا ہی سوال حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے باپ سے کیا تھا (مُستدرک ص ۲۸۵)

عبد اللہ بن عمرؓ یقول لا بیہد عمرؓ قد قتلنا هذا الرجل

نیز امامی الاخبار ص ۲۶۵ ج ۱ میں حافظ ابن کثیرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عمرؓ بن

العاص کا اسلام فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے کا ہے اور ابن جریرؒ لکھتے ہیں کہ مکہ شہر میں

فتح ہوا۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں مسجد نبوی شریف

دورِ فحہ تعمیر ہوئی۔ اور دوسری تعمیر میں حضرت طلح بن علیؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور عمر بن العاصؓ

شریک تھے تو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے متاخر ہونے کا دعویٰ باطل ہو گیا کیونکہ حضرت

طلح بن علیؓ کی آمد ثانیہ ثابت ہو رہی ہے اور یہ حدیث آمد ثانیہ میں کُسنی ہے تو ہمارا دعویٰ

زیادہ قریں قیاس ہے کہ روایت کُلُّ ناخ اور روایت بسرہ منسوخ ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ

سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض

بیویوں کا بوسہ لیتے ، اور نماز پڑھتے اور

وضو نہ کرتے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ

بَعْضَ امْرَأَاتِهِ وَاجِدَهُ ثُمَّ يَمْسِلُ

وَلَا يَتَوَضَّأُ۔ (رواہ البوذاذ)

قَوْلُهُ يُقَبِّلُ۔ یہ تقبیل سے معنی بوسہ دینا۔ لیکن مراد اس سے مطلقاً ہاتھ لگانا

ہے جس کو میں مرآۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی معرکہ الآثار رسائل میں ہے کہ آیا

عورت کو بوسہ دینے سے یا ہاتھ لگانے سے دستور کوٹ جاتا ہے یا نہیں۔



## مُسْ مَرَأَةٌ نَاقِضٌ وَضُوْبٌ یَا نَهْیْسُ؟

اس سلسلہ میں متفیج اختلاف یہ ہے کہ دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول** امام شافعیؒ کا مفتی یہ قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ مُسْ مَرَأَةٌ مَطْلَقًا نَاقِضٌ وَضُوْبٌ ہے خواہ منیو کا ہو یا کبیرہ کا محرم کا ہو یا غیر محرم کا با شہرت ہو یا بغیر شہرت یہاں تک کہ بعض شافعیہؒ نے لکھا ہے کہ ”حتی اذا لطمھا او ذَاوٰی جرحھا انتقض وضوءہا“ البتہ شافعیہؒ کے نزدیک صرف ایک شرط ہے کہ وہ مُسْ بلا حائل ہو۔ امام مالکؒ کے نزدیک عین شرائط کے تحت موجب وضو ہے۔ ایک یہ کہ کبیرہ ہو دوسرے اہلیہ ہو یعنی عورت نہ ہو، تیسرے یہ کہ مُسْ بال شہرت ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ سے علامہ ابن قدامرؒ نے تین روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک حنفیہؒ کے مطابق (عدم نقض) ایک شافعیہؒ کے مطابق اور ایک مالکیہؒ کے مطابق۔ خلاصۃ الکلام یہ کہ اگر تینوں میں سے کسی صریح میں نقض وضو کے قائل ہیں۔

ان حضرات کے پاس اس مسئلہ میں کوئی مرفوع اور معین و صریح حدیث **دلیل اول** موجود نہیں بلکہ قرآن کریم کی ایک متعل آیت ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ الْآيَةُ

اس میں یہ بھی ہے ”أَوْ لَا مَسْتَوِيَاتٍ أَوْ لَا مَسْتَوِيَاتٍ“ اور لا مستویات میں دو قرائتیں ہیں مے روایت حفصؒ أَوْ لَا مَسْتَوِيَاتٍ یا شات الالف مے امام حمزہ اور کسائی کے نزدیک بحذو الالف یعنی أَوْ لَا مَسْتَوِيَاتٍ۔ قرأت ثانیہ راء و لمستویات کے اعتبار کرتے ہوئے اس کو کس بالید کے معنی میں لیتے ہیں۔ آگے رب ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں :-

” فَلَمَّا جَاءُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا “ آیت مذکور میں لامۃ کے بعد عدم تاء کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ ناقض وضو ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :-

فَلَمَسُوهُ يَأْبَدُ يُهْدِرْ دَمًا“ میں مراحۃ لفظ لمس بالید کے لیے مستعمل ہوا ہے۔



مسلم شریف ص ۱۱۲ ج ۱ کتاب الصلوٰۃ باب ما یقال فی الركوع والسجود میں روایت ہے :-

## دلیل دوم

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَضَدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَأَلْتَمَسْتُهُ فَوَقَفَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمِهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ يَقُولُ ”اللَّهُمَّ اقْرَأْنِي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ الْغَدِ“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ آپؐ اپنی جگہ پر تشریف فرما نہیں تھے میں نے اٹھ کر دیکھا اور ٹوٹا تو آپؐ سجدہ میں تھے۔ میرے ہاتھ آپؐ کے پاؤں مبارک کی تلووں میں لگے اور آپؐ دعا یہ مذکور پڑھ رہے تھے۔

طرز استدلال یوں ہے کہ اگر میں سزا ناقض وضو ہوتا تو آپؐ وضو کرتے حالانکہ آپؐ نے نماز جاری رکھی (لہذا فی مشکوٰۃ الشریف ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجود وفضلہ فصل اول) یقول ابوالاسعاد، امام نوویؒ نے اور اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تاویل یوں کی ہے ”مکن ہے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک تنگ نہ ہوں یا آپؐ کی خصوصیت ہو لیکن امیر ایمانیؒ سبیل السلام ص ۱۱۲ ج ۱ میں اور قاضی شوکانیؒ بیل الادوار ص ۱۱۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر عمل کرنا یا یہ کہنا کہ پاؤں پر پردہ تھا بعید و غایت نظر ہے۔

نسائی شریف ص ۱۱۲ ج ۱ باب ترک الوضوء من مش الرجل امرأۃ من

## دلیل سوم

غیر شہوۃ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے :-

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْلِكُ وَاقِي لِمَعْرُوضَةٍ بَيْنَ يَدَيْهِ اعْتَرَاضَ الْجَنَانَةِ حَتَّى

إِذَا ارَادَ أَنْ يَوْمِرَ مَسْتَحْيٍ بِرَجُلِهِ“

اس میں واضح ہے کہ اماں عائشہؓ کے پاؤں کو حضرت کا ہاتھ مبارک مس کر رہا ہے لیکن پھر بھی نماز جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اگر نقض طہارت والا مسئلہ ہوتا تو آپؐ وضو فرماتے۔

(لہذا فی مشکوٰۃ الشریف ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجۃ فصل ثالث)

نصب الراية معراج میں النبی بن راہوبہ نے اپنی سند میں بطریق

ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ حدیث نقل کی ہے۔

وَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَقَالَ

إِنَّ الْقَبِيلَةَ لَا تَنْقُضُ الْوُضُوءَ وَلَا تَفْطُرُ الصَّائِمَ وَقَالَ حُمَيْرٌ

أَنَّهُ دِينَ ثَلَاثَةَ

سند ابن ماجہ میں بطریق عمر بن شعیب عن زینب التیمیہ عن عائشہؓ

حدیث ہے لفظ یہ ہیں۔

وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّاءُ ثُمَّ يَقْبَلُ

وَلَا يَتَوَضَّاءُ وَرَبَّمَا فَعَلَهُ بِي (نصب الراية معراج)

حافظ زلیخی نے اس کی سند کو جتید کہا ہے اس میں نہ جیب عن عروہ ہے اور نہ ابراہیم

تیمی ہیں۔

حدیث باب ہے۔

”عَنْ عَائِشَةَ أَقَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ بَعْضَ

أَمْرٍ وَاجِبٍ ثُمَّ يَصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّاءُ“

## ائمہ ثلاثہ کے مستدلّات اور ان کے جوابات

جہاں تک ائمہ ثلاثہ کے استدلال اَوَّلًا مَسْئَلُ

النِّسَاءِ کا تعلق ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ اَوَّلًا مَسْئَلُ

النِّسَاءِ جماع سے کنایہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود شتم کا بیان ہے

اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ تیم حدیث اصغر اور حدیث اکبر دونوں سے ہو سکتا ہے۔ اَوْ جَاءَ أَحَدُكُمُ

فَيَسْئَلُ مِمَّنَ الْفَاحِشِ سَعِدٌ حدیث اصغر کو بیان کیا گیا اور حدیث اکبر کے لیے اَوَّلًا مَسْئَلُ

النِّسَاءِ کے کنائی الفاظ استعمال کیے گئے اگر اَوَّلًا مَسْئَلُ النِّسَاءِ کو بھی حدیث اصغر پر محمول کر لیا گیا۔

تو یہ آیت حدیث اکبر کے بیان سے خالی رہ جاسکتی تھی۔

مَسْتَدَلُّ كَالْفَتْحِ بَابُ مُفَاعَلَةٍ هِيَ جَوْشَارُكَتُ بِرَدِّ لَآئِكَ كَرْتَلَبُ

**جواب دوم** اور مشارکت جماع اور مباشرت فاحشہ ہی میں ہو سکتی ہے یعنی جماع ہوگا تو مشارکت ہوگی۔ پھر صحیح سند کے ساتھ رئیس الغریبین جبر الائمہ حضرت ابن عباسؓ جن کے لیے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ”اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّوْبِيلَ“ (تفسیر) کی دعا کی تھی اور اللہ نے قبول بھی فرمائی یہی تفسیر کی ہے کہ کلامت یعنی مجامعت ہے۔ یعنی لَا مَسْتَدَلُّ بِحَا مَعْتَدُ کے ہے۔

**جواب سوم** لمس کے مراد بتنے الفاظ ہیں ان کا مفعول جب لفظ مَرَاة ہو تو باتفاق لغویتیں جماع مراد ہوتا ہے اگرچہ اس کے اصلی معنی دوسرے ہوں جیسے لفظ دلی اس کے اصل معنی روندنا ہے۔ مگر جب اس کا مفعول عورت ہو تو معنی جماع ہوتے ہیں۔ یا جیسے لفظ مَسَس اس کے معنی ہاتھ سے چھونا۔ لیکن جب مفعول مَرَاة ہو تو معنی جماع ہوتے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ :-

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ (پ) یہاں بالاتفاق جماع مراد ہے اسی طرح لفظ مَلَا مَسَّة یا لمس کے معنی اگرچہ ہاتھ سے چھونا ہو مگر یہاں مفعول نساء ہے۔ لہذا جماع مراد ہوگا۔ کہدانی آیت المذکورہ فَلَمْسُوهُ بِأَيْدِيْهِمْ کہ نزاع اس صورت میں ہے کہ مضاف الی النساء ہو تو فَلَمْسُوهُ بِأَيْدِيْهِمْ اس سے خارج ہے۔ فلا اشکال علیہ۔

**جواب چہارم** اگر بقول شما کلامت یا لمس سے مراد مس بالید ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کوئی ایک واقعہ تو ایسا ملنا چاہیے تھا کہ جس میں آپ نے مس مَرَاة کی بنا پر وضو کیا ہو یا اس کا حکم دیا ہو۔ حالانکہ پورے ذخیرہ احادیث میں ایسی ضعیف سی روایت بھی نہیں ملتی۔ جب کہ اس کے خلاف عدم نقض پر ثانی کافی دانی دلائل موجود ہیں قدم الفاء۔

**مستدل دوم کا جواب اول** روایت مذکور ”فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْتَوِصَّأَ وَيُصَلِّيَ“ غرض منقطع ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ

اسی مقام کے تحت فرماتے ہیں ”هَذَا أَحَدُ ثَبَاتٍ لَيْسَ اسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ“ تو ایسی منقطع روایت سے استدلال کہاں تک درست ہے۔

**جواب دوم** علامہ تاضی شوکانیؒ نے فی الاطوار ص ۱۵۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اس کا کیا

ثبوت ہے کہ پہلے شخص با وضو تھا اور قبلہ سے وضو ٹوٹ گیا۔ آپ کا مطلب تو یہ تھا کہ جس بات کو تو دہرا رہا ہے اس کو چھوڑ وضو کر اور نماز پڑھ۔

عقلمند یعنی نصب الراية ص ۱۷۱ میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جو وضو اور نماز کا حکم دیا اس لیے نہیں کہ وضو ٹوٹ گیا بلکہ اس لیے کہ وضو اور نماز سے گناہ جھڑتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر آپ نے **وَأَنَّ الْحَسَنَاتِ يُدْهِبُنَ الشَّيْئَاتِ** (پک) آیت پڑھی۔

بقول ابوالاسعاد : بعض موقوفات و آثار صحابہ کرام میں جن کو امام مالک نے مؤطا امام مالک ص ۱۱۱ میں اور دیگر حضرات نے بھی پیش کیا ہے مثلاً مصنف عبدالرزاق اور ابن شیبہ وغیرہ ان کی بابت عرض ہے کہ اولاً تو ان کی سندیں قوی نہیں ثانیاً اگر صحیح ہوں بھی تو دوسری احادیث صحیحہ دوسرے کے معارض ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہیں۔

قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عَنْهُ اصْحَابُنَا بِهَذَا اسناد عروۃ  
عَنْ عَائِشَةَ :

اس سے مصنف علیہ الرحمۃ روایت عائشہ ثبوت احناف کا مستدل بن رہی ہے دو اعتراض کرنا چاہتے ہیں مگر اعتراضات کے نقل کرنے سے قبل چند فوائد کا جائزہ لے رہی ہے جن کا تعلق ان اعتراضات سے ہے۔

**فائدہ اولی :** تقسیم مضمون کے لیے عبارت مذکور کو درحقوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے اور ہر حصہ کی علیحدہ بحث ہوگی۔

**فائدہ ثانی :** روایت عائشہ کی دو سندیں ہیں۔  
اول : عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
دوم : عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ النَّبِيِّ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
یہ دونوں سندیں امام ابی داؤد علیہ الرحمۃ نے اپنی سنن ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ ج ۱ کتاب الطہارت باب الوضوء من قبلہ میں نقل فرمائی ہیں۔

**فائدہ ثالث :** عروۃ نام کے دو بزرگ گذرے ہیں عروۃ بن زبیر جو

بی بی اسماءؓ کے بیٹے، ابی بی عائشہؓ کے بھانجے اور تلمیذ خاص جن کو امین علوم عائشہؓ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنا بیٹا بنا رکھا تھا یہ ثقہ ہیں اور ان کے ثقہ ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔  
دوم: عروہ مرقی یہ مجہول الحال ہیں۔

**حصہ اولیٰ**۔ قال الترمذی لا یصح عند اصحابنا بحال اسناد عروہ عن عائشہؓ، اس عبارت میں صاحب مشکوٰۃ علامہ ابی الدین المعروف بہ خطیب تبریزی حدیث عائشہؓ پر اعتراض اذل کر رہے ہیں جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔  
یہ ہے کہ حدیث عائشہؓ کی سند متصل نہیں کیونکہ اس حدیث کا اعتراض اول کی سند کی مدار عروہ پر ہے اور عروہ سے مراد مرقی ہے۔ اور اس کا سماع بی بی عائشہؓ سے ثابت نہیں دلہذا سند متصل نہ ہوئی۔ کما یقول امام ترمذیؒ کہ ہمارے اصحاب حدیث اس سند کو جو عروہ سے منقول ہے درست نہیں سمجھتے تھے۔  
سند مذکور میں عروہ سے مراد عروہ ابن زبیر ہے نہ کہ عروہ مرقی۔ آپ کا اعتراض تب درست ہوتا کہ سند میں عروہ مرقی ہوتا۔ اس کا سماع واقعی بی بی عائشہؓ سے ثابت نہیں۔

## سند میں عروہ ابن زبیرؓ مراد ہے نہ کہ عروہ المرقیؓ

اس کے دلائل اختصاراً مندرجہ ذیل ہیں :-  
ابن ماجہ شریف مشاہج، ابواب الطہارت باب الوضوء من القبلة  
یہ حدیث اس سند کے ساتھ مروی ہے :-

### دلیل اول

حدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَ عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا سَمِعْنَا  
ثَنَا عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ  
اس سند میں عروہ کے ساتھ ابن الزبیرؓ کی تصریح موجود ہے۔ یہ سند بھی تمام نزہات پر مبنی ہے۔

**دلیل دوم**۔ سنن دارقطنی، مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس حدیث کے متعدد طرق آئے ہیں جن میں سے بعض میں ابن الزبیر اور بعض میں اسما کی تصریح موجود ہے۔

**دلیل سوم**۔ صاحب کتاب نے احاث کے ساتھ نقیب کر کے پوری حدیث ذکر نہیں کی البوداد و شریف ابواب الطہارت باب الوضوء من القبلة میں یہ حدیث مکمل ہے اس حدیث کے آخر میں حضرت عائشہؓ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عروہؓ نے کہا ”مَنْ هِيَ إِلَّا أَنْتَ“ وہ زوجہ مطہرہ کون تھی جس کو آپ بوسہ دیتے اور وضوء نہ فرماتے تو کچھ توقف کے بعد خود حضرت عروہؓ نے کہا کہ گلت ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ آپ ہی تھیں تو ”فضحکت“ اس پر نبی بی ہنس پڑیں یہ ایک بے تکلفی کا جملہ ہے جو عروہ بن الزبیرؓ ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کے بھانجہ ہیں کسی اجنبی سے اس کے صادر ہونے کی امید نہیں بلکہ رشتہ دار سے ہی ہو سکتی ہے پھر خصوصاً ازواج مطہرات کے ساتھ۔

**دلیل چہارم**۔ مخدثین کا معمول اور عرف یہ ہے کہ جب وہ لفظ عروہ مطلقاً لیتے ہیں تو اس سے مراد عروہ بن الزبیرؓ ہی لیتے ہیں یہاں پر مطلق ہے تو مراد ابن الزبیرؓ ہی ہوگا۔ بہر حال ان دلائل کی موجودگی میں یہ بات ناقابل تردید ہے کہ اس حدیث کے راوی عروہ بن الزبیرؓ ہیں۔

## مسامحہ صاحب مشکوٰۃ

در اصل امام ترمذیؒ کا اعتراض کرنے میں صاحب مشکوٰۃ سے تسامح ہوا ہے۔ امام ترمذیؒ کا اصل اعتراض یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت عن عروہ عن عائشہؓ والی سند میں حبیب کا سماع عروہ سے ثابت نہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف کی اصل عبارت یہ ہے۔

”تَرْكُ صَحَابَةِ حَدِيثِ عَائِشَةَ فِي هَذَا لَا يَصَحُّ عَنْهُمْ  
الْإِسْنَادُ بِحَالٍ قَالَ يَعْنِي الْبُخَارِيُّ حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ  
عُرْوَةَ (مرقات ص ۱۴۰)

**جواب**۔ فقہ تابعی کی حدیث متعلق حدیث مرسل کے حکم میں ہے اور حدیث مرسل



دجہور مجتہدین حنفیہ، مالکیہ کے نزدیک) مطلقاً مقبول ہے۔ بشرطیکہ مُرسل ثقہ ہو۔ مَراسیل الثقات عندنا حُجَّتٌ اور یہاں حبیب ثقہ ہے لیکن شُرَاف کے نزدیک اگر توابع موجود ہوں تو حجت ہے ورنہ نہیں اور یہاں توابع موجود ہیں۔ مثلاً ابراہیم تیمی وغیرہ۔

یَقُولُ ابوالاسعاد: اس کا جواب علامہ سہارن پوریؒ نے (بذل میں) بدیا ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع ایسے لوگوں سے بھی ثابت ہے جو عروۃ بن الزہریؒ سے بھی مقدم ہیں۔ دراصل امام بخاریؒ کا یہ اعتراض ان کے اپنے اصول کی بناء پر ہے۔ کہ وہ بعض معاصرت کو اتصال کے لیے کافی نہیں سمجھتے بلکہ ثبوت لقاء و سماع کو ضروری قرار دیتے ہیں لیکن امام مسلمؒ کے نزدیک معاصرت اور امکانِ سماع صحیح حدیث کے لیے کافی ہے۔ اور یہاں معاصرت موجود ہے۔ اس لیے یہ حدیث صحیح علی شرط مسلم ہے اور یہ ساری بحث طریق حبیب بن ابی ثابت عن عروہ کی سند پر ہے۔

حَقَّقْہُ ثَانِیَہُ۔ وَایضًا اسناد ابراہیم التیمیؒ کی بحث

یہاں سے صاحب مشکوٰۃ حضرت عائشہؓ کی سند دوم پر اعتراض ثانی کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث عائشہؓ کی سند ثانی موقوف ہے

**اعترض دوم** | ابراہیم تیمی پر اور ابراہیم تیمی کا سماع بی بی عائشہؓ سے ثابت نہیں

ولہذا اس حدیث کی سند ثانی بھی منقطع ہوئی پھر بطور دلیل صاحب کتاب نے امام ابی داؤدؒ کا قول نقل کر دیا قَالَ ابوداؤدٌ هَذَا مَرْسَلٌ وَاِبْرَاهِيْمُ التَّمِيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَائِشَةَ کہ واقعی ابراہیم تیمی کا سماع بی بی عائشہؓ سے منقول نہیں۔

اس اعتراض کا جواب اول یہ ہے کہ آپ کے اعتراض کی بناء پر یہ روایت زیادہ سے زیادہ مُرسل ہوگی۔ اور مجتہدین حضرات

**جواب اول** |

کا اصول ہے کہ مَراسیل الثقات حُجَّتٌ عندنا۔ فلا اعتراض علیہ جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے ابتداء میں امام بخاریؒ کے مقابلہ میں اسرائیل کی روایت کو ترجیح دی حالانکہ مُرسل تھی۔

امام دارقطنیؒ اپنی سُنَنِ دارقطنی میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد

کہتے ہیں:-

**جواب دوم** |

وقد روى هذا الحديث معاوية بن هشام عن الثوري  
عن ابى الروق عن ابراهيم التيمي عن ابيه عن عائشة  
فوصل اسناداً راعى العلل الشن ملاح

اس طریق میں "عن ابيه" کی زیادتی کی وجہ سے حدیث منقل ہو گئی۔

يقول ابوالاسعاد: اس حدیث پر جو اعتراضات نئے حسب توفیق ایردی ان  
کے تشفی بخش جوابات دیے گئے۔ اور بقیہ چار احادیث منقولہ و ردائل پر کوئی اعتراض نہیں  
لہذا اس مرآۃ ناقض و ضرر نہ ہونا راجح ہوا۔ نیز احاث کے پاس کتاب و سنت سے دلائل  
موجود ہیں اور ان کے پاس فقط آیات قرآنیہ ہیں وہ بھی تحمل لفظاً مذہب احاث راجح ہوا۔

## مُنکَرین حدیث کا ایک بے جا اعتراض

بعض لوگ جن کے باطن نور ایمان سے خالی اور خباثت و الکابہ حدیث میں خالی ہیں  
ایسی احادیث کا نڈ اٹی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نوع کی احادیث کا مضمون اخلاق  
و شریعت کے معیار سے گرا ہوا ہے۔ بد نصیب ہیں کہ اپنے مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی عقل  
کو معیار قرار دے کر الکابہ حدیث کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ اگر خود کیا جائے تو اس میں  
نہ تو کوئی قباحت ہے اور نہ ہی کوئی ایسی چیز موجود ہے جسے اخلاقی معیار اور شرافت کے اعتبار سے  
گرا ہوا قرار دیا جاسکے۔ بلکہ اس سوال سے تو حضرت عروہؓ اپنی ایک گونہ تفصیلت نسبتی شرافت اور  
فضل و برتری کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ مجھے ازدواج مطہرات میں ایسی ام المؤمنین کے تعلیم  
بلکہ بھانجا ہونے کا شرف حاصل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب  
اور قریب ترین تھیں جسے ہر موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و اختصاص کا ایسا مقام  
حاصل تھا جو کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ نیز ایسی جہرات و جسارت بھی وہی شخص کر سکتا  
ہے جس کو ازدواج مطہرات کی ناز برداری حاصل ہو ورنہ کیا مجاہد غیر محرم یا پرانے لوگ  
ادھر نگاہ اٹھا کر دیکھ سکیں اور اس وقت ازدواج مطہرات کے احترام کا یہ عالم تھا کہ جب  
صحابہ کرام ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے ہاں مسائل دریافت کرنے تشریف لے جاتے تھے۔

تو درمیان میں پردہ حائل رہتا تھا۔

فاروقی دور حکومت میں انتہات المؤمنین نے حج پر جانے کی خواہش کا اظہار فرمایا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اخراجات سے سب کو حج کرایا۔ حجاج کا یہ قائلہ جس میں ازدواج مطہرات بھی شریک تھیں جب روانہ ہوا تو انتہات المؤمنین کو قائلہ کے عام افراد سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر انگ رکھ کر لایا جا رہا تھا۔ تیز سرعت عرصہ کا اہل قائلہ کو یہ حکم تھا کہ ازدواج النسبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہودج رکھادہ، مبارک جس جانب بھی جا رہا ہو اس جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے اور واقعہ بھی یہی ہے۔

**آدم بر سر مطلب** | مفسدین و ملحدین کے اعتراض باطلہ کا اصل حل تو سیرت کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن مختصر اعراف ہے کہ ازدواج مطہرات پر شرعاً یہ زور دینی جائزہ ہوتی تھی اور ان کا فرض منصبی یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے وہ پہلو لوگوں کے سامنے تعلیماً بیان کریں جن کا علم ان کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ تاکہ گھریلو زندگی سے متعلق دین کے احکام و سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے آسکیں۔ ازدواج مطہرات نے اس تعلیم و تعلم میں نام نہاد حیار کو کبھی آڑے نہیں آنے دیا۔ اگر خدا نخواستہ وہ ایسا کرتیں تو شریعت کے بہت سے احکام خصوصاً جن کا تعلق نسائے سے ہے پردہ اختار میں رہ جاتے۔ چنانچہ امتیاز محمدیہ پران پاک ہستیوں کا احسان عظیم کہ سیرت مبارکہ کے حقیقی پہلو کو بھی اجاگر فرمایا۔ حیار بے شک جزو ایمان ہے لیکن یہ اس وقت تک مستحسن ہے جب تک وہ کسی شرعی یا طبی ضرورت میں رکاوٹ نہ بنے لیکن تعلیم و تبلیغ اور ضرورت کے وقت حیار کا بہانہ قطعی غیر معقول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب !

## اسمائے رجال

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے جس عرصہ نے

اس روایت کو نقل کیا ہے وہ عرصہ ابن زبیر ہیں جو

**حالات حضرت عروہ ابن الزبیرؓ**

حضرت عائشہؓ کے بھائی اور حضرت اسماءؓ کے فرزند ہیں چونکہ حضرت عائشہؓ کی اولاد نہیں ہوئی تھی اسلئے انہوں نے اپنے بھائی حضرت عروہؓ کو اپنا متبلیٰ بنالیا تھا۔ حضرت عروہؓ جو حضرت عائشہؓ کے بھائی اور

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَكَلُ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كُنْفًا شَقَّ مَسْحَ يَدِهِ بِمَسْحٍ  
كَانَ عَمَّتُهُ شَوْقَامَ فَصَلَّى

ترجمہ ۱: روایت ہے حضرت ابن  
عباسؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ٹٹانہ کھایا پھر اپنا ہاتھ اس  
ٹٹ سے پونچھا جو آپ کے نیچے تھا، پھر  
کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔

قوله بِمَسْحٍ - بکسر المیم ای کساء۔

قوله كَانَ عَمَّتُهُ شَوْقَامَ : ای تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث  
کی مکمل بحث مآئیت الثامہ میں ہو چکی ہے اور یہ روایت احادیث کا مستدل ہے۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْهَاشِمِ  
قَالَتْ قَرَّبْتُ إِلَى النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبَّأً  
مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ شَوْقَامَ

ترجمہ ۲: روایت ہے حضرت ام سلمہؓ  
سے فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کو بھی پسلیاں پیش کیں آپ نے اس  
میں سے کھایا پھر نماز کی طرف کھڑے ہو گئے

منہی اور قریب ترین رشتہ دار ہونے کے اور پھر ہر وقت ساتھ رہنے کے علوم عائشہؓ کے حافظ ہو گئے  
تھے (راعلو الناس بعلوم عائشہؓ العروة بن الزبیر) حضرت عائشہؓ کے علوم بحرا پید کلا رہے  
عرش نصیب رہے۔ حضرت عروہؓ جو شب درود حضرت عائشہؓ کی خدمت میں رہ کر بحر علوم میں غوطہ زن رہے اللہ  
پھر علوم عائشہؓ میں اس قدر تفصیل و امتیاز حاصل کر لیا کہ اب جب کبھی حضرت عائشہؓ کے تلامذہ میں عروہؓ مطلقاً مذکور  
نہیں اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سب سے بڑے (عروہ بن الزبیر) ہوا احد الفقہاء السبعة بائند ہیں  
وابوہریرہ بن العوام احد الصحابة المشهور لہو بالجنتہ واملہ اسماء بنت ابی بکرؓ  
وسمہ خاتمہ عائشہؓ امیر المؤمنین وکانت ولادۃ سنۃ اثنین وعشرین الهجرة  
وتوفی فی قرۃ بقرہ البدر سنۃ یقال فرج) ملحقاً از ابن خلقان (۲۵۵ ج ۲)

إِلَى الصَّلَاةِ وَلَوْ يَتَوَضَّاءُ | اور وضو نہ کیا۔  
(رواہ احمد)

قَوْلُهُ قَرَّبْتُ - ای جعلت قریباً میرے اس شانہ کو حضرت کے قریب کر دیا تاکہ آپ تہادل فرماویں۔

قَوْلُهُ جَبَّيًّا - ای ضلَعًا ؛ لیکن مراد اس سے شانہ ہے اس ہڈی کے اوپر گشت ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا شانہ یعنی دہنی بہت مرغوب تھی۔

## الفصل الثالث<sup>۳</sup> یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابورافعؓ سے فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری کا پیٹ بھوننا تھا پھر حضورؐ نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ أَشْهَدُ  
لَقَدْ كُنْتُ أَشْوِي  
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بَطْنَ الشَّاةِ ثُمَّ صَلَّى وَلَوْ يَتَوَضَّاءُ  
(رواہ مسلم)

قَوْلُهُ أَشْهَدُ : ای أَقْسَمُ بِاللَّهِ - اپنے قول میں حضرت ابورافعؓ کا قسم اٹھانا اس بنا پر ہے کہ صحابہ کرامؓ میں مَا مَشَتْ الشَّاةُ کا مسئلہ مختلف فیر تھا تو دلیل کے طور پر واقعہ پیش فرمایا اور ساتھ ساتھ قسم بھی اٹھائی تاکہ کسی کو میرے بیان میں شک نہ رہے۔

قَوْلُهُ بَطْنَ الشَّاةِ - ای الْكَبِدَ وَالطَّحَالِ وَمَا مَعَهَا مِنَ الْقَلْبِ - یعنی دل کی بھیجی ، غیروہ اور یہ جملہ من قبیل ذکر لزوم ارادہ لازم کے ہے یعنی ذکر تو پیٹ و لزوم کا، لیکن مراد لازم بانی البطن ہیں۔

قَوْلُهُ ثُمَّ صَلَّى - اقتضاء انقص کے طور پر اکل کی قید مقتدرہ ہے ای فاکل ثُمَّ صَلَّى - یعنی بانی البطن کو تہادل فرمایا بعداً بغیر وضو کیے نماز پڑھا شروع کر دی۔ یہ بھی "مَا

مَسَّتِ الشَّامُ مِیں حَضَبِیوں کی دلیل ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ أَهْدَيْتَ لَهُ  
شَاؤُ فَجَعَلَهَا فِي الْقَيْدِ فَدَخَلَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ مَا هَذَا يَا أَبَا رَافِعٍ فَقَالَ  
شَاؤُ أَهْدَيْتَ لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ  
فَطَبَخْنَاهَا فِي الْقَيْدِ : رواه الدارمی

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے  
ہیں میرے پاس بکری ہدیہ بھیجی گئی میں نے  
اسے لٹنڈی میں ڈالا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
تشریف لائے اور فرمایا ابورافعؓ یہ کیا ہے  
عرض کیا یا رسول اللہ یہ بکری ہے جو ہمیں  
ہدیہ میں ملی پھر ہم نے لٹنڈی میں پکا لیا۔

قَوْلُهُ وَعَنْهُ ، اى عن ابى رافعؓ۔

قَوْلُهُ أَهْدَيْتَ لَهُ : اى لابی رافعؓ۔

قَوْلُهُ فِي الْقَيْدِ : اى المرجل۔ یعنی دھکی میں ڈالنے کی قلمت کیا تھی " اى  
للطبخہ " کہ پک جائے۔ اس لیے کہ گوشت کچا تھا۔

قَوْلُهُ مَا هَذَا ۔ اى ابی شیبہؓ هذا الذى فى المرجل ۔

قَوْلُهُ الذَّرَاعُ ۔ ذراع کا معنی ہے من طرف العرق الى طرف الاصابع  
یعنی دستی کا گوشت ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذراع کا گوشت محبوب تھا اس کی وجہ یہ ہے  
کہ دستی کا گوشت زیادہ قوت بخش ہوتا ہے اس لیے آپؐ اسے پسند فرماتے تھے تاکہ جسمانی  
طاقت و قوت زیادہ حاصل ہو جس کی وجہ سے عبادت خداوندی بخوبی ادا ہو سکے۔

قَوْلُهُ سَكَّتْ ۔ یعنی اگر تو چپ رہتا یہ نہ کہنا اِنَّمَا لِلشَّاءِ ذِمَّةٌ عَنِ تَوْجَلِ مَا  
يَشَاءُ وَكَانَ يَخْلُقُ فِيهَا ذِمَّةً عَابِدُ ذِمَّةٍ مَعْجُزَةٌ وَكَوَامَةٌ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالسَّلَامُ ۔ اس  
جملہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم چپ رہتے ہیں طرح میں مانگنا جانا تم دیتے رہتے تو اللہ تعالیٰ بے حساب  
دست مختار کر دیتے لیکن تمہاری نظر ظاہر پر تھی تو امداد بھی تمہارے ظاہری اسباب کی وجہ سے  
بند ہو گئی۔

سوال ۔ یہ کہ جب باری تعالیٰ کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کی تکمیل

کی خاطر غیبی طور پر بکری کے دست کا احتلام کیا جا رہا تھا تو محض ابورافع کے جواب دینے سے وہ سلسلہ کیوں رک گیا اور پھر دست ظاہر کیوں نہیں فرماتے گئے۔

یہ کہ باری تعالیٰ کی جانب سے تمام اعزاز و کرامات اور فضل و عنایات محض خالص نیت اور توجہ الی اللہ کی بناء پر ہوتی ہے لہذا ہو سکتا ہے

**جواب**

کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ الی اللہ اور خدا کی جانب سے محضوری قلب میں حضرت ابورافعؓ کے جواب سے فرق آگیا ہو۔ اس لیے آپ ان کے جواب کے رو کی طرف متوجہ ہو گئے تھے چنانچہ ادھر سے بھی ہاتھ روک لیا گیا اور دست ختم ہو گئے۔ یہ حدیث بھی مآ مَشَّتِ الشَّارُ میں احادیث کی دلیل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ بن مالکؓ سے فرماتے ہیں کہ میں اور ابی ابراہیمؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے گوشت در روٹی کھائی، پھر میں نے وضو کا پانی منگایا تو ان دونوں نے فرمایا کہ کیوں وضو کرتے ہو میں نے کہا اس کھانے کی وجہ۔

وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ  
قَالَ كُنْتُ أَنَا وَابْنُ أَبِي  
جُلُوسًا فَأَكَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا  
ثُمَّ دَعَوْتُ بِوَضُوءٍ فَقَالَ  
لِي مَتَوَضَّأًا فَقُلْتُ لِهَذَا  
الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْنَا - رواه احمد

قوله وَابْنُ : ای ابی بن کعب -

قوله بِوَضُوءٍ - بفتح الواو، ای طلبت ماء الوضوء -

یہ حدیث بھی مآ مَشَّتِ الشَّارُ میں حنفیوں کی دلیل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ مرد کو اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ سے چھونا حرامت ہے جو اپنی بیوی کو چومے یا اپنے ہاتھ سے

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ  
قَبْلَهُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَجَسَّهَا  
بِيَدِهِ مِنَ الْمَلَأَ مَسَةً وَمَنْ  
قَبَّلَ امْرَأَتَهُ وَجَسَّهَا بِيَدِهِ

فَعَلَيْهِ الْوُضُوءُ - (رواہ مالک و الشافعی) | چھوئے تو اس پر وضو ہے ۔

قَوْلُهُ وَجَسَّهَا - بالجیم و تشدید الشین ای مستہا۔ اور کوئی بحث نہیں ہے یہ ماسے اقوال صحابہ ہیں جو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کوئی حجت نہیں۔ قدرِ تحقیق اتفاقاً۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمر بن عبد العزیزؓ سے وہ قیم داری سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بہتے خون سے وضو ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ (رواہ الدار قطنی)

قَوْلُهُ سَائِلٌ - یہ سائل مقابل دائم ہے۔ سائل بہنے والے خون کو کہتے ہیں، دم رکے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مسئلہ بیان کیا جاتا ہے نجاست خارج بن غیر السبیلین کا کیا حکم ہے۔

## نجاست خارج من غیر السبیلین کا حکم

اس بات پر توفیقہا کا اتفاق ہے کہ نجاست سبیلین قبل و دبر سے نکلے وہ ناقض وضو ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ جو نجاست غیر سبیلین سے نکلے وہ ناقض وضو ہے یا نہیں؟ اس میں دو مسلک ہیں۔ مسلک کی وضاحت سے قبل ایک فائدہ ملاحظہ فرمائیں۔ فائدہ - انسانی وجود میں عادتاً الشریاک نے نجاست نکلنے کے در راستے رکھے ہیں۔ اذّل مخرج معتاد - یعنی قبل اور دبر کہ عام طور پر انہی سے ہی فضلات کا اخراج ہوتا ہے۔

دوم مخرج غیر معتاد - اس کے علاوہ جسم کے کسی حصہ سے کوئی نجاست نکلے مثلاً ناک اکان یا زخم کی جگہ یہ مخرج غیر معتاد ہے۔



اسی طرح نجاست کی بھی دو قسمیں ہیں :

اول نجاست مقداراً مثلاً بول و براز وغیرہ ان کے نکلانے کی انسان کو عفت ہے ۔

دوم نجاست غیر مقداراً مثلاً خون ، پیپ قی ، رعات وغیرہ ۔

آمدن بر سر مطلب ۔ فقہاء کے ہاں یہ اختلاف ہے کہ جو نجاست غیر السبیلین

یعنی مخرج غیر مقدار سے نکلے آیا وہ ناقض وضو ہے یا نہیں ؟

امام مالکؒ کے نزدیک صرف اس نجاست کا خروج ناقض وضو ہے

۔ جو خود بھی مقدار ہو اور اس کا مخرج بھی مقدار ہو جیسے بول و براز

**مسئلہ اول**

لہذا رعات اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ اس کا مخرج مقدار نہیں اسی طرح

اگر سبیلین سے بول و براز مٹی ، ندی ، وادی اور ریح کے علاوہ کوئی چیز خارج ہو تو وہ بھی

ان کے نزدیک ناقض نہیں کیونکہ مخرج تو مقدار ہے لیکن خارج مقدار نہیں ۔

بقول ابوالاسعاد : دم استخاضہ اگرچہ خارج غیر مقدار ہے لیکن امام مالکؒ

کے نزدیک اس سے قیاساً تو وضو نہ ٹوٹتا چاہیے لیکن وہ امر تعبدی کے طور پر اس کو ناقض

وضو مانتے ہیں ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مخرج کا مقدار ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا

مقدار ہونا ضروری نہیں لہذا اگر سبیلین سے غیر مقدار یعنی بول و براز کے علاوہ کوئی چیز خارج

ہو تو وہ ان کے نزدیک ناقض ہے ۔

خلاصۃ الکلام : غیر سبیلین کسی نجاست کے خروج سے نہ مالکیہ کے نزدیک

وضو نہ ٹوٹتا ہے نہ شافعیہ کے نزدیک ۔

## مستدلات امام مالکؒ وَمَنْ وَافَقَهُ

مستدل اول ۔ ابرار و شریفینؒ کتاب الطہرت باب وضو من الہم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے

راختصاراً روایت کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے )

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع میں مسلمانوں میں سے کسی نے مشرکین کی ایک

عورت کو مار ڈالا یا زخمی کر دیا ۔ یا قید کر لیا تو اس عورت کے خدہ ہر یا کسی رشتہ دار نے قسم کھائی

کہ وہ اس کا بدلہ ضرور لے گا اور اس کے عوض ضرور کسی مسلمان کا خون بہائے گا ۔ چنانچہ جب جنگ

ختم ہوئی اور قافلہ مدینہ واپس آ رہا تھا۔ جب رات ہوئی تو ایک گھٹائی کے قریب آنحضرت صلعم نے قیام و تعویس کرنے کا حکم فرمایا تا قافلہ ٹھہر گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کون شب بیداری سے فوج کی نگرانی کرے گا تو ایک صحابہ اور ایک انصاری اس کے لیے تیار ہو گئے تو آپ نے دونوں کو گھٹائی کے اعلیٰ حصہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا دونوں وہاں پہنچ گئے اور باہمی مشورہ سے بیٹھے کیا کہ ایک سو جائے اور دوسرا بیدار رہ کر اپنی باری میں نگرانی کرتا رہے۔ جب اس کا وقت ختم ہو جائے تب دوسرے ساتھی کو اٹھائے اور خود سو جائے۔ نتیجہً حضرت مہاجر صحابی سو گئے اور انصاری صحابی جن کا نام عبّاد بن بشر تھا نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب کہ ادھر سے وہ مشرکہ بھی قسم پوری کر سنے کے لیے مسلمان فوج کے پیچھے لگ گیا تھا اور موقع کی تاک میں رہا جب وہ گھٹائی کے قریب پہنچا اور رات کے اندھیرے میں دوسرے ایک انسانی قامت صبح کر کے اسی نشانہ پر تیر چلائے لگا تو ابداد اؤڈ کی تصریح کے مطابق اس صحابی کو تین تیر لگے جس کی وجہ سے بدن سے کافی خون بہ نکلا شب انصاری کو اندیشہ ہوا کہ اگر اس نماز کی حالت میں ساتھی کو خبردار کیجئے بغیر روح نکل گئی تو مبادا نگرانی کا صبح حق ادا نہ ہو سکے۔ اس لیے نماز کو مختصر کر کے اپنے صحابہ ساتھی کو خبردار کیا الخ۔

ما لکبہ اور شوائع اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ایک صحابی کو مسلسل تین تیر لگے اور ان کے گلنے سے خون بھی جاری رہا مگر اس کے باوجود انہوں نے نماز نہ چھوڑی اور بہتے ہوئے خون کے ساتھ نماز تمام کر دی۔ ان کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ خرد ج دم عند الصلوة بھی ناقض الوضوء نہیں۔

**مسئلہ دوم۔** دارقطنی۔ کتاب الطہارت۔ نیز ایضاً مشکوٰۃ ص ۳۱۱ باب ما یوجب الوضوء میں بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ احتجوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فصلی ولعوبتوضاء، حالانکہ جماعت کرنے میں لازماً دم کا اخراج ہوتا ہے معلوم ہوا کہ خرد ج دم ناقض الوضوء نہیں۔

**مسئلہ سوم۔** مؤطا امام مالک ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب العلیلین غلبہ الدم من جرح اور عات۔ حضرت اسود بن خزیمہ کی روایت ہے۔

”اِنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُمَرَ فِي اللَّيْلِ اَتَى طَلْعَنَ فِيْهَا فَعَسَلَى وَجَرَحَهُ يُسْتَعْبَدُ دَمًا“

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو جب ابو لؤلؤؓ مجوسی نے تلوار سے زخمی کر دیا تو انہوں نے نیا وضو بناتے بغیر نماز جاری رکھی۔ اگر خروج دم ناقض الوضو ہوتا تو حضرت عمرؓ کیونکر نماز جاری رکھ سکتے تھے۔ اور اس وقت بہت صحابہ کرامؓ بھی سامنے تھے کسی نے فکیر نہیں کی۔

احنافؒ کے نزدیک کوئی بھی نجاست جہم کے کسی حصے سے بھی خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عاۓہ ہوا ہو یا جاری کی وجہ سے یہی مسلک حنبلیہؒ اور امام احنفؒ کا بھی ہے۔

## أَحْنَفٌ وَمَنْ وَافَقَهُ كَ دَلَائِل

ابن ماجہ مشہ ۸۵ ج کتاب الصلوٰۃ باب ماجاء فی البسائ علی الصلوٰۃ  
مستدل اول میں حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے :-

قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أصابه قيء أو عاف أو قلس أو مذي فليغتوضأ فليغتوضأ ثم ليغسل يديه فليغتوضأ ثم ليغسل يديه -

اس میں ماذ واضح ہے کہ خروج دم سے وضو کا حکم دیا جا رہا ہے اگر ناقض نہ ہوتا تو فلیغتوضأ والا حکم کیوں فرماتے۔

ابوداؤد شریف مشہ ۲۱ ج کتاب الطہارت باب من قال اذا  
مستدل دوم اقبلت الحيضة تدعى الصلوة فاطر بنت أبي جوشن کا واقعہ ہے جسے تقریباً تمام کتب صحاح میں نقل کیا گیا ہے۔

عن عائشة قالت جاءت فاطمة بنت أبي جوشن الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله أتى امرأة استحاض فبلا طهر أقادع الصلوة قال لا ألما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعى الصلوة واذا ادبرت فاغسل عنك الدم وصلي

وضو کرنے کی وجہ اور علت بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ  
إِنَّمَا ذَاكَ عَرَقٌ اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مستحاضہ کے وضو ٹوٹنے کا سبب  
خروج دم عرق ہے تو معلوم ہوا کہ سبیلین کے ساتھ خاص نہیں ورنہ خائضہ دم فرج فرماتے۔

حدیث معدان عن ابی الدرداء ہے :-

## مُتَدَلِّ سَوْمٌ

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فِتْرًا

فَلَقِيَتْ ثُوبَانُ فِي مَسْجِدٍ مَشَقٌّ فَلَزَكَتْ لَهُ ذَاكَ فَقَالَ صَدَقَ

أَنَا صَبَّيْتُ لَهُ وَضُوءًا - (ترمذی شریف مشاج باب الوضوء من النجس والرعاف)

حدیث مذکور بعض شوافع حضرات نے اعتراضات کیے ہیں جن کی مکمل وضاحت ترمذی شریف  
میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ مختصراً ایک اعتراض نقل کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔

بعض شوافع نے یہ کہا ہے کہ دراصل یہ حدیث قاء فاطر تھی کسی راوی

## اعتراض

سے دم ہوا۔ اس نے قاء فطر قاء روایت کر دیا۔ اس کی دلیل یہ

ہے کہ "مسند رک حاکم ۴۲۴ ج ۱ باب الاطوار من النجس" میں حسین المعلم ہی کی روایت سے حضرت  
ابو الدرداءؓ اور حضرت ثوبانؓ کی یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاظًا فَلَقِيَتْ ثُوبَانُ فِي مَسْجِدٍ

مَشَقٌّ فَلَزَكَتْ لَهُ ذَاكَ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا صَبَّيْتُ لَهُ وَضُوءًا :-

یہ ہے کہ چند وجوہ سے دم راوی والی بات کرنا درست نہیں اولاً

## جواب

جب روایت کی سند کا صحیح ہونا معلوم ہو گیا تو اس کے بعد دم کی

بدگمانی کسی طرح درست نہیں بلکہ اس سے تو ذخیرہ احادیث پورے کا پورا بخروج ہو سکتا ہے۔

ثانیاً حقیقت یہ ہے کہ دونوں روایتیں اپنے اپنے مقام پر درست ہیں۔ قاء فاطر بھی اور

"قاء فطر" بھی جیسا کہ مسند احمد ۴۲۴ ج ۱ میں محاکم موجود ہے۔

"وَالْأَصَحُّ أَنْ يَقَالَ إِنَّ الْحَدِيثَ مُشْتَمِلٌ عَلَى كِلَا اللَّفْظَيْنِ الْخ

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اسْتَقَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَاظًا فَأَنَا بَعَاءٌ فِتْرًا

ثالثاً علاوہ ازیں اگر صرف فاطر والی روایت ہی لی جائے تب بھی ہمارا مقصود و مطلب

اس حدیث میں حضرت ثوبانؓ کے اس جملہ سے پورا ہو جاتا ہے ”انا صیبت لہ وضوءاً“  
**مستدل چہارم**۔ حدیث باب ہے ”الوضوء من کلّ دیم سائل“ حدیث نکتہ  
 پر صاحب کتاب نے اعترافات کیے ہیں جن کی تفصیل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔

## شوافع اور مالکیہ حضرات کے مستدلات کے جوابات

**مستدل اول کا جواب اول** | یہ ایک اصولی جواب ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے عین حیات فعل صحابی جس میں آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت، سکوت یا تقریر ثابت نہ ہو محض نہیں اور نہ ہی فہم صحابی جس کی  
 تصویر (خواہ کسی بھی طریقہ سے ہو) نبوت سے ثابت نہ ہو محض ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ  
 غزوہ ثوات الرقاع کے اس واقعہ میں حضرت عباد بن بشر انصاری صحابی کو تیر لگنے اور خون لکھنے  
 کے باوجود نماز پڑھتے رہنا کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا اور کیا احادیث کے ذخیرہ میں  
 کہیں بھی اس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و سکوت یا تقریر ثابت ہے جب واقعہ  
 مذکور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و سکوت تقریر حاصل نہ ہوئی تو پھر اسے شریعت کا حصہ قرار  
 دینا اور دلیل کے طور پر پیش کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

**مثال** | حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں کافی عرصہ مذی کی وجہ سے غسل کرتا رہا۔ پھر جب  
 حضرت مقدادؓ کے ذریعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا  
 تب معلوم ہوا کہ مذی سے غسل نہیں ہے۔ تو کیا اب حضرت علیؓ کا عل امت کے لیے اس بات  
 کی دلیل بن سکتا ہے کہ مذی سے غسل کرنا ضروری ہے۔

بقول ابوالاسماء الزہراءؓ: ”کہہ لکھات کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ فعل صحابی مذکور ہے  
 جیسا کہ شوافع حضرات بھی کہتے ہیں تو پھر اسی صحابی نے خون آلود جسم اور کپڑوں کے ساتھ نماز بھی پڑھی  
 ہے پھر اسے بھی جائز ہونا چاہیے۔ جب کہ اس بات کے تو شوافع حضرات بھی قائل نہیں۔ بلکہ شوافع  
 حضرات تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر وجود پر تھڑا سا خون بھی موجود ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے  
 جب کہ حدیث پاک میں ”فَلَمَّا رَأَى الْمَهَا جَرَى مَا يَأْتِي النَّصَارَى مِنَ الدَّمَاءِ“ کی تصریح

اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صحابی خون سے لکت پت ہر چکے تھے اور اسی خون آلود حالت میں نماز بھی پڑھتے رہے یہی وجہ ہے کہ علامہ خطابی جو خود شافعی المذہب ہیں نے معالم السنن ص ۱۲۱ ج ۱ میں اس استدلال پر حیرانگی و تعجب کا اظہار کیا اور کہا یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس واقعے سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بہر حال ”فما هو جوابکم عن نجاسة الدم فهو جوابنا عن انتقاض الوضوء“

یہ تحقیق ہے کہ حضرت مبارک نماز میں تلاوت قرآن کی صورت میں اپنے اللہ میاں سے جو مناجات کر رہے تھے ان کی لکت میں اس قدر محو تھے کہ انہیں اپنے جسم سے خون نکلنے کا علم ہی نہ ہوا اور نہ ہی غلبہ لذت کی وجہ سے انہیں نماز ترک کر دینے کی ہمت ہو سکی جیسا کہ خود الفاظ حدیث سے اس پر تصریح مذکور ہے۔ قَالَ اِنِّي كُنْتُ فِي سُوْرَةِ اَقْرَأْ هَا فَلَمْ احْبِ اَنْ اُطْعِمَهَا“ بہر حال یہ غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت تھی جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا۔

حدیث جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے جو یہ نقل ہے۔ ”عقیل بن جابر“ فیہ جہالۃ“ (میزان مشح ۳) دوسرے محدثین اسکی ہیں جو مختلف فیہ ہیں اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے بھی اس روایت کو تعلیقاً بصد تقریر نقل کیا ہے۔

جہاں تک روایت انس بن مالک دارقطنی ”احتجہ التنبیٰ فصلیٰ ولم یستوضأ“ کا تعلق ہے اس کا جواب اول یہ ہے ولم یستوضأ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل وضو ہی نہ فرمایا بلکہ فی الحال اسی وقت وضو نہ کرنا مراد ہے اور فی الحال وضو نہ کرنا بالکل عدم وضو کہ لازم نہیں کرتا ہے۔ ثانیاً یہ شریعت مقدسہ کا قانون بھی نہیں ہے کہ نقض طہارت کے ساتھ متصل حصول طہارت لازم ہو گو امت کے لیے عموماً اور آپ کی ذات پاک کے لیے خصوصاً افضل صورت ضرور ہے لیکن واجباً نہیں۔ کما جاء فی سنن ابی داؤد شریف ص ۱۱۱ کتاب الطہارات باب فی الا ستبراء۔ روایت عائشہ صدیقہ ہے۔

قالت بان رسول الله صلى الله عليه وسلم فقام عمر خلفه بكون من ماء فقال ما هذا يا عمر فقال ماء تتوضأ به قال

ما امرت كلما بئلت ان اتوصا ولو فعلت لكانت سنة۔

اب ما امرت واسم الفاظ صاف دلالت کر رہے ہیں کہ فی الحال طہارت کوئی ضروری نہیں۔ روایت السنن جو علامہ دارقطنیؒ نے ذکر فرمائی ہے اس میں

### جواب دوم

دورادی ہیں علامہ صالح بن مقاتل۔ اس کے متعلق خود علامہ دارقطنیؒ فرماتے ہیں وہ قال اندامہ قطنی لیس حلن ابانقوی " علامہ سلیمان بن داؤد۔ یہ راوی بھول ہے۔ لہذا روایت سنندی اعتبار سے کمزور ہے۔ فکیف یجتہد بہ

جس میں شہادت عمرؓ کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حقیقت پر غور

### مستدل سوم کا جواب

کیا جائے تو حضرت عمر فاروقؓ معذور تھے اور معذور ویسے قرآنین شریعت سے مستثنیٰ ہوتا، جیسا کہ الفلوات الریح (پیٹ سے ہوا خارج ہو رہی ہو بند نہ ہوتی ہو) یا استطلاق البطن (جس کا پیٹ چل پڑے) یا خون کے تسلسل کی وجہ سے معذور کا حکم وہی نہیں ہے جو غیر معذور کا ہے اسی طرح حضرت عمرؓ جو معذور تھے، کے اس واقعہ سے غیر معذور کے لیے استدلال صحیح نہیں۔

وَقَالَ رَأَى الدَّارِقُطْنِيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيمٍ الدَّارِمِيِّ وَلَا رَأَاهُ :

صاحب مشکوٰۃ دلیل اخاف (الوضوء من کلّ دھم سائل) پر دو اعتراض فرما رہے ہیں مذکورہ عبارت سے اعتراض اول کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اعتراض اول

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ روایت کی سند کی مدار عمر بن عبد العزیزؒ پر ہے جب کہ عمر بن عبد العزیزؒ کا سماع حضرت تميم داریؒ سے

ثابت نہیں۔ فکیف یستدل بہ عدم سماع کی وجہ سے حدیث مرسل بنے گی۔

جواب اول : اگر ثقہ راوی تابعی اعتماد صحت کی وجہ سے واسطہ حذف کر دے تو اس حدیث مرسل منقطع سے استدلال صحیح ہے لہذا فی المقام۔

جواب دوم۔ علامہ زبیریؒ نصب الراية میں اسی حدیث کو بے سند صحیح زبیریؒ ثابت

سے تخریج کی ہے۔ نیز اس کی تخریج ابن عدی نے اپنی الکامل میں بھی کی ہے جس سے یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے مرسل و منقطع سے مستند و مرفوع ہو جائے گی۔

و یزید بن خالد و یزید بن محمد و یزید بن محمد و یزید بن محمد

یہاں سے صاحب مشکوٰۃ و لیصل احداث پر اعتراض ثانی کر رہے ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں درودای و یزید بن خالد و یزید بن محمد و یزید بن محمد و یزید بن محمد ہیں۔ لہذا اس کی سند

**اعتراض دوم**

جہالت والی ہے۔

بھول کی دو قسمیں ہیں و بھول الذات جس کے تلامذہ کا علم نہ ہو و بھول الوصف جس کے حالات کا علم نہ ہو اور یہ دونوں حضرات

**جواب اول**

بھول الوصف ہیں نہ کہ بھول الذات کیونکہ ان سے تعدادی روایت کرتے ہیں لہذا ان کی روایت مقبول ہے۔

تعداد اسانید سے ضعیف حدیث حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے جو عند المحدثین قابل عمل ہے۔

**جواب دوم**

جواب سوم۔ مذہب احداث کی اصل بنیاد دوسری احادیث منقولہ پر ہے۔ یہ معنی تائیدی و لیصل ہے لہذا ان کی جہالت ہمارے لیے مضر نہیں۔

## اسمائے رجال

حضرت عمر بن عبد العزیز ابن مروان ابن حکم تابعی ہیں آپ کی کنیت ابو حفص ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ

**حالات عمر بن عبد العزیز**

کا نام لیسلی بنت عمر ابن خطاب ہے۔ کنیت ام عاصم سلیمان ابن عبد الملک کی خلافت کے بعد خلیفہ ہوئے ۹۹ھ میں خلافت سنبھالی اور ۱۰۰ھ میں ماہ رجب مقام دیر صغاریہ میں قریب محض انتقال ہوا چالیس سالہ عمر ہوئے۔ دو سالہ پانچ ماہ خلافت کی فالہ بنت عبد الملک آپ کے نکاح میں تھیں آپ جیسے عابد زاهد خوف خدا میں رہنے والے و انتہی متطقی اعلیٰ اللہ علیہ وسلم میں کم گزر رہے ہیں۔ آپ عدل و انصاف میں



## بَابُ آدَابِ الْخَلَاءِ

قوله آداب : جمع ادب ہے۔ محمد ثین حضرات نے اس کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں جس کا ایک پیش خدمت ہیں۔

أَوَّلُ : ”اَلْاِسْتِعْمَالُ مَا يَحْتَمِلُ قُوْرًا وَفَضْلًا“ یعنی آداب ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کا استعمال قابلِ تعریف ہو خواہ فعل سے تعلق رکھے یا قول سے۔

دوّم : بعض حضرات کے نزدیک مکارم اخلاق (معمدہ اخلاق) یعنی یقین، اخلاص، صبر، شکر، علم، حسن خلق، سخاوت، غیرت، شجاعت اور مروت جیسے اوصاف کو اختیار کرنا اور ان پر عمل کرنے کو ادب کہتے ہیں۔

حضرت عنارونی کا نزدیک ہے اس لیے آپ کو عثمانی کہا جاتا ہے۔

یہ قسم ہے اس داری ہے یا قسم بنی خارجی ہیں دارِ آپ کے  
**حالات حضرت تمیم داریؓ**  
 پہلے نعرانی تھے، پھر مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا۔ آپ ایک رکعت میں پورا قرآن پاک ختم کر دیتے تھے اللہ کہیں ایک ہی آیت کو تمام رات بار بار پڑھتے پڑھتے صبح کر دیتے تھے۔ محمد بن المنکدر نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت تمیم داریؓ رات کو صبح تک سوئے رہے اور مسجد کے بے نہیں آئے تو اپنے نفس کو اس غفلت کی سزا دینے کے لیے ایک سال تک تمام رات نوافل پڑھتے رہے اور بالکل نہیں سوئے، مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد شام میں امامت گزری ہو گئی اور رات تک وہیں رہے۔ سب سے پہلے مسجد میں انہوں نے چراغ جلا دیا، اپنی حق اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے رقیانہ اور جائزہ کا فقہ بیان کیا ہے اور ان سے بہت لوگوں نے اس کی روایت کی۔

یَقُولُ ابُو لَاسَدَاد : مَضْرُوبُی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ تمیم داریؓ ایک نعرانی شخص تھے انہوں نے آکر اسلام قبول کیا اور اپنا ایک واقعہ بیان کیا جس سے مسیح النجاشی کے بارہ میں جو کچھ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ طویل حدیث جو نوافل سنت تیس سے مروی ہے ابو داؤد شریف ص ۱۴۸ باب فی خبر النجاشی میں مذکور ہے۔

سُوم ، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ادب کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اور بھلائی کی راہ کو اختیار کیا جائے اور گناہ و برائی کے راستے سے اجتناب کیا جائے۔

چھٹا اُم : عند البعض ادب کے معنی ہیں کہ اپنے بڑے بزرگ کی عزت و توقیر کی جائے اور اپنے سے چھوٹے کے ساتھ شفقت و محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے (مکملہ فی حجتہ البانہ) بقول ابوالاعلیٰ سعاد ، لفظ ادب اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے انسانی زندگی اور تہذیب و معاشرت کے جمیع پہلوؤں کو محیط ہے۔ لہذا کسی ایک معنی کی قیدیں قدرے مشکل ہے لہذا میرے ناقص عقل کے مطابق ادب سے مراد اوصاف خیرہ ہیں جس سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سمور جائے اور معاشرہ اچھا نیوں اور بھلائیوں سے بھرپور ہو جائے۔  
وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَ اَسْوَدُ۔

قوله الخلاء - بفتح الخاء و ملة اللام خلاء کے دو معنی ہیں :-

خلاء کا لغوی معنی - خلاء کا لغوی معنی عام ہے ہر خالی مکان کو خلاء کہتے ہیں ، اور ہر علیحدہ مکان کو بھی خلاء کہتے ہیں۔

اصطلاحاً دکنائیہ اس کا اکثر استعمال ایسی جگہ پر ہونے لگا ہے جہاں قضاء حاجت کی جاتی ہے یعنی موضع قضاء الحاجت یعنی قضاء حاجت کی جگہ جس کو بیت الخلاء بھی کہتے ہیں عربی زبان میں اس معنی میں بیت سے الفاظ مستعمل ہیں۔ احادیث میں بھی الخلاء کے علاوہ اس کے لیے کنیت مرتضیٰ ، جنوش ، مذہب ، منصف کے الفاظ مستعمل ہیں۔ درحقیقت یہ سب کنایات ہیں آج کل اہل مصر اس کو بیت الادب اور بیت الطہارت کہتے ہیں۔ اور اہل حجاز اسے مستراح کہتے ہیں۔

سوال - لغوی معنی میں خلاء کو خالی سے یعنی اسم کو مثنیٰ سے کیا مناسبت ہے ؟

جواب : چند وجوہ سے مناسبت ہے :-

- ۱۔ خلاء معنی خالی ، چونکہ اکثر وہ جگہ خالی رہتی ہے اس لیے اس کو خلاء کہتے ہیں۔
- ۲۔ یا انسان اس جگہ جا کر اپنے پیٹ کو نجاست سے خالی کرتا ہے اس لیے خلاء کہتے ہیں۔

۲۔ یا اس لیے کہ وہ جگہ ذکر اللہ سے خالی رہتی ہے۔

۳۔ اگر خلاہ بمعنی علیحدہ ہے تو یہ بھی صحیح ہے کیونکہ قضاء حاجت کے وقت کثرت عورت کی ضرورت کے پیش نظر انسان تخلیہ و علیحدگی چاہتا ہے اس لیے اس کا نام بھی خلاہ رکھ دیا گیا۔  
 یقول ابوالاسعاد : قانون ہے کہ جب ایک چیز پر تصریح قبیح ہو اور اس کو بطور استعارہ و کنایہ دوسرے الفاظ سے تعبیر کیا جائے۔ اس کو صفت تنزیہ کہتے ہیں۔  
 بیت الخلاء کے جس قدر بھی نام احادیث میں آئے ہیں وہ سب اسی قبیل سے ہیں اللہ تعالیٰ نے لفظ الخائط میں بھی تعبیر اختیار کی ہے کہ الارض المنحدہ کو قضاء حاجت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

قال حُجَّه الله على العالمين الشهيد ربولى الله بن  
 عبد الرحيم فقرا الله ضريحه۔ آداب خلاء میں متعذر

## آداب خلاء

چیزیں ہیں چند ایک بطور مشق از خود اسے پیش خدمت ہیں :-

اول : قضاء حاجت کے وقت قبلہ شریف کی تعظیم کرنا ”ومن ههنا سمعت  
 قوله عليه السلام اذا اتيتهم الخائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها  
 دوم : تطہیر و تمطیف کو مد نظر رکھنا ”مورد النہی عن الاستنجاء باقل  
 من ثلاثہ احجار“ کیونکہ عام طور پر تھقہ تین ہیں ہوجاتا ہے۔  
 سوم : بروقت قضاء حاجت ایسی صورت سے استراذ کرنا جس سے عوام الناس کو  
 تکلیف نہ پڑے ”کانتحلی فی ظل الناس و طریقہم۔“

چہارم : محاسن العادات کو اختیار کرنا مثلاً قال عليه السلام فلا يتمسح  
 بيمينه ولا يأخذ ذكراً بيمينه۔

پنجم : ستر کی رعایت کرنا۔ اس کے لیے انسان دوری اختیار کرے۔ کما فی قولہ  
 عليه السلام اذا ذهب المذهب البعد۔

ششم : الاحتران ان یصیب بدنہ او ثوبہ نجاسة۔ ومنہ قوله  
 عليه السلام اذا اراد احدکم ان یتبول فلیرتد لبوله

ہفتم : انراثة الوسوسة۔ وهو قوله عليه السلام فلا یبولت

احدكم في مستحقه فان عاقبة الوسواس منه -

ہشتم - منع الكلام من كل الوجوه كما في قوله عليه السلام لا يخرج الرجلان يضربان الفائط كاشقين عن عورتيهما يتحدثان فإِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَمُوتُ عَلَى ذَلِكَ -

نہم ، پہلے ہی سے کپڑے نہ اٹھائے بلکہ قریب جا کر اٹھائے لہذا يقول حبیبی علیہ السلام لا یرفع ثوبہ حشی یدنوا من الارض -

دہم : اپنے نقصان سے پرہیز کرے کہ سوراخ میں پیشاب نہ کرے ۔ کما فی قولہ علیہ السلام لہی ان یتال فی الجحدر (تلك عشرة كما ملكتهم)

## الفصل الأول — یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پائخانہ کے لیے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ پیٹھ ، لیکن یا تو مشرق کی طرف ہو جاؤ یا مغرب کی طرف ۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَيْتُمُ الْفَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا - (متفق عليه)

قوله الفائط : علقہ بدر الدین محمد بن احمد عینی عمدة القاریؒ منہاج میں لکھتے ہیں کہ فائط کے معنی ہوتے ہیں زمین کا پست حصہ یعنی گڑھا جس کو نشیبی زمین کہتے ہیں چونکہ عادتاً انسان قضاء حاجت کے لیے ایسی جگہ تلاش کرتا ہے جو نشیبی ہو ، اس لیے اس پر اس کا اطلاق بیت الخلاء پر ہونے لگا۔ بعض اوقات اس کا اطلاق نجاست پر بھی ہوتا ہے۔

قوله القبلة : القبلة میں الف لام عہد کا ہے یعنی قضاء حاجت کے وقت

قبلہ مہجودہ رخاندہ کعبہ زاد حائل شرٹا و کرنا کی طرف نہ استقبال ہو اور نہ استدبار ہو۔  
قولہ ولکن مشرقوا وغیرہا۔ یعنی مشرق کا رخ کرو یا مغرب کا۔

سوال۔ حدیث پاک کے یہ الفاظ لا تستقبلوا القبلة سے معارض ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ جب بھی ہم مشرق یا مغرب کو منہ کریں گے تو لامحالہ استقبال و استدبار لازم آئیگا جو ممنوع ہے تکلیف التعلیقین میں ڈالک۔

جواب۔ دراصل یہ خطاب بالاجماع اہل مدینہ کو ہے اس لیے کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب کی سمت میں واقع ہے اور اہل مدینہ مکہ سے جانب شمال میں ہیں۔ مدینہ منورہ میں پہنچنے والا اگر جنوب کو منہ کرے تو استقبال قبلہ لازم آتا ہے اور اگر شمال کو منہ کرے تو استدبار قبلہ لازم آتا ہے اس لیے اہل مدینہ کے لیے شمال و جنوب کو استقبال و استدبار ممنوع قرار دیا گیا۔ لہذا مشرقی ممالک کو اس کا حکم نہیں ہے یعنی ان کے لیے مشرقوا وغیرہا والا حکم نہیں ہوگا بلکہ ان کے لیے جتنبوا او شتموا ہوگا کیونکہ شمال و جنوب کو منہ کرنے سے نہ استقبال ہوگا اور نہ استدبار کیونکہ ان کا قبلہ شرٹا غرابا ہے اس لیے کہ اصل علت تو احترام قبلہ ہے جو حقیقت احترام رب کعبہ ہے کما یقال قیس بن الملوک المعزوبہ مجنون۔

سے امر علی الذیارد یارد لیسلی  
وما حُب الذیارد شخن قلبی  
اقبل ذالجدار و ذالجدار  
ولکن حب من سکن الذیارد  
حدیث مذکور میں مسئلہ آتا ہے استقبال و استدبار قبلہ کا۔

## استقبال و استدبار قبلہ عند قضاء الحاجة :-

استقبال و استدبار قبلہ کے بارے میں بہت سے مذاہب ہیں مکمل تفصیل مرفوز کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ میں مختصر آئین مسلک بیان کروں گا کیونکہ بنیادی اختلاف صرف ان تینوں میں ہے۔  
مسلک اول۔ استقبال و استدبار قبلہ مطلقاً جائز ہے خواہ بنیان میں ہو یا صحرار میں ہو۔ یہ مذہب امام ابو داؤد ظاہری کا ہے۔

مسلک دوم۔ استقبال قبلہ مطلقاً ناجائز ہے خواہ صحرار میں ہو یا بنیان میں ہو اور

استند بار مطلقاً جائز ہے۔ یہ مسلک امام احمد بن محمد بن حنبل کا ہے۔  
**مسلک ستوم**۔ استقبال و استند بار ہر دونوں صحار میں مطلقاً ناجائز ہیں، بنیان میں  
 مطلقاً جائز ہیں۔ یہ مسلک امام شافعی اور امام مالک اور اسحق بن راہویہ سے منقول ہے۔  
**مسلک چہارم**۔ استقبال قبلہ و استند بار قبلہ مطلقاً ناجائز ہے۔ چاہے صحارہ  
 یا بنیان ہو اور آبادی ہو۔ یہ مذہب جمہور صحابہؓ، تابعینؓ، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہے  
 اور عند الاحناف مفتی بر قول بھی یہی ہے۔

## سِلْسِلَةُ الدَّلَائِلِ

### اہل ظواہر کے مُستدلّات

**مُستدلّ اوّل** حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے :-  
 قَالَ نَهَى نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ  
 بِيَدَيْكَ فَرَأَيْتَهُ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ بَعَامٍ يَسْتَقْبِلُهَا رِجْلًا وَرِجْلًا شَرِيفٌ مَرَّجَ الْكِتَابِ  
 الطَّهَارَةِ بَابُ كَرَاهِيَةِ اسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ أَنْ كَانَتْ رِجْلًا يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ  
 كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ  
 "فَرَأَيْتَهُ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَ الْغَدَاةَ" صَرَّاحٌ أَسْوَءُ مَا يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ هِيَ كَيْفَ يَدَايِهِ

**مُستدلّ دوم** عن عائشةؓ ذكر عنده رسول الله صلى الله عليه وسلم فقم  
 مِكَرَ هَوْنٍ أَنْ يَسْتَقْبِلُوا بِيَدَيْهِمْ الْقِبْلَةَ فَقَالَ إِنَّهُ هُوَ قَدْ فَعَلُواهَا اسْتَقْبَلُوا  
 مَقْعَدَ قِبَلِ الْقِبْلَةِ (ابن ماجه شريف ص ۲۰۰) كتاب الطهارة باب الرخصة في  
 ذَالِكِ فِي الْكَلِيفِ (الغ) ان کے نزدیک یہ بھی نبی کی اماریت کے لیے ناخ ہے۔

## شوافع و موالک کے مستدلات

**مستدل اول**۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے :-

عن عبد اللہ بن عمر قال نقداہ تقيت علی ظہر البیت  
فرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی لبنین مستقبل  
بیت المقدس لحاجتہم (ابوداؤد شریف کتاب الطہارات  
باب الرخصة فی ذالک ای استقبال القبلة)

یہ واقعہ گھر کا ہے اور اس میں واضح ہے کہ منہ مبارک قبلہ اول کی طرف جب منہ بیت المقدس  
کی طرف ہو تو پیٹھ بیت اللہ شریف کی طرف ہو جاتی ہے جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت کے  
الفاظ ہیں " مستقبل الشام مستدیر الکعبة " چنانچہ صاحب کتاب شوافع و موالک کی  
تائید کرتے ہوئے حدیث مذکور کو مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۱ ج ۱ باب آداب الخلاء میں ذکر فرمایا ہے  
" قال الشیخ الامام محی السننہ ہذا الحدیث " راہی حدیث ابی ایوبؓ فی  
الصحنہ و اما فی البنیان - جیسا کہ ان کا مسلک ہے - فلا بأس (پھر تائیداً روایت ابن عمرؓ  
کو ذکر فرمایا ہے -

**مستدل دوم**۔ مروان الاسمری کی روایت ہے :-

قال رایت ابن عمرؓ اناخ را حلتہ مستقبل القبلة ثم جلس  
یسبوا الیہا فقلت یا ابا عبد الرحمن ایس قد نھی عن ہذا  
قال بل انما نھی عن ذالک فی الفضاء فاذا کان بینک و بین القبلة  
شیئ لیسترن فلا بأس (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۱ ج ۱ باب آداب الخلاء  
فصل ثالث -)

اس میں نضار و غیر نضار کا فرق واضح ہے -

ثانیاً۔ فلا بأس کا لفظ بھی استقبال و استدبار فی البیان کے جواز پر دلالت کرتا ہے -

## حنابلہ حضرات کے مُستدلات

**مُستدلِ اوّل** ، حدیث ابن عمرؓ جو ابھی نقل کی گئی حنابلہ کہتے ہیں کہ مُستدبر القبلۃ کے جواز استدبار پر صراحتاً دال ہیں ۔

**مُستدلِ دوم** ، حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت ہے :-  
 قال نھانا یعنی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلة  
 لفائط او بول الخ ، مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۳ باب اداب الخلا واصلہ  
 حرر استدلال یوں ہے کہ حدیث مذکور میں عدم استقبال کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے  
 مفہوم مخالف سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ استدبار قبلہ کی اجازت ہے کیونکہ نہ اس کا ذکر ہے اور  
 نہ آپؐ نے منع فرمایا ہے ۔

## أحناف حضرات کے مُستدلات

**مُستدلِ اوّل** ، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے :-  
 قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا لکم بمنزلة  
 انواء اعلمکم فاذا اتی احدکم الفائط فلا یستقبل القبلة  
 ولا یستدبرھا ۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۰۳ کتاب الفہرہ باب کراہیۃ استقبال  
 القبلة)  
 حدیث مذکور میں آپؐ ایک نعلی تانوں بیان کر رہے ہیں کہ استقبال و استدبار دونوں  
 منوع ہیں ۔

**مُستدلِ دوم** ۔ حضرت معقل بن معقلؓ کی روایت ہے :-  
 قال تھلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین  
 ببول او غائط ۔ (ابوداؤد شریف ص ۳۰۳ کتاب الفہرہ باب کراہیۃ استقبال القبلتین)



اس میں بھی استقبال و استدبار کی واضح طور پر نہی کر دی گئی ہے۔  
**مُسْتَدَلِ سَوْم**۔ حضرت سہل بن عقیف کی روایت ہے :-  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَلَوْتُمْ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا  
 الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا۔ (مسندک حاکم ص ۴۱۲ ج ۳)  
**مُسْتَدَلِ چہارم**۔ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاریؓ کی روایت ہے :-  
 إِذَا اتَيْتُمُ الْخَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ بَغَائِطٍ وَلَا يُؤَلِّقُ  
 لَا تَسْتَدْبِرُوهَا (ترمذی شریف مشاج اکتب العربیہ الطہارت باب فی التہنئ عن  
 استقبال القبلة)

یہ حدیث باتفاق اشیخ کافی الباب ہے اور اس میں حکم عام ہے بنیان و صحرار کی کوئی  
 تفریق نہیں۔

## سِلْسِلَةُ الْجَوَابَات

### جوابات دلائل اصحاب ظواہر —!

**مُسْتَدَلِ اَوَّل کا جواب اَوَّل**۔ اہل ظواہر نے حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے دلیل پکڑی  
 ہے اس کا جواب اَوَّل یہ ہے کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ ضعیف حدیث ہے تو حدیث ضعیف  
 احادیث میں کیسے ناسخ بن سکتی ہے کیونکہ مسئلہ قاعدہ ”اِنَّ النَّاسَ لَا يَدْرُوْنَ اَنْ يَكُوْنُوْا فِي  
 قُوَّةِ الْمَنَسُوْخِ“ علتِ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں دو راوی مشکوک فیہ ہیں :-  
 ۱۔ ابان بن صالح : حافظ ابن عبد البر نے التہذیب میں ابان بن صالح کی وجہ سے اس کو  
 ضعیف قرار دیا ہے اور سرے علامہ ابن حزمؒ نے المحلی میں ابان بن صالح پر جرح کی ہے  
 ۲۔ محمد بن اسحق : امام مالکؒ اس کے بارہ میں یہ کہتے ہیں کہ :-  
 لَنْ اَقِمْتَ فِيمَا بَيْنَ الْحَجَرِ وَبَابِ بَيْتِ اللَّهِ لَقُلْتُ اسْتَدْبَرْتُ  
 دُجَالَ كَذَابِكَ وَقَالَ دُجَالُ مِنَ الدَّجَالَةِ۔

امام بخاری بن سید القطان فرماتے ہیں :

”اشھد انہ کذا“ — تو ایسے راویوں کی روایت کو ناسخ اور اصح

مافی الباب کو منسوخ قرار دینا کہاں کا انصاف اور کیسے درست ہے ؟

**جواب دوم** - حدیث جابرؓ میں بھی وہی احتمالات ہیں جو روایت ابن عمرؓ

(لقد ارفقت علی ظہر البیت) میں ہیں جن کی تفصیل روایت ابن عمرؓ میں گہری چاہی

**مستدل دوم کا جواب اول** - اہل نظر اہرنے جواز استقبال واستقبال

عند قفۃ الحاجۃ پر روایت عراق عن عائشہؓ سے دلیل پکڑی ہے - اس کا مختصراً جواب

اول یہ ہے کہ یہ روایت عائشہؓ کی سند اور متن دونوں پر کلام کی گئی ہے - عافکہ علامہ ذہبیؒ

نے اسے سنداً منکر قرار دیا ہے جس کی چند وجوہات ہیں - چند وجوہ ملاحظہ فرمادیں :-

اولاً ، خود سند میں اختلاف ہے ایک روایت میں سند یوں ہے :-

”عن خالد الحذاء عن عمار بن مالک عن عائشہؓ“

جب کہ دوسری سند اس طرح ہے :-

”عن خالد الحذاء عن رجل عن عمار عن عائشہؓ“

اب ہم کس کو درست سمجھیں ایک میں رجل کا واسطہ ہے ، ایک میں بیرو واسطہ مل ہے -

**ثانیاً** ، امام بخاری علیہ الرحمۃ کی ترمذی کے مطابق عمار بن مالک کا سماع بی بی عائشہؓ

سے ثابت نہیں تو گویا کہ یہ حدیث منقطع السند بنے گی -

**ثالثاً** ، علامہ ابن القیمؒ اور ابو حاتمؒ نے روایت مذکورہ کو موقوف علی عائشہؓ

کہا ہے - یہ

**رابعاً** ، روایت مذکورہ کی سند میں خالد بن ابی الصلت ہے جس کو علامہ

ابن حزمؒ نے مجہول قرار دیا ہے - عند البعض منکر مجہول و ضعیف ہے - ان وجوہات

کی بنیاد پر اس روایت سے کیسے دلیل پکڑی جاسکتی ہے -

**جواب دوم** ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے رنج اللہ ص ۱۲۶

کتاب الطہارت باب الاستطابۃ حضرت شیخ الہندؒ سے نقل کیا ہے :-

”قال شیخنا المحمود قدس اللہ روحہ فی حدیث عمار

على تقدیر شہوتہا ان بعض الناس فی عہدہ صلی اللہ  
علیہ وسلم لعلمہ غلقاً فی کواہبہ استقبالی القبلۃ  
بالفرج الخ۔

حدیث کا جواب دیتے ہوئے در باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے :-  
اَوَّلُ ، اس حدیث میں قضاء حاجت کے وقت کا کوئی بیان نہیں بلکہ عام مجلسوں کا  
بیان ہے اور "اسْتَقْبَلُوا بِمَقْعَدِکِی الْقِبْلَۃَ" میں مقعدین سے مراد خود آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کی عام مجلس کے مقعد تھے نہ کہ قضاء حاجت کے مقعد۔  
دوئم ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اس حدیث میں لوگوں کے غلو کو روکنا ہے کہ بعض لوگ مرت  
قضاء حاجت کے وقت ہی شرمگاہ کو بیت اللہ کی طرف کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ تعظیم قبلہ میں اتنا غلو  
کرتے تھے کہ عام بیٹھنے لٹھنے میں بھی شرمگاہ قبلہ کی طرف کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا  
یہ منشاء بالکل نہیں تھا ان کے رتے کے لیے فرمایا کہ آئندہ میری نشست کا رخ قبلہ کی طرف کر دو تاکہ میں عام  
مجلسوں میں یوں بیٹھا کروں اور ان کے خیال کی تردید ہو جائے یعنی صَفَحَدِّکِی سے مراد قضاء حاجت  
کی جگہ نہیں عام نشست گاہ مراد ہے۔

## جوابات دلائل اصحاب شوافع و موالک

اصحاب شوافع و موالک نے روایت ابن عمر  
(تقدیر تفسیر علی ظہر بنی الخ) سے  
مُسْتَدَل اَوَّل کا جواب اَوَّل  
دلیل پکڑی ہے۔ جو از استقبال واستدبار فی البیان پر تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کیونکہ کعبہ کی تعظیم ان لوگوں کے لیے ہے جو  
مغضول ہوں۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے افضل ہیں۔ چنانچہ درمنشاء صحابہ  
طبع نوکشور لکھنؤ میں ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے :

"على التراجيح ما ضوق اجزائه الشريفة عليه الصلوة والسلام

فانها افضل مطلقاً من الكعبة والكعبة من القبر والعرش"

**جواب دوم**۔ استقبال و استدبار کی یہی فضلات انسانی کے ناپاک ہونے کی بناء پر ہے جب کہ اگر کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرامؑ کے فضلات خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک ہیں۔ لہذا حضور پر نور کی ذات پاک اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک ہیں۔ اسی طرح قاضی عیاضؒ نے خصائص کبریٰ ص ۷۷ ج ۱ میں بی بی عائشہ صدیقہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے

”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل الغائط دخلت فی اشرع فلا امرائی شیئاً وکنت اشرعاً ثعبان الطیب فذکرت ذالک لہ فقال اما علمت ان اجسادنا ثبتت علی ارواح اهل الجنة لما خرج منها شیئاً اُبْتُلْتُہُ الا مراض“

لہذا خصوصیات و استثنیات سے دلیل پکڑنا مشکل ہے۔

**جواب سوم**۔ محدثین حضرات کا اصول ہے کہ جب دو حدیثیں متعارض ہوں ایک قولی ہو، دوسری فعلی ہو تو قولی کو فعلی پر ترجیح ہوتی ہے کیونکہ قولی امت کے لیے قانون ہوتا ہے اور فعلی میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اس اعتبار سے دلیل احناف روایت سیدنا ابی یوسف انصاریؒ قولی ہے، اور حدیث سیدنا ابن عمرؓ فعلی ہے۔ تو حدیث قولی کو فعلی پر ترجیح حاصل ہے۔ اسی طرح یہی ترجیح مذہب احناف کو ہوگی دلائل کے اعتبار سے باقی مذاہب پر۔

**جواب چہارم**۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں کئی احتمالات ہیں۔

یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے قصداً آپ کو نہیں دیکھا ہوگا بلکہ اتفاقاً نظریہ لگئی ہوگی، اور اس میں غلط فہمی کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

**احتمال اول**

یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں مستدبر قبلہ نہ ہوں لیکن حضرت ابن عمرؓ کو دیکھ کر بتقاضائے حیا آپ نے اپنی ہیئت بدلی ہو، اور اس تبدیلی کی وجہ سے استدبار محقق ہو گیا ہو۔

**احتمال دوم**

## احتمال سوم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جہت کے تعیین میں وہم ہوا ہے کیونکہ اس حالت و ہیئت میں دوسرے کو غور سے دیکھنا حیا و طبعاً خلافت عادت اور غیر معمول ہے۔ جس کی مثال آپ اپنے عام ماحول میں دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کی نظر دوسرے انسان یا شیخ یا استاذ پر ایسی حالت و ہیئت میں پڑ بھی جائے تو وہ فوراً اپنی نظر ہٹا لیتا ہے چہ جائیکہ حضرت ابن عمرؓ کی نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑے اور پھر اس کو غور کرنے کا موقعہ بھی ملے۔ جب کہ حضور اقدسؐ کی محفل میں صحابہؓ کا اپنے بارے میں یہ قول (کان علی رؤسنا الطیبر) اس بات کا منظر ہے کہ صحابہؓ کو امامؐ عام محفل میں بھی حضورؐ کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ چہ جائیکہ ابن عمرؓ اس ہیئت و حالت میں دیکھیں۔ اور پھر جہت اور سمت کی تعیین پر بھی غور کر سکیں۔

## احتمال چہارم

کعبۃ اللہ کے معاین کے لیے قفار حاجت میں عین کعبہ کا استقبال و استدبار ممنوع ہے، جہت کو رخ کرنا ممنوع نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی تعمیر کر رہے تھے تو آپ کے لیے بیت اللہ اور مسجد نبوی کے درمیان حائل ساری رکاوٹیں اٹھا دی گئی تھیں۔ اور آپ نے بیت اللہ کے محاذات میں مسجد نبویؐ تعمیر فرمائی۔ لہذا آپ کو اس وقت بھی عین کعبہ اور جہت کعبہ کا اندازہ تھا، اور آپ کا رخ جہت کعبہ کو تھا نہ کہ عین کعبہ کو اور معاین کے لیے توجہ الی الذات الکعبہ ممنوع ہے۔ غیر معاین کیلئے توجہ الی جہت الکعبہ ممنوع ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاین کے حکم میں ہیں تو ان کے لیے توجہ الی جہت الکعبہ ممنوع نہیں۔

الغرض ”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“ کی وجہ سے سب سے سبب احتمال کے پیش نظر حدیث ابن عمرؓ سے ایک قطعی استدلال کرنا صحیح نہیں چہ جائیکہ اسے حدیث الی الرب کے لیے ناسخ قرار دیا جائے۔

شراغ و مواہک حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کے

فعل و تاخ و احوالہ مستقبلہ مستقبلہ القبلۃ اللہ

## مستدل دوم کا جواب اول

سے دلیل پوری مختصر اس کا جواب اول یہ ہے کہ روایت ابن عمرؓ ضعیف ہے اس لیے کہ اس کا مدار حسن ابن ذکوان پر ہے۔ جنہیں یحییٰ بن معین، امام نسائی، ابن عدی، اور امام احمد

نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لہذا یہ روایت قابل استدلال نہیں۔

یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا عمل اور اجتہاد ہے۔ احادیث مرفوعہ میں اس تفریق کی کوئی بنیاد مروی نہیں۔ نیز صحابی کا اجتہاد حجت

**جواب دوم**

نہیں، خاص طور سے جب کہ اس کے مقابلہ میں مرفوع احادیث موجود ہوں۔

محدثین حضراتؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اجتہادی نظریہ فقہی اعتبار سے مرجوح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر استقبال قبسہ

**جواب سوم**

کی ممانعت اس بات پر موقوف ہے کہ منتحلی اور کعبہ کے درمیان کوئی حائل موجود نہ ہو تو اس قسم کا استقبال صرف حرم شریف میں ہی ہو سکتا ہے اور کہیں نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی عمارت یا پہاڑ وغیرہ بیچ میں منور حائل ہیں۔ لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ صحراء وغیرہ میں بھی استقبال جائز ہوا اور استقبال واستدبار کمرہ نہ ہو۔ جب کہ یہ بات خود شافعیہ کے مسلک کے خلاف ہے ماہو جوابیکم فہوجوابنا۔

## مقابلہ حضرات کے مستدلّات کے جوابات

مقابلہ حضراتؒ نے جواز استدبار فی العموم پر حدیث ابن عمرؓ (مستدبر انکبہ) سے دلیل پکڑی ہے

**مُستدلّ اول کا جواب**

اس کا جواب وہی ہو گا کہ یہ حدیث محتمل ہے۔ الگ جوابات دینے کی ضرورت نہیں۔ تقدّم تحقیق النفا۔

مقابلہ حضراتؒ نے روایت حضرت سلمان فارسیؓ

**مُستدلّ دوم کا جواب اول**

رقال نہانایفنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان مستقبل القبلة سے استدلال کیا ہے اس کے لیے یہی جواب ہی کافی دانی ثانی ہے کہ تفصیلی صحیح روایات میں استدبار کی بھی موجود ہے۔ من شاء فلیطالع الیہ۔

روایت حضرت سلمان فارسیؓ میں استقبال کی خصوصیت اور استدبار

**جواب دوم**

کا عدم ذکر اس لیے ہے کہ بالنبت استدبار کے استقبال میں

شدید کراہت ہے۔ ثانیاً، احناف حضرات کے نزدیک حدیث پاک میں مفہوم مخالف کا اعتبار بھی نہیں کہ صرف استقبال کے ذکر سے جواز استدبار ہو۔

## مسلک احناف کے وجوہ ترجیح

مسلک احناف دیگر مسلک کے مقابلہ میں بہت وجوہ سے راجح ہے۔ چند وجوہ ترجیح پیش خدمت ہیں۔

اول۔ مسلک احناف عدم استقبال و عدم استدبار اذنی بالقرآن ہے۔ اس کی قرآن کریم کی کئی آیات تعلیم شعائر اللہ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: ”وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَعَثُّوِي الْعُلُوبِ رِجَالُ الْحِجْرِ“

پھر خصوصی طور پر کعبہ شریف کی تعلیم ایک متفق علیہ مسئلہ ہے تو تعلیم عدم استقبال و عدم استدبار میں ہے جبکہ احناف کا مسلک ہے کہ فعل استقبال و استدبار میں۔

دوم۔ عدم استقبال و عدم استدبار میں اصل مقصد تعلیم قیاس ہے اور اس میں صحابی و بنیان میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضرت حفصہ بن الیمان کی روایت ہے۔

”وَمَنْ تَعَلَّ تَجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتَفْلَهُ بَيْنَ يَمِينِهِ“ جب متھوک میں صحابی و بنیان میں کوئی فرق نہیں حالانکہ تفل (متھوک) بالاتفاق ظاہر ہے تو بول و براز مطلقاً الیٰ اہم القبلۃ یقیناً مستوع ہونے چاہئیں کیونکہ یہ بالاتفاق نجس ہے۔

سوم۔ روایت حضرت ابی ابوبکر خالد بن زید انصاریؓ را اذا اقبلتہم الفائط فلا تستقبلوا القبلة بفنائہ ولا بولہ ولا تستدبروها، ایک قانون کلی کی حیثیت رکھتی ہے اس کے مقابلہ میں دوسری تمام روایات واقعات جزئیہ ہیں۔ حنفیہ کا اصول ہے کہ وہ روایات متعارضہ میں سے ہمیشہ اس روایت کو اختیار کرتے ہیں جس میں ضابطہ کلیہ بیان کیا گیا ہو۔

چہارم۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت محترم ہے جو حنفیہ کا مستدل ہے۔ جب کہ اس کی مخالف روایات بھی ہیں اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت محترم کو ترجیح ہوتی ہے۔

پنجم۔ حضرت ابو ایوبؓ کی روایت واضح اور معلوم السبب ہے۔ دوسری روایات غیر واضح اور غیر معلوم السبب ہیں۔ کیونکہ ان میں بہت سے احتمالات ہیں۔ کماثر آلفاً۔

توجہ: روایت ہے حضرت سلمانؓ سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ ہم پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کو منہ کریں یا دایہ منہ ہاتھ سے استنجہ کریں یا تین پتھروں سے کہہ سے استنجہ کریں یا گوبر یا ہڈی سے استنجہ کریں۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا  
يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ  
لِفَإِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ لَسْتَنْجِي  
بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ تَسْتَنْجِيَ بِأَقْلٍ  
مِنْ ثَلَاثَةِ أَجْجَارٍ أَوْ أَنْ  
تَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ لِيْظْمٍ - !  
(رواہ مسلم)

فائدہ: تنہیم کی خاطر حدیث مذکور کو چار جزوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر جز کی علیحدہ بحث ہوگی۔

جزء اول۔ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ - !

قد مرَّ تحقيقُهُ « نَفَا فَلَ فَاثِدَةٌ لِبَيَانِهِ مَرَّةً ثَانِيَةً »

جزء دوم۔ اَوْ أَنْ تَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ -

قولہ اَوْ اَنْ تَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، بعض روایات میں اَنْ اور نستنجی کے درمیان لا کا اضافہ ہے اور عبارت یوں ہے « اَنْ تَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ » (ابوداؤد و ترمذی ص ۱۷ کتاب الطہارت)

مشکوٰۃ شریف کی روایت میں کلمہ لا کا سقوط ہے۔ عبارت یوں ہے « نَهَانَا اَنْ تَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ » کہ اللہ کے رسولؐ نے ہمیں ہاتھ سے استنجہ کرنے سے منع



کر دیا ہے۔

## استنجار کا معنی

استنجار کے دو معنی ہیں لغوی، اصطلاحی۔  
لغوی معنی - استنجار ناخورد ہے بخور سے بخور کے معنی غائط

یعنی پاخانہ کے ہیں (معارف السنن) تو استنجار کے معنی ہونے غسل موضع النجس  
یعنی مقعد کو دھونا۔ یہ ذکر حال ارادہ محل کے قبیلہ سے ہے۔

اصطلاحی معنی - اِنَّ الْاَلَةَ النِّجَاسَةَ بِالْمَاءِ اَوِ الْحَجَارَةِ، نَجَاسَتِ كَوَازِلِ

کرنا پانی یا پتھر کے ساتھ۔ استنجاء (استغسال) میں سے ات کبھی طلب کے لیے  
آتی ہے اور کبھی ازالہ کے لیے۔ اگر طلب کے لیے ہو تو معنی طلب النجاسة لانه النجاسة  
اور اگر ازالہ کے لیے ہو تو معنی اِنَّ الْاَلَةَ النِّجَاسَةَ (النجاست) ہے۔ حدیث پاک کے جزر  
مدم میں استنجار بالمین کی بحث ہے۔ استنجار بالمین کی وضاحت سے قبل ایک فائدہ  
ملاحظہ فرمادیں۔

فائدہ - تدرقی طور پر بعض امور و افعال اور اشیاء حقیر خسیں پیدا کیے گئے ہیں۔  
اور بعض شریف، اچھے اعلیٰ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں سے افضل بنایا  
مقصود دائیں ہاتھ کی تکریم اور بائیں پر اس کو فضیلت دینا ہے۔ جیسے قرآن مقدس میں  
اہل جنت کو اصحاب الیمین اور اہل جہنم کو اصحاب الشمال کہا گیا ہے۔ پھر اصحاب الیمین کو فضیلت  
دی اصحاب الشمال پر رَوَّاصْطَحِبَّ الْيَمِينِ مَا أَصْطَحِبَّ الْشِّمَالِ اصحاب الیمین تو پھر اصحاب  
الیمین ہیں ان کا کیا کہنا؟۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو طعام اور کھانے  
پینے کے لیے استعمال فرمایا۔ اور استنجار نجاست اور اعضاء ناحشہ کے مس کرنے سے محفوظ  
رکھا، بائیں ہاتھ کو نجاست اور بدن کی صفائی کے لیے مقرر فرمایا۔ بلکہ شریعت نے تو مطلق نیکی  
اور خیر کے جملہ امور مثلاً کپڑے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، کھنگھی کرنا، روٹی کھانا وغیرہ میں  
تیسرے کو تفصیل و تقدیم دی ہے اس طبعی اور خلقی اور شرعی فطرت کے پیش نظر ضروری ہے کہ امور  
شرعیہ کو اعضاء شریفہ سے، اور امور خسیہ کو اعضاء خسیہ سے انجام دیا جائے۔ اس کا ترک گویا ایک  
امر مستحب کا ترک ہے جو اسارت اور قباحیت ہے۔

## استنجاہ بالیمین کا حکم

استنجاہ بالیمین کی شرعی حیثیت میں دو مسلک ہیں :-  
**مسلک اول** - اہل ظواہر کے نزدیک استنجاہ بالیمین مکروہ تحریمی ہے - حنابلہ کے بعض اقوال میں اگر کسی نے استنجاہ بالیمین کر لیا تو یہ استنجاہ جائز ہی نہیں -  
**مستدل** - حدیث باب ہے "ان لا یستنجی بالیمین" بخاری شریف کتاب الطہارت باب کراہۃ من انکر بالیمین) میں یہی روایت ہے اس کے الفاظیوں میں :-  
 "اذا بال احدکم فلا یأخذن ذکراً بیمینہ ولا یستنجی بیمینہ"  
**مسلک دوم** - جمہور ائمہ راجح میں اصناف بھی ہیں) کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے یعنی دائیں ہاتھ سے استنجاہ کرنا مکروہ ہے نہ کہ حرام -  
**مستدل** - طلق بن علیؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے پر فرمایا  
 "اشاہو بغسلت منک" ابو داؤد شریف مساجد باب الوضوء من منس الذکر) اور جیسا کہ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ "ما ایاہا مستت النبیؐ او ذکری، عمادی شریف) لہذا معلوم ہوا کہ یہاں گناہہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے -

یہ کہ حدیث پاک میں نہیں "ولا یستنجی بیمینہ" ہاتھ کی شرافت کے لیے ہے  
**اہل ظواہر کے مستدل کا جواب**  
 "نہ اصل مقصد توازن الہنجاست ہے وہ جس ہاتھ سے بھی ہو حاصل ہو سکتی ہے چونکہ شریعت نے دائیں ہاتھ کو کرامت و شرافت بخشی ہے - چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اچھے کام دائیں ہاتھ سے کرتے تھے -

ابو داؤد شریف مساجد باب کراہۃ من انکر بالیمین میں نبیؐ کی روایت ہے  
 "قالت کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لظہور وطعامہ وکانت ید الیسری لخلائکہ وما کان من اذنی"  
 بقول ابوالو سعاد: شریعت مقدسہ نے صرف دائیں ہاتھ کو نہیں بلکہ مطلق دائیں طرف کو شرافت بخشی ہے اس لیے تمام اچھے کاموں کو دائیں ہاتھ سے کرتے تھے -

طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے اور برے کاموں کو بائیں طرف سے۔ جیسے کہا گیا کہ جب مسجد میں جاؤ تو (دایاں) پاؤں پہلے داخل کرو، اور نکلتے وقت (بایاں) پاؤں کیونکہ دخول مسجد عبادت کے لیے ہے اور عبادت فعل حسنات ہے خروج من المسجد غیر عبادت ہے اور غیر عبادت فعل سیئات ہے۔ جو تا کپڑا پہنو تو جائیدین سے پہنو، جو تا اتارتے وقت بائیں جانب سے پہنے کھولو، وغیرہ۔

اب دائیں طرف کی تقدیم کو دیکھ کر بھی ہم یہی حکم لگانا شروع کر دیں (کما قالہ النظارہ و حناہما) کہ بائیں طرف سے کوئی کام بھی شروع نہ کیا جائے۔ جب کہ اس بات کے خود اہل ظواہر و حناہل بھی قائل نہیں۔ کذا فی الاستبصار بالیہین کہ استبصار بالیہین کی یہی شرافت یہین کے لیے ہے۔ اگر استبصار بالیہین کر لیا تو ازارہ نجاست کی بناء پر طہارت حاصل ہو جائے گی لیکن یہین کی بے حرمتی ہوگی اس لیے مکروہ ہوگا۔

جُزْءٌ مَسْتَوٍ — اَوْ اَنْ تَسْتَنْجِيَ بِاَقْلٍ مِّنْ ثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ  
کہ تین ڈھیلوں سے کم میں بھی استنجار نہ کریں۔ حدیث پاک کے جُزْءٌ مَسْتَوٍ میں مستند آتا ہے تثلیث اجمار کا جس کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

## تثلیث اجمار کی شرعی حیثیت

فقہی مسئلہ سے قبل دو فائدوں کا جاننا ضروری ہے :-

فائدہ اولیٰ | استنجار کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ استنجار بالمار فقط ۲۔ استنجار بالاجار فقط، ۳۔ استنجار بکلیتاً۔ تینوں صورتیں شریعت مقدسہ میں جائز ہیں۔ مگر عیسوی صورت جمہور اہل السنۃ والجماعہ کے نزدیک افضل ہے کیونکہ اس میں صفائی و طہارت زیادہ ہے۔ چنانچہ فقہاء احنافؒ نے تصریح کی ہے کہ پہلے زمانہ میں استنجار بالاجار بھی کافی تھا۔ لیکن اب ہمارے زمانہ میں استنجار بالمار بھی ساتھ ساتھ ضروری ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں لوگ کم کھاتے تھے۔ اور بکریوں کی طرح مینگنیاں نکالا کرتے تھے۔ اور اب لوگ زیادہ کھاتے ہیں اور غلاظت مخرج سے نجاؤں کر جاتی ہے۔ چنانچہ شہناہل قرندی

۲۷ میں روایت ہے۔ سیدنا ابی وقاصؓ کی وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں:-  
 لَقَدْ كُنَّا يُسْتَنَجَىٰ أَعْدُوٌّ فِي الْوَصَابَةِ فِي أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَأَى الشَّجَرُ وَالْحَبْلَةُ حَتَّى تَفْرَحَتْ  
 أَشْدَّ اقْتِحَاحٍ أَنْ أَحَدًا يَضَعُ كَمَا تَقْنَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ  
 ر كما في المشكوة الشريف ۳۵ ج ۲ فصل ثالث باب مناقب العشرة  
 بهذا "كليهما" افضل ہے۔

استنجا کے موقع پر دو چیزیں قابل لحاظ ہیں :-  
**فائدہ ثانیہ** | ۱۔ انقاس کے محل یعنی نجاست والی جگہ (دبر) کو صاف رکھنا۔  
 ۲۔ تنگیت یعنی تین کے عدد کی رعایت کرنا کہ جب بھی استنجا کرے تین ڈھیلے استعمال کرے۔  
**آئندہ برسرِ مطلب** | اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ استنجا  
 کب لے پھر دوں گا کوئی عدد واجب ہے یا نہیں؟ اس میں دو مسلک ہیں :-  
 امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تنگیت واجب ہے  
**مسلک اول** | انقار وایتار مستحب ہے۔

**مستدل اول**۔ حدیث باب ہے (أَذَانُ نِسْتَنِجَىٰ بِأَقْلٍ مِّنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ)  
 کیونکہ اس میں تین سے کم پھر دوں کی ممانعت کی گئی ہے۔  
**مستدل دوم**۔ نص قرآنی (ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ) میں عدد خاص کی تفصیل پر قیاس  
 کرنا ہے۔ کہ جس طرح قرآن پاک میں ثلاثہ صبر کے لیے ہے اسی طرح مسئلہ اجار میں بھی  
 ثلاثہ صبر کا فائدہ دینا ہے۔

## دلائل شوافع وغیرہم کے جوابات

شوافع وغیرہم نے روایت حضرت  
 سلمان فارسیؓ (ان نِسْتَنِجَىٰ بِأَقْلٍ  
 مِّنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ) تنگیت پر دلیل پکڑی ہے اس کا جواب اول یہ ہے کہ چونکہ

عموماً انقاد عین پتھروں سے ہی ہوتا، اس لیے اس سے کم کی ممانعت کی گئی ہے جیسا کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں ”فانتھا بجزئی بعضہ“ ہے بلکہ جمع الزوائد ص ۱۱۱۱ ج ۱ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت کے الفاظ اور زیادہ واضح ہیں ”اذا تخطواخذ کوفلیمسحہ بشلا ثلثا احجار فان ذالک کافیہ“ اس میں اصل علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر انقاد اس سے کم میں ہو جائے تو بھی جائز ہے۔

تین کا عدد علی وجہ الاستحباب ہے۔ چنانچہ ذخیرہ احادیث میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جہاں تین کے عدد کا ذکر آیا ہے مگر سب دہاں استحباب کے لیے جلتے ہیں نہ کہ وجوب کے لیے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱۱ ج ۱ باب سنن الوضوء فصل اول میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے :-

”قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقِظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْسِلْ يَدَيْهِ فِي الْوُضْءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا - الْغُ“  
بالاتفاق غسل ید کو استحباب پر محمول کیا گیا ہے۔

ترمذی شریف ص ۱۱۱۱ ج ۱ کتاب الجنائز باب ما جاء فی غسل الميت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے غسل کا ذکر ہے کہ آپ نے غسل دلائے والی عورتوں کو فرمایا ”اغسلنها وثلاثا وثلاثا وخمسا“ روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں ”الفقهاء وصحوا علم بمعانی الحديث“ معانی احادیث کو فقہاء زیادہ جانتے والے ہیں۔ اس لیے انہوں نے تین اور پانچ کے عدد کو وجوب کے لیے نہیں سمجھا بلکہ مستحب قرار دیا۔ ”هكذا قاله الاحناف“

يقول ابوالاسعاد الزاميا : خود شرايع بھی اس حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کرتے مثلاً کسی آدمی نے بڑے پتھر جس کے تین گوشے ہوں، سے تین مرتبہ استنجا کر لیا تو ان کے نزدیک حق استنجا ادا ہو جائے گا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی تین پتھر ضروری نہیں بلکہ تین مسحات ضروری ہیں۔ لہذا ہم بھی تاویل کر سکتے ہیں کہ اگر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

حضرات شوافع کاثلثۃ قرور پر مخصوص عدد کا قیاس تو احداث اس سے یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں ثلاثہ

## مستدل دوم کا جواب

کی تخصیص غیر قیاسی ہے اس لیے کہ استبراء رحم تو صرف ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے مگر شرع نے اس کے باوجود بھی تین حیض کی قید لگائی ہے (اگرچہ فقہاء کرام نے نکتہ بعد از وقوع کے طور پر اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ پہلا حیض استبراء رحم کے لیے ہے، دوسرا اس کی تاکید کے لیے، تیسرا حیض احترام نکاح کے لیے ہے) جو غیر قیاسی ہے۔ لہذا ایک غیر قیاسی شئی پر قیاس کرنا صحیح نہیں، بلکہ قیاسی مسئلہ کو اگر قیاس پر حمل کیا جائے تو زیادہ اہمیت ہے۔ مثلاً مسلم والی و ابو داؤد شریف و کتاب الحج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا متنبس بالتلبیہ کے بارے میں یہ قول منقول ہے کہ ”انفق عندک ثوبک اغسل الطیب ثلاثاً“ اس کی شرح میں بھی امام نوویؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہاں بھی خصوصی عدد معتبر نہیں اگر ایک مرتبہ سے بھی طیب زائل ہو جائے تو احرام صحیح ہے اس حدیث میں ازالہ شئی (طیب) کا مسئلہ ہے اور استبراء میں بھی ازالہ شئی (نجاست) کا مسئلہ ہے دونوں قیاسی ہیں لہذا دونوں کو ایک دوسرے پر حمل کرنا درست ہے جیسے طیب میں ثلاث کا عدد دھو کر کے لیے نہیں (کما قال الشافعی) اسی طرح مسئلہ استبراء میں بھی ثلاث کا عدد حضرت کے لیے نہیں۔

مسئلہ دوم۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک استبراء میں صرف انقاء رکاوٹ عبارت واجب ہے، تثلیث مستنون ہے۔

## امام اعظمؒ و من وافقہ کے دلائل

حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے جس کے الفاظ یوں ہیں  
 ”من استجمر فلیوتر من فضل فصد احسن ومن لا فلا حرج“ (مشکوٰۃ شریف ملاح ابابند) اس میں تصریح ہے کہ ایثار مستحب ہے واجب نہیں۔ ایثار کا ایک فرد تثلیث بھی ہے۔

دلیل دوم۔ بی بی عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے ”اذا ذهب احدکم الی الغائط

فلین حب معہ بشلانہ احجار لیستطیب لہن فانہا تجزئ عنہ ۔  
 مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب ہذا بحوالہ ابو داؤد شریف ) ۔ اس میں ” فانہا تجزئ عنہ “ کا جملہ  
 بتلہا رہے کہ مقصود اصل انقار ہے اور کوئی عدد مخصوص بالذات نہیں ۔ لہذا جہاں تثلیث کا حکم  
 دیا گیا ہے وہاں بمشاور یہ ہے کہ یہ عدد انقار کے لیے کافی اور کوئی عدد مخصوص بالذات نہیں ۔  
 حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے یہ

**دلیل سوم** | قل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخلو فقال انی  
 بشلانہ احجار قال فانیتہ بحجرین وروثہ فاخذ الحجرین والحق  
 الروثہ وقال ہی رجسۃ ( ابن ماجہ شریف ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب الاستنجاء  
 بالحجارة والنہی عن الروث )

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعاضا کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو  
 تین ڈھیلے لانے کا فرمایا ۔ یہ دو ڈھیلے اور ایک لیسہ لائے ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لید کو  
 پھینک دیا اور دو ڈھیلے استعمال فرمائے تیسرا ڈھیلہ نہیں منگوا یا ۔  
 اگر تین کے عدد کی رعایت رکھنا ضروری ہوتا تو آپ ضرور تیسرا ڈھیلہ منگواتے ۔  
 معلوم ہوا تثلیث ضروری نہیں ۔ حنفیہ کی اس دلیل پر شوافع حضرات نے متعدد اعتراضات  
 کیے ہیں جن کا مکمل بیان طوالت سے خالی نہیں ۔ من شاء فلیطالع الی سنن الترمذی  
 مگر وہ اعتراض مع جواب نقل کر رہا ہوں ۔

**اعتراض اول** | امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ میں فرمایا کہ یہ حدیث مسند احمد و دارقطنی  
 میں عبد الرزاق عن معمر عن ابی اسحق عن علقمہ عن عبد اللہ کے طریق  
 سے آئی ہے جس میں فانہا کس بارچس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے ۔  
 ” اُمْتُی بِنْتُی بِنْتُی “ دارقطنی ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب الاستنجاء جس سے معلوم ہوتا ہے  
 کہ آپ نے درپتھروں پر اکتفا نہیں فرمایا ۔

**جواب** | علامہ ذیلعلیٰ نصب الراہ ص ۱۱۱ میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے  
 فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی جس سند سے منقول ہے وہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ  
 ابو اسحق کا سماع علقمہ سے ثابت نہیں کیونکہ امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ کتاب التہیات باب

الدیۃ الخاسر میں صراحت لکھا ہے کہ ابو اسحق نے علقمہ سے کچھ نہیں سنا۔ علامہ مارونیؒ المعروف علامہ ترکمانستان الجوزی الثقفی فی الرد علی البیہقیؒ ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں :-

« قال احمد بن عبد الله الجبلی لم یسمع ابوا سحقی من علقمۃ شیخاً »

لہذا یہ حدیث منقطع ہے اور قابل استدلال نہیں۔

یقول ابوالاسعد جواہر : حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم ص ۲۲۲ ج ۱ میں بحوالہ عمدۃ القاری ص ۲۵ ج ۲ ابن القصار سے نقل کیا ہے کہ اگر تین پتھر بھی ہوں تب بھی ایثار و شلیث ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مقام دو ہیں ما قبل و ما بعد۔ اگر ایک پتھر چھوٹے استنجا کے لیے استعمال کیا جائے تو بڑے استنجا کے لیے دو پتھر رہ جاتے ہیں۔ ایثار و شلیث کہاں سے ثابت ہوتی۔

یہ ہے کہ اگر « اُسْتَنْجَى بِحَجَرٍ » کی زیادتی روایت ثابت نہ ہو تو بھی اعتراض دوم :- حدیث باب میں یہ احتمال موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوبر پھینکنے کے بعد کوئی تیسرا پتھر اٹھا لیا ہو، یا حضرت ابن مسعودؓ سے منگو لیا ہو۔ کیونکہ عدم الذکر عدم الشیء کو لازم نہیں۔ اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہاں آداب استنجا کو بیان کرنا ہے۔ لہذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا پتھر منگو لیا ہوتا تو وہ اس کا تذکرہ ضرور فرماتے۔ نیز سیاق حدیث یہ بتلا رہا ہے کہ وہ جگہ ایسی تھی کہ جہاں پتھر نہیں ملے تھے اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک گوبر کا ٹکڑا اٹھا لائے تھے ایسے مقام پر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تیسرا پتھر منگو لینے کا اہتمام کیا ہوتا تو ابن مسعودؓ اس کا ضرور تذکرہ فرماتے :-

جُزءٌ چہارم — اَوْ اَنْ تَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ اَوْ بِعَظْمٍ

قولہ رَجِيعٌ — رَجِيعٌ فَيَسِيلُ کے وزن پر یعنی مقل کے یہ رجوع سے

بنا ہے بمعنی الرجوع « الفداء المرجوع الی ہذا الحالة » یعنی لوٹائی ہوئی غذا « من حال الطہارة الی حال النجاسة » راجع ہر دو آپ کے فضلہ کہتے ہیں۔ بعض نے اسے گائے اور بھینس کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ والصَّحِيحُ هُوَ الاول،



قَوْلُهُ عَظِيمٌ: یعنی بڑی چکنی ہونے کی وجہ سے صفائی نہ ہوگی۔ نوک کی طرف سے زخم کا اندیشہ ہے۔ اس کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱۱ فصل ثانی میں ابن مسعود کی روایت ”لا تستنجوا بالروث ولا بالنظام الخ“ میں ہوگی۔

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءُ عَوِيقُونَ

## اسمائے رجال

یہ سلمان فارسی ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ ہیں، فارسی الاصل

## حالات حضرت سلمان فارسیؓ

رام ہرمز کے رہنے والوں میں سے تھے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اصفہان کے معانات میں ایک گھاؤں (جگہ) نامی ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ دین کی طلب میں سفر کیا اور سب سے پہلے مذہب نصاریٰ اختیار کیا اور ان کی کتابیں دیکھیں اور اسی دین پر پلے درپلے مشقتیں برداشت کرتے ہوئے رہے۔ پھر قوم عرب نے ان کو گزشتہ کر لیا، اور یہودیوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ پھر انہوں نے یہودیوں سے ملکیت کرنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت میں ان کی مدد فرمائی کہا جاتا ہے کہ یہ سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب آپ مدینہ تشریف لائے تو کچھ اور پر دس آقاؤں کے غلام رہ کر پہنچے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور یہ بھی انہیں میں سے ہیں کہ جن کے قدم کی جنتہ الغرورس متنی ہے ان کی عمر بہت زیادہ ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ڈھائی سو سال اور بعض روایتوں میں ساڑھے تین سو سال تک عمر ہوئی لیکن پہلا قول صحیح ہے ایسے ہاتھوں سے روزی کماستے تھے اور مدد بھی کیا کرتے تھے۔ ان کی بہت سی تعریفیں ہیں اور فضائل کا ذخیرہ ہے آنحضرتؐ سے ان کی تعریف میں متعدد احادیث منقول ہیں ۲۵ھ میں شہر مدائن میں انتقال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ  
مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ

(متفق علیہ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت انس  
سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو فرماتے  
کہ اے اللہ میں خبیث جنات اور خبیثہ جنیوں  
سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

قوله الْخُبْثِ - خُبْثٌ - خبیث کی جمع بمعنی مذکر شیاطین اور خباثت خبیثہ  
کی جمع بمعنی مؤنث شیاطین۔ عند البعض خبیث سے افعال ذمہ اور خباثت سے عقائد  
بالظہر مراد ہیں۔

الْخُبْثِ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا خبیث کی بار پر تحریر کیا ہے یا  
تسکین ہے اس میں دو قول ہیں:۔

فائدہ

- ۱۔ علامہ ابو عبید نے اس کو بسکون الباء (خبث) روایت کیا ہے۔
  - ۲۔ علامہ خطابیؒ خطار الحدیث میں فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ لفظ بار کے ضمہ کے ساتھ ہے  
یعنی خُبْثٌ جو کہ خبیث کی جمع ہے اور خُبْثٌ بسکون الباء تو مصدر ہے۔
- فرماتے ہیں (روامة اصحاب الحديث يقولون الخبيث ساكنة الباء  
وهو غلط والصواب الخبيث مضمومة الباء۔ معالم السنن ۱/۱۱۱)  
يقول البول لا سعاد، حقیقت یہ ہے کہ اس لفظ کو دونوں طریقوں سے پڑھنا  
درست ہے کیونکہ اہل عرب فعل کے وزن پر آنے والی جمع کو بکثرت بسکون العین پڑھتے  
ہیں جیسا کہ علامہ فضل اللہ بن حسین تودیشیؒ فرماتے ہیں:۔

وقال التور لبشي الخبيث ساكن الباء مصدر خبيث النشي  
بخبيث خبثاً وفي ايراد الخطابي في جملة الالفاظ التي يروها  
الرواة ملحونة نظراً لان الخبيث اذا جمع يجوز اسكان الباء  
للتخفيف كما في سبل وغيره من الجمع (مرآت ۲۴۹ ج ۱)  
مقام نذر پر تین بحثیں ہیں:۔

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ — محل دُعا

کہ یہ دعا کس وقت پڑھنی چاہیے اس میں دو مسلک ہیں :-  
**مسلک اول :** امام مالکؒ کے نزدیک دخولِ خلا کے بعد اور کشفِ عورة سے پہلے دعا پڑھ لی جاتی ہے۔

**مستدل اول :** حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں "اذا دخل الخلاء" یقول جب کہ نزدیکی شریف میں "اذا دخل الخلاء" قَالَ نے الفاظ آئے ہیں جن سے متبادر بھی ہے کہ دخولِ خلا کے بعد بھی دعا پڑھی جاسکتی ہے۔  
**مستدل دوم :** ابی بنی مائشہ صدیقؓ کی روایت ہے :-

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى

كُلِّ أَحْيَانٍ (ابوداؤد شریف مساجد باب فی تریب ذکر اللہ تعالیٰ علی غیر طہر)

**مسلک دوم :-** جمہور حضرات کے نزدیک اگر انسان گھر میں ہو تو قبل دخولِ خلا اور اگر صحرا میں ہو تو قبل کشفِ العورة پڑھنی چاہیے لیکن اگر خلا میں داخل ہو گیا اور دعا نہیں پڑھی تو پھر زبان سے نہ پڑھے بلکہ دل میں استحضار کرے۔

**مستدل :** یہ ہے کہ "اذا دخل الخلاء اذا اراد ان يدخل الخلاء" کے معنی میں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے یہی حدیث "الادب المفرد" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے :-

« قَالَ حَدَّثَنَا ابُو النُّعْمَانِ ثَنَا سَعِيدٌ بْنُ ثَرِيدٍ ثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ

ابن صہیب عن انس قال قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا اراد

ان يدخل الخلاء قال اللهم اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ الخ »

(ضابطہ) یقول ابوالاسعاد ، امام ابن الفارس لغوی فقہ اللغۃ صلیح مصر میں

لکھتے ہیں کہ اذا فعلت کے جملہ کا استعمال مین و جہ پر ہوتا ہے ۔ بانفاذ دیگر اگر کوئی مأمور بہ اذا کے ساتھ متعلق کیا جائے تو اس کی مین صورتیں ہوتی ہیں ۔

**صورت اول** | حکم نامور بہ فعل سے پہلے ہو جیسے " اِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ اِلَیْهِ " اس میں حکم نامور بہ فَأَغْسِلُوا ہے اور بہ فعل اذا قُمْتُ اِلَی الصَّلَاةِ سے پہلے ہے اس صورت میں اِذَا قُمْتُ اِذَا اَمَّا دُنَّ کے معنی میں ہوگا۔ کہ حکم نامور بہ فعل کے ساتھ ہو جیسے " اِذَا قُرَأَتْ فَتَرْتِل " یعنی جب تو قرآن کریم پڑھے تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔ یہاں حکم نامور بہ فَتَرْتِل فعل قُرَأَتْ کے ساتھ ہے اس صورت میں اِذَا قُرَأَتْ، اِذَا شَرَعْتَ کے معنی میں ہوگا۔ یہ کہ حکم نامور بہ فعل کے بعد ہو جیسے " اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَبُوا دُؤَاء " اس میں شکار کا حکم احرام کے فعل سے نکلنے کے بعد ہے۔ اس صورت میں اِذَا قُمْتُ، اِذَا فَرَعْتُ کے معنی میں ہوگا۔

**صورت سوم** | آمدن بر سر مطلب : امام مالکؒ یہاں تیسری صورت کو اختیار کرتے ہیں لیکن جہر پہلی صورت کو لیتے ہیں اس کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ بیت الخطاب گندگی اور ناپاکی کا مقام ہے وہاں جا کر ذکر و دعا اور استغفار کرنا ادب کے خلاف ہے۔

## مستدلات کے جوابات

**مُستدل اول کا جواب** | حدیث باب اذا دخل الخلاء الخ سے دلیل پکڑی ہے کہ اس کا جواب وہی ہے جو جہر کے مسئلہ میں گزر چکا ہے کہ اذا دخل الخلاء اذا اراد ان يدخل الخلاء کے معنی میں ہے۔ فلا یخالفنا هذا۔

**مُستدل دوم کا جواب اول** | حدیث " کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عز وجل علی کل احیاناً " سے دلیل پکڑی ہے اس کا جواب اول یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث اذکار متواردہ پر محمول ہے یعنی وہ اذکار جو خاص خاص مواقع اور اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے شب و روز کی ہر مصروفیت کے وقت

کوئی ذکر کوئی ذکر ضرور فرمایا کرتے تھے۔

بھالت قضائے حاجت ذکر سے ساقی ذکر مراد نہیں بلکہ قلبی ذکر مراد ہے

اور ذکر بالقلب بھی ہوتا ہے۔ امام نوویؒ کتاب الادکار ص ۱۷۷

## جواب دوم

طبع مصر میں لکھتے ہیں۔

”الذکر یکون بالقلب ویکون باللسان والافضل منه ما یکون

بالقلب واللسان جمیعاً فان اقتصر علی احدھما فالقلب افضل“

خصوصاً انبیاء کرامؑ کے قلوب مبارک جو کہ ہر وقت تجلیات و انوارات ربانہ میں محو پرواز ہوتے ہیں وہ یاد مالک سے جاری رہتے ہیں ”فلا یحس ساعته من ساعته۔“

کل احبب ان کے اندر استقرار حقیقی نہیں بلکہ عرفی ہے گویا یہ لفظ

”وَأَوْتِیْتُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ“ بے التسلل کے قبیل سے ہے۔

## جواب سوم

یقول ابوالاسودؒ: امام مالکؒ کا حدیث مذکور ”یذکر اللہ علی کل حیوان“

سے استدلال پکڑنا غیر صحیح ہے کیونکہ اگر اس کے ظاہر پر عمل کیا جائے تو پھر کشف عورت

کے بعد بھی دعاء کا پڑھنا جائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ امام مالکؒ بھی اس کے قائل نہیں۔ معلوم

ہوا کہ یہ روایت اپنے ظاہر پر محمول نہیں۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي

### دخول بیت الخلاء کے وقت شیاطین سے استعاذہ کی حکمت

حدیث پاک کے اندر دخول بیت الخلاء کے وقت شیاطین سے استعاذہ کی مستند حکمتیں

بیان کی گئی ہیں۔

یہ ہے کہ ایسی گندمی اور نجس جگہوں میں شیاطین بکثرت ہوتے ہیں

گویا کہ شیاطین کے سوا کوئی ہوتا ہے تو ان سے پناہ لینے کے لیے

## حکمت اول

یہ دعاء پڑھنی چاہیے۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف ص ۱۷۷ باب ما یقول اذا دخل الخلاء

ہیں حدیث ہے ”ان هذه الحشوش محتضرة“ کہ بیت الخلاء شیطان گاہیں ہیں۔ کما فی مشکوٰۃ الشریف ص ۳۱ ج ۱ فصل ثانی باب ہذا

یہ ہے کہ بنی آدم کی مقعد کے ساتھ شیطان کھینچتے ہیں یعنی لوگوں کی حاکمیت دوم [ ترجمہ اس کی طرہ مبذول کراتے ہیں کہ دیکھو وہ پاخانہ کر رہا ہے اس لیے دعاء ارشاد فرمائی کہ یہ کھینچنا ختم ہو جائے گا۔

”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي آدَمَ“ ابو داؤد شریف ص ۱۵ ج ۱ باب فی الاستنار، مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ج ۱ باب ہذا

یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت شیطان لعین انسانوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں جیسا کہ ”الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب“ ص ۵۵ ج ۲ میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ الخزرجیؓ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور جنات نے وہیں مار ڈالا اور جنات نے گیت گانا شروع کر دیا۔ چنانچہ مستدرک حاکم ص ۲۵۲ ج ۳ میں جنات کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:-

نَحْنُ قَتَلْنَا سَيِّدَ الْخَزَرِ ج سعد بن عبادہ  
رَمَيْنَاكَ بِسَهْمَيْنِ فَلَمْ تَخْطَ قَوْلًا دَا -  
واللہ سبحانہ اعلم!

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ ————— الْفَاطِرُ دُعَاءُ

تیسری بحث یہ ہے کہ الفاظِ دعا کون سے ہیں یعنی کون سی دعا پڑھنی چاہیے کیونکہ حدیث مذکور میں ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْغُبُثِ وَالْغُبَاثِ“ کے الفاظ ہیں۔ جب کہ مشکوٰۃ شریف ص ۳۱ ج ۱ فصل ثانی باب ہذا میں حضرت علیؓ کی روایت ہے جس میں <sup>واللہ</sup> کے الفاظ ہیں اِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ تو یہ تعارض ہوا۔ فَكَيْفَ يَذْفَعُهَا۔ اس تعارض کو مختلف جوابوں میں حل کیا گیا ہے۔

## جواب اول

بہ نظر عینی اگر غور کیا جائے تو یہ تعارض تعارض ہی نہیں۔ کیونکہ تعارض وہاں ہوتا ہے جہاں دو قوی و لیسلیں یک مقابل آجائیں جب کہ مقام ہذا پر یہ تقابل نہیں کیونکہ یہاں ایک و لیسل ضعیف اور دوسری قوی ہے۔  
 ”اللَّهُمَّ زَايَ أَعُوذُ بِكَ الْخَوِي حَدِيثٌ هُوَ لَيْسَ قَوِيٌّ وَلَا يَسْعَى اللَّهُ الْخَوِي ضَعِيفٌ حَدِيثٌ هُوَ - اس لیے صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا ہے :-

”وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِقَوِيٍّ“

لیکن یہ جواب قدرے کمزور ہے کیونکہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں مقبول ہے۔

یہ ہے کہ تقسیم کرے، کبھی استفادہ پڑے، کبھی تسمیہ پڑے۔ یا جمع ہی کر سکتا ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک تقدیم تسمیہ کو ہے

## جواب دوم

جب کہ بعض کے ہاں استفادہ کو ہے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ  
 قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اَللّٰهُمَا  
 لِيُعَذِّبَا بَانَ وَمَا يُعَذِّبَا بَانَ  
 فِي كَبِيرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا  
 فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ  
 وَفِي رَأْوَايَةٍ لِعُسْلِمٍ  
 لَا يَسْتَتِرُهُ مِنَ الْبَوْلِ  
 (کشف علیہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیے جا رہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیے جا رہے۔

ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا۔

قوله مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبر پر گزر ہوا۔ مقام ہذا پر بحث ہے کہ اہل قبور کون تھے ؟

حدیث باب میں مطلقاً مَرَّ بِقَبْرَيْنِ منقول ہے۔ بحث یہ ہے کہ یہ قبریں کافروں کی تھیں یا مسلمانوں کی

یہ اہل قبور کون تھے

اس میں رد قول ہیں :-

**قول اول** - حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابو موسیٰ الدیلمی کہتے ہیں کہ یہ قبریں کافروں کی تھیں۔ کذا فی کتاب الترویج ص ۵۷، نیسل الاوطار ص ۱۱۱ حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی ان کو کافر بتاتے ہیں۔ (تجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۱ ج ۱)

**دلیل اول** - مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ یہ دونوں شخص جاہلیت میں مرے تھے۔ "هَذَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ" جاہلیت سے مراد زمانہ کفر ہے تو وہ لوگ کفر کی حالت میں مرے تھے۔

**دلیل دوم** - یہ کہ اگر مؤمن ہوتے تو تخفیف عذاب نہ ہوتا رفع عذاب ہوتا۔  
**قول دوم** - محدث ابن القفار شرح العمدة میں، (امش نسائی) اور علامہ ابن العطارؒ کی رائے یہ ہے کہ قبر والے مسلمان تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے چنانچہ جمہور نے بھی قول دوم کو ترجیح دی ہے۔

**دلیل اول** - ابن ماجہ ص ۲۱۱ ج ۱ کی روایت میں ہے "مَنْ يَشْرِي بَنِي جَدِيدٍ يَنْزِلُ" اس سے پتہ چلا کہ یہ قبریں دور جاہلیت کی نہ تھیں۔

**دلیل دوم** - مسند احمد ص ۱۱۱ ج ۵ میں حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع کے قبرستان سے گزرے وہاں دو قبریں تھیں (مَنْ يَأْتِيهِمْ) اور جنت البقیع تو مسلمانوں کا قبرستان ہے۔ یہی روایت الترغیب والترہیب ص ۱۱۱ ج ۱ میں بھی ہے۔

**دلیل سوم** - روایت مذکور میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"مَا يَحْدُثُ بَنِي كَبِيرٍ" یعنی وہ کسی کبیرہ گناہ یا گناہوں کے اصل الاصول کفر و شرک کی وجہ سے مبتلائے عذاب نہیں تھے بلکہ وہ فردعی گناہوں رعدم احترازاً عن البول وارتکاب نعیمہ کی وجہ سے انہیں عذاب دیا جا رہا ہے۔ تو فروعات کا مکلف مسلمان ہے کافر اور منافق نہیں۔ فروعات کی کوتاہی کی سزا اس کو دی جاتی ہے جس نے اولاً اصول ایمان کو تسلیم کر لیا پھر ثانیاً آنحضرتؐ قبور پر شاخیں گاڑ رہے ہیں تاکہ عذاب میں تخفیف ہو، اور عذاب میں تخفیف مسلم کے لیے ہے کافر کے لیے نہیں لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ یہاں



**دلیل چہارم**۔ علامہ قاضی شمس الدین الہام الباری رحمۃ اللہ علیہ میں رقمطراز ہیں :-  
(روئی عن ابیہ ابن عباس مَن یقبول انصار جلد یدین) ص ۱۸۱  
کہ انصار اہل اسلام ہیں۔

## قول اول کے دلائل کے جوابات

**دلیل اول کا جواب** مستند احمد کی روایت ہلکا فی الجاہلیت سے دلیل پکڑی ہے کہ اہل قبور کافر تھے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن ابیہ راوی ہے جو متفقہ طور پر ضعیف ہے رفع الباری ص ۱۵۲ ج ۱

**دلیل دوم کا جواب** جس میں طرز استدلال یوں کیا گیا ہے کہ اگر مؤمن ہوتے تو تخفیف عذاب نہ ہوتا بلکہ رفع عذاب ہوتا تو جہر حضرات اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس جگہ تخفیف سے مراد رفع ہی ہے (رفع ای بخفف، نووی مشاہدہ ص ۱۲۴)۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان دونوں صاحبوں کے نام معلوم نہ ہو سکے بلکہ کسی روایت میں نام کی تصریح نہیں ملی۔ غالباً رواۃ نے مسلمان کی پردہ پوشی کے پیش نظر قصداً ایسا کیا ہے۔

**فائدہ**۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان میں سے ایک قبر حضرت سعد بن معاذ کی تھی۔ لیکن حافظ ابن حجر اس کی تردید کرتے ہیں۔

یقول ابوالاسعاد، تردید واقعی درست ہے کیونکہ حضرت سعدؓ وہ صحابی رسول ہیں جن کی موت پر عرشیں رجن اہل کر رہ گیا (ارہکتوا لعموتہا عرش الرحمن، اھتوا عرش الرحمن لعموت سعد بن معاذ (رداء البخاری ص ۵۲۶ ج ۱)

اور نسائی شریف ص ۲۸۹ ج ۱ وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں شریک تھے، اور بخاری شریف ص ۵۲۶ ج ۱ کی روایت میں ہے ”خبر کھراؤ سید کھراؤ: الیہ“ اور نبی علیہ السلام نے خود ان کا جنازہ پڑھایا اور دفن کے متصل قبر پر دعا فرمائی تو بھلا یہ حضرت سعدؓ کی قبر کیسے ہو سکتی ہے۔

قَوْلُهُ إِنَّهُمَا لَبَعُدَّ بَابٍ : هُمَا ضمیر کا مرجع بظاہر قبریں ہیں جب کہ قبر اس مکان  
الحد، کو کہتے ہیں جس میں میت رکھ دی جاتی ہے۔

## ارجاع ضمیر اور صنعتِ استخدام

یقول ابوالاعلیٰ سعاد : اس مقام پر سوال ہوتا ہے :-

سوال - بظاہر الفاظ حدیث اور ارجاع ضمیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب بھی قبر کو  
دیا جائے گا جو لحد اور مٹی ہے حالانکہ جرم تو صاحبِ قبر نے کیا ہے تو سزا بھی اسے ملنی چاہیے۔  
جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔

جواب - یہ ہے کہ یہاں مجاز بالحدوث ہے اور اسی مجاز بالحدوث کے اصول کے  
تحت هُمَا کی ضمیر صاحبینِ قبر کو راجع ہے گویا اصل عبارت یوں ہے :-

”مَرَّ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا أَيْ صَاحِبَيْ قَبْرَيْنِ“ اس کو صنعتِ  
استخدام بھی کہتے ہیں کہ جب ایک لفظ صراحۃً مذکور ہو تو اس کا ایک معنی ہوتا ہے اور جب اس  
کو ضمیر راجع کر دی جائے تو اس کا معنی لفظ کی مناسبت سے بدل جاتا ہے۔ کما فی محقق المعانی  
بدرج - اس کی تفسیر کلام عرب میں بھی ملتی ہے :-

اِذَا نَزَلَ السَّمَاءُ بِأَرْضٍ قَوْمٍ عَيْنَاهُ وَانْكَالُوا غَضَابًا

مصرعہ اول میں السَّمَاء سے مراد بارش ہے لیکن جب اس کو دوسرے مصرعہ کے عیناہ  
کی ضمیر راجع کر دی جائے تو مراد اس سے گھاس ہے۔ تو یہاں بھی قبریں کو ضمیر کے راجع ہونے  
کے پیش نظر قبریں کی مناسبت سے اس کا معنی صاحبی قبرین ہے۔

قَوْلُهُ مَا يَبْعُدُ بَابٍ فِي كَبِيرٍ : حدیث پاک کے جملہ مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ دونوں گناہ (نصیبہ، اور عدم تھڑی من البول) کبیرہ نہیں۔ جب کہ بخاری  
شریف ص ۲۴۱ ج ۱ کتاب الوضوء باب الکبائر ان لایستتر من بولہ میں اس کے بعد :-

فَقَالَ بَلَى اور بخاری شریف ص ۲۴۱ ج ۱ باب النصیحة من الکبائر میں فقال

یَعْدُ بَابٍ وَمَا يَبْعُدُ بَابٍ فِي كَبِيرٍ وَانْكَالُوا لکبیر کا اضافہ بھی منقول ہے تو حدیث کا  
آخری حصہ ”بَلَى وَانْكَالُوا لکبیر“ پہلے حصہ مَا يَبْعُدُ بَابٍ فِي كَبِيرٍ سے متعارض ہے اس  
کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔

**جواب اول** - پہلے آپ کو کبیرہ ہونے کا علم نہ تھا اس لیے نفی فرمادی پھر فوراً وحی آگئی کہ یہ کبائر میں سے ہیں تو مبتلا سے اثبات فرمادیا فلا تعارض۔

**جواب دوم** - یہ مخالفین کے نزدیک بڑے نہ تھے عند اللہ بڑے تھے جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے۔

”وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّئًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ“ (پہلا من النور)  
**جواب سوم** - یہاں کبیرہ بمعنی شاق ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ ”وَأَلْهَمَّا لَكُلِّبُورًا“  
 (الاعلیٰ الخاشعین) (پہلا بقرہ) یعنی گناہ تو کبیرہ ہے مگر ان سے پرہیز کرنا کوئی امر شاق و مشکل نہ تھا۔ حاصل عبارت یوں ہے۔

”لا یعدّ بان فی کبیرای فی امیر شاق یشق الاحقران عنہ“  
 اکثر محدثین حضرات نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔

یقول ابوالاسعاد ۱ اس نا اہل کے نزدیک اس جواب کو ترجیح ہے کہ (لنہ)  
 کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے۔ جیسا کہ موارد الکرمان ص ۱۱ کی روایت میں ہے۔  
 ”وَأَلْهَمَّا لِكُلِّبُورٍ عَذَابًا شَدِيدًا فِي ذُنُوبِهِنَّ“ یعنی گناہ بڑے نہ  
 تھے عذاب بڑا تھا تو تعارض نہ رہا، دونوں چیزیں الگ ہو گئیں۔

قولہ امّا اَحَدُهُمَا، تشریح عذاب کا بیان ہے۔ ہما کا ضمیر متوٰی میں سے  
 ایک کی طرف راجع ہے کہ ان فوت شدہ لوگوں میں سے ایک یہ کام کرتا تھا۔

قولہ فَكَانَ لَا یَسْتَوِی مِنَ الْبُتُولِ - یہاں روایات میں مختلف الفاظ ہیں۔  
 ”إِنْ شِئْتَ فَطَالِ لَلتَّفَصِيلِ مَعَارِكِ التَّنَجِیۃِ“ ۱۱ مٹت از خود ارے حاضر ہے۔  
 ”لَا یَسْتَوِی - لَا یَسْتَوِی - لَا یَسْتَوِی - لَا یَسْتَوِی - لَا یَسْتَوِی - سب کے  
 معنی ایک ہی ہیں کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے احتراز نہیں کیا کرتا تھا۔ بعض حضرات نے  
 لَا یَسْتَوِی کا معنی کیا ہے کہ پیشاب کے وقت ستر عورت کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔ دوسرا معنی  
 یہ بھی کرتے ہیں کہ پیشاب کرتے وقت اپنے اور پیشاب کے درمیان ستر کا اہتمام نہیں کرتا  
 تھا۔ یعنی پیشاب کے رشاش یعنی چھینٹوں کے تلوٹ سے اجتناب نہیں کرتا تھا گویا حدیث  
 باب میں لَا یَسْتَوِی بمعنی لَا یَحْتَسِبُ کے ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ اس لفظ کو دوسرے

طریق پر محمول کرتے ہوئے عدم التحرز ہی کے معنی لیے جائیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد نبویؐ ہے:-

”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه“  
(معارف السنن ۲۵۵ ج ۱)

## مِنْ بَوْلِهِ کا مفہوم عام ہے۔

يقول ابوالاسعاد، ترمذی شریف صلیح کتاب الطہارت باب التشدید فی البول میں بھی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں ”مِنْ بَوْلِهِ“ اضافت کے ساتھ اس لیے بعض کم فہم حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنے بول سے تحرز ضروری ہے نہ کہ ابوال غیر سے، اس لیے احقر عرض گزار ہے کہ مِنْ بَوْلِهِ کی مراد یہ نہیں کہ صرف اپنے بول سے عدم تحرز کی وجہ سے تعذیب ہوگی۔ بلکہ یہاں بول کی اضافت کا کی ضمیر کی طرف بوجہ ادنیٰ ملا بہت کے ہے۔ درندہ حقیقت مطلقاً تلویث بالبول سے تحذیر ہے خواہ بالغ کا ہو یا نابالغ انسان کا، یا عام حیوانات کے ابوال ہوں حدیث سب کو شامل ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف مقام ہذا پر من البول منقول ہے۔ اس کی تائید اس مشہور واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو نور الانوار (بحث العام) میں منقول ہے اور غالباً کوکب الہدیٰ نے بھی نقل کیا ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک صحابی کا عذاب قبر منکشف ہوا تو آپؐ نے ان کی بیوی سے اس صحابی کے اعمال کی تحقیق فرمائی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحب قبر چرواہا تھا اگائے بکریاں چراتا اور دوہ کرتا تھا، اگر ان کے پیشاب سے اجتناب کا اہتمام نہیں کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کو عذاب قبر دیا جا رہا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه“

اور اگر بالفرض مِنْ بَوْلِهِ سے اپنا بول ہی مراد ہو تب بھی دوسروں کے بول اور عام نجاسات سے احتراز کا حکم دلائل النص سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو شخص اپنے بول سے عدم احتراز کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہے جس سے اجتناب اور تحرز اس کے لیے مشکل تھا

تو غیر کے ابوال اور عام نجاسات سے تو بطریق اولیٰ عذاب دیا جائے گا کیونکہ ان سے اپنے کو بچانا اور محفوظ رکھنا سہل اور آسان ہے۔

قَوْلُهُ فَكَانَ يَمْشِي بِالْثَّمِيمَةِ - مُعْذِنِ حضرات کے ہاں نیمہ کی مشہور تعریف یہ ہے ” نقل کلام الفیہ علی وجہ الفساد والاضراس “ کہ آپس کے تعلقات خراب کرنے کی نیت سے ایک شخص کی بات دوسری جگہ نقل کرنا، عرف عام میں جسے چغل خوری کہتے ہیں۔ درنارسی سخن چینی کردن می گویند۔

چغل خوری حق العباد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک کہاؤں میں سے ہے۔ قرآن مقدس میں بھی اس خصیلت کی مذمت کی گئی ہے ” هُمَا زَنَ مَشَاۤءَ اِبْلِیْمِ “ پلا، در حدیث آمدہ کہ حق تعالیٰ نظر نمی کند بر کسے کہ درو یہ است۔

حضرت عسکریؑ نے حضرت کعبؑ سے پوچھا کہ تورات میں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے فرمایا قتل کے بعد نیمہ ہے۔ مگر بعض مقامات پر اس کی اجازت ہے جیسے دو مسلم بھائیوں کا افتراق مقصود ہو یا قتل کا ارادہ ہو تو اطلاع کے لیے چغل خوری کرنا جائز ہے۔

سوال - حدیث پاک کے جملہ مذکورہ میں یوں کیوں فرمایا کہ ” یَمْشِي بِالْثَّمِيمَةِ “ کہ وہ چلتا رہتا تھا ساتھ نیمہ کے بس اتنا فرمادیتے ” فَكَانَ بِالْثَّمِيمَةِ “

جواب اول - مبالغہ کرنا مقصود ہے کہ بس اس بندہ کا کام ہی صرف یہی رہ گیا تھا کہ ہر وقت ادھر کی ادھر، ادھر کی ادھر۔ یا کثیر الناس کے پاس چل کر جاتا اور نیمہ نقل کرتا۔ اس لیے یَمْشِي فرمایا۔

جواب دوم - یہ کلام محاورہ ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ” یہ شخص فلاں کام کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ “ لہذا فی ہذا المقام۔

پیشاب کی چھینٹوں سے عدم تحریر کو عذاب کیا مناسبت ہے؟ اس کی حقیقت تو اللہ

لَطِيفٌ بَدِيعٌ

ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ علامہ ابن نجیمؒ نے بحر الرائق ص ۱۱۱ ج ۱ میں اس کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ طہارت عن البول عبادات اور طہارت کی طرف پہلا قدم ہے، دوسری طرف قبر عالم آخرت کی پہلی منزل ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور طہارت

نماز سے مقدم ہے۔ اس لیے منازلِ آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں طہارت کے ترک پر عذاب دیا جائے گا۔ اس کی تائید شہم طبرانی کی ایک مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے۔

إِنَّمَا الْبَوْلُ فَإِنَّهُ أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْقَبْدُ فِي الْقَبْرِ وَنَارُ السَّنِّحِ  
قَوْلُهُ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدًا ثُمَّ طَلَبَ - أَخَذَ کا ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف ہے۔ جریدہ بمعنی عَصَا صَنِ الشَّجَرِ یعنی کھجور کی ٹہنی، سَطَبَ بمعنی تَرَدُّد تَارَهُ - عذاب کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تروتازہ کھجور کی ٹہنی پکڑی۔

”و گرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاخے را از خرماک تر بود را شعله القعات  
محتاج اباب ہذا“

طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ٹہنی لائے تو یہ تعارض نہ ہو گا۔ کیونکہ اصل روایت ابوداؤد شریف ص ۵۳ کتاب الطہارت باب الاستبراء من البول میں ہے جس سے تعارض ختم ہو جاتا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں ”ثُمَّ دَعَا بِحُسْبٍ سَطَبَ“ آپؐ نے حکم فرمایا سیدنا صدیق اکبرؓ کو کہ ٹہنی لاؤ! چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دربارِ اقدس میں ٹہنی پیش کی، پھر حضرتؐ نے اس ٹہنی کو پکڑ کر دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔  
قَوْلُهُ ثُمَّ عَثَرَ - اِی عَثَرَ یعنی گھاڑنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لمباٹی میں چیر کر ایک ایک کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دیں۔

قَوْلُهُ لَمْ تَصْنَعْتَ هَذَا - ضمیر هذا غزنا وغرس کی طرف ہے کہ

قبر پر یہ ٹہنیاں کیوں گاڑی ہیں؟

قَوْلُهُ لَعَلَّكُمْ أَنْ تَخَفَ مَا لَكُمْ يَكْسَا - آپؐ نے ارشاد فرمایا اتیر ہے کہ ان دو شخصوں سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے اس وقت تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

لَفْظُ يُخَفِّفُ اگر بصیغہ مجہول ہو تو ضمیر جامع ہوگی عذاب کی طرف اگر معروف ہو تو لَعَلَّكُمْ کی ضمیر کا مرجع یا تو اللہ تعالیٰ ہیں یا عیبِ رطب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تر شاخیں قبور پر گاڑیں اور فرمایا کہ اس سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ عذاب میں تخفیف کی وجہ

فَائِدَةُ أُولَى

کیا ہے اس میں دو قول ہیں :-

## قول اول

بعض محدثین حضرات کے نزدیک مَا لَمْ يَبْسُغْ بِمَاءٍ كَافٍ لَمْ يَسْتَأْذِنْ بِرَبِّهِ كَيْفَ تَحْفِيفُ اس وقت تک ہوگی جب تک یہ خشک نہ ہوں گی کیونکہ شاخ کا تر تازہ رہنا یہ علامت زندگی ہے، اور خشک ہو جانا علامت موت ہے تو تر تازہ شاخ خدا کے تسبیح بیان کرتی رہے گی۔ مخلات خشک کے کہ اس سے تسبیح ساقط ہے تو گویا کہ اصل تسبیح کی برکت سے تخفیف عذاب ہوگی۔

يقول ابوالاسعاد - یہ قول اس احقر کے ہاں غیر معتبر ہے کیونکہ تسبیح کرنا صرف شاخ تر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ شاخ خشک بھی تسبیح کرتی ہے۔ کہانی قولہ تعالیٰ :- «وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا لِنُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَالَّذِينَ لَا يَقْلَهُونَ كَسْبِيْهُمْ هُمْ رِجَالٌ عَلٰى عِلْمِهِمْ اَنْ اَوْشَا بِمَا حَبِطَ كَثْرِيٌّ» فرماتے ہیں کہ ہر شئی تسبیح کرتی ہے۔ خشک بھی، اثر بھی لیکن تسبیح کی نوعیت میں فرق ہے وہ فرماتے ہیں کہ کثری جب تک تر تازہ ہو تو وہ نباتات والی تسبیح کرتی ہے اور جب خشک ہو جائے تو وہ جمادات والی تسبیح کرتی ہے بہر حال نوعیت بدلتے رہنے سے بھی تسبیح جاری رہتی ہے۔

بمجموع حضرات کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تھی اور تخفیف کی سفارش کی تھی تو گویا کہ اصل تخفیف عذاب کا تعلق آپ کی دعاء مبارک سے ہے نہ کہ جرید رطب سے۔

## قول دوم

سوال - اگر تخفیف کا تعلق یا تخفیف کا سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش و دعاء ہے تو پھر یہ جرید تین کیوں رکھی گئیں؟  
جواب - علامہ مازریؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی تھی کہ جرید تین کے تر تازہ رہنے تک عذاب میں تخفیف رہے گی۔ یعنی جرید تین بطور علامت کے تھیں نہ کہ سبب تخفیف کے لیے تھیں۔

روایت مذکور سے بدعتیوں نے قبروں پر پھول چڑھانے کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ آیا ان کا استدلال کہاں تک

## فائدہ ثانیہ

درست ہے۔ مختصر دفاحت پیش خدمت ہے۔

## کیا قبور پر پھول چڑھانا شرعاً درست ہے؟

يقول ابوالاسعاد - اہل سنت وعین اور ومن التبعین نے حدیث پاک کے واقعہ مذکور سے قبور پر پھول چڑھانے کے جواز پر استدلال کیا ہے اور کہتے ہیں کہ اس فعل سے صاحب قبر کو فائدہ پہنچتا ہے حالانکہ یہ نعل نقلاً و عقلاً غیر شرعی ہونے کے ساتھ وَاِهْ لَيْسَ بِشَيْءٍ ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور شریعت مقدسہ میں کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ علامہ محدث عبدالحمق دہلوی فرماتے ہیں :-

وخطابی کہ از ائمہ اہل علم و قدودہ شرح حدیث است این قول را رد کرده است و انداختن سبزہ و گل را بر قبور بہ تشبہ باین حدیث انکار نموده و گفتہ کہ این سخن اصلاً ندارد و در صدر اول نموده را شیعۃ اللغات میں باب ہند

## فعل مذکور نقلاً بھی غیر شرعی ہے

میں کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی مبارک میں اشارۃ و کنایہ کہیں سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی قبر پر آپ نے اپنے دست مبارک سے پھول وغیرہ ڈالے ہوں یا ڈالنے کا حکم دیا ہو۔ بلکہ آپ نے دعا و استغفار کی تلقین تو کی ہے نہ کہ پھول وغیرہ چڑھانے کی تلقین کی چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۱ باب اثبات عذاب القبر میں حضرت عثمانؓ بن عفان کی روایت ہے :-

قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لخيركم ثم سلوا له بالتثبيت فاستموا الا ان يستأمنوا -

اس لیے شریعت مقدسہ کا بھی یہی حکم ہے کہ جب انسان شہر خورشید (قبرستان) سے گزرے تو ان پر سلام پڑھے اور ان کے لیے دعا و مغفرت کرے، اور پیغمبر علیہ السلوٰۃ والسلام



سے مردوں کے بارے میں ایصالِ ثواب اور ان کو نفع رسانی کے مختلف طریقے بیان فرمائے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ میت ڈوبنے والے کی طرح ہے جسے ایک تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے تم اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو، کسی کو ہستلایا کہ یہ باغ تم اپنے والد یا والدہ کی طرف سے صدقہ کر دو۔

اسی طرح نماز روزہ، حج، صدقات اور مختلف اعمال کے بارے میں ترغیبات دیں۔ لیکن یہ کہیں نہیں فرمایا کہ قبروں پر گل وریحان اگا کر اس سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے، عذاب سے تخفیف ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ ایک سستا اور بے ضرر نسخہ تھا جس سے ہمدقت زیادہ سے زیادہ فائدہ متوقع تھا۔

## فعل مذکور عقلاً بھی درست نہیں

اہلِ مستدین ومن الشیعین کہتے ہیں کہ پھول چڑھانے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل باطل ہے کیونکہ صاحبِ قبر یعنی میت کی چار حالتیں ہیں، اور چاروں کی چاروں حالتیں اس پر دال دماں ہیں کہ قبر پر پھول چڑھانے سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

حالتِ اولیٰ : صاحبِ قبر صرف جسم و جان ہے اس میں کسی قسم کی حیات نہیں تو اس حالت میں اب اسے گل وریحان اور رنگ برنگ پھولوں سے کیا نسبت۔

حالتِ ثانیہ : اگر صاحبِ قبر میں مشیتِ ایزدی کے تحت کسی قسم کی حیات ہے تو اتنے منوں مٹی کے بوجھ کے نیچے اسے کیا فائدہ۔ اگرچہ اس کی قوتِ شامہ کتنی قوی اور تیز

کیوں نہ ہو۔

حالتِ ثالثہ : اگر صاحبِ قبر مُطیع اور ناجی ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جو نعمتیں عطا فرمائے ہیں جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے کہ جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے وہ لطفِ اندوز ہوتا رہتا ہے تو جہنمی العالَمات کے مقابلہ میں اس طرف کیونکر مُتوجہ ہو گا۔

حالت رالبعۃ۔ اگر صاحب قبر عاصی اور مُعذَّب ہے تو اس کو تکلیف اور عذاب کی صورت میں یہ گل درمکان کیانائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ لہذا یہ سب کچھ تشبیہ ہے لبعبادۃ الاصنام۔ سوال۔ اگر کوئی آدمی گل درمکان وغیرہ نہیں چڑھاتا مگر خریدن و غیرہ کاڑتا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت ہے۔ آیا یہ بھی طریق مستدین میں شمار ہوتا ہے۔

جواب۔ جمہور علماء اہل امت اس کے قائل ہیں کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی اور کسی کے لیے ایسا کرنا دو درجہ سے درست نہیں۔ وجہ اولیٰ: یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا تھا کہ ان قبر میں عذاب ہو رہا ہے اب کسی کو یہ اطلاع کیسے ہو سکتی ہے کہ ان قبر میں عذاب ہو رہا ہے کیونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا۔ وجہ ثانیہ: ساتھ ساتھ حضرت کی ذات بابرکات کو یہ علم بھی دیا گیا تھا کہ شاخیں کاڑنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اب کس کو معلوم ہو کہ میرے شاخیں کاڑنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

سوال۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خریدن والا واقعہ خصوصیت نبوی ہے جسے عموم پر دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ مگر حضرت بریدہ بن الحصب کی وصیت کی روایت جو انہوں نے اپنے انتقال کے وقت کی تھی کہ میری قبر پر دو ٹہنیاں گاڑی جائیں۔ یہ روایت امام بخاری نے کتاب الجنائز میں بہ ترجمۃ الباب باندھ کر ذکر کی ہے۔

”بابُ الجَدیدَةِ تَحْلِی الْقَبْرِ“

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

فعل جائز تھا کہ صحابی رسول وصیت فرما رہے ہیں۔

جواب۔ حضرت بریدہؓ اسلمی کا وصیت کرنا ان کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ جو شریعت مقدسہ میں کوئی بُجھت نہیں رکھتا کیونکہ حدیث باب کے علاوہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ کسی اور شخص کی قبر پر ایسا کیا ہو۔ اسی طرح حضرت بریدہؓ اسلمی کے علاوہ کسی اور صحابیؓ سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے قبر پر شاخیں لگانے کو اپنا معمول بنالیا ہو یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جابرؓ سے بھی جو اس حدیث کے

راوی ہیں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے تخفیف عذاب کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔ اگر حضرات صحابہ کرامؓ اس کو جائز سمجھتے یا ان کے نزدیک یہ چیز قابل قبول ہوتی تو یہ عمل ان کے دور میں بہت زیادہ شائع و مانع ہونا چاہیے تھا۔ بلاشبہ اس کو نہ سنت کہا جاسکتا ہے اور نہ اس عمل کو بدعت سے بچایا جاسکتا ہے۔ جب کہ خلفاء راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے جنازوں کا مفصل حال اور وفات کے وقت ان کی وصیتیں سب کی سب سیرت کی کتب میں محفوظ ہیں لیکن کسی نے اس عمل کی ترغیب نہیں دی۔

» وَجْهَهُمُ الصَّحَابَةُ اُولٰٓئِ ان يَتَّبِعُوا۔ فَالْحَقُّ اَنْ يُعْطَلَ  
كُلُّ شَيْءٍ حَقًّا وَلَا يَجَاوِزُ عَنْ حَدِّ ۚ وَهُوَ الْفَقْهُ فِي الدِّينِ  
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ :

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو لعنتی کاموں سے بچو ! صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ لعنتی کام کون سے ہیں ؟ فرمایا وہ جو لوگوں کی راہ میں یا سایہ کی جگہ پر پاخانہ کرے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اتَّقُوا اللَّهَ عَيْنَيْنِ قَالُوا  
وَمَا اللَّهُ عَيْنَانِ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
قَالَ الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرَفَيْ  
النَّاسِ أَوْ فِي ظِلِّهِمْ (رواہ مسلم)

قَوْلُهُ اتَّقُوا۔ اے احذرو اور آوِ اجْتَنِبُوا بہر صورت اس سے بچنے کی کوشش کریں۔ قَوْلُهُ اللَّهُ عَيْنَيْنِ۔ یہاں معاف مقدر ہے یعنی اتَّقُوا فَعَلَ اللَّهُ عَيْنَيْنِ یا یوں بھی عبارت مقدر کی جاسکتی ہے » اِنَّ اِلٰهَ الْمَدِيْنَةِ سَبَبٌ لِلنَّاسِ وَالنَّشْرُ « اسمیہ کہ ذات لاعن سے بچنا مقصود نہیں بلکہ اس فعل سے بچنا ہے یا ان اسباب سے بچنا ہے لَعْنَةُ لَا يَعْنُ میں دو احتمال ہیں۔

لَا يَعْنُ اسم فاعل اپنے معنی میں ہے۔ اگر لَاَعْنُ کو اپنے معنی میں لیا جائے تو وہ اس لحاظ سے کہ یہ دو شخص (جن کا بیان آگے آ رہا ہے)

احتمال اول

چونکہ اپنے اختیار سے ایسا کام کر رہے ہیں جس پر لعنت مرتب ہوتی ہے تو گویا وہ خود ہی اپنے  
اد پر لعنت بھیجنے والے ہیں۔

لَا عَيْنٌ مِّلَعُونَ اِصْمُ مَفْعُول ہے اس۔ یہ کہ بسا اوقات  
فَاعِل مَفْعُول کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے دَسْرُ لَانَسْرُ  
یعنی مکتوم اِصْمُ اِصْمُ مَفْعُول ہے۔

قَوْلُهُ الَّذِي يَتَخَلَّى فِي طَرِيقِ النَّاسِ۔ بیان لا عینین ہے۔ صحابہ کرام  
نے پوچھا یا رسول اللہ لا عینین کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک رہ شخص جو لوگوں کے راستہ  
میں پاخانہ کرے۔

قَوْلُهُ يَتَخَلَّى۔ اِی یَبُولُ وَيَسْطُو وَيَنْجَسُ حَذِّ مِفْطَافِ کے ساتھ ہے  
اِی اِسْدَ هَمَّا تَخَلَّى۔

قَوْلُهُ فِي طَرِيقِ النَّاسِ۔ وہ راستے مراد ہیں جو لوگ آمد و رفت کے لیے استعمال  
کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ اَوْ فِي ظِلِّهِمْ۔ اِی فِي مَسْطَلِهِمْ، یعنی سایہ دار جگہیں اور ظِلِّهِمْ  
ہیں دیوار درخت ساکبان، سارے سائے شامل ہیں۔

یَقُولُ الْبُؤَالُ سَعَادُ: طَرِيقِ اور مَلِكِ کی اضافت ناس کی طرف یہ بتلانے کے لیے  
کی گئی ہے کہ راستہ سے مراد چالو راستہ ہے جس پر لوگوں کی آمد و رفت ہوتی ہو، اور اگر کوئی  
راستہ اور سڑک غیر آباد ہو، اور کو لوگوں کی آمد و رفت منتفع ہو چکی ہو تو وہ اس حکم سے  
خارج ہے علیٰ ہذا القیاس سایہ کا حکم بھی یہی ہے کہ جس سایہ سے لوگ منتفع ہوتے ہوں وہ  
مراد ہے مطلق سایہ مراد نہیں اس لیے کہ سایہ میں قضاء حاجت کی تکمیل خود شارع علیہ السلام  
سے ثابت ہے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ اشتراک علت کی وجہ سے اسی طریق اور  
مَلِكِ کے حکم میں سردی کے زمانہ میں دھوپ دار جگہ بھی داخل ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں دھوپ  
آتی ہے۔ وَالنَّاسُ بِتَشْمَسُونَ وَيَتَدَفَعُونَ بِهَا كَمَا فِي الْبِلَادِ الْبَارِدَةِ  
اور فی مَوْسِمِ الْبَارِدَةِ۔

سوال۔ لڑل و براز طریق الناس اور مَلِكِ میں نہ کرنے کی علت کیا ہے؟

**جواب :** علت ممانعت اذیت عوام الناس ہے یعنی مخلوق خدا کی ایذا رسانی کا سامان ہوتا ہے، اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مؤمن و مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کی تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔

مسئلہ ہر دینی فراماتے ہیں کہ اشتراکِ علت کی بنا پر پانی پینے کی جگہیں اور گھاٹ بھی اس میں داخل ہیں۔ و مثلہا موارد الماء وہی  
**فائدہ** طرقتہ کما فی روایت تاتی والاضا فتہ متدل علی کون المصلیٰ مباحا  
 فیکرہ واما اذا کان مملوکا رکما فی القضاء فیحرم قضاء الحاجۃ بفسیر  
 اذن مالک (مرقاۃ ص ۲۵ ج ۱)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابراہیمؑ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے اور جب پاخانہ جائے تو پیشاب گاہ کو داہنے ہاتھ سے نہ چھوئے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجہ کرے۔

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ  
 أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ  
 وَإِذَا آتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسُّ  
 ذِكْرَهُ بِيَمِينِهِ وَلَا يَتَمَسَّهُ  
 بِيَمِينِهِ (متفق علیہ)

**فائدہ** - حدیث باب کے تین اجزاء میں سے ہر جزہ کی علیحدہ بحث ہوگی، اسی طرح حدیث باب میں تین شرعی آداب بیان کیے جا رہے ہیں :-  
**جزء اول**

إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ کی بحث

قولہ فَلَا يَتَنَفَّسُ لَقَدْ تَنَفَّسَ کو دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے :-

اَوَّلُ مَجْزُوعٍ : تو اس وقت لانا ہیہ ہوگا۔  
دَوِّمُ مَرْفُوعٍ : فَلَا يَنْتَفِسُّ تَوَلَّى تَانِيَهُ ہوگا بمعنی لَا يَخْرُجُ نَفْسَهُ یہاں سے  
ادب اول کو بیان کیا جا رہا ہے۔

## ادب اول - پانی پینے کا شرعی طریقہ

حدیث باب میں پانی پینے کا شرعی طریقہ بیان کیا جا رہا ہے جس کو ادب اول سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم پانی پیتو تو برتن میں سانس نہ لو بلکہ سانس لیتے وقت برتن کو منہ سے الگ کر لو، اور ایک سانس میں پانی نہ پیو۔ ”کما جاء فی روایت ابی داؤد شریف: ”اِذَا شَرِبَ فَلَا يَشْرِبُ نَفْسًا وَاحِدًا“  
اس ادب پر عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس میں متعدد مصلحتیں ہیں۔

برتن میں سانس لینا، یہ حیوان اور چوپایوں کی عادت ہے۔  
مصلحت اول | وہ جب ایک مرتبہ پانی کے برتن میں منہ ڈال دیتے ہیں تو

پھر اس سے منہ ہٹانا نہیں جانتے، پانی بھی پیتے رہتے ہیں اور سانس بھی لیتے رہتے ہیں۔  
برتن میں سانس لینے کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ناک سے نکلنے

مصلحت دوم | ہوئی کوئی چیز بھی پانی کو مکث کر دیتی ہے اور وہ پانی دوسروں کی نظر میں پینے کے قابل نہیں رہتا بلکہ خود پینے والے کو بھی بعض اوقات پینے میں تکلف محسوس ہونے لگتا ہے۔ لہذا ان تمام چیزوں کی رعایت کرتے ہوئے شریعت مقدسہ نے ادب سکھایا ہے کہ سانس لیتے وقت برتن منہ سے الگ کر دیا جائے۔

## جُزْءُ دَوِّمُ

وَإِذَا أَلَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسُّ ذِكْرًا کی بحث

یہاں سے ادب ثانی کا بیان شروع ہے کہ پیشاب کرتے وقت داہنے ہاتھ سے عضو

مخصوص کو نہ چھو یا جائے یعنی غاہراً جملہ مذکور کا تعلق چھوٹے استنجا یعنی پیشاب سے ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایت ہے :-

”اذا بان احدكم فلا يأخذ ذكره بيمينه“ لہذا ادب ثانی کا تعلق صرف چھوٹے استنجا سے ہے۔ باقی رہی اس ممانعت کی علت تو ادب ثالث میں علت بیان کر دی جائے گی کیونکہ دونوں رادب ثانی و ثالث کا تعلق ایک ہی علت سے ہے۔

## جُزء سُّوم وَلَا يَتَمَسَّحُ بِيَمِينِهِ كِي بَحْث

آداب کے سلسلہ میں تیسرا ادب استنجا کے متعلق ہے کہ استنجا میں داہنے ہاتھ کا استعمال نہ کرو۔

## ادب سُّوم - داہنے ہاتھ سے استنجا کی ممانعت

لفظ وَلَا يَتَمَسَّحُ ، لَا يَسْتَنْجِي کے معنی پر محمول ہے کیونکہ بخاری شریف کی روایت میں جو الفاظ اس پر وال ہیں (وَلَا يَسْتَنْجِي بِيَمِينِهِ) ادب ثالث میں داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی کراہت بیان فرما رہے ہیں۔ اصحاب علو اہر اس کی حرمت کے قائل ہیں جب کہ جمہور حضرات کے نزدیک یہ بھی تنزیہ کی ہے کیونکہ اس کا تعلق آداب سے ہے۔

ثانیاً ابو داؤد و شریف ص ۱۷۱ کتاب الطہارت باب الاضطر من من الذکر میں حضرت علقمہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں ”هَلْ هُوَ إِلَّا مَضْغَةٌ مَنْسُ“ تو یہ روایت دلالت کر رہی ہے کہ من ذکر لول کی حالت کے علاوہ جائز ہے۔ علت یہی محدثین حضرات نے مختلف بیان فرمائی ہیں۔

## عِلَّتِ نَهَىٰ ۱

کراہت کی علت اول یہ ہے کہ قدرت نے دہنۂ ہاتھ کو  
 ہائیں ہاتھ پر نفیلت اور شرافت دی ہے۔ نیز یہ کہ شریعت  
 نے » اعطاء کل ذی حق حقہ « ہر مستحق کو اس کا حق دینے کا اہتمام کیا ہے  
 اس لیے دہنۂ ہاتھ کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے ادنیٰ اور ارذل کام نہ لیے  
 جائیں بلکہ ایسے کاموں کے لیے بایاں ہاتھ موزوں ہے۔

## عِلَّتِ نَهَىٰ ۲

تذکیر الخسب شریعت مقدسہ نے اکل و شرب کے لیے دائیں  
 ہاتھ کو معین فرمایا ہے، اگر کوئی انسان دائیں ہاتھ کو استنجاء  
 کے لیے استعمال کرتا ہے۔ بعدہ بوقت اشتہاء پھر اسی ہاتھ کو اکل و شرب استعمال  
 کرے گا تو بوقت استعمال اس کو یہ بات یاد آئے گی کہ میں نے اسی سے تو استنجاء کیا تھا  
 تو طبیعت میں ایک قسم کی نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اسی بنا پر شریعت مقدسہ نے تقسیم کار فرمایا  
 بِقَوْلِ الْبَوَاكِ سَعَاد : صوباء زام فرماتے ہیں کہ اسی طرح زبان و آنکھ و کان  
 کو گناہوں میں استعمال نہ کرے کیونکہ یہ چیزیں اللہ کا ذکر کرنے اور قرآن مقدس  
 دیکھنے سننے کے لیے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ  
 فَلْيَسْتَنْشِئْ وَمَنْ اسْتَجْمَرَ  
 فَلْيُؤْتِرْ (متفق علیہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ لے آیا رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وضو کرے  
 وہ ناک میں پانی لے اور جو استنجاء کرے  
 وہ طاق کرے۔

قَوْلُهُ فَلْيَسْتَنْشِئْ۔ یہ استنشائ سے ماخوذ ہے اس کی ضد استنشاق  
 ہے یعنی ذکر استنشاق مستلزم ہے استنشاق کو۔ جمہر حضرات کے نزدیک دونوں میں فرق ہے  
 استنشاق کہتے ہیں داخل الماء فی الانف، پانی کو ناک میں داخل کرنا اس کی ضد استنشاق ہے  
 استنثار کہتے ہیں رطوح الماء من الانف، جو پانی ناک میں داخل کیا تھا اس کو زور سے



نکالا۔ استنشق و استنثار کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ یہ سنن وضو کی بحث میں بیان ہوگا۔  
 قَوْلُهُ اسْتَجْمَرَ۔ ای من استنجی بالجمرۃ وہی الحجر، یعنی اخصی  
 سے استنجا کرنا۔ اس کا تعلق نہ کفن کی دھوئی سے ہے اور نہ زمی جرات کے مسئلہ سے  
 مزید تحقیق قَدْ مَرَّانْفًا فی الحدیث سلمان فارسی۔  
 قَوْلُهُ قَلْبُوتَرٍّ، ای ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا الخ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
 انسؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ  
 علیہ وسلم جب پاخانہ جاتے تو میں اور  
 ایک لڑکا پانی کا برتن اور برچھا لیتا آپ  
 پانی سے استنجا کرتے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءُ فَأَخْلُ  
 أَنَا وَغُلَامٌ أَدَاوَةٌ مِّنْ مَّاءٍ  
 وَعِزَّةٌ يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ  
 (سنن علیہ)

قَوْلُهُ يَدْخُلُ۔ بمعنی یَدْخُلُ هَب : کہ جب آپ تشریف لے جاتے۔  
 قَوْلُهُ الْخَلَاءُ۔ غلام سے مراد فضا رہے یعنی تقاضا کرے کہ اور روایت ہے  
 (کان اذا خرج لحاجته، ثانیاً قرینہ حمل العزۃ اور پانی ہے جو طہارت کا ملہ کے  
 حصول کے لیے ہے۔

قَوْلُهُ غُلَامٌ۔ غلام مقابل عُر نہیں بلکہ غلام سے مراد جنس مذکر ہے۔ غلام کا  
 اطلاق غلام سے کرات سال تک ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پیدائش سے لے کر  
 بلوغ تک۔ تعین غلام میں تین روایتیں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ۔ حضرت بلالؓ، حضرت  
 عبداللہ بن مسعودؓ۔ حافظ ابن حجر اور امام بخاریؒ کے نزدیک غلام سے مراد حضرت  
 عبد اللہ بن مسعودؓ ہیں۔

یَقُولُ ابوالاعلیٰ سعاد۔ تعین غلام میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مراد لینا چند  
 وجوہ سے مشکل ہے :-

أَوَّلُهُ : غلام کا اطلاق ایسے لڑکے پر ہوتا ہے جس کی مسیں بھیگی ہوں (طہر شاہ)

یعنی بمنزہ اگنے والا ہو۔ جب کہ حضرت ابن مسعودؓ دارمعی دے رہے تھے۔  
 ثانیاً: ابو داؤد شریف مشحون کتاب الطہارت باب فی الاستنجاء بالمار میں  
 جو روایت ہے اس کے الفاظ ہیں ”وہو اصغرنا“ واضح ہے کہ وہ بڑا کام میں  
 سب سے زیادہ کم عمر تھا۔ جب کہ حضرت ابن مسعودؓ کبریا صحابہ کرامؓ میں ہیں۔  
 ثالثاً: بعض روایات میں ”مِنَ الْأَنْصَارِ“ کی تصریح ہے اور حضرت عبداللہ  
 بن مسعودؓ انصاری نہیں بلکہ مہاجرین میں سے ہیں۔

ان وجوہات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 خدام میں سے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی یہ خدمت سرانجام دیتے  
 تھے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صاحب النعلین، صاحب الطہور، صاحب الوسادة  
 کے لقب غیر سے ملقب تھے۔

قَوْلُهُ أَدَاوَةً۔ ہٰی ظَوْنٌ مِّنْ جِلْدٍ۔ چمڑے کی مشکیزہ جیسے دھوہ کے پانی  
 کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلم شریف کتاب الطہارت باب الہٰی عَنِ اسْتِجْاؤِ  
 میں روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ”غَلَامٌ مَّقْدَمِضَاةٌ“ یعنی دھوہ کا برتن  
 جس میں دھوہ کے بقدر پانی سما سکے۔

قَوْلُهُ عَسَنَةً: اس کے اعراب میں دو قول ہیں :-  
 اَوَّلٌ: عَسَنَةً منصوب عطف پڑے گا اَدَاوَةً پر اصل عبارت یوں ہے :-  
 ”اٰی اَحَدَنَا یَحْمِلُ الْعِدَاوَةَ وَالْآخِرَ الْعَسَنَةَ“

دوم: عَلَامَةٌ طَبِیْعِی کے نزدیک بفتح العین والزار ”مِنَ الْعَصَاءِ وَاقْصَرُ مِنَ الرِّمَحِ  
 فِیْهَا اسنان“ جس کو برہمی کہتے ہیں۔

منیزہ عسزہ اس لائحہ کو بھی کہتے ہیں جس پر لوہے کی شام لگی ہو۔ اور عسزہ ساتھ  
 رکھنے کے متعدد لواؤں سے چنید ایک ملا حلقہ فرمادیں۔

ع: تقاضا کے وقت عسزہ اس لیے ساتھ لے کر جاتے کہ اس سے زمین کو کھود کر  
 نرم کر دیا جائے تاکہ پیشاب اس پر کرے جس کی وجہ سے لباس اور وجود رشاش البول  
 سے محفوظ رہیں۔

ع۲ : ڈھیلے حاصل کرنے کے لیے ساتھ رکھتے تھے تاکہ سخت زمین سے بھی ڈھیلے کھود کر استعمال کیے جاسکیں۔

ع۳ : نماز کے وقت سترہ بنانے کے لیے کہ اگر سترہ کی ضرورت پیش آجائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب استنجا فرماتے تو وضو فرماتے۔  
”وَإِذَا تَوَضَّأَ صَلَّى“

ع۴ : موذی جانوروں کو مارنے کے لیے یا دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے ساتھ رکھتے دغیرہ وغیرہ۔

یقول ابوالاسعاد : یہ سب باتیں ممکن تو ضرور ہیں اور موقع بہ موقع برہمی سے بھی یہ کام لیے جاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ رکھنے کا اصل مقصد اسے قرار نہیں دیا جاسکتا پھر پانی کے ساتھ بیان کرنا اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس کا مقصد اصلاً ڈھیلے حاصل کرنا تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی اور ڈھیلوں کا جمع کرنا پسندیدہ تھا جیسا کہ اہل قباد کے متعلق حدیث پاک میں ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پسندیدہ چیز کو چھوڑتے نہ تھے اس لیے اس کا اصل مقصد ڈھیلے نکالنا ہی قرار دینا چاہیے۔

## استنجا بالماء اور ائمہ کا مسلک

اس بارے میں کہ استنجا بالماء شرعاً کیسے ہے اس میں دو مسلک ہیں :-  
**مسلک اول :** بعض حضرات کے نزدیک استنجا بالماء مکروہ ہے ابو عبیدہؓ، حضرت سعید بن المسیبؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ بلکہ ابن حبیب مائیکہؒ کے نزدیک تو استنجا بالماء ناجائز ہے۔

**دلیل اول نقلی :-** مصنف ابن ابی شیبہ میں بسند صحیح حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ ان سے پانی سے استنجا کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے جواب دیا ”اذا لا یزال فی یدی منقن“ یعنی پانی سے استنجا کرنے کے بارے میں خرابی یہ ہے کہ ہاتھ میں کدو باقی رہ جاتی ہے۔

**دلیل دوم نقلی**۔ نافع حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ وہ پانی سے استنجاء نہ کرتے تھے۔ ابن زبیرؓ فرماتے ہیں **« مَا كُنَّا نَفْعَلُهُ »** ہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ (ایضاح ص ۱۲ ج ۲)

**دلیل سوم نقلی** جس طرح استنجاء بالروث والعظام اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں جنات کی منفعت ہے اسی طرح مار بھی نافع بلکہ روث اور عظام کی نسبت انفع ہے اس سے بطریق اولیٰ استنجاء ممنوع ہونا چاہیے یعنی جب جنات کی تذار میں یہ احتیاط اور ادب ملحوظ ہے تو انسان کی غذار میں بدرجہ اولیٰ اس کی رعایت ہوتی چاہیے۔

**مسئلہ دوم**۔ جمہور علماء امت استنجاء بالمار کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک ہر ایسی چیز جو حجر کے قائم مقام ہو اس سے استنجاء جائز ہے اور اس کا استعمال شرعاً حرام نہیں۔

**دلیل اول حدیث جریرؓ**۔ جس کی تخریج امام نسائیؒ نے کی ہے :-  
**قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِ الْخَلَاءُ نَفَضُوا الْحَاجَةَ شَرَقًا قَالَ يَا جَدِثُ هَاتِ طَهُوْرًا فَإِتْبِئْهُ بِالْمَاءِ**  
**فَاسْتَنْجَى بِالْمَاءِ** نسائی شریف ص ۱۱ ج ۱ کتاب الطہارت باب دلك البید بالارض بعد الاستنجاء

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضا فرمایا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر حضرت جریرؓ سے پانی مانگا، اور پانی سے استنجاء کیا۔

**دلیل دوم حدیث باب**۔ جو استنجاء بالمار میں صبح ہونے کے ساتھ مرتب بھی ہے۔

**دلیل سوم روایت ابی ہریرہؓ**۔ جو استنجاء بالماء کی تصریح پر دلالت ہے  
**« قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتَى الْخَلَاءَ اتْبِئْهُ بِمَاءٍ**  
**فِي تَوْبَةٍ أَوْ رُكُوعَةٍ** مشکوٰۃ شریف ص ۱۱ ج ۱ باب ہذا

## مُنکرین استنجاء بالمار کے دلائل کے جوابات

جوابات کے شروع ہونے سے قبل ایک فائدہ ملاحظہ فرمادیں جو ایک قانونِ کلی کی حیثیت رکھتا ہے۔

مؤرخین حضرات کے ہاں یہ متفقہ اصول ہے کہ حدیث صحیح و صریح کے مقابلہ میں کسی صحابی رسولؐ کا کوئی قول و فعل خواہ کتنا ہی اہم

### فائدہ

اور ضروری کیوں نہ ہو کوئی حجت و حیثیت شرعی نہیں رکھتا۔ بلکہ مسئلہ یہاں تک ہے کہ اگر کوئی آدمی صحابی رسولؐ کے قول و فعل پر عمل کرتے ہوئے کسی صحیح حدیث پاک کو چھوڑتا ہے تو تارکِ حدیث و منکر حدیث کہلائے گا چنانچہ یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ حضرت حذیفہؓ کا قول یا حضرت ابن عمرؓ کا عمل ہے حدیث کے مقابلہ میں ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

حدیث پاک میں ہے کہ جب اہل قبار کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :-

”فَیَسِّرْ لِّرِجَالٍ أَنْ یَسْطَرُّوا وَ اِنَّهُمْ یُحِبُّونَ الْمُرَاطَبَةَ“

تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے پاس تشریف لے گئے اور ان کی طہارت کے بارے میں پوچھا تو ان لوگوں نے بتلایا کہ ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت کے لیے غسل کرتے ہیں اور استنجاء پانی سے کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا بس مدح کی یہی بات ہے ”فعلیکموا“ اسی کو لازم رکھو۔

مصنف ابن ابی شیبہؒ میں حضرت حذیفہؓ کے قول

”اِذَا لَا یَزَالُ فِیْ یَدِیْ مَسْنُوٌّ“ کا تعلق ہے۔ تو

### دلیل اول کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ کا یہ مقصد نہیں کہ استنجاء بالمار ناجائز ہے بلکہ آپؐ کے ارشاد کا منشاء صرف اور صرف یہ بتلانا ہے کہ بغیر اُچھلے استعمال کیے اگر استنجاء بالمار کیا جائے تو اس صورت میں نجاست کے باریک اعضاء کی وجہ سے اخراجات رہ جاتے ہیں اور ہاتھ میں بو پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ ایک حقیقتِ حال بیان کر رہے ہیں اس سے استنجاء بالمار کا انکار تو ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ عین منشاء شریعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم استنجاء

کے بعد نلک بالیدہ فرمایا ہے تاکہ نجاست کے باریک اجزاء کا ازالہ کیا جاسکے (شعور مسخ  
یَدُهُ عَلَى الْأَرْضِ)

حضرت ابن عمرؓ کا عمل جو حضرت نافعؓ سے منقول ہے

اس سے چند وجوہ کی بنا پر دلیل پکڑنا درست نہیں

### دلیل دوم کا جواب

اولاً: حضرت ابن عمرؓ کا ذاتی فعل ہے جو شرعاً کوئی حجت نہیں۔  
ثانیاً: اگر بنظر عمیق اس پر غور کیا جائے تو اس میں بھی عدم جواز کی تصریح نہیں ہے بلکہ صریح  
یہ ہے کہ وہ اسے غیر ضروری سمجھتے تھے نہ کہ ناجائز۔

ثالثاً: یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی ذاتی حالت و کیفیت کو مد نظر رکھتے ہوئے "مَا  
كَثُرَ فَعَلُهُ" فرمایا ہو کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کی خوراک بالکل قلیل و خشک  
ہوتی، جس کی وجہ سے ان کا پاخانہ بکری کی میٹگینوں کی طرح ہوتا تھا۔

«وَأَنَّ كَأَنِ احْتَدْنَا لِيَضَعَ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَا لَمْ يَخْلُطْ» مشکوٰۃ شریف ص ۵۶ ج ۲

باب مناقب العشرة فصل ثالث

تو اس صورت حال میں واقعی استنجاء بالمدار کی ضرورت نہیں رہتی۔ خصوصاً جہاں پانی  
کی قلت ہو بلکہ اکتفاء علی الجار ہی کافی ہے۔

جس میں استنقاء کو علت بنا کر رد کیا گیا ہے کہ اس میں مشرود بیت

کی علت ہے۔ اس لیے استعمال ممنوع ہونا چاہیے۔ اس کا

### دلیل عقلی کا جواب

جواب یہ ہے کہ صحیح ہے کہ واقعی پانی میں مشرود بیت کی صفت ہے۔ لیکن رب ذوالجلال والاکرام  
نے مشرود بیت کے ساتھ لہوریت کی بھی صفت رکھی ہے۔ اگر مشرود بیت کی علت کو مد نظر رکھتے ہوئے  
استنقاء بالمدار غیر صحیح ہے۔ تو پھر لہوریت والی صفت کا بھی انکار کرو کہ اس سے کپڑے وغیرہ، غرض  
ارد و دیگر اشیاء کا غسل بھی مشروع ہونا چاہیے مگر اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ماحوجوا بلکہ فہو  
جوا جہنا۔

يقضون الجوا والسعاد : دلیل عقلی کا جواب بہر حال ایک قیاسی جواب ہے۔ یہاں

مخالفین کے قیاس کے مقابلہ میں اسی نوعیت کے قیاس کی ضرورت باقی نہیں رہتی جب کہ خود

قرآن مقدس میں ماء کا حکم وضاحت سے منصوص ہے «وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

ظہورِ ربّی) طہارت کے بجائے طہور کا صیغہ مستعمل ہوا ہے۔ قرآن مقدس نے  
مبارک فی الطہارت سے پانی کی غایت ازالہ نجاسات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

## الفصل الثانی : یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
النس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
جب پاخانہ جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار  
دیے۔

عَنْ النَّسِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا  
دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ  
(بہارہ البوہاد)

قولہ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ - ای اسرار دخولہ : داخل ہونے سے قبل  
لابعد - قولہ نَزَعَ ، نَزَعَ بمعنی اَخْلَعَ کے ہے یعنی اتارنا۔ کافی قولہ تعالیٰ -  
« يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا » (پٹ)  
قولہ خَاتَمَهُ - بفتح الشاء لا یُکْسَرُهَا۔

طہارت کے آداب بیان کیے جا رہے ہیں  
مقصود بیان الحدیث | مسجد آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ اگر  
کسی نے انگوٹھی پہن رکھی ہے جس میں اللہ یا رسول اللہ کا نام مبارک ہو تو اس کو بیت الخلا  
میں جانے سے پہلے اتار کر رکھ دیا جائے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا  
جانے کا ارادہ فرماتے تو اپنی خاتم مبارک باہر اتار کر رکھ دیتے۔ اور یہ اس لیے کہ آپ کی  
انگوٹھی مبارک میں « مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ » لکھا ہوا تھا اس میں انگوٹھی کی کوئی شخص  
نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز یا کاغذ جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا ہو مثلاً دراہم و دنانیر کے ساتھ  
بھی یہی معاملہ کیا جائے بلکہ اگر ذکر اللہ کے علاوہ مطلق حروف بھی اس میں لکھے ہوئے ہوں  
وہ کیسے ہی ہوں تب بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔ اس لیے کہ حروف اللہ تعالیٰ کے کلام اور  
اسماء گامادہ ہیں۔ اس حیثیت سے مطلق حروف بھی قابل احترام ہیں۔ علامہ ابہری بزرگ  
فرماتے ہیں کہ باقی انبیاء کرام اور ملائکہ کے اسماء گرامی کا حکم بھی یہی ہے۔

قَوْلُهُ قَالَ أَبُو دَاوُدَ هَذَا أَحَدٌ يَشْكُرُ : حدیث مسند کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں ابو عبد اللہ امام ابن یحییٰ ابن دینار از دی ہیں مگر ہمام کی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے توثیق و تعریف کی۔ اس لیے امام ترمذیؒ نے اسے احسن و صحیح فرمایا غرضیکہ ہمام میں اختلافات ہے بعض نے ان پر جرح کی، بعض نے توثیق اور تعدیل اس کی کمال بحث ہندہ نے فتح الباری میں کیا اور ابوداؤد۔ کتاب البیارات باب الخاتم بکون فیہ ذکر اللہ بدخل بہ الخلاہ میں کر دی ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُطْلِعْ !

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتْ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا أَرَادَ الْبَرَاءَةَ انْطَلَقَ حَتَّى  
لَا يَرَاهُ أَحَدٌ - (رواه ابوداؤد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پاخانہ جانے کا ارادہ کرتے تو وہاں جلتے جہاں آپ کو کوئی نہ دیکھتا۔

قَوْلُهُ الْبَرَاءَةُ : بفتح الباء ای القضاء الحاجت یعنی قضاء حاجت۔  
قَوْلُهُ انْطَلَقَ : ای ذهب، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضاء حاجت کے لیے جاتے تو دوری اختیار فرماتے۔ یعنی آبادی اور لوگوں سے۔ اب یہ کہ کتنی دوری اختیار فرماتے اس حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ «حتی لا یراه أحد» اتنی دوری اختیار فرماتے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ اور استنجاء کے وقت کسی کی نظر نہ پڑے معارف السنن میں جمع الفوائد کے حوالے سے لکھا ہے کہ طبرانی کی ایک روایت میں اس کے بعد کی مقدار میلین کے ساتھ بیان کی ہے یعنی دو میل کے قریب۔

## الْبُعَادُ فِي الْبَرَاءَةِ حِكْمَتُ

محمد ثنین حضرات نے بحث کی ہے کہ البعاد فی البراء (یعنی دوری) تقاضا کے وقت کی حکمت کیا ہے تو اس میں متعدد حکمتیں ہیں۔



اول : آپ کا ابعاد حصول تسر کی غرض سے ہوتا تھا تاکہ ستر کامل رہے جیسا کہ معتب فی القبرین کے بارہ میں حدیث پاک میں ہے "کان لا یستقر من البیول" کہ نقاضا کے وقت ستر نہیں کرتے تھے۔

یقول ابوالاسعاد : موجودہ دور میں آبادی کی کثرت اور وسعت کے پیش نظر اگر شہری آبادی میں کامل تسر حاصل ہو جائے تو پھر ابعاد کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کمافی نہ مننا ملنا ما قال النوویؒ۔

دوئم : ریح مع الصوت کے غرض میں جو طبعی کراہت محسوس کی جاتی ہے۔ ابعاد میں عام لوگوں سے دور ہو جانے کی وجہ سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔

سوئم : ابعاد میں یہ بھی ایک حکمت ہے کہ آبادی والوں سے تکلیف دور رہے۔ یعنی آبادی والوں کی بھی مصلحت ہے کہ گندگی ان سے دور رہے گی۔

یقول ابوالاسعاد : گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل راتھ کر میرے محفوظ تھے بلکہ آپ کے خصائص میں سے یہ بات منقول ہے کہ آپ کا فضلہ زمین پر پڑا ہوا نہیں دیکھا گیا، زمین اس کو نگل لیتی تھی یعنی فقط تعلیم امت مقصود ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی موسیٰ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کا ارادہ کیا تو دیوار کی جڑ میں نرم زمین پر گئے، پھر پیشاب کیا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بھی پیشاب کرنا چاہے تو پیشاب کے لیے نرم جگہ ڈھونڈے۔

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ  
كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَأَرَادَ  
أَنْ يَسْبُولَ فَأَقْبَى دُمُشًا فِي  
أَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ شَوْ قَالَ  
إِذَا أَمَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يَسْبُولَ  
فَلْيَرْتِدْ لِيَوْلِهِ (مسند ابوداؤد)

قولہ ذَاتَ يَوْمٍ : اصل میں اَيَّ يَوْمًا تھا۔ لفظ ذَات زائد ہے بعض حضرات کے نزدیک مطلق وقت سے کنایہ ہے "اَيَّ كُنْتُ يَوْمًا أَوْ سَاعَةً يَوْمٍ مَعَكُمْ"

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

قولہ دَمِشًا - تسکین میم و تحر یک میم یعنی کسرہ درون اعراب صحیح ہیں۔  
 در هوا برض الرخوة ای السهلة : یعنی نرم زمین لغت رخوة نرم زمین کو کہتے ہیں  
 جس میں پانی جلدی سے جذب ہو جاتا ہے۔

يقول ابوالاسحاق : دَمِشٌ كَالِاطلاقِ مجازاً اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو نرم خو  
 اور نرم مزاج ہو۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مبارک میں وارد ہے "دَمِشٌ  
 لیس بالجمافی ای کان لیتین الخلق کما فی الذہر۔

قولہ فی اصل جدار - من البعض اصل یعنی قریب ہے مگر جمہور حضرات کے  
 نزدیک اصل جدار اُفعل جدار کے معنی میں ہے۔ جس کو جڑ و اساس کہتے ہیں۔  
 سوال : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیلے اصل جدار کا انتخاب  
 کیوں فرمایا؟

جواب اول - اصل جدار کا انتخاب ستر کامل کے لیے تھا کہ آگے آڑ رہے گی اور  
 تقاضا بھی ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ اگر آپ  
 پیشاب کرنا چاہتے اور کوئی آڑ نہ ہوتی۔ ڈھال آگے رکھ کر آڑ بنالیتے اور پیشاب کرتے۔  
 "وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْقَاصِ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ  
 وَمَعَهُ دَرَقَسَةٌ شَعْرًا شَعْرًا يَهْلِكُ شَعْرًا بَكَارٍ (ابوداؤد شریف)

جواب دوم - اصل جدار کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ وہ جگہ نرم اور سہل ہوتی ہے  
 جس سے پھینٹنے نہیں آتے اور ساتھ ساتھ پیشاب کے آگے پیچھے پہننے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا  
 بلکہ نرم زمین اس کو جذب کر لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ سابقاً حدیث پاک میں مذکور ہے کہ  
 آپ کے ساتھ عترہ (یعنی برچھا) ہوتا اور پیشاب کے لیے نرم زمین بنائیتے تھے۔ اسی لیے  
 حدیث مذکور میں بھی فَلْيُرْتَدَّ کا حکم دیا جا رہا ہے۔

قولہ فَلْيُرْتَدَّ : اس کا مصدر ارتداد ہے "ارتداد یرتد ارتداداً اور مجرد  
 میں راد یرود رتداً اور یاداً" آتا ہے جس کے معنی طلب کرنے کے ہیں یعنی یطلب لہ  
 مکاناتاً مہللاً نرم زمین تلاش کرنا۔

**سوال** - حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے "حَتَّى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ" اتنا دور تشریف لے جاتے کہ کوئی بھی آپ کو دیکھ نہ سکتا۔ جب کہ روایت حضرت ابی موسیٰؓ میں کہ اصل جدار میں بیٹھ کر پیشاب کیا تب بعد اختیار نہیں فرمایا یعنی دلوں بعد ہے اور یہاں قرب ہے تو یہ تعارض کیوں ہے؟

**جواب اول** حضرت جابرؓ کی روایت براہِ رِیاءِ غانہ کے متعلق ہے جس کے لیے زیادہ تکشف کی ضرورت پیش آتی ہے اور روایت حضرت ابی موسیٰؓ بول (پیشاب) کے متعلق ہے جس میں معنوی تکشف سے ہی تقاضا پورا ہو جاتا ہے اور بعد کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس وجہ سے قرب اختیار فرمایا۔

**جواب دوم** اصل جدار کا واقعہ تبلیغ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ فرما رہے تھے کہ اثنائے تبلیغ پیشاب کا تقاضا ہو گیا اگر آپ اثنائے تبلیغ بعد اختیار فرماتے تو جمع منتشر ہو جاتا اور تبلیغ مکمل طور پر نہ ہوتی۔ اس لیے بعد کے بجائے قرب کو اختیار فرمایا۔

**سوال** - یہ کہ پیشاب کے اندر تیزی اور شوریّت ہوتی ہے جس سے دیوار کی بنیاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو آپؐ نے دوسرے کی دیوار کی جڑ میں کیوں پیشاب فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آپؐ کی شان سے یہ بعید ہے کہ آپؐ سے کسی کو نقصان پہنچے۔

**جواب اول** عہدِ خطائیؑ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دیوار کی جڑ میں بیٹھ کر پیشاب فرمایا، وہ دیوار کسی کی ملکیت میں نہیں تھی بلکہ عادی رپائی تھی۔ جسے عرف عام میں کھنڈرات کہتے ہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہونے۔

**جواب دوم** ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار سے ہٹ کر بیٹھے ہوں جہاں سے پیشاب دیوار کی جڑ تک نہ پہنچ سکے لیکن راوی نے قرب کی وجہ سے اس کو مجازاً فی اصل جدار سے تعبیر کر دیا ہے۔

**جواب سوم** بعض محدثین حضرات کے نزدیک ملک غیر میں تعرت بالاجازت یہ صرف امت کے لیے ہے کہ بغیر اجازت کسی کے ملک میں

تعرّف نہیں کر سکتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس قانون سے مستثنیٰ ہے وہ امت کی ملکیت میں بغیر اجازت تعرّف کر سکتے ہیں، کما فی قولہ تعالیٰ :-  
 ”النَّبِيُّ أَوْلىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (آل عمران)“ گو تعلیم امت کی خاطر آپ نے تعرّف مقرون بالاجازت کو معین فرمایا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت النبی سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب پاخانہ کا ارادہ فرماتے تو جب تک زمین کے قریب نہ جوتے اپنا کپڑا اٹھاتے۔

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ لَمْ يَرْفَعْ ثَوْبَهُ حَتَّى يَدُلُّوا مِنَ الْأَرْضِ (مرادہ الترمذی)

قوله الْحَاجَّةُ : ای قضاء الحاجة یعنی پیشاب پاخانہ۔  
 قوله يَدُلُّونَا : ای يقرب : اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔

يقول ابو الاسعاد : حدیث الباب میں ایک نہایت لطیف ادب بیان کیا گیا ہے اور یہ ادب ایک قاعدہ پر متفرع ہے وہ یہ کہ ”الضروری يتقدّم بقدر الضرورة“ جو کام ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے اختیار کیا جا رہا ہو۔ اس کو بقدر ضرورت ہی اختیار کرنا چاہیے۔ یہی اصول طریقہ ہے۔ اسی مسئلہ کے تحت استنجاء کا یہ بھی ادب ہے کہ آدمی بیت الخلاء میں جا کر قضاء حاجت کے لیے بدن سے کپڑا ہٹائے اور کشف عورت کرے تو یہ کپڑا ہٹانا اور کشف عورت بتدریج اور حسب ضرورت کرنا چاہیے۔ ایک دم پورا کپڑا نہیں ہٹانا چاہیے۔ چنانچہ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ بیٹھنے سے پہلے یعنی کھڑے کھڑے ستر کا کھولنا جائز نہیں خواہ گھر کے بیت الخلاء کے اندر بھی کیوں نہ تھا ضابطہ اور اسے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ | ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِرَدِّهِ أَعْلَمُكُمْ إِذَا اتَّيَسَّرَ الْفَاطِطُ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقَبِيلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَأَمْرٌ شَدِيدٌ أَحْجَابًا وَلَهُيْ عَنِ الثَّرْوَةِ وَالزَّمَةِ وَلَهُيْ أَنْ يَسْتَطِيبَ الرَّجُلُ بِمِثْلِهِ : رواه ابن ماجه

سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لیے باپ، تمہیں سکھانا ہر حال میں جب تم پاخانہ کے لیے جاؤ تو قبیلہ کو منہ نہ کرو اور نہ پیٹھ اور تین پتھروں کا حکم دیا۔ اور پسند و ہڈی سے منع فرمایا اور منع فرمایا کہ کوئی شخص راہنے لگے اسے سے استنجہ نہ کرے۔

قولہ مثل الوالد، حدیث پاک میں اقوة کا اثبات ہے اس سے روحانی اقوة و تربیت مراد ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ امت کے روحانی باپ ہیں۔ سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات بابرکات کو والد اور امت کو اولاد کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں اس میں وجہ تشبیہ کیا ہے؟

جواب اول شفقت و محبت اور تعلیم میں کہ جس طرح ایک مشفق اور ناصح باپ کی ہر دقت پر کوشش کرتا ہے کہ میری اولاد میں ہر وہ خوبی اور محاسن والے اعمال پیدا ہو جائیں جو دینی اور دنیوی اعتبار سے قابل لائق دستاویز ہوں اور دینی معاشرہ میں اہم مقام پیدا ہو۔ میرا حال بھی ایسا ہی ہے کہ میں تمہیں اخلاقیات کی تعلیم دیتا ہوں اور افعال و رذیلہ سے منع کرتا ہوں کیونکہ امت میری روحانی اولاد ہے۔

جواب مذکور علامہ تواب قطب الدین خان دہلوی کے بیان اسلوب میں

اس حدیث سے جہاں اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ امور دین اور تذکیر و نصیحت کے سلسلہ میں اپنی امت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا شغف اور تعلق تھا کہ آپ نے اپنے آپ کو باپ اور امت کو اولاد کی مثل قرار دیا وہیں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اولاد کو باپ

کی اطاعت کرنی لازم ہے اور باپ پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی اولاد کو ان چیزوں کے آداب سکھائیں جو ضروریات دین سے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث  
منقرضہ اصل بسط کے ساتھ

## یقول ابوالاسعاد جواباً ثانیاً

یہ روایت ابوداؤد شریف مداح کتاب الطہارت باب کراہیۃ استقبال القبۃ عند قضاء الحاجة بروایت حضرت سلمان فارسیؓ منقول ہے جس میں مشرکین کے چند اعتراضات کے جواب دیے جانے سے تو اس لیے یہ کلام ”إِنَّمَا آتَاكَوْ مِثْلُ الْعَالِدِ“ بطور تمہید آپ نے ارشاد فرمایا ہے اس لیے کہ آگے جن امور پر آپ کو تنبیہ کرنا تھی وہ اسی قسم کی باتیں ہیں جن پر بعض مشرکین نے اعتراض کیا تھا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں جن کو بچپن میں ماں باپ سکھا با کرتے ہیں۔ سو اسی لیے آپ نے یہاں پہلے ہی فرمایا کہ میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں جو حاکمیت کا درجہ رکھتا ہے جیسے حاکم کی بات کی طرف توجہ کی جاتی ہے تم بھی ہمت نہ کرو گوس تو خبر سے سنا

قوله إِذَا أَتَيْتُمُ الْخَائِطَ فَلَا تُسْقِبُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا۔  
قد مرَّ تحقيقه بالتفصيل سابقاً،

قوله وَأَمَّا بِشَلَا شَرِّ أَحْجَارٍ، قد مرَّ تحقيقه سابقاً۔

قوله وَلَهِيَ عَنِ الرُّوْثِ، یہاں روث مضاف ہے تصحیح عبارت کے لیے۔  
”ای عن استئمانها فی الاستنجاء“ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجاء کی حالت میں ان دو چیزوں ”روث و رقبہ“ کے استعمال سے منع فرمایا ہے نہ کہ مطلقاً۔  
قوله رَوْتُ؟۔ بفتح الراء و سکون الواو اس کی مثل رجیع ہے۔ وہ نجاست جو

رواۃ الحواضر کی ہو۔ فاضی البکرؒ فرماتے ہیں کہ رجیع اور روث غیر نجی آدم کی نجاست کو کہا جاتا ہے جس کو لید یا گوہر کہتے ہیں۔ اس کا واحد روث اور جمع ارواث آتی ہے۔

قوله الرَّمَّةُ : بکسر الراء و تشدید المیم۔ جمع ریم ہے خلیل کے رزن پر یعنی ”العظم البانی“ یعنی پرانی ہڈی۔ کافی قولہ تعالیٰ :-

قَالَ مَنْ يُحْيِ الْبَنَاطِمَ وَهُوَ سَابِقٌ (پ) اس کی کمل بحث روایت

ابن مسعودؓ " لَا تَسْتَنْجُوا بِالزُّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ " میں ہرگز۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
كَأَنْتُ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْمَنِي  
لِطَهْوَرِهِ وَطَعَامِهِ وَكَأَنْتُ  
يَدُ الْيُسْرَى لِخَلَادِهِ وَمَا  
كَانَ مِنْ أَذًى - (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم کا داہنا ہاتھ مبارک طہارت اور  
کھانے کے لیے تھا اور بائیں ہاتھ استنجاء  
اور مکروہ کام کے لیے ہے۔

قَوْلُهُ لِيَطْهُرَهُ - بِالضَّوْءِ أَيْ لَوْضُوئِهِ عِنْدَ الْبَعْضِ بِالْفَتْحِ : تَوَاسَّ  
سے مطلقاً طہارت مراد ہے۔

قَوْلُهُ طَعَامِهِ : احادیث پاک میں مطلقاً طعام کا ذکر ہے لیکن اس میں اکل و شرب  
دونوں شامل ہیں حتیٰ کہ ہر وہ کام جو مکرم ہو وہ بھی اس میں شامل ہے " کالاعطاء والاخذ  
واللبس والسواك والترجل الخ "

قَوْلُهُ لِيَخْلُدَ : أَيْ لِاجْلِ الاستنجاء - یعنی مقصد کی طہارت کے لیے۔  
قَوْلُهُ وَمَا كَانَ مِنْ أَذًى : یہاں کائنات نامہ ہے یعنی وَجَدَ اور مِنْ بَيَانِ  
اور اذی سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو طبیعت مکروہ سمجھے یعنی " مَا تَسْتَكْرَهُمُ النَّفْسُ "  
جیسے استنجاء، ناک کی صفائی، تھوک کا پھینکنا وغیرہ۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قاعدہ  
کلیدیہ یہ ہے کہ جو چیز باب زینت اور تشریف سے ہو اس میں یمن (داہنا ہاتھ) استعمال  
کیا جائے اور جو امور اس کے خلاف ہیں وہاں یسار (بایاں ہاتھ) استعمال کیا جائے۔

یَقُولُ ابْنُ أَبِي سَعَادٍ : عَلَّامُ هِرَوِيٌّ قَرَأَ فِيهِ أَنَّ يَدَ الْيُسْرَى قَرِيبُ كَتَبٍ فِي بَعْضِ لُحُوفِ  
خَاطِرِهِ - یعنی دینی کتب میں داہنے ہاتھ سے پکڑو، اور جو تائیدیں ہاتھ سے - پھر آگے فرمائی ہیں  
" وَكَثِيرٌ مَّا رَأَيْنَا عَوَامَ طَلِبَةِ الْعِلْمِ يَأْخُذُونَ الْعِلْمَ بِالْيَسَارِ  
وَالْيَمَانِ بِالْيَمِينِ أَمَا لِحُجْهِهِمْ وَأَوْعَقَتْهُمْ "

مزید اس کی تحقیق حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت میں سابقاً گذری چکی ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى  
الْقَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ ثَلَاثَةٌ  
أَحْجَارٌ لِيَسْتَطِيبَ بِهِنَّ فَإِنَّهَا  
تُجْزِي عَنْهُ ، (سداوہ احمد)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرائی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب تم میں سے کوئی پاخانہ جائے  
تو اپنے ساتھ تین پتھر (ٹھیلے) لے جائے  
جن سے استنجاء کرے۔ یہ اسے کافی  
ہوں گے۔

قوله يُسْتَطِيبُ - یہ استطابت سے مأخوذ ہے بمعنی طہارت و منفیۃ حاصل  
کرنا یعنی استنجاء کرنا۔

قوله تُجْزِي - بضم التاء و کسر الزا و ای تکفی و لغنی عنه۔ یعنی عمرًا  
یہ تین پتھر کافی ہوں گے۔

یَقُولُ الْبُؤَالُ سَعَادُ : اصل مقصد تو نجاست سے

پانی حاصل کرنا ہے اور جب تین ڈھیلوں سے استنجاء

کرے گا اور نجاست صاف کرے گا تو پانی سے استنجاء کی حاجت نہیں رہے گی۔ کیونکہ  
اصل طہارت اس سے حاصل ہو جائے گی جس سے نماز پڑھنی بھی جائز ہوگی۔

روایت مذکور عدم وجوب فی تثلیث احجار میں منفیۃ کا مستدل ہے۔ مزید تثلیث  
احجار کی تشریح حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت میں گذر چکی ہے۔ "من شاء فليطاع  
الیٰ هذا۔"

### حاصل الحدیث

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن مسعودؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ مذکور سے استنجاء کرو اور

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوا بِالْمُدِّثِ



وَلَا بِالْعِظَامِ فَإِنَّهَا مَرَادُ إِخْوَانِكُمْ  
مِنْ الْجَنِّ : رواه الترمذی

نہ ہڈی سے کیونکہ یہ تمہارے بھائی جنوں  
کی خوراک ہے۔

قَوْلُهُ رَوَتْ - بمعنی لید اس کے ہم معنی دو لفظ ہیں بمعنی معنی میٹگنی ، اور  
حَشَنی بمعنی گوبر اور سبب تمام کو شامل ہے۔ جب حیوانات کی گوبر سے استنجا، ممنوع  
ہے تو انسان کی نجاست سے استنجا، بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

قَوْلُهُ فَإِنَّهَا - فَإِنَّهَا کی ضمیر بتاویل مذکور رَوَتْ اور عظام دونوں کی طرف راجع  
ہے مشکوٰۃ شریف کی روایت میں فَإِنَّهَا ہے اس وقت ضمیر راجع ہے عظام کی طرف اور  
رَوَتْ اس کے تابع ہے لیکن ترمذی شریف کی روایت میں إِنَّهَا ہے۔ پھر بالبیح  
تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

سوال - یہ کہ عظام تو جمع ہے اس کی طرف مفرد مذکر کی ضمیر کیسے راجع ہو سکتی ہے؟  
جواب - بعض اوقات مفرد مذکر کی ضمیر جمع کی طرف راجع ہو سکتی ہے۔  
جب کہ وہ جمع مفرد کی ہم شکل ہو۔ کَمَا فِي الْقُرْآنِ الْحَكِيمِ «سَحَابًا مُمْسِكًا  
إِلَى بَلَدٍ مَّيِّتٍ» (پتلا) ضمیر مُمْسِكًا مفرد ہے اور سَحَابًا جو مَحَابَّة کی جمع ہے  
اس کی طرف راجع ہے اور سَحَابًا کے جمع ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں  
«السَّحَابُ الثَّقَالُ» کے لفظ آئے ہیں ثِقَالٌ، ثَقِيلٌ کی جمع ہے اگر لفظ سَحَابًا  
مفرد ہوتا تو ثِقَالٌ جمع اس کی صفت نہ ہوتی۔

وَفِيهَا مَشَى بَيَانَ الْقُرْآنِ ص ۱۹ ج ۵ «الثَّقَالُ جمع لكون السحاب  
جثًّا» چونکہ لفظ عظام کتاب کی ہم شکل ہے جو مفرد ہے اس لیے اس کی طرف  
ضمیر جو مفرد ہے راجع ہو سکتی ہے۔

سوال - گوبر تو نجس ہے وہ کیسے جنات کی خوراک بنتی ہے حالانکہ انسان کی طرح  
جنات بھی تو مُکَلَّف ہیں «وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ» (پتلا)  
گوبر کا جنات کے لیے خوراک بننا بطغییل و صدقہ دعاء نبوی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ہے چنانچہ دلائل النبوت میں حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ

جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نَصِيبُیْنِ کے جن میرے پاس آئے اور درخواست کی کہ میں زاد یعنی ترشہ دیا جائے ۔

» فِدَعَوْتُ اللّٰهَ لَهْمَا لَا يَمُزَّوَا بَعْظُهُمَا وَلَا يَرْوِثُهُ (۱)

وَجَدُوا عَلَيْهِمَا طَعَامًا (۲) بخاری شریف ص ۵۴۳

اس کے قریب قریب سلم شریف ص ۱۸۳، دلائل النبوت، الطحاوی شریف میں بھی یہی مضمون ہے۔ یعنی یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ لیدار ہڈی ان کے لیے غذا بن جاتی ہے۔

یَقُولُ الْبَوَالُ سَاعِدًا نَصِيبُیْنِ ایک شہر ہے جو موصل و عراق کا علاقہ ہے کے قریب منبع نرات پر واقع ہے یہاں جنّات کی کثرت ہے اور یہاں کے جن سادات الجن کہلاتے ہیں۔ اور قرآن کریم میں جو آیا ہے » وَ اِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ فُجْرًا مِّنَ الْجِنِّ (۱) ترا اس آیت میں بھی جنّات سے مراد نَصِيبُیْنِ کے جن ہیں۔

## بحث اول

### رَوْث و عظام سے استنجاء نہ کرنے کی علت

اس بات میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رَوْث و عظام سے استنجاء نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے لیکن اس نہی کی علت کیا ہے۔ فقہان حضرات نے مختلف علتیں بیان فرمائی ہیں رَوْث و عظام سے استنجاء نہ کرنے کی ایک علت » نَرَا اِذَا اخْوَا شَكْرَ عِلَّتْ اَوَّلُ (۱) جن الجن ہے کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنّات کی غذا ہے۔

ابو داؤد شریف کتاب الطہارت باب ما ینبی عنہ ان یتسبی بہ میں ہے :  
» فَرَأَى اللّٰهَ عَذْرًا وَجَلَّ جَعَلَ لَسَانَهَا مِثْلًا قَنًا « کہ اللہ پاک نے ان چیزوں میں ہماری روزی رکھی ہے یعنی از قبیل مطہرات ہونے کی وجہ سے استنجاء منوع ہے۔

**علمت دوم** | گو بڑے نہیں استہجار اس بنا پر ہے کہ اس میں اثاثہ تلویث کا خطرہ ہے  
یعنی ازالہ نجاست کے بجائے اثاثہ زیادہ نجاست ہوگی جو کہ مقصود  
استہجار کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بوجھل کر پایا،  
رہی ہڈی اس سے تمہیر کا مقصد اس لیے حاصل نہیں ہوتا کہ وہ بعض دفعہ چکنی ہوتی ہے  
اور کوئی چکنی چیز نجاست کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ اگر ہڈی پرانی ہو تو اس کی چکنائی ختم ہونے  
کے ساتھ ساتھ اس کے مسامات کھل چکے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں نوکیں یا کٹس  
پیدا ہو جاتے ہیں۔ استہجار کرتے وقت دیر کے مجرد ہونے کا احتمال ہے؟ وَلَیْسَ اَنْ  
لَا یَجُوزَ اِلَّا سَتَجَاء مِنْ ذَالِك « یہی وجہ ہے کہ شریعت مقدسہ میں جتنی مضر رساں چیزیں  
ہیں ان کا استعمال درست نہ ہوگا جیسے چونا، پکی نوکر لائینٹ اور ریل کا پتھر وغیرہ۔  
یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَد ، کراہت استہجار انہی دونوں چیزوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ  
فقہاء نے ان دونوں چیزوں سے علمت نہیں سنبھلنے کے حکم کراہت کو دوسری اشیاء  
میں بھی عام کر دیا ہے یعنی وہ ہر چیز جو کمز ہو یا کسی کی غذا ہو یا نجس ہو یا مضر ہو اس سے  
استہجار ناجائز ہے۔

## بحث دوم

### رَوُثٌ وَعِظَامٌ نَزَادَ اِخْوَانِكُمْ کِیْسَ ہِی؟

حدیث پاک میں ہے کہ روث اور عظام دونوں زادالجَن ہیں کیسے زادالجَن ہیں اس  
کی تشریح میں مختلف قول ہیں۔

**قول اول**۔ بعض حضرات کے نزدیک زاد سے مراد صرف طعام اور کھانا نہیں ہے  
بلکہ قابل انتفاع چیز مراد ہے۔ اب جس طرح بھی انتفاع ہو۔ کیفیت معلوم نہیں یہ مفروض  
الی الشیء یعنی مقصود صرف انتفاع ہے۔

یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَد ، یہ قول حدیث پاک کی رُو سے قدرے مخدوش ہے کیونکہ

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی ہے کما سیاتی۔  
**قول دوم**۔ بعض حضرات کے نزدیک ردث جنات کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے۔  
 اور اس طرح ان کی غذا کا سبب بنتی ہے۔

بقیہ البوالاسعاد؛ لیکن یہ جواب ضعیف ہے اس لیے کہ اگر زاد سے مراد بھی ہو تو پھر اس میں جنات کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ انسانوں کے لیے بھی ردث کھاد کے کام آتی ہے اور کھیت وغیرہ میں ڈالتے ہیں بلکہ آج کل تو گوبر گیس ایجار ہو چکی ہے۔  
 ردث بذات خود جنات کی غذا ہے اور ان کے لیے اس کی

**قول سوم** نجاست مملوب ہو جاتی ہے اور ان کے واسطے ردث کو اپنی حالت اصلیت پر لوٹ کر غلہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس کی تائید بخاری شریف ص ۵۲۸ ج ۱ کتاب المناقب باب ذکر الجن الخ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے۔  
 «فسألو فی الزاد فدعوت اللہ لہم ان لا یمنروا بنظہم ولا بروثہ الا وجدوا علیہا طعاما»

مجموعہ حضرات کے نزدیک ردث کے زاد الجن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کے ردث کی غذا ہوتی ہے یہ جواب صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث سے مأخوذ ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

«وکلن بعرۃ علف لدوا بکم» (مسلم شریف ص ۱۸۹ ج ۱ کتاب البصلوۃ)  
 باب الجہر بالفرأۃ فی الصبح

اسی طرح عظام کے زاد الجن ہونے کا سب سے بہتر اور متفق قول یہ ہے کہ یہ ہڈیاں جنات کے لیے پر گوشت بنا دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم دجامع ترمذی کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ عند البعض ہڈی چبا کر اس کو کھاتے ہیں۔ چنانچہ کتوں کا ہڈی چبا کر غذا حاصل کرنا مشاہدہ ہے۔

## بحث سوم

### رُوث و عظام سے استنجاء کرنے کی شرعی حیثیت

اس بات میں کہ رُوث و عظام سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں۔  
**مسلک اوّل**۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اہل کواہر کے نزدیک گوبر اور ہڈی کے ذریعہ استنجاء کرنے سے استنجاء نہیں ہوگا۔

**دلیل**۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے جو اس روایت کے بعد ہے  
 ”وَأَسْتَنْجَى بِرَجِيعٍ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّهُ مُعْتَمَدٌ مِنْهُ بِرُوثٍ“  
**مسلک دوم**۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ (فی روایت) کے نزدیک اگر گوبر و ہڈی سے صفائی ہو جائے تو مع الکراہت استنجاء ہوا جائے گا۔  
 چنانچہ ملا علی قاریؒ شرح نقایہ مشحون میں لکھتے ہیں:-

”وَقَدْ ضَبَطَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ ضَبْطًا جَيِّدًا فَقَالُوا يَجُوزُ الْأَسْتِنْجَاءُ بِكُلِّ جَامِدٍ طَاهِرٍ مُنْقٍ فَلَا تَرْغَبُ مَوْجِدٍ لَيْسَ بِدَى حَرَمَةٍ وَلَا سَرَفٍ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِ حَقٌّ الْفَجْرِ“

بقول ابوالاسود: مُنْقٍ بِمَعْنَى صَافٍ كُنْزُهُ، قَلَقُوعٍ بِمَعْنَى قَبْحٍ كُنْزُهُ سَرَفٌ  
 یعنی ریشم وغیرہ جس میں اسراف پایا جائے۔

**دلیل**۔ استنجاء کے اہم اصلاً مقصود ازالۃ النجاست اور تنقیہ ہے جو حاصل ہے البتہ ظاہراً امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ لغیرہ ہوگا اور حدیث باب مسلک ثانیہ والوں کے ہاں تشدید و زجر پر محمول ہے یا وہ آدمی جو رُوث و عظام کو عمدتاً استعمال کرتا ہے جب کہ طہارت کے اسباب بھی موجود ہیں اس کے لیے یہ روایت ہے۔  
 قَوْلُهُ لَا اِنَّهُ لَسَوْ يَذْكُرُنَا اِذَا خَوَانَا مِنْ الْجَنَّةِ۔ اس عبارت

کا مقصد یہ ہے کہ روایت مذکور جامع ترمذی و سنن نسائی دونوں میں ہے مگر نہ اداخوانک و من الجنۃ کے الفاظ سنن نسائی شریف میں نہیں ہیں صرف جامع ترمذی میں ہیں۔

وَعَنْ رُوَيْفِعِ ابْنِ ثَابِتٍ  
قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ  
الْحَيَاةَ سَتَطْوِلُ بِكَ بَعْدِي  
فَاخْبِرِ النَّاسَ أَنَّ مَنْ عَقَدَ  
لِحَيَاتِهِ أَوْ لَمَعَدٍ وَشَرَّ أَوْ  
اسْتَبْجَى بِرَجِيْعٍ دَابَّةً أَوْ عَظْمًا  
فَإِنَّ مُحَقَّدًا مِثْلَهُ بَرِيءٌ -

(مسند ابوداؤد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
رویف بن ثابتؓ سے فرماتے ہیں کہ مجھ  
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
میں رویف شاید میرے بعد تمہاری زندگی  
لمبی ہوگی، لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی  
دراڑھی میں گرہ لگائے یا نانت باندھے  
یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجہ  
کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
اس سے بیزار ہیں۔

قَوْلُهُ لَعَلَّ - لَعَلَّ کے اندر دو احتمال ہیں :-  
۱۔ لَعَلَّ بِدَرْجَتِي بِمَعْنَى اِسْجَاوَا ، کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ پاک تیری  
زندگی دراز فرمائیں گے اور لوگوں کے اندر میرے حکم کی مخالفت دیکھے گا تو اس وقت  
ان کو یہ حدیث سنانا۔

يَقُولُ الْبَوَالِ سَعَادًا ، مُحَمَّدٌ شَيْنٌ حضرت نے لکھا ہے کہ اللہ پاک نے نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی رجا (امید) کو ثابت کیا اور حضرت رویف بن ثابتؓ کی زندگی لمبی  
ہوئی۔ آپ کے بعد بہت عرصہ حیات رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کا زمانہ پایا اور سترہ  
یا سترہ میں افریقہ میں انتقال ہوا۔ اور یہ آخری صحابی ہیں جن کا وہاں انتقال ہوا۔  
دَرْجَمٌ : لَعَلَّ لِلتَّحْقِيقِ - بمعنی تحقیق یقیناً تیری زندگی لمبی ہوگی تو یہ حضرت  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بنے گا کہ غیب کی خبر دے رہے ہیں۔  
قَوْلُهُ بَعْدِي : اِیْ بَعْدَ مَوْتِي -

قَوْلُهُ فَاخْبِرِ : فَاذْهَبْ اَمْرًا یہ ہے۔ شرط اس کی محذوف ہے تقدیر عبارت

یوں ہے :-

”فَاذَا طَالَتْ فَاخْبِرِ“ اور انھیں اس سے اُمت اجابت مراد ہے۔

قَوْلُهُ عَقَّدَ لِحَيْسَتِهِ - بیان خیر ہے یعنی جو شخص گرہ لگائے اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگانے کے کئی معانی بیان کئے گئے۔

معنی اوّل - عرب کی زمانہ جاہلیت میں یہ عادت تھی کہ جس کی ایک زوجہ ہوتی وہ ڈاڑھی میں ایک گرہ لگاتا۔ اور جس کی دو زوجہ ہوتیں وہ دو گرہ لگاتا۔ اسی بے ہودہ کام سے شرع شریف نے منع کر دیا۔

معنی دوم - زمانہ جاہلیت میں خوب صورتی کے لیے ڈاڑھی کو اوپر کی طرف چڑھاتے اور اس کے بالوں کو گھونگھریالے بناتے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے اس لیے کہ یہ خلاف سنت ہے کیونکہ مسنون طریقہ تسبیح الحیر ہے یعنی ڈاڑھی کے بالوں کو سیدھا رکھنا۔

معنی سوم - یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَدِ : میرے ناقص عقل و فہم کے مطابق تقلید کعبہ میں چار وجہ قابلِ مذمت پائے جاتے ہیں۔ جس کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، سنت کی مخالفت، تشبہ بالنساء، تغیر خلق اللہ، تشبہ باہل الجاہلیتہ۔ اس لیے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :-

«رَمَنْ تَشَبَّهَ بِمَقْنُونٍ فَهُوَ مِنْهُمْ، لَكِنَّ اللّٰهَ الرَّجُلَ الْمُنْتَشِبِينَ بِالنِّسَاءِ»  
قَوْلُهُ اَوْ تَقَلَّدَ وَثَرًا : تَقَلَّدَ یہ تلاوہ سے مشتق ہے بمعنی ہار لگانا۔ وَثَرًا

کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔

اوّل، وثر بمعنی تانت، یعنی وہ رستی جو کمان میں باندھی جاتی ہے جس پر تیر کا چلنا اور کھینچنا موقوف ہوتا ہے۔ اہل جاہلیت اپنے بیکوں اور گھوڑوں کے گگے میں نظر بند سے بچنے اور دفعِ آفات کے لیے تانت میں تعویذ گنڈے اور منکے باندھ کر ڈالتے تھے۔ اس عقیدہ کے ساتھ کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر وہ محفوظ نہیں رہیں گے۔ گویا انہیں موشربا لذات سمجھتے تھے۔

دوم، عند البعض یہ تعلیق اجر اس پر محمول ہے یعنی تانت وغیرہ میں گنگھڑ گنگھی باندھ کر جانوروں کے سگلے میں ڈالتے تھے جب کہ اس بجز کی بھی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے اس کو نیز مار الشیطان کہا گیا ہے، وَارْوِیْ اَنَّہُ عَلَیْہِ الصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ اَمَرَ

بِقَطْعِ الْاَوْتَارِ مِنْ اَعْنَاقِ الْخَیْلِ نَبَیْہَا عَلٰی اَنَّہَا لَا تَرُدُّ شَیْئًا مِّنْ قَدَرِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (روایت)

قَوْلُهُ رَاجِعٌ ثُمَّ قَدْ مَرَّ تَحْقِيقُهُ فِي رِوَايَةِ أَبِي هُرَيْرَةَ سَابِقًا  
قَوْلُهُ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ بَرٌّ - یعنی جو آدمی  
عقد لمحید وقلبہ و ترو استیجار بر جمع و علم پر عمل کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے برأت  
و بیزاری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حدیث میں یہ سالک فی الوعد زجر و توبخ کے لیے ہے حقیقت  
مراد نہیں۔ اس لیے کہ برأت کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں اور یہ نہایت  
سخت وعید ہے۔

يَقُولُ ابْنُ الْأَعْبَادِ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کفار کی ایسی چھوٹی  
چھوٹی رسمیں اختیار کرنا جو گناہ کبیرہ میں بھی شامل نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری  
و ناراضگی کا سبب ہے تو کفار کی وہ بڑی بڑی رسمیں جن میں بدقسمتی سے آج مسلمان مبتلا ہیں  
اور جن کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے ان سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی زیادہ  
نفرت ہوگی اور ان رسموں کے کرنے والوں کا خدا کے یہاں کیا انجام بد ہوگا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكْتَحَلَ  
فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ  
وَمَنْ رَأَى فَلَا حَرَجَ وَمَنْ  
اسْتَجْمَرَ فَلْيُؤْتِرْ مَنْ فَعَلَ  
فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ رَأَى فَلَا  
حَرَجَ وَمَنْ أَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ  
فَلْيَلْفِظْ وَمَا لَكَ بِلِسَانِهِ  
فَلْيَبْتَلِغْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ  
وَمَنْ رَأَى فَلَا حَرَجَ -

(کرہاء ابو داؤد و ابن ماجہ و الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ جو سرمہ لگائے وہ طاق بار لگایا  
کرے تو اچھا ہے نہ کہے تو گناہیں اور جو  
استیجار کرے تو طاق عدد سے کہے تو اچھا  
ہے اور نہ کہے تو گناہ نہیں اور جو کھائے  
تو جو خلل سے نکلے وہ تھوک دے اور  
جو زبان سے نکلے وہ نکل لے جو کہے  
تو اچھا ہے جو نہ کہے تو گناہ نہیں۔



قوله مَنِ اكْتَحَلَ - یہ گھٹل سے مأخوذ ہے بمعنی سرمہ پہنتا اس میں عموم ہے خود پہنے یا کوئی دوسرا پہنتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ ایثار کرے یعنی طاق عدد پر عمل کرے۔  
(تین، پانچ، سات) سرمہ پہننے کی تین صورتیں ہیں۔

یہ کہ تین سلائیاں ایک آنکھ میں اور تین سلائیاں، دوسری آنکھ میں  
یعنی وتر کی رعایت ہر آنکھ کے اعتبار سے جو اور یہی قول زیادہ  
صحیح ہے۔ شامک ترمذی کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی اس میں سے آپ سرمہ اس طرح لگاتے تھے کہ تین سلائیاں ایک آنکھ میں لگاتے اور تین سلائیاں دوسری آنکھ میں لگاتے۔

### صورت اول

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ

مِنْهَا كُلَّ يَوْمٍ ثَلَاثَةً فِي هَذَا وَثَلَاثَةً فِي هَذَا» (مرقاۃ)

صورت دوم - یہ ہے کہ دونوں کے مجموعہ کے لحاظ سے وتر ہے مشلاً دائیں آنکھ میں تین بار اور بائیں میں دو بار تو مجموعہ وتر ہو جائے گا۔

بقول ابوالسعاد: حافظ ابن حجر لما علی قاری اعلام

مناوی سے اکتہال کی تیسری صورت بھی ہے کہ ازلہ ہر ایک

آنکھ میں دو دو اور ایک سلائیاں دونوں میں مشترک لیکن ہر دفعہ ابتدا دائیں آنکھ سے ہوتا کہ ابتدا بھی دائیں آنکھ سے اور اختتام بھی دائیں آنکھ پر ہی ہو۔

### صورت سوم

«وإِذَا كَانَ ابْنُ عَدَى فِي الْكَامِلِ مِنَ النَّبِيِّ مَرْفُوعًا» ابن سیرین نے اسی صورت

کو پسند کیا ہے کہ انی اللہ:

قوله فَقَدْ أَحْسَنَ - أَحْسَنَ اسم تفصیل کا صیغہ بمعنی بہت اچھا اور بہتر

کام کیا «ای فِخْلًا أَحْسَنًا» یشاب علیہ لاشئ سُنَّتْ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قوله فَلَا حَرَجَ - «ای فلا اضر علیہ لاشئ لیس بواجب» یعنی امر واجب

کے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔

بقول ابوالسعاد - حدیث پاک کے اس لفظ کے ایک مسئلہ اصولیہ مستفاد ہوتا

ہے وہ یہ کہ امر مطلق وجوب کے لیے آتا ہے اس لیے کہ اگر وجوب کے لیے نہ ہوتا بلکہ

استحباب کے لیے ہوتا تو ”مَنْ قَلَّ فَقَدْ احْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَاحِرَجَ۔“ کے ذکر کی حاجت نہ تھی۔

قَوْلُهُ وَمَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيُؤْتِرْ۔ استجمار کی دو تفسیریں ہیں  
 اَوَّلُ، استجمار بالجمار یعنی بالا حجار استجمار میں ڈھیلے استعمال کرنا۔

دَوِّمٌ، تجتر، یعنی کپڑوں کو خوشبو کی دھونی دینا۔ چہرہ حضرات کے نزدیک تفسیر اَوَّلُ مراد  
 بقول ابوالاسعد: حضرت امام مالکؒ کی رائے پہلے یہ تھی کہ حدیث پاک میں استجمار  
 سے مراد تجتر ہے لیکن بعد میں رائے بدل گئی کہ اس سے مراد استجمار بالجحر ہے۔

شارح ابن ارسلانؒ نے اس کی تفسیر بخوارِ نعیمت سے کی ہے اور استجمار  
 بالجحر کی نفی کی ہے۔ نیز استجمار بالا حجار کی بحث میں تفصیلاً گذر چکا کہ احنا کے نزدیک تثلیث اجماعاً  
 واجب نہیں بلکہ انقاد واجب ہے۔ اب ایثار بھی تثلیث کا فرد ہے اگر واجب ہوتا۔ تو  
 فلا حرج نہ فرماتے۔

قَوْلُهُ فَمَا تَخَلَّلَ۔ اِی یَتَخَلَّلُ بِالْاَسْنَانِ، یعنی جب کھانا کھانے کے بعد خلال  
 کیا جائے ”وَمَنْ اَكَلَ فَمَا تَخَلَّلَ“ یہ شرط جزاء، فلیسلفظ اِی بطرح یعنی ڈال دے۔  
 بقول ابوالاسعد۔ یہ چیز آراب اکل سے ہے کہ آدمی جب کھانے سے فارغ  
 ہو تو کھانے کے بعد جن ذرات کو زبان کی ٹوک سے نکالا ہو تو اس کو نگلنا چاہیے باہر نہ  
 پھینکنا چاہیے۔ اس میں کھانے کی ناقدری ہے اور جس ذرۃ طعام کو دانتوں کے درمیان سے  
 خلال کے ذریعہ نکالا ہو اس کو نگلنا نہ چاہیے کیونکہ اس میں خون کی آمیزش کا خطرہ ہے جو  
 دمِ سفوح کا درجہ رکھتا ہے۔

قَوْلُهُ وَمَنْ لَا فَلَاحِرَجَ۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ  
 جس نے ایسا نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں تو یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جب کہ خون نکلنے کا یقین نہ  
 ہو بلکہ احتمال ہو اگر خون نکلنے کا یقین ہو تو پھر خلال میں ہر طرح کی نکلی ہوئی چیز کا نگلنا حرام  
 ہوگا اور اس کا پھینک دینا واجب ہوگا۔

قَوْلُهُ وَمَا ذَاكَ۔ اِی اُخْرِجَ بِطَرِيقِ الْاَلْسَانِ، اس کا عطف مَا تَخَلَّلَ پر ہے  
 حاصل عبارت یوں ہے ”اِی مَا اُخْرِجَ بِطَرِيقِ الْاَلْسَانِ“

قَوْلُهُ فَلْيَبْكُلْ - ای یدخل فی الحلقوم : یعنی جو چیز لسان کے راستہ سے آئے تو اس کو نکلے۔ کیونکہ اس میں خون کم یا زیادہ ہوتا ہی نہیں اس کا حکم بھی وہی ہے کہ اگر اس میں خون ہے تو اس کو ڈال دیں۔

قَوْلُهُ فَلَنْ تَمُرَّ بِحَيْدٍ : ای شَيْئًا سَائِرًا : یعنی وہ شئی جو ستر کا کام دے وہ نہیں لی سکی۔

قَوْلُهُ كَثِيبًا مِنْ مَّحَلَّةٍ : ای کو مہلہ : رربت کا ٹیلا، یعنی اور کوئی چیز نہیں ستر کرنے کے لیے تو ریت کو جمع کر کے ٹیلا بنالے اور اس کی آڑ میں قضاہ حاجت کرے لوگوں کے سامنے تو آڑ کرنا فرض ہے۔ تنہائی میں آڑ مستحب ہے کیونکہ یہ حیار کا ایک شعبہ ہے اس لیے تنہائی میں ننگار ہنا ممنوع ہے۔

قَوْلُهُ فَلْيَسْتَدْبِرْ : ای لیجعلہ خلفہ - کہ ڈھیر یا وہ آڑ جو ریت جمع کر کے بنائی گئی ہے اس کی طرف پشت کرے۔

سوال - حدیث پاک میں کثیب رمل جمع کرنے کے بعد استدبار کا حکم دیا جا رہا ہے استقبال کا حکم کیوں نہیں دیا۔ حالانکہ فرج کے ڈبر کا جس طرح ستر ضروری ہے قبل کا بھی ضروری ہے قبل کا ستر قبل ہے جس کا چھپانا آسان ہے جب کہ دبر کا ستر کثیر جواب اول | بھی ہے اور اس کا ستر کرنا قدرے مشکل ہے اس لیے اس کی اہمیت بیان کرنے کے لیے تفصیل فرمائی (فلیستدبر) ورنہ علناً دونوں برابر ہیں۔

قبل کی بجااست تلمیل ہوتی ہے جو جلدی زمین میں جذب ہو کر خشک ہو جاتی ہے اور اس کے چھپانے کی ضرورت بھی نہیں رہتی جواب دوم | بخلاف غلاطت دبر کے کہ بہت ہوتی ہے جو کپڑوں کو لگنے یا ہوا وغیرہ کے چلنے سے اڑ کر بدن کو لگنے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے استدبار کا حکم دیا تاکہ ان خطرات وغیرہ سے محفوظ رہا جائے۔

قَوْلُهُ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَيْتِ الدَّمَ : يلعب کے بعد مجدہ مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے : فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ ای اذا لم یستتر بمقاعِدِ بَيْتِ الدَّمَ۔

یقول البواک سعاد : مقاعد جمع ہے مقعد کی یا مقعدہ کی اور اس کے مطلب میں

دو احتمال ہیں۔

**احتمال اول :** اس سے مراد اسفل بدن یعنی سرین ہے اور بمقام عد کی بار الصانع کے لیے ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ قضاء حاجت کے وقت اگر ستر نہ کیا جائے تو شیطا طین لوگوں کے سرین کے ساتھ کھیل کود اور مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ مسخرؤں کی عادت ہوتی ہے۔

**احتمال دوم :** مقاصد یعنی محل قعود کے ہے تو بمقام عد کی بار یعنی فی ہوگی تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطا طین قضاء حاجت کی جگہ میں کھیل کود کرتے ہیں کیونکہ یہ مقام ایک حاضر ہونے کے ہوتے ہیں۔

**سوال۔** رعب (کھیل کود سے کیا مراد ہے؟

**جواب۔** اس کی تشریح میں دو قول ہیں۔

**قول اول۔** کھیلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلائیں دیکھ سکتا ہے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کے ستر کو دیکھیں جو بے پردہ بیٹھا ہوا پاخانہ کر رہا ہے۔

**قول دوم۔** یلعب سے مراد برے خیالات ہیں کہ دل کے اندر برے خیالات پیدا کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ کثیر الناس کے ساتھ یہ معاملہ درپیش ہوتا ہے کہ اس لحظہ گندے گندے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

قَوْلُهُ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ أَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَاحْتَرَجَ، یعنی تنہائی میں یہ پردہ مستحب ہے واجب نہیں۔

**سوال۔** حدیث پاک کے جملہ مذکور سے ستر کا عذم زوجہ ثابت ہو رہا ہے حالانکہ باتفاق امت بیان ہوا ہے نضار ہر دو حالت میں ستر واجب ہے بلکہ نضار میں تو اور زیادہ تاکید ہے۔ حضرت ہشیر بن حکیم کی روایت ہے :-

« قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ انْأَيْتَ إِذَا كَانَ خَالِيًا قَالَ فَإِنَّ اللَّهَ أَحَقُّ

أَنْ يَسْتَبِي مِنْهُ رَمَضَكَوَاتُ شَرِيفٌ ص ۱۶۹ ج ۲ باب النظر إلى المسخوط

وبیان العورات

**جواب۔** یہ حالت اضطراری پر موقوف ہے۔ حالت اضطراری سے مراد یہ ہے

کہ کوئی ایسا موقع آجائے جب کہ پردہ کا کوئی انتظام ممکن نہ ہو، اور اس کو شدت کے ساتھ تقاضا آیا ہوا ہو تو اس صورت میں اسے مجبوری ہے۔ عام حالت اسے مستثنیٰ ہے۔

حدیث پاک میں ”وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ“ یہ نفی حرج مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہے کہ عیب

### فقہی مسئلہ در صورت ہذا

کوئی اس کو دیکھ نہ رہا ہو، اور بے پردگی نہ ہو رہی ہو اور اگر بغیر استنار کے بے پردگی ہوتی ہو تو اس کی در صورت میں ہیں۔

اول : یہ کہ ترک استنار کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں گناہ دیکھنے والوں کو ہوگا وگرنہ اگر ترک استنار اپنے اعتبار سے بغیر کسی مجبوری کے ہو تو اس صورت میں بے پردگی کا وبال اسی پر ہوگا۔ **هَكَذَا قَالُوا**۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُخَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوكُنَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْتَحْصَةٍ لَكُمْ تَقْسِلُ فِيهِ أَوْ يَتَوَضَّأُ فِيهِ فَإِنَّ عَامَةَ النُّسَوَاسِ مِنْهُ : (رواه البردائود والنسائي)

ترجمہ : روایت ہے عبد اللہ بن مخفل سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی عورت نہ ہو جس پر کسی نے وضو کرے یا پھر اس میں غسل یا ہرگز پیشاب نہ کرے۔ پھر اس میں غسل یا وضو کرے گا۔ کیونکہ عام دوسرے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

قوله فِي مَسْتَحْصَةٍ : مُسْتَحْصٍ حَمِيرٌ ع ماخوذ ہے بفتح الحاء اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں حمیر کا استعمال کیا جائے۔ حمیر اصلاً گرم پانی کو کہتے ہیں۔  
”سَمُّوْا مَاءَ أَحْمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَ هُمُ (بِأَمِّ مُحَمَّدٍ)“  
علامہ ثعلب بزرگ فرماتے ہیں ”یہ لفظ مستم از قبیل اضداد ہے ٹھنڈے پانی کو بھی کہتے ہیں۔ بہر حال تو سٹھا عام غسل خانہ کو کہتے ہیں خواہ گرم پانی کا استعمال ہو یا ٹھنڈے پانی کا۔“

یَقُولُ الْبَوَالُ سَعَادُ : چونکہ وجہ تسمیہ میں العکاس المراد ضروری نہیں اس لیے اگر اس میں غلغلہ نہ بھی کیا جائے تب بھی اس کو مستقم کہنا غلط نہیں۔

قَوْلُهُ شَوْكَهُ كَيْفَ تَسْلِي : یہاں پر شَوْكَهُ استبعاد کے لیے ہے یعنی یہ بات عقلمند سے بعید ہے کہ جہاں غلغلہ کرے وہیں پیشاب بھی کرے۔

یَقُولُ الْبَوَالُ سَعَادُ - يَغْتَسِلُ کے اعراب میں دو احتمال ہیں :-

احتمال اول - رفع اس لیے کہ یہ خبر ہے مستند انحدوث کی تقدیر عبارت یوں ہے :  
شَوْكَهُ هُوَ يَغْتَسِلُ فِيهِ

احتمال دوم - نصب بتقدیر اَنْ لیکن علامہ قرطبی نے اس کا انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ شَوْكَهُ کے بعد اَنْ مقدر نہیں ہوتا۔ لیکن ابن مالکؒ فرماتے ہیں شَوْكَهُ کو واؤ کے معنی میں یا جائے تو اَنْ مقدر ہو سکتا ہے تو امام نوویؒ نے فرمایا کہ اگر شَوْكَهُ کو واؤ کے معنی میں لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ منافقت دونوں کے جمع کرنے سے ہے ہر ایک کام الگ الگ کر سکتے ہیں حالانکہ صرف پیشاب کرنا بھی غسل خانہ میں منع ہے چاہے بعد میں غسل کرے یا نہ کرے۔

امام نوویؒ کے اس اعتراض کا جواب ابن ہشام نے یہ دیا کہ ابن مالکؒ کی مراد یہ کہ شَوْكَهُ کو واؤ کا حکم دیں گے تقدیر اَنْ یہ مطلب نہیں کہ اسے اس کے معنی میں لیں گے تاکہ یہ اعتراض وارد ہو جو علامہ نوویؒ نے کیا ہے۔

قَوْلُهُ اَوْ يَمْكُوضًا - مقام ہذا پر اَوْ تنوید کے لیے ہے لَا يَسْلُكُ -

قَوْلُهُ فَاَنْ عَامَّةً - عَامَّةً کے معنی ہیں جَمِيعُ الشَّيْءِ وَمُذْمُومٌ

شیئی کے تمامی اجزاء۔

بعض نوویتین اس لفظ کو اضافت کے ساتھ استعمال کرنے کا انکار کرتے

**فائدہ**

ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حال واقع ہوتا ہے توحیدیت ہذا سے ان کی تردید ہوگئی کہ اس میں اضافت کے ساتھ مستعمل ہوا ہے بلکہ علامہ نقضانیؒ نے شرح مقاصد کے خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اس کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا۔

قَوْلُهُ وَسَوَاسٌ - بالفتح یا بالکسر، مصدر ہے، وَسَوَاسٌ کی تعبیر میں مختلف قولیں  
 اَوَّل - وَسَوَاسٌ سے مراد جنون ہے - چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہؒ میں حضرت  
 انسؓ کی روایت ہے :-

« إِنَّمَا نَهَى عَنْ الْبَوْلِ فِي الْمَغْتَسِلِ مَخَافَةَ اللَّعْنِ وَاللَّعْنُ طَرَفُ الْجَنُونِ »  
 کہ بول فی المغتسل کی ممانعت جنون کے اندیشہ کی وجہ سے ہے يقال فی الامر دو  
 ما یخولیا۔

وَدُم - قیل وَسَوَاسٌ سے کوئی خاص جن مراد ہے جو غسل خانوں میں پیشاب کرنے  
 والوں پر اپنا اثر ڈالتا ہے کما فی التعلیقات -

سَوَاسٌ - عند البعض وَسَوَاسٌ سے مراد نسیان ہے - چنانچہ علامہ شامیؒ نے موجب  
 نسیان چند چیزوں کو شمار کیا ان میں البول فی المغتسل کو بھی شمار کیا ہے -

حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہوا کہ غسل خانہ میں پیشاب

**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ**  
 کرنے سے بہت دوسرے پیدا ہوتا ہے کہ اس  
 دیوار پر پیشاب کا چھینٹا لگا ہے غسل کے وقت کپڑے یا بدن پر لگ گیا ہوگا، پھر یہ بڑھتے  
 بڑھتے نماز میں بھی دوسرے ہونے لگے گا کہ ناپاکی کی حالت میں میری نماز ہو رہی ہے یا نہیں۔  
 وَهَلْفُ جَزَا لَعْنَةٍ -

## بول فی المغتسل کی شرعی حیثیت

فقہی حیثیت سے اس کے حکم کے بارہ ہیں کہ بول فی المغتسل و غسل خانہ میں پیشاب کرنا  
 کی کیا حیثیت ہے اس میں دو قول ہیں :-

بمجموع حضرات کے نزدیک غسل خانہ میں پیشاب مشروع ہے - «بمناسبة  
**قول اَوَّل** الحدیث المذكور (فان عامة الوسواس منه) مگر یہ  
 منوعیت بوجہ وجود علت «وهو احتمال الرشاش» کے ہے - جب تک علت رہیگی  
 منوعیت باقی رہے گی - اور علت کے ارتفاع سے حکم بھی مرتفع ہوگا -

قول دوم۔ علامہ ابن سیرینؒ نے غسل خالوں میں بول کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔

سوال۔ علامہ ابن سیرینؒ کا قول بظاہر حدیث صمیمہ کے خلاف ہے فکیف یعمل علیہ  
جواب اول۔ یہ بھی ممکن ہے کہ علامہ ابن سیرینؒ کو حضور صلعم کا یہ قول مبارک

نہ پہنچا ہو اور انہوں نے فتویٰ دے دیا ہو۔ نیز ایک درجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ زیر بحث  
حدیث علامہ ابن سیرینؒ کے نزدیک ضعیف ہو۔

جواب دوم۔ علامہ ابن سیرینؒ کے زمانے میں ان کے شہروں میں غسل خانے  
سنگ مرمر اور خاص نم کے مضبوط پتھروں سے بنائے جاتے تھے۔ عام تواریت پختہ ہوا کرتی  
تھیں۔ جس میں پیشاب نہیں ٹھہرتا تھا بلکہ بہ جاتا تھا چونکہ ایسی صورت میں دور ان غسل رشتاش  
نہیں تھا اس لیے انہوں نے جواز کا فتویٰ دے دیا۔

یقول ابوالاسعاد: اگر مقام غسل کی زمین ایسی ہو کہ جس سے

چھینٹیں اٹھنے کا احتمال نہ ہو یا کوئی ایسا سوراخ ہو کہ جس سے پانی

ڈالنے سے پیشاب بہ جاتا ہو تو دوسرے پیدا نہیں ہوگا اور اس صورت میں بھی وارد  
نہیں ہوگی۔ جیسا کہ امام ابن ماجہؒ نے علی بن محمدؒ سے نقل کیا ہے۔

”اِنَّ هَذِهِ النَّهْيُ فِي الْحَضِيْرَةِ دَنَالِبِ فَاَمَّا الْيَوْمُ فَمَنْتَلِ تَقُو

الْحِجْسِ وَالْصَّارُوجِ وَالْقِيْرُ فَاِذَا بَالِي فَاَسْلُ عَلَيْهِ الْمَاءُ

لَا بَأْسَ بِهِ رَاٰنَ مَا جَرَّ شَرِيْفٌ مَّا جَرَّ اَبَابُ كِرَاهِيَةِ الْبَوْلِ فِي الْمَنْتَلِ

ایسے ہی امام ترمذیؒ نے ابن المبارکؒ سے نقل کیا ہے۔

”قَدْ وَتَّعَ فِي الْبَوْلِ فِي الْمَنْتَلِ اِذَا جَرَّ فِيْهِ الْمَاءُ“

## اسمائے رجال

عبداللہ بن مسفل المزنی تلمیذ ابو سعید

بعض حضرات نے ابو عبدالرحمن یا ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن مسفلؒ کے حالات

کہتے تھے۔ آپ ان صحابہ کرامؓ میں شامل ہیں جو بیعت الرضوان میں شامل تھے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے  
بعد کچھ عرصہ تک مدینہ منورہ میں رہے۔ پھر مستقل بصرہ میں مکتبہ پزیر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو



وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
سَرْجِسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي  
جُحْرٍ : (رواه ابوداؤد والنسائي)

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عبداللہ بن سرجس سے فرماتے ہیں  
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم  
میں سے کوئی شخص سوراخ میں ہرگز پیشاب  
نہ کرے۔

قوله جُحْرٍ : جُحْرٌ بتقدیر الجسیم وضوء الجسیم وسكون  
الحاء بمعنى نقب و سوراخ کے ہیں۔ پھر اس میں تعلیم ہے۔ سوراخ خواہ زمین میں ہو یا  
دیوار میں منجملہ آداب کے یہ ہے کہ کسی سوراخ میں پیشاب نہ کیا جائے۔  
سوال۔ سوراخ میں پیشاب کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں روکا؟  
جواب۔ چند وجوہات کی وجہ سے آپس نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے  
منع فرمایا ہے ملاحظہ فرمادیں :-

اول : دیکھا گیا ہے کہ اکثر و بیشتر سوراخ کڑے مکوڑوں اور سانپ پھوکا مسکن ہوتے  
ہیں۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ پیشاب کرتے وقت اس میں سے سانپ یا پھوکیا تکلیف دینے والا  
کوئی دوسرا کیرا لکل کرایڈا پہنچائے۔

دوم۔ بعض دفعہ سوراخ کے اندر کوئی ضعیف اور بے ہزر جانور ہوتے ہیں تو پھر  
پیشاب کی وجہ سے ان کو تکلیف پہنچ سکتی ہے جب کہ شریعت مقدسہ میں جانوروں کے ساتھ  
بھی حسن سلوک کا حکم ہے سائل سوال کرتا ہے : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے :-

” قالوا یا رسول الله وان لنا في اليها شجر الجوز قال في كل ذات كبد  
طبيقة اجر “ (ابوداؤد شریف ص ۲۵۳ ج ۱ کتاب الجہاد باب ما  
يؤمر به من القيام على الدواب واليهائم)

بہرہ میں دینی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا تھا آپ سے مستغیر ہونے والے تابین کا بیان ہے کہ بعض میں عبد اللہ بن مسعود  
سے زیادہ متقی کوئی نہیں آیا سہمہ میں بہرہ ہی میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہم ورضوانہ !

جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :

کہ بہائم کی کیا تخصیص ہے بلکہ ہر ذی روح زندہ جانِ حسن سلوک کی مستحق ہے ۔  
سوّم ۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع کرنے کی وجہ  
یہ ہے کہ سوراخوں میں جنات رہتے ہیں جیسا کہ حضرت قتادہؓ کی روایت ہے ۔

” قَالَ قَالُوا لِقِتَادَةَ مَا يَكْرَهُ مِنَ الْبُيُوتِ فِي الْجَحْرِ قَالِ كَانِ يَقَالِ

اَنْهَاصَاكُنِ الْجِنَّ رَا بُوْدَاؤِدُ شَرِيفٌ مَدَّجَ اَبَابَ الْبُيُوتِ فِي الْجَحْرِ

يقول ابوالاسعاد : یہاں پر شراح حضرات نے اس حدیث کی تائید میں ایک  
واقعہ لکھا ہے وہ یہ کہ حضرت سعد بن عبادۃ الخزرجیؓ نے ایک مرتبہ کسی سوراخ میں پیشاب  
کر دیا تھا ۔ پس ایک دم بے ہوش ہو کر گرے اور انتقال ہو گیا ۔ اور جنّتوں نے آواز دی جن  
کو سننے والوں نے سنا :-

مَنْ قَتَلَنَا سَيِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ

وَرَامِنَاهُ بِسَهْمٍ فَلَمْ نَخْطُ فَنَوَّاهُ

(طبری)

(ترجمہ) ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا

اور ہم نے اس کی طرف تیر مارا اور اس کے دل کو نشانہ بنانے میں خطا نہیں کی ۔

ہاں اگر کوئی آدمی کسی خاص مقام پر قضاء حاجت کے لیے کوئی خاص سوراخ معین کر لیتا ہے  
یا بناتا ہے تو وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ اس کی وضع ہی اسی کام کے لیے ہے ۔ حکم  
فی نہ منشا دیثرین کا سوراخ )

يقول ابوالاسعاد : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیمات جہاں شریعت کی جامعیت پر  
دلالت کرتی ہیں وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت و محبت اور امت کے ساتھ ہمدردی  
کی خبر دے رہی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم و شرف و کرم) ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت معاذؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ میں لعنتی چیزوں سے بچوں

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِتَّقُوا الْمَلَائِكَةَ الشَّلَاسَةَ

الْبَرَكَاتُ فِي الْمَوَارِدِ وَقَابِرَةَ  
الطَّرِيقِ وَالْخَلِ الرَّوَاهِ الْوَادِ

گھاٹوں، دریاؤں، راستہ اور سایہ میں  
پاخانہ کرے سے۔

قَوْلُهُ الشَّلَاةُ : اى المواضع اوالافعال الثلاثة ليعنى تین جگہیں جہاں  
پر پاخانہ کرنا لعنت کا سبب بنتا ہے یا تین افعال ایسے ہیں جو موجب لعنت ہیں۔

قَوْلُهُ الْكَوَارِ : بالنصب اى النقوط والبول ليعنى پاخانہ اور پیشاب کرنا۔  
قَوْلُهُ الْمَوَارِدُ : مَوَارِدُ کی تعبیر میں تین احتمال ہیں :-

اول۔ مَوَارِدُ وارو سے ہے بمعنی مناهل الماء ليعنى پانی کے چشموں کے ارد گرد  
و اسے مقامات میں کو گھاٹ کہا جاتا ہے جہاں سے لوگ آکر پانی حاصل کرتے ہیں وہاں اگر کوئی  
بدعت انسان پاخانہ کر جائے تو اس سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے جو کہ سبب لعنت ہے۔  
دوم۔ عند البعض مَوَارِدُ بمعنی طریق الماء ليعنى وہ راستے جو چشمہ کی طرف جا رہے ہوں  
لوگ ان راستوں سے ہو کر پانی حاصل کرتے ہیں ان راستوں پر گندگی پھیلانی جائے تو یہ  
بھی سبب لعنت ہے۔

سوم۔ مَوَارِدُ سے مراد مطلق ممالک لوگوں کے لٹنے بیٹھنے آنے جانے کی جگہیں  
مراد ہیں وہاں پر بول و براز کیا جائے۔

قَوْلُهُ قَابِرَةَ الطَّرِيقِ : اى اوسط الطريق لیکن اس سے مراد مطلق طریق  
ہے کہ مطلقاً راستہ پر بول و براز کرنا منع ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت جو سابق  
میں گزری ہے اس میں مطلقاً فی طریق الناس کے الفاظ ہیں لیکن وسط طریق کی تفہیم  
زیادتی انتہاء کی وجہ سے ہے کہ کناروں سے تو بچنا ہو سکتا ہے مگر درمیان میں قدرے  
مشکل ہے مزید قدم تحقیق۔

سوال۔ سابق میں دو افعال کو موجب لعنت گردانا گیا ہے جب کہ یہاں تین ہیں  
تو یہ تعارض کیوں ہے ؟

جواب۔ سابق روایت میں دو عدد اور روایت مذکور میں نہیں یہ موقوفہ محل کی  
مناسبت سے ہوتا ہے جو موقوفہ جس چیز کا تھا اسی مناسبت سے اس کو بیان فرما دیا۔ کما

فی سلسلۃ الاحادیث۔

جواب دوم۔ عند الحدیث یہ ہے کہ حدیث پاک میں عدد اقل اپنے مازاد کی نفی نہیں کرتا یعنی اثنین سے ثلث کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ہلکذا قالہ الجمهور

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو سعیدؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو شخص پاخانہ کرنے نہ جائیں کہ شرمگاہیں کھولے باتیں کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ  
يَضْرِبَانِ الْفَاطِطَ كَا شَفَيْنِ عَنْ  
عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَإِنَّ اللَّهَ  
يَمُقَّتْ عَلَى ذَٰلِكَ رَوَاهُ أَحْمَدُ  
وَابُودَاؤُدُ

قولہ لَا يَخْرُجُ۔ یہ بھی کا صیغہ ہے لہذا اس کو جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا اور اگر مضارع معنی کہا جائے تو مرفوع ہوگا۔ اس جملہ سے مطلقاً خروج رجلان سے منع کیا جا رہا ہے جب کہ خروج رجلان میں کون سی قیاحت ہے۔ لہذا اس میں منع صیغہ نہیں تکلف التعلیق۔ دراصل یہاں عبارت مقدر ہے۔ "لا يخرج الرجلان ای الی قصد البول والبراءة"

قولہ يضربان الفاطط : عند البعض يضربان بمعنی يفعلان کے ہے لیکن علامہ ابهریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ ضرب فی الارض ذہاب کے معنی میں ہوتا ہے اب معنی ہوگا بمشیان لاجل قضاء الحاجة اور ضرب الفاطط قضاء حاجت سے کنارہ ہوا کرتا ہے۔

قولہ کا شَفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا : کا شَفَيْنِ یہ حال اول ہے رجلان سے اور يَتَحَدَّثَانِ حال ثانی ہے رجلان سے اس کا معنی ہے "ای رافعين ثوبهما عن عورتهما وينظر كل منهما الى عورة"

صاحبہ۔ کما جاء في ابن ماجه ۳۱۵ باب انتهى عن الاجتماع على  
الخلاء والحدیث عندی عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم قال لا یتناجی اثنان علی غائطهما ینظر کل واحد منهما  
الی عورة صاحبه :

حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ نہ چاہیے دو  
شخصوں کو یہ بات کہ وہ ایک ساتھ قضاء حاجت

### حدیث الباب کا مضمون

کے لیے جائیں اور پھر بوقت قضاء حاجت ایک دوسرے کے سامنے کشف عورت کریں اور  
بات چیت بھی کرتے رہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔  
ثانیاً، اس مقام پر مَجْلَدِ۾ کو خاص کیا جبرئیل علی الغالب در نہ دو عورتیں یا عورت  
و رجل بھی اس میں داخل ہیں۔

## کشف عورت کے متعلق فقہی مسئلہ

یقولی ابوالاسعد : یہ حدیث ستر عورت کے وجوب پر اور کلام عند الخلاء کی حرمت  
پر دال ہے۔ نیز حدیث پاک میں کشف عورت سے منع کیا گیا ہے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے  
کہ کشف عورت عند الآخر کے اندر متعدد قباحتیں ہیں جو نظرًا ممنوع ہیں چنانچہ ایک ملاحظہ فرمادیں  
اَوَّل۔ جو سب سے اہم بات ہے کہ کشف عورت کے اندر رپٹ ذوالجلال کی ناراضگی  
ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ يَمُقُّ عَلَى ذَٰلِكَ « جس میں انسان کی بربادی ہے۔ جب کہ اللہ تبارک  
و تعالیٰ کی رضا مؤمن کے لیے سرمایہ دارین ہے۔

دَوِّم۔ کشف عورت اور کلام عند الخلاء سے حیا میں کمی آتی ہے جب کہ «الْحَيَاءُ  
شُعْبَةٌ مِّنْ اِيْمَانٍ»

سَوِّم۔ غلام کے وقت کشف عند الآخر سے انسان کے عیوب کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ  
قضاء حاجت کے وقت انسان کے اوپر کئی کیفیات کا درود ہوتا ہے جب کہ علیحدگی میں ان عیوب  
کا ستر ہے جو مطلوب و مقصود ہے کما جاء في الحدیث «اِذَا ذَهَبَ الْعَذْهَبُ ابْعَدَ»

تعلیم امت کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تقاضا کے وقت درپچلے جلتے تھے۔

## تَحَدَّثُ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ فِي عِلَامَةِ شُوكَانِي کا نظریہ :-

بقول ابوالاعلیٰ سعاد : حدیث مذکور میں مقت یعنی شدت غضب کو مجموعہ فعلین یعنی تَحَدَّثُ عِنْدَ قَضَاءِ الْحَاجَةِ اور کشف عورت عند الآخر پر مرتب کیا جا رہا ہے اس میں زیادہ سخت چیز جن کو حرام کہنا چاہیے۔ کشف عورت عند الآخر ہے۔ اور رالمسند بات کرنے کا سو یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن علامہ شوکانی "لیل الادوار میں اس حدیث کے دلیل میں لکھتے ہیں کہ :-

اس حدیث کا مقتضی یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت میں تَحَدَّثُ یعنی کلام کرنا حرام ہو کیونکہ مقت یعنی شدت غضب کا ترتیب صرف مکروہ چیز پر نہیں ہو سکتا لیکن ان کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا ہے یعنی جو حکم دو کاموں پر مرتب ہو رہا ہو اسے علیحدہ علیحدہ ہر ایک پر یکے مرتب کیا جاسکتا ہے۔ فافہم و تدبر و تدعانی کل اوقات لا یضلہ سَابِقٌ وَلَا یَنْسِی۔

ترجمہ : روایت ہے زید بن ارقم سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ بچات کے حاضر رہنے کی جگہیں ہیں۔ تو جب تم میں سے کوئی پانچ جاتے تو کہہ لے میں گندے جن اور جنیہ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الْحَشَوُشُ  
مُحْتَظَرَةٌ فَإِذَا آتَى أَحَدُكُمْ  
الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ  
مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ ،

(سواہ ابوداؤد)

قَوْلُهُ الْحُشُوشُ - بِه حُشٍّ بِغَمِّ الْحَارِ كِي جَمْعُ هَيْ - عِنْدَ الْبَعْضِ اس كُو مُثَلَّثٌ  
 يَعْنِي عَارٍ بِرَقِيقَاتٍ مُرَكَّبَاتٍ بِرُحْنٍ جَائِزٍ هَيْ بِمَعْنَى التَّخَلُّدِ يَعْنِي كَبُحُورِ كَيْ جَمْعُ دُرِّ خَشْتِ جَوَائِدِ جَمْعُ كَهْرُ  
 هَوْنٍ - جَوْنُ كَمْ عَامٌ طَوْرٌ بِرَأْدِي جَبِّ حُكْلٍ مِثْلُ هُوَ تَابِهٌ أَيْ سَخْتِ كَرِي كَامُوسٌ هُوَ تَوْرُ دُرِّ خَشْتِ كِي آؤ  
 مِثْلُ كَرْتَفَاضٍ كَرْتَلَبِ اس يَلِي حَشُوشٌ بَرَلْ كَرْمَاجًا قَضَارَ سَابِثِ كِي جَمْعُ مُرَادِي جَائِي هَيْ  
 قَوْلُهُ مُحْتَضَرٌ - بَفَتْحِ الضَّادِ اس مَقْصُودٌ قَالِ الْمُحَدِّثُ الْمَكْبُورُ فَضْلُ اللَّهِ  
 بِنِ حَسَنِ النُّورِ يَشُقُّ : اِی یحضره الجن والشیاطین -

جَنَاتِ اُدْرِ شَیَاطِیْنِ پَاخَانِہ میں آتے ہیں اور اس  
 بات کے منتظر رہتے ہیں کہ جو شخص پَاخَانِہ میں آئے  
 اس کو ایذا پہنچائیں اور تکلیف دیں کیونکہ پَاخَانِہ جانے والا شخص وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اور  
 ذکر الہ نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص پَاخَانِہ جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا  
 وہ جَنَاتِ اُدْرِ شَیَاطِیْنِ کی ایذا سے تکلیف سے محفوظ رہے گا۔ مزید تحقیق قَدْ مَرَّ نَعْتًا  
 و سَابِقًا

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے کہ جَنَاتِ کی آنکھوں اور لوگوں کے  
 ستر کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی  
 پَاخَانِہ میں جائے تو بِسْمِ اللہ کہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ سِتْرٌ مَا بَيْنَ آغْلَيْنِ  
 الْجَنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ  
 إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ  
 أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ :  
 (رواہ الترمذی)

قَوْلُهُ سِتْرٌ - بَفَتْحِ السِّينِ یہ مصدر ہے عند البعض پاکسر بھی ہے بمعنی حجاب  
 یعنی جیسے دیوار اور پردے لوگوں کی نگاہ سے آڑ بننے میں ایسے ہی یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جنات کی  
 نگاہوں سے آڑ بننے کا کہ جنات اس کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ حدیث کی مکمل بحث سابقاً ہو چکی ہے  
 اور یہ علت ثالثہ ہے قرأت الدعاء عند الخلاء کے لیے۔

جَنَاحَاتِ اور شِیَاطِینِ پَاخانہ میں رہتے ہیں  
اور آتے رہتے ہیں۔ اور یہ اس بات کے

## خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

منتظر رہتے ہیں کہ جو شخص پاخانہ میں آئے اس کو ایذا پہنچائیں اور تکلیف دیں کیونکہ پاخانہ جانے والا شخص وہاں ستر کھول کر بیٹھا ہے اور ذکرِ رائے نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو شخص پاخانہ جاتے وقت یہ دعا پڑھ لے گا وہ جَنَاحَاتِ اور شِیَاطِینِ کی ایذا و تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَدِ : اِسْ بَابِ مِیْنِ جَوْ حَدِیْثٍ مَّا گِذِرِیْ هَیْ اِسْ مِیْنِ اِسْ  
دُعَا کے الفاظ اس طرح ہیں : ” اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ “  
چونکہ دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے اس لیے اختیار ہے چاہے وہ دعا پڑھی جائے یا یہ دعا  
پڑھی جائے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ کبھی وہ دعا پڑھے اور کبھی یہ دعا پڑھے یا دونوں کو جمع کر لے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ  
سے کہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
جب پاخانہ سے آتے تو فرماتے تیری بخشش  
چاہیے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ  
غُفْرَانَكَ : (رواهُ الترمذی)

قَوْلُهُ غُفْرَانَكَ : غُفْرَانٌ مصدر ہے اور کَانَ ضمیر کی طرف مضاف ہے اس کی  
وجہ نصب میں دو احتمال ہیں :-

احتمالِ اَوَّلُ : کہ یہ مفعول بہ ہے فعل محذوف اسْتَلَّ یا اَطْلَبَ کا یعنی تیری مغفرت  
کا سوال کرنا ہوں۔

احتمالِ دَوِّمُ : یہ مفعول مطلق ہے فعل امر محذوف ہو گا تقدیر عبارت یوں بنے گی  
” اَعْظُرْ غُفْرَانَكَ “ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَدِ : غُفْرَانٌ کی ضمیر مخاطب کی طرف اِضافت کر کے اشارہ کیا کہ مقصود  
اس دعا میں یہ ہے کہ میں اس بخشش کا طلب گار نہیں ہوں جس کا میں سستی ہوں بلکہ میں آپ کی



شان عالی کے لائق مغفرت مانگتا ہوں۔

فائدہ - مشہور نحوی علامہ فاضل رضی نے لکھا ہے کہ مفعول مطلق کا عامل چار مقامات پر قیاساً واجب الحذف ہوتا ہے۔

۱۔ مصدر جب اپنے فاعل کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے تَبَيَّنَا لَكَ سَخَقًا لَكَ بَعْدَ اَنَّكَ بَوَّ شَا لَكَ الْغ

۲۔ مصدر جب اپنے فاعل کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے غَضَّرَاكَ

۳۔ مصدر جب اپنے مفعول کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے شَكَرًا لِلَّهِ حَمْدًا لِلَّهِ

۴۔ مصدر جب اپنے مفعول کی طرف بلا واسطہ حرف جر مضاف ہو جیسے مَعَاذَ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ

ان صورتوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غَضَّرَاكَ کا عامل بھی وجوباً محذوف ہے کیونکہ یہ بھی صورت ثانیہ میں داخل ہے۔

## بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْخَلَاءِ اسْتِغْفَارُ كِي حَكْمَت

سوال - اس حدیث پر سوال ہوتا ہے کہ قضاء حاجت تو امور طبعیہ میں سے ہے

اس میں تو کوئی گناہ نہیں جب گناہ نہیں تو غَضَّرَاكَ کہ کر معافی مانگنے کی کیا وجہ ہے ؟

یقول ابوالوہاب سعاد : کہا جاسکتا ہے کہ طلب مغفرت جب ہوتی ہے جب پہلے

معصیت ہو یعنی طلب مغفرت سبق معصیت کا تقاضا کرتی ہے قضاء حاجت نہ تو معصیت ہے

اور نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے معصیت کا صدور ممکن ہے بلکہ انبیاء کرام تو معصوم عن الخطا ہیں

نیز عام انسانوں کا بیت الخلاء کو قضاء حاجت کے لیے جانا ایک طبعی تقاضا ہے اگر وہاں ذکر

الہی سے سکوت اور مجاہدات مع ایشیا طین آگئی ہے تو وہ بھی ایک ضرورت اور طبعی تقاضے

کی بنا پر اور شارع علیہ السلام کا حکم بھی یہی ہے کہ اس تقاضا کو پورا کر دے۔ طبعی امور سے رکنے

پر انسان مکلف نہیں۔ لہذا یہاں بعد الفراغ من الخلاء پر استغفار کی صورت میں طلب مغفرت کے

وظیفہ میں کوئی مصلحت اور مناسبت ہو سکتی ہے۔ چند جوابات ملاحظہ فرمادیں۔

عَلَّمَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ سِيوِيَّ الْمَتَوْنِيَّ عَلَيْهِ مِرْقَاةُ الصُّوَدِ  
**جواب اول** شرح سنن ابی داؤد شریف میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے  
 جب شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا یا تو قضاہ حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد رات کو کریمہ  
 یعنی بد بو محسوس ہوئی اس کے بعد انہوں نے عَفَقْرَانُکَ کہا کہ اصل لغزش پھل کھانے سے ہوئی  
 اور ان کی اولاد ان کی پیروی کرتے ہوئے عَفَقْرَانُکَ کہتی ہے۔

یہ ہے کہ ہر دو امور (بول و براز) کا سبب چونکہ کثرتِ اکل و شرب ہے  
**جواب دوم** جو امور اختیار یہ سے ہے کیونکہ جس قدر بھی انسان زیادہ کھاتا ہے  
 اس نسبت سے قضاہ حاجت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ صوفیاء حضرات تھوڑا کھاتے ہیں لیکن  
 قضاہ حاجت کو بھی کم جاتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں ”اَوَّلُ نَبْدَةٍ فِي الْاِسْلَامِ شَبِيعُ الْبَطْنِ“ کہ مسلمانوں میں  
 اولین بدعت کثرتِ اکل کی پیدا ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں یہ نہیں تھی۔ مثلاً حضرت  
 ابو عبیدہؓ اکثر روزہ رکھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کسی علاقہ کے حاکم تھے مگر اس  
 کے باوجود بھی حضرت عمرؓ نے ان کے طعام کے کشکول میں کئی دن کے خشک مدٹی کے ٹکڑے دیکھے  
 تھے جو وہ کھایا کرتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ جب مدینہ طیبہ گئے تو دو ہفتہ تک بول و براز کے  
 تقاضا کو دبانے رکھا مقصود حضور اقدسؐ کے شہر کی حرمت اور آپ کے نقش پا کا احترام تھا کہ جس مقام  
 پر حضور اقدسؐ کے پاؤں مبارک لگے ہوں وہاں بول و براز نہ ہونے پائے۔ اور یہ قضاہ حاجت کا تقاضا  
 بھی اسی وجہ سے دبانے کے تھے کہ کھانے پینے کو ترک کر دیا تھا۔ لہذا کثرتِ اکل و شرب پیدا ہونے والا نتیجہ قضاہ  
 حاجت (جو محرومی ذکر و مستلزم ہے) کو کھانا اختیار ہی مجھ کر استغفار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ ”الکوکب الدرر“ ص ۱۴۱ میں فرماتے ہیں کہ قضاہ  
**جواب سوم** حاجت کے وقت انسان اپنی نجاستوں کا مشاہدہ کرتا ہے اسلام کی  
 تعلیم یہ ہے کہ ان ظاہری نجاستوں کو دیکھ کر انسان کو اپنی باطنی نجاستوں کا استحضار کرنا چاہیے  
 اور ظاہر ہے کہ یہ استحضار استغفار کا موجب ہے اس لیے عَفَقْرَانُکَ کہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔  
 استغفار کے لیے یہ ضروری نہیں کہ طلبِ مغفرت

یَقُولُ اَبُو الْاَسْعَدِ جَوَابًا ۲  
 ای کسیے ہر بلکہ بعض اوقات شکر اور

ترقی درجات بھی مغلوب ہوتے ہیں آپ کا استغفار معاصی سے نہیں تھا بلکہ ترقی درجات کے لیے تھا  
یعنی غُفْرَانُكَ درحقیقت شکر کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ امام الغزالی  
علیہ السلام یہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کا محاورہ ہے ”غُفْرَانُكَ زَكَاةُ نَفْسِكَ“ کُفْرَانُكَ  
کے مقابل سے معلوم ہوا کہ یہ شکر کے معنی میں آیا ہے۔ نیز غُفْرَانُكَ کو شکر کے معنی میں  
اپنے سے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کی بناء پر جو سوال ہوتا ہے وہ بھی باقی نہیں رہتا۔ غُفْرَانُكَ کو  
شکر کے معنی میں ہونے کی ایک مثال ملاحظہ فرادیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا شکر  
بجالاتا یا کرو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رسنے لگے کہ یا رب

### مثال شکر کی حقیقت

آپ کا شکر میں کس طرح ادا کر سکتا ہوں۔ اگر تو اس سے ادا کرتا ہوں تو زبان اور زبان کی قوت  
گویائی آپ کی مخلوق! اگر بدن کے ذریعہ رکوع و سجود کرتا ہوں تو وہ بھی آپ کی مخلوق! عرض  
کوئی چیز بھی میرے پاس ایسی نہیں کہ میں اس کے ذریعہ سے شکر ادا کر سکوں۔ جو کچھ بھی ہے  
آپ کی ذات باریکات کے انعامات ہیں۔ شکر میں تو شاکر کو اپنی طرف سے مشکور کا حق بجالانا  
چاہیے اور یہاں میرے پاس اپنی کوئی چیز بھی شکر بجالانے کے لیے نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے  
جواب میں فرمایا:-

”لے موسیٰ علیہ السلام شکر کے ادا کرنے پر اعتراضِ تفصیر میرے نزدیک شکر ہے کہ  
بندہ اپنے آپ کو عاجز اور لاچار سمجھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے عہد کا اعتراف  
عبر عن الشکر میرے نزدیک شکر ہے“ (حقائق السنن)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح بول و براز سے انسان کے پیٹ  
میں ثقل اور بوجھ پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح گناہوں سے روح و قلب  
میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ بول و براز سے فراغت کی صورت میں جسمانی ثقل دور ہو جاتا ہے مگر  
روحانی ثقل باقی رہتا ہے جو استغفار سے دور ہوتا ہے۔ اس لیے آنکھوں پر صلی اللہ علیہ وسلم غُفْرَانُكَ  
فرماتے تھے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إِذَا اتَىٰ الْحَلَاءُ أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ  
فِي ثَوْبٍ أَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجَىٰ ثَوْبُ  
مَسْحَةٍ يَدًا عَلَى الْأَرْضِ شَقًّا  
أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ فَتَوَضَّأَ

پانہ نہ جاتے تو میں آپ کی خدمت میں چھاگل  
یا پیالہ میں پانی لاتا آپ استنجا کرتے پھر  
ہاتھ مبارک زمین پر رگڑتے پھر برتن لاتا تو  
دھو فرماتے۔

(سداۃ البوادید)

قَوْلُهُ ثَوْبٍ، پینل یا پتھر کا چھوٹا سا برتن پیالہ کی طرح ہوتا ہے اس میں کھانا کھانے  
ہیں اور بوقت ضرورت اس میں پانی بھر کر اس سے دھو بھی کر لیتے ہیں۔

قَوْلُهُ أَوْ رَكْوَةٍ۔ عندہ ابن الککب نے فرمایا ہے کہ أَوْ رَكْوَةٍ ثَوْبٍ اور رَكْوَةٍ  
کے درمیان لفظ أَوْ یا تر شک راوی کے لیے ہے یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے جس راوی نے اس  
حدیث کی روایت کی ہے انہیں یہ شک ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے لفظ ثَوْبٍ فرمایا ہے یا  
لفظ رَكْوَةٍ یا لفظ أَوْ تو مریع کے لیے رقم بیان کرنے کے لیے (اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے  
ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ کبھی تو میں ثَوْبٍ میں پانی لایا کرتا تھا اور کبھی رَكْوہ میں لاتا تھا۔

رَكْوَةٍ بفتح التاء وسكون الكاف : اس چھوٹے برتن کو کہتے ہیں جو چڑے کا ہوتا ہے۔  
قَوْلُهُ فَاسْتَنْجَىٰ۔ اے بالہاء یعنی اس لئے ہونے پانی سے استنجا فرمایا۔  
قَوْلُهُ مَسْحَةٍ يَدًا عَلَى الْأَرْضِ۔ مسح يد دو قسم ہے۔

اول : مسح ید علی الارض خفیف، ہلکا سا ہاتھ لگانا جس کو ہاتھ پھیرنا بھی کہتے ہیں جو مسح  
علی الارض کرتے وقت کیا جاتا ہے۔

دوم : مسح ید علی الارض شدید، کہ سختی کے ساتھ ہاتھ کو زمین پر پھیرنا جس کو رگڑنا بھی  
کہتے ہیں جیسے ہاتھ پر کوئی نجاست وغیرہ لگ جاتی ہے تو زمین پر زور سے رگڑتے ہیں۔ مقام ہذا پر  
قسم ثانی مراد ہے یعنی رگڑنا جس کو ذلک الیٰد علی الارض کہتے ہیں اور اس کا مقصد مسح کریمہ  
کے ازالہ کے لیے ہے تاکہ مٹی سے ہاتھ ہاتھ کر بودیع کر دی جائے۔ عند البعض حضور پر نور صلیم  
کا یہ فعل شریف بھی اُمت کے لیے تھارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت میں بدلہ نہ تھی۔

قَوْلُهُ شَقًّا أَتَيْتُهُ بِإِنَاءٍ آخَرَ : اس کے بعد میں دوسرا برتن لایا۔ یہاں حذف  
مضاف ہے کیونکہ اس کے بغیر معنی نا مکمل ہے اس لیے کہ دوسرے برتن لانے کی کیا ضرورت ہے

”ثُمَّ اتَّيَسَّرَ الْعَاوِي أَنَا وَآخِرُهُ“ حدیث پاک کے اس جملہ سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ استنجاء سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکیدہ یا خلافِ اولیٰ ہے۔ بلکہ دوسرے برتن میں وضو کئے لیے پانی لانا اس لیے تھا کہ پہلا پانی دونوں کاموں کے لیے ناکافی تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک برتن کے پانی سے وضو و استنجاء اور غسل کرنا ثابت ہے۔

## استنجاء کرنے کے بعد دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ کا شرعی حکم

يَقُولُ ابْنُ الْأَسْعَدِ - فقہار کرامؒ سے دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ کا استنجاء کے بعد ہاتھ کو زمین پر رگڑنا کے بارہ میں رد قول ملتے ہیں۔

قول اول : دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ واجب ہے۔

قول دوم : دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ مستنون ہے۔

یہ اختلاف دراصل سبب میں ہے کہ سبب نجاست کون سی چیز ہے۔ بعض کے نزدیک پلیدی کے اندر باریک و لطیف اجزاء ہوتے ہیں جو بغیر دَلَّكَ رگڑنے کے زائل نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ واجب ہے جب کہ بعض حضرات کے ہاں پلیدی میں ہوا کے اثرات ہوتے ہیں جو دَلَّكَ کے بغیر صرف حرکت سے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک دَلَّكَ صرف مستنون ہے۔ اگر کوئی آدمی استنجاء سے فارغ ہونے کے بعد دَلَّكَ الْأَرْضِ پر عمل نہیں کرتا بلکہ صرف صابن وغیرہ سے ہاتھ کو دھوتا ہے تو بھی اشتراک العلت (صفائی) کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے۔

سوال - دَلَّكَ الْيَدُ عَلَى الْأَرْضِ سے مقصود طہارت کا ملہ کا حصول ہے جب کہ دَلَّكَ میں بظاہر مٹی سے اشاتلویت ہے کہ ہاتھ مٹی میں ملوث ہو جاتا ہے۔

جواب - منجانب اللہ فطرۃ مٹی کے اندر انقاء کا مادہ موجود ہے جو طہارت کے ساتھ ساتھ کامل تنقیہ بھی کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس برتن کو مٹی سے مانجنے کا حکم دیا ہے جس میں کثرت نہ لگا جائے ”وَالثَّامِنَةُ عَفْرُوهُ بِالْقِرَابِ“ لَآ الْقِرَابِ اِبْلَغُ فِي الْأَنْقَاءِ وَالتَّنْظِيفِ۔

ترجمہ : روایت ہے حکم ابن سفیانؒ  
سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب  
پیشاب کرتے تو وضو فرماتے اور شرمگاہ  
پر چھینٹے مارتے۔

وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ  
قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ  
فَرُجَتَهُ : (سواء البوداد)

قولہ نَضَحَ فَرُجَتَهُ : نَضَحَ کے معنی میں مختلف قول ہیں چنانچہ علامہ قاضی  
ابوبکر بن العربیؒ عارضۃ الاحوذی ص ۱۱۱ طبع مصر میں نَضَحَ کے چار معنی لکھے ہیں :-  
الاول : جس وقت آدمی پیشاب کرے تو اس وقت قبضۃ الذکر کو اچھی طرح صاف  
کرے یعنی پیشاب کی نالی کو کھانسی کر یا پتھر کر صاف کرے۔

الثانی : انتضاح سے مراد یہاں بعض لوگوں نے استنجاء بالمدار لیا ہے  
یعنی جب وضو کرنا چاہے تو استنجاء بالمدار بھی کرے۔ اس صورت میں تَوَضَّأَ سے مراد اِذَا  
اِمْرَأَتِ الْوَضُوءِ ہوگا۔

الثالث : عند البض مطلب یہ ہے کہ وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیشانی پر بہا  
رہا جائے جیسا کہ بعض روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (سند الشیخین صحیح)  
باب اسباغ الوضوء

الرابع : جواصح مافی الاقوال ہے کہ وضو کرنے کے بعد چلو میں پانی سے کر زبرجامہ  
یعنی محل استنجاء یا زبرنات پر چھینٹیں ڈالیں یا کہیں اور خرجہ البیہقیؒ وابن ابی شیبہؒ وما  
یؤیدہ عن ابن عباسؓ موقوفاً " اِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْخُذْ حَفْنَةً مِنْ  
مَاءٍ فَلْيَنْضَحْ بِهَا فَرْجَهُ فَإِنْ أَصَابَهُ شَيْءٌ فَلْيَقْلُقْ أَنْ ذَاكَ مِنْهُ وَالْمَطَابِعُ الْعَالِيَةُ  
ص ۱۱۱ ج ۱ رقم ۱۱۱

فیہ سنن ابن ماجہ شریف ص ۱۱۱ ج ۱ باب ما جاء فی النضج بعد الوضوء میں ہے :-  
"عَلَّمَنِي جَبْرِئِيلُ الْوَضُوءَ وَامْرَأَتِي اِنْ اِلْنَضَحَ تَحْتَ ثَوْبِي"

## حکمت فی النفع بعد الوضوء

یقول ابوالاسود : نفع علی الاضمار بعد الوضوء میں حکمت کیا ہے محدثین حضرات نے اس کی متعدد حکمتیں لکھی ہیں :-  
 اوّل ، اگر کسی کی طبیعت میں کورس ہو تو خرچہ دیکھ کر یہ دوسرے نہ کرے کہ پیشاب کا قطرہ ہے بلکہ سمجھے کہ میں نے خود پانی چھڑکا ہے ۔

دوّم ، بعض لوگوں کا شانہ کمزور ہوتا ہے اور حرارت کی وجہ سے ان کے شانہ سے قطرات نکلنے کا امکان ہوتا ہے ۔ جب پانی چھڑک دیا تو اس سے کپڑے کی برودت کا اثر پیشاب کے راستہ پر پڑتا ہے جو اس کے انجماد کا موجب ہوتا ہے ۔ اگر کوئی قفرہ نکل بھی آتا ہے تو شانہ میں منجمد ہو جاتا ہے اور باہر نہیں نکلنے پاتا ۔

سوم ۔ حضرت شیخ الہند علامہ محمود الحسنؒ اسیر مائٹا نے اس کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ وضو سے اصل مقصود تو طہارت باطنی ہے لیکن عملاً اس میں صرف ظاہری اعضاء کو دھویا جاتا ہے جس سے طہارت ظاہری حاصل ہو جاتی ہے لیکن اس سے فراغت کے بعد ردیے عمل مستحب قرار دیے گئے ہیں جن سے طہارت باطنی کا استحضار پیدا کرنا مقصود ہے :-

۱۔ فضل وضو کو پینا ۲۔ نفع الفرج ۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ انسان کے تمام گناہوں کا منبع اس کے جسم میں دو ہی چیزیں ہیں ایک فم ، دوسرے فرج ۔ شہوت بطن کے اثرات زائل کرنے کے لیے فضل وضو پینے کو مشرّع کیا گیا اور شہوت فرج کے اسداد کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نفع علی الاضار کو ۔ بہر حال یہ امر خوب کے لیے نہیں بلکہ بیان فضیلت کے لیے ہے ۔  
 (درس ترمذی ص ۲۵۹ ج ۱ باب النفع بعد الوضوء)

ترجمہ : روایت ہے امیمہ بنت رقیقہ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ کے

وَعَنْ أُمِّمَةَ بِنْتِ  
 رَقِيقَةَ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ

تخت کے نیچے رکھا رہتا تھا جس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔

مِنْ عَيْدَانِ تَحْتَ سَرِيرٍ  
يَبُولُ فِيهِ بِاللَّيْلِ :

(رواہ ابوداؤد)

قَوْلُهُ قَدْ حُجَّ : جمع اقداح بمعنی پیار جو نکڑی کا تھا لیکن یہاں قَدْ حُجَّ بمعنی الاناس بمعنی مطلق برتن تھا۔

قَوْلُهُ عَيْدَانِ : یہ لفظ عیدان بفتح العين وبکسر العين دونوں طرح ہے اگر بانٹج ہے تو جمع ہے عَيْدَانِ اس کا کی اور عیدانہ کھجور کے ٹٹہ کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس ٹٹہ کو کھوکھلا کر کے پیار بنایا گیا تھا جس میں آپ پیشاب فرماتے تھے۔ اور اگر باکسر ہے تو جمع ہے عود کی بمعنی نکڑی۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ کے پاس نکڑی کا پیار تھا، مشہور باکسر ہے۔  
يَقُولُ ابوالاسعاد : علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ باکسر اگرچہ مشہور ہے مگر معنی غلط ہے اس لیے کہ جب چند نکڑیوں سے پیار بنے گا تو اس میں رقیق چیز نہیں ٹھہرے گی جیسے پانی پیشاب وغیرہ مگر میرے ناقص علم کے مطابق جمع کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیدان کو اس کے اجزاء کے اعتبار سے جمع لایا گیا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ چند نکڑیوں سے ملا کر بنا یا گیا ہے اس صورت میں علامہ سندھی کا اشکال وارد نہیں ہوگا۔

قَوْلُهُ تَحْتَ سَرِيرٍ : اس سے مراد تخت ہے جس پر آپ کی ذات پاک آرام فرما رہتے۔ محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ تخت یا چارپائی پر سونا تقویٰ کے خلاف نہیں۔ لہٰذا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ تخت پر آدمی سونے لیکن نرم بستر نہ بچائے، اور پھر روایت بیان فرمائی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نرم بستر بچھایا گیا تو حضرت علیؓ اللہ علیہ وسلم نے صبح کو فرمایا کہ اس بستر نے میری تہجد کی نماز چکا دی ہے۔

« وَكَفَدْتُ شَيْئًا لَهُ فَرُسًا لَيْلًا فَأَمَّا مَوْبِطَتُهُ وَقَالَ يَمْنَعُنِي لَيْسَهُ

مِنْ الْفَيْحَامِ لَوْ رَدِي (مرقات ص ۲۳۳)

قَوْلُهُ بِاللَّيْلِ : باللیل میں بار بمعنی فی ہے ای فی اللیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فی اللیل کی قید لگا کر بول فی لائناؤ تھا اُن کو غیر شروع کیا ہے اس آلا الضرورة



کیونکہ رات محل الاغذار ہے اس میں زیادہ عذر ہوتے ہیں۔

**سوال** - حدیث الباب معارض ہے اس حدیث کے جس میں آتا ہے "وَالْمَلَأْتُهُ لَا تَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ بَوْلٌ" (مختلف ابن ابی شیبہ) نیز طبرانی کی روایت ہے "وَلَا يَنْقَعُ بَوْلٌ فِي ظِلِّهِ فِي الْبَيْتِ" کہ کسی برتن میں پیشاب کر کے گھر میں نہ رکھا جائے۔ غلیف التبتیق ھلہا۔

**جواب** : حدیث اول میں مراد کثرت نجاست فی البیت ہے یعنی گھر کو نجاست اور گندگی سے پاک رکھنا چاہیے۔ اور دوسری حدیث میں مراد طول مکث ہے کہ برتن میں پیشاب جمع کر کے اسے وہیں چھوڑ دیا جائے اور اگر رات میں پیشاب کر کے علی الصباح اس کو پھینک دیا جائے تو یہ ممانعت میں داخل نہیں۔

**بقول ابوالاسعاد** : قَدْ رُحِّمَ مِنْ عَيْذَانِ دَالِي رَوَايَتِ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے "اَنْزَلُوا عَمَتَكُمْ وَالنَّخْلَةَ فَانَهَا خُلِقَتْ مِنْ فَضْلَةِ طَيْبَةِ اَبِيكُمْ" (ترمذی ابوی الیٰی فی مسندہ النخل) یعنی اس حدیث میں کھجور کے درخت کو آدمی کی پھوپھی کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ انسان کو چاہیے اپنی پھوپھی یعنی کھجور کے درخت کا احترام کرے اور آگے عمت ہونے کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جس مٹی سے آدم علیہ السلام کا جسم بنایا گیا تھا اسی مٹی اور پتے ہوئے مادہ سے نخل کی تخلیق ہوئی۔ لہذا آدم علیہ السلام کی نسبت یہ ہماری پھوپھی ہوئی۔ تو تحریم عدم بول فی الانار میں ہے نہ کہ بول فی الانار میں۔

**جواب اول** - یہ ہے کہ یہ عمتہ دالی روایت بالاتفاق ضعیف ہے بلکہ علام ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

**جواب دوم** - اگر صحت حدیث کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ نخل کو پیار بنانے کے بعد اس پر نخل کا اطلاق نہیں ہوگا ہیئت کذا یہ بدل جانے کی وجہ سے لہذا حدیث کے خلاف نہ ہوا۔

چونکہ رات میں سردی وغیرہ کی بنا پر اٹھنا تکلیف

اور پریشانی کا سبب ہوتا ہے اس لیے آپ نے

ایک پیار اس کام کے لیے مخصوص کر لیا تھا چنانچہ آپ کو رات میں پیشاب کی حاجت ہوتی

**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ**

تھی تو اس پیار میں پیشاب کر دیا کرتے تھے۔ اور اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو یہاں بھی تعلیم امت ہی مقصد سامنے آئے گا۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے امت کے لیے یہ آسانی پیدا کر دی کہ جب رات میں پیشاب کی حاجت ہو اور سردی و شہر کی تکلیف کی بنا پر باہر نکلنا دشوار ہو تو کبھی برتن وغیرہ میں پیشاب کر لیا جائے اور صبح اٹھ کر اسے پھینک دیا جائے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ سَأَلَنِي  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبُولُ قَائِمًا فَقَالَ  
يَا عُمَرُ لَا تَبَلَّ قَائِمًا فَمَا بَلَّتُ  
قَائِمًا بَعْدُ :

ترجمہ: روایت ہے حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں کھڑے ہوئے پیشاب کر رہا تھا تو فرمایا اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو، پھر میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا۔

۔ قوله وَأَنَا أَبُولُ قَائِمًا : کہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا۔

بقول ابوالاسعاد : جہاں تک حضرت عمرؓ کے فعل کا تعلق ہے اس بارہ میں محدثین حضرات نے لکھا ہے کہ چونکہ آیام جاہلیت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا طریقہ رائج تھا اور ان کو وہی عادت پڑی ہوئی تھی اس لیے انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کر لیا۔ لیکن امام ترمذیؒ نے حضرت عمرؓ کے اس اثر کو ضعیف کہا ہے ووجود ہے۔

اول : اس اثر کے نقل کرنے والے عبدالحکیم بن ابی الخارق ہیں۔ اس کے متعلق امام ترمذیؒ

## اسماء کے رجال

یہ اسماء ہیں رقیقہ کی بیٹی ان کے والد کا نام عبدہ ہے اور رقیقہ نوید کے بیٹی ہیں اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔

نبی نبی اسماء بنت رقیقہ کے حالات

زوجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن ہیں۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہے۔ رقیقہ کے بارہ مضمون ہیں اور دونوں ذات پر زبر ہے اور درمیان میں دو نقطوں والی بارہ لکھنے ہے۔

فرماتے ہیں (وہو ضعیف عند اهل الحديث صنفه الیوب السخنیانی وتکلم فیہ)  
 دوم: پھر اس کے مقابل میں امام ترمذیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کا اثر نقل کیا ہے فرماتے ہیں۔  
 (عن ابن عمر قال قال عمر ما بليت قائما منذ اسلمت) پھر آگے محاکر فرماتے ہیں  
 (وهذا اصح من حديث عبد الكريم)  
 قولہ لَا تَبْلُ: علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ترمذی کی ہے اور علت بھی کشف عورت  
 وغیرہ ہے۔ مزید تحقیق آیا ہی چاہتی ہے۔

ترجمہ: شیخ الامام محی السنہ و سنت کو  
 زندہ کرنے والے نے فرمایا حضرت حدیث  
 سے بروایت صحیح ترمذیؒ ہے فرماتے ہیں کہ  
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کی کوڑی پر  
 تشریف لائے تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔  
 (بخاری و مسلم) کہا گیا ہے کہ یہ غدر تھا۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَمَامُ مَحْيُ  
 السُّنَّةِ قَدْ صَحَّ عَنْ حَدِّثٍ نَفَقَةٍ  
 قَالَ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ سَبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَانَ  
 قَائِمًا مُتَّفِقًا عَلَيْهِ قِيلَ كَأَنَّ  
 ذَلِكَ لِعَذْرٍ :

قولہ سَبَاطَةَ قَوْمٍ - سباط اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے  
 حضرتؐ نے اس جگہ کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ مقام نرم ہوتا ہے اور اس میں ٹھیسٹیں لٹنے  
 کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

سوال - سباط قوم پر پیشاب کرنا ملک غیر میں تصرف ہے جو ان کی اجازت کے  
 بغیر جائز نہیں اور حدیث مبارک اجازت و عدم اجازت سے خاموش ہے۔  
 جواب اول :- سباط قوم میں اضافت ملکیت کی نہیں بلکہ اضافت اختصاص  
 یا اضافت بادی الملکیت ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ عموماً کوڑا ڈالنے کے مقامات کسی  
 شخص کے مملوک نہیں ہوتے بلکہ رفاہ عام کے لیے ہوتے ہیں۔

جواب دوم :- اگر بالفرض سباط قوم مملوک ہو تو بھی اجازت متعارفہ ایسے موقع  
 پر کافی ہوتی ہے چنانچہ فقہار نے اس پر بہت سے مسائل بھی متفرع کیے ہیں، مثلاً کھیت  
 میں گرے ہوئے پھل وغیرہ میں اجازت متعارفہ کافی ہے۔

جواب سوم۔ مولانا غلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل الجہود ص ۳۱۱ میں فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شرعاً اس کا اختیار تھا کہ وہ امتیوں میں سے کسی کے ملک میں بغیر اجازت تصرف فرما سکتے تھے (حتیٰ جائز لہ ان یستوی حذراً) یہاں تک کہ آزاد کو غلام بنانے کا اختیار بھی تھا اگرچہ آپ نے ایسا نہیں کیا اور اس کی یہ دلیل دیتے ہیں۔۔  
 « اَنْتَبِیْ اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ رِبَاً »۔ وفی فتح الباری ص ۳۱۸  
 یجوز لہ التصرف فی مال امتہ دون غیرہ لامکہ اولیٰ بالمومنین من انفسہم واموالہم»

سوال۔ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً جب قضاے حاجت کی ضرورت محسوس کرتے تو شہر سے باہر نکل کر صحرا میں دور تک تشریف لے جاتے (البدن فی المذہب) یہی آپ کی عادت مبارک تھی۔ مگر اس واقعہ سباطہ قوم میں آپ کا عدم العباد عام عادت مبارک کے خلاف ہے۔

یقول ابوالاسعاد جواباً اولاً، یہ واقعہ سباطہ قوم (موضع قبیلین) کا ہے کہ آپ مصالح سلیمین میں مشغول تھے اور قبیلین فرما رہے تھے۔ مجلس طویل ہو گئی اور بول کی حاجت محسوس ہوئی، دور جانا ممکن نہ تھا اور جانے سے حرج و ضرر لازم آتا تھا اس بناء پر آپ سباطہ قوم پر تشریف لے گئے اور بول سے فراغت حاصل کی (حکاء لہودئی فی شرح الصلیہ ص ۳۱۸)  
 وجواباً ثانیاً، ابعاد فی المذہب براز کے لیے ہے اور بول کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں ستر اور فراغت آجاتی ہے۔ مزید تحقیق آیا ہی چاہتی ہے۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں جو تمہیں یہ خبر دے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَ شَكْرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُولُ قَائِمًا

فَلَا تُصَدِّقُوهُ مَا كَانَ بَيِّنًا | تو اسے سچا نہ مانو۔ آپؐ بیٹھ کر ہی پیشاب  
اِقْ قَاعِدًا۔ (سأواه احمد)

قَوْلُهُ مَنْ حَدَّثَكُمْ۔ ای اخبار کو۔ یعنی تمہیں خبر دے۔  
قَوْلُهُ فَلَا تُصَدِّقُوهُ۔ تُصَدِّقُوهُ کی ضمیر راجع ہے الی من اخبار کو  
کی طرف۔ کہ جو آدمی خبر دے کہ آنحضرتؐ متقی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے تو اس  
کے قول ”بیول قائمًا“ کی تصدیق نہ کرنا۔

## قائمًا بول کرنے کی شرعی حیثیت

بول فی حالۃ القیام میں قہار کا تصور اس اختلاف ہے اور اس میں چار قول ہیں۔  
قول اول :- حضرت سعید بن السنبی، عروہ بن الزبیر اور امام احمد وغیرہ اسے  
علی الاطلاق جائز کہتے ہیں۔  
قول دوم :- قول اول کے برعکس بعض اہل ظواہر اس کی حرمت کے قائل ہیں کہ کھڑے  
ہو کر پیشاب کرنا حرام ہے۔  
قول سوم :- امام مالکؒ کے نزدیک اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ رشاش (پھینٹنے)  
ارٹنے کا اندیشہ نہ ہو ورنہ مکروہ ہے۔

قول چہارم :- جمہور کے نزدیک بول فی حالت القیام بغیر عذر مکروہ ہے مگر نہ لا تحریم۔  
یَقُولُونَ اَبِیْوَ لَا سَعَادَ : یاد رہے کہ جب تک بول قائمًا کفار کے شعار کے طور پر  
مروج نہیں تو اس کا حکم مکروہ مگر نہ تحریم کا تھا۔ اور آج جب کہ وہ کفار کا شعار بن چکا ہے لہذا  
اگر بول قائمًا سے کفار و فاجرے تشبیہ مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ لقولہ تعالیٰ :-

”وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ“ (ربکا)

وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسَبَهُ يَقُومُ فَهُوَ مِنْهُمْ رَا حَدَّثَ  
مقتدرین کی رائے تو یہی ہے کہ اگر بول قائمًا میں احتمال رشاش و تلمیث نہ ہو تو مکروہ تحریمی

گرا ب ہمارے اکابر مطلق بول قائماً پر مکرہ تحریمی کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

## تبدیلی حالات کی رعایت

فتویٰ صادر کرتے وقت زمانہ اور اس کے بدلنے ہوئے حالات کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے۔ بعض خاص صورتوں میں زمانہ اور حالات کے بدلنے سے فتاویٰ بھی بدل جاتے ہیں۔ ”کما حقہ عن الشیخ ابن الہمام فی مسئلۃ الاستنجاء“ مثلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمر میں مساجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں اور نماز باجماعت ادا کرتی تھیں۔ مگر آپ کی وفات کے بعد بعض صحابہ کرامؓ نے جب عمر توں کے حالات کو دیکھا کہ اب وہ مساجد میں جاتے وقت زیب و زینت بھی کرتی ہیں جو کئی مفاسد کا پیش خیمہ ہو سکتی ہیں تو وہ فرماتے کہ اگر یہ عورتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتیں تو آپؐ ان کو مساجد میں حاضر ہونے کی قطعاً اجازت نہ دیتے چونکہ غیر مسلم تہذیب کا عموماً یہ شعار بن چکا ہے کہ کھانا کھڑے ہو کر کھاتے ہیں اور پھر کھڑے کھڑے حیوانوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ لہذا ان کے شعار ہونے کے پیش نظر بوجہ مشابہت باکفار کے بول قائماً مکرہ تحریمی ہے ”حکذا قالہ الشیخ قدوة العلماء والاسخین وراس الفقہاء والمحدثین الشہیر انشاء اللہ السید محمد النور نوراً اللہ وجہہ یوم القیامۃ لا یرفع الشادی ص ۱۵۴“

سوال :- روایت حضرت حذیفہؓ اور اثر حضرت عمرؓ بھور کے قول کے خلاف ہیں جس میں واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک نہیں تھی۔ فکیف التطبیق بینہما۔

## حضرت عمرؓ کے اثر کا جواب

سابق میں اثر حضرت عمرؓ کے اندر وضاحتاً بیان کر دیا گیا تھا کہ یہ اثر سنداً ضعیف ہے اور اس کے مقابلہ میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا گیا تھا جس میں واضح طور پر بول قائماً

کی نفی کر دی گئی ہے۔

## حضرت حذیفہؓ کی روایت کے جوابات

روایت حضرت حذیفہؓ جس میں سباطہ قوم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ بول قائماً کا ثبوت بھی ہے اس کے متعدد جواب دیے گئے ہیں۔

جواب اولؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بول قائماً فرمانا بیان جواز کے لیے تھا اور یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ فعل مکروہ کو بیان جواز کے لیے کہ میں تو

آپ کے لیے مکروہ نہیں (يجوز ان تكاب الذکاھية لبيان العوان لا التحريم) بلکہ بیان جواز کے لیے جو فعل مکروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب ملتا ہے۔ کما هو منقول عن الشیوخی و غیرہ۔ جیسا کہ اعضاء وضوء کو ایک مرتبہ دھونا مکروہ ہے مگر آپؐ نے کبھی کبھی ایک مرتبہ پر اکتفا فرمایا۔

جواب دومؑ سباطہ قوم کی وضع کچھ ایسی تھی کہ آپؐ کے سامنے دالاحقہ بلند اور پیچھے دالاحقہ گہرا تھا یعنی مسلح ڈھلوانی تھی اگر بیٹھتے تو بول نہٹنے کا احتمال تھا اور اگر رخ بدلتے تو کشف عورة لازم آتا گویا وہ جگہ مخروطی شکل کی تھی جہاں بول کرتے وقت کھڑے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔

جواب سومؑ مسئلہ مازریؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ بول قائماً میں خروج ریح سے امن ہوتا ہے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بول قائماً کیا ہے۔ ومنہ قول عمرؓ "البول قائماً احسن للذُّبر"۔

جواب چہارمؑ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے حصول اشتقاق عن وجع الصلب کی غرض سے بول قائماً کیا چونکہ آپؐ کی کمر میں درد تھا اور عرب میں اس کا علاج کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مروج تھا۔ اب بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ درد کمر کے لیے سال میں ایک مرتبہ بول قائماً مفید ہے اسی کو امام محمدی السنۃ نے اختیار فرمایا ہے۔ قيل كان ذاك لك لحنيا۔

**جواب پنجم** ۵  
 حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے میں در تھا جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا جیسا کہ حاکم الدیلمیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ قَائِمًا لَجَرَحٍ مَا بَضَاهُ رَگھٹنے کا اندر در فی حصہ

## روایت حضرت حذیفہؓ اور روایت بنی بنی عائشہؓ کا تعارض اور ان کے جوابات

سوال - حضرت حذیفہؓ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ثابت ہے جب کہ بنی بنی عائشہؓ کی روایت آپ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی نفی کر رہی ہے۔ لہذا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے مسئلہ میں تعارض ہو گیا۔ مخدومین حضراتؒ نے اس تعارض کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور متعدد جواب دیے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں۔

حضرت عائشہؓ اپنے علم کے اعتبار سے نفی فرما رہی ہیں حضرت عائشہؓ کو **جواب اول** کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے واقعہ کا علم نہیں ہو سکا۔ کیونکہ یہ واقعہ گھر سے باہر پیش آیا یعنی بنی بنی صاحبہؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے علم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا نہیں ہے۔ تو گو یا کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے انکار کر رہی ہیں۔ بنی بنی عائشہؓ حذیفہؓ آپ کی عادت مستمرہ بیان کر رہی ہیں اور حضرت حذیفہؓ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ قائماً پیشاب کرنا قعوداً پیشاب کرنے کی عادت مستمرہ کے منافی نہیں ہے۔ فَلَا تَقَامُ صَاحِبًا۔

کان کاملہ استمرار اور دوام کے لیے آتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائرۂ عادت مبارکہ تھی کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ عادت تو بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے یعنی وہ انما کی نفی ہے نہ کہ مطلقاً نفی۔



عند البعض حضرت عذیرؓ کی روایت منسوخ ہے تاخیری بنی عائشہؓ  
 جواب چہارم | کی روایت ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے  
 کی اجازت تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت زید بن  
 حارثہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ  
 حضرت جبریلؑ پہلی وحی میں آپ کے پاس  
 آئے تو آپ کو وضو و نماز سکھائی۔ پھر جب  
 وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا چلو لیا اور  
 شرمگاہ پر چھڑکا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ  
 عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 أَنَّ جِبْرِيلَ آتَاهُ فِي أَوَّلِ مَا  
 أُوحِيَ إِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوءَ  
 وَالصَّلَاةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ  
 الْوُضُوءِ أَخَذَ عَرْفَةَ مِمَّنْ  
 الْمَاءَ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ۔

رواہ احمد

قولہ فی اَوَّلِ مَا أُوحِيَ إِلَيْهِ۔ پہلی وحی سے مراد فرضیت نماز یعنی شبِ معراج کے  
 بعد کی وحی ہے جو نبوت کے تیرھویں سال ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے نماز آئی تھی نہ وضو !  
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض  
 نہ کیا جائے کہ پہلی وحی نہ اِذَا رَأَىٰ شَيْءًا يَكُونُ الذَّلِيلُ ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آدمی کی شکل میں

آئے اور انہوں نے آپ کے سامنے وضو کیا اور نماز

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

پڑھی تاکہ یہ دیکھ کر آپ بھی سیکھ جائیں اسی طرح انہوں نے خدا کی جانب سے ان دونوں چیزوں  
 کی تعلیم آپ کو دی، پھر اس کے ساتھ ساتھ حضرت جبریلؑ نے وضو کے بعد شرمگاہ پر یا ستر کی  
 جگہ کھڑے کے اوپر وضو کے بعد پانی چھڑک کر بھی آپ کو دکھایا تاکہ دفع دوسو اس کے لیے یہ  
 طریقہ اختیار کیا جائے۔

ثانیاً حدیث پاک نفع کا معنی بھی معین کر رہی ہے کہ اس سے چھینٹے علی الازار مارنا مراد

ہیں نہ کہ استنجا بالمار کیونکہ آگے لفظ فرج ہے۔ مزید تحقیق قدر مر الفقا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَقَالَ  
يَا مُحَمَّدُ إِذَا تَوَضَّأْتَ  
فَانْتَضِعْ (مسند الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ میرے پاس حضرت جبریلؑ  
آئے عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب  
آپ وضو کریں تو پانی چھڑک لیا کریں۔

قولہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم : شاید یہ حدیث اس آیت کے  
نزل سے پہلے کی ہے "لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پا)

## اسمائے رجال

### حالات حضرت زید بن حارثہ

آپ کی کنیت ابو اسامہ ہے آپ کی والدہ سعد بنت  
ثعلبہ ہیں آپ کو آٹھ سال کی عمر میں قبیلہ بنی مکن سے  
پکڑ لیا، وہ بازار عکلا میں حکم ابہ حزام ابنہ خولید سے آٹھ چار سو درہم کے عوض فروخت کیا حکم نے آپ کو اپنی  
پھوپھی خدیجہ الکبریٰ کے واسطے خریدا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی خدیجہ الکبریٰ سے نکاح کیا تو انہوں نے  
حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا  
لیا اور اپنی لونڈی ام المین سے نکاح کر دیا جس سے اسامہ ابنہ زید پیدا ہوئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
آپ کا نکاح زینب بنت جحش سے کر دیا جو بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ آپ حضور مسلم  
کو بڑے پیار سے تھے حتیٰ کہ آپ کا شمار اہل بیت پاک میں ہوتا ہے اور لوگ آپ کو زید بنہ محمدؐ کہا کرتے تھے۔  
تب یہ آیت نازل ہوئی "وَدْعُوهُمْ هُوَ ذَا بَيْنِهِمْ" (مجادلہ ۱۱) تمام صحابہ کرام میں مرنے پر آپ ہی کا نام قرآن پاک  
میں آیا وہ فلکما قضیٰ مَیْلُکُمْ مِّنْهَا دینا، آپ کی عمر پچیس سال ہوئی۔ جمادی اولیٰ شہر غزوہ موتا  
میں شہید ہوئے سورہ بنی النضر (۱۱)

یہ بھی انسان کے ساتھ مخصوص ہے مگر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ مزید تحقیق قدمِ نبیؐ کی کتاب الایمان محمود بکریا سرکار دو عالم جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب وضو سے نارغ ہو جاؤ تو شرمگاہ پر کچھ پانی چھڑک دو جیسا کہ قبل کی حدیث میں آپ کا عمل مذکور ہے اس کا مقصد وساوس کا دفعیتہ ہے تاکہ شیطان پیشاب کے پھینٹنے کو جانے کا دوسرا ذوال کئے۔ عند البعض نسانی خواہش دفع کرنے کے لیے بھی یہ عمل صوفیاء کرام کے ہاں معمول رہا ہے اور اسے بکل الشرا و بیل سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَمْرٌو خَلْفَهُ بِكُونِهِ مِّنْ مَّاءٍ فَقَالَ مَا هَذَا يَا عَمْرُو؟ فَقَالَ مَاءٌ مَّتَوَضَّأُ بِهِ قَالَ مَا أُمَرْتُ كَمَا بَلَّغْتُ أَنْ أَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُتَّةً (رواه البوداد)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں پیشاب کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت عمرؓ آپ کے پیچھے پانی کا کوزہ لے کر کھڑے ہو گئے فرمایا اے عمرؓ یہ کیا ہے عرض کیا پانی ہے جس سے آپ وضو کریں فرمایا مجھے یہ حکم نہیں کہ جب بھی پیشاب کروں تو وضو کروں اگر یہ کروں تو سنت ہو جائے۔

قولہ بَالَ۔ محدثین حضرات نے بَالَ کو ذَهَبَ لِبِسْوَلِ پر محمول کیا ہے کیونکہ ظاہرِ احادیث پاک کے لفظ سے سورِ ادنیٰ ظاہر ہوتی ہے معنی ہوتا ہے کہ حضورؐ نے پیشاب فرمایا اور حضرت عمرؓ پیچھے لٹائے کر کھڑے ہو گئے۔ جب کہ آنحضرتؐ کی عادت مبارک تو ابعاد فی الذہب کی تھی۔ اس لیے بال بمعنی ذہب لبسولِ کر پیشاب کے لیے چلے تو حضرت عمرؓ لٹا اٹھا کر پیچھے چل پڑے۔ اس سنہ کی تائید ابن ماجہ ۱۷۱۱ باب من بَالَ ولم يمِسْ ماءً میں بی بی عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے رانطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبسول فاتبعہ عمرؓ بما (۱)

قوله بِكَوْنٍ : بضم الكاں اس کی جمع کیون یا اکوان ہے یعنی ادنیٰ الشرب  
مگر اس کا اطلاق ایسے ظرن پر ہوتا ہے جس سے طہارت حاصل کی جائے اس کے مترادف کوٹا  
بھی ہے مگر مشہور کوٹا ہے۔

قوله مَا أُمِرْتُ - وجوباً لا استحباباً۔

قوله بِلُحْتٍ - بضم اللہاء لا بفتح الباء یعنی پیشاب کرنا۔

قوله أَنَّ التَّوَضُّعَ - ای تطہیر طہارت حاصل کر دینا اس میں استنجاء بھی

شامل ہے۔

قوله لَكَانَتْ - اس کا مرجع فعل طہارت ہے یعنی طہارت حاصل کرنا بعض نسخوں

میں لَكَانَتْ کے بجائے لَكَانَ ہے۔

قوله سَنَّةٌ مُّوَكَّدَةٌ ای طریقہ واجبہ یا سنۃ مؤکدہ۔

يقول ابوالسعاد - آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بطریق وجوب اور فرض

کے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ جب بھی پیشاب کر دے تو اس کے بعد وضو بھی کر دے۔ اور اگر میں اپنی

ظن سے یہ فعل اختیار کر لیتا ہوں تو پھر ہر مرتبہ پیشاب کے بعد وضو کرنا واجب یا سنۃ

مؤکدہ (قریب من الوجوب) ہو جائے گا۔ حالانکہ پانی سے استنجاء کرنا اور ہر وقت با وضو رہنا

تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مستحب ہے۔

وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ وَجَابِرٍ  
وَأَنَّهُ أَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ  
فِيهِمْ رَجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا  
وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ شَرَّ النَّاسِ إِنْ اللَّهُ قَدْ أَشْنَى  
عَلَيْكُمْ فِي الطَّهْوِ فَمَا طَهَّرْتُمْ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ایوبؓ  
وجابرؓ و انسؓ سے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی  
کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک  
ہونا پسند کرتے ہیں اور اللہ مستحروں کو پسند  
فرماتا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
فرمایا کہ اے انصار کے گروہ اللہ تعالیٰ نے  
تمہاری پاکی کی بہت تعریف کی ہے تمہاری  
پاکی کیا ہے۔

قوله فَيْسَهُ رَاجَاً - فَيْسَهُ کے ضمیر کا مرجع عند البعض مسجد نبوی زاد ہما اللہ شرعاً ہے لیکن بہر حضرت کے نزدیک فَيْسَهُ کا ضمیر مسجد قبا کی طرف راجع ہے۔  
قوله فَكُنْكُمْ مَوَدَّةً - ای الزموا کما ان الطهارة مَا اسْتَطَعْتُمْ۔  
استنجا کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

فائدہ

اَوَّل - استنجا بالاماء فقط۔ یعنی ڈھیلے استنجا کیے جائیں پانی کا استنجا نہ ہو۔  
رَوْتَم - استنجا بالاماء فقط۔ یعنی صرف پانی سے استنجا کیا جائے ڈھیلے استنجا نہ کیے جائیں۔  
سَوْم - استنجا کلتیہا یعنی جمع بین الحجر والاماء یعنی پہلے ڈھیلے استنجا کیے جائیں بعد پانی سے کامل صفائی کر دی جائے۔

## مَحَاكِمُ بَيْنَ الصُّوَرِ

نقہ کار اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ یہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور اس بات پر بھی جمہور سلف و خلف متفق ہیں کہ تیسری صورت افضل ہے کیونکہ اس سے تنظیف زیادہ حاصل ہوتی ہے اور اس کا مستحسن ہونا با شعور آدمی کے لیے بالکل بدیہی ہے۔ مزید تحقیق سابقاً استنجا بالاماء میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ  
بَعْضُ الْمُشْرِكِينَ وَهُوَ لِسْتَهْنِي  
إِنِّي لَأُرَى صَاحِبَكُمْ يَقْلِمُكُمْ  
حَتَّى الْخِدْرَاءُ قُلْتُ أَجَلُ أَمْرِنَا  
أَنْ لَا نَسْتَعْبِلَ الْقَبِيلَةَ وَلَا نَسْتَسْجِي  
بِأَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِي بِدُونِ ثَلَاثَةٍ  
أَحْجَابٍ لَيْسَ فِيهَا سَرَجِيْعٌ وَلَا عِظَمٌ  
رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ترجمہ : روایت ہے حضرت سلمانؓ سے فرماتے ہیں بعض مشرکین نے مذاقاً کہا کہ ہم تمہارے صاحب کو دیکھتے ہیں کہ تم کو پاخانہ کرنا تک سکھاتے ہیں میں نے کہا ہاں! میں حکم ٹپے کہ قبیلہ کو منہ نہ کریں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجا کریں اور زمین پتھروں سے کم پر کفایت نہ کریں۔ ان میں نہ گوبر ہو اور نہ ہڈی۔

قَوْلُهُ صَاحِبُكُمْ - یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قَوْلُهُ حَتَّى الْخِرَاقَةِ - خِرَاقَةُ بکسر الخاء ہے - علامہ خلائی نے اصلاح خطا اغتہین میں لکھا ہے کہ اکثر لوگ اس کو بفتح الخاء پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ بفتح الخاء کے معنی نجاست کرنے کی ہیئت، حدیث پاک میں مقصود ہیئت الحدیث بیان کرنا ہے رک کس طریقہ پر نجاست کی جائے، نہ کہ خود نجاست۔

مشرکین کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے نبی عجیب شخص ہیں کہ ذرا ذرا سی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں یہاں تک کہ تھکے حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں۔ بکھلا یہ باتیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کرنے کی ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات تو بہت اونچی ہوتی چاہئیں۔

قَوْلُهُ قُلْتُ أَجَلٌ - بسکون الدوم : یہ حرت ایکاب بمعنی نعم ہے اور بعض اہل لغت نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے کہ کُلم استعمال کے جواب میں آتا ہے اور أَجَل خبر کے جواب میں آتا ہے۔

سوال - لَقَدْ أَجَلٌ کہنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ نے مشرک کے اس استمزاز و اعتراض کو تسلیم کر لیا ہے جو وہ تعلیم نبویؐ پر کرنا چاہتا ہے۔

یَقُولُ ابْنُ الْأَسْعَدِ جَوَابًا - حضرت سلمانؓ نے معترض کے اعتراض کا جواب بہت مؤثر انداز میں دیا یعنی جواب علی اسلوب الحکیم کو اختیار فرمایا۔ جواب علی اسلوب الحکیم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سائل کے حالی اور موقع محل کے مطابق جواب دیا جائے خواہ وہ جواب سوال پر مستطیع ہو یا نہ ہو جیسے یَسْأَلُكَ عَنْ الْهَيْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لَيْلٍ وَأَنْحَرٍ جَوَابًا خَلَّصَ جَوَابَ يَبَاكَ أَنْ يَشْكُ بِالْكَلِّ أَيْسَا هِيَ جِيبٌ كَمْ رَجَعَتْ -

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی ہمیں ہر چھوٹی بڑی چیز کی تعلیم فرمائی ہے اور ہر چیز کے آداب سکھائے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ غوثی اور تعریف کی بات ہے نہ کہ اعتراض کی۔ نیز اس سے ہماری شریعت مطہرہ کی جامعیت معلوم ہو رہی ہے کہ اس کی تعلیمات کتنی کامل اور مکمل ہیں۔ کما فی قولہ تبارک " أَلَيْسَ لَكُمْ لِكُلِّ شَيْءٍ نُّكْرٌ وَأَنْتُمْ عَلَىٰكُمْ" (یٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ)

## جامعیت شریعت کی ایک جھلک

اگر غور کیا جائے تو دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے آقا کے دو جہاں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداء اپنی ذاتی نے ایک پانچواں کے مسئلہ میں پورے دین کو اجمالاً سمجھ دیا ہے چنانچہ ”اَنَّ لَوْ فَسَّقِمْ اَلْقَبِيْلَةَ“ میں احرام قبلہ ہے۔ اس کے ضمن میں حقوق اللہ کی رعایت کی طرف اشارہ ہو گیا اور ”وَلَا فَسَّقِمْ بِاَيِّمَا نِشَا“ کے ضمن میں حقوق النفس کا لحاظ کرنا آگیا اور ”وَلَا تَكْتَفِي بَدْوَن ثَلَاثَةِ اَحْجَابٍ“ کے ضمن میں طہارت و نظافت آگئی اور ”فِيْهِمَا رَجِيْعٌ وَلَا عَطْوٌ“ کے ضمن میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہوا تو اس سے زیادہ جامعیت کس دین میں ہو سکتی ہے۔ جہاں ایک بیت اللہ کے مسئلہ میں پورے اسلام کو بیان کر دیا۔ اگر ذرا سی عقل ہو تو اس پر قربان ہو جائیے اور ایمان لانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ باقی حدیث پاک میں جو احکام ہیں ان کی تفصیل قدر ستر مفقلاً۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ  
بُرَيْدٍ حَسَنَةً قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَفِي يَدَيْهِ الدُّفَّةُ فَوَضَعَهَا ثُمَّ  
جَلَسَ قَبَالَ إِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ  
النُّظُرُ وَالْيَهُ بِيُولُ إِلَيْهِ  
كَمَا تَبُولُ الْمَرْأَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
وَيَحْكُ أَمَّا عَلِمْتُ مَا أَصَابَ  
صَاحِبَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ :

ترجمہ : روایت ہے عبدالرحمن بن حسانہ سے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کہ آپ کے ہاتھ شریف میں ڈھال تھی زمین پر رکھی پھر بیٹھ کر اس کے پیچھے پیشاب کیا تو بعض کفار بولے انہیں دیکھو تو عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو فرمایا افسوس تم پر، کب تمہیں خبر نہیں کہ بنی اسرائیل واسے کو کب آفت پہنچی۔

قوله الذَّرَقَةُ - بالفتحات الترس من جلود : ذرقة چمڑے کی وہ ڈھال ہے جس میں کلڑی اور پٹھا استعمال نہ کیا جائے بلکہ ہوتی ہے جنگ میں تلوار کا دار آسانی سے روک لیتی ہے۔ آپ نے پیشاب کرنے کے لیے اس کو پائے آگے رکھ کر آڑ بنایا تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔

قوله فقال بعضهم - ای بعض المشرکین او بعض المنا فقین : قوله يسبول كما سبوا المرأة - دیکھیے آپ کی جانب کس طرح پیشاب کر رہے ہیں جس طرح عورت کیا کرتی ہے۔

يقول ابوالاسعد : تشبيه بالمرأة في دو احتمال في أول آثر اور پردہ قائم کرنے میں تشبیہ ہے۔ دوم : بیٹھ کر پیشاب کرنے میں اس لیے کہ زانہ جاہلیت میں صرت عورتوں کی عادت بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی امر د کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے :-

« كان من شأن العرب البول قائماً » اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کو شہامتِ رجال یعنی مردانگی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ تشبیہ دونوں بانوں میں ہو۔ قوله صاحب : صاحب سے کون شخص مراد ہے۔ جمہور حضرات کے نزدیک بنو اسرائیل میں سے ایک شخص تھا لیکن علامہ عینیؒ نے صاحب بنی اسرائیل کا مصداق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ ہر بنی اپنی قوم کا صاحب کہلاتا ہے تو ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل کے صاحب موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اب اگر اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں جیسا کہ علامہ عینیؒ کی رائے ہے تو عبارت کا مطلب صحیح نہیں بنتا بلکہ الٹا سوال ہوتا ہے۔

سوال - کہ بقول علامہ عینیؒ صاحب سے مراد موسیٰ علیہ السلام ہیں تو پھر فَنَهَّاهُمُوعَنِ الْفَحْشَاءِ تک درست ہو سکتے ہیں کہ بنی خود اپنی شریعت کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں یا ان کو عذاب کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ سب کچھ ہستیاں تو معصوم عن الذنب و مغفور لہ ہوتی ہیں۔

يقول ابوالاسعد جواباً : تكلف کر کے نکالنا پڑے گا لہذا فَنَهَّاهُمُوعَنِ الْفَحْشَاءِ ضمیمہ صاحب کی طرف راجع ہے اس کی تقدیر عبارت یوں ہوگی « فَنَهَّاهُمُوعَنِ الْفَحْشَاءِ وَنَافِیْ اَمْرِ الْبَوْلِ » یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو پیشاب کے بلے میں بے احتیاطی سے



منع کیا اس پر ان کی بات کو بعضوں نے مانا اور بعض نے نہ مانا۔ ”فَعَذَابٌ فِي قَبْرِہِ  
 اِیْ مِنْ قَبْرِہِ یَنْتَہِہُ“ یعنی جو اپنی حرکت سے باز نہ آیا اس کو عذاب قبر دیا گیا تو عَذَابُ  
 کَانَابِ فاعِلِ مَقْدَرِ ماننا پڑے گا اور پہلی صورت میں عَذَابُ کَانَابِ فاعِلِ صَاحِبِ بنی اسرائیل تھے  
 وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ !

قَوْلُهُ قَرْضُوهُ بِالْمَقَارِیضِ - اِیْ قَطْعُوْہُ بِالْمَقَارِیضِ : مقارِیض جمع  
 مقراض وھوَالْمَقْطَعُ - مَقْدُمُیْنَ حَضَرَاتِ نے بحث کی ہے کہ قَرْضُوهُ کَانَظَرُ کس چیز  
 کے ساتھ ہے اس میں دو قول ہیں :

اَوَّلُ : قَرْضُوهُ کا ضمیر کپڑوں کی طرف راجع ہے کہ کپڑوں کو کاٹتے تھے - تفسیر عبارت  
 یوں ہوگی ”اِذَا اصَابَ ثَوْبٌ اَحَدَہُمْ شَیْءٌ مِّنَ الْبَوْلِ - کَمَا فِیْ رِوَایَۃِ الْبُخَارِیْ  
 دَوِّمُ : خود وجود کے چڑے کو کاٹتے تھے - کَمَا فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ رَآوَدٍ شَرِیْفٍ مَّجِّدٍ بَابُ الْمُسْتَبْرَآءِ  
 (قَالَ جِلْدُ اَحَدِہُمْ) اور یہ حکم اس (صِرْدِ اغْلَاذِلِ یعنی احکام شاقہ کے قبیل سے ہے جو  
 شریعت موسویہ میں تھے اور بنو اسرائیل جس کے مکلف تھے - جس کی طرف اس آیت کریمہ ”وَاَنْ  
 یَّصْنَعُ عَنْہُمْ اِمْرَہُمْ وَاَلَاغْلَاذِلِ الْاَنْثٰی کَانَظَرُ عَلَیْہِمْ“ (پ) میں ہے -

یَقُولُ ابُوَالْاَسَدِ : قَرْضُوهُ کا ضمیر جلد انسانی (یعنی وجود کا پڑا کاٹتے تھے) کی طرف  
 راجع کرنا درود جو سے بعید ہے -

اَوَّلُ : رَبِّ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ کی ذات پاک ارحم الراحمین ہیں وہ اپنی مخلوق کو ایسے امر کی  
 کیسے مکلف کر سکتی ہے جو مالا یطاق ہو (لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِثْمًا وَّسَعَهَا) پھر تو بنی اسرائیل  
 میں سلسلہ جماع بھی بند ہونا چاہیے تھا کہ عضو مخصوص کا انقطاع لازم ہو -

ثَانِیًا : جلد سے مراد بدن انسانی کی کھال نہیں ہے بلکہ جانوروں کی کھال مراد ہے جس کو  
 پہنتے ہیں یعنی پرستین - لیکن اس تاویل پر یہ اشکال ہوگا کہ ایک روایت میں صان ”جسد  
 اَحَدِہُمْ“ کا لفظ وارد ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بالکافی ہے - راوی نے جلد  
 سے (جسد) جلد انسانی سمجھا - پھر اپنی فہم کے اعتبار سے لفظ جسد کے ساتھ اس کو نقل کر  
 دیا - وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ !

## خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

بنو اسرائیل کی شریعت میں حکم شرعی یہ تھا کہ جو چیز پیشاب سے ناپاک ہو جائے اسے بھانکے دھونے کے کاٹنا ضروری ہے صرف دھونے سے پاک نہیں ہوتی تھی لیکن ایک اسرائیلی شخص نے لوگوں کو اس حکم شرعی پر عمل کرنے سے رد کیا اور یہ کہا کہ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس نے اپنی شریعت کے حکم میں بے پرواہی برقی اسی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ کہ بنی اسرائیل کی شریعت کا وہ ناعدہ اگرچہ شرعی اعتبار سے پسندیدہ تھا مگر چونکہ اس میں مال اور جان کا ضرر ہوتا تھا تو دوسرے لوگوں کو اس سے روکنے پر جب اس شخص پر عذاب نازل کیا گیا تو شرم و حیا نہ کرنا بطریق اولیٰ عذاب کا سبب ہے کیونکہ پیشاب کے وقت پردہ کرنا اور شرم کرنا نہ صرف یہ کہ ازراہ شریعت پسندیدہ اور بہتر چیز ہے۔ بلکہ عقل و انانیت کے اعتبار سے بھی اولیٰ و افضل ہے۔ مزید اس حدیث کی بحث بندہ نے اپنی تالیف فضل العبود شرح سنن ابی داؤد و زیر طبع میں بیان کر دی ہے۔

وَعَنْ مَرْوَانَ الْأَصْفَرِ  
قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَنَاخَ مَرَّحِلَةً  
مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ  
يَبُولُ إِلَيْهَا فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
أَلَيْسَ قَدْ نَهَى عَنْ هَذَا قَالَ  
بَلِ إِنَّمَا نَهَى عَنْ ذَلِكَ فِي الْفِضَاءِ  
فَإِذَا كَانَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ  
شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلَا بَأْسَ

(مرقاۃ ابوداؤد)

ترجمہ : روایت ہے مروان اصفر  
سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر  
کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی سواری قبلہ رخ  
بٹھائی اور بیٹھ کر اس کی جانب پیشاب کرنے  
لگے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمن کیا اس کی  
مانعت نہیں ہے۔ فرمایا کہ اس سے جنگل  
میں منع کیا گیا ہے مگر جب تمہارے اور قبلہ  
کے درمیان کوئی چیز آ کرے تو کوئی مضائقہ  
نہیں۔

قوله إِلَيْهَا - ای الی اللاحلۃ : یعنی اپنی سواری کی طرف منہ کر کے پیشاب کیا۔

قوله يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ : یہ حضرت عبدالرحمن بن عمرؓ کی کنیت ہے۔

قوله الْفِضَاءِ - اُمّ الْفَضْحَاءِ : اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عام صحابہ

کرام اور تابعین میں بھی مشہور تھا کہ مطلقاً قبیلہ روم پشاپ پانٹخانہ کرنا منع ہے۔ تب ہی تو اس تابعی کو حضرت ابن عمرؓ کے اس فعل پر تعجب ہوا۔ اس روایت سے مسئلہ استدبار و استقبال پر امام شافعیؒ نے دلیل پکڑی تھی۔ نفی بحث تدریجاً مفصلاً۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنِّي الْأَذَى وَعَافَانِي (مسند ابن ماجہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پانٹخانہ سے نکلنے تو فرماتے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھ سے تکلیف زدہ چیز دور کی اور مجھے عافیت و راحت بخشی۔

قوله الْأَذَى : ای المودی۔ ایذا دینے والی چیز۔

قوله وَعَافَانِي۔ ای مِنْ اِحْتِسَابِهِ۔ یہاں دو نعمتوں پر خدا کا شکر ہے۔ تکلیف زدہ چیز یعنی فضلہ کا نکل جانا اور راحت کا ملنا اس طرح کہ اس کے ساتھ آفتیں باہر نہ آئیں۔ یہ بات معمولی معلوم ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو عظیم الشان نعمت ہے۔

یوں تو اگر کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ خدا کی نعمتوں کو دائرہ شمار میں لے لے کر گنتے جو اس پر خدا کی جانب سے

### خلاصہ سترہ الحدیث

ہیں تو مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ پیدا کس سے لے کر موت تک انسان کی ساری زندگی اور اس کی حیات کا ایک ایک لمحہ خدا کے رحیم و کریم کی بے شمار نعمتوں کا ہی رہیں منت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی انسان خدا کی ان بے شمار اور لامحدود نعمتوں کا شکر بھی بجا طور پر ادا نہیں کر سکتا۔ اب آپ پشاپ و پانٹخانہ ہی کو لے لیجئے بظاہر تو کتنی معمولی سی چیز ہے کتنی عزیز اہم ضرورت مگر ذرا کسی حکیم دوا کرے اس کی حقیقت تو معلوم کرے دیکھ لیجئے۔ ایک طبیب ماہر آپ کو بتائے گا کہ ان معمولی چیزوں پر انسان کی زندگی کا کتنا دار و مدار ہے اور انسان کی موت و حیات سے اس کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ اگر کسی شخص کا کچھ عرصہ سکے پشاپ بند ہو جائے یا کسی کا پانٹخانہ رک جائے

تو اس کی زندگی کے لالچے پڑ جاتے ہیں۔ اور خدا نخواستہ اگر اس عرصہ میں غیر معمولی امتداد پیدا ہو جائے تو پھر اس کی زندگی موت کی آغوش میں سوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بعض احادیث میں یہ دعا بھی منقول ہے جسے آپ بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد پڑھا کرتے تھے:-

« اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَلْبَقِیْ عَلَیْ مَا یَنْفَعُنِیْ رَمَظًا هَـ »

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے زبیا ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز کو دور کیا اور وہ چیز باقی رکھی جو میرے لیے فائدہ مند ہے۔  
مزید حدیث پاک کی بحث روایت "عَقْرُ نَلْک" میں ہو چکی ہے۔

ترجمہ ۱: روایت ہے حضرت ابن مسعودؓ سے فرماتے ہیں کہ جب جنات کا وفد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا یا رسول اللہ اپنی امت کو منع فرمادیں کہ ہڈی گوبر یا کونڈہ سے استفادہ نہ کریں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری روزی رکھی ہے۔ تب ہم کو اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

وَعَنْ ابْنِ مَسْوُودٍ قَالَ  
لَمَّا قَدِمَ وَقَدْ اَلْحِنَ عَلَى النَّبِیِّ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا  
يَا رَسُولَ اللّٰهِ اُنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ  
یَسْتَنْجُوا بِعَظْمٍ اَوْ رَوْثَةٍ اَوْ  
حُمَمَةٍ فَانَ اللّٰهُ جَعَلَ لَنَا  
فِیْهَا رِزْقًا فَهَآءَا سُوْلُ اللّٰهِ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِکَ  
(مسواک ابو داؤد)

قَوْلُهُ اُنْهَ - بِسُكُونِ النَّوْنِ وَفَتْحِ الْهَاءِ : امر کا صیغہ ہے نہیں بٹھائی سے ہے  
قَوْلُهُ اَوْ حُمَمَةٍ - بِضَمِّ الْحَاوِ وَفَتْحِ الْيَمِیْنِ - اِی فَحْمٌ وَرَقَارِی اَکْثَرُ  
می گرینڈ - کونڈہ جسے کہتے ہیں۔ کونڈہ سے بھی چونکہ جنات فائدہ اٹھاتے ہیں مثلاً کونڈہ سے  
کھانا وغیرہ پکاتے ہیں ایا اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں اس لیے اسے بھی رزق میں شمار کیا  
گیا۔ مزید بحث روایت ابن مسعودؓ فصل ثانی ص ۴ پر ہو چکی ہے۔

## بَابُ السِّوَالِ

یَقُولُ ابوالاسعاد : مُصَنَّفٌ عَلَیہِ الرَّحْمَتِ آدَابُ خَلَاءِ بَیَانِ کَرْنِیَ کَ بَعْدِ آدَابِ طَهَارَتِ بَیَانِ کَر رہے ہیں ۔ اور طہارت میں سب سے پہلے نِظَافَتِ فَمِّ کا مسئلہ ہے ۔ اس لیے شریعت مقدّمہ میں مسواک کو وضوء پر تقدیم حاصل ہے ۔ تاکہ وضوء علی نِظَافَتِ الْفَمِّ ہونا چاہیے ۔

### مِسْوَاک کے مباحثِ ششہ کا تفصیلی بیان

یہاں چند بحثیں ہیں :-  
۱۔ مسواک کے لغوی معنی اور ماخذ اشتقاق ۲۔ فضائلِ مسواک ۳۔ آدابِ مسواک  
۴۔ فوائدِ مسواک ۵۔ مقاماتِ مسواک ۶۔ مسواک کا حکم ۔

### الْبَحْثُ الْأَوَّلُ

### مِسْوَاک کے لغوی معنی اور ماخذ اشتقاق

لفظِ مِسْوَاک آد اور فعلِ دَرَنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ، فعل سے مراد مارنا ، کرنا ، اور آد سے مراد وہ کڑوی جس کا استعمال دانتوں پر ہو ، جس وقت آد مراد ہو گا اس وقت اس کی جمع سُوْن کہئے گی جیسے کِتاب کی جمع کُتُب ہے ۔ السَّوَاک یُطْلَقُ عَلَی الْفَعْلِ وَعَلَى الْعُودِ الَّذِی یُسْتَکَ بِهِ ، لَفْظُ نَفْظِ سَوَاک بِکِسْرِ التَّیْنِ « مَا یَدُلُّکَ بِهِ الْإِنْسَانُ » یعنی وہ کڑوی جس سے دانتوں کو رگڑا جائے پر بولا جاتا ہے ۔

## تحقیق لفظ سَوَاك

یہ لفظ ساك يسوك سَوَاك سے مأخوذ ہے جس کے معنی سواک سے دھوئے کے ہیں۔  
عند البعض سواک مأخوذ ہے تساوكت الاہل سے اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کہ اذن  
ضعف کی وجہ سے بہت آہستہ اور نرم چال چل رہے ہوں۔ سو اس میں اشارہ ہے اس بات  
کی طرف کہ سواک نرمی کے ساتھ کرنی چاہیے دونوں صورتوں میں مناسب ظاہر ہے کیونکہ تضاحل  
کے ساتھ باب اِفْتِحَان سے بھی آتا ہے اور لفظ استئذان بھی اس معنی میں آتا ہے جو لفظ سَوَاك  
سے مشتق ہے۔

## لفظ سَوَاك اور ایک لطیفہ عجیبہ

ملکہ زبیدہؓ ایک روز ہارون الرشید سے شکایت کی کہ آپ میرے بیٹے امین کی اتنی تدر  
نہیں کرتے جتنا ایک باندی کے بیٹے مأمون کی کرتے ہیں۔ اتفاقاً اسی وقت امین اور مأمون نے  
دونوں درس گاہ سے گھر واپس لوٹ رہے تھے، اور ہارون الرشید دھند کر رہے تھے اور ان  
کے ہاتھ میں سواک تھا۔ ہارون الرشید نے امین سے پوچھا مکاریؓ یدعی میرے ہاتھ میں  
کیا ہے؟ امین نے کہا سَوَاك! پھر ہارون الرشید نے پوچھا اس کی جمع کیا ہے تو امین نے  
کہا ”مساویك“ پھر ہارون الرشید نے مأمون سے دریافت کیا کہ مکاریؓ یدعی؟ اس نے  
جواب دیا سواک! پھر پوچھا اس کی جمع کیا ہے؟ تو مأمون نے مساویك کہنے کے بجائے  
ضد مساویك کہا! کیونکہ مساویك آپ کی برائیاں میں بے ادبی کا اہام ہے اور ضد  
معا سنك میں ادب و احترام اور اصل معنی کی زبردست تلمیح موجود ہے تو ہارون الرشید  
نے ملکہ زبیدہؓ سے کہا دیکھ لیا امین اور مأمون میں کتنا فرق ہے۔ ذرا مت قرآنِ مراتب کا  
لحاظ اور یہ سب باتیں مأمون سے زیادہ محبت کا سبب ہیں۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي — فضائلِ مسواک

فضیلتِ مسواک کے بارہ میں چالیس مرفوع احادیث وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً مروی ہے :-

تفضل المسلوۃ التي لیستاك لها على المسلوۃ التي لا یستاك لها سبعین ضعفًا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ باب ہذا) حضرت جابرؓ سے مرفوعاً مروی ہے :-

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کعتین بالمسواک افضل من سبعین، کعتی بغیر مسواک (رواہ ابو نعیم باسناد حسن، الترغیب والترہیب للمنذری ص ۱۲۷ ج ۱)

یعنی وہ ایک نماز جو مسواک کر کے پڑھی جائے ان ستر نمازوں سے بہتر ہے جو بلا مسواک پڑھی جائیں۔ علامہ حافظ ابن قیمؒ نے اس غیر معمولی فضیلت کی بڑی اچھی وجہ تحریر فرمائی ہے کہ مسواک کرنا نماز پڑھنا اہتمام پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بندہ سے اہتمام فی العبادت ہی مطلوب ہے کثرتِ عمل مطلوب نہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :-

«الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا» (پہلے) وہ فرماتے ہیں کہ احسن عَمَلًا فرمایا گیا اکثر عَمَلًا نہیں فرمایا۔ سورہ دوکت جو مسواک کے ساتھ ہیں وہ احسن ہیں گو اکثر نہیں ہیں اور وہ ستر نمازیں جو بغیر مسواک کے پڑھی گئی ہیں گو اکثر ہیں لیکن احسن نہیں ہیں۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ — آدابِ مسواک

آدابِ مسواک کی بحث میں چھ آداب ہیں :-  
۱۔ مسواک کی موٹائی خنصر الکفل کے برابر اور طول ایک بالشت ہونی چاہیے۔

۴۔ مسواک شجرۃ الاراک (درہندی جاں می گویند) یا کہ کسی کڑوے درخت کی ہو کیونکہ خود  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شجرۃ الاراک کی مسواک کا استعمال ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان  
میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے :-

” قَالَ كُنْتُ اخْتَبَيْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوَاكَ مِنْ  
أَرَكَ ” ذكره الحافظ في التلخيص الحبير مشاج أكتاب  
الطهارة بالسوان -

۵۔ دائیں طرف سے شروع کرے۔  
۶۔ دانتوں میں مسواک غرضاً کیا جائے لاطولاً یہ بات بھی حضرت عطاء بن ابی رباح کی  
ایک مرفوع اور مرسل روایت سے ثابت ہے۔

” قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبْتُمْ فَاشْرَبُوا  
مَصًّا وَإِذَا مَسَكْتُمْ فَاسْتَاكُوا عَرْضًا (رداء ابو داؤد فی مراسلہ تحت  
کتاب الطہارت)

لیکن زبان پر طولاً مسواک کرنا افضل ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی  
حدیث سے ثابت ہے :-

” وَطَرَفُ السَّوَالِ عَلَى لِسَانِهِ إِلَى فَوْقِ قَالِ الْمَرَارَى كَأَنَّهُ يَسْتَقِ  
طَوْلًا (اعلاء السنن ص ۵۳ ج ۱)

۷۔ ہر بار منہ کا دھونا بھی مستحب ہے۔  
۸۔ حافظ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ کرے اور ہر مرتبہ دھوئے۔

## الْبَحْثُ الرَّابِعُ — فوائد مسواک

یہ کُل شے ہیں جن میں پانچ اہم ہیں :-

- ۱۔ بیسفاکی تیز ہوتی ہے۔ ۲۔ معدہ درست رہتا ہے۔
- ۳۔ منہ کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ کما فی الحدیث ” السَّوَالُ مَطَهْرٌ لِلْفَمِ ”



۴۔ رضاء الہی حاصل ہوتی ہے۔ کما فی الحدیث ”مَرْغَبًا لِلتَّائِبِ۔  
 ۵۔ موت کے وقت کل شہادت نصیب ہوتا ہے چنانچہ ملا علی قاریؒ مسواک کے فوائد نقل کیے ہیں اور آگے لکھتے ہیں :-

”ادناھا تذکر الشہادتین عند الموت بخلاف الانیون (مرقاۃ ص ۲۶)  
 یعنی ادنیٰ فائدہ مسواک کا موت کے وقت کل شہادت کا یاد آنا، بخلاف انیون کے کہ اس کے اندر شتر مضرتیں ہیں۔ ادنیٰ مضرت نسبان کل عند الموت ہے، لیکن علامہ شامیؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ لیکن انہوں نے بھائے ادناھا کے ”اعلاھا تذکر الشہادتین“ لکھا ہے نیز علامہ شامیؒ نے اس کا مقابل انیون کا ذکر نہیں کیا ہے۔

## الْبَحْثُ الْخَامِسُ ————— مقاماتِ مسواک

- کل مسواک متعدد مقامات ہیں جن میں سے پانچ یہ ہیں :-
- ۱۔ دانتوں کی زردی کے وقت جب پہلے ہو جائیں۔
  - ۲۔ منہ کے ذائقہ کی تباہی کے وقت۔
  - ۳۔ نیند سے بیدار ہونے کے وقت۔ نیند خواہ جلی ہو یا نہاری ہو۔
  - ۴۔ تلاوتِ قرآن کے وقت۔
  - ۵۔ گھر میں داخل ہوتے وقت۔ چنانچہ بی بی عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی گھر میں داخل ہوتے تو پہلے مسواک فرماتے تاکہ بات کرتے وقت ریح کرے محسوس نہ ہو۔

## الْبَحْثُ السَّادِسُ ————— مسواک کی شرعی حیثیت

مسواک کی شرعی حیثیت کیا ہے اس میں دو قول ہیں :-

اول۔ ائمہ اربعہ ازہر کے ہاں مسواک کرنا سنت ہے واجب نہیں۔

ولیل - حدیث الباب ہے :-

” لَوْ اَنَّ اَشَقَّ عَلَى اُمَّتِي لَا مَرْتَبَهُم بِالْاَسْوَاقِ عِنْدَ كُلِّ صَلَوةٍ “

اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ واجب نہیں کیونکہ مشقت کا خطرہ ہے ۔

دوئم - علامہ داؤد ظاہری اور اسحاق بن راہویہ سے وجوب کا قول نقل کیا گیا ہے ۔ لہذا اگر کوئی مسواک استعمال نہیں کرنا تو گویا وہ واجب کا تارک ہوا ۔ تو ترک واجب کی وجہ سے وضو صحیح نہیں اور صلوٰۃ بغیر وضو کے ادا نہ ہوگی ۔

دلیل - ان کا وجوب کے قول پر استدلال حضرت رافع بن خدیج اور عبداللہ بن عمر بن علقمہ کی ایک روایت سے ہے :-

” الْمَسْوَاكُ وَاجِبٌ وَغَسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ “ (رواہ

ابو نسیم فی کتاب السَّوَالِ وَذَكَرَهُ الشَّيْخُ فِي الْجَامِعِ الصَّنِيعِ)

## حضرت رافع بن خدیج کی روایت کا جواب

امام اسحاق بن راہویہ اور علامہ داؤد ظاہری نے حضرت رافع بن خدیجؓ کی جس روایت سے وجوب پر استدلال کیا ہے اس کے دو جواب ہیں :-

جواب اول - علامہ تودریؒ نے لکھا ہے کہ امام اسحاقؒ کی طرف وجوب کے قول کی نسبت صحیح نہیں ۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ بھی جہور کی طرح سنت مسواک کے قائل ہیں ۔ اب صرف علامہ داؤد ظاہریؒ رہ جاتے ہیں ۔ ان کے بارہ میں بھی مشہور یہی ہے کہ وہ سنت کے قائل ہیں ۔ اگر بالفرض وہ وجوب کے قائل ہوں تب بھی ان کا اختلاف اجماع کے لیے مضر نہیں ہے ۔

علامہ داؤد ظاہریؒ نے جس روایت سے وجوب پر دلیل پکڑی ہے

جواب دوم - وہ روایت ہی میرے سے کمزور ہے ۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجرؒ تفہیم الجبر میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :- اسنادہ واپا ۔ کمزور ۔ لہذا اسکا استدلال درست نہیں ۔

## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَوْلَا أَنَا أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي  
لَأَمَرْتُ تَهْمُرُ بِتَأْخِيرِ الْمَشَاءِ  
وَبِالْتَّسْوِإِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ  
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ اگر یہ نہ ہوتا کہ اپنی اُمت پر  
دُشواری کروں گا تو انہیں عشاء میں دیر کا اور  
ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

### خلاصۃ الحدیث

یہ کہ اگر میں مسلمانوں کے حق میں مشقت محسوس نہ کرتا  
اور مجھ کو خوف مشقت نہ ہوتا تو البتہ میں ان کے لیے  
مسواک کو ہر نماز کے لیے ضروری قرار دیتا مگر چونکہ خوف مشقت تھا اس لیے حکم ایجابی نہیں دیا  
اور ایسے ہی حکم دیتا ان کو تاخیر عشاء کا مگر چونکہ اس میں بھی خوف مشقت تھا اس لیے اس کا بھی  
حکم نہیں دیا۔

### لَوْلَا کا مفہوم

یقول ابوالاسعاد: عربیت کے اعتبار سے حرف لَوْلَا موضوع ہے امتناع ثانی  
بسبب امتناع اول کے ہے جیسا کہا جاتا ہے کہ «لو جئتني لا كرمك» امتناع ثانی جو  
اکرام ہے۔ اس لیے نہ ہو سکا کہ اول کا امتناع آیا ہے اور جب لَوْلَا پر داخل کر دیا جائے  
تو پھر امتناع ثانی بسبب وجود اول کے آتا ہے۔ مثلاً لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُو

### لَوْلَا عَلِيٌّ لَهْلَكَ عُمَرُو کا پس منظر

اس قول کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک عورت کے اعتراف زنا کی وجہ سے

اس پر حد و تاراج کا حکم دے دیا۔ جب عورت کو رجم کے لیے لے جا رہے تھے تو وہ راستہ میں خوب کھل کھلا کر ہنس رہی تھی۔ حضرت علیؓ اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر کچھ گئے کہ یہ پاگل ہے اور دماغی خرابی میں مبتلا ہے۔ جب کہ حد و دیں مجھنے کے اقرار کا اعتبار نہیں۔

حضرت علیؓ کی تحریک سے جب دوبارہ یہ مسئلہ حضرت عمرؓ فاروق کے ہاں پیش ہوا تو آپ نے اس عورت سے حد ساقط کر دی۔ اور اسی موقع پر ارشاد فرمایا: "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَكَ عُمَرُ" مراد یہ ہے کہ ہلاکت عمرؓ کا امتناع بوجہ وجود علیؓ کے ہوا ہے اگر وجود علیؓ نہ ہوتا تو ہلاکت عمرؓ واقع ہو جاتی۔ سوال اول: جب قاعدہ یہ ہے کہ لَوْلَا بسبب وجود اول کے امتناع ثانی کو مستلزم ہے تو قاعدہ کے مطابق یہاں حدیث یاب میں امتناع ثانی بسبب وجود الاول صحیح نہیں اس لیے کہ وجود اول مشقت تو اُمت پر موجود نہیں۔ لہذا امتناع ثانی رسوا کا عدم امر بھی درست نہیں۔ یعنی جب لَوْلَا موضوع ہے لا امتناع الثانی لوجود الاول اور یہاں یہ صورت نہیں ہو سکتی کیونکہ وجود مشقت تو نہیں ہوا کہ امر التواک منتفی ہو۔

یہاں مخافتہ کا لفظ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی: "لَوْلَا مخافتہ ان اشفق علی امتی لا مرتھو بالتواک" اگر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو حکم کرتا رسوا کا۔ اگرچہ مشقت بالفعل نہیں ہے لیکن خوف مشقت تو ضرور موجود اس لیے امر بالتواک منتفی ہوا۔ اس کی نظیر قرآن مقدس میں بھی موجود ہے:-

يُؤَيِّنُ اللَّهُ لَكَ الْكُفْرَ أَنْ تَقُولُوا ۚ وَاللَّهُ يَكْفِي شَيْئًا عَلَىٰ رِءُوسِ النَّاسِ ۚ مَا يَدْرِي اللَّهُ لَكُمْ أَيَّ مَخَافَةٍ أَنْ تَقُولُوا ۚ

سوال دوم:- امر بالتواک اور تاخیر عشاء تو منتفی نہیں ہوا۔ اب بھی تو رسوا کا اور تاخیر عشاء کا حکم ہے۔ اب بھی متعدد قوی احادیث میں رسوا کا اور تاخیر عشاء کی ترمیم کا امر منقول ہے۔

یہاں بھی وجوہ کا لفظ محذوف ہے تقدیر عبارت یوں ہوگی: "لا مرتھو وجوہا بالتواک" وجوہ کا حکم کرتا کہ ہر نماز کے لیے رسوا کرنا واجب لیکن مشقت کے خوف کی بنا پر حکم وجوبی نہیں دیا۔ بلکہ استحباً ہے۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم مشاہج میں لکھتے ہیں:-

"فيه دليل على ان السؤال ليس بواجب"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں :-

وَفِي هَذَا دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ السُّوَاكَ لَيْسَ بِوَاجِبٍ وَاقِعٍ اخْتِيَارًا لَا كَمَا  
لَوْ كَانَ وَاجِبًا أَمْرًا بِهِ شَقٌّ أَوْ تَوَلُّ شَقٌّ - رَسَنُ الْكَبِيرِ ص ۳۵  
فَلَا اشْكَالَ عَلَيْهِ :

## سواکِ سُنتِ وُضُوءِ ہے یا سُنتِ صَلَوةِ ؟

ائمہ کرام میں یہ اختلاف ہے کہ سواکِ سنتِ صَلَوةِ ہے یا سنتِ وُضُوءِ ؟ اس میں دو مذہب ہیں  
مذہبِ اَوَّل - امام شافعیؒ اسے سنتِ صَلَوةِ قرار دیتے ہیں ، ظاہر یہ ہے کہ یہی ایسا ہی  
منقول ہے ۔

مذہبِ دَوِّم - احناف حضرات اسے سنتِ وُضُوءِ کہتے ہیں یعنی من سنن وُضُوءِ ہے ۔  
ثمرہ اختلاف اس طرح نکلے گا کہ اگر کوئی شخص وُضُوءِ اور سواکِ کر کے  
شمرۃ اختلاف ایک نماز پڑھ چکا ہو اور پھر اسی وُضُوءِ سے دوسری نماز پڑھنا چاہے  
تو امام شافعیؒ کے نزدیک تازہ سواکِ کرنا مستحسن ہو گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ سنتِ وُضُوءِ  
اس لیے دوبارہ سواکِ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی ۔

## حضرت امام شافعیؒ کا استدلال

امام شافعیؒ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ واضح طور پر دلالت کر رہے  
ہیں کہ سواکِ سُنتِ صَلَوةِ ہے لَا سُنتُ الْوُضُوءِ لَوْ كَانَ اشْقَ عَلَى النَّاسِ لَا مَرْتَبَهُمْ  
بِالسُّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَوةٍ ۔

## امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیلِ اَوَّل - حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

”لَوْلَا أَنَّ اَشَقَّ عَلَى اُمَّتِي لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السَّوَالَ مَعَ الْوَضْعِ“

(مُسْتَدْرَكُ حَاكِمٍ ۱۳۱۱ كِتَابُ الطَّهَارَاتِ فَصِيلَةُ السَّوَالَ)

روایت مذکورہ میں مسواک کو سنت وضوء قرار دیا ہے۔

ابن ابی عاصم کی روایت ابن الغافق کے ساتھ مروی ہے۔

(لَوْلَا أَنَّ اَشَقَّ عَلَى اُمَّتِي لَا مَرْتَبَهُمُ بِالسَّوَالَ مَعَ الْوَضْعِ عِنْدَ

كُلِّ صَلَاةٍ)۔ بحوالہ صحیح ابن حبان علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں ”اسناد کا صحیح آثار النشئین ص ۱۱۱ باب السَّوَالَ“

مُعِیْن طبرانی میں حضرت علیؑ سے مَرْفُوعاً یہ الفاظ منقول ہیں۔

”لَوْلَا اَنَّ اَشَقَّ عَلَى اُمَّتِي لَا مَرْتَبَهُمُ بِالسَّوَالَ مَعَ كُلِّ وَضْعٍ“

(بحوالہ علامہ ذوالقرنین ایشمی، مجمع الزوائد ص ۱۲۱ باب السَّوَاك)

مسواک پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے یعنی اس کا

تعلق طہارت سے ہے جیسا کہ ابی عاصم کی روایت ہے

”السَّوَالَ مَطْهَرٌ يُلْفَقُ مَرْضَاةً لِلرَّبِّ“

تیز مسواک کا مقصد بھی تنطیف الاسنان ہے جو باب طہارت میں سے ہے اس لیے

ظاہر ہے کہ مسواک کو سنت وضوء قرار دیا جائے کما قالہ لاحسان۔

## شَوَافِعُ وَمَنْ وَافَقَهُ كَامُتَدِلٌ اَوْ اُسُ كَے جوابات

امام شافعیؒ اور مَنْ وَافَقَهُ حضرات نے روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے دلیل پکڑی

ہے جس میں ”عِشْدُ كُنْ صَلَاةٍ“ کے الفاظ ہیں اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

تفصیلی روایات جن میں وضوء کی قیید ہے زیادت ہے اور ثقات

سے مروی ہے۔ اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا اعتبار ہوگا اور

حدیث کا معنی زیادہ بقہ کو ملحوظ رکھ کر کیا جائے گا تو اس سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ مسواک

سنت وضوء ہے سنت صلوٰۃ نہیں۔

روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے استدلال پکڑنا درست نہیں کیونکہ  
خود انہوں نے اپنی روایت کے غلات اور روایت نقل کی ہے۔

## جواب دوم

کما فی الآثار السنن " لا یصلیٰ بالتسواک مع الموضوء عند کلِّ صلوٰۃ "۔  
ولہذا مشکوٰۃ شریف والی روایت کو آثار السنن کی روایت پر قیاس کرتے ہوئے لا مقولہ  
بالتسواک عند کلِّ صلوٰۃ مع عند کلِّ وضوء پر قیاس کریں گے۔

یہاں مجاز مرسل ہے۔ مجاز مرسل میں جو بیشک غلطی ہوتے ہیں مثلاً  
جزء کا کل پر سبب کا سبب پر شرط کا شرط پر اظہار کا مظہر پر اعلت  
کا معلول پر اور اس کے برعکس ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔ تو حدیث باب میں بھی ذکر سبب  
ہے، مراد سبب ہے یعنی ذکر صلوٰۃ ہے مراد وضوء ہے۔ اور مجاز مرسل کے متعدد تقاضے قرآن مجید  
میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً " اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوْهُكُمْ رِجْلًا  
مَّقَامِ نَظَرِ صَلَاةٍ سے مراد وضوء ہے۔ " يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا اَمْۤوَالَكُمْ  
رِجْلًا یہاں پر بھی ذکر قنوت (سجد) سے مراد مظہر قنوت (صلوٰۃ) ہے۔

یقول ابوالاسعاد جواباً: بندہ کے نزدیک سب سے بہترین توجیح علامہ عثمانیؒ  
نے فتح اللہ شرح مسلم میں فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ اس اختلاف اور بحث کی مدار الفاظ واردہ فی اللہ  
پر ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چار قسم کی روایات ہیں۔ ۱۔ عَنْ عَبْدِ كَلِّ وَضُوءٍ مَعَ كَلِّ  
وَضُوءٍ مَعَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ مَعَ كَلِّ صَلَاةٍ۔

حاصل یہ کہ صلوٰۃ اور وضوء دونوں کے ساتھ احادیث میں تسواک کا ذکر ہے۔  
اور پھر دونوں میں دو صورتیں ہیں بلفظ عِنْدَ اور بلفظ مَعَ۔ سو جانتا چاہیے کہ لفظ مَعَ کا مدلول اتصال  
اور محیثیت ہے۔ بخلاف عند کے کہ وہ اتصال اور قرب دونوں پر صادق آتا ہے۔ اس کے لیے  
اتصال ضروری نہیں۔ جیسا کہ شیخ الرضیٰ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ بھی صلوٰۃ  
کے ساتھ مشہور روایات میں لفظ عند وارد ہے اور وضوء کے لیے میں لفظ عِنْدَ اور لفظ مَعَ  
دونوں کے ساتھ کثرت سے وارد ہوا ہے۔ لہذا جو تسواک وضوء کے وقت ہو رہی ہے اس پر  
عند کلِّ وضوء اور مَعَ کلِّ وضوء دونوں روایتیں صادق آرہی ہیں اسی طرح عند کلِّ صلوٰۃ  
بھی ولوں صادق آ رہا ہے کیونکہ عند کا مقتضی صرف مقارنت و اتصال نہیں بلکہ قرب پر بھی صادق

آتا ہے۔ البتہ مع کلّ صلوٰۃ دلوں صادق نہیں آ رہا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ اگرچہ بخاری شریف کی ایک روایت میں وارد ہے لیکن خلاف مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ نے اس کے شاذ ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ جو لفظ ہمارے خلاف ہو سکتا ہے وہی شاذ ہے۔ اس کے علاوہ باقی تینوں الفاظ ہمارے مسلک کے موافق ہیں۔ تقریر بالاسے یہ بھی واضح ہو گیا کہ عَشْرُ کَلِّ صلوٰۃ والی روایت میں احناف کے نزدیک مضائقہ محذوف ماننے کی حاجت نہیں جیسا کہ بعض کہتے ہیں۔ اب اس تقریر سے تمام روایات مجتمع اور متفق ہو جاتی ہیں۔

**قول فیصل** مرفوع روایات سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہونے وقت مسواک فرماتے ہوں۔ ولہذا مسواک کا صحیح مقام و ضرور ہی متعین ہے۔ فافہم یا ایہا النّاس انّ علینا الاذیاب لاغ !

ترجمہ : روایت ہے شریح ابن ابی شیبہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو پہلے کیا کام کرتے تھے۔ فرمایا مسواک !

وَعَنْ شَرِيحِ بْنِ هَاشِمٍ قَالَ  
سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ  
كَانَ يَبْدَأُ مَا سَأَلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ  
قَالَتْ يَا لَشَوَاكِ (سَأَدَاهُ مُسْلِم)

قولہ بِأَيِّ شَيْءٍ - ای من الافعال د بالاقوال - کیونکہ گھر شریف میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم فرماتے فقصارضاً لہذا تطبیق یوں ہے کہ افعال میں سے اولین کام مسواک والا فرماتے اور اقوال میں سے السلام علیکم فرماتے۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب گھر تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے۔ یہ آپ کے مزاج اقدس کی خُلاصۃ الحدیث

انتہائی نفاذ کی دلیل تھی۔ باقی اس میں حکمت کیا ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک فرماتے اس میں چند حکمتیں ہیں :-

حکمت اول : عند البعض حکمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے



سلسلہ تبلیغ جاری رہتا، سوال و جواب ہوتے رہتے کثرت کلام کی وجہ سے مبارک کے ذائقے شریف کے اندر تغیر آجاتا اور خشکی پیدا ہو جاتی تو حضرت احسن معاشرت کے طور پر مسواک فرمایا کرتے تاکہ ذرا مزہ رینج کر پھر محسوس نہ کرے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ آپؐ یہ تعلیم امت کے طور پر کرتے تھے درندہ آپؐ کی ذات پاک ان عیوب سے کٹی ہوئی طور پر پاک تھے۔ لیکن امت کے لیے اب بھی حکم ہے کہ گھر میں جانے سے قبل انسان اپنے دانت وغیرہ صاف کرے تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔

بعض حضرات کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس فعل سے مسواک

**حکمت دوم** کی فضیلت ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایسا فضیلت والا کام ہے کہ دخول فی الدار کے وقت اولین ترجیح اسی کو حاصل ہے کہ ابتداء مسواک سے فرما رہے ہیں جس طرح کسی اہم کام کو اولین فرصت میں کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت حذیفہؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد کے لیے رات میں اٹھتے تو اپنا منہ شریف مسواک سے صاف کرتے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ  
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا قَامَ لِلْمَجْتَدِ مِنَ اللَّيْلِ  
يَكْشُوفُ فَاةً بِالسَّوَالِ :  
(متفق علیہ)

قوله للتهجد - مِنَ التَّجُودِ وَهُوَ التَّوَمُّ : لیکن اس کا اطلاق صلوٰۃ التَّحِلُّلِ

پر ہوتا ہے۔

## اسماء کے رجال

صحیح یہ ہے کہ حضرت شریح شریح مجتہدینہ نابینا تھے  
بیمہ اور آپ کے والد اُن کی بڑی صحابی تھے۔ حضرت

حضرت شریح بن ہانی کے حالات

شریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہانی سے پوچھا کہ تمہارے کتنے بچے

قَوْلُهُ يَشْوُصُ قَالًا : يَشْوُصُ كَيْفَ تَفْسِيرِهِ كَالْكَفَى :-  
عَلَا : يَشْوُصُ بِمَعْنَى يَذْلُكُ : لِأَنَّهُ يَذْلُكُ مَنَ مَبَارَكٌ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ  
عَلَا : بِأَمْعَى يَغْسِلُ : كَمَنْ مَبَارَكٌ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ

عَلَا : بِمَعْنَى يَغْسِلُ : تَتَقَيَّةً سَ بِمَعْنَى صَافٍ كَرَا - لِأَنَّهُ آدَمُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَاتِ  
مِنْ أَلْحَقَتْ تَحْتَهُ تَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ  
الْقِيلِ كَيْفَ يَسَ لَيْكِنْ ابْنُ أَبِي شَرِيفٍ كِتَابُ الطَّهَارَةِ بَابُ السَّوَاكِ لَمْ يَأْمُرْ بِالْقِيلِ فِي مَطْلَقٍ هُوَ  
« إِذَا قَامَ بِالْقِيلِ » لِأَنَّهُ مَطْلَقُ رَاتِ كَيْفَ حِينَ يَبْدَأُ بِهَرْتِ تَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ  
الْمُحْتَمَلَةُ الْمَكْرِيهَةُ :- !

مَرْجُومًا : رَوَايَتُ هِيَ حَضْرَتِ عَائِشَةَ  
سَ فَرَمَاتِي هِيَ فَرَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سَ كَيْفَ دَسَ مِيزِينَ نَبِيَّاتِ كَيْفَ سَ هِيَ  
مَوْجِبُ كُنَا نَا دَاوُحِي بَرَحَانَا سَوَاكُ كَرْنَا نَا  
مِنْ پَانِي دِنَا نَا خُنْ كُنَا نَا پُورِ سَ دَهُونَا  
بَعْلُ كَيْفَ بَالُ كِهْرِنَا دِرِنَا نَا كَيْفَ بَالُ  
مُونَدْنَا پَانِي خُرْجُ كَرْنَا لِأَنَّهُ اسْتِجَارُ  
كَرْنَا -

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَشْرُ مَنَ الْفَطْرِ قَصُ  
السَّارِبِ وَأَعْفَاءُ الْخَيْبَةِ  
وَالسَّوَاكِ وَاسْتِشْقَاءُ الْمَاءِ  
وَقَصُّ الْأُظْفَارِ وَغَسْلُ الْبِرْجَمِ  
وَنُفْ الْإِطْبِ وَخَلْقُ الْعَاسَةِ  
وَرَبْتَقَا صُ الْمَاءِ يَمْنِي  
الْوَسْتَجَاءُ

قَوْلُهُ عَشْرُ - عَشْرُ تَرْكِبُ هِيَ يَا تَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ كَوَسْوَاكُ سَ رَ  
« خَصَائِصُ »

ہیں - عرض کیا میں عبد اللہ شریع اور مسلم - فرمایا تمہاری کثرت اور مشرک ہے - آپ سیدنا علی المرتضیٰ کے  
مخصوص ساتھی ہیں بلکہ آپ ماضی ہے ہیں جنگ جمل و صفین میں آپ کے ساتھ تھے - سیدنا میں شبیبہ کے  
گئے تھے -

عَشْرَةً مِنَ الْفِطْرِ ۝ یا اس کا معنی الیہ محدود ہے یعنی عَشْرُ خِصَالِ۔

## فِطْرۃ کی تفسیر میں شُرُاح کے اقوال

فِطْرۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر میں اختلافات ہیں، در مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

فِطْرۃ سے مراد دین ہے جیسا کہ قرآن مُقَدِّس میں ہے۔۔۔  
**قول اول** فِطْرۃً اللّٰهُ الْكَفَى فِطْرًا لِلنَّاسِ عَلَيْهَا رُبْلٌ اس آیت میں فِطْرۃ سے مراد دین ہے۔ امام صاحبؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مَواکِب میں سُنَّۃ النَبِیِّن ہے۔ دستورِ اِنِاز کے ساتھ خاص نہیں کھاتا۔۔۔

فِطْرۃ سے مراد فِطْرۃ سَلِیْمۃ و طِبْعِ سَلِیْم ہے۔ یعنی دس چیزیں صاحب فِطْرۃ سَلِیْم کی خصوصیت ہیں جو لوگ طِبْعِ سَلِیْم رکھتے ہیں ان کی عادات و خصائل میں سے ہیں۔ اگر یہ دس کام نہ کیے جائیں تو انسان کی بَیْتِ غیر فِطْرِی بن جاتی ہے۔

بقول ابوالاسعاد: اصحاب فِطْرۃ سَلِیْم کے اولین مصداق تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ کون کے مزاج اور طبیعت کی سلامتی و اعتدال اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں ان کا اس میں کوئی ہنر نہیں ہو سکتا ہے۔ شَعْبٌ اِذَا قُرِبَ قَالَا قُرِبَ !

فِطْرۃ سے مراد سنتِ ابراہیمی ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیتِ کریمہ ”وَ اِذَا بَشُلْنَا رِجْلًا هَلِفُوا مَّا بَلَّهٖ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَمْنٰ رُبْلًا“ میں کلمات سے مراد یہی خصالِ فِطْرَت ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں۔  
 رجلاہین شریف ملاح: پ ۴۷

قَوْلُهُ قَصُّ الشَّارِبِ - شارب کے بائے میں چند الفاظ آئے ہیں۔ نقلِ شارب حلقِ شارب۔ مَرَكَمًا فِي النَّسَافِ، اخَذَ الشَّارِبِ، احْفَازُ الشَّارِبِ۔

بقول ابوالاسعاد: سب سے کم درجہ قص ہے جس کے معنی ہیں موٹا موٹا کاٹنا یہ دراصل مقص سے ہے جس کے معنی مَقْرَاض یعنی قینچی کے ہیں جیسا کہ ناموس میں ہے یعنی

تنبھی سے موٹا موٹا کاٹنا۔ اس سے زائد درجہ احفاد کا ہے یعنی مبالغہ فی القص باریک کاٹنا اس سے بھی انکلا درجہ حلق کا ہے استرہ سے بالکل مونڈ دینا۔ اب ان کے درمیان تطبیق کی شکل کیا ہے اس کی در صورتیں ہیں:-

**صورت اول**۔ تطبیق کی ایک صورت یہ ہے کہ مختلف درجات بیان کیے گئے ہیں اور فی درجہ یہ ہے، اور وسط یہ ہے اعلیٰ یہ ہے۔

**صورت دوم**۔ بعض نے تطبیق بین الروایات اس طرح کی کہ قص کے اندر غصہ و مبالغہ کر دیکھے وہی احفاد ہو جاتا ہے۔ اور اسی احفاد کو کسی نے مبالغہ کر کے حلق سے تعبیر کر دیا۔ یہ تو الفاظ روایات کی تطبیق ہے۔ سو اب فقہاء اس بارے میں کیا فرماتے ہیں اس میں مختلف قول ہیں:-

**قول اول**۔ راجع عندنا واحمد احفاد یعنی مبالغہ فی القص ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے لکھا ہے فرماتے ہیں کہ «القص احسن والحلق سئ» وهو احسن من القص» اور انہوں نے پھر اس کو ہمارے ائمہ ثلاثہ یعنی امام صاحبؒ و صاحبینؒ تینوں کی طرف منسوب کیا ہے۔

**قول دوم**۔ امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک مُشد ہے۔ نیز جو شارح کا احفاد کرے اس کی پشتائی کی جائے۔

**قول سوم**۔ امام احمدؒ کی روایت ثانیہ کے مطابق احفاد افضل ہے۔ علامہ ائرم کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ کو دیکھا کہ وہ احفاد شدید کرتے تھے اور فرماتے تھے «استہ اولی من القص»

**سوال**۔ آپ نے راجع عند الاحناف احفاد کو معتبن کیا ہے یعنی مبالغہ فی القص کو جبکہ در مختار میں ہے کہ احفاد شارح بدعت ہے جو احناف کی معتبر کتاب ہے۔

**جواب**۔ دراصل صاحب در مختار غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ احناف کے ہاں احفاد بدعت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے بدعت کے ساتھ ساتھ سنت بھی لکھا ہے۔ نیز ان کی اپنی ذاتی رائی بھی ہو سکتی ہے۔ جو ایک غیر مفتی بہ قول ہے۔ لایسائی بھلا۔

## طریقہ احفاد الشارب

ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں کہ مونچھیں اتنی کاٹی جائیں کہ شفعۃ علیا کی حرہ ظاہر ہونے لگے۔ یعنی

اوپر کے ہونٹ کی سرخی نمودار ہو جائے۔ امام اعظم رحمہ اللہ ایک روایت ہے کہ مونچھیں بھوڑوں کے برابر رکھنی چاہئیں۔ البتہ غازیوں اور مجاہدوں کو زیادہ مونچھیں بھی رکھنی جائز ہیں۔ کیونکہ زیادہ مونچھیں دشمن کی نظر میں مشتہا باعث ہوتی ہیں اور ان پر رعب چھا جاتا ہے۔

قوله واعفاداً التحیة، عفی سے ہے بمعنی معاف کرنا جس کو ارسال التحیة بھی کہتے ہیں۔ یعنی ڈاڑھی کو چھوڑے رکھنا۔ ارسال التحیہ مذاہب اربعہ میں واجب ہے اس میں مشرکین اور مجوس کی مخالفت ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈاڑھی رکھنا تشریفاً تھا، محض عادیۃ نہ تھا جیسا کہ بعض گمراہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ اعفاد التحیہ نظرت سے ہے۔ تمام انبیاء سابقین کی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان انبیاء کرام کی سیرت کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے ”فَبَشِّرْهُمَا بِمَا كُنتَ تَدْعُو“ (پس) محمدؐ مبین حضراتؑ نے کھا ہے کہ اگر کسی عورت کی ڈاڑھی نکل آئے تو اسے صاف کر ڈالنا مستحب ہے ”اِذَا نَبَتِ اللَّحْيَةُ لِلْمَرْأَةِ فَیَسْتَحَبُّ لَهَا حَلْقُهَا“ (مسند صحیح)

## مقدار التحیہ کی شرعی حیثیت

ڈاڑھی کی مقدار شرعی کیا ہے اس میں دو قول ہیں۔

عند الجسوس ومنہم ولا تحبہ الشلا شتا (سوائے شوافع)

قول اول

اس کی مقدار بقدر قبضہ (مٹھی) ہے۔ جس کا مأخذ فعل ابن عمرؓ ہے کہ وہ

ما نأد علی القبضة کو کتر دیتے تھے۔ جیسا کہ امام ابی داؤد علیہ الرحمۃ نے سنن ابی داؤد شریف ص ۲۲۵ ج ۱ کتاب الصیام باب القول عند الاقطار میں ذکر فرمایا ہے :-

”قال رأیت ابن عمرؓ یقبض علی لحیتہ، فیقطع ما نأد علی الکعب“ اور قبضہ سے زیادہ ڈاڑھی رکھنا عزیمت اور اولیت ہے۔ نیز قبضہ کو سنت کہنا بھی بایں معنی ہے

کہ ثابت بالسنۃ ہے جیسا کہ عیدین میں ہے۔

شافعیہ مطلقاً اعفار کے قائل ہیں اخذ ازاد کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ ابن  
رسلان نے شافعیہ کا مذہب بیان کیا ہے۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ

## قول دوم

» عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جندبہ « کی حدیث » انہ علیہ الصلوۃ  
والسلام کان یاخذ من اطراف لحیثہ « ضعیف ہے مطلقاً اعفاء پر دلیل کے طور  
پر اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں  
معرّاج پر گیا اور پانچویں آسمان پر میری ملاقات سیدنا ہارون علیہ السلام سے ہوئی تو دیکھا کہ ہارون کی داڑھی  
تین تک تھی اسی لیے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے جب غصہ میں آکر حضرت ہارون علیہ الصلوۃ والسلام  
کی داڑھی پکڑی تو آپ نے فرمایا » لَا تَأْخُذْ بِلِحَيْتِي « (پٹا) معلوم ہوا کہ ایک مشت سے  
زائد داڑھی سنت انبیاء ہے۔

قوله والتسواک - بقسوی ابوالاسعاد : اس پوری حدیث کے ذکر کرنے  
سے یہی جزم مقصود بالذات ہے۔ بخاری شریف میں جس باب میں لمبی چوڑی حدیث آتی ہے  
تو جب حدیث میں وہ لفظ آتا ہے جو مقصود بالذکر ہوتا ہے۔ تو وہاں بین السطور میں آپ محشی  
کی جانب سے لکھا ہوا دیکھیں گے » فیہ الترجمة « تو اسی طرح ہم لفظ التسواک پر کہہ  
سکتے ہیں فیہ الترجمة -

قوله واستنشاق الماء - ای ایصال الماء الی انخیشوم - اس کا  
مسئلہ یہ ہے کہ وضو کے پینے ناک میں پانی دینا مستحب ہے، اور غسل کے پینے ناک میں پانی دینا  
فرض ہے۔ مزید تفصیل آیا ہی چاہتی ہے۔

قوله وقص الاظفار - بعض روایات میں تعلیم الاظفار کا لفظ آیا ہے، معنی قلع یعنی  
کاٹنا۔ علماء نے لکھا ہے کہ تعلیم اظفار جس طرح بھی کیا اصل سنت اور ہوجائے گی اس میں کوئی  
خاص ترتیب نہیں ہے لیکن بعض فقہاء نے اس کی خاص ترتیب لکھی ہے :-

اول : یہ کہ ابتداً دائیں ہاتھ کی سب سے کی جائے، پھر دسٹا، پھر بنصر، پھر خنصر  
پھر ابهام، اس کے بعد بائیں ہاتھ کی ابتداً خنصر سے کی جائے مسلسل ابهام تک۔

دوم : بعض کی رائے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی سب سے ابتداً کی جائے خنصر تک، اور

ابہام کو چھوڑ دیا جائے، پھر بائیں ہاتھ کی خنصر سے ابہام یسریٰ تک اور پھر اخیر میں دائیں ہاتھ کا ابہام تاکہ ابتداء بھی دائیں سے ہو اور اختتام بھی دائیں پر اور سچلین میں ترتیب یہ ہے کہ تعلیم کی ابتداء دائیں پاؤں کی خنصر سے کی جائے اور مسلسل کرتے چلے آئیں خنصر یسریٰ تک۔

بقول ابوالسعاد: حافظ ابن حجر اور علامہ ابن دقیق العید وغیرہ نے تعلیم الانظار کی اس کیفیت مخصوصہ کے استحباب کا انکار کیا ہے اس لیے کہ اس کا ثبوت روایات میں کہیں نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس کی اولویت رافضیت کا اعتقاد بھی غلط ہے اس لیے کہ استحباب بھی ایک حکم شرعی ہے جو محتاج دلیل ہے۔

قال: ولورثبت فی ترتیب الاصابع عند القص شیعی من الاحادیث والحديث الذی ذکرہ الفزائی لا اصل له ولعمرو من طریق محتج بہ ما استدل بہ علی استحبابہ یوم الجمعة رعلیقات سلفیہ علی التثانی ص ۱۱

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں اس

” قال ابن دقیق العید وما اشتهر من قصها علی جہتہ مخصوص لا اصل له فی الشرعیۃ ولا یجوز اعتقاد استحبابہ (المنہل ص ۱۸۹)

قوله غسل الکبراجیم۔ بفتح الباء وبکسر الجیم جمع برجمی رہی العقداتی فی ظہور الاصابع یعنی انگلیوں کے جوڑ اور گرہیں۔

وہ لوگ جو کام کاج کرتے ہیں ان کی انگلیوں کے جوڑوں کے اوپر چڑا سخت ہو کر گرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس کو براجم کہتے ہیں خصوصاً کھیتی کرنے والے لوگ لہذا ان کو دھونے کی تاکید فرما کی جا رہی ہے۔ علامہ نے لکھا ہے کہ جسم کے وہ تمام مواضع جہاں پسینہ اور میل جمع ہو جاتا ہے وہ سب اسی حکم میں ہیں جیسے اصول فخذین اور ابطن کانون کا اندرونی عقد اور سوراخ وغیرہ نیز یہ ایک مستقل سنت ہے دستور کے ساتھ خاص نہیں۔

قوله تشف الزبط، تشف کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو جوڑ سے اکھاڑنا۔ ربط بمعنی بفل یہاں لفظی معنی نہیں بلکہ مرادی معنی ہے لفظی معنی ہو گا بفل کا اکھیرنا، بفل کون اکھاڑتا ہے لہذا ذکر کل ارادہ مجزہ ہے یعنی ذکر بفل مراد شعر البفل ہیں۔

سوال - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابط (بغل) کے ساتھ نتف کو معین فرمایا خلق یا ققص کیوں نہیں معین فرمایا۔ کما مَدَّ فِي أَمْرِ الشَّابِقَةِ -

جواب - بغل ایک ایسا مقام ہے کہ یہاں دو جوڑ آپس میں مل رہے ہیں۔  
مثلاً، یہاں ہوا بھی کم لگتی ہے۔ مثلاً، یہاں بال پیدا ہوتے ہیں۔ ان امور کی وجہ سے پسینہ آتا ہے اور بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر نتف کرنے سے بال چونکہ جڑ سے نکل جاتے ہیں جس کی وجہ سے دیر بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خلق یا ققص کا حکم فرماتے تو بالوں کے جلدی پیدا ہونے سے بدبو میں اضافہ ہوتا۔ بنا بریں نتف کا حکم فرمایا کہ بالوں کے دیر بعد پیدا ہونے سے ریج کر یہہ کا ازالہ ممکن ہو سکے گا۔ چنانچہ سنت یہی ہے کہ بغل کے بالوں کو جڑ سے اکھاڑا جائے اگر تکلیف ہو تو پھر خلق معین ہے۔

## حضرت امام شافعیؒ کا ایک واقعہ

يقول ابوالاسود: منقول ہے کہ ایک دن یونس بن عبدالاعلیٰ امام شافعیؒ کی خدمت میں گئے۔ اس وقت ان کے پاس حلاق بیٹھا تھا جو خلق ابط کر رہا تھا تو حضرت امام شافعیؒ نے ان کو دیکھ کر یز جہت فرمایا: عَلِمْتُ أَنَّ السَّيِّئَةَ النَّتْفُ وَلَكِنْ لَا أَقُولُ عَلَى تَوَجُّعٍ۔ میں میں جانتا ہوں مسنون نتف ہے لیکن اس میں تکلیف ہوتی ہے وہ مجھ کو برداشت نہیں ہے۔ یہ گویا ان کی طرف سے نتف نہ اختیار کرنے کی معذرت تھی۔ معلوم ہوا کہ علماء کو مستحبات کی بھی رعایت کرنی چاہیے اس لیے کہ وہ عوام کے لیے مقتدی ہوتے ہیں بلا کسی عذر اور خاص وجہ کے ترک مستحب بھی نہ چاہیے۔ وَاللَّهِ الْخَوْفُوقُ۔

قوله خلق العاصنة - عاصی کی تغیر میں نمین قول ہیں۔ مازیر ناث بال۔  
مذ وہ حقہ یہاں بال اُگتے ہیں جس کو پیر دیکھتے ہیں۔ مآ ابوالعباس ابن مزین سے منقول ہے کہ عانہ سے مراد وہ بال جو حلقہ دیر کے اُرد گرد ہوں۔ لیکن یہ قول شاذ ہے۔  
جہور کے نزدیک "الشعر الذي فوق الذکر الة جل" جو ذکر کے اُرد گرد ہوتے ہیں اس کو عانت کہتے ہیں۔



فقہاء نے لکھا ہے کہ مرد کے لیے عانہ کا حلق افضل ہے۔ عورت کے لیے نتف (بشرط عدم ازلی) افضل ہے کیونکہ نتف سے شہوت میں کمی آتی ہے۔ عورت کو شہوت زیادہ ہے اس میں کمی ہو اور مرد میں شہوت کم ہے اس میں حلق سے زیادتی ہو۔

”قال ابن حجر لان شهوة المرأة اضعاف شهوة الرجل اذا جاء ان لها تسعا وتسعين جزءا منها وللرجل جزء واحد والتنف يضعفها والخلق يقويها فامر كل منهما بما هو الانسب“ (مرقعات ص ۵۱)

قولہ وانتقاص الماء : اس کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں :-  
 اول : ایک تو یہی جو راوی نے بیان کیا ہے۔ یعنی پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔ چونکہ استنجا کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسے ”انتقاص الماء پانی کم کرنا“ سے تعبیر کیا ہے۔

دوم : دوسرا مطلب یہ ہے کہ پانی کے استعمال یعنی استنجا کرنے کی بنا پر پیشاب کو کم کرنا۔ چونکہ پانی میں قطع بول کی تاثیر ہے کہ وہ قطرات بول کو منقطع کر دیتا ہے اس لیے اس کو انتقاص الماء کہتے ہیں گویا ماء سے مراد بول اور انتقاص سے مراد ازالہ ہے۔

سوم : اس سے مراد انتفاح ہے چنانچہ ایک روایت میں بیگائے انتقاص الماء کے انتفاح آیا ہے۔ انتفاح کے مشہور معنی ہیں ”ماش الماء بالفرج بعد الوضوء“ کہ وضو سے فارغ ہو کر قطع و سانس کے لیے شرمگاہ سے مقابل کپڑے پر پانی کا چھینٹا دینا۔

قولہ قال الزاوی ونسبت الماء لان تسكون المضمضة : اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ راوی کہتے ہیں کہ مجھے دوسری چیز یاد نہیں رہی ہو سکتا ہے کہ وہ مضمضہ پر یہ بظاہر اس لیے ہے کہ استنشاق کے ساتھ عام طور پر مضمضہ ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہاں استنشاق کا ذکر تو آچکا مگر اب تک مضمضہ کا ذکر نہیں آیا۔ اور بعض شراح نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوسری چیز خشان ہو۔ جیسا کہ آگے وہ خود بیان کر رہے ہیں۔

قولہ الخشان - یہ خشان سے مأخوذ ہے بمعنی روہو قطع جلد الخشاش من الذکر ذکر سے بچے ہوئے چڑھ کو کاٹنا۔ چنانچہ غتہ کے اندر بھی یہی ہوتا ہے کہ خشف کے

اور جو زائد چڑا ہوتا ہے خاتن اسے کاٹ دیتا ہے۔ ختنہ چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اس لیے اگر کسی شہر کے تمام ہی لوگ ختنہ ترک کر دیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے۔ تاکہ وہ لوگ اس اسلامی شعائر کو اختیار کر لیں۔ جمہور حضرات کے نزدیک ختنہ سنت ہے عورت کے لیے مباح ہے۔ اب بھی عرب کے بعض قبائل میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا ہے۔

## ختنہ کرانے کی عمر

ختنہ کرنے کی عمر اور وقت کے تعین میں علماء کے باا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کر دینا چاہیے۔ جیسا کہ ساتویں دن محقق ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک سات سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے جب چاہے ختنہ کر دیا جائے بالغ ہونے سے پہلے امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خاص ہے کیونکہ ختنہ کرانا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کر لے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کے لیے واجب کو ترک کر دیا۔ حالانکہ سنت کی ادائیگی کے لیے واجب کو ترک کر دینا جائز نہیں ہے۔ اس لیے علماء لکھتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد اگر کوئی آدمی ایمان لائے تو اگر ممکن ہو تو ختنہ کا کام جاننے والی عورت سے اس کا نکاح کر دیا جائے کہ وہ ختنہ کرے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالتَّوْحِيدِ

قولہ بردائستہ عمائر بن یا سیر: یعنی علامہ غلابی نے معالم السنن میں روایت کی داؤد و عمار بن یا سیر سے روایت کیا۔

سوال۔ صاحب مصابیح پر سوال ہوتا ہے کہ فصل اول میں غیر صحیحین کی روایت لے آئے یعنی ”هو مخالف لما وعد في اول كتابهم“ کہ فصل اول میں صرف صحیحین کی روایات ذکر کرونگا۔

جواب۔ ان ذالك في مقاصد الباب والاصول دون ما ذكر من

اختلاف الفاظ الحدیث ونحوها مما يشمل الفائدة - تأمل !

## الفصل الثانی — یہ دومی فصل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّوَاءُ مُطَهَّرٌ  
لِلْفَقْرِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ :  
رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَاحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہ  
سے فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ سواک منہ صاف کرنے والی ہے اور  
اللہ کی رضا کا سبب ہے۔

قوله مُطَهَّرٌ وَمَرْضَاةٌ - مُطَهَّرٌ مصدر مبی یعنی اسم فاعل  
ای مُطَهَّرٌ لِلْفَقْرِ - اسی طریقہ پر مَرْضَاةٌ ہے - ای مُحْصِلٌ لِرَوْضَةِ اللَّهِ تَعَالٰی منہ البعض  
یہ مصدر مبی یعنی اسم مفعول بھی جائز ہے ای مدحی للرب  
اگرچہ سواک میں دنیوی اور دینی بہت فوائد ہیں - مگر یہاں صرف دو فائدے  
فائدہ بیان ہوئے :-

۱- حیثی مُطَهَّرٌ لِلْفَقْرِ - ۲- بآ طینی مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ  
یا اس لیے کہ یہ بہت اہم ہیں کیونکہ باقی فوائد بھی ان دو میں داخل ہیں منہ کی صفائی سے  
معدہ کی قوت اور بے شمار بیماریوں سے نجات ہے اور جب رب راضی ہو گیا پھر کیا کمی رہ گی۔  
قوله وَرَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ بِإِسْنَادٍ : امام بخاری نے  
اپنی صحیح میں بغیر اسناد کے روایت کیا۔

جس روایت کی سند امام بخاری ذکر نہ کرے اس کو معلق یا تعلیقات بخاری کہتے ہیں  
ان کا قافون یہ ہے کہ جہاں جزم کا صیغہ ہو اس میں وہ روایت صحیح ہوتی ہے۔ جہاں قیل یا ذکر  
کا لفظ ذکر کریں تو یہ ضعف کی نشانی ہوتی ہے۔ مقام ہذا میں جزم کے ساتھ کہا لہذا یہ روایت  
صحیح ہے۔

وَعَنْ أَبِي الْيُؤُبِّ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِمَّنْ مَسَّنَ الْمُرْسَلِينَ  
الْحَبَاءُ وَيُزَوَّجُ الْخَتَنَاتُ  
وَالنَّعْطَرُ وَالسَّوَاكُ وَالنِّكَاحُ  
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: روایت ہے حضرت  
ابو یؤب سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چار چیزیں پیغمبروں  
کی سنتوں میں سے ہیں شرم۔ ایک روایت  
ہم ہے ختنہ عطر کھانا سواک اور نکاح۔

قَوْلُهُ أَرْبَعٌ - اَرْبَعُ خِصَالٍ : چار عادتیں سنن انبیاء علیہم السلام ہیں۔  
قَوْلُهُ مَسَّنَ الْمُرْسَلِينَ - سنت قول ہو یا فعلی دونوں مراد ہیں۔

سوال حدیث پاک میں ہے کہ اربع خصال سنن انبیاء میں سے ہیں جن میں ایک  
نکاح بھی ہے جب کہ عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام نے تو شادی نہیں کی۔ حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام نزدیج سے قبل ہی مرتفع ہو گئے۔ اور یحییٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک فرماتا ہے :  
”سَيِّدًا ذُو حُضُوْرًا“ (پ) علامہ سیوطی حُضُوْرًا کا معنی کرتے ہیں ”مَنْوَعًا عَنِ  
النِّسَاءِ“ (جلالین شریف چپہ پٹ) حالانکہ یہ دونوں مبارک ہستیاں بھی تو انبیاء کرام میں شامل  
ہیں انہوں نے سنن انبیاء کو کیوں چھوڑا؟  
جواب اول۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر نزول فرمائیں گے تو بقاعدہ طور نکاح  
ہوگا، شادی ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

”مَيِّزُونَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ حِينَ قَبْلُ تَزْوِجُ وَيُولَدُ لَهُ“۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۲ کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

راہ مسئلہ یحییٰ علیہ السلام کا علماء نے لکھا ہے کہ آپ پر منکر آخوت کا غلبہ تھا اور حقوق  
کی ادائیگی سے قاصر تھے اس لیے شادی نہیں فرمائی۔ لیکن اپنے متعلقین و مشیعین کو نکاح کی  
رغبت ضروری۔

جواب دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں  
سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے نہ کہ کثرت کے اعتبار سے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے

ہاں میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

قَوْلُهُ الْخَبَاءُ۔ حیار انسان کے اس اعتدالی خلق کو کہتے ہیں جس میں بدنامی اور برائی کے خوف سے نفس میں تغیر واقع ہو۔ خَبَالَتْ اس سے نچلے درجہ ہے اور ذَقَا حَسَتْ اس سے اوپر کا صنف کہ انسان برائیوں پر بڑی اور بے شرم ہو جائے۔ پھر حیار دو قسم ہے، عا حیار شرعی مثلاً حیار طبعی۔ انبیاء کرامؑ کی ذرات مبارکہ میں حیار کے دو ذرات اقسام بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے۔  
 ” اِنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْبَكْرِ فِي خِدْمَةِ هَارِ مَرْقَاةٍ“

لیکن یہاں حیار سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا رہے۔

قَوْلُهُ الْخَشَانُ۔ خَشَنَ بھی سنتِ انبیاء کرامؑ میں سے ہے بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیثؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت حنظلہ بن صفوان جو اصحاب الکس کے نبی تھے۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مختون ہی اس دنیا میں تشریف لائے تھے (مرقاۃ)

یَقُولُ ابُو السَّعَادِ: بعض فنون میں جِشَاء بھی ہے (یعنی مہندی) بجائے خَشَان کے مگر یہ غلط ہے۔ کیوں کہ مُردوں کو ماتھے پاؤں کے بے مہندی لگانا کسی نبی کی سنت نہیں بلکہ منوع رہا۔ ڈاڑھی میں مہندی لگانا اسلام کی سنت ہے۔

قَوْلُهُ وَالتَّحَطُّرُ۔ ای التَّطْيِيبُ۔ یعنی خوشبو اور عطر سے مراد بھی مطلقاً خوشبو کا استعمال ہے کپڑوں میں ہو یا بدن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ نظافت و لطافت کے انتہائی بلند مقام پر فائز فرما تھے اس لیے آپ کو خوشبو زیادہ مرغوب تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ آپ خوشبو کے لیے مُسْک استعمال فرماتے تھے۔

قَوْلُهُ وَالتَّوَالُّحُ۔ حدیث کا یہی جز مفسود بالذات ہے کَمَا مَرَّ قَوْلُهُ وَالتَّكَاحُ۔ شریعت محمدی میں نکاح کی بہت زیادہ اہمیت ہے یہاں تک کہ

آپؐ نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا :-  
 «الْكَفَّاحُ مِنْ سُنَّتِي فَصَمْتُ رَغِيبٌ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»  
 جو شخص میری اس سنت سے اعراض کرے گا یعنی نکاح نہیں کرے گا وہ میری  
 سنت میں سے نہیں ہے ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے  
 فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات اور  
 دن میں جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو سے  
 پہلے مسواک کرتے تھے ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
 كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ  
 فَيَسْتَقِظُ إِلَّا يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ  
 يَتَوَضَّأَ (رواہ احمد و ابوداؤد)

قولہ لَا يَرْقُدُ - ای لا یتنام ۔  
 قولہ إِلَّا يَتَسَوَّكُ - ظاہر یہ ہے کہ یہ مسواک وضو کے مسواک کے علاوہ ہے جس کا شمار  
 وضو میں نہ تھا یعنی بیدار ہو کر بھی مسواک کرتے تھے ۔ اور وضو میں بھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ  
 وضو کے علاوہ ہر اس جگہ مسواک سنت ہے جہاں منہ میں بو پیدا ہونے کا احتمال ہو ۔  
 یقول ابوالاعباس : اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے :-  
 ۱۔ یہ دلیل ہے کہ مسواک وضو کے لیے ہوتا ہے نہ کہ صلوٰۃ کے لیے ۔ کما فی الحدیث  
 «إِذَا أَنْ يَتَسَوَّكُ قَبْلَ أَنْ يَتَوَضَّأَ»  
 ۲۔ آپ حضرت علیؓ علیہ السلام دن کے وقت آرام فرماتے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے  
 رات میں خدا کی عبادت کے لیے اٹھنے میں آسانی ہوتی ہے جیسا کہ سحری کھانے سے روزہ  
 آسان ہو جاتا ہے ۔  
 ۳۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد مسواک کرنا سنت ہے کیونکہ نیند کی وجہ سے  
 منہ میں بو پیدا ہو جاتی ہے تو مسواک کرنے سے منہ صاف ہو جاتا ہے ۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ الشَّيْءُ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ  
قَبْطِيْنِي السَّوَاكِ لَا غَسْلَهُ  
فَابْدَأَ بِهِ فَأَسْتَاكَ ثُمَّ  
أَغْسَلَهُ وَأَدْفَعَهُ إِلَيْكَ :  
(رواه البوداؤد)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک  
کر کے مجھے دھونے کے لئے دیتے تھے  
تو میں پہلے اس سے مسواک کر لیتی تھی پھر  
دھو کر آپ کو دیتی تھی۔

قَوْلُهُ لَا غَسْلَهُ : یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مسواک کرنے کے بعد  
اس کو دھونا مستحب ہے۔ حضرت ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ عین مرتبہ مسواک  
کی جائے اور ہر مرتبہ سے پانی سے دھویا جائے تاکہ اس کا میل کچیل دور ہوتا رہے۔

قَوْلُهُ فَأَبْدَأَ بِهِ : اِیْ بِاسْتِعْمَالِهِ قَبْلَ الْغَسْلِ۔ یعنی دھونے پہلے ہی  
استعمال کرتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ سے مسواک لے کر پہلے اپنے منہ میں اس سے پھر تھی  
تھیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کی برکت حاصل ہو۔ پھر اسے دھو کر  
آپ کو دے دیتی تھیں تاکہ اگر مسواک پوری طرح نہ کی ہو تو اسے مکمل کر لیں۔ حدیث مذکور سے  
چند مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

۱۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کسی دوسرے کی مسواک اس کی غامضی  
سے استعمال کر لینا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ بی بی عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسواک خود استعمال کر رہی ہیں۔

۲۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین اور بزرگوں کے لعاب وغیرہ سے برکت  
حاصل کرنا اچھی بات ہے۔ جیسا کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب  
مبارک سے حاصل کر رہی ہیں۔

۳۔ مسواک دوسرے سے دھلوانا بھی جائز ہے جیسا کہ بی بی عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم مسواک دھلوا رہے ہیں۔ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَأَيْتُمْ فِي الْمَنَامِ أَسْوَأَ نَسْوَاءٍ فَجَاءَتْهُمَا جُلْدَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْأُخْرَى فَنَازَلَتْ السَّوَاءُ الْأَصْفَرُ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبُرَ فَقَعْتُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں سواک کر رہا ہوں۔ میرے پاس دو شخص آئے جن میں سے ایک دوسرے سے بڑا ہے میں نے سواک چھوٹے کو دینے کا ارادہ کیا تو کچھ سے کہا گیا کہ بڑے کو دیجئے۔ لہذا میں نے بڑے کو دے دیا۔

قوله أَرَأَيْتُمْ فِي الْمَنَامِ : اى رأى نفسك لنفسى فى المنام مكسوة كما خواب میں دیکھا کہ میں سواک کر رہا ہوں۔

سوال :- یہ کہ حضرت ابن عمر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا اسی لیے امام مسلم نے صحیح مسلم میں ابواب الرؤیا میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ روایت ابی بنی عائشہ جو کہ آگے آ رہی ہے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری میں پیش آیا :-

رَدَّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُنُ وَعِنْدَهُمَا رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْأُخْرَى فَأَوْجَحِي إِلَيْهِ فِي فَضْلِ السَّوَاءِ ۝

اس کے دو جواب ہیں :-

ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دونوں جگہ پیش آیا ہو بیداری میں بھی اور خواب میں بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تو یہ واقعہ

جواب اول |



آپ کو خواب میں پیش آیا مگر آپ کو ذکر تکلیف نہیں آئی پھر یہی واقعہ بیداری میں بھی پیش آیا پھر آپ کو وہ اپنا خواب یاد آیا تو آپ نے اس خواب کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ بیداری والا واقعہ روایت کر رہی ہیں۔ اور ابن عمرؓ خواب والا واقعہ روایت فرما رہے ہیں۔ لہذا کوئی تعارض نہیں۔

يقول ابوالاسعاد جواباً (۲) جواب اول سے تکرار دہی کا اشکال باقی رہتا ہے کہ ایک ہی معاملہ میں دوبار نزول دہی کیوں ہوئی اس لیے بہتر جواب یہ ہے کہ نبی کا خواب دہی کا درجہ رکھتا ہے جس طرح دہی سے حکم صادر ہوتا ہے بعینہ ہی معاملہ خواب کا بھی ہے۔ ”کما فی واقعۃ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام  
”رَأَىٰ اَرَامَىٰ فِي الْمَنَامِ اَنِّي اَذْبَحُكَ (پتا)

یعنی یہ روایت بالعمی ہے کہ منام کی تشریح دہی سے فرمادی۔  
قوله اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخِرِ : بڑے اور چھوٹے کا فرق یا سن کے اعتبار سے تھا  
یا کسی وصف کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے۔  
قوله فَتَاوَلْتُ : اِی اَعْطَيْتُ -

قوله فَتَقَبَّلْتُ لِي كَبَرٌ : یہ موحی بہ کا بیان ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مسواک سے فارغ ہونے کے بعد اپنی مسواک کو ان میں سے جو چھوڑا تھا اسے دینے کا ارادہ فرمایا۔ اس وقت آپ پر مسواک کی فضیلت کے بارہ میں دہی آئی کہ ابتداء بالاکبر کیجئے ان میں جو بڑا ہے پہلے اس کو دیکھئے اور ابتداء بالاکبر کی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ الامین نالامین کا اصول بھی تھا کہ اصغر حضرتؐ کے دائیں طرف تھا اور اکبر بائیں طرف۔ لیکن فضیلت مسواک کے اظہار کے لیے فرمایا۔ کہ ابتداء بالاکبر کیجئے کیونکہ اصغر پر اکبر کو فضیلت ہے۔ مزید تشریح ضابطہ کے اندر آئی ہے۔

تقسیم کے وقت ضابطہ اَلَا یَمْنُنْ فَاَلَا یَمْنُنْ یَا اَلَا کِبْرُ فَاَلَا کِبْرُ

يقول ابوالاسعاد : مقام ہذا پر ایک سوال ہے جو محل طلب ہے۔

سوال :- یہ کہ اس حدیث سے تو مستفاد ہو رہا ہے کہ تقسیم میں ابتداء بالاکبر ہونی چاہیے نہ الاکبر فالاکبر۔ حالانکہ ابوداؤد شریف <sup>۱۸۵</sup> کتاب الاشریعت باب فی التثاقی متنی یشرّب۔ بروایت حضرت الشّیخ ابن مالک سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء بالامین ہونی چاہیے جس کے الفاظ ہیں ”الا یمن فالایمن“ (مشکوٰۃ شریف <sup>۱۸۶</sup> کتاب الاطعمہ فصل اول) جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی دائیں جانب ایک اعرابی تھا اور بائیں جانب سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھے۔ آپؐ نے دودھ نوش فرمانے کے بعد اعرابی سے فرمایا کہ حق تو تمہارا ہے لیکن اگر تم اجازت دو تو میں یہ حضرت ابوبکرؓ کو دے دوں۔ اس پر اعرابی عرض کیا کہ میں آپؐ کے سوا کس کو دے سکتا ہوں۔ اس سے علماء نے تقسیم کا ضابطہ الا یمن فالایمن نکالا ہے۔ تو بہر حال اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ سواک دے سکتے ہیں یہ ضابطہ کیوں توڑا جا رہا ہے۔

علاء ابن ارسلان شارح الشّیخ ابوداؤد شریف اس کا جواب **جواب اول** یہ دیتے ہیں کہ ”الا یمن فالایمن“ کا ضابطہ اس وقت چلتا تھا جب حاضرین مرتب فی الجلس ہوں بعض پر ایمن صادق آتا ہو اور بعض پر ایسر۔ اور اگر غیر مرتب فی الجلس ہوں۔ مثلاً سب ایک ہی جانب ہوں تو وہاں پر وہ قاعدہ چلے گا جو اس حدیث سے مستفاد ہو رہا ہے الاکبر فالاکبر۔

یہ ہے کہ یہ دونوں مرتب فی الجلس تھے یمننا دیسنا۔ اور **جواب دوم** آپؐ نے اسی لیے جب ضابطہ اصغر کو دینے کا ارادہ فرمایا کیونکہ وہ ایمن تھا لیکن یہاں ایک خصوصیت مقام اور عارض کی وجہ سے آپؐ کو اس کے خلاف تقسیم کا حکم فرمایا گیا۔ یعنی ابتداء بالاکبر کا اور عارض یہ ہے رفیضیت سواک کہ سواک بھی رفیضیت کی چیز ہے کہ اس کا محل بھی افضل ہونا چاہیے تو اصغر اور اکبر کے تقابل میں رفیضیت ہمیشہ اکبر کو ہوتی ہے۔ اور عوارض کی وجہ سے احکام میں تغیر ہو ہی جاتا ہے تو اصل قاعدہ یہی ہوا۔ الا یمن فالایمن : لیکن اس خاص واقعہ (رفیضیت سواک) میں اس قاعدہ کی مخالفت ایک عارضہ پر مبنی ہے۔

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَنِي جَلِيلٌ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ قَطُّ إِلَّا أَمَرَنِي  
بِالسَّوَاكِ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ  
أُحْفَنِي مُقَدِّمٌ فِيَّ - (رواه احمد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو امامہ  
سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ میرے پاس جبریلؑ جب بھی آئے تو  
مجھ سے سواک کرنے کو کہا۔ میں ڈرا کہ  
کہیں اپنے منہ کے انگوٹھے کو پھیل  
ڈالوں۔

قولہ مَا جَاءَنِي : جبریلؑ امین کی آمد سنتوں کی تعلیم دینے کے لیے تھی یعنی  
جو سنت بھی بتائی سواک کی سنت کو ضرور بیان کیا۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا  
کہ ہر آیت قرآنی کے ساتھ سواک کا بھی حکم آیا خیال رہے کہ حکم دینے والے رب کریم کی ذات  
پاک ہیں۔ جبریلؑ امین صرف پہنچانے والے ہیں۔ یہاں حکم کی نسبت سبب کی طرف ہے اور یہ  
حکم استنباطی ہے لہذا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سواک فرض ہو۔

قولہ عَلَيْهِ السَّلَام - لفظ علیہ السلام کے بارہ ہیں یہ احتمال ہے کہ نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا زیادتی راوی ہے بِإِثْنِ التَّقْلِيمِ -  
قولہ لَقَدْ خَشِيتُ - ہر اباقم مخدوت ہے ”وَاللَّهُ لَقَدْ خَشِيتُ  
قولہ أَحْفَنِي - یہ احفار سے ہے بمعنی پھیلنا۔

قولہ مُقَدِّمٌ فِيَّ - منہ کا انگوٹھا بٹھ لیکن اس سے مراد اسٹان ہیں اس کے  
دو وجوہ ہیں۔ (۱) کثرت استعمال سواک (۲) وصیت جبریل علیہ السلام

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَقَدْ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ  
السَّوَاكَ : (رواه البخاری)

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ میں نے تم سے سواک کے متعلق  
بہت کچھ بیان کیا ہے۔

قَوْلُهُ أَكْثَرْتُ عَلَيْكُمْ : اِیْ اَكْثَرْتُ كَلَامِیْ فِی السَّوَالِ - کہ میں نے بار بار اور ہر طرح تمہیں سواک کی رغبت دی کہ کبھی اس کے دینی فائدے سے بیان کیے اور کبھی دنیوی۔ نیز ہمیشہ اس پر عمل کر کے دکھایا تاکہ تم بھی ہمیشہ سواک کرو۔

اس ارشاد کا مقصد سواک کی فضیلت و اہمیت کو بتانا ہے اور اس پر تاکید فرمائی ہے کہ سواک

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیے اس لیے کہ کسی چیز کو بار بار بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ چیز بڑی اہمیت و فضیلت کی حامل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے بنی بنی عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو شخص تھے جن میں ایک دوسرے سے بڑا تھا چنانچہ سواک کی فضیلت میں آپ کی طرف وحی نازل فرمائی گئی کہ بڑے کو مقدم رکھو اور ان دونوں میں سے بڑے کو سواک دو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَنْئُو عِنْدَهُ  
رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْثَرُ مِنَ  
الْآخَرِ فَأَوْحَى إِلَيْهِ فِي فَصْلِ  
السَّوَالِ أَنْ كَثُرَ أَعْطِيَ السَّوَالِ  
أَكْثَرَهُمَا (رَوَاهُ ابُو دَاوُدَ)

قَوْلُهُ يَسْتَنْئُو - لَفْظُ يَسْتَنْئُوْ يَهِ اسْتِئْثَانُ سَے مَأْخُوذُہ ہے اور اسْتِئْثَانُ سَے بَکْرُ السَّیْنِ اَوْ بَغِیْعُ السَّیْنِ سَے مَأْخُوذُہ ہے بمعنی رُکُوْثًا - کَمَا یُقَالُ "سَسْتَنْئُو الْحَدِيثَ اِیْ حَکَمْتُ الْحَدِيثَ" یعنی لوہے کو رُکُوْثًا - لیکن اس کا اطلاق استعمال السَّوَالِ پر ہوتا ہے یعنی سواک کرنا۔

قَوْلُهُ أَنْ كَثُرَ یہ مَوْحِی بہ کا بیان ہے کہ اس بات کی وحی آئی ہے کہ سواک بڑے کو دو۔ مزید حدیث پاک کی تشریح قَدْ مَرَّ النَّاسُ -

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
تَفْضُلُ الصَّلَاةِ الَّتِي يُسْتَأَنَّ  
لَهَا عَلَى الصَّلَاةِ الَّتِي لَا يُسْتَأَنَّ  
لَهَا سَبْعِينَ ضِعْفًا -

(دراد البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جس نماز کے لیے سواک کی جائے وہ  
اس نماز پر ستر گنا زیادہ ہے جس کے لیے  
سواک کی جائے۔

قَوْلُهُ تَفْضُلُ : اى تَزِيدُ فِي الْفَضِيلَةِ وَالْثَوَابِ -

قَوْلُهُ سَبْعِينَ ضِعْفًا - ضِعْفًا بمعنی مثل ہے ، ستر کا عدد بیان زیادتی کے لیے  
ہے جیسے اردو میں کہا جاتا ہے بیسیوں ، سیکڑوں ۔ ستر کا عدد دال بر زیادتی کی مثال جیسے  
حدیث پاک میں ہے کہ کسی سائل نے پوچھا یا رسول اللہ اپنے خادم دنو کو کو دن میں کتنی دفعہ معاف  
کروں ۔ اگر اس سے غلطی ہو جائے تو آپ نے ارشاد فرمایا :-

رَقَالَ اَعْضُوا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً رَمْكَوَةٌ شَرِيفٌ ۲۱۶

کتاب الشکاح باب النفقات وحق المملوک فصل ثانی

یقول ابوالاسعاد سؤالا : جماعت چنگانہ نماز کے لیے واجب ہے اور اس  
کا ثواب سناکس گنا ہے " صلوٰۃ الجماعة افضل من صلوٰۃ الضد بسبعة  
و عشرين درجۃ (مرقات) جبکہ سواک سنت ہے اور اس کا ثواب ستر گنا ہے  
یہ فرق کیوں ہے ؟

جواب اول - یہ ہے کہ کبھی سنت کا ثواب فرض اور واجب سے بڑھ جاتا ہے  
جیسے سلام کرنا سنت ہے اور جواب سلام فرض ہے ۔ مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے  
یونہی جماعت چنگانہ نماز کے لیے واجب اور جمعہ کے لیے فرض ہے مگر اس کا ثواب  
سناکس گنا ہے سواک سنت ہے اور اس کا ثواب ستر گنا ہے ۔

جواب دوم - عند البعض جماعت کے سناکس درجے ایسے ہیں جس کا ہر درجہ  
سواک کے ستر درجوں کے برابر ہے ۔ فلا اشکال علیہ ۔

وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ  
زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ  
سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْلَا  
أَنِّي أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُكُمْ  
بِالسَّوَالِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ  
وَلَا خَرَبْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى  
ثَلَاثِ اللَّيْلِ الْخ -

ترجمہ : روایت ہے ابو سلمہ سے  
دہ زید بن خالد جہنی سے راوی فرماتے ہیں  
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
فرماتے سنا کہ اگر میں اپنی امت پر بھاری  
بھارتا نہ کرتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا  
حکم دیتا۔ اور نماز عشاء کو تنہا کی رات  
تک پیچھے ہٹا دیتا۔

قولہ لَأَمَرْتُكُمْ - یعنی یہ دونوں چیزیں فرض کر دیتا کہ بغیر مسواک نماز ہی نہ ہوتی  
اور تنہا کی رات سے پہلے نماز عشاء جائز نہ ہوتی۔ مزید تحقیق قدر آفاقاً۔  
قولہ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ - قَالَ کا ضمیر ابو سلمہ کی طرف راجع ہے  
قولہ إِلَّا امْتَنَنْتَ : ای استثنائاً لِلصَّلَاةِ یعنی نماز کے لیے مسواک کرتے۔  
قولہ سَدَّكَ : ای السَّوَالِ : مسواک کو واپس کرتے۔  
قولہ إِلَى الْمَوْضِعِ : ای مِنَ الْأَذْنِ کَانَ کی جگہ پر۔

حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے زید بن خالد  
جہنی کو دیکھا کہ جس وقت وہ مسجد میں نماز کے لیے

### خلاصۃ الحدیث

حاضر ہوتے تو مسواک ان کے کان پر اس طرح ہوتی جس طرح لکھنے والے (کاتب) کے کان  
پر قلم رکھا ہوا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مستری بڑھئی وغیرہ کو کہ وہ کان پر  
پنسل لگائے رکھتے ہیں کہ جہاں ضرورت پیش آئی اس سے خط کھینچا اور پھر وہیں  
لگائی۔ تو اسی طرح زید بن خالد الجہنی بھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کان سے مسواک  
نکال کر مسواک کر لیتے۔

یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ : مسواک کو موضع القلم پر رکھنے کی حکمت کیا ہے۔ بعض  
محدثین حضرات نے اس کی مختلف حکمتیں لکھی ہیں :-

مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۹ باب السلام فصل ثانی میں حضرت زبیر بن ثابت  
کی روایت ہے :-

## حکمت اول

« قال دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم وبين يديهما  
كتاب فسمعته يقول ضع القلم على اذنك فامته اذك  
للمآل »

کہ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے سامنے  
ایک خط لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے آپ کو لکھنے والے سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ  
قلم کو اپنے کان پر رکھ لو کیونکہ یہ چیز مطلب کو بہت یاد دلاتی ہے۔ یاد دلانے کا مطلب یہ ہے  
کہ ایسا کرنے سے ذہن کے درپے کھل جائے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے مقصد  
اور مفہوم کو بیان کرنے کے لیے عبارت و الفاظ کی آمد ہونے لگتی ہے اور لکھنے والا جو کچھ لکھنا  
چاہتا ہے اس میں پوری طرح کامیاب رہتا ہے۔

علامہ بخاریؒ نے لکھا ہے کہ قلم ایک طرح سے زبان کا حکم رکھتا ہے  
جیسا کہ کہا جاتا ہے « القلم احد اللسانین » اور

## حکمت دوم

زبان قلب و ذہن کی ترجمان ہوتی ہے۔ لہذا قلم کو کان پر رکھنا گویا زبان کو کان پر رکھا جو  
کہ سننے کی جگہ ہے رکھنے کے مترادف ہے۔ تاکہ زبان قلم قلب و ذہن کے قریب ہو جائے  
اور قلب و ذہن جو کچھ کہنے کا ارادہ کریں ان کو کلام و بیان کی اسی مناسبت کے ساتھ بیان  
زمانہ بخیر ہی میں تندی ترقی کم تھی اور کوٹ داسکتے اور اچکن وغیرہ

## حکمت سوم

نہیں تھے بس دو چادر دوں کا رواج تھا۔ ایک نیچے باندھ لی اور  
دوسری اوپر اڑھ لی۔ سواک رکھنے کی جگہ نہیں تھی اس لیے سواک کو موضع قلم پر رکھتے  
تھے۔ !

## بَابُ سُنَنِ الْوُضُوءِ

### وضوء کی سنتوں کا بیان

فائدہ : یقول ابوالاسعاد۔ سُنَّ سُنَّتٌ لَمْ يَجْعَلْهُ سُنَّتَہُ۔ سنت کے لغوی معنی ہیں طریقہ اور روش۔ ربُّ ذوالجلال فرماتے ہیں :-  
 ”سُنَّتَنَا مَنْ قَدْ آمَنَّا قَبْلَكَ مِنْ ثَمَّ سُنَّتًا (پیش)  
 اور مقام پر فرماتے ہیں :-

”سُنَّتِ الدِّينِ مِنْ قَبْلِكَ (پیش)

شریعت میں سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ فرمان ہیں جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جو امت کے لیے لائق عمل ہیں لہذا منسوخ اور مخصوص اعمال سنت نہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کیا وہ سنت زائدہ ہے اور جسے عبادت کیا وہ سن ہدیٰ میں سے ہیں جسے ہمیشہ کیا وہ سنت مؤکدہ جیسے کبھی کبھی کیا وہ سنت غیر مؤکدہ۔ اور اگر ہمیشہ کر کے تاکید دی حکم دیا تو واجب ہے۔ خیال رہے کہ یہاں وضوء کی سنتوں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال و اقوال ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہیں خواہ ان کا تعلق وضوء کے فرائض سے ہو یا سنن سے یا آداب وضوء سے ہو۔

## الفصل الاول — پہلی فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے جاگے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے تا آنکہ میں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْسِمْ يَدَهُ فِي الْمَاءِ



دھوے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کی ہاتھ  
کہاں رہا۔

حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ  
لَا يَذْبُرُهَا آيُنَ بَاثِتٌ يَدُّهَا :

(متفق علیہ)

قَوْلُهُ اسْتَيْقَظَ : استيقاظ سے ہے یعنی بیدار ہونا۔

قَوْلُهُ فَلَا يَغْمِسُ : ای فلا بیدخل یعنی ہاتھ کو داخل نہ کرے۔

قَوْلُهُ فِي الدُّنَا : ای اثناء الماء مطلق برتن نہیں بلکہ پانی کا برتن مراد ہے۔

کہ پانی کے برتن میں ہاتھ داخل نہ کرے۔

قَوْلُهُ فَإِنَّهُ لَا يَذْبُرُهَا : ای لا يسلو کہ اس کو علم نہیں۔

قَوْلُهُ بَاثِتٌ : یہ بہتومت سے ہے یعنی رات گزارنا۔ یہ علم و خبر نہیں کہ ہاتھ

سے رات کہاں گزارے اور کہاں کہاں استعمال ہوا۔

يقول ابوالاسعاد : حديث مذکور میں چند مسائل ہیں جن کو مختلف علماء دین سے

تعبیر کیا گیا ہے۔

## الْمَسْئَلَةُ الْأُولَى

### غسلُ اليدين والاحكم عام ہے یا خاص

دریں مسئلہ فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ غسل یکہ والا حکم عام ہے یعنی ہر نیند سے بیداری  
کے وقت ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے یا رات کی نیند کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس باب سے  
میں دو مسلک ہیں :-

حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس حکم میں رات اور دن کی کوئی

تفصیل نہیں۔ یعنی غسل الیدین کا یہ حکم ہر نیند سے بیداری کے

وقت ہے۔ نوم شہاری جو باللیل رات کی نیند کے ساتھ مخصوص نہیں۔

ولیل : حدیث باب ہے اس میں کسی قسم کی نیند مذکور نہیں مطلق نوم کا ذکر ہے۔

مسئلہ اول

خواہ لیل ہو یا نہاری ہو۔

امام احمدؒ نے اس حکم (غسل الیدین) کو نوم لیل یعنی رات کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ رات کی نیند سے آدمی بیدار ہو تو ہاتھوں کو دھوئے۔ اگر دن کی نیند سے بیدار ہو تو اس کے لیے ہاتھوں کا دھونا کوئی ضروری نہیں۔

**مسئلہ دوم**

ابوداؤد شریف ج ۱۵ کتاب الطہارت باب فی الدجل یدخل یدہ فی الاناء قبل ان یغسلہا میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم من اللیل فسد یغسل یدہ فی الاناء الغد

**دلیل**

روایت مذکور میں صراحت سے من اللیل کی قید ہے۔ معلوم ہوا کہ غسل الیدین والا حکم نوم لیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ جمہور حضرات کی طرف سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔

یہ ہے کہ من اللیل کی قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔ اتفاقاً آپ نے من اللیل فرمایا ہے۔ احترازی یعنی نوم نہاری کو نکالنا مقصود

**جواب اول**

نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں یہ روایت لیل کی قید کے بغیر آئی ہے۔ اس کی مثال جیسے قول باری تعالیٰ ہے:-

”وَرَبَّآیْئُکُمُ اللَّیْلُ فِی حُجُورِکُمْ“ (پک) آیت مذکور میں فی حُجُورِکُمْ قید اتفاقی ہے۔

حکم غسل الیدین معلول بالعلت ہے۔ اور اس کی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے ”فَإِنَّهُ لَا یَسْکُرُ أَبَیْئَ بَآئِئَ یَسْکُرُ“ اور یہ اندیشہ رات اور دن میں برابر ہے لہذا حکم بھی برابر ہوگا۔

**جواب دوم**

## المَسْئَلَةُ الثَّانِيَّةُ

### غسلُ اليَدَيْنِ كَحُكْمِ كِي شَرْعِي حَيْثِيَّت

تعباً کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ غسلُ اليَدَيْنِ کا یہ حکم کس درجہ کا ہے اس میں مختلف قول ہیں۔

قول اوّل : امام احمدؒ، حسن بصریؒ، عروہ بن زبیر اور داؤد ظاہری کے نزدیک ہاتھوں کا دھونا واجب ہے در نہ پانی نجس ہو جائے گا اور یہ شخص گنہگار بھی ہوگا۔  
دلیل حنا بلکہ : حدیث باب ہے۔

قول دوم : امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک نیند سے بیدار ہونے کے وقت ہاتھوں کے دھونے کا امر استحبائی ہے۔ اسی لیے ان حضرات کے نزدیک ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے پانی نجس نہ ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔ جسے علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں بیان کیا ہے کہ اگر ہاتھوں پر نجاست لگنے کا یقین ہو تو غسلُ اليَدَيْنِ فرض ہے اور ظن غالب ہو تو واجب ہے اور اگر شک ہو تو مسنون ہے اور اگر شک نہ ہو تو مستحب ہے۔

دلیل جمعہ ہوئے : طہارت یقینی ہے اور نجاست مشکوک ہے اور قاعدہ فقہیہ  
مسئلہ ہے «المیقین لا یزول بالاشک»

دلیل حنا بلکہ کا جواب اوّل : یہ ہے کہ «فامسح لایدمی این باتت یداً»  
سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کی علت توہم نجاست ہے اور توہم نجاست موجب وجوب نہیں ہو سکتا۔

جواب دوم : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (ذا استیقظ احدکم من منامہ فتوضأ فلیستہ خیر ثلاثا (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۴) بالاتفاق استحباب پر محمول ہے تو یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

## المسئلة الثالثة

### استيقاظ من النوم کے بعد حکمت غسل

غسل الیسدین بعد استيقاظ من النوم کی متعدد حکمتیں محدثین حضرات نے لکھی ہیں چند ایک ملاحظہ فرادیں :-

**حکمت اول** علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ اور دیگر فقہاء کرامؒ سے نقل کیا ہے کہ "غسل الیسدین بعد الاستيقاظ من المنام" کے حکم کا پس منظر یہ ہے کہ اہل عرب عموماً اذرا یا تہید باندھتے تھے۔ پھر عربوں کی عام عادت استنجاء بالاعجار کی تھی۔ ان کا کھانا طعام اور غذا گرم (کھجوریں وغیرہ) اور ان کا علاقہ بھی دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ گرم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر وقت پسینہ سے شرابور رہتے تھے۔ اس لیے اس دور میں اس بات کا بڑا احتمال تھا کہ سوتے ہوئے انسان کا ہاتھ کسی مقام نجس تک پہنچ جائے اور ملوث ہو جائے اس لیے یہ حکم دیا گیا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص نے استنجاء بالماء کیا ہو یا شہوار پہن رکھی ہو تو اس کے لیے یہ حکم نہیں۔

**حکمت دوم** علامہ ابوالولید باجی ماکیؒ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں اہل عراق کا قول زیادہ پسندیدہ ہے کہ دراصل یہ حکم طہارت کے بجائے نظافت سے متعلق ہے یعنی اگرچہ ہاتھ کے نجس ہونے کا احتمال نہ ہو تب بھی سوتے کے بعد ہاتھوں کو بغیر دھوئے پانی میں ڈال دینا نظافت کے خلاف ہے اور شریعت میں طہارت کے ساتھ نظافت بھی مطلوب ہے۔ لہذا یہ حکم صرف اس دور کے ساتھ مخصوص نہیں تھا بلکہ تمام انسانوں تمام زمانوں اور ہر خطہ کے لیے یہ حکم عام ہے۔

**حکمت سوم** ہدایت المبتدی ص ۲۳ میں ہے کہ علامہ فضل اللہ تورلپشتیؒ فرماتے ہیں اور اسی طرح امام نوویؒ شرح مسلم ص ۱۲۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ انسان کے بدن پر بھٹی پھوٹے نکل آتے ہیں ان کو کھلانے سے ہاتھ خون وغیرہ سے

آلودہ ہوتے ہیں اس لیے لایتنس کا حکم دیا ہے۔

برتن کئی قسم کا ہوتا ہے اگر برتن چھوٹا ہو جس کو انڈیل کر پانی نکال  
جاسکتا ہے تو انڈیل کر پانی نکالو۔ اگر برتن بڑا ہو انڈیلنا نہ جاسکتا ہو

**فائدہ**

تو چھوٹے برتن سے پانی نکال لینا چاہیے۔ اگر پانی نکالنے کے لیے چھوٹا برتن بھی نہ ہو تو پاک  
پیرے سے نکال کر ایک ہاتھ دھو لیا جائے۔ اگر پاک پیرا بھی نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی صرف  
انگلیاں ڈال کر پانی نکال کر دایاں ہاتھ دھو لیا جائے پورا ہاتھ نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ ضرورت  
کی وجہ سے ڈالا ہے اور ضابطہ ہے ”الضروریات متقدّمہ بقصدہم الضروریات“  
اور صرف انگلیوں سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ  
دھونے کے بغیر پانی میں پورا ہاتھ نہ ڈالو۔ اور اس صورت میں بھی پورا ہاتھ نہیں ڈالا گیا۔ بلکہ  
صرف انگلیاں ڈالی گئیں۔ غرضیکہ حدیث پر دو مہمما ممکن عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ترجمہ: روایت ہے ان ہی سے  
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند  
سے بیدار ہو، پھر حضور کرے تو زمین بار  
ناک جھاڑے کیونکہ شیطان اس کے بالے  
پر رات گزارتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ  
فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْزِلْ مَلَأًا  
فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ عَلَى خَيْشُومِ  
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

قولہ فَلْيَسْتَنْزِلْ - لغو استنثار کی تحقیق آیا ہی چاہتی ہے۔  
قولہ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيتُ - بَیْتُ بمعنی رات گزارنا یہ بات بَیْتُ سے  
مأخوذ ہے۔

قولہ عَلَى خَيْشُومِ - ر قال المتور بشئ الخيشوم أقصى الأنف الفصل  
بالطن المقدم - یعنی ناک کا آخری اور اندرونی حصہ، در فارسی بینی کی گوند۔  
شیطان کا ناک کے بالہ پر رات گزارنا اس کی حقیقت کیا ہے اس میں متعدد قول ہیں۔

**قول اول**۔ اس کی حقیقت و کیفیت کا علم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہے اور اس کے رموز و اسرار سے ہماری عقلیں ناظر ہیں۔ لہذا ایسے امور کے معاملہ میں جن کی خبر شارع علیہ السلام نے دی ہے۔ بہتر اور اولیٰ طریقہ یہی ہے کہ صرف ان کی صداقت کو تسلیم کرتے ہوئے ان پر ایمان لائے۔ **هَكَذَا قَالَهُ عَلامَةُ الْكَانِدِ هَلَوِيَّ**۔

”بَيِّنَاتُ الشَّيْطَانِ عَلَى الْخَيْشُومِ مَحْصُولٌ عَلَى الْحَقِيقَةِ وَمَوْكُوفٌ عِلْمًا وَمَعْرِفَتُهُ إِلَى عِلْمِ الشَّارِعِ فَإِنَّ اللَّهَ خَصَّ نَبِيَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاسْرَارٍ يَقْصُرُ عَنْ دَرَكِهَا الْعُقُولُ وَالْأَنْهَامُ (التعليق)

**قول دوم**۔ بعض حضرات نے اس کی بڑی دلچسپ تائید کی ہے مسئلہ قاعدہ یہ ہے کہ جب انسان سوجاتا ہے تو پیٹ کے بخارات ناک میں جمع ہو جاتے ہیں جو دماغ کا قریبی حصہ ہے۔ اس بنا پر دماغ جو خواص و شعور کی جگہ ہے مکنت ہو جاتا ہے اور یہ چیز تلاوت قرآن کے آداب کا حق ادا کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ نیز یہ عبارت کی ادائیگی میں سستی کا باعث بھی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں شیطان کی منشاء کے عین مطابق اور اس کی خوشی کا باعث ہیں۔ اس لیے اس مشابہت سے کہا گیا ہے کہ سونے والوں کے ناک کے بانس پر شیطان راست گزارتا ہے۔ بہر حال یہ احتمالات ہیں ان پر بھی کوئی یقینی حکم نہیں لگایا جاسکتا اس لیے بہتر طریقہ وہی ہے جو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ **وَاللَّهُ أَعْلَمُ وَأَكْبَرُ**۔

ترجمہ : عبد اللہ بن زید ابن حاتم سے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے دھڑکرتے تھے۔ تو آپ نے پانی منگایا پھر اپنے ہاتھوں پر ڈالا دونوں ہاتھ در دو بار دھوئے پھر کھلی کی اور ناک جھاڑی (تین بار) پھر تین بار منہ دھویا پھر ہاتھ دو بار کہنیوں تک دھوئے الخ۔

وَقِيلَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ  
بْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ  
فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَأَقْرَعَ عَلَى يَدَيْهِ  
فَنَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ  
ثُمَّ مَضَمَضَ وَاسْتَنْثَرَهُ ثَلَاثًا  
ثُمَّ عَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ  
عَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ إِلَى

## الْمِرْفَقَيْنِ :

قَوْلُهُ لِيَعْبُدَ اللَّهُ بْنُ زَيْدٍ بْنِ عَاصِمٍ : آپ انصاری مازنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن زید ابن عبد اللہ دوسرے ہیں وہ آذان والے کہلاتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ نے حضرت وحشیؓ کے ساتھ علیؓ کے سبیلہ کذاب لعین کو قتل کیا۔ آپ جنگ اُمد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ جنگِ خِزْرہؓ میں شہید ہوئے۔  
قَوْلُهُ قَدْ عَابَوْضَوْءٌ — وضوء بفتح الواو ای ما یستوضأ به یعنی ای اطلبہ الماء۔

قَوْلُهُ فَأَفْرَغَ — ای صب الماء یعنی پانی ڈالا۔

قَوْلُهُ مَرَّتَيْنِ : اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ نہ تھوں کو تین بار دھویا جائے جیسے کہ دوسری روایت عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کی ہے جو فی التمتیق سے شروع ہو کر ”فَنَسَلَهَا ثَلَاثًا“ مگر حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ کی روایت اول میں ہے کہ آپ نے دومرتبہ دھوئے۔ “عَسَلُ يَكُونُ ثَلَاثًا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ”

جواب یہ ہے کہ سنت تو تین مرتبہ ہی دھونا ہے مگر چونکہ دومرتبہ دھولینا جائز ہے اس لیے حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصمؓ نے بیانِ جواز کے لیے دومرتبہ دھویا۔ تاکہ یہ معلوم ہوگا کہ دومرتبہ بھی دھونا جائز ہے۔

سوال۔ پھر مَرَّتَيْنِ کا لفظ دومرتبہ کیوں ذکر کیا ایک مرتبہ ذکر کرنا بھی کافی تھا۔  
جواب۔ اگر لفظ مَرَّتَيْنِ صرف ایک مرتبہ ذکر کرتے تو اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ دونوں ہاتھ متفرق طور پر دومرتبہ دھوئے ہیں یعنی ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا ایک مرتبہ ایک ہاتھ دھویا تو اس کو ہم سے بچکنے کے لیے مَرَّتَيْنِ دوبار ذکر کیا۔

قَوْلُهُ شَعْرٌ مَضْمُونٌ — مضمض لغت میں تحریک اور تحویل کو کہتے ہیں۔  
کما یقال فی العرب ”مضمض الناس فی عینہی فلاں اذا تحرکتا بالناس“  
والمنجد (۸۴) کہ فلاں کی آنکھ میں نیند حرکت کر رہی ہے مگر اصطلاح شریعت میں مضمضہ کا معنی ہے ”تحریک الماء فی الفم شَعْرٌ مَضْمُونٌ“ پانی کو منہ میں حرکت دینا اور

پھر پھینک دینا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مضمضہ پانی کو منہ میں داخل کرنے اور حرکت دینے اور باہر پھینکنے کے مجموعہ کا نام ہے اور صلیب مرث باہر پھینکنے کو کہتے ہیں۔

قوله «استنشاق» - استنشاق کا مقابل استنشاق ہے قانون ہے کہ «الاشياء تنزل باضداد» ہر شئی اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جب استنشاق کی وضاحت ہوگی تو استنشاق کی تریف خود بخود واضح ہو جائیگی۔

استنشاق «نَشَقٌ يَنْشَقُ نَشَقًا» سے مأخوذ ہے جس کے معنی ہیں «ادخال الماء في الأنف» یعنی سونگھنے کے اور باب استفعال میں ادخال الماء في الأنف کے ہیں۔ پانی کو ناک میں داخل کرنا اس کے برخلاف انشراق یا استنشاق کے معنی ہیں «اخراج الماء من الأنف» ناک سے پانی نکالنا کیونکہ استنشاق میں پانی کا داخل کرنا اسی کا اخراج استنشاق سے قوله «المرفقين» - يَكْسِرُ الْعَبْرَ وَنَتِجَ الْفَاءَ وَبِالْعَكْسِ مَعْنَى كَهْنِيَاں۔

## مضمضہ و استنشاق کی شرعی حیثیت

مضمضہ اور استنشاق کی حیثیت کے بارے میں اختلافات ہیں اور اس میں تین مسلک ہیں۔

**مسلک اوّل** - حضرت عبداللہ بن المبارک ابن ابی لیلیٰ امام احمدؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشاق دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں۔

**دلیل** - ابو داؤد شریف ص ۲۱ کتاب الطہارت باب فی الاستنشاق میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے :-

«إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي أَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْتَشِرْ»

یز مضمضہ کے وجوب پر ان کا استدلال ایک اور روایت سے بھی ہے جو ابو داؤد شریف ص ۲۱ کتاب الطہارت باب مذکور میں حضرت لقید بن صبرہ سے مروی ہے «إذا تَوَضَّأْتُ فَمَضْمَضْتُ» ان دونوں روایتوں میں صیغہ امر ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے وجوب



یہ دونوں حدیث اصغر میں واجب ہوئے تو حدیث اکبر میں بطریق اولیٰ واجب ہوں گے۔  
**مسئلہ دوم:** امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک معصومہ اور استثنائے دونوں  
 وضوہ اور غسل دونوں میں سنت ہیں۔

دلیل اول : مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۸ کتاب الطہارت باب التمر کہ فضل اہل بی بی عائشہؓ کی روایت ہے ”عشر من الفطرة“ روایت مذکور میں مضمضہ اور استنشاق کو بھی شمار کیا گیا ہے اور امور فطری مسنون و مستحب ہیں نہ کہ واجب۔

رلیل دوم۔ قرآن کریم میں آیت وضو میں غسل «لَا يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا»  
اِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں مضمرہ استثناء کا ذکر نہیں لہذا حدیث  
سے اگر وجہ ثبوت ثابت کریں تو زیادہ تر علی کتاب اللہ لازم آئیگی۔ و لہذا یقول  
لیس بواجبین۔

مسئلہ سوئم۔ احاث حضرات اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک مضمضہ اور استنشق وضو میں سنت اور غسل جنابت میں واجب ہیں وضو کے باب میں مضمضہ کے دلائل وہی ہیں جو شافعیہ اور مالکیہ کے ہیں کما مؤانفاء غسل جنابت میں مضمضہ اور استنشق کے واجب ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

قرآن مُفَدَّس میں ہے: **وَأَنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَأَطْفِئُوا نَارَ**  
**دلیل اول**  
 اس میں ہمانہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل  
 کی طہارت وضو کی طہارت سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اب یہ زیادتی یا کیفاً ہوگی یا کثرتاً کیف میں  
 زیادتی معہود فی الشرع نہیں۔ لہذا لامحالہ یہ زیادتی کثرتاً ہوگی، پھر کم کی زیادتی درود طرح ہو  
 سکتی ہے۔ ایک یہ کہ تعداد غسل میں اضافہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ اعضاء مغسولہ میں  
 اضافہ ہو۔ تعداد غسل میں اضافہ کا بھی کوئی جواز نہیں اس لیے کہ حدیث پاک میں ہے: **«**  
**فَمَنْ شَاءَ عَلَىٰ هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَكُنِيَ يَظْلَمُ رُسُلَهُ شَرِيفٌ**  
 (کتاب الطہارات باب ہذا)

لہذا ثابت ہوا کہ زیادتی اعضاء مفسورہ میں ہوگی پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں :-  
 ۱۔ یہ کہ جن اعضاء کا غسل وضو میں بالکل نہیں ہے انہیں غسل میں دھوا جائے جیسا کہ

سینہ اور پیٹ وغیرہ۔

یہ کہ جن اعضاء کا غسل وضو میں سنون تھا ان کو غسل میں واجب قرار دیا جائے جیسا کہ مضمضہ اور استنشاق اس دوسری قسم کے مبالغہ کا تقاضا ہی ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کو غسل میں واجب کہا جائے۔ **فَاَفْهَمْ بِاَيُّهَا الشَّامِيُّ وَالْحَلَالِيُّ۔**

دارقطنی **۱۱۱** باب ماری فی المضمضۃ والاستنشاق  
فی غسل الجنابة میں ابو حنیفہ عن ابن راشد عن عائشہ بنت

**دلیل دوم**

عجود کے طریق سے منقول ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ جو غیبی شخص مضمضہ اور استنشاق بھول جائے تو اس کا کیا حکم ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

”یَمُضِضُ وَلَا يَسْتَنْشِقُ وَلَا يَعِيدُ الْمَلُوءَةَ“ حضرت ابن عباسؓ کا یہ

فتویٰ حنفیہ کے مسلک پر صریح ہے۔

مشکوٰۃ شریف **۱۱۱** کتاب الطہارت باب الغسل فصل اول میں حضرت  
ابو ہریرہؓ کی روایت ہے ”تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ تَغْتَابِلُ

**دلیل سوم**

الشَّعْرَ وَانْقَوَا الْبَشْرَةَ“ اور ناک میں بھی بال ہوتے ہیں اس لیے وہ بھی واجب الغسل ہوں گے اور جب استنشاق واجب ہوگا تو مضمضہ بھی واجب ہوگا۔ لعدم القائل بالغسل۔

## امام احمد بن حنبلؓ کی دلیل کا جواب

خالد حضراتؒ نے مضمضہ اور استنشاق کے وجوب پر ان احادیث سے دلیل پکڑی تھی

جن میں صیغہ امر وارد ہوا ہے کَمَا مَرَّ فِي تَشْرِيحِ الْمَسَائِلِ اور الامر للوجوب تو اس کا جواب ہمے کے قاعدہ اصولیین ”الامر للوجوب“ مطلقاً نہیں بلکہ اس کے ایسے مجرد عن القرینہ ہونا ضروری ہے۔ مقام سنت اور مقام وجوب کے لیے احادیث و آیتیں قرائن ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن رقیب العبدیؒ احکام الامام **۱۱۱** میں فرماتے ہیں کہ ان مقامات پر ”صیغہ امر لا مستحباب“ ہیں کیونکہ اگر یہ واجب ہوتے تو مِیْسِئُ الْمَلُوءَةِ کی حدیث میں ضرور اس کا ذکر ہوتا کیونکہ وہ مقام تعلیم تھا ایسے موقع پر واجبات کو ترک کرنا یا

مؤخر کرنا درست نہیں۔

## شواہع اور مالکیہ کے مستدلّات کے جوابات

کہ مضمضہ اور استنشاق کو غسل میں واجب کہنے میں کتاب اللہ پر زیادتی آتی ہے تو محقق اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت

### دلیل اول کا جواب

صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میں مضمضہ اور استنشاق پر مواظبت فرمائی ہے جو دلیل وجہ ہے اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایسی مواظبت وضو میں بھی ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مواظبت اخبار آحاد سے ثابت ہوتی ہے اگر اس مواظبت کی بنا پر مضمضہ اور استنشاق کو وضو میں بھی واجب قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی کیونکہ وضو کے اعضاء مغسولہ کتاب اللہ نے خود متعین کر دیے ہیں اس کے برخلاف غسل میں ان دونوں کو واجب قرار دینے سے کتاب اللہ پر کوئی زیادتی نہیں ہوتی کیونکہ کتاب اللہ میں غسل کا مفصل طریقہ نہیں بتایا گیا بلکہ صرف "فَاَطْفِئُوْهُ" کا حکم دیا گیا ہے اور اس لفظ سے وجوب ہی کی تائید ہوتی ہے۔ لہذا یہ خبر آحاد اس کی تفسیر نہیں کی نہ کہ اس کے بے ناخ یا اس پر زیادتی۔

جس میں عشر من سنن المرسلین یعنی اور

### دلیل دوم کا جواب

فطریہ ہے دلیل پکڑی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کہنا وضو کے مضمضہ اور استنشاق کے متعلق ہے نہ کہ غسل کا مضمضہ و استنشاق مراد ہے یا سنت سے طریقہ مراد ہے جس میں فرض واجب سب شامل ہیں۔

## طہارت میں مضمضہ اور استنشاق کی حقیقت

یقول ابو الہیاء سعاد: شریعت مقدسہ نے وضو کی تکمیل سے قبل اور ہاتھ دھونے کے بعد مضمضہ اور استنشاق کا حکم دیا ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ اولاً پانی کا ذائقہ

معلوم ہو جائے ممکن ہے کہ غیر مرنی طریقہ سے اس میں نجاست واقع ہوئی ہو اور اس نے پانی کے ذائقہ کو بدن دیا ہو۔ جب ذائقہ معلوم ہو جائے گا تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اب پانی کی حالت کیسی ہے۔ اگر اس میں نجاست گری ہوگی تو ایک نجس چیز کے استعمال سے حفظ ماتقدم حاصل ہو جائے گا۔ اور جب ذائقہ معلوم ہو جاتا ہے اور ذائقہ کے لحاظ سے پانی کی صفائی کا اطمینان بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ تو شریعت، استنشاق کا حکم دیتی ہے تاکہ پانی کی بروہی معلوم کی جاسکے اور وضو کرنے سے پہلے پہلے یہ اطمینان حاصل کیا جائے کہ متوضی جس پانی کو استعمال کر رہا ہے وہ جس طرح ذائقہ کے اعتبار سے پاکیزہ ہے اسی طرح بد کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ لہذا اب اسے اطمینان سے وضو کر لینا چاہیے۔ اور اگر مضمضہ اور استنشاق سے اسے ذائقہ یا رائحہ کا تغیر معلوم ہو گیا تو ایسے پانی کو استعمال نہ کرے تاکہ بجائے تحصیل طہارت کے تخیس و تنویث نہ ہو۔ اس کے علاوہ بعض اوقات انسان کے منہ اور ناک میں بسل کچیل اور کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ مضمضہ اور استنشاق سے ان کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں فم دائق کے ذریعہ انسان سے جو گناہ صادر ہوتے ہیں بمقتضائے حدیث مضمضہ اور استنشاق سے وہ بھی بد جاتے ہیں۔

## کیفیت مضمضہ و استنشاق کی بحث

مضمضہ اور استنشاق کے مختلف طریقے فقہاء کے مروج ہیں مگر پانچ طریقے مشہور ہیں:

- ۱۔ غرغرة واحدة بالوصل - ۲۔ غرغرة واحدة بالفصل
- ۳۔ غرغرة بالوصل - ۴۔ ثلث غرغرات بالوصل - ۵۔ ست غرغرات بالفصل

منہج التقدیر ص ۳۰۲، البحر الرائق ص ۳۰۲ میں تصریح ہے کہ یہ اختلاف جواز

وعدم جواز کا نہیں محض اولویت اور غیر اولویت کا ہے۔ اسی لیے تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ پانچ صورتیں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں سے اولیٰ اور افضل کون سی صورت ہے اس میں دو مسلک ہیں :-

فائدہ

**مسک اول**۔ شرائع اور محتابلہ کے نزدیک ثلاث غزوات بالوصل افضل ہے۔

**دلیل**۔ حدیث الباب جس میں روایت کے الفاظ یوں ہیں۔  
فَمَضْمَضٌ وَاسْتَنْشَقٌ مِنْ كَيْفٍ وَاحِدٍ فَعَمَلٌ ذَا لِكَ ثَلَاثًا۔  
اس سے بظاہر وصل ہی معلوم ہوتا ہے۔

**مسک دوم**۔ احناف کے نزدیک ست غزوات بالفصل راجح اور افضل ہے  
امام مالک کی بھی یہی روایت ہے۔

**دلیل اول**۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص الجہیزہ ج ۱ باب سنن الوضوء میں صحیح ابن  
المنکن کے حوالے سے حضرت شقیق بن سلمہ کی روایت نقل کی ہے۔

”شہدت علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان تَوَضَّأَ ثَلَاثًا

ثَلَاثًا وَافْرًا الْمَضْمَضَةَ مِنَ الْاسْتِنْشَاقِ ثَلَاثًا لَا هَكَذَا أَرَأَيْتَا

”سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ؟“

روایت مذکور میں واضح طور پر فصل کا بیان ہے۔

**دلیل دوم**۔ ابوداؤد شریف ج ۱ کتاب الطہارت باب صغۃ وضوء النبی صلی اللہ

علیہ وسلم میں بطریق ابن ابی لیلیہ حضرت عثمان غنی سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء کیا۔

”فَمَضْمَضٌ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقٌ ثَلَاثًا“ آخر میں کہا ہلکذا وضوءہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں بھی فصل ہے مضمضہ اور استنشاق کا۔

**دلیل سوم**۔ مسند احمد ج ۲۹ میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت

جس میں یہ معنون بھی ہے؟ ”تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَضْمَضَ

ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا“

**دلیل چہارم عقل**۔ نیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فصل راجح ہونا چاہیے اس

کہ ناک اور منہ دو الگ الگ عضو ہیں۔ جیسے دوسرے اعضاء میں فصل کیا جاتا ہے ایسے ہی

ان میں فصل ہونا چاہیے۔

## امام شافعی و امام احمد کا استدلال اور ان کے جوابات

اختصاراً چند جوابات پر اکتفا کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمادیں :-

علاء الدین الہمام فتح القدیر ص ۳۱۳ اور ابن اکنک فرماتے ہیں کہ :-  
**جواب اول** ”مَنْ كَفَّ وَاحِدَةً“ کا مطلب یہ نہیں کہ جو شواہع و حقائق حضرات  
 نے سمجھا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ من کف واحدہ لا بکھتین یعنی مضمرہ استثنائی  
 ایک ہاتھ سے کیے مثل وجہ یا مسجہ راس کی طرح دونوں ہاتھ استعمال نہیں کیے کیونکہ وضو میں  
 عمومی طور پر دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا پڑتا ہے ۔

ملاحظہ علی قاری ص ۳۱۳ مرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ یہ تنازع فعلین کے  
**جواب دوم** باب سے ہے ”مَضْمُضٌ وَاسْتَنْشَقُ مَنْ كَفَّ وَاحِدَةً  
 ثَلَاثًا“ یعنی لغز ثلاث ”مَضْمُضٌ اور استنشاق دونوں کے ساتھ ہے یعنی ایک فعل کا معقول  
 محذوف ہے ۔ اصل عبارت مَضْمُضٌ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقُ ثَلَاثًا ہے ۔ اور پہلی صحیح  
 روایات روایتی لحاظ سے اس کی دلیل ہیں ۔

فتح اللہ ص ۲۸۹ میں علاء عثمانی فرماتے ہیں کہ کف واحدہ  
**جواب سوم** کا مطلب یہ ہے کہ علی سبیل التعاقب نہ تھا یعنی ایسا نہیں کہ  
 مضمرہ کے لیے مثلاً دایاں ہاتھ استعمال کیا ہوا اور استنشاق کے لیے بائیں (دونوں کیلئے  
 ایک ہی کف استعمال کیا ۔ چونکہ روایات میں تصریح ہے کہ دائیں ہاتھ سے ناک صاف نہ  
 کرنی چاہیے ۔ یہاں شبہ تھا کہ ممکن ہے استنشاق کے لیے دایاں ہاتھ استعمال نہ کیا ہو ۔  
 اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے من کف واحدہ پر عمل کر کے اس شبہ کا ازالہ کیا کہ  
 پانی دائیں ہاتھ سے ڈالے اور صاف بائیں ہاتھ سے کرے اس کی تائید نسائی شریف کی اس  
 روایت سے ہوتی ہے :-

”تَمَضْمُضٌ وَاسْتَنْشَقُ ثَلَاثًا مِّنَ الْكَيْفِ الَّذِي يَأْخُذُ بِهِ الْمَأْمُورُ“

(الایضاح)

## غسلُ الیَدَینِ میں مرتفقین داخل ہیں یا نہیں؟

بقول ابوالسعاد: فقہاء کرامؒ کا درس مسئلہ اختلاف بود کہ مرتفقین (کہنیوں) اور کہین رکنوں کا دھونا وضو میں فرض ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں :-

**قول اول** - امام زفرؒ اور داؤد ظاہریؒ کے نزدیک کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا وضو میں فرض نہیں کیونکہ آیت وضو میں مرتفقین کو لفظ الٰی کے ذریعہ غایت قرار دیا گیا، اور غایت مغنیہ داخل نہیں ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ «وَأَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ» (دب) مقام ہذا میں لیل صوم کے حکم میں داخل نہیں۔ اسی طرح کہنیوں کو مرتفقین پر قیاس کرتے ہوئے فرضیت غسل سے خارج کیا ہے۔

**قول دوم** - ائمہ اربعہ اور جمہور علماء امت کے نزدیک مرتفقین اور کہین کو وضو میں دھونا فرض ہے۔

**دلیل اول** - قرآن کریم کی آیت مقدسہ ہے :-

«يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا  
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ  
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ» (دب)

آیت مذکور میں مرتفقین و کہین کا غسل ثابت ہے۔

**دلیل دوم** - دارقطنی کتاب الطہارت میں بسند عن حضرت عثمانؓ سے وضو کی کیفیت نقل کی ہے :-

«فَنَسَلَ يَدَايِي إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ حَتَّى مَسَّ أَطْرَافَ الْكَعْبَيْنِ»

(التعليق ص ۲۳)

## امام زفر و داؤد ظاہری کے مسئلہ کے جوابات

**جواب اول** علماء کرام و نقباء عظام کے اس یہ اختلاف ہے کہ قایت مبنیاً میں داخل ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں نصوص متعارض ہیں

بعض نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ قایت مبنیاً میں داخل ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے۔  
 ”حَفِظْتُ الْقُرْآنَ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ“ تو جس طرح ازل حفظ میں داخل ہے آخر بھی داخل ہے۔ اور بعض مقامات پر قایت مبنیاً میں داخل نہیں۔ جیسے کہ قرآن پاک کی آیت مقدسہ ہے ”وَأَتَعُوا الْقِيَامَ إِلَى اللَّيْلِ“ تو اس تعارض کی بناء پر قایت کا مبنیاً میں داخل ہونا مشکوک ہو گیا۔ لہذا اس شک کی بناء پر قایت مبنیاً میں داخل نہیں۔ اذ اجابوا الاحتمال بطل الاستدلال۔“

**جواب دوم** آپ کا یہ قانون کہ الی برائے غایت ہے اور غایت مبنیاً میں داخل نہیں یہ اس وقت ہے کہ جب الی برائے غایت ہو۔ حالانکہ آیت مذکورہ ”فَاعْبُدُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ“ میں الی مع کے معنی ہیں جیسا کہ مسئلہ ثعلبی اور دیگر ائمہ لغت نے تصریح کی ہے اور الی مع کے معنی ہیں قرآن مقدس میں شائع و ذائع ہے۔ جیسے قرآن میں ہے :-  
 ”وَكُلُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَمُوتُوا إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ رِيبًا“۔ اس آیت میں الی مع کے معنی ہیں ہے۔ ”ای مع اَمْوَالِكُمْ“

قولہ ”فَاعْبُدُوا بِهِمَّا“ اذ بکر۔ لغت اقبال کے معنی ہیں ہاتھوں کو پیچھے سے ملنے کی طرف لانا۔ اور ابدال کے معنی ہیں سامنے سے پیچھے کی طرف لے جانا۔ اس جملہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مع رأس کی ابتداء مؤخر رأس سے ہوئی اب اس پر بظاہر سوال ہوتا ہے۔ سوال۔ یہ ہے کہ جملہ مذکورہ ”فَاعْبُدُوا بِهِمَّا“ اذ بکر سے مع رأس کی ابتداء مؤخر رأس سے معلوم ہوتی ہے جب کہ اگلا جملہ بدأ بمقتدم رأس سے ابتداء کرنے پر مرشح ہے۔ لہذا حدیث کے اول و آخر میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔



**جواب اول**۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب وہ دو چیزیں ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں تو ترتیب ذکرى احسنہا کو مقدم رکھتے ہیں یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ یہاں داؤ مطلق جمع کے لیے ہے ترتیب ملحوظ نہیں اور اس میں اقبال کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی عادت یہ ہے کہ جب کبھی اپنی عبارت میں اقبال و ادبار کو جمع کرتے ہیں تو اقبال کو مقدم کرتے ہیں خواہ ترتیب وقوعی اس کے برعکس ہو۔ جیسا کہ امرؤ القیس کہتا ہے۔

مکتر مفرّ مقبل مدبر موعّا

کجلمود صخر حطّہ التیل من عل

ترجمہ: نہایت حمد آور تیزی سے پیچھے ہٹنے والا سرعیت سے آگے بڑھنے والا

پشت پھرنے والا اس کی رفتار مثیل اس پتھر کے ہے جس کو سیلاب

اونچائی سے گرا رہا ہو (ملتقط من التہلیلات للشیخ المصنفات) ابراہیم

**جواب سوم**۔ عند البعض اقبال و ادبار کے اور معنی بیان کیے گئے ہیں اقبال کا معنی ہے

آگے سے ہاتھ لے جانا، ادبار کا معنی ہے پیچھے سے ہاتھ لے آنا۔ اس صورت میں تفسیر اور مفسر میں بھی مطابقت ہو جاتی ہے اور ترتیب فعلی اور ترتیب ذکرى میں بھی۔

## مسح رأس کے مباحث ثلاثہ

مسح رأس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے اس لیے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ مقدار

## بحث اول مقدار مفروض

فرض میں اختلاف ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کے ہاں اس میں تیرہ قول ہیں۔ مگر مشہور ان میں سے تین ہیں جن کو مذاہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

**مذہب اول**۔ امام مالکؒ و امام احمدؒ (فی روایت) مزی ابوعلی جہانیؒ کے

نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے یعنی وجوب "استیعاب الرأس"

**دلیل اول**۔ حدیث الباب ہے کہ چونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا اور اقبال و ادبار دونوں کو عمل میں لایا۔ اس صورت میں تمام سر کا مسح ہوتا ہے۔

**دلیل دوم**۔ قرآن مقدس میں ہے۔

«وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ» یہاں بار زائدہ ہے اور قرآن مقدس میں اس کی کوئی خاص مقدار بیان نہیں کی۔ لہذا اکل سر کا مسح کرنا فرض ہوگا۔ نیز وہ قیاس کرتے ہیں آیت نیم پر کہ وہاں «وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ» میں بار زائدہ مان کر کل چہرہ کا مسح فرض قرار دیا گیا لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔

**مذہب دوم**۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے بلکہ ادنیٰ ما یطلق علیہ المسح فرض ہے وہ دو یا تین بال ہیں۔

**دلیل**۔ آیت مسح مطلق ہے اور مطلق کا حکم یہ ہے کہ ادنیٰ فرد پر عمل کرنے سے تعمیل حکم ہو جاتی ہے لہذا ادنیٰ ما یجزی بہ المسح کا مسح کافی ہو جائے گا۔

**مذہب سوم**۔ اخلاف حضرات کے نزدیک مقدار نا صید فرض ہے وہ ربع رأس چار انگلی کی مقدار ہے۔ اور استیعاب سنت ہے۔

**دلیل اول**۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ باب سنن الرضوخ فصل اول میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے کہ

«أَنَّ الشَّيْخَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَوَضَّ فَمَسَحَ بِثَاصِيَّتِهِ»

نیز ابوداؤد شریف ص ۱۱۲ کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین میں بھی یہی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں «كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخَفَيْنِ وَعَلَى ثَاصِيَّتِهِ وَعَلَى عَصَا مَسِّهِ» ساتھ ہی حضرت انسؓ کی روایت بھی ہے جس میں «مَسَحَ مُقَدِّمُ رَأْسِهِ» کے الفاظ ہیں علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ مقدم رأس اور نا صیدہ اور رابع رأس یہ سب ایک ہی ہیں۔ صحیح مسلم میں بھی یہی روایت موجود ہے۔ تو ان جملہ روایات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسح رأس میں فرض مقدار نا صیدہ ہی ہے۔

**دلیل دوم۔** یہ ہے کہ آیت کریمہ «وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ» میں ہاتھ اور ہاتھ کی اصل یہ ہے کہ جب آلہ پر داخل ہوتی ہے تو کل آلہ مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض مابین متصلہ الی المقصود مراد ہوتا ہے۔ مثلاً ضربت زیداً بالخشب، کتبت بالقلم۔ ضرب الخشب کے ساتھ واقع ہوتی ہے لیکن ضرب میں اس کا استیعاب ضروری نہیں۔ اسی طرح کتبت بھی آلہ کتابت (قلم) کے ساتھ ہوتی ہے حالانکہ لکھا تو قلم کی نوک سے جانا ہے جبکہ ہاتھ بالقلم پر داخل ہے۔ اگر قلم کا استیعاب ہو تو لکھا بھی نہیں جا سکتا۔ قلم تو صرف آلہ ہے اور مقصد کے ذریعہ کو آلہ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہے «وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجْحَدُ بِآيَاتِهِ» اس میں بھی پورے سر کا پکڑنا مراد نہیں۔ اور نہ ہی ایک ہاتھ سے دائرہ پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے پورے سر کے بالوں کا پکڑنا ممکن ہے۔

تو بعینہ یہی حال آیت وضو میں ہے کہ لفظ ہاتھ پر داخل ہے۔ چونکہ ہاتھ کا مدخول علی العوام آلہ ہوا کرتا ہے چونکہ آلہ میں تبغیض ہوتی ہے اس لیے ہاتھ میں تبغیض رہے گی۔  
**دلیل سوم۔** اہل علم سے یہ بات متفق نہیں کہ مسح کہتے ہیں «اموار شیعہ علی شیعہ بطریق المماسۃ» کو تو یہاں شتی اول سے مراد نیز اور شتی ثانی سے مراد ہاتھ ہے۔ لہذا مسح ہاتھ کے معنی ہوتے «اموار الید المبتلئ علی اللہ» بطریق المماسۃ» یعنی ماسۃ کے طور پر بیچکے ہونے ہاتھ کو سر پر سے گزارنا، ہاتھ مقدار میں رابع ہاتھ کے قریب ہوتا ہے اور جب اس کا امرار کیا جائے تو رابع ہاتھ کے مسح کا تحقق ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسح کی حقیقت کے تحقق کے لیے رابع ہاتھ کے مسح ضروری ہے اور اس مقدار سے کم پر مسح کرنے سے مسح کی حقیقت ہی متحقق نہیں ہو سکتی۔ لہذا مسح رابع ہاتھ کو فرض کہا جائے گا۔ اور اس سے کم کا مسح جائز نہیں ہوگا۔

## مواکف وحنابلہ کے مستدلّات کے جوابات

**مُتَدَلّ اول کا جواب اول۔** اس روایت سے استیعاب ثواب ثابت ہوتا ہے

لیکن اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ اور نفس استیعاب کے ہم بھی متکر نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے وجوب ثابت نہیں ہوتا بلکہ کمال وضوء ثابت ہوتا ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۲۴)

**جواب دوم**۔ یقول ابوالاسعاد : روایت مذکور جس میں مسح رأس کا استیعاب مذکور ہے۔ یہ خبر واحدہ ہے اور خبر واحدہ فرضیت کے اثبات میں ناکافی ہے۔ لہذا مالکیہؒ درحالیہ جو اس روایت سے مسح رأس میں استیعاب کی فرضیت ثابت کرتے ہیں یہ ان کے مدعی کیلئے ٹھیک نہیں۔ فافہم یا بھائی !

**مستدل دوم کا جواب**۔ یہ ہے کہ آیت قرآنیہ میں باء زائدہ ہونے کا کوئی قرینہ نہیں ہے اور یتیم پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یتیم میں مسح وجہ خلیفہ ہے وضوء کا، اور وضوء میں کل چہرہ دھونا ضروری ہے۔ اس لیے یتیم میں کل چہرہ کا مسح کرنا ضروری ہے تاکہ خلیفہ اصل کے خلاف نہ ہو۔ جب کہ مسح رأس تو خود بنفسہ اصل ہے وہ کسی کا فرع نہیں ہے۔ لہذا اس کو یتیم پر قیاس کرنا قیاس الاصل علی الفرع ہے۔ و ذالاجوز۔

## امام شافعیؒ کی دلیل کے جوابات

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ لفظ رأس اس مقام پر مطلق نہیں بلکہ مکمل ہے۔ اور حضرت مغیرہؒ کی روایت اس کی تفسیر ہے۔ ہدایۃ الیتمی ص ۱۱ میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمر بھر مقدار ناصیہ سے کم مثلاً ایک دو بالوں پر مسح نہیں کیا۔ اگر مطلق ہوتا تو بیان جواز کیلئے کہی قرایا کرتے۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ آیت قرآنی مطلق نہیں کیونکہ اطلاق و تفسیر کا مسئلہ افراد میں ہوتا ہے مقدار میں نہیں ہوتا جب کہ یہاں بحث ہے مقدار میں۔ لہذا یہاں مطلق نہیں ہوگا بلکہ مکمل ہوگا جس کی تفسیر روایت مغیرہؒ نے کر دی۔

یقول ابوالاسعاد : علامہ ابن رشد ہدایۃ الیتمیہ ص ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ اصل اختلاف "بُرُوْهُ سِکُوْهُ" کی بار کی وجہ سے ہے کہ یہ زائد ہے یا نہیں اور اس کی تشریح

صاحب شرح الوتایہ وغیرہ نے بھی کر دی ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ دار و مدار حق بار پر نہیں بلکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کی تفسیر و تشریح پر ہے کیونکہ مبین مستان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک اُمبارک و منور ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي ——— تَثْلِيثُ مَسْحِ

یہ مسئلہ بھی فقہاء میں مختلف قیاس ہے کہ مسح راس میں تثلث مسنون ہے یا توحید نو اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

**مذہب اول** : امام شافعیؒ کے نزدیک اعضاء مفسولہ کی طرح مسح راس میں بھی تثلث مسنون ہے۔ یعنی سر کا مسح مین بار مسنون ہے۔

**دلیل اول**۔ حضرت عثمانؓ کی چند روایات ہیں جن میں تثلث کا ذکر ہے مثلاً

”عن شقيق بن سلمة قال رأيت عثمان بن عفان غسل ذراعيه ثلاثاً ثلاثاً ومسح رأسه ثلاثاً ثلاثاً قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل هكذا“ (ابوداؤد شریف ص ۱۱۱)

کتاب الطهارة باب صفة وضوء النبيؐ

**دلیل دوم** : قیاس ہے۔ طرز استدلال یوں ہے کہ راس کو دوسرے اعضاء پر قیاس کریں گے کہ ان میں تثلث مسنون ہے لہذا سر میں بھی تثلث مسنون ہوگی یہ لامتنہ عضومن اعضاء الوضوء

**مذہب دوم** : ملا علی قاریؒ کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ اور جہول کے نزدیک مسح راس میں توحید مسنون ہے۔ لا تثلث یعنی مسح راس صرف ایک بار کیا جائے۔

**دلیل اول**۔ روایت مذکور حضرت عبد اللہ بن عاصمؒ جس کے الفاظ ہیں یہ

”وفي رواية للبخاري فمسح رأسه فاقبل بهما وادبر

مؤنة واحدا“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱)

دلیل دوم روایت حضرت ابی حنیفہؒ جس کے الفاظ ہیں:-

قال رأيت عليًا الخ ومسح برأسه مرة (مشکوٰۃ شریف ج ۱)

دلیل سوم عقلی۔ اس (سر) میں اصل مقصد تخفیف ہے اس لیے اس کا فریضہ مسح رکھا گیا۔ اب اگر تثلیث پر عمل کیا جائے تو بجائے مسح کے غسل ہو جائے گا اور مقصود اصل تخفیف ختم ہو جائے گی۔ "ولهذا يعمل على التوحيد"

## امام شافعیؒ کے مُستدلات کے جوابات

امام شافعیؒ نے روایت حضرت عثمانؓ جس میں تثلیث کا ذکر ہے دلیل پکڑی ہے اس کا جواب یہ ہے

دلیل اول کا جواب اول

کہ اصل میں وہاں تین مرتبہ مسح کرنا مراد نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ استیعاب کیا مگر فعل مذکور کی ادائیگی تین حرکتوں سے کی اسی تین حرکتوں کو ثلاثاً سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر مفتح انباری میں لکھتے ہیں کہ "احادیث تثلیث اگر صحیح بھی ہوں تو بھی ان سے تکرار مسح مراد نہیں بلکہ استیعاب بال مسح مراد ہے یعنی جانب مقدم مؤخر و طرفین" ان تینوں جاہوں میں ایک ایک بار مسح کر کے استیعاب کیا یہ اسی کو ثلاثاً سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ ہے کہ تثلیث والی روایت شاذ ہے کیونکہ اس روایت کے علاوہ

جواب دوم حضرت عثمانؓ کی تمام روایات صرف ایک مرتبہ مسح پر دلالت کرتی ہیں

جواب دوم

چنانچہ خود امام ابوداؤدؒ نے ثلاثاً والی حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا:-

« قال ابوداؤد احادیث عثمان الصّحاح كلّها تدلّ على مسح الرأس

السه مرة فالتهم ذكره والوضوء ثلاثاً وقالوا فيها ومسح برأسه

ولهم مذكروا عددًا كما ذكره وافي غيره -

(ابوداؤد شریف ج ۱ باب صفة وضوء النبيؐ)

نص کے مقابلہ میں قیاس غیر معتبر ہے۔

فلا حُجّة علينا۔

دلیل دوم قیاسی کا جواب اول

جواب دوم : یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے کیونکہ غسل سے مقصود تخفیف ہے اور تکرار اس کے لیے مفید ہے بخلاف مسح کے کہ اس سے مقصود تخفیف ہے اور تکرار اس کے منافی ہے۔ نیز تثلیث سے تو مسح نہیں رہتا بلکہ غسل بن جاتا ہے حالانکہ مقصود مسح ہے۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ ————— کِیْفِیَّتِ مَسْحِ

یہ مسئلہ بھی فقہاء میں مختلف فیہ ہے کہ مسح راس کی ابتداء کہاں سے کرنی چاہیے۔ اس میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول** - امام وکیع بن الجراح فرماتے ہیں کہ سر کا مسح مؤخر راس سے شروع کرنا چاہیے۔

**دلیل** - حضرت ربیع بنت معوذؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں :-  
 ”وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّتَيْنِ، يَبْدَأُ بِمُؤَخَّرِ رَأْسِهِ ثُمَّ بِمُقَدِّمِهِ  
 رَابِعُ دَاوُدَ شَرِيفٌ ص ۱۱۱ بَابُ صِفَةِ وَضْعِ الشَّيْءِ“

**مسلک دوم** ، جہور اور اکثر ائمہ کے نزدیک مسح راس کی ابتداء مقدم راس سے کی جائے گی۔ جس کی کیفیت یوں ہوگی کہ سر کا مسح مقدم حصہ سے شروع کر کے ہاتھوں کو نیچے تک لے جایا جائے اور پھر ہاتھوں کو کھینچ کر اس مقام پر پہنچایا جائے جہاں سے مسح شروع کیا تھا۔

**دلیل** : حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت ہے جس میں اقبل وادبر کی تفسیر ہے  
 ”يَبْدَأُ بِمُقَدِّمِ رَأْسِهِ ثُمَّ يَذْهَبُ بِهِمَا إِلَى قِفَاءِ شِقْرِ رَأْسِهِمَا  
 حَتَّى رَاجِعَ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ“

## امام وکیع کے مُستدَلّات کے جوابات

حضرت ربیع بنت معوذؓ کی روایت جس سے مسح مؤخر راس پر دلیل پکڑی گئی ہے

محدثین حضرات نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں :-

**جواب اول** علامہ ابن دقیق العید احکام الاحکام ص ۱۲ میں لکھتے ہیں کہ اقبال وادبار اضافی ہیں۔ اقبال آگے سے پیچھے ہر باعلی العکس۔ وکذا الادبار پیچھے سے آگے وعلی العکس۔ لیکن یہاں چونکہ حدیث میں خود تفسیر موجود ہے :-  
 « اقبل بهما وادبرای بدأ بمقدم رأسه » لہذا معنی اقبال متعین ہے۔  
 وکذا الادبار۔

**جواب دوم** ہدیۃ المجتہد ص ۲۱ میں ہے کہ بمؤخر رأسہ میں بار معنی الی ہے « والکوفیون یجوزون مطلقاً وضع حروف النجز بعضها مقام بعض (ہا مشس لا بخاری ص ۵ ج ۱) اور معنی یہ ہے « وبدأ الی مؤخر رأسہ ثلثانی مقدم رأسہ »

**جواب سوم** حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت صحیح ہے جو چہرہ کا مستدل ہے جب کہ حضرت یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہے جس پر کلام ہے۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت راجح ہے جب کہ حضرت ربیع کی روایت اس کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔ کیونکہ اس میں عبد اللہ بن محمد بن عقیل نامی راوی منکرم فیہ ہیں۔

قوله فی المصنف علیہ - اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ وفق المصنف علیہ کے بعد جو روایتیں نقل کی گئی ہیں وہ صاحب مصابیح کی نقل کردہ نہیں ہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے ان کا اضافہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ماقبل کی روایت باوجودیکہ بخاری و مسلم میں منقول نہیں ہے مگر صاحب مصابیح نے انہیں صحاح یعنی فصل اول میں نقل کیا ہے اس لیے مصنف مشکوٰۃ نے ان روایتوں کا جو بخاری و مسلم میں منقول ہیں آگے اضافہ کر دیا ہے تاکہ ترتیب صحیح ہے۔

قوله فاستخرج جہا - ای الید من الاناء مع الماء یعنی چھڑا برتن موجود نہ تھا۔ بڑے گھڑے یا ٹکے میں پانی تھا تو آپ نے کلائی تک ہاتھ تو پانی انڈیل کر دھوئے پھر کلی وغیرہ کے لیے اس میں ہاتھ ڈال کر پانی لیا۔

بقول ابوالسعاد : نہ ہیبت حق فی استعمال پانی وہ ہے جس سے حدیث یعنی



حکمی ناپاکی دور کی جائے یا اسے ثواب کی نیت سے وضو یا غسل میں استعمال کیا جائے۔ یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ لم تھوں کا حدیث تو دھل کر جاتا رہا اور اب جو لم تھ ڈالا وہ پانی لینے کے لیے تھا ثواب کے لیے دھونا مقصود نہیں۔ لہذا یہ حدیث احسان کے خلاف نہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اس پر زیادتی نہ فرمائی۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلَى هَذَا (رواہ البخاری)

قولہ مَرَّةً مَرَّةً۔ یعنی ہر عضو ایک بار دھویا اور اس وضو میں ایک بار پر زیادتی نہ کی۔ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں دو یا تین بار دھونے کا ذکر ہے کیونکہ ایک یا دو بار دھونا بیان جواز کے لیے ہے۔ اور تین بار دھونا بیان استحباب کیلئے ہے۔ یا پانی کم ہونے پر ایک بار اعضاء دھوئے اور پانی زیادہ ہونے پر تین بار۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار وضو کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عثمانؓ سے کہ آپ نے مقام مقاعد میں وضو کیا تو فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں تو آپ نے یمن یمن بار وضو کیا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِ فَقَالَ أَلَا أُرِيكُمْ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا (رواہ مسلم)

قَوْلُهُ الْمُتَعَادِلُ ، مقاعد جمع متعادل کی ہے یعنی لوگوں کے بیٹھنے اور جمع ہونے کی جگہ ۔  
 اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ تبسلیغ کے لیے لوگوں کے جمعوں میں جاتے اور انہیں احکام دین سکھاتے  
 تھے ۔ بقول ابوالاسعد : ان اعمادیت ثلاثہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 اعضاء وضو کو کبھی ایک ایک مرتبہ اور کبھی دو دو مرتبہ دھوتے تھے اور کبھی تین تین مرتبہ دھوتے  
 تھے ۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ اکثر تین تین مرتبہ دھوتے تھے ۔ ان میں تطہیق اس طرح  
 ہوگی کہ آپ کا اعضاء وضو کو کبھی ایک مرتبہ دھونا بیان جواز کے لیے تھا یعنی اس سے یہ جواز  
 نکلا کہ ایک ایک مرتبہ دھونا بھی جائز ہے اور اس طرح وضو ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ادنیٰ درجہ ہے اور  
 فرض بھی ایک ایک مرتبہ ہی دھونا ہے ۔ اسی طرح دو دو مرتبہ بھی بیان جواز کے لیے دھوتے تھے ۔  
 لیکن اکثر و بیشتر تین تین مرتبہ اس لیے دھوتے تھے کہ یہ طہارت کا انتہائی درجہ ہے ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ  
 بن عمرؓ سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف گئے  
 حتیٰ کہ جب ہم اس پانی پر پہنچے جو راہ میں تھا تو  
 عصر کے وقت ایک قوم نے جلدی کی ، اور  
 جلدی میں وضو کیا ہم ان تک پہنچے اور ان  
 کی ایڑیاں چمک رہی تھیں جنہیں پانی نہ لگا تھا  
 تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان  
 ایڑیوں کے لیے ذیل ہے وضو پورا کیا  
 کر دو ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
 قَالَ رَجَعْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ  
 مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى  
 إِذَا كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ تَعَجَّلَ  
 قَوْمٌ عِندَ الْعَصْرِ فَوَضَّأُوا وَ  
 هُمْ عَجَّالُونَ فَأَتَيْنَا الْيَهُودَ  
 وَأَعْقَابَهُمْ تَلَوَّحَ لَمْ يَمْسُهَا  
 الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّأَعْقَابِ  
 مِنَ الْمَنَارِ اسْبِغُوا الْوُضُوءَ

(رواہ مسلم)

قَوْلُهُ كُنَّا بِمَاءٍ بِالطَّرِيقِ - ای کنا ہمارے پاس کاٹن فی طریق مکتہ : کہ طریق مکہ  
 جس میں پانی تھا ہم وہاں اترے ۔

قَوْلُهُ فَأَنْتَهَيْتَنَا : اِی وصلنا۔ یعنی ہم بھی ان کو چاہے۔

قَوْلُهُ وَیْلٌ۔ وَیْل کے لغوی معنی ہلاکت اور عذاب کے ہیں۔ اسی کے قریب لفظ ویح بھی عربی میں مستعمل ہے لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ ویل اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو ہلاکت کے قریب ہو۔

یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَدِ : ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے چنانچہ اس کی تائید صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ہوتی ہے :-

”عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْلٌ وَّادِی فِی جَهَنَّمَ

یَمْوِی نِیْہَ اَنْکَا فَرَسَبْعِیْنَ خَرِیْفًا قَبْلَ اَنْ یَّسْلُغَ قَعْرَہَا“

سوال۔ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا واقع نہیں ہوتا حالانکہ یہاں مبتدا ہے۔

جواب۔ امام ابن عقیل اور ابن مالکؒ نے راجع الی لغتہ مصدقہ طبع مصر میں تصریح کی ہے کہ جب دعاء بالخیر یا بالشر ہو تو ایسے مقام پر نکرہ بھی مبتدا واقع ہو سکتا ہے اور ابن ہشامؒ نے معنی اللیب ۴۶۷ میں لکھا ہے کہ در مقام ایسے ہیں جہاں نکرہ مبتدا ہو سکتا ہے ان میں دعاء بالخیر اور بالشر کے مقام بھی شامل ہیں۔ چنانچہ ویل لا عقاب میں بھی دعاء بالشر ہے اس لیے ویل نکرہ ہوتے ہوئے بھی مبتدا ہے۔

جواب دوم۔ سابق میں روایت مرفوعہ سے معلوم ہو گیا کہ دین جہنم کے ایک خاص طبقہ کا نام ہے لہذا بناء برعلیت کے معرّف ہوا اور معرفہ مبتدا بن سکتا ہے۔

## الْاَعْقَابُ مِیْنِ الْاَلَامِ کِی تَحْقِیْق

یَقُولُ ابُو اَلْاَسْعَدِ : اَعْقَابُ مَعْنٰی مَوْخِرُ الْقَدَمِ یعنی اڑی۔ علماء میں اختلاف

ہے کہ الّا عقاب کی الف لام کوئی ہے امام ابن قتیبہؒ احکام الاحکام ۵۱۱ میں لکھتے ہیں کہ

الّا عقاب مِیْنِ الْاَلَامِ عَمِدَہ کا ہے اور وہ ایسی اڑیاں تھیں جو عند الوضوء خشتک رہتی تھیں۔ نیز یہ بھی

لکھتے ہیں کہ الف لام استفراق عربی کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے ”جَمِیعُ الْمَصِیْرِ الصَّاعِظَةُ“ جمع صائغ

بمعنی زرگر۔ مقصد یہ ہے کہ اپنے شہر کے زرگردوں کو امیر نے جمع کیا جو استفراق عربی ہے ذکر جہان بھر

کے زنگروں کو، تو اس لحاظ سے معنی یہ ہو گا کہ ہر اس ایڑھی کے بلے دیں ہے جس کی صفت یہ ہو کہ عضو میں خشک ہے۔

**سوال :** عذاب : اس شخص کو دیا جائے گا جس کے اعقاب خشک رہ گئے ہوں۔ مگر حدیث میں اس شخص کے بجائے اعقاب کے بلے دیں کی وعید مذکور ہے چاہے تھا کہ یہاں صاحب اعقاب کا ذکر کیا جاتا؟

**جواب اول :-** وَبِلَىٰ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ میں مجازاً بالزلف ہے اور اصل عبارت یوں ہے : "وَبِلَىٰ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" جیسے تَیْدُ عَدُوِّ کی اصل میں تَیْدُ ذُو عَدُوِّ ہے۔

**جواب دوم :-** یادِ کِرْجَر مراد کل ہے جیسے فقہ کی کتب میں رقبہ مذکور ہے اور مراد اس سے عیب ہے۔

**جواب سوم :-** کہ جرم کا مدور سارے بدن سے نہیں ہوا بلکہ صرف ایک عضو رقبہ اسے ہوا ہے۔ لہذا جرم کی سزا بھی بالذات اسی عضو کو ملنی چاہیے جو اس گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے جیسے چور ہاتھ سے چوری کرنا ہے تو سزا بھی بالذات قطعِ بند کی صورت میں ہاتھ کو دی جاتی ہے۔ پھر چونکہ یہ عضو ایک ذی عقل اور مکلف کا ہے۔ اس لیے اس ایک عضو کی سزا سے صاحبِ عضو بھی مستحق عذاب رہتا ہے۔

## حدیث کا پس منظر

صحیح مسلم شریف ۱۲۵۱ کتاب الطہارت باب وجوب غسل الرجلین میں روایت تفصیل سے منقول ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے اس زمانہ میں سفر قافلوں کی صورت میں ہوا کرتا تھا اور لوگ اونٹوں پر جایا کرتے تھے۔ اس نوعیت کے سفر میں یہ ہوا کرتا ہے کہ کچھ لوگ آگے چلے جاتے ہیں اور کچھ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قافلہ کے رفقہ پھیلے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ قافلہ بھی بہر حال کچھ ایسا ہی پھیلا ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے بعض ساتھی آگے چل نکلیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ساتھ ہو کر قافلہ کے آخر میں تشریف لارہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مصر کا اکثر وقت نکل چکا تھا جو رہ گیا تھا وہ بھی اتنا تھا کہ جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھی جاسکتی تھی اس لیے ہم نے عجلت سے کام لیا اور جلدی سے وضو کیا تا کہ نماز اپنے وقت میں ادا کی جاسکے۔ مگر اس تعجیل میں بعض ساتھیوں کے اعتقاد خشک رہ گئے اور جہاں پانی نہیں پہنچا تھا وہ جگہیں ظاہر نظر آرہی تھیں اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جو نہی آپ کی نظر خشک رہ جانے والی جگہوں پر پڑی تو آواز بلند ارشاد فرمایا: «وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»

## حدیثُ الباب کا مقصد

اس حدیث سے عبارتہ النّس کے طور پر جو بات ثابت ہوتی ہے وہ تو یہ ہے کہ وضو میں ایڑیاں خشک نہیں رہنی چاہئیں بلکہ ان کا استیعاب فی النّسل ضروری ہے لیکن یہی حدیث دلالت النّس کے طور پر اس بات کی دلیل ہے کہ رجلیں کا وظیفہ وضو میں غسل ہے نہ کہ مسح۔

## الاختلافُ بین اہل السنّة والروافض فی غسلِ الرجلینِ و مسحہما

علامہ ابن رشدؒ ہدایۃ المجتہد ص ۱۳۳ میں لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں تین مسلک ہے  
المذہب الاول، ائمہ اربعہ اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک وضو میں غسلِ جلیں عدم خف (موزہ) کے وقت فرض ہے۔  
المذہب الثانی: اہل تشیع میں فرقہ امامیہ کے نزدیک وضو میں رجلیں کا وظیفہ مسح ہے غسل نہیں۔

المذہب الثالث: علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار ص ۱۸۵ اور نوویؒ ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ علامہ ابن جریر طبریؒ، ابوہیثم جہانی معتزلی اور داؤد ظاہری سے منقول ہے کہ وضو میں غسل اور مسح دونوں میں اختیار ہے۔

سوال : آنجناب نے مذہب اول کے بیان میں جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک و ضرور میں غسل لکھا ہے جب کہ بیان مذہب ثالث میں علامہ ابن جریر طبریؒ اور داؤد ظاہریؒ کی طرف مسج کی نسبت کی ہے یہ کہاں تک درست ہے کیا ان کا شمار اہل السنۃ والجماعۃ میں نہیں ہے۔

یقول ابوالاسعد جواہر : کہ مذہب ثالث (تخیر بین الغسل والنسج) کسی اہل السنۃ والجماعۃ کے عالم سے ثابت نہیں بلکہ جمہور علماء امت اہل السنۃ والجماعۃ کا دھورہ میں غسل وجہین کا جماع ہے۔ کما سیأتی ان شاء اللہ۔ جہاں تک داؤد ظاہریؒ کی طرف اس مسلک کی نسبت ہے وہ غلط ہے اور کسی صحیح مستند دعویٰ سے یہ نسبت ثابت نہیں۔ کما فی العینی والتعلیق۔ باقی علامہ ابن جریر طبریؒ کی طرف نسبت تو اس کی حقیقت یہ ہے بقول حافظ ابن القیمؒ کہ اس سے مراد اہل سنت کے مشہور عالم ابن جریر طبریؒ نہیں ہیں بلکہ ان سے مراد شیعہ ابن جریر طبریؒ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر طبریؒ کے نام سے دو شخص معروف ہیں دونوں کا نام محمد بن جریر ہے اور دونوں کی نسبت طبری ہے۔ دونوں کی کینت ابو جعفر ہے اور دونوں نے تفسیر لکھی ہے لیکن ان میں سے ایک سنی ہیں دوسرے شیعہ تخیر بین الغسل والنسج کا مسلک شیعہ ابن جریر کا ہے۔ اور وہ ابن جریر طبریؒ جن کی تفسیر جامع البیان اور تاریخ الامم والملوک مشہور ہیں وہ اہل سنت میں سے ہیں اور مسئلہ غسل وجہین میں جمہور اہل سنت کے ہمنوا ہیں۔

سوال : قاضی ابوبکر بن العربی نے شرح ترمذی میں ان ابن جریر طبری سنی کی طرف تخیر بین الغسل والنسج کا قول منسوب کیا ہے۔ نیز مولانا محمد یوسف ہزاریؒ نے معارف السنن میں بھی یہ بات لکھ کر حافظ ابن القیمؒ کے خیال کی تائید نہیں فرمائی بلکہ لکھا ہے کہ ابن جریر طبری سنی کا کلام بھی اسی سلسلہ میں مرہم ہے کہ سنی ابن جریر طبریؒ نے بھی تفسیر جامع البیان میں جمع بین الغسل والنسج کے قول کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ آیت دھورہ کے تحت انہوں نے جو تفسیر لکھی ہے اس سے بھی مترشح ہوتا ہے۔

یقول ابوالاسعد جواہر : عرض ہے کہ علامہ ابن جریر طبری سنی کی طرف تخیر بین الغسل والنسج کی نسبت درست نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر دمشقیؒ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ میں علامہ ابن جریر طبریؒ کی عبارت پر غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ وہ تخیر بین الغسل والنسج یا جمع بینہما کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کا منشاء یہ ہے کہ وجہین کا وظیفہ تو غسل ہی ہے لیکن

اس میں ذلک واجب ہے کیونکہ پاؤں پر میسل کا احتمال زیادہ ہے البتہ انہوں نے ذلک کے مفہوم کو لفظ مسح سے تعبیر کر دیا ہے اور اس سے بعض لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ جمع کے قائل ہیں حالانکہ حقیقت وہی ہے کہ یہ بھی جمہور علماء اہل سنت کے مسلک سے متفق ہیں۔

## دلائل اہل تشیع شنیع

**دلیل اول**۔ اہل تشیع شنیع کا استدلال قرآن مجید و فرقان مجید کی اس آیت سے ہے  
 «وَأَسْحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكُتُبَيْنِ رِطًا أَوْ جُلُكُمُ» میں دو قرائتیں  
 مشہور ہیں۔ نصب اللام «أَرْجُلِكُمْ»۔ و بکسر اللام «أَرْجُلِكُمْ»۔ اہل تشیع شنیع کہتے ہیں کہ اصل  
 قرأت بکسر اللام یعنی مجرور ہے اور معطون ہے رِطًا پر توجہ عامل رِطًا کا ہے وہی «أَرْجُلِكُمْ» کا  
 ہوگا۔ حاصل عبارت یوں ہوگی «وَأَسْحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَأَسْحُوا بِأَرْجُلِكُمْ» اور  
 قرأت نصب منصوب بنزع الخافض ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ «وَأَخْتَارَ مُوسَىٰ  
 قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا رِطًا» تو یہاں جس طرح قَوْمَهُ منصوب بنزع الخافض ہے  
 اسی طرح قرأت نصب میں «أَرْجُلِكُمْ» بھی منصوب بنزع الخافض ہے اور «بِأَرْجُلِكُمْ» کے  
 معنی میں ہیں۔

**دلیل دوم**۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:-

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فِي سَبَاطَةِ قَوْمٍ فَبَالَ  
 عَلَيْهَا فَأَلَمَّا نَزَّادَ عَا فَنَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَىٰ نَعْلَيْهِ (التبيين ص ۱۲۱ باب ۱۲)

**دلیل سوم**۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے:-

قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم نوضاً ومسح على  
 نعليه «اور ایک روایت میں ومسح على قد ميه آیا ہے۔

رکما فی الايضاح ص ۳۳ باب ۱۲

## دلائل جمہور اہل السنۃ والجماعۃ

**دلیل اول**۔ قرآن پاک کی نص نصی ہے ”وَأَرْجُلُكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (پ)“ اہل السنۃ والجماعۃ کی دلیل قرأت منقوبہ ”أَرْجُلُكُمْ“ ہے جس کا عطف وُجُوْهُكُمْ پر ہے۔ جیسے وُجُوْہ کا حکم غسل کا ہے اسی طرح ارجل کا حکم بھی غسل ہے یعنی جو عامل وجوہ و ارجل کا ہے وہی عامل ارجل کا ہے حاصل عبارت یوں ہے :-

”فَاغْسِلُوا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ فَاغْسِلُوا أَرْجُلَكُمْ“

**دلیل دوم**۔ حضرت ابی حنیفہؒ کی روایت جس کے الفاظ ہیں :-

”ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب ہذا)

روایت مذکورہ واضح طور پر غسل قدیمین پر دلالت ہے نہ کہ مسح پر۔

**دلیل سوم**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی مبارک میں ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں ہے کہ آپ نے عدم خف کی حالت میں مسح رجلین کیا ہو۔ اگر مسح رجلین فرض ہوتا یا کم سے کم کراہت کے ساتھ بھی جائز ہوتا تو بیان جواز کے لیے ایک مرتبہ بھی کر کے دکھاتے جیسا کہ بہت دفعہ مکروہ کاموں کو آپ نے بیان جواز کے لیے آپ نے سباطہ قوم پر یوں قائم پر عمل فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ فریقہ رجلین مسح ہونا تو درکنار کراہت کے ساتھ بھی جائز نہیں۔

**دلیل چہارم**۔ وہ وسادات جو آپ نے پاؤں کے ذرا سا حصہ خشک رہ جانے پر بیان فرمائیں جیسا کہ حدیث مذکور فی الباب ہے۔ ”وَلَا لِعَقَابٍ مِنَ الْمَسَاءِ“

## دلائل اہل تشیع شیع کے جوابات

**دلیل اول کا جواب اول**۔ اہل تشیع کی دلیل آیت قرآنین (نصب جز) سے ہے امام طحاویؒ اور ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ مسح رجلین کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا لہذا اب مسح رجلین جائز نہیں (فتح الباری ص ۱۱۱ ج ۱)



جواب دوم - عند النفاة آیت مذکورہ "وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ" میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں :-

۱۔ احتمال اول | یہ کہ تعصین مانی جائے تعصین کا مطلب یہ ہے کہ عامل مذکور کے معمول پر عامل معذرت کے معمول کو عطف کرنا۔ تاہم مذکور کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بسا اوقات دو فعل یا شبہ فعل قریب المعنی ہوتے ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ متعلق ہوتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں کہ ایک فعل یا شبہ فعل کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے متعلق کا عطف دوسرے فعل یا شبہ فعل کے متعلق پر کر دیا جاتا ہے۔ کلام عرب میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔ کما قال الشاعر

یا لیت بعلمک قد غدا  
متقلدا سیفا ورمحا (التعلیق)

ترجمہ : اے کاش کہ خداوند ترا تحقیق صبح کرتا، اس حال میں کہ تلواریں پیٹنے والا ہوتا تلوار کا اور اٹھا ہوا ہوتا نیزے کا اصل عبارت تھی "متقلدا سیفا وحاملا رمحا"۔ مگر حاکم نے شبہ فعل کو حذف کر دیا اور اس کے مفعول رمحا کا عطف پہلے شبہ فعل متقلدا کے مفعول سیفا پر کر دیا ہے اسی طرح علقثہا نبثا و ماعا یا مراداً "میں سقیتھا معذرت ہے اور اصل عبارت اس طرح تھی "علقثہا نبثا و سقیتھا ماعا یا مراداً" یہاں سقیتھا کو حذف کر دیا ہے اور ماعا یا مراداً کا عطف نبثا پر کر دیا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ ارشاد ہے :-

"فَاجْمَعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَّكُمْ أَكْثَرُ دَلَّ" یہاں تقدیر یوں تھی :-

"اجمعوا امرکم واجمعوا شرکاءکم" یعنی اپنا معاملہ طے کر لو اور اپنے شرکاء کو جمع کر لو۔ اس لیے کہ اجماع کے معنی عزم کے ہیں اور اسے شرکار کا عامل قرار نہیں دیا جاسکتا تو بعینہ یہ صورت آیت و ضرر میں ہے "وامسحوا برؤوسکم واغسلوا ارجلکم" اغسلوا کو حذف کر کے ارجلکم کا سرؤ سکھ پر عطف کر دیا گیا ہے (شرح الطیبی ص ۶۷)

۲۔ احتمال دوم | یہ ہے کہ و امر جملکم کی داد کو دائر معینت قرار دے کہ ارجلکم کو و امسحوا کا مفعول مود قرار دیا جائے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا

"وامسحوا برؤوسکم مع غسل ارجلکم"

جواب سوم - یہ توجیہات سابقہ قرأت نصب سے متعلق ہیں۔ قرأت جر کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ جر جوار پر محمول ہے۔ جر جوار کیا ہے ملاحظہ فرمادیں :-

جس کا معنی ہے کسر یعنی زیر اور جوار کا معنی ہے ہمایہ ۔

« وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ إِلَى الْكُعْبَتَيْنِ » آیت مذکور میں چونکہ ارجل کا تہیل مجرور ہے تو اس کے ساتھ افعال اور پڑوس و ہمایہ کی بنا پر تخفیف تلفظ اور استعمال کے لیے ارجل کو بھی مجرور کر دیا گیا ہے جبکہ اس کا اپنا اصلی اعراب نصب ہے ۔ کلام عرب میں اس نوعیت کے اعراب کو جرّ خواہ کہتے ہیں ۔ تلفظ یا اعراب کے اس فرق سے نہ تو آیت کا معنی بدلتا ہے اور نہ ہی اس کی مراد میں کوئی فرق آتا ہے ۔

## جرّ جوار کے نظائر

قرآن مقدس اور احادیث مبارکہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً قرآن پاک میں :  
« عَذَابٌ يُؤْتُمُّ الْيَسِيرَ رِبًّا كَالْيَسِيرِ » عَذَاب کی صفت ہے ۔ چونکہ عذاب منصوب ہے لہذا چاہیے تھا کہ الْيَسِيرَ پر بھی نصب پڑھا جاتا مگر الْيَسِيرَ پر یہ جرّ اس کے ہمایہ یُؤْتُمُّ کی وجہ سے آئی ہے ۔ اسی طرح ابوداؤد شریف رحمہ اللہ کتاب الطہارت باب صفۃ وضوء النبیؐ میں روایت ہے جس کے الفاظ ہیں : « بِمَاءٍ ذَكَشْتِ » طَشْتِ پر جرّ اس کے جوار کی وجہ سے آئی ہے ۔

سوال ۔ جب برجلین کا وظیفہ غسل ہے تو اس کو اعضاء منسولہ میں ذکر کرتے ، اعضاء مسوحہ میں کیوں ذکر کیا ؟

جواب اول ۔ ترتیب ملحوظ رکھا ہے جن کے نزدیک ترتیب فرض ہے ان کے نزدیک تو بات واضح ہے باقی جو سنت کے قائل ہیں جیسے اکحاف تو ان کے نزدیک سنت کو ملحوظ رکھا گیا ہے ۔

جواب دوم ۔ اعضاء مسوحہ کے ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے کہ برجلین کا وظیفہ بعض صورتوں میں مسح بھی ہوتا ہے ۔ اگر خردالی قرأت نہ ہوتی تو آیت سے ہر حال میں غسل ثابت ہوتا اور مسح علی الخفین کی روایت اس سے معارض ہوتی ۔ اس قرأت سے یہ تعارض رفع ہو گیا ۔  
سوال ۔ اگر پاؤں کا وضوء میں غسل فروری ہوتا تو تیمم میں ان پر مسح لازمی ہوتا جیسے ہاتھ اور منہ جو وضوء میں دھوئے جاتے ہیں اور تیمم میں ان پر مسح کیا جاتا ہے چونکہ پاؤں منسول نہیں لہذا تیمم میں ان کا مسح ساقط ہو گیا « مَسَحَ الرَّأْسَ فَغُلِّظَ » لا یجب فی التیمم

**جواب :** امام ابو بکر الجمہاں الرازیؓ نے احکام القرآن مج ۲۲۵ میں اور امام طحاویؒ مج ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ کہنا باطل ہے کیونکہ وضو اور غسل کا تیمم ایک ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ غسل میں باقی بدن کا بصورت استطاعت علی الماء غسل ضروری نہ تھا اور اس کا مسح کرنا کافی تھا اس لیے تیمم میں اس کا مسح ساقط ہو گیا ہے۔

## اہل تشیع شیع کی مؤید روایات کے جوابات

اہل تشیع شیع نے بعض روایاں (جیسا کہ روایت حضرت حذیفہؓ روایت النسخ) سے دلیل پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جمہور اہل السنۃ والجماعۃ سے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔  
روایت النسخ کا جواب اول۔ یہ کہ آپ کا یہ طریقہ وضو علی الوضوء میں ہوتا تھا جیسا کہ حضرت علیؓ کے متعلق منقول ہے۔

”لَوْضَاءٌ وَمَسَحَ عَلَى نَعْلَيْهِ وَقَالَ هَذَا وَضُوءٌ مِّنْ لَّدِيَّ حَيْثُ هَكَذَا أَرَأَيْتَ مَا سُئِلَ اللَّهُ مَسَّلَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ النسخ)۔“

**جواب دوم۔** حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ حضرت النسخ کا مسح وحین کے مسلک سے رجوع ثابت ہے۔ لہذا ان کی کسی سابقہ روایت سے استدلال درست نہیں بطور تائید حافظ نے سید بن منصور کے حوالہ سے عبد الرحمن بن ابی لیسلی کا یہ قول نقل کیا ہے  
”اجمع اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم على غسل

القدمين (فتح الملهو ص ۱۲۱)

اور یہ قاعدہ ہے کہ بعد کا اجماع پہلے اختلاف کے لیے رافع ہوا کرتا ہے۔

**روایت حذیفہؓ کا جواب اول۔** یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ کی صحیح روایت

”مسح علی نعلینہ“ ہے۔ لہذا قال الجمہور۔

**جواب دوم۔** غسل حین سے کوئی چیز مانع تھی۔ اس لیے آپؐ نے مسح فرمایا یعنی روزے پہننے ہوئے تھے تو عند العذر مسح جائز ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت مغیرہ  
ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنی پیشانی اور عمامہ  
اور موزوں پر مسح کیا۔

وَعَنِ الْمَغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ  
قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ  
وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ؛  
(رواہ مسلم)

اس حدیث میں دو مسئلوں کو بیان کیا ہے پہلا مسئلہ کہ مسح راس میں مقدار کیا ہے اس  
کی تفصیل قدس سرہ - دوسرا مسئلہ آتا ہے مسح علی العمامہ کا اس کی تفصیل آیا ہی چاہتی ہے۔

## مسح علی العمامہ کی شرعی حیثیت

اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ مسح علی العمامہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو اس  
بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں :-

امام احمد، اسحاق، اوزاعی، داؤد ظاہری و ابوالثور کے نزدیک پکڑی  
پر اس طرح مسح کرنا کہ سر پر بالکل مسح نہ ہو جائز ہے۔ لیکن منی ابن قدام  
مذہب اول میں ہے کہ امام احمد مسح علی العمامہ کے ساتھ تین شرائط بھی لگاتے ہیں۔

شرط اول - عمامہ حالت حدث پر نہ پہنا گیا ہو بلکہ طہارت پر پہنا گیا ہو بے خفین۔  
شرط دوم - سر کا کوئی حصہ مکشوف نہ ہو بلکہ جمیع راس مستور ہو اور بقدر ثلث اصابع  
اس کا ظہور نہ ہونے پائے۔

شرط سوم - خفیگا ہو یعنی عمامہ کا کپڑا ذقن (ٹھوڑی) کے نیچے سے گزرا ہوا ہو۔  
درہندی محدث امام بعض حضرات نے اس کو یوں بھی بیان کیا ہے کہ ان شکون علی صفت  
عمامة المسلمین یعنی جس طرح مسلمان عمامہ باندھتے ہیں اسی طرح باندھا گیا ہو جس کی تفسیر  
یہ ہے کہ عمامہ محکم یا شملہ دار ہو۔

دلیل اول - حدیث باب حضرت مغیرہ ابن شعبہ کی روایت ہے جو واضح طور  
پر مسح علی العمامہ پر دال ہے۔

ولیل دوم - حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے۔

” قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَأَمَّا بِهِمُ الْبَرْدُ فَلَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَى الْعَصَائِبِ وَالْعَمَائِمِ وَالسَّاحِبِينَ رُبَّمَا مَعْنَى الْخُفِّ رَابِعًا وَدُودٌ شَرِيفٌ ۚ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ )  
حدیث مذکور میں بھی مسح علی العمامہ کا واضح ثبوت ہے۔

مذہب دوم امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مفتی ابہ قول کے مطابق مسح علی العمامہ جائز نہیں نہ مستقل اور نہ تکملاً اور نہ اسے کوئی شرعی حیثیت ہے۔

مستدل اول - رب ذوالجلال کا ارشاد مبارک ہے ”وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ امام خطابیؒ معالم السنن ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں۔ کہ نص قرآنی قطعی ہے اور حدیث محتمل ہے تو قطعی کو غیر قطعی کے لیے کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ نیز علامہ امام ابوبکر جصاصؒ الرازیؒ کی تفسیر احکام القرآن ص ۲۵۴ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسح کا حکم دیا ہے ”وَالْمَاسِحُ عَلَى الْعِمَامَةِ غَيْرُ مَا سَحَ بِرَأْسِهِ“

مستدل دوم - حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے۔

” قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ قَطْرِيَّةٌ فَادْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مَقْدَمَ رَأْسِهِ فَلَمْ يَنْقُضِ الْعِمَامَةَ -

رَابِعًا وَدُودٌ شَرِيفٌ ۚ بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ )

اس میں صاف تصریح ہے کہ عمامہ کے نیچے سے مسح کیا۔

مستدل سوم - وہ متواتر قولی اور فعلی احادیث ہیں جن میں مسح رأس کا ذکر ہے۔

(مَنْ شَاءَ فَلْيَطْلُعْ إِلَى كِتَابِ الْمُطَوَّلَةِ)

## قائلین جواز مسح علی العمامہ کے دلائل کے جوابات

یَقُولُ الْبَوَالِاسْحَادُ : جہاں تک حدیث باب اور مسح العمامہ کی دوسری احادیث کا تعلق ہے جمہور کی طرف سے اس کے بہت سے جوابات دیے گئے ہیں۔ اختصاراً چند جوابات پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔

امام محمدؒ مؤلف امام محمدؒ کے باب المسح علی العمامہ میں لکھتے ہیں :

### جواب اول

”مسح علی العمامۃ کان فخرًا“ کہ ابتداءً مسح علی العمامہ جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ ”وہو قول ابی حنیفہؒ والعاصمۃ من فقہائنا۔“

عندہ عثمانی نے فتح الملہم ص ۲۲۳ بحوالہ رد المحتار المعانی سورۃ الباقیہ میں ”و

### جواب دوم

أَمْسَلَهُ اللَّهُ عَلَى عَلِيٍّ“ کو حوالہ بنایا ہے فاعل سے بھی اور مفعول سے

بھی تو اس حدیث میں بھی عَلِيٍّ الْعَمَامَةِ کو حوالہ بنائیں گے اس لحاظ سے معنی ہو گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا حال کو نہ متعصماً آپ اس وقت دستار مبارک پہننے ہوئے تھے تو پھر مسح کہاں کیا جہاں کیا جاتا ہے یعنی سر پر مسح کیا۔ چنانچہ جمہور کے مستدلّات جو الہوداؤ و شریف کی روایت گذری ہے اس میں واضح طور پر ہے (و لہو بنفس العمامۃ) کہ سر مبارک سے عمامہ شریف اتارا نہیں۔

قاضی عیاض مالکی وغیرہ نے اپنے مسلک کے مطابق یہ جواب دیا ہے کہ

### جواب سوم

آپ نے مسح علی العمامہ کسی ایسے عذر کی وجہ سے کیا تھا جو کشف رأس سے مانع تھا۔ لہذا آپ کا عمامہ پر مسح کرنا ایسے ہے جیسے مسح علی الجبیرہ ہے۔

مسح علی العمامہ میں ذکر حال (عمامہ) کا ہے اور مراد اس سے عمل (رأس) ہے تو مسح علی العمامہ سے مراد مسح علی رأس ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ

### جواب چہارم

”أَوْجَأُوا أَحَدًا مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ“ ذکر غائط کا ہے مگر مراد بول و براز ہیں۔

فائدہ : امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ مبارک اکثر اوقات پنجگانہ نمازوں کے لیے تین لمبے لمبا ہوتا تھا۔ اجماع کے لیے سات لمبے لمبا اور عیدین کے لیے

بارہ ہاتھ لبا ہوتا تھا (الغزوت شذری)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُحِبُّ التَّيْمَنَ مَا اسْتَطَاعَ  
فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي ظُهُورِهِ وَتَرْجُلِهِ  
وَمُتَعَلِّهِ (متفق عليه)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ  
سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدر طاقت  
اپنے تمام کاموں میں دائیں سے شروع فرماتا  
پسند کرتے تھے اپنی طہارت میں اور کنگھی کرنے  
اور نعلین پہننے میں۔

قوله التيمن : اي البدء بالايمن يعني دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔  
قوله مَا اسْتَطَاعَ : اي ما أمكنه وقدره عليه یعنی جتنا ممکن ہوتا یا جتنی قدرت  
ہوتی۔ قوله فِي شَأْنِهِ : اي فِي امْرئِهِ۔  
سوال : کلمہ کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمیع کام دائیں ہاتھ سے شروع کرتے  
حالانکہ بائیں ہاتھ سے بھی کئے کام سرانجام دیتے تھے۔  
جواب : کلمہ کئی اضافت استعراق کے لیے نہیں بلکہ یہاں اضافت عرفی مراد اور اس

## اسمائے رجال

اسم گرامی مغیرہ کثرت ابو عبد اللہ اور ابو عیسیٰ ہے  
آپ تعلق ہیں غزوہ خندق کے سال مشرف اسلام

حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے حالات

ہوئے۔ اور صلح حدیبیہ میں شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں بعہہ کا گورنر مقرر کیا تھا اس کے بعد  
کوفہ کے حاکم بنائے گئے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد تک اسی عہدہ پر قائم رہے، پھر حضرت عثمانؓ کے دور خلافت  
میں کوفہ کی گورنری سے سبکدوش کیے گئے۔ آپ یمامہ قادسیہ اور شام کی جنگ اور فتوحات میں شریک رہے ہیں آخر میں  
حضرت معاویہؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ تاہم اسی عہدہ پر قائم رہے۔ بعہہ ستر سال تک رہے ہیں بمقام کوفہ  
داعی اجل کو لبیک کہا۔

سے امورِ معظّمہ مراد ہیں یعنی امورِ معظّمہ کو رانیں ہاتھ سے شروع فرماتے۔

يقولون ابوالاسعاد : یہ تین چیزیں بطور مثال ارشاد فرمائیں۔ ورنہ سرمہ پہننا، ناخن و نفل کے بال لینا، جماعت اور مونچھیں کٹوانا، مسجد میں آنا، مسواک کرنا وغیرہ سب میں سنت یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے یا داہنی جانب سے ابتداء کرے کہ نہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ داہنی طرف رہتا ہے اس کی وجہ سے یہ سمت افضل ہے حتیٰ کہ داہنا پڑوسی بائیں پڑوسی سے زیادہ مستحقِ سلوک ہے۔ (اشعۃ اللمعات) نیز اس حدیث کی مکمل بحث ہو چکی ہے کہ اللہ پاک نے امورِ شریفہ کو اعفاء شریفہ کے ساتھ معفیٰ کیا ہے۔ جیسے جنتیوں کو اصحاب الیمین کے ساتھ اور اہل نار کو اصحاب الشمال کے ساتھ۔ کما فی الحدیث عائشہ رضی اللہ عنہا باب آداب الخلاء فصل ثانی)

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پہنو اور جب دشوار کرو تو داہنے سے شروع کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبَسْتُمْ وَإِذَا لَوَضَّاءَ ثُمَّ قَابِدُ وَأَبَايَا مِنْكُمْ

(رواہ احمد)

قولہ اَبَايَا مِنْكُمْ۔ اَيَا مِنْ اَيُّمَن کی جمع ہے جو یمن بائیں سے مأخوذ ہے بمعنی برکت و مبارک چونکہ اسلام میں داہنا حصہ مبارک مانا گیا ہے اس لیے اس کی تخصیص ہے۔ مزید تحقیق تدریج النفا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت سعید بن زید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کا دشوار نہیں جس نے اس پر اللہ کا نام نہ لیا۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ (رواہ احمد)



## وضو کی ابتداء میں بِسْمِ اللہ پڑھنے کی شرعی حیثیت

اس بات پر اتفاق ہے کہ وضو کے شروع میں بِسْمِ اللہ پڑھنا مستحسن ہے لیکن اس کی حیثیت میں اختلاف ہوا ہے اور اس میں دو مذہب ہیں۔

علاء دینیؒ عمدۃ القاریؒ ص ۶۱۵ میں لکھتے ہیں کہ امام احناف بن راہویہ اور دارقطنیؒ علی الظاہریؒ و اتباعہ کے نزدیک تسمیۃ عند الوضو فرض ہے اور

### مذہب اول

ملا علی قاریؒ مرقاۃ ص ۱۸ میں فرماتے ہیں "وہو روایت عن احمد بن حنبل" البتہ امام احمد واسحقؒ فرماتے ہیں کہ اگر نسیا نا تسمیۃ چھوڑ دے تو وضو ہو جائے گا لیکن عمدۃ ترک کرنے سے نہیں ہوگا لیکن اہل ظواہر کے نزدیک خواہ عمدۃ چھوڑے یا نسیا نا بہر صورت وضو نہیں ہوگا۔

**دلیل۔** جو حضرات وضو کے وقت تسمیۃ کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل زیر بحث حدیث ہے "لَا وَضُوءَ لِمَنْ كَسَمَّ اللَّهُ عَلَيْهِ" حدیث مذکور میں لا نفی جس کے لیے ہے جس سے ایک چیز کی حقیقت اور ماہیت کی نفی کی جاتی ہے مثلاً جب کہا جاتا ہے "لا رجل فی الدار" تو مراد یہ ہوتی ہے کہ لا سے مدخل کی ماہیت سلب ہو گئی ہے اور اسماء اللہ سے مراد بِسْمِ اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا ہے تو معنی ہوگا کہ اس آدمی کا بالکل ہی وضو نہ ہوا نہ حقیقی نہ مجازی جس نے تسمیۃ نہیں پڑھا۔

امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جہور فقہاء کے نزدیک تسمیۃ

عند الوضو سنت ہے۔ امام احمدؒ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے۔

مُسْتَبَقِ الصَّلٰوةِ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نماز میں تعدیل ارکان نہیں کیا اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ارْجِعْ فَصَلِّ"

### مذہب دوم

### دلیل اول

فَاَمَّا كَسَمَّ فَاصْلٌ" پھر فرمایا:

"فَتَوَضَّاءُ كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ" (ابوداؤد شریف ص ۱۳۲ کتاب الصلوۃ باب

صلوۃ من لا یقیو صلبہ فی الرکوع والسجود)

یعنی ایسے وضو کر دیجیے رب زدوا لجلال کا امر ہے اور رب زدوا لجلال نے چار چیزوں کی آیت پڑھو

میں حکم دیا ہے۔ اَوَّلُ : فَأَعْسِلُوا وُجُوهَكُمْ۔ دُثْمُ : وَأَيْدِيَكُمْ۔ سَوْمُ : وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ۔ چہارم : وَأَمَّا جَلْسَتُكُمْ إِلَى الْكُتُبِ۔ آیت وضو میں تسمیہ کا ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ ان چار چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز فرض نہیں۔ اگر تسمیہ فرض ہوتا تو اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا۔ لہذا اب اگر خبر واحد سے فرضیت ثابت کی جائے تو زیادت علی کتاب اللہ بجز واحد لازم آئیگی جو کہ ناجوز۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے :

**دلیل دوم** «مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ سَمَاءَ اللَّهِ فَأَتَتْهُ بَطَلَةٌ حَسَدًا لَكُلِّهِ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ لَمْ يَطْهَرِ إِلَّا مَوْضِعُ الْوُضُوءِ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۴ باب سُنَنِ الْوُضُوءِ فَصَل ثَالِث)

اس سے معلوم ہوا کہ بغیر تسمیہ کے بھی وضو معتبر ہوتا ہے۔

**دلیل سوم** بہت سے صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حکایت پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے لیکن اس میں کہیں تسمیہ کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر تسمیہ واجب ہوتا تو ان احادیث میں اس کا ذکر ضرور ہونا چاہیے تھا۔

یَقُولُ الْبَوَالِ سَعَادُ : جَمْعُ رِاحَاتٍ كَمَا أَنَّ تَسْمِيَةَ عِنْدَ الْوُضُوءِ وَاجِبٌ نَحْنُ۔

بلکہ مستحب ہے لیکن حافظ ابن الہمامؒ رہو اصحاب الترجیع اور مجتہدین میں سے ہیں) نے وجوب تسمیہ کو اختیار کیا ہے لیکن ان کے شاگرد خاص علامہ تاسم بن قطلوبغاؒ فرماتے ہیں «تَقَرُّدَاتٍ شَيْخِي غَيْرِ مَقْبُولَةٍ» کہ میرے شیخ کے تقررات غیر مقبول اور معمول بہا نہیں ہیں۔ اور علامہ ابن الہمامؒ نے تقریبات میں مقامات پر تقرر کیا ہے جن میں سے ایک مقام یہی ہے (معارف السنہ ص ۱۵۵ ج ۱)

## اہل ظواہر کی دلیل کے جوابات

محمد ثین حضرتؒ نے اہل ظواہر کی دلیل «لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ» کے

مختلف جوابات دیے ہیں۔

**جواب اول**۔ لا وضوء میں لا نفی کمال وضو کے لیے ہے نہ کہ نفی وجوب وضو کیلئے

قرینہ دلائل مذکورہ ہیں :-

- ۱۔ لَا صَلَوةَ لِحَاءِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ مسجد شریف کے ہمسایہ کی نماز سوائے مسجد کے نہیں ہوتی۔ حالانکہ باتفاق امت اگر ہمسایہ نے مسجد شریف کے بجائے اپنے گھر یا نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ البتہ جتنا ثواب مسجد شریف میں ملتا وہ نہیں۔
- ۲۔ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ جس نے خیانت کی اس کا ایمان بھی نہیں جبکہ عدم ایمان تو کفر کے ساتھ ہے تو اس میں بھی لَا نَفْيَ کماں کے لیے ہے جس کے لیے نہیں۔

بلا غت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب ایک چیز میں اس کے حسنات عالیہ اور صفات کمالیہ موجود نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو وہ حد درجہ ناقص

### جواب دوم

ہیں تو ایسی چیز کے ناقص اوصاف کو بمنزلہ المعدوم سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی کو تنزیل بمنزلہ المعدوم کہتے ہیں۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام عرب میں اس کی بے شمار نظیریں ملتی ہیں مثلاً ”لَا خَشْيَ إِلَّا عَلَى“ ”گو یا دیگر جوانوں کی فاقہ اور قوت حضرت علیؑ کے مقابلہ میں ناقص ہے اس لیے اس کو بمنزلہ معدوم سمجھا گیا ہے۔“ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْقَفَّارِ ”اگر تلوار ہے تو صرف ذوالفقار ہے حالانکہ اور تلواریں بھی بہت ہیں لیکن قدر سے ناقص ہیں۔ اس لیے ان کی مطلقاً نفی کر دی گئی۔ اور حدیث باب میں بھی تسمیہ پڑھے بغیر وضو کو تنزیل ناقص بمنزلہ المعدوم کے اصول کے مطابق لَا وضوء سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ فی لفظہ تسمیہ پڑھے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ حدیث پاک میں وضو کی نفی ہے

جو وَضْءًا؟ سے مشتق ہے جس کے معنی چمک دھماکے ہیں اور

### جواب سوم

یہ طہارت سے زائد ایک درجہ کا نام ہے تو خاص یعنی وضو کی نفی سے عام یعنی طہارت کی نفی لازم نہیں آتی۔

تسمیہ کا وجوب کسی بھی قوی روایت سے ثابت نہیں اور حدیث باب

بھی اپنی تمام اسانید کے ساتھ ضعیف ہے جیسا کہ امام احمدؒ کا قول

### جواب چہارم

خود امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ ”لَا اَعْلُو فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثًا لَمْ يَأْتِ بِاسْنَادٍ اَحْسَنَ“ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقل تو حدیث باب کی مدار رباح بن عبد الرحمنؒ پر ہے اور حافظ ابن حجرؒ

نے التحفہ المجرمہ ص ۲۹ میں ان کو بھول کر قرار دیا ہے۔ دہم : کہ اس میں البعث الہی آئے ہیں اور علامہ ہاشمیؒ مجمع الزوائد ص ۲۲۹ باب فرض الوضوء میں لکھتے ہیں کہ ”قال البخاری فی حدیثہ نظر“۔

تنبیہ : علامہ ہردیؒ المعروف بہ ملا علی قاریؒ نے مقامات میں لکھا ہے کہ روایت مذکور میں ایک لفظ غلطی ہے جو ہو سکتا ہے کہ کاتب وغیرہ کا سہو ہو یعنی آخر میں یہ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں ”والدائم عن ابی سعید الخدریؒ عن ابیہ“ غلط ہیں بلکہ صحیح یہ ہے ”عن ابی سعید الخدریؒ عن الشیبیؒ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی داری نے اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدریؒ سے روایت کیا ہے۔ اور ابی سعیدؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے نہ کہ اپنے والد سے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے خود حضرت ابوسعید خدریؒ ہیں نہ ان کے والد۔

یقول ابوالاسعاد : اس سے معلوم ہوا کہ صاحب روایت مشکوٰۃ کی عبارت میں دو مقامات پر سہو ہوا ہے مگر ایک تو اسی سند میں ہے مگر یہ کہ صاحب مشکوٰۃ آخر میں فرمایا ہے ”ونہاد فی اولہم لا صلوٰۃ لمن لا وضوء لہ“ کے جملہ کا اضافہ کیا ہے حالانکہ سنن داری کی روایت کے شروع میں یہ اضافہ موجود نہیں ہے (مقامات ص ۱۸) حضرت سعیدؒ کے حالات

## اسملئے رجال

اسم گرامی سعید بن زید کنیت ابوالاعور، آپ قریشی عدوی ہیں حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے بہنوئی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی پیشرو غاظران سے بیاہی تھی اور یہی غاظرہ حضرت عمرؓ کے ایمانہ لانے کا سبب بنی تھیں۔ حضرت سعیدؓ اور آپ کی بیوی دونوں ہی ابتدائے اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے اور اولین مہاجرین اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ منجانب الدعوات تھے ستر سال سے اوپر کی عمر میں سنہ ۱۵ھ میں بمقام عقیق آپ کا انتقال ہوا، آپ کی نعش مبارک مدینہ منورہ میں لائی گئی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ  
قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي  
عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ  
وَاخْلُفْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالَغْ  
فِي الِاسْتِنْشَاقِ لِأَنَّ تَكُونُ  
صَاحِبًا :

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ : حضرت لقیط بن صبرہ فرماتے  
ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو  
کے متعلق خبر دیجئے فرمایا وضو پورا کرو، انگلیوں  
کے درمیان خلل کرو، ناک کے پانی میں مبالغہ  
کرو مگر جب تم روزہ دار ہو۔

قوله أَسْبِغِ الْوُضُوءَ : بضم الواو ای اتفرغوا فی الوضوء و سننه ۔  
سوال کا مقصد یہ تھا کہ آپ مجھے کمال وضو کا طریقہ بتا دیجئے تاکہ اسے اختیار کر کے ثواب  
کا مستحق ہو سکوں۔ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ وضو کو پورا کر یعنی وضو کے جو فرض اعضا اور سنن  
استحبات میں انہیں پورا کرو اور ادا کرو۔

قوله وَبَالَغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ - ای با ایصال الماء الی باطن الأنف : ناک  
میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی بالآخر تک پہنچایا جائے۔ اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشاء  
ہے وہ یہ ہے کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے۔ مگر جیسا کہ خود حدیث میں وضاحت آچکی ہے  
کہ یہ مبالغہ بالآخر سے بھی آگے پانی پہنچانا اسی وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو اگر  
وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لیے یہ مبالغہ مکروہ ہے کیونکہ پانی کا حلق میں چلے جانے کا  
احتمال ہے جس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

## تحلیل اصابع یدین و رجليں کی شرعی حیثیت

اس بات میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کے خلاف شرعی  
کی حیثیت کیا ہے کیا خلاف واجب ہے یا مسمون ہے ؟ اس بارہ میں درمسلک ہیں ۔  
امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ بن راہویہ و بعض ظاہریہ کے نزدیک تحلیل  
اصابع یدین و رجليں واجب ہے جیسا کہ قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں

مسک اول

میں اس کی تصریح کی ہے۔ البتہ امام احمد اَصَابِعِ رَجُلَیْن کے خلال کو زیادہ مؤکد قرار دیتے ہیں۔  
**مُستدل**۔ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں جس میں صیغہ امر استعمال ہوا ہے جو  
 وجوب کا متقاضی ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جو حضرت لقیطہؓ کی روایت  
 کے بعد ہے اس میں بھی صیغہ امر وارد ہے۔

**مسئلہ دوم**۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک تخیلین اَصَابِعِ یَدَیْنِ وَرَجُلَیْنِ  
 مستحب ہے اور ایک روایت میں مستون ہے۔

**مُستدل اَوَّل**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کی حکایت نقل کرنے والے بہت  
 سے صحابہ کرامؓ ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں سے صرف چند نے تخیل کا ذکر کیا ہے۔ اگر یہ واجب ہوتا تو سب  
 ذکر کرتے جیسے حضور کے اور افعال بیان کیے گئے ہیں۔

**مُستدل دوم**۔ مسکن فی الصلوٰۃ کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تخیل کا ذکر  
 نہیں فرمایا حالانکہ اس میں واجبات و حضور کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

## فَخَلَّلُ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَالِیْ رَوَايَتِ كَیْ جَوَابَات

حنابلہؒ اور اہل ظواہر نے فَخَلَّلُ بَيْنَ الْأَصَابِعِ والی روایت سے وجوب خلال پر  
 استدلال کیا ہے کیونکہ اَلْأَمْرُ لِلْوَجُوبِ تو اس کے مُتَعَدِّدِ جَوَابِ دے گئے ہیں۔

**جواب اَوَّل** فَخَلَّلُ بَيْنَ الْأَصَابِعِ کا امر استحباب کے لیے لَا تَلْجُوبُ کیونکہ  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن خلال پر عمل نہ کرنا فریضہ ہے کہ امر استحباب کے لیے ہے وجوب  
 کے لیے نہیں۔

**جواب دوم**۔ جب کسی آدمی کی انگلیاں منضم ہوں یعنی ملی ہوئی ہوں اور حضور کے  
 دست پانی کے اندر جلنے کا احتمال نہ ہو تو ایسی صورت میں خلال واجب ہے اور حدیث باب  
 بھی اسی صورت پر محمول ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلَّلْ  
أَصَابِعَ يَدَيْكَ وَرَجْلَيْكَ  
(رواهُ الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عباس  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھ پاؤں کی  
انگلیوں کا خلال کرو۔

فائدہ - بہتر یہ ہے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کا خلال کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے ساتھ کرے  
لیکن اگر یہ دونوں خدمت پاؤں دھو کر کرے جب بھی جائز ہے کیونکہ داؤ صرف جمع کے لیے ہے۔ مزید  
تحقیق کنڈیر آفنا و سابقاً۔

وَعَنِ ابْنِ شَدَّادٍ  
قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ يَدُكَ  
أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِمَخْضَرِهِ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت مستور  
ابن شداد سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو کرتے تو  
اپنی چھٹکی سے پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرتے۔

قوله يَدُكَ : يَدُكَ بمعنى اى يخلل كما فى رواية احمد فى مسنده  
(مرفقة) اور لفظ يَدُكَ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بائیں ہاتھ کی چھٹکی سے پاؤں کی انگلیوں  
کے درمیان خلال کرتے تھے۔

قوله بِمَخْضَرِهِ : علامہ ابهری فرماتے ہیں کہ خنصر کی تخصیص خلال میں بائیں وجہ ہے کہ  
وہ تمامی انگلیوں سے چھوٹی ہے اور "والخدمة بالنصفار البقي والدخول فى الخلال  
ایسر۔"

## کیفیت خلال

يقول ابوالاسعاد، جیسا کہ حدیث پاک میں مذکور ہے کہ آپ نے بائیں ہاتھ کی  
خنصر سے رجليں کے اصابع کا رنگ فرمایا۔ فقہار کرام اس سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کہ بائیں ہاتھ کی خنصر سے جلیں کے اصابع کا خلل کیا جائے۔ اس طرح کہ دائیں پاؤں کی خنصر سے شروع کرے کہ استقباب تیا من پر بھی عمل ہو جائے اور بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کرے۔ جلیں کے نیچے کی جانب سے خنصر اندر کر کے یا اوپر کی جانب سے مسح کرنا دونوں صحیح ہیں۔  
 (فتح القدیر ص ۱۱۱) باتی رہا اصابع الیدین کا خلل تو اس میں تشبیک، تصفیق اور تطبیق تینوں طریقے منقول ہیں (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۱ الباب الاول فی الوضوء)

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تو ایک چلو پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے پہنچاتے۔ جس سے اپنی ڈاڑھی کا خلل کٹے اور فرماتے کہ میرے رب نے مجھے یوں ہی حکم دیا ہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَخَذَ كِفًّا مِّنْ مَّاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنْكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا أَمَرَنِي رَبِّي (رواه البوداؤد)

قولہ حنکہ - علامہ ابہریؒ فرماتے ہیں الحنک بفتح المہملۃ والنون باطن الفم کو کہتے ہیں۔ خیر کو ذقن یعنی ٹھوڑی بھی کہتے ہیں۔  
 قولہ لِحْيَتَهُ - لغت میں حیوان کے چہرہ کے ٹمک اسفل یا انسانی چہرہ کی وہ بڑی جس پر ڈاڑھی کے بال اگتے ہیں کو لمحہ کہتے ہیں۔ لیکن چہرہ کے دونوں طرف ہوتے ہیں جو مسنن (چہانے) کے دقت حرکت کرتے ہیں۔ کما یقال رکن حیوان یحرق حنکہ الاسفل (التمساح) المنجد عربیؒ لمحہ کا اطلاق ڈاڑھی کے بالوں پر نسبتہ الحال باسم المحل کے قبیل سے ہے۔ حدیث باب میں دو مسئلے بیان کیے جاتے ہیں ۱۔ تخلیل لمحہ ۲۔ غسل لمحہ۔

## المسئلۃ الأولى — تخلیل لمحہ کی شرعی حیثیت

تخلیل لمحہ کی شرعی حیثیت کیا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔



مذہبِ اوّل۔ اہل ظواہر اور امامِ اسحقؒ بن راہویہ کے نزدیک تحلیل لحد واجب ہے امام حسنؒ بن صالح اور ابو ثورؒ کا مذہب بھی یہی ہے جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ص ۱۶۶ میں نقل کیا ہے۔

مُستدل اوّل۔ حدیثِ باب سے استدلال کرتے ہیں (هَكَذَا أَمَرَ فِي مَرْبِیِّ) تو امرِ رب فرض یا واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا تحلیل لحد واجب ہوگا۔

مُستدل دوم۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں «كَانَ يَخْلَلُ لِحْيَتَهُ» مشکوٰۃ شریف (باب غنا) وکان یدق علی الاستمرار۔

مذہبِ دوم۔ شافعیہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسنون ہے جب کہ دیگر حنفیہ اور جہور کے نزدیک مستحب ہے۔ احناف کے یہاں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے (فتح القدیر)

مُستدل اوّل۔ آیتِ دمنہ میں صرف امورِ اربعہ کا ذکر ہے کیا اگر خلال لحد بھی امورِ اربعہ کی طرح واجب ہوتا تو ضرور اس کا بیان ہوتا خلال لحد کا عدم بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ مسنون مستحب ہے واجب نہیں۔ ثانیاً تحلیل لحد کا ثبوت اخبارِ آحاد سے ہوا ہے اور ان سے کتابِ الشہر پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

مُستدل دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دمنہ کی حکایات بہت سے صحابہ کرامؓ نے نقل کی ہیں لیکن تحلیل لحد کا ذکر ان میں سے صرف چند حضرات کے ہاں ملتا ہے اگر خلال لحد واجب ہوتا تو باقی حکموں کی طرح تمامی صحابہ کرامؓ اس کو بھی نقل کرتے جو دلیل ہے کہ یہ حکم واجب نہیں۔

## اہل ظواہر کے مستدلات کے جوابات

مُستدل اوّل کا جواب اوّل۔ اہل ظواہر کے خلال لحد کے وجوب پر حدیثِ مذکور «هَكَذَا أَمَرَ فِي مَرْبِیِّ» سے دلیل پکڑی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امرِ ربیؒ میں امرِ استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔

جواب دوم۔ یہ ہے کہ اس میں خصوصیت کا احتمال ہے اگر یہ حکم امت کو بھی عام

ہوتا تو پھر الفاظ حدیث "هَكَذَا أَصْرُكُمْ سَاقِي" ہوتے اس لیے قاضی شوکانی نے ظاہری ہونے کے باوجود ظاہریہ کا قول اختیار نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس پر دلالت ہے کہ یہ اہمت پر واجب ہے۔

«والانصاف ان احادیث الباب بعد تسلیو انتہا ضہا لا احتجاج و صلا حیثہا لا استدلال لا تندل علی الوجوب لا تہا افعال رنیل الادوار ص ۳۴»  
**جواب سوّم**۔ سندی طور پر اس حدیث میں کلام کی گئی ہے کیونکہ اس کی سندیں عامر بن شعیق ہے۔ مگر ابن معین فرماتے ہیں "ضعیف الحدیث" وقال ابو حاتم البیس جقوتی "دوسرا روای دلید بن زدران ہے۔ علامہ شوکانی نیل الادوار ص ۳۵ میں لکھتے ہیں کہ مجہول الحال ہے۔

**مستدل دوّم کا جواب اوّل**۔ اہل ظاہر روایت حضرت عثمان سے استدلال کرتے ہیں جس میں لفظ کماں استعمال ہوا ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے اس یہ بات معروف ہے کہ احادیث میں لفظ کماں مداومت یا استمرار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ احیانا وقوع پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ شرح مسلم میں علامہ لودی نے اس کی تصریح کی ہے اس لیے کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے یہ فرمایا "کأن رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل كذا" حالانکہ وہ فعل آپ سے صرف چند مرتبہ ثابت تھا۔

يقول ابوالاسعاد جواباً ثانياً - اہل ظاہر کا تخیل بحیر کے وجوب پر لفظ کماں سے مواظبت ثابت کرنا غیر صحیح ہے کیونکہ کلام عرب میں لفظ کماں فعل مضارع پر حکایت فعل کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک موقع پر حضرت بنی بنی عائشہ فرماتی ہیں :-  
 "كُنْتُ أَقْتُلُ قَلَادَةَ نَاقَتِهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(ترمذی شریف ص ۱۱۱ باب ما جاء في تقليد الفقه كتاب الحج)

ترجمہ : میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا قلاوہ (ہار) ہٹا کرتی تھی۔

یہاں کُنْتُ کا استعمال نقل حکایت کے طور پر ہوا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے قلاوہ کو ہمیشہ ہٹنے رہنا اس بات کو بیان کرنا مقصد نہیں کلام عرب میں اس کی اور بھی بہت سی

## خلال لمحیہ کا طریقہ

يقول ابوالاسعاد: خلال کرنے کے دو طریقے ہیں۔ اول: اوپر سے ابتداء کرے اور نیچے کی طرف خلال کرتا جائے۔ دوم: نیچے سے ابتداء کرے اور اوپر کی طرف خلال کرتا جائے۔ اسی طرح ظاہر اصابع سے بھی اور باطن اصابع سے بھی دونوں طریقے جائز ہیں مگر اولیٰ طریقہ پہلا ہے۔

## المسئلة الثانية۔ وظیفہ لمحیہ غسل ہے یا مسح

دوسرا مسئلہ وظیفہ لمحیہ کا ہے یعنی وضو میں لمحیہ کا کیا حکم ہے؟ غسل ہے یا مسح۔ لمحیہ کی دو قسم ہیں ۱۔ لمحیہ خفیہہ۔ ۲۔ لمحیہ غفیہہ۔ لمحیہ غفیہہ وہ ہے جس میں چہرہ کی کھال نظر آئے اس کا حکم ہے ”يجب غسل ما تحتها“ یعنی ایسی صورت میں چہرہ کی کھال کو ٹر کر نافردی ہے ڈاڑھی کو ٹر کر ناف کافی نہیں۔ (۲) لمحیہ کثرہ یعنی ڈاڑھی تو اس میں ہمارے یہاں آٹھ قول ہیں۔ جن میں سے اصح قول ”غسل جميع اللحیة فرض“ ہے۔ یعنی بجائے چہرہ کے خود ڈاڑھی کو دھونا فرض ہے مگر اس سے وہ ڈاڑھی مراد ہے جو خدین اور ذقن کے محاذات میں ہو منبریل حقہ (لشکا ہوا حقہ) اس میں داخل نہیں اس کا دھونا نافردی ہے۔ معارف السنن میں بحوالہ امام نوویؒ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے۔

اقوال ثمانیہ میں سے اصح قول احناف کے اس دی ہے جو ابھی بیان ہوا باقی سات قول مرجوح ہیں وہ یہ ہیں :-

۱۔ غسل الكل - ۲۔ مسح الكل - ۳۔ مسح الثلث - ۴۔ مسح الربع - ۵۔ مسح ما يلاقي البشرة - ۶۔ ترك الكل - ۷۔ غسل الربع -

صاحب کثر اور صاحب وقایہ نے مسح الربع کو اختیار کیا ہے لیکن دوسرے فقہاء نے ان کی تردید کی ہے حنفیہ کے اہل مفتی یہ قول پہلا یعنی غسل الكل ہے۔ صاحب درمختار نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے لہذا غسل الكل واجب ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ  
يُخَلِّلُ لِحَيْتِهِ (رواه الترمذی)  
نخعی مزید قد مر آنفاً

ترجمہ : روایت ہے حضرت عثمانؓ  
سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک  
کا خلل کرتے تھے۔

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ قَالَ  
رَأَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ  
كَفَيْهِ حَتَّى انْقَاهُمَا ثُمَّ  
مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا  
وَعَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذَرَعَايَهُ  
ثَلَاثًا الخ (رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو حنیفہؓ  
سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا  
آپ نے وضو کیا تو اپنے ہاتھ دھوئے حتیٰ کہ  
بہنیں صاف کر دیا، پھر تین بار کھلی کی تین بار  
ناک میں پانی دیا پھر اپنا منہ اور کہنیاں تین  
تین بار دھوئیں الخ۔

قَوْلُهُ انْقَاهُمَا - ای نہال الوسخ یعنی میل کچیل کا ازالہ کیا یہ اسبارغ کے  
ساتھ ہے۔ یعنی تین دفعہ دھونے سے حاصل ہوتی ہے۔  
قَوْلُهُ ثُمَّ عَسَلَ قَدْ حَيَّيْهِ : یہ رافضیوں کی تردید ہے جو وضو میں مسح رجبین کے  
قائل ہیں۔ مزید تحقیق قد مر آنفاً۔

قَوْلُهُ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ مَرَّةً - یہ جمہور کی مؤید روایت ہے جو مسح رأس میں  
توحید کے قائل ہیں نہ کہ تثلیث کے۔ مزید تحقیق قد مر سابقاً۔  
قَوْلُهُ فَغَسَلَ طَهْرًا - ای النماء جو وضو مکمل ہونے کے بعد پڑ جائے۔

## آب زمزم اور وضو کے پئے ہوئے پانی کا حکم

احادیث مبارکہ میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔  
”عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْنِ لِشَرِبِ

الزجل قائمًا ( مشکوٰۃ شریف ص ۲۴ کتاب الادب باب الاشریب )  
 لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ تین پانی کھڑے ہو کر پینا مسنون  
 اور مستحب ہے۔ عمار زمرم و عمار المطر و بارش کا پانی ، عمار فضل طہور الماء ( یعنی وضو سے بچا  
 ہوا پانی ) جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ۔

” وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ  
 مِنْ مَاءٍ نَزَّ مِنْ فُشْرَبٍ وَهُوَ قَائِمٌ ( مشکوٰۃ شریف ص ۲۴ باب الاشریب )

روایت مذکور سے متعلق حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ

” شَرُّ قَامٍ فَشْرَبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ - الخ -

لیکن علامہ شامیؒ کی تصریح رد المحتار ص ۱۹۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مطلقاً  
 جائز ہے مستحب نہیں یعنی ان کے نزدیک احادیث سے اباحت ثابت ہوتی ہے نہ کہ استحباب  
 و لیسل یہ پیش کرتے ہیں کہ عمار زمرم کو آپؐ نے اس لیے کھڑے ہو کر نوش فرمایا کہ وہاں ہجوم کی وجہ  
 سے بیٹھنے کی جگہ نہیں تھی اور فضل وضو کو کھڑے ہو کر اس لیے پیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اور دیکھ  
 لیں کہ فضل وضو نجس یا مکروہ نہیں ہے ۔ لہذا ان احادیث سے استحباب پر استدلال نہیں  
 کیا جاسکتا۔ مگر جمہور حضرات نے علامہ شامیؒ کے اس انوکھے استدلال کی تردید کی ہے۔ اور  
 لکھتے ہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجوم کی وجہ سے جگہ نہ ملی اور آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پیا  
 لیکن حضرت علیؓ کو کوں مانع تھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیل رہے ہیں۔

” شَرُّ قَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُونَ الشُّرْبَ قَائِمًا وَأَنَّ النَّبِيَّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ ( مشکوٰۃ شریف ص ۲۴ )

باب الاشریب

اس لیے ظاہر یہی ہے کہ حضرت علیؓ نے بنا بر سنت و استحباب فضل طہور کو کھڑے ہو کر پیا

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبدالغنیؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت  
 علیؓ کو دیکھ رہے تھے جب انہوں نے

وَعَنْ عَبْدِ خَيْرٍ قَالَ كَانَ  
 جُلُوسًا سَطَرًا إِلَى عَلِيٍّ حِينَ  
 تَوَضَّأَ فَأَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنَى

وضو کیا اور اپنا دامنہ ڈالا تو نہ بھر کر  
کلی کی اور ناک میں پانی لیا۔

فَمَلَأَ قَمَلَهُ الْخَرَّ (رواہ الدارمی)

قوله عَبْدُ خَيْرٍ۔ آپ کا نام عبد خیر ابن یزید کنیت البعثہ ہے۔ کوثر کے  
رہنے والے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر شرف ملاقات نہ کر سکے۔ اس لیے آپ  
جلیل القدر تابعی ہیں، حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے ہیں ایک نظر بیس سال کی عمر پائی۔  
قوله فَأَحْلَلَ يَدَاكَ۔ ہاتھ ڈالنے سے مراد بڑے برتن میں ہاتھ ڈال کر کلی وغیرہ  
کے لیے چلو بھرنا ہے۔ حدیث شریف کی بحث ہو چکی ہے مگر اس کو ذکر کرنے کا مقصد کلی کر لے  
اور ناک میں پانی دینے کی کیفیت بیان کرنا ہے۔ اس لیے انہوں نے صرف اسی قدر بیان کیا  
پانی چونکہ معلوم تھا اس لیے بیان نہیں کیا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبد اللہ  
بن زید سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے ایک  
ہاتھ سے کلی کی اور ناک میں پانی لیا یہ تین بار  
کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ  
قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضْمُضٌ وَ  
اسْتَنْشَقُ مِنْ كَفِّ وَاحِدٍ  
فَعَلَّ ذَاكَ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابو داؤد)  
قَدْ مُرَّ عَقِيقُهُ سَابِقًا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
ابن عباسؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے  
سر و کانون کا مسح فرماتے تھے اندرونی  
کانوں کا کھل کی انگلیوں سے اور بیرونی  
کا اپنے انگوٹھوں سے

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ  
بِرَأْسِهِ وَأُذُنَيْهِ بِأَظْفَارِهِمَا  
بِالنَّشْبِ احْتَيْنٍ وَظَاهِرُهُمَا  
بِأَيْدِيهِمَا۔ (رواہ الثعالی)

قَوْلُهُ بِأُظُنُّهُمَا - وَالْمُرَادُ بِالْبِاطِنِ الْجَانِبِ الَّذِي فِيهِ النُّقَبُ -

یعنی باطن سے مراد کان کا وہ حصہ جو سوراخ کی طرف سے ہے۔

قَوْلُهُ بِالشَّيْءِ احْتَبَيْنِ - سَبَّاحُہ سے مراد شہادت کی انگلی ہے لکڑی القیح

کیونکہ اکثر اسی سے تسبیح بیان کی جاتی ہے اس کا جاہلی نام سبب ہے سب سے مشتق ہے  
یعنی گالی دینا۔ عرب دے لوگ جس کو گالی دیتے تو اسی انگلی سے اشارہ کرتے اس لیے یہ نام رکھ  
اسلام نے اس کا نام سَبَّاحُہ یا مُسَبِّحُہ رکھا یعنی تسبیح پڑھنے والی انگلی۔ اردو زبان  
میں اسے کلمہ کی انگلی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ انگلی تسبیح اور کلمہ میں استعمال ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ ظَاهِرُهُمَا - کان کا وہ حصہ جو سر کی طرف سے ہے۔

## وضو میں اُذنین کا مسح ہے یا غسل

وضو میں کانوں کا کیا حکم ہے غسل ہے یا مسح کرنا اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

دَاوُدَ ظَاہِرُیٌّ اور امام زہریؒ کے نزدیک ان کا وظیفہ غسل ہے جبکہ

امام شعبیؒ اور حسن بن صالحؒ کے نزدیک اذنین کا حکم غسل اور مسح

دونوں ہیں مَا اَقْبَلَ مِنَ الْاُذْنَيْنِ یعنی کانوں کا وہ حصہ جو چہرہ کی طرف سے (جس کو

بِاطِنِ اذنین بھی کہتے ہیں) اس کا غسل ہوگا وجہ کے ساتھ، اور مَا اَدْبَرَ مِنَ الْاُذْنَيْنِ کا

مسح ہوگا مسح اذنین کے ساتھ۔ مَرَاتَا عِبْرَةِ الْحَيِّ مَرْجُومٍ اِذْ رَاَهُ تَفْتَنُ وَظُرَافَتُ فَرَايَا كَرِهَتْهُ

کہ علامہ شعبیؒ اور حسن بن صالح کے مسلک کا حال ایسے ہے جیسے آدھا تیرا اور آدھا بیٹر۔

مُسْتَدَل - حضرت عائشہؓ کی روایت ہے :-

”قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سَجْدَةِ

الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ يَقُولُ فِي السَّجْدَةِ مَرَّاتًا سَجْدَ وَجْهِی لِلَّهِ

خَلْقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ -

(ابوداؤد شریف ص ۲۰۰ کتاب الصلوٰۃ باب مَا يَقُولُ اِذَا سَجَدَ)

اس روایت میں جس طرح بصر کی اخافت وجہ فی طرف کی گئی ہے اسی طرح مسح کی

اضافت بھی درجہ کی طرف کی گئی ہے تو جیسے بصر درجہ میں داخل ہے ایسے ہی مسح کو بھی وجہ میں داخل کریں گے لہذا درجہ کے ساتھ اذنین کا بھی غسل ہوگا۔

**مسئلہ دوم**۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء امت کے نزدیک اذنین کا وظیفہ وضو میں مسح ہے غسل نہیں۔ یعنی اعضاء مسحہ میں سے ہے نہ کہ اعضاء مغسولہ میں۔  
**مستدل اول**۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاذْنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالتَّبَا حَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِابْهَامَيْهِ »۔ (باب ۵۵)

**مستدل دوم**۔ ترمذی شریفؒ باب مسح الاذنین ظاہرہما وباطنہما میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهِ وَاذْنَيْهِ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا »

اور بھی متعدد روایات اسی مضمون کی موجود ہیں۔

## اہل ظواہر اور امام زہریؒ کے مسئلہ کے جوابات

اہل ظواہر اور امام زہریؒ نے روایت ابی بنی عائشہؓ «وَجْهَيْهِ لَلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ الْخ» سے دلیل پکڑی ہے۔ محدثین حضراتؒ نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں:

**جواب اول**۔ روایت ابی بنی عائشہؓ میں درجہ سے مراد ذات ہے جیسے کہ قرآن میں ہے «كُلُّ شَيْءٍ خَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ» (پتہ) آیت مذکور میں وجہ سے مراد ذات نہ کہ منہ، اس کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ صرف وجہ ہی سے ادا نہیں ہوتا بلکہ اس میں دوسرے اعضاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

**جواب دوم**۔ عند البعض مسح کی اضافت قرب کی بنا پر درجہ کی طرف کی گئی ہے چنانچہ بسا اوقات شیئی کی اضافت مایقاربہ کی طرف کرتے ہیں اگرچہ وہ اس میں داخل نہیں ہوتا



## المجموع شرح المہذب ۱۵/۱

يقول ابوالاسعاد: ابی بنی عائشہ کی روایت میں غسل اہل مسجد کا کوئی ذکر نہیں بخلاف جمہور کی طرف سے پیش کردہ روایت کے کہ وہ عبارة النفس کے طور پر مسجد بردال ہے۔ فافہم ما تھا التالی۔

وَعَنِ الرَّبِيعِ بْنِ مَعْقُودٍ  
أَنَّهَا رَأَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ  
فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا أَقْبَلَ مِنْهُ  
وَمَا ادْبَرَهُ وَصَدَّ غَبِيهِ وَأَذْنِيهِ  
مَرَّةً وَاحِدَةً (سواء البعداؤد)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ربیعؓ  
بنت معقود سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو آپؐ  
نے اپنے اگلے ہاتھ حصہ کا اور کنپٹیوں اور  
دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا۔

قوله وَصَدَّ غَبِيْنِ : صدغ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ اول: ما بین الاذن  
والعین یعنی کان اور آنکھ کا درمیانی حصہ جسے ارد میں کنپٹی کہا جاتا ہے۔ دوم: ما بین  
الاذن والناسیۃ: یعنی سر کا وہ حصہ جو کان اور پیشانی کے درمیان ہے۔ معنی اول کے  
اعتبار سے صدغ حد درجہ میں داخل ہے اور معنی ثانی کے اعتبار سے حد درجہ سے خارج اور  
حد راس میں داخل ہے۔ علامہ ابن مالکؒ نے کہا ہے کہ صدغ کا اطلاق ان بالوں پر بھی  
ہوتا ہے جو اس جگہ آجاتے ہیں یعنی جو سر کے دونوں طرف کان اور ناسیہ (پیشانی کے بال) کے  
درمیان ہوتے ہیں یعنی زلفیں (قائس) صدغ کا مسح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکمیل مسح راس اور  
اس کے استیعاب کے لیے فرمایا۔

يقول ابوالاسعاد: حضرت ابی امامہؓ کی روایت جو آگے آیا ہی چاہتی ہے اس میں  
ما تین کے الفاظ ہیں ما تین بھی صدغین کے معنی میں ہے۔ ما تین کا مسح اور عراذن (کان کا سوراخ)  
کا مسح دونوں مستحب ہیں۔ مسح کرنے میں کئی حکمتیں ہیں۔  
اول: وجہ کا مکمل استیعاب ہو کہ چہرہ مکمل دھو یا جاسکے۔ کیونکہ ما تین چہرہ میں داخل ہیں۔

دوم : آنکھ کے اندر میل کچیل جمع ہو جاتی ہے اور گوشہ چشم سے نکل کر ماتین تک پہنچ جاتی ہے۔ خصوصاً سرمہ پہن کر سونے والا شخص اسی طرح کافور کے سوراخ تو مسح کرنے سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ترجمہ روایت ہے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوہ کرتے دیکھا اور آپ نے اپنے سر کا اس پانی سے مسح نہ کیا جو ہاتھوں کا بچا ہوا تھا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ  
أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَأَنَّهُ مَسَحَ  
رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ  
(رواہ الترمذی)

## مسح راس کے لیے تجدید مایہ کی بحث

یہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہا ہے کہ مسح راس کے لیے تجدید مایہ (نیا پانی) ضروری ہے یا نہیں یعنی ہاتھوں کی ٹری سے مسح کیا جاسکتا ہے یا نیا پانی لینا ضروری ہے۔ اس بارے میں دو مذاہب ہیں :-

**مذہب اول**۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مطلقاً نیا پانی لینا ضروری اور صحت وضو کے لیے شرط ہے اور نجی ہوئی ٹری کافی نہیں۔

**مستدل**۔ شوافع و خابہ حضرات کا استدلال حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت سے ہے : ”اِنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَأَنَّهُ مَسَحَ بِمَاءٍ غَيْرِ فَضْلِ يَدَيْهِ“

**مذہب دوم**۔ حنفیہ حضرات کے نزدیک مایہ جدید لینا صرف سنت ہے صحت وضو کے لیے شرط نہیں۔

**مستدل اول** : حضرت ربیعؓ بنت معوذ کی روایت ہے : ”اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

علیہ وسلم مسح برأسه من فضل ماء كان في يده (ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب  
صفة وضوء النبي)

کان فی یدہ سے مراد پانی کی تری ہے جو ہاتھوں میں تھی نیا پانی نہیں لیا۔  
مستدل دوم۔ یہ بھی حضرت ربیع کی روایت سے فرماتی ہیں :-  
"ان النبي صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح برأسه  
بيليل يديه - (رواہ الدارقطنی بحوالہ بدل ص ۱۲)

## امام شافعی کے مستدل کے جوابات

محدثین حضرات نے روایت باب کے متعدد جوابات دیے ہیں۔  
جواب اول۔ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ کے یکرین مبارک کی  
ٹری خشک ہو گئی تھی اس لیے آپ نے نیا پانی لیا۔ قرینہ دلائل مذکورہ ہیں۔  
جواب دوم۔ یقول ابوالاسعاد، شوافع حضرات کا مسح رأس کے لیے  
مارجدید لینے کو شرط صحت وضوء قرار دینے کا استدلال روایت مذکور سے درست نہیں۔  
کیونکہ اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک وضوء میں مسح  
رأس کے لیے جدید پانی لیا تھا جس کے احناف بھی قائل ہیں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ  
علیہ وسلم کے اس ایک فعل سے یہ قانون اور کلیہ بنا کر نکر صحیح ہو سکتا ہے کہ پوری امت کیلئے  
یہ ضروری قرار دیا جائے کہ ہر وضوء میں مسح رأس کے لیے مارجدید لینا ضروری ہے یہ حکم  
کلی اور ایک قانون تب بنتا جب قولاً بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرماتے :-  
"تمسحوا الرأس بماء غير فضل يدي بكموا" جب کہ حدیث باب توفیہ  
مطلقہ عامہ ہے جو حکم کلی کو مستلزم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نوویؒ نے بھی اعتراض کیا ہے  
کہ اس حدیث سے اس بات پر استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ مار مستقل سے طہارت حاصل  
نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں فقط مسح رأس کے لیے اخذ مارجدید کا ذکر ہے اور اس سے مسح  
رأس کے لیے مارجدید کا اشتراط لازم نہیں آتا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۲)

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ ذَكَرَ  
وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ  
الْمَاقِلَيْنِ وَقَالَ الْاُذُنَانِ مِنَ  
الْكُفَّيْنِ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوامامہ  
سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے وضو کا ذکر کیا فرماتے ہیں کہ آپ  
آنکھ کے کونوں کو بھی مٹکتے تھے اور فرمایا کہ  
دونوں کان سر سے ہیں۔

قوله الْمَاقِلَيْنِ : یہ شنیہ ہے ماق کا اور ماقین کہتے ہیں طرف العین کہ  
یعنی آنکھوں کے دونوں طرف کے کونے۔ لہذا وضو کرتے وقت دونوں آنکھوں کے دونوں طرف  
کے کونوں کو کل لیا کریں تاکہ کنارے صاف ہو جائیں۔

## مسح اُذُنَیْنِ میں ماء جدید لینا ضروری ہے یا نہیں ؟

فقہاء کے ہاں اختلاف ہے کہ مسح اُذُنَیْنِ کے لیے ماء جدید کی ضرورت ہے یا مسح  
رأس کے لیے جو پانی لیا جاتا ہے اس سے اُذُنَیْنِ کا مسح کیا جائے گا اس میں دو مذہب ہیں  
مذہب اول : امام شافعیؒ کے نزدیک اُذُنَیْنِ کے لیے ماء جدید لینا ضروری ہے  
کیونکہ مسح اُذُنَیْنِ وضو کا ایک مستقل عمل ہے لہذا مسح رأس کی تری اس کے لیے کافی نہیں۔  
مستدل اول : شافعیہ کا استدلال معجم طبرانی کی ایک روایت سے ہے جو  
حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مسح کی کیفیت  
بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے :

وَأَخَذَ لَصْمًا خَبِثَةً فَمَسَحَ بِهَا خَبِثَةً مَاءً أَجْدِداً  
دہکذا فی معارف السنن ص ۱۸۲

روایت مذکور میں واضح ہے کہ آپؐ نے کانوں کے مسح کے لیے نیا پانی لیا۔  
مستدل دوم : حضرت ابن عمرؓ سے مسح اُذُنَیْنِ کے لیے جدید پانی لینا ثابت  
ہے : كَانَ يَأْخُذُ الْمَاءَ بِأَصْبَعِهِ لِأَذُنَيْهِ (موطا امام مالک ص ۱۸)

**مُستدل سوم عقلی**۔ کان ایک علیحدہ اور مستقل عضو ہے جس طرح باقی اعضاء

کے لیے نیا پانی نیا جاتا ہے تو اس کے لیے بھی مایہ جدید ضروری ہے۔

مذہب دوم، حنفیہ کے نزدیک نہ صرف نیا پانی واجب نہیں بلکہ مسنون یہ ہے کہ مسح اذنین سر کے پچھلے ہوتے پانی سے کیا جائے گا۔ امام سفیان ثوریؒ اور عبد اللہ بن مبارک و غیر ہم کا مسلک بھی یہی ہے۔

**مُستدل اول**، حضرت ابی امامہؓ کی روایت ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ ارشاد مبارک مذکور ہے: "الاذنان من الرأس" علامہ حافظ جمال الدین زملکیؒ نے نصب الرایہ میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث آٹھ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اس کے علاوہ چار مزید صحابہؓ سے ایسی احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے مسح اذنین کے لیے مایہ جدید نہیں لیا۔ اس طرح بارہ روایتیں حنفیہ کی تائید کرتی ہیں۔

**مُستدل دوم**۔ یقول ابو الاسعد: مسح اذنین کا مسح رأس کے تابع ہونے

پر حنفیہ حضرات نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام نسائیؒ نے نقل کیا ہے جس میں تفصیل سے مذکور ہے کہ حضورؐ سے اعضاء کے گن، بھر جاتے ہیں:

"اذا توضأ العبد المسلم الى خرجت الخطايا من رأسه

حتى تخرج من اذنيه رنساقي شرعت مسح الرأس"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسح رأس سے اذنین کے خطایا بھی بہ جاتے ہیں جیسے

خروج خطایا میں دونوں کا حکم ایک ہے اور جس طرح اشقار (ہونٹ) داخل وجہ ہیں اغفار

(ناخن) داخل پیرین ہیں جس پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح اذنین بھی شریعت کے حکم کے

مطابق داخل رأس میں۔

## دلائل شوافع کے جوابات

**مُستدل اول کا جواب**۔ شوافع حضرات کا مستدل اول روایت انسؓ ہے

جو بحوالہ معجم طبرانی نقل کیا گیا جس میں مایہ جدید کا ذکر ہے۔ اس کا جواب اول یہ ہے کہ روایت

مذکور سے نفس جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ وجوب جب کہ شوافع حضرات کا دعویٰ وجوب کا ہے جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں حالانکہ کلام وجوب میں ہے۔

جواب دوم : روایت انسؓ میں ایک راوی عمر بن ابان ہے۔ علامہ حافظ ذہبیؒ نے اسے مجہول کہا ہے کافی مجمع الزوائد اگرچہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن عند الحمدین ابن حبان کا کسی راوی کو ثقات کہنا غیر معتبر ہے کیونکہ ابن حبان مجہولین کو بھی ثقہ کہہ دیتے ہیں لہذا ان کی توثیق سے کسی مجہول شخص کی جہالت رفع نہیں ہوتی۔

**مستدل دوم کا جواب :** حضرت ابن عمرؓ کا عمل ہے کہ آپ نے کانوں کے مسح کے لیے ماہ جدید لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دود جوہ سے حضرت ابن عمرؓ کے فعل سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ اولاً یہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے جو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کوئی جہت نہیں۔ ثانیاً آپ کا ماہ جدید لینا اس صورت پر محمول ہے کہ جب ہاتھوں کی شری بالکل ختم ہو گئی ہو۔ اس صورت میں ماہ جدید لینا مشروع اور مستحسن ہے اس کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

**مستدل سوم عقلی کا جواب :** جس میں کہا گیا ہے کہ کان مستقل علیحدہ عضو ہے لہذا اس کے لیے ماہ جدید لینا قرین قیاس ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مسح احادیث سے ثابت ہوا کہ کان سر کے تابع ہیں تو نفس کے مقابلہ میں قیاس معتبر نہیں۔

ترجمہ : حماد فرماتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ یہ قول کہ کان سر سے ہیں آیا ابوامامہ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے۔

قَالَ حَمَّادٌ لَا أَدْرِي  
الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ  
أَبِي أُمَامَةَ أَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ وَالْجُمْلَةُ بِرِجْدِ اعْتِرَاضَاتٍ أَوْ  
أَنَّ كَاجَوَابَاتٍ

يقول أبو الواسع : حديث باب جو عنيفة کی تائید کرتی ہے اس پر سنداً

و متنا کئی اعتراض کیے گئے ہیں۔ پہلا اعتراض امام ترمذی اور دوسرا اعتراض امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے کیا ہے اس کی مکمل بحث تو اس احقر کی حقیر سی کاوش الشہیر باسم النعم السنی یہ نسخہ الورور فی حلۃ قال ابو داؤد و بطوفاً بفضل المعبود شرح اردو سنن ابی داؤد شریف زیر طبع میں دیکھی جاسکتی ہے لیکن اختصاراً برائے دفعہ اعتراضات پیش خدمت کی جا رہی ہے فافہم یا ہذا الثانی۔

پہلا اعتراض امام ترمذی نے کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ علامہ  
خطیب تبریزی ان الفاظوں میں نقل فرما رہے ہیں:

اعتراض اول

”قال حماد لا ادری الاذان من الرأس من قول ابی امامۃ ام من قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ حماد بن زید جو اس حدیث پاک کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ قول مذکور ابو امامہ کا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا مشکوک ہے۔

یہ ہے کہ کسی شی کا عدم علم اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں مثلاً  
جب کسی نے بوجھا کہ زید آیا ہے اور جواب دیا گیا کہ مجھے علم نہیں تو  
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ بھی زید نہ آیا ہو تو حماد نے کب کہا ہے کہ ”ادری انہ من قول ابی امامۃ“ بلکہ اس نے تو اس مسئلہ میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ جب حماد کہے لا ادری الخ تو اس سے یہ مراد ہو کہ واقعہ بھی یہ قول ابی امامہ کا ہو اور حدیث موقوف ہو۔

یہ ہے کہ مان لیتے ہیں کہ ”الاذان من الرأس“ والا جملہ مرفوع  
نہیں بلکہ ابو امامہ کا قول ہے تو یہ بات مضرب نہیں کیونکہ تب بھی تو  
حکم مرفوع ہے اس لیے کہ غیر مد رک بانقیاس حکم میں صحابی کا قول حکماً مرفوع ہوتا ہے۔  
فلا اشکال علیہ۔

یقول ابوالاسحاق: ”الاذان من الرأس الخ“ دالی حدیث حضرت  
عبد اللہ بن زید، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو امامہ سے بھی منقول ہے جس میں صراحۃً مذکور

کہ ” قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذْنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَأْسُ مَا بَيْنَ  
 (۲۵) ایک طرف حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت البراءہؓ کا ادراہی ہے اور  
 دوسری طرف حضرت حمادؓ کی لا ادراہی تو ترجیح یقیناً ادراہی کو حاصل ہے۔ جب تین صحابہؓ حدیث  
 کے اس جملہ کو مرفوع نقل کر دیں تو حضرت حمادؓ کے شبہ ظاہر کرنے سے اس کی مرفوعیت میں  
 کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسرا اعتراض شوافع حضرات نے یہ کیا ہے کہ اس حدیث کا  
 مسج سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ بیان خلقت کے لیے ہے یعنی کان  
 خلقت سر کا جزو ہیں بالغاً دیگر اگر مان لیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قول ہے تب بھی یہ  
 بیان خلقت کے لیے ہے حکم شرعی کا بیان مراد نہیں۔

### اعتراض دوم

جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے فرماتے ہیں ” المراد ببيان  
 الحکم دون الخلقة ” ہدایہ ص ۱۱۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شارع ہیں  
 خلقت بیان کرنا آپ کا موضوع نہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان احکامات کے لیے تشریف  
 لائے تھے نہ کہ بیان خلقت کے لیے۔

### جواب اول

جواب دوم : بیان خلقت ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں خفاء ہو جب کہ کانوں کی خلقت سر  
 سے ہونا یہ امر محسوس و مشاہدہ ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔  
 سوال۔ اگر مان لیں کہ بیان حکم مقصود ہے لیکن یہ نہیں بتانا چاہتے کہ ایک ہی پانی کافی  
 ہے بلکہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جیسے سر کا مسج ہے ایسے ہی کانوں کا بھی مسج ہوگا۔

جواب۔ آئینہ کا سوال بظاہر الفاظ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اگر یہ بات  
 کہنی ہوتی کہ کانوں کا مسج کرو تو الفاظ حدیث یوں ہوتے۔ ” الْأَذْنَانِ مِثْلُ الرَّأْسِ ” اگر دو  
 عضو حکم میں ایک دوسرے کے شریک ہوں تو ایک کے دوسرے کا مثل نہ کہ مِثْلُ ہوں لیکن جزو نہیں کہ  
 مِثْلُ۔ پاؤں اور چہرہ حکم غسل میں شریک ہیں ان کو (الْوُجْهَ مِثْلُ الرَّجْلَيْنِ) تو کہہ سکتے ہیں۔  
 (الْوُجْهَ مِنَ الرَّجْلَيْنِ) نہیں کہہ سکتے کیونکہ مِثْلُ جزئیت بتانے کے لیے ہوتا ہے۔



وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ  
عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ جَاءَ  
أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلَهُ عَنِ  
الْوُضُوءِ فَأَمَرَهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ  
قَالَ هَكَذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ نَادَى  
عَلَى هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَلَعَدَى  
وَذَلَمَ (رواه النسائي)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمر بن  
شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے  
دادا سے راوی فرماتے ہیں کہ ایک بدوی  
حضرت انور علی الشہید وسلم کی خدمت میں حاضر  
ہو کر وضو کے متعلق پوچھنے لگے تو آپ نے  
اسے تین بار وضو کر کے دکھایا اور فرمایا وضو  
یوں ہی ہے جو اس پر زیادتی کرے اس  
نے گناہ کیا، تعدی کی اور ظلم کیا۔

## اعضاء وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے

یقول ابوالاسعاد : أعضاء وضو کو ایک ایک بار دھونا فرض ہے، تین بار  
دھونا سنت ہے کیونکہ آیت وضو (فاغسلوا وجوهکم) فعل امر ہے اور والا امر  
لا یقتضی التکرار۔ گویا کہ جس نے ایک ایک بار دھویا اس نے آیت کریمہ کے مقتضی پر عمل  
کیا ایک بار سے زیادہ دھونا فاغسلوا کا مقتضی نہیں ہے کیونکہ فاغسلوا میں کسی عدد کا ذکر  
نہیں ہے (احکام القرآن للوصاص ص ۴۳)

نیز حضرت عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ سے جو آثار مروی ہیں ان میں آنحضور صلعم  
کا ایک ایک بار دھونا بھی ثابت ہے۔ اگر ایک بار دھونے سے فرض ماقطع ہوتا تو آپ ایک ایک بار  
پر اکتفا کیوں فرماتے۔ جن احادیث میں ایک سے زائد بار دھونے کا ذکر ہے ”کھالی روایت  
عبد اللہ بن نمیر“ مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۱۔ ان میں افضل مرتبہ کو بتانا مقصود ہے یا بیان جواز  
کے لیے یا اہمیت کی بہت کے لیے ایسا فرمایا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین تین  
مرتبہ دھونے کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت عمر بن شعیبؓ کی روایت میں ہے۔ تو یہ سنت استمرار ہے  
اور وضو کا مرتبہ کمال ہے۔ اب تینوں طرح کی احادیث میں اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ

ایک بار دھونا سنتِ جواز کیلئے ہے و دوبار سنتِ استحسان کے طور پر اور تین بار کمال کے طور پر  
اب اس پر اجماع ہے کہ ایک مرتبہ دھونا فرض اور تین مرتبہ دھونا سنتِ کمال ہے اور نفلانیت  
کے طور پر کچھ زیادہ دھونا سنتِ جواز ہے (یعنی دالغدادی)

## فَمَنْ نَادَىٰ عَلَىٰ هَذَا كَيْ بَحْث

روایت مذکور ابو داؤد شریف میں بھی ہے لیکن اس میں ایک لفظ کی زیادتی ہے دونوں  
کی علیحدہ بحث ہوگی۔ اب مقنن حدیث در ہیں :-

أَوَّلُ : " فَمَنْ نَادَىٰ عَلَىٰ هَذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدَّى وَظَلَمَ (مشکوٰۃ شریف)

دوم : " فَمَنْ نَادَىٰ عَلَىٰ هَذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ (ابو داؤد شریف)

قولہ اَسَاءَ - یہ سُوء سے ماخوذ ہے بمعنی بے ادبی رگستاخی اور اس کا تعلق

آداب شرع سے ہے حاصل عبارت یوں ہے :-

" فَقَدْ أَسَاءَ اِی صِلًا عَآ اِدا ب الشَّرع "

قولہ تَعَدَّى - یہ تَعَدَّى سے ماخوذ ہے بمعنی زیادتی اس کا تعلق حدود سے ہے

حاصل عبارت یوں ہے " وَتَعَدَّى اِی فِی حُدُودِہِ "

قولہ ظَلَمَ - یہ ظلم سے ماخوذ ہے بمعنی زیادتی اس کا تعلق ذات و نفس سے ہے

حاصل عبارت یوں ہے " وَظَلَمَ نَفْسَہُ بِمَا نَقَصَهَا مِنَ الثَّوَابِ " یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کر کے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا یا یہ مطلب ہے کہ تین بار سے

زائد مرتبہ دھو کر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے علاوہ کوئی نیک کام نہیں کیا کہ جس پر اس کو ثواب

ملا۔ عند بعض یہ مطلب بھی درست ہے کہ بغیر کسی فائدہ کے پانی ضائع کر کے اس نے ظلم کیا۔

خلاصہ یہ کہ آداب شرع کے خلاف ہونے کو اَسَاءَ سے حدود شرع کی خلاف ورزی کو

تَعَدَّى سے اور نقصانِ ثواب کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ وعید اس وقت ہے جب کہ ثلاث

مَرَّات کو وہ سنت نہ سمجھتا ہو یا بلا ضرورت زیادتی علی الثلاث کا مرتکب ہو رہا ہو۔ اس لیے اگر

ثلاث مَرَّات کے سنت ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور کسی عارض کی وجہ سے ضرورتاً زیادتی علی الثلاث

کے سنت ہونے کا اعتقاد بھی ہو اور کسی عارض کی وجہ سے ضرورۃً زیادت علی الثلاث کو اختیار کرے تب کوئی مضائقہ نہیں۔

## روایت سنن ابی داؤد شریف پر اعتراض

روایت ابو داؤد شریف میں لفظ نقص کی زیادتی ہے الفاظ حدیث یوں ہیں :-  
 ”فَمَنْ تَرَادَّ عَلَى هَذَا أَوْ لَقِصَ فَقَدْ اسَاءَ وَظَلَمَ“

سوال :- یہ کہ نقص عن الثلاث متعدد احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (کما مر) ہاں البتہ زیادت علی الثلاث ثابت نہیں۔ تو جو چیز آپ سے ثابت ہے اس کو اساءۃ اور ظلم کیوں کہا جا رہا ہے۔

جواب اول :- نقص سے مراد نقص عن مَرَّةً وَاحِدَةً یعنی ایک مرتبہ بھی تمام اعضاء کو اچھی طرح نہیں دھویا اس صورت میں نقص کا اساءۃ اور ظلم ہونا ظاہر ہے۔

جواب دوم :- یہاں پر شرط کی جانب میں دو چیزیں مذکور ہیں (غداد) اور (نقص) اسی طرح جانب جزاء میں دو چیزیں مذکور ہیں (اساءۃ) و (ظلم) اساءۃ کا تعلق نقص سے اور ظلم کا تعلق زَاد سے ہے اس صورت میں سوال نہ ہوگا اس لیے کہ نقصان کو اساءت اور زیادت کو ظلم کہا جا رہا ہے۔

یقول البوالا سعاد : لفظ نقص صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ دم رادی ہے۔  
 چنانچہ یہ حدیث نسائی شریف، ابن ماجہ، اور مسند احمد میں ہے کہ ان تمام کتب میں اس حدیث میں لفظ نقص مذکور نہیں صرف لفظ زَاد ہے چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں :-

”قَالَ النُّوَوِيُّ فِي شَرْحِ انْمِهْلَةٍ ابْنِ عَبْدِ الدَّيْ لَسْرِيْدٍ كَرُوْا غَيْرَ الْاِ  
 دَحَاشِدِ ابُو دَاوُدَ شَرِيْفٍ ص“

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ الہی میں نبی ہے

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
 الْمُنْقَلِ ابْنِهِ سَمِعَ ابْنَهُ  
 يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ

الْقَصْرَ لَا بَيْضَ عَنْ يَمِينِ  
الْجَنَّةِ قَالَ أَيُّ بُنَى سَلَّ اللَّهُ  
الْجَنَّةَ وَكَعُودُ بِهِ مِنَ النَّارِ  
فَأَيُّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ سَيَكُونُ  
فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يُعْتَدُونَ  
فِي الظُّهُورِ وَاللِّسَانِ (رواه ابو داود)

جنت کی داہنی طرف سفید محل مانگتا ہوں۔  
تو فرمایا اے میرے بیٹے اللہ سے جنت مانگو  
اور درخت سے اس کی پناہ مانگو میں نے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا  
کہ اس امت میں وہ قوم ہوگی جو وضو اور  
دعا میں حد سے تجاوز کیا کرے گی۔

قَوْلُهُ اِبْنَةُ ، یعنی حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے سے سنا جن کا نام یزید  
ہے جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح ہے۔

قَوْلُهُ الْقَصْرَ لَا بَيْضَ : قصر کا معنی ہے اللہ الکبیر جس میں خانہ دار راسخ  
پذیر ہوں۔ قصر کے ساتھ ابیض کی قید بطور نیک فالی کے ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :  
”يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ“ (پ)  
قَوْلُهُ يَمِينٍ - (دائیں طرف) یہ بھی بطور نیک فالی کے ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ :  
”وَاصْطَلَبَ الْيَمِينِ مَكَا اصْطَلَبَ الْيُسُورِ“ (پ)

عند البعض شمال کی طرف اعراف ہوگی۔ یمن کی قید لگا کر اس کا اخراج مقصود ہے یا محلات  
صرف یمن کی طرف ہیں اور اس کا سوال بھی محلات کے متعلق تھا تو عمل دالی طرف متعین کر دی۔  
سوال : حضرت عبداللہ بن مغفل اپنے بیٹے کو قصر ابیض کے سوال کرنے سے  
روک رہے ہیں اور جنت مانگنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ حالانکہ قصر ابیض بھی تو جنت میں ہے یا  
قصر ابیض خود جنت ہے۔

جواب اول : صحابی رسول کا اپنے بیٹے کو روکنا بایں صورت ہے کہ قصر ابیض کے  
سوال میں بہشت کے ایک مخصوص مقام کا تعین ہے جو نامناسب ہے کیونکہ رحمت خداوندی بڑی  
فراخ ہے اور فراخ چیز کو بند کرنا مناسب نہیں۔

جواب دوم : قصر ابیض کا سوال مالا یطاق سوال ہے اس لیے کہ قصر ابیض

مقام انبیاء علیہم السلام ہے۔ اور بالفاظ امت انبیاء کرام علیہم السلام کے اعمال و مقام کا کوئی مقابل نہیں

قَوْلُهُ يَعْتَدُونَ اى تجاوزون عن حدّ الشرعى۔ یعنی دُعا اور دُصور  
 و طہارت میں حد سے تجاوز کریں گے۔ طہارت میں زیادتی یہ ہے کہ اعضاء دُصور کو مستون طریقہ  
 سے قطع نظر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے، باقی ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے۔ یا  
 اعضاء دھونے میں اتنا مبالغہ ہو کہ وہ دم و سواس کی حد تک پہنچ جائے۔  
 فائدہ۔ حدیث پاک کی دو چیزیں ہیں۔ اول، اعتدال فی الطہور، دوم، اعتدال فی الدعاء  
 صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مغفل کی غرض جزہ ثانی ہے اور صاحب مشکوٰۃ کی غرض جزہ اول  
 کو بیان کرنا ہے۔

## اعتدال فی الدعاء کی تشریح

بقول ابوالاحسان۔ اعتدال فی الدعاء سے کیا مراد ہے یعنی دُعا میں حد شرعی سے  
 بڑھنا کیا ہے۔ علماء حضرات نے اس کی متعدد صورتیں لکھی ہیں۔  
 صورت اول، یہ بھی اعتدال فی الدعاء ہے کہ جہر بلیغ کیا جائے یعنی زیادہ زور سے  
 دُعا مانگنا اور چلانا۔  
 صورت دوم، دُعا مانگتے وقت تیورات اور شرائط لگانا یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت  
 کا سوال کرتے وقت طرح طرح کی شرطیں لگانا جو کہ حاجت مندار مسائل کی شان کے خلاف ہے۔  
 صورت سوم، کہ دُعا کے الفاظ و کلمات میں مستح کی رعایت کرنا یعنی مستح عبارتوں  
 سے دُعا مانگی جائے ظاہر ہے کہ یہ چیز خشوع کے خلاف ہے۔  
 سوال اول۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں مستح ہیں۔  
 جواب۔ یہ ہے کہ آپ کے کلام میں مستح کا پایا جانا بالقصد نہ تھا بلکہ کمال نصاحت  
 و بلاغت جو آپ کو فطری طور پر عطا ہوا تھا۔ اس کے سبب مستح الفاظ و عبارتیں بلا تکلف زبان  
 مبارک پر آتی تھیں۔ جب کہ ممانعت کا تعلق تصنع و تکلف سے ہے۔  
 سوال دوم۔ صحابی رسول کے دعا جزا سے نے دعا میں کونسی زیادتی کی تھی جس پر  
 ان کے والد نے ان کو تنبیہ فرمائی۔

**جواب** - موجودہ دعاہ کے مضمون میں کوئی تضاد و عن الحد نہیں لیکن ان کے طرز دعاہ سے صحابی کو اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں دعاہ میں تضاد و عن الحد نہ کر جائیں۔ اس لیے پیش بندی کے طور پر انہوں نے اپنے بیٹے کو تہنیزائی سوال سونم۔ اس حدیث کو باب سے یا پچھل حدیث سے کیا مناسبت ہے؟

**جواب** - پچھل حدیث میں زیادتی کی برائی بیان کی جا رہی ہے "فمن زاد علی ہذا فقد اساء الخ" اس حدیث میں بھی اسی طرٹ اشارہ کیا جا رہا ہے اور لسان نبوت سے پیشگوئی کی جا رہی ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستہ سے الگ ہو کر اور حدود شریعت سے تجاوز کر کے طہارت و دعاہ میں زیادتی کریں گے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی بن کعبہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مادی فرماتے ہیں کہ حضور کا ایک شیطان ہے جسے وہ ان کہا جاتا ہے تو پانی کے دوسروں سے بچو۔

وَعَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ لِلْمُضْطَرِّ شَيْطَانًا يُعَانِي لَهُ الْوَلَهَانُ فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ (رواه الترمذی)

## اسمائے رجال

یہ عبداللہ بن منقل مرنی ہیں یہ اصحاب شجرہ میں سے ہیں (یعنی بیت حمت الشجرہ کرنے

حضرت عبداللہ بن منقل کے حالات

والوں میں داخل ہیں) مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ سے بصرہ چلے گئے۔ اور یہ انہ دس میں سے ایک شخص ہیں جنہ کو حضرت عمرؓ نے بصرہ کی طرف بھیجا تھا جو لوگوں کو دین سکھانے کے بعد بصرہ میں مستحبہ کو انتقال فرمایا ان سے ایک جماعت تابعین کی جن میں حضرت حسن بصریؒ بھی ہیں روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ بصرہ میں ان سے زیادہ بزرگ کوئی نہیں آیا۔

قَوْلُهُ لِلْوُضُوءِ : اصل میں تھا لَوْ سَوَّيْتُ الْوُضُوءَ یعنی وضو کے دوسرے کیلئے شیطان ہے ۔

قَوْلُهُ وَلَهَّانٌ - وَلَهَّانٌ وَلَهَّاسٌ سے بنا بمعنی حیرت یا حرص ۔ چونکہ یہ شیطان وضو کرنے والے کو حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ فلاں اعضاء کو ایک دفعہ دھویا یا دو دفعہ ، یا بمعنی حرص کہ پانی کے زیادہ استعمال پر مجبور کر دیتا ہے اس لیے اسے وَلَهَّانٌ کہا جاتا ہے ۔ زیادتی عشق کو بھی وَلَهْمٌ اور عاشق حیرت زدہ کو بھی وَلَهَّانٌ کہتے ہیں ۔

### تَعْيِينٌ وَلَهَّانٌ لِلْوُضُوءِ

وَلَهَّانٌ شیطان کی تعینیں براکے وضو کیوں ہے اور اس میں کیا حکمت ہے ؟ تو عرض ہے کہ جس طرح دنیا میں حکومتوں کے مختلف شعبے ہوتے ہیں مثلاً پولیس ، فوج ، ریلوے ، ڈاک وغیرہ ، پھر ان کے ذمہ مختلف کام ہوتے ہیں اور اپنے تئیں ہر شعبہ سے سراسر انجام دیتا رہتا ہے بعینہی ہی حال مشابہتیں کا ہے کہ شیطان اپنے اپنی شیطانت کو پھیلانے کے لیے مختلف شعبے بنا کرکے ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب فی الامور فصل اول حضرت جابرؓ کی روایت ہے ” شَرُّ بَيْعَتٍ سَدَابَاةٍ يَفْتَنُونَ النَّاسَ الْغَرَّ ” مثلاً کچھ ہیں جو انسان کو انسان کے قتل پر براگینتہ کرتے ہیں ایک جماعت مُرَقَّة کے کام کی ذمہ دار ہے ، ایک ترکِ صلوٰۃ کی ترغیب دیتی ہے ایک ایسی بھی ہے جو وضو میں دوسرے ڈالتی ہے اس کام کے لیے جو شیطان کی صنف مقرر ہے احادیث میں اس کو وَلَهَّانٌ کہا گیا ہے ۔

قَوْلُهُ فَاتَّقُوا سَوَاسَ الْمَاءِ - قَوْلُهُ فَاتَّقُوا : اِیْ احْذَرُوا - قَوْلُهُ وَ سَوَاسَ الْمَاءِ - حدیث پاک کے جملہ کا مطلب ہے کہ دوسرا سواں لار سے بچو حالانکہ دوسرا سواں مار کا نہیں بلکہ وَلَهَّانٌ کا ہے لہذا عبارت مُقَدَّر ہے ” فَاتَّقُوا سَوَاسَ وَلَهَّانِ الْمَاءِ ” دل میں جو شک بلا دلیل پیدا ہو اسے دوسرے کہا جاتا ہے بلا وجہ یہ خیال کرنا کہ شاید پانی نجس ہو ، شاید کپڑوں پر چھینٹیں پڑ گئی ہوں ، شاید پانی پورے عضو پر نہ بہا ہوا یہ سب کچھ دوسرے ہے ۔

وَعَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ  
رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ  
وَجْهَهُ بِطَرَفِ ثَوْبِهِ -

(رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت معاذ  
بن جبلؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب وضو  
کرتے تو اپنا چہرہ اپنے کپڑے کے کنارے  
سے پونچھتے۔

قوله بطرف ثوبہ : ای لردائے یعنی ثوب سے مراد چادر ہے اور چادر کے  
کنارے سے من شریف صاف فرمایا۔

## وضو کے بعد اعضاء کو پونچھنا

علماء کے مابین یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد اعضاء کو خشک کرنے کے لیے  
رد مال تولیہ اور کپڑا وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس بارے میں دو مسلک ہیں :

**مسلک اول :** حضرت سعید بن المسیب، امام زہری، ابراہیم نخعی اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ  
فرماتے ہیں کہ استعمال مندیل مکروہ ہے چنانچہ علامہ کربانیؒ نے امام نوویؒ سے شافعیہ کے یہاں  
ترک مندیل ادلی نقل کیا ہے۔

روایت بی بی میمونہؓ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غسل کے  
بعد بدن مبارک خشک کرنے کے لیے کپڑا پیش کیا گیا لیکن آپؐ نے  
رد فرمادیا اور پھر بدن کے پانی کو ہاتھوں سے جھاڑنے لگے :

« فتاولشه المسندیل فلم یأخذہ وجعل ینفض الماء عن جسده »

(ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب فی الغسل من الجنابة، انکذا فی مشکوٰۃ الشریف ص ۱۱۱)

باب الغسل

امام ترمذیؒ نے استعمال مندیل کی کراہت پر یہ دلیل بھی ذکر کی ہے :

« ان الوضوء یوزن ص ۱۱۱ باب المسندیل بعد الوضوء یعنی تیار

**دلیل دوم**



کے دن وضو کے پانی کا وزن کیا جائے گا اور وہ اجر میں اضافہ کا سبب بنے گا لہذا اگر اسے خشک کر لیا گیا تو وزن کم ہوگا جب کہ مؤمن کو نامہ اعمال میں زیادہ وزن کی ضرورت ہے۔ کما فی قولہ تم  
 ”فَمَنْ تَعَلَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (پہلے)“

جمہور علماء امت کے نزدیک غسل کے بعد بدن کو خشک کرنے کے لیے کپڑے کا استعمال جائز ہے۔ حنفیہ میں سے صاحب مینۃ الصلٰی نے مستحب کہا ہے اور قاضی خان وغیرہ نے مباح قرار دیا ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں کے قول پر ہے۔

**مسئلہ دوم**

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جو مستدرک حاکم ص ۱۵۲ میں ہے۔ آپ

**دلیل اول**

فرماتی ہیں یہ وکانتم للنبی علیہ السلام خرقۃ ینشف

بہا بعد الوضوء۔ اسی طرح مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب سنن الوضوء میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے جو اس کی توثیق ہے۔

منتقى الاخبار مع شرحه فی الاوطار ص ۱۹۲ میں حضرت تیس بن سعد سے

**دلیل دوم**

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہم

نے آپ کے لیے غسل کا پانی تیار کیا۔ آپ نے غسل فرمایا۔ پھر ہم نے آپ کو کپڑا دیا اس سے

آپ نے بدن مبارک صاف فرمایا (رداء ابن ماجہ ص ۲۱۲ باب المستدیل بعد الوضوء و

بعد الغسل)

## قائلین کراہت کے دلائل کے جوابات

قائلین کراہت کی دلیل اول بی بی میمونہؓ کی روایت

**دلیل اول کا جواب اول**

ہے اس کا جواب اول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا کپڑے کو رد فرمانا اس بنا پر نہیں تھا کہ کپڑے کا استعمال ممنوع ہے۔ نہیں بلکہ تبرؤ

پر معمول ہے یعنی آپ اپنے جسم مبارک کو ٹھنڈک پہنچانا چاہتے تھے اس لیے کپڑا استعمال نہیں

فرمایا تھا۔ چنانچہ امام اعظمؒ کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی گئی تو امام اعظمؒ نے فرمایا

”انما لیسر یاخذ لوجه اخر“

علامہ ابن دقیق العید احکام الاحكام ۲/۱۷۱ میں اور حافظ ابن حجر

**جواب دوم** | فتح الباری ص ۲۱۱ میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کپڑے کو رد کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ کپڑا استعمال کرنا ناجائز ہے بلکہ ممکن ہے کہ کپڑا میلہ ہو یا ریشمی ہو اور فرماتے ہیں کہ یہی دلیل مجوزین کی بھی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن سے پانی پونچھا۔

دلیل ثانی میں ”ان ماء الوضوء لیونث  
یوم النقیامة“ کی حدیث پیش کی گئی ہے اس

**دلیل دوم کا جواب**

کا مطلب یہ ہے کہ وضو کے پانی کا قیامت کے روز وزن کیا جائے گا خواہ وہ زمین پر گرے یا اعضاء کے ساتھ رہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وضو کے پانی کا اعضاء وضو پر رہنے ہی کی صورت میں وزن کیا جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وضو کا سارا پانی زمین پر گر جاتا ہے اعضاء پر صرف ٹری باقی رہتی ہے حالانکہ پانی کے وزن کرنے کا ذکر آیا ہے اس لیے حدیث ثانی سے جس طریقہ پر استدلال کیا جاتا ہے وہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور حدیث کا یہ مقصد ہے ثانیاً اگر کپڑے سے خشک نہ کیا جائے تو وہ کسی نہ کسی وقت ضرور خود بخود خشک ہو جائے گا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے وضو کے بعد اپنے اعضاء شریف پونچھا کرتے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يَنْشِفُ بِهَا أَعْضَاءَهُ بَعْدَ الْوُضُوءِ -

حدیث مذکور کی مکمل بحث حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں ہو چکی ہے۔  
قوله وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ بِإِسْنَادٍ - یہاں صاحب مشکوٰۃ الامم ترمذی کا قول نقل کر کے حدیث پر ضعف کا حکم لگا رہے ہیں۔

يقول البوالاسعاد : یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔ روایت عائشہ بایں وجہ کہ اس میں رشید بن سعد اور عبد الرحمن بن زیاد بن النعمان فریقہ دو راوی ہیں جو ضعیف ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں "بعضہا فی الحدیث" اور دوسری روایت کی سند میں ابو معاذ سلیمان بن ارقم ہیں جو متروک ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں "یقولون ہو سلیمان بن ارقم" وهو ضعیف عند اهل الحدیث ص ۱۱۱ ابو معاذ سے اگر واقعی سلیمان بن ارقم مراد ہیں تو بلاشبہ محدثین کے یہاں یہ ضعیف اور متروک ہیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی یہی روایت مستدرک حاکم میں مذکور ہے جیسا کہ ابھی اوپر گزرا ہے اور امام حاکم ابو معاذ راوی کے متعلق جزم کے ساتھ فرماتے ہیں:-

"ابو معاذ هذا هو الفضل بن ميسرة بصرى راوى عن يحيى بن سعيد واشتغل عليه"

اور علامہ ذہبی نے حاکم کے قول کی تصدیق کی ہے (المستدرک ص ۱۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ یہاں روایت کی سند میں ابو معاذ سے سلیمان بن ارقم جو متروک ہیں مراد نہیں بلکہ ان سے مراد فضل بن ميسرة ہیں۔ نیز امام ترمذی کی تعبیر الفاظ بھی اسی پر دلالت ہے (یقولون ہو سلیمان بن ارقم) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کی ذاتی تحقیق نہیں یہ ذیاب علی الزباب ہے۔ ثانیاً یہ مفہوم حدیث متعدد احادیث میں متعدد طرق سے مروی ہے اس لیے بحیثیت مجموعی اسے قبول کر لیا گیا ہے۔

"اللَّهُمَّ وَفَعْنَا لِمَنْ نَحْبُ وَتَرْضَى فِي الْمَمَلِ وَالتَّحْرِيرِ وَالتَّفْكِيرِ"

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے

ترجمہ: روایت ہے حضرت ثابت بن ابی صفیہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے جو حدیث باتر ہیں عرض کیا کہ آپ کو حضرت جابرؓ نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار، دو دو بار، تین تین بار وضو کیا

عَنْ ثَابِتِ بْنِ أَبِي صَفِيَّةٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدٌ بْنُ الْبَاقِرِ حَدَّثَكَ جَابِرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَيْنِ

فرمایا ہاں۔

مَرَّتَيْنِ وَتَلَوْنَا ثَلَاثًا قَالَ -

(سواء الترمذی وابن ماجہ)

حدیث مذکور کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۱ باب سنن الوضوء فی روایۃ حضرت ابن عباسؓ وعبید اللہ بن زیدؓ میں ہو چکی ہے۔

**فائدہ** - حدیث پاک لینے کے تین طریقے ہیں۔ اول یہ کہ شاگرد پڑھے اور استاذ سنے۔

دوم : استاذ پڑھے شاگرد سنے۔ سوم : یہ کہ شاگرد حدیث کے الفاظ عرض کر کے پوچھے کہ کیا یہ حدیث آپ نے روایت کی ہے، استاذ کہے ہاں۔ یہاں تیسری قسم کی روایت ہے۔ یعنی حضرت ثابت بن صفیہ اپنے شیخ امام محمد باقرؑ سے حدیث کے بارے میں پوچھ رہے ہیں "حَدَّثَكَ جَابِرٌ"

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دود بار وضوء فرمایا اور فرمایا کہ یہ نور پر نور ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَقَالَ هُوَ نُورٌ عَلَى نُورٍ -

(سواء سدیدین)

قوله نُورٌ عَلَى نُورٍ : نور علی نور کے دو مطلب ہیں :

اول : جب ایک مرتبہ انضواء وضوء کو دھویا اور اس سے فرض ادا فرمائے وہ ایک نور ہوا۔ کما جاء فی الحدیث (والتسکوة نور) پھر اس کے بعد جب دوسری مرتبہ دھویا تو سنت ادا ہوئی۔ چونکہ یہ سنت بھی نور ہے یعنی پہلا نور فرض، دوسرا نور سنت تو اس لیے فرمایا نور علی نور۔ دوم : عند البعض اشارة فرمایا غرض تہجد کی طرف کہ وضوء بھی نور ہے مگر غرض تہجد یہ نور علی نور ہے۔

## اسمائے رجال

آپ محمد بن علیؑ (زین العابدین) ابن حسینؑ بن علیؑ اہل رضوانہ اللہ علیہم لقب امام باقرؑ یعنی علم کو چیرنے والے کثرت ابو جعفر مدینہ منورہ سے

حالات امام باقرؑ

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ  
 اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا  
 ثَلَاثًا وَقَالَ هَذَا وَضُوءٌ وَ  
 وَضُوءُ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي وَوَضُوءُ  
 إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (رواهما ترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عثمانؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے تین تین بار وضو کیا اور فرمایا کہ یہ میرا  
 اور مجھ سے اگلے نبیوں کا وضو ہے۔

یہ مسئلہ سابق میں گذر چکا ہے کہ وضو امت محمدیہ کی خاصیت نہیں بلکہ ان کی خاصیت  
 غرہ مجدیہ یعنی اطالہ غرہ کیونکہ اگر ان کی خاصیت ہوتی تو حضرت سابقہ انبیاء کرام کی تخصیص نہ  
 فرماتے۔ قولہ وَوَضُوءُ إِبْرَاهِيمَ : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کا  
 ذکر کرنے کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ کا ذکر فرمایا ہے یہ تخصیص بعد از تعظیم ہے اس کی وجہ  
 یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام طہارت و لطافت کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے۔  
 چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ الدبئی سارے نے وضو کیا الخ۔

وَعَنْ الْأَسَدِ قَالَ كَانَ رَسُولُ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ  
 لِكُلِّ صَلَاةٍ وَكَانَ أَحَدُنَا يَكْفِيهِ  
 الْوُضُوءُ مَا لَوْ يُحَدِّثُ  
 (رواہ الدارقمی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت اسدؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 ہر نماز کے لیے وضو کرتے تھے اور ہم کو ایک  
 ہی وضو اس وقت تک کافی ہوتا جب  
 تک بے وضو نہ ہوتے۔

یقول ابوالاسعاد : ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا واجب ہے یا سبب ہے اس کی

عظیم الشان نقیہ اس پر محدث میرے سامع زبیر الدار بن محمد بن عبد اللہ ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ سے بے شمار احادیث  
 لی میرے عظیم الشان تابعی میرے ولادت شریف ۲۵۵ھ میں ہوئی۔ ۶۲ سال عمر شریف پائی شہادہ کو مدینہ منورہ  
 میرے وفات پائی۔ جنت البقیع میں مزار پر انوار ہے۔

مکمل بحث مع تحقیق مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۱ باب ما یوجب الوضوء فصل اول فی ردایۃ عن بریدہ میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَمَّا أَيْتُ وَضُوءِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ بَيْنَ صَلَاةٍ طَاهِرَةٍ كَانَ أَوْ غَيْرَ طَاهِرَةٍ عَمَّنْ أَخَذَ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ زَيْدٍ بِنِ الْخَطَّابِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ حَنْظَلَةَ بْنَ رَافٍ عَامِرَ الْقَسْبَلِيِّ حَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَمْرًا يَلُوضُّوهُ بَيْنَ صَلَاةٍ طَاهِرَةٍ كَانَ أَوْ غَيْرَ طَاهِرَةٍ الْخ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان سے فرماتے ہیں کہ میں نے عبید اللہ ابن عبد اللہ بن عمر سے کہا کہ بتاؤ عبد اللہ ابن عمر ہر نماز کے لیے وضوء کرتے تھے۔ با وضوء ہوں یا بے وضوء یہ کس سے لیا تو کہنے لگے کہ انہیں اسماء بنت زید بن الخطاب نے خبر دی کہ عبد اللہ ابن حنظلہ ابن ابی عامر غیل نے انہیں خبر دی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضوء کا حکم دیا گیا تھا با وضوء ہوں یا بے وضوء الخ

قوله عَمَّنْ أَخَذَ - یہ متعلق ہے یعنی اس آیت کے ای اخباری عن اخذہ خبر دے کر یہ فعل کس سے حاصل کیا ہے کوئی دلیل ہے یا نہیں۔

قوله فَقَالَ - ای عبید اللہ

قوله حَدَّثَنِي - ای عبد اللہ بن عمر۔

قوله أَسْمَاءُ بِنْتُ زَيْدٍ - یہ اسماء حضرت عمرؓ کی بھتیجی ہیں۔ حضرت زید بن خطابؓ حضرت عمر فاروقؓ کے بڑے بھائی ہیں جو آپ سے پہلے اسلام لائے۔ مہاجرین اولین میں سے ہیں بدر اور تمام غزوات میں حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ خلافت صدیقی جنگ یمامہ میں شہید

میں شہادت پائی۔

قَوْلُهُ الْفَسِيلُ - عَسِيل کے معنی میں نہلایا گیا یہ حضرت حنظلہؓ کی صفت ہے۔ حضرت حنظلہؓ کو فسیل اس لیے کہا جاتا ہے کہ انتحال کے بعد انہیں فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عروہؓ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہؓ کی اہلیہ محترمہ سے پوچھا کہ ان کا کیا حال تھا یعنی جب وہ گھر سے نکلے تو کیا کام کر رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ حالتِ ناپاکی میں تھے اور نہانے کے وقت وہ اپنے سر کا ایک ہی حصہ دھو پاتے تھے کہ اتنے میں انہوں نے نداسنی کہ جہاد کے لیے بلایا جا رہا ہے چنانچہ وہ اسی حالت میں گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے اور غزوہ احد میں جامِ شہادت نوش فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے انہیں نہلا رہے ہیں (طیبی)

قَوْلُهُ فَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُرَىٰ أَنْ يَبْعَثَ قَوْمًا - بَرِي بِمَعْنَى يَكُنُّ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لیے تازہ وضو اس لیے کرتے تھے کہ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اگرچہ اس کا وجہ منسوخ ہو گیا ہے مگر اس شخص کے لیے جو اس پر عمل کی طاقت و قوت رکھتا ہے۔ اس کی فضیلت باقی ہے اس لیے انہوں نے جب یہ دیکھا کہ میرے اندر اتنی قوت و ہمت ہے کہ میں اس عمل کو بخوبی پورا کر سکتا ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس فضیلت و سعادت سے محروم رہوں چنانچہ انہوں نے اپنا معمول بنالیا۔

## مضمونِ حدیث

يقول ابوالاحسان: مضمون حدیث یہ ہے کہ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا اپنے استاذ عبد اللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے سے جن کا نام بھی عبد اللہ ہے۔ بتائیے تو یہی آپ کے والد محترم یعنی عبد اللہ بن عمرؓ ہر نماز کے لیے وضو کیوں کرتے تھے۔ خواہ پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو تو انہوں نے اس کا یہ جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن حنظلہؓ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں ہر حال میں وضو بکلی صلوٰۃ کے مأمور تھے خواہ پہلے سے با وضو ہوں یا نہ ہوں چونکہ اس حکم کی تفصیل میں آپ کو شفقت لاحق ہوتی

توحی تعالیٰ شانہ نے آپ کی رعایت میں اس حکم کو منسوخ فرمایا اور بجائے وضو، بکُلِّ صَلَوةٍ کے  
سَوَاك بکُلِّ صَلَوةٍ کا حکم فرمایا۔ غرضیکہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ  
وسلم کے لیے اصل حکم وضو، بکُلِّ صَلَوةٍ تھا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ سوچا کہ جب حکم اصلی یہ  
ہے اور میرے لیے اس پر عمل کوئی مشکل نہیں تو اس لیے وہ ہر نماز کے وقت وضو کیا کرتے تھے  
یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ما جنزادے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے استنباط  
اور گمان سے کہی کہ ہو سکتا ہے میرے والد صاحب کا یہ طرز عمل اس بناء پر ہو لیکن بسندہ  
ابوالاسعد عرض گزار ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس طرز عمل کی وجہ اور منشاء وہ ہے جو  
خود ان ہی سے منقول ہے جو ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب یحییٰ والنسوة من غیر حدث  
میں آ رہی ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے سامنے تجدید وضو  
فرمایا اس پر اس شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ ہر نماز کے لیے وضو کیوں کرتے ہیں  
تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے :

”مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طَهْرٍ كَتَبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ“

یعنی جو وضو پر وضو کرتا ہے اس کو دس نیکیوں کا بلکہ دس وضو کا ثواب ملتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو  
بْنِ الْقَاصِدِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ  
يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هَذَا الشَّرَفُ  
يَا سَعْدُ قَالَ إِنِّي الْوُضُوءُ سَرَفٌ  
قَالَ نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ

(مسند ابوالاحمد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عبداللہ  
ابن عمرو بن قعاس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
حضرت سعدؓ پر گزرے جب وہ وضو کر رہے  
تھے تو فرمایا اے سعد! یہ اسراف کیسا (وضو پر)  
عرض کیا، کیا وضو میں اسراف ہے فرمایا ہاں  
اگرچہ تم بہت نہر پر ہو۔

قوله السرف : سرف کا معنی ہے حیا اعتدال سے نکلنا۔ کما فی قوله تعالیٰ  
”وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ“ حد سے تجاوز اور غیر مطلوب زیادتی ہر کام میں ناجائز ہے خواہ  
دین کا ہو یا دنیا کا۔ طہارت میں اسراف کی دو صورتیں ہیں۔ اول اسراف فی عمل الاعضاء یعنی تخلیث پر زیادتی



کر اعضاء کو تین بار سے زائد دھویا جائے۔

دوم : اسرات فی نکشیر الہاء یعنی زیادہ پانی بلا ضرورت بہایا جائے۔ حضرت سعد اسرات فی الماء کے مرتکب ہوئے تھے۔ آپ نے تنبیہ فرمائی اس پر حضرت سعد کو بڑا تعجب ہوا کہ پانی کوئی نایاب اور کم یاب چیز تو ہے نہیں۔ پھر اس میں اسرات کے کیا معنی۔ اسی بنا پر انہوں نے سوال بھی کیا کہ کیا دھنور میں اسرات ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ کہ اسرات تو اسے بھی کہیں گے کہ تم ہنر جاری پر بیٹھ کر وضو کرو اور وہاں پانی زیادہ خرچ کرو۔ **فائدہ**۔ عبدالمطیبی نے ”وَإِنْ كُنْتُ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ“ کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اس سے اس بات میں سائنہ منظور ہے کہ جس چیز میں اسرات تصور نہیں ہے جب اس میں بھی اسرات ہو سکتا ہے تو پھر ان چیزوں کا کیا حال ہوگا جس میں اسرات واقعہ ہوتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ دھنور اور غسل وغیرہ میں ضرورت شرعی سے زیادہ پانی خرچ کرنا اسرات میں شامل ہے اور یہ مناسب نہیں ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دھنور کرے اور اللہ کا نام لے تو وہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور دھنور کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو صرف دھنور کی جگہ کو ہی پاک کرتا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْوُودٍ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ فَإِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ لَمْ يُطَهِّرْ إِلَّا مَوْضِعَ التَّوَضُّعِ (رواہ ابن ماجہ)

**فائدہ** : يُطَهِّرُ جَسَدَهُ سے مراد گناہوں سے پاکی ہے یعنی وضو کے اذن میں بِسْمِ اللہ پڑھ لینے کی برکت سے سارے جسم کے پیر وئی اور اندرونی گناہ معاف ہو جاتے ہیں کیونکہ جسم میں دل و دماغ بھی داخل ہے بِسْمِ اللہ نہ پڑھنے سے ظاہری اعضاء کے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں اس لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللہ سے وضو شروع کرنا سنت ہے نیز یہ حدیث

دلیل ہے کہ تسمیۃ عند الوضوء مستحب ہے (کما مذهب حنفی) نہ کہ واجب (کما فی المذہب اہل النطاہر) باقی حدیث پاک کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۲۸ کتاب الطہارت حدیث خروج خطایا میں ہر جگہ ہے جو ایک سوال کی شکل میں ہے کہ کہیں حدیث میں ہے کہ صرف اعضاء مضمومہ کے گناہ گرتے ہیں، کہیں ہے کہ اعضاء مضمومہ کے۔ مَن شَاءَ فَلْيُطْلَعْ عَلَيْنَا !

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو رافعؓ سے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے وضوء کرتے تو اپنی انگلی کی انگوٹھی کو ہلاتے تھے۔

وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ  
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ وَضُوءَ الصَّلَاةِ  
حَرَّكَ خَاتَمَهُ فِي إصْبَعِهِ -

(سواء ابن ماجہ)

بقول ابوالاسعاد: فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ انگوٹھی اگر تنگ ہے کہ بغیر ہلانے اس کے نیچے پانی نہ پہنچے گا تو وضوء میں اس کا ہلانا واجب ہے، اور اگر انگوٹھی ڈھیلی ہے کہ بغیر ہلانے بھی پانی نیچے پہنچ جائے گا تو اس کا ہلانا مستحب ہے۔

وَقَدْ حَصَلَ الْفَرْاعُ مِنْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوءِ بِتَوْفِيقِهِ وَ  
فَضْلِهِ وَكَرَمِهِ وَارْحَاؤِ مِنْ فَضْلِهِ وَكَرَمِهِ أَنْ يَوْفِقَنِي  
لِاتِّمَامِ الْكِتَابِ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

## بَابُ الْغُسْلِ

يقول ابوالاسحاق : حدیث پاک کی تشریح سے قبل چند امور نافع کا جانتا ضروری ہے :-

صاحب مشکوٰۃ علامہ خطیب تبریزی سابق میں طہارت صغریٰ و وضوء کا بیان فرمایا اب طہارت کبریٰ

امراؤل سابق سے ربط

(غسل) کے احکامات بیان فرما رہے ہیں یعنی ماقبل و مابعد میں ربط بیان طہارت ہے۔  
سوال - طہارت صغریٰ و وضوء کو طہارت کبریٰ (غسل) پر کیوں مقدم فرمایا اس کی کیا وجوہات ہیں۔

جواب - تقدیم کی چند وجوہات ہیں :-

اول : غسل کی یہ نسبت وضوء کی ضرورت زائد ہوتی ہیں چنانچہ وضوء شب و روز میں متعدد بار کیا جاتا ہے اور غسل میں یہ بات نہیں ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں وضوء کا ذکر بیان غسل پر مقدم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :-

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ

وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ ۖ وَارْجِلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ بِمَاءٍ كَثِيرٍ يُمْسِحُونَ ۚ

رعایت کی ہے۔

دوم : محل وضوء جزء بدن ہے اور محل غسل کل بدن ہے قانون کے تحت جزء محل پر مقدم ہوتا ہے۔

سوم : غسل میں وضوء مستثنیٰ ہے اور اس کا عکس فلا علیہ۔

امرثانی غسل کی حقیقت

يقول ابوالاسحاق : غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پورے بدن پر پانی پہنچایا جائے۔

اور جسم کے ان تمام حصوں کو پانی پہنچانے میں شریک رکھا جائے جن میں پانی پہنچانے سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو خواہ پانی پہنچانے کے لیے بدن کو مکنا پڑے یا پانی اوپر سے بہا دیا جائے۔ یا غسل کرنے والا پانی میں اتر جائے ہر صورت میں فریضہ غسل ادا ہو جائے گا۔ اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک غسل کی حقیقت میں دُکُل (دکلا) بھی مآخوذ ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے۔ ابن بطالؒ نے وجوب دُکُل کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ وضو اور غسل کا معاملہ یکساں ہے کہ دونوں کا مقصد تطہیر (پاک کرنا) ہے۔ اور وضو میں بالاتفاق امرار ید علی الاعضاء (اعضاء پر ہاتھ پھیرنا) ضروری ہے اور یہی دُکُل ہے تو وضو پر قیاس کرتے ہوئے غسل میں بھی دُکُل ضروری ہوا۔ مگر یہ دلیل صحیح نہیں اس لیے کہ جو حضرات دُکُل کو لازم نہیں سمجھتے ان کے نزدیک بحالت وضو پانی میں ہاتھوں کا ڈرنا کافی ہے۔ تو مقتضائے نیاں یہ ہوا کہ غسل میں بھی بغیر دُکُل کے صرف غسل بدن کافی ہو۔ معلوم ہوا کہ وضو میں دُکُل کرنے پر آپؐ نے جو اجماع نقل کیا ہے وہ درست نہیں۔

## امرثالث۔ اقسام غسل

يقول ابو الوفاء سعاد - اسلام میں غسل چار طرح کے ہیں ۱۔ فرض۔ ۲۔ سنت۔ ۳۔ مستحب۔ ۴۔ مباح۔ غسل فرض تین ہیں (۱) جنابت سے، جنابت خواہ شہوت سے مٹی نکلنے کی وجہ سے ہو۔ یا صحبت سے ایزال ہو یا نہ ہو (۲) حیض سے (۳) نفاس سے۔ غسل سنت چار ہیں (۱) جمو کا غسل (۲) عیدین کا غسل (۳) احرام کے وقت کا غسل (۴) عرفہ کے دن کا غسل۔

غسل مستحب بہت ہیں۔ مثلاً مسلمان ہوتے وقت مردہ کو نہلانے کے بعد۔ قربانی کے دن، طواف زیارت کے لیے، مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر وغیرہ۔ غسل مباح۔ جو ٹھنڈک وغیرہ کے لیے کیا جائے۔ اس باب میں بہت سے اقسام کے غسل بیان ہوں گے۔

## امر چہارم — لفظ غسل کی تحقیق

بقول ابوالحسن - علامہ امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء والصفات میں ذکر کیا ہے کہ غسل بفتح الغین مصدر ہے بمعنی کسی چیز کو دھونا۔ اور غسل بکسر الغین اس کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے (ما تھ منہ وغیرہ) دھویا جائے۔ جیسے ہر کے درخت کے پتے اور صابون وغیرہ۔ اور غسل بضم الغین اغتسال کا اسم ہے بمعنی غسل کرنا۔ اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے غسل کیا جاتا ہے اور غسل بمعنی ما یغتسل بہ الشوب کی جمع بھی ہے۔ اور مہذب میں ہے کہ حدیث بی بی میمونہؓ کے الفاظ ”وضعت له عليه السلام غسلاً من الجنابة“ اور حدیث قیس بن سعد کے الفاظ ”فوضعت له غسلاً“ میں غسل دونوں جگہ یا جماع محمدین و فقہاء مضموم الغین ہے جس سے مراد وہ پانی ہے جس سے غسل کیا جائے۔ (غایۃ البیان)

## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی عورت کے چاروں شانے کے درمیان بیٹھنے پر کوشش کرے تو غسل واجب ہو گیا اگرچہ انزال نہ ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ شَعْبَيْهَا الْأَمْرِ بَعِثْ جَهْدَهَا فَقَدْ وَجِبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يَنْزِلْ۔

(متفق علیہ)

قولہ بَيْنَ شَعْبَيْهَا - شعب جمع شعبۃ کی بمعنی القطعۃ من الشیء کسی شئی کا ٹکڑا یا شعب بمعنی شاخ بھی ہے۔  
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں

مختلف اقوال ہیں :-

قول اول : علامہ ابن قیم العیسیٰ فرماتے ہیں " المراد یبداھا ورجلاھا " عورت کی چار شاخوں سے مراد اس کے دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں " لانه اقرب الی الحقیقة قول دوم : " المراد یرجلاھا وفخذھا " عورت کی ٹانگیں اور رانیں مراد ہیں ۔ قول سوم : " قبل ساقاھا وفخذھا " عورت کی دونوں پٹلیاں اور رانیں مراد ہیں ۔ قول چہارم : " قبل نواضح الاربع للفرج " یعنی فرج کے جوانب اربع مراد ہیں ۔ اور جلوس بہن شعبہ الاربع کتا یہ ہے جماع سے کیونکہ ان چار اعضاء کے وسط ہی میں فرج ہے اس لیے ان کی تفصیل فرمائی ۔

قوله شق جھدھا : ای بلغ المشقة یعنی مشقت کرتا ہے ۔ (الرداؤ وشرین میں شق جھدھا کے بجائے " الزرق الختان الختان " ہے یعنی دو اعضاء آپس میں ملتے ہیں اس صورت میں شق جھدھا ایلاج انحفشفة " حشفہ کا داخل ہونا " سے کیا یہ ہے ۔

## جماع بغیر انزال کا حکم

فقہاء میں اختلاف ہے کہ غسل جنابت کے لیے انزال یعنی خروج نسی شرط ہے یا صرف دخول یعنی غیبوبت حشفہ ۔ اس بارہ میں دو مسلک ہیں ۔

مسلک اول ۔ علامہ داؤد بن علی الظاہری کے نزدیک صرف غیبوبت حشفہ فی الفرج یا صرف التقار الختان بالختان سے غسل واجب نہیں ہوتا ۔ جب تک کہ انزال یعنی خروج نسی نہ ہو ۔ یہی مسلک حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کا ہے (نیل الاوطار ص ۱۸) تاہمین عدم غسل کا استدلال حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے ہے ۔

## دلیل اول

” عن عبد الرحمن بن سعید الخدری عن ابيه

قال خرجت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين الى

بها وحقق اذا كنا في بيتي سالم وقف رسول الله صلى الله عليه

وسلم على باب عتيان فصرخ به فخرج يجر ازاره فقال رسول

صلى الله عليه وسلم اعجلنا الرجل الخ

خلاصہ ترجمہ ، حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں پیر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قباہ کی طرٹ نکلا۔ یہاں تک کہ بنی سلیم کے ایک شخص جس کا نام عقیان بن مالک تھا ان کے گھر پہنچ گئے۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے تم کو عیلت میں ڈال دیا اس نے کہا جی ہاں! رکت فی بطن امراؤی و لہم یزول! ایسا یہ کیا کروں آپؐ نے فرمایا: ائصال الماء من الماء یعنی پانی کا استعمال (غسل) پانی (مٹی) کے خروج سے ہوتا ہے زمسلسہ شریف ص ۱۵۵، مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۲ باب الغسل

حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے :-

**رسل دوم** | ” عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال فی الرجل یأتی اہلہ ثقلاً یقول یغسل ذکرہ ویستوضاء (صحیحہ مسلمہ ص ۵۵۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جوان کے متعلق جو اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے لیکن انزال نہیں ہوتا۔ تو وہ اپنے ذکر کو دھوئے اور وضو کرے۔ حدیث مذکور میں بھی صرف وضو کا ذکر ہے غسل کا ذکر نہیں۔

خلفاء اربعہ، جمہور صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ، اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک صرف التفارختائین اور غلبۃ حشفہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے انزال شرط نہیں۔

**مسئلہ اول** - حدیث باب ہے جس کو شعب اربعہ کی روایت بھی کہتے ہیں اس میں ”ان تعوب نزل“ کی تفسیر موجود ہے جو صاف دلائل پر مطلب ہے کہ مطلقاً جماع بغیر انزال موجب غسل ہے۔ فی غائثہ منہ لفظ کی روایت ہے :-

**مسئلہ دوم** | ” قالک اذا جاذا الختان الختان وجب الغسل فقلتہ انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۲ باب الغسل)

روایت مذکور بھی مطلقاً جماع بغیر انزال پر غسل جنابت کو واجب کر رہی ہے۔ نیز یہ روایت

## جمہور کی طرف سے الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کے جوابات

جمہور کی جانب سے الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں :-

حدیث الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ مباشرت فی غیر الفرج پر محمول ہے  
اور اس صورت میں غسل مہ کے نزدیک انزال ہی پر موقوف ہے۔

### جواب اول

قَالَ ابْنُ اَرَسْلَانٍ

یہ حدیث الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ منسوخ ہے ناسخ گذشتہ احادیث

### جواب دوم

ہیں جو جمہور کے مستندات میں آچکی ہیں۔ یہ جواب امام عسکری

مُحَمَّدِ السَّيِّدِ بھی دے رہے ہیں فرماتے ہیں وَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحَمَّدُ السَّيِّدُ هَذَا مَنْسُوخٌ  
بِقَوْلِ الْبَوَاكِسِي، جہاں تک نسخ کی بات ہے تو نسخ دو ہیں :-

## نسخ اول فی زمانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

زمانہ جاہلیت میں علی العموم جنابت سے غسل جنابت نہیں کیا جاتا تھا اور یہی غسل جنابت مروج تھا جیسا کہ آج کل بہت سے دہریہ غیر مسلم اور مذہب سے بیزار لوگ غسل جنابت نہیں کرتے  
مشرکین مکہ کے ہاں جنابت کوئی قابلِ توجہ مسئلہ نہ تھا یہی وجہ تھی کہ جب اسلام نے جنابت سے  
تہذیب و تنظیف کے احکام بیان فرمائے تو آسانی اور تدریج کو مد نظر رکھا کیونکہ عرب سرے سے  
غسل جنابت کے عادی نہ تھے۔ تو تہذیب و جلالت زیادہ تھی اس لیے کثیر الحاحجت الی الغسل تھے۔ پانی  
کی شدید قلت تھی، کپڑے بھی آسانی سے میسر نہ تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد شریف کی روایت ہے :-

” اَلْمَا جَعِلَ ذَالِكُمْ رَخِيصَةً لِلنَّاسِ فِي اَوَّلِ الْاِسْلَامِ لِقَلَّةِ الشَّيَابِ “

(صحیح باب الاکسائی)

اس لیے شارعِ عالیہ السلام نے اوائل میں غسل جنابت کو صرف خروجِ منی کی وجہ سے ضروری قرار  
دیا جیسا کہ اس سے آگے حضرت ابی سعید خدریؓ کی روایت ہے ” الْمَاءُ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ “



یعنی استئمان مار خروج معنی کی وجہ سے لازم ہے۔ پہلے مار سے مراد پانی اور دوسرا الماء سے مراد مٹی ہے اس کے بعد جب طبعیتیں غسل کی عادی ہو گئیں۔ جنابت سے نفرت اور طہارت کی غفلت دلوں میں راسخ ہو گئی تب الماء من الماء کے حکم کو حدیث باب "اذا اجلس أحدکم بین شعبہا الا ربع الف" سے منسوخ کر دیا گیا۔

## نسخ دوم فی زمان الصحابۃ رضی اللہ عنہم

صحابہ کرامؓ کے مابین جب موجب غسل جنابت میں اختلافات ہوئے تو صحابہ کرامؓ کی درجہ عتیں ہو گئیں۔ بعض صحابہ کرامؓ انزال مٹی کو موجب غسل قرار دیتے تھے کیونکہ ان کے پاس بھی تو حدیث رسولؐ تھی۔ جب کہ اس کے مقابل ایک جماعت دخول کو موجب غسل قرار دیتی تھیں یعنی انزال مٹی کی طرح غیوبیت حشفہ بھی موجب غسل ہے۔ انزال شرط نہیں حضرت عمر فاروقؓ کو جب اس مسئلہ میں اختلاف کا علم ہوا تو آپؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع فرمایا اور مزید بحث مسئلہ ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ آپؐ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور دنیا کے لیے نمونہ ہیں جب اس مسئلہ میں تمہارا اختلاف ہو گیا تو بعد میں آنے والے یقیناً اس سے بڑے فتنہ میں واقع ہو جائیں گے۔ اس لیے میرا جی چاہتا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق کر لی جائے تاکہ صحیح صورت حال واضح ہو اور امت ان نزاعی انتشار سے محفوظ رہے۔ تب صحابہ کرامؓ نے تجویز دی کہ اس مسئلہ کو ازدواج مطہرات سے دریافت کر لیا جائے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ مشورہ حضرت علیؓ نے دیا تھا کہ ازدواج مطہرات کے پاس آدمی بھیج کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دریافت کر لیا جائے رفیادی شریفؓ باب اللہی یجامع و لا یستون تب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی اجازت سے ایک صحابی ائمہ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور ائمہ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے حجاب کے کچھ پیش آمدہ مسئلہ دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا:

« اذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلتہ نا و رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا »

تو جب حضرت عمر فاروقؓ اور حضرات صحابہؓ کے سامنے یہ روایت آئی تو کسی نے بھی اس کی

اس کی مخالفت نہ کی۔ اور جو حضرات صحابہؓ پہلے اس کے خلاف فتویٰ دے رہے تھے وہ بھی اس کے قائل ہو گئے گویا سب نے اجماعاً فیصلہ کر لیا کہ التقاء خنائین (یعنی غیوہ مشغہ) بھی موجب غسل ہے دو کب الذریٰ (۱) بلکہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر اس کے بعد کسی نے (الماء من الماء) صرغ خروج مٹی ہی موجب غسل کو مستلزم ہے کا فتویٰ دیا تو اسے سخت اور عبرتناک سزا دی جائے گی (لما دی شریف ص ۱۱۲ باب الذی یجامع ولا یغزل)

از طرف حضرت ابن عباسؓ ہے جس کو امام ترمذیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور

**جواب سوم** صاحب مشکوٰۃ بھی نقل فرما رہے ہیں: "وقال ابن عباسؓ: الماء من الماء من الماء في الاحتلام" یعنی یہ حدیث احتلام پر محمول ہے۔ صورت ایک جماع کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ جماع فی البیظہ ۲۔ جماع فی المسام۔ جس کو احتلام کہتے ہیں۔ پہلی صورت میں "اذا التقى الختان المختان" دلی حدیث پر عمل ہوگا۔ اور دوسری صورت میں "الماء من الماء" پر یعنی الماء من الماء احتلام کی مشہور محمول ہے جماع کی صورت میں یہ حکم نہیں جماع کی صورت میں وہی حکم ہے جو دیگر احادیث سے کچھ آتا ہے کہ دخول حشفہ سے غسل واجب ہے۔ یہ حکم احتلام اور خواب کی صورت میں ہے کہ نیند میں اپنے آپ کو ہم بستری کرتے دیکھا تو غسل اسی صورت میں واجب ہوگا جب کہ مٹی نکلی ہو۔ اگر خواب بادہ ہے لیکن مٹی نہیں نکلی تو غسل واجب نہیں بالاتفاق اور احتلام کے بارے میں اب بھی حکم ہے اس کو منسوخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔

يقول البوالا سعاد: حضرت ابن عباسؓ کی یہ توجیہ جس کو جواب سوم کی شکل میں پیش کیا گیا ہے مسلم شریف کی روایت کے خلاف ہے جس کا مضمون سابق میں گذر چکا ہے۔ مختصراً عرض ہے: ۱۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبا جا رہا تھا راستہ میں ہم محلہ جو سالم میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ کر عبید بن مالکؓ کے دروانہ پر ٹھہرے اور دستک دی وہ اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے۔ آپ کی آواز سنکر اسی حال میں جلدی سے حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد انہوں نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص بیوی سے صحبت کرے اور انزال نہ ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا "الماء من الماء" لہذا اس حدیث کو احتلام پر محمول کرنا صحیح نہیں

اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔

**جواب اول**۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ان کو نہ پہنچی ہو۔ اور ہر ایک کو ہر حدیث کا جاننا ضروری نہیں۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہ نہیں کہ یہ حدیث شروع ہی سے اختلاف پر محمول ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نسخہ واقع ہونے کے بعد اب یہ حکم صرف اختلاف میں باقی رہ گیا ہے۔

بقول ابوالاسود : اس جملہ میں ایک سوال کیا جا رہا ہے جو صاحب مشکوٰۃ علامہ خلیف تبریزیؒ کا امام بھی السنۃ پر ہے۔

**سوال**۔ یہ کہ قول ابن عباسؓ تو صحیحین میں نہیں ہے پھر اس کو تفہیم اول میں کیوں لائے یہ تو ترتیب ذکر کے خلاف ہے۔

**جواب**۔ اس قول کو احادیث میں لایا گیا بلکہ روایت سلم "الماء من الماء" کی تشریح کے لیے لایا گیا۔ "لانہ مقصود فی الباب فعدم وجودہ فی الصحیحین لا یضرب لان ذلک الشرط اما هو فی مقاصد الباب (کما فی تعلیق الضبیح)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانی پانی سے ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْمَاءُ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ۔

(رداء مسلم)

**قولہ الماء**۔ ای استعمال الماء وهو نفس یعنی غسل کا پانی۔

**قولہ من الماء**۔ الماء هو الدافق وهو المصی : یعنی شہوت کے ساتھ نکلنے والا پانی جرمی کہلاتا ہے۔

**قولہ وَلَمْ أَجِدْ فِي الصَّحِيحَيْنِ** : میں نے اسے بخاری و مسلم میں نہ پایا۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ  
قَالَتْ أُمُّ سَلِيمٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ  
فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ  
إِذَا حَتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ إِذَا رَأَتْ  
الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَجْهَهَا  
وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَوْ تَحْتَلِمُ  
الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرَبَّتْ  
بِمِثْلِكَ قَبْلَ نُشَيْبِهَا وَلَكِنَّهَا  
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں کہ حضرت ام سلیم نے عرض کیا یا رسول اللہ یقیناً اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتے۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو فرمایا ہاں! جب پانی دیکھے تو ام سلمہ نے منہ چھپالیا۔ اور بولیں یا رسول اللہ کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے فرمایا ہاں! تمہارا بابتہ گرد آلود ہو ورنہ مجھ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے۔

قوله أُمِّ سَلَمَةَ يَقُولُ الْبُحَاالِاسْعَادُ : أُمُّ سَلَمَةَ ، ابْرَأَتُ بِنِ مَفْرُہ کی بیٹی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ قریش مکہ کے محزومی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی پہلی شادی انہیں کے خاندان کے ایک فرد حضرت ابوسلمہ بن اسد محزومی سے ہوئی تھی۔ ابوسلمہ کے انتقال کے بعد سہ یا سہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مبارک میں آئیں۔ آپ ہجرت حبشہ میں شامل تھیں۔ حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والوں میں حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ ان کی بیٹی زینبؓ اور بیٹے عمرؓ (جو ابوسلمہ سے تھے) اور تابعین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

قوله إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۔ یعنی ام سلیم کا یہ جملہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتے تو ہم کیوں شرمائیں۔ بایں صورت ہے چونکہ جماع احتلام خروج منی اور اس کے تعلقات یہ ایسے امور ہیں جن کے ذکر سے حیاء لطیف طبیعتیں نفرت کرتی ہیں۔ بالخصوص نساء کی فطرت تو اس سلسلہ میں حد درجہ حیاء دار واقع ہوئی ہے۔ اور یہ مسائل بھی ایسے ہیں جن سے واسطہ ناگوار ہے۔ تو جب تک ان کے احکام معلوم نہ ہوں تب تک ان کو شرعی طریقوں سے بجالانا ممکن نہیں تو جن کے دل میں خدا کی عظمت اور آخرت کا خوف ہوتا ہے وہ شرعی احکام اور خدا کی رضا کا راستہ معلوم کر لیتے ہیں اور دریافت مسائل میں کوئی حیاء یا فطری حجاب

ان کے لیے مانع نہیں ہوتا۔ یہی وہ تہید ہے جو نبی فی اتم سلیمؐ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَعِيْجُ مِنَ الْحَقِّ" سے اصل مسئلہ کے دریافت کرنے کی غرض سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی۔

## نسبت حیار الی الخالق کی حقیقت

يقول ابو الاسعاد - انسانی طبیعت کو انفعال تاثر اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے جو کیفیت لاتی ہوتی ہے اور طبیعت بخوبی ہوتی ہے اس کو حیار کہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک وصف انفعال کے جو دوسرے کے اثر کو قبول کرتا ہے جب کہ اثر رب العزت کی ذات انفعال اور کسی تاثر کے قبول کرنے سے منزہ ہیں۔ تو پھر حیار کی نسبت خدا کی جانب کیونکر صحیح ہے۔ علماء حضرات نے اس کے دو جواب دیے ہیں:-

۱۔ **جواب اول**۔ اہل درست است کہ حیار اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے تغیر و انکسار کو کہتے ہیں جس کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف کرنا محال ہے۔ مگر حدیث کی مراد یہ ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْعِصْيَاءِ مِنَ السُّؤَالِ عَنِ الْحَقِّ" یعنی مسئلہ شرعیہ کے بارے میں سوال سے حیار کو مانع نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ **جواب دوم**۔ ذکر صفت رحیم کا ہے اور مراد اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں مثلاً رحمت قہر غضب ہے تو رحمت دل کی نرمی سے عبارت ہے مثلاً کسی مظلوم کو دکھا دل متاثر ہوا اور اس پر رحم کھایا اور احسان کیا، دل کا متاثر ہونا یہ انفعال ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس سے منزہ ہیں۔۔۔ ان پر مرتب ہونے والے جو نتائج ہیں یہاں وہی مراد ہیں۔ مثلاً حیار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کلم کو چھوڑ بیٹھتا ہے تو حدیث باب "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَعِيْجُ مِنَ الْحَقِّ" میں یہی بتایا جا رہا ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَعِيْجُ مِنَ الْحَقِّ" یعنی فی اتم سلیمؐ کا مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ رب العزت کی صفت یہی ہے کہ وہ ضرورتی بیان کرتے ہیں۔

قوله فَنَقَطْتُ اَمْ سَلَمْتُ وَجْهَهَا - اسی ستمت و جہا شرم و حیا کی وجہ سے منہ کو چھپا لیا۔ برزخی شریف ص ۳۳ باب ما جاء في المرأة توفى في المنام مثل ما يرى الزجل کی روایت کے الفاظ ہیں "فَضَحَّتِ النِّسَاءُ يَا اَمَّ سَلِيمٍ" اے ام سلیمؐ تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا

کہ بھلا یہ بات بھی پوچھنے کی تھی۔ کیونکہ یہ بات جو تو نے پوچھی ہے عورتوں کی کثرتِ شہوت پر دال ہے  
 ”وَالْكَتْمَانِ فِي ذَلِكَ مِنْ عَادَةِ النِّسَاءِ“

قَوْلُهُ تَرَبُّثٌ يَمِينُكَ۔ اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ خاک آلود ہو تیرا دہنا ہاتھ۔ یہ  
 شدتِ فقر سے کہا یہ ہے گو یہ ایک قسم کی بددعا ہے۔ لیکن یہاں اس کا استعمال حقیقی معنی میں نہیں ہے  
 بلکہ یہ ایک ایسا جملہ ہے جو اہل عرب کے ہاں تعجب کے وقت بولتے ہیں۔ اس طرح اس جملہ کا مطلب  
 یہ ہوگا کہ اُمّ سلمہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہہ رہی ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتیں کہ اگر عورت  
 کے منی نہ ہوتی تو پھر اکثر نیچے جو اپنی ماں کے مشابہ ہوتے ہیں وہ کس طرح ہوتے؟

قَوْلُهُ فَكَيْفَ كُنْتُمْ لَهَا۔ يَشَبُّهَا یہ مشابہت اور اشتراک سے ہے۔ اس ارشاد کا  
 حاصل یہ ہے کہ کچھ کبھی والد اور کبھی دائدہ کے مشابہ ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ یہی تو ہے کہ جب  
 مرد کا لطف غالب ہوتا ہے تو کچھ مرد کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کا لطف غالب ہوتا ہے تو کچھ عورت  
 کے مشابہ ہوتا ہے۔ تو جب عورت کی منی کا ثبوت ہو گیا تو پھر احتلام میں کیا استبعاد ہے۔ صحیح مسلم  
 کی روایت ہے:-

”اِذَا عَلَا مَاءُ هَا مَاءُ الرَّجُلِ اشْبَهَ الْوَلَدَ اَخْوَالَهُ وَاِذَا عَلَا مَاءُ الْمَرْءِ

مَاءُ هَا اشْبَهَ اَعْمَامَهُ (صحیح مسلم ۳۵۳)“

جب مَاءِ راجل غالب ہوتا ہے مَاءِ مَرَاةٍ پر تو کچھ اپنے بچاؤں کے مشابہ ہوتا  
 ہے اور جب مَاءِ الْمَرَاةٍ غالب ہوتا ہے مَاءِ الرَّجُلِ پر تو اس وقت مولود اپنے  
 مائوں کے مشابہ ہوتا ہے۔

## کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے؟

حدیث باب اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت میں بھی مادہ منویہ  
 موجود ہے اور اس کا خراج بھی ہوتا ہے۔ جمہور علماء امت کا بھی مادہ منویہ کے موجود ہونے  
 اور اس کے اخراج پر اتفاق ہے تو پھر کیا استبعاد ہے کہ عورت کو احتلام نہ ہو۔ لیکن بعض فلاسفہ  
 اور کچھ اطباء کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ عورت میں منی بالکل نہیں ہوتی۔ لہذا انزال کا

محض استکمال لذت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتوح الباری میں ابراہیم نخعیؒ سے عورت کے لیے منیٰ ہونے کا انکار نقل کیا ہے۔ اگرچہ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں ابراہیم نخعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت کو مستبعد لکھا ہے۔ لیکن درحقیقت اس مسئلہ میں کوئی تعارض نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیث پاک اور مکمل تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ عورت کی بھی منیٰ ہوتی ہے البتہ وہ باہر نہیں نکلتی بلکہ عورت کا اس کا انزال رحم کے اندر ہی ہوتا ہے البتہ بعض غیر معمولی صورتوں میں یہ انزال باہر کی جائیں تک ہو جاتا ہے۔ حدیث باب میں اسی غیر معمولی صورت کو بیان کیا گیا ہے اور اطباء نے جو نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ منیٰ سراًۃً شل منیٰ رجل باہر متعلق نہیں ہوتی۔

خلاصۃ الکلام: جمہور علماء کے نزدیک مسئلہ احتلام میں مرد و عورت دونوں کا حکم ایک ہی ہے یعنی جس طرح احتلام کے بعد مرد پر غسل واجب ہے اسی طرح عورت پر بھی غسل واجب ہے۔

**کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی مطہرات و منورات کو احتلام ہوتا ہے؟**

یقول ابوالہ سعاد: اس بات میں توفیقہاء کا اتفاق ہے کہ عورت کو احتلام ہوتا ہے گو قلیل الواقع ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا ازدواجی مطہرات کو بھی احتلام ہوتا ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔

**قول اول۔** علامہ سیوطیؒ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام احتلام سے محفوظ ہوتے ہیں اسی طرح ازدواجی مطہرات احتلام سے محفوظ تھیں اور یہ ان کے خصائص میں سے ہے

رَكَدَا فِي الدُّنْيَا صَاحِبِهَا وَالْمُنْهَلُ صَاحِبِهَا  
ولیس اول نقلی۔ ابن عاتقہؒ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں "فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ تَزَيُّ ذَاكَ"۔ ابن عاتقہؒ کے استفہام انکاری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ احتلام کی منکر ہیں۔

**ولیس دوم عقلی۔** احتلام ہوتا ہے شیطان کی طرف سے کہ انسان کی شکل میں آجاتا ہے خواہ شوہر کی شکل سے ہو یا اجنبی کی شکل سے اور ازدواجی مطہرات کے حق میں یہ دونوں ناممکن ہیں اس لیے کہ شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہیں آسکتا اور اگر اجنبی کی شکل میں آئے تو ازدواجی مطہرات اس کو قادر نہیں ہونے دیں گی اس لیے ان کو احتلام نہیں ہوتا۔

**قول دوم**۔ صحابہ کرامؓ اور مہرور علماء امت کے نزدیک عورت کو احتلام ہوتا ہے گو اس کا وقوع قلیل ہے نادر انہیں جس طرح مرد میں عدم احتلام نادر اور وقوع ہے۔ اسی طرح عورت میں احتلام قلیل اور وقوع ہے۔

**مستدل اول**۔ روایت ائمہ طہریہ مذکور فی الباب ہے "فَبَشِّرْهُم بِأَنَّهُمْ"۔

**مستدل دوم**۔ بی بی عائشہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں :-

"إِنَّ الْإِنْسَاءَ شَقَاقٌ الرَّجَالُ" و مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ فصل ثانی باب ہذا

یعنی عورتیں مردوں کے مشابہ ہیں اور ان کو بھی احتلام ہوتا ہے اگرچہ اس کا وقوع کم ہے۔

## مُسکَرینِ احتلام کے مُستدلات کے جوابات

عورتوں کو بہ نسبت رجال کے طبعی طور پر حیاء و شرم زیادہ ہوتی ہے اور فطرۃً اپنی جنس کے عیوب

### مُستدل اول کا جواب اول

چھپانا چاہتی ہیں اس لیے انہوں نے تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے انکار فرمایا ہے۔ لاحقاً۔

علاء سیوطیؒ کا یہ فرمانا کہ ازواج مطہرات احتلام سے محفوظ

### جواب دوم

تھیں اور یہ ان کے خصائص میں سے ہے اس کو علاء زرقانیؒ اور حافظ عراقیؒ نے یہ کہہ کر رد فرمایا "الخصائص لا تثبت بالاحتتمال" و کذا فی المنہل ص ۱۱۱

یہ کہ احتلام شیطان کراتا ہے اور شیطان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں نہیں آ سکتا لہذا ازواج

### مُستدل دوم عقلی کا جواب

مطہرات احتلام سے پاک تھیں دو وجوہ سے غلط ہے۔

اولاً : یہ صورت حضرت بی بی عائشہؓ کے بارہ ہیں تو ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے کسی

زوجیت میں نہیں تھیں۔ دوسری ازواج مطہرات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے پہلے دوسروں کی زوجیت میں تھیں اس وقت تو شیطان اس شوہر کی صورت میں آ سکتا تھا اور احتلام کراتا۔

ثانیاً : احتلام صرف شیطانی اثرات کی وجہ نہیں ہوتا بلکہ دوسرے اسباب سے بھی ہو سکتا



مشکل استلارہ او غیرہ منیٰ غررت منیٰ کا بھر جانا۔ کثرت شیعہ : یعنی بہت کھانا۔ کمزوری وغیرہ۔ صحیح ہے۔ کہ اجنبی شخص اور شیطانی اثرات سے ازدواج مطہرات کو اختلام نہ ہوتا ہو۔ مگر دیگر سبب سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب نے سایہ میں لکھا ہے : ”اَلْهَنْ لَا يَحْتَلِمُن بِالْجَمَاعِ بِشَخْصٍ اجْنَبِيٍّ“ (کہاؤں اللہ) کہ ازدواج مطہرات کو شخص اجنبی سے اختلام نہیں ہوتا دیگر سبب سے ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ وَنَادَى مُسْلِمٌ بِرَوَايَةٍ اُمِّ سُلَيْمٍ اَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ عَلِيْظًا بَيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ۔ مسلم نے ام سلیم کی روایت سے یہ زیادتی کی کہ مرد کی منیٰ گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی منیٰ پتلی اور زرد ہوتی ہے یہ اصل حالت ہے یا یہ دھت باعتبار حال غالب کے ہے درنہ کبھی اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے کہ کمزور مرد کی منیٰ پتلی اور طاقت ور عورت کی سفید اور گاڑھی ہو۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کا غسل کرتے تو یوں شروع کرتے کہ پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر نازکے وضو کی طرح وضو کرتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے تو ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے پھر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالتے پھر اپنی کھال پر پانی بہاتے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأَ فَنَسَلَ بِكَفَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ يَدْخُلُ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيَحْلِلُ بِهَا أُصُولَ شَعْرِهِ ثُمَّ يُصِيبُ عَلَى رَأْسِهِ ثَلَاثَ غُرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيضُ الْمَاءَ عَلَى جِلْدِهِ كُلِّهِ۔

(متفق علیہ)

قَوْلُهُ بَدَاءٌ - اَيْ شَدَعَ : یعنی شروع فرماتے۔

قَوْلُهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ - اِی وَضوءاً کاملہً کہ کامل وضوء فرماتے۔

سوال - یہ ہے کہ یَتَوَضَّأُ فرماتا ہی کافی تھا کَمَا یَتَوَضَّأُ تشدید کے ساتھ

کہنا اس میں کیا اہم بات ہے ؟

جواب اول - اس تشدید میں اہم بات یہ ہے کہ غسل کے شروع میں وضوء کرنے

ہوئے سر کا مسح بھی کرتے تھے۔ یہ بات کہنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب بعد میں سر دھویا جائے گا تو مسح کس لیے ؟ اس لیے فرمایا کَمَا یَتَوَضَّأُ لِلْمُتَوَضِّئِ۔

جواب دوم - یہ ہے کہ جس طرح نماز کے لیے وضوء میں پاؤں بھی دھوئے جاتے ہیں

اسی طرح غسل سے پہلے وضوء کرتے ہوئے بھی پاؤں ساتھ ہی دھویا کرتے تھے۔

قَوْلُهُ اُصُولُ شَدَعَ - بانوں کی بخور، زلفوں والے آدمی کے لیے اب بھی سنت ہے کہ پہلے

زلفوں کا غلال کرے اور سر کو دھوئے۔ پھر تمام جسم کے ساتھ بھی سر پر پانی ڈالے۔

قَوْلُهُ فَيَغْسِلُ فَرْجَهُ - اس حدیث کی بناء پر صاحب بحر نے لکھا ہے کہ استنجاء غسل

میں مستون ہے قبل کا بھی اور دُر کا بھی اس پر نجاست لگی ہو یا نہ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عباسؓ

سے فرماتے ہیں فرمایا بی مسمونہؓ نے کہ میں نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غسل کا پانی رکھا پھر

میں نے آپ کو کپڑے سے آڑ کر دی اور اپنے

ہاتھوں پر پانی بہایا، پھر انہیں دھویا، پھر ہاتھوں

پر بہایا پھر انہیں دھویا، پھر رہائے ہاتھ سے

بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اور استنجاء کیا۔ الخ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَتْ

قَالَتْ مِمْمُونَةُ وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا

فَسَرَّوْنَهُ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلَى

بَدَنِهِ فَغَسَّلَهَا ثُمَّ صَبَّ بِمِئِينِهِ

عَلَى شِمَالِهِ فَنَسَلَ فَرْجَهُ إِلَى

رُفْقٍ عَلَيْهِ

قَوْلُهُ غُسْلًا : بعض کے نزدیک غَسَّلَ بِكُمُ الْغَيْنِ و سَكُنَ الْغَيْنِ ہے لیکن صحیح بضم الغین

ہے۔ کانسول اس سے مراد ”ھوالماء الذی یغسل بھ“ یعنی وہ پانی جس سے غسل کیا جائے

عند البعض غسلاً بالفتح پڑھا جائے تو یہاں پانی مراد ہوگا۔ اور اگر بالکسر پڑھا جائے تو وہ چیزیں مراد ہیں جن سے پانی کی صفت ظہارت میں مزید اضافہ ہوتا ہے مثلاً صابن، ورقۃ السدر یا خطمی وغیرہ۔

قوله فَاغْتَسِلْ بِثَوْبٍ - اگرچہ آپ تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے لیکن پھر بھی آپ چادر تان کر سامنے کھڑی ہو گئیں زیادتی ستر کے لیے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ تہبند باندھ کر آدمی غسل کرے۔

قوله وَأَخَذَ عَلَى جَسَدِهِ - (أَخَذَ رِیَای بہانا) میں نین قول ہیں۔

- ۱۔ پہلے سر پر تین چلو پانی دائیں طرف اور تین چلو بائیں طرف ڈالے جائیں۔
  - ۲۔ پہلے داہنے مونڈھے پر تین بار پانی ڈالا جائے، پھر سر پر اور اس کے بعد بائیں مونڈھے پر۔
  - ۳۔ پہلے داہنے مونڈھے پر اور پھر سارے بدن پر پانی بہایا جائے۔
- پہلی صورت احادیث کے موافق ہے۔ ابن ہمام، حلیؒ اور صاحب البحر والنور کے نزدیک غسل کی یہی صورت مختار ہے۔

قوله شَعْرًا تَمَتَّحِي - "أَي تَتَّجِدُ عَنْ الْمَكَانِ الَّذِي غَسَلَ فِيهِ"۔ یعنی جس مقام پر غسل فرمایا تھا وہاں سے ہٹ گئے۔

سوال۔ یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں مذکور ہے "شَعْرًا تَمَتَّحِي فَتَسَلَّ قَدَمَيْهِ"۔ یعنی غسل کے بعد غسل دانی جگہ سے ہٹ کر پاؤں دھوئے جب کہ ساتھی میں روایت عاکشہؒ ہے "شَعْرًا يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ" (شکوۃ ص ۸۸) اس کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے پہلے وضو کے ساتھ ہی پاؤں دھو لیا کرتے تھے۔ دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد ہے۔

جواب۔ کیفیت تطہیر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احیاناً غسل سے پہلے وضو کے ساتھ پاؤں دھو لیتے اور کبھی بعد میں لہذا تکمیل وضو بھی درست ہے اور تاخیر غسل رجحان بھی درست ہے۔

## غسل جنابت میں غسلِ رجلیں کو مؤثر کرنے کی شرعی حیثیت

غسل جنابت میں غسلِ قدین کو مؤثر کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے ہاں

دوسلک ہیں۔  
**مسئلہ اول**۔ امام نوویؒ شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول اُصح و اُشہر اولیت تکمیل وضو ہے نہ کہ تاخیر غسل تدین اسی طرح علامہ زرقانیؒ ماکئیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا مذہب تکمیل وضو ہے یعنی عدم تاخیر غسل تدین ہے۔ کذا فی الدر۔

**مسئلہ**۔ روایت عائشہ صدیقہؓ ہے جس سے تکمیل وضو ثابت ہے۔  
 ”شَقْرٌ يَتَوَضَّاءُ كَمَا يَتَوَضَّاءُ لِلصَّلَاةِ“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب الغسل)  
**مسئلہ دوم**۔ جمہور احناف حضرات کے ہاں مطلقاً غسل تدین ہے یعنی پاؤں کو علیحدہ جگہ پر دھو یا جائے۔

**مسئلہ**۔ روایت ابی بنی میرونہؓ ہے جس کے الفاظ ہیں ”شَقْرٌ تَتَخَيُّ فَنَسَلُ قَدْ خَبِيْه“  
 یقول ابوالاعلیٰ سعاد : اختلاف بالا جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ اولویت و عدم اولیت ہے اس لیے بعض متأخرین احناف جیسے علامہ ابن الہمامؒ ہیں تطہیق دینے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ہدایہ شریف ص ۱۱۱ کتاب الطہارت فصل الغسل میں تفصیلاً مذکور ہے کہ غسل خانہ ایسا ہے کہ اس سے ماء مستقل کی نکاسی نہیں ہوتی اور پاؤں اس میں ڈوبے رہتے ہیں۔ تو پھر بہتر یہی ہے کہ غسل تدین کو مؤخر کیا جائے۔ ابی بنی میرونہؓ کی روایت ”شَقْرٌ تَتَخَيُّ فَنَسَلُ قَدْ خَبِيْه“ کی مراد بھی یہی ہے اور اسی پر عمل ہے اور اگر غسل خانہ ایسا ہے کہ وہاں پانی نہیں ٹھہرتا اور اس کی نکاسی آسانی سے ہو جاتی ہے تو یہی بہتر ہے کہ پورا وضو کر لیا جائے اور غسل سے قبل رجليں بھی دھو لیے جائیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے مستفاد ہے کہ ”شَقْرٌ يَتَوَضَّاءُ كَمَا يَتَوَضَّاءُ لِلصَّلَاةِ“

**غسل جنابت سے قبل کے وضو میں مسح راس ہے یا نہیں؟**

یقول ابوالاعلیٰ سعاد : ابتداء غسل جنابت میں جو وضو کیا جاتا ہے آیا اس میں مسح راس ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں فقہاء کے ہاں دو مسلک ہیں :-

**مسئلہ اول**۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے یہاں غسل جنابت سے قبل کے وضو میں بھی

مسح راس ہے جس طرح باقی وضوء کے اندر ہوتا ہے۔

**مستدل**۔ روایت عائشہ صدیقہ ہے جس میں وارد ہے ”شُفَّ بِمِثْوَضَاءٍ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ“ اس لیے جہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

**مسئک دوم**۔ حسن بن زیاد کی امام صاحب سے ایک روایت یہ ہے کہ اس وضوء میں مسح راس نہیں ہے۔

**مستدل**۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عبداللہ بن عمر کی وہ روایت ہے جس میں ہے :-  
 ”حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ رَأْسَهُ لَمْ يَمْسَحْ وَأَفْرَغَ عَلَيْهِ الْمَاءَ رَسَائِي شَرِيفٌ ص ۶۲  
 کتاب الطہارت باب ترك مسح الرأس في الوضوء من الجنابة  
 اسی طرح ابی ہریرہ کی روایت میں بھی مسح راس کا ذکر نہیں ہے۔

## روایت بی بی میمونہ کا جواب

جہور علماء اہل سنت نے روایت بی بی میمونہ کے دو جواب دیے ہیں :-  
**جواب اول**۔ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ بیان جواز کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو (کذا قال السندی فی العاشیة)  
**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا ہی نہیں کیونکہ سر دھلتے ہی مسح بھی ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ فَنَسَأَ وَلَهُ ثَوْبًا۔ اس کی بحث مستدیل کے مسئلہ میں ہو چکی ہے۔  
 (کما فی مشکوٰۃ الشریف ص ۶۲ باب من الوضوء فصل ثانی روایت عائشہ)  
 قَوْلُهُ يَنْقُضُ بَكَ يَهُ ۱۰۱ یح کہنا یعنی جھٹکا ہاتھ جھٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عام طور پر طاقور اور محبت مند دو انا لوگ چلتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہیں اسی طرح آپ بھی اپنے ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے تشریف لے گئے۔ عند البعض ہاتھوں کا ہلانا ”لَا يَزَالُ الْمَاءُ الْمَسْتَعْمَلُ“ یعنی اعضاء مبارک پر جو مستعمل پانی تھا اس کو جھٹک رہے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ  
امْرَأَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ سَأَلَتْ  
النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ غُسِّلَهَا مِنَ الْمَجِضِ  
فَأَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ  
خُذِي فِرْصَةً مِّنْ تِلْكَ فَطَهِّرِي  
بِهَا كَيْفَ أَطَهَّرْتُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِي  
بِهَا قَالَتْ كَيْفَ أَطَهَّرْتُ بِهَا قَالَ  
سُبْحَانَ اللَّهِ تَطَهَّرِي بِهَا  
فَاجْتَدِي بِهَا أَلَى فَقُلْتُ لَهَا  
تَبَتَّنِي بِهَا أَشْرَ الْكَلَمِ : (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے کہ انصار کی ایک بی بی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے غسل کے متعلق پوچھا آپ نے انہیں بتایا کہ یوں غسل کریں پھر فرمایا کہ مشک کا ٹھکانے کر اس سے پاک کر دہیں اس سے کیسے پاکی کر دیں فرمایا اس سے پاکی کر دو۔ بولیں اس سے کیسے پاکی کر دیں فرمایا سبحان اللہ اس سے پاکی کر دو تو انہیں میں نے اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ خون کی جگہ ٹھکانا لگاؤ۔

قوله امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ : حدیث باب میں مطلقاً عورت کا ذکر ہے۔ لیکن امْرَأَةٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ سے مراد بی بی اسماء بنت ثعلبہ کی جیسا کہ ابوداؤد و شریف بیہ باب الاعتسال من الحيض کی روایت ہے :-  
” عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلْتُ اسْمَاءَ عَلَيَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

## اسماء کے رجال

آپ کا نام میمونہ بنت حارث ہلالیہ عامریہ ہے۔ پہلے آپ کا نام بڑہ تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نام تبدیل فرمایا۔ زمانہ

## بی بی میمونہ کے حالات

جاہلیت میں مسعود ابن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں اس کے بعد ابو رہم کے نکاح میں آئیں ان کے فوت ہو جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۳ھ میں عروہ قضاہ کے موقع پر مکہ معظمہ سے دس میلے دور مقام شرف میں آپ سے نکاح فرمایا۔ اللہ کی شانہ کہ سنا ہے میں نکاح کی جگہ ہی آپ کی وفات ہوئی۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیوی ہیں جن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔

قَوْلُهُ خِلَافِي فَرْجٍ صَسَةٍ - یعنی آپ نے فرمایا کہ حائضہ کو چاہیے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مزید نفاقت و طہارت حاصل کرے۔

فائدہ - فَرْجِ صَسَةٍ کی فار میں تینوں حرکات پڑھی گئی ہیں اس کے معنی ہیں روئی یا اون کا قطعہ یعنی پجایہ یہاں پر اس سے مراد مُشک آلود پجایہ ہے۔ چنانچہ ابو داؤد و شریف ص ۱۱۱ باب الاغتسال مِنَ الْخَيْضِ کی روایت کے الفاظ ہیں ”فَرْجِ صَسَةٍ مُسْتَكِدَّةٍ“ لیکن مشکوٰۃ شریف حوالہ بالا کی روایت میں مِنْ مُسْتَكِدَّةٍ ہے اس کا مطلب ہے کہ کسی پجایہ پر مُشک لگا کر رات کو کریمہ زائل کرنے کے لیے اس کو اپنی فرج میں رکھ۔ عند البعض یہ بھی مراد ہے کہ فرج کے علاوہ جہاں جہاں خون کا اثر ہو وہاں اس کو لگا کر پھر فرج میں رکھ۔ چنانچہ روایت مذکور کے آخری الفاظ ہیں ”تَبْنِيْنِي بِهَا اَنْزَلَهُمْ“ بعض حضرات نے اس کو مُسْك بفتح المیم پڑھا ہے۔ اور مُسْك چڑے کو کہتے ہیں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مُشک تو بڑی گراں چیز ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ عام حالات میں عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے لہذا مطلب یہ ہے کہ چڑے کا ٹکڑا لے کر بدن کے جس حصہ پر خون کا اثر ہو اس سے رگڑ دے۔ لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بکسر المیم مرکب زیادہ صحیح ہے۔ اور عسرت و حاجت والی بات غیر صحیح ہے۔ عرب لوگ بڑے فراخ دل تھے خوش بوزیادہ استعمال کرتے تھے۔

سوال - استعمال مُشک میں حکمت کیا ہے؟

جواب - اس میں دو قول ہیں :-

اَوَّلُ - عند البعض رات کو کریمہ کے ازالہ کے لیے۔

دَوِّمُ - مُشک کا استعمال فرج میں اَنْزَعِ اِلَى الْجَمَلِ ہے یعنی اس سے استقرار حمل جلد ہو جاتا ہے۔

قَوْلُهُ قَالَتْ كَيْفَ اَنْظَرُ بِهَا - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا کہ اس پجایہ سے پاکی حاصل کرو تو نبی بنی حیران ہوئی کہ کہاں کے ٹکڑے سے کس طرح طہارت حاصل کروں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لطافت و حیار کو مد نظر رکھ کر اشاروں میں مسئلہ سمجھا رہے تھے۔ بلکہ عائشہ صدیقہؓ جس کو روزمرہ ان مسائل سے واسطہ پڑا رہتا تھا اپنی طرف کیجھ کر سمجھایا کہ فرج کے منہ پر رکھنا پھر اسے مسئلہ کچھ آیا۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ  
قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَمْرٌ  
أَشَدُّ ضَعْفًا أَسَىٰ أَفَا نَقُضُهُ  
لِنَسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا إِلَهَ  
بِكَفِّكَ إِلَّا تَحِيَّتِي عَلَىٰ رَأْسِكَ  
ثَلَاثَ حَشَيَاتٍ ثُمَّ تَقْفِيضَيْنِ  
عَلَيْكَ الْمَاءَ فَطَهَّرَيْنِ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت ام سلمہ  
سے فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ  
میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کے بال گوندھتی  
ہوں تو کیا جنابت کے غسل کے لیے انہیں  
کھولا کروں فرمایا نہیں تمہیں بھی کافی ہے کہ  
اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال دیا کرو۔ پھر اپنے  
اوپر پانی بہا لیا کرو تو پاک ہو جاؤ گی۔

(رواہ مسلم)

قوله اشَدُّ ضَعْفًا سببی۔ ضَعْفٌ میں دو لغتیں ہیں اول علامہ ابن بزی نے بضم الضاد والفاء  
» ضَعْفٌ « علی وزن صُفْن کو صحیح قرار دیا ہے اور ضغیرہ کی جمع ہے۔ دوم متعقین نے اسے  
بفتح الضاد و سکون الفاء » ضَعْفٌ ضِعْبٌ « صحیح قول بھی ہے۔ ضَعْفٌ مفرد کے معنی  
میں ہے بمعنی » الشَّعْرُ الْمَفْتُولُ « یعنی بٹے ہوئے بال۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم میری عادت یہ ہے کہ اپنے سر کے بال کس کر باندھتی ہوں (دوسرا رنگی مسند تھیں) کیا  
غسل جنابت کے وقت ان کو کھولوں۔

قوله فَقَالَ لَا - ای لَا تَقْفِيضَيْنِ یعنی نہ کھول یا بمعنی لَا يَلْزِمُكَ نَقْضُهُ کہ ان بالوں کا

کھولنا ضروری نہیں۔

قوله أَنَّ تَحِيَّتِي - بکسر الهمزة و سکون الیاء بمعنی ای تَصَبُّتِي یعنی ڈال۔

قوله حَشَيَاتٍ - ای کفیات بمعنی تین چلو پانی، اس حدیث پاک میں ثلاث کی جو تفسیر  
آئی ہے وہ ایجاب کے لیے نہیں یعنی یہ ضروری نہیں کہ سر پر تین چلو پانی ڈالنے کو لازم قرار دیا جائے  
بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ بالوں کو ٹکڑا جائے اگر یہ مقصود ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ڈالنے سے حاصل  
ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔



## کیا غسلِ جنابت میں عورت کیلئے تقصیر ضفائر واجب ہے؟

عورت کے بال اگر مضفور یعنی بٹے ہوئے ہوں تو کیا غسلِ جنابت کے وقت ان کو کھولنا ضروری ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک مطلقاً عورت کے لیے تقصیر ضفائر واجب ہے۔ یعنی بہر صورت اپنی مینڈھیں کو کھولے۔ حافظ ابن القیمؒ تہذیب سنن ابی داؤد شریف ص ۱۶۶ میں لکھتے ہیں کہ یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے وہوالتصحیح

**مستدل اول**۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر ہے۔

« اِنَّهُ يَأْمُرُ النِّسَاءَ اِذَا اغْتَسَلْنَ اَنْ يَنْقُضْنَ رُءُوسَهُنَّ » (صحیح مسلم ص ۱۵)

باب حکمِ ضفائرِ المفصلة

**مستدل دوم**۔ بخاری شریف ص ۱۵۱ کتاب الحيض باب نقض المرأة شعرها عند غسل الحيض میں روایت ہے۔ حضرت بنی عائشہؓ کو آیامِ حج میں ماہواری شروع ہوئی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا « انقصی شعركِ وامتشطی واغسلی » اپنے بالوں کو کھول اور لنگھا کر ادر غسل کر۔

**مستدل سوم**۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے « ان تحت كل شعرة جنابة » (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱ فصل ثانی باب الفصل) کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے تو حیب تک ان کو کھول کر نہیں دھوئیں گے تو جنابت ختم نہیں ہوگی۔

**مسلک دوم**۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ غسلِ جنابت ہر یا حیض و نفاس کا غسل عورت کیلئے مینڈھیاں کھولنی ضروری نہیں جب کہ بالوں کی جڑوں میں خوب پانی پہنچ جائے اور وہ نہ ہو جائیں۔

**مستدل اول**۔ حدیث الباب ہے حوالہ بالا جس میں نہ کھولنے کا حکم ہے۔

**مستدل دوم**۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔

« عن عائشةؓ كانت احدا اذا اصابها جنابة اخذت

ثلاث حفنات فتصب علی رأسها » (ابوداؤد شریف ص ۲۶) یا سب

فالمؤلة هل تنقض شعرها عند الغسل -

سوال - روایت عائشہؓ پر نظر ہر اشکال ہے کہ اس میں صرف تین مرتبہ پانی بہا دینے کا حکم ہے اصول شعر تک پانی پہنچانے کا ذکر نہیں حالانکہ یہ سب کے نزدیک ضروری ہے۔

جواب - اس روایت میں اجمال ہے اور دوسری روایت میں تفصیل ہے جو کہ صحیح مسلم ج ۱۵ باب حکم منقار المغسلہ میں بی بی عائشہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں ”شعر نصبت علی رأی سہا فتد لکھا حتی یبلغ ششون ما سہا“ اور لفظ ششون کے معنی اصول و ہرط کے ہیں۔

## ابراہیم نخعی و من وافقہ کے مستدلّات کے جوابات

ابراہیم نخعیؒ نے غسن جنابت میں صفر کو کھولنے پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اثر سے دلیل پکڑی تھی اس کا جواب اول یہ ہے کہ اثر ابن عمرؓ میں کئی احتمالات ہیں اور قانون ہے ”اذا اجاء الاحتمال بطل الاستدلال“

۱۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا عورتوں کو غسل کے لیے نقض منقار کا حکم دینا اس صورت پر محمول ہے کہ جب اصول شعر تک پانی نہ پہنچا ہو۔

۲۔ یا یہ احتمال ہے کہ یہ ان کا مذہب تھا اور حضرت ائمہ سلمہؓ کی روایت ان تک نہ پہنچی ہو۔

۳۔ یا یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ حکم علی سبیل الوجوب نہ تھا بلکہ استحباً یا احتیاطاً نقض منقار کا حکم دیتے ہوں۔

حضرت ابن عمرؓ کا اثر ہے جو بمقابلہ قول نبی کریم ﷺ علیہ السلام ہے فلا حرج علیہ

جس میں بی بی عائشہؓ کو نقض منقار کا حکم ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نقض منقار کا حکم استحباب پر محمول ہے تاکہ بی بی اُم سلمہؓ کی روایت سے اس کا تعارض نہ ہو۔

**جواب دوم** | امیر یافعی سبیل السلام رحمۃ اللہ علیہ میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ”انقضی شعرتک“ حج سے واپس پر فرمایا اور اس وقت مرث تطہیر ہی مقصود نہ تھی بلکہ تنطیف بھی مقصود تھی لہذا انقضی شعر کا حکم تنطیف پر محمول ہے کیونکہ نبی ہی عائشہؓ بدستور اپنے مرض میں رہیں۔

”تحت کل شعرة جنابت“ والی روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

”قال ابو داؤد الحارث بن وجیہ حدیثہ منکرۃ وھو ضعیف“  
 کہ یہ روایت حارث بن وجیہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مزید اس کی تفصیل اسی حدیث کے تحت جو آگے آرہی ہے ہوگی۔

## فستوی برائے گیسوئے رجال

فقہائے نے لکھا ہے کہ اگر مردوں کے بال ہوں جیسے علوی ترکی وغیرہ تران کو ان کے سر کی مینڈھیاں یعنی گیسوئے دراز کا کھولنا ضروری ہے تاکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے۔  
 ”و یجب علی الرجل نقضھا“ (شرح نقیہ) کتاب الطہارت فرائض فصل جنابت نیز اس فتویٰ کی مراعات ناہید حدیث پاک سے بھی ثابت ہے:-

”ان ثوبان حدّ ثھوا ھما استغتوا التبتی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک فقال اما الرجل فلیتفرّأ سہ فلیغسل فلیغسلہ حتی یشبع اصول الشعر واما المرأة فلا علیھا ان لا تتغضض لتغترف علی رأسھا ثلاث غرغرات یغفھا۔“ ابو داؤد شریف رحمۃ اللہ علیہ باب فی المرأة هل تنقض شعرھا عند الغسل

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورتیں عند الغسل بال نہ کھولیں اور مرد بال کھولیں کیونکہ مردوں کیلئے سر کے بال رکھنا شرعاً کوئی ضروری نہیں جب کہ عورتوں کے لیے ضروری ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مَدَّ سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع پانچ مَد تک غسل فرماتے تھے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمَدِّ وَيَنْسِلُ بِالصَّاعِ إِلَى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ، رَمَثْنِ عَلَيْهِ

قوله الْمَدُّ - مَدَّ ایک پیانہ کا نام ہے جس میں تقریباً ایک سیر اناج آتا ہے۔

قوله الصَّاع - صاع بھی ایک پیانہ ہے جس میں تقریباً چار مَد یعنی چار سیر کے قریب اناج آتا ہے یہاں مَد اور صاع سے پیانہ مراد نہیں بلکہ وزن مراد ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ایک سیر پانی سے وضو اور چار سیر یا زیادہ سے زیادہ پانچ سیر پانی سے غسل فرماتے تھے۔

يقول ابو الاسود : وضوء با غسل کے لیے جو پانی استعمال کیا جاتا ہے اس کی مقدار میں شرعاً کوئی ایسی تحدید یا تعین نہیں ہے کہ

## فائدہ

جس پر زیارت یا نقصان ممنوع ہو۔ اگر کوئی ایسا معیار مقرر کر دیا جاتا تو امت مشقت میں پڑ جاتی اور حرج عظیم لازم آتا۔ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ رِبًّا

اس لیے موسم سرما و گرما کے اعتبار سے بھی فرق ہوتا ہے۔ ملک، ملک، انسان، انسان یہاں تک کہ طریقہ استعمال میں بھی فرق ہوتا ہے اس لیے شریعت مقدسہ نے استعمالِ ہمار میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ شریعت مقدسہ کا یہ حکم ہے کہ جتنا پانی غسل میں تمام بدن کو تر کرنے کے لیے اور وضو میں اعضاء وضو کو تر کرنے کے لیے کافی ہو۔ اسرار سے بچتے ہوئے اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کیا جائے کیونکہ ضرورت سے زائد پانی استعمال کرنا اسرار ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت یہ تھی کہ ایک مَد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے لہذا اگر اتباع سنت کی نیت سے کوئی آدمی اتنی مقدار سے وضو اور غسل کرے تو بخانی از قلوب نیت۔

## مَد اور صاع کے وزن کی تحقیق

حضرات ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک صاع چار مَد کے برابر ہوتا ہے لیکن

من عیث الوزن مقدارِ مُد میں اختلاف ہے کہ مُد کی مقدار اور اس کا وزن کیا ہے اس بارہ میں دو مسلک ہیں :-

**مسئلہ اول** ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک مُد ایک رطل و ثلث رطل کا ہوتا ہے یعنی ایک صاع ایک بڑ تین (۱ ۲/۳) رطل کا ہوتا ہے۔ لہذا صاع اس حساب سے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا یعنی پانچ صاع ایک بڑ تین (۱ ۲/۳) رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اس صاع کو صاع حجازی بھی کہتے ہیں۔

**مسئلہ دوم** ان کا استدلال امام ابو یوسفؒ کا تقہ ہے *راخرجه البیہقی* جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے کہ امام ابو یوسفؒ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اہل مدینہ سے مقدارِ صاع کی تحقیق فرمائی اور اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ”صَاعُنا صَاعُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم“ یعنی ہمارے پاس جو صاع ہے یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے پوچھا ”مَکَا حِجَّتْکُمْ فِیْہِ“ کہ اس بارے میں تمہاری دلیل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ”نَأْتِیْکَ بِالْحِجَّةِ عَذًّا“ یعنی دلیل ہم آئینہ کل پیش کریں گے۔ چنانچہ دوسرے دن ان کی خدمت میں آئے مکہ مہاجرین میں سے بچاؤ شیعہ ہر ایک اپنے ساتھ صاع کو لے کر حاضر ہوئے۔

”وَهُوَ یَخْبِرُ عَنْ اَبِیْہِ اَوْ عَنْ اَخِیْہِ اِنَّ هَٰذَا صَاعُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم“ یعنی ان میں سے ہر ایک یہ خبر دے رہا تھا کوئی اپنے والد کے حوالہ سے اور اپنے چچا کے حوالہ سے کوئی اپنی ماں کے حوالہ سے کہ یہی صاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع تھا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے اس کو ناپا تو وہ پانچ رطل اور ثلث رطل تھا۔ اس پر امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ کا قول رجو مسلک دوم میں مذکور ہوگا) ترک کر دیا رکھنا فی التعلیق الصبیح ص ۱۱۹

**مسئلہ دوم** ابوداؤد شریف ص ۳۳ باب فی مقدار الماء الذی یجری بہ الغسل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرق (جو ایک بڑے پیمانہ کا نام ہے) ساری ہوتا ہے تین صاع کے اور یہ بات پہلے سے مشہور ہے کہ ایک فرق ستر رطل کا ہوتا ہے :-

”عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کَانَ یَغْتَسِلُ مِنْ اَنَاءٍ هُوَ الْفَرْقُ مِنْ الْجَنَابِلَةِ۔۔۔ قَالَ ابوداؤدُ سَمِعْتُ

احمد بن حنبل بقول الفریق ستہ عشر، طلاء  
لہذا سولہ کو تین پر تقسیم کریں گے تو پانچ اور تین ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ صاع پانچ رطل اور تین رطل کا ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مد کی مقدار دو رطل ہے لہذا  
صاع آٹھ رطل کا ہوگا۔ اہل عراق کا بھی یہی مسلک ہے اس کو صاع عراقی  
بھی کہتے ہیں اور صاع عراقی صاع حجازی بھی کہلاتا ہے۔ اس لیے کہ منقول ہے کہ بید صاع عمری مفقود  
ہو گیا تھا تو حجاز بن یوسف نے اس کا پتہ لگایا تھا وہ اس کا اہل عراق پر احسان بھی جنڈا یا کرتا تھا اور  
اپنے خطبہ میں کہا کرتا تھا:-

« يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ يَا أَهْلَ الشَّعْبِ وَالْغَنَاءُ وَالْفَقْرُ وَالْمَسَاوِي وَالْأَخْلَاقُ  
الْمَوَاحِدُ لَكُمْ صَاعٌ عَصَدٌ » (کنز الدین)

ظاہر ہے کہ صاع عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے مطابق ہوگا۔

مستدل اول۔ روایت حضرت انسؓ ہے:-

« كَانَ الشَّيْبُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِأَنَاءٍ يَسْعُ رَطْلَيْنِ  
وَيَفْتَسِلُ بِالْأَصْبَعِ » (ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ باب مَا يَغْزِي مِنَ الْمَاءِ)  
ان شاء حدیث واضح طور پر دال بر مسلک طرفین ہے۔

مستدل دوم۔ امام نسائی نے اپنی کتاب سنن النسائی ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب  
ذکر قدر الذي يكسفي به الرجل من الماء للفصل کے تحت حضرت موسیٰؑ الجتنی سے  
روایت نقل کی ہے:-

« قَالَ ابْنُ مَجَازٍ بِقَدْحِ حِزْرِ ثَمَانِيَةِ أَرْطَالٍ فَقَالَ  
حَدَّثَنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ  
يَفْتَسِلُ مِثْلَ هَذَا »

موسیٰ الجتنی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت مجاہدؒ کے پاس ایک قدح (پالہ) لایا  
گیا میں نے اس کا اندازہ لگایا تو وہ آٹھ رطل تھا۔ مجاہدؒ کہنے لگے کہ مجھ سے بڑی عائشہؓ نے  
بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غسل فرماتے تھے۔

اس روایت میں واضح ہے کہ ایک صاع کی مقدار آٹھ رطل ہے۔ اور بھی روایات ہیں جن کا ذکر طوالت کی وجہ سے ترک کیا جا رہا ہے۔ بہر حال ان روایات بالا سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مُردودِ لُکین اور صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

## امام ابو یوسفؒ کے واقعہ سے استدلال کے جوابات

**جواب اول** اہل حجاز نے جو قاضی امام ابو یوسفؒ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے اس کا جواب اول یہ ہے کہ یہ واقعہ غلط ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ نے فتح القدیر ص ۱۳ میں اس پر روایت و نظر اشکال پیش کیا کہ یہ واقعہ سنداً ضعیف اور غلط ہے چند روایات سے۔ اولاً؛ امام محمدؒ، قاضی امام ابو یوسفؒ کے خصوصی شاگرد ہیں۔ وہ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتے، اور نہ قاضی ابو یوسفؒ کا اختلاف بیان کرتے ہیں حالانکہ ان کی عادت ہے کہ جہاں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہوتا ہے ضرور بیان کرتے ہیں اگر واقعہ صحیح ہوتا تو امام محمدؒ جیسے شخص پر مخفی نہ رہتا اور نہ امام ابو یوسفؒ ان کو بیان نہ کر کے خارج مذہب لوگوں کے سامنے بیان کرتے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ جعلی ہے۔

ثانیاً؛ یہ واقعہ مجاہیل پر مشتمل ہے "خمسون شیخاً من ابناء المهاجرین والانصار" کون تھے؟ یہ بالکل مجہول ہیں لہذا ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ ثالثاً؛ اگر امام قاضی ابو یوسفؒ کا واقعہ درست ہی ثابت ہو جائے تب ہی ایک تحفہ اور اعزاز ہے۔ جو ایک مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کیسے بخت ہو سکتا ہے۔ لہذا امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں طرفین ہی کے ساتھ ہیں۔

**جواب دوم** بعض فقہاء حضرات فرماتے ہیں کہ اصل میں دونوں قسم کے صاع تھے ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسہ (برتن) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ پس ایک کو اہل حجاز نے لے لیا اور ایک کو اہل عراق نے۔ لہذا اتنی لمبی بحث کی ضرورت نہیں (کذا فی الدرر)۔

یہ بات یقینی نہیں کہ ایک فرق ستر رطل کے برابر ہوتا ہے  
اور نہ کسی حدیث سے ثابت ہے۔ ہاں بعض

## مستدل دوم کا جواب

اہل لفت کے قول سے یہ بات ثابت ہے۔ تو عرض ہے کہ اہل لفت کا قول اگر احناف پر حجت نہیں ہے  
”لَا تَهْوِ قُدُوهُ فِي الْقَضَاءِ يَضًا“ نیز یہ کہنا کہ فرق تین صاع کے مساوی ہے یہ راوی کا استنباط  
ہے چونکہ راوی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ تین صاع ایک فرق کے برابر ہوتا ہے تو اس نے روایت  
بالمعنی کرتے ہوئے بجائے صاع کے لفظ فرق کو ذکر کر دیا۔

قَوْلُهُ اِلَى خَصْمَةِ امْدَاد: حدیث پاک کا یہ جملہ احناف کے خلاف نہیں کیونکہ یہ  
تیسرین رالوضوع من العذ والغسل من الصراح۔) کلی نہیں بلکہ اکثری ہے کہیں اس کے  
خلاف بھی آپ سے وضو و غسل ثابت ہے یا بیان جواز پر محمول ہے۔

ترجمہ ۱: روایت ہے حضرت معاذہؓ  
سے فرماتی ہیں فرمایا حضرت عائشہؓ نے کہ میں  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے  
غسل کرتے تھے جو میرے اور آپ کے درمیان  
ہوتا۔ پس آپ جلدی کوستے مجھ پر حتیٰ کہ میں  
کہتی کہ میرے لیے بھی چھوڑیے۔ فرماتی ہیں  
کہ وہ دونوں جنابت میں ہوتے۔ (مسلم بخاری)

وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ قَالَتْ  
عَائِشَةُ كُنْتُ أَعْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ  
أَنَاءٍ وَاحِدٍ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَيَبَايِعَانِي  
حَتَّى أَقُولَ دَعْنِي دَعْنِي قَالَتْ  
وَهُمَا جُنُبَانِ - رَمَتْهُمَا عَلَيْهِ

قَوْلُهُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ - لفظ رسول پر دو اعراب ہیں رفع، نصب۔ اگر رفع پر تھیں  
تو غلط آنا پر ہوگا، اگر منصوب پر تھیں تو مفعول معاذہ بنے گا۔

قَوْلُهُ فَيَبَايِعَانِي - ای یسبقنی لا یخذ الماء - یعنی پانی لینے کے لیے مجھ سے  
جلدی کرتے تھے۔ علامہ اشرف شامی مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ جلدی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے نہانے سے پہلے تھوڑے سے پانی سے نہا لیتے تھے اور فقیر پانی  
چھوڑ دیتے تھے جس سے حضرت عائشہؓ نہا تیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانی کا برتن



دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا اور دونوں اکٹھے اس سے نہلتے تھے۔

قَوْلُهُ كَذَّيْنِ كَذَّيْنِ - یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔

علامہ حافظ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اتفاق ہے اس

**فقہی مسئلہ**

بات پر کہ محدث، مجنب، عائضہ کے ہاتھ پاک ہوں اور وہ پانی کے برتن میں چلو بھرنے کے لیے ہاتھ ڈالیں تو پانی مستعمل یعنی ناقابل استعمال نہیں ہوتا کیونکہ برتن سے پانی نکالنے کے لیے وہ اس طریقہ کے محتاج ہیں اس کے برخلاف مجنب پانی کے برتن میں اپنا پاؤں یا سر داخل کرے تو پھر پانی ناقابل استعمال ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں اسے کوئی مجبوری نہیں ہے اور نہ ہی اس طریقہ کی ضرورت ہے۔

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ٹری پاؤں اور خواب یاد نہ ہو۔ فرمایا غسل کرے اور اس کے بارے میں پوچھا گیا جو خیال کرے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور ٹری نہ پاؤں فرمایا اس پر غسل نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلْلَ وَلَا يَذْكُرُ احْتِلَامًا مَا قَالَ يَنْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِي يَرَى أَنَّكَ قَدْ احْتَسَلْتَ وَلَا يَجِدُ بَلًّا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ - البخاري (رواه الترمذي)

قَوْلُهُ الْبَلْلُ - بلكہ بکسر لباء اور بَلْلٌ بفتح الباء بمعنی ٹری یعنی آدمی سو کر اٹھے اور اپنے کپڑے پر ٹری پائے تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں۔ اور ٹری سے مراد جمہور علماء کے نزدیک معنی کی ٹری مراد ہے۔ جب کہ بعض علماء جیسے شبلیؒ اور ابراہیم معنی کے نزدیک حدیث میں بَلل سے مطلق ٹری مراد ہے لیکن یہ شاذ ہے۔

## خُلاصَةُ الْحَدِيثِ

اس حدیث شریف میں دو سوالوں کا جواب مذکور ہے۔

**سوال اول۔** یہ کہ کوئی شخص سونے کے بعد اپنے بستر یا ران پر یا کپڑے پر ٹری دیکتا ہے لیکن اس کو کوئی خواب یا احتلام یاد نہیں یہ شخص غسل کرے یا نہ؟

**جواب۔** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یُغْتَسِلُ یعنی اسے غسل کرنا چاہیے۔

**سوال دوم۔** دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص کو خواب و احتلام یاد ہے لیکن بیدار ہوتا ہے تو کوئی ٹری نظر نہیں آتی۔ اس کے بارہ میں غسل کا کیا حکم ہے؟

**جواب۔** یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا غسل علیہ اس پر غسل ضروری نہیں۔

## سوال اول یا صورت اول کی وضاحت

يقول البوالاسعاد - سوال اول جس کو آپ صورت اول کا نام بھی دے سکتے ہیں کہ بیدار ہونے کے بعد کپڑوں پر ٹری نظر آئے لیکن احتلام یا خواب یاد نہ ہو تو اس میں تفصیل اور تھڑا سا اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس مسئلہ کی چودہ صورتیں لکھی ہیں:-

واعلم ان هذه المسئلة على اربعة عشر وجهًا لا شك

ان تعلموا هذه مسئلة او صدق او ودي الغرر المختار

جب کہ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق ص ۵۵ میں اس کو بارہ صورتوں میں تقصید کیا ہے۔ لیکن امام علیؒ نے صاحب بحر کے کلام سے استفادہ کرتے ہوئے دو صورتیں بڑھا کر علامہ شامیؒ کی موافقت کی ہے۔

- ① یقین منی یعنی ٹری کے منی ہونے کا یقین ہو ⑤ یقین نذی۔ نذی ہونے کا یقین ہو۔
  - ② یقین وری، وری ہونے کا یقین ہو ⑥ اولین میں شک ہو ⑤ آخرین میں شک ہو۔
  - ③ یقین میں شک ہو ④ پھر ان میں سے ہر ایک صورت میں احتلام یا دم مومگا یا نہیں ہو گا۔
- اس طرح کل چودہ صورتیں ہوتی ہیں۔

## مندرجہ ذیل سات صورتوں میں غسل واجب ہے

- ① منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② منی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔
- ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو۔ اور نیز ④ ناسات شک کی چار صورتیں جب کہ خواب یاد ہو۔

## مندرجہ ذیل چار صورتوں میں غسل بالالتفاق واجب نہیں

- ① دودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد ہو ② دودی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔
- ③ مذی ہونے کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو ④ مذی اور دودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

## مندرجہ ذیل صورتوں میں اختلاف

- ① منی اور مذی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ② منی اور دودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو ③ تینوں میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔
- ان صورتوں میں طرفین کے نزدیک اعتقاداً غسل واجب ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں (للتشک فی وجود الموجب)

طرفین حدیث باب کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اس کو ان سات صورتوں پر محمول کرتے ہیں جو ان کے نزدیک موجب غسل ہیں فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔

یقول ابو الوفاء سعاد - یہ تفصیل بالا مذہب احناف میں ہے۔ شافعیہ کے نزدیک کل تین صورتیں ہیں - ۱۔ یقین منی - ۲۔ یقین غیر منی - ۳۔ احتمال منی۔ پہلی دو صورتوں کا حکم ظاہر ہے اور تیسری صورت میں ان کے یہاں اختیار ہے غسل اور عدم غسل میں اور اسی طرح حنابلہ کے یہاں ہے لیکن وہ شک اور احتمال کی صورت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر قبل النوم خروج مذی کے اسباب میں سے کوئی سبب پایا گیا ہو۔ تب تو غسل واجب نہیں اور اگر خروج مذی کا سبب نہ پایا گیا

ہو تو غسل واجب ہے اور پاکیزہ کے یہاں احتمال مٹی کے سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر شک ہو مٹی اور بانی دو (مٹی اور روٹی) میں سے کسی ایک میں تب تو غسل واجب ہے اور اگر شک ایک ساتھ تینوں میں ہو تو اب چونکہ احتمال مٹی ضعیف ہو گیا اس لیے غسل واجب نہ ہوگا اگر ثلاث کے مذہب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ان تذکرہ اختلام اور عدم تذکرہ اختلام کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔  
(المنہل ص ۳۲۵ باب فی التجل بجد البلۃ فی مناسیہ)

سوال۔ یہ ہے کہ اگر مرد و عورت ایک ہی بستر پر اکٹھے سوئے جب وہ سو کر اٹھے تو انہوں نے بستر پر مٹی کی تری محسوس کی۔ لیکن ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہ کس کی مٹی کی تری ہے۔ تو اس صورت میں دونوں میں سے کس پر غسل واجب ہوگا؟

جواب۔ یہ ہے کہ اس شکل میں دیکھا جائے گا کہ مٹی کا رنگ کیا ہے اگر وہ سفید ہو تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ مرد کی ہے لہذا مرد پر غسل واجب ہوگا۔ اور اگر رنگ زرد ہے تو پھر غسل عورت پر واجب ہوگا۔ ”کَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ بِرَوَايَةِ اِمِّ سُلَيْمٍ۔  
” اَنَّ مَاءَ التَّجْلِ غَلِيظٌ اَبْيَضٌ وَمَاءُ الْمَرْءِ رَافِقٌ اَصْفَرٌ “

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۱ باب الغسل)

قبولہ اَنَّ النِّسَاءَ شَفَاقُ الرِّجَالِ : اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ اول : شفاق سے مراد یہ ہے کہ عورتیں خلقت اور طبائع میں مردوں کے نظائر ہیں۔  
” اِی نَظَائِرُهُمْ وَاَمَثَالُهُمْ فِی الْاَخْلَاقِ وَالتَّطَبَّاعِ (صرفۃ ص ۲۶)

اس سے مقصد یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے مماثل اور مشابہ ہیں یعنی مردوں کی طرح عورتوں کو بھی احتمال ہوتا ہے اگرچہ مردوں کی نسبت عورتوں میں اختلام بوجہ ان کی طبعی برودت کے کم واقع ہوتا ہے۔

دوم : شقاق الرجال کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ نساء رجال سے مشتق ہیں اور رجال کا جزو ہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں تنہائی میں رشت ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے بنی بی حزار کو پیدا فرمایا تاکہ رجال و نساء کا تعلق جزو و کل کا رہے۔ تو مقتضائے حدیث عورتیں مردوں سے مشتق ہوئیں تو جو احکام مشتق منہ کے ہیں مشتق کے لیے بھی وہی ہونے چاہئیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ  
وَجَبَّ الْغُسْلُ فَعَلْتُهُ أَنَا وَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَأَغْتَسَلْنَا - (رداء الزردی)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے  
فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب ختنہ ختنے میں غائب ہو  
جائے تو غسل واجب ہے۔ میں نے  
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل  
کیا تو ہم نے غسل کیا۔

قوله الْخِتَانُ - ختان اول سے مراد موضع الاغتتان من الرجل ہے۔  
اور ختان ثانی سے مراد موضع الاغتتان من المرأة ہے۔ عورت کی شرمگاہ پر مرغ کی  
کلنی کی طرح ابھرا ہوا ایک حصہ ہوتا ہے۔

عورت کے لیے ختان کے بجائے عربی میں خفاف کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ مردوں کا  
ختنہ کرنے والے کو خاتن اور عورتوں کا ختنہ کرنے والی کو خافضہ کہتے ہیں۔

» وكانت العرب تختن المرأة وتعتها مكرمة لها تكون  
الجماع بالمختونة الذي رفته القديرة (۵۵)

التقاع ختائیں سے لغوی معنی مراد نہیں بلکہ غلیبیت حشفہ ہے۔

قوله أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اُمّ المؤمنینؓ نے اپنے  
فعل کا ذکر اظہار یقین کے لیے کیا یعنی یہ مسئلہ سنا سنا یا نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی موجودگی میں اس پر عمل کر کے تجربہ کر چکی ہوں اور اس کی ضرورت اس لیے پیش  
آئی کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا کما حقہ ضرورت کے موقع پر قرآن نے

بھی ایسی چیزوں کی تشریح فرمائی ہے فرماتا ہے "يَفْرُوْهُ جَمِيْعًا يَنْظُوْنَ" (پٹ) وَفِي مَقْلَعٍ  
 "اٰخَر" بَعْدَ ذٰلِكَ رَاَ رَسِيْمًا (پٹ) وغیرہ۔ لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ حدیث مذکور  
 دلیل جہور ہے کہ موجب غسل جنابت دخول ہے انزال نہیں۔ اس کی بحث حدیث الْمَاءِ مِمَّنْ  
 الْمَاءِ میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَأَغْسِلُوا  
 الشَّعْرَ وَأَنْقَسُوا الْبَشْرَةَ (مسند ابی ہریرہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہ  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے کہ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے لہذا  
 بال دھو کر اور کھال صاف کر دو۔

قوله تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ۔ اس حدیث کی بناء پر اجماع ہے کہ غسل میں  
 ایصال الماء الی سائر البدن فرض ہے لیکن اس حدیث پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس کا راوی حارث  
 بن دجید ضعیف ہے۔ جیسا کہ صاحب کتاب فرما رہے ہیں بحوالہ ترمذی شریف "وقال الترمذی  
 هذا حديثٌ ضعيفٌ والحارث بنٌ وَجِيهٌ الْوَدِيُّ وَهُوَ شَيْخٌ يَسِيْرٌ بِذَلِكَ مگر حدیث اپنے ضعف کے ہوتے  
 ہوئے بھی مقبول ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ "وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَأَطْفِئُوا" (پٹ) کی آیت  
 مبارکہ اس کی تائید کرتی ہے۔ نیز یہی مضمون حدیث حضرت علی سے بھی منقول ہے۔ کھانا  
 سَیِّئًا رَوَيْنَا عَنْ تَرْوَلٍ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فَقُلَّ بِهَا كَذَا وَكَذَا (الغز)  
 (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ حوالہ بالا)

قوله وَأَنْقَسُوا الْبَشْرَةَ۔ أَنْقَسُوا بِمَعْنَى نَظَّفُوا یعنی صاف کر دو۔ الْبَشْرَةُ بِمَعْنَى  
 بَشَرَتِي ظاہر جلد انسانی۔ انسانی چمڑے کا ظاہر۔ مقصد اس جملہ کا یہ ہے کہ اگر بدن پر کوئی ایسی چیز  
 لگی ہے جس سے ظاہر چمڑا مستور ہے تو اس کو دور کر کے چمڑے کو پانی سے صاف کر دو۔ جیسے خشک  
 مٹی گندھا ہوا آٹا یا موم وغیرہ۔ یہی حکم فی زمانہ نیل پالش کا ہے۔ کیونکہ اس کا جسم ہے جس کی وجہ  
 سے نیچے پانی نہیں پہنچتا۔

قَوْلُهُ وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذَاكَ - اس کا مطلب ہے کہ عارث بن دحبہ راوی  
برٹھے تھے اس مقام کے لائق نہیں۔

بقول ابوالاعلیٰ سعاد: مصنفؒ کی اس عبارت پر بظاہر سوال وارد ہوتا ہے۔  
سوال - یہ ہے کہ اصولاً لفظ شیخ توثیق اور تعدیل کے لیے ہے اور لَيْسَ بِذَاكَ  
جرح اور تعدیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ شخص واحد میں دونوں کا اجتماع ضدین کا اجتماع ہے  
جو ناجائز ہے وہ فیکف یمکن ان یکون شخصاً واحداً شیخاً و لیسَ بِذَاكَ  
جواب اول - کہ یہاں لفظ شیخ سے مراد عدالتِ راوی کی توثیق ہے کہ راوی عادل میں  
چونکہ ثقہ ہونے کے لیے عدالت کے ساتھ ساتھ ضبط کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور وہ راوی میں  
موجود نہیں۔ اس لیے لَيْسَ بِذَاكَ سے عدم ضبط سے اشارہ کیا لہذا دونوں کے جمع کرنے پر  
فَلَا شَكَّالَ عَلَيْهِ۔

بعض حضرات نے لفظ شیخ کو کسبِ التسنن (یعنی بڑی عمر والا) کے معنی پر لیا  
جواب دوم - تو اس سے لفظ شیخ اور لَيْسَ بِذَاكَ میں کوئی منافات نہیں۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت علیؑ سے  
فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ جو جنابت میں ایک ہال کی جگہ چھوڑے  
جسے نہ دھوئے تو اسے آگ میں ایسا عذاب  
کیا جائے گا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں اسی لیے  
میں اپنے بالوں کا دشمن ہوں، اسی لیے میں  
اپنے بالوں کا دشمن ہوں، اسی لیے میں اپنے  
بالوں کا دشمن ہوں۔ تیرے بلہ۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِّنْ  
جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فَعَلَّ بِهَا  
كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ  
فَمِنْ شَعْرَةٍ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ  
شَعْرَةٍ عَادَيْتُ رَأْسِي فَمِنْ شَعْرَةٍ  
عَادَيْتُ رَأْسِي ثَلَاثًا۔

لہذا ابوداؤد

قَوْلُهُ كَذَا وَكَذَا - یہ کہنا یہ ہے عددِ تصغیف سے کہ دگن عذاب دیا جائے گا۔ عند البعض یہ  
ابہام شدت و عید کی وجہ سے ہے کہ اتنی وعید ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

قَوْلُهُ شَعْرًا عَادِيَّتًا سَأَيْتُ - حضرت علیؑ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعید سنی "مَنْ تَوَلَّى هَؤُلَاءِ شَعْرًا (الغیر تو اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اسی خطرو کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کے ساتھ دشمنی والا معاملہ کرتا ہوں جس طرح ایک شخص اپنے دشمن کو اپنے بے خطرہ مجھ کو موت ملنے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے ایسے ہی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید کی بناء پر ان بالوں کو اپنی عاقبت کی خرابی کا باعث سمجھتے ہوئے ان کا صفایا کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ابوداؤد شریف ص ۲۱۱ باب فی الغسل من الجنابة میں یہ الفاظ ہیں رَوَّاهُ بِحَدِّثٍ شَعْرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ کہ حضرت علیؑ بال کٹوا دیتے تھے۔

يَقُولُ ابُوَالْحَادِ سَعَادٍ : عَلَانَهُ طَبِيبِي نَسِيَ اس حدیث سے سنتِ خلقِ راس پر استدلال کیا ہے لیکن ملا علی قاریؒ اور شیخ ابن حجرؒ مکیؒ نے اس کو رد کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کی عادت شریف بال رکھنے کی تھی نہ کہ منڈالنے کی تو اس کو رخصت کہا جائے گا نہ کہ سنت۔ لہذا یہ سنتِ علویؑ ہوئی نہ کہ سنتِ نبویؐ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ  
السَّيِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ  
بَعْدَ الْغُسْلِ (رواه الترمذی)

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ غسل میں وضو واجب نہیں بلکہ مسنون ہے صرف علامہ داؤد ذہبیؒ و حنبلیہ کے قائل ہیں اسی طرح غسل کے بعد وضو نہ ہونے کی ضرورت پر بھی اجماع ہے قبل الغسل جو وضو ہے اس پر اکتفاء کر لینا کافی ہے۔ وجہ ظاہرہ کہ حدیث اکبر کا ارتفاعِ حدیث اصغر کے ارتفاع کو مستلزم ہے اور حدیث باب بھی اسی پر دال ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے معجم طبرانی کبیر میں :-

”سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ  
بَعْدَ الْغُسْلِ فَلَيْسَ مِنَّا“

گو اس روایت کی سند پر علامہ بیہقیؒ مجمع الزوائد ص ۲۶۳ میں اعتراض کیا ہے۔ اس اگر کوئی موجب



وضوء و ریح و قطرات بول وغیرہ پایا جائے تو پیر وضوء کرنا ضروری ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْسِدُ  
رَأْسَهُ بِالنَّخْلِيِّ وَهُوَ حَسْبُ  
يَحْتَرِي بِكَ الْإِكْ وَلَا يَصْبُ  
عَلَيْهِ الْمَاءُ كَمَا هُوَ (ابوداؤد)

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں  
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک ناپاکی  
کی حالت میں غطی سے دھوتے اور اسی پر  
اکتفا کرتے۔

قولہ بِالنَّخْلِيِّ : غطی مشہور کسر الخاء ہے اور فتح خاء غطی کے ساتھ بھی آتا ہے یہ  
ایک خوشبودار گھاس ہوتا ہے جو دواؤں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کو  
پانی میں بھگونے سے پانی میں لعاب پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس سے ٹاڑھی اور سر کے بالوں کو دھوتے ہیں  
جس سے بالی ملائم اور صاف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بیج بھی اسی کام آتے ہیں جو تخم غطی کے نام سے مشہور  
ہیں۔ اس کا استعمال زیادہ تر غسل میں ہے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے لہذا اس کا استعمال سنت ہوا۔  
قولہ يَحْتَرِي : ای یقتصر ویکتفی یعنی اس پر اکتفا کرنے اور پانی نہیں ڈالتے تھے۔

## ماء مخلوط بشی طاهر سے وضوء اور غسل میں اختلاف

اگر کوئی پاک چیز پانی میں مل جائے مثلاً زعفران، صابون، غطی وغیرہ اور اس کا اثر پانی  
میں آجائے تو ایسے پانی کو ماء مخلوط بشی طاهر کہتے ہیں۔ فقہاء کے یہاں اختلاف ہے کہ ماء مخلوط  
بشی طاهر سے وضوء یا غسل جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مسلک ہیں :-  
مسلک اول :- احناف حضرات کے نزدیک جن میں سب سے فہرست علامہ علیؒ ہیں وہ فرماتے  
ہیں کہ ماء مخلوط بشی طاهر سے وضوء اور غسل دونوں جائز ہیں کوئی کڑا بہت نہیں۔

مستدل :- حدیث الباب جو احنافؒ کی تائید کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ ہر قسم کی تاویلات  
کی بھی یہ حدیث تردید کر رہی ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں دوسرا  
صاف پانی پیتے ہوں اس لیے کہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں : (يَحْتَرِي بِكَ الْإِكْ وَلَا يَصْبُ عَلَيْهِ الْمَاءُ)

مشلاً یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ خطی الا پانی جنابت کے علاوہ کسی غسل مسنون میں استعمال کرتے ہوں گے اس لیے کہ حدیث پاک میں "وہو جُنُبٌ" کی تصریح موجود ہے۔

**مسئلہ دوم :** ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مار مخلوط بشی طہر سے وضو اور غسل جائز نہیں بل اس کے بعد دوبارہ پاک پانی استعمال کیا جائے تو پھر جائز ہے ویسے نہیں۔  
**مستدل :** جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے اور صاحب منہل نے بھی بحوالہ بالانقل کیا ہے :-

ور فقد رواہ الامام احمد في مسنده ... عن شريك عن قيس  
ابن وهب عن شيخ من بني سواة قال سألت عائشة فقالت  
أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اجنب يفسل ماء سكه  
يفسل ريفتح القين) يستزئ بذلك ام يفيض الماء على رأسه  
قالت بل يفيض الماء على رأسه را لعنيل ص ۲۳ کتاب الطہارۃ  
باب فی الجنب یفسل ماء سكه یا لخطی  
ترمذیث مذکور کا مقتضایہ ہے کہ آپ نے دوبارہ پانی استعمال فرمایا۔ اگر مار مخلوط بشی طہر  
کا استعمال صحیح ہوتا تو دوبارہ خالص پانی استعمال نہ فرماتے۔

## ائمہ ثلاثہ کے مسئلہ کے جوابات

محدثین حضرات نے روایت عائشہؓ جس میں دوبارہ خالص پانی کے استعمال کا ذکر ہے۔  
کے مقتدر جواب دیے ہیں :-

**جواب اول :** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ خالص پانی اس لیے استعمال نہیں  
فرمایا تھا کہ مار مخلوط بشی طہر سے غسل صحیح نہیں بلکہ بایں وجہ کہ اختلاط بشی طہر کی وجہ سے  
پانی کی رقیقت ختم ہو گئی تھی اور پانی میں گاڑھا پن پیدا ہو گیا تھا یہ تو ہمارے نزدیک جائز نہیں  
کہ اگر پانی کی رقیقت لداٹل ہو جائے اور وہ پانی سستہ کی مانند ہو تو اس سے وضو و غسل جائز  
نہیں کیونکہ اس صورت میں پانی کا نام و مقصد ناکل ہو جاتا ہے۔

**جواب دوم**۔ حدیث مذکور کی سند میں رجل مجہول ہے یعنی (شیخ من سواة) شیخ من سواة کی تفسیر ہوئی چاہیے کہ یہ کون ہے پھر یہ بھی احتمال ہے کہ شیخ سے مراد کبیر السن ہے یا مہارت کا ملہ مراد ہے۔ ابو داؤد شریف ص ۲۹۱ باب فی الجنب بغسل رأسہ پانچ خطی میں بھی روایت موجود ہے اس کی سند میں شیخ من سواة کے بجائے رجل من سواة ہے وَلَٰكِنَّا فَلَاحِقَةٌ عَلَيْنَا۔

يقول ابوالسعاد: شوافع حضرات نے روایت عائشہ جو احناف کی مؤید ہے جس میں مار مخلوط بشی طہر سے غسل جنابت کرنا ثابت ہے پر اعتراض کیا ہے۔ چنانچہ صاحب منہل ص ۲۲ ج ۲ پرفراتے ہیں:

”احتجبت الحنفية على صحة الفسل والوضوء بالماء المخلوط

بطاهر لكن لا حجة فيه لأن فيه ما دياً مجهولاً فيكون ضيقاً للفقہ

**جواب** احناف حضرات کا مار مخلوط بشی طہر سے وضوء و غسل کے جواز پر استدلال صرف اس روایت پر بند نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی روایات ہیں جو مار مخلوط بشی طہر سے وضوء و غسل کے جواز پر دال ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ایسے پانی سے غسل فرمایا جس میں آب آلودہ کے اثرات تھے۔ ”عن أم هانئ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اغتسل هو

وميمونة من اناء واحد في قصعة فيها اثر العجين“

روائی شریف ص ۱۱۶ باب ذکوا لاغتسال فی القصعة التي بدجن فيها)

آٹھ کے باریک ذرات کے اثرات تھے جو پاک تھے ان کا اختلاط تھا پانی کے ساتھ لیکن آپ نے غسل میں استعمال فرمایا۔ نیز اسی طرح غسل میت میں مار بدر کا استعمال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ”واغسلوه بمار و سدر ابو داؤد شریف ص ۱۱۶ کتاب الجنائز باب کیف يصنع المرحوم اذا مات)

یہ روایت بھی حنفیہ کی مؤید ہے کہ مار مخلوط بشی طہر سے وضوء و غسل جائز ہے۔

وَعَنْ يَعْلَى قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا ي | ترجمہ: روایت ہے حضرت یعلیٰ سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

شخص کو میدان میں نہاتے دیکھتا آپ منبر پر چڑھے پھر اللہ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حیا دار ہے پردہ پوش ہے حیا دار اور پردہ کو پسند کرتا ہے تو جب ہم میں سے کوئی نہائے تو پردہ کر لیا کرے۔

مَا جُلِّدَ يُقْتَسِلُ بِالْجَبَّازِ فَصَعِدَ الْمُنْبَرِ فَحَمْدُ اللَّهِ وَاسْتِغْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللَّهَ حَيٌّ سِتِيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالشَّعْرُفَاذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَرِ

(رواہ ابو داؤد)

قوله مَا اَي رَجُلٍ - اس راجل سے مراد صحابی رسول ہیں جو تنگ غسل کر رہے تھے اب تک ان کو مکمل آداب طہارت کی تعلیم نہیں اسی وجہ سے اس فعل کے مرتکب ہوئے عند البعض اس لیے ننگے نہا رہے تھے کہ وہاں اس وقت کوئی دیکھ نہ رہا تھا لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے اتفاقاً گذر ہوا۔

قوله يُقْتَسِلُ - اى من غير سترۃ یعنی بغیر پردہ غسل کر رہے تھے۔

قوله الْمُنْبَرِ - بفتح الميم اى الفضاء الواسع یعنی فراخ میدان۔

قوله فَصَعِدَ الْمُنْبَرِ - اى اطلع على المنبر، یعنی آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ کسی اہم اور عظیم الشان مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے، یا کسی خاص چیز سے آگاہ کرنا چاہتے تو منبر شریف پر تشریف لے جاتے۔ پہلے اللہ جلّ شانہ کی حمد و ثناء بیان کرتے اس کے بعد اصل مسئلہ کو بیان فرماتے۔ چنانچہ مقام ہذا پر بھی ایسا طریقہ اختیار فرمایا۔

قوله سِتِيرٌ مُبَالِغٌ کا صنف ہے ستر سے فعیل کے وزن پر یعنی بہت پردہ پوشی کرنے

والله - اِنَّ اللَّهَ حَيٌّ سِتِيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالشَّعْرُفَاذَا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اِنَّ اللَّهَ حَيٌّ سِتِيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالشَّعْرُفَاذَا" کا حاصل یہ ہے کہ خداوندِ قدوس کی ذات پاک تمام محاسنِ اوصاف کی جامع ہے۔ چنانچہ شرم و حیا اور پردہ پوشی جو بہت بڑے وصف ہیں ربّ ذوالجلال کے اوصاف ہیں۔ ربّ ذوالجلال یہ چاہتے ہیں کہ اس کے

بندے اس کے اوصاف کو حتی الامکان اپنے اندر پیدا کریں " تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللَّهِ " اس لیے وہ اسے پسند کرنا ہے کہ بندے شرم و حیا کے اصولوں پر کار بند رہیں، ان عظیم اوصاف کو اپنے اندر پیدا کریں۔ ہاں ایک صفت ہے جس کے پیدا کرنے کی اجازت نہیں ہے وہ ہے تکبر کیونکہ تکبر صریحاً شانِ خداوندی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ " اَلْعِزُّ يُرِى الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (۲۳) " حدیث پاک میں ہے " اَلْكِبْرِيَاءُ سِرٌّ كَانَتْ " (کبر میری چادر ہے) مشکوٰۃ شریف ص ۲۳ ج ۲ باب الغضب والكبر:

قَوْلُهُ فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَسْقِئْ - اى المدا الغسل فى الفضاء فَلْيَجْعَلْ لِنَفْسِهِ سِتْرَةً كَمَا بَرَأَ أَحَدٌ - غسل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔  
صُورَتِ اَوَّلُ - لوگوں کے سامنے غسل کرتا ہے تو اس وقت کپڑا باندھ کر غسل کرے تاکہ ستر غلیظ کا اظہار نہ ہو۔

صُورَتِ اَوَّلُ - خلوت میں غسل کرتا ہے تو پھر برہنہ ہو کر غسل کرنا جائز ہے۔ البتہ ستر کو چھپا کر غسل کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ خلوت میں کسی انسان کی موجودگی نہیں کہ جس سے شرم و حیا آئے مگر خداوند کریم درجیم سے تو بہر صورت شرم ہونی چاہیے کہ تم خداوند قدوس کے سامنے برہنہ غسل کر رہے ہیں۔ " وَهُوَ مَكْنُوعٌ بِمَا كُنْتُمْ " جب انسانوں سے شرم کرتے ہو تو خداوند قدوس سے تو بدرجہ اولیٰ شرمانا چاہیے۔ اس کا معاملہ تو بہت آگے ہے " وَكَانَ أَحَقُّ أَنْ يَسْتَحْيَ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ " (الرد اور شریف ص ۱۱۲ کتاب الحقام باب التعرق) يقول ابوالسعاد - حدیث مذکور میں حیا کی نسبت ربِّ ذوالجلال کی طرف ہے یہ نسبت کیوں کر صحیح ہے۔ اس کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۲ باب الغسل فصل اول حدیث ائمہ سلمہ میں ہو چکی ہے۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے

عَنْ أَبِي بَنٍ كَثَبٍ قَالَ أَلَمَّا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُحْصَةً | ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی بن کثب سے فرماتے ہیں کہ پانی پانی سے اول اسلام

فِي أَوَّلِ الْأَسْلَامِ نَشَرْنَاهُ عَنْهَا | میں ابھارتی تھی پھر اس سے منہ کر دیا گیا۔

(رداء الزندی)

قوله الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ - ماءً اول سے مراد غسل کا پانی جو ازاء جنابت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرے ماء سے مراد مٹی کا پانی ہے جس کا اخراج انزال کے وقت ہوتا ہے۔ حدیث باب اور اس سے متعلق ضروری باتیں باب الغسل کی ابتداء میں بیان کر دی گئی ہیں۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ میں نے جنابت سے غسل کیا اور بر پڑھ لی پھر دیکھا کہ ناخن برابر چلے گئے ہیں پہنچا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تم اس جگہ اٹھ پھر بیٹے تو کافی ہونا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرًا مَوْضِعَ الظُّفْرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مَسَّحْتُ عَلَيْهِ بِيَدِكَ أَجْزَأَكَ -

(رداء ابن ماجہ)

قوله فَرَأَيْتُ - ای البصرتُ وعلمتُ ؛ لیکن یہ علم دیکھنا تکمیل صلوٰۃ کے

بعد تھا۔

قوله قَدْرًا مَوْضِعَ الظُّفْرِ - قدر بمعنی مقدار اور ظفر بضم الظاء والفاء بمعنی ناخن کی مقدار برابر جگہ خشک رہ گئی۔

قوله مَسَّحْتُ - اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں :-

اول ، ای غسلتہ غسلًا خفیفًا ، یعنی مسح سے مراد غسل خفیف ہے کہ اگر غسل کے بعد فوراً اس جگہ کا غسل خفیف کر لیتا تو کافی تھا۔

دوم ، ای مَرَّاتٍ عَلَيْهِ بِيَدِكَ الْمَسْحُولَةُ - یعنی مسح سے مراد نہ اٹھ پھرنا ہے کہ غسل کے بعد نہ اٹھ خشک جگہ پر پھر لینا یہ تجھ کو کافی تھا۔ جمہور حضرات نے معنی اول کو ترجیح

دی ہے کیونکہ غسل میں سارے بدن پر پانی بہانا فرض ہے۔

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ  
الصَّلَاةُ خَمْسِينَ وَالْفَسْلُ  
مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ  
وَعَسْلُ الْبَوْلِ مِنَ الثَّوْبِ  
سَبْعَ مَرَّاتٍ فَتَوَزَّلَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لَهُ  
حَتَّى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا  
وَعَسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَعَسْلُ  
الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمرؓ  
سے فرماتے ہیں کہ نمازیں پچاس پچاس  
جنابت کا غسل سات بار اور کپڑے سے  
پیشاب دھونا سات بار، پس حضورؐ انور صلی اللہ  
علیہ وسلم عرض کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں  
پانچ رہیں اور جنابت کا غسل ایک بار اور  
کپڑا پیشاب سے دھونا ایک بار۔

قوله جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا۔ اس کی بحث کتاب الصَّلَاة میں آئے گی کہ  
نمازوں میں نئے حقیقی ہے یا حکمی کہ پچاس سے پانچ ہو رہی ہیں۔

خلاصۃ الحدیث یہ ہے کہ شروع میں فرض نمازیں

**خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ**  
پچاس اور غسل جنابت سات بار اور ثوب نجس  
کو سات بار دھونا واجب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے حق میں انتہائی شفقت و رحمت  
کے پیش نظریہ جان کر کہ امت سے اتنی نمازیں اور نہیں ہوں گی۔ چنانچہ رب زد الجلال سے  
تخفیف کا سوال کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں پچاس کی پانچ اور غسل جنابت ایک بار اور پیشاب  
سے ناپاک کپڑے کو ایک بار دھونا رہ گیا۔ نمازوں کی تخفیف کا واقعہ تو مشہور ہے کہ لیلۃ الاکرام  
میں پیش آیا۔ اس کے علاوہ اور دو چیزیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں اس میں دونوں  
احتمال ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کا نسخ بھی اسی شب میں ہوا ہو یا کسی اور وقت !

## توبہ بخش کی تطہیر میں مذاہب ائمہ

حدیث باب میں توبہ بخش کی تطہیر کا جو مسئلہ مذکور ہے "وَعَسَلُ الْبَوْلِ مِنَ التَّوْبَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ" فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے اور دو مذاہب ہیں۔  
مذہب اول۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک توبہ بخش کو صرف ایک بار دھونا کافی ہے۔ امام احمد کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

۱۔ ایک بار دھونا کافی ہے۔ چنانچہ معنی میں ان کا مذہب مثل شافعی لکھا ہے۔  
۲۔ سات بار دھونا۔ چنانچہ علامہ ابن العربی فرماتے ہیں کہ امام احمد کے نزدیک تمام نجاسات میں سات بار دھونا ضروری ہے لیکن ترجیح معنی کی روایت کو ہے۔  
مستدل۔ حدیث الباب ہے جو اثر ثلاثہ کے مذہب کے موافق ہے "وَعَسَلُ التَّوْبَةِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً"۔

مذہب دوم۔ اخاف حضرات کے نزدیک تین بار دھونا ضروری ہے۔  
حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں :-  
مستدل اول | "اِذَا اسْتَقْبَضَ أَحَدُكُمْ مِنْ لَوْحَةٍ فَلَا يَنْصَسُ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَنْسَلِفَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ" (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴ باب سُنُّ الْوُضُوءِ فَعِلْ أَوَّلَ) یعنی جب آدمی نیند سے اٹھے تو برتن میں ہاتھ نہ ڈالے حتیٰ کہ تین دفعہ دھوئے۔  
طرز استدلال یوں ہے کہ استيقاظ من النوم میں تین بار غسل یدین کا حکم حدیث میں وارد ہے جبکہ وہاں صرف احتمال نجاست ہے۔ ظاہر ہے کہ تحقق نجاست کی شکل میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا۔

مستدل دوم | حضرت ابو ہریرہ سے دلوغ کلب کے سلسلہ میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ ہیں :-

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدُكُمْ فَلْيَهْرِقْهُ وَلْيَنْسَلِفْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ"



(اخرجہ الزیلعی <sup>۱۳</sup> / والعینی فی الصدۃ <sup>۱۴</sup>)  
 تو روایت مذکور میں بھی تطہیر آثار کے سلسلہ میں ثلاث متواتر وارد ہے جب کہ نجاست کلب  
 بنحس العین ہے۔

## انکہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب

فقہاء احناف نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے  
 اس کی سند میں ایوب بن جابرؓ اور عبداللہ بن عاصم موجود ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ چنانچہ علامہ  
 محمود محمد خطاب السبکی فرماتے ہیں عبداللہ بن عاصم کے مشفق ۱۔

” ذکرہ ابن حبان فی الضعفاء وقال منکر الحدیث جداً علی  
 قلۃ ردایتہ یحدث عن الاثبات بمالیشیہ احاد یشہو  
 حتی یسبق الی القلب انہا موهومۃ او موضوعۃ “

(المنہل <sup>۱۵</sup> / باب فی النسل من الجنابۃ)

اسی طرح ایوب بن جابر کے مشفق فرماتے ہیں :-

” ضعفہ النسائی والبوہاتی وابن معین وقال لیس بشیئ وقال  
 ابوہریرۃ واہی الحدیث ضعیف وقال ابن حبان کان یخطئ  
 حتی خرج عن حدۃ الاحتجاج بہ لکثرۃ وهمہ الخ “

(المنہل حوالہ بالا)

بقول اہوالا سعاد : جاتا چاہیے کہ ہمارے یہاں تقریباً ثلاث لازم نہیں ہے۔  
 بلکہ اصل اس میں مبتنی یہی رائے کا اعتبار ہے جب اس کو طہارت کا فن غالب ہو جائے تب کپڑا  
 پاک ہوگا۔ لیکن چونکہ عامۃ تین مرتبہ میں فن غالب ہو ہی جاتا ہے اس لیے تین کی قید ہے۔  
 نیز یہ حکم نجاست غیر مرتبہ کا ہے اور نجاست مرتبہ میں طہارت کی مدار عین نجاست کے زوال  
 پر ہے جب تک اس کا ازالہ نہ ہوگا طہارت حاصل نہ ہوگی۔ ناظم المنہل <sup>۱۶</sup> / حوالہ بالا۔  
 ” اللہم اغفر لکاتبہ ولا ساندتہ ولمن سقی فیہ “

## بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يَأْخُذُ بِهِ

(جنبی شخص سے ملنے جلنے اور جنبی کے لیے جو امور جائز ہیں ان کا سبب ان)

فائدہ۔ بقول ابوالاسعد: اس باب میں دو چیزوں سے متعلق احادیث ذکر کی جا رہی ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ جنبی شخص جس پر غسل واجب ہو اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری چیز یہ ہے کہ جنبی شخص کے لیے کیا چیزیں جائز ہیں کہ وہ انہیں طہارت ناپاکی میں کر سکتا ہے۔

قولہ **مُخَالَطَةُ**، یہ اختلاط سے مأخوذ ہے۔ اور اختلاط سے مراد اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا مصافحہ و معانقہ ہے۔

قولہ **الْجُنُبِ**، لفظ جنابت جنب سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہیں تنہا یعنی دور کا و علیحدگی۔ چنانچہ جنابت کی وجہ سے انسان عبادت بدنی و دخول مسجد وغیرہ سے درجہ ہٹاؤ حتیٰ کہ طہارت حاصل کرے۔ اصطلاح شریعت کے اندر حدث اکبر جس سے غسل واجب ہو جنابت کہلاتا ہے۔

قولہ **يَأْخُذُ بِهِ**، یہ اباحت سے مأخوذ ہے اور اباحت کے معنی ہیں ”جو انا فصل مع جوارئ القرآن“ یعنی وہ فعل جس کا جواز و عدم جواز یعنی ترک برابر ہو۔ کھافی قولہ تعالیٰ ”وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا“ جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو لہذا شکار کرنا جائز ہوگا۔ اور شکار نہ کرنا حرام بھی نہ ہوگا۔ یہی اباحت کا مفہوم ہے۔

## الفصل الأول — یہ پہلی فصل ہے

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ حالانکہ میں ناپاک تھا۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپؐ کے ساتھ چلا حتیٰ کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيتُ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَإِنَّا جُنُبٌ فَأَخَذَ بِيَدِي فَمَشَيْتُ  
مَعَهُ حَتَّى قَعَدَ فَأَتَسَلَّمْتُ فَأَيْتُ

الرَّحُلُ فَأَغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ  
قَاعِدٌ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ  
فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ  
إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ

(رواہ البخاری)

آپ بیٹھ گئے ہیں چکے سے نکل گیا منزل میں  
آیا غسل کیا، پھر حاضر ہوا آپ تشریف فرما  
تھے۔ فرمایا اے ابو ہریرہؓ کہاں تھے میں نے  
واقف عرض کیا فرمایا سبحان اللہ! مؤمن گندہ  
نہیں ہوتا۔

قوله كَيْفِيْنِي - سبھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال - یہ ہے کہ کم مرتبہ والا جب بڑے مرتبہ والے کو ملتا ہے تو کہتا ہے کَیْفِيْنِي  
کہ میں ملا۔ ادب بھی اسی میں ہے جب کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرما رہے ہیں کَیْفِيْنِي بھگے حضرتؐ سے  
اس میں توبہ ادبی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ یوں کہتے کَیْفِيْنِي میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کو ملا۔

جواب - حضرت ابو ہریرہؓ بغرض ملاقات گھر سے نہیں نکلے تھے بلکہ بغرض لمہارت نکلے  
تو اتفاقاً حضرتؐ سے ملاقات ہو گئی۔ اگر ملاقات کی نیت ہوتی تو پھر ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے  
فراتے کَیْفِيْنِي میں ملا۔

قوله فَاسْتَلْتُ - ای خرجت مُسْتَخْفِيًّا یعنی چوری چوری۔ کما فی قوله تعالى  
فِي اَحْوَالِ الْمُنَافِقِيْنَ "يَتَسَلَّلُوْنَ مُسْتَكْمِلُوْا ذَا رِيْثٍ"

قوله اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ، آپؐ نے فرمایا کہ مؤمن ناپاک نہیں ہوتا یعنی جنابت  
کی وجہ سے اس کا ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا کہ مصافحہ وغیرہ سے مانع ہو۔ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے  
ہیں۔ "واجتمعوا على ان بدن العُتْبِ وعرقه طاهران (شرح مسلم ص ۱۴۴)

## نجاست کی تقسیم

نجاست کی چار قسمیں ہیں :-

۱۔ نجاست حقیقیہ عارضیہ - پھر اس کی دو قسمیں ہیں طامریہ - غیر طامریہ ان دونوں کی  
لمہارت ازالۃ العین یعنی عین نجاست کے ازالہ سے ہوتی ہے۔

- ۲۔ حقیقہ ذاتیہ : جیسے خنزیر اس کی طہارت کی کوئی صورت نہیں  
 ۳۔ نجاست حکمیہ بذنیہ : جیسے جنابت یہ غسل سے ناکمل ہوتی ہے۔ قرآن مقدس  
 کو چھونے اور مسجد میں داخل ہونے سے یہ نجاست مانع ہے۔ ملتے جلنے، سلام اور  
 مصافحہ سے مانع نہیں ہے۔  
 ۴۔ نجاست حکمیہ اعتقادیہ : جیسے شرک اور کفر۔

## الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ كِ تَشْرِيح

يقول البوازي سعاد - إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ ، یعنی مؤمن میں کسی قسم کی نجاست منتقل  
 نہیں ہوتی یہ تو حدیث مبارک کا منطوق ہے۔ اور مفہوم مخالف یہ ہے کہ کافر نجس ہوتا ہے۔ اب منطوق  
 مراد لینے سے بھی سوال وارد ہوتا ہے اور مفہوم مخالف مراد لینے سے بھی ہر ایک کی علیحدہ وضاحت کی  
 جائے گی۔

## منطوق حدیث پر سوال اور اس کا حل

اگر منطوق حدیث مراد لیا جائے (کہ مؤمن میں نجاست نہیں پائی جاتی) تو سوال  
**سوال** | وارد ہوتا ہے کہ مؤمن میں نجاست تو پائی جاتی ہے مثلاً وضو کیا جاتا ہے، یا  
 جنابت سے غسل کیا جاتا ہے یا حیض اور نفاس سے عورتیں غسل کرتی ہیں سب صورتوں میں غرض  
 یہ ہوتی ہے کہ محدث اکھڑا محدث اکبر سے طہارت حاصل ہو جائے۔ لہذا یہ کہنا کہ مؤمن نجس نہیں  
 ہوتا۔ ان نصوص احکام شریعہ سے معارض ہے جن میں طہارت فرض اور اس کے حصول کی تاکید کی گئی ہے۔  
 نجس سے مراد عندنا اثر مغفوض اور غیر مرفعی ہے تو "إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ"  
**جواب** | کی مراد یہ ہے کہ مؤمن پر بد جہ ایمان کے خدا کی جانب سے لعنت و پھکار  
 اور استنکاف کی حالت نہیں آتی۔ گویا نجاست بمعنی عند اللہ ناپسندیدگی کے ہے قرآن مقدس  
 میں بھی اس کی نظیر ملتی ہے۔

وَاللَّعْنَةُ الْخَمْسُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَمْوَالُ مِمَّنْ عَمِلَ

الشَّيْطَانِ فَأَجْنَبُوا لَهُ كَعْبَكُمْ فَتَلْحِقُونَهُ رَكْعَتِ الصَّاعِدَةِ

جس شخص کا مبالغہ ہے جوئے کو جس کہا گیا ہے۔ حالانکہ اگر جواری شخص کی جیب میں جو کبازی کے آلات ہوں تب بھی اس کی نماز صحیح ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس کی جیب میں جس رغلنہ نجاست) موجود ہے۔ چاہیے کہ اس کی نماز باطل ہو تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ جس معنی غیر معنی و مینوفض عند اللہ ہے جو نقص صلوٰۃ کو مستلزم نہیں۔ جس معنی مینوفض عند اللہ کے پیش نظر حدیث باب کی مراد بھی واضح ہے کہ لا ینجس میں نفی عام مراد نہیں بلکہ نجاست مخصوصہ کی نفی ہے۔

(قال القاضي ابوبکر ابن العربي في العارضة ص ۱۷۰)

## حدیث کے مفہوم مخالف پر سوال اور اس کا حل

سابق میں منطوق حدیث پر سوال کا حل پیش کیا گیا ہے۔ اب حدیث کے مفہوم مخالف پر سوال کا حل پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ ہے کہ اگر مفہوم حدیث لیا جائے تب بھی اشکال سے خالی نہیں کیونکہ جب یہ کہا جائے گا کہ کافر جس ہوتا ہے تو یہ احناف کے مسلک سے متعارض ہے کیونکہ حنفیہ کا فرقہ کفر قرار نہیں دیتے بلکہ قرآن مقدس میں تو کتبیات سے نکاح تک کی اجازت ہے:

”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ ذَاتُ عِلْمٍ“

جب کتابیہ کافرہ عورت گھر آئے گی تو لامحاذ اس کے ہاتھ کا کھانا اور اس کے گھر کی اشیاء کو استعمال کرنا اور میاں بیوی کا ایک دوسرے کو چھونا یہ سب امور ایسے ہیں جن کے واقع ہونے بغیر چارہ نہیں بلکہ اسلام نے کفار سے لین دین تو جائز رکھا ہے۔ لہذا دین المؤمنین لا ینجس کا مفہوم مخالف بھی۔ مذکورہ تفصیل کے پیش نظر صحیح نہیں ہو سکتا۔

یہ ہے کہ احناف مفہوم مخالف کے قائل نہیں بلکہ حدیث پاک میں المؤمنین کی قید اتفاق ہے جس کے تقاضا قرآن مقدس میں بھی ملتے ہیں مثلاً

”وَرَبَايَةُ كُفْرًا فِي الْحُجُورِ كُفْرًا مِنْ نِسَاءِ كُفْرًا لَيْتِي دَخَلْتُ بِهِنَ الْغُرَى“

تو ایسی رہائش جو محجور میں ہیں نص قرآنی میں ان کی حرمت پر تصریح ہے تو کیا اس سے یہ لازم آتا

کہ جو ربائب نہاری مجبور پرورش میں نہ ہوں ان سے نکاح جائز ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ جو کچھ  
کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے :-

«وَلَا تُكْرِهُوا قَتِيًّا يَتَكُمُ عَلَى الْإِنْعَاءِ إِنَّ أَمْرَدَنْ تَحْصَنًا لَتَبْتَغُوا  
عَرَضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا رَبِّ الْمَوْتِ»

اِنْ اَمْرَدَنْ تَحْصَنًا سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر لڑکیاں خود اپنی عصمت کی حفاظت  
کرنا چاہیں تو تم ان سے زنا نہ کراؤ۔ تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو لڑکی تحسن کا ارادہ نہ کرے  
اس سے زنا کرنا جائز ہو۔ خود حضرات شوافع کا یہی مسلک ہے کہ کسی عورتوں سے زنا کرنا جائز نہیں  
لہذا "اِنْ اَمْرَدَنْ تَحْصَنًا" کی قید اتفاقی ہے لیکن "اِنَّ الْمَوْتِ مِنْ لَا يَنْجِسُ" میں بھی  
الْمَوْتِ کی قید اتفاقی ہے۔

جواب دوم ۲  
"اِنَّ الْمَوْتِ مِنْ لَا يَنْجِسُ" کی ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ مؤمن میں  
کسی وقت بھی ایسی نجاست متحقق نہیں ہوتی کہ اس سے مخالفت و  
موالات اور بجا ناست بھی ترک کر دی جائے اور وہ نجاست مؤمن سے موالات قلبی محبت اور دوستی سے  
مانع ہو جائے اور حدیث کا مفہوم مخالف کہ کافر نجس ہوتا ہے کی مراد بھی یہی ہے کہ اس سے دستی  
قلبی محبت کا اظہار اور موالات ممنوع ہیں۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :-

«لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ» (رب)  
اس ترجمہ کے پیش نظر حدیث باب کا منطوق بھی صحیح ہے اور مفہوم بھی۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمر  
سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض  
کیا کہ انہیں رات میں جنابت پہنچتی ہے تو  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کرو اور  
عنبر خاص دھو، پھر سو جاؤ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ  
عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِرَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ  
تَحَبَّسَتْهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ  
فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْتَسِلْ  
ذَكَرَكَ شَرُّنَا - رُتَّفَقَ عَلَيْهِ

## وَضُوءُ الْجُنُبِ قَبْلَ النَّوْمِ

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ جنبی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا کیسا ہے واجب ہے یا نہیں۔ اس بارے میں تین صورتیں ہیں۔

صورت اول : اس پر اتفاق ہے کہ مجنب پر غسل فی الفور واجب نہیں۔

صورت دوم : اس پر اتفاق ہے کہ بغیر غسل کے سونا جائز ہے۔

صورت سوم : وضو قبل النوم کے بارے میں اختلاف ہے اور دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول**۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم ص ۱۴۲ میں نقل کیا ہے کہ علامہ داؤد ظاہریؒ اور ابن حبيبؒ کے نزدیک جنبی آدمی کے لیے سونے سے پہلے وضو کرنا واجب ہے۔

**مستدل**۔ حدیث باب سے استدلال کیا ہے ”تَوَضَّأَ وَاعْتَسَلَ ذَكَرَ الْ

شُعْرَ نَحْوٍ“ طرز استدلال یہ ہے کہ حدیث باب میں صیغہ امر وارد ہے۔ اور امر واجب

کے لیے ہوتا ہے لہذا وضو کرنا واجب ہے۔

**مسلک دوم**۔ جہور فقہاء اسلام کے نزدیک جنبی کے لیے قبل النوم وضو مستحب ہے نہ کہ واجب۔

**مستدل اول**۔ بی بی اُم سلمہؓ کی روایت ہے :-

”عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَجْنُبُ تَشْرِيئًا ثُمَّ يَتْبَعُهُ تَشْرِيئًا“ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۸)

فصل ثالث باب لہذا

اس روایت میں جنابت کے بعد نوم کا ذکر ہے اور وضو وغیرہ مذکور نہیں۔ لہذا قائل لاحتساب

**مستدل دوم**۔ میج ابن خزیمہؒ اور ابو عوانہؒ نے عدم وجوب وضو پر آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے :-

”إِنَّمَا أُبْرِئُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الْمَسْكُوَةِ“ (التلخیص ص ۲۲۲ باب لہذا)

اس سے معلوم ہوا کہ وجوب وضو صرف نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔

## اہلِ ظواہر کے مستدل کا جواب

اہلِ ظواہر نے جنہی کے لیے وجوب وضو قبل النوم پر حدیث الباب سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وضو والا امر استحبالی ہے نہ کہ وجوبی۔ اگر وجوبی ہوتا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کے خلاف ہرگز نہ ہوتا۔ کیونکہ ابی بنی عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجنب شربینام ولا یصم ماء حتی یقوم بعد ذلک فیغتسل، راہو ماؤد شریف ص ۲۳ باب فی الجنب یؤخر الغسل۔"

**سوال۔** حضرت علیؓ کی روایت ہے: "لا یتدخل الملائکۃ بیتاً فیہ سورۃ ولا کلب ولا جنب۔" (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب ھذا)

ظاہر حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جنب جنابت کا ازالہ فی الفور کرے یا کم از کم وضو والی طہارت تو ضرور حاصل کرے۔ کیونکہ عدم دخول ملائکہ مؤمن کے لیے نقصان ہے۔ لہذا حدیث سے وجوب طہارت ثابت ہوتا ہے۔

**جواب۔** ملائکہ سے مراد رحمت کے ملائکہ ہیں نہ کہ مطلق ملائکہ۔ کیونکہ مطلقاً ملائکہ تو ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں جیسا کہ حفاظت کے ملائکہ ہیں۔ ھکذا قالہ الخطابی فی معالم السنن یا اس سے مراد وہ گھر ہے جس میں ایسے لوگ ہیں جن کی عادت بن چکی ہے کہ سستی کی وجہ سے غسل نہیں کرتے حتیٰ کہ وقت صلاۃ بھی گزر جاتا ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرمائی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے اور کچھ کھانا یا سونا چاہتے تو نماز کا وضو فرماتے (متفق علیہ)

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جَنْبًا فَمَرَدَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ



حدیث باب میں دفعی مسئلے ہیں جن کی تشریح کی جا رہی ہے۔

## المسئلة الأولى۔ حالت جنابت کے احکام

جنابت کی حالت میں انسان کو اپنی ضروریات و حاجات کی تکمیل کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کیا وہ مشروط ہے اگر مشروط ہیں تو کیا شرائط ہیں۔ ائمہ کرامؒ کے ہاں ان کی کیا حیثیت ہے۔ یہی تشریح یہاں مطلوب ہے۔ وہ امور جن کے لیے طہارت شرط ہے جناب کے لیے شرعاً ممنوع قرار دے دیے گئے ہیں۔ مثلاً ادائیگی صلاۃ، دخول مسجد، اس قرآن تلاوت قرآن۔ اور لیے امور جن کے لیے طہارت شرط نہیں اور ان کا عام ضروریات زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ مثلاً کھانا پینا گھر سے باہر جانا، سودا سلف لانا، نمند وغیرہ کرنا تو ان کے لیے حالت جنابت میں علی الترتیب چار صورتیں ہیں۔

**صورت اول۔** جنابت لاحق ہوتے ہی فوراً غسل کرے اور جو کام بھی کرے مثلاً کھانا پینا، چلنا، پھرنا، سونا غسل جنابت کے بعد کرے۔ یہ صورت اکمل اور ہر لحاظ سے افضل ہے۔  
**صورت دوم۔** مجنب غسل تو نہ کرے لیکن وضو کرے۔ اس کے بعد جو کام بھی چاہے کرتا رہے لیکن با وضو رہے۔ یہ پہلے درجہ سے تو کم البتہ مستحب ہے۔

**صورت سوم۔** یہ ہے کہ جنابت لاحق ہونے کے بعد نہ تو غسل کیا اور نہ وضو البتہ ظاہری نجاست جہاں جہاں بھی لگی ہوئی تھی اس کا ازالہ کر دیا یعنی وضو لغوی کر دیا اور اس کے بعد اپنی ضروریات کی تکمیل کی تو یہ شرعاً حرام نہیں۔

**صورت چہارم** سب سے ملوث ہوا ویسے رہا اور وضو لغوی تک نہ کیا۔

ائمہ اربعہ اور تہوراہل سنت پہلی صورت کو افضل و اکمل اور راجح قرار دیتے ہیں۔ البتہ آخری صورت یعنی غسل

## بیان مذہب

وضو یا استنجاء کیے بغیر بھی ان تمام افعال کے کر ڈالنے کی اجازت دیتے ہیں جن کے لیے طہارت شرعاً ضروری نہیں قرار دی گئی۔ البتہ اس کو خلافت اولیٰ سمجھتے ہیں اور وضو بعد از جنابت کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ (هذا ملخص ما فی المصداۃ ص ۶۵، ۶۶)

## الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَّةُ — مجتنب کے لیے قبل التَّوْم کو نہ وضو ہے

مجتنب کے لیے قبل التَّوْم وضو مستحب ہے۔ کما مَرَّ بِالْحَقِيقِ لَيْكِنِ اخْتِلَافَاتُ اس بات میں ہے کہ وضو سے کونسا وضو مراد ہے اس میں دو مسلک ہیں :-  
**مسلک اوّل**۔ امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک وضو کا بیل مراد نہیں بلکہ غسل بعض الاعضاء مراد ہے۔

**مُسْتَدَل**۔ حضرت ابن عمرؓ کا نقل ہے کہ انہوں نے حالت جنابت میں وضو قبل التَّوْم کیا اور غسل برجلین کو ترک کر دیا رِجَالُہِی شَرِیفٌ ۶۱۱ باب الْجَنْبِ یُرِيدُ التَّوْمَ اَدَاةً اَوْ الشَّرْبَ۔ نیز وضو صلوٰۃ مزیل جنابت بھی نہیں اس لیے بعض الاعضاء صبیح ہوگا۔  
**مسلک دوم**۔ جمہور حضرات بشمول احناف کے نزدیک کامل وضو صلوٰۃ مراد ہے۔  
**مُسْتَدَل**۔ حدیث الباب ہے جس میں تَوَضَّاءُ وَضُوءُهُ لِلْمَسْلُوۃِ کی تصریح موجود ہے۔ هَكَذَا فِي الصَّحِيحِ الْمُسْلِمِ ۱۲۴

## خاتلہ کے مُسْتَدَل کا جواب

جہاں تک خاتلہ کا نقل ابن عمرؓ سے استدل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا ذاتی اجتہاد ہے جو مرفوع حدیث کے مقابل ہے **جواب** فلا حُجَّتَہُ عَلَيْنَا، باقی خاتلہ حضرات کا یہ کہنا کہ وضو صلوٰۃ مزیل جنابت نہیں صبیح ہے کہ وضو صلوٰۃ اگرچہ مزیل جنابت نہیں لیکن ان افعال میں کہ جن میں طہارت شرط نہیں مفید ضرور ہے کما مَرَّ سَابِقًا فِي صُورَةِ الْاِمْرَةِ بِعِ اس کی دلیل امر شارح ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی سعید خدریؓ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا آتَى أَحَدُكُمْ

اپنی بیوی کے پاس جائے پھر دوبارہ جانا  
چاہے تو بیچ میں وضو کرے۔

أَهْلَهُ ثُمَّ ارْدَا أَنْ يَعُودَ فَلْيَتَوَضَّأْ  
بَيْنَهُمَا وَضُوءًا (مسند امام مسلم)

## وَضُوءُ بَيْنِ الْمَجَامَعَتَيْنِ

ایک بار اپنی بیوی سے جماع کرنے کے بعد پھر رقت عودانی الجماع الثانی دونوں کے درمیان وضو کرنا کیسے ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار ص ۲۳۵ میں لکھا ہے کہ بین الجماعین وضو کرنا علامہ داؤد ظاہریؒ اور ابن حبیب مالکیؒ کے نزدیک واجب ہے۔

**مستدل** : حدیث الباب ہے جس میں واضح طور پر تصریح ہے ”فلیتوضا بینہما وضوء“ **مسلک دوم**۔ لیکن جہور حضرات کے نزدیک بین الجماعین وضو کرنا مستحب ہے۔ لا بالواجب۔

**مستدل اول**۔ بی بی عائشہؓ کی روایت ہے۔

”قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یجامع ثم یعود ولا یتوضأ“

(طحاوی شریف ص ۱۲۱ باب الجنب یزید النجم او الاکل)

واضح طور پر حدیث دلالت کر رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بین الجماعین وضو نہیں فرماتے تھے۔

**مستدل دوم**۔ فتح الباری ص ۲۷۱ میں روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ”انہا امرت بالوضوء اذا قمت الی الصلوة“ یہ عمر کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بین الجماعین وضو ضروری نہیں۔

## اہل غلو اہر کے مستدل کا جواب

اہل غلو اہر نے صیغہ امر سے دلیل پکڑی ہے (فلیتوضأ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ

یہاں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ قرینہ یہ ہے کہ یہی روایت جسے

ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح میں بروایت حضرت ابوسعیدؓ نقل کی ہے جس میں یہ زیادتی موجود ہے  
 "فَانْشَطَ النَّسْتُ لِلْعَوْدِ" کہ درمیان میں وضو کرنا نشا ط و فرحت طبع کے لیے ہے۔ تو اس سے  
 معلوم ہوا کہ وضو کا حکم نشا ط طبعیت کے لیے ہے اس لیے اسے مستحب ہی کہا جائے گا۔

رفع الباریؒ

ترجمہ : روایت ہے حضرت انسؓ  
 سے فرماتے ہیں کہ نبی متی اللہ علیہ وسلم ایک غسل  
 سے اپنی ساری بیویوں پر دورہ فرماتے تھے۔

وَعَنْ أَكْبَشٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوفُ  
 عَلَى نِسَائِهِ بِفَسَلٍ وَاحِدٍ -

رمزادہ مسلم

قَوْلُهُ يَطُوفُ : اِی سید و رد۔ یعنی پھرتے یہ کن یہ ہے جماع سے۔

یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں جملہ  
 ازدواج مطہرات کے پاس پہنچے اور ہر ایک سے مقاربت

خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

فرمائی اور آخر میں صرف ایک غسل پر اکتفا فرمایا۔ یہ نہیں تھا کہ ایک بیوی سے صحبت کے بعد پہلے  
 غسل کرتے ہوں پھر بعد میں دوسری بیوی کے پاس جاتے ہوں۔ اور بعض روایات میں ہے :  
 "وَهُنَّ تِسْعٌ" کہ وہ نو تھیں۔ یوں تو ازدواج مطہرات ایک قول کی بناء پر گیارہ اور دوسرے  
 قول کی بناء پر بارہ تھیں لیکن مشہور قول کی بناء پر نو سے زائد کا اجماع ثابت نہیں۔

بَيْنَ الْجَمَاعِينَ غُسل کی شرعی حیثیت

يقول ابوالاسعاد - صاحب التلخیص الصبح نے ص ۲۲۳ پر حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے  
 کہ اہل علم اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک ایک بار جماع کے بعد اگر دوبارہ جماع کرنا چاہے تو دونوں  
 کے درمیان غسل کرنا اس کے لیے واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ حدیث الباب یعنی حضرت  
 انسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک ہر بار غسل کرنا مستحب ہے  
 جمہور حضرات حضرت البدائعؒ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں :-

"انہ علیہ السلام طات ذات یوم علی نساءہ یغتسل عند

هَذَا وَعِنْدَ هَذَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا تَجْعَلُهُ غَسْلًا وَاحِدًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذَا انْزَاكِي وَاطْيَبُ وَاطْهَرُ (رواه ابو داؤد ص ۳۳ باب الوضوء لمن اراد ان يعود - هكذا في المشكوة الشریف ص ۵ باب هذا)

## طواف علی التبار پر اشکال اور اس کا حل

یقول ابوالاسماد - یہاں پر دو بحثیں ہیں -

**الْبَحْثُ الْأَوَّلُ** - بحث اول کو ایک سوال کی شکل دی جا رہی ہے جس سے بات سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

**سوال** اگر ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں تو اس پر تمامی معاملات میں عدل واجب ہے یعنی جس طرح نان نفقہ اور ملبوسات میں تساوی ضروری ہے اسی طرح بیہوتیت ربوی کے ان رات گزارنا میں بھی تساوی لازم ہے۔ البتہ بکلی محبت اور طبعی رجحان اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ ایک غیر اختیاری امر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ازدواج مطہرات کے مابین عدل فرماتے تھے اور بیہوتیت کے لیے بھی ازدواج کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی۔ کما فی الحدیث "اَللّٰهُمَّ هٰذَا قِسْمَتِيْ فَيَسِّرْ لِيْ اَمْلِكُ فَلَا تَلْمَنِيْ فَيَسِّرْ لِيْ اَمْلِكُ" (ترمذی شریف ص ۳۳)

جب کہ حدیث باب "کان یطوف علی نساہ بخسل واحد" اس کے خلاف ہے کیونکہ بیہوتیت کے اصول عدل کے مطابق یہ تو ایک زوجہ کا حق تھا جس کی باری تھی۔ محدثین حضرات نے اس کے کئی جواب دیے ہیں۔

**جواب اول** قسم بین الازواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھا گویا قسم کا عدم وجوب ان امور سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے

ہیں جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت منصوص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "تُرْجَىٰ مِّنْ نَّسَاءِ مَنْهُمْ وَتُؤَدَّىٰ اِلَيْكَ مِّنْ نَّسَاءِ مَنْ اُبْتَغِيتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ (پل) لیکن یہ جواب کمرور ہے کیونکہ اگر آپ پر

قسم بین الازدواج کا عدم وجوب تسلیم بھی کر لیا جائے تو بات مسلم ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ قسم کا لحاظ رکھا اور کبھی اس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔

لَا عَلَى تَارِكٍ اس کا حل یوں پیش کرتے ہیں کہ ”یَطْوُونَ عَلَى نِسَائِهِ“

وَالَّذِي لَا تَقْدِرُ رِفَاةً بِرَجْمٍ هَلْ هُوَ ”وَكَانَ طَوَّافُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ“

ہو رضا حق (مرقات مج ۱) یعنی صاحبۃ النبیوتہ رحمہن کی باری تھی) کی رضا مندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔

علاء الدین العزلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دن

اور رات میں ایک ساعت ایسی عطا فرمائی تھی جس میں کسی زوجہ کا حق نہ

تھا بلکہ آپؐ کو اس میں اختیار تھا جس کے پاس چاہیں جاسکتے ہیں اور مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساعت بعد العصر تھی۔

”وَفِي مُسْلِمٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ تِلْكَ السَّاعَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ“

اور اس میں موقوفہ نماز ہو تو بعد المغرب زحفوا اشتغل عنها كانت بد الغریب

(علامہ صفة مج ۱/۲۲)

یَطْوُونَ عَلَى نِسَائِهِ کا داتا جمعۃ الوداع کا ہے اس موقع

پر چونکہ تمام ازدواج مظہرات آپؐ کے ساتھ تھیں لہذا طواف

علی النساء کی در صورتیں متحقق ہو سکتی ہیں۔

احرام باندھنے سے قبل مستحب بھی یہی ہے کہ احرام باندھنے سے

قبل اگر اپنی بیوی ساتھ ہو تو وظیفہ زوجیت سے فارغ ہو لے تاکہ

اعمال حج میں شہوت اور بد نظری سے محفوظ رہے اور غفلت بھر آسان ہو۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے طواف علی النساء فرما کر ایک استنباطی عمل میں مقصد وار بنایا۔

طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد احلال کے وقت کی بنتی ہے کہ

احلال کا مل تب آتا ہے جب وظیفہ زوجیت ادا کیا جائے لہذا یہ بین

ممکن ہے کہ طواف علی النساء کی وجہ ازدواج مظہرات کو احلال کرنا ہو۔ دساروف الشنن مج ۱/۲۵

صورت دوم

## الْبَحْثُ الثَّانِي — مسئلہ تعداد ازواج النِّسْبِ

يقول ابوالسَّعَادِ: بحث ثانی کو بھی ایک سوال کی شکل میں پیش کیا ہے جو اعلیٰ اسلام نے طواف علی النصار جب کہ ان کی تعداد نو ہو شہوت رانی پر محمول کیا ہے (العیاذ باللہ) اعداد اسلام ٹھہرین غیر مسلم مُفسدین جو عزت کی غفلت کے منکر ہیں یہ سوال بحث سوال ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف علی النصار فی لیلۃ واحدة جب کہ ان کی تعداد نو ہو شہوت رانی ہے (العیاذ باللہ) اسی طرح چار سے زائد جویوں سے نکاح ہی ایک گو نہ العیاذ باللہ شہوت پرستی ہے۔

**جواب اول** | آج بھی گئے تھے۔ « وَمَا آتَاكَ سَلْطَنُكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ مِن بَشِيرًا وَنَذِيرًا » (پکے سبب) تو جس طرح مردوں کے لیے ہدایت و تربیت کی ضرورت تھی اسی طرح عورتوں کے لیے بھی اس کی شدید ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں جس طرح مردوں کیلئے احکام نازل ہوتے تھے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہدایت و احکام نازل ہوتے تھے مردوں کو آپ سے علوم حاصل کرنے اور مسائل دریافت کرنے کے تمام مواقع میسر اور حاصل تھے جب کہ ناعمر عورتیں نہ تو کھل کر سامنے آ سکتی تھیں اور نہ انہیں مخفی مسائل کھجائے جاسکتے تھے۔ جب کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو کسی اجنبی عورت سے نہیں بلکہ صرف اپنی ازواج سے ہی بیان کیے جاسکتے ہیں اور یہ بھی ضروری تھا کہ جس طرح مردوں کی جماعتیں اشاعت دین و تبلیغ کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ عورتوں کی جماعت بھی تیار ہوتا کہ وہ عورتوں کی تربیت و ارشاد کا کام کر سکے۔ ان ہی وجوہات اور شدید ضروریات کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت ازواج کی اجازت دے دی گئی۔ نتیجہ امت کے سامنے ہے کہ عورتوں سے متعلق جس قدر مسائل و احکامات ہیں سب ازواج مطہرات کے ذریعہ محفوظ اور امت کے ہاتھوں پہنچے۔

**جواب دوم** | انبیاء علیہم السلام اور انہیں موصوف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کمال انسانوں سے بہت زیادہ تھی۔ بخاری شریف کی حدیث

ہیں ہے کہ حضرت انسؓ سے ان کے شاگرد نے معلوم کیا کہ (اَوْ كَانَ يُطِئُ ذَاكَ) کہ کیا آپ اتنی طاقت رکھتے تھے کہ ایک شب میں سب سے مفارقت فرمالیں تو انہوں نے جواب دیا ”كُنَّا مُتَحَدِّثِ اِنَّهُ اَعْطَى قُوَّةَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا“ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی۔ جب کہ معارف السنن میں علامہ عینیؒ سے نقل کیا ہے کہ صحیح اسماعیلی میں ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں ”اُعْطِيَ قُوَّةَ اَمْرِ بَعِیْنِ رَجُلًا“ کہ جنت کے چالیس مردوں کے برابر طاقت دی گئی تھی۔ جب کہ جنت کے ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر طاقت حاصل ہے تو اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار مردوں کی طاقت حاصل ہے اور ایک مرد چار عورت کے حساب سے گو آپ کو سو لہ ہزار عورتوں سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے مگر اس کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نذہ ابی داتی نے جن عورتوں سے نکاح کیا ان کی تعداد دو جن سے بھی کم ہے۔ قوت مردانگی کی شدت کے باوجود آپؐ نے خود کو جس طرح محدود محفوظ رکھا اور جس پاکبازی سے اپنے نفس کا مقابلہ انسانیت کی تاریخ اس کی نظر نہیں پیش کر سکتی۔ کیا اب بھی ”كَانَ عَلَى نِسَائِهِ فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ كَوْفُؤُاِ شَهْوَتِ بَرَسْتِیْ بِرَحْمَلٍ کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کفار بغض عناد کی وجہ سے آپ کو ساحر، شاعر، مجنون تک کہا لیکن آپ کے دامن عفت پر انگشت نمائی کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت مردانگی کی مثال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت مردانگی کی مثال ملاحظہ فرمادیں :-  
حضرت رکانہؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے طاقتور پہلوان تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ میں اور کوئی خاص علم دفن نہیں جانتا۔ تمام عمر جہالت میں گزری ہے۔ البتہ کشتی لڑنا میرا کمال ہے اور یہی میرا فن ہے۔ اگر آپ اس فن و کشتی میں مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ کی صداقت کا قائل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ حضرت رکانہؓ کو پچھاڑ دیا اور حضرت رکانہؓ کو اعتراض کرنا پڑا کہ یہ کسی انسان کے پس کی بات نہیں بلکہ پیغمبرانہ طاقت ہے جو مجھے ہر بار شکست دے دیتی ہے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔  
”عن علی بن رکانہ عن ابیہ ان رکانہ صارع النبی صلی اللہ علیہ وسلم“



فَصَدَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُ (ابو داؤد شریف، مشاج ۲، کتاب اللباس  
باب فی العمامۃ)

وروی ابن اسحاق کان رکاتۃ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب  
بن عبد مناف اشدق یشافخلا یومًا برسول اللہ ﷺ فی بعض  
شعاب مکہ فقال رسول اللہ ﷺ لعلی سلم یا رکاتۃ الا تتقی اللہ وتقبل  
ما اوعول الیہ قال اقی لواء علم ان الذی تقول حق لا تبتک فقال رسول  
اللہ ﷺ اللہ علیہ وسلم افریت ان صرعتک التلم ان ما تقول حق قال  
نعم قال فقم اصارک الیہ۔ (کما فی البدایہ والنہایہ، منهاج السنن  
للشیخ فربید ص ۱۱۴ ج ۵)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی  
ہیں کہ نبی ﷺ علیہم السلام ہر وقت ذکر الہی کرتے تھے

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللَّهَ  
عَزَّ وَجَلَّ عَلَى كُلِّ أَحْيَانٍ (رواہ مسلم)

**خُلاصۃُ الْحَدِيثِ :** حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد کا غلط فہم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ  
کسی حالت میں ذکر خداوندی سے اور یاد الہی سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ ہر وقت اللہ رب العزت کی یاد میں ہمیشہ مشغول  
رہتے تھے۔ سوال۔ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ علیہم السلام ہر حال میں ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔  
جیکہ مشکوٰۃ شریف، منہج الفصل ثانی باب محالۃ الجنب میں حضرت مہاجر بن قنفذ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں  
”رَبِّ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللَّهَ (لَا عَلَى ظَهْرِي)“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ علیہم السلام پاک ہونے  
کی حالت میں ذکر اللہ فرماتے تھے۔ لہذا دونوں روایات میں تعارض ہے فکیف التعلیق !

**جواب اول :** حدیث عائشہؓ بیان جواز پر محمول ہے اور حدیث حضرت مہاجر بن قنفذ ”کرہت“  
ان اذکر اللہ الیہ“ خلاف اولیٰ پر محمول کیا جائے گا اور خلاف اولیٰ جواز کے منافی نہیں ہے۔

**جواب دوم :** حدیث الباب میں ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے اور کراہت کی حدیث میں ذکر لسانی مراد  
ہے۔ فلا منافا۔

**جواب سوم :** احیاء میں ضمیر کا مرجع حضور ﷺ نہیں بلکہ ذکر ہے جیسا کہ ابن ماجہ شریف کے  
حاشیہ سندھی الحروف ”سُئِنَ مُصِطَفًى“ پر علامہ سندھیؒ کا قول ہے یعنی ذکر کے لیے منجانب شرع جو  
اوقات مناسب و مشروع ہیں ان میں آنحضرت ﷺ علیہم السلام ذکر اللہ فرمایا کرتے تھے۔

قولہ وحدیث ابن عباسؓ میں مسند کوفی کتاب الاطعمۃ الخ - ہم  
ابن عباسؓ کی حدیث کھانوں کے باب میں بیان کریں گے۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ معانیج میں  
وہ حدیث اسی مقام پر تھی۔ مگر صاحب مشکوٰۃ نے اسے مناسبت کی وجہ سے وہاں ذکر کیا جس میں  
فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وضو کیے کھانا تناول فرمایا۔

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباسؓ  
سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی  
نے لگن میں غسل کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
سے وضو کرنا چاہا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ  
میں ناپاک تھی فرمایا پانی ترنا پاک نہیں ہوتا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اعْتَسَلَ  
بَعْضُ امْرَأَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فِي جَفْثَةٍ فَأَمَّا دَرَسُ سَوْنِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَوَضَّأَ  
مِنْهُ فَقَالَتْ يَا أَسْوَدُ سَوْنِ اللَّهِ  
إِنِّي كُنْتُ جُنْبًا فَقَالَ إِنَّ الْمَاءَ  
لَا يَجْنِبُ (رواہ الترمذی)

قولہ بعض امراؤ واج النبی صلی اللہ علیہ وسلم - بعض سے مراد حضرت ابن عباسؓ کی خالہ  
حضرت بی بی میمونہؓ ہیں۔ جیسا کہ مرثاۃ دارقطنی کی روایت میں ہے اور چونکہ یہ ان کے عزم تھے  
اس لیے اندر کی بات نقل کر رہے ہیں۔

قولہ فی جَفْثَةٍ - ای صحفہ کبیرہ ایک بڑا پیالہ تھا۔ فی بستی میں ہے  
جیسا کہ دارقطنی کی روایت میں ہے اور صحیح بھی یہی ہے اصل عبارت یوں ہے:-

«ای مُدْجَلَّةٌ یَدُهَا فِی جَفْثَةٍ» (میساق) یعنی برتن میں لمبے ڈال کر پانی لے رہی  
نہیں وچرمات ظاہر ہے کہ یہاں پر (فی) ظرفیت حقیقی مستعد ہے اس لیے کہ یہ بات سمجھ میں آنے  
والی نہیں ہے کہ حضرت بی بی میمونہؓ نے پانی کے ٹب میں اندر بیٹھ کر غسل فرمایا ہو اور پھر بھی حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم اس سے وضو یا غسل کا ارادہ فرمائیں یہ لطافت کے قطعاً خلاف ہے۔

قَوْلُهُ لَا يَجْنِبُ - یہ باب افعال سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں بغیر الیام ہوگا۔ اور مجزوء سے بھی ہو سکتا ہے مجزوء میں اس کا مصدر باب فَتَحَ اور سَمِعَ اور كَرَّمَ تینوں سے آتا ہے۔

بقول ابوالاعلیٰ سعاد : حدیث کا حاصل یہ ہے

## حَاصِلَةُ الْحَدِيثِ

کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن کے پانی سے غسل فرمایا اس کے بعد اسی پانی سے وضو یا غسل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یہ میرے غسل کا بچا ہوا پانی ہے اور میں نے اس سے غسل نہ کیا ہے مطلب یہ تھا کہ آپ اس کو استعمال نہ فرمائیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا : «إِنَّ الْمَاءَ لَا يَجْنِبُ» یعنی اگر جنبی کسی پانی کو استعمال کرے تو جو پانی باقی رہ گیا ہے اس کو جنبی نہیں کہا جائے گا وہ تو اپنے حال یعنی طہارت پر قائم ہے۔ اس حدیث کی مکمل فقہی بحث مشکوٰۃ شریف ج ۱۵ باب ہذا فصل ثالث روایت عن الحكم بن عمرو میں ہوگی۔ ان شاء اللہ !

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبات سے غسل فرماتے۔ میرے غسل سے پہلے مجھ سے گرمی حاصل کرتے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ شَرْبَةً يَسْتَدْفِي فِي قَبْلِ أَنْ أُغْتَسِلَ.

(سوادہ ابن ماجہ)

قَوْلُهُ شَرْبَةً يَسْتَدْفِي فِي قَبْلِ - اِی یطلب الذفاً والحلابة الکافی قولہ تعالیٰ «وَالْأَنْعَامُ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ» (ربکا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت پہلے کر لیتے تو سرد موسم میں غسل کی وجہ سے ٹھنڈک محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے آپ تشریف لائے اور اپنے اعضاء مبارک میرے بدن سے چٹا کر لیٹ جایا کرتے تھے تاکہ گرمی حاصل ہو۔ یہ روایت دلیل ہے اس بات کی کہ جنب کا پسینہ اور رجود پاک ہے۔ مزید بحث قدر سابقاً۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ | ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ سے

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ  
مِنَ الْخَلَاءِ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ  
وَيَأْكُلُ مَعَنَا الْخَمْرَ وَلَوْ يَكُنْ  
يَحْجِبُهُ أَوْ يَحْجِزُهُ عَنِ  
الْقُرْآنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةُ

(رواه الألبانی)

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے  
آتے تو ہمیں قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ  
گوشت کھاتے تھے جنابت کے سوا حضور  
کو قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

قوله فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ : يَضَعُ الْيَدَ وَسُقَا الزَّهْرَ اِي يَلْعَنُ اَيْ يَلْعَنُ اَيْ يَلْعَنُ اَيْ يَلْعَنُ  
قوله يَحْجِبُهُ أَوْ يَحْجِزُهُ - اَوْ مَنَعَهُ هِيَ رَايَ كَوْشِكٍ هِيَ بِمَعْنَى اِي يَمْنَعُ  
قوله لَيْسَ الْجَنَابَةُ - اَيْ حَدِثُ الْكِبَرِ هِيَ تَلَاوُتِ الْقُرْآنِ سَمَّا نَعْنِي هِيَ حَدِثُ الْكِبَرِ  
اَيْ بَغَيْرِ ضَمٍّ هِيَ تَلَاوُتِ الْقُرْآنِ هِيَ تَلَاوُتِ الْقُرْآنِ هِيَ تَلَاوُتِ الْقُرْآنِ هِيَ تَلَاوُتِ الْقُرْآنِ

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ  
سے تشریف لا کر بغیر وضو کیے اور ہاتھ دھوئے  
کئی کے قرآن پاک تلاوت بھی فرماتے اور کھانا بھی کھاتے۔ معلوم ہوا کہ بغیر وضو تلاوت جائز ہے  
اور کھانا پینا بھی درست ہے اگرچہ مستحب ہاتھ دھو کر کھانا ہے۔ مزید تفصیلی بحث آیا ہی چاہتی ہے۔

وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تَقْرَأُ الْخَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ  
شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر  
سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ خائض اور جنبی قرآن سے کچھ نہ  
پڑھیں۔

قوله شَيْئًا - یہاں شئی سے مراد پوری آیت ہے اور خائض کے حکم میں نفاس  
والی عورت بھی داخل ہے یعنی خائض اور نفاس والی جنبی قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے۔  
ان دونوں روایتوں میں دو مسائل خلاصہ ہیں ہر ایک کی علیحدہ تشریح ہوگی۔

## السُّبُلَةُ الْأُولَى ————— بغیر وضو مس قرآن جائز ہے

يقول ابوالاسعاد : قال حجة الله على العالمين الشهير بولي الله بن عبد الرحيم قدس سره : تعظيم شعائر الله واجب شعائر الله کی تعظیم واجب ہے اور قرآن کریم بھی شعائر میں سے ہے اس لیے اس کو بلا وضو نہ پڑھنا چاہیے تھا لیکن ہر مرتبہ قرأت قرآن کے لیے وضو کرنے میں حرج عظیم لازم آتا اور حفظ قرآن میں حرج و خلل واقع ہوتا (والحرج مذکور فی الدین) بنا بریں کسی کے نزدیک بھی قرأت قرآن کے لیے وضو کرنا ضروری نہیں۔ البتہ مس قرآن میں اتنا حرج نہیں (حُجَّةُ اللَّهِ الْبَالِغَةُ) اس لیے اس میں نقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا بغیر طہارت مس قرآن یعنی بغیر وضو قرآن پاک کو چھونا کیسے ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول :** قاضی شرفی نیل الاوطار <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> میں لکھتے ہیں کہ داؤد بن علی الظاہری کے نزدیک قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے۔

**مستدل :** اہل ظاہر دلیل پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے پاس خطوط ارسال کرتے تھے جن میں آیات قرآنی ہوتی تھیں تو مشرکین ہاتھ لگاتے تھے۔ جب ایک مشرک ہاتھ لگا سکتا ہے تو بے وضو مسلمان اس سے بہت افضل ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا کیوں جائز نہیں۔

**مسلک دوم :** عاقل ابن تیمیہ <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ آئمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں۔ مسئلہ سیوطی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> اتفاق میں لکھتے ہیں :-

”صنعتنا ومن ههنا الجهور“ یہ ہے کہ قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں

**مستدل اول :** قرآن مقدس میں ہے ”لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ“ (انواقہ پڑ)

علامہ زیلعی نے نصب الراية میں فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بحالت کفر اپنی بہن حضرت فاطمہؓ

کے گھر گئے وہ اس وقت گھر میں اپنے خاوند حضرت سعیدؓ کے ساتھ خباب بن ارت سے قرآن پڑھ

رہی تھیں۔ قصہ طویل ہے۔ المختصر حضرت عمرؓ نے کہا لاؤ تم کیا پڑھ رہے ہو بہن نے کہا کہ تم مشرک

ہو جاؤ غسل کرو کیونکہ یہ وہ کتاب ہے ”لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ“

مستدل دوم۔ حضرت عمرو بن حزم کی روایت ہے کہ جب وہ عاقل تھے تو آپ نے ان کو خط لکھا جس میں یہ حکم تھا ”لَا يَكُشُّ الْقُرْآنُ إِلَّا طَاهِرًا“ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۶ باب اہل علمہ شریکائی نیل الاوطار ص ۲۱۶) میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمرو بن حزم کا یہ خط حدیث متواتر کے مشابہ ہے کیونکہ ائمہ نے اس کی تلقین بالقبول کی ہے۔

## اہل ظواہر کے مستدل کے جوابات

اہل ظواہر نے بے وضو قرآن پاک کو چھونے پر جو عقلی استدلال پیش کیا ہے۔ محدثین حضرات نے اس کے معتقد جوابات دیے ہیں :-  
جہاں تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط مبارکہ کی بات ہے جواب اول | (کہ جس میں آیات قرآنیہ ہوتی تھیں اور مشرکین اُنہ لگاتے تھے) تو جواب یہ ہے کہ اصل مقصد تو خطوط کے مضامین ہیں اور آیات قرآنیہ تو تابع ہوتی نہیں لہذا کوئی حرج نہیں فلذا اشکال علیہ۔

خطوط مبارکہ میں آیات قرآنیہ کا لکھنا شدت ضرورت کی بنا پر تھا اور شدت ضرورت کی بنا پر تو منوعات بھی مباح ہو جاتی ہیں کیونکہ فقہ کا قاعدہ مسلمہ ہے ”الضرورات تنبيح المحظورات“

## المسئلة الثانية

### حائضہ اور مجنب کے لیے تلاوت قرآن کا حکم

جمہور علماء کرام فرماتے ہیں کہ مجنب حائضہ نساء کے لیے ذکر تسبیح و تہلیل وغیرہ کے جواز پر اجماع ہے۔ لکن قالہ النووی۔ البتہ تلاوت قرآن کے بارے میں کچھ اختلاف ہے اور لا مسلک ہیں :-

**مسئلہ اول۔** تحفۃ الاحوذی ص ۱۲۴ میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ، طبریؒ، ابن المنذرؒ اور داؤد بن علیؒ انطاہریؒ کے نزدیک جنبی حائضہ قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہی مسلک علامہ غلابیؒ نے معالم السنن ص ۱۵۶ میں حضرت سعید بن المسیب اور عکرمہ مرقیؒ ابن عباسؒ کا نقل کیا۔  
**مستدل۔** حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے:-

”قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ عز وجل علی کلّ احیاءہ“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۶ باب مخالطة الجنب الغ)

کلّ احیاءہ میں تعیم ہے ہر قسم کا ذکر خیر تلاوت قرآن بھی کیوں نہ ہو اس میں داخل ہے۔  
**مسئلہ دوم۔** امام نوویؒ شرح مسلم ص ۱۶۲ میں لکھتے ہیں کہ اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لیے قرأت قرآن پاک حرام ہے۔

**مستدل اول۔** حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ہمارے ساتھ گوشت وغیرہ کھاتے اور ہمیں قرآن پڑھاتے۔  
”لَوْ یَکُن یُحْبَبُ اَوْ یُحْجِزُ عَنْ الْقُرْآنِ شَیْءٌ لِّسَ الْجَنَابَةُ“

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۶ باب هذا)

اسی طرح ترمذی شریف ص ۱۱۶ باب ما جاء فی الجنب والحائض انہما لا یقرآن القرآن میں حضرت علیؓ کی روایت ہے ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرآن القرآن علی کلّ حالٍ ما لم یکن جنباً“

## امام بخاریؒ و مَنْ وَاَفَقَهُ کے مسئلہ کا جواب

مجوزین تلاوت فی حالت الجنب والحيض نے روایت عائشہؓ سے دلیل پکڑی ہے اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں:-

**جواب۔** مجوزین تلاوت فی حالت الجنب والحيض کا روایت بی بی عائشہؓ سے دلیل پکڑنا کئی وجوہ سے ضعیف ہے:-

اولاً: اس سے ذکر قلبی مراد ہے۔ اور ذکر لسانی مراد ہو تو یہ اذکار متواردہ پر محمول ہے

جیسا کہ ابتداء میں حدیث عائشہؓ کے موقع پر تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

ثانیاً، اگر روایت عائشہؓ کو حقیقت پر محمول کر کے تلاوت قرآن کو بھی اس میں شامل کیا جائے تب بھی وہ ایک عام دلیل ہے جو جمہور کے مسئلہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ”وَلَقَدْ أَهْلُ الْبَيْتِ وَالْحَبِیْضُ وَالْأَحْمَرُ شَیْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ“ کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو دلیل خاص ہے۔

اس میں کلام ہے کہ جنہی اور عائشہؓ کے لیے کتنی مقدار کی تلاوت ناجائز ہے ایک آیت یا اس سے زیادہ کے ممنوع ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے اور مادون الآیۃ میں اُحاث سے دو روایتیں ہیں۔

۱۔ امام کرخیؒ کی روایت کے مطابق یہ بھی جائز نہیں۔ اسی کو اختیار کیا ہے صاحب ہدایۃ ”التجنیس“ میں علامہ نسفیؒ نے کذا اور الکافی میں اور علامہ ابن نجیمؒ نے البحر الرائق میں صاحب بدائع نے فرمایا ”وعلیہ عامۃ المشائخ“

۲۔ دوسری روایت امام غلامیؒ کی ہے انہوں نے مادون الآیۃ کی تلاوت کو جائز قرار دیا، کیونکہ وہ متحد ہی نہیں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے فخر الاسلام یزدویؒ نے۔ اور صاحب خلاصہ نے فرمایا ”وعلیہ الفتوی“ علامہ شامیؒ نے محاکمہ فرمایا کہ جنہی کے لیے عدم جواز ہے اور عائشہؓ کے لیے قرآن مطلقاً جائز ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ عائشہؓ عورت کے لیے اگر تلاوت قرآن ممنوع قرار دی جائے تو تعلیم قرآن کا حرج لازم آتا ہے یعنی قرآن کریم کے بھول جانے کا اندیشہ ہے لہذا قرأت قرآن لکھا نص جائز ہونی چاہیے۔ سو عرض ہے کہ یہ ایک قیاس ہے اور قیاس نص کے مقابلہ میں معتبر نہیں اس لیے اس کو رد کرتے ہوئے نص پر عمل کیا جاوے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَجْهًا هَذِهِ الْبُيُوتُ عَنْ  
الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ  
لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ -

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرمائی ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان گھروں کو مسجد پھر دو کیونکہ میں عائشہؓ اور جنہی کے لیے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔  
(ردوہ البرادہ)



قوله وَجْهًا هَذِهِ الْبُيُوتُ - بعض ارباب ای حولوا ابوابها عن المسجد

یعنی مسجد شریف کی طرف سے جو دروازے ہیں ان کو تبدیل کر دو۔ حدیث الباب کا مضمون یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے مکانات کی ترتیب یوں تھی کہ وہ مسجد نبویؐ زادماں اور شرفاً و کرم کے ارد گرد تھے ان کے دروازے مسجد نبوی شریف کی طرف کھلتے تھے۔ اور صحابہ کرامؓ کے داخل و خارج چونے کا راستہ مسجد شریف کے درمیان سے ہو کر گزرتا تھا پھر ان گزرنے والوں میں کبھی حائضہ و نفاسہ و مجنب مرد و زن ہوتے۔ لازماً ان کا آنا جانا مسجد شریف سے ہی ہوا کرتا تھا اور مسجد شریف خدا کا گھر ہونے کی وجہ سے ایک محترم و مقدس جگہ بھی ہے۔ اس جگہ کی عظمت و احترام کا تقاضا ہے کہ کوئی ایسا شخص اس میں داخل نہ ہو جو حالت ناپاکی میں ہو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد شریف کی طرف گھروں کے ایسے دروازے جن میں گزرنے کے لیے مسجد شریف سے گزرنا پڑتا ہے ان کے رخ تبدیل کر دو تاکہ ناپاکی کی حالت میں کوئی بھی مسجد شریف سے نہ گزر سکیں۔

## مَجْنِب اور حَائِضہ کا مسجد شریف میں داخلہ ممنوع ہے۔

اس بات میں فقہاء کے ہاں اختلاف ہے کہ مجنب حائضہ و نفاسہ مسجد شریف میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں چار مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ اہل ظاہر، علامہ ابن المنذرؒ اور مزنیؒ کے نزدیک مجنبی حائضہ و نفاس والی عورت کے لیے مطلقاً دخول المسجد جائز ہے۔

**مستدل**۔ حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہ "کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجلسون فی المسجد و ہم جنب و ینزلون فیہ" باب فی الجنب یدخل المسجد ۳۱۱

**مسلک دوم**۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حائض کے لیے تو دخول مطلقاً جائز نہیں اور مجنب کے لیے مرد اور نکلت دوئوں جائز ہیں بشرطیکہ رفع الحدث کے لیے وضو کرے۔

**مستدل**۔ بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق منقول ہے کہ "انہم کانوا یجلسون فی المسجد و ہم مجنبون اذا توضؤوا وضوء الصلوۃ" الفہم ۳۱۲ باب فی الجنب یدخل المسجد

مسلمک سوئم۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مجنب کے لیے مسجد سے عبور و مرور جائز ہے۔  
مکث جائز نہیں۔ حائضہ کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں ایک روایت جمہور کے مطابق ہے  
و دخول مطلقاً ناجائز ہے (دوسری روایت یہ ہے کہ عبور تو جائز ہے لیکن مکث جائز نہیں۔

مستدل۔ قرآن مقدس کی آیت مبارکہ ہے :-  
”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ  
تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِينَ سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا (۲۵)  
امام شافعیؒ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ صلوٰۃ سے مراد ”موضع الصلوٰۃ“ ہیں۔ یعنی  
مسجد میں تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشہ کی حالت میں ہو جب  
تک کہ نشہ نہ اتر جائے ایسے ہی مسجدوں کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم جنبی ہو حتیٰ کہ غسل کرو۔  
”إِلَّا عَابِرِينَ سَبِيلٍ“ اس کا مطلب یہ ہے مگر جب کہ صریح راستہ کو عبور کرنا مقصود  
ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں۔ جنابت کی حالت میں مسجد سے عبور کر سکتے ہو۔

مسلمک چہارم۔ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور جمہور علماء اہل اہل سنت کے نزدیک  
حائضہ اور مجنب کے لیے کہ تو مکث فی المسجد ناجائز ہے اور نہ ہی عبور و مرور۔  
مستدل اول۔ حدیث الباب ہے (قَاتِلُ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ)  
صاف ظاہر ہے کہ مجنب اور حائضہ کا داخلہ مطلقاً ناجائز ہے۔

سوال۔ یہ ہے کہ حدیث الباب جس کے جمہور حضرات نے دلیل پکڑی ہے :-  
”قَاتِلُ لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ“ یہ حدیث ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم  
ظاہریؒ اس حدیث کا منقہ بیان کرنے پر اسے فرماتے ہیں کہ اس کے اندر ایک راوی ہیں رافعت  
بن خلیفہ (جو مجہول ہیں۔ علامہ خطابیؒ معالم السنن میں فرماتے ہیں :-

”وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ ضَعْفُ جَمَاعَةٍ هَذَا الْحَدِيثِ وَقَالُوا اِفْلَتَ

رَادِيهِ مَجْهُولٌ لَا يَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِحَدِيثِهِ (تفهيم ۳۵ باب  
فی الجنب یدخل المسجد)

صاحب مشکوٰۃ چونکہ سند نقل نہیں کرتے مکمل سند ابوداؤد و ترمذی ۲۵ باب  
فی الجنب یدخل المسجد میں ہے جس میں افلت نامی راوی موجود ہے :-

”حدّ ثنا مسدد قال ثنا عبد الواحد بن زياد قال ثنا افلت بن خليفة الخ“

ولہذا افلت راوی کی وجہ سے حدیث الباب سے دلیل نہیں پڑی جاسکتی۔

**جواب** - یقول ابوالاسود سعاد : اُفَلْتُ بن خلیفہ پر جہالت یا ضعیف کا حکم لگانا اصول جرح و تعدیل کے خلاف ہے۔ اَوَّلًا اس پر جہالت کا اعتراف کرنا غلط ہے۔ کیونکہ افلت بن خلیفہ سے مراد ابو حسان الکوفی افلت بن خلیفہ عامری ہے۔ اسی کو افلت یا فلیت بھی کہا گیا ہے چنانچہ امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ اسی جہالت کے اعتراف کو دفع فرماتے ہوئے لب کشا ہیں : ”قال ابو داؤد هو فلیت العامری“ کہ یہ افلت فلیت ہی ہیں۔ سند میں کہیں افلت ہے کہیں فلیت ہے۔ تسہیل کی خاطر فلیت کہتے ہیں۔

ثانیاً، جہاں تک ضعیف کا سوال ہے تو وہ بھی تسامح پر مبہنی ہے کیونکہ جہور محدثین نے اس سند کی تحقیر کی ہے۔ صحیح ابن خزمہ اور ابن القطان اور ابن سید الناس ان ساروں نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ”وصحّٰہُنا الحدیث ابن خزیمۃ وحسنہ ابن القطان“۔

والمنہل ۳۱۵ باب فی الحنب یدخل المسجد ما حب منہل فرماتے ہیں ”ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال الدارقطنی صالح وقال ابو حاتم شیعہ“

علامہ ابن سید الناس ابن حزم کی تردید فرماتے ہوئے کہتے ہیں :

”ووجود الشواہد لہ من خارج فلا حجۃ لابن حزم فی ردہ“

والمنہل ۳۱۵ باب ہذا ۱

علامہ خطابی شارح ابو داؤد شریف فرماتے ہیں کہ تضعیف کرنے والوں کی یہ بات درست نہیں اس لیے کہ افلت بن خلیفہ کی ابن حبان و امام احمد بن حنبل وغیرہ محدثین نے توثیق کی ہے اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی تضعیف کرنے والوں کی تردید کی ہے۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ یہ راوی (افلت بن خلیفہ) نہ تو مجہول ہیں اور نہ ضعیف ہیں۔

**مستدل دوم** - بیانی ام سلمہؓ کی روایت ہے :-

”قالت دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرحۃ .... ہذا المسجد

فتنادی بأعلى صوته ان المسجد لا یحل لجنب ولا حائض (ابن ماجہ شریف ص ۳۱)

## اہل ظواہر و مَنْ وَاَفَقَهُ کے مستدل کے جوابات

اہل ظواہر نے حضرت زید بن اسلم کی روایت سے دلیل پکڑی ہے۔ "کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ" اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

**جواب اول**۔ روایت زید بن اسلم سے دلیل پکڑنا غیر صحیح ہے کیونکہ یہ روایت مرے سے ہی ضعیف ہے۔ وجہ ضعف اینکہ اس روایت کی سند میں دو راوی ہیں۔ برا سالم۔ وعطیہ یہ دونوں شیعوں ہیں۔ صاحب منہل ص ۲۱۲ باب بالا میں فرماتے ہیں:

"فان مدارہ علی سالم وعطیہ وهما شیعیان"

**جواب دوم**۔ اہل ظواہر کی مستدل والی روایت محفل یا مبیح ہے جہور کے مستدلوات والی روایات محرم ہیں اصل اصول حدیث کے تحت تقابل کی صورت میں ترجیح محرم کو ہوتی ہے لہذا مسجد کی تعلیم کا لحاظ کرتے ہوئے جہور کے مستدلوات والی روایات پر عمل کرنا احتیاط کا باعث ہوگا۔

## حنابلہ کے مستدل کے جوابات

حنابلہ حضرات نے صحابہ کرام کے عمل سے دلیل پکڑی تھی۔ "انھم کانسوا یجلسون فی المسجد وهم مجنبون الخ" اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

**جواب اول**۔ عمل صحابہ کرام والی روایت بھی ضعیف ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں ہشام بن سعد راوی ہے جس کو ابو حاتم اور ابن مسین، احمد والنسائی نے ضعیف کہا، علامہ محمود محمد الخطاب سبکی رقم طراز ہیں:

"وفی اسنادہ ہشام بن سعد قال ابو حاتم یحتج بہ وضیفہ"

ابن مسین واحمد والنسائی (المنہل ص ۲۱۲ باب بالا)

**جواب دوم**۔ حنابلہ کا مستدل نقطہ صحابہ کرام کا عمل ہے جو تقابل روایت مرفوعہ ہے

فلا حجة علينا۔  
**جواب سوم۔** عند البعض مرور فی المسجد ابتداءً اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

## شواہح حضرات کے مستدل کے جوابات

امام شافعیؒ نے قرآن مقدس کی آیت مبارکہ ”وَلَا جُنُبٌ إِلَّا عَابِرُونَ سَبِيلٍ“ (پہ) سے مجنب کے لیے عبور مرور کے جواز پر دلیل پکڑی تھی اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں۔

امام شافعیؒ کا طرز استدلال آیت مبارکہ سے غیر صحیح ہے۔  
**جواب اولاً:** اس لیے کہ اصول کے خلاف ہے کیونکہ امام شافعیؒ ”لَا تَقْدَرُ جُوعًا الصَّلَاةُ“ یعنی صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ مراد لینے ہیں اور صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ مراد لینا حقیقت کو چھوڑ کر مجاز پر عمل کرنا جو غیر صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ اصول کے بھی خلاف ہے۔  
 ”وَمَنْ حَكَمَ هَذَا الْبَابَ أَنَّ الْعَصَلَ بِالْحَقِيقَةِ مَتَى امْسَكَ سَقَطَ الْمَجَازُ“

ساقی ص ۲۶۱ بحث حقیقت مجاز  
 یا صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ مراد لینے میں حذف مضاف ماننا پڑتا ہے اور یہ بھی خلاف اصل ہے  
 لا تقدر بخلاف الاصل اور بغیر وجہ یہ دونوں جائز نہیں۔

ثانیاً۔ موضع صلوٰۃ مراد لینے میں وَلَا جُنُبًا کا ترتیب وَأَنْتُمْ سُكَالَىٰ پر درست نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ سکر رنشم کی حالت میں مسجد کے قریب نہ جاؤ۔ حالانکہ فی حالۃ السکر عدم قرب مسجد کسی کے قریب جائز نہیں اس کے برخلاف بقول مہر علمائے امت صلوٰۃ سے نماز مراد لینے میں یہ مشکلات درپیش نہیں ہوتیں۔ کہ نہ مجاز مراد لینا پڑتا ہے اور نہ محذوف ماننے کی ضرورت پیش آتی ہے اور وَلَا جُنُبًا کا ترتیب بھی وَأَنْتُمْ سُكَالَىٰ پر درست ہوتا ہے۔ صلوٰۃ سے نماز اور عَابِرُونَ سَبِيلٍ سے مسافرین مراد لینے میں مطلب یہ ہوتا ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور سکر کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھو۔ یہی وجہ ہے کہ رئیس المعترین حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی تفسیر فرماتی ہے اور انہی تفسیر کے نزدیک حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر دوسری تفسیروں سے رائج ہوتی ہے۔

**خُلَاَصَةُ الْجَوَابِ :** بقول ابوالاعلیٰ سعادہ : آیت کا مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ مگر یہ کہ آدمی مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر اس کو تیمم کرنا چاہیے۔ تیمم میں مسافر کی قیید اس لیے لگائی کہ عام طور سے سفر ہی میں عدم وجدانِ ماء کی حالت پیش آتی ہے لہذا آیت کریمہ کا مفہوم بغیر حذوفِ مضاف کے بالکل صاف اور واضح ہے۔

**سوال :** یہ ہے کہ عکابرِی سبیل سے اگر مسافر مراد لیا جائے تو پھر آیت میں مسافر کے اعتبار سے تکرار ہو جائے گا کیونکہ آگے پھر مسافر کا ذکر ہے "رَأَى كُنُفًا مِّنْ صُفَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ"۔

**جواب :** یہ ہے کہ تکرار کوئی ایسی قبیح چیز نہیں کہ اس سے بچنا ضروری ہو۔ البتہ اس کے لیے کوئی نکتہ ہونا چاہیے۔ سو یہاں نکتہ یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ مریض کا حکم بیان کرنا تھا اور مریض واحد المار ہونے کے باوجود تیمم کرتا ہے تو اس کے ساتھ مسافر کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ واحد المار یعنی مریض اور عادم المار یعنی مسافر دونوں باعتبار حکم کے یکساں ہیں۔ لہذا مریض کو جوازِ تیمم میں وجدانِ ماء کی وجہ سے کوئی تردد نہ ہونا چاہیے مطمئن ہو کر تیمم کرے۔

**ترجمہ :** روایت ہے حضرت علیؑ سے کہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس گھر میں فرشتے نہیں آتے جس میں تصویر ہو اور نہ اس میں جس میں کت اور جھنی ہو۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ وَلَا جُنُبٌ (رداء ابوداؤد)

**قوله الْمَلَائِكَةُ :** یہاں ملائکہ سے مراد کون سے ملائکہ ہیں اس کی وضاحت ایک سوال کی شکل میں پیش کی جا رہی ہے۔

**سوال :** قرآن مقدس میں ہے "مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَاقِبٌ عَاشِدٌ" (پس حق) اس آیت مبارکہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے انسان کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں ہے کہ جس گھر میں تصویر ہو کتا، جلی ہو فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ آیت اور

حدیث میں بظاہر تعارض ہے۔

**جواب**۔ حدیث الباب میں جن فرشتوں کا ذکر ہے وہ گھروں میں داخل نہیں ہوتے اس سے مراد رحمت اور برکت والے فرشتے ہیں نہ کہ مطلقاً فرشتے کیونکہ ملائکہ کتبہ و جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں اور محافظین تو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتے ہیں کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿لَهُ مُتَقَاتِلَةٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَ لَهُ﴾ (الباقہ)۔

حدیث پاک میں ہے: ﴿فَإِنَّ مَعَكُمْ مِّنْ لَّا يَفَارِقُكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْتَخْبِتُوا مِنْهُ﴾ (التعلیق ص ۲۲۶)

نیز ملک الموت والے فرشتے بھی اس سے مستثنیٰ ہیں نامہ اعمال اور ملک الموت والے فرشتے بھی اگرچہ تصویر اور کتبہ کو ناپسند کرتے ہیں مگر امیر الہی کے تحت ان کے ہوتے ہوئے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

**قولہ صُورَةٌ**۔ صورت سے مراد تصویر ہے اور تصویر بھی ذی روح کی ہو خواہ سایہ دار ہو (مجسم) یا غیر سایہ دار جیسے دیوار پر یا کپڑوں پر نہایت کے لیے نقش کی گئی ہو۔ اگر غیر ذی روح کی تصویر ہے مثلاً درخت آسمان دوزخ میں پہاڑ وغیرہ تو یہ جائز ہے۔

**قولہ وَلَا كَلْبٌ**۔ اس کا عطف صُورَةٌ پر ہے تو حاصل عبارت یوں ہے: ﴿لَا تَدْخُلُ الْمَلَايِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ﴾ یہی حال وَلَا جُنُبٌ کا ہے۔ یہ جملہ مثل ”مَا كَلُمْتُ رَبِّيْذًا وَلَا عَمْرًا“ کے ہے۔

## کیا کلب کی تمامی اقسام دخول ملائکہ سے مانع ہیں

یقول ابوالسعاد: کلب کی دو قسمیں ہیں:-

- ۱۔ مأذون الا تخاذ: جن کے رکھنے کی اجازت ہے جیسے کلب صید وغیرہ
- ۲۔ غیر مأذون الا تخاذ: جن کے رکھنے کی اجازت نہیں جیسے شرق و محبت کی خاطر رکھنا۔

کما فعلہ اليهود والنصارى -

اس میں شراح کا اختلاف ہے کہ دخول ملائکہ سے مانع مطلق کلاب ہیں یا صرف وہ جو غیر ما ذون الاتحاد ہیں اس میں دو قول ہیں :-

علاء خطابیؒ اور قاضی عیاضؒ کے نزدیک دخول ملائکہ سے مانع صرف وہ کلب ہیں جو ممنوع الاقتدار (جن کا پانا ممنوع ہو) ہیں اسی طرح تصویر بھی -

## قول اول

علاء طیبیؒ کا قول بھی قاضی عیاضؒ کے موافق ہے - وحاشیہ عذرتزدی شریف ص ۲۱۲، ابواب البقید وشرع نوئیؒ مسلم شریف ص ۲۱۲ باب تحریک تصویر ص ۱۰۱ (الحيوان)

ان کا استدلال وہ حدیث ہے جس میں قتل الکلاب کا حکم ہے لیکن الاما استثنیٰ، تو استثناء بھی ان کتوں کے متعلق ہے جن کا پانا مبارک ہے - لہذا دخول ملائکہ سے مانع وہ کلب ہونے جن کا استدلال نہیں، وعن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتل الکلاب (الکلب صید او کلب غلیو او ماشیہ) مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۹ باب ذکر الکلب

امام نوویؒ کے نزدیک دخول ملائکہ کی ممانعت والا حکم عام ہے دونوں کو شامل، امام محی السنۃ کی رائے بھی امام نوویؒ کے موافق ہے ان کا استدلال چروکلب

## قول دوم

رکنے کا چھوٹا بچہ کے قہر سے ہے جو روایت حضرت ابن عباسؓ ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصبح یومًا واجمًا" حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھکین نظر آئے پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا حضرت جبریلؑ نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ نہیں آئے جبکہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتے - بعد میں معلوم ہوا کہ کئے کا چھوٹا بچہ اس جگہ موجود تھا جو حضرت جبریلؑ علیہ السلام کی آمد میں رکاوٹ تھا - چنانچہ اس کو نکال دیا گیا بعدہ حضرت جبریلؑ تشریف لے آئے - اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا :-

"لا تدخل بیئتہ کلب ولا صکرة" الخ اس کے بعد فامر بقتل الکلاب کتوں کو مارنے کا حکم دیا - مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۲ باب النصارى

طرز استدلال یوں ہے کہ چروکلب میں کا ہونا صاحب غائہ کو معلوم بھی نہ تھا وہ دخول جبریلؑ سے مانع ہوا اور یہ علم میں نہ ہونا عذر نہیں سمجھا گیا تو پھر یہ حکم عام کیوں نہ ہوگا -



» والا ظہراتہ عام فی کل کلب وکل صورة (شرح نووی مسلم شریف ص ۲۶۲ باب

تحریر صورة الحيوان)

ان دونوں صورتوں میں سے کس قول کو ترجیح ہے تو جمہور حضرات

نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے قاضی عیاضؒ اور علامہ طبریؒ کے

قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ حدیث پاک میں مآذون الاذن کی استثناء موجود ہے۔ چنانچہ علامہ  
محمود خطابؒ سبکی فرماتے ہیں:-

» قال القاضي عياضٌ ذهب كثير من العلماء الى الاذن بالحديث

بقتل الكلاب الا ما استثني وهذا مذهب مالك والشافعية

(المنهل ص ۲۶۲ باب الموضوع بسور الكلب)

## جر و کلب والی روایت کا جواب

علامہ نوویؒ نے جر و کلب والی روایت سے دلیل پکڑی ہے کہ دخول ملائکہ فی البیت

مطلقاً وجود کلب مانع ہے خواہ مآذون الاذن ہو یا نہ تو جراثیم ملاحظہ فرمائیں۔

امام نوویؒ ومن وافقہ کا جر و کلب والی روایت سے دلیل پکڑنا

غیر صحیح ہے کیونکہ ان کا دعویٰ عام ہے » والا ظہراتہ عام فی

کل کلب « اور دلیل خاص ہے کیونکہ روایت ابن عباسؓ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلب

الحائضہ الکبیرہ « رباغ کی رکھوالی کا کتا کی تخصیص فرمادی ہے یعنی سارے کتے مارنے کا حکم

فرمایا مگر رباغ کی رکھوالی کا کتا ہے تو اس کو نہ مارا جائے۔ جب اس کے رکھنے کی اجازت ہے تو

تو جر و دخول ملائکہ سے مانع بھی نہیں ہونا چاہیے۔

امری بقتل الكلاب والی روایت منسوخ ہے » وکان فی

الابتداء وهو الآن منسوخ (المنهل) تاخ روایت جائز ہے

» وعن جابر قال امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتل الكلاب

حتى ان المردة تقدم من البادية بكلبها فنقتله ثم نهى رسول الله صلى الله

## جواب دوم

عليه وسلم عن قتلها الخ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ فصل اول باب ذکر الکلب)  
علامہ محمود محمد خطاب سبکی فرماتے ہیں :-

” قال وعندی ان اللہ اولاً کان نہیاً عامّاً عن اتنا نہا جمیعاً  
والا مریقتہا جمیعاً لشر فیہ عن قتل ما عدا الاسود ومنع  
الاقتناء فی جمیعہا الا المستثنیٰ منہ (المنہل ص ۲۱۲ باب الوضوء  
بسو والکلب)

سوال :- اس کی کیا وجہ ہے کہ جو کلب ملائکہ کے دخول سے مانع ہے ۔

جواب :- ربّ فدا الجلال نے خلقۃً ملائکہ میں کلب کی نفرت رکھی ہے جس کی وجہ سے  
یہ داخل نہیں ہوتے۔ عند البعض شیطان اکثر کتے کی شکل میں ہوتا ہے اور ملائکہ خدا میں شیطان کی۔  
ولہذا لا یدخل۔ قولہ ولا جنب : ای لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ جنب۔  
علامہ خطابؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جنبی سے وہ جنبی مراد ہے ۔ جو غسل کو موخر کرے  
نماز کے وقت تک اور نماز کا وقت آنے پر غسل کرے بلکہ اس سے وہ جنبی مراد ہے جو غسل کے باوجود  
میں ہمیشہ نہاؤں اور تکاسل برتتا ہو ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تاخیر غسل ثابت ہے نفس  
تاخیر جائز ہے ۔

یقول ابوالاسعاد : امام نسائی نے اس کی ایک اور نفیس ترجمہ فرمائی ہے اور اس  
توجیہ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے مستقل ترجمہ الباب قائم کیا ہے (باب فی الجنب اذا کثر  
یتوضأ۔ نسائی شریف صفحہ ۱۷ کتاب الاطہارت) اور حدیث الباب نقل فرمائی ہے :-  
” لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ صومۃ ولا کلب ولا جنب “ وہ نفیس توجیہ ہے  
کہ اس سے مراد وہ جنبی ہے جو رات میں جنابت پیش آنے پر بغیر وضو کے سو جائے حدیث پاک سے  
بھی تقریباً یہی مفہوم ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت جنابت میں وضو کے بعد ہی آرام فرماتے  
تھے جیسا کہ ابوداؤد شریف ص ۲۱۲ باب فی المخلوق للرجال۔ کتاب الرجال میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی روایت  
ہے ” قلنا لا تقر بہو الملائکۃ حیثۃ الکافر والمتصمۃ بالخلوق والجنب  
اذ ان یتوضأ “ لہذا فی مشکوٰۃ الشریف صفحہ ۱۷ باب ہذا (۱) اس سے معلوم ہوا کہ  
وضو کر لینے کے بعد حالت جنابت قرب ملائکہ سے مانع نہیں ہوتی۔ قالحمد لله علی ما قال !

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقَرَّبُهُمْ  
الْمَلَائِكَةُ حَيْفَةُ الْكَافِرِ  
وَالْمُتَضَمِّنَةُ بِالْخُلُوقِ وَالْجُنُبُ  
إِلَّا أَنْ يَتَوَضَّأَ (رواه ابو داود)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمار بن  
یاسرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
علیہ وسلم نے کہ تین شخص ہیں جن کے قریب  
بھی فرشتے نہیں آتے کافر اور خلوق سے  
لغظ اہوا اور جہنی مگر یہ کہ وضو کرے۔

قوله ثلاثہ - ای ثلاثہ اشخاص : یعنی تین شخص ہیں۔

قوله حَيْفَةُ الْكَافِرِ : حیفہ سے مراد کافر کا بدن ہے۔ (ای جسدہ)  
خواہ دندہ یا مردہ شیخ علامہ محدث عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ذکر حیفہ کا ہے مراد اس سے میت ہے  
» لَانِ اسْتِعْمَالَ الْحَيْفَةِ فِي الْعَيْتِ اَغْلَبَ « انا استعملی حیفہ در مردہ بیشتر است  
(اشعۃ المعانی) ظاہر ہے کہ کافر بھی بمنزل مردہ کے ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ نجاست مشہۃ شراب اور  
سور وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتا اس وجہ سے وہ نجس ہے۔

قوله وَالْمُتَضَمِّنَةُ - ای لَطْفٌ : یعنی نلنا اور لگانا۔

قوله خُلُوقٍ - هُوَ طَبِيبٌ يَتَّخِذُ مِنَ الزُّعْفَرَانِ

خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے یہ عورتوں کا شعار ہے  
صرف عورتیں ہی استعمال کر سکتی ہیں۔ اگر کوئی مرد لگاتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے قریب نہیں  
جاتے ایک تو اس میں کبر اور عنوت پائی جاتی ہے دوسرا عورتوں سے مشابہت ہے تو شرعاً حرام ہے  
قابضہ : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں :

» وفيه اشعار بان من خالفت السنن وان كان في الظاهر

مزيناً مطيباً مكرماً عند الناس فهو في الحقيقة نجس اخس

من الكلب - (مرقعات ص ۲۲)

اصل میں اس طرٹ اشارہ ہے کہ جو شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے اگرچہ وہ بظاہر  
بازیب و زینت اور خوشبو سے معطر ہوتا ہے لوگوں کے ہاں صاحب احترام ہوتا ہے مگر خلاف

سنت ہوئے کی وجہ سے حقیقت میں بخش اور کٹے سے بھی زیادہ خسیس ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي  
بَكْرٍ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ عُمَرَ بْنِ  
حَزْمٍ أَنَّ فِي الْكِتَابِ الَّذِي  
كَتَبَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ بْنِ حَزْمٍ  
أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ رَأً طَاهِرٌ

(رمواہ مالک والذاریطی)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ  
ابن ابی بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم سے  
کہ وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ابن حزم کو لکھا اس میں یہ تھا کہ قرآن کو صرف  
پاک آدمی ہی چھوئے۔

قولہ الْكِتَابِ الَّذِي كَتَبَهُ - حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن حزم  
انصاری کو یمن کے ایک علاقہ کا حاکم بنا کر بھیجا تب انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر عطا فرمایا جس  
میں فرائض، سنن، صدقات، دیات وغیرہ تحریر تھیں۔ اس کا یہاں ذکر ہے۔ تو اس فرمان نامہ میں  
دوسرے احکام کے علاوہ یہ حکم بھی تھا کہ قرآن کریم صاف پاک آدمی ہی چھوئے نہ تو اسے بے وضو  
ہاتھ لگائے نہ جلی نہ عافہ نہ لفسار مزید تحقیق قدمہ انفا۔

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ أَتَلَقْتُ  
مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي حَاجَةٍ فَقَضَى  
ابْنُ عُمَرَ حَاجَتَهُ وَكَانَ مِنْ  
حَدِيثِهِ يَوْمَئِذٍ أَنْ قَالَ  
مَرَّ رَجُلٌ فِي سِلَّةٍ مِنَ السِّلَاحِ  
فَلَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ أَوْ  
بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ  
عَلَيْهِ حَتَّى إِذَا كَادَ الرَّجُلُ

ترجمہ: روایت ہے حضرت نافع سے  
فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ  
کسی کام میں گیا۔ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی  
حاجت پوری کر لی اور آپ کی اس دن کی  
یہ حدیث تھی فرمایا کہ ایک آدمی گلیوں میں  
سے کسی گلی میں گذرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
سے اس کی ملاقات ہو گئی حالانکہ آپ پانی پانے  
یا پیشاب سے آئے تھے۔ اس نے سلام کیا  
آپ نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ وہ شخص جب

اَنْ يَتَوَارَىٰ فِي الْبَيْتِ الْخَرَابِ | گلی میں چھپ جانے کے قریب ہوا۔ الخ

رواہ ابو داؤد

قوله فِي حَاجَةٍ - یہاں حاجت سے مراد کوئی ضروری کام ہے نہ کہ استنجاء جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا یعنی آپ کسی کام کے لیے گئے ہیں بھی آپ کے ساتھ تھا جیسا کہ علامہ ہردی فرماتے ہیں۔

”وَيَحْتَمِلُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهَا حَاجَةً اَخْرَجَتْهُ مِنْ مَرْفَقِهَا“

لیکن اس حاجت سے صرف کوئی کام مراد لینا بھی غیر صحیح ہے بلکہ حاجت سے بول دہرا بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

”اَيُّ اَلْاِنْسَانِيَةِ وَهِيَ التَّيَمُّنُ عَلٰى مَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنْ سِيَاقِ الْحَدِيثِ“

(مرقاۃ مفید) سیاق حدیث بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے جس میں صراحت ہے:

”وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطِهِ اَوْ بُولِي“

قوله وَكَانَ مِنْ حَدِيثِهِ : حدیثہ کی ضمیر ابن عمر کی طرف راجع ہے نہ کہ ابن عباس کی طرف (کیونکہ ابوداؤد شریف ص ۵۵ باب التيمم في الحضرم) میں یہی روایت ہے اس میں یہ اضافہ ہے ”انطلقت مع ابن عمر في حاجته الى ابن عباس“ گو سیاق کلام دونوں کو متعلق ہے لیکن دوسری روایات کے پیش نظر یہ متعین ہے کہ یہ ضمیر ابن عمر ہی کی طرف راجع ہے۔

قوله رَجُلٌ ۶ - رجل مبہم ہے اس کی تعین میں اختلاف ہے عند البعض رجل سے مراد حضرت ابہا جر بن قنفذ ہیں جیسا کہ حدیث الباب سے اگلی حدیث سے واضح ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رجل سے مراد حضرت ابوالجہم بن الحارث ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ باب التيمم فصل اول میں روایت ہے قلعی طور پر تعین نہیں ہو سکتی کہ یہ کون ہیں لیکن تعین رجل نہ ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس میں اتفاق ہے کہ یہی صحابی رسول!

يقول ابوالسعاد: احقر کے نزدیک ترجیح اس بات کو ہے کہ رجل مبہم سے مراد حضرت ابوالجہم بن الحارث ہیں۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ حدیث الباب میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح علی الجدار ثابت ہو رہا ہے۔ ”عند رب رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد يده

علی الحائظ» بعینہ اسی طرح حضرت ابوالخیر بن الحارث کی روایت سے ثابت ہے،  
 «حَتَّى قَامَ إِلَى جِدَارٍ فَحَثَّهَ بِبَصْمَاكَ نَتَّ مَعَهُ» الخ۔ جب کہ حضرت مہاجر  
 بن قنفذ سے تو وضو کرنا ثابت ہے۔ (حَتَّى تَوَضَّأَ الخ) زلفیں مسح یعنی تیمم کی وجہ سے  
 ترجیح حضرت ابوالخیر بن الحارث کو ہونی چاہیے کہ رجل سے مراد بھی ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى  
 مَا قَالُوا۔

قَوْلُهُ سَلَّمَ مِنَ السَّلَامِ۔ اِی الطَّرِيقِ مِنَ الطَّرِيقِ۔

قَوْلُهُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ، یعنی صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا مگر  
 آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہ دینا بایں وجہ ہے کہ  
 دراصل اللہ تعالیٰ کا نام ہے گو عام طور پر ایسے مواقع پر سلام کے حقیقی معنی مراد نہیں لیے جاتے بلکہ سلامتی  
 کے معنی مراد ہوتے ہیں مگر پھر بھی آپ نے اس کے اصل معنی کا احترام کرتے ہوئے بغیر وضو کے  
 اللہ تعالیٰ کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔

قَوْلُهُ لَشَقَّ مَرَدُّ عَلَى الْمُتَرَجِّلِ السَّلَامِ۔ جب اس شخص نے سلام کیا تو کوئی لائق تیمم  
 دیوار سامنے موجود نہ تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دیوار تکسبہ پہنچے لٹنے میں وہ شخص غلی  
 کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ فوراً ہی تیمم کیوں نہ کیا پھر سلام کا جواب دیا۔  
 قَوْلُهُ لَوْ اَكُنْتُ عَلَى طَهْرٍ۔ یعنی میں اس وقت بے وضو تھا اور جواب میں کہنا ہوتا ہے  
 وعلیکم السلام سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اگرچہ یہاں وہ معنی مراد نہیں پھر بھی اس کا احترام  
 کرتے ہوئے میں نے بغیر وضو یہ لفظ نہیں بولا۔

سوال۔ یہ ہے کہ حدیث پاک میں ہے «کہ آپ بیت الخلاء سے آکر بغیر وضو کے  
 قرآن پاک پڑھتے پڑھاتے تھے» جب کہ حدیث الباب میں ہے کہ «یہ سلام کافی الفور جواب  
 نہ دینا اس بنا پر ہے کہ میں بغیر طہارت کے تھا تو احادیث آپس میں متعارض نظر آتی ہیں۔  
 جواب۔ آپ کا بے وضو قرآن پڑھنا رخصت و آسانی پر عمل تھا اور یہاں آپ  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم کے لیے عزیمت (اولی) پر عمل فرمایا ہے یعنی بتانا یہ مقصود ہے  
 کہ بے وضو اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز تو ہے مگر افضل یہی ہے کہ با وضو ذکر اللہ کیا جائے۔

**ترکِ سلام کے مواقع** | علامہ شامیؒ نے سات اشعاروں میں ایسے بیس مواقع جمع کیے ہیں کہ جہاں سلام کرنا ضروری نہیں۔ اگر کسی نے بھول کر سلام کر دیا تو جواب دینا ضروری نہیں۔ ان میں ایک قضاء حاجت کا وقت بھی ہے۔ ناظرین کی سہولت کے لیے ان اشعار کو یہیں نقل کیا جاتا ہے۔

(۱) سَلَامٌ مَّكَرُوهٌ عَلَى مَنْ سَمِعَ — وَمِنْ بَعْدِ مَا أُنْبِئَتْ لَيْسَتْ وَيُشْرَعُ (ترجمہ) سلام پڑھنا حرام مکروہ ہے ان لوگوں پر جو ابھی توئے گا۔ اور ان کے سوا دوسروں پر سننے اور شروع ہے۔  
(۲) مُصَلِّ وَتَالِ ذَاكِرٌ وَمُحَدِّثٌ — خُطِيبٌ وَمَنْ يَصْنَعُ الْيَهُودَ وَيَسْمَعُ (ترجمہ) نماز پڑھنے والا، اور تلاوت کرنے والا، ذکر کرنے والا، حدیث پڑھانے والا، خطبہ دینے والا، اور جو ان سب کی باتوں کی طرف متوجہ ہو اور سن رہا ہو۔

(۳) مَكْرُوهٌ فَتَاهُ جَالِسٌ لِعُضَايِهِ — وَمَنْ بَحْثُوا فِي الْفَقْهِ دَعَاهُمْ لِيَنْفَعُوا (ترجمہ) فقہ کا شکار کرنے والا، قضا کے لیے بیٹھنے والا، اور جو لوگ فقہ میں بحث کر رہے ہوں۔  
(۴) مُؤَذِّنٌ أَيْضًا أَوْ مَقِيمٌ مَدَنٍ — كَذَلِكَ الْجَنَبَاتِ الْفَتَيَاتِ أَيْضًا (ترجمہ) اذان دینے والا، اقامت کہنے والا، پڑھانے والا، اسی طرح جو ان اجنبیہ عورتوں پر زیادہ منع ہے۔  
(۵) وَلَعَابِ شَطْرِ نَجٍ وَشِبْدَةِ بَخْلَقِهِمْ — وَمَنْ هُوَ مَعَ أَهْلِ لَهْ يَتَمَتَّعُ (ترجمہ) شطرنج کھینچنے والا، اور جو انکی عادت کے مشابہ ہو مثلاً جوئے باز، شرابی، کالے والا، اور جو اپنی بیوی سے جماع و مقدمات جماع سے لطف حاصل کرتا ہو۔

(۶) وَدَعِ كَاخِرَ أَيْضًا وَمَكْشُوفَ عَوْنَةٍ — وَمَنْ هُوَ فِي حَالِ التَّقَوُّطِ مَا اشْتَعِ (ترجمہ) اور چھوڑ دو کافر کو بھی، اور کھلی ہتھوٹی شرمگاہ والا، اور جو پیشاب، پاخانہ کے حال میں ہو۔  
(۷) وَدَعِ الْكَلَّا إِذَا كُنْتَ جَائِعًا — وَتَعْلَمُ مِنْهُ أَنَّهُ لَيْسَ يَصْنَعُ (ترجمہ) کھانا کھانے والے کو چھوڑ جب تو خود بھوکا ہو، اور تو جانتا ہو کہ وہ تجھے کھانے سے نہیں روکے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر طہارت کے اللہ تعالیٰ کا نام لینا پسند نہیں فرمایا۔  
**فائدہ** | ایسے تیمم کر کے سلام کا جواب دیا۔ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ آپ اس وقت قادری علی الماس تھے اس کے باوجود آپ نے تیمم کیا۔ اس سے فقہاء نے دو ضابطے نکلے ہیں ایک کو تو تمام اصناف نے تسلیم کیا ہے دوسرے کو بعض نے تسلیم کیا ہے اور بعض نہیں کیا

## ضابطہ اولیٰ

### عبادات قائمہ لا اِلیٰ خَلْفَ کے لیے تیمم کا جواز

سلام کا جواب دینا بغیر طہارت جائز تھا لیکن ذکر انشاء طہارت کے ساتھ افضل ہے اس لیے آپؐ نے فوراً تیمم فرما کر سلام کا جواب دیا اس سے امام طحاویؒ نے استدلال کیا کہ جو عبادات قائمہ لا اِلیٰ خَلْفَ کے قبیل سے ہیں یعنی جن عبادات کے فوت ہونے کے بعد قضاء نہیں ہے مثلاً صلوٰۃ الجنائزہ، صلوٰۃ العیدین ان کو وضو کر کے ادا کرنے کی صورت میں اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پانی کے موجود ہوتے ہوئے فوراً تیمم کر کے ان عبادات کو ادا کر سکتے ہیں۔ یہ احناف کا مسلک ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اسی لیے امام نوویؒ نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ آپؐ کا یہ تیمم فرمانا پانی نہ ہونے کی وجہ سے تھا لیکن یہ بات خلاف ظاہر اس لیے کہ یہ مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے اور آبادی میں تو پانی ہوتا ہی ہے۔

## ضابطہ ثانیہ

### جس کام کے لیے طہارت شرط نہیں اس کیلئے پانی ہونکی صورت میں تیمم جائز ہے

ضابطہ ثانیہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے طہارت شرط نہ ہو اس کے لیے پانی موجود ہونے کی صورت میں بھی تیمم جائز ہے۔ مثلاً مسجد میں داخل ہونا، زبانی قرآن پاک پڑھنا، اسلامی کتابوں کو ہاتھ لگانا۔ ان کاموں کے لیے طہارت شرط نہیں لیکن بہتر ہے کہ طہارت پر یہ کام کیے جائیں۔ ایسے کاموں کے لیے تیمم کر سکتا ہے خواہ پانی موجود ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو۔ محاسب درمختار نے بھی اس ضابطہ کو قبول کیا ہے لیکن علامہ ابن عابدین شافعیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔



مَنْ شَاءَ فَلْيُطَالِعِ إِلَى كِتَابِ الْفَقْهِ -

وَعَنْ مُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ  
أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُولُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ  
حَتَّى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ  
إِلَيْهِ وَقَالَ إِنِّي كَرِهْتُ أَنْ  
أَذْكَرَ لَكَ إِلَّا عَلَى طَهْرٍ -

(مسوۃ ابو داؤد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت مہاجرؓ  
ابن قنفذ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی  
خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ پیشاب  
کر رہے تھے انہوں نے سلام کیا آپ نے  
جواب نہ دیا حتیٰ کہ وضو کر لیا پھر ان سے  
معذرت کی اور فرمایا کہ میں نے یہ پسند  
نہ کیا کہ بغیر پاکی کے اللہ کا ذکر کروں۔

قوله مُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ - آپ کا نام خلف ابن عمر ہے لقب مہاجر کیونکہ  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا (هَذَا الْمُهَاجِرُ حَقًّا) تم پہلے مہاجر ہو  
آپ فریشتی ہیں تمی ہیں۔ تسبیح ملک کے دن ایمان لائے۔ بعمرہ میں قیام راتوں ہی وفات پائی۔  
قُنْفُذٍ بِضُمِّ الْقَافِ وَسُكُونِ النُّونِ وَبِإِلْقَاءِ الْمَضْمُونَةِ وَالذَّالِ الْمَعْجَمَةِ -  
قوله فَسَلَّمَ عَلَيْهِ - چونکہ ان صحابی رسول کو مسئلہ معلوم نہ تھا کہ اس حالت میں  
سلام پڑھنا ممنوع ہے اس لیے انہوں نے اس حالت میں سلام پڑھا۔  
قوله فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ - یعنی صحابی رسول نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

سوال - اس روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ جبکہ  
ساتھ ہی روایت ابن عمرؓ میں ہے ”ثُمَّ رَدَّ عَلَى الرَّجُلِ السَّلَامَ“ یہ تعارض ہے۔  
جواب اول : یہ تعارض تعدد واقعہ کی وجہ سے ہے کہ ایک آدمی کو سلام کا جواب عنایت  
فرمایا دوسرے کو نہیں۔

جواب دوم - واقعہ ایک ہی ہے لیکن فَلَمْ يَرُدَّ کے معنی یہ ہیں کہ فی الفور جواب  
نہیں دیا بلکہ بعد الیوم جواب دیا۔

قَوْلُهُ اَعْتَذَرَ - اى بعد رد السلام عليه سلام کے جواب دینے کے بعد جسے  
لسانی شریف کا حوالہ دے رہے ہیں » فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ «

سوال - یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد » اِنِّیْ ذَکِرْتُ اَنْ اَذْکُرَ اللّٰهَ اِلَّا  
عَلٰی طَهْرٍ « حدیث عائشہ کے خلاف ہے جو سابق میں گزری ہے » کَانَ یَذْکُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ  
عَلٰی کُلِّ اَحْیَانٍ « بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے ۔

جواب : حدیث عائشہ غم سے ذکر قبلی مراد ہے اور یہاں ذکر لسانی غلا مضافاً

## الْفَصْلُ الثَّالِثُ — یہ تیسری فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت اہم سلمہ  
سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
جنسی ہوتے پھر سو جاتے، پھر جاگتے پھر  
سو جاتے۔

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ  
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُجَنَّبُ شَرَّ يَنَامٍ ثُمَّ يَنْتَبِهُ  
ثُمَّ يَنَامُ (مسند ابوداؤد)

قَوْلُهُ شَرَّ يَنْتَبِهُ - اى يَسْتَيْقِظُ یعنی بیدار ہوتے یعنی بحالت جنابت اولاً  
وضو کر کے سو جاتے کیونکہ باب ہذا کی حدیث میں ہے کہ آپ حالت جنابت میں سونے کا  
ارادہ فرماتے تو پہلے وضو فرمایا کرتے تھے » اِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَسَادَانِ يَأْكُلُ اَوْ يَنَامُ تَوَضَّأَ  
وَضُوءًا لِلتَّسْلُوَةِ « پھر جاگتے پھر دوبارہ سونے کے لیے وضو نہ کرتے پہلا وضو کافی ہوتا ۔  
(اشعۃ اللمعات)

یقول ابوالاسود : یہ حدیث احادیث کی دلیل ہے کہ جماع کے بعد فی الفور غسل  
واجب ہے نہ وضو اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بیان جواز کے لیے کیا ہے ۔ مزید بحث

تشریح  
وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ اَنَّ ابْنَ  
عَبَّاسٍ كَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ  
ترجمہ : روایت ہے حضرت شعیبہ سے  
کہ حضرت ابن عباسؓ جب ناپاکی سے غسل

يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنَى عَلَى  
يَدِهِ الْيُسْرَى سَبْعَ مَرَّاتٍ  
ثُمَّ يَقِيلُ فَرْجَهُ فَنَسِي مَرَّةً  
كَمَا فَرَعَ قَسًا لَيْتَ فَقُلْتُ  
لَا أَدْرِي فَقَالَ لَا أَمَّ لَكَ وَمَا  
يَمْنُكَ أَنْ تَدْرِي ثُمَّ يَتَوَضَّأُ  
وَضُوءَهُ لِلْمُتَلَوِّ ثُمَّ يُفِيضُ  
عَلَى جِلْدِهِ الْمَاءَ ثُمَّ يَقُولُ  
هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ (رواه البزار)

کر لیتے تو داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر سات  
بار پانی ڈالتے، پھر استنجاء کرتے۔ ایک دفعہ  
بھول گئے کہ کتنی بار پانی ڈالنا ہے مجھ سے پوچھا تو  
میں نے کہا مجھے نہیں معلوم فرمایا تمہاری ماں  
نہ رہے کہیں کس چیز نے جاننے سے روکا۔  
پھر نماز جیسا وضو کرتے۔ پھر اپنے جسم پر پانی  
بہاتے، پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
یوں ہی طہارت فرماتے تھے۔

قَوْلُهُ شُتْبَةُ : یہ شعبہ ابن زینار میں سیدنا ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔  
امام نسائیؒ (رحمۃ اللہ علیہ) نے (وضو فی النساء) کہ شعبہ ضعیف ہیں دیگر محدثینؒ کی توثیق کرتے ہیں۔  
قَوْلُهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ : بعض مقام پر سَبْعَ مَرَّاتٍ بھی ہے۔  
سوال۔ سَبْعَ مَرَّاتٍ والا جملہ دو وجوہ سے بعد از حدیث ہے :  
اول، حدیث پاک میں آچکا ہے ”فَمَنْ نَادَى عَلَى هَذَا فَقَدْ آسَاءَ وَظَلَمَ“ مشکوٰۃ شریف  
باب ۴۶ سنن الوضوء فصل ثانی) جب کہ یہاں تین سے زیادتی ہو رہی ہے۔  
دوئم، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ”مَرَّةً وَمَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا“ دھونا ثابت ہے  
سات دفعہ تو نہیں تکلیف التعلیق۔

جواب اول۔ یہ ہے کہ سبع مزار اس صورت پر محمول ہے کہ جب اس کی اجازت  
تھی تو بعد میں یہ حکم مشورہ ہو گیا تھا لیکن حضرت ابن عباسؓ نسخ کے قائل نہیں تھے (کما فی  
المشکوٰۃ الشریفہ) باب الفصل فصل ثالث بروایت عن ابن عمرؓ۔  
جواب دوئم۔ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ اس کی سند میں شعبہ بن دینار  
راوی ہے جو ضعیف ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ لَا أَمَّ لَكَ - ماں نہ رہے۔ پیار میں بھی بولتے ہیں عتاب میں بھی۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ مرنی اور استاذ کو حق ہے کہ بلا وجہ بھی عتاب کر دے۔ مزید بحث باب الفصل میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ إِنْ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ  
فَنَسِيَ عِنْدَ هَذِهِ وَعِنْدَ هَذِهِ  
قَالَ فَقُلْتُ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
أَلَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَاحِدًا أَخْبَرَنَا  
قَالَ هَذَا أَتْرُكِي وَأَظْيِبُ وَأَظْهَرُ  
رَوَاهُ أَحْمَدُ

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو رافعؓ سے فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں پر دھوہ فرمایا ان کے پاس بھی غسل کیا اور ان کے پاس بھی۔ حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آخر میں ایک ہی غسل کریں نہیں کر لیتے فرمایا کہ یہ خوب پسندیدہ اور بہت صاف ہے۔

قَوْلُهُ أَبِي رَافِعٍ - آپ کا نام اسلم ہے کینت ابو رافع قبلی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں بدر کے سوا تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے پہنچائی اور اسی خوشی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کیا۔ ان کے باقی حالات پہلے گذر چکے ہیں۔

قَوْلُهُ فَقُلْتُ لَهُ - چونکہ ہر دفعہ غسل کے لیے حضرت ابو رافعؓ ہی پانی لاتے ہوں گے اس لیے انہیں اندازہ سے پتہ لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار غسل جنابت فرما رہے ہیں۔ تب یہ سوال کیا اس قسم کے اظہار میں اور مسئلہ پوچھنے میں نہ عقلاً کوئی معائنہ ہے نہ شرعاً۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل مبارک میں سے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر چند بار صحبت کی جائے تو ہر دفعہ نہایت سنت ہے۔ باقی بحث اس باب میں گذر چکی ہے۔

بقول ابوالاسعاد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو رافعؓ کے جواب میں ہر مرتبہ غسل کرنے کی جو وجہ بیان فرمائی ہے اس میں بین الفاظ استعمال فرماتے ہیں

فائدہ

اُن کی ۔ اَطِيبٌ ۔ اَطْهَرُ۔ ان تینوں الفاظ کے فرق کو ظاہر کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں

«التطهير مناسب للظاهر والاستزكية والتطيب للباطن»

فالاولى لانزالة الاخلاق الدميمة والآخرى للتحلى بالشميم

الحميدة (طیبی شرح مشکوٰۃ: ۳۶۶)

فرماتے ہیں کہ تکبیر کا استعمال ظاہری مناسبت سے ہے اور تزکیہ و تطیب کا استعمال باطنی مناسبت سے ہے یعنی تطہیر اخلاق بد کے ازالہ کے لیے ہے اور تزکیہ و تطیب اچھی خصلتوں کے حصول کے لیے ہے۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح غسل کرنے سے بُرے اخلاق (مثلاً غصہ وغیرہ) دور ہوتے ہیں اور اچھی صفات یعنی حلم و تقویٰ وغیرہ حاصل ہوتی ہیں۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت حکم بن عمروؓ سے فرماتے ہیں کہ منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ مرد عورت کی طہارت سے رنجے ہوئے پانی سے وضو کرے۔

وَعَنْ اَبِي شَكْرٍ بْنِ عَصْرٍ  
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَوَضَّاءَ الرَّجُلُ  
بِفَضْلِ طَهُورٍ اَوْ اَمْلَأَةٍ (رداء البوداد)

قوله بِفَضْلِ - یعنی بجا ہوا۔ قوله طَهُورٌ - بفتح الطاء یعنی پانی۔

## مرد کے لیے فضالہ (بجا ہوا پانی) عورت سے حصول طہارت کا مسئلہ

جس پانی کو عورت نے وضو یا غسل میں استعمال کیا جو اس کے استعمال کے بعد برتن میں جو پانی باقی ہے اس کو فضالہ کہتے ہیں کیا اس فضالہ سے مرد کے لیے وضو جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ کی کئی صورتیں ممکن ہیں جسند ایک ملاحظہ فرمادیں:-

۱۔ استعمال فضل طہور الرجل للرجل یعنی مرد کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا وضو یا غسل کرنا۔

صَوْرٌ مُمَكِّنٌ

۲۔ فضل طہور المرأة للمرأة : عورت کے بچے ہوئے پانی سے عورت کا وضو یا غسل کرنا۔

۳۔ فضل طہور المرأة للرجل : عورت کے بچے ہوئے پانی سے جو ان کا وضو یا غسل کرنا۔

۳۔ فضل طہور الرجل للمرأة۔ مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کا وضو یا غسل کرنا۔  
 پھر ہر ایک صورت کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو غسل مٹا ہوگا یا یکے بعد دیگرے۔ اسی طرح کلی آٹھ  
 صورتیں ہوتیں۔ آیا یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ اس بارے میں دو مسلک ہیں  
**مسکد اول**۔ امام احمدؒ اور امام اسحقؒ اور اہل ظاہر فضل طہور المرأة سے غسل یا وضو کر کے  
 کو مکروہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اہل مرد کے لیے اپنی بیوی کے فضل طہور کا استعمال بھی مکروہ  
 تحریمی ہے۔

**مسند**۔ حدیث الباب ہے اس کے مشعل حمید الحمیری کی روایت ہے جس میں  
 دروں جگہ نفل کے الفاظ ہیں۔

**مسکد دوم**۔ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔  
**مسند اول**۔ روایت ابن عباسؓ ہے جس میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عورت کے  
 استعمال سے باقی ماندہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

« فقالت یا رسول اللہ اِنِّی کنت جنبًا فقال ان الماء لا یجنب۔

(مشکوٰۃ شریفؒ) فصل ثانی باب مخالطة الجنب)

**مسند دوم**۔ حضرت بنی عائشہؓ کی روایت ہے۔

« کنت اغتسل اُکلاً ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اناء واحدٍ

وہما جنبان (ابرداد شریفؒ) باب الوضوء بفضل طہور المرأة)

**مسند سوم**۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے۔

« قال کان الرجال والنساء یتوضؤون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم من اناء واحدٍ (ابرداد شریفؒ) باب الوضوء بفضل

طہور المرأة)

**مسند چہارم عقلی**۔ یہ ہے کہ پانی بغیر قروح نجاست کے ناپاک نہیں ہوتا تو پھر  
 استعمال سے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔

## امام احمد و مَنْ وَافَقَهُ کے مُتَدَلَّات کے جوابات

امام احمدؒ اور اہل ثوابؒ وغیرہ نے حضرت یحییٰ بن عمرؒ کی روایت سے دلیل پکڑی ہے اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں :-

**جواب اول** فضل الطہریں کے دو معنی ہیں (۱) ایک رہ پانی جو وضو یا غسل کرنے کے بعد برتن میں بچا رہے (۲) دوسرا معنی یہ کہ وہ پانی جو وضو یا غسل کرتے ہوئے اعضاء پر سے گزے۔ چنانچہ علامہ خطابیؒ معالم السنن شرح ابوداؤد شریف ص ۱۱۰ میں فرماتے ہیں حدیث باب میں فضل کا دوسرا معنی مراد ہے یعنی "الْمَاءُ الْمَاءُ الْمَتَّاسِقُ مِنْ الْأَعْضَاءِ" اور اس سے وضو کرنا تو ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں کیونکہ یہ ماء مستعمل ہے اور مستعمل پانی مختار قول کے مطابق ظاہر تو ہے ظہور نہیں اس لیے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اختلاف فضل بالمعنی الاول میں ہے۔ اور حدیث میں فضل کا دوسرا معنی مراد ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

**جواب دوم** علامہ قاضی عبدالرحمن مبارک پوریؒ تحفۃ الاحوذی ص ۶۵ میں لکھتے ہیں کہ انہی والی روایات کلمہ منسوخ ہیں اور اجازت والی روایات ناسخ کا درجہ رکھتی ہیں۔

**جواب سوم** قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار ص ۴۱ میں لکھتے ہیں کہ اجازت والی روایات سنداً زیادہ صحیح ہیں لہذا انہیں کا اعتبار ہے اور اس کے مقابلہ کی روایات کو امام نوویؒ نے ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ شرح مسلم ص ۱۲۸ میں امام نوویؒ لکھتے ہیں :- "انہ ضعیف ضعیفۃ الحدیث منہما البخاری وغیرہ"

بقول ابوالاسود جویاؒ۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی درحقیقت باب معاشرت اور دفع و سادس سے متعلق ہے۔

"فہذا الحدیث من باب حسن الادب وسد الاہام رفیع الباری" کتاب الوضوء باب وضوء التجل العز

چونکہ فطرۃ عورتیں کم نظیف ہوتی ہیں۔ پھر طریقہ استعمال مار سے بھی ناواقف ہوتی ہیں۔ جب کہ مرد فطرۃ نظیف ہوتا ہے۔ اس لیے عورت کے فضل (بچے ہوئے پانی) کو استعمال کرنے میں دوسرہ کرے گا۔ پھر یہ دوسرہ نماز تک سرایت کر سکتا ہے اور شریعت مقدسہ بعض دفعہ طبیعت کا بھی لحاظ کرتی ہے جیسا کہ پانی میں تھوڑے اور پھونکنے سے منع کیا گیا اس طبعی نظافت کی بنا پر اس لیے مرد کا لحاظ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضلِ طہورِ مرآۃ سے منع فرمایا تاکہ ایک مرد امینان کے ساتھ خدا کے سامنے کھڑا ہو۔

قَوْلُهُ وَقَالَ يَسُوْبُهَا۔ لفظ سَوَّیَ یہاں غسل یا وضو کے بقیہ پانی کے معنی میں ہے اس کے لغوی معنی (جھوٹا) مراد نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رادی کو فقط لفظ میں شک واقع ہوا ہے کہ آپؐ نے یا تو فضل کہا ہے یا سورِ زلا ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حمید جعری سے فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے ملا جو حضرت ابراہیمؑ کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں چار سال رہے فرمایا منع کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے کہ عورت مرد کے بچے ہوئے سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے سے غسل کرے۔

وَعَنْ حُمَيْدِ الْجَعْفَرِيِّ  
قَالَ لَقِيتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ  
سِنِينَ كَمَا صَحِبَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ  
قَالَ تَلَّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْأَةُ  
بِفَضْلِ الرَّجُلِ أَوْ يَغْتَسِلَ الرَّجُلُ  
بِفَضْلِ الْمَرْأَةِ (رواه البودادوني)

قَوْلُهُ حُمَيْدُ الْجَعْفَرِيِّ۔ آپ حمید ابن عبد الرحمن ہیں بقرہ کے باشندے ہیں۔ قبیلہ حمیر سے ہیں۔ جلیل القدر تابعی ہیں اپنے زمانہ میں بڑے عالم تھے۔

قَوْلُهُ لَقِيتُ رَجُلًا۔ یہ رجل مبہم صحابی ہیں اور صحابی کا اسماء میں مجہول ہونے سے روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ تمام صحابہ کرام ع عدول ہیں۔ اس رجل مبہم کی تعیین میں شراح حضرات نے عین اختلاف دیکھے ہیں۔



۱۷ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۱۸ حضرت حکم بن عمرو النخعیؓ ۱۹ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ  
 قولہ کما صحبہ ابوہریرہؓ - حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ تشبیہ و تائید  
 محبت میں ہے۔

قولہ نَاكَ مُسَدَّدٌ ۲۰ - آپ کا نام مسدد (بفتح الدال) ابن مسدد ہے بمع تابعین  
 میں ہیں بصرہ کے باشندے ہیں ۲۱ ۲۲ میں وفات پائی۔  
 اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ باقی روایت تو وہی ہے جو حیدر عمری نقل فرما رہے ہیں مگر مسددؓ  
 نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ لیفتروا جمیعاً۔

قولہ لیفتروا جمیعاً - لیفتروا کا معنی ہے چلو بھرنا۔ یعنی اگر عورت و مرد  
 ایک برتن سے وضو یا غسل کریں تو آگے پیچھے چلوں میں بلکہ ایک ساتھ لیں تاکہ ان میں سے کوئی  
 دوسرے کے فضلہ سے لہارت نہ کرے اگرچہ آئندہ چلوؤں میں فضلہ سے ہی لہارت ہوگی مگر یہ  
 معاف ہے۔

قولہ اَنْ يَمْسُطَ أَحَدُكُمَا كُلَّ يَوْمٍ - امتشاط یعنی الزجل یعنی روزانہ لنگھا کرنا۔  
 ہر روز لنگھا کرنے کی ممانعت کی وجہ کیا ہے علماء حضرات نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں ۱۔  
 اول: روزانہ لنگھا کرنے سے بال بھرستے ہیں خالانکہ دائرہ بڑھانے کا حکم ہے۔  
 ۲۔ روافع اللہی (دوم): دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ باب زینت سے ہے جو شہامت و جمال کے  
 خلاف ہے، ہر وقت بناؤ سنگھار شعار نہا رہے۔ قال قتالی:-

”أَوْ مَنِ يَنْشَأُ فِي الْحُلْبَةِ وَهُوَ فِي الْخَصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (پیش)  
 یقول ابوالاسعاد - اقادہ عام و خاص کے لیے عرض ہے کہ علامہ قاضی ابوبکر المعروف بہ  
 ابن العربیؒ نے امتشاط کے بارے میں تین باتیں لکھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:-

”مَوَالِدُهُ تَصْنَعُ وَشَرَكُهُ تُتَدَلِّسُ وَاعْبَابُهُ مُسْنَنَةٌ“  
 یعنی لنگھا کثرت سے کرنا یہ سراسر تصنع ہے اور اس کو مطلق ترک کرنا یہ لوگوں کو دھوکا دینا،  
 کہ ہم بڑے زاهد اور اپنے نفس سے بے خبر ہیں اور درمیان میں ایک روز چھوڑ کر کثرت ہے۔  
 چنانچہ ایک روایت میں ہے:

”لَمْ يَلْهُ عَنْ الزَّجْلِ إِذْ غَبَا مِنْهُ مَشْكَلَةٌ شَرِيفٌ ۳۸۱ باب المشرق (الزجل)

نیز اغشاب میں ایک طرح کی سادگی بھی ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے۔ «البدن اذنة من الايمان»  
 (اللہ) قولہ ۱۱ بیوں فی مکہ۔ غل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ اس کی مکمل بحث  
 مشکوٰۃ شریف ج ۲۲ باب آداب افلاہ فصل ثانی روایت عبد اللہ بن مغفل میں ہو چکی ہے۔

## بَابُ أَحْكَامِ الْمِيَاهِ

مِیَہ کی جمع امِوَاہ اور مِوَاہ بھی ہے مِیَہ بمعنی مَاء۔ مِیَہ سے مَاء تظلیب ہنزہ  
 عن الہار سے ہوئی ہے چونکہ پانی بہت سی قسم کے ہیں بارش کا پانی چشمے کنوئیں تالاب وغیرہ کا  
 پانی، جاری غیر جاری، مستعمل اور غیر مستعمل، حیوانات کا جھڑا اور دھوپ وغیرہ سے گرم شدہ  
 پانی اودان پانیوں کے احکام جدا گانہ ہیں اس لیے مِیَہ جمع لائے اور احکام بھی۔

## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
 سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں  
 جو بہتا ہو ہرگز پیشاب نہ کرے کہ پھر اس  
 میں غسل کرے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ  
 الَّذِي لَا يَجْرِي لَشَيْءٍ  
 يَغْسِلُ فِيهِ - (متفق علیہ)

فائدہ۔ پانی کی دو قسمیں ہیں۔ اول دائم، جس کو راگد ساکن دماکت بھی کہتے ہیں یعنی وہ  
 پانی جو ہمیشہ رکا رہے۔ دوم جاری، اس کو مار السیل بھی کہتے ہیں یعنی بہنے والا پانی۔ مار دائم سے  
 مراد وہ پانی ہے جو بارش کے بعد صحراؤں کے گڑھوں یا بڑے بڑے تالابوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے۔

قوله لا يبولن أحدكم في الماء الدارجر: جمہور علماء کے نزدیک  
 ماء دائم میں وہ سب صورتیں داخل ہیں جس سے کسی نہ کسی شکل میں نجاست کا پانی میں داخل ہوتا ہو  
 مثلاً براد راست ماء دائم میں پیشاب کرے، یا اس کے قریب بیٹھ کر کرے جس سے وہ بہہ کر  
 اس میں پہنچ جائے یا کسی برتن میں پیشاب کر کے ماء دائم میں بہا دے۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔  
 سوال۔ مطلقاً پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔ پھر یہاں صرف ماء دائم کی تخصیص کیوں ہے؟  
 جواب اول۔ ماء دائم کی تخصیص از دیار قباحت کو ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہے کیونکہ  
 اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے جب ماء جاری ناپاک نہیں ہوتا۔

جواب دوم۔ ماء دائم میں پیشاب کرنے سے اس لیے روکا کہ اس سے پانی متغیر  
 ہوگا۔ یعنی بوا در مرزہ تبدیل ہو سکتا ہے یا مفضی الی التغیر ہوگا (حجۃ الشریعہ)  
 جواب سونم۔ ماء دائم میں پیشاب کرنے سے بعض دفعہ قطرات اڑنے کا خطرہ ہو سکتا  
 ہے جس کی وجہ سے کپڑے اور بدن پلید ہو سکتے ہیں ولہذا یمنعنا۔

## کیا ماء دائم میں بول و براز دونوں منع ہیں

علامہ امام نوویؒ شرح مسلم ص ۱۳۷ میں لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ جس طرح ماء دائم میں  
 پیشاب کرنا، پیشاب بہانا وغیرہ منع ہے اسی طرح پاستحانہ کرنا یا پاستحانہ ڈالنا بھی منع ہے بلکہ  
 زیادہ اقبیح ہے نہ

« قال اصحابنا وغيرهم من العلماء والتفوط في الماء كالبول  
 فيه واقبح وكذا اذا بال في اناء شتر صبكه في الماء وكذا  
 اذا بال بقرب النهر بحيث يجري اليه البول فكله من موم فبيح  
 الغر (نووی)

باقی حدیث پاک میں بول کی تخصیص بایں وجہ ہے کہ ان لوگوں میں پیشاب کرنے کی عام عادت  
 تھی پاستحانہ کی عادت نہ تھی۔ اس لیے پیشاب کی تخصیص کی گئی در نہ پاستحانہ کی ممانعت تو بطریق  
 اولیٰ ہو گی کیونکہ اصل مقصد پانی کی گندگی سے حفاظت کرنا ہے وہ علت بول و براز دونوں میں



اب اس جملہ کا عطف "لَا يَبُولُونَ" اسے جملہ پر ہوگا۔ لہذا ترکیب مشہور ہے۔

**ترکیب سوئم**۔ منصوب پڑھا جائے "شَقُّ يَنْتَسِلُ" ثُمَّ کے بعد اُن حرفِ ناصبِ مقدر

**سوال**۔ یہ کہ تقدیر اُن شَقُّ کے بعد منقول نہیں۔ قَالَ الْقَرُطَبِيُّ لَا يَجُوزُ النَّصْبُ

اِذَا لَاقَ صَرْحَ حَرْفِ اَنْ بَعْدَ شَقِّ۔

**جواب اول**۔ علامہ ابن مالکؒ فرماتے ہیں کہ شَقُّ بمعنی داو ہے جس کے بعد اُن مقدر

ہو کر فعل مضارع منصوب ہوگا جیسے "لَوْ تَأَمَّلَ الشَّمْلُ وَ أَشْرَبَ الْكَلْبُ" یہاں تَشْرِبُ منصوب ہے داو کے بعد اُن مقدر ہونے کی وجہ سے۔

**جواب دوم**۔ حرف شَقُّ فار کے معنی میں ہے جس کے بعد اُن مقدر ہوتا ہے۔

اس صورت میں شَقُّ يَنْتَسِلُ منصوب ہوگا۔ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى:

"وَلَوْ لَطَخُوا فِيهِ فَيَجِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي رَبِّ" اصل میں تھا فَإِنْ يَجِلَّ

عَلَيْكُمْ غَضَبِي "يَجِلُّ" کے منصوب ہونے کی وجہ فار کے بعد اُن کی تقدیر ہے۔

**حدیث مذکور میں نہی عن الجمع مراد ہے یا نہی عن الجمع**

محدثین حضرات کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حدیث الباب میں نہی عن الجمع مراد ہے یا نہی

عن الجمع اس میں دو قول ہیں:

**قول اول**۔ جمہور حضرات کے نزدیک نہی عن الجمع مراد ہے یعنی بول فی الماء الدائم اور غسل جنابت

فی الماء الدائم دونوں کی ممانعت مقصود ہے خواہ فرداً فرداً ان میں سے کسی ایک کو کیا جائے یا دونوں کو

ایک ساتھ ہر حال دونوں ممنوع ہیں۔

**قول دوم**۔ عند البعض نہی عن الجمع مراد ہے جیسا کہ يَنْتَسِلُ کو منصوب پڑھنے کی صورت

میں ہی معنی بنتے ہیں۔

**سوال**۔ نہی عن الجمع کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کو کرتا ہے تو وہ

جائز ہے حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

**جواب**۔ علامہ ابن رقیبؒ فرماتے ہیں کہ احکام متعدّدہ پر ایک ہی لفظ سے

دلائل کرنا لازم نہیں یعنی ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ حدیث ہے مثلاً نبی عن الجمع حدیث ابواب سے ثابت ہوگی اور نبی عن کل واحد واحد یعنی نبی عن الجمع دوسری روایات سے ثابت ہوگی۔  
جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ مسلم شریف روایت نقل کی ہے :-  
”لَا يَغْتَسِلُ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الذَّاكِرِ وَهُوَ جُسْبٌ“  
یہاں نقطہ عقل کی ممانعت مذکور ہے اور اس کے بعد حضرت جابرؓ کی روایت مسلم ہی کے حوالہ سے مذکور ہے :-

”لَقَدْ سَأَلْتُ اللَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ الذَّاكِرِ“  
اس میں فقط نبی عن البول فی الماء الذاکر ہے۔ گویا کہ اب ہر ایک کے لیے الگ الگ حدیث میں منع کیا گیا ہے اور یہ کوئی مضائقہ والی بات نہیں۔

## حدیث مذکور میں شَوْ کس مقصد کے لیے لایا گیا ہے

حدیث مذکور میں لفظ شَوْ کو لایا گیا ہے ”شَوْ يَغْتَسِلُ“ اس بارے میں بحث ہے کہ یہ کس غرض کے لیے ہے یعنی لفظ شَوْ کونسا ہے اس بارے میں دو قول ہیں :-  
اول : علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ شَوْ استبراء کے لیے ہے (بعد دوری کے لیے) مطلب امر کا یہ ہے کہ ایک عقلمند مسلمان کے لیے یہ بات بعد از عقل و نشان ہے کہ جس پانی میں پیشاب کرے پھر اس میں غسل بھی کرے۔

دوم : علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ شَوْ کمال حال بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ ماء و ائم میں پیشاب نہ کرو کیونکہ آئندہ اس میں غسل کرنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے تو کس نہ سے غسل کرو گے کما فی قولہ علیہ السلام :-

”لَا يَضْرِبُ أَحَدُكُمْ امْرَأَتَهُ ضَرْبَ الْأُمَةِ شَوْ يَضْجِجُهَا“

(التعلیق ص ۲۲۹ باب احکام الحياء)

قَوْلُهُ كَيْفَ يَغْتَسِلُ : اَيِ الْجَنِبِ يَا اَيُّهَا هَدِيدَةُ -

قَوْلُهُ يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوَلًا : اَيِ يَأْخُذُهُ اعْتِرَافًا وَيَغْتَسِلُ خَارِجًا -

یعنی

چھوٹے حوض یا کوفے میں جرابانی بھرا ہو جیسی اس میں گھس کر نہ نہائے بلکہ چلوں یا برتن سے لے کر الگ ہو کر نہائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ تَلَّى  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنْ يُبَالَ فِي الْمَاءِ التَّارِكِ  
(مرواه مسلم)

ترجمہ: روایت ہے حضرت جابرؓ  
سے فرماتے ہیں منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب  
کیا جائے۔

قَدْ مَرَّ تَحْقِيقُهُ النَّفَا۔

وَعَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدٍ  
قَالَ ذَهَبْتُ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ ابْنَةَ أُخْتِي  
وَجَعْتُ فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَانِي  
بِالْبُرْكَهْ ثُمَّ تَوَضَّاءُ فَشَرِبْتُ  
مِنْ وَضْوءِهِ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ  
ظَهْرِهِ فَتَنَظَّرْتُ إِلَى خَالَتِ النَّبِيِّ  
بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ ذَرِّ الْحُجَلَةِ  
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت سائبؓ  
ابن یزید سے فرمایا مجھے میری خالہ نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم کی خدمت اندس میں لے گئیں۔  
عرض کیا یا رسول اللہ میرا بھانجا بیمار ہے۔  
آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھرا اور میرے  
لیے دعا سے برکت کی پھر وضو فرمایا میں نے  
وضو کا پانی پیا پھر میں آپ کے پس پشت  
کھڑا ہوا تو میں ٹھہر ہزت دیکھی جو آپ کے  
کنڈھوں کے درمیان مہری کی گھنڈی کی  
طرح تھی۔

قَوْلُهُ سَائِبُ بْنُ يَزِيدٍ - آپ ازوی ہیں خذلی سنہ میں پیدا ہوئے اپنے  
والد کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہوئے اس وقت سات سال کے تھے۔ نوعر صحابی ہیں  
عہد فاروقی میں بازار مدینہ کے حاکم رہے۔

قَوْلُهُ وَجَعْتُ - اس کو دو طریقوں پر پڑھا جاتا ہے۔ ۱۔ وَجَعْتُ بِكَسْرِ الْجِيمِ اِی مِیْضُ

لَا وَجْعَ - بفتحھا تو مضان مقدر کریں گے ای ذو وَجَع یعنی صاحب درد کا ہے۔  
 قَوْلُهُ فَمَسَحَ رَأْسِي - غالباً آپ کے سر میں درد ہی تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ  
 مبارک کی برکت سے جاتا رہا۔ اس ہاتھ مبارک کی برکت یہ ہوتی کہ حضرت سائبؓ کی عمر سو سال  
 ہوتی لیکن نہ کوئی بال سفید ہوا اور نہ دانست گرا۔ (مرقات)  
 قَوْلُهُ فَشَرِبْتُ مِنْ وُضُوئِهِ - بفتح الواو ای ماء وُضُوئِهِ - وضوء  
 سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہیں :-

اول : وضوء کے بعد برتن میں پکا ہوا یہ پانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء فرمانے  
 کے بعد جو پانی برتن میں باقی رہ گیا تھا۔ حضرت سائبؓ نے اسے نوش فرمایا۔  
 دوم : اعضاء وضوء سے گرا ہوا پانی اس سے مراد یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 وضوء فرما رہے تھے تو جو پانی آپ کے اعضاء وضوء سے گرتا جاتا تھا۔ حضرت سائبؓ حصول برکت  
 وسعادت کی خاطر اسے پیتے جاتے تھے۔

يقول ابو الاسود : ان دو احتمالوں میں احتمال ثانی راجح معلوم ہوتا ہے  
 اس لیے یہاں شفاء کے لیے پانی پلانا مقصود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک  
 منزه الطہر واکمل و احسن سے جتنا زیادہ تلبس ہوگا اتنی ہی شفاء اور برکت زیادہ ہوگی۔ چنانچہ  
 علامہ ہر وی حنفیؒ فرماتے ہیں :-

« وان يراد به بما الفصل من اعضاء وضوء وهذا النسب  
 بما يقصده الشارب من التبرك (مرقاۃ ج ۳) »

قَوْلُهُ خَاتَمُ النَّبِيِّ - اس نشان کو خاتم النبوت یعنی مہر نبوت اس لیے کہا جاتا  
 ہے کہ سرکارِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد بن ابیہتی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء  
 پر خدا نے تعالیٰ کی جانب سے جو کتابیں نازل کی گئی تھیں ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد  
 اور بعثت مبارک کی خبر دیتے ہوئے آپ کی یہ علامت بتائی گئی تھی کہ آپ کے مونڈھوں کے  
 درمیان مہر نبوت ہوگی۔ چنانچہ بعثت کے بعد آپ اسی مہر نبوت سے ہی پہچانے گئے اس لیے  
 یہ مہر نبوت آپ کی نبوت و رسالت کی علامت قرار دی گئی۔

قَوْلُهُ مِثْلُ ثَمَرِ الْحُجْلَةِ - حبلہ مہری کو کہتے ہیں جو دلہن کے لیے بھائی جاتی ہے۔



اس پر خوب صحت پورے لکھانے کے لیے جو گھنٹیاں لگائی جاتی ہیں اس کو زر بتقدیم (زادہ بھیج) جمع اس کی ازرار ہے۔ زر الجملہ کا ترجمہ ہوگا شہری کی گھنٹیاں۔ بعض نے اس کو اور طرح ضبط کیا ہے رز الجملہ (بتقدیم رامہلہ) رز انڈے کو کہتے ہیں۔ جملہ ایک پرندہ ہے بعض نے اس کا ترجمہ چکور کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ مہر نبوت چکور کے انڈے کی طرح تھی۔

سوال۔ مہر نبوت کی مقدار کے بارہ میں روایات مختلف ہیں دوہی ہیں (زر الجملہ یا زر الجملہ) بعض روایات میں ہے۔ کبوتری کے انڈے کی طرح تھی۔

» عن جابر بن سمرة كان خاتم رسول الله صلى الله عليه وسلم بين كتفيه غدة حمراء مثل بيضة الحصاة (مرقات)

بعض روایات میں ہے کہ بالوں کا مجموعہ تھی (و روایت صحیحہ الحاکم شمس مجتمیع و مرقات) بعض روایات میں سیب کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے (و صحیح الترمذی کا تفسیر و مرقات) ان روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب اول۔ روایات مذکورہ میں تشبیہ ہے مقصود مقدار بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تشبیہات مہر نبوت کی شکل اور ہیئت بیان کرنے کے لیے ہیں۔ ایک چیز اپنی شکل و ہیئت کے اعتبار سے کئی چیزوں کے مشابہ ہو سکتی ہے کسی وصف میں کسی چیز کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کسی میں کسی اور کے ساتھ۔

جواب دوم۔ مہر نبوت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی کسی نے چھوٹی حالت میں دیکھی کسی نے بڑی حالت میں اپنی اپنی روایت کے اعتبار سے سب نے تشبیہ دی ہے (فتح الباری ص ۵۶۲)

## ختم نبوت کے بارے میں قدسے تشریح

يقول ابوالاسعاد۔ اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ یہ بدن مبارک کا ابھرا ہوا نہایت خوشنما حصہ تھا رسولوں کی طرح بد نما نہیں تھا۔ یہ مہر نبوت بائیں کندھے کی طرف تھل تھی گویا قلب مبارک کی محاذات میں تھی۔ یہ مہر نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی علامات میں سے ایک علامت

تھی جس کا ذکر کتب سابقہ میں بھی موجود تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ جن علامات کو دیکھ کر اسلام لائے تھے ان میں سے ایک ہر نبوت تھی۔ مگر اختصات اس بات میں ہے کہ یہ ہر نبوت پیدائش ہی کے وقت موجود تھی یا بعد میں پیدا ہوتی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔  
 قول اول: یہ ہر نبوت پیدائش ہی کے وقت موجود تھی۔ وروی ابو نعیم احمد ختمیہ عند ولادته۔ (مرقاۃ)

قول دوم: پیدائش کے وقت نہیں تھی بلکہ بعد میں پیدا ہوتی ہے۔ بالکل صحیح روایات کسی طرف بھی نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۲۶۲ میں ترجیح اس بات کو دی ہے کہ شیخ صدر کے موقع پر ہر نبوت عطا ہوتی ہے کیونکہ بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ مستدرار میں حضرت ابنی ذریغی کی روایت ہے:-

« قال قلت يا رسول الله كيف علمت انك مني الغ وقال

اتاني ايتان »

پھر آگے شیخ صدر کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ قلب مبارک کو دھونے کے بعد ایک فرشتہ نے دوسرے کو کہا:-

« قال احدهما لصاحبه خط بطنه فخط بطني و

جعل الخاتم بين كفتي كما هو الآن » (مرقاۃ)

پھر علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ختم نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں؟ بعض روایات سے لکھا ہوا ہونا معلوم نہیں ہوتا جب کہ بعض روایات سے لکھا ہوا ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ نیچے سے دیکھ تو پڑھنے میں آتا تھا « وَحَدَّثَهُ لَأَشْرَ إِلَيْكَ لَعَنَ » اور سے دیکھ تو پڑھا جاتا تھا « تَوَجَّهْتُ حَيْثُ مَا كُنْتُ فَإِنَّكَ مَنْصُورٌ » یعنی جدھر بھی آپؐ متوجہ ہوں گے ہماری مدد آپ کے ساتھ ہوگی۔ لیکن لکھا فی دانی روایات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچیں۔ چنانچہ علامہ ہرودی حنفیؒ رقم طراز ہیں:-

« لم يثبت منها شيء وغلط ابن حبان في تصحيحه ذالك » (مرقاۃ)

## ماءِ مستعمل کی نجاست و طہارت میں اختلاف

ماءِ مستعمل کی نجاست و طہارت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اس بارے میں دو مسلک ہیں  
**مسلم اول** | امام مالکؒ کا قول مشہور ہے کہ ظاہر و مظہر ہے۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر استعمال  
 کرنے والا با وضو ہے تو پانی بھی پاک ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے اور  
 اگر محدث ہے تو پانی پاک ہے یعنی ظاہر ہے مظہر نہیں یعنی پاک کرنے والا نہیں امام شافعیؒ کا ایک  
 قول بھی یہی ہے۔

## ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کے دلائل

جو حضرات ماءِ مستعمل کے پاک ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں  
**دلیل اول**۔ حضرت ابراہیمؑ کی روایت ہے :-

وَرَأَى الْمَاءَ طَهُورًا لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى طَعْمِهِ

اولوہدہ اور یحکمہ (سنن ابن ماجہ ص ۳۹۹ باب الحیاض کت بالطہارۃ)

طرز استدلال یہ ہے کہ بعد الاستعمال پانی میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا لہذا پانی اپنی اصلی  
 حالت و طہارت پر باقی رہے گا جیسے پاک تھا ویسے پاک رہے گا۔

**دلیل دوم**۔ حدیث الباب ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماءِ مستعمل کو صحابہ کرامؓ  
 بطور تبرک حاصل کر رہے ہیں اور اس پر آپؐ کی تقریر ثابت ہے لہذا یہ دلیل ہے کہ ماءِ مستعمل ظاہر ہے

حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ماءِ مستعمل ظاہر غیر مظہر ہے یعنی خود پاک ہے  
**مسلم دوم** | مگر پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ امام اعظمؒ سے امام محمدؒ کی روایت ہے

اور دوسری روایت امام صاحبؒ کی ہے جس کے راوی امام ابو یوسفؒ اور حسن بن زیادؒ ہیں۔ یہ ہے  
 کہ وہ نجس ہے لیکن حسن بن زیادؒ سے نجاست غلیظہ اور امام ابو یوسفؒ سے نجاست خفیفہ منقول ہے  
 بہر حال فستویٰ اسی پر ہے کہ ظاہر غیر مظہر ہے۔

## ماءِ مستعمل کے ناپاک ہونے کے دلائل

جو حضرات ماءِ مستعمل کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔  
حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے: **وَلَا يَبُولُونَ أَحَدٌ كُفْرًا فِي الْعَاوِ  
الدَّائِمَةِ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب احکام المیاء)**

**دلیل اول**

طرز استعمال لال یوں ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ ماءِ کثیر (جیسے دریا وغیرہ) میں غسل کرنا جائز ہے  
لیکن ماءِ قلیل میں محجب غسل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ماءِ قلیل جنی کے غسل کرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے  
ناپاکی کی اصل علت احتلاط ماءِ المستعمل ہے کہ اس ماءِ مستعمل کے احتلاط سے وہ قلیل پانی نجس  
ہو جائے گا۔

ماءِ مستعمل کو طبیعت سلیمہ پسند نہیں کرتی کسی شکل میں بھی ظاہراً للطہارۃ و

**دلیل دوم**

باطناً للشراب اس لیے ماءِ مستعمل ان خبائث کے ذیل میں آئے گا جن کی  
طرف قرآن مفسرین نے اشارہ فرمایا ہے: **وَيُحْكِمُ عَلَيْهِمُ الْعَجَبَاتُ (رپ)** لہذا ماءِ  
مستعمل کا ناپاک ہونا ثابت ہوا۔

اس پر اجماع ہے کہ جس مسافر کے پاس بقدرِ وضو پانی ہے لیکن

**دلیل سوم عقلی**

اس کو استعمال کرنے میں پیاس کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں تیمم  
جائز ہے۔ اگر پانی بعد الاستعمال پاک رہتا تو تیمم مباح نہ ہوتا بلکہ اس پانی سے وضو کر کے ماءِ مستعمل  
کو برتن میں استعمال شرب کے لیے رکھ سکتا تھا۔ حالانکہ فقہاء میں سے کسی نے اس کی اجازت  
نہیں دی ہے۔ (بذل الجہود ص ۴۵)

## الفصل الثانی - یہ دوسری فصل ہے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ | ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمرؓ

سے فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں پوچھا گیا جو میدانِ زمین میں ہوا اور اس پر چھپسے اور درندے آستے ہوں فرمایا جب پانی دو قلعے ہوں تو گندگی کو نہیں اٹھاتا۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْمَاءِ يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يَنْبُو بِهِ مِنَ الدَّوَابِّ وَالشَّبَاعِ فَقَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلْتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ :

— دروہ احمد —

قوله عَنْ الْمَاءِ ، اى عن طهارة الماء ونجاسته ليعنى سوال پانی کی طہارت و نجاست کے متعلق تھا۔

قوله فِي الْفَلَاةِ - فلات جنگل اور وسیع صحرا کو کہتے ہیں جہاں پانی آسانی سے میسر نہ ہوتا ہو۔ (الفلاة القفر المفاة لا ماء فيها او المنحدرات الواسعة) رقموس ص ۲۸۳ باب الدواب والياء فصل القاء) يكون في الفلاة الماء کے لیے بمنزلہ حال یا صفت کے ہے۔

قوله مَا يَنْبُو بِهِ - یہ ناب سے ہے معنی "اى رَجَعَ بعد مرة اخرى"۔ (المنجد ص ۹۲) یعنی نوبت بنوبت یا یکے بعد دیگرے آنا اس کو میسر نہ دے گا کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔

قوله مِنَ الدَّوَابِّ - جمع دابة بمعنی چوپائے جانور۔ فائدہ - ما ينوبه من الدواب کا عطف الماء پر عطف تفسیری ہے "اعجبني نريد وكرمنا" میں جس طرح متعجب نہ زید اور کرم دونوں ہیں اسی طرح یہاں بھی معطوف معطوف علیہ دونوں مقصود ہیں (وما ينوبه من الدواب وما ينوبه والشباع) اگر اعجبني نہ زید کرم نہ بغیر عطف ہوتا تو متعجب نہ فقط کرم ہی ہوتا۔

قوله وَالشَّبَاعِ - شبع کی جمع ہے معنی درندے۔ مثلاً شیر چیتا وغیرہ درندے پانی پینے وقت اپنی زبان پانی میں ڈبو دیتے ہیں چونکہ زبان ہر گھڑی لعاب سے تر رہتی ہے۔ لہذا اس کا لعاب پانی میں مخلوط ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے پانی کا حکم بدل جاتا ہے۔

قوله قَلْتَيْنِ - قلتین قلہ سے ماخوذ ہے ام ترندی نے اپنی سنن ترمذی میں

محمد بن اسحاق کی زبانی قلم کے دو معنی بیان فرماتے ہیں :-

۱۔ جارا بڑا گھڑا یا مشکا (قال مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَلْبَةُ هِيَ الْجَارُ)  
 ۲۔ شکنجہ وغیرہ جس سے پانی وغیرہ بھرجاتا ہے (وَالْقَلْبَةُ الَّتِي لَيْتَسْقَى فِيهَا)  
 قوله الْخُبْتُ - خبیث کی جمع بمعنی ناپاکی -

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جس

## خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

پر نوبت بہ نوبت درندے وغیرہ پانی پینے کے لیے آتے جاتے ہیں چونکہ صحابہ کرامؓ کو جہاد کی افادہ پیش آتے رہتے تھے تو ان کو اس قسم کے پانیوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا اس لیے یہ سوال کیا گیا۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا "اِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلْبَتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبْتُ" یعنی جس پانی کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں اس کو دیکھا جائے کہ قلعین کے بقدر ہے یا نہیں اگر قلعین سے کم ہے تب تو وہ ناپاک ہے اگر وہ قلعین سے ہے تو پاک ہے۔

## دَوَابَّ (جانور) کی قسمیں

يقول البوالاسعاد : دواب کی قسموں کو سوال و جواب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

نامک مسد خوب سے خوب تر واضح ہو۔

سوال - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے پانی کے متعلق کیوں سوال کیا گیا جس پر مابینوبہ الدواب کی کیفیت تھی۔

جواب - دواب کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ اول - ایک تودہ ہیں جن کا گوشت شرعاً ممنوع اور نجس ہے جیسے درندے مثلاً شیر حیات وغیرہ تو ان کا لعاب بھی نجس ہے کیونکہ لعاب کا تولد لحم سے ہوتا ہے جب کہ لحم نجس ہے تو اس کا متولد بھی نجس ہوگا نیز جو پانی سے نجس لعاب تخلیط ہوگی تو لا محالہ وہ پانی بھی نجس ہو جائے گا۔  
 ۲۔ دوم - دواب کی دوسری قسم وہ ہے جن کا لحم پاک ہے مثلاً گائے بکری وغیرہ تو ان کا لعاب بھی پاک ہے۔ اور اگر کسی پانی سے ان کا لعاب خلط ہو جائے تودہ پانی بھی پاک رہے گا (شرح و تالیف)

مگر حلال جانوروں کا پانی پیتے وقت یہ طریقہ ہے کہ اپنے پاؤں پانی کے اندر داخل کر دیتے ہیں اور ان کے پاؤں کی نجاست پانی میں مخلوط ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات بھی جانور پانی میں کھڑے کھڑے پیشاب بھی کر دیتے ہیں جس سے پانی نجس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایسے پانی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: «اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث»

## طہارت مار و نجاست مار میں ائمہ کرام کے مذاہب

پانی کی طہارت و نجاست کا مسئلہ فقہاء کرام و علماء عظام کے درمیان معرکہ آرا مسائل میں سے ہے۔ اس میں بڑی طویل طریق بحثیں کی گئی ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ نے «السعایہ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں فقہاء کے اقوال بیس سے بھی متجاوز ہیں لیکن مشہور ان میں سے چار مذاہب ہیں۔

۱۔ بی عائشہؓ، حسن بصریؒ اور علامہ داؤد بن علی النطاہریؒ کے نزدیک پانی خواہ قلیل ہو یا کثیر اگر اس میں کوئی نجاست گر جائے تو وہ اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا اور مسطر رہے گا جب تک کہ اجزاء نجاست کا اجزاء مار پر غلبہ نہ ہو جائے غلبہ کا مقصد ہے کہ پانی کی طبیعت یعنی رقت وسیلانیت ختم نہ ہو جائے خواہ اس کے اوصاف ثلاثہ بھی متغیر ہو گئے ہوں۔ اوصاف سے مراد رنگ، بو، مزہ ہے۔

۲۔ یقول ابوالاسعاد: حضرت علامہ گنسکوہیؒ کو کب میں فرماتے ہیں کہ اگر بہ مسلک حضرت عائشہؓ سے روایت ثابت ہوتا تو یہ قوی ترین مسلک ہوتا۔ اس لیے کہ بی عائشہ صدیقہؓ اعلم مسائل الباہ تھیں۔ اور اس معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت مراجعت کرتی رہتی تھیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مسلک بی بی عائشہؓ سے روایت ثابت نہیں۔

۳۔ مستدل۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے «وَأَمْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُرًا» (پ) آیت مبارکہ میں پانی کو مسطر کہا گیا ہے۔

۴۔ امام مالکؒ کا مسلک مختار یہ ہے کہ جب تک احد الاوصاف متغیر نہ ہوں وہ وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

۵۔ مستدل۔ بیرضا نے کی روایت ہے جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ

کہ اس کنویں میں بنجاستیں ڈالی جاتی تھیں مگر تغیر اوصاف نہ ہونے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طہارت بیان کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ» مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب احکام العیاء فصل اول ابن ماجہ شریف ص ۲۹ باب العیاء کی روایت میں مائلہ یتغیر احد الاوصاف الثلاثة کی قید ہے۔

امام احمد اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر پانی قلیل ہو تو درجہ نجاست مذہب سوم سے محسوس ہو جائے گا۔ اگرچہ «لَا یتغیر احد اوصافہ» اور اگر کثیر ہو تو محسوس نہ ہو گا۔ (مائلہ یتغیر اکثر اوصافہ) اور کثیر کی مقدار ان کے نزدیک قلتین ہے۔ اور یہ مقدار تخمین نہیں بلکہ تحقیق ہے یہاں تک کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک تلہ پانی میں نجاست گر جائے تو وہ محسوس ہو جائے گا لیکن اگر اس میں ایک تلہ طاہر پانی شامل کر دیا جائے تو پورا پانی پاک ہو جائے گا اور اس کے بعد اگر دوبارہ دونوں کو الگ کیا جائے تو نجاست عود نہیں کرے گی۔

مستدل۔ حدیث الباب یعنی روایت قلتین جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے اس میں صاف حد بیان کی گئی ہے «اِذَا كَانَ الْمَاءُ قَلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ النَجِسَ»

جو تھا مسلک حنفیہ کا ہے جو مسلک شوافع کے قریب تر ہے فرق یہ ہے کہ احناف کے نزدیک قلیل و کثیر کی کوئی مقدار معین نہیں جبکہ شوافع

کے ہاں قلیل و کثیر کی مقدار قلتین ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ نے اس کو رائے مبتنی پر پر چھوڑ دیا ہے البتہ امام ابو یوسفؒ سے اتنی تحدید ضرور منقول ہے کہ جس پانی میں خلوص اثر النجاست الی الطرف الآخر ہودہ قلیل ہے اور جس میں نہ ہودہ کثیر ہے۔ اسی کو امام قدوریؒ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

«مَا لَمْ يَتَحَرَّكَ بِتَحَرُّكِكَ الطَّرْفِ الْآخِرِ» لیکن فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ رائے مبتنی پر کی مثال گوشش کن۔

مثال۔ پانی کے تالاب کے کنارے ایک بیل کھڑا ہے یا اس کے کنارے کوئی بنجاست پڑی ہے اور متوضی دوسرے کنارے سے دھوا کر ناپا ہوتا ہے اب اس کا خیال یہ ہے کہ بیل کے بول یا بنجاست کے اثرات اس کنارے تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا اس کی رائے کی بناء پر



تالاب کا پانی کثیر ہے اور اس سے وضو کرنا صحیح ہے اور اگر اس کی رائے اس کے برعکس ہے تو پھر تالاب کا پانی قلیل ہے اور اس سے وضو کرنا صحیح نہیں ہے۔

« فالْحَاصِلُ أَنَّ حَيْثُ غَلِبَ عَلَى الظَّنِّ وَجُودُ نَجَاسَةٍ فِي الْمَاءِ لَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُهُ أَصْلًا بِهَذَا الدَّلِيلِ وَلَا فَرَقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ قَلِيلًا أَوْ أَكْثَرًا وَقَدْ تَنَبَّأُوا وَلَا وَهَذَا مَذْهَبُ الْإِسْنِ فِي حَنِيفَةِ (اعلاء السنن ص ۲۲۹) »

## دلائل اُخفاف در بارہ طہارت ماء و نجاست ماء

اُخفاف حضرات کو طہارت ماء و نجاست ماء کے مسئلہ میں دو اُمروں پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

امر اول۔ یہ کہ ماء قلیل کے وقوع نجاست سے ناپاک ہونے کے لیے تغیر اوصاف کی ضرورت نہیں ماء قلیل بغیر تغیر اوصاف کے بھی نجاست گرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے۔  
امر دوم۔ یہ کہ قلیل اور کثیر میں حد ماضی مبتلی بہ کے فرق کو قرار دیا جائے۔

## امر اول پر دلائل

سابق میں دو اُمروں کی تقسیم ہو چکی ہے اب ہر امر پر مستقلاً دلائل پیش کیے جا رہے ہیں امر اول کے دلائل ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث پاک میں ہے « إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمٍ أَمْرًاوَلِیْلَ اَوَّلِ »  
فَلَا يَتَمَسَّ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ رَمْكَاةَ شَرِیفٍ ص ۴۵ باب  
سُنَنِ (الوضوء) طرزا استدلال یوں ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد بغیر دھونے کے ہاتھ اگر پانی کے برتن میں ڈال دے ظاہر ہے کہ اس سے پانی کے صف میں تغیر نہ ہوگا پھر بھی ہاتھ دھونے سے منع کرنا اس بات کی پتہ دلیل ہے کہ پانی کے ناپاک ہونے کی مدار صرف تغیر صف نہیں تغیر صف کے بغیر بھی پانی ناپاک ہو سکتا ہے۔

**دلیل دوم** حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "اذا شرب الکلب فی اناء احکم" فیفسلہ سبع مکررات مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ باب تطہیر النجاسات طرز استدلال یوں ہے کہ کتے کے منہ ڈالنے سے تغیر وصف نہیں ہوتا پھر بھی اس چیز کو ناپاک قرار دیا اور سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ تغیر وصف کے بغیر بھی وقوع نجاست سے بانی ناپاک ہو سکتا ہے۔

**دلیل سوم** حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "لَا یَبُولَنَّ أَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الذَّائِبِ" مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ باب احکام الحیاء) مار داتم ہیں پیشاب کرنے سے تغیر وصف لازم نہیں پھر بھی پیشاب کرنے سے مطلقاً ردک دیا ہے۔

### امر دوم پر دلائل

امر دوم کے دلائل ملاحظہ فرمادیں:-

**دلیل اول** حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے "اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَسَةُ فِی السَّمَنِ فَإِنْ كَانَ جَاصِدًا فَأَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَمْرُؤُوْهُ" ابوداؤد شریف ص ۱۸۱ کتاب الاطعمہ باب فی الفارسة تقع فی السمین مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۰ باب ما یحل اكله وما یحرم فصل ثانی)۔

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں:-

۱۔ ایک یہ کہ چوہے کے مرجانے سے گھی ناپاک ہو جاتا ہے حالانکہ اس سے تغیر وصف نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ گھی کے جامد ہونے کی صورت میں حکم دیا گیا ہے کہ چوہے کو بھی پھینک دو اور اس کے ارد گرد والے گھی کو بھی اس (ماحولیہ) کی حدیث میں کوئی تحدید نہیں کی گئی کہ کتنی دور تک گھی نکالا جائے گا بلکہ اس کو مبتلی بہ کے طبق پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ مبتلی بہ خود بخود کوشش کرے اور سوچے کہ اس چوہے کا اثر کہاں تک سرایت کر گیا ہو گا بس اتنا گھی نکال دے۔ شریعت نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے اور مسائل میں مبتلی بہ کے غلق کو معیار قرار دیا ہے۔

**دلیل دوم**۔ خاند کعبہ کو رخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے مگر صحرا میں جب قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ

ہی اس کی ہمت پر کوئی صحیح دلیل موجود ہو تو شریعت نے تحریمی کا حکم دیا ہے کہ مبتلیٰ بہ اپنی رائے سے کام لے کر نماز پڑھے۔ نماز سے فراغت کے بعد اگر اسے معلوم ہو گیا کہ اس کی رائے غلط تھی تو اس پر صلوٰۃ کا اعادہ نہیں ہے۔

”وان اشتبهت علیہ القبلة وليست بحضرة من يسألها عنها  
اجتهد وصلى فان علم انه اخطأ بعد ما صلى لا يعيدها۔“  
ر عالمگیری ص ۲۸ باب شروط الصلوٰۃ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا فتویٰ ہے جسے امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار

**دلیل سوم**

ص ۱۹ باب الماء يقع فيه التجاسد میں ذکر کیا ہے۔  
”ان حبشياً وقع في زمزم فمات فامر ابن الزبير ففتح ماءها فجعل  
الماء لا ينقطع فظفر فاذا عين بجري اى قبل ان يحجر لا سود فقال  
ابن الزبير حسبكم (ان حوالہ بانہ)

کہ ایک مرتبہ بئر زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ تمام پانی نکال دیا جائے اور یہ کام تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے ہوا کسی نے یہ نہیں کہا کہ دیکھو تغیر اوصاف ہوا کہ نہیں اور پانی قلتیں سے کم ہے یا نہیں۔ اور نہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کچھ کہا تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے کہ نہ تغیر کا اعتبار ہے اور نہ قلتیں کا اعتبار ہے بلکہ مبتلیٰ بہ کی رائے کا اعتبار ہے۔

## ضروری واہم فائدہ

يقول ابوالاسود: قليل اور کثیر پانی میں فرق کرنے کے لیے اصل مذہب حنفی ہی ہے کہ مبتلیٰ بہ کے ظن پر مدار ہے جس پانی کے بارہ میں اس کی غالب رائے یہ ہو کہ ایک طرت پڑی ہوئی ناپاکی کا اثر دوسری طرت تک پہنچ جائے گا یہ ٹکلیس ہے اور اس کے خلاف کثیر ہے۔ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے بعض متون متاخرین کے اندر جو یہ مسئلہ لکھ دیا گیا ہے کہ کثیر پانی وہ ہے جو عشر فی عشر (دہ در دہ) یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے یہ اس طرح شہرت پا گیا ہے اس کی حقیقت سمجھیں۔

## عَشْرٌ فِي عَشْرِ بَعْنِي دَهْ دَرْدَه کی حقیقت

يقول ابو الاسعاد : عَشْرٌ فِي عَشْرِ حَقِيقَت مَرْتِ اتنی ہے کہ امام محمدؒ ایک روز مسجد شریف میں بھی مستند اپنے تلامذہ کو پڑھا رہے تھے تو کسی طالب العلم نے سوال کر دیا کہ اگر پانی کی وسعت اس مسجد شریف کے صحن کے برابر ہو تو وہ مار کثیر ہے۔ تو آپ نے فرمایا ہاں وہ مار کثیر ہے۔

عند البعض علماء الإسلام جوز جانی نے اپنے استاذ امام محمدؒ سے پوچھا کہ کتنا پانی کثیر ہوگا اس پر امام محمدؒ نے فرمایا ”کم مسجدی ههنا“ میری اس مسجد جتنا۔ ابراہیمان جوز جانی نے بعد میں اس مسجد شریف کو ناپا تو وہ اندر سے ”ثمانیہ فی ثمانیہ“ اہ باہر سے ”عَشْرٌ فِي عَشْرِ“ تھی۔ احتیاطاً عشر فی عشر کو اختیار کر لیا۔ حالانکہ یہ طلبہ کو سمجھانے کے لیے ایک تشبیہ تھی، تحدید نہ تھی مگر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ حنفیہ کے مسلک میں دہ دردہ کی تحدید ہے لیکن یہ غلط ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ ان کا مقصود تحدید تھا تو اس قول عَشْرٌ فِي عَشْرِ سے ان کا رجوع ثابت ہے فرماتے ہیں : ”لَا أَوْقَتْ فِيهِ شَيْئًا۔ الخ۔ فَقَدْ سَأَلَهُ ابْنُ جَعْفَرٍ الْمَصْرِي فِي بَعْضِ الرَّاغِقِ فَأَنَّهُ لَسَطَهُ بِحَرْفٍ“ وقال ابو عصمة كان محمد بن الحسن يقول في ذلك عشر في عشر ثم رجع الى قول ابي حنيفة وقال لا أوقت شيئاً كذا قال الشيخ ابن همام ر لمعات التنقيح ج ۱۲

نیز انہوں نے غدیر عظیم کی حد بتائی ہے جو اپنے ظن سے بتائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ظن میں اتنا پانی کثیر سمجھا جاتا ہے ظن مبتلی بہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے کہ ایک مبتلی بہ کا ظن دوسروں کے لیے لازم نہیں ہوتا۔ لہذا حقیقت وہی ہے کہ حنفیہ نے کثیر کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی اور اس کو رائے مبتلی بہ پر چھوڑا گیا ہے یعنی مبتلی بہ پانی کی جس مقدار کو کثیر سمجھے اس پر کثیر کے احکام جاری ہوں گے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البحر الرائق ص ۶۱۷ ج ۱

## صاحب شرح وقایہ پر تعقیب

يقول البواقي سعاد : فيا للعجب شرح وقایہ کے مصنف پر کہ انہوں نے وہ درود کو اصل الاصول قرار دیا اور اس کی تائید اس بات سے کر دی کہ حریم بئر میں بھی حکم یہی ہے کہ وہ درود کے احاطہ میں دوسرا کنواں نکالنا ممنوع ہے ذرا اس کی حقیقت بھی سمجھ لیں۔ شارح وقایہ علامہ عبید اللہ ابن مسعود المعروف بہ تاج الشریعہ نے شرح وقایہ ص ۸۸ میں عَشْرًا فِي عَشْرٍ کو حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔

” مَنْ حَفَرَ بَيْتًا فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا عَطْنًا لِمَا شِيعَتْهُ رَابِعًا ”

شریف ص ۱۸۱ باب حدیث البیور۔ یعنی جو شخص کسی مباح زمین میں کنواں کھودے تو اس کا حریم واحاطہ چالیس ذراع ہوگا۔ اس حریم کے اندر کسی اور شخص کو نہ پانی کا کنواں کھودنے کی اجازت ہوگی نہ بئر بالوعہ یہ وہ کنواں ہے جس کا منہ تنگ ہو جو بارش وغیرہ کا پانی جمع ہونے کے لیے ہوتا ہے اور کوڑا کرکٹ اور گندگی وغیرہ اس میں ڈالتے ہیں۔ کھودنے کی اس حدیث میں حریم چالیس ذراع بنا یا گیا ہے۔ چالیس ذراع کا مطلب شرح وقایہ نے یہ لیا ہے کہ چاروں طرف دس دس ذراع ہو۔ اس مطلب کے لحاظ سے دس ذراع کے اندر دوسرا آدمی بئر الماء اور بئر بالوعہ کھودنے کا مجاز نہ ہوگا۔ دس ذراع سے باہر کھود سکتا ہے۔ یہاں سے شارح وقایہ نے استدلال کیا ہے کہ دیکھو شریعت دس ذراع تک بئر بالوعہ کھودنے کی اجازت نہیں دیتی اس سے آگے اجازت ہے۔ اس کی علت یہی ہو سکتی ہے کہ دس ذراع تک نجاست کا اثر سرایت کر کے کنویں میں آئے گا۔ پورے دس ذراع یا اس سے آگے اگر بئر بالوعہ ہوا تو نجاست کا اثر پانی تک نہ آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں دس ذراع سے نیچے تک ایک طرف کی ناپاکی دوسری طرف تک اثر کرتی ہے۔ لہذا دس ذراع سے کم حوض کو قلیل کہیں گے اور دس ذراع اور اس سے زیادہ کو کثیر کہیں گے۔

## صاحب بحر کا شاح وقایہ کے استدلال پر اعتراضات

صاحب بحر علامہ ابن نجیم المصریؒ نے شاح وقایہ کے اس استدلال پر چند اعتراضات کیے ہیں ملاحظہ فرمادیں :-

**اعتراض اول** پہلا اعتراض یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو اس بقصون ذراعاً حرم آتا ہے شاح وقایہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دس ذراع ہر طرف حرم ہوگا۔ صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ مطلب ٹھیک نہیں۔ صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کنویں کا حرم چالیس ذراع ہر طرف ہوگا یعنی ۴۰ x ۴۰ لہذا یہ استدلال ختم ہے۔

**اعتراض دوم** دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ بات جو کہی گئی ہے کہ دس ذراع تک ہر بالوعہ نہیں کھود سکتا اس کے آگے کھود سکتا ہے یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے بلکہ مذہب حنفی یہ ہے کہ زمین کی تاثیر سمجھنے والے دو عادل تجربہ کاروں سے پوچھا جائے کہ ایسی زمین میں کتنی دور تک نجاست کا اثر کنویں میں پہنچ سکے گا جہاں تک اثر پہنچے گا خطرہ ہے وہاں تک ہر بالوعہ نہ کھودنے دیا جائے اور جتنی دور سے اثر پہنچے گا خطرہ نہیں ہے وہاں سے کھودنے کی اجازت ہوگی۔ یہ مقدار زمین کے سخت یا نرم ہونے کے اعتبار سے بدل سکتی ہے۔

**اعتراض سوم** تیسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ پانی کو زمین پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ زمین کثیف چیز ہے اور پانی اس کی بہ نسبت لطیف ہے۔ زمین میں سے نجاست کا اثر اس قدر سرایت نہیں کر سکتا جس قدر تیزی سے پانی میں سرایت کرے گا دس ذراع سے ہر بالوعہ کا اثر زمین میں سے ہوتا ہوا اگر کنویں تک پہنچے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کے تالاب میں سے بھی ایک طرف کی ناپاکی کا اثر اتنی دور ہی سے دوسری طرف پہنچے گا بلکہ پانی کی لطافت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں اس سے کم مسافت سے ایک طرف کی ناپاکی کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے گا۔

## مذہبِ ثلاثہ کے مُستدلّات کے جوابات

ترتیبِ ذکر کی اعتبار سے پہلا مذہبِ اہلِ ظواہر کا ہے لہذا پہلے ان کے مُستدلّ کا جواب دیا جائے گا۔

### اہلِ ظواہر کے مُستدلّ کا جواب

اہلِ ظواہر نے اپنے مسلک پر قرآنِ مقدّس کی آیتِ مبارکہ ”وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا“ سے دلیل پکڑی ہے کہ آیت میں پانی کو مطہّر کہا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ آیت میں پانی کی اصل حقیقت بیان کی گئی ہے کہ حقیقۃً پانی پاک نازل کیا گیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا بلکہ پاک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے۔  
 ”اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجَسُ، اِنَّ الْاَرْضَ لَا تَنْجَسُ“ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ مؤمن وزمین ناپاک نہیں ہوتے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناپاک باقی نہیں رہتے۔

### مالکیہ حضرات کے مُستدلّ کے جوابات

اہم مالک نے پانی کی نجاست و طہارت کو اَلْوَانِ ثلاثہ پر موقوف کیا ہے اور دلیل کے طور پر حدیثِ بیرِ بضاعۃ سے دلیل پکڑی ہے اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں:-

### حدیثِ بیرِ بضاعۃ کے جوابات

یَقُولُ الْبُؤَالُ سَعَادُ: حدیثِ بیرِ بضاعۃ کے جوابات سے قبل بطورِ تمہید دو باتوں کا کچھ لینا ضروری ہے۔

**اَوَّل**۔ پہلی بات یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ اور اس کا سیاق خود اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہ اپنے ظاہر پر محمول نہیں کیونکہ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بیر بضاعۃ میں حیض کے کپڑے مردار کتوں کا گوشت اور دوسری ہمدرد اشیاء باقاعدہ ڈالنے کی عادت تھی گویا کہ اس کنویں سے کوڑی کا کام لیا جاتا تھا حالانکہ یہ بات عقلاً انتہائی بعید ہے کیونکہ حجاز میں پانی بہت کیاب تھا اس لیے یہ بہت مستبعد ہے کہ صحابہ کرام رضوان پرچہ کر اس میں نجاستیں ڈال دیں کم از کم نفاقت کا تھا صابہ تھا کہ کنویں کو ان چیزوں سے پاک رکھا جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ نجاستیں ڈالنے والے منافقین تھے۔ لیکن بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے نفاقت ایک انسانی مسئلہ ہے اور اس میں کسی منافق سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ یہ حرکت کرنا ہو۔

**دوئم**۔ اگر راقعہ اس کنویں سے کوڑی کا کام لیا جاتا ہو تو ممکن نہیں ہے کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ متغیر نہ ہوتے ہوں۔ کیونکہ اہم البودارؤد کی تصریح کے مطابق وہ کنواں چھ ذراع تھا اور اس میں پانی کم از کم گھٹنوں اور زیادہ سے زیادہ ناف تک آتا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان اشیاء مذکورہ کے ڈالنے سے اوصاف ثلاثہ متغیر نہ ہوں۔

اس تہدید کے بعد اب ان جوابات پر غور فرمائیں جو اس حدیث کے بارے میں اصناف حضرات نے پیش فرمائے ہیں :-

جس کو امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اختیار کیا ہے وہ یہ ہے

**جواب اَوَّل**

کہ بیر بضاعۃ کا پانی جاری تھا پھر اس کی تائید میں انہوں نے مختلف روایات پیش کی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے جمع البوامع میں اور علی متقیؒ نے کنز العمال میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت نقل کی ہے۔ اس میں بیر بضاعۃ کو غدیر کہا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ بیہقیؒ نے علامہ سیوطیؒ اور علی متقیؒ کے حوالہ سے التعلیق الحسنؒ میں یہ روایت یوں نقل کی ہے :-

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَشَرِبَ مِنْ غَدِيرِ  
كَانَ يَلْقَى فِيهِ لَحْمُ الْكَلَابِ وَالْجَيْفُ فَذَكَرَ لَهُ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ  
الْمَاءَ لَا يَنْجِسُهُ شَيْءٌ »

ایسے ہی علامہ بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے :-



”كانت بغير بضاعة كشيبة الماء واسعة كان يطرح فيها

من الانجاس الخ۔ (التعليق الحسن للشمس)

لہذا ان آثار کے پیش نظر اگر وہ غدیر اور ماد جاری کے حکم میں ہے تو حدیث بغير بضاعة سے  
ماکیر کا استدلال درست نہیں چونکہ ماد جاری و کثیر کی نجاست ہمارے نزدیک بھی تیز و صغیر پر  
موقوف ہے جب تک کہ تیز فی الوصف نہ آئے اس وقت تک نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

بغير بضاعة کے متعلق صحابہ کرام کا سوال نجاستوں کے مشاہدہ پر نہیں بلکہ  
نجاست کے ادہام و خطرات پر مبني تھا۔ اس لیے کہ یہ کنواں شیب  
میں واقع تھا اور اس کے چاروں طرف آبادی تھی (جیسا کہ علامہ خطابی نے معالم السنن میں تصریح کی ہے)  
صحابہ کرام کو یہ خطرہ گذرا کہ اس کے چاروں طرف جو نجاستیں پڑی رہتی ہیں وہ ہمارے اثر کر یا بارش  
سے بہہ کر اس کنویں میں نہ پڑ جاتی ہوں ان خیالات کی وجہ سے صحابہ کرام نے اس کی نجاست و طہارت  
کے بارے میں آپ سے سوال کیا لیکن چونکہ یہ خیالات محض وسوس اور ادہام تھے اور مشاہدہ پر  
مبني نہ تھے۔ اس لیے آپ نے قطع وسوس کے لیے علی اسلوب الحکیم جواب دیا اور فرمایا۔  
”الماء طهور لا ینجسہ شیء“

یُلقی فیہ الحیض ”در تحقیق“ ”کان یلقی فیہ الحیض“ کے معنی  
میں ہے یعنی یہ گندگیاں اور غلاتیں بغير بضاعة میں زمانہ جاہلیت میں ڈالی  
جاتی تھیں۔ اسلام کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن صحابہ کرام کے دلوں میں یہ شک رہا کہ اگر چہ اب  
کنواں صاف ہو چکا ہے لیکن اس کی دیواروں پر اب تک نجاست کے اثرات باقی ہوں گے اس پر  
انہوں نے سوال کیا اور آپ نے اپنے ارشاد کے ذریعہ سے ان کے دہم کو دور فرمایا۔

حدیث بغير بضاعة والی قابل استدلال نہیں اس لیے کہ یہ ضعیف ہے۔  
خصوصاً طور پر ”اذا ما غلب علی ریحہ او طعمہ الخ“ والی زیلعی  
جواب چہارم کیونکہ اس سند میں رشید بن سعد ہے جو ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ زیلعی نصب الراية ص ۹۲ میں لکھتے ہیں  
”وقد روی من طریق ضعیفہ“ بھی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے لکھا ہے کہ بغير بضاعة  
والی روایت کی سند میں اضطراب ہے۔

## کیفیت اضطراب فی السند

علامہ زلیحی نصب الراية ص ۱۳ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو الحسن بن القطان نے اپنی کتاب الوهم والایهام میں لکھا ہے کہ اس کی سند میں اختلاف ہے۔ ترمذی شریف ص ۱۱۱، البور او د شریف ص ۱۱۱، اور طنیا ص ۲۹۲ میں سند یوں ہے: "عن عبد الله بن عبد الله بن رافع" اور نسائی شریف ص ۲ کی سند یوں ہے: "عن عبد الله بن عبد الرحمن بن رافع" اور دارقطنی ص ۱۱۱ کی سند یوں ہے: "عن عبد الله بن عبد الله بن رافع" اور دارقطنی کی ایک سند میں "عن عبد الرحمن بن رافع" آتا ہے۔ ترمذی الراوی ص ۹۲ اور مقدمہ تحفۃ الاحوزی ص ۱۹۵ میں لکھا ہے کہ اضطراب متن میں ہو یا سند میں موجب ضعف ہوتا ہے "لأنه يدل على عدم ضبط الراوی اقوال کذا قال النووي فی التقریب مع شرحہ زحدریب الراوی ص ۱۱۱"

## شوافع حضرات کے مستدل کے جوابات

امام شافعی ومن وافقہ حضرات نے پانی کی نجاست و طہارت کی مدار قلّت و کثرت کو قرار دیا ہے اور قلّت و کثرت قلتین کو معین فرماتے ہیں اس کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:-

## حدیث القُلَّتَيْنِ کے جوابات

**جواب اول**۔ جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لیسہ بحمل الخبث کے معنی ہیں کہ دو قلتین کے برابر پانی بوجہ ضعف کے نجاست کا تحمل نہیں کر سکتا بلکہ نجس ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تین بوری وزن کا تحمل نہیں کر سکتا تو مراد یہ ہوتی ہے کہ بوجہ غالب ہے اور اٹھانے والا مغلوب۔ یہاں بھی لیسہ بحمل الخبث کی مراد کچھ ایسی ہی ہے کہ جب پانی کی مقدار قلتین ہو اور اس میں نجاست واقع

ہر گئی تو پانی مغلوب اور بجا ست غالب رہے گی۔ نتیجہً پانی نہیں ہو جائے گا۔ لیکن اس جواب پر بعض حضرات نے یہ شبہ کیا ہے کہ بعض روایتوں میں لم یحمل کے بجائے لا ینجس ہے۔  
 دکنافی ابی داؤد شریف ص ۱۱۱ باب ما ینجس الماء (ہکذا فی مشکوٰۃ الشریف)  
 تران الفاظ سے سابقہ تعبیر کی تردید ہو جاتی ہے۔

جواب دوم۔ حدیث قلین ضعیف ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے حدیث قلین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ضعفہ ابو داؤد۔ (ہدایہ ص ۲۵۱ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ)

سوال۔ صاحب ہدایہ کے اس جواب پر بہت سے حضرات (خصوصاً شوافع) معترض ہیں کہ امام ابو داؤد نے تو کہیں بھی حدیث قلین کی تضعیف نہیں کی پھر یہ کہنا کیونکر درست ہوگا بلکہ امام ابو داؤد نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا ہے جو ان کی عادت کی رو سے دلیل حجت ہے نہ کہ دلیل تضعیف۔

یقول ابوالاسعاد جواباً۔ عرض ہے کہ معترضین حضرات کا صاحب ہدایہ پر اعتراض کرنا چند وجوہ سے غیر صحیح ہے بلکہ ناقابل فہم ہے۔ چند وجوہات ملاحظہ فرمادیں :-

اول۔ سنن ابی داؤد شریف کے نسخے مختلف ہیں ہو سکتا ہے صاحب ہدایہ کے پیش نظر جو نسخہ ہو اس میں اضطراب کے علاوہ کوئی دوسرا صیغہ تضعیف موجود ہو۔ لہذا ہمارے پیش نظر نسخہ میں اگر کوئی صیغہ تضعیف مذکور نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ کسی نسخہ میں بھی تضعیف موجود نہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے امام ابو داؤد کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: حدیث قلین صحیحاً لا یثبت (الغالب بہامش فتح القدیر ص ۱۱۱)۔ اس سے صراحۃً حدیث قلین کی تضعیف معلوم ہوتی ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ کے پیش نظر بھی وہی نسخہ ہو جس میں یہ عبارت مذکور ہے۔  
 دوم۔ ہو سکتا ہے کہ امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد شریف کے علاوہ اپنی کسی دوسری تضعیف میں یہ تضعیف کی ہو۔

سوم۔ طبقات محدثین میں دو ابو داؤد کے نام نامی مشہور ہیں: ابو داؤد سجستانی و ابو داؤد طلیس۔ ممکن ہے کہ صاحب ہدایہ کی مراد ابو داؤد سجستانی صاحب سنن کے بجائے ابو داؤد طلیسی مراد ہو اس لیے محض سنن ابی داؤد للبحرانی دیکھ کر صاحب ہدایہ پر اعتراض کرنا

کہاں تک درست ہے۔

## سکوت امام ابو داؤد کی حیثیت

يقول ابو الاسود ، حديث قلین پر امام ابو داؤد کا سکوت فرمانا کہاں تک درست ہے اس کی مکمل بحث شدہ ہے فتح الودود فی حلّ قال ابو داؤد میں بعنوان اسامات امام ابو داؤد کر دی ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصر عرض ہے کہ کسی روایت پر سکوت امام ابو داؤد اس کی صحت کے لیے حرج آخر نہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جس روایت پر امام ابو داؤد سکوت فرمائیں تو اس روایت کا مؤید یا کوئی شاہد تلاش کیا جائے۔ اگر اس روایت کا کوئی شاہد مل جائے تب تو وہ حجت ہوگی ورنہ وہ روایت قابل توقّف ہے اور حافظ ابن حجر نے اپنے اس قول کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنے خط میں لکھا کہ فتح الودود فی حلّ قال ابو داؤد ۵۵ میں مکتوب ہے) یہ بھی تحریر فرمایا ہے » وما فيه وهن شديد بنيت« جس روایت میں شدید ضعف ہوتا ہے تو میں اس کو مستلذذ دیتا ہوں۔ حافظ فرماتے ہیں کہ مصنف کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہاں پر وہ میں غیر شدید ہوتا ہے اس کو بیان نہیں فرماتے بلکہ سکوت فرما جاتے ہیں جب یہ صورت حال ہے تو ماسکت علیہ ابو داؤد کو مطلقاً حجت کیسے مان لیا جائے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی روایت کی سند میں کوئی ضعیف راوی ہوتا ہے مگر اس کے باوجود امام صاحب دہاں سکوت فرماتے ہیں مثلاً عبد الرحمن بن ہبہ اور صالح بن مولى التوام وغیرہ۔ نیز بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ضعیف راوی کی بناء پر ایک جگہ کسی روایت پر کلام فرما دیتے ہیں۔ پھر دوسری جگہ جب وہ راوی کسی روایت میں آتا ہے تو ماسبق پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر کلام نہیں فرماتے لیکن دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ مصنف اس پر سکوت فرما رہے ہیں غرضیکہ ان تمام وجوہ کا مقتضی حافظ ابن حجر نے یہ نکالا کہ ماسکت علیہ ابو داؤد کا حکم توقّف ہے جب تک کہ اس کا شاہد اور مؤید نہ ملے اس کو حجت نامہ نہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ علامہ زاہد الکوثری رالیکت الطریقہ فی التحدّث عن ردد ابن ابی شیبہ) فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو داؤد کا حدیث قلین روایت کرنے کے بعد سکوت فرمانا ان کی طرف سے

دلیل محکم نہیں ہے کیونکہ بہت سی جگہ ان کا سکوت مراد تصحیح نہیں۔

حدیث ثلثین کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ  
**جواب سوم** | علی بن مدینی، ابو بکر ابن مسند، ابن جریر۔ ابن عبد البر، تاجی اسماعیل  
 تاجی ابو بکر ابن العربی، امام غزالی، روزبانی، ابن دقیق العید، حافظ مزی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ  
 ابن قیم۔ ان تمام حضرات نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے (معارف السنن ص ۲۳) نیز اس حدیث  
 میں سنداً متناً معنی اور مصداقاً شدید اضطراب پایا جاتا ہے کیفیت اضطراب ملاحظہ فرمادیں۔

## اضطراب فی السند

اس روایت کی تین سندیں ہیں ایک کا مدار ولید بن کثیر پر ہے۔ دوسری کا مدار حماد بن سلمہ  
 پر ہے اور تیسری کا مدار محمد بن الحنفی پر ہے۔

۱۔ پہلی سند جو ولید بن کثیر سے منقول ہے اول تو ولید ہی متکلم فیہ ہیں اور ان کو خوارج  
 کے فرقہ اباضیہ سے شمار کیا گیا ہے (بذل ص ۱۳) پھر ان کی سند میں اضطراب ہے کہیں "عن  
 محمد بن جعفر بن الزبیر الاسدی" نقل کرتے ہیں اور کہیں "عن محمد بن عباد  
 بن جعفر المخزومی" نقل کرتے ہیں اس کے بعد پھر "محمد بن جعفر" کے شیخ میں  
 اختلاف نقل کیا ہے چنانچہ کہیں "عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر" نقل کرتے ہیں اور  
 کہیں "عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر" نقل کرتے ہیں ان کی سند میں دو اضطراب ہیں  
 (حوالہ کلہو فی سنن ابی داؤد شریف ص ۱۳ کتاب النظم باب ما ینتجس المصاع)

۲۔ دوسری سند حماد بن سلمہ کی ہے ان کی حدیث میں وقف اور رفع کا اضطراب پایا جاتا ہے  
 کہیں روایت مرفوعاً الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں "عن عبد اللہ بن عمر عن  
 ابیہ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ" کہیں موقوفاً علی ابن عمر نقل کرتے ہیں  
 "قال ابوداؤد حماد بن زید وقفہ عن عاصم" (کلہو فی سنن ابی داؤد شریف)

۳۔ تیسری سند محمد بن الحنفی کی ہے جو متکلم فیہ ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہیں گو مغازی میں ان کا  
 مقام ہے مگر احکام کی روایت ان کے ذریعہ سے جب منقول ہوتی ہے تودہ مخدوش ہو جاتی ہے۔

ثانیاً خردان کی سند میں بھی اضطراب ہے کہیں "عن مُحَمَّد بن جعفر بن عبید اللہ عن ابن عمر" کہیں "عن الزہری عن عبید اللہ عن ابی ہریرۃ" منقول ہے۔

## اضطراب فی المتن

اضطراب فی المتن کی تشریح یوں ہے کہ بعض روایات میں "اذا کان الماء قلتین" کا ذکر ہے (کما فی روایۃ الیاب) بعض میں قلتین او ثلثاً شک کے ساتھ مذکور ہے۔  
(سنن الدارقطنی ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب حکم الماء اذا لکھ النجاستہ) کہیں "قلتین فما فوق ذالک" ہے۔ ایضاً حوالہ بالا۔ کہیں "اربعین قلتہ" وارد ہے۔ ایضاً حوالہ بالا۔ کہیں "اربعین غریبا" نقل ہے۔ اور بعض میں "اربعین دلوا" مذکور ہے حوالہ بالا۔ غرضیکہ متن میں اتنا اضطراب ہے کہ جس کی تطبیق ناممکن ہے۔

## اضطراب فی المعنی

قللہ کے معنی میں بھی اختلاف ہے علامہ زبیدی نصب الراية ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ قللہ جہ جہر معنی گھرا ہے اور قللہ معنی خشک ہے۔ اور قللہ معنی رأس الجبل یعنی پہاڑ کی چوٹی بھی ہے ماہر قاموس ص ۱۱۱ باب اللام فصل القان میں لکھتے ہیں کہ لفظ قللہ مشترک ہے جس کے پانچ معانی مشہور ہیں (۱) رأس الجبل (۲) قامت انسانی (۳) مشکا (۴) جہر یعنی گھرا (۵) مشکیزہ۔  
علامہ طائش کبریٰ زاوۃ مفتاح السعاده ص ۲۲۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ سیدنا الامام الشافعیؒ کے یہ اشعار ہیں۔

کیف الوصول الی سعاد و دونہا	قلل الجبال و دونہن حتوف
ترجمہ کہ سعاد تک وصول کس طرح ممکن ہے	جب کراس کے سلسلے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں جو پیغام
موت ہیں۔!	

(حتوف - ج حتف الموت) اب شعر مذکور میں لفظ قلل بمعنی پہاڑ کی چوٹیاں ہیں  
الرجل حافیۃ و مالی مرکب | والکف صفد و الطریق مخوف

ترجمہ: پاؤں ننگے ہیں سواری ہے نہیں | خالی ہاتھ ہوں اور راستہ پر خطر ہے۔  
 اور علامہ زبلی نے ص ۲۱۱ میں لکھا ہے کہ قلہ کا ایک معنی یہ ہے ”ما یستقلہ الید“ جسے  
 ہاتھوں سے اٹھایا جائے۔ علامہ خطابیؒ معاملہ سنن ص ۲۵۵ میں لکھتے ہیں کہ قلہ اس برتن کو بھی کہا  
 جاتا ہے جس سے پانی لے کر اٹھایا جائے مثلاً جگ، گلاس، لوٹا وغیرہ۔  
 ہدیۃ المجتبیٰ ص ۲۱۱ میں ہے کہ قلہ معنی ”ما یستقلہ البعیر“ بھی ہے یعنی جس کو اونٹ  
 اٹھائے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری ص ۲۱۱ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو بکر المنذرؓ نے قلہ کے تو معنی بیان  
 کیے ہیں تو جب معنی میں بھی اتنا اختلاف ہے تو اس حدیث کو طہارت و نجاست کے باب میں کیے  
 معیار بنایا جاسکتا ہے۔

## اضطراب فی المصدق

علامہ ابن نجیم المہریؒ فرماتے ہیں حدیث ثلثین میں لفظ قلہ کے مصداق میں بھی اختلاف  
 پایا جاتا ہے۔ مصداق میں اضطراب اس طرح ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ یہاں قلہ مشکا کے معنی ہیں  
 (جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے) تو بھی شک ہے جم میں متفادات ہوتے ہیں یعنی ان کا سائز چھوٹا بڑا ہوتا  
 ہے ان میں سے کسی ایک کی تفسیر مشکل ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں یہ متعین نہیں کہ کتنا بڑا مشکا مراد ہے

## بعض شواہق کا قلہ کو مع الدلیل متعین کرنا

یقول ابوالآسعد: بعض شواہق نے کہا ہے کہ قلہ سے مراد مشکا ہے اور دلیل یہ پیش  
 کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر فرمایا کہ میں نے سترۃ المتعین  
 پر آنے بڑے بڑے پردے دیکھے (کفلال ہجر) کئی بھر کے مشکوں کی مانند۔ اس سے پتہ چلا کہ قلہ  
 بمعنی مشکا ہے (نقلہ فی التفسیر ص ۲۱۱)

اس روایت کی سند میں مفیرہ بن الصقلاب ہے۔ میزان الاعتدال

ص ۱۹۲ ج ۲ میں ہے ”قال ابن عدیٰ مشکا لحدیث، وقال

جواب اول

عمدوں مبعوث الرقی لا یساوی بعده « و میثقی کے برابر بھی نہیں )۔ اور علامہ شرنکائی ۷  
 نیل الاوطار ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں « قال النقیس لم یکن مؤتمناً (امین) فی الحدیث »  
 علامہ ابن حزم علی ص ۱۵۲ میں لکھتے ہیں کہ قلعہ کا یہ معنی جو امام شافعیؒ نے  
 جواب دوم کیا ہے ان کی تفسیر دوسروں کی تفسیر سے کوئی ادنیٰ نہیں یعنی کوئی وجہ  
 ترجیح اس میں نہیں کیونکہ ابتداءً امام شافعیؒ نے قلعہ سے مراد ہجر کے کھلے لیے تھے کیونکہ عہد رسالت  
 میں ان کا زیادہ رواج تھا لیکن امام شافعیؒ کے دور میں ان کا رواج ختم ہو گیا تو انہوں نے مشکیزوں  
 کے ذریعہ تعیین کی الجہ پھر حجاز سے باہر مشکیزوں کا رواج نہ تھا اس لیے بعد میں رطل کے ذریعہ  
 تحدید کی گئی۔ غرضیکہ وقتاً فوقتاً تحدیدات بدلتی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ثواب نور الحسن خاں عرف  
 الجادی ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ « حدیث الثقلین در صحیحین نیست بلکہ مؤول است »۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوسعید  
 خدریؓ سے فرماتے ہیں کہ عرض کیا یا رسول اللہ  
 کیا ہم بضاعہ کنویں سے دستور کریں حالانکہ  
 وہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے لٹے کتوں  
 کے گوشت اور گندگیاں ڈالی جاتی تھیں تو  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پانی  
 پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ  
 قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْتَوَضَاءُ  
 مِنْ بَرِّ بَضَاعَةٍ وَهِيَ بِلُغَةِ  
 بَلْقَى فِيهِ الْحَبِضُ وَالْحَوْضُ الْكَلْبُ  
 وَالتَّنُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ  
 لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ (رواہ ابوداؤد)

قولہ بضاعۃً۔ بضاعۃ میں ب کا ضمہ اور کمرہ دونوں جائز ہیں لیکن ضمہ زیادہ  
 مشہور ہے۔ بضاعہ کی نسبت میں درقول ہیں۔ اقول : بضاعہ صاحب پیر کنویں کے مالک کا نام  
 دوم : عند البض اس جگہ کا نام ہے جہاں پہ کنواں ہے۔ بہر حال یہ ایک کنویں کا نام ہے۔ جو  
 مدینہ طیبہ تراوھا اللہ شرفاً و کراماً میں بنو ساعدہ کے محلہ میں واقع تھا جس کے پانی سے زمین میلرب  
 کی جاتی تھی :۔

وقال الطیسی نقلاً عن فضل اللہ بن حسین المصری بہ نور البشتی



بضاعة داربني ساعدة بالمدينة وهو بطن من الخنزرج -

درمقناص ۲۵

منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حضور کا غسالہ شریف اور لعابِ دہن اس میں ڈالا ہے (الدرم بخاری شریف ۱۷۸) کتاب البعہ باب قول اللہ عز وجل فاذا قضيت الصلوة انموا میں حضرت بھل بن سعدؓ سے روایت منقول ہے فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز ہم نماز پڑھ کر بیرغاء چلے جایا کرتے تھے۔ جہاں بوڑھی اماں شعیبہ میں ملا ہوا چمندر لپکا کر ہمارے سانسے رکھ دیتی تھی۔ اور ہم لوگ ہفتہ بعد ان کے ہاں پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا کرتے تھے اور اسی پر خوش ہوا کرتے تھے۔  
قوله يُلْقَى : بمعنى يَطْرَحُ یعنی ڈالے جاتے ہیں۔

قوله الحيض : اس کو دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے :  
اول : بکراحاء وقع اليا حيض جمع حيضه بمعنی حیض کے چھپنے سے جو بچے ہوئے خون کی شکل میں ہوتے ہیں۔

دوم : بکراحاء وسكون اليا بمعنى «الخرقة التي تستعملها المرأة في نزع الحيض» وہ کپڑے جو زمانہ حیض میں عورتیں استعمال کرتی ہیں اور پھر ڈال دیتی ہیں۔  
قوله «والتثني» تثني بفتح النون وسكون التاء وقبل بكسر التاء بدو کہتے ہیں اور یہاں پر بدو دارا شیار مراد ہیں۔ حدیث پاک کی نفی بحث سابق میں ہو چکی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا کہ شخص نے رسول اللہ ﷺ کو ان کیا یا رسول اللہ ہم سمندر میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی لے جاتے ہیں اگر اس سے حضور کر لیں تو پیاسے رہ جاتیں تو کیا ہم سمندر کے پانی سے وضو کیا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال۔  
(رداء مالک والترمذی)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ فَإِنْ تَوَصَّأْنَا بِهِ عَطَشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهْرُ مَاءُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ

قولہ سَسْكَلَ رَجُلٌ۔ اس رجل ساكل کے نام میں اختلاف ہے۔ علامہ زبلیٰ نصیب الراہیؒ میں لکھتے ہیں کہ یہ شخص قبیلہ بنو مدلج کا تھا۔ جب کہ علامہ بوزجی معارف السننؒ ص ۱۵۱ بحوالہ تفسیر الجبر لکھتے ہیں کہ اس کا نام عبد اللہ یا عبد یا عبید تھا۔ علامہ معانیؒ امام لغت والحدیث نے لکھا ہے کہ ان کا نام العزکی ہے لیکن اس میں اشکال ہے کہ عرکی تو مدلج کہہ گئے ہیں یہ تو لقب اور وصف ہے لیکن عند الجہور اس کا نام حمید بن صفہ تھا۔ چنانچہ علامہ زرقانیؒ اوجز السالک شرح موطا امام مالکؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں ”اسمہ حمید بن صفہ“ وفی سبل السلام ص ۱۹

قولہ اَنَا نَذِيبُ الْبَحْرِ۔ یہ قول صحابیؓ ہے اس کی تشریح میں دو قول ہیں :-  
 اَوَّلٌ : رُكُوبُ بَحْرٍ كُنَا يَهْمُ سَمَنْدَرِي سَفَرِ كَرْنَه سَے۔ تقدیر عبارت یوں ہے ”اَنَا نَذِيبُ الْبَحْرِ فِي الْبَحْرِ“ کیونکہ عرب کا اکثر سفر کشتیوں کے ذریعہ ہوتا تھا۔  
 دَوِّمٌ : رُكُوبُ بَحْرٍ كُنَا يَهْمُ شُكَّارُ كَرْنَه سَے تقدیر عبارت یوں ہے ”اَنَا نَذِيبُ الْبَحْرِ“  
 و نَزَادَ الْحَاكُو ”نَذِيبُ الْبَحْرِ“ (تحفہ ص ۲۶)۔ کیونکہ عرب کی اکثر معیشت سمندری غذاؤں پر ہوتی تھی۔ بعض روایات میں ”لَا صَطِيَادَ سَمَكٍ“ کی قید بھی مذکور ہے یعنی ہم پھلیوں کے شکار کے لیے سمندر کا سفر کرتے ہیں۔ جو دیہات سمندر کے کنارے آباد ہوتے ہیں ان کی معیشت کا زیادہ تر دار مدار سمندری غذاؤں پر ہوتا ہے۔ سمندری سفر کر کے ماہی گیری کرتے ہیں خود بھی کھاتے ہیں اور اسے بیچ کر اپنی ضروریات زندگی مہیا کرتے ہیں۔

قولہ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ، مشکوٰۃ شریف کی روایت میں مِنْ مِّنَ الْقَلِيلِ ہے جب کہ البدوٰۃ شریف ص ۱۱۱ باب الموضوع بماء البحر میں مِنْ الْمَاءِ کا اضافہ ہے اور ماء سے مراد ماء العذب (میٹھا پانی) ہے جو صرف پینے کے لیے ہوتا ہے اور قلیل ہوتا ہے۔ یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ آج کے سمندری سفر کے لیے بڑی بڑی کشتیاں اور لائینیں ایجاد ہو چکی ہیں اور ہر قسم کی سفری سہولتیں میسر ہیں۔ سفر میں زاد راہ کی کمی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں معمولی سی کشتیاں ہوا کرتی تھیں جن کے لیے زیادہ بوجھ برداشت کرنا مشکل ہوتا تھا اور مسافر زاد راہ کم اٹھاتے تھے کہ بوجھ زیادہ نہ ہو۔ اس بناء پر مسائل نے سوال میں یہ کلمات کہے ”نَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنْ الْمَاءِ الْعَذْبِ“ الغہ اس حدیث مبارکہ کے

مباحث کو بہت سے اُمرؤں کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

## امراؤں \_\_\_\_\_ منشاء سوال

**سوال**۔ یہ ہے کہ سمندر دریا کا پانی کثیر ہے وقوع نجاست سے بھی کسی کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتا تو پھر سائل کو کیا تردد اور غلجہان پیش آیا جس کی وجہ سے وہ سوال کر رہا ہے۔  
**جواب**۔ محدثین حضرات نے سوال کے منشاء کے مختلف بیان فرماتے ہیں۔

یہ ہے کہ امام خطابیؒ معالم السنن ص ۴۲ میں منشاء سوال بیان فرماتے ہیں کہ پوچھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عند البعض پانی کی نجاست و طہارت کی مدار الحوائج ملتا ہے۔ جب کہ سمندر کا پانی متغیر اللون والکرم والریح ہوتا ہے یعنی رنگت بھی بدلتی جوتی جوتی ہے اور ذائقہ بھی کڑوا یا تلکین ہوتا ہے۔ یہی حال بوکا بھی ہے تو سائل ان تینوں حالتوں کو مد نظر رکھ کر سوال کیا۔

یہ ہے کہ قرآن مقدس میں ہے "وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا" (پہلا) یعنی آسمان سے ہم نے پانی کو طہار تازل کیا اس نے یہ سمجھا کہ یہ بار الہی تو آسمان سے نہیں اترتا تو شاید عدم نزول کی وجہ سے پاک نہ ہو و تحفۃ الاحوذی ص ۱۱۱

حدیث پاک میں آتا ہے "فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا" (الروادۃ شریف ص ۲۳۱) کتاب الجہاد باب فی ما کوب البحر فی النزو۔ یعنی سمندر کے نیچے دوزخ ہے۔ شاید اس سائل تک یہ حدیث پہنچ گئی ہو اور اس نے سمجھا کہ سمندر کے پانی میں دوزخ کا اثر ہے جس کی وجہ سے یہ اس قابل نہیں کہ اس سے وضو کیا جائے۔

**فائدہ**۔ یقول الجوالا سعاد، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں بحوالہ طبرانی اور علامہ ابن حزمؒ الملل والنحل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؑ نے ایک یہودی سے پوچھا کہ دوزخ کہاں ہے اس نے کہا "إِنَّ جَهَنَّمَ فِي الْبَحْرِ" کہ جہنم سمندر میں ہے تو حضرت علیؑ نے فرمایا "مَا أَمَهُ إِلَّا صَادِقًا" پھر اس کی تائید میں یہ آیت پڑھی "وَالْبَحْرُ الْمُسْجُودُ" (پہلا) اور دوسری آیت میں ہے "وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ" (پہلا)

## منشأ چهارم

یہ ہے کہ سمندر بے شمار جانوروں کا مسکن ہے اور اس میں ہزاروں جانور پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں اور اسی سمندر میں بول و براز بھی کرتے رہتے ہیں۔ لہذا بول و براز اور ان مرور جانوروں کی وجہ سے سمندر کا پانی نجس ہو جانا چاہیے۔  
 ”وَلِهَذَا يَسْتَلِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

**سوال**۔ حدیث مذکور (اذا نزلک البحر الخ) سے معلوم ہوا کہ بغیر حج و عمرہ اور جہاد کے بھی سمندری سفر جائز ہے جب کہ ابو داؤد شریف رحمہ اللہ کتاب الجہاد باب رکوب البحر فی الغزو میں روایت ہے ”لا یرکب البحر الا حجاج او معتمر او غازی فی سبیل اللہ“ اس سے معلوم ہوا کہ ان تین کے علاوہ کسی اور کام کے لیے سمندری سفر جائز نہیں تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

**جواب**۔ ابو داؤد شریف والی روایت میں نہی تحریمی نہیں بلکہ نہی ارشاد کی ہے۔ نہی ارشاد کی کیا ہے اس کی مکمل تشریح ذرا لاوار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ نہی ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہی اس کام کے حرام ہونے کی وجہ سے نہیں کی جارہی کہ یہ کام حرام ہے اسے نہ کرو بلکہ نہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام مخاطب کے مفادات و مصالح کے خلاف ہے۔ یہاں نہی اس لیے کی گئی کہ اس زمانہ میں سمندری سفر خطرناک ہوتا تھا مطلب یہ ہے کہ ایسا خطرناک سفر حج و عمرہ یا جہاد جیسے اہم کام کے لیے ہی کرنا چاہیے۔ یہ کھانا پینا، میر و سیاحت کے لیے سمندری سفر کو ناگوار اہم کام ہے۔

## هُوَ الظُّهُورُ مَاءٌ

مقام ہذا پر مبستدا (هُوَ الظُّهُورُ) اور خبر (مَاءٌ) دونوں معروف ہیں اس کے بوجہ و مصدر مراد نہیں بلکہ عامل گئے وہم کے دفعیہ کے لیے اہتمام شان مراد ہے۔ امام النور علامہ شیخ عبدالقادر جرجانی فرماتے ہیں کہ کبھی خبر کو اس لیے معروف بنا یا جاتا ہے کہ اس سے مبتدا کی حالت شناخت ہوتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ ”وَ اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَعَلِّمُونَ“ (دپ) یا شاعر کا قول ہے نہ

وَ اِنْ تَبَلَ الْهَلَوُی رَاجِلٌ — فَارِیْ ذَا لَکَ الْبَرْجِلُ

یہاں الْمُتَعَلِّمُونَ اور الرَّجُل دونوں ترکیب میں خبر واقع ہو رہے ہیں اور دونوں الف لام

کی وجہ سے معرذ ہیں مقصد مسئلہ کی تعریف اور شناخت ہے ۔

## امر دوم — جواب میں اظہار کی وجہ۔ یعنی جواب میں اجمال کی جگہ تفصیل

امر دوم کو ایک سوال کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ امید داریم کہ شما دیکھا تو جہی کنیم۔  
سوال ۔ یہاں بظاہر سوال وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے جواب میں صرف نَعَمْ فرمادیتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ اس میں ایجاز بھی ہوتا اور اظہار سے اجتناب بھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا ”ھو الطہور ماء“ اس اظہار کی کیا وجہ ہے ؟  
جواب ۔ آقائے نامدار سرکارِ دو عالم سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب مبارک کو اگر جوامع الکلم سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا جس طرح جوامع الکلم مجموعہ فوائد ہے اسی طرح یہ ارشاد بھی فوائد سے خالی نہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں :-  
اول ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نعم پر اکتفا فرماتے تو یہ سمجھا جاتا کہ سمندر کے پانی سے وضو بوقت ضرورت جائز ہے جیسا کہ قاعدہ ہے ”الضروری یتقصر بقدر الضروری“  
گر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی جواب (ھو الطہور ماء) سے یہ معلوم ہوا کہ ضرورت ہو یا نہ ہو ہر صورت سمندر کا پانی پاک ہے اس سے وضو کرنا صحیح ہے ۔ لہذا حضرت صلعم کے تفصیلی جواب سے مذکورہ توہم کا ازالہ ہو گیا۔

”فانہ لو قال ذالک دفع لاجازہ الوضوء بہ الا للضرورة (عارضہ ص ۸۹)  
دوم : یہ ہے کہ نَعَمْ کی صورت میں سائل کو یہ توہم ہو سکتا تھا کہ ماء البحر سے صرف وضو کرنا جائز ہے غسل جائز نہیں کیونکہ سائل وضو کے بارے میں پوچھتا تھا یا دیگر نجاسات مثلاً نجس کپڑے یا نجس مکان کی تطہیر ماء البحر سے صحیح نہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تفصیلی جواب سے اس توہم کا ازالہ ہو گیا۔

سوم : اگر نَعَمْ فرمادیتے تو اس سے جواز وضو کا حکم سمجھ میں آ جاتا لیکن اس کی علت سمجھ میں نہ آتی۔ اس جواب میں حکم مع علت بتا دیا گیا ہے یعنی اس کا استعمال اس لیے جائز ہے

کہ یہ ظہور ہے۔

## وَالْحِلُّ مَيْتَةٌ

مَيْتَةٌ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح کیے ہوئے اپنے آپ مر جائے۔ چنانچہ حدیث کے اس جملہ میں مَيْتَةٌ سے مراد مچھلی ہے کیونکہ اسے ذبح نہیں کرتے اس کا شکار کرنا اور اسے پانی سے نکالنا ہی اس کو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

## امر سوم ————— زیادة جواب کا فائدہ

امر سوم کو بھی ایک سوال کی شکل میں پیش خدمت کیا جاتا ہے۔  
سوال۔ یہ ہے کہ سائل کے سوال کا جواب ”هُوَ الظَّاهِرُ مَا عَا“ سے ہو گیا تھا اس کے بعد حدیث پاک کے اس جملہ ”وَالْحِلُّ مَيْتَةٌ“ کی ضرورت کیا تھی؟ یہ زیادة جواب جواب اقول۔ یہ ہے کہ سائل نے پیاس کے اندیشہ کا اظہار کیا دو نخل معاً (القلیل) مگر بعض اوقات سمندری سفر طویل ہوتا ہے اور پانی کی طرح کھانے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے حضور اقدس انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ان کو اور ان کے واسطے سے ساری امت کو مچھلی کی حلت کی خبر بھی دے دی جائے تاکہ سمندر کے سفر میں اگر کھانے کی ضرورت پیش آئے تو وہ استعمال کی جاسکے۔

جواب دوم۔ علامہ رانغی فرماتے ہیں کہ سائل کو مارا البحر کا حکم معلوم نہیں تھا جو کہ معروف چیز ہے تو مینہ کا حکم تو بطریق اولیٰ معلوم نہ ہو گا۔ اس لیے جواب میں زیادتی فرمادی تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔

## دریائی جانوروں کی حلت و حرمت کا مسئلہ

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کون سے

حرام ہیں۔ اس بارے میں چار مسلک ہیں :-

**مسلک اول**۔ خاص شوق کافی نیل الاوطار ج ۱۵۵ میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک دریا کی سب چیزیں حلال ہیں مگر ایک روایت میں تصحاح (مگر مجھ) اور ایک میں کلب و خنزیر مستثنیٰ ہیں۔

**مسلک دوم**۔ امام شافعیؒ سے اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں :-  
(۱) حنفیہ کے مطابق کما سیاتی (۲) جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں مثلاً بقرہ بحری حلال اور کلب بحری حرام ہے۔ اور جس کی بحری جانور کی خشکی میں نظیر نہ ہو تو وہ حلال ہے۔ (۳) ضفدع (مینگڈک) تصحاح (مگر مجھ) سلحفاہ (کچھوا) کلب بحری خنزیر بحری حرام ہیں باقی تمام جانور حلال ہیں (۴) ضفدع کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔

علامہ نوویؒ نے امام شافعیؒ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر شافعیہ کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

**مسلک سوم**۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب مختار بھی شافعیہ کے قریب قریب ہے یعنی سب بحری جانور حلال ہیں چند ایک مستثنیٰ ہیں۔ استثنائے ان کا اختلاف ہے۔ بہر کیف ائمہ ثلاثہ پھل کے علاوہ بھی بعض سمندری جانوروں کی حلت کے قائل ہیں۔

## ائمہ ثلاثہ و من وافقہ کے دلائل

**دلیل اول**۔ ائمہ ثلاثہ کی دلیل اول حدیث الباب ہے (وَالْحِلُّ مَيْسَرَةٌ) طرز استدلال یوں ہے کہ میسرہ کی جو اضافت بحر کی طرف ہے یہ اضافت استتراق کی ہے معنی یہ ہوگا کہ سمندر کی سب حیوانات حلال ہیں۔ اور اس روایت کو حنفیوں کے خلاف بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ تم صرف پھل کو حلال کہتے ہو یا قیوں کو حرام۔

**دلیل دوم**۔ قرآن مقدس میں ہے "أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَّاعًا لَّكُمْ وَلِلنَّاسِ سَرًا زَيْتُ الْمَاعِذِ"۔ اس آیت میں صید بمعنی مصيدہ ہے یعنی شکار کے ہونے جانور۔ آیت سے سمندر کے شکار کردہ جانوروں کا جواز مطلقاً ثابت ہو رہا ہے مسلک

کی کوئی تخصیص نہیں۔

**دلیل سوم۔** حدیث پاک میں واقعہ آتا ہے کہ ایک سفر بحر میں صحابہ کرام کو بہت سخت بھوک لگی کھانے کے لیے کچھ پاس نہ تھا۔ قدرت نے یہ انتظام فرمایا کہ سمندری جانوروں میں سے ایک جانور ان کے ہاتھ لگا جس کا نام غبر تھا۔ جس کو کئی دن تک کھاتے رہے۔ حدیث الغبر کے الفاظ ہیں :-

« فَأَلَقَى لَنَا الْبَحْرُ دَابَّةً يَقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ رِجَالِي شَرِيفٌ ۖ بَابُ ۲۲۶ غَزْوَةُ سَيْفِ الْبَحْرِ الْبُودَاؤُذِ شَرِيفٌ ۱۸۱ كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ بَابُ فِي دِقَابِ الْبَحْرِ » حضرت جابرؓ سے روایت ہے اس کے الفاظ ہیں « فَاذَا هُوَ دَابَّةٌ تُدْعَى الْعَنْبَرُ »

تو درزن رایتوں میں لفظ دَابَّةً بتلا رہا ہے کہ وہ جانور مچھلی کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔ مسلک چہارم۔ احناف حضرات کے نزدیک حیوانات البحر میں سے صرف مچھلی (مچھلی) جمیع اقسامہا حلال ہے۔ باقی سب جانور حرام ہیں حتیٰ کہ مچھلی کی شرح آیا ہی چاہتی ہے (یہی حلیت سے مستثنیٰ ہے۔ مذاہب کی تفصیل کے لیے دیکھیں "معارف السنن" ج ۲۵، وجزء المساکین ج ۲۱)۔

## احناف حضرات کے دلائل

**دلیل اول۔** قرآن مقدس میں ہے « وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ » (پ) آیت کا مطلب یہ ہے کہ بغیر علیہ السلام بحکم ربی خبیث چیزوں کو حرام کرتے رہتے ہیں۔ علامہ عینیؒ نے عقد القاری ج ۱ میں اس آیت قرآنی سے مسلک حنفیہ پر استدلال کیا ہے۔ طرز استدلال یوں ہے کہ خبائث سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانور ایسے ہیں جن سے طبیعت انسانی نفرت کرتی ہے۔ لہذا اس مچھلی کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خبائث میں داخل ہوں گے۔ یہی تشریح امام ابو بکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن ج ۲۹ اور آئوسؒ نے فی الرد ج ۱۳ میں کی ہے۔

**فائدہ :** يقول البؤالا سعاد : قال حجة الله على العلمين الشهير بولوى الله بن عبد الرحيم قد من الله اسلهم وافشلى ابراهم ولسبت



التحریم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مجازیہ - ففی حجتہ اللہ البالغہ  
 ۳۴ - واما نسبتہ التحلیل والتحریم الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیمعنی  
 ان قوله امارۃ قطعیۃ لتحلیل اللہ وتحريمہ واما نسبتہا الی المجتہدین  
 من امتہ فیمعنی روايتہم ذلک عن الشرع من نص الشارع او استنباط  
 معنی من کلامہ - انتہی

**دلیل دوم -** قرآن مقدس میں ہے «حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ» (پت)  
 آیت مذکور سے تمام میتات کی حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ میتات بحریہ ہوں یا میتات  
 بریہ سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہو گئی ہو کما سیاتی:

**دلیل سوم -** حضرت ابن عمرؓ کی مشہور و مرفوع روایت ہے :-  
 «وَعَنِ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْلَتْ لَنَا  
 مَيْتَانِ وَدِمَانِ الْمَيْتَانِ الْحَوَتِ وَالْجَرَادُ وَالْذِّمَانِ الْكَبِدُ وَالطَّحَالُ»  
 مشکوٰۃ شریف ج ۲۲ باب ما یحل اكلہ وما یحرم

اس حدیث سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ میتہ یعنی وہ جانور جن میں دم ساکِل نہیں ہوتا اس  
 کی صرف دو قسمیں حلال ہیں جَرَاد - حَوَت - چونکہ سمندر کے دوسرے ان دو قسموں میں داخل  
 نہیں اس لیے وہ حرام ہیں۔

**دلیل چہارم عقلی -** سب سے اہم بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری  
 حیات فیہ میں آپ سے اور آپ کے بعد صحابہ کرام سے ایک مرتبہ بھی سمک کے علاوہ کبھی اور دریائی جانور  
 کا کھایا جانا ثابت نہیں۔ اگر یہ جانور حلال ہوتے تو آپؐ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے ہی ضرور تناول  
 فرماتے۔ وَإِذْ لَيْسَ فَايَسًا۔

## ائمہ ثلاثہ کے مستدلّات کے جوابات

**دلیل اول کا جواب اول -** حدیث باب (الْحِلُّ مَيْتَتُهُ) سے ائمہ ثلاثہ نے  
 دلیل پکڑی تھی۔ سراسر کا ایک جواب یہ ہے کہ مَيْتَتُهُ کی اضافت استغراق کی نہیں بلکہ مخارجی

کی ہے اور استغراق کے بجائے عبد اصل ہے۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ سمندر کے وہ مخصوص نکتے حلال ہیں جن کے بارے میں حلت کی نص آچکی ہے اور وہ مکہ ہے۔

**جواب دوم۔** اگر یہ تسلیم کر لیں کہ یہ اضافت استغراق کے لیے ہے تب بھی یہ ہمارے خلاف نہیں ہے وہ کیسے؟ قبل ازیں ناکہ ہمیشہ خدمت ہے۔

**فائدہ۔** لفظ حلت کے دو معنی آتے ہیں۔ اول کسی چیز کا کھانا حلال ہونا جو مقابل حرام ہے۔ دوم کسی چیز کا پاک ہونا نجس نہ ہونا خواہ اس کا کھانا حلال ہو یا نہ جیسے بی بی صفیہؓ کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے۔

”وَحَلَّتْ بِلَفْظِ سَلَامٍ الرُّوحَاءُ حَلَّتْ فَبْنَىٰ بَهَا الْغُ (بخاری شریف ص ۲۹۸ فی اواخر کتاب البیوع عن النبی بن مالک تحت باب هل یساخر بالجبار یتہ قبل البیت برٹھا) یہاں حلت دوسرے معنی میں ہے یعنی ظاہر اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سمندر کے سب کے سب میقات ظاہر ہیں یعنی نجس نہیں ہیں۔ ظاہر ہونے سے حلت اکل لازم نہیں آتی جیسے مٹی ظاہر ہے اس کے بوجہ اس کا کھانا جائز نہیں نیز حلت کو یہاں ظاہر کے معنی میں لینا سیاق حدیث

کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ سلسلہ کلام طہارت ہی سے چلا آ رہا ہے کیونکہ پہلے فرمایا تھا کہ سمندر کا پانی ظہور ہے اس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ سمندر میں اتنے جانور مرتے ہیں تو یہ کیسے ظہور رہا تو اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ اس کی سب میقات ظاہر ہیں اس لیے ان سے سمندر کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

**دلیل دوم کا جواب اول۔** ائمہ ثلاثہ نے میقات بحر کی حلت پر آیت کریمہ: ”وَحَلَّتْ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ“ سے استدلال کیا ہے اس آیت میں مطلق صید البحر کی حلت مذکور ہے تو جواب یہ ہے کہ آپ کا استدلال اس آیت پر مبسوطی ہے اس بات پر کہ آیت میں صید سے مراد مصيد ہو ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آیت میں صید معنی مصدری یعنی اصطیاد کے معنی میں مستعمل ہے دو وجہ سے۔

**اولاً:** مصدر (صيد) کو اسم مفعول (مصيد) کے معنی میں لینا مجاز ہے اور بلا ضرورت مجاز کی طرف رجوع کرنا غیر صحیح ہے اس لیے احناف حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں لفظ صید اپنے حقیقی یعنی مصدری معنی پر ہی محمول ہے۔

**ثانیاً:** مقصود آیت سے محرم کے حق میں صید البر اور صید البحر کے فرق کو بیان کرنا ہے یعنی

حالتِ احرام میں اصطیاد فی البحر (دریائی شکار) جائز ہے اور اصطیاد فی البر ناجائز اس آیت سے مقصود حلتِ لحم کو بیان کرنا نہیں ہے جیسا کہ آپ نے سمجھا ہے۔ تو خلاصۃً الجواب یہ ہوا کہ آیت کا منشاء صرف یہ بتلانا ہے کہ سمندر میں شکار کرنا جائز ہے اس سے کھانے کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

**جواب دوم۔** بالفرض والجمال بقول شہادیں مقامِ صیدِ مصید ہی کے معنی میں ہوتی ہوگی طرہ اس کی اضافت استغراق کے لیے نہیں ہے بلکہ عہدِ خارجی کے لیے ہوگی۔ لہذا ایک مخصوص شکار یعنی مچھلی مراد ہے جس کا حلال ہونا دوسرے دلائل کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ”حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا رَیًّا“ میں اضافت بالاتفاق عہد کے لیے ہے۔

**دلیل سوم کا جواب اول۔** ائمہ ثلاثہ نے حدیث العنبر سے میقات البحر کی حلت پر استدلال کیا تھا اسلئے اس کا جواب اول یہ ہے کہ عنبر انواعِ سمک میں سے ہی ایک نوع ہے یعنی عنبر سمک سے علیحدہ کوئی جانور نہیں بلکہ سمک کا ایک قسم ہے۔ لہذا اس کا حکم سمک والا ہی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس واقعہ کی بعض روایتوں میں عنبر کی جگہ پر لفظ حوت آیا ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے :-

«فَالْقَلْبُ الْبَحْرُ حَوْتًا مِثْلًا ثُمَّ شَرَّ مِثْلُهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ وَمِثْلُهُ شَرِيفٌ ۝۱۴»

باب ما یحلل اكله وما یحرم

اس میں صاف واضح ہے کہ عنبر بھی مچھلی ہی کی ایک قسم ہے بس غلیم البتہ ہونے کی وجہ سے اس کو دابہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اتنا بڑا وجود تھا کہ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہماری جماعت میں تو آدمیوں پر مشتمل تھی راہِ دواؤد شریف علیہ السلام کتاب الاطعمہ یا سنی دواہ البحر ہم اس کو نصف ماہ کھاتے رہے (فاکلنا منه نصف شہر) حضرت ابو عبیدہؓ امیر لشکر اس مچھلی کی ایک ہڈی کو کھڑا کر کے نیچے سے سوارِ مرغ سواری کے گھڑا لیکن پھر بھی وہ ہڈی اس سے بھی بڑی تھی۔

رفاخذ ابو عبیدہؓ عظمًا فمضی الماکب تحتہ (مشکوٰۃ شریف حوالہ بالا)

**جواب دوم۔** اگر بالفرض ہم تسلیم کر لیں کہ جس کو صحابہ کرامؓ نے کھایا تھا وہ غیر سمک تب بھی ہمارے لیے مضر نہیں۔ اس سے غیر سمک کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ خود حدیث پاک میں تصریح ہے کہ جب یہ کھائی گئی تھی اس وقت ان کو شدید بھوک تھی اور کچھ کھانے کے لیے نہ تھا بلکہ درختوں کے پتے اتار کر پانی میں تر کر کے کھاتے تھے۔

”وَكُنَّا نَضْرِبُ بَعْضُنَا الْخِمَطَ شَقًّا نَبْلُغُ بِهِ الْمَاءَ فَمَا كُلُّهُ رَابِعًا وَثَلَاثِينَ حَوَالَا“ آگے فرماتے ہیں ”وَقَدْ اضْطُرُّرَ حَوَالِيَهُ“ تو یہ حالت اضطراری ہوئی اس کا جواز حالت اضطراری میں ثابت ہوا بحث حالت اختیاری میں ہے۔

## کیا سمک طافی حلال ہے؟

یقول ابوالاسعد: اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا سمک طافی حلال ہے یا حرام ہے؟ مسئلہ کی وضاحت سے قبل سمک طافی کی تعریف بیان ہو جائے تاکہ مسئلہ واضح رہے۔

### سمک طافی کی تعریف

فقہاء کرامؒ نے سمک طافی کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے :-  
 ”السَّمَكُ الطَّافِي وَهُوَ الَّذِي يَمُوتُ فِي الْمَاءِ فَيَعْلُو وَيُظْهَرُ أَقْرَبَ لِلْمَوَارِدِ رَحَاشِيرَ كَقَرْمٍ“ کتاب الذبائح فصل فيما يحل أكله وما لا يحل

طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت مرکز الٹ گئی ہو اور اس کا پیٹ آسمان کی طرف ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ سمک طافی کا کھانا حلال ہے یا حرام اس بارے میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول**۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک سمک طافی حلال ہے لہذا اس کا کھانا بھی حلال ہے  
**مستدل اول**۔ حدیث العنبر ہے۔ طرز استدلال یوں ہے کہ سمک عنبر صحابہ کرامؓ کو مری ہوئی ملی تھی (فالقی البحر حوثاً میثلاً (حوالہ بالا)۔ اس کے باوجود صحابہ کرامؓ اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔

**مستدل دوم**۔ سیدنا حضرت البرک صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اثر ہے جو حسن بیہقیؒ اور دارقطنیؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اس اثر میں سمک طافی کو حلال قرار دیا گیا ہے

رمحار الشن ۲۵۴) دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمادیں :-

”وقال ابو بكر الصديق الطائي حلال ذكوه البخاري مطلقاً۔“

بخاری شریف ص ۸۲۵ کتاب الذبائح والصيد

مسک دوم - امام اعظم ابو حنیفہ مسک طائی کی حرمت کے قائل ہیں۔ یہی مسک حضرت علیؓ، ابن عباسؓ، جابرؓ، ابراہیمؓ، شعبیؓ، طاؤسؓ وغیرہم کا ہے۔

مستدل - احناف جعفرات کا استدلال حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے

ہے۔ ”قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اتى البحر

او جزاء عنه فكلوه ومات فيه وطفاً فلا تأكلوه۔“

را بوداؤد شریف ص ۲۸ کتاب الاطعمه باب في اكل الطافي

من السمك) - هكذا في المشکوٰۃ الشریف ص ۲۶ کتاب

الصيد والذبائح باب ما يحل اكله وما يحرم

يقول ابوالاسعاد : امام ابوداؤد نے یہ روایت مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح سے

روایت کی ہے پھر طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرفوع روایت بھی تمام تر

نقائص سے مری ہے اور فقر کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ فلا اشکال فی تسلیم المرفوع

اور اگر موقوف طریق کو ہی صحیح مانیں تب ہی جو کچھ مسئلہ غیر مدرك بالقیاس ہے اس لیے یہ

حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ مزید تحقیق نفس المعبود (ریز بلج) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

## ائمہ ثلاثہ کے مستدلّات کے جوابات

ائمہ ثلاثہ نے مسک طائی کی حلت پر حدیث العنبر سے دلیل پکڑی تھی اس کا جواب

ملاحظہ فرمادیں :-

ائمہ ثلاثہ کا حدیث العنبر سے مسک طائی کی حلت پر

دلیل پکڑنا دو وجوہ غیر صحیح ہے۔ اولاً حدیث العنبر میں

مچھلی کے طافی ہونے کی تصریح نہیں ہے کیونکہ طافی صرف اس مچھلی کو کہتے ہیں جو کسی خارجی سبب

مستدل اول کا جواب

کی وجہ سے مشدّد شدّت حرارت یا شدّت برودت سے یا ظلم امواج سے یا کان رسے پر پونچ کر پانی کے دوسرے جانے کی وجہ سے مرجائے تو وہ طافی نہیں ہوتی اور اس کا کھانا حلال ہوتا ہے۔  
عنبر پھل میں بھی غاہر ہے کہ وہ پانی کے چھوڑ کر چلے جانے کی بنا پر مری تھی۔  
ثانیاً: سابق میں بحث ہو چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت جن کو لُحْم عنبر کے کھانے کی نوبت پیش آئی تھی وہ مضطر تھے اور حالت اضطرار میں محرمات بھی میمحات ہو جاتی ہیں کما مکر۔

اثر صدیقی سے ائمہ ثلاثہؒ نے دلیل پکلی تھی تو اس بارے میں عرض ہے کہ اثر صدیقی سے بھی دو وجوہ سے دلیل پکڑنا غیر صحیح ہے۔ اولاً: اثر صدیقی میں شدید اضطراب ہے۔ دیکھیں حادث الشنن حوالہ بالا۔  
ثانیاً: اگر بالفرض اسے سنداً صحیح مان بھی لیں تب بھی وہ ایک صحابی کا اجتہاد ہے جو حدیث مرفوعہ کے مقابل میں محبت نہیں۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کیفیت پھل سے وہی پھل مراد ہے جو اسباب خارجیہ (مشدّد باہر سے کسی نے پتھر مارا یا تیر مارا وغیرہ) کی بنا پر مری ہو۔

ترجمہ: روایت ہے ابو زیدؓ سے وہ عبد اللہ بن مسعودؓ سے راوی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنّات کی رات ان سے فرمایا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا نیمبہ ہے فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا۔

وَعَنْ أَبِي زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَيْلَةُ الْجَنِّ مَا فِي أَدْوَانِكَ قَالَ قُلْتُ نَيْمَةً قَالَ تَمْرَةٌ طَيِّبَةٌ وَمَاءٌ طَهُورٌ (رواہ ابوداؤد)

قولہ لَيْلَةُ الْجَنِّ - لیلہ کی نسبت الجنّ کی طرف ادنیٰ مناسبت سے ہے ورنہ رات تو اللہ پاک کی ہے باقی لیلۃ الجنّ اس رات کو کہتے ہیں جس میں جنّات کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی اور آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا تھا جس کے بعد وہ جماعت اپنی قوم میں گئی اور اسلام کی دعوت اور قرآن کریم کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کیا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ جن میں بھی

کیا گیا ہے۔

قوله ما في آذَانِكَ : اى اى شيعى في مطهرتك : چوٹی مشکیزی جو رتن کے طور پر ساتھ تھی۔

فائدہ - اس حدیث سے متعلق چار امر ہیں ہر امر کی علیحدہ علیحدہ تشریح ہوگی انشاء اللہ!

## امراؤں — نبیذ کی تعریف

نبیذ تفصیل کے وزن پر بمعنی مفعول کے ہے جیسے لقیظ بمعنی المقوط کے مشتعل ہوتا ہے اور لفظ نبیذ بند سے مأخوذ ہے لغت میں اس کا معنی ہے »الترخي« بمعنی پھینکنا اصطلاحاً نبیذ کا اطلاق اس پانی پر ہوتا ہے جس میں کھجور یا غلہ یا انگور وغیرہ ڈال کر پانی سے مخلوط کر دیے گئے ہوں لیکن زیادہ تر نبیذ تر یعنی کھجور کی ہوتی تھی۔ اسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوش فرماتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبیذ بنانی ہو مثلاً کھجور یا کشمش اس کو شام کے وقت پانی میں بھگو کر رکھ دیا جائے صبح کو جب اس میں مٹھاس پیدا ہو جائے پی لیا جائے۔ یا صبح کو پانی میں ڈال کر رکھ دیں اور شام کو پی لیں۔

## امردوم — نبیذ کے اقسام

نبیذ کی تین قسمیں ہیں (۱) غیر مطبوخ غیر مشکر، غیر متغیر، غیر حلو رقیق اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے (۲) مطبوخ مشکر غلیظ جس کی رقت وسیلانیت ختم ہوگئی ہو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے (۳) حلو رقیق غیر مطبوخ غیر مشکر اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

## امردوم — کیا نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے؟

نبیذ کی قسم سوم میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس بارے میں دو مسلک ہیں :-

**مسلک اول** - ائمہ ثلاثہ اور جمہور حضرات (سوائے امام اعظم کے) کے نزدیک ایسی نبیذ سے وضو جائز نہیں یہاں تک کہ اگر دوسرا پانی موجود نہ ہو تو تیمم مستحب ہے اور قاضی امام ابو یوسف کا مسلک بھی یہی ہے۔

**مستدل** - قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے "فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَإِذَا مَاءٌ فَتَمِمْ مِمَّا صَبَعْتُمْ أَوْ طَيَّبْتُمْ" (یعنی اگر نہ ملاں تو پانی سے تیمم کرو)۔ آیت مبارکہ میں مطلق ماء نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے جب کہ نبیذ تر ماء مطلق نہیں کیونکہ اس میں اضافت آگئی ہے اس لیے نبیذ التمر کہا جاتا ہے اور اضافت مطلق کے خلاف ہے بلکہ مقید ہے لہذا اس سے وضو کرنا ناجائز ہونا چاہیے۔

**مسلک دوم** - امام اعظم ابو حنیفہؒ پانی نہ ہونے کی صورت میں ایسی نبیذ تر سے وضو کو واجب کہتے ہیں اور ان کے نزدیک تیمم کی ضرورت نہیں۔ امام صاحبؒ اس حکم میں متفرق نہیں ہیں امام ترمذیؒ نے سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے (جامع ترمذی ص ۱۸۱)۔

**مستدل** - امام اعظم ابو حنیفہؒ دلیل پیش کرتے ہیں حدیث الباب سے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ کے متعلق فرمایا "تَمْسِدُ فَوْفَ طَبِيبَةٍ وَمَاءٌ طَهُورٌ" پھر اس سے وضو بھی فرمایا جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے (ازاد احمد والترمذی فتاویٰ منہ) (مشکوٰۃ شریف حوالہ بالا)۔ تو معلوم ہوا کہ اس سے وضو جائز ہے بلکہ وضو مستحب ہے تیمم نہیں ہوگا۔

## جمہور کے مستدل کا جواب

جمہور علماء اہل سنت نے نبیذ تر سے وضو نہ کرنے پر آیت مبارکہ سے استدلال کیا تھا اس کے رد جواب ہیں :-

**جواب اول** - نبیذ تر ماء مطلق سے خارج نہیں اور اضافت ہونا مطلق کے خلاف نہیں اس لیے کہ کوئی پانی اضافت سے خالی نہیں جیسے ماء البیور، ماء السماء، ماء الورد



**اہم و ضروری فائدہ**  
تھا۔ چنانچہ حضرت امام اعظمؒ کا رجوع قتادی قاضی خان ص ۹ طبع نو کشر اور فیض الباری ص ۲ بحوالہ  
الجزائر ائق اور مبارک پوریؒ سے بھی تحفۃ الا حوزی ص ۱۱ میں امام صاحبؒ کا رجوع لکھا ہے اسی طرح  
علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں تصریح کرتے ہیں اور

« وروى نوح بن مريم في الجامع المروزي عن ابي حنيفة <sup>عنه</sup> الله  
رجع عن ذلك وقال لا يتوضأ به ولكنك يتيمم وهو الذي  
استقر عليه قوله كذا قال نوح وبه اخذ ابو يوسف ومالك  
والشافعي - ربد <sup>عنه</sup> ١٥٧

جب امام صاحبؒ کا نبیذکر واسے مسئلہ سے رجوع ثابت ہے۔ اور پھر جمہور کے ساتھ ہوجانا منقول ہے۔ تو پھر دلائل پر کلام و بحث کی حاجت ہی نہیں رہتی صاحب بحر الرائق نے بھی یہی لکھا ہے لیکن چونکہ یہ بات یقینی ہے کہ شروع میں امام صاحبؒ اس سے جواز و ضرور کے قائل تھے تو سوال ہوتا ہے کہ آخر کس دلیل کی بناء پر قائل تھے وہ دلیل روایت حضرت ابن مسعودؓ ہے لیکن کس درجہ میں اس دلیل کا ثبوت ہے یہ معام ہونا چاہیے اس لیے اس بحث کو بیان کرنا ہی پڑتا ہے جمہور حضرات کی طرف سے حدیث ابن مسعودؓ پر بہت سے سوالات کیے گئے ہیں ان میں سے تین مشہور اور اہم ہیں اس لیے ان ہی کو ذکر کیا جاتا ہے۔

## امریچام

### سلسلة السؤالات علی رواية نبید الثمر

روایت نمینا الترمذی پر تین سوالات کیے گئے ہیں سوالات مع الجوابات پیش خدمت ہیں :-  
**سوال اول :-** یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس روایت کو نقل کرنے والے ابو زید میں ان کو محدثین حضرات نے مجہول کہا ہے اس لیے یہ روایت صالح للاستدلال نہیں۔  
 چنانچہ ابن عبدالبرؒ نے ان کے مجہول ہونے پر اتفاق نقل کیا ہے جس کو صاحب کتاب بحوالہ ترمذی شریف فرماتے ہیں » وقال الترمذی ابو زید مجہول « جب کہ امام ترمذیؒ ابو زیدؒ کی جہالت بیان فرماتے ہوئے مزید اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں » و ابو زید رجل مجہول عند اهل الحديث لا تعرف له رواية غير هذا الحديث « اب اس سوال کا براہ

ملاحظہ فرمادیں :-  
**جواب اول :-** اس ابو زید کے متعلق کتب رجال حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ یہ ابو زید عمرو بن حریش کے مولیٰ ہیں چنانچہ علامہ قاضی ابوبکر ابن العربی نے عارضة الاحوذی شرح ترمذی ج ۱ ص ۱۲۸ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا : ابو زید مولى عمرو بن حريش روى عنه راشد بن كيسان والبوسريّ اور ابو زید سے دو شخص حدیث روایت کرنے والے ملتے ہیں ایک ابو زید راشد بن کيسان درستیٰ البوردی - اصول حدیث کا یہ ضابطہ ہے کہ جس شخص سے دو فقرہ راوی روایت کر سنے والے ملتے ہوں اس کی جہالت ذاتیہ ختم ہو جاتی ہے ان کو مجہول الذات نہیں کہتے بلکہ معلوم الذات کہتے ہیں - چنانچہ علامہ دارقطنیؒ اپنی سنن ج ۱ ص ۲۶۱ میں بھی یہی ضابطہ لکھتے ہیں - اس سے معلوم ہوا کہ ابو زید مجہول الذات نہیں البتہ مجہول الاسم ہیں ابو زید ان کی کنیت ہے نام معلوم نہیں لیکن ایسا ہونے سے قبول روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا بہت سے اکابر امت ایسے ملتے ہیں جو کنیت سے مشہور ہیں ان کے نام معروف نہیں اس کے باوجود ان کی روایت صیغہ قبول کرتے ہیں -

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ ابو زید کے بہت سے متابع موجود ہیں جیسے ابو زید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں چودہ شخص اور ہیں جو ابو زید کی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے اس حدیث کو نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ علیؒ نے عمدۃ القاریؒ ص ۹۸۹ میں اور علامہ زیلعی حنفیؒ نے نصب الراية ص ۱۲۹ میں چودہ راوی مع کتب حدیث کے شمار کیے ہیں لہذا اس کی روایت مقبول ہے۔

**سوال دوم**۔ روایت ابن مسعودؓ کی سند میں ابو فرارہ ہیں ان کے متعلق یہ تردد ہوا کہ یہ راشد بن کسان ہی ہیں یا کوئی اور ہیں؟

**جواب**۔ نصب الراية ص ۱۲۹ میں ہے کہ امام دارقطنیؒ، ابن عدیؒ اور ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ "اسمہ راشد بن کسان" وهو ثقة عندهم ای عند المحدثین۔ اور تحفۃ الاحوزی ص ۹۱ میں تقریب التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "اسمہ راشد بن کسان الکوفی ثقة من الخامسة" اور تہذیب التہذیب ص ۱۲۴ میں لکھتے ہیں "وعن ابن معین ثقة وقال ابو حاتم صالح وقال الدارقطني ثقة کتب ورواہ فی کتب اهل النقل ذکرہ البیہقی"۔ وقال البیہقی فی ص ۱۲ "وابو فرارہ مشہور واسمہ راشد بن کسان"۔

**سوال سونم**۔ یہ ہے کہ حضرت علقمہؒ نے اپنے استاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا کہ لیلة الجحہ میں آپ حضور علیؑ و سلم کے ساتھ تھے تو انہوں نے جواب دیا،۔ "ماکان معہ منّا احد" ابو داؤد شریف ص ۱۲۱ باب الموضوع بالنبینہ) جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ بھی فرما رہے ہیں۔

"وصح عن علقمۃ عن عبد اللہ بن مسعود قال لمّا کُنْ لیلة الجحہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس لیے علامہ نوویؒ مشرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ حضور بالنبینہ والی روایت باطل ہے اس کی

کوئی اصل نہیں ہے؟

**جواب اول**۔ علامہ زیلعیؒ نصب الراية ص ۱۲۹ میں امام بدر الدین شبلہ الحنفیؒ کی کتاب "اکام المرجان فی احکام الجان" ص ۱۲۵ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ لیلة الجحہ چھ مرتبہ ہوئی ہے بعض مرتبہ ابن مسعودؓ ساتھ تھے بعض مرتبہ نہیں تھے یہ تعدد واقع ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے۔

یقول ابوالاسعاد : لَيْسَتْ الْجَنَّةُ كَمَا يَرَى فِي الْفَنَاءِ هِيَ هِيَ -

(۱) جب کہا گیا کہ "اِنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اغْتِيلَ وَاسْتَطِيرَ" آپ کو ایک لبا گیا یا کوئی اڑا لے گیا رطلحادی شریف بیٹے بالرجل لا یجد الا نبیذا التمر) یہ مکہ میں ہوئی تھی۔

دوسری مرتبہ مکہ میں بحون کے مقام پر ہوئی۔

تیسری مرتبہ مکہ کے بالائی حصہ میں ہوئی (کانت باعلیٰ منکته) جس میں آپ جبال میں چھپ گئے تھے۔

چوتھی مرتبہ بقیع الفرد کے مقام پر مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ان راتوں میں ابن مسعودؓ ساتھ تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے ارد گرد خط کھینچا تھا۔

پانچویں مرتبہ مدینہ منورہ سے باہر ہوئی جس میں حضرت زبیر بن عوامؓ ساتھ تھے۔

چھٹی مرتبہ ایک سفر میں ہوئی جس میں حضرت بلال بن الحارثؓ ساتھ تھے۔ یہ بلال وہ نہیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے وہ بلال بن رباحؓ ہیں۔ (اَلْاَمَامُ الْمَرْجَانُ فِیْ احْکَامِ الْجَانِ ص ۱۵۸)

جواب دوم۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس معیت کی نفی کر رہے ہیں اس سے مراد موضع تبلیغؓ کی معیت ہے اور یہ واقعہ ہے کہ موضع تبلیغؓ (جلسہ گاہ) میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں تھا بلکہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارد گرد کو ایک خط کھینچ لیا اور خود موضع تبلیغؓ (جلسہ گاہ) کو تشریف لے گئے تھے لہذا حضرت ابن مسعودؓ مطلقاً لیسۃ الجن میں موجودگی سے انکار نہیں کر رہے ہیں بلکہ موضع تبلیغؓ میں معیت کی نفی مقصود ہے۔

سوال چہارم۔ یہ ہے کہ روایت ابن مسعودؓ اخبار آحاد سے ہے جو کتاب اللہ سے اطلاق کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ کتاب اللہ میں تو یہ ہے کہ اگر مار مطلق نہ پاؤ تو یتیم کرو اور ظاہر ہے کہ نبیذ مار مطلق نہیں ہے بلکہ مار مقتیدہ ہے لہذا یتیم کرنا چاہیے و ضرور کے لیے مار مطلق کا ہونا ضروری ہے۔

جواب : چونکہ وضو بالنبیذ کے بعض اکابر قائل ہیں جیسے حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ۔ لہذا اس حدیث کو عمل صحابہؓ اور تلقی بالقبول کی وجہ سے شہور کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور اس قسم کی حدیث سے اطلاق کتاب اللہ میں ترمیم اور تنقیص

جائز ہے۔

**ملفوظ**

بعض لوگوں نے حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے یہاں تک کہا کہ اس حدیث کے رِوَاۃ چونکہ خود نبیؐ بجا کرتے تھے اس لیے اپنا کاروبار چلانے کے لیے یہ روایت جس سے جواز ثابت ہوتا ہے گھڑولی سے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اگر ایسی بات ہوتی تو امام بخاریؒ اس کو ضرور نقل فرماتے۔ اگر بالفرض یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ رِوَاۃ حدیث نبیؐ فروخت کرتے تھے تو یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ وہ فاسق نہیں تھے بلکہ عدل تھے۔ اور اگر نبیؐ کا بیچنا ہی حدیث کے عدم قبول کی وجہ ہو سکتی ہے پھر تو حضرت ابو ہریرہؓ کی وہ روایات جو ان سے سوہرہ کے بارے میں منقول ہیں قبول کیے جائے چاہئیں اس لیے کہ وہ خود ہرہ کے دلدادہ تھے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت کبشہ بنت کعبؓ ابن مالکؓ سے آپ ابو قتادہؓ کے فرزند کی بیوی تھیں ابو قتادہؓ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ابو قتادہؓ کے لیے دھڑکا پانی اندر بلائی آکر اس سے پینے لگی۔ آپ نے اس کے لیے برتن جھکا دیا حتیٰ کہ اس نے پی لیا کبشہ فرماتی ہیں کہ مجھے ابو قتادہؓ نے اپنی طرف دیکھتے ہوئے ملاحظہ کیا تو بولے بھتیجی کیا تم تعجب کرتی ہو لو میں ان تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں وہ تو تم پر چڑھنے والے یا پھر نے دالیوں میں سے ہے۔

وَعَنْ ابْنِ كَبْشَةَ بِنْتِ  
كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَتْ تَحْتُ  
ابْنِ ابْنِ قَتَادَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ  
عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ لَهُ وَضُوءٌ فَبَجَّاءَتْ  
هَرَّةً تَشْرِبُ مِنْهُ فَأَصْنَى لَهَا  
الْوَنَاءَ حَتَّى شَرِبَتْ قَالَتْ  
كَبْشَةُ فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهَا فَقَالَ  
الْحَبِيبُ يَا ابْنَةَ أَخِي قَالَتْ  
فَقُلْتُ لَعَنَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنْ  
الطَّوَافِينَ عَلَيْكُمْ أَوِ الطَّوَافَاتِ

(رواہ احمد و الترمذی)

قولہ ابی کبشہؓ: آپ خود بھی صحابیہ ہیں آپ کے والد کعبؓ ابن مالکؓ بھی صحابی ہیں جن کی

توبہ کا واقعہ مشہور ہے جن کے بارے میں سورۃ توبہ کی آیات اُتری ہیں حضرت ابن ابی قتادہؓ کی زوجہ ہیں  
 قولہ کانت تحت ابن ابی قتادہ۔ تحت سے مراد ہے (ای فی نکاحہم) کہ کشتہ ان  
 کے نکاح میں تھی۔ یعنی کانت زوجۃ ولدہ۔ ابن سے مراد حضرت عبداللہؓ ہیں اور ابی قتادہؓ سے  
 مراد عمارت بن ربیعؓ ہیں انصاری ہیں۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور شاہ سوار ہیں۔  
 قولہ فسکت : سکنت بمعنی صکت یعنی اٹھ بیٹا اور اس کا ضمیر بنی بکث کی طرف ہے۔  
 قولہ فاصغی لہا الإصغاء : ای امالہ الیہا یعنی حضرت ابوقتادہؓ نے برتن کو  
 بنی کی طرف جھکا دیا تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے۔

قولہ یا ابنت ارحنی : حضرت ابوقتادہؓ نے کشتہ کو بھتیجی کہا ہے حالانکہ وہ ان کی بھتیجی  
 نہیں تھیں اس کی درود جوابات ہیں :-

وجہ اول : یہ ہے کہ عرب میں عام طور پر مرد مخاطب کو اگر وہ چھوٹا ہو بھتیجا یا بیٹا اور عورت  
 مخاطب کو بھتیجی یا بہن کہہ کر پکارتے ہیں چاہے حقیقت میں یہ ان کا رشتہ نہ ہو۔

وجہ دوم : رکعت المؤمنین اخوة ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اس لیے اسلامی اخوت  
 والے رشتہ کے پیش نظر اس کی اولاد کو بھتیجا یا بھتیجی کہتے ہیں۔

قولہ انہا من الطوائف والطوائف : ترمذی تریف کے اندر انہا کے  
 بجائے لفظ ائمہ ہے۔ یہ تشبیہ کے لیے ہے یعنی "انہا مثل الطوائف" یعنی اگر  
 کُرسے اس کی مناسبت سے طوائف کا لفظ ہوگا اور اگر بنی مادہ ہے تو اس کی مناسبت سے  
 طوائف کا لفظ ہوگا اور اگر لفظ طوائف کا لفظ ہوگا تو اس کی مناسبت سے  
 خدمت گزار سے بھی نابالغ لڑکے اور لڑکیاں مراد ہیں جن کا خدمت کے لیے گھر میں کثرت سے  
 آنا جانا رہتا ہے یعنی ہر طرح گھر کے خادم ہر وقت گھروں میں آتے جاتے ہیں اور ہر لمحہ ان کے لیے  
 اجازت ایک حرج ہے جو "لَسَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَدَجٍ" کے پیش نظر مرفوع ہے۔  
 اس لیے وہ اجازت سے مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں۔ بعینہ بنی کار دکھا اور ہر وقت اس سے محافظت  
 اور نگرانی مشکل ہے اور نہ ہی بنی کو اپنے گھروں سے روکنا آسان ہے اس لیے اس کے جھوٹے کے  
 حکم کو بھی دیگر درندوں کے جھوٹے سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

سوال :- بنی کو خدام سے کیونکر تشبیہ ہے ؟

جواب :- خدام کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی انسانوں کی مختلف طرق سے خدمت کرتی

ہیں اور ان کے آرام و راحت کی بعض چیزوں میں بڑی معاون ہوتی ہیں مثلاً نقصان دہ جانوروں جیسے چوہے وغیرہ کو مارتی ہیں یا ان کو خدام اس مناسبت سے کہا گیا ہے کہ جیسے خادموں کی خبر گیری میں ثواب ہوتا ہے اسی طرح پلینوں کی خبر گیری میں بھی ثواب ہوتا ہے اور جس طرح خادموں کے گردوں میں پھرتے بہتے ہیں اسی طرح بلیاں بھی گردوں میں پھرتی رہتی ہیں۔

## سورہ ہرہ میں ائمہ کا اختلاف

بقول ابوالاسعد: سورہ کی کم و بیش سات قسمیں ہیں ۱۔ سورہ مسلم ۲۔ سورہ کافر۔ ابن رشد مالکی نے ہدایۃ المجتہد ص ۲۸ میں سورہ مسلم کو پاک کہا ہے اور سورہ کافر میں اختلاف نقل کیا ہے اس کی مکمل بحث وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۳۔ سورہ ما کول اللہم یہ بالاتفاق پاک ہے۔ ۴۔ سورہ المغزیر یہ بالاتفاق حرام ہے۔ ۵۔ سورہ الکلب اس میں اختلاف ہے جس کی بحث سیاقی۔ ۶۔ سورہ سباع غیر ما کول اللہم یہ بالاتفاق حرام ہے (۷۔ سورہ طوائف البیوت جس میں بلی سانپ چوہے سب داخل ہیں۔ زیر بحث حدیث اسی سورہ نمبر ۷ کے سلسلہ میں ہے۔

## بیان مذاہب

سورہ ہرہ کے بارے میں اختلاف ہے اور تین مسلک ہیں۔  
**مسلک اول**۔ امام اوزاعی کے نزدیک بلی کا جھوٹا بچہ ہے۔  
**مستدل**۔ مسند احمد ص ۲۲ مستدرک حاکم ص ۱۸۲ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے  
 ”قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی دار قوم من الانصار و دونہم دار فشق ذالک علیہم فقالوا یا رسول اللہ تأتی دار فلان ولا تأتی دارنا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان فی دارکم کلب قالوا فان فی دارہم سنور فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم السنور سبع۔“

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ ایک انصاری قوم کے گھر تشریف لے جاتے تھے ان گھروں سے دور تھا یہ ان گھروالوں کو گراں گذرا تو بولے یا رسول اللہ! آپ فلاں کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لیے کہ تمہارے گھر میں کتاب ہے وہ بولے ان کے گھر میں بقی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقی تو درندوں میں سے ہے (مشکوٰۃ تشریف ص ۲۸۴ فصل ثالث باب التعدادیر)

طرز استدلال یوں ہے کہ حدیث پاک کے آخری جملہ ”السنورین“ میں بقی کو درندہ قرار دیا گیا ہے اور درندوں کا سورنجن ہوتا ہے۔

مسئلہ دوم: ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے نزدیک سور الہزہ بلا کراہت ظاہر ہے جس سے دھوہ کیا جاسکتا ہے اور نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے قاضی امام ابو یوسفؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

مستدل اول: ائمہ ثلاثہ کا مسئلہ اول حضرت ابو قتادہؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَيْسَتْ بِنَجْسٍ۔

مستدل دوم: دوسرا استدلال ائمہ المؤمنین حضرت عائشہؓ کے سور الہزہ کے استعمال کا واقعہ جس کو صاحب مشکوٰۃ ابوالدرداءؓ اور تشریف نقل فرما رہے ہیں جس کے الفاظ ہیں ”أَكَلْتُ دِسُّ حَيْثُ أَكَلْتُ الْهَزْرَةَ“۔ نبی عائشہؓ نے دس سے کھایا جہاں سے بقی نے کھایا تھا لامحالہ وہ طعام پاک تھا اس لیے وہ استئمان فرما رہی ہیں۔

مسئلہ سوم: امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے پھر کراہت میں دو قول ہیں اول مکروہ تحریمی ہے جس کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔ دوم مکروہ تنزیہی جس کو امام کرخیؒ نے اختیار کیا ہے۔

مستدل اول: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے

”ظَهَرَ الْإِنَاءُ إِذَا وَلِغَ فِيهِ الْهَزْرَةُ أَنْ يَفْسَلَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ“

(شرح معانی الآثار، ص ۱۱۱ باب سُورِ الْهَزْرَةِ)

کہ جس برتن میں بقی منہ ڈال جائے اس کی طہارت یوں ہے کہ ایک یا دو مرتبہ دھویا جائے



ظہور کا لفظ مبتلا ہے کہ دھونے سے پہلے اس برتن میں طہارت نہ تھی اور حدیث میں دھونے کی ضرورت بیان کی گئی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں طہارت نہیں ہے۔

**مستدل دوم**۔ ترمذی شریف ص ۲۴۱ باب سورۃ الہرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت ہے ”وَاِذَا وُلِّيتْ فَيَسِّرُ الْهَرَّةَ غَسَلَ مَرَّةً“ جس برتن میں بلی منہ ڈال جائے اسے ایک مرتبہ دھونے کا حکم کیا گیا ہے۔

**مستدل سوم**۔ امام طحاویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ اثر بھی نقل کیا ہے۔  
”يُغَسِّلُ الْاِنَاءَ مِنَ الْهَرَّةِ كَمَا يُغَسِّلُ مِنَ الْكَلْبِ رَطْحًا وَيُشْرِفُ عَلَيْهِ“  
باب سورۃ الہرہ۔ اس طرح ابن عمرؓ کا اثر بھی امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں نقل کیا ہے ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ لَا تَوْضُوءَ مَنْ سَوَّرَ الْحِمَارَ وَلَا الْكَلْبَ وَلَا السُّتُورَ“ حوالہ بالا۔

## امام اوزاعیؒ کے مستدل کے جوابات

امام اوزاعیؒ نے سورہہ کے نسخ ہونے پر مسند احمد اور مستدرک حاکم کی روایت ”السُّتُورُ سَبْعٌ“ سے دلیل پکڑی ہے اس کے جواب میں:  
**جواب اول**: یہ ہے کہ ”السُّتُورُ سَبْعٌ“ والی روایت ضعیف ہے۔ علامہ حافظ جمال الدین زلیخیؒ نے نصب الراية ص ۱۲۱ ج ۱ فصل فی الآثار وغیرہ میں فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ نیز مجمع الزوائد ص ۱۹۱ باب فی السُّتُور والکلب میں علامہ شمسؒ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”وفيه عيسى بن المستب وهو ضعيف“ لہذا ایسی حدیث سے سورہہ کے نسخ ہونے پر کیے دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

**جواب دوم**۔ اگر السُّتُور سَبْعٌ والی روایت کو قابل استدلال تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی ہرہ علت طواف اور عموم بلوغی کی بناء پر سور سباج کے حکم سے خارج ہوگی۔

## روایت کبشہ کے جوابات

ائمہ ثلاثہؒ نے سورہہ کی طہارت پر مبنی بی کبشہ کی روایت سے دلیل پکڑی تھی ”ليست بنجس“

اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

**جواب اول۔** جس کو امام غماویؒ نے اختیار فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”انہما لیست بنیچین“ میں مکی کے جھوٹے کا حکم بتانا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ مماستہ الثیاب پر محمول ہے یعنی اس کا بدن ناپاک نہیں۔ لہذا مکی کا بدن کسی کے کپڑے کو لگ جائے یا وہ لحاف اور بستر میں گھس جائے تو کپڑا اور لحاف وغیرہ ناپاک نہیں ہو سکتے کیونکہ حدیث پاک کا جو مرفوع حصہ ہے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں حکم السورۃ نام مقصود ہے۔

**جواب دوم۔** حضرت قتادہؒ کا فعل ریعنی مکی کے لیے برتن کو طیرھا کرنا ان کا ذاتی عمل جو اہمت کے لیے تحت نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ قاعدہ یہی ہے کہ مرفوع روایت ”اذا ولغت فیہ الہزۃ غسل مرقۃ“ کے مقابلہ میں کسی صحابی کے قول کو ترجیح نہیں ہوتی۔

یقول ابو الاسعاد: سنن الکبریٰ بیۃ ۲۲۱ کی اس روایت کے آخر میں ہے ”فقیل لہ لا بنی قتادہ“ فی ذالک فقال ما صنعت الا ما ساریت رسول اللہ صلی علیہ وسلم یصنع: انتہی فکیف یقول ہذا قول لابی قتادہ فقط۔

**جواب سوم۔** یہ ہے (جو صاحب بحر کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے) کہ جس سورہ ہرہ سے آپؐ نے وضو فرمایا ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے اس ہرہ کو اس سے قبل پانی پیتے دیکھا ہو اور ایسی ہرہ کا سورہ ہمارے یہاں بھی پاک ہے اس لیے کہ سورہ ہرہ کی کراہت ایک قول کی بنا پر عدم تواتر عن النجاست کی وجہ سے ہے یعنی یہ کہ وہ گند کی چیزیں کھاتی ہے اس لیے اس کا مذکار جی بجات سے ناپاک ہو جاتا ہے اور یہاں یہ علت مرتفع ہے اس کے مذکار پانی پینے کی وجہ سے پاک ہونا معلوم ہوتا ہے تو یہ صرف ایک احتمال ہے لیکن احتمال کا وجود مانع عن الاستدلال ہو جاتا ہے۔

**جواب چہارم۔** علامہ المارذنی الجوزی المتوفی ۷۲۵ھ میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن مندہ اصہبانیؒ نے فرمایا کہ اس کی سند میں حمیدہ دیکھ دو توں عور میں صحابیات میں شامل نہیں اور دونوں مجہول ہیں نیز آگے فرماتے ہیں ”وقال ابن مندہ ام یحییٰ حمیدۃ وخالتہا کبشۃ لا یدرف لہما الا فی ہذا الحدیث ومحلہما محل الجہالۃ ولا یشہد ہذا الخبر بوجہ من الوجوہ“ تو طہارت جیسے اہم مسئلہ میں ان پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

## داؤد بن صالح کی روایت کا جواب

ائمہ ثلاثہ نے سورہہ کی مہارت پر بی بی عائشہؓ کے واقعہ سے دلیل پکڑ لی تھی اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں :-

**جواب :-** بی بی عائشہؓ کے واقعہ والی روایت کی سند میں داؤد بن صالح بن دینار شمار عن ائمہ روایت کرتے ہیں البیہقی ص ۲۳۸ میں ہے کہ یہاں عن ائمہ کی خبر نہیں پھر فرماتے ہیں "امرأة مجہولۃ عند اهل العلم" تو اس مجہولہ سے استدلال کیونکر درست ہو سکتا ہے اس لیے "قال البیہقی فی مستدرک: هذا الحدیث لا یتثبت من جملۃ النقل"

**ترجمہ :-** روایت ہے حضرت داؤد بن صالح ابن دینار سے وہ اپنی والدہ سے راوی کہ ان کی ماں نے انہیں ہر لہر سے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا میں نے آپ کو نماز پڑھتے پایا مجھے اشارہ کیا رکھ دو۔ ایک بلی جو اس میں سے کھا گئی۔ جب حضرت عائشہؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو آپ نے وہاں سے ہی کھا یا جہاں سے بلی نے کھا یا تھا فرمانے لگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلی تجس نہیں وہ تو تم پر گھوسنے والوں سے ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بلی کے پیچھے ہوئے پانی سے وضو کرتے تھے۔

(رواہ ابو داؤد)

وَعَنْ دَاوُدَ بْنِ صَالِحِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ أُمِّهِ أَنَّ مَوْلَاهُ تَهَا أَمْسَلَهَا بِهَرِيسَةَ إِلَى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُهَا تَصَلِّي فَأَشَارْتُ إِلَى أَنْ صَبَّحَهَا فَبَجَّاءَتْ هِرَّةٌ فَأَكَلْتُ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفْتُ عَائِشَةَ مِنْ صَلَواتِهَا أَكَلْتُ مِنْ حَيْثُ أَكَلْتُ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ إِنَّهَا مِنَ الطَّوَافِقِ عَلَيْكُمْ وَإِنَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّاءُ بِفَضْلِهَا -

قَوْلُهُ بِهَرِيسَةٍ : یہ طعام ہے جس کو خریرہ بھی کہتے ہیں۔ آٹا گھی گشت کا بنا یا جاتا ہے جلدی مہم ہونے والی غذا ہے۔ اس لیے عرب میں اس کو پسند کیا جاتا تھا۔

قَوْلُهُ فَأَشَارَتْ : ای عائشہؓ یا یٰئدِ اوبالہؓ اس مطلب اس کا یہ ہے کہ داؤد کی والدہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس خریرہ سے کربہ نہیں تودہ نماز میں مشغول تھیں اس لیے انہوں نے اپنے ہاتھ یا سر وغیرہ سے انہیں اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ یہ برتن رکھ دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اس طرح کے معمولی اشارے جائز ہیں کیونکہ یہ عمل کثیر نہیں ہے کیونکہ نماز کو فاسد کرنے والی چیز گفتگو یا عمل کثیر ہے۔ مزید فقہی بحث تدریجاً۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ہم گدھوں کے جھوٹے سے وضو کر لیں فرمایا ہاں ! اور اس سے بھی نہیں تمام درندوں نے بھی جھوٹا کیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَوْضَأَ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمْرُ قَالَ نَعَمْ وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ كُلُّهَا (رواہ فی شرح السنۃ)

قَوْلُهُ أَفْضَلَتْ : یہ فضالہ سے مشتق ہے اور فضالہ کہتے ہیں "الماء الذی تشربه" وہ پانی جو پینے کے بعد رخ جائے جس کو جوٹھا کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ الْحُمْرُ : جمع حمار خواہ اہلی ہو یا وحشی۔

قَوْلُهُ السِّبَاعُ : وہ درندے جو پھاڑ کر کھانے والے ہوں۔

فائدہ : حدیث مذکور میں محدثین حضرات نے دفعی مسئلے بیان فرمائے ہیں :

(۱) سور الحمار : کہ گدھا کا جوٹھا پاک ہے یا نہیں۔ (۲) سور السباع : کہ درندوں کا جوٹھا پاک ہے یا نہیں۔ ترتیب ذکر میں سور الحمار کو پہلے بیان کیا جائے گا۔

## سور حمار کا حکم

يقول ابوالاسعاد : حمار سے مراد حمار اہلی یعنی پالتو گدھا ہے اس بارے میں

گدھے اور گدھی کا حکم ایک ہے جیسا کہ آیا چاہتا ہے۔ احناف حضرات کے نزدیک سورہ الحمار مشکوک ہے۔ و سورہ الحمار والبقول مشکوک فیہ والہدایہ ص ۳۴ فصل فی الآسام وغیرہ۔  
البحر الرائق ص ۳۲

## کیفیت شک

مشائخ احناف نے جو گدھا کے جوٹے کو مشکوک کہا ہے اس کی بابت بھی رد قول ہیں :  
اول : یہ کہ خود ایسے پانی کی مہارت میں شبہ ہے اس لیے کہ اگر یہ پانی پاک ہوتا تو دوسرے پانی میں ملنے کے بعد پانی کے مقابلہ میں مغلوب ہونے کی صورت میں مغلوب بھی ہونا چاہیے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

دوم : رد قول یہ کہ اس مظہر ہونے میں شبہ ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص گدھا کے جھوٹے پانی سے سر کا مسح کرے اور بعد میں اس کو مطلق پانی دستیاب ہو تو اس پر سر کا دھونا واجب نہیں اگر اس کے پاک ہونے میں شبہ ہوتا تو بلاشبہ سر کو دھونا واجب ہوتا۔

سوال - علامہ شیخ ابوطاہر دباس نے اعتراض کیا ہے کہ سورہ الحمار کو مشکوک کہنا صحیح نہیں کیونکہ احکام خداوندی میں کوئی حکم مشکوک نہیں پس ان کا جھوٹا پاک ہے اگر اس میں کچھ اڑوب گیا تو اس کے ساتھ نماز جائز ہوگی۔ البتہ اس میں احتیاط برتی گئی ہے اس لیے وضو اور تیمم ہر دو کا حکم اور بحالت قدرت اس کے استعمال سے منع کیا جاتا ہے۔

جواب - مشائخ احناف کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مشکوک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا شرعی حکم معلوم نہیں اس لیے کہ شرعی حکم یعنی استعمال کا ضروری ہونا نجاست کا منقح ہونا اور اس کے تیمم کا نعم کرنا تو بلاشک معلوم ہے بلکہ شک سے مراد تعارض اودہ کی بنا پر توقف کہ ان کے گوشت کی اباحت و حرمت میں احادیث متعارض ہیں جس کی تشریح آیا ہی جا رہی ہے۔

## سورہ الحمار کے مشکوک ہونے کے اسباب

اس بات میں کہ گدھا کا جھوٹا مشکوک کیوں ہے کیا سبب ہے تو اس کے مختلف اسباب ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں :

سببِ اَدْل: گدھا کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کا سبب اَدْل تعارضِ اَدْل ہے یعنی روایات کا تعارض ہے۔ مثلاً حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ خیبر کے موقع پر پالتو گھوڑوں کے گوشت سے منع فرمادیا تھا:

« عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَتْ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ابْنِ نَافِلٍ لِحُومِ الْحُمْدِ رَأبُ دَاوُدَ شَرِيفٌ مِمَّنْ أَكْتَابَ الْأَطْعَمَ بَابِ فِي أَكْلِ لِحُومِ الْحُمْدِ لَا هَلِيَّةَ »

جب کہ حضرت غالب بن ابجرؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کو پالتو گدھا کے گوشت کے استعمال کی اجازت دی تھی:

« فَقَالَ اطْعِمُوا هَٰؤُلَاءِ مِنْ سَمِينِ حُمْدٍ رَأبُ دَاوُدَ شَرِيفٌ مِمَّنْ أَكْتَابَ الْأَطْعَمَ بِالْإِشَارَةِ »

اس سے لحم و لعاب حمار کی طہارت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ صاحبِ ہدایہ تعارضِ اَدْل کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے گویا ہیں:

« وَسَبَبُ الشَّكِّ تَعَارُضُ الْأَدْلَةِ فِي ابَاحَتِهِ وَحَرَمَتِهِ (حوالہ بالا) »

سببِ دو شک: بعض حضرات نے اختلاف صحابہ کرامؓ کو مشکوک ہونے کا سبب مانتا ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباسؓ سے لحم حمار کی طہارت اور حضرت ابن عمرؓ سے اس کی کراہت منقول ہے۔ چنانچہ صاحبِ ہدایہ اختلاف صحابہ کرامؓ کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

« وَاخْتِلَافُ الصَّحَابَةِ عَلَيْهِمْ فِي بَحْثِهَا وَطَهَارَتِهَا (مِثْلُ طَوَالِ الْأَدْلَةِ) »

شیخ الاسلام علامہ خواہر زادہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں سبب میرے ہاں غیر صحیح ہیں بلکہ انہوں نے ان دونوں سببوں کا رد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ لحم حمار تو یقیناً حرام ہے کیونکہ جب محرم و مبیح کا اجتماع ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے اور جب لحم حرام ہے تو لعاب بھی نجس ہوگا تو جو چیز لعاب سے مختلط ہوگی تو وہ بھی نجس ہوگی اسی طرح اختلاف صحابہ کرامؓ کو بھی شک کی بنیاد بنا نا درست نہیں ہوگا جیسے کوئی عادل شخص ایک برتن کے بارے میں اطلاع دے کہ یہ نا پاک ہے اور دوسرا کہے کہ پاک ہے تو ایسی صورت میں دونوں خبریں مستوی ہوتی ہیں اور اعتبار اصل کا ہوتا ہے یعنی اس سے پانی مشکوک نہیں ہوتا بلکہ اس کو نا پاک ہی قرار دیا جاتا ہے۔ لہذا یہاں بھی ایسا ہی ہوگا۔ پھر آگے علامہ خواہر زادہ مشکوک اور مشکل احکم ہونے کی زیادہ بہتر

اور دل نشین توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یوں کہا جائے کہ اس کا دار و مدار تحقق ضرورت پر ہے اگر ضرورت متحقق ہو تو سورہ ہمارے حکم میں تخفیف ہو سکتی ہے چنانچہ اگر ضرورت متحقق نہ ہو تو اس کے سور میں تخفیف نہ ہو اور ہمیں ہی رہے اس کی دو صورتیں ہیں :-  
 اول : یہ ہے کہ ضرورت من وجہ متحقق ہے وہ ایسے کہ ان جانوروں کو اکثر گھروں کے دروازوں میں باندھا جاتا ہے اور گھروں کے کوندوں میں پانی پلایا جاتا ہے اس حیثیت سے اس میں ضرورت متحقق ہے۔

دوئم : یہ ہے کہ ضرورت من وجہ متحقق نہیں جیسے کتے اور درندوں میں ہے تب تو بلا اشکال نجاست کا حکم ہوتا اور یہاں من وجہ ضرورت ہے اور من وجہ نہیں ہے اور موجب طہارت و موجب نجاست ہر دو مستوی ہیں لہذا دونوں ماقط ہو کر اصل کی طرف رجوع کریں اور یہاں اصل دو چیزیں ہیں عطاپانی میں طہارت عا اور لعاب میں نجاست اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے اولی نہیں ہے اس لیے معاملہ مشکل ہو گیا اور سورہ ہمارے مشکوک ٹھہرا (دیکھئے بحر الرائق ص ۱۲۳ ج ۱)

## سور سباع میں فقہاء کرام کا اختلاف

درندوں کے جھوٹے کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا یہ پاک ہے یا نجس ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں :-

مذہب اول :- ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کلب اور خنزیر کے سوا تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔  
 مستدل اول : حدیث باب ہے جس میں سائل نے گدھا کے جھوٹے سے وضو کرنے کے متعلق سوال کیا ہے آپؐ نے اس کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا "وبما افضلت السباع کلہا" اور اس پانی سے بھی وضو کر لیں جنہیں تمام درندوں نے بھی جھوٹا کیا۔

مستدل دوئم :- حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں تو آپؐ نے فرمایا "ولنا ما غبر طہور" مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۱ باب احکام الیاء فصل ثالث یعنی ان کا جو بچا ہمارے لیے پاک کن ہے یہ روایات سور سباع کے ظاہر ہونے کی دلیلیں ہیں۔

مذہب دوم : احناف حضرات کے نزدیک تمام درندوں کا سؤر بالاتفاق نجس ہے۔  
**مسئلہ اول :** فصل ثالث کی پہلی روایت ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص کا واقعہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ ایک قافلہ میں حوض پر آئے تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے حوض کے مالک سے پوچھا ”هل ترو حوضك السباع“ کیا تیرے حوض پر درندے آتے ہیں؟ حضرت عمرو بن عاصؓ کا یہ سوال کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابن عباسؓ درندوں کے جھوٹے گونا پاک سمجھتے تھے ورنہ سوال کی حاجت نہ ہوتی۔

سوال۔ حضرت عمرؓ نے مالک حوض کو یہ کیوں فرمایا؟ ”یا صاحب الحوض لا تخبرنا“ لے حوض کے مالک نہ بتانا۔ اس سے تو بظاہر حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان مخالفت کا شائبہ ہے۔

جواب۔ حضرت عمرؓ کا مالک حوض کو جواب دینے سے روکنا اس لیے تھا کہ محض احتمال اور شک کی بناء پر تحقیق کرنا غلو فی الدین ہے اس لیے جواب دینے سے روکا ہے حضرت عمرو بن عاصؓ کے ذہن کی تردید نہیں فرمائی بلکہ من وجہ تائید ہے اگر حضرت عمرؓ سؤر السباع کو ظاہر سمجھتے تو یہ فرماتے کہ اگر السباع کے منہ ڈالنے کی تحقیق بھی ہو جائے تو ہم اس کو پاک سمجھتے ہوئے بھی وضو کریں گے۔

”وَصَحَّفَهُ ابْنُ حَبَّانٍ (مرقاۃ حوالہ بالا) یقول ابوالاسعاد : حضرت عمرؓ کے قول کے مفہوم کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ شریعت میں ”ولا تجتنبوا“ لایۃ کے تحت حکم ظاہر پر لگتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے عدم علم کی صورت میں درندوں کے جھوٹے سے وضو جائز ہے اور صاحب حوض سے استفسار لازم بھی نہیں۔ اگر حوض واسلے سے بتا دیا کہ حوض سے درندے بھی پانی پیتے ہیں تو ہم مسافروں پر معاملہ تنگ ہو جائے گا اس لیے حوض واسلے کو منع کر دیا کہ تم کچھ مت بتاؤ۔

**مسئلہ دوم :** حدیث ثلثین ہے :

سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الماء يكون في القلعة من الارض وما ينوبه من الدواب والسباع فقال اذا كان الماء قُلُتَيْنِ لم يحل الخبث (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷ ج ۱) باب احکام المياه (فصل ثانی)



یہ حدیث شوائع کا مستدل ہے کیونکہ شوائع حضرات بین القلیل والکثیر کے لیے قلتین کو حد فاصل قرار دیتے ہیں۔ طرز استدلال یوں ہے کہ اگر سورسباع نجس نہیں ہے تو پھر اس حدیث سے قلتین کے حد فاصل بین القلیل والکثیر ہونے پر استدلال درست نہ ہوگا۔ اس لیے کہ ماہ قلیل ہیں اگر کوئی شیئی طاهر مل جاتی ہے۔ مثلاً آدمی کا جو ٹھکانا یا یوکل لچر کا جھوٹا تورہ ناپاک نہیں ہوتا تو اگر سورسباع بھی نجس نہیں ہے تو وہ بھی ناپاک نہیں ہونا چاہیے خواہ ماہ قلیل ہو یا کثیر ہو تو پھر یہ تفریق کہ اگر قلتین ہے تو ناپاک نہیں ہوگا اور قلتین نہیں ہے تو ناپاک ہو جائے گا یہ کہاں تک درست ہے۔

**مستدل سوم عقلی** | جمہور علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لحم سباع نجس ہے تو پھر ان کا لعاب بھی نجس ہوگا۔ کیونکہ لعاب متوکل من اللحم ہے اور قانون ہے کہ جو حکم مشتق کا ہوتا ہے وہی مشتق منہ کا بھی ہوتا ہے۔ تو اسی قانون کے تحت سورسباع کو بھی نجس کہا جائے گا کیونکہ اس کا اختلاط لعاب کے ساتھ ہوتا ہے۔

## ائمہ ثلاثہ کے مستدلّات کے جوابات

ائمہ ثلاثہ نے سورسباع کے پاک ہونے پر حضرت جابرؓ کی روایت سے دلیل پکڑی تھی اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں :-

**مستدل اول کا جواب اول** - یہ ہے کہ یہ تحریم السباع سے پہلے کی بات ہے کہ اس وقت درندوں کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ تب آپؐ نے اجازت دی تھی اسی کو صاحب مرقات علامہ ہرمیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ "وعنی ما قبل تحريم لحوم السباع (مرقاۃ ص ۸۸)

**جواب دوم** : روایت جابر ضعیف ہے بلکہ ضعیف ہونے کے ساتھ منقطع بھی ہے کیونکہ اصل روایت داؤد بن حصین عن جابرؓ ہے۔

”ورواه الشافعی فی سندہ من حدیث داؤد بن الحصین عن  
ابیر عن جابرؓ فی بعض روایاتہ داؤد بن الحصین عن جابرؓ  
(مرقاۃ ص ۸۸ ج ۱)

داؤد بن حصین خود ضعیف راوی ہے لہذا قالہ الحصین (ثانیاً داؤد بن حصین کی ملاقات

حضرت جابرؓ سے ثابت نہیں تو یہ روایت منقطع ہوئی۔ اس لیے صاحب غنایہ نے اس روایت کو کما سبل میں شمار کیا ہے۔ «وَصَنَّفَهُ ابْنُ حِبَّانٍ (مرقاۃ حوالہ بالا)

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَدِ : حضرت عمرؓ کے قول کے مفہوم کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ شریعت میں «وَلَا تَجْتَسِبُوا الْآيَةَ» کے تحت حکم ظاہر پر لگتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ ہمارے عدم علم کی صورت میں درندوں کے جھوٹے سے وضوہ جائز ہے اور صاحب حوض سے استفادہ لازم بھی نہیں کہ اگر حوض دالے سے بتا دیا کہ حوض سے درندے بھی پانی پیتے ہیں تو ہم مسافروں پر یہ معاملہ تنگ ہو جائے گا اس لیے حوض دالے کو منع کر دیا کہ تم کچھ مت بتاؤ۔

مُسْتَدَل دُوم کا جواب اَوَّل : اگر ثلاثہ نے سور سباع کی طہارت پر روایت ابی عبد خدریؓ سے دلیل پکڑی تھی جس میں ماہین الکد والدینہ کے حوضوں کا ذکر ہے تو اس کا جواب ازل یہ ہے کہ ماہین الکد والدینہ جو حوض تھے اس میں مار کثیر تھا نہ کہ مار قلیل، اس کا قرینہ ابو سعید خدریؓ کے روایت باب ہے جس میں یہ لفظ آتے ہیں «ثُرْدَا السَّبَاعِ وَالْكَلَابِ وَالْحَمَرِ» تو اس میں کلاب کا بھی ذکر ہے حالانکہ کلاب کا جھوٹا اتفاق نجس ہے۔ لہذا یہ تاویل ضروری ہے۔  
جواب دُوم - یہ کہ یہ روایت بھی ضعیف ہے عبد الرحمن بن زید بن اسلم کی وجہ سے چنانچہ علامہ ہر وہی فرماتے ہیں :-

اَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِي مَعْلُولٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ اسْلَمَ (مرقاۃ حوالہ بالا)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ام ہانیؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت یسوعؑ نے لگن سے وضو کیا جس میں گندے ہوئے آٹے کا اثر تھا۔

وَعَنْ أُمِّ هَانِيٍّ قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ وَمُؤْمِنَتَانِ فِي قَصْعَةٍ فِيهَا أَثَرُ الْعَجِينِ : (رواہ النسائی)

قَوْلُهُ فِي قَصْعَةٍ : بفتح القاف ای النظرات الکبیر بڑا برتن۔

قَوْلُهُ الْعَجِينُ : هو الدقيق المعجون آٹے کے باریک ذرات : کیونکہ بعض دنہ

اس بڑے برتن میں آٹا بھی گوندھا جاتا تھا۔

حدیث مذکور کی فقہی بحث مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۳ ج ۱ باب الغسل فصل ثالث روایت عائشہ میں ہو چکی ہے۔

## الفصل الثالث

عَنْ كَيْسِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
قَالَ إِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِيهَا كَبَّ فِيهِمْ  
عُمَرُ بْنُ الْكَأْسِ حَتَّى وَرَدُوا  
حَوْضًا فَقَالَ عُمَرُ يَا صَاحِبَ  
الْحَوْضِ هَلْ تَرُدُّ حَوْضَكَ لِلسَّبَاحِ  
فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْكَأْسِ يَا  
صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرُنَا  
فَإِنَّا تَرُدُّ عَلَى السَّبَاحِ وَتَرُدُّ عَلَيْنَا

(سرواۃ صالک)

قولہ : کب : ای جماعت من الذاکبین۔

قولہ : ہل ترد حوضک السباح : کیا تیرے حوض پر درندے آتے ہیں۔ اس جملہ کی مراد یہ ہے کہ اگر درندے اس سے پانی پیتے ہوں تو ہم اس سے نہ وضو اور غسل کریں اور نہ پئیں۔ انہیں آب تلیل و کثیر کا فرق معلوم نہ تھا۔

قولہ : و مراد مرثیہ : قال مرآۃ بعض الرواۃ : اور روایت میں سے کہا ہے کہ بعض راویوں نے حضرت عمرؓ کے اس قول میں یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں۔

قولہ : لہا : ای السباح۔

قولہ : اخذت ای مما شربہ - حدیث کی فقہی بحث قدماء آغا سابقاً۔

## یہ تیسری فصل ہے۔

ترجمہ : حضرت کئی ابن عبد الرحمنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس خانہ میں تشریف لے گئے جن میں حضرت عمرو بن عائشؓ تھے حتیٰ کہ ایک حوض پر پہنچے تو حضرت عمرؓ نے کہا اے حوض واسے کیا تیرے حوض پر درندے ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ ابن خطابؓ نے فرمایا اے حوض واسے نہ بتانا کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر آتے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ  
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ سَأَلَ عَنِ الْحَيَاضِ الَّتِي  
بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ تَرُدُّهَا  
السَّبَاعُ وَالْكَلابُ وَالْحُمُرُ  
عَنِ الظَّهْرِ مِنْهَا فَقَالَ لَهَا مَا  
حَمَلَتْ فِي بَطْنِهَا وَلَسْنَا مَا عَبَّرَ  
ظَهْرُكَ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو سعید  
خدریؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے  
ان حضوں کے متعلق پوچھا گیا جو مکہ اور مدینہ  
کے درمیان ہیں جن پر درندہ سے کتے اور گرہے  
سب آتے ہیں ان سے دھو کر ناکیا فرمایا کہ وہ  
جو اپنے پیٹوں میں لے گئے وہ ان کا جو بچا  
وہ ہمارا اور وہ ہمارے لیے پاک کن ہے۔

قَوْلُهُ مَا عَبَّرَ : بفتح الباء ای بقی - یعنی جو باقی بچے۔  
قَوْلُهُ ظَهْرُكَ : بفتح الطاء پاک کرنے والا۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ  
قَالَ لَا تَقْسِسُوا بِالْمَاءِ الْمُسْتَسْ  
فَاسًا يُورِثُ الْبَرَصَ : (رواه الدارقطني)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمر ابن الخطابؓ  
سے آپ نے فرمایا کہ دھوپ کے گرم شدہ  
پانی سے غسل نہ کرو اس لیے کہ وہ کوڑھ پیدا  
کرتا ہے

فائدہ : مارشس کا مطلب عند البعض یہ ہے کہ ایسے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے جو عموماً  
دھوپ میں رکھ کر گرم کیا گیا ہو۔ لیکن بظاہر تخصیص معلوم نہیں ہوتی کہ عموماً دھوپ میں رکھ کر گرم  
کیا گیا یا ویسے رکھا ہوا تھا کہ دھوپ آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا  
:- قول ضعیف ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث اس سلسلہ میں منقول نہیں۔  
" قال میرک حدیث ضعیف " (مرقاۃ ص ۱۹۲ ج ۲)

## ماہِ شمس سے غسل کرنے کا حکم

يقول البوالاسعاد : دھوپ میں گرم کیے ہوئے پانی سے غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ تینوں حضرات کے نزدیک اس میں کوئی کراہت نہیں ہے البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک دھوپ میں گرم شدہ پانی سے غسل کرنا مکروہ ہے۔ مگر ان علما و متاخرین نے جمہور ائمہ کی ہمنوا کی کرتے ہوئے ان کا مسلک اختیار کیا ہے کہ اس میں کراہت نہیں۔ (مرقاۃ ص ۱۹۲ ج ۲ مفہوم حق ص ۲۸ ج ۱ حوالہ بال)

## بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ

يقول البوالاسعاد : صاحب کتاب نجاست حکمہ (نجاست وغیرہ) اور ان کے ازالہ و رفع و غسل و تیمم، مسح سے فراغت کے بعد نجاست حقیقی اور اس سے تلہس کے طریقوں کو بیان فرما رہے ہیں اور نجاست حکمہ کے بیان کو اس لیے مقدم کیا ہے کہ یہ اقویٰ ہے کیونکہ اس کی قلیل مقدار بھی مانع جواز صلوٰۃ ہے۔

فائدہ - النجاسات : نجس کی جمع ہے جو اصل کے لحاظ سے مصدر ہے لیکن اسم کی صورت میں بھی مستعمل ہے "قَالَ اللَّهُ تَعَالَى "إِنَّمَا الْمُسْتَخَرُّ نَجَسٌ" تاج الشریعہ کہتے ہیں کہ نجاسات جمع نجس معنی ناپاک چیز اور نجس خود ناپاک اور گندگی ہے یہاں اول معنی مراد ہیں جیسے ناپاک بدن ناپاک کپڑا ناپاک مکان۔ غنایہ اور حاشیہ ثلثی میں ہے کہ نجس کا اطلاق نجاست حقیقی و نجاست حکمی دونوں پر ہوتا ہے۔ لہذا باب تطہیر النجاسات الحقیقیہ کہنا چاہیے تھا۔ کما قالہ الہر وی "ای الحقیقۃ" و مرقاۃ ص ۱۹۲ ج ۲ تاکہ مراد متعین ہو جائے لیکن سابق میں چونکہ نجاست حکمی کا بیان ہو چکا تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں نجاست حقیقی مراد ہے۔ صاحب کنز نے کافی میں بیان کیا ہے کہ لفظ نجاست کا اطلاق نجاست حقیقی پر ہوتا ہے اور حدث کا اطلاق حکمی پر اور نجس کا اطلاق دونوں پر۔

سوال - صاحب مشکوٰۃ نے یہ ترجمہ الباب رباب تطہیر النجاسات (کیسے قائم فرمایا ہے کیونکہ

معنا اس میں نقص ہے معنی ہوگا " پاک کرنا نجاست کا " حالہ نکر نجاست کہی پاک نہیں ہوتی ۔

جواب : یہاں روئے دلیل کریں گے ۔ آؤں مفرد مقدّم ہے اصل میں تھا " باب تطہیر محل النجاستہ " دوم ، تطہیر معنی ازالہ کے ہے " باب ازالة النجاسات "۔

سوال : تطہیر معنی ازالہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

جواب : تطہیر معنی ازالہ لازمی معنی ہے کیونکہ شے پاک نہ ہوتی ہے جب اس کی نجاست کو زائل کر دیا جائے ۔

## الفصل الاول

یہ پہلی فصل ہے ۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پی جا تو اسے سات بار دھو ۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ فرمایا تم سے کسی کے برتن کی پائی جب اس میں کتا جاٹ جائے تو اسے سات بار دھو دہنی نہ مٹی سے ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ بِمُتَّقٍ مِيٍّ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طَهِّرْ إِنَاءَ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَوْ لَهَنَ بِالشَّرَابِ

قولہ طہور : بضع الطاء والفتح ۔ علامہ نووی فرماتے ہیں " قال النووی الاشہر فیہ ضحوا الطاء بمعنی پاکی ۔

قولہ وَلَغَ نَفْظٌ وَلَغَ بِأَبٍ فَتَحٌ سے ہے ۔ ولوغ کے معنی ہیں کتے کا کسی مائع چیز میں منہ ڈال کر زبان کو حرکت دینا ہے پیئے یا نہ پیئے اور اس کے کھانے کے لیے لحس اور عالی برتن کو چاٹنے کے لیے لعق کے الفاظ مستعمل ہیں یہاں ولوغ سے مراد مطلق منہ ڈالنا ہے جس میں لحس اور لعق بھی شامل ہے ۔ چنانچہ علامہ طیبیؒ نے ولغ کو شرب پر محمول کیا ہے ۔ فرماتے ہیں : " وَلَغَ الْكَلْبُ إِذَا شَرِبَ بِلِسَانِهِ وَطَبَقَ مَلًّا ج ۲ )

یقول ابوالاسعاد : حدیث الباب میں دو اختلافی بخشیں بیان ہوئی۔ سور کلب پاک ہے یا ناپاک۔ ولوغ کلب کے بعد برتن کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے ؟

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ کیا سور کلب پاک ہے ؟

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے آیا سور کلب پاک ہے یا نہیں اس میں دو مسلک ہیں امام مالکؒ سے سور کلب کے سلسلہ میں چار اقوال منقول ہیں یا کلب مطلقاً حلال ہے تو اس کا سور بھی مطلقاً طہر ہے ”وقال مالك هو طاهر“ (عارضہ ص ۱۲۱ ج ۱) سور کلب مطلقاً نجس ہے یہ قول جمہور کے موافق ہے۔ ۲ کلب بدوی کا سور نجس ہے اور حضری کا پاک ہے ”قال ابن المصاحب يشون المالكي“ (بدل ص ۱۸ ج ۱) جب کلب کا پالنا جائز ہے اس کا سور بھی پاک ہے، جس کا پالنا جائز نہیں اس کا سور بھی نجس لیکن امام مالکؒ کا مشہور قول وہی ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا ہے کہ کتب حلال ہے اور اس کا سور طہر ہے۔ حوالہ کیلئے دیکھیں السعایہ ص ۱۲۱ ج ۱۔

یقول ابوالاسعاد : دلائل سے قبل عرض ہے کہ امام مالکؒ سے سواں کیا گیا کہ جب کتب حلال اور اس کا سور طہر ہے تو پھر شریعت میں سات بار دھونے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ مالکیہ حضرات نے اس کے دو جواب دیے ہیں :-

جواب اول۔ عند البعض سات مرتبہ دھونے کا حکم تعبدی ہے، امر تعبدی اس کو کہتے ہیں جس کی علت کچھ میں نہ آتی ہو اسی کو غیر معقول العنق بھی کہہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ وضو میں چار اعضاء پر اکتفا امر تعبدی ہے اور امور تعبدیہ بقول حضرت مجدد الف ثانی تخلات عقل ہرگز نہیں ہوتے۔ بلکہ فوق العقل اور ما وراء الفہم والقیاس ہوتے ہیں۔

جواب دوم۔ برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم نجاست پر موقوف نہیں بلکہ سمیت (زہر) ہے مطلب ہے کہ ممکن ہے کہ یہ کتا جس سنے برتن میں نہ ڈالا ہو اور اس کے وجود میں زہر ہو پھر وہی زہر بلا اثر اسی برتن یا شے میں آگیا ہو اس لیے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔ جمہور علماء امت نے مالکیہ حضرات کے ان دونوں جوابوں کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دونوں کا جواب اولاً قیاس

فی مقابلۃ النص ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ دوسری بات ہے کہ الفاظ حدیث میں ”ظہور انا“ کی تصریح ہے مقصد اناۃ الخبث ہے اور ازالۃ الخبث کا حکم تب دیا جاتا ہے جب ایک چیز واقعہ بھی بنس ہو جائے۔

## حضرت شیخ الہند کا واقعہ

قرأت تلی کے طور پر حضرت شیخ الہندؒ کا واقعہ نقل کیا جا رہا ہے جس کا تعلق کلب کی حلت کے ساتھ ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہتم دارالعلوم حقانیر رقم طراز ہیں کہ شیخ العربیہ وجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک مرتبہ دورانِ درس حضرت شیخ الہندؒ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ جب بیرونِ ملک سفر پر تھے تو وہاں اپنے بعض تلامذہ اور متقدمین کے ہاں قیام تھا اس دوران بعض افریقی نو مسلمان نے جو حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ سے متاثر ہو کر ان ہی کے حلقہ کے افراد تھے حضرت شیخ الہندؒ کو دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔ جب دسترخوان بچھا دیا گیا اور اس پر کھانا لاکر چنا جارا تھا تو عمدہ پکا اور بھنا ہوا گوشت بھی رکھا جارا تھا کہ اچانک حضرت شیخ الہندؒ کا جی متلاسنے لگا تو آپ نے نہ تو کھانے کو ہاتھ بڑھایا اور نہ ہی گوشت کھایا۔ جب میزبان نے اصرار کیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ مجھے متلی سی ہو رہی ہے اور طبیعت کھانے پر آمادہ نہیں۔ میزبانوں نے بڑی کجابت سے کہا حضرت ہم نے تو اس دعوت کا پروگرام آپ ہی کے لیے بنایا ہے۔ ہمارا اپنا پالا ہوا ایک کتا تھا لوگ جس کی ہمیں ہزاروں روپے قیمت ادا کرنے کو تیار تھے مگر ہم نے اسے آپ کی خاطر ذبح کرنے کے لیے محفوظ رکھا اور آپ کے تناول فرمانے کو اپنے لیے سعادت سمجھا۔ حضرت زیادہ نہیں تو کم از کم ایک نوالہ ضرور لے لیں۔ تاکہ ہماری تالیفِ قلب ہو جائے۔ حقائق السنہ ۱۴۱۵ھ ج ۱

اسی طرح مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد یو پی ایضاح الطحاوی شرح معانی الآثار للطحاوی مشاج اباب سؤر الکلب میں حلتِ کلب پر رقم طراز ہیں۔ چنانچہ مولانا طاہر حسن امرہویؒ نے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی تقریر معارف مدنیہ ص ۱۳۱ پر نقل فرمایا ہے کہ مگر اور بد شرعیین میں بھی بیڑے اور دزدوں کا گوشت دکانوں میں اس طرح فروخت ہوتا جس طرح ہمارے یہاں بکرے کا گوشت فروخت ہوتا ہے۔ اور کتا بھی انہی دزدوں میں سے ہے۔



## حِلّتِ کلب پر مالکیہ کے دلائل

امام مالکؒ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق کتا پاک ہے اور سورتا ہر اس پر چند ایک دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمادیں تفصیل کے لیے فضل العبود شرح سنن ابی داؤد (زیر طبع) دیکھیں **مسئلہ اول** : قرآن مقدس کی آیت کریمہ ہے جس میں چار چیزوں کو مخصوص طور پر حرام قرار دیا گیا ہے لیکن ان میں کلب کا ذکر نہیں :-

”قُلْ لَا أُحِبُّ فِيمَا أُوتِيَنِ إِلَىٰ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُورًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ رِثَ الْأَنْعَامِ“

آیت مذکور میں میتہ، دم مسفور (خون بہنے والا) لحم خنزیر اور مآ اہل لغیر اللہ یہ چاروں کی حرمت منصوص ہے۔ اگر کتا بھی حرام ہوتا تو ضرور ذکر کر دیا جاتا۔

**مسئلہ دوم**۔ قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے :-

”يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ رِثَ الْمَائِدَةِ“

امام مالکؒ آیت عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ اور فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب قرآن پاک میں شکاری کتے کا شکار جائز اور حلال قرار دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ کھانے کا امر بھی ہے لیکن دھوئے کا حکم قرآن مجید میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ کتا شکار کرتے وقت ضیاد کو دانتوں سے پکڑتا اور اپنے دانت اس میں داخل کرتا ہے نتیجہ اس کے منہ کا لعاب شکار کے جسم کو آلودہ کرتا ہے اور لعاب متوکلہ من اللحم ہے تو جب کتے کے لعاب سے آلودہ شکار جائز ہے تو اس کا اصل منشأ اور منبع لحم تو بطریق اولیٰ حلال ہونا چاہیے۔

**مسئلہ سوم**۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے :-

”قَالَ كَانَتْ الْكَلْبُ تَقْبَلُ وَتَدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ“

صلی اللہ علیہ وسلم فلم یکنوا یرون شیئا من ذالک - مشکوٰۃ شریف  
 ص ۲۸۵ باب تطہیر النجاسات : فصل ثالث

کنوٰں کی عادت ہے کہ جہر جاتے ہیں لعاب گرنا رہتا ہے تو جب یہ بات یقینی ہے کہ کئے مسجد شریف  
 میں آتے تھے تو نہ محاذ ان کا لعاب مسجد شریف میں گرنا ہو گا نہ اس کے وجود " فلم یکنوا یرون شیئا  
 من ذالک " کی تصریح اس امر پر دل ہے کہ نہ تو اس زمین کو دھویا جاتا تھا اور نہ ہی وہاں پانی چھڑکا  
 جاتا تھا نتیجتاً یہی کہا جاسکتا ہے کہ لعاب الکلاب ظاہر ہے اور اس کا منہ رومولہ (لحم) بھی حلال ہے۔  
 حنفیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک لحم الکلب مطلقاً نجس العین  
 ہے۔ اسی طرح اس کا لعاب و سور بھی نجس ہے اور دھونے کا حکم برائے تعمیر ہے

### مسئلہ دوم

ابن رقیق العین احکام الاحکام ص ۱۷۱ میں اور امام غزالی معالم السنن ص ۱۷۱ میں لکھتے ہیں کہ عہد  
 دو چیزوں سے جوتی ہے۔ ایک حدیث ہے، ایک خبث ہے۔ برتن میں حدیث کا سواں ہی پیدا نہیں  
 ہوتا لہذا اس کا نجس ہونا ہی متعین ہے۔

مسئلہ اول - قرآن مقدس میں ہے :

"وَيُحِلُّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْكُمُ الْخَبَائِثَ (پہلے الاعراف)

قرآن حکیم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کی ایک دہ داری یہ بتلائی ہے کہ طہیات کو  
 بذریعہ وحی حلال اور خبائث کو حرام کریں اور کتنا بھی منجملہ خبائث میں سے ہے لہذا وہ بھی حرام ہوگا۔

مسئلہ دوم : حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا :

"اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیسرقہ ثم لیفسله سبع مرات -

رمسلم شریف کتاب الطہارت باب حکم ولغ الکلب

طرز استدلال یوں ہے کہ شرع علیہ السلام کا حکم ہے "فلیسرقہ" اس چیز کو بہادر۔ بعض دفعہ  
 بہادرینے میں بھاری نقصان بھی ہو جاتا ہے حالانکہ شریعت مقدسہ نے تو مطلق کے ضیاع و اسراف سے بھی  
 منع فرمایا ہے تو شریعت مقدسہ کا اس مسئلہ میں اس قدر شدت اختیار کرنا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے  
 کہ عند الشرح سور الکلب نجس ہے۔

مسئلہ سوم : حدیث باب ہے جس کے الفاظ ہیں :

"اذا ولغ فیہ الکلب ان یفسله سبع مرات" - حدیث پاک کے الفاظ "فلیفسله"

اس پر دال ہیں کہ سورہ کلب نجس ہے۔ مزید برآں یہ کہہ سکتے کہ منہ تو براہ راست پانی سے لگتا ہے برتن سے نہیں لگتا جب برتن کو سات مرتبہ دھوئے گا حکم دیا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتنے کا بھڑانا پاک ہے۔

## مالکیہ حضرات کے دلائل کے جوابات

مالکیہ حضرات نے حلت کلب پر متعدد دلائل قائم کیئے تھے ان میں سے ایک دلیل آیت "قُلْ لَا أَجِدُ فِينَا أَوْحٰی اِلٰی" بھی ہے کہ جس میں کلب کا ذکر نہیں اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں۔  
یہ ہے کہ آیت مبارکہ "قُلْ لَا أَجِدُ فِينَا أَوْحٰی اِلٰی" میں چار چیزوں کا رمیتہ، خون بہنے والا، خنزیر کا گوشت

### مسئلہ اول کا جواب اول

مَا أَهْلُ لَيْكِلَ اللّٰہِ ذکر کرنا اور کلب کا ذکر نہ کرنا حصر حقیقی نہیں کہ حرمت بس ان چار میں بند ہے بلکہ یہ حصر اضافی ہے وہ اس طرح کہ قریش مکہ نے چند ذہنی مفروضات سے اللہ تعالیٰ کی ملال کردہ چیزوں کو حرام کر رکھا تھا کما فی قولہ تعالیٰ "مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَیِّنَۃٍ وَّلَا مَآثِرَۃٍ وَلَا مَآثِلَۃٍ وَلَا مَآثِلَۃٍ وَلَا مَآثِلَۃٍ وَلَا مَآثِلَۃٍ" لیکن اللّٰہُ یَقْضُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَاکْثَرُ هُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ دت

تو حقیقت اللہ رب العزت نے آیت میں چار چیزوں کا ذکر کر کے ان پر رد کر دیا ہے کہ ہم نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہی ہیں یہ مزید حرمتیں تم کہاں سے نکال لائے ہو۔ کفار نے دم مسفوح، الخم خنزیر اور کما اہل لیکل اللہ کہ کو حلال قرار دے رکھا تھا اور بڑی بے باکی سے وہ ان کو کھایا کرتے تھے۔ اس لیے آیت مذکور میں ان چار چیزوں کی حرمت پر اکتفا کیا گیا۔ ورنہ آیت کا یہ مقصد نہیں کہ حرمت ان میں بند ہے کیونکہ قرآن حکیم سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ بھی بہت سی چیزوں کی حلت و حرمت کا اعلان فرماتے رہیں گے۔

"بَاْمُرْهُمُ بِالْمَحْرُوفِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِبُّ لَهُمُ انْطِیَابَاتٍ وَیُحِبُّمُ عَلَیْهِمُ الْحَبَآئِثُ" (پہ: الاحکام)

جواب دوم۔ قرآن پاک میں کلب کی حرمت کے عدم بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ کلب حرام نہ ہو مسئلہ بول و براز بالاجماع نجس ہے حالانکہ ان کی حرمت قرآن پاک میں مذکور نہیں۔ اسی طرح دوسرے درندے وغیرہ جو مالکیہ حضرات کے نزدیک بھی حرام ہیں ان کی حرمت حدیث سے ثابت ہے:

"قَالَ النَّبِیُّ صَلٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَرَمَ عَلَیْکُمْ کُلُّ ذِی نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ" کتاب الاجماع ذوقاب سے تو یقیناً حرام اور نجس ہو گا۔

**مُستدل دوم کا جواب اول**۔ مالک نے حضرات کا دوسرا استدلال آیت مبارکہ ”فَلْيُكَلِّمُوا مِمَّا آمَسَّكُمْ“ سے تعلق رکھتا ہے کہ اس آیت سے لو کہ کلب یا لعاب کلب کی طہارت پر استدلال غیر صحیح ہے۔ قرآن مقدس میں تو صرف اتنا ہے کہ کلب مُعَلَّم کا شکار نہ کرنا جائز ہے مگر یہ کہیں مذکور نہیں کہ اس نے جہاں دانت کاٹے ہوں اور لعاب جہاں لگا ہے اس کا کھانا بھی حلال ہے عقلاً بھی یہی صحیح ہے کیونکہ سارا شکار تو کتہ منہ میں نہیں دباتا۔ لہذا لعاب آلودہ حضرت کو ترک کر کے باقی کو کھایا جائے۔ مثلاً آیت مذکور میں جس طرح لعاب دھونے کا ذکر نہیں اسی طرح خون دھونے کا بھی ذکر نہیں تو کیا عدم ذکر سے خون کی طہارت ثابت ہوگی حالانکہ یہ تو بالاتفاق مجس ہے۔ **ہکلا، فی معاملة اللعاب** :

**جواب دوم**، امام مالک کا دعویٰ عام ہے کہ کلب کی جمیع اقسام یعنی جنس کلب پاک ہے۔ جبکہ دلیل خاص ہے یعنی جس آیت سے دلیل پکڑی ہے وہ خاص ہے کیونکہ اس میں کلب مُعَلَّم کا ذکر ہے نہ کہ عام کلب ”وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِیِہِ کُلِّبٍ یَّنْ یُعَلِّمُوْا نَہْنِیْمًا عَلَّمْتُمْ اللّٰہَ“ (پک) اور دعویٰ دلیل کے درمیان توافق ظاہری بھی تو ضروری ہے۔

**مُستدل ستونم کا جواب اول**۔ امام مالک نے کلب کی طہارت پر حضرت ابن عمر کی روایت سے دلیل پکڑی تھی اس کا جواب اول یہ ہے کہ زمین کی طہارت کی تین صورتیں ہیں :  
(۱) مٹی دھوئی جائے (۲) کھرج کر باہر پھینک دی جائے (۳) مطلقاً جب تری خشک ہو جائے تو زمین ظاہر ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے ”ثکاۃ الارض یتبہا“ زمین کی پاکی خشک ہونے پر ہے (کفایہ علی البدایہ ص ۱۱۱) باب الانجاس و تطہیرہا۔ ان صورتوں میں سے کسی پر عمل کرنے سے زمین پاک ہو جاتی ہے تو کیا یہ ضروری تھا کہ صحابہ کرامؓ رش یعنی چھینٹے مارنے پر عمل کرتے۔ عدم رش سے عدم طہارت تو لازم نہیں۔ باقی رہا کتے کے لعاب کا اگر ناتودہ ایک احتمال ہے اور شرع میں حلال اور حرام کا حکم لگانے کے لیے تو تہمت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا بلکہ مشاہدہ نقل صحیح کی ضرورت ہے۔  
**جواب دوم**، یہی روایت حضرت ابن عمرؓ ابو داؤد و شریف ص ۱۱۱ کتاب الطہارت باب فی طہور الارض از ایستائیں ہے اس کے الفاظ ہیں :

”قال ابن عمر کنت بیت فی المسجد فی عہدہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم و کنت فی شاباً عزیزاً و کانت الکلاب تبول و تقبل و تلعب

فی المسجد فلم یکنوا یرشون شیئاً من ذلک ؟

اس روایت میں صراحتہً لفظ تسبول مذکور ہے یعنی کتے مسجد میں پیشاب بھی کرتے ہیں اور پھر روایت میں ہے " فلم یکنوا یرشون " یعنی پانی کے چھینٹے بھی نہیں مانتے تھے تو کیا عدم رش کی وجہ سے بول کلب کو بھی پاک کہا جائے حالانکہ ابوال کلاب کی نجاست میں کسی کا بھی اختلاف نہیں خود مالکیہ حضرات بھی اس کی نجاست کے قائل ہیں ۔

سوال ۔ جمہور علماء کا روایت ابن عمرؓ " وکانت الکلاب تسبول الخ " کو جواب دوم کے طور پر پیش کرنا غیر صحیح ہے ۔ کیونکہ علامہ خطابؒ نے معالم الشئین میں اس کی یہ تاویل کی ہے کہ : " کانت الکلاب تسبول " کا مطلب یہ ہے کہ مسجد سے باہر پیشاب کرتے تھے اور " تسبول " فقہی و قلابی فی المسجد " کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں آتے جاتے تھے کیونکہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کتوں کو مسجد میں پیشاب کرنے کا موقع دیا جاتا اور مسجد کی امانت کرائی جاتی ۔ یہی بات علامہ منذریؒ نے بھی کہی ہے ۔ جیسا کہ حاکم تظاہر جرح و تعدیل میں نقل کی ہے ۔

یقول ابوالا سعاد جواہراً : عرض ہے کہ اگر الفرض حضرت ابن عمرؓ کا مقصد یہی بیان کرنا تھا کہ کتے مسجد سے باہر پیشاب کرتے اور مسجد کے اندر گھومتے تھے تو مسجد کے باہر کا حال ذکر کرنے کا فائدہ کیا تھا ۔

ثانیاً : ان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ رات کے وقت جو کتے مسجد میں آتے ہیں وہ باہر پیشاب کر کے آتے ہیں اور مسجد میں نہیں کرتے ۔ یہاں تک کے وثوق کے ساتھ باہر پیشاب کرنے اور اندر نہ کرنے کی خبر دیتے ہیں ۔

ثالثاً : اگر مساجد کو کتوں کے پیشاب سے بچانا احترام مساجد ہے تو مساجد میں ان کی آزادانہ آمد و رفت بھی تو ان کے احترام کے خلاف ہے ۔ مگر ابتداءً دور اسلام میں چونکہ مساجد کی چار دیواری اور دروازے لگانے کا اہتمام نہ ہو سکا تھا اس لیے ایسی چیزیں برداشت کی گئیں ۔ اس کے بعد تکویم مساجد و تعمیر کا اہتمام کیا گیا تو دروازے لگانے کا اہتمام ہوا جیسا کہ علامہ عینیؒ اور ابن حجرؒ نے لکھا ہے ۔

مسئلہ اول

امام فخر الدین زلیعیؒ نے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ص ۱۵۲ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دلوغ کلب کے بعد برتن کو تین مرتبہ دھونا واجب ہے اس سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔ البتہ سات مرتبہ دھونا مستحب ہے۔

یقول ابو العلاء اسعاد: احناف کا مسلک وہی ہے جو علامہ زلیعیؒ نے بیان فرمایا ہے۔ لیکن تشریح کے ساتھ عرض ہے کہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دوسری نجاسات برتن کو لگنے کی صورت میں طہیر کا جو طریقہ ہے وہی یہاں ہے۔ اگر کوئی نجاست برتن وغیرہ کو لگ جائے اُسے اس قدر دھونا ضروری ہے کہ جس سے زوال نجاست کا ظن مبتنی ہو کہ ہو جائے۔ یہ ظن عام طور پر تین مرتبہ دھونے سے ہوتا ہے اس لیے کبھی یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تین مرتبہ دھونا واجب ہے۔ لیکن اصل مذہب حنفی یہی ہے کہ اتنا دھونا ضروری ہے کہ جس سے مبتنی ہو کہ ازالہ نجاست کا ظن ہو جائے۔ اگر ایک مرتبہ اس زور سے پانی بہا یا کہ ظن ہو گیا کہ ازالہ نجاست یقینی ہے تو کافی ہے (دیکھئے السعایہ ص ۴۹)

مستدل اول: علامہ زلیعیؒ نصب الراية ص ۱۳۵ میں کا مل ابن عدی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إذا ولغ الكلب في أناء أحدكم فليهرقه وليفسله ثلاث مرات »

کراہیسی کی روایت پر اعتراض اور اس کا جواب

بقول ابوالاعلیٰ: احسان حضرات کے مستند پرشوائف حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی مدار کراہیسی پر ہے اور وہ ضعیف اور مستحکم فیہیں اصل سندوں پر ہے۔

« عَنْ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ الْكَرْبِيسِيِّ ثَنَا اسْحَقُ الْأَمْرِيُّ ثَنَا  
عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ »

امام احمدؒ نے ان پر جرح کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کربابی امام شافعیؒ کے براہ راست شاگرد  
ہیں اور امام بخاریؒ کے استاذ ہیں بغیر امام احمدؒ کے کسی نے بھی ان پر جرح نہیں کی لیکن جہاں تک ان کی  
جرح کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ فقہ خلقِ قرآن میں ایک مرتبہ موہم الفاظ استعمال کر کے اپنی  
جان بچاتی تھی مگر یہ کوئی سبب جرح نہیں کیونکہ یہ عمل امام بخاریؒ سے بھی ثابت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں  
نے « لَفْظِي بِالْقُرْآنِ مَحْلُوقٌ » کہہ کر اپنی جان چھڑائی تھی رکھا نقلہ الشیخ فقیہ الدین  
ابن دقینق العسیدؒ اگر امام بخاریؒ اس کلام کی وجہ سے مجروح نہ ٹھہرے تو علامہ کربابیؒ کو اس  
مسئلہ میں کیوں موجبِ طعن سمجھا جائے ماہو جوا بگو فہو جوا بنما، جہاں تک کربابیؒ پر ضعف  
کا حکم لگنا ہے تو یہ بھی غیر صحیح ہے۔ اس بارے میں چند مزیدات ملاحظہ فرماویں :-  
(۱) علامہ عثمانیؒ فتح الملہمؒ میں ابن امیر الحاجؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

« قَالَ شَيْخُنَا رَأَيْتُ ابْنَ حَجَرٍ (الحسين بن علي الكربيسي) صدوق فاضل »

(۲) علامہ خطیب بغدادیؒ تاریخ بغدادؒ میں لکھتے ہیں :-

كَانَ فُهْمًا عَالِمًا فَيِّهًا وَلَكِنَّهُ تَصَانِيفُ

كثيرة في الفقه وفي الأصول تدل على حسن فهمه و

غزارة علمه -

(۳) امام سبکیؒ طبقات الشافعية الكبرىؒ ص ۱۵۷ ج ۱ میں لکھتے ہیں :-

« كَانَ أَمَّا مَا جَلَسَ لِإِجَامَعَاتِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ وَالْحَدِيثِ »

(۴) علامہ ابن عبد البرؒ کتاب الانتقاد فی مناقب الأئمة الثلاثة الفقہاءؒ میں لکھتے ہیں :-  
« وَكَانَ عَالِمًا مُصَنِّفًا مُتَقَنًّا » متقن وہ روی ہے جو روایت میں غلطی نہ کرے۔ مگر

بہت شاذ و نادر۔

تو ان حواشی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصول حدیث کے لحاظ سے یہ روایت بالکل

صحیح ہے۔  
مستدل دوم : سنن دارقطنیؒ باب دروغ الکلب میں حضرت عطارد بن یسار کے طریق

حضرت ابوہریرہؓ کا موقوف اثر ہے۔

”اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فَأَهْرَقَهُ شَحْوًا غَسِلَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ“

واضح رہے کہ حضرت ابوہریرہؓ خود حدیث تسبیح کے راوی ہیں لہذا ان کا یہ فتویٰ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تسبیح کا حکم وجوب کے بلے نہیں ہے۔

اگر تھلاڑ کے معنی بہ قول کے مطابق تطہیر کے لیے تسبیح یعنی سات مرتبہ دھونا واجب ہے۔

**مسئلہ دوم**

مستدل۔ اگر تھلاڑ کا استدلال حدیث باب سے ہے جو معتقد طہرت سے مراد ہے۔

## حدیث تسبیح کے جوابات :- ۱

اخوان حضرت نے حدیث تسبیح ”اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي اَنَاءٍ اَحَدٍ كَرَفَلِيْضِلَهٗ سَبْعَ مَرَّاتٍ“ کے معتقد جوابات دیے چند ایک ملاحظہ فرمادیں :-

**جواب اول :** یہ ہے کہ تسبیح کی جمیع روایات استحباب پر محمول ہیں اور استحباب کے احکام بھی قائل ہیں۔

سوال : امر میں تو اصل وجوب ہے آپ نے اس کو استحباب پر کیسے محمول کیا ہے۔

**جواب :** یہاں بہت سے قرائن ہیں جو امر کو وجوب سے پھر کر استحباب کی طرف لے جاتے ہیں۔ قرائن صارت عن الوجوب ملاحظہ فرمادیں :-

(الف) حدیث مرفوعہ جس میں تین مرتبہ دھونے کا امر ہے۔ اگر تسبیح دال روایت کو وجوب پر محمول کیا جائے تو دروزن تسمیہ کی روایات میں تعارض ہوگا۔ وَلِهَذَا يَصْرَفُ :

(ب) دارقطنی ص ۸۴ ج ۱ میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں :-

”يُغْسَلُ الْاَنَاءُ مِنْ وَلَغِ الْكَلْبِ ثَلَاثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا“

اس تخییر سے معلوم ہوا کہ سات مرتبہ دھونا واجب نہیں۔

(ج) حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ موجود ہے جو روایت تسبیح کے خلاف ہے۔ صاحب دارقطنی

اور علامہ بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے جس میں انہوں نے سوا کلب سے تہلیل



کی تصریح کی ہے۔

”اذا ولغ الکلب فی الاناء فاحرقه شحراً غسل ثلاث مراتب“

حضرت ابوہریرہؓ خود تسبیح والی روایت کے راوی ہیں۔ راوی روایت کا فتویٰ اپنی روایت کے خلاف ہونا اس کے منسوخ یا مکسوف عن الظاہر ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ ”العبرة بما راوی لا بما راہی“ راوی کی روایت کا اعتبار ہے نہ کہ راہی کا۔ چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ”غسل سبع مراتب“ کی روایت اور ”غسل ثلاث مراتب“ کا فتویٰ دونوں حضرت ابوہریرہؓ سے ہیں۔ اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی ہدایت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ نواب متین حسن خان صاحبؒ دلیل الطالب میں فرماتے ہیں۔

”و مخالفت راوی از برائے مروی دلیل است بر آنکہ راوی علم بنا بر صحیح وارد چہ محل آں بر سلامت واجب باشد۔ انتہی بلفظ ص ۴۸“

یعنی راوی کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس نسخ کا علم ہے یا محمل لوط ہے کیونکہ اس صورت میں اس کے عل کو سلامتی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

جو اس باب دوم۔ تسبیح والی روایت منسوخ ہے ابتدائے اسلام میں یہ حکم واجب تھا جیسے پہلے تمام کتوں کے قتل کا حکم تھا پھر یہ تشدید ختم ہو گئی۔ تفصیل یہ ہے کہ یہود سے اختلاف کی وجہ سے اہل مدینہ کو کتوں سے شغف تھا اس شوق اور شغف کو ختم کرنے کے لیے اور کتوں کی دل میں نفرت پیدا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکیمانہ اسلوب اختیار فرمایا وہ یہ کہ پہلے ہر کلب کے قتل کا حکم فرمایا ”امر بقتل الکلاب“ مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۹ ج ۲ باب ذکر الکلب) اس کے بعد تدریجاً تخفیف فرمادی صرف کائے کتے کے قتل کا حکم فرمایا اس کے بعد مزید تخفیف ہو گئی۔

”شتر نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتلہا وقال علیکم

بالاسود البھیم ذی المقطعتین فاستلہ شیطان (حوار بالا)

کلب صید کلب ماشیہ کے رکھنے کی اجازت دی اور باقیوں کے قتل کا حکم بدستور رہا۔ اسی طرح سے جس برتن میں کتا منہ ڈال جائے اس کے متعلق بھی ایسی ہی تدریج اختیار فرمائی۔ پہلے آٹھ مرتبہ دھونے کا حکم ہوا پھر قدرے تخفیف کر دی گئی۔ سات مرتبہ دھونے کا حکم فرمایا پھر سات سے تین کا حکم باقی رکھا گیا جو عام نجاسات کے ازالہ کا ہے یعنی تین مرتبہ دھونے کا حکم پہلے احکام منسوخ ہو گئے یہی حکم باقی ہے۔

سوال۔ حافظ ابن حجر نے تسبیح واسے جواب پر عرض کیا ہے اعتراض یہ ہے کہ قتل کلاب کا حکم ابتداء سے ہجرت میں تھا اور تسبیح وغیرہ کی روایات بعد کی ہیں کیونکہ ان کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ متأخر الاسلام ہیں سہ ماہ میں اسلام لائے۔ حاصل یہ کہ قتل کلاب کا حکم ابتداء ہجرت میں تھا پھر کچھ روز بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ اور یہ تسبیح والی روایات اس کے بعد کی ہیں لہذا ان کو منسوخ کہنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب۔ یہ ہے کہ اولاً، تو تاخر اسلام سے تاخر روایت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ ثانیاً، حضرت ابو ہریرہؓ کی عادت جیسا کہ مشہور بین المجاہدین ہے ارسال کی تھی یعنی وہ کسی قدیم الاسلام صحابی سے حدیث سسکر بلا واسطہ اس کو نقل کر دیا کرتے تھے، اور ایسی روایت کو مرسل صحابی کہتے ہیں اور یہاں پر بھی یہی احتمال ہے کہ انہوں نے یہ روایات کسی قدیم الاسلام صحابی سے سسکر بیان کی ہوئی اور فی الواقع یہ روایات اسی زمانہ ہجرت کی ہوں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابو داؤد شریف ص ۱۱ باب الوضوء بسور الکلب میں حضرت عبداللہ بن مسقلؓ کی روایت ہے جس میں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کلاب کا حکم فرمایا ”نَشَرْنَا مَا لَهْنُحْرُوكَ لَهَا الْغُ“ کہنا یہ ہے کہ بقول آپؐ کے قتل کلاب کا حکم ابتداء ہجرت میں تھا حالانکہ حضرت عبداللہ بن مسقلؓ متأخر الاسلام صحابی ہیں تو پھر وہ اس کو کیسے نقل کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی یہی کہا جائے گا کہ یہ مرسل صحابی ہے کسی قدیم الاسلام صحابی سے سسکر نقل کر رہے ہیں۔

جواب سوم۔ یہ ہے کہ ہدیۃ المحتقیؒ میں ہے کہ یہ روایت تسبیح والی مضطرب ہے۔ کسی میں ہے ”احدهن بالشراب“ کسی میں ”اخذهن بالشراب“ کسی میں ”اولهن بالشراب“ اور کسی میں ”عضدوه الشامنة بالشراب“ کے الفاظ ہیں۔ تو آشوش مرتبہ جب مٹی ڈال جائیگی تو تین مرتبہ پھر پانی ڈالنا ہوگا تو سبع مَرَّات نہ رہا۔

## تسبیح و تریب (مٹی سے مانجھنا) کی حکمتیں

يقول ابوالاسعاد: تسبیح و تریب خواہ استحباً ہو جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے یا وجہاً جیسا کہ شوافع کا مسلک ہے۔ آخر لعاب و سور الکلب میں وہ کوئی قیاس و مضرت ہے کہ ولوغ کلب کے بعد تسبیح و تریب کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں علماء کرام کے متعدد اقوال

منقول ہیں۔

**قول اول :** علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ کتا خلقۃ الیاد اتع ہوتا ہے کہ اس سے ملائکہ کو نفرت ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جس گھر میں کتا ہو ملائکہ داخل نہیں ہوتے " لا تدخل الصلوات لکۃ بیتا فیہ کلبٌ او قصابٌ ویرکۃ ! اور بنی آدم کے قلوب میں جو خیر و برکت کا القاء ہوتا ہے وہ بھی عموماً ملائکہ کے واسطے ہوتا ہے۔ تو اگر سور کلب کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو یقیناً وہ بعض اوقات ملائکہ کے تنفر کا باعث بن جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خیر و برکت کے دروازے قلب پر بند ہو جاتے ہیں اور قلب میں سخت قساوت آجاتی ہے۔ جیسا کہ خود علامہ شعرانی نے اپنا شاہدہ نقل کیا ہے کہ ان کے رفیق رجو کہ مالکی الذہب تھے) نے کتے کا جھوٹا کیا ہوا دروہ پی ڈالا تو اس کی ذکاوت و ذہانت کے علاوہ تبیں اور باطنی کیفیات و احوال زائل ہو گئے یہاں تک کہ " فصار مقبوض القلب من کل خیر و حتی کاد ان یهلك " تو اس بھاری مغز سے بچنے کے لیے تسبیح و تہلیل کا حکم دیا گیا ہے۔

**قول دوم :** حافظ ابن حجر مخرج الباری ص ۱۲۲ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ سات کے عدد کا خاص فائدہ یہ ہے کہ اصحاب کہت سات گتھے اور ان کی برکت سے کتا مشرف ہوا۔ جیسا کہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ۔

سب اصحاب کہت روزے چہ شد      پئے نیکاں گرفت و مردم شد  
(ترجمہ) اصحاب کہت کا کتا (قلعہ) چند روز تک نیک لوگوں کے ساتھ رہ کر انسان (صفت) بن گیا۔  
(مکملستان سعدی مترجم ص ۱۱۱ باب اول در سیرت بادشاہان)  
لہذا سات کے عدد کا خاص اثر ہے۔

بندہ ابوالاسعاد عرض گزار ہے کہ تین کا عدد بھی بڑا مؤثر ہے جیسے تین مرتبہ طلاق دینے کے بعد تعلق نہیں رہتا۔ اسی طرح تین مرتبہ دھونے کے بعد نجاست کا اثر نہیں رہتا۔ اسی طرح دھو میں اعضاء تین مرتبہ دھوئے جاتے ہیں اور تین دنوں سے طہارت کاملہ حاصل ہو جاتی ہے لہذا تین کے عدد کا خاص اثر ہے۔

**قول سوم :** غالباً اس کو علامہ ابن رشد نے بیان کیا ہے جو انہوں نے اپنے دادا سے نقل کی ہے کہ جب کتا دیوانہ ہو جاتا ہے تو اس کے لعاب میں ایک خاص قسم کا زہر پایا جاتا ہے جس کے استعمال سے دیوانگی اور کئی مضرت پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ کیا اوقات یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ جھوٹا کرنے والا کتا دیوانہ یا تندرست اس لیے بنا بر اعتیاد غسل میں مبالغہ تسبیح و تہلیل کا حکم دے دیا گیا گو یہ توجیہ اور قول محل نظر ہے طوالت کی وجہ سے ترک ادلی ہے۔

وَعَسَهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ  
فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَّاوَلَهُ النَّاسُ  
فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ دَعُوهُ وَهَرِّقُوا عَلَى بَوْلِهِ  
سَجَلًا مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَلُّوْا مِنْ مَاءٍ  
فَالَمَّا بَعِثْتُمْ مُبَشِّرِينَ وَلَسُوا  
تُكَبِّرُوهُمْ مُعَسِّرِينَ (رواه البخاری)

ترجمہ: روایت ہے انہی سے فرماتے  
ہیں کہ ایک دیہاتی نے مسجد شریف میں کھڑے  
ہو کر پیشاب کر دیا اسے لوگوں نے پکڑ لیا ان  
سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ  
دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہا دو  
کیونکہ تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے مشکل میں  
ڈالنے والے نہیں بھیجے گئے۔

قَوْلُهُ اَعْرَابِيٌّ۔ اعرابی بفتح الهمزة منسوب الى الاعراب اس کا معنی ہے ”سكان البوادي“  
یعنی باریہ نشین آبادی سے دور رہنے والے جو شہر میں کسی ضرورت ہی سے آتے ہیں اور اس کا ترجمہ دیہاتی اور  
گنوار سے بھی کرتے ہیں اور یہ لوگ تہذیب و تعلیم اور تمدنی زندگی اور آداب وغیرہ سے عموماً نا آشنا  
ہوتے ہیں بخلاف عربی کے دند اسماعیل علیہ السلام کو عربی کہتے ہیں۔

## اعرابی کی تعین میں اقوال

يقول ابوالسعاد: اس اعرابی کی تعین اور تسمیہ میں روایات مختلف ہیں اور تین قول ہیں: (۱) حاکم ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ص ۳۱۵ میں لکھتے ہیں کہ یہ اعرابی حضرت اقرع بن حابس تھے۔  
(۲) زاد الخولعة یمانی یا البیہمی (۳) عیسید بن حصن یہ تین قول ہیں جو عام طور پر شراح حدیث  
لکھتے ہیں ساتھ ساتھ ان کو سائل بھی کہتے ہیں معنی سوال کرنے والا۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
پوچھا ”صبی السباعۃ“ آپ نے فرمایا تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے ”ما عددت لها“  
بخاری شریف ص ۱۴۹ کتاب النایب مناقب عمر بن الخطاب اس نے کہا میرے پاس نہ زیادہ روزے ہیں اور نہ  
نمازیں (نفل) مگر یہ کہ ”اے حبیب اللہ و رسولہ“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”انت مع من  
احببت“ گویا اس کو آپ نے اچھی بشارت دی۔

تیسرا اس کو باڈل بھی کہتے ہیں یعنی پیشاب کرنے والا کیونکہ اس کی قدر انسان نے مسجد نبوی شریف میں

پیشا بکرو یا تھا " فیسال فی المسجد "

علامہ دمنقی نفع قوت المغتذی حاشیہ ترمذی شریف ص ۱۴۱

کتاب الطہارت باب ما جاء فی البول یصیب الارض " میں

## فائدہ عجیب

لکھتے ہیں کہ ذوالخویصرہ کے ساتھ اس کی تعیین مشکل ہے اس لیے کہ وہ شخص راس الخوارج ہوا ہے ۔

" قلت الظاهر ان ذوالخویصرہ ہوا امام المبتدعۃ " لیکن صحیح یہ ہے کہ علامہ دمنقی

کا قول شاذ و غیر صحیح ہے ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں " کہ ایک اور شخص ہے ذوالخویصرہ اس کا لقب ہے

اور وہ جیسی ہے اس کا نام خرقوص بن زہیر تھا زہیر نے کابل میں ۱۲۹ھ میں اس کا نام عمرو ذوالخویصرہ یا

ذوالخویصرہ لکھا ہے ) غار جمیل کا بڑا قافلہ بھی تھا اور یہی وہ شخص تھا جس نے نبی مکی الشریعہ وسلم کو کہا تھا ہر

" والله ان هذا لقسمۃ ما عدل فیہا " الحدیث بخاری شریف ص ۱۴۱ ج ۱ دنی

روایت فقال اتق الله يا محمد! الغ حوالہ بالا

اور یہ شخص حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے نہروان کے مقام پر مارا گیا مگر علامہ دمنقی نے

یہ سمجھ لیا ہے کہ سائل بالکل ہی غلطی ہے ۔

## اعرابی اور اس کی دُعا

اعرابی نے آکر اذکار نماز فرمائی " عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ

وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ -

راہوداد شریف ص ۱۴۱ کتاب الطہارت باب الارض یصیبها البول )

اور پھر دعا مانگی " شَهِدَ قَانَ اللَّهُمَّ ارحمني و محمدًا ولا تحسب

معنا احداً ) حوالہ بالا

اے اللہ مجھ پر اور حضرت محمدؐ علیؑ وسلم پر رحم فرما اور رحمت میں ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کر

سوال ۔ اس برگزیدہ انسان نے دعا میں یہ طرز کیوں اختیار فرمائی ؟

جواب اول : بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ اعرابی نے رحمت کے سوال میں آنحضرتؐ علیؑ اللہ

علیہ وسلم کو بوجہ رجاء قبولیت دعا و استحقاق رحمت کے شریک فرمایا ۔

**جواب دوم**۔ عند الجہر اعرابی کا خیال تھا کہ جس طرح مادی چیزوں کی تقسیم سے ان میں کمی واقع ہوتی ہے اسی طرح خدا کی رحمت بھی جب دوسروں کو شامل ہوگی تو کم ہو جائے گی اس لیے کہا کہ اپنی ساری رحمت صرف ہم دو پر تقسیم کر دے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس بزرگ کی دعا سنی تو فرمایا: "لَقَدْ تَحَجَّجْتُمْ وَأَسَفًا" اے اللہ کے بندے تو نے ایک خراج چیز کو تنگ کر دیا ہے۔ کیونکہ تقسیم رحمت کے لیے تقسیم جز لازم نہیں۔

**قولہ فَبَايَ فِي الْمَسْجِدِ**، تھوڑی دیر نہ گزری کہ اس اعرابی نے مسجد نبوی شریف میں پیشاب کر دیا اعرابی مسجد شریف کے تقدس و آداب سے واقف نہ تھا اس لیے بوجہ لاعلمی کے مسجد شریف میں پیشاب کیا۔ بعض حضرات نے یہاں ایک ظریفانہ اور لطیف توجیہ کی ہے کہ اس صحابیؓ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مجلس اور محبت سے اور رفاقت و معیت سے لہجہ بھر فریق بھی گوارا نہ تھا لہذا عروہ میت مجلس کے خوف سے وہ بکاسے دور جانے کے نزدیک بیٹھ گیا۔

**قولہ فَبَايَ فِي الْمَسْجِدِ**، لفظ تناول متقدّمہ بات کو شامل ہے جیسا کہ شرح حضرات نے تشریح کی ہے۔ علامہ طبریؒ فرماتے ہیں: "أَيَ وَقَعُوا فِيهِ يَوْمَئِذٍ وَنَهَ" (مرقات) شروع ہوئے کہ اس کو تکلیف دیں کہ اس نے مسجد شریف کی توہین کی ہے۔ علامہ ابن الملک فرماتے ہیں: "أَخَذَ وَهُوَ لِلْغَرْبِ" (مرقات) مارنے کے لیے پکڑا۔ خلاصہ یہ کہ صحابہ کرامؓ نے اعرابی کو پکڑا کہ اس کو بغیر مار کے منع کریں اور زہر وغیرہ دیں۔ جیسا کہ حضرت انسؓ کی روایت ہے: "فَقَالَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَا مَسَا"۔

**قولہ دَعَوْا**: ای ان کو وہ اس کو جھوٹو کچھ نہ کہو کیونکہ یہ معذور ہے۔ اس کا تعلق دو چیزوں سے ہے۔ اول قطع بول سے کہ پیشاب کرنے سے نہ روکو۔ دوم: سب و شتم نہ کرو۔ کَمَا فِي الْحَدِيثِ الْأَلْفِي لَا تَزِيْرُ صَوۡءَ۔

**قولہ هَرَبُوا**: ای صَبُّوا یعنی پلٹو۔

**قولہ سَجَلًا مِّنْ مَّاءٍ**: بفتح السين ای دَلْوًا۔

**قولہ ذُلُومًا**: بفتح الذال۔ اس کا معنی بھی ذُلُومِیٰ ڈول ہے۔ راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سَجَلًا مِّنْ مَّاءٍ فرمایا ہے یا ذُلُومًا مِّنْ مَّاءٍ کے الفاظ فرمائے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے دونوں نقل کر دیے ہیں۔ سَجَل اور ذُلُوم دونوں کے معنی ڈول ہی کے ہیں لیکن ان کے استعمال

کا حضور اسافر ہے وہ یہ کہ سجدہ کو اس ٹوٹوں کو کہتے ہیں جس میں پانی ہو خواہ پانی حضورؐ ہو یا زیادہ اور ذنوب پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ إِنَّمَا بُعِثْتُكُمْ مُبَشِّرِينَ : اے مہملین۔ آسانی کے لیے۔

قَوْلُهُ مُبَشِّرِينَ : اے مضیقین تنگی کے لیے۔

سوال۔ صحابہ کرامؓ نے جب اس کے پیشاب کرنے پر اس کے ساتھ سختی کا ارادہ کیا تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ آسانی کا معاملہ کرو و تنگی کا معاملہ نہ کرو۔ یہاں یہ سوال ہوتا ہے کیسے؟ کہاں مبعوث ہیں مبعوث تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جبکہ خطاب تو صحابہ کرامؓ کو ہے۔

جواب اول : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث بالذات ہیں چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں قیامت تک آپ کے بعد کسی نبی نے مبعوث نہیں ہونا۔ دعوت و تبلیغ کے کام سے تو ہر حال باقی رہتا ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء و صحابہؓ تابعینؓ اور آپ کی امت نے انجام دینا ہے آپ کی امت دعوت و تبلیغ کے کام میں آپ کی نائب ہے اس اعتبار سے گویا آپ کی امت بھی مبعوث ہے۔

”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (پک)

جواب دوم۔ بُعِثْتُكُمْ میثو خطاب کا ہے اور مراد مُبَشِّر ہے گویا صیغہ التفات کے قبیل سے ہے۔

سوال۔ یہ اعرابی فعل قبیح کا مرکب ہو رہا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں مبارک جگہ پر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرامؓ اس کو رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کچھ کہنے سے روک رہے ہیں گویا کہ یہ تقریر علی الخلفاء ہے جبکہ یہ نبی کی شان سے بعید ہے۔

جواب۔ یہ تقریر علی الخلفاء نہیں بلکہ تقریر علی القلوب ہے اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں۔

حکمت اول : یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ اس کو پکڑتے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ روکتے تو وہ ڈر کی وجہ سے بھاگتے تو ساری مسجد شریف پلید ہو جاتی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کا کہ چلو ساری مسجد پلید نہ ہو ایک جگہ ہو۔

حکمت دوم۔ یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ روکتے اور صحابہ کرامؓ پکڑنے کی کوشش

کرنے تو اعرابی دفعۃً پیشاب کو رد کرتا اور دفعۃً پیشاب روکنے سے بیماری لاحق ہو جاتی۔ تو اسی بیماری کے لئے نظر آب نے سوک دیا۔

حکمت ستوم۔ پیشاب سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بھڑکی کو نصیحت فرمائی۔  
 ” اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلَحُ لَشَيْءٍ مِنْ هٰذَا الْمَبُولِ وَالْقَدَمِ الْفَنَاءِ “

اگر حضرت نہ روکتے اور صحابہ کو لازم پکڑنے کی کوشش کرتے تو وہ اعرابی ڈر کی وجہ سے بھاگ جاتا۔  
 نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کو نصیحت نہ پہنچتی اور وہ اس خیر سے محروم رہتا۔

حکمت چہارم۔ جو سب سے اہم ہے عوام الناس کے لئے عموماً غماز و طلباء کے لئے خصوصاً۔  
 وہ ہے ” دین میں تیسیر کا لحاظ “ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نظروں میں بیان فرمایا ہے ” اِنَّمَا بُحِثْتُكُمْ مُّيسِّرِينَ وَلَمْ أَتُبَحِّثُكُمْ مُّعْسِرِينَ “ کہ تمہاری دعوت و تبلیغ میں سختی نہیں ہونی چاہیے بلکہ نرمی ہو۔ شدت سختی اور بات بات پر ٹیکر و اختلاف اور ضد و ہٹ دھرمی سے اجتناب کیا جائے کہما فی قولہ تعالیٰ ” اُدْعُ اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ دَلِيلًا “

## نجس زمین کی تطہیر

اگر زمین ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں۔  
 مسلک اول، ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے نزدیک اس کی تطہیر کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ ہے غسل الماء کو اسے پانی سے دھویا جائے۔

مستدل، حدیث الباب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ پانی بہاؤ۔  
 اگر زمین کسی دوسری صورت سے پاک ہو سکتی تو اس پر پانی بہانے کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی۔  
 مسلک دوم، اصناف حضرات کے نزدیک ناپاک زمین کے پاک کرنے کی تین صورتیں ہیں۔  
 صور مع الدلیل ملاحظہ فرمادیں۔

صورت اولی۔ زمین کو پانی سے دھویا جائے یہ طریقہ تطہیر مستقن علیہ ہے۔ مزید وضاحت سے عرض ہے کہ اگر زمین ریتی ہے تو جب بخاست مخلوط بالماز جذب ہو جائے زمین پاک ہو جائیگی



اور اگر زمین جائز نہیں تو جیب نجاست بہ جائے زمین پاک ہو جائے گی اسی کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نجاست زدہ زمین پر پانی ڈال کر خشک پڑے سے اسے جذب کر کے باہر بخور دیا جائے کئی مرتبہ ایسا کرنے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

**مسئلہ**، حدیث الباب ہے "هر یقوا علی بولہم مسلجا من ماء" صورت دوم، جتنے حصے تک نجاست کے اثرات پہنچے ہیں اتنی مٹی کھود کر پھینک دی جائے اور اس کی جگہ پاک مٹی ڈال دی جائے۔ اس طریقہ کو حضرت ادریس (یعنی زمین کھودنا) بھی کہتے ہیں۔  
**مسئلہ**۔ مولانا عثمانی رنج المہم ص ۱۴۳ میں دارقطنی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کر کے فرماتے ہیں "روایت ثقات" وہ روایت حضرت انس سے ہے کہ ایک اعرابی مسجد میں آیا اس نے پیشاب کر دیا آپ نے فرمایا "احفروا مکانہ" اس جگہ کو کھودو۔ ابو داؤد شریف ص ۱۴۳ باب الارض یصیبا البول میں یہی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "خذوا ما بال علیہ من التراب فالقو" صورت سوم۔ زمین کے خشک ہو جانے سے بھی ناپاک زمین پاک ہو جاتی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ہوا ہو یا دھوپ یا کسی اور طریقہ سے زمین اس قدر خشک ہو جائے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے۔  
**مسئلہ اول**۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ

"كنت ابيت في المسجد في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وكنت فقي شائبا عذبا وكانت الكلاب متبولي وتقبل وتذبر في المسجد فلعمري تكونوا يرشون شيئا من ذلك ر ابرداؤد شريف ص ۱۴۳ باب في طهور الارض اذا بیست۔

فرماتے ہیں کہ مسجد شریف میں گتے آتے جاتے اور پیشاب کرتے تھے لیکن کبھی بھی اسے پانی سے نہیں دھویا گیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بیوست سے زمین پاک ہو جاتی ہے اگر زمین بیس سے پاک نہ ہوتی تو یہ ناممکن تھا کہ اسے ناپاک رہنے دیا جاتا۔

**مسئلہ دوم**۔ بی بی عائشہؓ کی روایت ہے "نكحوا الارض ببسها ومصنف ابن ابي شيبة ص ۱۴۳ زمین کی پاکی اس کے خشک ہونے میں ہے بعض حضرات نے اسے سوقوف قرار دیا ہے مگر بئدل دلس نے اور سندس ذکر کیا ہیں جو اس کی مؤید ہیں۔

## ائمۃ ثلاثہ کے مسئلہ کے جوابات

ائمۃ ثلاثہ نے خمس زمین کی طہارت کا طریقہ مرفع غسل الماء ہی اختیار کیا ہے اور دلیل کے طور پر بائبل والی روایت پیش کی ہے احناف حضرات کی طرف سے اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں :

**جواب اول :** طہارت کا ایک طریقہ ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے طریقے ممنوع ہیں تو حدیث باب میں تطہیر ارض کا سب سے اعلیٰ طریقہ اختیار کیا گیا مگر اس کے علاوہ بھی دو طریقے ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں تو ایک بہتر طریق تطہیر اختیار کرنے سے دوسرے طریق تطہیر کی نفی لازم نہیں آتی۔

**جواب دوم :** حدیث پاک میں صراحت یہ مذکور ہے "نشقہم بلبث ان بال فی تاحیۃ المسجد" اور اودھن فی حوالہ بالا ظاہر ہے کہ حاجۃ المسجد طرف المسجد ہے جہاں پانی ڈالنے سے بآسانی نجاست کا ہار دینا ممکن ہے اس لیے بوجہ آسان صورت ہونے کے اسے اختیار کیا گیا۔

**جواب سوم الزامی :** بقول البیضاوی : احناف حضرت بائبل و مائیل والی روایت کا الزامی جواب دیتے ہیں کہ اگر تطہیر ارض بوجہ بیست اس لیے نہیں ہو سکتی کہ حدیث باب میں اس کا ذکر نہیں تو پھر حفر الارض سے بھی طہارت واقع نہیں ہونی چاہیے کیونکہ حدیث باب میں اس کا بھی ذکر نہیں ہے حالانکہ شوافع حضرات اس کے قائل ہیں اور حفر سے تطہیر الارض کا جواز اجماعی ہے۔

## حنفیہ پر اعتراض اور اس کا حل

شوافع حضرات احناف کے مسلک پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر نجاست رسیبہ زمین دھوپ سے خشک ہو جائے تو پھر چاہیے کہ جس طرح اس پر لٹاؤ پڑھنا جائز ہے اسی طرح سے تیمم کو ناجی صحیح ہو لیکن احناف کے ایک قول میں ایسی زمین سے تیمم جائز نہیں ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بیست ارض اس کی طہارت کو مستلزم نہیں۔

**جواب :** یہ ہے کہ ایک ہے طہارت ارض اور ایک ہے طہارت ارض۔ احناف ایسی زمین

کے ظاہریت کے قائل ہیں کہ ہریت کے نہیں لہذا کسی چیز کے ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ منظر بھی ہو۔

وَعَنْ النَّبِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ  
فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ  
فَقَالَ يَبْنَؤُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ  
أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
لَا تُزْرِمُوهُ دَعُوهُ فَكَرَّوهُ حَتَّى  
بَالَ تَمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ إِنَّ هَذِهِ  
الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلَحُ لَشَيْءٍ مِّنْ  
هَذِهِ الْبُيُوتِ وَالْقُدْسِ وَإِنَّمَا هِيَ  
لِذِكْرِ اللَّهِ وَالتَّصَلَاةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ  
أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ قَالَ وَأَمْرٌ جَلٌّ رَجُلًا مِّنَ  
الْقَوْمِ فَجَاءَ بِدُلْعَيْنِ مَاءٍ  
فَشَنَّهُ عَلَيْهِمَا : (مسفق عليه)

ترجمہ : روایت ہے حضرت انس سے  
فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ  
مسجد میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور مسجد میں کھڑے  
ہو کر پیشاب کرنے لگا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے صحابہ نے فرمایا ٹھہر ٹھہر تو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا اسے نہ رو کو چھوڑ دو لوگوں نے  
چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا، پھر حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ مسجد میں  
پیشاب اور گندی کے لیے نہیں یہ تو صرت اللہ کے  
ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں یا جیسا  
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرماتے ہیں کہ  
قوم کے ایک آدمی کو حکم دیا وہ پانی کا ڈول لایا  
جیسے اس پر بہا دیا۔

قولہ مہ مہ : بفتح الیم وکون الہاء اسم فعل ہے یعنی "اکفف" یعنی رک جا، اور یہ  
زجر کے طور پر ہے اور تکرار تاکید کے لیے ہے۔  
قولہ لَا تُزْرِمُوهُ - بضم الناء وسكون الزاء ای لَا تَقْطَعُوا عَلَيْهِ بُولَهُ یعنی اس  
کو پیشاب کرنے سے نہ روکو۔

قوله اَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، یعنی راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے یہی الفاظ فرمائے تھے یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ۔  
قوله قَالَ، ای النبی۔

قوله فَشَكَتْهُ۔ علامہ طبری فرماتے ہیں، «شَكَتْهُ بِمَعْنَى أَرْسَلَتْهُ أَيْ سَأَلَتْهُ بِأَنَّهَا»  
یہ صبت کے معنی میں بھی آتا ہے، «ای صَبَّه صَبًّا» بمعنی پلٹا (مرقاۃ) مزید حدیث پاک کی فقہی بحث  
قدمراً ناقلاً بقا۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی  
بکرؓ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! فرمائیے کہ  
ہم میں سے جب کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ  
جائے تو کیا کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ  
جائے تو اسے گل دے اور پھر پانی سے دھوئے  
پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ  
قَالَتْ سَأَلْتُ أُمًّا لِرَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا  
أَصَابَ ثَوْبُهَا الدَّمَ مِنَ الْحَيْضَةِ  
كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ  
ثَوْبُ أَحَدَاكُمُ الدَّمَ مِنَ الْحَيْضَةِ  
فَلْتَقْرِصْهُ ثُمَّ لَتَضَحَّهُ بِمَاءٍ  
ثُمَّ لَتَصَلِّ فِيهِ۔ (متفق علیہ)

قوله فَصَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا، علامہ ہر وہی مرقات میں لکھتے ہیں کہ  
مقام ہذا میں حذف مضاد ہے اصل میں عبارت تھی «ای اخبرنی فی حال احداثا» لے اللہ کے  
رسول خبر دو بیچ حال ایک ہمارے کے۔

قوله مِنَ الْحَيْضَةِ، لفظ حیض بکسر الحاء ہے یا بفتح الحاء اس میں دونوں ہیں۔  
اول بفتح الحاء بمعنی دم الحيض یعنی حیض کا خون۔ دوم بکسر الحاء ہی الخرقۃ وہ کپڑا جو زمانہ حیض میں  
عورتیں استعمال کرتی ہیں۔ لیکن صاحب تخریج فرماتے ہیں «ہی بفتح الحاء الحيض وبکسر الحاء

هي الخرقۃ التي تستخرجها المرأة في الحيض "صحیح یہ ہے کہ دونوں احتمال ہیں "کلاهما مُحْتَمَلٌ رَمَقًا"

يقول ابوالاسعاد : لفظ حيض کی مکمل تشریح مشکوٰۃ شریف باب الحيض فصل اول درایت عاکرہ فقال ان حيضتك ليست في يدك، میں آئے گی انشاء اللہ!

قوله فلتقرصه : بضم اللام وسكون الصاد قرص کہتے ہیں "الدلك باطراف الاصابع والاظفار" یعنی رگڑنا خواہ انگلیوں کے کنارے سے یا ناخن سے وغیر ذلک۔

قوله لیتضح : بکسر اللام وفتح الصاد یعنی رش المار یا در سال المار۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یہاں نضح : صب کے معنی میں مستعمل ہے کیونکہ رش رچھینے مارنا اسے نجاست میں زیادتی ہے۔

"قيل لان الرش مع بقاء اثر الدم لا يزداد لا نجاستا ررقاة مشاۃ ۲)"

سوال۔ شریعت مقدسہ کے اندر جس طرح دم مسفوح کی نجاست پر اتفاق ہے اس طرح حیض کے نجس ہونے پر بھی اتفاق ہے۔ پھر بی اسماءؓ نے سوال کیا (نوی) محدثین حضرات نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

جواب اول۔ جس کو امام نوویؒ نے اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ دراصل منشاء سوال یہ تھا کہ عورتوں کو دم حیض میں ابتداء عام ہے اور عموم بلوی باب نجاست میں مؤثر فی التخیف ہوتا ہے جیسے منی میں عموم بلوی کی وجہ سے حق رجل میں جواز فرک ہو گیا۔ اس لیے حضرت اسماءؓ حیض میں تخیف کی کوئی صورت چاہتی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے معلوم ہوا کہ عموم بلوی کے قاعدہ سے دم حیض مستثنیٰ ہے۔

جواب دوم۔ یہ ہے کہ منشاء سوال مخرج کے بارہ میں ہے کہ دم حیض منی کا مخرج چونکہ قریب قریب ہے تو جس طرح منی میں فرک ہے تو دم حیض میں بھی فرک وغیرہ ہونا چاہیے تو شارع علیہ السلام نے اس وہم کا ازالہ کر دیا کہ دم حیض کو منی رجال پر قیاس نہیں کرنا چاہیے کیونکہ رجال کے مزاج میں نقاست اور احتیاط زیادہ ہے جب کہ مزاج نساء میں تلوث و احتیاط کی کمی ہے اگر عورتوں کو فرک کی سہولت ملی جاتی تو یہ اتنی سست پڑ جاتیں کہ واپسی نجاستوں کے ازالہ میں بھی حکم از اللہ سے لاپرواہ ہو جاتیں۔

## دم حیض اور قدر معفو عنہ میں اختلاف

يقول ابوالاسعاد : اس میں اتفاق ہے کہ دم حیض نجس ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ

کن خون کپڑے کو لگا رہے تو معاف ہے یعنی اس کپڑے میں ہم نماز پڑھ سکتے ہیں اس میں کوئی قول نہیں ہے۔  
**قول اول**۔ امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ کے نزدیک دم قلیل معاف ہے یعنی اس کے ساتھ نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ جب کہ دم کثیر واجب الغسل ہے۔  
**قول دوم**۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی ان کے نزدیک نجس ہے۔ جیسا کہ امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف ص ۲۷۱ باب ما جاء في غسل دم الحيض من الثوب میں تصریح فرمائی ہے "وقال الشافعي يجب عليه الغسل وان كان أقل من الله هو" پھر آگے فرماتے ہیں "و شد في ذلك" امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں سختی فرمائی ہے۔

## قول اول والوں کے درمیان مقدار قلیل و کثیر میں اختلاف

قول اول والوں کے درمیان مقدار قلیل و کثیر میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قدر دم معیار ہے کہ درہم سے کم مستحب الغسل ہے اور اس میں نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ جب کہ درہم یا اس سے زیادہ واجب الغسل ہے اور نماز کی ادائیگی مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے تصریح فرمائی ہے۔  
 "قد الله هو ومادونه من النجس المنظفة كالدم والبول والخمر  
 وخرق الدجاج وبعول الحمام جازات الصلوة معه وان شاد فله يحسن  
 رده إليه مشحوناً بالابواب الا بخماس وتطهيرها)

علامہ محمد النور شاہ صاحب کشری "العرف الشذی" میں بھی یہی لکھتے ہیں۔  
 امام احمدؒ کی اس میں تین روایتیں ہیں (۱) شبر فی شبر قلیل اس سے زیادہ کثیر (۲) قدر الکف قلیل و در کثیر ہے (۳) راستے میں پہلے یہ کا اعتبار ہے علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس تیسری روایت کو ترجیح دی ہے۔  
 شبر قلیل و کثیر کی کوئی تحدید ثابت نہیں اس لیے  
**مُحَاكَمَةُ بَيْنَ الْقَوْلَيْنِ** ائمہ اور فقہاء کرامؒ نے آثار و قیاسات کے مطابق

تحدیدیں مقرر کی ہیں۔ حنفیہ حضرات نے موضع استنجاء پر قیاس کر کے قدر درہم کو قلیل اور اس سے زائد کو کثیر قرار دیا۔ بعض فقہاء کرامؒ نے مسلم شریف ص ۲۷۱ باب بیان ان الا سناد من الدین کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو روح بن غلیف کے حوالہ سے آتی ہے کہ اگر ایک درہم کے اندازے کا خون ہو

تو نماز کا اعادہ کیا جائے لیکن علامہ نوویؒ اسی حدیث کی بشرح میں ص ۱۱۱ پر اسی باب کے تحت لکھتے ہیں :-  
 « ذکرہ البخاری فی تاریخہم » کہ یہ حدیث امام بخاریؒ نے بھی اپنی تاریخ میں نقل کی ہے لیکن  
 یہ حدیث « باطلہ لا اصل لہا عند اهل الحديث » الغرض درہم و ما فوق کی تعیین میں کسی کے  
 پاس کوئی صحیح حدیث نہیں۔ فقہار کرامؒ اور ائمہ دینؒ کے استنباطات میں جو اپنی اپنی صوابدید سے کیے ہیں۔

## نجاست کا قدر معفو ہونا ثابت ہے۔

امام شافعیؒ کا قول کہ قدر معفو ہی نہیں جس کے لیے ام ترمذیؒ کو کہنا پڑا « و شدد فی ذالک » مروج  
 اور غیر معمول بہا ہے کیونکہ قلیل نجاست سے اپنے آپ کو معفو قرار کھنا مشکل بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہے۔  
 اگر کوئی شخص حد درجہ احتیاط کرے تب بھی جماعت ذاب بول و براز پر بیٹھ کر اڑتی اور انسان کے کپڑوں  
 پر بیٹھتی ہیں پھر ان سے کیسے بچا جائے گا اس لیے قدر معفو کا ہونا ضروری ہے بلکہ قدر معفو کی مثال خود حدیث  
 پاک میں ہے سہی بی عائشہؓ کی روایت ہے در

« ما كان لاحدنا الا ثوب واحد فحيض فيه فاذا اصابه شيء من  
 دم بلسه برقعها شتم قصصته برقعها » ابو داؤد شریف مشہ ۱۵۱۱ کتاب  
 النظھارۃ باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه في حيضها  
 یعنی ہمارے پاس ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو میں حالت حیض میں پہنتے رہتی تھی اور اگر کچھ خون  
 لگ جاتا تو تھوک سے ترکہ کے دھو کر دیتی تھی۔  
 چنانچہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت دم قلیل کے بارے میں ہے جو معفو نہ ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت سلیمانؑ ابن  
 یسار سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ  
 سے منی کے بارے میں پوچھا جو کپڑے کو لگ  
 جائے فرماتے لگیں کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے کپڑے سے دھوتی تھی۔ پس آپؐ

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ  
 سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ  
 الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ أَعْسِلُهُ مِنْ  
 ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَيُخْرِجُ إِلَى الصَّلَاةِ

وَأَثَرُ الْقُسْلِ فِي تَوْبِهِ :  
(مُتَّقِنٌ عَلَيْهِ)

نماز کے پلے تشریف لے جاتے تھے حالانکہ دعوت  
کا اثر آپ کے کپڑے میں ہوتا۔

قَوْلُهُ سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَّارٍ - آپ کا اسم گرامی سلیمان بن یسار اور کنیت ابو الیوب ہے آپ  
اتم المؤمنین حضرت یحییٰؑ کے آزاد کردہ غلام ہیں فقیہ تابعی ہیں علامہ ابن یسار کے بھائی ہیں۔ ۷۳ سال کی عمر  
پائی مسئلہ میں وفات پائی۔

ذکر کے راستہ سے بول کے علاوہ عادیہ خارج ہونے والی رطوبات تین  
قسم ہیں۔ مذہبی۔ دنیوی۔ منی۔ مذہبی اور دنیوی کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف  
مذہب ۱ باب ما یوجب الرضوخ لفردایت حضرت علیؑ میں ہو چکی ہے۔ باقی منی کی بحث ہوگی۔

حدیث باب میں دو مسئلے بیان کیے جائیں گے (۱) طریقہ تہنیر ثوب بن المنی کہ اگر  
کپڑے کو منی لگ جائے تو اسے کس طریقہ پر پاک کیا جائے گا (۲) منی پاک ہے یا پلید  
بیان کے اعتبار سے مسئلہ ثانیہ کی تقدیم ہوگی۔

## منی کی نجاست اور طہارت میں اختلاف

حافظ ابن رشد بدایت المجتہدینؒ اور ابن دقیق العید احکام الاحکام مشافہۃ میں کہتے ہیں کہ منی  
کی طہارت اور نجاست کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ مذاہب کی تفصیل سے قبل اقسام منی کی وضاحت  
ہو جائے۔

## منی کے اقسام

بقول ابوالاسعاد : منی کی دو قسمیں ہیں (۱) انسان کی منی (۲) غیر انسان کی منی۔ انسان کی  
منی کے بارے میں تفصیل آیا ہی چاہتی ہے۔ غیر انسان کی منی کے بارے میں دو مذاہب ہیں۔  
مذہب اول۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ہر حیوان کی منی ناپاک ہے۔  
مذہب دوم۔ شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں غیر انسان کی منی کے بارے میں چار اقوال ہیں۔



۱۔ خنزیر اور کتے کی منی علی الاطلاق نجس ہے۔ ۲۔ خنزیر اور کتے کے علاوہ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب جانوروں کی منی پاک ہے۔ ۳۔ ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم سب کی منی نجس ہے۔ ۴۔ ماکول اللحم کی منی پاک ہے اور غیر ماکول اللحم کی ناپاک! (ایضاح الطحاوی ص ۱۱)

## انسان کی منی کے بارے میں اختلاف

أجزاء المسالك ص ۱۱، الکوکب الدرر ص ۱۱، فتح اللہ ص ۱۱، نیل الاوطار ص ۵۲، ج ۱، الخ

میں دو مذہب تھل کھ گئے ہیں۔

مذہب اول، صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور ائمہ میں سے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک منی طاهر ہے (شرح مسلم ص ۱۱)

ولیسل اول۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَمِمَّا وَلَدَ خَلَقْنَا مِنْ نَسَبٍ نَسَبًا وَصِهْرًا (اسے

ذائب و ذاصہر) پٹا انفرقان)

فضیلت اور احسان کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ انسان کو اس پانی یعنی منی سے پیدا

کیا گیا ہے اگر منی نجس ہوتی تو امتنان کا کوئی معنی نہ تھا۔

ولیسل دوم۔ نبیؐ کی روایت ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْرُكُ الْمَنِيَّ مِنْ قُبُورِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۰ باب قطھیر النجاسات فصل اول)

حدیث مذکور میں فرقہ کا ذکر آیا ہے اگر منی نجس ہوتی تو فرقہ کا نام نہ ہوتا بلکہ خون کی طرح غسل ضروری

ہوتا۔ ظاہر بات ہے کہ فرقے سے تمام اجزاء زائل نہیں ہوتے کچھ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔

ولیسل سوم عقلی۔ امام شافعیؒ کتاب الاثم ص ۱۱ میں لکھتے ہیں کہ ہم منی کو کس طرح نجس

کہہ سکتے ہیں جب کہ انبیاء کرامؓ جیسی مقدس اور پاکیزہ شخصیات کی تخلیق اسی مادہ سے ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ

نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہمارے جیسا یعنی الماء والعقین سے پیدا کیا۔ لہذا ان کی نسل کی تخلیق بھی جیسا ظاہر

ہی سے ہوگی جو منی ہے۔

دلیل چہارم۔ حضرت ابن عباسؓ کا اثر ہے جس کو امام حرمیؒ نے بھی تعلقاً نقل کیا ہے۔  
 «عن ابن عباسٍ المَنَى بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ قَا وَمَنْزِلَةُ عُنْكَ وَلَوْ  
 بِأَخْضَرِ رَحَارَةٍ طَنِ صَاحِبِ» (۱۷)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس اثر میں منی کو بمنزلۃ المخاط درمیت، بلغم، قرار دیا گیا ہے چونکہ مخاط کی طہارت پر سب کا اتفاق ہے لہذا جس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الفاظ کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اسے بھی ظاہر قرار دیا جاسکے۔

مذہب دوم۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، اسد بن ابی وقاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ وغیرہم اور ائمہ میں سے سفیان ثوریؒ، امام ابوہریرہؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک منی مطلقاً نجس ہے۔ عملہ ابن رشدؒ نے راؤدین علیؒ الظاہری کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔

## قائلین نجاست کے دلائل

دلیل اول۔ قرآن مقدس میں ہے۔

«أَلَمْ يَخْلُقْكُمْ مِنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ رَبِّهِ الْمُرْسَلَاتِ»

آیت مذکور میں منی کو مہین قرار دیا گیا ہے جس سے منی کے نجس ہونے کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خانی کائنات اپنی قدرت کا مژدہ اور انسان پر اپنے عظیم احسان و امتنان کا اظہار فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اپنی اصل پر غور کر تیری حقیقت ایک لفظ ذلیل و خوار ہے برہم کرنا تمہی میں نے تجھے لطف سے علقہ بھر مضمون اور پھر تو تمہارا اس سے ایک خوب صورت شکل اور احسن تقویم میں پیدا کیا ہے «فَتَبَارَكَ الَّذِي أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ» تو جب اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے احسانات جملائے ہیں اور اس کا اظہار کرتے ہیں تو احسان کا کمال ظہور تب ہوگا جب اصل انسان (منی) کی حقارت و ذلت ثابت ہو اور ہم اسے نجس قرار دیں۔

دلیل دوم۔ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے اپنی جہت سے ام المؤمنینؓ بی بی ام حبیبہؓ سے دریافت فرمایا «هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح في الثوب الذي يجامعها فيه» کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھتے تھے جس میں اپنی زوجہ مطہرہؓ

بہتر ہو سکے ہوں۔

بی بی ام حبیبہؓ نے جواب دیا: ”فما اذ العبد فیہ اذی“ (اُن نماز پڑھتے تھے جب تک کہ اس میں نجاست نہ ہوتی۔ اور اذی سے مراد نجاست ہے۔ جیسا کہ ہم حبیب کے متعلق قرآن پاک میں ”قُلْ هُوَ اَذَى“ (اے قذہر، رجلاہین) (ابوداؤد شریف ص ۹۹ باب الصلوٰۃ فی الثوب اللہی

یعیب اہلہ فیہ)

ولیسل سوئم۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جس میں سائرل حضرت سلیمان ابن یسار ہیں۔  
”قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْعَتِي يَصِيبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ اَعْلَمُ  
مَنْ ثَوْبٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُخْرِجُ اِلَى الصَّلَاةِ -

(مشکوٰۃ شریف ص ۹۹ باب تطہیر التجاسات فعمل اول)

حدیث ابابہ میں کمنش سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا استمرار عمل غسل کا ہے۔ پھر اعلیل مضارع کا صیغہ ہے جس کا حاصل بھی استمرار و دوام ہے۔ لہذا یہ نجاست کی دلیل ہے۔

ولیسل چہا رُم قیاسی۔ قیاس بھی ممکن حقیقہ ہی کو راجع قرار دیتا ہے ورنہ کسی نجس ہے کیونکہ اول تدری و تدری سب بالافتاق نجس ہیں۔ حالانکہ ان کے خروج سے صرف وضو واجب ہوتا ہے۔ تو مٹی بطریق اولیٰ نجس ہونی چاہیے کیونکہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے۔

ولیسل نتیجہ نظری۔ جتنی چیزیں تحلیل طعام کے بعد پیدا ہوتی ہیں سب نجس ہیں جیسے پائخانہ پیشاب انون رسی بھی۔ تحلیل طعام کے بعد پیدا ہوتی ہے لہذا وہ بھی نجس ہوگی۔

## قائنین طہارت مٹی کے دلائل کے جوابات

مٹی کی طہارت کے قائنین نے دلیل کے طور پر آیت قرآنی پیش کی تھی ”وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا اَخًا“ کہ مٹی کو پانی کہا گیا ہے تو جس طرح پانی پاک ہے مٹی بھی پاک ہے اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔  
ولیسل اول کا جواب اول۔ قرآن مقدس جس مٹی کو پانی کہا گیا تو صرف پانی کہنے سے تو مٹی کی طہارت لازم نہیں آتی کیونکہ اگر مٹی کو ماء تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مٹی پاک ہے تو پھر ہر جانور کی مٹی کو پاک کہنا چاہیے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حیوانات کی مٹی کو ماء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (پہلا) حالانکہ خود شوانح حضرات حیوانات کی مٹی کی طہارت کے قائل نہیں۔

جواب دوم۔ آیت مذکورہ میں مٹی کو مار سے تعبیر کرنا طہارت کے لیے نہیں بلکہ رقیقت وسیلانیت سے تشبیہ دینا مقصود ہے کہ جیسے مار رقیق چیز ہے بعض دفعہ مٹی بھی ایسی ہوتی ہے۔ رقیق ہونے کے ساتھ ساتھ سیلان (بہنے والی) بھی ہوتی ہے۔

دلیل دوم کا جواب اول، قائلین طہارت مٹی سے دلہن عائشہؓ کی روایت جبریں انراک مٹی رکھ چنے کا ذکر ہے اسے دلیل پکڑی تھی تو جواب اول یہ ہے کہ اشیاء بخمیتہ کی تطہیر کے مختلف طریقے ہوتے ہیں بعض جگہ تطہیر کے لیے غسل ضروری ہے بعض جگہ نہیں مثلاً روٹی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے غسل نہیں۔ اسی طرح زمین کی طہارت میں رخشک سے بھی ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح مٹی سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے فرک کر دیا جائے بشرطیکہ خشک ہو گئی ہو اگر تر ہے تو پھر بدستور اس کے لیے غسل ہے۔ اس کی دلیل بی بی عائشہؓ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ

” قَالَ كُنْتُ اخْرُجُ مِنَ الْمَنَىٰ مِنْ ثَوْبٍ رَّسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اِذَا كَانَ يَابِسًا وَاعْتَمَلَهُ اِذَا كَانَ رُطْبًا رَأَيْتُهَا لَسْتُنْ مَشَاحٍ (شرح معانی القرآن)

جواب دوم، یہ ہے کہ آپؐ نے فرک کو مٹی کی طہارت پر مبادا بنا باہے اور کہا ہے کہ فرک کے بعد بھی کچھ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا بھی ثابت ہے (بشرطیکہ مٹی قیہ) تو عرض ہے کہ فرک کے بعد اجزاء کا باقی رہنا اس کی طہارت کی دلیل نہیں۔ اس کی متعدد مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ رکنا مستجمعات فی التبیلین والد لک فی الخفین والجفاف فی الارض ان تمامی چیزوں میں بعض اجزاء نجاست باقی رہ جاتے ہیں اور اسی کو لے کر نماز بھی پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ اجزاء کسی کے ہاں پاک نہیں۔ ہاں قدر معفو عنہ ہے اسی طرح مٹی بھی قدر سے معفو عنہ ہے نہ کہ فرک و اجزاء کا باقی رہنا دلیل طہارت ہے۔

دلیل سوم عقلی کا جواب اول۔ شوانح حضرات کی یہ بات کہ مٹی کو نجس کہنے سے انبیلہ کرام جیسی مقدس ہستیوں کی توہین ہوتی ہے کیونکہ ان کی پیدا کش بھی تو اسی سے ہوئی ہے یہ ایک ایسا قیاس ہے جسے خود متعین شوانح بھی پسند نہیں کرتے۔ علامہ نوویؒ بہت بڑے شافعی المذہب بلکہ شافعییت کے وکیل ہیں لکھتے ہیں کہ

”وذكر اصحابنا اقيسة ومناسبات كثيرة غير طائفة ولا تضيها  
ولا نستحل الاستدلال بها ولا نسمع بتضييع الوقت في كتابتها  
الغدير شرح الملهد باب ۲۵ ج ۲

علاقہ نزدیک فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب (شافعیہ) نے اس مسئلہ میں بہت سے قیاسات و مناسبات  
بے فائدہ ذکر کیے ہیں نہ ہم ان کو پسند کرتے ہیں نہ ان سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ ان کے لکھنے میں  
بھی تضييع وقت خیال کرتے ہیں۔

ثانیاً، اگر یہ قیاس درست ہو تو پھر چاہیے کہ دم حیض کو بھی ظاہر قرار دیا جائے کیونکہ نطفہ جب  
رحم مادر میں قرار پکڑتا ہے تو دم حیض ہی اس کا گوشت، پوست اور ہڈی نشوونما کا اصل مادہ بنتا ہے اور  
اس نشوونما میں دھیر دھیر برابر ہی کیونکہ یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کو دم حیض کے  
علاقہ کوئی اور غذا دی جاتی تھی تو کیا شوائع حضرات پھر دم حیض کو درجہ دم مسفوح کا حکم رکھتا ہے (بھی پاک  
کہیں گے۔

جواب دوم۔ یہ اوسط شدہ اور اجماعی ہے کہ انقلاب ماہیت سے جس شئی ظاہر ہو جاتی ہے  
اور اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے اور اس میں طہارت آجاتی ہے مثلاً جو سبزیاں اور اناج وغیرہ کھائے جاتے  
پس حالانکہ ان کی کاشت کے وقت حیوانی اور انسانی فضلہ بطور کھاد کے استعمال کیا جاتا ہے جو نجس اور  
حرام ہے لیکن جب ماہیت بدل اور سبزی و درکاری کی صورت سامنے آتی تو ان کا حکم بدل گیا اور اس  
کا کھانا جائز قرار دیا گیا۔ یہی صورت حال منی کے ساتھ ہے کہ جب منی منقلب فی الکرم ثم الی الجبین ہو گئی تو قلب  
ماہیت کی وجہ سے اس میں طہارت آگئی۔

دلیل چہارم کا جواب اول۔ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا منشاء منی کی طہارت  
بیان کرنا نہیں بلکہ درجہ شبہ از حیثیت ہے یعنی گارڈھاپن کہ جس طرح کوئی چیز گارڈھی ہو اور خشک ہو جائے تو  
اس کا ازالہ آسان ہو جاتا ہے اسی طرح حوا کا ازالہ بھی آسان ہے اور کسی اور فی چیز کے استعمال سے  
زائل ہو جاتا ہے اسی طرح منی کا ازالہ بھی آسان ہے۔ اذخر سے بھی اس کو دور کیا جاسکتا ہے۔

عند البعض وجہ شبہ غلات طبعیت ہونے میں ہے کہ جس طرح غلو کا کپڑوں پر لگے رہنا لطیف  
اور نظیف طبعیتوں کو ناگوار ہے۔ اور تکرر و تنفر کا باعث ہے اسی طرح پاکیزہ طبعیتوں کو منی سے بھی نفرت  
ہوتی ہے۔ لہذا اثر ابن عباسؓ شوائع کا مستدل نہیں۔

جواب دوم : یہ ہے کہ انرا بن عباسؓ دارقطنی میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے محدثین نے رفع کی تصدیق کی ہے اور وقف کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ دارقطنی : اس کو مرفوعاً تخریج کرنے کے بعد فرماتے ہیں : "نعم رفعه غير ما سئل عن الان راقى عن شريك" اور شریک ضعیف ہیں اور ثقات کی مخالفت کر رہے ہیں اور پھر شریک اسے محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کر رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ

"وهو سيئ الحفظ كما ثبت عليه الدارقطني والحاظ في

التقريب (اشار السنن ص ۱۳ وسنن الدارقطني ص ۱۲۲)

ترجمہ : روایت ہے حضرت اسودؓ اور ہمامؓ سے وہ حضرت عائشہؓ سے روای فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ اور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے ٹٹنی لے رہی تھی۔

وَعَنِ اسْوَدَ وَهَمَامٍ عَنْ  
عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَكْرِأُ النَّمِيَّ  
مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(رواه مسلم)

قولہ اسودؓ : آپ کا نام اسودؓ ابن ہلال الحارثی ثعلبی ہے علقمہؓ ابن قیس کے بھتیجے ہیں اور ہمامؓ ثعلبی کے ماموں حضورؐ پر نور صلعم کا زمانہ مبارک پایا اگر دیدار نہ کر کے مخلصانہ راشدین کے ساتھیوں میں سے ہیں ۸۰ حج و عمرے کیے۔ تا وفات ہمیشہ روزہ دار رہے۔ اور دو شب میں ایک قرآن ختم کرتے تھے سترہ میں وفات پائی (مرقاۃ، اشعر)

قولہ ہممامؓ : آپ ثعلبی تابعی کوفی ہیں سترہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہم صحابہ کرامؓ کی زیارت کی۔ مزید تحقیق قدمہ انفا۔

قولہ و ہروایتہما علقمہؓ والا اسودؓ : اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے اس روایت کے علاوہ حضرت عائشہؓ، حضرت علقمہؓ اور حضرت اسودؓ ہی کی طرح ایک روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم : اسی کپڑے سے نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے یعنی "لَشَرُّ يَصْلِي فِيهِ" کی زیادتی بیان کرنا ہے۔

وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مَحْصَنٍ  
أَنَّهَا أَتَتْ بِأَبْنٍ لَهَا صَغِيرًا  
لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَّا سَأَلَ اللَّهَ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَهُ  
سَأَلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فِي حَجَرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَلَمَّا  
يَمَاءٌ فَتَضَحَّحَهُ وَلَوْ لَيْسَ لَهُ :

ترجمہ : روایت ہے اُم قیس بنت محسن  
سے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کو جو کھانا نہیں کھاتا تھا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گود میں بٹھالیا  
اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ تو  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوا لیا اس پر  
پانی بہا دیا اور خوب نہ دھویا۔

قَوْلُهُ وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ : حضرت اُم قیس محسن کی لڑکی اور حضرت عکاشہؓ کی بہن ہیں ابتداء  
ہی سے مکہ مکرمہ میں مشرقِ اسلام ہوئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ہجرت  
فرما کر مدینہ منورہ چلی گئیں۔

قَوْلُهُ فِي حَجَرِهِ : بتقدیر المعاء جبر اگر مصدر ہو تو پھر بفتح المعاء ہوگا اگر اسم ہو تو کسر المعاء  
یعنی گود مبارک۔

قَوْلُهُ عَلَى ثَوْبِهِ : اسے ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

قَوْلُهُ فَتَضَحَّحَهُ : اسے اسال المعاء علی ثوبہ۔ یعنی کپڑے پر پانی بہایا۔

قَوْلُهُ وَلَوْ لَيْسَ لَهُ : اسے لم یبالغ فی الفضل۔ یعنی دھونے میں مبالغہ نہیں فرمایا۔

يَقُولُ ابْنُ أَبِي سَعَادٍ : شَرَّاهُ حَدِيثُ نَعْلَاهُ كَمَا جَاءَ بِأَبْنٍ بِحُجْرٍ كَأَبْنِ كُودٍ مَبَارَكٍ مِنْ  
بِشَابٍ كَرْنَا ثَابِتٌ هُوَ - حَسَنٌ، حُسَيْنٌ، عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، ابْنُ أُمِّ قَيْسٍ، سُلَيْمَانُ بْنُ بَشَامٍ - كَسْنَهُ  
ان ناموں کو در شعروں میں جمع کر دیا ہے :

حَسَنٌ حُسَيْنٌ ابْنُ النَّبِيِّ بَالِغًا  
وَإِبْنُ أُمِّ قَيْسٍ بَشَامٌ فِي الْخَتَامِ  
(الذَّهَبِيُّ)

قَدْ بَانَ فِي حَجَرِ النَّبِيِّ أَطْفَالُهُ  
وَكَذَا سُلَيْمَانَ بْنِ هِشَامٍ

## شیرخوار بچے کے پیشاب کا حکم

بول غلام اور بول جاریہ کے سلسلہ میں دو مسئلے زیر بحث آئیں گے۔

### المسئلة الأولى — بول صبی کا حکم

دودھ پینا بچہ اور بچہ کے کھانا شروع کرنے سے قبل ان کے پیشاب کا کیا حکم ہے آیا ان کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ اس سلسلہ میں دو مذاہب ہیں :-

**مذہب اول** علامہ داؤد ظاہریؒ کے نزدیک بول غلام پاک ہے اور بول جاریہ ناپاک :-  
ابو ثور وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ امین بطلانؒ اور قاضی عیاضؒ نے امام شافعیؒ کا مسلک بھی وہی بیان کیا ہے جو علامہ داؤد ظاہریؒ کا ہے یعنی بول غلام ظاہر ہے بسکین علامہ تودریؒ اور علامہ زرقانیؒ نے قاضی عیاضؒ کی تردید کی ہے اور کتب شافعیہ میں اس کے ناپاک ہونے کی تصریح ہے۔  
در شرح صحیح مسلم للتودریؒ ص ۱۳۹ ج ۱

**مذہب دوم** ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غلام اور جاریہ دونوں کا پیشاب ناپاک ہے  
”هكذا اقاله العلماء الجهميون“ بہر حال ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ان کے نزدیک نجس ہونے میں بول غلام اور جاریہ دونوں برابر ہیں۔ دونوں مذاہب کے درمیان مسئلہ ثانیہ میں واضح ہو جائیں گے۔

### المسئلة الثانية — بول غلام اور بول جاریہ طریقتہ تطہیر

اگر بول غلام اور بول جاریہ پڑے کو لگ جائے تو اس کا طریقہ تطہیر کیا ہے انھوں سے طہارت کی کیا صورت ہے اس بارے میں نیسل الادلہ ص ۱۱۱، منہج العلم ص ۲۴۲ ج ۱، کافی الاحبار ص ۲۸ ج ۲ میں تین مذاہب نقل کیے گئے ہیں :-



**مذہب اول** امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ، اسحق بن راہویہؒ، امام زہریؒ کے نزدیک بول غلام سے طہارت صرف چھینٹے مارنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور بول جاریہ سے دھونا واجب ہے۔

**مذہب دوم** امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے قول غیر مشہور، امام اوزاعیؒ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں میں چھینٹے مارنا کافی ہے۔

فتا، اس مذہب کا کو مذہب ط کے ساتھ لاحق کر کے فریق اول قرار دیا جائے گا تاہم آئینہ بحث کرنے میں آسانی ہو۔ اب ان کے دلائل ملاحظہ فرمادیں:

**دلیل اول**۔ حدیث الباب ہے جس میں نفع ر چھینٹے مارنا کا ذکر ہے۔

**دلیل دوم**۔ حضرت لیاب بنت عمارؓ کی روایت ہے کہ

” قَالَ اَلَمْ يَخْلُصْ مِنْ بَوْلِ اَلْاَسْتِثَى وَيَنْضَحْ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ“

جاریہ کے بول کے لیے دھونا ہے اور غلام کے بول کے لیے چھینٹے مارنا ہے۔

**مذہب سوم** امام ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ اور محمد بن یحیٰیؒ کے نزدیک بول غلام اور بول جاریہ دونوں سے طہارت کے لیے غسل واجب ہے۔ دلائل سے قبل دو باتیں ملاحظہ فرمادیں۔

(۱) احناف کا مذہب وہی ہے جو مذہب سوم میں بیان کر دیا گیا ہے

لیکن اتنا فرق صغیر نے بھی کیا ہے جس کو علامہ عینیؒ نے عمدة القاری

**ملحوظہ**

جلد ۱۹ ج ۱ میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ جاریہ کے بول کے انزال کے لیے غسل باللباغز کی ضرورت ہے لیکن انزال بول غلام کے لیے غسل خفیف کافی ہے یعنی پانی بہا دیا جائے دُک کی ضرورت نہیں۔

(۲) واضح رہے کہ بول غلام اور بول جاریہ کا یہ مسئلہ ” یَخْلُصْ مِنْ بَوْلِ اَلْاَسْتِثَى وَيَنْضَحْ

مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ“ اس وقت ہے جب ان کی خوراک صرف دودھ ہو اور انہوں نے کسی دوسری غذا کا استعمال شروع نہ کیا ہو لہذا جس وقت دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا استعمال بھی شروع ہو جائے گا تو پھر بالاتفاق دونوں کے لیے غسل شدید ضروری ہے۔

## فریق ثانی کے دلائل

فریق ثانی سے مراد منفیہ حضرت ہیں۔ حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں پیشاب سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اور اسے نجس قرار دیا گیا ہے۔

**دلیل اول**

”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه“ - وفق مقام اخر:-

”اکثر عذاب القبر من البول“ (ابن ماجہ ص ۱۹ باب التشدید فی البول)

یہ حدیث عام ہے اس میں کسی خاص بول کی تخصیص نہیں۔ لہذا آپ کے ہاں غلام و جاریہ کی تخصیص غیر

صحیح ہے۔

حضرت عمار بن یاسر کی روایت ہے:-

”عن عمار بن یاسر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما

**دلیل دوم**

تفضل ثوبک من البول“ (طحاوی شریف وایضاح مشکوٰۃ ص ۱۲۷)

یہاں بھی ہر قسم کا بول شامل ہے۔

علاء بن عائشہ کی روایت ہے:-

”عن عائشہ قالت انی ارسل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیتی

**دلیل سوم**

فیال علی ثوبہ فمدعا یصاء فاتبعہ و مرطاً لم یکن مثلاً باب ماجاء فی بول القصبی

اتباع مار کے معنی پیچھے پیچھے پانی بہانے کے ہیں نہ کہ پھینکے مارنے کے۔

طحاوی شریف ص ۱۲۷ میں ابی ہریرہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

**دلیل چہارم**

کے کپڑے مبارک پر لڑکے سنے پیشاب کر دیا تو فرمایا کہ پانی لاؤ ”فصبوا علیہ

الماء و صبوا“ ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ مرثعہ اور رش پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ خوب پانی ڈالا

کیا اور بہایا گیا۔

## امام شافعی و من وافقہ کے دلائل کے جوابات

امام شافعی کے نزدیک بول غلام میں رش اور بول جاریہ میں غسل ہے ان کا استدلال ان روایات

سے جس میں لفظ نضج آتا ہے احناف حضرات کی طرف سے اس کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں۔  
یہ ہے کہ نظر گذارنے والی روایات کی سندوں پر بعض محدثین حضرات نے کلام کی ہے  
تفصیل کے لیے دیکھیں "معارف السنن" ج ۱، ص ۱۹۹، جب کہ احناف حضرات کی روایات  
جو عدم تفرک پر دلالت ہیں ان پر کسی نے جرح نہیں کی۔

## جواب اول

بول غلام کے بارے میں احادیث کے اندر چار قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور  
مذکورہ چاروں قسم کے الفاظ صحیح مسلم ج ۱، باب حکم بول الطفل  
الرضیع و کیفیت غسلہ (۱) صبت الماء (۲) اتباع الماء (۳) نضج (۴) راش  
پیلے دو لفظ "اتباع الماء" صبت الماء "تو غسل کے معنی میں صریح ہیں، دوسرا معنی لیا ہی نہیں  
جاسکتا۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بول بھی دھونا چاہیے۔ تیسرے نضج اور چوتھے راش "قسم کے  
الفاظ میں دو احتمال ہیں اور

احتمال اول۔ یہ ہے کہ نفع اور رش چھینٹے مارنے کے معنی میں ہوں۔

احتمال دوم۔ یہ ہے کہ دونوں لفظ غسل کے معنی میں ہوں۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو ان روایات  
کا پہلی قسم کی روایات سے تعارض ہوگا، اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان  
روایات کا وہی معنی لینا چاہیے جس سے روایات میں تعارض لازم نہ آئے اس لیے احناف حضرات نفع  
اور رش کو غسل کے معنی میں لیتے ہیں۔

## نضج بمعنی غسل پر دلائل

نضج بمعنی غسل ہے اس پر چند ایک دلائل ملاحظہ فرمادیں :-

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا  
کہ تھیں کا خون کپڑے کو لگ جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ نے جواب میں ارشاد

## دلیل اول

فرمایا "فلم تفرسه شحراً لتنضجه بماء" (مشکوۃ شریف ج ۱، فصل اول باب  
تخلیص النجاسات) یہاں دم حیض کے بارے میں نفع کا حکم ہے جب کہ باتفاق ائمہ دم حیض دم مسقوح  
کا حکم رکھتا ہے اور اس میں کسی کے ہاں بھی رش کافی نہیں بلکہ غسل ضروری ہے اس لیے تمام حضرات کے

نزدیک نفع بمعنی غسل کے ہے۔

حضرت اہل بن حنیف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنے کو تہی نگ جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

**دلیل دوم**

«يَكْفِيكَ بَانٍ تَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَتَسْتَضِحُّ بِهِ مِنْ خَوْبِكَ وَهُوَ دَأْدُ شَرِيفٍ»  
باب فی المندی، یہاں بھی نفع سے مراد جھوڑ کے نزدیک غسل ہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما صلی اللہ علیہ وسلم کے دستور کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

**دلیل سوم**

«فَقَبْضُ قَبْضَةٍ مِنَ الْمَاءِ فَرَشَ عَلَى رَأْسِهِ الْيَمِينِي» (عُمْدَةُ الْقَارِي ص ۲۶)  
یہاں بھی ریش سے مراد اہل السنۃ کے نزدیک غسل ہی ہے۔

ف: تو جس طرح ان تمام مقامات پر لفظ فضح اور لغو ریش کو غسل کے معنی میں لیا گیا ہے تو اگر مختلف روایات میں تطبیق کے لیے حنفیہ حدیث باب میں نفع اور ریش کو غسل کے معنی میں لے لیں تو اس میں کیا حرج ہے۔

سوال:- یہ ہے کہ ائمہ فہم کی روایت جو فعل اول میں مذکور ہے اس میں مراۃ غسل کی نفی کی گئی ہے لفظ یہ ہیں «فَضَحًا وَلَوْ يَفْسَلُهُ» معلوم ہوا کہ حدیث الباب میں نفع سے ریش ہی مراد ہے۔ صبت الماء یا غسل مراد نہیں۔ لہذا حنفیہ کی تاویل درست نہیں۔

یہ ہے کہ اس روایت میں نفس غسل کی نفی مقصود نہیں بلکہ غسل بالمالہ کی نفی مقصود ہے یعنی اس پڑھنے کو کہ کسی کو مالہ سے نہیں دھویا بلکہ مالہ کا دھویا۔

**جواب اول**

دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح مسلم ص ۱۲۹ ج ۱ میں ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں «لَوْ يَفْسَلُهُ غُسْلًا» مفعول مطلق تاکید کے لیے ہے۔ جب مؤکداً اور تاکید پر نفی داخل ہو تو مؤکداً تاکید کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تاکید اور مالہ کے ساتھ نہیں دھویا۔

یہ ہے کہ لفظ «لَوْ يَفْسَلُهُ» کے ثبوت میں کلام ہے۔ کہا گیا ہے کہ زہری کی طرف سے مخرج ہے۔ زہری کا الی سند ابوداؤد شریف مخرج ا

**جواب دوم**

«باب بول الصبی یصیب الثوب» میں ہے۔ چنانچہ علامہ محمد خطاب السبکی لفظ «لَوْ يَفْسَلُهُ» پر لکھتے ہیں:-

”وادی الاصلی ان قوله ولم یفسله من کلام ابن شہاب راوی الحدیث  
وان المزفوع انتہی الی قوله فنضحه ، قال وكذلك راوی معمر  
عن ابن شہاب وكذا أخرجه ابن ابی شیبۃ بلفظ فرشه ولم  
یزد علی ذلك رالفہل ۳۴۴ کتاب الطہارۃ باب بول الصبی یسب الثوب

## بول صبی و صبیۃ میں وجہ فرق

یقول ابوالاسعاد : اب یہاں ایک سال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب دوڑوں بول رہی  
ہو (صبیۃ) ہی میں غسل ضروری ہے اور نضح سے بھی (بقول آخان) غسل ہی مراد ہے تو پھر احادیث مبارک  
میں ہر ایک کو الگ الگ فرق کے ساتھ کیوں بیان کیا گیا ہے۔

”انما یفسل من بول الاستثنیٰ وینضح من بول الذکر بعد ثلثین حضرت نے  
اس کی متعدد حکمتیں لکھی ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں۔  
لما علی قاریؒ اس بارے میں رقم طراز ہیں۔

### حکمت اول

”والفارق بین الصبی والصبیۃ ان بولها یسب استیلاء  
الرطوبة والبرد علی مزاجها یكون غلظ واستن فیفتصرف فی اثراتها الخ  
تو زیادہ مبالغہ بخلاف الصبی (مرفقاہ ج ۲)

خلاصہ : یہ ہے کہ عورتوں کے مزاج میں رطوبت و برودت غالب ہوتی ہے جس کی وجہ  
سے بول صبیۃ غلیظ اور زیادہ بدبو دار ہوتا ہے۔ لہذا اس کے ازالہ کے لیے مبالغہ فی غسل کی حاجت  
ہے بخلاف صبی کے کہ اس کے مزاج کی حرارت کی وجہ سے اس کا بول رقیق رائد ہوتا ہے اور اس میں  
نہ ہی اتنی بدبو ہوتی ہے۔ لہذا اس کے ازالہ کے لیے غسل خفیف کافی ہے۔ ”ولہذا یفسل من  
بول الاستثنیٰ وینضح من بول الذکر۔“

امام حمادیؒ نے یہ حکمت لکھی ہے کہ عورت کا مخرج بول چونکہ کثادہ ہوتا ہے  
اس لیے اس کا پیشاب جس کپڑے پر بھی گرے گا تو منتشر ہو کر گسے گا لہذا ضرورت  
اس بات کی ہے کہ اجمعی طرح تنج کر کے اتہام سے پاک کیا جائے اس لیے بول جار یہ میں لفظ غسل استعمال

### حکمت دوم

استعمال کیا گیا اور بول غلام میں نَضَحَ (طہادی شریف مشیح ۱، باب حکم بول الغلام والجارية) جو کہ ابن ماجہ شریف مشیح ۲ کتاب الطہارت ۲ باب ما جاء فی بول النبی

حکمت سوم | اَلَّذِی لَمْ یَطْعَمْہٗ میں ہے۔ امام شافعی سے ان کے شاگرد رشید ابو الیمان المصری نے اس فرق کی حکمت دریافت کی :-

”ثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْمَصْرِيُّ قَالَ سَأَلْتُ الشَّافِعِيَّ عَنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَشِّ مَنْ بَوَّلَ الْغُلَامَ وَيَنْسَلُ مَنْ بَوَّلَ الْجَارِيَةَ وَالْعَاءُ أَنْ جَمِيعًا وَاحِدٌ“

تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بول جاریہ پیدا ہوا ہے لحم دوم سے اور بول غلام مار وطن سے لہذا دونوں کے پیشاب کی صفت اور خاصیت میں فرق کی وجہ سے حکم میں فرق ہوا۔ اس کے بعد امام صاحب نے شاگرد سے پوچھا ”فَهَيْئَتُ“ اس کا مفہوم سمجھا شاگرد نے عرض کیا ”مَا فَهَيْئَتُ“ میں نے اس کا مفہوم نہیں سمجھا۔ امام صاحب نے فرمایا بات یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور بنی حواری کی تخلیق آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی ہے لہذا بول غلام کی تخلیق مار وطن سے اور بول انٹی کی لحم دوم سے ہوئی۔

ترجمہ، روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طُهِرَ، (رواہ مسلم)

قولہ : دُبِغَ۔ یہ مدبوغ سے ہے یعنی رنگنا مگر مراد پاک کرنا ہے گویا چمڑے کو ناپاک چیز سے پاک کرنے کو دباغت کہتے ہیں۔ پھر دباغت کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی (۲) حکمی۔ حقیقی وہ ہے جو روایات کے ذریعہ سے ہر مشتمل ننگ انار کے پھٹکے، ہیری کے پتے، مانڈ پھل اور قرظ یعنی سلم درخت کے پتے وغیرہ اور حکمی وہ ہے جو ان مصالحوں کے بغیر مرث و صوب میں رکھ رکھ کر اور مٹی ملا کر اس کی بوز اہل کر دی جائے۔ قولہ الْإِهَابُ : بکسر الهمزة ”وهو الجلد الغير المدبوغ“ جو رنگا ہوا

چمڑا نہ ہو اسے اہلبیت کہتے ہیں۔

## مردار کے چمڑے کا حکم

حدیث الباب کے تحت مسئلہ آتا ہے کہ مردار کی کھال کو اگر دباغت دی جائے تو پاک ہو سکتی ہے یا نہیں؟ لیکن وضاحت اس مسئلہ کو دو صورتوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

### صورت اولیٰ — دباغت سے اہاب غیر میتہ

اس میں جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ دباغت (رنگنے) کے بعد اہاب غیر میتہ پاک ہو جاتا ہے مگر استثنائات میں تھوڑا سا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

**قول اول** امام شافعیؒ کے نزدیک مین چمڑوں کا استنساہ ہے۔ یا خنزیر و کتا و انسان۔ خنزیر کے چمڑے کو اگر رنگا جائے تب بھی وہ پاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ خنزیر تمام اجزاء میتہ بحسب عین ہے اور دباغت (رنگنے) کا نتیجہ پاک نہیں ہوتی بلکہ دباغت (رنگنے) سے وہ نجاست پاک ہوتی ہے جو ناپاک رطوبات کے پٹنے سے عارضی طور پر ناپاک ہو۔

ثانیاً، خنزیر وہ بحسب العین ہے جس کا چمڑا پرت پرت (حیہ بہ حیہ) اور الیا چمڑا دباغت (رنگنے) پذیر نہیں ہوتا۔ اور رنگنے کے چمڑے کو بھی امام شافعیؒ نے دباغت کی طہارت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ خنزیر کی طرح یہ بھی بحسب العین ہے۔ اسی طرح انسان کا چمڑا بھی مستثنیٰ ہے اولاً اس لئے کہ نہایت ترقی ہے جو قابل دباغت نہیں۔ ثانیاً وہ اثرات العلقات ہے اس لئے اس کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے نفع اٹھانا حرام ہو یعنی تعلیم و توفیر کے سبب اس کا استعمال جائز نہیں۔

**قول دوم** امام اعظمؒ نے مرنے والے انسان اور خنزیر کے چمڑے کو مستثنیٰ کیا ہے۔ انسان کی وجہ استنساہ قدر

خنزیر محرم العین ہے جیسے شراب اور خون لہذا خنزیر مردہ کو مارنے کے بعد جو پاک نہیں ہوتا اور خنزیر سے نکالتے ہوئے اشیاء بھی نجاست ہیں جب کہ کتے سے نکالتے ہوئے اشیاء جائز ہیں۔

”کالتیید والتزاعۃ وضمن الکلب وغیرہ“ لہذا امام شافعیؒ کا کہنے کو خنزیر پر قباس کر کے

دونوں پر ایک حکم لگانا غیر صحیح ہے۔

## صورت ثانیہ — دباغت احاب میستہ

مردار کی کھال دباغت درنگنا سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔  
صورت اول، یہ ہے کہ مردار کی کھال سے دباغت کے بغیر انتقاع بلا اتفاق جائز نہیں۔  
صورت دوم، مردار کی کھال کو جب دباغت دی جا چکے تو آیا قابل انتقاع ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں "الغیب الانکار" ص ۱۳۱، ۱۳۲ ج ۳ "بدایۃ المجتہد" ص ۱۷۱ میں دو مذہب نقل کیے گئے ہیں۔  
مذہب اول۔ حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق دار امام احمد بن حنبلؒ، عبد اللہ بن مبارکؒ، امام ابو زائجؒ کے نزدیک مردار کی کھال دباغت کے بعد بھی پاک نہیں ہو سکتی۔  
مستدل۔ حضرت عبد اللہ بن علیؒ کی روایت ہے کہ

« قَالَ اتَانَا كِتَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ

الْمَيْتَةِ بِأَهَابٍ وَلَا عَصَبٍ وَشَكْوَةِ شَرِيفٍ ۝ ۱۵۰ » باب تطهير النجاسات فصل ثانی  
حضرت عبد اللہ بن علیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا جس میں  
یہ لکھا تھا کہ میت کی کھال سے انتقاع نہ کرو (ابوداؤد شریف ص ۱۷۱ ج ۲) کتاب اس باب میں مروی  
ان لا یستفیع باہاب المیتۃ میں جو روایت ہے اس میں یہ تصریح بھی ہے "قبل موته بشہرہ"  
کہ یہ خط حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ایک مہینہ پہلے آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث روایت  
تمام احادیث کے لیے ناخبر ہے جس میں فرمایا گیا ہے "ایضا الاجاب دُبغ ففسد طهر"

مذہب دوم۔ حضرت امام الوضیفؒ، حضرت امام ابوالوسثؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ، امام شافعیؒ  
امام ابراہیم نخعیؒ، محمد بن سیرینؒ، اسحاق ثوریؒ، یث بن سعدؒ، سعید بن جبیرؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک  
مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اس کی خرید و فروخت، ان پر نماز پڑھاؤ وغیرہ سب جائز ہے۔  
مستدل اول، حدیث الباب ہے "اذا دُبغ الاحاب ففسد طهر" مشکوٰۃ خریف ص ۱۵۰  
باب تطهير النجاسات (فصل ثانی)

مستدل دوم۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؒ کی دوسری روایت ہے جس میں ثناء مولاۃ یمونہ کے



مستندل سوئم۔ حضرت سودہ کی روایت ہے مشکوٰۃ شریف<sup>۵۲</sup> ج ۱ باب انہذا فصل اول) حضرت سلمہ بن جبش کی روایت مشکوٰۃ شریف<sup>۵۳</sup> ج ۱ فصل ثالث باب ہذا میں مذکور ہیں جو صراحتہ اس پر دال ہیں کہ دباغت کے بعد مردار کھال قابل انتفاع ہے۔

یَقُولُ ابوالاعلیٰ سعاد: ایک سوال ہے جس کا تعلق دباغت والے مسئلہ سے ہے جس کو امام علیؑ نے بھی علیٰ ہوی شریف میں تفصیلاً نقل فرمایا ہے۔ مختصراً یہاں بیان کیا جا رہا ہے جو خالی از قاعدہ نہیں۔

سوال۔ یہ ہے کہ جلود (چمڑے) میت کی دباغت کی اباحت اور دباغت کی وجہ سے حصول طہارت یہ ساری چیزیں تحریم میت سے پہلے نہیں اور تحریم میت کے وقت میت کو کبھی اجزاء ناپاک اور نجس قرار دیا گیا ہے لہذا ایب دباغت کے بعد بھی پاک نہ ہوں گے۔

**جواب اول** یہ ہے کہ جب تحریم مینتہ کا حکم نازل ہوا "حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ أَبِي نَعْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «مَنْ شَرِبَ مِنْ بَيْتِ نِسَاءٍ فَهُوَ شَرِبَ مِنْ بَيْتِ اللَّهِ»" تو اس حکم میں صرف لم مینتہ اور ہر وہ اجزاء داخل ہوئے جو کھائے جاسکتے ہیں۔ اجزاء ماکولہ کے علاوہ باقی اجزاء اپنے اصل حکم میں باقی رہ گئے۔ لہذا جس طرح تحریم مینتہ سے قبل جلد عصب وغیرہ ریخت سے پاک ہو جایا کرتے تھے، اسی طرح تحریم مینتہ کے بعد بھی پاک رہیں گے۔ جیسا کہ آیت تحریم مینتہ "عَلَى كُلِّ عَصَبٍ لَبَنٌ فَإِنَّ يَكُونُ مِنْهُ لَعَنَةً" "سُورَةُ الْأَنْعَامِ آیت ۱۴۵ میں مینتہ کا مستثنیٰ اجزاء ماکولہ کو قرار دیا گیا ہے۔ لہذا مستثنیٰ میں بھی اجزاء ماکولہ ہی کی حرمت ثابت ہوگی۔

**جواب دوم** آحضرت علیؑ اللہ علیہ وسلم آیت کریمہ کا مطلب و مورد زیادہ جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب حضور انور علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے دباغت کے بعد پاک ہونے پر اسی آیت کریمہ کو پڑھ کر سنایا۔ لہذا آیت کریمہ سے نفس العین کا ثبوت صرف اجزاء ماکولہ میں ہوگا۔ بقیہ اجزاء اس حکم سے خارج ہوں گے۔

## حضرت عبداللہ بن عکیم کی روایت کے جوابات

حضرت عبداللہ بن عکیم کی روایت کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں :-  
**جواب اول :-** یہ ہے کہ احاب غیر مد بورغ چڑھے کو کہتے ہیں تو حدیث لَا تَسْتَفْعُوا  
 مِنَ الْمُحِبَّةِ بِأَحَابٍ کا مطلب یہ ہے کہ قبل از دباغت انتفاع مت کر دجیب کہ اس کے ہم  
 ہیں قاتل ہیں کہ غیر مد بورغ چڑھے سے انتفاع ناجائز ہے (اوجز المسائل ص ۱۹۹ ج ۴)  
**جواب دوم :-** یہ ہے کہ احاب مد بورغ سے جو ازا انتفاع کی روایتیں سماعی ہیں یعنی صحابہ کرام  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سندر نقل کر رہے ہیں جب کہ حضرت عبداللہ بن عکیم کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 سے سماع نہیں صرف کتاب سے دیکھا ہے جو کہ سماع کے مقابلہ میں کوئی تحت نہیں۔  
**جواب سوم :-** یہ ہے کہ روایت عبداللہ بن عکیم میں سندی ضعف اور متنی اضطراب ہے  
 اور مضطرب حدیث ضعیف کا قسم ہے اس لیے یہ قابل عمل نہیں۔

## روایت عبداللہ بن عکیم کا سندی ضعف

روایت عبداللہ بن عکیم کی پوری سند الوداد شریف ص ۱۱۹ ج ۱ کتاب التباس باب من  
 روى ان لا يستفيع باحاب المحبته میں ہے :-

” حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عَمْرٍو شَاعِبَةُ عَنْ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
 بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَكِيمٍ قَالَ قَدَرْتُ عَلَيْنَا كِتَابَ رَسُولِ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

حضرت عبداللہ بن عکیم سے روایت کرنے والے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہیں جبکہ عبدالرحمن بن ابی  
 لیلیٰ کا سماع حضرت عبداللہ بن عکیم سے ثابت نہیں۔ گویا روایت ابن عکیم میں دو ضعف ہیں :-  
 اولاً ، خود حضرت عبداللہ بن عکیم کا سماع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ،  
 ” اَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَكِيمٍ لَمْ يَلْقَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

ثُمَّ نَافٍ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْسَى ثَمَّ لَيْسَعَ مِنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ -  
 اسی لیے علامہ ابوسلیمان الخطابی نے معالم السنن میں اسی حدیث کو ناقابل استدلال کہا ہے کیونکہ  
 عبد اللہ بن عکیم کی ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام احمد  
 کا قول پہلے اس حدیث پر تھا لیکن اس کی سند کا اضطراب دیکھ کر انہوں نے یہ حدیث ترک کر دی۔  
 ”ثُمَّ تَرَكَ أَحْمَدُ هَذَا الْحَدِيثَ لِمَا اضْطَرَّ لِرِوَاغِ اسْنَادِهِ رِثْمُذَى شَرِيفٍ  
 ص ۳۳ ج ۱۱ کتاب اللباس باب ما جاء في جلود الميتة اذا دُبغت)  
 علامہ بیہقی اور دیگر علماء نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے۔

## روایت عبد اللہ بن عکیم کا مستثنی اضطراب

روایت عبد اللہ بن عکیم کے متن میں بھی اضطراب ہے جو ناقابل تطبیق ہے۔ ملاحظہ فرادیں:  
 مشکوٰۃ شریف ص ۲۵ ج ۱ باب تطہیر النجاسات فصل ثانی میں روایت کے الفاظ ہیں:  
 ”قَالَ اتَانَا كِتَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ  
 الْمَيِّتَةِ بِأَهَابٍ وَلَا عَصَبٍ“

اس میں مطلق خط مبارک کی آمد کا ذکر ہے یہ مذکور نہیں کہ کب آیا جب کہ ابوداؤد و شریف ص ۲۱ ج ۱ کتاب  
 اللباس باب من روى ان لا يستنفع بأهَابِ الْمَيِّتَةِ میں ہے کہ وفات مبارک سے ایک ماہ قبل  
 خط مبارک آیا (قبل موتہ بشہر الخ) جبکہ ترمذی شریف ص ۲۱ ج ۱ ابواب اللباس باب ما  
 جاء في جلود الميتة اذا دُبغت میں ہے کہ وفات مبارک سے دو ماہ قبل خط مبارک آیا ہے۔  
 ”قَالَ اتَانَا كِتَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَقَاتِهِ بِشَهْرَيْنِ“

پھر بعض روایتوں میں ہے کہ ہمارے پاس خط مبارک آیا ہے ”اتانا كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم“  
 ترمذی شریف کی روایت میں ہے ”عن عبد الله بن عكيم عن اشياخ من مجيئة“  
 تو اس مستثنی اضطراب کی وجہ سے حدیث مذکور قابل عمل نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ تَصَدَّقَ عَلَى  
مَوْلَاةٍ لِمِثْمُونَةَ بَشَاةٍ فَمَا نَشَأْتُ  
فَمَرَّ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا أَخَذْتُمُ  
إِهَا بِهَا فَذَبَحْتُمُوهُ فَأَنْتَفَعْتُمْ  
بِهِ فَقَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ  
إِنَّمَا حَرَّمَ أَكْلَهَا وَتَتَّقُوا عَلَيْهِ

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں  
کہ حضرت میمونہؓ کی لونڈی کو بکری صدقہ میں دی  
گئی تو وہ مر گئی۔ حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر  
گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی  
تم اسے رنگتے اور بھجھکتے لوگوں نے عرض  
کیا کہ وہ تو مردار ہے فرمایا اس کا کھانا حرام  
حرام ہے۔

قوله على مولاة، اي عتيقة۔

قوله فمرَّ بها : اسے بانشاء۔ مری ہوئی بکری کے ساتھ گزرے۔

قوله هَلَّا بِهَا بِمَنْ لَمَوْلَا يَأْتُوا یعنی کیوں نہیں۔

قوله حَرَّمَ : اس کو دو طریقوں پر پڑھا گیا ہے (۱) بھجھکار و نعم الار تہنیف کے ساتھ حَرَّمَ  
(۲) بھجھکار و کراہۃ تشدید کے ساتھ حَرَّمَ۔

وَعَنْ سَوْدَةَ تَرَوُّجَ النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ  
مَا نَشَأْتُ لَنَا شَاةٌ فَذَبَحْنَا مِشْكَلًا  
ثُمَّ مَا بَرَلْنَا نَنْبِذُ فِيهِ حَتَّى  
صَامَ شُكْرًا : (رواہ البزار)

ترجمہ : روایت ہے نبیؐ صودہؓ بنی سہیلہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی بیوی سے فرماتی ہیں کہ ہماری بکری  
مر گئی ہم نے اس کا چمڑا رنگ لیا پھر ہم اس  
میں نبید بناتے رہے حتیٰ کہ وہ چرائی مشک  
بن گئی۔

قوله تَرَوُّجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : بعض روایات میں نہ وجہ تائید کے  
ساتھ ہے لیکن زیادہ نصیح بخیر التائید ہے کہانی قولہ تعالیٰ «أَسْكَنْتُكُمْ وَأَنَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ»  
قوله مِشْكَلًا : بفتح المیم صای الجلد۔ یعنی چمڑا۔ اور چمڑے کو مشک اس لیے کہتے  
ہیں کہ «بِإِثْنِهِ يَمْلِكُ مَا فِيهِ مِنَ الْمَاءِ وَغَيْرِهِ (مِرْقَات)

قَوْلُهُ تَنْبِيْذٌ - بَلْكَرَالْبَاءُ بِرَيْبِذٍ مُّشْتَقٌّ هُوَ جَوْشَرُوبٌ هُوَ نَابِءٌ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى  
 «فَاتَّبِعُوا إِلَهُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ» -

قَوْلُهُ شَكْنًا - بَفَتْحِ الشَّيْنِ وَتَشْدِيدِ النُّونِ أَيْ سَقَاءٌ خَلْقًا عَتِيقًا - يَعْنِي  
 پُرانی ملک ہو گئی - مزید تَقْنِین تَدْمُرٌ -

## الْفَصْلُ الثَّانِي - یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت لبابہ بنت  
 الحارث سے فرماتی ہیں کہ حضرت حسین بن علیؑ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں تھے کہ آپؐ  
 کے پڑے مبارک پر پشاپ کر دیا میں نے عرض  
 کیا کہ اور کپڑا پہن لیجئے، اپنا نہ بندھکے سے  
 دیکھئے کہ دھولوں - فرمایا کہ لڑکی کے پشاپ کو  
 دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پشاپ سے پانی  
 بہایا جاتا ہے۔

عَنْ لَبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ  
 قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي  
 حَجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَالَ عَلَى تَوْبِهِ  
 فَقُلْتُ أَلَيْسَ تَوْبًا وَأَعْطِنِي إِنْ أَرَاكَ  
 حَتَّى أَغْسِلَهُ قَالَ (ثُمَّ يَقْبَلُ مِنْ  
 بَوْلِ الْأُنْثَى وَيَضَعُهُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ)  
 (رواہ احمد و ابوداؤد)

## اسمائے رجال

یہ سورۃ بنت زمعہ نام المؤمنین میں شروع زمانہ میں اسلام سے آئی تھیں اور اپنے  
 بچا کے پیچھے سرکان بن عمرو کے نکاح میں تھیں جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا  
 تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حکومت ہوئی۔ یہ نکاح حضرت خدیجہؓ کی  
 وفات کے بعد اور حضرت عائشہؓ کے نکاح سے پہلے ہوا۔ انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جب بولیں ہو گئیں تو اپنے چاہاکر  
 ان کو طلاق دے دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے درخواست کی کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں۔ اور بنی سدرہؓ نے  
 اپنی باری کا دین بنی عائشہؓ کو دے دیا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو اپنے نکاح میں رکھا۔ ماہِ شوال ۵۴ھ میں مدینہ طیبہ میں  
 انتقال فرمایا۔

## حالات بنی بی سودہؓ

قوله لُبَابَةُ بَنَتِ الْحَارِثَ : آپ کی کنیت اُمّ فضل ہے قبیلہ بنی عامر سے ہیں حضرت  
ہمیرہ کی امشیرہ اور سیدنا عباسؓ کی زوجہ ہیں حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد آپ سے ہی ہے۔ بنی ہاشم خدیجہؓ  
کے بعد سب سے پہلے عورتوں میں آپ اسلام لائیں۔ عبد اللہ بن عباسؓ اور فضل ابن عباسؓ جیسے اسلام  
کے ظاہر زادوں کی ماں ہیں۔ مزید فقہی بحث سابق میں ہو چکی۔

قوله عَنْ أَبِي السَّمْعَاءِ : ابوسعی کا نام ایاد ہے۔ عند البعض کنیت ہے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وعلیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام وغارم ہیں۔

قوله قَالَ يُغَسِّلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِ بَيْتَهُ وَيُرْسِئُ مِنْ بَوْلِ الْقُلَامِ۔ یُرْسِئُ  
حضرت ابوسعی کا اپنا قول ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وہ اپنے خیال میں بنضعہ کا معنی کر رہے  
ہیں۔ سابق میں بیان کر دیا گیا ہے کہ بنضعہ کا معنی پانی بہانا ہے نہ کہ چھینٹے اراتا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے سے پلیدی  
کو روکنے کو مٹی اس کے لیے پاکی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى  
فَإِنَّ الشَّرَّابَ لَهُ ظُهُورٌ۔

(رواہ ابو داؤد)

قوله وَطِئَ۔ بگسنا لطاء بعد ہمزہ اسے مَسَحَ وَذَانِ (مرقاۃ) یعنی روندنا پاؤں کی مانند  
قوله بِنَعْلِهِ : نعل سے مراد جوتی ہے۔ حدیث پاک میں نعل رجوتی کا ذکر ہے۔ لیکن غُفَّ  
(موزے) بھی شامل ہیں کیونکہ خفین نعلین کے حکم میں ہیں۔ اسی طرح رجلین (پاؤں) بھی داخل ہیں رجلین کا  
ذکر روایت ابن مسعودؓ جو آیا ہی چاہتی ہے اس میں ہے "وَلَا تَتَوَضَّأُ مِنَ الصَّوْطِ" لیکن  
فقہاء کرامؒ نے ان تینوں کے حکم میں ہر اس چیز کو داخل کیا ہے جو صیقل یعنی صیقل شدہ ادرعات و خفاف ہو  
اور اس میں مسامات نہ ہوں جیسے مراہ (آئینہ) سیف اور ظفر وغیرہ۔

لفظ "الْأَذَى" کی تعیین میں فقہاء کرامؒ کے اقوال

يَقُولُ الْبُحَاارُ : مُتَدَنِّمٌ عِظَامٌ وَفُقَهَاءُ كَرَامٌ كَأَسْ مِنْ اخْتِلَافٍ هِيَ كَرَأَى سَ كَمَا مَرَّ

اس میں تین قول ہیں۔

**قول اول**۔ ابو ثور، اسحاق بن راہویہ، داود اعرجی، امام احمد اور امام شافعی کے قول قدیم ہیں اس مطلق نجاست مراد ہے یا بسبب ہو یا سبب۔ علامہ ابن قدامہ نے امام احمد کی اسی روایت کو ترجیح دی ہے (دکما فی المنہج)

**قول دوم**۔ دوسرا قول امام مالک کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آذی سے نشتی مستعد یعنی گھناؤنی چیز یا نجاست یا بسبب مراد ہے۔ نجاست و طہ اس میں داخل نہیں۔

**قول سوم**۔ تیسرا قول اس میں منفیسہ کا ہے کہ اس سے نجاست یا بسبب اور اسی طرح نجاست و طہ مجتہدہ یعنی دی جرم مراد ہے۔ و طہ غیر مجتہدہ اس میں داخل نہیں۔ نجاست مجتہدہ کو مرثیہ بھی کہتے ہیں یعنی جو خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے جیسے براز۔ اور غیر مرثیہ جیسے بول کہ وہ خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آتا (کما فی الشہل، قولہ، فان الشراب لہ طہو، فان الشراب والا جلاصل میں ولت ہے لمحدون جواب اذا کے لیے۔ حاصل عبارت یوں ہے۔

«اذا و طہی احد مکثر ینقلہ الاذی فلیسد لک» یا اذا من فان الشراب مطلق لک»

## جوتے کے ساتھ نجاست لگنے کا مسئلہ

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جوتے پہنے ہوئے راستہ پر چل رہا ہے اتفاق سے کسی جگہ گندگی پڑی ہوئی تھی وہ اس کے جوتوں کو لگ گئی۔ اب پھر وہ جب پاک و عافات زمین پر چلے گا تو زمین کی کٹی سے رگڑ کھانے کی وجہ سے اس کا جوتا پاک ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسئلہ اول**۔ امام محمد اور امام شافعی کے قول جدید کے مطابق کفین و خفین کی نجاست کے ازالہ کے لیے دھونا ضروری ہے۔ رنگ (رگڑنے) سے پاکی حاصل نہیں ہوگی۔

**مسئلہ ثانی**۔ ان کے پاس کوئی نقلی روایت نہیں بلکہ ایک نقلی قول ہے وہ یہ ہے کہ رگڑنے کے باوجود بھی کچھ اجزاء نجاست کا جوتے یا خف کے ساتھ باقی رہنے کا احتمال رہتا ہے جن کا ازالہ دھو

ہی سے ہو سکتا ہے اس لیے غسل ضروری ہے۔  
**مسئلہ دوم**۔ ملاحی تاریخی نے شرح الشنتہ سے نقل کیا ہے کہ اکثر اہل ظواہر اور امام اعظم  
 کے نزدیک ازالہ نجاست کے لیے زمین پر رگڑ دینا کافی ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔  
**مسئلہ اول**۔ حدیث الباب ہے ”فَأَنَّ السَّرَابَ لَنْ يَطْمُوءَ“  
**مسئلہ دوم**۔ حضرت ابو سعید کی روایت ہے جس کے آخری الفاظ ہیں ”خَانِ رَأَى  
 فِي نَعْلَيْهِ قَدْرًا أَوْ ذِي خَلِيمٍ مَسَحَهُ وَبِصَلِّ فِيهَا“ مع سے مراد دنگ (رگڑنا) ہی ہے۔  
 (الرواؤد شریف مسند ج ۱ باب الصلوة في الغسل)

## امام محمدؒ کے عقلی مسئلہ کے جوابات

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے رگڑنے کے باوجود اجزاء نجاست کے  
 باقی رہنے کا جو احتمال پیش کیا ہے یہ ایک عقلی احتمال ہے جو حدیث صحیح کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔  
 فلا إشكال عليه۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ ”فَأَنَّ السَّرَابَ لَنْ يَطْمُوءَ“ والا حکم نجاست ذی جرم وجمہ دار  
 کے لیے ہے۔ البتہ نجاست غیر ذی جرم جیسے کہ بول، خمر وغیرہ اگر جوڑے کو لگ جائے تو وہاں بدستور غسل ہوگا

ترجمہ ۱ روایت ہے حضرت اہم سلمہ سے  
 کہ ان سے کسی عورت نے کہا میرا دامن لمبا ہے  
 اور میں گندی جگہ میں چلتی ہوں۔ آپ بولیں  
 کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اُسے  
 بعد والی زمین پاک کر دے گی۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَهَا  
 امْرَأَةٌ إِنِّي أَطْبِلُ ذَيْلِي وَأَمْشِي  
 فِي الْمَكَانِ الْقَدِيرِ قَالَتْ قَالَ  
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يُطْفِئُ مَا بَعْدَكَ (رواہ مالک و احمد)

قولہ ذیل : اس سے مراد دامن ہے یعنی اوپر والا کپڑا جو عورتیں پردے کے طور پر استعمال  
 کرتی ہیں اور وہ کہتی ہیں کہ میری عادت یہ ہے کہ جب زمین گھر سے باہر نکلتی ہوں تو پیانے دامن اور کپڑے



کو دراز کر لیتی ہوں (یعنی تغلیط قدسین کے لیے)

قَوْلُهُ وَأَمْشِي فِي الْمَكَانِ الْقُدْسِيِّ - مکان المقدس سے مراد ایسے مکان پر مراد ہے جہاں نجاست یا نہیں پڑی ہو۔ مراد یہ ہے کہ جس راستہ میں چلتی ہوں اس میں گندگی بھی ہوتی ہے اب وہ کپڑا جو لٹکا ہوا ہوتا ہے نجاست سے لگتا ہے۔

يقول ابو الاسود: رجال کے لیے ازار کا اسباب ناہماکنز ہے۔

## اسباب ازار

اگر کعبین چھپے ہوئے ہوں تو نماز بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے

جیسا کہ ابو داؤد شریف ص ۱۰۱ باب الاسباب فی الصلوٰۃ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ لا یقبل صلوٰۃ رجل مسبل ازارہ الخ « بخلاف عورتوں کے کہ ان کے لیے اسباب ازار اور تشرکعبین ضروری ہے چنانچہ اسی شرعی مسئلہ کے تحت عورتوں کو منکحہ لاحق ہوئی کہ جب راستوں میں آتے جاتے وقت ازار زمین پر لگے گا تو لامحالہ وہ گرواؤد ہوگا اور اس بات کا امکان بھی ہے کہ راستوں میں نجاست ہو اور وہ گرد بھی نجاست آلود ہو۔ اسی اشکال کے پیش نظر عبدالرحمن کی اہم ولدہ نے حضرت اہم سلمہؓ سے سوال کیا اور اہم سلمہؓ نے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کر دیا۔

قَوْلُهُ قَالَتْ: قَالَتْ كَاخْمِزْنِي بِئِ اِمِّ سَلَمَةَ فِي طَرَفٍ هِيَ جِيسَاكَ اَبُو دَاوُدَ شَرِيفٌ ص ۱۰۱ باب فی الاذی یصیب الذیل « میں روایت ہے اس کے الفاظ ہیں « فَقَالَتْ اُمِّ سَلَمَةَ » سیاق روایت سے بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اہم سلمہؓ کو اس مسئلہ کا جواب پہلے سے معلوم تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ان کے علم میں تھی۔ اس لیے سائلہ کے سوال پر انہوں نے فوراً حکم بیان کر دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ہی بیان کر دی جو ان کے علم میں تھی تاکہ مسئلہ و دلیل مسئلہ دونوں ہی ساتھ ساتھ معلوم ہو جائیں (منہل)

قَوْلُهُ يُطَهَّرُ مَا يَلُوكَا « اسے بطہر الذیل المكان الطاهر الذی جاء بعد

المكان القدس »

## دامن کے ساتھ گندگی لگنے کا مسئلہ

يقول ابو الاسود: اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کپڑے کو خرنجاست لگ جائے تو دھونا ضروری ہے زمین وغیرہ پر رگڑنے سے کپڑا پاک نہیں ہوگا اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

علامہ فضل الرحمن حسین المعروف بہ علامہ تورستنیؒ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے حالانکہ حدیث ائمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کپڑے کے دامن کے چھانٹ گندگی نکل جانے کی صورت میں پاک زمین کے ساتھ دامن کے رگڑ کھانے سے ازالہ نجاست ہو جاتا ہے۔ اب حدیث اور اجماع میں تعارض پیدا ہو گیا لہذا حدیث الباب بالاتفاق محتاج جواب ہے چنانچہ ایک جوابات ملاحظہ فرمائیں :-

یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے کہ یہ عبد الرحمن بن عوفؓ کی ام ولد سے مروی ہے جو مجهول ہے۔ نیز بعض روایات میں انہیں عبد الرحمن بن عوفؓ کی ام ولد قرار دیا گیا ہے (کما فی روایت الترمذی) اور بعض میں ہود بن عبد الرحمن بن عوفؓ کی (کما فی روایت الباب)۔

عندہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت یہ جواب علیٰ اسلوب الحکیم ہے و اتعہ یہ ہے کہ مانند کو دامن کے ٹکڑ یا نجاست ہونے کا یقین نہیں تھا بلکہ اس کا خیال یہ تھا کہ گندگی کی جگہ سے گزرتے ہوئے اگر نجاست نہ لگے تب بھی دامن کی قضاء پکڑوں پر اثر انداز ہوگی اس وجہ کو در فراموشی نہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ آگے پاک زمین کی قضاء اس کی تلافی کر دے گی۔

یعقوب ابوالاعلیٰ سعاد: یہ جواب کہاں تک درست ہے کیا اس سے شرع صدر ہو سکتا ہے کیونکہ مالک نے خاص طور سے دامن کے لمبا ہونے کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے (و انی امسأ تا ایل) ذیل (اگر محض قضاء کی گندگی نہ لگے بلکہ منشاء سوال ہوتی تو اس میں دامن کی کیا خصوصیت ہے۔ یہ ہے کہ یہاں مکان قدر سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں نجاسات یا بے پڑی ہوں نہ کہ نجاسات رطوبہ اور نجاسات یا بے سے تطہیر کے لیے غس کی ضرورت

نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو نجاست یا بے کسی جگہ سے دامن پر لگ گئی تو بعد کی زمین سے غس ہو کر وہ خود اثر جائیگی اور دامن پاک ہو جائے گا۔ مگر اس جواب پر بھی ایک سوال باقی ہے جس کی مکمل تفصیل ”فضل العبود“ شرح اردو سنن ابی داؤد (ترجمہ) میں دی گئی جاسکتی ہے۔ مختصر سوال پیش خدمت ہے۔

سوال :- ایک روایت جو بنو عبد الاشملؓ کی ایک عورت سے منقول ہے :-

”قالت قلت یا رسول اللہ ان لنا طریقاً الى المسجد منتنة فکیف نفعل اذا مضربنا قال فصالت ایلس بعدھا طریقاً اطلیب منها قلت بلی فیلذہ۔ مشکوٰۃ شریف ج ۵ ص ۱۰۵ باب تطہیر النجاسات فصل ثالث

مفہوم یہ ہے کہ ایک عورت نے آپ سے سوال کیا کہ ہمارا راستہ بد بودار اور نجس ہے۔ جب بارش ہو جائے تو ہم کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کیا اس کے بعد پاک جگہ بھی آتی ہے اس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا: ”هَلْ يَنْظُرُونَ؟“ یعنی اگر پہلے نجس ہو گیا تو پاک جگہ پر گرنے سے کچڑا پاک ہو جائے گا۔ اب روایت مذکور سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال نجاست مرطوبہ کے بارے میں ہے تو اس سے نجاست یا بار مراد لینا صحیح نہیں۔

یہ ہے کہ حدیث کی مراد یہ نہیں کہ کچھ بار طوبت سے کچڑے ٹکڑے ہوتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب بارش ہو جاتی تھی اور بوجہ بارش کے پانی کے راستوں کے اطراف کی نجاست وسط راہ میں بہہ آتی تھی اور بعد میں جب بارشیں تھم جاتی اور راستے خشک ہو جاتے تو ہم مسجدوں کو جاتے۔ اور عام طور پر تباہی یوں ہے کہ جب مرطوب نجاست پڑی ہو چاہے وہ بڑا ہی اور بلیغ کیوں نہ ہو گزرنے والے پہلے کپڑوں کو سمیٹ کر چلتے ہیں۔

### جواب اول

عسکندر خطابیؒ معالم السنن ص ۲۲۱ ج ۱ میں اس روایت کو ضعیف اور معطل قرار دیتے ہیں کہ اس کی سند میں امرأة حسن بستی عبد الاشعل جو کہ مجہول ہے۔ ثانیاً یہی روایت مکمل طور پر ابو داؤد شریف ص ۱۱۱ باب الاذی یصیب الذیل میں ہے اس کی سند میں موسیٰ بن عبد اللہ بن یزید ہے جو کہ ضعیف ہے۔ تو اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے روایت بھی ضعیف ہوگی۔ فلا اشکال علیہ!

ترجمہ: روایت ہے حضرت مقدم ابن معدیکرب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی کھال پہننے اور اس پر سوار ہونے سے منع فرمایا۔

وَعَنِ الْمَقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبٍ  
قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَنْ نُبَيْسِ جُلُودِ السَّبَاعِ وَ  
وَالزُّكُوبِ عَلَيْهَا (رواه ابو داؤد والنسائی)

قولہ نُبَيْسِ جُلُودِ السَّبَاعِ۔ سَبَاع سے مراد درندے ہیں مثلاً شیر اور جیتا وغیرہ۔ اور نُبَيْس سے مراد یہ ہے کہ ان کی کھال وغیرہ کا لباس بنا کر پہنا جائے۔  
قولہ وَالزُّكُوبِ: زکوبت کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک صورت یہ ہے کہ درندوں کی کھال کو

بچھا کر اس پر بیٹھا جائے۔ جیسا کہ اٹھلی روایت میں ترمذی شریف کے حوالہ سے ہے۔ "اِنَّ نَفْسًا تَرَفُّنَ"  
(۲) گھوڑے کی زمین پر ڈالی کر زمیں پر سوار ہونا۔ لیکن یہ دونوں صورتیں جنود سباع کی دباغت سے  
پہلے ہوتی یہ بھی تحریمی ہے۔ اگر دباغت کے بعد ہوتو بھی تتریبی ہے۔  
سوال۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع فرمایا ہے؟  
جواب۔ یہ ہے کہ ان کے استعمال سے اس بے منع فرمایا کہ یہ مستکبر لوگوں اور خالص دنیا داروں  
کی عادت ہے اور ایسے لوگوں سے مشابہت کرنا منع ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابی الملح ابن  
اسامہ سے وہ اپنے والد سے وہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم  
سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں  
کی کھالوں سے منع فرمایا۔

وَعَنْ أَبِي الْمَلِيحِ بْنِ أَسَامَةَ  
عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ جُلُودِ السَّبَاعِ  
(رواہ احمد و ابوداؤد)

قولہ ابی الملح : بفتح المیم و کسر اللام آپ کا نام عامر بن اسامہ ابن عمیر ہے ،  
حزلی میں جنیل الشان تاہی ہیں آپ کے والد حضرت اسامہ صحابی رسول ہیں ۔  
قولہ جلود السباع : اسے عن الا تنفعا بها من اللبس والتركوب ونحوهما۔  
مزید تحقیق قیصر سابقہ وانفا۔

قولہ و عن ابی الملح ابن اسامہ کہہ : ثمن جلود السباع۔ مشکوٰۃ شریف کے اصل نسخہ  
میں لفظ "وا" کے بعد جگہ خالی تھی۔ عبارت مذکورہ بعد میں بڑھائی گئی ہے۔ اور حضرت ابوالکلیج کے ہاں  
میں منقول ہے کہ وہ درندوں کی کھالوں کی قیمت کو بھی مکرر دیکھتے تھے۔

حضرت ابوالکلیج اور بعض حضرات کے نزدیک جلود سباع کی بیع و شراء مطلقاً ناجائز  
ہے۔ مگر عند الاحناف میں کی روایت قنادی قاضی خاں میں بھی ہے کہ ثمن جلود سباع  
و بیع شراء کلمہ جائز ہیں اور حدیث باب اس صورت پر محمول ہے کہ "اذا لم تکن من بوحہ او  
فایده" چنانچہ علامہ ابن حجر جلود سباع کی بیع شراء کے جواز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔  
" قال ابن حجر من ذهبنا صحتہ بیعہا بعد الذبح وان کان علیہا شعر

ترجمہ: اور روایت ہے عبداللہ بن عکیم سے  
فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کا خط آیا کہ تم نہ مردار کی کھال سے نفع  
اٹھاؤ نہ پیٹھ سے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ  
قَالَ إِنَّا كُنَّا كِتَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنَّ لَا تَنْتَفِعُوا مِنَ الْمَيْتَةِ  
بِأَهَابٍ وَلَا عَصَبٍ (رداء الزمذی)

قوله وَلَا عَصَبٍ - بعض حضرات نے لیکون القناد پڑھا ہے لیکن لغتین ہے یعنی عین اور  
صاد دونوں پر فتح ہے ساکن نہیں بلکہ متحرک ہیں۔ حدیث پاک کے درجے ہیں اور  
اول: اہاب لکتاب (چرٹے) کے متعلق ہے جس کی بحث مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۹ فصل اول  
روایت ابن عباس واقعہ نبی میمونہ سے ہو چکی ہے۔  
دوم: عَصَب کے متعلق ہے یعنی پٹھوں کا کیا حکم ہے؟ اس کی بحث آیا ہی چاہتی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ  
أَنْ يُسْتَمْتَعَ بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ  
إِذَا دُبِغَتْ (رواه مالك)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ  
سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی  
کھالوں سے نفی حاصل کرنے کا حکم دیا جب  
رنگی جائیں۔

قَوْلُهُ أَنْ يُسْتَمْتَعَ - علی بناء المفعول (مرقاۃ) اصل عبارت تھی "اے ہاں یستمع  
الذاس" اس سے پہلے اسی باب کی حدیث علی کی تشریح میں تفصیلاً آچکا ہے کہ دباغت کے بعد  
مردار کے چمڑے سے نازکہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

وَعَنْ مَيْمُونَةَ قَالَتْ مَرَّ  
عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
رَجُلَانِ مِنْ قُرَيْشٍ يَجْرُونَ شَاةَ لَهَوٍ  
مِثْلَ الْجَمَارِ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ  
أَخَذْتُمَا هَا بَهَا قَاتُلَا الْهَاسِيَةَ  
مَيْتَةً فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَاءُ  
وَالْعُرْطُ (رواه احمد والبوداد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت ميمونہؓ سے  
فرماتی ہیں کہ قریش کے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
پر گزر رہے جو اپنی مری بکری کو گدھا کی طرح کھینچ  
رہے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ تم نے اس کی کھال لے لی ہو تو وہ بولے کہ یہ تو  
مردار ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ اسے پانی اور بھول کے پٹے پاک کر دیتے ہیں۔

قَوْلُهُ مِثْلَ الْجَمَارِ : جمار کے ساتھ تشبیہ اس وجہ سے ہے کہ جب یہ ضد کرتا ہے  
تو کانوں سے پکڑ کر کھینچتے ہیں یا دم سے بھی پکڑ کر کھینچتے ہیں یا مردار ہو کر مرنے لگا ہے تو اس کا وجود سوچ جانتا ہے  
تو تب بھی کھینچتے ہیں۔

قَوْلُهُ لَوْ أَخَذْتُمَا : علامہ فضل اللہ بن حسین المعروف علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ لَوْ  
اس مقام پر لَئِيتَ کے معنی میں ہے اے للتعنی یعنی لیتکم اخذتہم (مرقاۃ) لیکن علامہ مظہر

فرماتے ہیں کہ لو کا جواب محذون ہے "ای لواحذ تموه فمد بفتحموه لکان حسناً (مرقاۃ)  
 قَوْلُهُ إِنَّهَا مَيْسَةٌ"۔ یَقُولُ ابْنُ الْأَسْعَدِ ان کا یہ خیال تھا کہ قرآن پاک کا فرمان در  
 حُزْمَتٍ عَلَیْکُمُ الْمَيْسَةُ مراد ار کی ہر چیز کو شامل ہے کہ نہ تو اس کا کھانا جائز ہے نہ اس کی  
 کسی چیز کا استعمال کسی طرح حلال ہے۔ اس خیال پر وہ اسے پھینکنے کے لیے جارہے تھے۔ معلوم ہوا کہ حدیث  
 پاک کے بغیر قرآن مقدس کی بجز ناممکن ہے۔

قَوْلُهُ الْقَعْرُطُ۔ قرط کہتے ہیں کیسر کے پتوں کو جسے بول کا درخت بھی کہتے ہیں۔ خیال ہے  
 کہ کھال کی پانی کے لیے دھونا فرض نہیں۔ لہذا یہاں پانی سے مراد کچی دباغت ہے یعنی دھو کر سکھا لینا اور  
 بول کے پتے اندھ چال سے مراد کچی دباغت ہے۔

دباغت دینے کے کئی طریقے ہیں لیکن کیسر کے پتوں اور پانی سے دباغت کے بعد  
 چمڑا خوب اچھی طرح پاک ہو جاتا ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص ان  
 دو چیزوں کا ذکر فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ چمڑے کی دباغت و طہارت ان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ دوسرے  
 طریقوں مثلاً دھوپ وغیرہ سے دباغت و طہارت ہو جاتی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت سلمان بن عقیق  
 سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے جنگ تبوک میں ایک کے گھر تشریف لے گئے  
 وہاں مشک لٹکی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے پانی مانگا وہ بولے یا رسول اللہ یہ مردار  
 کی کھال ہے فرمایا اس کا رنگ لیسناسی کی  
 پاکی ہے۔

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمَحْبَبِ  
 قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ جَاءَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ عَلَى  
 أَهْلِ بَيْتٍ فَأَذَا قُرْبَةً مَعْلُوقَةً  
 فَسَأَلَ الْمَاءَ فَقَالَ لَهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 إِنَّهَا مَيْسَةٌ فَقَالَ دَبَّاهُهَا  
 صَلَوَاتُهَا رِغَاءُ أَحْمَدَ الْبُزْجَانِ

قَوْلُهُ الْمَحْبَبِ : بضم الميم وفتح الحاء وكسر الباء المشددة لیکن  
 اصحاب الحدیث ب کا فتح پڑھتے ہیں وہ اصحاب الحدیث یفتحونہا (مرقات) علامہ دہلوی  
 ب کا فتح کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ وغالب برزبان متمدنین فتح باست "لا شقة القمات"

آپ صحابی رسول ہیں شام کے رہنے والے ہیں آپ سے خواجہ حسن بھری وغیرہ نے روایات لی ہیں۔  
 قَوْلُهُ تَسْبُوكٌ : تہوک مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ غزوہ تہوک سفر  
 میں ہوا۔ یہ حضور پر نورؐ کا آخری باقاعدہ غزوہ ہے۔

قَوْلُهُ مَيْسَكَةٌ : اصل عبارت ہے "لے جلد مَيْسَكَةٌ دِج" ان لوگوں نے اپنے خیال  
 میں اس مشک کو ناپاک خیال کیا ہوا تھا اور اس کا پانی پیتے نہ تھے بلکہ دیگر کار استعمال می کر دند۔ چنانچہ  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خیال کی تردید فرمادی کہ دباغت کے بعد یہ پاک ہو چکی ہے۔ لہذا اس  
 میں جو پانی دہر دیگر مشروبات ہوں گے وہ پاک ہیں۔ مزید تحقیق قَدْرُ الثَّقَا۔ یہ جمہور احناف کی دلیل ہے کہ چڑا  
 دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے، بنی عبدالاشہل  
 کی ایک بی بی صاحبہ سے فرمائی ہیں کہ میں نے  
 عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا مسجد کا راستہ  
 غلبہ ہے جب بارش ہو تو ہم کیا کریں۔ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کے بعد اس  
 سے اچھا راستہ نہیں ہے میں بولی ہاں ہے فرمایا  
 وہ اس کے بدلہ میں ہے۔

عَنْ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ  
 الْأَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
 إِنَّ لَنَا طَرِيقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتَنَةً  
 فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا مُطَرْنَا قَالَ فَقَالَتْ  
 أَلَيْسَ بَعْدَ هَا طَرِيقٌ أَطْيَبُ مِنْهَا  
 قُلْتُ بَلَى قَالَ فَهَذَا هِ بِهَذَا هِ۔

روزاوا ابو داؤد

قَوْلُهُ مُنْتَنَةً : یہ سنن سے ماخوذ ہے بمعنی بدبو دار چیز جیسا کہ سیر بضاہ کی روایت میں ہے  
 "وہی سیر بطرح فیہا الحیض ولحم الکلاب والسنن از ابو داؤد شریف)  
 لیکن مقام ہذا پر مُنْتَنَةً سے مراد ذات نجاست ہے "اسے فیہا اثر النجاسات"  
 قَوْلُهُ إِذَا مُطَرْنَا : بھول کی بنا ہے "ای اذا جاءنا المطر مرینا علی ثلاث  
 النجاسات" یعنی مشک زمانہ میں تو وہاں گزرتا بھی آسان ہے اور اس کی گندگی جو توں کو لگتی بھی نہیں مگر



زمانہ بارش میں گندگیاں جوتوں کو لگ جاتی ہیں اس صورت میں جو غسل پاک ہوں گے یا پاک!

قَوْلُهُ فَيُطْفِئُ بِطَلْحٍ - پہلے ضمیر فَيُطْفِئُ سے مراد نجاست آور دھوئے۔ دوسرے ضمیر بِطَلْحٍ سے مراد پاک زمین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب نجاست آور چیز پاک زمین کو لگے گی تو پاک ہو جائے گی۔

يَقُولُ ابُو الْأَسْعَدِ: اس روایت کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ص ۵۲۰ باب تطهير النجاسات فصل ثانی روایت فی اثم سلفہ میں ہو چکی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ امرأۃ بنی عبدالمطلب کی روایت میں مُنْتَنَہ سے کون سی نجاست مراد ہے فلا فائدتہ فی الإعادة۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور ننگے پاؤں چلنے سے وضو نہ کرتے تھے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ الْمَوْطِئِ (رواه الترمذی)

قَوْلُهُ وَلَا نَتَوَضَّأُ - اے لا نفسل (رجلنا و یرقاۃ)

قَوْلُهُ مِنَ الْمَوْطِئِ: بفتح الميم - مصدر یعنی ہے بسنی پاؤں مال کر دینا یعنی پاؤں سے

روند نام یقول ابوالاسعد: اس حدیث پاک کے دو مطلب ہیں:

اول: یہ کہ پاؤں ہی نہ دھوئے تھے کیونکہ اس میں نجاست نہ لگی ہوتی تھی۔ صرت ننگے پاؤں چلنا اور اس میں گرد و غبار لگ جانا اُسے غسل نہیں کر دینا۔

دوم: دوسرے یہ کہ اگر پاؤں غسل بھی ہو جاتے تو صرت پاؤں دھو لیتے تھے وضو نہ کرتے تھے کیونکہ وضو حدیث سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی عضو میں ظاہری گندگی لگ جانے سے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتنے مسجدیں آتے جاتے تھے لیکن صحابہ اس

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ الْكَلَابُ تُصْبِلُ وَتُذْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلِّمْ فَلَمْ يَكُونُوا يَرْتَوْنَ شَيْئًا  
مِنْ ذَلِكَ (رواؤ البخاری)

قولہ کانت الکلاب تقبل وتذبر۔ ای من الاقبال (آنا) والادبار (جانا)  
اس حدیث میں اسلام کے ابتدائی حالات کا ذکر ہے جب مسجد نبوی میں نہ روزانہ تھانہ کوئی اور آٹ  
اور پھر شریف کے احترام کے لیے اسے سخت احکام تھے پھر بعد میں مسجد کے دروازے بھی لگائے گئے جانور  
تو کیا وہاں نا کچھ بچوں کا لانا جن پر بڑے بہن کر آنا حتیٰ کہ جس کے بدن سے بو آتی ہو یا جس نے کچا پیاز اور  
لہسن کھایا ہو یا منہ میں بدبو ہو ان کا داخلہ نہ کیا منع کر دیا جیسا کہ باب المساجد میں احادیث آئیں گی۔  
قولہ یترشون۔ ای یفسلون، لیکن "ترش" مقام ہذا پر معنی صبت ہے "لے  
لا یصبتون الماء علی تلك المواضع لاجل اقبالها وادبارها" (مروقات)

حدیث مذکور کی مکمل بحث مشکوٰۃ شریف ج ۵۲ باب تطہیر النجاسات فصل اول حدیث  
ابن ہریرہ میں تفصیلاً ہو چکی ہے اور یہ حدیث اخاف کی تائید ہے کہ زمین کی  
پاکی کئی طریقوں سے ہوتی ہے صرف غسل سے نہیں کیونکہ کتوں کا اقبال (آنا) اور ادبار (جانا) ہو رہا ہے  
مگر آپ ریش و غسل نہیں کہتے۔ لامحالہ کوئی اور طریقہ اختیار فرماتے ہوں گے جیسا کہ اخاف حضرات  
کہتے ہیں۔

سوال روایت مذکور اخاف حضرات کا مسئلہ نہیں بن سکتی کیونکہ صرف (قبال (آنا) اور  
ادبار (جانا) سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ پشاب بھی کرتے تھے تو جب کتوں کا پشاب کرنا روایت  
مذکور سے ثابت بھی نہیں ہو سکتا کیسے فرماتے؟

بقول ابوالاسحاق جواہری۔ عرض ہے کہ یہی روایت ابن عمرؓ مفقلاً ابوداؤد شریف  
میں مذکور ہے اس میں مزاحمت متنبوں کے الفاظ ہیں مکمل روایت ملاحظہ فرمادیں۔  
"قال ابن عمر کنت ابيت في المسجد في عهد رسول الله  
صلى الله عليه وسلم وكنت فتى شاباً عنياً وكان الكلاب تبول  
وتقبل وتذبر في المسجد فلم يكونوا يرتشون شيئاً من  
ذلك" (ابوداؤد شریف ص ۱۱۰ باب طهرون الارض كتاب الطهارة)

وَعَنِ الْكِرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ  
بِمَنْ بَوَّلَ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَفِي رِوَايَةٍ  
جَابِرٌ مَا أَكَلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ  
بِمَنْ بَوَّلَهُ (رواه احمد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت براہ سے  
فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ اس پیشاب میں کچھ حرج نہیں جس کا گوشت کھایا  
جائے اور جابرؓ کی روایت میں ہے کہ جبر کا گوشت  
کھایا جائے اس کے پیشاب سے کوئی حرج نہیں۔

بقول ابوالاسعاد : غیر ماکول اللحم جانور اور مٹی آدم کا پیشاب بالاتفاق نجس ہے اختلاف  
ماکول اللحم کے پیشاب کے سلسلہ میں ہے لہذا اس حدیث پاک کے تحت دو مسئلے بیان ہوں گے :  
(۱) ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب ظاہر ہے یا نجس ؟ (۲) تداوی بالحرم جائز ہے یا نہیں ؟ خاتمہ  
واقداً یا آیتھا الثانی۔

## المسئلة الأولى — ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کا حکم

فیض الباری ص ۲۲۵ ج ۱، معارف السنن ص ۲۲۲ ج ۱، امانی الاحبار ص ۱۹ ج ۲ میں ماکول اللحم جانوروں  
کے پیشاب کے بارے میں دو مذہب نقل کیے گئے ہیں :  
مذہب اول : امام محمدؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ  
عامر شعمیؒ، قتادہؒ، زہریؒ وغیرہ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

## بول ما یؤکل لحمہ کی طہارت پر دلائل —

دلیل اول : تاکنین طہارت کی دلیل اول حضرت براہؓ اور حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایات  
سے ہے جن میں بول ما یؤکل لحمہ کے متعلق ”لَا بَأْسَ بِمَنْ بَوَّلَهُ“ فرمایا گیا ہے۔  
دلیل دوم : مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۰ باب ما یوجب الوضوء، فصل اول میں روایت  
حضرت ابوہریرہؓ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باغسے میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

” قَالَ أَصْلَى فِي مَرَابِضِ الْعَنْسَمِ قَالَ نَعَمْ “۔ بارے میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ان جانوروں کا پیشاب پاک ہے کیونکہ جانور اپنے بارے میں پیشاب کر کے کوئی جگہ پیشاب سے خالی نہیں رکھتے۔

**دلیل سوم**۔ قائلین لمہارت حدیث عربین سے بھی استدلال کرتے ہیں حدیث پاک مع ترجمہ ملاحظہ فرمادیں، ابو داؤد شریف کی روایت بایں الفاظ ہے۔

” عَنْ النَّبِيِّ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ قَوْمًا مِنْ عَمَلٍ أَوْ قَالٍ مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَرَوْا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِقْلَاحٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَأَنْطَلَقُوا فَلَمَّا صَحَّوْا قَتَلُوا رَاعِيَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَأْذَنُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَبَرَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَثَارِهِمْ فَمَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ حَتَّى جِئْتُ بِهِمْ فَأَمَرَهُمْ فَقَطَعْتُ فَقَطَعْتُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَكَمَرَا عَيْنَهُمْ وَأَنُقُوا فِي الْحِجْرِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ “۔ الغز۔ ابو داؤد شریف ص ۲۵۲، کتاب الحمور باب الحارثية، مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۸ کتاب القصاص باب قتل اهل الردة و السعاة بالفساد فصل اول

قبیلہ عربینہ کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار کیا، مدینہ منورہ کی آب و

### خُلَاصَةُ الْحَدِيثِ

ہوا ان کو موافق نہ آئی بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ باہر چلے جاؤ صدقہ کے اونٹوں کے البان و ابلال پیو۔ انہوں نے پیا تو نعمت ہو گئی، صدقہ کے اونٹوں کے پیر واپس کو بڑی طرح قتل کیا اور صدقہ کے اونٹ سے گرفتار ہو گئے ان کو کپڑا گیا ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیری گئیں اور قتل کیا گیا۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو اونٹوں کے ابلال پہننے کا حکم دینا اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔

مذہب دوم۔ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ، ابو ثورؒ، اور ابن حزمؒ ظاہری وغیرہ کے نزدیک ماکول النعم جانوروں کا پیشاب بھی غیر ماکول النعم کے پیشاب کی طرح نجس ہے۔ یعنی ان بزرگوں کے نزدیک پیشاب مطلقاً ناپاک ہے خواہ وہ ماکول النعم جانوروں کا ہو یا غیر ماکول النعم جانوروں کا ہو۔

## امام صاحب ومن وافقه کے دلائل

دلیل اول۔ قرآن مقدس کی آیت مبارک ہے۔

”وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَنَعِبَةً لَّا تَسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن مَّاءٍ بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ لِّبَاسًا خَالِصًا سَائِغًا يُّلَٰغِي سَائِغًا رَبِّهِ“ (سورۃ النحل پلا)

اس آیت مبارکہ میں رب زد الجلال نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا ہے کہ دورہ جو نہایت طیب اور پاکیزہ مشروب ہے اور طبائع کے لیے مرغوب ہے وہ خون اور گوبر وغیرہ گندہ گویں اور نجاستوں کے درمیان سے نکلتا ہوا آتا ہے۔ منشاء یہ ہے کہ مختلف قسم کی نجاستوں سے جو کراتنے کے باوجود کس قدر طیب اور پاکیزہ ہوتا ہے تو چونکہ دورہ کا گزیر صرف گوبر اور خون ہی کے محل سے نہیں ہوتا بلکہ پیشاب بھی وہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح فرث اور دم نجس ہیں اسی طرح بول بھی نجس ہے۔ (التعلیق الضیح ص ۲۲۳)

دلیل دوم۔ الدارقطنیؒ ص ۱۱۱ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: «استنزلوا من البول فان عامۃ عن اب القبر منه» «عافوا من حصر» فتح الباری ص ۲۳۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت جمیع ابوال کو شامل ہے اور اس میں لفظ بول مطلق ہے خواہ ماکول النعم کا ہو یا غیر ماکول النعم کا ہو۔

دلیل سوم۔ حنفیہ کی تیسری دلیل مسند امام احمدؒ، مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۱، باب اثبات عذاب القبر الفصل الثالث میں حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کے واقعہ سے ہے جس میں آتا ہے کہ دفن کے بعد ان کو قبر سے زور سے بھینچا اور دبایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دینے کے بعد فرمایا کہ یہ ان کے عدم تحرر من البول کی وجہ سے تھا۔ حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب النذری میں اس مقام پر فرمایا کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ موسیٰ چرایا کرتے تھے اور ان کے ابوال سے خاطر خواہ تحرر نہیں کرتے تھے۔

**دلیل چہارم۔** الترغیب والترہیب المنذریؒ ص ۸۵ ج ۱ میں حضرت ابو امامہ الباہلیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

” اتقوا البول فان عامة عذاب القبر منه رداء العطران فی الکبر۔  
با سناد لا بأس بہ“

**دلیل پنجم۔** ” وفی مسند البزار عن عبادۃ بن الصّامست  
سألنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البول وقمان اذا  
مکتم شیئاً فاغسلوه فاقی اظن ان منه عذاب القبر۔  
رنیل الاوطار ص ۱۱۱ ج ۱

## امام مالکؒ ” وَمَنْ وَاَفَقَهُ “ کے دلائل کے جوابات

یقول ابوالوا سعاد : مذہب اول والوں میں امام مالکؒ بھی ہیں جنہوں نے بول مایوکل کو  
کٹا ہر قرار دیا ہے۔ سابق میں ان کے تین دلائل بیان ہو چکے ہیں۔ فرداً فرداً ہر ایک دلیل کا جواب  
پیش خدمت ہے۔

**مذہب اول کی دلیل اول کا جواب اول**  
تاکلیف طہارت کی دلیل اول حضرت  
برائہؓ و حضرت جابرؓ کی روایت ہے  
جس کا جواب اول یہ ہے کہ حضرت جابرؓ و حضرت برائہؓ بن عازبؓ دلی روایات منسوخ ہیں جس کی  
تشریح روایت غرثین کے جواب میں آ رہی ہے اور حضرات حنفیہؒ اور شوافعؒ کی پیش کردہ روایات  
ناسخ ہیں رنیل الاوطار ص ۱۱۱ ج ۱

**جواب دوم۔** یہ ہے کہ حضرت جابرؓ اور حضرت برائہؓ بن عازبؓ کی روایات منسوخ ہیں اور  
حنفیہؒ و شافعیہؒ کے دلائل محرم ہیں لہذا انہی کو ترجیح ہوگی۔

**جواب سوم۔** یہ ہے کہ روایت جابرؓ اور روایت برائہؓ بن عازبؓ دونوں ضعیف ہیں  
حضرت جابرؓ کی روایت کی سند میں عمر بن الحصین اور یحییٰ بن العلاء و راوی ہیں جن پر محدثین عظامؒ  
نے شدید جرح کی ہے۔ عمر بن الحصین کو ابو حاتم نے ” ذاہب الحدیث “ لیس بشیئ ” کہہ ہے

ابوزرعمہؓ نے "واھی الحدیث" کہا ہے۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں: "وہو مظلوم الحدیث" علامہ ازہدیؒ نے "ضعیف جداً" کہا ہے اور دارقطنیؒ نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔

رحمہیب التہذیب (جلد ۸)۔ دوسرے راوی بھی بنی النعلان ابو عمر البعلی الرازیؒ ہے۔ اس کے متعلق انہم احمدؒ فرماتے ہیں "کذا یضع الحدیث" بھی بنی معینؒ نے "لیس بشیئہ الیس بشیئہ" کہا ہے۔ علامہ ابن عدیؒ فرماتے ہیں "احادیثہ موقوفات" امام نسائیؒ اور دارقطنیؒ نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے رحمہیب التہذیب (جلد ۸)۔

لہذا یہ روایت ناقابل استدلال ہے اور اسی طرح روایت براہ بن عازبؒ بھی قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کی سند میں سوار بن مصعبؒ راوی ہے علامہ زہبیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: "وقال احمد والنسائی وابن معین مستروک الحدیث (لسان المیزان ج ۲) علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں:

"هذا الخبر باطل موضوع لان في سنده سوار بن مصعب و

هو متروک عند جميع اهل الثقل رعاشیہ آثار السنن ج ۲، نیل الاوطار

جلد ۱۲)۔ صاحب آثار السنن نے آثار السنن کے حاشیہ پر تفصیل سے اس حدیث پر کلام کی ہے۔

یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے باڑے میں نماز

پڑھنے کی جو اجازت دی ہے وہ پیشاب کے پاک ہونے کے

**دلیل دوم کا جواب**

اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ بکری بہت فرمانبردار اور مسکین جانور ہے اس سے نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا لہذا بے خطر ہو کر بکریوں کے باڑے میں کھڑا بچھا کر آدمی نماز پڑھ سکتا ہے بخلاف اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اونٹ کینہ پرور اور طاقتور جانور ہے ان جانوروں کے باڑے میں نماز پڑھتے وقت نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریوں کے باڑے میں نماز کی اجازت دینا نقصان کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمانا نقصان پہنچنے کے خطرہ کی وجہ سے ہے نہ کہ پیشاب کے حکم کو مد نظر رکھتے ہوئے چنانچہ ایک مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک موجود ہے جو مکمل طور پر اس جواب کی تائید کرتا ہے:

رو وسئل عن الصلوة في مبارك الاول فقال لا تصلوا في مبارك الاول

فَاتَّهَا مِنَ الشَّيَاطِينِ وَسُئِلَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْفَنَنِ فَقَالَ  
صَلُوا فِيهَا فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ رَابِعًا شَرِيفٌ مَشْجُوحٌ كِتَابُ الطَّهَارَاتِ  
بِالْوَضْعِ مِنَ لَحْوِ الْأَدَبِ

## حدیث غریبہ کے جوابات

محذوین حضرات نے اپنے اپنے ذوق و تحقیق کے مطابق جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ بسندہ  
حسب توفیق ریزی طوالت سے احتراز کرتے ہوئے چند ایک پر اکتفا کر رہا ہے۔

عَلَمٌ عَلَنِيَّ عَمْدَةُ الْقَارِيَّةِ ۱۷۹۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ اس مقام پر شربِ بول  
کا حکم ضرورتِ تداوی کی بناء پر تھا جیسا کہ حنفیہ حضرات سے بھی دروایات  
منقول ہیں جس کی بحث تداوی بالحرثات میں آیا ہی چاہتی ہے اور وحی کے ذریعہ اس کے ساتھ شفاء ہونے  
کا علم آپ کو ہو گیا تھا۔ ضرورت اور غیر ضرورت کی حالت جدا ہوتی ہے جیسے اکل میتہ وغیرہ بحالتِ انصرار  
درست ہے دیئے نہیں۔

يَقُولُ الْبَوَاكِي : عَلَمٌ ابْنُ نَجْمٍ مِصْرِيَّ حَفِيفٌ ۱۷۹۱ ج ۱ «الاشْتِبَاهُ وَالنَّظَائِرُ مِنْهَا»  
میں ایک ضابطہ لکھا ہے «الضدورات تبیح المحظورات» کہ بوقتِ ضرورت مسموع اور حرام  
چیز بھی حلال ہو جاتی ہے اس پر چند نظائر ملاحظہ فرمادیں :-

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو سفر میں  
جون وغیرہ کی وجہ سے کھجلی (خارش) پیدا ہو گئی تھی تو حضورؐ نے ان دونوں حضرات  
کو برائے علاج سفر میں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دی تھی اور یہ اجازت برائے اباحت نہیں تھی یعنی  
ریشمی کپڑا مرد کے لیے استعمال کرنا مباح ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ جوں اور کھجلی سے بچنے کی ضرورت  
کے لیے تھا نہ ریشمی کپڑا مرد کے لیے پہننا حرام ہے اور بوقتِ ضرورت اجازت کی وجہ سے حلال ہونا  
ثابت نہیں ہو سکتا۔ (معاوی شریف مش ۱۷۹۱ ج ۱ باب حَلَكَةُ بُولٍ مَا يُؤْكَلُ لِحَمَلَةٍ)

حدیثِ پاک میں حضرت عرقیہؓ کا واقعہ موجود ہے کہ ایک لڑائی میں ان کی ناک  
کٹ گئی اور انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن چند یوم بعد اس میں بدبو

نظیر دوم



اور تعلق پیدا ہو جانے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دے دی حالانکہ مردوں کے لیے شرعاً سونے کا استعمال حرام ہے۔

در عن عبد الرحمن بن طرفة ان جدّه عرفجتہ ابن سعد قطع اقلہ يوم الکلاب فاتخذ انفاً من ورق فاستن عليه فاصره النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاتخذ انفاً من ذهب (ابوداؤد شریف ص ۶۳) کتاب الخاتم، باب ما جاء فی مبط الاَسنان

یہ ہے کہ حدیث عمر بنین منسوخ ہے اور دلیل نسخ یہ ہے کہ اس میں مُشَدِّک ذکر ہے اور بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُشَدِّسے منع فرمایا تھا چنانچہ

**جواب دوم**

ابوداؤد شریف ص ۱۲، کتاب الجہاد باب فی النهی عن المُشَلَّة، مشکوٰۃ شریف ص ۲۵۲، باب قتل اهل الردّة فصل ثانی، میں روایت ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبد بن الحصین فرماتے ہیں۔

«کان صلی اللہ علیہ وسلم یجتنا برائینہ کرتے تھے، علی الصدقۃ وینہانا عن المُشَلَّة»

عند البعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یا بوجہ بصیرت قلبی سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ باطنی طور پر مومن نہیں ہیں اور ان کا باطن منافقت اور کفر کی بنیاد پر ہے اس لیے اگر یہ لوگ ابوال پیٹے رہیں تو یہ گویا ایک بخش شعی کا بخش ظرف میں واقع ہونا ہے جس سے کوئی تباحث لازم نہیں آتی۔ «الخنزیر لہم کالخنزیر والخنزیر لہم کالإنسان»

یہ ہے کہ حدیث عربینہ میں صنعت تضمین کا معاملہ کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ امام ابن ہشامؒ نے معنی التبیان ص ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ دو جملوں کا آپس میں فی الجملہ کچھ نہ کچھ تعلق ہو، ایک کا عامل ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کا چھوڑ دیا جائے اس لیے کہ سامعین خود بخود سمجھ لیں گے جیسے «سقیتمہا تبنًا وماءً بارداً» میں «سقیتمہا تبنًا» سے متعلق ہے اور تبنًا کا عامل علف ہے «لے علفہا تبنًا» دوسری مثال انہوں نے یہ پیش فرمائی ہے کہ

**جواب چہارم**

مطلب جیسا کہ امام ابن ہشامؒ نے معنی التبیان ص ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ دو جملوں کا آپس میں فی الجملہ کچھ نہ کچھ تعلق ہو، ایک کا عامل ذکر کر دیا جائے اور دوسرے کا چھوڑ دیا جائے اس لیے کہ سامعین خود بخود سمجھ لیں گے جیسے «سقیتمہا تبنًا وماءً بارداً» میں «سقیتمہا تبنًا» سے متعلق ہے اور تبنًا کا عامل علف ہے «لے علفہا تبنًا» دوسری مثال انہوں نے یہ پیش فرمائی ہے کہ

قالوا اقترح شيئاً نجد لك طبخة قلت اطبخوا لي جبنة وقميصاً

مطلب یہ ہے کہ در اطبخوا لی طعاماً وخبطوا لی جبنة وقميصاً، ایک کاموں اور دوسرے کا عامل چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے حدیث پاک کا مطلب یہ ہو گا کہ (اشریوا من البانها واطلوا من ابوالہما) دودھ کو پیو اور پشاب کو پیٹ کر پیٹ کر رو۔ یا جیسے ”اکلت اللحم واللبن“ میں ہے اس کے اندر لحم کا عامل املت ہے اور لبن کا عامل شرب ہے۔ اچھے ہی حدیث عربیہ کے اندر بھی مانا جائے گا کہ البان کا عامل شرب ہے اور ابوال کا عامل واضمد و امقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی ”اشریوا من البانها واضمدوا من ابوالہما“ (رہد یۃ المجتہدین ص ۱۴۸)

## المسئلة الثانية — تداوی بالحرام

دوسرا مسئلہ تداوی بالحرم کا ہے یعنی کسی حرام چیز کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں تو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں **صورت اول** : یہ ہے کہ اگر حالت اضطراری ہو یعنی حرام چیز استعمال کیے بغیر جان خطرہ میں پڑنے کا ممکن غالب ہو اور اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تو بالاثفاق حرام چیز کو استعمال کر کے جان کی حفاظت کر لینا لازم لیکن بقدر ضرورت۔

**صورت دوم**۔ یہ ہے کہ اگر جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ مرض کو دور کرنے کے لیے تداوی بالحرم کی ضرورت ہو تو اس صورت میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور اس میں چند مذاہب ہیں :  
مذہب اول۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی تداوی بالحرم مطلقاً جائز ہے۔

مذہب دوم۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں تداوی بالحرم مطلقاً ناجائز ہے۔ امام بیہقیؒ کے نزدیک تمام مسکرات سے تداوی ناجائز ہے جب کہ باقی محرمات سے جائز ہے۔

مذہب سوم۔ حنفیہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ بھی امام شافعیؒ کی طرح مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں جب کہ امام طحاویؒ کا مسلک یہ ہے کہ شکر کے علاوہ باقی تمام محرمات سے تداوی جائز ہے۔

مذہب چہارم۔ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی طیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداوی بالحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ تو اس صورت میں تداوی بالحرم جائز

ہوگا۔ حدیث باب ان لوگوں کی دلیل ہے جو مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔ حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ان کی شفا اہوال اہل میں منحصر ہے اس لیے آپ نے اہوال کے استعمال کا حکم فرمایا (فتح القدیر)

## حرام میں شفا نہ ہونے کا مفہوم

یَعْمَلُ الْاَهْوَالُ سَعَادَ : حدیث عربین میں ہے کہ ان لوگوں نے اہوال اہل استعمال کیا تھا اور وہ یقیناً ناپاک ہے۔ تو یہاں بحث یہ ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے بروایت ائمہ مسلمہ و غیرہ "اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَسَوْیَجْعَلُ شِفَاۃَ اُمّتِیْ فِیْ مَا حَرَّمَ عَلَیْہَا (ابوداؤد و ترمذی) کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی شفا حرام چیزوں میں نہیں رکھی۔

تقریباً دوسری روایات میں حضرت سید بن طارق کا واقعہ ہے (کنز فی الايضاح) کہ انہوں نے دوا کے طور پر شراب کے استعمال کی اجازت چاہی آپ نے انکار فرمایا، پھر دوبارہ اجازت چاہی تو آپ نے پھر انکار فرمادیا۔ تیسری بار اجازت طلب کرنے پر آپ نے فرمایا "لا تھا داؤ و لیس بد و اچ" فرمایا نہیں شراب تو بیماری ہے دوا نہیں ہے۔ لہذا ان روایات کے پیش نظر ناپاک چیزوں کو دوا استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ علاج تو شفا کے لیے ہوتا ہے اور شفا حرام سے نہیں ملتی۔

بحواب : یہ ہے کہ حرام چیزوں میں مطلقاً شفا کا انکار تحریمات اور دانات کے خلاف ہے ضرورت کی بناء پر یا یہ کہے کہ اضطراری حالت میں متعدد مواقع پر حرام چیزوں کا استعمال ہو سکتا ہے اس لیے یہ بات واضح طریقہ پر معلوم ہو رہی ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَسَوْیَجْعَلُ شِفَاۃَ اُمّتِیْ فِیْ مَا حَرَّمَ عَلَیْہَا"

گو یہ بظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن اخبار انشاء کے معنی میں ہے اور جملہ خبریہ بول کر انشاء کے معنی مراد لینا حکماء کے کلام میں بہت ہوتا ہے معنی یہ ہیں کہ دوسرے لوگ حرام چیزیں استعمال کریں یا نہ کریں لیکن میری امت ان کا استعمال نہ کرے کیونکہ باری تعالیٰ نے حرام چیزیں علاج کی غرض سے پیدا نہیں کیں۔ اس لیے جب تک حلال چیزیں میسر ہو سکتی ہوں حرام کی طرف توجہ نہ دی جائے لیکن اگر حلال چیز کا ملنا ناممکن ہو اور طبیب حاذق مسلم مفتی کا یہ فیصلہ ہو کہ اس وقت ضرورت آخری درجہ میں پہنچ گئی ہے اور علاج صرف اسی حرام میں منحصر ہے یا صورت ایسی ہے کہ علاج تو حلال چیزوں میں بھی ہے لیکن جہاں مرہض موجود ہے وہاں صرف حرام چیز میسر

حضرت سید بن طاووسؒ کی روایت کا جواب :-

شراب کے بارے میں حضرت سید بن طارقؒ کا سوال اور آپؐ کا ارشاد کہ وہ دوا نہیں ہے بیماری ہے تو اولاً اس روایت کو حرام چیزوں کے بارے میں لایا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ مرن شراب کے ہائے میں ہے۔ ثانیاً اس کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ”انھا کما لا دوا و“ کو تہانہ دیکھو کہ یہ دیکھو کہ آپؐ نے یہ ارشاد شہد کی منفعت کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ شفا شہد میں ہے خیر میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حضرات بعض چیزوں کے لیے شراب کو مفید سمجھتے تھے اور اس میں شفا کا اعتقاد رکھتے تھے اس اعتقاد کو ختم کرنے کے لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں شفا نہیں ہے (مُصَنَّفٌ جِلْد ۱۴)

حضرت شیخُ الہندؒ کا ارشاد

حضرت سعید بن طاہرؒ کی اس روایت کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے یہ سمجھ لو کہ دوا کیا چیز ہے اور شفا کا کیا مفہوم ہے؟ کسی غلط کے غالب آجانے سے مزاج میں جو اخراجات آجاتا ہے اور قوا طبعیہ میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے اس کا نام دوا ہے اور کسی چیز کے استعمال سے طبیعت کا اعتدال پر آ جانا شفا کہلاتا ہے۔ اب بکھنا چاہیے کہ شراب کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے کبھی وقتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے کہ بیماری دب جاتی ہے۔ مگر اسی کے استعمال سے دوسری ایسی بیماریاں کھڑی ہو جاتی ہیں جو اس پہلی بیماری سے زیادہ عسیر الزوال ہوتی ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو مستقل بیماری ہے اُسے شفا کہیں تو کیسے کہیں، پھر شراب میں ضرورت ہے یعنی یہ کہ اس کا خاصہ ہے کہ اس کا قلیل کثیر کی رغبت پیدا کرتا ہے اور اس کی دھت پڑ جاتی ہے اور انجام کار اس سے مختلف قسم کے لاعلاج امراض پیدا ہو جاتے ہیں لہذا یہ دوا نہیں ہو سکتی کہ یہ مشکل امراض کی جڑ ہے یہ بیماری ہے دوا نہیں۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِكَتِبِهِ وَلَا سَابِقَاتِهِ وَلِمَنْ سَعَى فِيهِ —

## بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

یقول ابوالاسعاد: فقہی بحث شروع کرنے سے قبل چند مباحث بشکل فوائد و مسائل  
و جواب پیش خدمت کیے جا رہے ہیں امید ہے کہ ناظرین ان کو پسند فرمائیں گے۔

### فائدہ اولیٰ ————— تحقیق لفظ مسح و خفّین

لفظ مسح مقابل غسل ہے اور غسل کا معنی ہے ”ہو اسالة الماء“ پانی کا بہانا، اور  
مسح بمعنی ”ہو الاصابة“ پانی کا لگانا۔ لیکن اصطلاح محدثین میں مسح کا معنی ہے ”والمسح  
اصابة اليد المبتلة بالعضو“ (مرقات) یعنی تر ہاتھ کسی عضو کو لگانا، پھر یہ متدی بہ  
علیٰ ہے اشارہ فرمایا کہ مسح موزے پر ہوتا ہے نہ کہ موزے میں۔ لفظ خفّین خف کا تثنیہ ہے  
خفّ کہتے ہیں ”ما یشترا الکعب“ جو ٹخنوں کو ڈھانپ دے۔ پھر اس کو تثنیہ کے ساتھ خفّین  
ذکر فرمایا ”لان المسح لا یجوز علی احدھما دون الآخر“ خفّ کا اردو میں ترجمہ کیا جاتا  
ہے موزہ۔ لیکن یہ ترجمہ اس لیے مناسب نہیں کہ اردو میں موزے کا استعمال جراب کے لیے بھی ہوتا ہے  
جس کو بغیر جوئے پہن کر نہیں چل سکتے۔ حالانکہ خفّ وہ ہے جسے پہن کر چل سکیں یعنی مسافت طے کر سکیں  
اس لیے اخفاف کا استعمال اونٹ کے پاؤں کی ٹاپ کے لیے ہوتا ہے کہ وہ ان سے چلتا ہے اس لیے  
خفّ کا اردو ترجمہ چرمی موزہ کرنا چاہیے (الوزار)۔

### فائدہ ثانیہ ————— مسح علی الخفّین پر صحابہ کرام کا اجماع

مسح علی الخفّین کے جواز پر اجماع ہے ستر سے زائد صحابہ کرام مسح علی الخفّین کو نقل کرتے ہیں۔  
مُصَنَّف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت حسن بصریؒ کا قول مروی ہے:   
” قَالَ حَدَّثَنِي سَبْعُونَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اِنَّهُ كَانَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ (مَعَارِفُ السُّنَنِ ص ۱۵۲)  
 علامہ عینی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے اتنی سے زائد حضرات صحابہ کرامؓ مسح علی الخفین کو نفل  
 کرتے ہیں اسی لیے امام ابو حنیفہؒ کا قول مشہور ہے :  
 ” مَا قُلْتُ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ حَتَّى جَاءَ فِي مِثْلِ ضَوْءِ النَّهَارِ  
 (مبسوط) جب تک میرے نزدیک روز روشن کی طرح موزوں پر مسح کے دلائل قائم نہیں  
 ہو گئے اس وقت تک میں اس کا قائل نہیں ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ مسح علی الخفین کا قائل ہونا اہل سنت کی علامات سے ہے بلکہ ایک زمانہ میں تو  
 یہ اہل سنت کا شعار بن گیا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ قدس سرہ کا قول ہے ” فَفَضَّلَ الشَّيْخِينَ وَغَيْبَ  
 الْخُفَّيْنِ وَنَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ” بعض حضرات نے امام مالکؒ کی طعن عدم جواز کی  
 نسبت کی ہے لیکن وہ غلط ہے جیسا کہ علامہ باجی مالکیؒ نے تصریح کی ہے۔

## امام مالکؒ کے مسلک کی تحقیق

يقول ابوالاسعاد : حافظ ابن جریر نے فتح الباری میں ابن عبد البرؒ سے نقل کیا ہے کہ  
 فقہائے ہمیں سے کسی فقیر سے بجز امام مالکؒ کے مسح علی الخفین کا انکار منقول نہیں اور روایات مجسمہ  
 امام مالکؒ سے بھی اس کے اثبات میں ہیں۔ امام شافعیؒ نے بھی کتاب الاثم میں مالکیہ کے اس قول  
 پر کبیر فرمایا ہے پھر حافظؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت مالکیہ کے یہاں دو قول مشہور ہیں، اولاً مطلقاً جواز  
 ثانیاً، مسافر کے لیے جواز اور مقیم کے لیے عدم جواز۔ وہ کہتے ہیں کہ مدونہ کی عبارت کا مقتضی قول ثانی  
 ہے لیکن قاضی ابوالعید باجی مالکیؒ نے قول اول یعنی مطلقاً جواز کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز علامہ باجیؒ  
 فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کو پہلے بارے میں مسح علی الخفین میں توقف تھا اور عام فتویٰ جواز ہی کا  
 دیتے تھے۔

## اختلاف ابن عمرؓ کی حقیقت

يقول ابوالاسعاد : بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین میں کسی صحابی کا بھی اختلاف نہ

ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں اس لیے کہ بخاری شریف ص ۵۲۳ میں ایک روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مسیح علیٰ الخفین کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ان پر اعتراض کیا کہ حالت اقامت میں بھی مسیح علیٰ الخفین کر رہے ہو حالانکہ آیت میں تو اس کا حکم مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ ابو سلمہؒ کی روایت حضرت ابن عمرؓ کے متعلق دربارہ مسیح خفین صحیح ہے یعنی ان کے تردد و سوال کا واقعہ درست ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ فرماتے ہیں ”سبق الکتاب المسح علی الخفین“ اسی طرح مخدوم مہاجر لکھنؤی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے ”لا تاقطع راجلی بالموسمی احب الی من ان امسح علی الخفین“ کچھ اپنے پاؤں کا استرہ سے کاٹ ڈالنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے موزوں پر مسیح کروں۔ اور یہ بھی روایت ہے ”لأنه تقطع قد حای احب الی من ان امسح الخفین“ کہ کچھ اپنے پاؤں کا پارہ پارہ ہو جانا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ موزوں پر مسیح کروں وغایت

جواب۔ محقق علقمہ یعنی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا انکار مسیح حالت حضور و اقامت سے متعلق تھا جبکہ اس کی وضاحت بعض روایات سے ہوتی ہے۔ باقی سفر کی حالت میں وہ بھی اس کو پہلے سے جانتے اور مانتے تھے اور ان کی روایات مسیح خفین کو ابن ابی خثیمہؒ نے اپنی تاریخ کبیر میں اور ابن ابی شیبہؒ نے معنیف میں بھی روایت کیا ہے (عمدة القاری) مزید وضاحت سے عرض ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے انکار پر حضرت سعدؓ نے فرمایا عزیرؓ جب اپنے والد حضرت عمرؓ کے ہاں جاتا تو یہ مسئلہ دریافت کر لیتا۔ حضرت ابن عمرؓ مدینہ منورہ جب اپنے والد حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں حاضر ہوئے اور کچھ عیام بھی کیا مگر مسیح علی الخفین کا مسئلہ دریافت نہ کیا۔ حضرت سعدؓ نے جب حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا میں بھول گیا تھا اب کی بار ضرور پوچھ لوں گا جب دوبارہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسیح علی الخفین کے بارہ میں دریافت کیا تو حضرت عمر فاروقؓ اعظمؓ نے فرمایا بیشا جب تم سعدؓ کو ایک عمل کوستے دیکھو یا وہ کسی مسئلہ سے متعلق آگاہ کر دیں تو پھر اس کو مضبوطی سے تھام لینا ان کے بتلا دینے کے بعد کسی دوسرے سے دریافت کرنے کی حاجت نہیں تو حضرت ابن عمرؓ سے اس درجہ کا اختلاف منقول ہے مگر انہوں نے اس سے بھی حضرت فاروقؓ اعظمؓ کے ارشاد کے بعد رجوع فرمایا۔ (بخاری شریف ص ۵۲۳ کتاب الوضوء باب المسح علی الخفین)

## بی بی عائشہؓ کے قول کا جواب

بی بی عائشہؓ کا قول "ان تقطع قدماي احب الي من ان اصبح على الخفين" جو کہ محمد بن مہاجر بغدادی نقل کرتے ہیں بے اصل اور ضعیف ہے چنانچہ علامہ جوزفانیؒ نے کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفین کا انکار درجہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ محمد بن مہاجر بغدادیؒ نے حضرت عائشہؓ سے جو روایت کیا ہے وہ باطل ہے۔ حفاظ حدیث نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص (محمد بن مہاجر) حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ابن الجوزیؒ غلط تابعیہ میں کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی اسی نے گھڑی ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا قول (مسبق الكتاب المسح على الخفين) کسی سند موصول و متصل سے منقول نہیں ہے۔  
رُسنن بیہقیؒ

## فائدہ ثالث۔۔۔۔۔ مسح علی الخفین افضل یا غسل رجلین

فقہاء کے ہاں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ مسح علی الخفین افضل ہے یا غسل رجلین اس بارے میں ہمیں مسلک میں ہے۔  
مسئلہ اول۔ علامہ ابن قدامہؒ نے مفتی میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ سے مروی ہے کہ مسح افضل ہے غسل رجلین سے ان کے دو دلائل ہیں عقلی و نقلی۔

دلیل نقلی اول: یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "وَبِإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يُؤْخَذَ بِرِجْلَيْهِ" (واللہم اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے۔  
(کنزانی المفتی)

دلیل نقلی دوم۔ یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں: "بہلن الامر فی ساری عروجلک و سکرۃ شریف" (ج ۱ فصل ثالث باب المسح علی الخفین) استدلال یہ ہے کہ اگر جب وجوب کے لیے نہ ہو جو اس کے حقیقی معنی ہیں تو لامحالہ ندب کے لیے ہو گا تو لامحالہ فضیلت



مسح ثابت ہوگی۔

دلیل عقلی۔ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام طاب فضل تھے۔ توجیب انہوں نے بجائے غسل کے مسح کو اختیار فرمایا تو معلوم ہوا کہ اسی میں فضیلت ہے۔

مسئلہ دوم۔ امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک غسل افضل ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں: ”الا فضل الغسل“ بشرطیکہ ترک مسح بطریق اعراض عن السنۃ کے نہ ہو۔ مسئلہ سوم۔ حنفیہ کا ہے اور حنفیہ کا مسلک مراقی الفلاح میں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص باوجود جواز مسح کے اعتقاد کے شقت برداشت کرے اور موزے اتار کر غسل چلیں کرے تو اس کو عزیمت کا زائد ثواب ہوگا۔ صاحب ہدایہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کا دھونا افضل ہے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے شرح مبسوط میں اس کی تصریح کی ہے: ”وبہ نص المناطفی فی اخبار“ دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

دلیل اول: مسح رخصت ہے اور غسل عزیمت ہے اور ظاہر ہے کہ عزیمت رخصت سے افضل ہوتی ہے۔

دلیل دوم۔ غسل اشق ہے بالخصوص موسم سرما میں اور اشق کو اختیار کرنا افضل ہوتا ہے۔ دلیل سوم۔ ثبوت غسل بالکتاب ہے اور ثبوت مسح بالسنتہ۔ اور ثابت بالکتاب کو اختیار کرنا اولیٰ و افضل ہوتا ہے۔

دلیل چہارم۔ روایت حضرت علیؓ ہے: ”قال رخص لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ راہ بن خزیمہ“

سوال: یہ روایت (حضرت علیؓ) روایت مغیرہؒ: ”ہلنا امرنی رقی عزوجل“ سے منارض ہے۔

جواب۔ منارض نہیں اس لیے کہ کتب اصول میں مقرر ہے کہ امر برائے وجوب یا نہی یا اباحت موضوع ہونے کی بابت جو اختلاف ہے وہ صیغہ امر کی بابت ہے نہ کہ لفظ امر کی بابت (جواز، ایم، ار، سے مرکب ہے) فلیس الوجوب معنی حقیقتاً لا مروء ولا للفظ امرنا وامرنی او کان یا امرنا وغیرہما۔!

## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے —

ترجمہ ، روایت ہے حضرت شریحؒ  
ابن ہانیؒ سے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت  
علیؒ ابن ابی طالبؒ سے موزوں پر مسح کے متعلق  
پوچھا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
مسافر کے لیے تین دن رات اور مقیم کے لیے  
ایک دن رات مقرر فرمائی۔

عَنْ شَرِيحِ بْنِ هَانٍ  
قَالَ سَأَلْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ  
الْمَسْحَ عَلَى الْحَقِيقَتَيْنِ فَقَالَ  
جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِهِنَّ  
لِلْمَسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ

(رواہ ابوداؤد)

قولہ شریح ابن ہانیؒ - آپ تابعی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں  
پیدا ہو چکے تھے آپ کے والد ہانیؒ صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابو شریح رکھی۔ حضرت  
علیؒ مرتضیٰ کے مخصوص ساتھیوں میں سے ہیں۔

قولہ سَأَلْتُ : ظاہر یہ ہے کہ آپ کا سوال مدت مسح کے متعلق تھا نہ کہ طریقہ مسح یا دلائل  
مسح کے متعلق جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ چنانچہ علامہ ہردیؒ نے بھی "لے عن مذهبہ" (مرقات)

لکھا ہے۔

فائدہ ، یقول ابوالاسعاد ، حدیث مذکور ان حضرات کے مسلک کی واضح تردید کر  
رہی ہے جو کہتے ہیں کہ مسح علی الحقیقتین مسافر کے لیے جائز ہے مقیم کے لیے نہیں جیسے کہ صلوٰۃ میں تخفیف  
صرف مسافر کی خصوصیت ہے۔ مقیم چار رکعت کے بجائے دو رکعت نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح بنا  
بر ضرورت مسافر کے لیے مسح علی الحقیقتین جائز قرار دیا گیا ہے مقیم کو اس کی حاجت نہیں۔ تو حدیث پاک  
سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جس طرح مسافر کے لیے مسح کی اجازت ہے اسی طرح مقیم بھی مسح علی الحقیقتین  
کر سکتا ہے جو تقریباً ساڑھے ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور پھر ہر زمانہ میں مثلاً  
افراد سے نقل کرتے آئے ہیں اور یہ مسئلہ روزِ اول سے الی یومنا ہذا متواتر چلا آ رہا ہے۔ مزید تفصیل  
آئی ہی چاہتی ہے۔

## توقیت فی المسح کی بحث

مسح علی الخفین میں توقیت ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہوا ہے اس بارے میں دو مذاہب ہیں دو مذاہب اول: علماء ابن رشد بدایہ صلاح ایں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ مسح علی الخفین میں توقیت کے قائل مسطح یعنی مسح علی الخفین میں کوئی حد اور وقت مقرر نہیں مگر اگر اور تعمیم ایک دفعہ پہن لینے کے بعد جب تک نوز سے پہننے رکھے تب تک مسح کر سکتا ہے۔ امام ترمذیؒ صلاح ایں امام خطابؒ معالم السنن صلاح ایں امام مالکؒ کا یہی قول بتاتے ہیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کی روایت ہے:

**دلیل اول**

«عن خزيمة بن ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال المسح على الخفين للمسافر ثلاثة ايام وللمقيم يوم وليلة قال ابو داود رواه منصور بن المعتمر عن ابراهيم التيمي باسنادهم وقال فيه ولو استندنا له لزدنا را بود اود شریف ص ۱۱۱ کتاب الطهارة باب التوقیت فی المسح»

حدیث پاک کا یہ آخری جملہ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم مسح علی الخفین کے سلسلہ میں مزید اجازت طلب کرتے تو آپ مزید اجازت بھی مرحمت فرماتے۔ لہذا جب ایک صحابی رسول لزدانا کی تصریح فرما رہے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ زیادت بھی جائز ہے۔

دوسری دلیل حضرت ابی بن عمارؓ کی روایت ہے:

**دلیل دوم**

قال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم امسح على الخفين قال نعم قال يوماً قال يوماً قال يومين قال ثلاثة قال نعم ما شئت را بود اود شریف ص ۱۱۱ باب التوقیت فی المسح»

ما شئت کے جملہ سے امام مالکؒ نے عدم توقیت پر استدلال کیا ہے۔ امام ابو داودؒ نے دوسری سند سے اسی حدیث میں یہ زیادتی بھی نقل فرمائی ہے:

«حتى بلغ سبعا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم ما بك اللك»

حضرت عقبہ بن عامرؓ کا واقعہ طحاوی شریف میں مذکور ہے کہ جب شام کے سفر سے مدینہ منورہ واپس آئے تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موزے پہنے ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا:

”متی عهدك يا عقبه بخلع خفيك فقلت لبستها يوم الجمعة وهذه الجمعة - اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: ”اصبت السنة رطحا دی شریف صحیح اباب المسح علی الخفین کہ وقتہ للمقیم والمسافر“

اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہؓ کا ایک ہفتہ تک خفین کو پہننے رکھنا مطالبہ سنت تھا لہذا مسح علی الخفین کے لیے توقیت معروون کو ضروری نہیں کہا جائے گا۔  
مذہب دوم - امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور جمہور فقہاء اہل سنت توقیت مسح علی الخفین کے قائل ہیں کیفیت توقیت یہ ہے کہ مسافر کے لیے تین دن تین رات، مقیم کے لیے ایک دن ایک رات، اس کے بعد موزے اتارنے پڑیں گے۔

**دلیل اول** - حضرت علیؓ کی روایت ہے:-  
”فَقَالَ جَعَلَ سُبْحُ اللَّهِ مَسْلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ وَلَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ رِشْوَةَ شَرِيفٍ ۝۲۵“  
کتاب الطہارات باب المسح علی الخفین (فصل اول)۔  
یہ روایت توقیت مسح علی الخفین کے لیے نص ہے۔

**دلیل دوم** : حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ”فَقَالَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَ وَلَيَوْمًا“ (ترمذی شریف ص ۱۱) روایت مذکور میں بھی توقیت ہے۔

**دلیل سوم** : حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے:-  
”رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً“ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۱۵ باب المسح علی الخفین)  
**دلیل چہارم** : مستقی الاخبار مع نیل الاوطار ص ۱۱۵ میں حضرت عائشہؓ کی حضرت علیؓ

کے طریق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:   
 "للمصافر ثلاثۃ ايام فلياليهن وللمقيم يوم وليلته (آخرہ السلام ص ۱۳)

## حضرات مالکیہ کے دلائل اور ان کے جوابات

حضرت خزیمہؒ کی روایت و نحو

استزدناہ لזادناہ سے

دلیل اول یعنی روایت خزیمہؒ کا جواب اول

امام مالکؒ نے عدم توقیت پر دلیل پکڑی تھی اس کا جواب اول یہ ہے کہ ثبوت مسئلہ کے لیے شریعتِ مقدسہ سے چار دلائل متعین فرمائے ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس اس کے علاوہ کوئی چیز نہ توجت بن سکتی ہے اور نہ دلیل حدیث باب شارع علیہ السلام کا قول اور کلیۃً جس میں مراحۃ (للمصافر ثلاثۃ وللمقيم يوم) کی تحدید بیان کی گئی ہے جب کہ دوسری طرف ایک صحابی کی اپنی رائے ہے اور وہ بھی محض ظن یا ظن غالب پر مبنی ہے تو لا محالہ ترجیح قول دیکھ کر جوہرگی اور اسی پر عمل کیا جائے گا (نیسل الاوطار ص ۱۱۱)

جو کہ منطقی طرز کا ہے قانون ہے کہ قضیہ شرطیہ میں رافع مقدم رافع ثانی کو مستلزم

مشمل "لو كانت الشمس طالعةً فالنهار موجودٌ ولكن

جواب دوم

الشمس ليست بطالعة" تو نتیجہ یہ نکلتا ہے "فالنهار ليس بموجود" تو یہاں بھی یہی مراد ہے کہ "ولو استزدناہ لزادنا ولكن لم نستزده" لہذا "فلم يزدناہ" کا نتیجہ حاصل ہوتا ہے یعنی اگر ہم مزید طلب کرتے تو آپؐ بھی زیادہ کی اجازت مرحمت فرما دیتے۔ مگر جب ہم نے اوڑھا و احتراما طلب ہی نہیں کیا تو نتیجہ بھی نکلا کہ آپؐ نے بھی اجازت نہ دی۔ اسی کو علامہ قاضی شوکانیؒ نیسل الاوطار ص ۱۱۱ میں اختیار کیا ہے۔

یہ ہے کہ "ولو استزدناہ لزادنا" کی زیادتی صحیح نہیں چنانچہ علامہ

زیلعیؒ نے نصب الراية ص ۱۱۱ میں اور علامہ ابن دقیق العیدؒ نے اس کی

جواب سوم

تضعیف کی ہے۔ علامہ شیخ تقی الدین "الامسام" میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ضعف کی تین علتیں ہیں:

**عِلَّتِ اَوَّل** پہلی علت یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور اس کے تین مخارج ہیں۔ روایت ابراہیم غنی، روایت ابراہیم تمیمی، روایت سیمی۔ پھر ان میں سے بعض میں مذکورہ الفاظ کا اضافہ ہے اور بعض میں نہیں ہے۔ ابراہیم غنی کی روایت میں اضافہ نہیں ہے جس کی تخریج امام ابو داؤد نے سنن ابی داؤد میں اور حافظ بیہقی نے سنن کبیر میں کی ہے۔

**عِلَّتِ رَوْنَم** دوسری علت انقطاع ہے۔ حافظ بیہقی نے امام ترمذی سے نقل کیا ہے کہ: «اِنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ مُحَمَّدًا (يعني البخاري) عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَا يَصَحُّ عِنْدِي حَدِيثُ خَزِيمَةَ بْنِ ثَابِتٍ فِي الْمَسْحِ لِأَنَّهُ لَا يَعْرِفُ لَابِي عَبْدِ اللَّهِ الْجَدَلِي سَمَاعٌ عَنْ خَزِيمَةَ»

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی بابت امام بخاری سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح کی بابت حدیث خزیمہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت خزیمہ سے ابو عبد اللہ جدلی کا سماع معروف نہیں۔

**عِلَّتِ سَوْنَم** تیسری علت یہ ہے کہ بقول شیخ ابن حزم ابو عبد اللہ جدلی کی روایت قابل اعتماد نہیں (ولفظه في المحلى) سواد ابو عبد اللہ الجدلی صاحب دابة الكافر ————— والمختار لا يعتمد على روايته؟ شَمَّ لَوْ صَحَّ لَمَّا كَانَ لَهُمْ فِيهِ حُجَّةٌ لَوْ أَنَّ لَيْسَ فِيهِ أَنَّ سَوْنَمَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اباح المَسْحَ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثٍ - وَلَكِنْ فِي الْخَرَجِ الْخَبَرُ مِنْ قَوْلِ التَّهَادِي لَوْ تَمَادَى السَّائِلُ (طلب مت کرتے) لَزَادَنَا وَهَذَا ظَنُّ لَا يَجْعَلُ الْقَطْعَ بِهِ فِي أَخْبَارِ النَّاسِ فَكَيْفَ فِي الدِّينِ -

**دَلِيلِ دَوْنَم** (یعنی ابی بن عمارہ کی روایت) کا جواب سَوْنَم پر روایت ابی بن عمارہ سے دلیل پکڑی تھی لیکن اس روایت سے دلیل پکڑنا غیر صحیح ہے کیونکہ یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔ چند ایک حوالہ جات ملاحظہ فرمادیں۔

۱: خود امام ابو داؤد اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں «وقد اختلف في اسنادهم وليس هو بالقوي» وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں تین راوی ہیں جو ضعیف ہیں۔

عبدالرحمن بن رزین - محمد بن بزر - ابوبن قطن -

۲ - امام بیہقیؒ اور دارقطنیؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں "امدادہ غیر قائمہ"

۳ - علامہ نوریؒ فرماتے ہیں "انفقوا علی ضعیفہ"

۴ - علامہ شوکانیؒ نیسل الاوطار ص ۱۱۱ اور مبارک پوریؒ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں

کہ امام ابوالفتح ازدیؒ فرماتے ہیں "لیس اسنادہ بقائیں ولا یثبت"

۵ - حافظ ابن حجرؒ تلمیذ الجبیر ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ "وبالبحر الجبونی قانی ضد ذکرہ فی التوضیحات"

کہ امام جوزقانیؒ نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ روایت ابی بن قمارہ دافعہ

وما شئت اور ما بیداءک کا یہ مطلب ہے کہ سچ علی الخفین

## جواب اول

حب قاعدہ و ضابطہ جب تک چاہے کرتے رہو اور وہ ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ مقیم ایک دن ایک

رات اور مسافر تین دن تین رات کے بعد روزے اتار کر پاؤں دھوئے اور پہن لے اور پھر ہمیشہ

اسی طرح کرتا رہے، اتارنا رہے اور پہننا رہے۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف ص ۱۱۱ ج ۱ کتاب الغبارت باب

الجنبہ تیمم، اور ترمذی شریف میں حضرت ابوذرؓ سے یہ روایت منقول ہے "انصیب الطیب

طہور المسلمان لہم یجد الماء عشر سنین" یعنی پاک ٹی مسلمان آدمی کے لیے دھوئے اگرچہ

دس سال کے لیے ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دس سال تک صرف ایک مرتبہ کا تیمم کر لینا کافی ہے

بلکہ مراد یہ ہے کہ تیمم مطلقاً شروع ہے پانی نہ ہونے کی صورت میں دس سال تک ہر وقت ضرورت حسب

ضابطہ و قاعدہ تیمم کرنے کی اجازت ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث پاکہ "للمسافر ثلاثہ والمقیم یوم"۔

ایک کلیہ ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے بھی مسافت شرعی کی

## جواب دوم

تسہین میں اسی حدیث سے قاعدہ کلیہ ہونے کی حیثیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ مسافر

وہ ہے جس کو تین روز کی مسافت قطع کرنی ہو۔ ۱

"التفرانذی یتغیر بہ الاحکام ان یقصد مسیرۃ ثلاثۃ ایام ولایا لہا

بسیرا لابل ومشی الاقدام لقولہ علیہ السلام یصبح المقیم کما ان ینوم

ولیلۃ والمسافر ثلاثۃ ایام ولایا لہا۔ (ہدایہ ص ۱۱۱ کتاب التسلوۃ باب صلوات المسافر)

ابی بن عمارہ کی روایت ایک واقعہ جزئیہ ہے اور کئی احتمالات پر محمول ہے لہذا اصولاً کلیۃً کو جزئیہ پر ترجیح ہوتی ہے لہذا توثیق والی روایت کو ترجیح ہوگی۔

امام مالکؒ نے عدم توثیق پر حضرت عقبہؓ کے واقعہ سے

**حضرت عقبہ بن عامرؓ کے اثر کا جواب اول**

دلیل پکڑی تھی جس کے الفاظ تھے ”فخرجت من الشام يوم الجمعة ودخلت المدينة يوم الجمعة الف“ اس کا جواب اول یہ ہے کہ جمعہ سے جمعہ تک صبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ طریقی شروع کے مطابق ایک ہفتہ سے خفین پہننے ہوئے ہیں اور طریقی شروع یہ ہے کہ مدت ختم ہونے پر خفین اتار کر پاؤں دھو لیے جائیں اور انہیں دوبارہ پہن لیا جائے اس طرح عمل کرنے والے کو عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مہینہ سے صبح کو رہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خود صبح کے قائل تھے اور مذکورہ روایت (حضرت عقبہؓ کی روایت) کے خلاف ان سے بہت سی روایات ثابت ہیں مثلاً حضرت سوید بن غفدہؓ کی روایت ہے:

”قال كنتُ لبانة الجعفی وكان ان جردنا على عُمَرَ سَلَهُ عن المسح على الخُفین فسأله فقال للمُصافِر ثلاثة ايام وليا لهما وللمقيم يوم وليلة (طحاوی شریف ص ۱۴۱ باب المسح على الخفین کہ وقتہ) نیز ایک مرتبہ حضرت سعدؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے درمیان صبح علی الخفین کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور معاملہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا:

”يا بُنَيَّ عمك افقه منك للمُصافِر ثلاثة ايام وليا لهما وللمقيم يوم وليلة (احکام القرآن للجصاص)

اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ خود توثیق کے قائل تھے۔

یہ ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے جو شام سے مدینہ تک ایک ہفتہ کا سفر فرمایا ہے وہ ایسے راستہ سے سفر فرمایا جس میں کہیں پانی نہیں تھا اس لیے حضرت عقبہؓ پورے راستہ میں تیمم کرتے ہوئے آئے ہیں اور تیمم کی صورت میں موزہ پر صبح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حضرت عمرؓ اس حال سے واقف ہو گئے۔ اس لیے عدم نزع الخفین

**جواب دوم**



پر حضرت عمرؓ نے "اصبت السنّة" فرمایا لہذا حضرت عمرؓ کے اس قول سے عدم توقیت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا (طحاوی شریف ص ۱۱۱ ج ۱ حوالہ الفاء)

وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ  
أَنَّهُ عَزَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوكَ  
قَالَ الْمُغِيرَةُ فَتَبَرَّزَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَبْلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهُ  
أَدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ  
أَخَذْتُ أَهْرِي عَلَى يَدَيْهِ  
مِنَ الْأَدَاوَةِ فَقَسَلَ يَدَيْهِ وَ  
وَجْهَهُ وَعَلَيْهِ جَبَّةٌ مِّنْ  
صُوفٍ الْخَرَّ مَوَاهِ مُسْلَمٍ

ترجمہ : روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن فجر سے پہلے پانچاڑ گئے ہیں آپ کے ساتھ ایک برتن لے گیا جب واپس آئے تو آپ کے ہاتھ مبارک پر برتن سے پانی ڈالنے لگا آپ نے ہاتھ نہ دھویا آپ کے اوپر ادنیٰ جبرہ تھا۔

قوله تَبُوكَ : تبوک کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ تبوک کا معنی ہوتا ہے پیادہ کو حرکت دینا صحابہ کرامؓ ایسے مقام پر پہنچے کہ وہاں چتر تھا جس کا پانی کم تھا اس سے پانی نکالنے کے لیے پیار کے ساتھ حرکت دیتے تھے اس لیے تبوک مشہور ہو گیا۔ روم کی مملکت کا علاقہ ہے جو بطرف شام ہے۔  
قوله فَتَبَرَّزَ : بفتح الباء ای خرچ الی المہرانہ (مرقات) تضار حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔

قوله قَبْلَ الْغَائِطِ : بکسر القاف وفتح الباء اے جا نبہہ لغضاء العاجلة۔ یعنی تضار حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔  
قوله فَحَمَلْتُ : اے ذاہباً یعنی لے گیا۔

قوله أَدَاوَةً : بکسر الهمزة رکوعہ او ظرف فیہ الماء تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانی

سے استہجار اور وضو کریں۔

قوله قَبْلَ الْفَجْرِ : بفتح القاف یعنی فجر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے قضا کے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ عبادت مثلاً نماز وغیرہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے اس عبادت کے لیے تیاری کرنا مستحب ہے۔

قوله أَخَذْتُ : ای شرعتُ یعنی میں شروع ہوا۔

قوله أَهْرَيْتُ : بضم الهمزة وفتح الهاء ای أصبت الماء۔ پانی ڈالنے لگا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے وضو کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء وضو پر پانی ڈالا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرا شخص وضو کر اس کے توجائز ہے (یعنی استغاثت علی الوضوء جائز ہے)۔

قوله فَتَسَلَّ بِكَ يَدَيْهِ وَوَجَّهَهُ : راوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر کیا ہے مگر کلی کرنے اور ٹانگ میں پانی دینے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ محدثین حضرات نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں۔

اول : لاحتمال الاختصاص (برقائ) یعنی راوی کے پیش نظر اختصار تھا اس لیے انہوں نے ان دونوں چیزوں کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

دوم : لاحتمال التيسان۔ یعنی راوی اس کے ذکر کرنے کو بھول گئے ہوں گے۔ اس لیے ذکر نہیں فرمایا۔

سوم : لكونهما داخلين في حذاء الوجه : (برقائ) یعنی راوی نے اس لیے ذکر نہیں کیا کہ یہ دونوں چیزیں منہ کی حد میں آجاتی ہیں اس لیے صرف منہ دھونے کا ذکر کافی سمجھا۔

قوله ذَهَبَ : اے شرع شروع ہوئے۔

قوله يَحْسِرُ : بكسر التين وضيقها ای يكتشف كتميه یعنی کھولنے لگے۔

قوله فَمَضَا : یہ ضيق سے مآخوذ ہے بمعنی تنگ۔

قوله كُسُ : بالنظم ردن القميص۔ آستین یعنی اس جبہ مبارک کی آستین شریف تنگ تھی۔

قوله مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ : یعنی جبہ کے پانچے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہاتھ دھونے کا وقت آیا تو آپ نے اپنے جبہ کی آستین اوپر چڑھانا چاہی مگر وہ تنگ ہونے کی وجہ سے

اوپر نہ پڑھ سکیں اس لیے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ شریف جیتہ کے اندر کی جانب سے باہر کو نکال لیے  
اس کو تعبیر فرمایا: مِنْ عَتِ الْجُبَّةِ۔

قولہ وَعَلَى الْعَصَامَةِ : مَسَحَ عَلَى الْعَصَامَةِ کی بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۱ ج ۱  
باب سُنَنِ الرُّضْوِ فصل اول میں ہو چکی ہے۔

قولہ شُغْرًا أَهْوَيْتُ : اسے قصَدْتُ ارادہ کے معنی میں ہے یعنی موزے اتارنے کا  
ارادہ فرمایا۔

قولہ دَعُهُمَا : اِی اِتْرَکْهُمَا رہنے دو یا چھوڑ دو۔

قولہ ادخلتهما طاهرتین : اے ہستہما طاهر تین کہ میں نے انہیں  
پاکی پر پہنایا ہے یعنی پہلے وضو کر لیا ہے پھر موزے پہنے ہیں خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پہلے پاؤں  
دھو کر موزے پہن لے۔ پھر وضو کے باقی اعضاء دھوئے تب بھی جائز ہے۔ اس حدیث سے یہی  
ثابت ہو رہا ہے کہ فرمایا موزے پہنتے وقت میرے پاؤں پاک تھے نہ یہ کہ میں با وضو تھا۔  
قولہ فَاَنْهَيْتُنَا : اُنے وَصَلْنَا یعنی ہم قوم تک پہنچے۔

قولہ قَدْ رَكَعَ رَاكْعَةً : اے بھوہر کھڑے واحدۃ۔ یعنی حضرت عبدالرحمن  
بن عوفؓ ایک رکعت پڑھا بھی چکے تھے۔ یہ اس لیے ہوا کہ جماعت صحابہ کرامؓ کو خیال گذرا کہ نئی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ نماز پڑھ لی ہوگی کیونکہ حضرت ان سے دور تھے اور حالت سفر میں  
تھے درہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر نماز نہیں پڑھتے تھے اگرچہ وقت تنگ ہوتا جیسا کہ  
بہت سی روایات سے ثابت ہے۔

قولہ فَلَمَّا احْسَنَ : اِیْ عِلِمَ یعنی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

کا علم ہوا۔

قولہ ذَهَبَ : اِی شَرَعَ۔

قولہ يَسْأَلُ : اِی مِنْ مَوْضِعِهِ لِيَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پچھے ہٹنے لگے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِمامت کریں۔

قولہ فَاَوْمَأَ : اِی اَشَارَ اِلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔

قولہ فَادْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدَى الرَّكَعَتَيْنِ مَعَهُ۔

ای مقتدیاً یہ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری رکعت حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اقتدار میں ادا کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک افضل شخص نماز میں اگر اپنے سے کم درجہ شخص کی اقتدار کرے تو یہ جائز ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لیے امام کا معصوم رہے گناہ ہونا شرط نہیں ہے اس سے فرق قرآنیت کا رد ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام کا معصوم ہونا شرط ہے۔  
**قوله سَبَقْتَنَا**۔ ای فائزنا۔ جو رکعت آپ کی رہ گئی تھی اس کی تکمیل فرمائی۔

## المسئلة الثانیہ

**لبس خفین کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے یا نہیں؟**

یقول ابوالسعاد: فقہاء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ بوقت لبس خفین طہارت کاملہ ضروری ہے یا نہیں اس بارے میں دو مسلک ہیں۔  
**مسلک اول:** بقول امام طحاویؒ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک جواز مسح علی الخفین کے لیے طہارت کاملہ عند اللبس شرط ہے یعنی احوال طہارت کے بعد اگر خف پہنا ہو تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

**مستدل:** باب ہذا کی روایت ہے۔

« اِنَّكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ دَعَلِمَا فَاتَى اِدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ  
 فَمسح عليهما »

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کاملہ کے بعد موزہ پہنا ہے اس پر مسح کیا۔  
**مسلک دوم:** بقول علامہ ابوبکر رازیؒ، سفیان ثوریؒ اور احسان حضراتؒ کے نزدیک طہارت کاملہ بوقت لبس شرط نہیں بلکہ بوقت حدث طہارت کاملہ شرط ہے۔  
**مستدل:** باب کی یہی روایت ہے۔ طرز استدلال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے پہننے سے پہلے غسل رجليں کو چھوڑ دیا تو یہ طہارت ناقص ہوئی نہ کہ کاملہ۔

## مالکیہ و شوافع حضرات کے طرز استدلال کا جواب

مالکیہ اور شوافع حضرات نے حدیث باب سے کمال طہارت پر جو دلیل پکڑی ہے یہ غیر صحیح ہے یعنی قبل التلبس کمال طہارت شرط ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اگر طہارت کاملہ شرط ہوتی تو آپؐ فرماتے "اِنِّیْ تَوَضَّعْتُ" کہ میں نے وضو کر کے پہنے ہیں "فَاَنۡیْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَیْنِ" یہ اٹا احاث کی دلیل ہے آخر پہلے حضرت نے پاؤں دھوئے تھے اس لیے نہیں دھو رہے جیسا کہ "صَلَّیْ رَاکَعَتًا وَّ اَنۡ لَّحَرُ یَسْتَقِرُّ صَلَوَاتُہِ" یعنی ایک رکعت کو بھی کامل کہا جائے گا اگرچہ پوری نماز سے فارغ نہ ہوا ہو ایسا ہی اگرچہ تمام اعضاء کی طہارت نہ کی ہو۔ تاہم صرف جلیقین کو دھونے سے ان دونوں کی طہارت ہو جائے گی۔ تو اب حدیث باب سے صرف وقت التلبس طہارت قدیم ثابت ہوئی نہ طہارت کاملہ کما ہو ملذہبنا "چنانچہ صاحب فتح الملہم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "فَاَنۡیْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَیْنِ" بطور علت بیان فرمانا اور ایسے ہی جواز مسح کو قدیمین میں خفین کو بحالت طہارت داخل کرنے پر معلق کرنا جو حدیث صفوان بن عسالؓ رَاَمْرًا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَنْ یَّسْحَ عَلَی الْخَفَیْنِ اِذَا بَخِنَ اَدْخَلْنَا ہُمَا عَلَی طَہْرَہِ (۱) میں ہے یہ بظاہر اسی اثر پر تنبیہ کے لیے ہے کہ جواز مسح کی بذا صرف قدیمین کی طہارت پر لبس خفین کے وقت ہے اگرچہ اس کا رد بحسن و کمال محقق و وجود مرتب و کامل وضو ہی کی صورت میں ہوگا اور باقی اعضاء کی طہارت کو موزے پہنتے کے وقت کوئی دخل جواز مسح میں معلوم نہیں ہوتا ورنہ صرف قدیمین کی طہارت کے ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور وہ بھی خاص طور پر بیان علت کے موقع پر۔

## لبس خفین کے وقت طہارت کاملہ کے شرط نہ ہونے پر عقلی دلیل

یَقُوْلُ الْاَبَوَالِاَسْعَادُ : عَنْدَ الْاَحَاثِ لِبَسُ خَفَیْنِ کے لیے طہارت کاملہ شرط نہیں اس پر بندہ کی طرف سے ایک عقلی دلیل مع حوالہ جات نقل کی جا رہی ہے لیکن اس کا طرز منطقی

انداز کا ہے جس سے تفہیم مفہوم میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور اسی کو صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے بھی تفصیلاً ہدایہ ج اخصیۃ کی بحث میں بیان فرمایا ہے۔ احناف کی عقل و دلیل جس کا صغریٰ (الضعف مائع حلول الحدث بالقدم) ہے یعنی مونہ پاؤں میں سرایتِ حدث سے مانع ہے۔ اور کبریٰ (کل ما هو مانع حلول الحدث بالقدم یراعی فیہ کمال الطہارۃ وقت المنع عن حلول الحدث) ہے اور جو چیز سرایتِ حدث سے مانع ہو اس میں کمالِ طہارت کا لحاظ منع ہی کے وقت ہوتا ہے اور نتیجہ "فیراعی کمال الطہارۃ وقت المنع" ہے۔ طرزا استدلال یوں ہوا کہ مونہ پاؤں میں سرایتِ حدث سے مانع ہے اور جو چیز سرایتِ حدث سے مانع ہو اس میں کمالِ طہارت کا لحاظ منع ہی کے وقت ہوتا ہے تو یہاں بھی منع ہی کے وقت کمالِ طہارت ملحوظ ہوگی۔ اس پر حافظ ابن حجر نے اعتراض کیا ہے۔

### اعتراض از حافظ صاحب

حافظ صاحب اعتراض فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے شرطِ جوازِ مسح طہارتِ کاملہ پر لبسِ خفین کو تسلیم کر لینے کے باوجود بھی طہارتِ کاملہ کو وقتِ حدث کے ساتھ خاص کر دیا اور حدیث الباب یعنی حدیثِ میفرۃ ان پر حجت ہے۔

جواب | علامہ یعنی جواب میں فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے تو خود ہی وجہ بیان کر دی کہ خفۃ قدم کی طرف حلولِ حدث سے مانع ہے لہذا کمالِ طہارت کی شرط بھی منع کے موقع پر ہی کارآمد ہوگی اور وہ وقتِ حدث ہے نہ کہ وقتِ لبسِ خفین اس لیے صاحب ہدایہ کی بات نہایت با وزن معتبر اور معقول ہے یہاں حدیثِ الباب (یعنی حدیثِ میفرۃ) کا صاحب ہدایہ کے خلاف ہونا سودہ اس لیے صحیح نہیں کہ حدیث سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ خفین کو تدکین کی طہارت کے بعد پہنا ہوا اور اس سے جوازِ مسح کے لیے طہارت کا شرط ہونا معلوم ہوا۔ عام ہے کہ طہارت کا حصول بوقتِ لبسِ خفین ہو یا بوقتِ حدث۔ لہذا اس کو وقتِ لبس کے ساتھ مخصوص کر دینا ایک امرِ ناکد ہے۔

ثانی | جس صورت میں وضو کو پوری ترتیب کے ساتھ کیا اور آخر میں ایک پاؤں دھو کر ایک مونہ پہن لیا۔ پھر دوسرا پاؤں دھو کر دوسرا مونہ پہن لیا تو اس

صورت میں بھی طہارت کاملہ کے بغیر پہلے موزہ پہنا گیا اور شوافع حضرات کے قاعدہ اور حافظہ کے دعویٰ کے لحاظ سے جواز مسیح خلاف حدیث ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ میں امام مزنی جیسے تعلیق کبیر و صاحب امام شافعی اور مطرٹ جیسے صاحب امام مالک اور علامہ ابن المنذر وغیرہ صاحب ہدایہ اور حنفیہ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کا اعتراف خود حافظہ نے بھی کیا، ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

”والحدیث حجتہ علیہ لا یشتر جعل الطہارۃ قبل لبس الخف بشرط حیوان المسح والمعلق بشرط لا یصلح إلا بوجود ذلک الشرط وقد سلم ان المراد بالطہارۃ الکاملۃ ولو توضأ مرتباً ولعنی غسل احدی رجليں فلبس ثوب غسل الثانیۃ ولبس لویجزل المسح عند اکثر واجازۃ الثوری والکوفیون والمزنی صاحب الشافعی ومطرٹ صاحب مالک وابن المنذر وغیرہم لصدق انہ ادخل کلاً من رجليه الخفین وهی طاهرۃ وتقب بات حکم المرتب علی التثنیۃ غیر حکم المرتب علی الوحده واستضعف ابن دقیق العبد لان الاحتمال باقی قال لکن ان ضمر الیه دلیل یدل علی ان الطہارۃ لا تتبع بعض التبعه رفتح الباسک ۱۲۸ ج ۱) ترجمہ: اور حدیث صاحب ہدایہ تحت ہے کیونکہ انہوں نے طہارت قبل از لبس خفین کو جو ادمی کے لیے شرط مان لیا ہے اور معلق بالشرط کا وجود بغیر اس شرط کے صحیح نہیں اور یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ طہارت سے مراد طہارت کاملہ ہے اگر کوئی مرتب وضو کرے اور ایک پاؤں دھونا باقی ہو کہ موزہ پہن لے، پھر دوسرا پاؤں دھو کر پہن تو اکثر کے نزدیک مسیح جائز نہیں۔ البتہ ثوری کو فہم مزنی صاحب شافعی، مطرٹ صاحب مالک اور ابن المنذر وغیرہ نے جائز کہا ہے کیونکہ یہ صادق ہے کہ اس نے ہر پاؤں میں موزہ کو طہارت کی حالت میں ڈالا ہے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ متنبیہ کا حکم ہر تنہ ہے واحد سے اور ابن دقیق العید نے اس کو





ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ احتمال باقی ہے پھر یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس امر کی دلیل مل جائے کہ طہارت ٹکڑے نہیں ہوتی تو بات وزن دار بن سکتی ہے۔

يقول ابوالاسماد: مقام ہذا پر ایک اہم و عجیب نکتہ ہے جس کا تعلق استحالات کے ساتھ ہے اور اس کو سوال و جواب

### اہم و عجیب فائدہ

کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ فرمادیں۔

سوال - یہ ہے کہ اس قسم کا واقعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ بھی پیش آیا یا ابو داؤد شریف ص ۴۱۸ کتاب الصلوٰۃ باب التصفیق فی الصلوٰۃ ان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ نماز جاری رکھو پیچھے نہ ہٹو۔ اس کے باوجود حضرت ابو بکر صدیقؓ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرتؐ صلعم نے نماز پوری فرمائی۔ جب کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اس واقعہ میں پیچھے نہ ہٹے اور دونوں کا طرز عمل جدا جدا کیوں ہے۔ وجہ فرق کیا ہے اس کی مکمل بحث علامہ ہرویؒ المعروف ملا علی القاریؒ نے مرقاۃ میں فرمائی ہے۔ اختصاراً جوابات پیش خدمت ہیں۔

علامہ ہرویؒ رقمطراز ہیں: "انھا قضیتہ عبد الرحمنؓ کان قدر کعبہ کعبۃ فترک السبق صلّی اللہ علیہ وسلم

### جواب اول

التقدم لئلا یختل ترتیب صلوٰۃ القوم بخلاف قضیتہ ابی بکرؓ الخ (مرقاۃ ص ۴۱۸ ج ۲) خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ایک رکعت پوری کر چکے تھے دوسری رکعت میں تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے توجب آپ کی ایک رکعت ہوتی اس وقت مقتدیوں کی نماز مکمل ہو جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رکعت باقی ہوتی۔ اب مقتدی الجھن میں پڑ جاتے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اس الجھن کے خطرہ کے پیش نظر عبدالرحمن بن عوفؓ نے امامت جاری رکھی جب کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ دوسرے واقعہ میں یہ صورت حال نہیں تھی بلکہ حضرت ابو بکرؓ پہلی رکعت میں تھے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے کی صورت میں کسی الجھن کا خطرہ نہیں تھا۔

یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ادب کا تقاضا یہی تھا کہ یہ حضرت پیچھے ہٹ جاتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

### جواب دوم

پیچھے رہنے کا حکم فرمایا اس لیے "الامر فحوق الادب"۔

کے ضابطہ کے پیش نظر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اپنی جگہ نماز پڑھاتے ہیں انہوں نے  
 ”الامر فوق الادب“ والا ضابطہ مطلق سمجھا لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فہم یہ تھا کہ یہ ضابطہ مطلق نہیں ہے  
 بلکہ اس میں تفصیل ہے امر دو قسم کا ہوتا ہے (۱) ایک وہ امر جس میں امر کی مصلحت اور رعایت ہوتی ہے  
 (۲) دوسرا وہ امر جو مامور کی رعایت اور مصلحت کی وجہ سے ہو۔ اگر امر میں امر کی مصلحت ہو تو امر کو  
 ادب پر ترجیح ہوتی ہے اور اگر امر ایسا ہو جس میں مامور کی رعایت اور دل جوئی مقصود ہو تو ادب کو  
 امر پر ترجیح ہوتی ہے حضرت ابو بکرؓ کا فہم یہ تھا کہ یہاں اپنی جگہ کھڑے رہنے کا امر انہی کی مصلحت  
 اور دل جوئی کی خاطر کیا جا رہا ہے اس لیے اس امر کے باوجود ادب کے تقاضا کو ترجیح دے کر  
 پیچھے ہٹ گئے۔

”ان ابا بکرؓ فہم ان سلوک الادب اولی من امتثال الامر بخلاف  
 عبد الرحمنؓ فہم ان امتثال الامر اولی ولا شک  
 ان الاول اکمل لان الکلام فی امر علم بالقرآن انہ لہ رعایتہ  
 حال المأمور دون الامر الخ“ (مصدقات)

یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ دونوں  
 کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی دونوں کے لیے  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں امامت کے مصلیٰ پر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ حضرت عبدالرحمن  
 بن عوفؓ تو ضبط کر کے وہیں کھڑے تھے لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ غار فی الحبیب تھے  
 اس لیے ان کے اندر اتنی تاب ہی نہیں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں اور وہ  
 امامت کے مصلیٰ پر کھڑے رہیں چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ از فراغت صلوٰۃ آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پوچھا۔

”قال یا ابا بکرؓ ما منعک ان تثبت اذا امرتک (اور دائرہ شریف ص ۱۱۱) الخ  
 کس بات نے آپ کو روکا کہ آپ اس جگہ پر قائم نہ رہے میرے امر کرنے کے بعد۔  
 تو حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

”ما کان لابن ابی قحافة ان یصلیٰ بین یدی رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم“

ابن ابی قحاذی کیا بجاں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے سلسلے ٹھہرے۔  
وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ !

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوبکرؓ سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضورؐ نے مسافر کو تین دن و رات اور مقیم کو ایک دن و رات تک موزوں پر مسج کی اجازت دی جب کہ پاک ہو کو پہنچے ہوں

عَنْ ابْنِ بَكْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَرَّ خَصَّ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالٍ لَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ أَنْ يَمَسَّحَ عَلَيْهَا -  
رواہ الاثرم فی سننہ وابن خزیمہ

قولہ إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ : لیس خفیہ بعد طہارتہ عجلیہ ولا یشرط التَّغَيُّبُ فالقاء لمجرد البعدیہ (مرقاۃ)

قولہ الْمُتَّقَى - اس کتاب کا پورا نام "منتقى الأخبار من أحاديث سيد الأخیار" حدیث پاک کی کتاب ہے اس کے مؤلف علامہ ابن تیمیہؒ ہیں جن کا طرز ہے اس کی شرح علامہ شروکانیؒ نے بنام "نیل الأوطار شرح منتقى الأخبار" لکھی ہے وہی مراد ہے۔  
فائدہ : حدیث الباب مہر کا مسئلہ بن رہی ہے کہ مسح علی الخفین میں توقیت ہے۔  
کما مر عدم توقیت نہیں۔

سوال : روایت حضرت ابی بکرؓ عن صفیہؓ حضرات کے خلاف ہے کیونکہ حدیث الباب میں صاف ہے کہ وقت لبس خفین طہارت کا ملہ ہو یعنی "إِذَا تَطَهَّرَ فَلَيْسَ خُفْيَهُ" کہ جب انہوں نے موزوں کو دھو کر کرنے کے بعد پہنا ہو۔

جواب : وقت لبس خفین طہارت کا ملہ شرط ہے یا نہیں اس کی مکمل بحث حضرت مغیرہؒ

کی روایت میں ہو چکی ہے۔ مختصر اعرض ہے کہ طہارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ اول طہارتِ کامل جو پورے دھو سے حاصل ہوتی ہے۔ دوم طہارتِ غیر کامل جو صرف پاؤں کے دھو لینے سے حاصل ہو جاتی ہے اور ان دونوں طہارتوں میں سے کسی ایک طہارت کے بعد موزوں کو پہن لیا گیا ہے تو موزوں پر مسح کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابی بکرؓ کی یہ روایت جس میں طہارت کا ذکر ہے مطلقاً ہے جو مذکورہ ہر دو قسم کی طہارتوں کو شامل ہے البتہ تحقیق کے پیشینے کے بعد جو پہلا حدث ہو گا اس حدث کے وقت طہارتِ کامل ضروری ہے مثلاً کسی شخص نے پاؤں دھو کر موزے پہن لیے اور ابھی اس نے وضو پورا نہیں کیا تھا کہ اس کو حدث ہو گیا تو ایسا شخص موزوں پر مسح نہیں کر سکتا۔ خلاصۃً الجواب یہ ہے کہ طہارتِ کامل یعنی پورا وضو موزوں کے پہننے کے وقت ضروری نہیں ہے البتہ حدث کے وقت طہارتِ کامل یعنی پورا وضو لازمی ہے۔ رہا کہ موزوں پر مسح صحیح ہو سکے۔

## اسمائے رجال

یہ البرکۃ النبیع بن الحارث ہے۔ (نبیع میں وزن مضموم اور نادر مفتوح ادیان ساکن ہے) اور یہ غلام تھے۔

### حضرت البرکۃؓ کے حالات

حارث بن کلدہ نفعی کے پھر انہوں نے ان کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا تھا یعنی بیٹا بنایا تھا ان کے نام (نبیع) سے ان کی کنیت (ابوبکر) زیادہ مشہور ہوئی۔ کنیت کے مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یوم طائف میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کر رکھا تھا، یہ ایک گھیرٹری مکہ ہمارے سے ٹک کر دوڑے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا (بکرہ کے معنی غلطی کی گھیرٹری جگہ ہے جس پر ڈول کی رشتی چلتی ہے درمیان کی گرٹری) تو آپ کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی کنیت سے مخاطب فرمایا اور ان کو آزاد کر دیا اس لیے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں سے ہیں یعنی آزاد کردہ غلام ہیں۔ بکرہ میرے فرد گمشدہ ہو گئے تھے اور دہرے سگدھے میرے انتقال ہوا ان سے کثیر حدیثیں سننے والی روایت کی ہے۔

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ  
قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا  
سَفَرًا أَنْ لَا يَنْزِعَ خِفَافُنَا  
ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَا لَيْلَهُنَّ إِلَّا مِنْ  
جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ عَالِطٍ وَ  
بُؤْلِ وَلَوْحٍ (رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے حضرت صفوان  
بن عسال سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو  
تین دن رات موزے نہ اتاریں مگر جنابت  
سے لیکن پانچ ماہ پیشاب اور نیند سے  
موزے نہ اتاریں۔

قوله سَفَرًا : بسكون الفاء جمع مسافر بمعنى المسافر چلے صحابہ صاحب  
کی جمع ہے قبل جمع المسافر والاوّل اصغر یعنی جب ہم سفر میں ہوں۔  
قوله لَا يَنْزِعُ اے لا تخلص الخف یعنی موزے نہ اتاریں۔  
قوله إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ : یہ استثناء مفرغ ہے۔ تقدیر عبادت یوں ہے نہ  
ان لَا يَنْزِعُ خِفَافُنَا مِنْ حَدَثٍ مِنَ الْأَحْدَاثِ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ یعنی  
حدیث اصغر میں موزوں کا مسح درست ہے اور حدیث اکبر میں ناجائز غسل میں پاؤں دھونا بھی فرض  
ہے (کسائر الاعضاء)

## لفظ الکن کی بحث

يقول ابوالاسعاد : حرف الکن عطف کے لیے آتا ہے مقصد استدراک ہوتا ہے  
یعنی پہلے اگر کوئی مشتبه یا دہم کی کوئی شئی ہو تو حرف الکن سے اس کا ازالہ اور دفعہ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ  
قرآن مجید میں آتا ہے :  
”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ  
وَحَاتَمَ النَّبِيِّينَ (پک الاحزاب)

حرف الکن سے قبل کے مضمون میں مطلقاً الہوت کی نفی ہے چونکہ الہوت عام ہے اور جسمانی روحانی  
دونوں کو شامل ہے۔ لہذا جس طرح الہوت جسمانی کی نفی ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس سے الہوت روحانی

کی بھی نفی کا شبہ ہو سکتا ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اہمت کے روحانی باپ ہیں  
جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے :-

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِنَّمَا أَنَا نَكْرٌ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ أَعْلَمُكُمْ رَأْسًا وَرَأْسُكُمْ رَأْسًا وَرَأْسُكُمْ رَأْسًا  
كَرَاهِيَةً اسْتِقْبَالَ الْقِبْلَةِ“

تو ”وَالَيْكُمُ التَّسْلِيمُ“ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ سے اس دہم کا ازالہ فرمادیا یعنی روحانی  
ابوت کے انقطاع کا جو دہم پیدا ہوتا تھا لفظ لَيْكُم سے اس کا ازالہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
اللہ کے رسول ہیں خاتم النبیین اور روحانی باپ ہیں آپ کی روحانی ابوت کا سلسلہ قیامت تک  
باقی رہے گا تو یہاں بھی دراصل ”إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ“ کی وجہ سے ایک شبہ یا سوال پیدا  
ہو سکتا تھا اس کا ازالہ فرمادیا۔

سوال : حدیث پاک میں تو جنابت کی وجہ سے خفین اتارنے اور پاؤں کے دھونے کا  
حکم مذکور ہے اور جنابت میں بدن سے منی کا خروج ہوتا ہے جس کی نجاست مختلف فیہ ہے۔  
امام شافعیؒ منی کی طہارت کے قائل ہیں۔ حنفیہؒ مغفرت اس کو بخش قرار دیتے ہیں تو جب خروج منی  
سے موزوں کے اتارنے کا حکم ہے جس کے بخش ہونے میں اختلاف بھی ہے تو بول و براز جو بالاتفاق  
بخش ہیں ان کے خروج سے تو بطریق اولیٰ موزوں کو اتارنا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔  
جواب : تو لفظ لَيْكُم سے اس سوال کا جواب دے دیا اور وجہ ظاہر ہے کہ جنابت  
شاذ و نادر پیش آتی ہے جب کہ بول و براز کثیر الوقوع ہیں اور حرج کو مستلزم ہیں لہذا اس کی  
تخصیص ہے۔

## ایک نحوی اشکال اور اس کا حل

حَرَفُ الْكَيْتِ عام طور پر نفی کے بعد عطف مفرد علی الفرد کے لیے آتا ہے مثلاً ”مَا جَاءَنِي  
أَحَدٌ إِلَّا لَيْكُنْ عَمْرٌ“ اور اگر اثبات کے بعد آئے تب بھی یہ ضروری ہے کہ اس کے بعد ایک جملہ  
ضروری موجود ہو مثلاً ”سَمِعْتُ عَمْرًا وَلَكِنْ نَبِيًّا لَمْ يَسْمَعْ“ یہاں جو لَيْكُنْ مذکور ہے

وہ اگرچہ عطف کے لیے آیا ہے مگر نہ تو نفی کے بعد واقع ہے اور نہ ہی اس کے بعد کوئی دوسرا جملہ مذکور ہے بلکہ سب مفردات ہیں تو بظاہر یہ نحوی قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے تو شارحین حدیث اور علماء حضرات نے اس اشکال کے بھی مسترد تاویلیں کی ہیں (العرف الشذی ص ۷۷) چند ایک ملاحظہ فرمادیں۔

تأویل اول

مذکورہ اصول اور نحوی قاعدہ اپنی جگہ صحیح ہے مگر یہ مثال شاذ ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب شاذ ہے تو غیر فصیح بھی ہے کیونکہ جب ایک عبارت یا جملہ ایسا آجائے جو فصیح و بلیغ ہو اور اپنے مفہوم کو صحیح ادا کرتا ہو اور عام طور پر کلام عرب میں مستعمل ہو مگر وہ ہمارے نحوی قاعدہ کے تحت نہ آئے تو اسے شاذ کہتے ہیں۔

### عبارت حدیث مجتہد ہے یا نحوی قاعدہ؟

یہاں ایک اور اہم علمی نقطہ ہے کہ جب ایک حدیث پاک کی صحیح اور فصیح عبارت کسی نحوی قاعدہ کے مخالف آتی ہو تو اب کس پر عمل کریں گے اس کو سوال کی شکل دی جا رہی ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی رہے۔

سوال۔ یہ ہے کہ جب حدیث پاک کی صحیح عبارت نحوی قانون کے مخالف ہو تو کیسا عبارت حدیث میں تأویل کی جائے گی تاکہ وہ نحوی قاعدہ کے مخالف نہ ہو یا نحوی قاعدہ کو بدلا جائے گا اس بارے میں دو قول ہیں۔

اول۔ بعض حضرات کے نزدیک عبارت میں تأویل کر کے اس کو بدل دیں گے اور نحوی قاعدہ کے موافق بنائیں گے نحوی قاعدہ میں تأویل نہیں کریں گے۔

دوئم۔ کہ اگر کسی حدیث پاک کی عبارت نحوی قاعدہ کے تحت نہیں آتی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عبارت غیر فصیح ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ قاعدہ میں اتنی جامعیت نہیں اس لیے حدیث پاک کی فصیح و بلیغ عبارت کو اپنے احاطہ میں نہ لے سکا کیونکہ نحوی قواعد اور قانون بلاغت عام طور پر زمانہ جاہلیت کے اشعار اور دواہن مثلاً حماسہ، مثنوی، امرار، انیس کے کلام سے بنائے جاتے ہیں اور استہدائیں ان کا کلام پیش کیا جاتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فصیح العرب

والجہ میں تو چاہیے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی نحوی قواعد اور اصول مستنبط کیے جائیں اور بطور استصحاب کے ان کو پیش نظر رکھنا چاہیے لہذا راجح یہی ہے کہ نحوی قاعدہ میں اس قدر وسعت نہیں تھی کہ وہ حدیث نبوی کی اس عبارت کو اپنے احاطہ میں لے سکتا۔ لہذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ حدیث نبوی اپنی جگہ فصیح و بلیغ اور صحیح ہے مگر نحوی اصول ناقص اور غیر حادی ہیں۔ یہ ہے کہ اگر بالفرض حدیث پاک کی عبارت میں تاویل کر لی جائے جیسا کہ بعض نے ہی کہا ہے تو کہا جائے گا کہ "أَنَّ لَأَمْتَنَزَعُ خَفَا فَنَا ثَلَاثَةَ

تأویل دوم

آيَامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ أَلَا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ نَزَعَهَا مِنْ غَائِطٍ وَبُولٍ وَنُجُومٍ" تو اس تاویل کے پیش نظر لکنت سے قبل جملہ مثبت مذکور ہے اور نحوی قاعدہ کے مطابق لکنت کا استعمال بھی درست ہے مگر یہ تاویل ضعیف ہے اور اس طرح تاویلات کا دروازہ کھل جائے گا۔

علامہ کشمیری "أَلَعَدَّ الشَّيْءُ" میں لکھتے ہیں کہ لکنت عطف کے لیے آتا ہے بشرطیکہ پہلے معطوف علیہ منفی ہو مگر یہ مثبت ہے کیونکہ نفی اِذَا کی وجہ سے ٹوٹ گئی ہے لہذا یہ خلاف قاعدہ ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ گڑبڑ راوی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے نسائی شریف کی روایت میں عبارت صاف ہے۔ ونفظه

تأویل سوم

"عَنْ زَيْدٍ قَالَ سَأَلْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ عَنِ النَّسْعِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا مَسَافِرِينَ أَنْ نَنْسَعَ عَلَى خَفَايَا وَدُنَا نَزَعَهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ غَائِطٍ وَبُولٍ وَنُجُومٍ أَلَا مِنْ جَنَابَةٍ" نسائی شریف ص ۱۱۱ باب التوقيت في السج على الخفين للمسافر اس پر کوئی اشکال نہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل الفاظ تو وہی ہیں جو نسائی شریف کی روایت میں نقل ہیں مگر راوی نے روایت بالمعنی کے پیش نظر ان کو بدل دیا ہے جس کی تفصیل ترمذی شریف میں اسی مقام پر دیکھی جاسکتی ہے۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت زیدؓ ابن شعبہؓ سے فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنِ الْمُنِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ  
قَالَ تَوَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ



کو ضرور کرایا تو آپؐ نے موزہ کے اوپر  
نیچے مسح فرمایا۔

فَمَسَحَ أَعْلَى الْخُفِّ وَأَسْفَلَهُ  
(رواہ ابو داؤد)

## کیا انفل خفین پر بھی مسح مشروع ہے

موزوں میں محل مسح کیسے یعنی مسح علی الخفین اعلیٰ و اسفل دونوں جانب ضرور ہے یا صرف  
جانب اعلیٰ کا مسح کر لینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں دو مسلک ہیں :  
امام اعظم ابو حنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے  
کہ مسح ظہر خفین یعنی موزہ کے اوپر والے حصہ پر کیا جائے باطن خفین (موزوں  
کا وہ حصہ جو زمین کی طرف ہوتا ہے) پر مسح ان کے نزدیک نہ واجب ہے نہ سنت تو گویا کہ اسفل  
خف نہ تو محل مسح ہے اور نہ ہی اس کا مسح مشروع ہے بلکہ مسح کا صحیح محل فوق القدم ہے۔ ابن رشدؒ  
نے بدایہ صراح میں داؤد بن علی النظارؒ کی گواہی بھی مسک نقل کیا ہے۔

**مسک اول**

## امام صاحب و من وافقہ کے دلائل

دلیل اول : حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے :  
رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخَفَيْنِ عَلَى  
ظَاهِرِهِمَا (مشکوٰۃ شریف مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین فصل آخر)  
دلیل دوم : نسب الراۃ ص ۱۸۱ میں ابن ابی شیبہؒ اور دارقطنیؒ کے حوالے سے حضرت  
عمرؓ کی حدیث منقول ہے :

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَنْ يَمْسَحَ عَلَى الْخَفَيْنِ عَلَى  
ظَاهِرِهِمَا إِذَا لَبَسَهُمَا وَهُمَا ظَاهِرَتَانِ »

دلیل سوم : حضرت علیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں :

لَوْ كَانَ الَّذِينَ بَالِغُوا عِلْمًا  
 اسفل الخفین اولی بالمسح من  
 اعلاه وقد مرأت رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم یمسح  
 علی ظاہر خفیه مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۸  
 کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین  
 فصل ثالث

یعنی اگر دین کی مدار قیاس اور رأی پر موقوف  
 تو اسفل خفین کے مسح کا حکم ہونا چاہیے تھا۔  
 کیونکہ وہ زمین پر زیادہ لگتا ہے لیکن چونکہ  
 دینی احکام کی مدار رأی پر نہیں بلکہ نقل پر ہے  
 اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں  
 کے اوپر کے حصہ پر مسح کرتے دیکھا ہے اس لیے  
 اسی پر مسح ہونا چاہیے۔

مسلمک دوم  
 علامہ ابن رشدؒ ہدایۃ البتہ ص ۱۹۱ میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ  
 کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ موزہ کے بالا کی حصہ یعنی (ظاہر) اور زیریں  
 یعنی اسفل دونوں حصوں پر مسح کرے۔ یہی مسلک امام ترمذیؒ نے ص ۱۰۸ میں امام اسحقؒ بن راہویہؒ  
 کا لکھا ہے

امام مالکؒ وغیرہ کی دلیل : حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے  
 عن المغیرۃ بن شعبہؓ قال وضأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 فی غزوة تبوک فمسح اعلی الخف و اسفلہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۰۸  
 یہ بظاہر مالکیہ اور شافعیہ کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خف کے اعلیٰ پر بھی  
 مسح کیا اور اسفل پر بھی۔ اعلیٰ سے مراد ظاہر اور اسفل سے مراد باطن ہے۔

## دلیل مالکیہ وغیرہ کے جوابات

محدثین حضراتؒ نے روایت حضرت مغیرہؓ کے مختلف جوابات دیے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمائیے  
 یہ ہے کہ ظاہر خفین کے دو حصہ ہیں ایک وہ حصہ جو ساق کی جانب کا ہے  
 جواب اول : دوسرا وہ حصہ جو انگلیوں کی جانب ہے۔ اعلیٰ الخف سے مراد پہلا حصہ ہے  
 یعنی پینڈی کی طرف والا اور اسفل الخف سے مراد دوسرا حصہ یعنی انگلیوں کی طرف والا مراد ہے۔  
 حاصل مطلب یہ ہوا کہ پورے ظاہر کا مسح کیا ہے انگلیوں سے لے کر پینڈی تک اور یہی سبب طریقہ ہے

یہ ہے کہ مشکوٰۃ شریف حوالہ بالا میں یہ روایت عَنْ الْمَغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ سے ہے جبکہ ترمذی شریف ص ۱۱۱۱ باب المسع علی الحَقَّابِینِ اَعْلَاهُ وَاسْفَلُهُ میں بھی روایت یوں ہے "عَنْ كَاتِبِ الْمَغِيرَةِ" اور کاتب مغیرہ مجہول ہے پتہ نہیں کون ہے لیکن یہ جواب درست نہیں کیونکہ ابن ماجہ شریف ص ۱۱۱۱ میں روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "عَنْ وَتَرَاد كَاتِبِ الْخَصِيرَةِ" اور معارف السنن ص ۱۱۱۱ میں ہے کہ ان کا نام (ابو سعید و تاراد ثقفی) ہے۔

جواب سوم ۳  
حافظ ابن حجر عسقلانی الحیرۃ اور سید محمد انور شاہ صاحب العرفۃ الشریعہ میں لکھتے ہیں کہ محدث بزار نے اس روایت مغیرہ کو ساتھ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے بغیر اس سند کے کسی میں اسفل کا لفظ نہیں۔

یقول ابوالاعلیٰ سعاد: یہ خطا ولید بن مسلم کی غلطی کا نتیجہ ہے کیونکہ امام احمد نے اس کو کثیر النظار بھی کہا ہے (تہذیب التہذیب ص ۱۱۱۱)۔

جواب چہارم ۴  
یہ ہے کہ یہ حدیث معلول اور ضعیف ہے۔ امام ابو زرعة، امام بخاری، امام ابوداؤد، امام ترمذی، یہ چار جلیل القدر اگر حدیث اس حدیث کی تصنیف پر متفق ہیں بلکہ امام ترمذی نے امام ابو زرعة اور امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ نیز امام ابوداؤد نے بھی تصنیف کی ہے۔ لکن فی المشکوٰۃ الشریف

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ مَعْلُولٌ وَسَأَلْتُ أَبَا نَضْرَةَ عَنْ مُحَمَّدٍ ابْنِ الْبُخَارِيِّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَيْسَ بِصَحِيحٍ وَلَكِنْ أَضَعَّفَهُ أَبُو دَاوُدَ  
ترجمہ: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث معلول ہے اور میں نے ابو نضرہ سے محمد بن ابی بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان بزرگوں نے فرمایا کہ صحیح نہیں۔ یوں ہی ابوداؤد نے اسے ضعیف فرمایا۔

### حدیث معلول کی بحث

یقول ابوالاعلیٰ سعاد: حدیث معلول کی سب سے جامع مانع تعریف حافظ ابن حجر نے

تحت الفکر میں فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث معلول اس حدیث کہہتے ہیں کہ جس کی سند یا متن میں کوئی خفی علت تاویہ پائی جا رہی ہو خواہ اس کے تمام رجال ثقات ہوں معلول حدیث کی مشکل اور دقیق ترین قسم ہے کیونکہ حدیث کی علل کا پہنچانا بہت مہارت اور تجربہ کا متقاضی ہے جسے ماہر فی الفن ہی سمجھ سکتا ہے اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اس علت کا دوسرے خفیہ کی نشان دہی بھی کر سکے یا اس کی کوئی لفظی تعبیر کر سکے۔

« وَقَدْ يَقْصِدُ عِبَارَةَ الْمُعْتَلِّ عَنْ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ عَلَى دَعْوَاهِ »

کالمفسر فی نقد الدینار واللہ ہجہ (شرح ضخمة الفکر ص ۲۰)

باقی وجوہات معلولہ کیا ہیں اس کی مکمل بحث ترمذی شریف میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں یہاں بیان ناظرہات سے خالی نہیں۔ نیز وجوہات معلولہ کا تعلق سندات کے ساتھ ہے جبکہ مشکوٰۃ شریف میں سندات نہیں ہیں۔

ترجمہ: روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔

وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمَسِّحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلَى ظَاهِرِهِمَا

(رواہ الترمذی)

قوله وَعَنْهُ: اے عن المفیدۃ متصلاً۔ مزید تحقیق قدر آفاً۔

## موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

قادی قاضی خان میں ہے کہ مسح خفین کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں داہنے موزہ کے مقدمہ (اگلا حصہ) پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزہ کے مقدمہ پر رکھے اور انگلیوں سے خطوط کھینچ کر پاؤں کی انگلیوں سے شروع کر کے، پٹری کی جانب کعبین کے اوپر تک لے جائے۔  
**ذیل:** اس سلسلہ میں اصل روایت حضرت مغیرہؓ کی ہے جسے صاحب ہدایہ کتاب الطہارت باب المسح علی الخفین میں بطور غلامہ نقل کیا ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں پوری روایت

یوں ہے :-

” حَدَّثَنَا الْحَنْفِيُّ عَنْ ابْنِ عَامِرٍ الْخَزَائِجِيِّ ثَنَا الْحَسَنُ (الْبَصْرِيُّ) عَنْ الصُّنَيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالِي شَرْجَاءَ حَتَّى تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خَفَّيْهِ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى خَفِّهِ الْاِيمَنِ وَيَدَهُ الْاِيسْرَى عَلَى خَفِّهِ الْاِيسَرِ شَرْجَ مَسَحَ اَعْلَاهُمَا مَسَحَةً وَاحِدَةً حَتَّى انْظَرَ اِلَى اَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخَفَّيْنِ “

حضرت میسرہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب فراغت کے بعد وضو کیا اور اپنے دونوں موزوں پر اس طرح مسح فرمایا کہ دائیں ہاتھ دائیں موزہ پر اور بائیں ہاتھ بائیں موزہ پر رکھ کر موزوں کے بالائی حصہ پر ایک دفعہ مسح کیا گویا اب بھی آپ کی انگلیوں کے نشانات موزہ پر دیکھ رہا ہوں۔

## روایت مذکورہ سے چند امور استفادہ ہوتے ہیں

يقول ابوالاسود: روایت مذکورہ سے چند امور استفادہ ہوتے ہیں جن کا تعلق بھی حقیقت مسح علی الخفین کے ساتھ ہے لہذا ان کا بیان خالی از غائے نہیں۔ امور استفادہ ملاحظہ فرمادیں۔

- ۱۔ یہ کہ موزوں کے مسح میں خفین کا استیعاب سنون نہیں جیسے سر کے مسح میں استیعاب سنون ہے۔
- ۲۔ یہ کہ آلہ مسح یکدہ پس موزوں کا مسح ہاتھ سے ہوگا اور اگر کپڑے وغیرہ سے تو ان انگلیوں کے بقدر جگہ ضروری تو مسح جائز ہو جائے گا لیکن خلاف سنت ہوگا رکذا فی مراقی الفلاح (وحوالہ)

۳۔ یہ کہ مسح انگلیوں کے ذریعہ سے خطوط (گیر) کی شکل میں ہونا چاہیے۔

۴۔ یہ کہ مسح کی ابتداء پاؤں کی انگلیوں سے ہونی چاہیے۔

۵۔ یہ کہ نڈا اصابع (انگلیوں کا کھینچنا) کی انتہاء پینڈلی تک ہونی چاہیے۔

۶۔ یہ کہ بوقت مسح انگلیوں میں کشادگی ہونی چاہیے۔

۷۔ یہ کہ مسح بلا تشلیف صرف ایک بار مسنون ہے۔ حضرت عطاءؓ غسل کی طرح اس میں بھی تشلیف کے قائل ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ بار بار مسح کرنے سے انگلیوں کے نشانات خطوط کی شکل میں باقی نہیں رہ سکتے حالانکہ روایات میں اس کی صراحت موجود ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ تَوَضَّأُ الشَّيْءُ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ  
عَلَى الْجَوْرِ بَيْنَ وَالتَّلَيْنِ -

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرمایا  
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور  
جراہوں اور پاتاؤں پر مسح کیا۔

(مرادہ احمد والترمذی)

قَوْلُهُ وَعَنْهُ : اَمَّ عَنْ الْمَنْبُوتَةِ -  
قَوْلُهُ جَوْرَ بَيْنَ : جَوْرَب کا تشبیہ ہے جو معرب ہے۔ قانوس میں لکھا ہے  
کہ جو رِب پاؤں کے لغو کو کہتے ہیں (الجَوْرَب لِفَاغَةِ الرَّجْلِ) جو موزہ کی حفاظت  
کی غرض سے پہنا جاتا ہے۔  
قَوْلُهُ وَالتَّلَيْنِ : چل کی شکل کا پٹلا ہے جس سے صرف پاؤں کے تلوے محفوظ  
رہتے ہیں یہ سوت اور اون کا بنا ہوا ہوتا ہے اور نیچے کی جانب پٹا لگا ہوا ہوتا ہے اس کو  
منقلین کہتے ہیں۔

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ ————— الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرِ بَيْنَ

### مَسْحُ عَلَى الْجَوْرِ بَيْنَ کی شرعی حیثیت

حُفَّائِن کے علاوہ سردی سے بچنے کے لیے جو چیز پاؤں میں پہنی جاتی ہے اس کو  
جَوْرَبین کہتے ہیں۔ کیا جو رِبین پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ پہلے ان کی اقسام معلوم کرنا ضروری ہے۔  
جراہوں کی کئی قسمیں ہیں یہاں وہ اقسام بیان کی جاتی ہیں جن کا جانا  
مسند کے بچنے کے لیے ضروری ہے۔

جراہوں کی اقسام

۱۔ **جَوْرَبَیْنِ مُجَلَّدَیْنِ** ، یعنی وہ جو راہیں جن کے اوپر اور نیچے چڑا لگا ہوا ہو۔  
 دوم۔ **مُتَعَلِّکَیْنِ** ، وہ جو راہیں جن کے ٹکوسے پر چڑھا چڑھا ہوا اور کچھ چڑا اور نیچے  
 تقریباً جوتے کی مقدار میں ہو۔

سوم۔ **تَخْلِیْسَیْنِ** ، جن میں یہ شرائط ہوں۔

۱۔ اتنی گاڑھی ہوں کہ بغیر یاغیہ پنڈلی پر قائم نہ کیوں۔

۲۔ اتنی مضبوط ہوں کہ جوتے کے بغیر یہ جو راہیں پہن کر چند میل چلا جاسکتا ہو۔

۳۔ اوپر نظر لگانے سے نیچے کی کھال ان میں سے نظر نہ آئے جس کو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں نہ  
 لا یشفان شفقاً سے اتنا باریک ہو کہ دوسری طرف کی چیز نظر آئے۔

۴۔ اگر اوپر پانی ڈالا جائے تو چھن کر نیچے کھال تک نہ پہنچے۔

چہارم۔ **سَاقِیَّتَیْنِ** ، یعنی وہ جو راہیں جن میں **تَخْلِیْسَیْنِ** کی شرائط موجود نہ ہوں۔

## بیان مذاہب

جو راہوں پر مسح کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں دو مذاہب ہیں :

**مذہب اول** غیر مقلد حضرات مطلقاً مسح علی الجوزین کے جواز کے قائل ہیں خواہ جلد  
 ہوں یا منتقل ، ٹھین ہوں یا رقیق حتیٰ کہ باریک مثل سے بنائے گئے ہوں  
 تب بھی مسح جائز ہے۔ علامہ ابن رشد بدایۃ الجہد ص ۱۹۱ میں لکھتے ہیں کہ مسح علی الجوزین کے  
 بارے میں ایک قوم جواز کی قائل ہے۔

**مستدل**۔ استدلال حدیث باب سے کرتے ہیں کہ مسح علی الجوزین حدیث پاک میں  
 مطلق مذکور ہے۔ اس لیے علامہ بھی اس کے اطلاق کو باقی رکھا جائے۔

**مذہب دوم** خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ اگر علامہ (امام ابو حنیفہؒ) ، امام شافعیؒ ، امام  
 احمد بن حنبلؒ) اور صاحبینؒ کے نزدیک مسح علی الجوزین جائز ہے

بشرطیکہ راہ کاں مجلّدین او متعلّکین او تخلّیسین) اور امام مالکؒ کے نزدیک "ان  
 کان تخلّیسین فقط" امام غزالیؒ معالم السنن ص ۱۹۱ میں امام احمدؒ اور اسمٰعیل بن راہویہ کا یہ  
 مسلک بتاتے ہیں۔ اور بقول امام ابو داؤدؒ ، علی بن ابی طالبؒ ، ابو سعیدؒ ، برادر بن مازبؒ ،

انس بن مالک، ابوامامہ، سہل بن سعد، عروین حریث، عمر بن الخطاب، ابن عباس الخ کا یہی قول ہے۔

**فائدہ :** یقول ابوالاسعاد۔ کہ جمہور یعنی اکثر ثلاثہ اور صاحبین کا مسلک صحیح علی الجورین (بشرائط الذکورہ) جائز ہے۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہ کا اصل مسلک عدم جواز کا ہے لیکن بقول صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع، صاحب فتوح القدر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے آخر میں جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

”وعنه انه راجع الى قولهما وعليه الفتوى ربه اير شريف“  
باب المسح على الخفين) اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ آپ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا

مجمع الأنهر میں لکھا ہے کہ یہ رجوع وفات سے فریاتین دن پہلے کیا گیا اور جامع ترمذی علاحدہ عابد سندھی دوائے قلمی نسخ میں یہاں ایک عبارت اور موجود ہے۔

”قال عيسى سمعت صالح بن محمد الترمذی قال سمعت ابا مقاتل الترمذی يقول دخلت على ابي حنيفة في مرضه الذي مات فيه فوجدنا باماء فتوضاء وعليه جورا بان فمسح عليهما ثم قال فعلت اليوم شيئا لم اكن افعله مسحت عكلى الجور مبكين وهما غير متعلين ركذا في طيبة الحلبي للترمذی بتصحیح الشيخ احمد شاكر المحدث“

بہر حال اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے آخر میں رجوع فرما لیا تھا۔ لہذا اب اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ جو رہیں حنفیین پر مسح جائز ہے۔

**مستدل :** جمہور کے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور ہر قسم کی جوراب پر علی الاطلاق مسح کو جائز نہیں سمجھتے۔ ان جس جوراب میں ایسی شرائط پائی جائیں جن کی وجہ سے صورتاً تو جورابیں ہوں (خفین، بخلدین، متعلین) لیکن حقیقتاً خف کے معنی میں ہوں ان پر مسح کا جواز ثابت کرنے کے لیے مستقل دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ جن احادیث مشہورہ کی بنا پر ہم مسح علی الخفین کو جائز سمجھتے ہیں وہی حدیثیں ایسی جورابوں پر مسح کے جواز کی دلیلیں ہوں کیونکہ یہ جورابیں کہنے میں



جورابیں ہیں جبکہ ممکن موزے ہیں حاصل دلیل یہ ہے کہ جو جوراب خف کے معنی میں ہو اس پر مسح جائز ہے لیکن اس خبر واحد کی وجہ سے نہیں بلکہ مسح علی الثقلین والی احادیث مشہورہ کی وجہ سے اور جو جوراب خف کے معنی میں نہ ہو اس پر مسح جائز نہیں کیونکہ جس درجہ کی دلیل مطلوب ہے وہ یہاں موجود نہیں۔

## مسح علی الجوربین مطلقاً جواز کے قائلین کی دلیل کے جواباً

جو حضرات مسح علی الجوربین مطلقاً جواز کے قائل ہیں یا جائز قرار دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر حدیث مذکورہ "وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَيْنِ" کو پیش کرتے ہیں ان کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں:

یہ ہے کہ مسح علی الجوربین والثقلین میں دو عطف تفسیر کے لیے ہے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین پر مسح کیا ایسے جوربین جو متعلقین تھے یا دو یعنی مع کے ہے یعنی مسح علی الجوربین مع الثقلین یا مسح علی الجوربین مع کو نہ لایا۔  
نقلیدہ۔

یہ ہے کہ مسح علی الجوربین والثقلین والی روایت ضعیف ہے چنانچہ المزمع والذکر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ روایت نہ متصل ہے نہ قوی و لیس بالمتصل ولا بالقوی، حافظ بیہقی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ متصل تو اس لیے نہیں ہے کہ اس کو ضحاک بن عبدالرحمن نے حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابو موسیٰؓ سے ضحاک کا سماع ثابت نہیں اور قوی اس لیے نہیں کہ اس کی اسناد میں عیسیٰ بن سنان راوی ضعیف ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور ابن معینؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ نیز عقیلی نے بھی ضعیف ہی بتایا ہے ولہذا فلا یستدل بہ۔

## الْبَحْثُ الثَّانِي — مَسْحٌ عَلَى النَّعْلَيْنِ

حدیث الباب (مسح علی الجوربین والنعلین) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نے نعلین یعنی جوتوں پر مسح کیا ہے جب کہ تمام ائمہ کرامؒ اس پر متفق ہیں کہ مسح علی النعلین درست نہیں اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا سب کے لیے اس حدیث کا جواب دینا ضروری ہے چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں:

**جواب اول:** معالم السنن ص ۱۲۲ ج ۱ میں خطابیؒ، امام بیہقیؒ کا یہ جواب نقل کرتے ہیں کہ مسح علی النعلین سے مراد پاؤں کا غسل ہے اور مسح بمعنی غسل آتا ہے۔ یہ جواب علامہ زلیعیؒ نے بھی نصب الراية ص ۱۸۹ ج ۱ میں امام بیہقیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

**جواب دوم:** علامہ شوکانیؒ منہل الاوطار ص ۱۲۲ ج ۱ میں یہ جواب دیا ہے کہ (مسح علی النعلین والنعلین) میں واو جمع کے معنی میں ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جوتاؤں پر مسح کیا جو نعلین کے ساتھ تھیں۔ یعنی نعلین کی مقدار ان پر چڑھا چڑھا ہوا تھا۔ راوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین نعلین پر مسح کیا ہے۔

**جواب سوم:** ترمذی شریف ص ۲۹ ج ۱ الباب المسح علی الجوربین والنعلین کے بین السطور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسح نعلین منسوخ ہے رکذافی سنن الدارمی ص ۱۲۱ ج ۱۔ یہ روایت ضعیف ہے کما مرّ انفاً۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ مَسَحَ | ترجمہ: روایت ہے حضرت مغیرہؓ

سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
موزوں پر مسیح کیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ  
کیا آپ بھول گئے فرمایا بلکہ تم بھول گئے  
مجھے میرے رب نے اسی کا حکم دیا۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ  
اللَّهِ نَسِيتُ قَالَ بَلْ أَنْتَ كُنَيْتُ  
بِهَذَا أَمَرَنِي رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ

(رواہ احمد والبوداد)

قولہ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ : چونکہ حضرت مغیرہؓ نے اس سے پہلے موزوں کا مسیح  
نہ دیکھا تھا اس لیے یہ سوال کیا۔

قولہ قَالَ : اَيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَسِيتُ : حضرت مغیرہؓ کے  
کہنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے پاؤں نہیں دھوئے اور موزے اسی طرح پہن لیے انہوں نے یہ  
سمجھا ہوا تھا کہ طہارت کا ملہ کے بغیر مسیح کرنا جائز نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہؓ کے  
اس خیال کی تردید فرمادی کہ میں بھولا نہیں تو بھول چکا ہے یہ دلیل ہے کہ طہارت کا ملہ تاہم ضروری  
نہیں۔ کما مَرَّ - ثانیاً - بِهَذَا أَمَرَنِي رَبِّي سے اشارہ ہو گیا کہ اس کا ثبوت وحی کے ذریعہ ہوا۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت علیؓ سے  
فرماتے ہیں کہ اگر دین راسی سے ہوتا تو موزوں  
کے نیچے مسیح کرنا اور پر مسیح کرنے سے بہتر ہوتا  
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ  
آپ موزوں کے اوپر مسیح کرتے تھے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَوْ كَانَ الدِّينُ  
بِالْأُثْرَى لَكَانَ اسْفَلُ الْخُفِّ  
أَوَّلَى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ  
رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَمْسَحُ عَلَى ظَاهِرِ خُفَيْهِ :

(رواہ ابو داؤد)

قولہ لَوْ كَانَ الدِّينُ بِالْأُثْرَى : اسے بمجرد العقل دون الروایۃ والتقل  
(مرفقہ) قولہ اسْفَلُ الْخُفِّ : اسفل الخف سے مراد باطن الخفین ہے یعنی موزہ  
کا نچلا حصہ۔ اس اثر سے دو باتیں ثابت ہوئیں :-

اول : حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی اور گندگی چونکہ موزوں کے نیچے  
کی جانب لگ سکتی ہے اس لیے عقل ہی تقاضا کرتی ہے کہ جس طرف ناپاکی اور گندگی لگنے کا شبہ ہو

اسی طرف پاکی اور ستھرائی کے لیے مسح کرنا چاہیے مگر چونکہ شرع میں صراحت آگیا ہے کہ مسح اوپر کی جانب کرنا چاہیے۔ اس لیے اب عقل کو دخل دینے کی گنجائش نہیں رہی ہے۔

دوئم: یہ کہ موزوں کے صرف ظاہر پر مسح ہو گا نہ کہ نیچے والے حصہ پر جیسا کہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔

سوم: اگر عقل حکم شرع کے خلاف ہو تو عقل مردود ہے اور حکم شرع مقبول دیکھو۔  
حضرت علیؓ کی عقل کہتی تھی کہ موزے کے نیچے مسح ہونا چاہیے کیونکہ زمین سے وہی حصہ لگتا ہے اور گندگی سے وہی قریب رہتا ہے مگر حکم شرعی کے مقابل آپؐ نے اپنی رائی چھوڑ دی۔  
امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر دین راستے سے ہوتا تو میں پیشاب سے غسل واجب کرتا۔  
اور منی سے وضو کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے ہاں پاک بھی ہے اور  
میں لڑکی کو لڑکے سے دگنا میراث دیتا کیونکہ لڑکی بہ نسبت لڑکے کے کمزور ہے۔ (برقات)

## حضرت علیؓ کے کلام کا مطلب

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَاد: حضرت علیؓ کا یہ ارشاد گرامی ”تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ يَنْصُرْكَ“ کہ ہمارے  
دین اور احکام شرع کی مدار عقل پر نہیں یہ بالکل صحیح ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دین اور شریعت  
کے احکام خلاف عقل ہیں فقہاء اہل اصولیت نے بہت سے احکام کو غیر مذکور بالرائی لکھا ہے یعنی  
بعض احکام شرعیہ ایسے ہیں جن تک ہمارے عقل کی رسائی نہیں لیکن خلاف عقل ہونے کے قول کی  
جرات کسی نے نہیں کی۔ اس لیے بحمد اللہ ہماری شریعت مقدسہ کے تمام احکام عقل سلیم اور فطرت  
کے عین مطابق ہیں اصحاب عقل سلیم کا اولین مصداق حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات مبارکہ ہیں۔  
تَشْكُرُ الْمَثَلَ فَلَا مَثَلَ -

## بَابُ التَّيْمَمِ

یَقُولُ الْبَوَالِ سَعَادُ : صاحب کتاب طہارت مائید اور اس کے مُتَعَلِّقَات سے فراغت کے بعد آب طہارت تراویہ کی بحث فرما رہے ہیں۔ طہارت مائید کی تقدیم اور طہارت تراویہ کی تاخیر اس کے مُتَعَدِّد وجوہ ہیں۔

اَوَّلُ : صاحب کتاب نے کتاب اللہ کی موافقت کی ہے کیونکہ قرآن مُقَدِّم میں پہلے طہارت مائید کے احکامات ہیں پھر طہارت تراویہ کے۔

« يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ » (پ)

دَوِّمُ : طہارت مائید اصل ہے اور طہارت تراویہ خلیفہ ہے کیونکہ خلیفہ کا مرتبہ اصل کے بعد ہوتا ہے اس لیے طہارتین میں یہ تقدیم و تاخیر ہے۔

تَیْمَمٌ سے مُتَعَلِّق مباحث ثلاثہ

## الْبَحْثُ الْأَوَّلُ ————— مَعْنَى التَّيْمَمِ لُغَةً وَشَرْعًا

شَرْحُ الْأَمِّ سَمْعِيٌّ فَرَمَاتے ہیں کہ لغت میں تَیْمَم کے معنی مُطْلَق قصد و ارادہ کے ہیں۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ رِبَّ (پ) اِسْمٌ لَا تَقْصُدُوا رُكْنًا فِي الْجَنَّةِ لَسِينَ

بُحْثَات لَفْظِ حَجِّج کے کہ اس کے معنی ہیں « الْقَصْدُ إِلَى مُكَتَبٍ » یعنی حج کے معنی بھی قصد کے ہیں لیکن اس میں مُكْتَبٌ و محترم کی تفسیر ہے۔ یعنی کسی مُكْتَبٌ و محترم چیز کا قصد کرنا۔

شَرِيعَتِ مُقَدِّم میں تَیْمَم کے کہتے ہیں :

عَنَّا يَهْ كُفَايَهُ وَغَيْرِهِ فِي هَذَا « التَّيْمَمُ فِي الشَّرِيعَةِ هُوَ الْقَصْدُ إِلَى الْقَصْدِ »

الطَّاهِرِ لِلتَّطَهْرِ» اور بَدَائِعِ وَغِيرَہ میں ہے «اِسْتِحْمالُ الصَّيْدِ الطَّيِّبِ فِي عَضْمَيْنِ مَخْصُومَيْنِ عَلَى قَصْدِ التَّطَهْرِ لِشَرَاطِطِ مَخْصُوصِيَّتِهِ» لیکن پہلی تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بقول صاحبِ فتح دیگر وغیرہ قصد شرط ہے نہ کہ رکن۔ اور دوسری تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اعضاء پر جو رارض کا استعمال شرط نہیں یہاں تک کہ چکنے پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے۔ پس شرعی تیمم کی بہتر تعریف یہ ہے «اِنَّكَ اسْتَوْدَعْتَهُمُ الْوَجْهَ وَالْيَدَيْنِ عَنِ الصَّيْدِ الطَّاهِرِ بِنِيَّةٍ خَاصَّةٍ» کہ بشرطِ نیت خاص پاکیزہ زمین سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا تیمم کہلاتا ہے۔ صحیح اور متفق علیہ تعریف یہی ہے۔ صاحبِ بحر و نہر و صاحبِ فتح وغیرہ نے اسی کو لیا ہے۔

## قیودات کی تشریح

تعریف میں لفظ صَیْد سے یہ بتانا ہے کہ زمین کی جس ہونی چاہیے خواہ اس پر خاک اور غبار ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ چکنے پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے اور طَّاهِر کی قید سے نجس زمین نکل گئی کیونکہ آیت «فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا» میں صَیْدِ طَيِّب کی قید ہے تو وہ ہر طرح سے پاکیزہ ہونی چاہیے۔ پس جو زمین پیشاب وغیرہ سے نجس ہو جائے اور پھر دھوپ وغیرہ سے خشک ہو جائے تو وہ من وجہ پاک ہو گئی یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن وہ من کل وجہ پاک نہیں اس لیے اس پر تیمم جائز نہ ہو گا۔ درمختار میں ہے کہ وہ مایستعل کی مانند ہے یعنی خود تو پاک ہے لیکن پاک کرنے والی نہیں ہے۔ اور نیتِ خاص سے مراد یہ ہے کہ تقریب کی نیت ہونی چاہیئے۔

## الْبَحْثُ الشَّانِي — تیمم کی مشروعیت

جاننا چاہیے کہ جس طرح اَفْكَ عَالِشَشْر کے قصہ کی بناء پر فقہ عقیدہ لار کا گم ہونا ہے اسی طرح مشروعیتِ تیمم کا سبب بھی یہی لار کا گم ہونا ہے اُنک کا واقعہ بالاتفاق غزوہِ مدینہ

میں پیش آیا جس کو غزوہ بنو المصطلق بھی کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ہڈی کا مار گم ہو گیا تھا  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے فرمایا اس میں نماز کا وقت ہو گیا پانی  
 موجود نہ تھا بعض لوگوں نے اس پر نشان کن صورت حال کی شکایت صدیق اکبرؓ سے کی کہ آپ  
 کی صاحبزادی کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگوں کو زحمت انتظار گزار کرنی  
 پڑی۔ صدیق اکبرؓ نے یہ سن کر صاحبزادی کو برا بھلا کہا کہ تمہاری وجہ سے ایسی جگہ پر رکن پڑا جہاں  
 پانی نہیں ہے اس پر آیت تیمم نازل ہوئی اور حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس مشکل کو آسان کر کے ہمیشہ  
 کے لیے ضرورت مند مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا۔ اسی موقع پر حضرت اسید بن حضیرؓ نے فرمایا تھا  
 ”وَمَا هِيَ بِأَوَّلِ بَرَكَةٍ كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ“ (سنن شریف) بِرَحْمَتِكَ اللَّهُ مَا نَزَلَ بِكَ أَمْرٌ  
 فَكَرَّهِيْنَهُ إِلَّا جَعَلَ اللَّهُ لِلْمُسْلِمِينَ وَلَكَ فِيْهِ فَرْجًا رَّابِدًا وَتَرْفِيعًا

ماہ ۱۱ باب التیمم

اے آل ابوبکر تیمم کا یہ انعام تمہاری کچھ سیلی ہی خیر و برکت نہیں ہے بلکہ اُم المؤمنینؓ خدا  
 تم پر رحمت فرمائے جب کبھی آپ کے ساتھ کوئی ناگوار بات پیش آئی تو ساتھ ہی اللہ  
 نے اس میں کوئی ایسا انعام بھی رکھ دیا جس میں مسلمانوں کے لیے سہولت اور آسانی ہو۔

## الْبَحْثُ الثَّالِثُ — تیمم کس غزوہ میں پیش آیا؟

حضرت عائشہؓ کا مار گم ہونے کے موقع پر دو قسے پیش آئے ہیں۔ ایک قعدہ انک اور ایک  
 قعدہ تیمم اب قعدہ انک تو بالاتفاق غزوہ بنی المصطلق میں پیش آیا ہے جس کو غزوہ مرسیع بھی کہتے ہیں  
 یہ اور بات ہے کہ اس غزوہ کے سن و تواریخ میں اختلاف ہے۔

امام بخاریؒ نے ابن اسحاقؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ سلسلہ میں پیش آیا ہے۔ خلیفہ اور طبری نے  
 اسی پر جزم کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہؒ سے نقل کیا ہے کہ سلسلہ میں پیش آیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے  
 اس کو سبقت قلم بخاری قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ مخازی موسیٰ بن عقبہؒ میں ان سے بہ طرق متعدّدہ  
 سلسلہ نقل ہوا ہے۔ جن کی تخریج حاکم اور بیہقی وغیرہ نے کی ہے۔ ابن سعدؒ کے نزدیک  
 ۲ شعبان سلسلہ میں پیش آیا ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ ابوعبید اللہؒ نے الاکلیل میں اسی کو

ترجیح دی ہے۔ اور پہلی نے قنارہ وغیرہ سے یہی ہدایت کیا ہے۔ «قال الجاکوفی الاکلیل قول عن ودة وغیرہ انھا سکنن خمس اشبه من قول ابن اسحاق الخ»  
لیکن تفسر تیمم کس غزوہ میں پیش آیا اس کی بابت اختلاف ہے اور تین قول ہیں۔  
اول : شیخ احمد بن نصر داؤدی شارح بخاری نے غزوہ فسطاط ذکر کیا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے جس کی بابت خود داؤدی نے بھی تردید کیا ہے۔

دوم : امام بخاری کی رائے یہ ہے کہ سقوط عقد کا واقعہ جس میں آیت تیمم نازل ہوئی۔ غزوہ ذات الرقاع میں پیش آیا ہے اور وہ غزوہ خیبر کے بعد کا ہے جس کا شمار شہد کے غزوات میں ہوا ہے۔  
سوم : لیکن علاء الدین عبد البر ابن سعد، ابن حبان وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی غزوہ بنی مصلط میں پیش آیا ہے اور یہی مشہور ہے۔

یہ ہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو «لما در کيف اصنع» میں نہیں جان سکا کہ تیمم کا عمل کس طرح کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ نزول آیت تیمم کے واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ شریک تھے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ خیبر میں حاضر ہوئے ہیں جس کا شمار شہد کے غزوات میں ہے۔ تو حضرت ابو ہریرہؓ کی شرکت سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے۔ اور غزوہ ذات الرقاع میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی شرکت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ السعایہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ مشرف باسلام ہوئے اور ان کو تیمم کی ضرورت پیش آئی تو ان کے سامنے آیت تیمم پڑھی گئی «فخلق انھا نزلت عند ذالک» او یقال اطلق علی علمہا نزولھا»

## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ حَدِيْفَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ترجمہ : روایت ہے حضرت حفصہؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ  
جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ  
الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا  
الْأَرْضُ مِثْلَ مَسْجِدٍ وَجُعِلَتْ  
تُرْتِبَتُنَا طُحُورًا إِذَا تَوَجَّعِدَ  
الْمَاءُ رِجَالَهُ مُسْلِمًا

سے ہم کو دوسرے لوگوں پر تین چیزوں سے  
بزرگی دی گئی۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں  
کی طرح کی گئیں۔ ہمارے لیے ساری زمین مسجد  
بنادی گئی اور جب پانی نہ پائیں تو اس کی گھٹی  
پاک کرنے والی کر دی گئی۔

قولہ بثلاث - ثلاث کا صفت مُتَعَدِّد ہے اسے ثلاث خصاں - یعنی تین  
خصائیں یا تین صفات ان کو خصائص الامت بھی کہتے ہیں اور خصائص بنو تہ بھی۔  
سوال - اس حدیث پاک میں امت کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ حالانکہ "خصائص" الکبریٰ  
کتاب میں سو سے زیادہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

جواب اول : یہ ہے کہ اس اصول کے تحت کہ اقل عدد ماکراؤ کی نفی نہیں کرتا یعنی حدیث  
پاک میں ثلاث صنف کے لیے نہیں کیونکہ اس امت کی اس کے علاوہ بھی بہت سی خصوصیات ہیں۔  
جواب دوم : ثلاث کی تفصیل مقام کی مناسبت سے ہے کیونکہ اس وقت وحی ان  
نبیوں کے مُتَعَلِّق نازل ہوئی تھی اس لیے ان کو ذکر فرمایا۔

قولہ جُعِلَتْ صُفُوفُنَا، اسے وَقُوفُنَا فی الصَّلَاةِ - پہلے دور کی امتیں  
یعنی یہود و نصاریٰ اپنے معبود خانہ میں امام کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور عبادت کرتے مگر اس  
امت کی یہ خاصیت رکھی گئی کہ ان میں صفیں ہوں جیسے ملائکہ کی صفیں ہیں۔ ملائکہ ذات باری تعالیٰ  
کے سامنے صفیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں۔

» قَالَ تَعَالَى سَكَايَةَ عَنْهُمْ « وَرَأَيْنَا لِنَحْنُ الصَّافُونَ وَرَأَيْنَا لِنَحْنُ الْمُبَجَّوْنَ  
(پکا) مانیا پہلے اول صف کو پورا کرتے ہیں پھر دوسری صف شروع کر دیتے ہیں بعد ازاں یہی حکم جہاد  
میں مُعَيَّن ہوا۔

قولہ جُعِلَتْ لَنَا الْأَرْضُ مِثْلَ مَسْجِدٍ - دوسری چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے یہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری امتوں کے مقابلہ میں اس امت پر یہ بھی بڑا احسان فرمایا

اور فضیلت بخشی کہ اس امت کے لوگوں کے لیے تمام زمین کو سجدہ گاہ قرار دے دیا کہ بندہ زمین کے جس پاک حصہ پر خدا کے سامنے جھک جائے اور نماز ادا کرے اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ لیکن سابقہ ائمہ میں یہ سہولت و فضیلت نہیں تھی۔ ان لوگوں کی عبادت کُنائس اللہ ربیع رجو سابقہ امتوں کے عبادت خانوں کے نام ہیں) کے علاوہ اور کہیں جائز نہ ہوتی تھی۔

قَوْلُهُ جُعِلَتْ تَرَبُّهَا لَنَا طَهُورًا۔ تراب سے مراد تراب الارض ہے اور طَهُور سے مراد مٹھلہ ہے۔ تیسری فضیلت یہ بیان فرمائی کہ اس امت کے لیے تیمم کو جائز کر کے اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے سہولت معین کر دی کہ اگر پانی نہ ہو تو مٹی یا کھجور کے پتھر سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو جبکہ سابقہ امتوں میں طہارت کا ذریعہ صرف پانی تھا۔

قَوْلُهُ كَفَرُ بَحْدِ الْمَاءِ۔ پانی نہ پانے سے مراد اس کے استعمال پر قادر نہ ہونا ہے خواہ اس لیے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس لیے کہ موجود ہو مگر دشمن یا موزی کی وجہ سے استعمال نہ کر سکے۔

## تیمم کس چیز سے جائز اور کس سے ناجائز؟

علاء الدین عبد البر کہتے ہیں کہ مٹی سے تو بالاجماع تیمم جائز ہے لیکن اختلاف اس بات میں ہے کہ مٹی سے مراد کونسی مٹی ہے یعنی صَعِيدِ طَيِّب سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں دو مسلک مشہور ہیں۔

امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک صَعِيدِ طَيِّب سے مراد ترابِ مُبْتَدِئِہ ہے یعنی اگاسے والی وہ مٹی جو شور ہے اس سے تیمم جائز نہیں اور حَفِيفٌ میں سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی علی القول الاصح تیمم ترابِ مُبْتَدِئِہ کے ساتھ خاص ہے۔  
دلیل۔ حدیث الباب ہے جس کے الفاظ ہیں اَوْ جُعِلَتْ تَرَبُّهَا لَنَا طَهُورًا "تراب سے مبتدئ تراب مراد لیتے ہیں نہ کہ شور و کمر وغیرہ۔

امام ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ کے نزدیک صَعِيدٌ کا مصداق وجد الارض (روئے زمین) ہے لہذا تیمم تراب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ "کل ما کان من

مسک اول

مسک دوم

جنس الارض سے جائز ہے اور جنس الارض سے مراد یہ ہے کہ جو چیز آگ پر گرم کرنے سے نہ پگھلے اور نہ جلانے سے راکھ ہو اور نہ پانی میں گلے جیسے جس نورہ زریخ پتھر، سرمہ وغیرہ لیکن راکھ اس سے مستثنیٰ ہے کہ یہ نہ جلانے سے جلے نہ پگھلانے پگھلے۔ پھر بھی اس سے تیمم جائز نہیں۔  
**مستدل اول**۔ قول باری تعالیٰ ہے ”فَتَيَسَّمَّوْا صَعِيدًا طَيِّبًا“ صاحب تائوس جوڑہ بیاضا فنی السکک میں لکھتے ہیں ”الصَّعِيدُ هُوَ التُّرَابُ أَوْ وَجْهُ الْأَرْضِ“  
 صاحب مصباح فرماتے ہیں ”الصَّعِيدُ وَجْهُ الْأَرْضِ تَرَابًا كَانَ أَوْ غَيْرَهَا“  
 ان دو حوالوں سے ثابت ہوا کہ صعید عام ہے مُبْنِتٌ وَغَيْرُ مُبْنِتٍ کا فرق نہیں۔

**مستدل دوم**۔ مشکوٰۃ شریف منہج الباب مُخَالَطَةُ الْجَنْبِ وَمَا يَبَاحُ لَهُ  
 فصل ثانی حضرت نافعؓ کی روایت ہے اس کے الفاظ ہیں کہ مسح کے لیے ”ضَرْبُ رَسْمٍ“  
 اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ عَلَى الْعَائِلَةِ وَمَسَحَ بِهِمَا“ اس میں عائرٹ کیے  
 مُبْنِتٍ کی شرط نہیں۔

**مستدل سوم**۔ حضرت ابوذرؓ سے مرفوع روایت ہے :  
 ”جُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ مَسْجِدًا أَوْ طَلُوتًا فَإِنَّمَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَهُ  
 الصَّلَاةُ فَلْيَصِلْ“ (بخاری شریف میں کتاب التیمم)  
 یعنی تمام روئے زمین میرے لیے مسجد گاہ اور پاکی کے لاکھ بنائی گئی۔ پس میری امت  
 کا جو نماز کے وقت کو جہاں بھی پائے اسے نماز ادا کر لینی چاہیے۔

ابن القطن کہتے ہیں کہ حدیث پاک کے الفاظ ”أَيُّهَا رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَهُ“ سے  
 یہی معلوم ہوتا ہے کہ اَلْأَرْضُ سے مراد عام جنس زمین ہے جس میں شور زمین، ریگستان پہاڑی حصہ  
 سب ہی سمیں داخل ہیں تو جس طرح مسجد شریف کے لیے تراب مُبْنِتٌ شرط نہیں۔ اسی طرح طہور کیے  
 بھی تراب مُبْنِتٌ شرط نہیں ہوگی۔

**مستدل چہارم عقلی**۔ یہ ہے کہ آیت تیمم کی ہے مگر نہ زادھا اللہ شرفا و کرمنا میں  
 نازل ہوئی جو رادی غیر ذی کرم ہے یہاں تو صرف پہاڑی پہاڑ ہیں اس میں تراب مُبْنِت کہاں  
 آئی۔ اب اگر تیمم کے لیے تراب مُبْنِت شرط ہے بقول ثمالہ تو جس غرض کی آسانی کے لیے تیمم کا جواز  
 آیا تھا وہ بمنزلہ ”فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ“ تحت المیزاب ”ہو جائے گا۔ کیونکہ اس

سرزمین میں پانی ملنا آسان ہے تراب مُبْنِت ملنے سے۔ لہذا تراب مُبْنِت کی شرط لگانا حکمتِ تیمم کے خلاف ہے۔

سوال۔ علامہ بیہقیؒ نے سُفْنِ بَیْهَقِی میں اور حافظ عبد الرزاقؒ نے مُصَنَّف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آپ سے سوال ہوا راٰی الصَّیِّدِ الطَّیِّبِ (کہ صیدِ طیب سے کیا مراد ہے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا «الْحَرْتُ» لقولہ تعالیٰ «وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتًا بِإِذْنِ رَبِّهِ» (پس تیمم کا جواز اگانے والی مٹی سے ہوا۔ جواب : یہ ہے کہ صَیِّدِ طَیِّب سے مُبْنِت مراد لُتَا یہ حضرت ابن عباسؓ کا ذاتی اثرِ ثانیاً، حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر اس مطلق کی قید نہیں بن سکتی کیونکہ آیت مبارکہ کی تفسیر تو حدیثِ پاک سے بھی جائز نہیں چر جائیکہ ایک اثر سے مُقْبِد کیا جائے کہ صید سے مُبْنِت مراد ہے مزید وضاحت سلسلہ جوابات میں ملاحظہ فرمادیں گے۔

## امام شافعیؒ وَمَنْ وَافَقَهُ کے مُستدل کے جوابات

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے روایتِ حدیثِ «جعلت تربتها طهوراً» سے دلیل پکڑتے ہوئے فرمایا تھا کہ تراب سے مُبْنِت تراب مراد ہے۔ اس کے چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں :  
جوابِ اوّل : یہ ہے کہ احنافؒ کے دلائل مذکورہ سابقہ کے قرینہ سے روایتِ حدیث میں تربت کا ذکر کثرتِ وجود کے اعتبار سے ہے نہ کہ حصر کے لیے۔

جوابِ دوم : روایتِ حدیثِ «جعلت تربتها طهوراً» سے خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی تراب مُبْنِت سے تیمم کے قائل ہیں۔ البتہ دوسرے نصوص سے تراب مُبْنِت کے ساتھ خاص نہیں کرتے بلکہ جنس الارض کو شامل کرتے ہیں۔ لہذا روایتِ ہذا سے ہمارے خلاف استدلال کرنا درست نہیں۔

جوابِ سوم : تراب کو مُبْنِت پر خاص کرنا بغیر قرینہ غیر صحیح ہے خصوصاً المطلق اذا اطلق يراد به فكله الكامل، رہی آیتِ «صَيِّدًا طَيِّبًا» تو اس میں لفظ صید کے ساتھ لفظ طیب کا بھی اضافہ ہے جس میں مُتَعَدِّ معانی کا احتمال ہے «اذا جَاءَ الاحْتِمَالُ بطل الاستدلال» مُتَعَدِّ آیات میں یہ معانی مُستعمل ہیں «قَالَ اللَّهُ تَعَالَى «يَا أَيُّهَا النَّاسُ

كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا وَحَلِيلًا (پ) اس میں طیب بمعنی پاکیزہ ہے۔ «وقال الله تعالى  
 «كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا سَأَرْنَا قَشَركُمْ» اَنْفَعُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ» ان دونوں  
 آیتوں میں طیب بمعنی حلال ہے لیکن اس مقام (صیدنا طیبنا) پر بقول ابوالفتح اکثر کے نزدیک  
 قرینہ مقامیہ کی وجہ سے طیب کے معنی ظاہر اور پاک کے ہیں یہ لکھونہ الیق بعوض الطہارۃ  
 وادفق بقولہ تعالیٰ بعد ذکر التیغیر «وَلَئِنْ يَرَوْا كِبَرَكَ لَيُكْفِرَنَّ عَنْكَ» ہے اگاسنے  
 کے معنی سوازل تو یہ اس مقام کے مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ بقول ائمتہ خود امام شافعی کے نزدیک  
 اگاسنے کی شرط نہیں کیونکہ پاک مٹی سے تیمم جائز ہے اگرچہ اگاسنے والی نہ ہو۔ اور ناپاک سے جائز  
 نہیں گواگاسنے والی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی محقق نے لکھا ہے کہ امام شافعی قابلِ زراعت  
 وکاشت مٹی کے شرط کے قائل نہیں ہیں اور امام نووی شافعی نے بھی تصریح کی ہے کہ ائمتہ قول میں  
 انبات شرط نہیں ہے۔ الإصحاح میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔

**فابعدہ :** یقول ابوالاسعاد، اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ غنیہ  
 کے یہاں مشرک میں عموم نہیں ہے۔ شرافع کے نزدیک عموم کی گنجائش ہے پس جب شرافع نے مشرک  
 لفظ طیب کے ایک معنی پاک اور ظاہر ہونے کے لیے تو گویا یہ معنی بالاتفاق مراد لیے گئے۔ اب  
 ہمارے نزدیک اس لفظ کے دوسرے معنی مراد نہیں لیے جاسکتے درہموم مشرک لازم آئے گا اور  
 جب معین طیب کے یہ معنی متحقق ہو گئے تو حضرت ابن عباس کی تفسیر اس مطلق کی قید نہیں  
 بن سکتی۔ کیونکہ آیت کی تفسیر تو حدیث سے بھی جائز نہیں یہ تو حضرت ابن عباس کا اثر ہے۔

## کیا مٹی پر غبار بھی شرط ہے؟

فقہاء کرام کے یہاں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ مٹی پر غبار کا ہونا تیمم کے لیے شرط ہے  
 یا نہیں اس بارے میں بھی دو مسلک ہیں۔

مسلک اول : امام شافعی و امام احمد و قاضی امام ابو یوسف کے نزدیک مٹی پر غبار  
 کا ہونا ضروری ہے خالص مٹی بلا غبار پر تیمم جائز نہ ہوگا (ذکرنا العینی)  
 مستدل : ان حضرات کا مستدل سورۃ مائدہ کی آیت مبارکہ «فَامَسَحُوا بِأُيُوبِهِمْ»

وَأَيُّدِيكُمْ مِثْلَهُ (پ) ہے کہ اس میں مِثْلُہ کی ضمیر مجرور صید یعنی تراب کی طرف راجع ہے۔  
جس کا اتفاقاً یہ ہے کہ مٹی کا کوئی جود استعمال ہونا چاہیے۔ ذالاً یتصور بدو النصارى؛

مسک دوم۔ امام اعظمؒ امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام محمدؒ کے نزدیک جواز  
تیمم کے لیے جس ارض پر غبار کا ہونا شرط نہیں بلکہ اس کے بغیر بھی تیمم جائز ہے۔

مستدل اول۔ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کا مستدل اول یہ ہے کہ آیت مذکورہ "فَامْسَحُوا  
بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ" مطلق ہے جس میں اخذ تراب یا اخذ غبار کی شرط ہے مطلقاً استمالی کا  
حکم ہے۔ حضرت ابو جہمؒ کی روایت ہے "ان الشبقي صلى الله عليه

وسلم تيمم على جدار في العهد يسنه الله (غاية السعایہ)

امام طحاوی حنفی اور ابن بطالؒ وابن قسارؒ مالکی کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی دیوار میں مٹی کے بغیر سیاہ  
پتھروں سے بنی ہوئی تھیں اگر طہارت علی الاجار ثابت نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تیمم کرتے  
سوال۔ علامہ کرمانیؒ نے الکوکب النذاری میں روایت ابو جہمؒ کا یہ جواب دیا ہے کہ دیوار

پر عموماً غبار ہوتی ہے تو تیمم غبار پر ہوا نہ کہ آجگار پر علاوہ ازیں خود اسی روایت میں ہے کہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا مبارک سے دیوار کو کھرچ کر تیمم کیا "فَحَشَشْتُ بِعَصَا كَانَتْ مَعَهُ  
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۸ باب التیمم) لہذا مطلق کو مقتدر پر محمول کیا جائے گا۔

يقول ابوالاحسن سعاد جوائیہ، علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس کا رد کیا ہے فرماتے

ہیں کہ پتھر کی دیوار پر غبار ٹھہرتا ہی نہیں۔ بالخصوص مدینہ منورہ کی دیوار میں کہ وہ سیاہ چٹنے پتھروں کی  
تھیں۔ رحمۃ اللہ علیہ مبارک سے دیوار کھرچنا سراسر اس کو امام شافعیؒ نے "عن ابراهيم بن محمد

عن ابی الحویرث عن الاعرج عن ابی جلیح" روایت کیا ہے اور یہ ضعیف ہے۔ رہا یہ

سوال کہ امام بغویؒ نے اس کی تحمیل کی ہے "وقال هذا حديث حسن" (مشکوٰۃ شریف) تو

بقول امام مالکؒ وغیرہ جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ کا شیخ (ابراہیم) اور شیخ الشیخ (ابو الحویرث)

دونوں ضعیف ہیں۔

ثانیاً: اس حدیث کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے لیکن کسی میں یہ زیادت "انہ علیہ

السلام حت العباد بالاعصاء" نہیں اور والذیادۃ انما تقبل من تقصیر۔

مستدل سوم۔ یہ ہے کہ متعدد احادیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

پھر تک مار کر غبار کو چھا ڈیلا۔

”وَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ عَلَى الْأَرْضِ  
ثُمَّ نَفَخَ فِيهِمَا رَأَيْنَا مَا جَاءَ شَرِيفَ مَلَكٍ أَبَابَ مَا جَاءَ فِي التَّيْمَمِ  
ضَرْبَةً وَاحِدَةً“

تو معلوم ہوا کہ غبار کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہ ہونا بہتر ہے تاکہ بد شکل نہ ہو۔

## امام شافعی وَمَنْ وَافَقَهُ کے مُستدل کے جوابات

امام شافعی وَمَنْ وَافَقَهُ نے (منہ) کی ضمیر سے تراب مع الغبار پر دلیل پکڑی تھی

اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں :-

جواب اول - یہ ہے کہ منہ کی ضمیر صید کی طرف راجع نہیں بلکہ حدث کی طرف  
راجع ہے یعنی اسی حدث سے نیکھنے کے لیے تیمم کرو۔

جواب دوم - بر تقدیر تسلیم بقول شاکہ منہ کی ضمیر مجرور تراب کی طرف راجع ہے  
تو کلمہ من ابتداء غایت کے لیے ہے جیسے ”سَأْتُ مِنَ الْبَصَرِ اِى الْكُوفَةِ“ میں ہے۔  
پس یہ صرف اس کا متقاضی ہے کہ مسح کی ابتداء صید سے ہونی چاہیے۔ چنانچہ سورۃ نسا رکہ کی  
آیت مبارکہ فَيَتَمَمُّوا صَبِيئًا حَتَّىٰ يَكُونَ فِيهِمْ لَقَطٌ مِّنْهُ نہیں ہے اس کی شائد ہے اس لیے  
اگر جزر تراب کا استعمال شرط ہوتا تو اس میں بھی یہ لفظ مذکور ہوتا۔

سوال - آیت نسا مطلق ہے اور آیت مائتہ مقتدرہ ہے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ جب  
مطلق اور مقتدرہ ایک عاشرہ و امر میں وارد ہوں تو مطلق بالاتفاق مقتدرہ پر محمول کیا جاتا ہے۔

جواب - یہ ہے کہ یہاں مطلق اور مقتدرہ اسباب میں وارد ہیں جن میں ہمارے بیان  
مطلق کو مقتدرہ پر محمول نہیں کیا جاتا۔ اذ لا تزا حصر فی الاسباب - !

## اسمائے رجال

محدث ابن ہمام نام اکیس ابوسعید الشریعی ہے۔ آپ کو صاحب  
میز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی المناقبیں کہا جاتا ہے۔ آنحضرت وسلم

حالات حضرت خذیفہؓ

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْكَافَرِ قَالَ كُنَّا  
فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَلَمَّا  
انْقَضَتْ صَلَاتُهُ إِذَا هُوَ  
بِرَجُلٍ مُتَزَلٍّ لَمْ يُصَلِّ مَعَ  
الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَكَ يَا فَلَانُ  
أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ أَصَابَنِي  
جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ عَلَيْكَ  
بِالصَّبْرِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ -

(متفق علیہ)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عمرانؓ  
سے فرماتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ نے لوگوں کو نماز  
پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک  
شخص کو دیکھا جو الگ تھا قوم کے ساتھ نماز  
پڑھی فرمایا اسے فلاں تھے قوم کے ساتھ نماز  
پڑھنے سے کس نے روکا؟ عرض کیا مجھے  
جنابت پہنچی اور پانی ہے نہیں تو فرمایا تیرے  
پلے ٹیٹے سے دو تھکے کافی ہے۔

قوله (انْقَضَتْ صَلَاتُهُ وَفَرَغَ) یعنی جب نماز سے فارغ ہوئے۔  
قوله (مُتَزَلٍّ) اے خارج مِنَ الْقَوْمِ۔ کہ ایک آدمی علیحدہ بیٹھا ہوا ہے قوم سے۔  
قوله (أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ) اے مِنْ صَلَاتِكَ مَكْلَمٌ۔ یعنی تو نے جماعت کے  
ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی۔ اس عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی جماعت سے علیحدہ بیٹھے رہنا  
برائے۔

قوله (وَلَا مَاءَ) ای موجود ہونا۔ یعنی اسی وقت اس مقام پر پانی موجود نہیں ہے۔  
حدیث الباب میں دو فقہی مسئلے آتے ہیں جنکی علیحدہ علیحدہ تشریح ہوگی۔

لے نا تعین کے نام اور حالات آپ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے تھے اسی لیے حضرت عمرؓ کا سوال تھا کہ جب مدینہ منورہ میں کوئی  
شخص فوت ہو جاتا تو پہلے پوچھیں کہ اس کی نماز جنازہ میرے حضرت محمدؐ کی شریک ہوئے تھے یا نہیں۔ اگر وہ شریک ہوئے کا ارادہ  
ظاہر کرتے تو نماز جنازہ پڑھاتے۔ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ کہیں کُرسے والا منافق نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دروغ گفت  
میں آپ کو سناؤں گا حاکم مقرر کیا تھا پھر بعد میں اپنے پاس مدینہ منورہ بلا لیا۔ آپ کی وفات حضرت عثمانؓ کی وفات کے  
چالیس روز بعد سترہ مہینے ہوئی قبر مبارک مدائن میں ہے۔



## المسئلة الأولى

تیمم سے مراد طہارت ضروریہ ہے یا طہارت مطلقہ

فقہاء کرامؒ کے ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ تیمم کے لیے خلافت کاملہ کا درجہ رکھتا ہے یا نہیں۔ خلافت کاملہ سے مراد طہارت مطلقہ ہے اور خلافت ناقصہ سے مراد طہارت ضروریہ ہے مثلاً ایک آدمی ایک ہی وضو سے حالت طہارت میں کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے امامت بھی کرا سکتا ہے۔ فرائض کے علاوہ نوافل بھی پڑھ سکتا ہے۔ تو کیا تیمم بھی تیمم سے کئی نمازیں فرائض و نوافل امامت وغیرہ کرا سکتا ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

مسلک اوّل، امام شافعیؒ، امام احمدؒ ایک روایت میں امام مالکؒ، ابو ثورؒ ان کے نزدیک تیمم کی طہارت ضروریہ ہے لہذا ہر فرض کے لیے علیحدہ تیمم کرے البتہ سنن و نوافل کو فرائض کے تابع مانتے ہیں لہذا دو فرضوں کے لیے ایک ہی تیمم کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ حدیث نہ بھی لائق ہو۔

مستدل اوّل۔ حضرت عمرؓ بن العاص کی روایت ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "یا عمر و صلیت با صعا بک و انت جنب" (ابوداؤد شریف ص ۵۵۴ باب اذا خاف الجنب البود اتیقہ۔)

وجد استدلال یہ ہے کہ روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ان کے تیمم کر سیکنے کے باوجود جنبی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ تیمم رافع حدیث نہیں ہے بلکہ صرف ضرورت کے پیش نظر تیمم کے ساتھ نماز کو مباح کیا گیا ہے۔

مستدل دوم۔ دارقطنیؒ اور طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

"من الستران لا یصلی بالتیمم اکثر من صلوٰۃ واحده"

کہ ایک تیمم سے ایک نماز سے زیادہ نہ پڑھا سکتا ہے (غایہ)

مسلک دوم۔ احناف حضراتؒ کے نزدیک ایک تیمم سے متعدد فرائض و نوافل وقتی وغیرہ ادا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ احنافؒ کے نزدیک تیمم میں طہارت مطلقہ ہے نہ کہ ضروریہ بہتر ہے

امام زہدیؒ و علامہ عینیؒ، حضرت ابن عباسؓ، سفیان ثوریؒ، ابراہیم نخعیؒ، لیثؒ، حسن بصریؒ و داؤد ظاہریؒ اور شوافعؒ میں سے امام حنفیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

**مستدل اول**، قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے وضو، غسل، اور تیمم تینوں کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ”مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مَشَقَّةً وَزَيْدٌ يُرِيدُ أَنْ يَتَّخِذَ كَوْنًا“ یہ کلام مبارک مراحۃً اسی پر دال ہے کہ وضو اور غسل کی طرح تیمم بھی مطلق ہے اور تطہیر کا مطلب رفع حد ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ تطہیر کے سلسلہ میں وضو، غسل اور تیمم تینوں مشترک ہیں ورنہ تطہیر کو صرف وضو اور غسل کے بعد ذکر کیا جاتا۔

**مستدل دوم**، روایت مذکور ہے ”قَالَ عَلِيُّكَ يَا الصَّغِيدُ فَإِنَّهُ يُكْفِيكَ“ علامہ ہرویؒ (عليك يا الصغيد) کا معنی فرماتے ہیں ”يُكْفِيكَ عَلَيْكَ الْقِيَامُ بِالصَّغِيدِ“ (موقاة) اس میں محدث اکبر کا ارتقا ہے۔

**مستدل سوم**، حضرت ابی ذرؓ کی روایت ہے جس کو امام ابو داؤد نے اپنی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی نقل کیا ہے ”أَنَّ الصَّغِيدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرًا وَإِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ إِلَى عَشْرَةِ سَنِينَ“ پاک مٹی مسلمان کا آب وضو ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے۔ جب کہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۳ ج ۱ باب التیمم فصل ثانی میں بھی یہی روایت ہے اس کے الفاظ ہیں ”أَنَّ الصَّغِيدَ الطَّيِّبَ وَضوء الصلوة“ اور یہی دلائل ہیں جو مطوّل کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں طوالت کے خوف سے متروک ہیں۔

## تیمم طہارت ضروریہ کے دلائل کے جوابات

اگر ثلاثہؒ نے تیمم کے لیے طہارت ضروریہ مسین کی ہے۔ اس پر انہوں نے روایت عمر بن العاصؓ بحوالہ ابو داؤد و شریفین دلیل پکڑی تھی اس کے چند جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ہے کہ جس کو علامہ ابن القیمؒ نے زار المعاد میں

بھی نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ نے

**مستدل اول کا جواب اول**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی اور کہا کہ انہوں نے ہمیں صبح کی نماز بحالت جنابت

پڑھا دی تو آپؐ نے اس کی بابت دریافت کیا اور فرمایا "صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ الصُّبْحَ وَانْتَ جَنَيْتَ" آپؐ کا یہ قول مبارک بطریق استفہام واستعلام ہے ہم بھی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ دین العالمؓ نے غنہ بیان کیا اور بتلایا کہ میں نے یتیم کے نماز پڑھائی (فَتَيَقَّمْتُ شَعْرًا وَصَلَّيْتُ بِأَصْحَابِكَ) تو آپؐ نے اس کو برقرار رکھا جو دلیل صحت ہے۔

جواب دوم : یہ ہے کہ اسکی روایت کے بعض طرق میں یہ ہے کہ "اَتَّكْتُ غَسَلَ مَنَابِتَهُ وَتَوَضَّأَ وَصَلَّوْا بِالْمَسْكُوفَةِ وَصَلَّى بِهٖمُ رَدُّ شَرِيفٍ" کہ خود انہوں نے نماز کے لیے باقاعدہ وضو کیا تو یتیم کا ذکر بھی نہیں دلہذا آپؐ کا استدلال روایت حضرت عمرؓ سے غیر صحیح ہے۔

جو کہ روایت ابن عباسؓ ہے بحوالہ دارقطنی اس  
**مسئلہ دوم کا جواب اول** | بائیں میں عرض ہے کہ اس کی اسناد میں حسن بن عمارؓ راوی ہے۔ جس کو شعبہؓ، احمدؓ، سفیانؓ، نسائیؓ، دارقطنیؓ، ابن معینؓ، ابن الدینارؓ، ساجیؓ جرحائی وغیرہم نے ضعیف اور متروک کہا ہے اس لیے قابل حجت نہیں۔

اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی اس سے صحت اولیت اور سنت کا بیان ہے  
**جواب دوم** | نہ کہ عدم جواز کا جو شوائع کا مدعا ہے۔ علاوہ ازیں خود شوائع نے اس کے خلاف کیا ہے کہ انہوں نے قرآنؓ کے یتیم سے قرآنؓ کو بالشیع جائز رکھا ہے۔

فائدہ : یقول ابوالاسعاد : ہم شوائع سے یہ پوچھتے ہیں کہ ادائیگی فرض کے بعد یتیم ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس یتیم سے نقل نماز بھی جائز نہیں ہوتی چاہیے اس لیے کہ نماز فرض ہو یا نقل بلا طہارت صحیح نہیں ہوتی حالانکہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے اور اگر وہ یہ کہیں کہ نہیں ٹوٹتا تو ایک فرض کے بعد فرض آخر کی ادائیگی جائز ہوتی چاہیے کیونکہ طہارت علیٰ حاملہ باقی ہے اور نہ حدت پایا گیا اور نہ پانی۔ حتیٰ بیطل یتیمہ

## المسئلة الثانية

**محدث بحدث اکبر کے لیے جواز یتیم میں اختلاف**

یقول ابوالاسعاد : محدث بحدث اصغر کے لیے تو یتیم کی مشروعیت متفق علیہ ہے

کیونکہ یہ صریح کتاب اللہ سے ثابت ہے اور بکثرت احادیث اسی پر وال ہیں البتہ محدث۔ محدث  
اکبر کے لیے جوازِ تیمم کی بابت اختلاف ہے اور یہ اختلافات دورِ صحابہ کرامؓ سے چلا آ رہا ہے  
اور دو مذہب ہیں۔

مذہب اول۔ چنانچہ حضرت عسکریؑ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ  
سے منقول ہے کہ یہ حضرات جہنمی کے لیے تیمم کو مباح نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہؒ اور  
امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

”و انّ الجنب لا یصلّٰی لہ التیمم بل ھو لا یصلّٰی وان لم یجد الماء شہراً“

مذہب دوم۔ حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور جمہور صحابہ کرامؓ اور  
حضرات تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ سے جہنمی کے لیے تیمم کا جواز منقول ہے اور اسی کے قائل ہیں کہ شرائط  
تیمم پائے جانے کے بعد جس طرح بے وضو کے لیے تیمم جائز ہے اسی طرح جہنمی اور ناپاک کے لیے  
بھی جائز ہے ان دونوں کا تیمم یکساں ہے کوئی فرق نہیں۔

مستدل۔ زیر بحث روایت سے بھی جہنمی کے لیے تیمم کا جواز ثابت ہوتا ہے اس کے  
بعد حضرت عمارؓ اور حضرت عسکریؑ کا جو مکالمہ نقل کیا ہے اس میں بھی حدیث مرفوعہ سے اس کا  
جواز معلوم ہوتا ہے۔ فصل ثانی میں حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی  
ہے بلکہ باب کی پہلی روایت جس میں پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی کو مطلقاً طہور کہا گیا ہے اور  
طہور اس کو کہتے ہیں جس سے ہر نجاست اور حدیث کا ازالہ ہو جائے خواہ حدیث اصغر ہو یا اکبر۔  
فائدہ: حضرت عسکریؑ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے جو یہ مروی ہے کہ وہ غسل کی جگہ تیمم  
کو مباح نہیں سمجھتے تھے جس کی تشریح مذہب اول میں ہو چکی ہے۔ یہ احادیث صحیحہ و صریحہ کے  
خلاف ہے۔ تو محدثین نے اس کے بارے میں دُور تو جیہیں لکھی ہیں۔

اول، محدثین حضرات نے حضرت عمرؓ و حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اس مسئلہ سے  
رجوع نقل کیا ہے (ذکرہ ابن عبد البر وغیرہ) لہذا امام ترمذیؒ کا حضرت ابن مسعودؓ کی  
طرف عدم جواز کو منسوب کرنا صحیح نہیں اگرچہ انہوں نے رجوع کا قول بھی نقل کر دیا ہے۔

دوم، بعض محققین یہ فرماتے ہیں کہ پہلے بھی ان کا مقصود جنابت و حیض کی حالت میں  
تیمم کے جواز کا انکار کرنا نہ تھا بلکہ انہوں نے یہ فتویٰ مصلیٰ دیا تھا تاکہ کم ہمت لوگ سردی

وغیرہ کا غلط بہانہ لگا کر اس حالت میں تیمم کو کافی نہ سمجھنے لگ جائیں در نہ فی نفسہ حالت جنابت میں تیمم کو یہ سفرات بھی جائز سمجھتے تھے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری شریف کی روایت ہے جس کو امام بخاریؒ نے شقیق بن مسلمہ سے روایت کیا ہے جس میں حضرت ابو موسیٰ اشعرمیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا اس مسئلہ میں مکالمہ مذکور ہے۔ اس میں حضرت ابن مسعودؓ کا یہ مذہب نقل کرنے کے بعد ان کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے۔

«رَأَاكَوَرَحْمَنًا لَّهُوَفِي هَذِهِ الْأَوَّلِ وَشَكَ إِذَا بَرَدَ عَلَى أَحَدِهِمُ الْمَاءُ  
أَن يَتَدَعَّرَ وَيَتَيْمَّمُ» (بخاری شریف صفحہ ۱)

اس کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں :  
«فَقُلْتُ لِشَقِيقٍ فَأَتَمَّا كَرِهَ عَبْدُ اللَّهِ لِهَذَا فَقَالَ نَفَعَهُ»  
اعمش کہتے ہیں میں نے شقیق (راوی) سے کہا کہ ان حضرات عبد اللہؓ نے تیمم کو اسی لیے ناپسند کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کا انکار صلوات شریعہ کے تحت تھا کہ اگر جواز کا مسئلہ عام طور سے چلے گا تو ہر شخص ذرا اسی سردی میں بھی تیمم کرنے لگے گا۔ جو یقیناً شریعت کا منشاء نہیں ہے۔

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ  
رَجُلٌ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ  
فَقَالَ إِنِّي أَجَنَّبْتُ فَلَمْ أَصِبِ  
الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ أَمَا  
تَذَكَّرْنَا فِي سَفَرِنَا وَأَنْتَ  
فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تَصَلِّ وَأَمَّا  
أَنَا فَمَمَلَكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ  
ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الغفر (سداۃ البخاری)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عمارؓ سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ ابن خطابؓ کی خدمت میں آیا اور وہ بولا کہ میں جنبی ہو جاتا ہوں اور پانی نہیں پاتا تب حضرت عمارؓ نے عرض کیا کہ سہ امیر المؤمنینؓ کیا آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ سفر میں تھے آپ نے تو نماز نہ پڑھی اور میں خوب لوٹا پھر نماز پڑھ لی، پھر میں نے یہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

قَوْلُهُ فَلَمَّا صَبَّ الْمَاءُ - اے لَمَّا جَدَا ، اس روایت میں حضرت عمرؓ کا جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے لیکن حدیث پاک کے دوسرے طرق سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا رَدَّ تَصَلَّى (مداقہ) یعنی جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھو چنانچہ حضرت عمرؓ کا مسلک یہی تھا کہ جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں ہے۔

قَوْلُهُ فَلَمَّا تَصَلَّى - یعنی آپؐ نے نماز ہی نہ پڑھی۔ حضرت عمرؓ کا نماز نہ پڑھنا دو وجوہ کی بنا پر تھا۔ اول، حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ قبل از خروج وقت پانی مل جائے گا اس لیے پانی کی انتظار میں نماز نہ پڑھی۔ دوم، حضرت عمرؓ نے گمان کر لیا کہ تیمم حدیث اصغر کے لیے ہے حدیث اکبر کے لیے نہیں یہ ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔ جب مسئلہ واضح ہوا تو آپؐ نے رجوع فرمایا۔

قَوْلُهُ فَتَمَعَّكَتْ - اِی تَقَلُّبْتُ فِی الشَّرَابِ ، مٹی میں لوٹنی لگانا۔ اور روایت میں ہے « فَتَمَرَّغْتَ فِی الصَّعِيدِ كَمَا تَتَمَرَّغُ الدَّابَّةُ - ابوداؤد شریف ) لیے لوٹنی لگائی جس طرح جانور استراحت کے لیے مٹی میں لوٹنی لگاتے ہیں اسی گمان پر کہ زبان ایصال الشرب اخی جمیع الاعضاء واجب فی الجنابة کالماء حضرت عمرؓ نے یہ قیاس کر لیا کہ جس طرح غسل میں پانی تمام اعضاء پر بہایا جاتا ہے۔ اسی طرح مٹی بھی تمام اعضاء پر پہنچانی چاہیے۔ اسی وجہ سے مٹی میں لوٹنی لگائی۔ اس حدیث پاک میں دو فقہی مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔ اول، تیمم کے لیے کتنی ضروری ہیں۔ دوم، ہاتھوں میں کتنی مقدار کا مسح ضروری ہے۔

## المَسْئَلَةُ الْأُولَى - تعداد ضربات میں اختلاف

شیخ عبدالحق دہلویؒ نے سفر السعادات میں لکھا ہے کہ تعداد ضربات برائے تیمم کے متعلق روایات متعارض ہیں اس لیے اس مسئلہ میں علماء کے مختلف مذاہب ہیں :-  
مذہب اول : بقول امام نوویؒ ، امام احمد بن حنبلؒ ، اسحاقؒ ، عطاءؒ ، اور اعمیؒ  
ابن المنذرؒ کے یہاں تیمم میں چہرہ اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ہی ضرب ہے جو درجہ اول  
یکرین دونوں کے لیے کافی ہے۔

**مستدل اول**۔ حضرت عمارؓ کی روایت مذکور ہے "فَضْرِبِ النَّبِيَّ بِكَفِّهِ  
الْأَرْضَ الْغَيْرَ" روایت میں صاف واضح ہے کہ ایک ضرب سے تیمم کیا جا رہا ہے۔

**مستدل دوم**۔ حضرت ابوالبہترؓ کی روایت ہے۔  
قَالَ مَرَرْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَوَلَّى فَوَلَّيْتُ  
فَلَمْ يَرِدْ عَلَيَّ حَتَّى قَامَ إِلَى جِدَارٍ فَحَكَّهُ بَعْضًا كَأَنَّهُ شَقْرٌ  
وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ فَصَحَّ وَجْهَهُ وَذَرَأَ عَلَيْهِ شَقْرًا عَلَى  
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۳ باب التيمم فصل اول)

اس روایت میں بھی ضرب واحد کا ذکر ہے۔

**مذہب دوم**۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، لیث بن سعدؒ اور جمہور کا مذہب  
یہ ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں ہیں ایک وجہ کے لیے اور ایک کہنیوں تک ہاتھوں کے لیے۔ حضرت  
علیؓ بن ابی طالبؓ، ابن عمرؓ، جابر بن عبد اللہؓ، ابراہیمؓ، حسن بصریؒ وغیرہم اسی کے قائل ہیں۔  
خلاصہ یہ کہ بنیادی اختلاف جمہور اور امام احمدؒ کے درمیان ہے۔ جمہور کے نزدیک تیمم کے لیے دو  
ضرب ہیں جبکہ امام احمدؒ کے نزدیک تیمم میں ایک ضرب ہے۔ اب مستدلّات کی تفصیل سنئے:

**مستدل اول**۔ حضرت عمارؓ کی روایت ہے۔  
"أَتَيْتُ تَمَّاحًا وَهُوَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَيْدُ  
لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوا بِأَكْفِهِمُ الصَّعِيدَ ثُمَّ مَسَحُوا وَجُوهَهُمْ  
مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوا فَضَرَبُوا بِأَكْفِهِمُ الصَّعِيدَ مَرَّةً أُخْرَى  
فَمَسَحُوا بِأَيْدِيهِمْ الْغَيْرَ" (ابوداؤد شریف ص ۵۷۳ باب التيمم)

اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے بطریق یونس ابن شہاب سے روایت کیا ہے اس میں تصریح  
ہے کہ ان حضرات نے دو ضربوں کے ساتھ تیمم کیا۔

**مستدل دوم**۔ ابی بن عاصمؒ مدنی سے روایت ہے۔  
"عَنْ عَاصِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي التَّيْمُمِ  
ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوُجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمَرْفِقَيْنِ  
الْغَيْرَ (نصب الراية ص ۵۷۳)

اس میں صحت و ضاحت ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربہ ہیں، سوال : علامہ حافظ عینیؒ نے شرح بخاری شریف میں کہا ہے کہ اس کی اسناد میں حریش بن خریث ہے جس کو ابوہریرہؓ اور ابوذرؓ نے ضعیف کہا ہے لہذا اس روایت سے استدلال درست نہیں۔

جواب : حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب میں دارقطنیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ حریش قابل اعتبار ہے یحییٰ بن سید کہتے ہیں ”لیس بہ بائس“ امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں ”اتَّجَّوْا ان یُکُونُ مَالِحًا“

مستدل شوم۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا ”ضرب ضربتاً فصیحاً وجملہ وضربہا اخری فمسح بها ذماریہ الغ“ (نصب الماریہ ص ۱۵۷)

تسبیہ، مخاطبہ حضرات کے مستدلات جس میں ضربہ واحدہ کا ثبوت ہے ان کے جوابات اگلی بحث یا مستثنائہ (محل مسح) میں دیا جائے گا یا فرمائیں۔

## المسئله الثانیہ

### محل مسح فی التیمم اور اختلاف ائمہ

فقہاء کرامؒ کے یہاں یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے کہ محل مسح کی مقدار کیا ہے یعنی محل مسح دونوں ہاتھ پہنچوں تک ہیں یا کہنیدوں تک اس بارے میں بنیادی اختلاف دو جماعتوں کے درمیان ہے جن کو مذاہب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

مذہب اول۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، لیث بن سعدؒ اور جمہور حضراتؒ کے نزدیک محل مسح برقعین تک ہے۔

مستدل اول۔ جمہور حضرات کے مستدلات تقریباً وہی روایات ہیں جو مسکداوی (یعنی تعدد ضربات) میں بیان ہو چکی ہیں چند ایک دوبارہ نقل کیے جا رہے ہیں۔



مسئلہ اول: جس سے جہور حضرات نے دلیل پکڑی ہے مستدرک حاکم ص ۱۶۹ ج ۱ اور دارقطنی ص ۱۸۱ کی روایت ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

”عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیثم ضربتان ضربتہ للوجہ وضربتہ للیسدین الی المرفقین“  
روایت مذکور میں صاف واضح طور پر مرفقین تک مسج کرنے کا ذکر ہے جیسا کہ جہور حضرات فرماتے ہیں۔

مسئلہ دوم: مستدرک بزرگ کی روایت ہے حضرت عمارؓ فرماتے ہیں: ”كنت في القوم حين نزلت التخمصة فاصرنا فاضربنا واحدة للوجه ثمة وضربة أخرى لليسدين والمرفقين“  
امام نبطی نے درایہ ص ۱۸۱ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔  
مسئلہ سوم: ابی بن عاتقہ صدیقؓ سے روایت ہے: ”آفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التیثم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیسدين الی المرفقین (نصب الراية ص ۱۸۱)  
ان احادیث کے علاوہ اس سلسلہ میں بہت سے آثار بھی ہیں جن کو امام طحاوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

مذہب دوم: امام احمدؒ، امام الحنفیؒ بن راہویؒ، امام اوزاعیؒ اور اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ محل مسج صرف یسین تک ہے یعنی پہنچوں تک۔  
مسئلہ اول: حضرت عمارؓ کی روایت ہے:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بالتیثم للوجه والکفین (ترمذی شریف ص ۱۸۱ بخاری شریف ص ۱۸۱ ج ۱) ”وجہہ وکفینہ“  
کے الفاظ ہیں۔

اس روایت میں صاف مذکور ہے کہ حضرت عمارؓ کو چہرہ اور کفین پر تیمم کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ کفین کا اطلاق یسین تک ہوتا ہے۔

مُستدل دوم عقلی۔ قرآن مقدس میں حیم کے بارے میں فرمایا گیا۔

”فَاْمَسَحُوا بِرُءُوسِهِمْ كَلِمَةً وَاَيَّدِيْكُمْ (سورة المائدة ۶۷)

اسی طرح سرقہ (چوری) کے متعلق ارشاد باری ہے۔

”فَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا رِپْ سورة المائدة

طرز استدلال۔ یہ ہے کہ دونوں جگہ پر اَيْدِی کا ذکر بغیر غایت مذکور ہے اور بالاتفاق

سرقہ کی سزا میں قطع یکدلی الرسفین تک ہوتا ہے تو اسی طرح مسئلہ حیم میں بھی مسح یکدین الی الکفین

ہونا چاہیئے۔

مذہب سوم۔ علامہ ابن شہاب زہری کا مسلک یہ ہے کہ یکدین کا حیم مناکب دکنہ

وَابَا رِیْلُوں تک ہوگا۔

مُستدل : روایت حضرت عمارؓ ہے جس کے الفاظ ہیں۔

”سَمِعْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَنَاقِبَ وَالْاَبَا

رِیْلُوں شَرِیْفٌ مَّسَحَ اَبَا رِیْلُوں فَعَلَّاهُ ثَلَاثَ

## امام احمدؒ و مَنْ وَاَفَقَهُ كَے مُستدَلَات كَے جَوَابَات

امام احمدؒ و مَنْ وَاَفَقَهُ نے حیم کے لیے ضرب واحدہ و محل مسح میں صرفت کفین تک کے لیے دو روایتوں سے دلیل پکڑی تھی۔ روایت حضرت عمارؓ و روایت ابو الجهمؓ دونوں کے جوابات علیحدہ علیحدہ ملاحظہ فرمادیں۔

## حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی روایت کے جوابات

جواب اول۔ یہ ہے کہ روایت عمارؓ سے ضرب واحدہ یا مسح الی الکفین پر دلیل

پکڑنا غیر صحیح ہے اس لیے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے ناواقفیت کی بنا پر حبیب حالت جنابت میں زمین پر قمرغ و تمک (مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا) کیا تھا۔ اس کی الملاح جب نبی کریم ﷺ

علیہ وسلم کو دی گئی تو آپؐ نے فرمایا :

« اَلْعَا يَكْفِيكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدِكَ الْاَرْضَ شَعْرَ تَنْفَعَةٍ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهَا وَجْهَكَ رَسْمُ شَرِيفٍ مَّا » (۱۵۱)

تو اس حدیث کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مقصد تیمم کے پورے طریقہ کی تعلیم دینا نہیں بلکہ تیمم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ زمین پر ترسوخ کی ضرورت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ کافی ہے جو حدیث اصغر میں ہے۔

**مثال ۱ :** اس کی مثال ابو داؤد و شریف ص ۱۴۱ باب فی الغسل من الجنابة میں حضرت جابر بن مطعمؓ کی روایت ہے :

« اَللّٰهُمَّ ذَكَرُوا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُسْلَ مِنَ الْجَنَابَةِ فَقَالَ : سَوَّلَ اللّٰهُ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَيُغْسَلُ عَلَيَّ رَأْسٌ ثَلَاثًا وَاشَارَ بِيَدِهِ كَلِمَتَيْهَا »

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غسل جنابت میں مرتبہ سر کا دھونا کافی ہے باقی جسم کا دھونا ضروری نہیں۔ اسی طرح حضرت عمارؓ کی روایت میں بھی یہ مطلب نہیں کہ ایک ضرب یا مسح کفین کافی ہے بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقہ معروف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اگر ایک ضرب اور کفین تک مسح کا مقصد ہوتا تو حضرت عمارؓ سے دو ضرب اور مرتین دالی روایت ضروری نہ ہوتی لہذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

**جواب دوم :** حضرت عمارؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سے جو مرتین تک مسح کی روایات منقول ہیں سب بلا اضطراب ہیں جب کہ روایت عمارؓ میں اضطراب و اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں مسح الی الوضغین ہے (مسکن دارقطنی ص ۱۸۱ ج ۱) بعض میں الی الوضغین ہے (مسکن یہی ص ۱۸۱ ج ۱) اور بعض میں الی المتناكب والاباط ہے (عمدة القاری ص ۱۸۱ ج ۱)

مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۱ ج ۱ باب التیمم لہذا حضرت عمارؓ کی مذکورہ روایت سے استدلال غیر صحیح ہے۔

**جواب سوم :** حضرت عمارؓ کی روایت ایک واقعہ جزئیہ ہے جب کہ مرتین کی روایات بمنزلہ کلیتہ کے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جزئیہ اور کلیہ کے تعارض کے وقت ترجیح کلیہ کو حاصل ہوتی ہے۔ لہذا اس اصول کے پیش نظر روایات مرتین راجح قرار پائیں گی اور مسلک

جمہور کو ترجیح حاصل ہوگی اور بھی جوابات کثیر ہیں۔ مَنْ شَاءَ فَلْيُطَالِعْ إِلَى كُتُبِ الْمَطْلُوعَةِ۔

## قیاس علی السرقۃ کے جوابات

جواب اول۔ یہ ہے کہ تیمم وضو کا نائب اور خلیفہ ہے۔ خلیفہ کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو اصل کا ہوتا ہے گویا مسح الید فی التیمم یہ غسل الید فی الوضو کی نیابت ہے۔ لہذا جیسے وضو میں ہاتھوں کا مرفقین تک دھونا ضروری ہے تو اصل مسح میں بھی مکمل نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے مرفقین تک مسح ہونا چاہیے۔

سوال۔ یہ ہے کہ جب تیمم وضو کا خلیفہ و بدل ہے تو اس اصول کے تحت کہ بدل کا حکم اس کے اصل کے موافق ہوتا ہے تو پھر چاہیے کہ وضو کی طرح تیمم میں بھی چار اعضاء کا مسح کرنا ضروری ہو حالانکہ ایسا نہیں تو اس سے نیابت کامل نہیں ہوتی۔

یقول ابوالاعلیٰ سعاد جواباً۔ عرض ہے کہ شریعت مقدسہ نے جن دو اعضاء کو ماقط کر دیا ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہذا ان سے قیاس بھی ماقط ہو جائے گا اور جو عضو باقی ہیں ان میں حکم اصل کی پوری رعایت ہوگی اور تمام شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جیسے سفر کی نماز میں دو رکعتیں ماقط ہیں اور دو باقی ہیں اور باقی ماندہ رکعتوں میں اصل نماز کی کل شرطوں کا لحاظ ضروری ہے۔ یہی مسئلہ وضو کا بھی ہے رَحْمَةُ اللهِ الْخَطَابِيُّ فِي مَعَالِمِ الشُّنَنِ

جواب دوم۔ علامہ شمس المکرم سرخسیؒ نے مبسوط میں قیاس علی السرقۃ کا یہ جواب دیا ہے کہ لَفْظُ اَيْدِيْ آیت تیمم اور آیت سرقۃ دونوں میں مجل ہے جب مجل کی تفسیر نہ ہو تو اُخُوْطُ وَاَوَّلٰی پر عمل کیا جاتا ہے لہذا تیمم جس کا تعلق باب طہارت سے ہے اس میں مرفقین کی تحدید جو کہ اخذ بالاکثر ہے اُخُوْطُ وَاَوَّلٰی ہے اور سرقۃ کا تعلق باب حدود سے ہے وہاں اخذ بالاقل زیادہ اُخُوْطُ وَاَوَّلٰی ہے۔ لہذا جمہور کا مسلک راجح ہوگا۔ رَالَيْتُمْ ضَرِبَتَانِ ضَرْبَةً لِّوَجْهِهِ وَضَرْبَةً لِّلْيَدَيْنِ اِلَى الْخِرْفَتَيْنِ لَا اِلَى الرُّسُفَيْنِ

## روایت حضرت ابوالجہیمؓ کے جوابات

جواب اول۔ یہ ہے کہ یہ ایک جزئی واقعہ ہے ”فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذُاعَيْسَ  
شَقْرَهُ عَلَى“ جب کہ جمہور حضرات کی روایات جو قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں تو ترجیح  
ہمیشہ کلیات کو ہوتی ہے نہ کہ ایک واقعہ جزئیہ کو۔  
جواب دوم۔ روایت حضرت ابوالجہیمؓ حدیث فعلی ہے اور جمہور حضرات کے مستندات  
قولیہ ہیں تو تقابل کی صورت میں ترجیح قول کو ہوتی ہے نہ کہ فعل کو۔

## امام زہریؒ کے مستدل کا جواب

امام ابن شہاب زہریؒ نے حضرت عمارؓ کی روایت سے استدلال کیا تھا جس میں مشک  
و آباؤ کا ذکر ہے اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں :-  
جواب : جمہور حضرات نے اس روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ مشک و آباؤ تک  
مسح کرنا یہ حکم تیمم کی ابتداء میں صحابہ کرامؓ کا اپنا ذاتی اجتہاد تھا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
تقریر ثابت نہیں ! لہذا صریح و صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔  
واللہ اعلم بالصواب والیہ مرجع والمآب !

ترجمہ : روایت ہے حضرت جبریمؓ  
ابن حارث ابن صممہ سے فرماتے ہیں کہ نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم پر میں گذرے کہ آپ پیشاب  
کر رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے  
جواب نہ دیا حتیٰ کہ آپ دیوار کی طرف  
گئے اسے لائے جو آپ کے ساتھ تھے

وَعَنْ أَبِي الْجُهَيْمِ بْنِ  
الْحَارِثِ بْنِ الصَّمَمَةِ قَالَ  
مَرَرْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْوُلُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ  
فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتَّى قَامَ إِلَى جِدَارِهِ  
فَعَتَّهُ بِعَصَا كَأَنَّهُ مَعَهُ

شَعْرًا وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى الْجِدَارِ  
فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذَمَّاعِيَهُ شَعْرًا  
رَدَّ عَلَى وَلَوْ أَحَدُ هَذِهِ التَّرَاوِيَةِ  
فِي الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ  
الْعَصَدِيِّ وَلَكِنْ ذِكْرُهُ فِي شَرْحِ  
السُّنَنِ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ :

کھرچا پھر اپنے ہاتھ دیوار پر لگائے پھر اپنے  
چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کیا پھر مجھے جواب  
دیا۔ میں نے یہ روایت نہ تو صحیحین میں پائی  
اور نہ کتاب سعید کی میں لیکن اسے شرح السنۃ  
میں ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

قَوْلُهُ فَحَسَنُهُ : بِالنَّاءِ الْفَتْوَا نَبَتْهُ اسَ حَكْمُهُ ۔ بمعنی کھرچا کیونکہ دیوار کے ظاہری  
حقیر پر یا پلیدی تھی یا کڑے مکوڑے اس کھرچنے سے تیمم کے لیے پاک و صاف مٹی ظاہر ہو گئی ۔  
اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی دیوار پر بغیر اجازت تیمم کر لینا اور ضرورت کچھ کھرچ لینا  
جس سے دیوار کو نقصان نہ ہو جائز ہے ۔

قَوْلُهُ شَعْرًا رَدَّ عَلَى : اِی السَّلَامُ یعنی سلام کا جواب دیا۔ خیال ہے کہ قضاء  
عاجت کی حالت میں سلام کرنا منع ہے اور اگر کوئی کر دے تو جواب واجب نہیں ۔ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کا جواب دینا اخلاق کریمانہ کی بنا پر تھا ۔ مزید تحقیق مشکوٰۃ شریف منہج الباب  
مُخَالَطَةُ الْجَنْبِ فصل ثانی روایت حضرت نافعؓ میں ہو چکی ہے ۔

قَوْلُهُ وَلَوْ أَحَدُ هَذِهِ التَّرَاوِيَةِ فِي الصَّحِيحَيْنِ : یہ مصنف پر اعتراض  
ہے کہ وہ فصل اول میں غیر شیعین کی روایت لے آئے ہیں ۔

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے ۔

عَنْ ابْنِ ذَرٍّ قَالَ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ  
الصَّعِيدَ الطَّيِّبَ وَضُوءَ الْمُسْلِمِ  
وَأَنَّ لَشَعْرٍ يَجِدُ الْمَاءَ عَشْرًا

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو ذرؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے کہ پاک مٹی مسلمان کا آب وضوء  
ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے پھر جب

پانی پائے تو اس سے اپنا بدن دھوئے  
کہ یہ یقیناً بہتر ہے۔

سِنِينَ فَأَذَا وَحَدَّ الْمَاءِ  
فَلْيَمْسَهُ بَشْرَةً فَإِنَّ ذَلِكَ  
خَيْرٌ (سواء احمد والترمذی)

والبور داؤد

قوله عَشْرَ سِنِينَ۔ دس برس کی مدت تحدید کے لیے نہیں ہے بلکہ کثرت کے لیے  
ہے یعنی اگر اتنے طویل عرصہ تک پانی نہ لے تو غسل یا وضو کے لیے تیمم کیا جاسکتا ہے۔  
قوله بَشْرَةً، ای جلد، یعنی غسل کرے یا وضو کرے کیونکہ دونوں صورتوں میں چمڑے تک بالی پہنچتا ہے  
قوله فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ۔ فَإِنَّ ذَلِكَ کا تعلق فَلْيَمْسَهُ بَشْرَةً کے ساتھ ہے  
معنی ہوگا کہ پانی کو پالینا پھر اس کو جلد تک پہنچانا یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔

سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کا پانی پالینا اور چمڑے تک پہنچا دینا اس  
کے حق میں بہتر ہے یعنی پانی سے وضو کرنا بہتر ہے اور تیمم بھی جائز ہے حالانکہ جب پانی بل جاتا  
تو وضو مکرا فرض اور تیمم کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ فکیف الصلیح عند الانفاظ۔

جواب اول۔ خَيْرٌ اسم تفضیل نہیں ہے بلکہ صفت کا صیغہ ہے معنی ہوگا "فَإِنَّ  
ذَلِكَ خَيْرٌ مِنَ التَّيْمُمِ" کہ یہ بھی لغتوں میں سے ایک نعت ہے فضیلت والا مسئلہ ہم سے نہیں۔  
جواب دوم۔ خَيْرٌ اسم تفضیل ہے اور ذَلِكَ کا اشارہ وجدان مار کی طرف ہے  
معنی ہوگا کہ پالینا پانی کا بہتر ہے مٹی سے کیونکہ پانی اصل ہے اور مٹی غلط ہے۔

خلاصۃ الجواب یہ ہے کہ بہتر سے مراد اصل ہے یعنی پانی اصل طہارت ہے  
اور اس کی عدم موجودگی میں تیمم اس کا نائب ہے۔ جب اصل آگیا تو نائب کی گنجائش نہ رہی اس کا  
یہ مطلب نہیں کہ تیمم بھی جائز ہے مگر وضو بہتر ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ فرمادیں ار قوله تعالیٰ  
"اصْحَبِ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا۔"

رپ س الفرقان

علامہ ہرویؒ فرماتے ہیں "أَمَّا لِاخْيَرُ وَلَا احْسَنُ لِمُسْتَقَرِّ أَهْلِ النَّارِ (مہرات)  
یقول ابوالاعلیٰ سعاد: یہ روایت امام اعظمؒ کی قوی دلیل ہے کہ تیمم میں غلات کاملہ

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا  
فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مَسًّا  
خَبَرٌ فَشَجَّهَ فِي رَأْسِهِ  
فَأَحْسَنَ فَنَسَلَ أَصْعَابُهُ  
هَلْ تَجِدُونَ مُخَصَّصَةً فِي  
السُّمِّ قَالُوا مَا تَجِدُ لَكَ  
مُخَصَّصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى  
الْمَاءِ فَأَغْتَسَلَ فَمَاتَ الْخ

(مسند ابوداؤد)

ترجمہ: روایت ہے حضرت جابرؓ  
سے فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے  
تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس نے  
اس کے سر میں زخم کر دیا پھر اسے استلام  
ہو گیا تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم میرے  
لیے حیمہ کی اجازت پاتے ہو وہ بولے تیرے  
لیے حیمہ کی اجازت نہیں پاتے تو پانی پر  
قادر ہے اس نے غسل کر لیا پس مر گیا۔

قولہ فَشَجَّهَ فِي رَأْسِهِ: اسے جرحہ فی رأسہ۔ کہ اس پتھر نے سر میں زخم کر دیا۔  
قولہ مَا تَجِدُ لَكَ مُخَصَّصَةً: رخصت ضد عزیمت ہے یعنی تیرے لیے کوئی  
رخصت نہیں کیونکہ تو واجب الماء ہے۔

قائدہ۔ یقول ابوالاسماد: بسا اوقات کم علمی اور کسی مسئلہ میں عدم واقفیت  
بڑے اندوہناک واقعہ کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر ہی ہوا کہ جب اس نجی شخص  
نے اپنے عذر کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ کیا ایسی حالت میں جب میرے سر پر زخم  
ہے اور پانی اس زخم کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے تو ناپاکی دور کرنے کے لیے غسل کے بجائے حیمہ  
کر سکتا ہوں یا نہیں۔ تو ہمراہیوں نے کم علمی کی بنا پر یہ سمجھ کر کہ آیت تیمم "فَلَمْ يَجِدُوا  
مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا" کا مطلب یہ ہے کہ تیمم صرف اس شکل میں جائز ہوگا  
جب کہ پانی موجود نہ ہو اگر پانی موجود ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا حالانکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ تیمم جائز نہ  
ہونے کی شکل یہ ہے کہ پانی موجود ہو اور ساتھ ساتھ اس کے استعمال پر قدرت بھی ہو اگر قدرت  
نہیں تو پانی کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے یعنی "وَاجِدًا الْمَاءَ" کے ساتھ "قَادِرًا الْمَاءَ" کا ہونا بھی شرط  
ہے آخر ان کے غلط فتویٰ سے وہ خدا کا بندہ راہی ملک بقاء ہوا۔



قَوْلُهُ قَتَلُوهُ - قتل کی نسبت ان کی طرف سے ہے حالانکہ قتل تو وہ غلطی کی وجہ سے ہوا تھا مگر چونکہ سبب قتل یہی لوگ تھے فتویٰ انہوں نے جاری کیا تھا۔ اسی وجہ سے نسبت ان کی طرف کر دی۔ ان لوگوں سے اجتہادی غلطی ہو گئی تھی کہ اس حالت میں یتیم کرنا جائز نہیں ہے اس پر ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹا ہے۔

سوال - مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۴ ج ۱ باب الیتیم فصل اول میں حضرت عمارؓ اور حضرت عسمرؓ کا واقعہ موجود ہے اس میں بھی دونوں سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔ حضرت عمارؓ سے تو یہ غلطی تھی کہ حدیث اکبر کے لیے یتیم کا طریقہ غلط سمجھے اور حضرت عسمرؓ کی تو اجتہادی غلطی کی وجہ سے غازی ہی فوت ہو گئی اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بالکل نہیں ڈانٹا۔ اس زیر بحث واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈانٹ پلا ہے بل۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔

یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ جَوَابًا - اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عسمرؓ اور حضرت عمارؓ صالح للاجتهاد تھے ان میں اجتہاد کی صلاحیت موجود تھی اور یہاں اس واقعہ میں جن لوگوں نے عدم جواز یتیم کا فتویٰ دیا ہے یہ صالح للاجتهاد نہیں تھے اگر صالح للاجتهاد سے اجتہادی غلطی ہو جائے تو وہ قابل ملامت نہیں بلکہ باعث اجر و احد ہے اور غیر صالح للاجتهاد کا اقدام اجتہاد کرنا ہی قابل ملامت جرم ہے ان لوگوں کے صالح للاجتهاد نہ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا اَلَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ مَنْ لَمْ يَكُنْ مِنَ الْغَالِبِ الْمَشْأَلِ "معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نبیؐ اور نادان واقف سمجھتے ہیں۔

قَوْلُهُ اَوْ - اَلَا بِفَتْحِ الْمُهْمَزَةِ وَتَشْدِيدِ الدَّالِّمِ یہ تنبیہ کے لیے ہے۔ تنبیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر خود ان کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہیں تھی اور مسئلہ بھی انہیں معلوم نہیں تھا تو کسی جاننے والے سے پوچھ لیتے۔

قَوْلُهُ فَاِنْ شَاءَ الرَّبُّ الْمَشْأَلِ - مجازین نیست عاجز اور نادان واقف کی شفاء اہل علم سے معلوم کرنے میں ہے عینی بکسر العین اس کا معنی ہے "العجز عن التَّنَطُّقِ" یعنی عدم قدرت علی الکلام مگر مراد عدم علم اور جہل ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ جس طرح جسمانی علاج دوا میں ہے اسی طرح جاہل کا روحانی علاج سوال و جواب سے ہے۔ کَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى

«فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَسْلُمُونَ» (پاک)

قَوْلُهُ وَيُعْصَبُ : اِسے يُشَدُّدُ - یعنی باندھنا امام اعظمؒ کے نزدیک وَيُعْصَبُ کا واؤ بمعنی او ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ غسل بالکل نہ کر سکتا تھا تو تیمم کر لیتا اور اگر صرف سر پر پانی ڈالنا مضر تھا تو زخم پر پٹی باندھ کر مسح کر لیتا باقی جسم دھو لیتا جب کہ امام شافعیؒ اس واؤ کو جمع کے لیے مانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں تیمم بھی کرے اور غیر مجروح حصّہ کا غسل بھی۔

## کیا اجتماع البدل والمبدل اعضاء واحد میں جائز ہے؟

يقول ابوالاسود : فقہاء کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی شخص کے عضو میں زخم یا پھوڑا ہو اور اس زخمی جگہ پر پٹی بندھی ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ مجروح زخمی حصّہ پر جہاں پٹی بندھی ہوئی ہے تیمم کرے اور باقی اعضاء مسح کے لیے غسل یعنی پانی سے دھونا یعنی اجتماع البدل والمبدل جائز ہے جب کہ جمع بین الفصل والتیمم بھی کر سکتے ہیں۔ اس بارے میں دونوں مذاہب ائول۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر کسی شخص کو غسل کی حاجت ہو اور اس کے بدن کا بعض حصّہ زخمی ہو تو اس زخمی حصّہ پر تیمم کرے اور بدن کے صحیح حصّہ کو پانی سے دھوئے۔ (کَمَا فِي الْمُنْيٰ)

مستدل : حدیث الباب ہے اس میں صاف واضح ہے کہ آپؐ نے جمع بین الفصل والتیمم کا حکم فرمایا ہے :-

وَالْمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتَيْمَّمَ وَيُعْصَبَ عَلَى جَرْحِهِ خَرْقَةً  
شَقَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيُغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهِ

مذہب دوم : غنیۃ اور مالکیۃ حضرات کے نزدیک غسل اور تیمم کو جمع نہیں کیا جائے گا دونوں میں سے ایک چیز کافی ہے یا صرف بدل (مسح) یا مبدل (غسل)

مستدل :- یہ ہے کہ جمع بین الفصل والتیمم قیاس کے صراحۃ خلاف ہے کیونکہ اس میں نائب اور اصل دونوں کا اشتباہ ہے وھذا لا یسکن۔

## حنفیہ کی طرف سے حدیث الباب کے جوابات

حدیث الباب میں چونکہ جمع بین الفضل والیتیم مذکور ہے جو ضعیفہ اور مالکیہ حضرات کے خلاف ہے لہذا چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں۔

**جواب اول۔** یہ ہے کہ ”ان یتیمکم و یعصب علی جرحہ حرقہ“ میں واؤ بمعنی آؤ ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور کے لیے حصول طہارت کے دو طریقہ ذکر فرمائے۔ ایک یہ کہ صرف تیمم کرے۔ دوسرا یہ کہ سر پر پٹی باندھنے کے بعد اس پر مسح کرے اور باقی بدن کو دھوئے یعنی آپ کی مراد یہ نہیں کہ دونوں کو جمع کیا جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب اس قسم کی صورت پیش آئے تو صرف تیمم کیا جائے یا صرف غسل و مسح! جیسا کہ ضعیفہ اور مالکیہ کے یہاں ہے کہ ایک صورت میں تیمم اور ایک صورت میں غسل۔

**جواب دوم۔** یہ ہے کہ اس روایت کے دو وجوہ کی بنا پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں۔ اولاً، یہ روایت ہی ضعیف ہے چنانچہ دارقطنی اور بیہقی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے ”اتفقوا علی ضعفہ“ علامہ ہرویؒ فرماتے ہیں ”ان الحدیث ضعیفہ (مرقات) علامہ بیہقیؒ نے متعدد طرق سے اس روایت کی تخریج کے باوجود اس کی تضعیف کی ہے۔

ثانیاً، اس روایت کے متن میں رواۃ کا اختلاف واضطراب ہے اختلاف و اضطراب کی مکمل بحث تو بہت دیر سے ابنی تالیف لطیف المستمعی بہ ”فصل المعبود شرح اردو سنن ابوداؤد شریف (زیر طبع) میں مفصلاً بیان کر دی ہے۔ مختصراً یہاں پیش خدمت ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی روایات چونکہ بغیر سند ہیں اس لیے اولاً سند ملاحظہ فرمادیں، مکمل

سند یوں ہے۔

”حدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَنْطَاكِيُّ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ الثَّوْبِيِّ عَنْ خُرَيْقٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ الْخَرَاءِ وَابْدَأَ أَبُو شَرِيفٍ صَلَاحَ كِتَابِ الطَّهَارَاتِ بِأَب

فِي الْمَجْدُوحِ يَتَيَقَّمُ

اختلالات واضطراب یہ ہے کہ بعض رُداۃ نے اس میں جمع بین الفضل والیتیم ذکر کیا ہے اور بعض نے مرفوع غل - چنانچہ زبیر بن خرقی نے جب اس حدیث کو عطاءؓ سے نقل کیا راستہ میں ملاحظہ فرمادیں تو جمع بین الفضل والیتیم ذکر کیا۔ لیکن اول تو خود زبیر بن خرقی ضعیف ہیں ثانیاً عطاءؓ کے دوسرے تلامذہ نے ان کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ اوزاعیؓ اس روایت کو عطاءؓ سے بلاغاً روایت کرتے ہیں۔

وَحَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَاصِمٍ وَالْأَنْطَاكِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ شُعَيْبٍ أَخْبَرَنِي الْأَوْزَاعِيُّ أَنَّهُ بَلَغَهُ عَنْ عَطَاءَ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ النَّخَعِيِّ رَأًوْدُ شَرِيفٍ ۵۵ ج ۱ حوالہ بالا

ثالثاً، اسی میں مرفوع غل کا ذکر ہے صحیح دتیم نہیں۔  
وَقَالَ أَصَابُ رَجُلًا جَبْرًا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ احْتَلَمَ فَأَمْرًا بِالْغَتَالِ فَاغْتَسَلَ فَصَاتُ رَأًوْدُ شَرِيفٍ ۵۵ حوالہ بالا  
فَكَيْفَ يَسْتَدَلُّ بِهَذَا الرَّوَايَةِ -

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَدَجٌ مَا جُلَانِ فِي سَقَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَنَتَقَمَّا صَبِيحًا طَبًا فَمَلَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ فَأَعَادَا حَذُهُمَا الصَّلَاةَ يَوْضُوءَ وَلَمْ يُعِدِ الْأَخَرُ ثُمَّ آتَاهَا سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے فرماتے ہیں کہ وہ شخص سفر میں گئے وقت نماز آگیا ان کے ساتھ پانی نہ تھا تو انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر لیا پھر نماز پڑھ لی۔ پھر وقت ہی میں پانی پالیا تو ان میں سے ایک نے وضو سے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نہ لوٹائی پھر دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے یہ ماجرا عرض کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تو نے سنت پالی اور تیری نماز کافی ہو گئی

اور جس نے وضو کر کے لوٹائی تھی اس سے فرمایا کہ تجھے دوہرا ثواب ہے۔

أَصَبْتَ السَّنَةَ وَأَجْرُ ثَلَاثَ صَلَوَاتِكَ وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَاعَادَ لَكَ الْأَجْرَ مَرَّتَيْنِ

(مسند ابوداؤد)

قولہ اَصَبْتَ السَّنَةَ - اسے صادقۃ الشریعتہ : کہ تو نے شریعت کی موافقت کی ہے یعنی ظاہر پر عمل کیا ہے۔

قولہ لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ : دوہرا ہاں معنی کہ پہلے فرض ادا ہو چکا تھا اور دوسری نماز نفل میں گئی اور نفل کا ثواب بھی ملتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کا دو گنا ثواب ملا یہ تو پہلے کو ملا ہو گا کہ اس کا اجتہاد درست تھا۔ خطا اجتہادی پر ایک ثواب ملتا ہے اور صحیح اجتہاد پر دوہرا۔

## تیمم کو وقت کے اندر پانی مل جائے تو کیا کرے

اس حدیث پاک میں مسئلہ آتا ہے کہ اگر تیمم کرنے کے بعد پانی مل جائے تو کیا حکم ہے۔ فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ کے ہاں اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں :-  
**صورت اول** - یہ کہ تیمم کر لیا ابھی نماز شروع نہیں کی تھی پہلے پانی مل گیا تو اس میں سب فقہاء کرامؒ کا اتفاق ہے کہ وضو کر کے نماز پڑھے تیمم سے نہیں پڑھ سکتا۔  
**صورت دوم** - پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا نماز پڑھ لی فارغ ہونے کے بعد پانی ملا اس میں بھی ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ نماز ہو گئی اعادہ کی ضرورت نہیں حدیث الباب میں بھی صورت مذکور ہے یہ دونوں بزرگ تیمم کر کے نماز پڑھ چکے تھے بعد میں پانی ملا ایک نے نماز کا اعادہ کیا دوسرے نے نہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يَعِدْ أَصَبْتَ السَّنَةَ“۔

**صورت سوم** - تیمم کر لیا نماز بھی شروع کر دی نماز کے درمیان میں پانی مل گیا اس میں فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے اور دو مذہب ہیں۔

مذہبِ اول۔ امام مالکؒ اور داؤد بن علیؒ الظاہریؒ کے نزدیک یتیم نماز کو مکمل کر کے قطع کرنا حرام ہے یعنی وضو کرنے کی حاجت نہیں۔

مستدل۔ آیت مقدسہ ہے ”وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ رِبًّا“  
 طرز استدلال یوں ہے کہ یتیم نے یتیم اس کی صحت کے شرائط پا جانے کے بعد کیا تھا جو ایک عمل ہے اور الباطل عمل جائز نہیں ”قُلْ نَسِئُكُمْ“ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ  
 مذہبِ دوم۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ (فیہ دایۃ) سفیان ثوریؒ، اوزاعیؒ امام مزنیؒ کے نزدیک اس شخص کا یتیم باطل ہو جائے گا۔ لہذا نماز توڑ کر وضو کرنا اور از سر نو نماز پڑھنا ضروری ہے۔

مستدل اول۔ حضرت ابو ذرؓ کی روایت ہے :  
 ”اَنَّ الصَّيِّدَ الطَّيِّبَ وَضُوعَ الْمُسْلِمِ وَانْ كَمَّ بِحِدِّ الْمَاءِ عَشْرَ مِائِينَ فَادَّادَ وَحِدَ الْمَاءِ فَلَيْسَتْ لَهُ بِشَرَاءٍ رَمْكَةً شَرِيفَ مَكَّةَ“  
 باب التیمم فصل ثانی  
 اس سے معلوم ہوا کہ مٹی کی طہوریت پانی نہ ملنے تک ہے جب پانی مل جائے تو طہوریت ترک ہو گئی اور وضو واجب ہو گیا۔

مستدل دوم۔ حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں :  
 ”وَجِئْتُ تَرْتِبَهَا لَنَا طَهُورًا إِذَا كَمَّ بِحِدِّ الْمَاءِ رَمْكَةً شَرِيفَ مَكَّةَ“  
 یعنی مٹی کی طہوریت پانی نہ ملنے تک ہے۔ وسطِ صلوٰۃ میں جب پانی مل گیا تو ان احادیث کی بنا پر یتیم ختم ہو گیا اس لیے نماز باطل ہو گئی اب وضو کر کے پھر پڑھے۔

## امام مالکؒ وَمَنْ وَافَقَهُ کے مستدل کے جوابات

مالکیہ حضرات وَمَنْ وَافَقَهُ نے آیت کریمہ ”وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ“ سے بطلانِ عمل پر دلیل پکڑی تھی اس کے جوابات ملاحظہ فرمادیں :

جواب اول : یہ ہے کہ صلوٰۃ کو قطع کر کے دھنور کرنا یہ ابطال نہیں بلکہ اتمام و اکمال ہے کیونکہ امانۃ طہارت مانیہ ہے۔ طہارت تراویہ تو نائب و خلیفہ ہے لہذا طہارت اصلیہ پر عمل کرنے سے اکمال ہو گا نہ کہ ابطال کما نہ عسکما۔

جواب دوم : آیت مبارک کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے بھی ابطال کا مفہوم ثابت نہیں ہوتا مکمل آیت پیش خدمت ہے :  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا  
 أَعْمَالَكُمْ رَبِّ الْمُحْصَدِمْ

مفہوم آیت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اکرم کی اطاعت ہی میں اتمام اعمال ہے نہ کہ عدم اطاعت میں گویا کہ ابطال اعمال کا تعلق عدم اطاعت الرسول کے ساتھ ہے۔ تو جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو دیکھتے ہیں تو ہمیں قطع صلوٰۃ کا حکم نظر آتا ہے اور اسی میں عدم ابطال ہے۔ کما فی دلائل السابقۃ رجعت تربتھا لنا طہوراً اذا امر بجد الماء

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ أَبِي الْجَهْلِيمِ بْنِ  
 الْحَارِثِ بْنِ الصَّصَةِ قَالَ  
 أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ مِنْ نَحْوِ بَيْتِ جَمَلٍ  
 فَلَقِيَهُ رَجُلٌ قَسَمَ عَلَيْهِ  
 فَلَمْ يَرُدَّ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ حَتَّى أَقْبَلَ عَلَى الْعِدَابِ  
 فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ  
 رَأَى عَلَيْهِ السَّلَامَ رَضَقَ عَلَيْهِ

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابو الجہیم  
 ابن حارث ابن صصہ سے فرماتے ہیں کہ نبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم جاہ جمل کی طرف تشریف لائے  
 تو آپ کو ایک شخص ملا اس نے سلام کیا  
 حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا  
 حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس تشریف  
 لائے تو چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر اسے  
 سلام کا جواب دیا۔

قَوْلُهُ مِنْ يَسْتَرْجَمُ - حمل ایک بستی ہے جو مدینہ منورہ کے قریب دجوار میں ہے  
یہ کنواں اس کی طرف منسوب ہے - اب اس بستی کا نام ہی بئر حمل ہو گیا۔  
قَوْلُهُ رَجُلٌ - راجل سے مراد ابو الجہیم راوی ہیں کما صرح فی الحدیث السابق  
روایت مذکور اور سابق میں تعارض نہ سمجھا جائے کہ پہلی روایت میں ہے ”وَهُوَ يَبُولُ فَلَمَّتْ  
حَبِيبٌ كَرَّاسٌ رَوَايَتٌ فِي ”يَبُولُ“ کے الفاظ نہیں کیونکہ واقعہ جڑا جڑا ہے - فلا تعارض مزید  
تحقیق مَرَّانَا -

ترجمہ : روایت ہے حضرت  
عمار بن یاسر سے وہ بیان کرتے تھے کہ  
صحابہ کرام نے پاک مٹی سے نماز فجر کے لیے  
تیتم کیا جب کہ وہ حضرت علیؑ علیہ السلام  
کے ساتھ تھے۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ  
أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّهُ لَمْ  
يَمْسَحُوا وَهَمَّ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّصِيدِ  
لِلصَّلَاةِ الْفَجْرِ الْغَدِ (رواہ ابو داؤد)

قَوْلُهُ وَأَنذَابًا : بِالْمَذْجِ مَعِ الْبَطْنِ لَعَلَّ -  
قَوْلُهُ : مِنْ يَبُولُونَ أَيْ يَبُولُونَ - اس میں لفظ مِنْ ابتداء کے لیے ہے۔  
یعنی انہوں نے پہلے ہاتھوں کے اندر رخ پر ہاتھ پھیرے نہ کہ ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر جیسا کہ  
فقہاء نے لکھا ہے کہ پہلے ہاتھوں کے اوپر کے رخ پر مسح کرنا مستحب ہے۔ عند البعض اس کا  
مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تسبیحوں سے تیتم کرنا شروع کیا۔ یہی معنی زیادہ مناسب ہیں۔  
یَقُولُ ابْنُ سَعَادٍ : حَدِيثُ الْمَذْكُورِ عَلَامَةُ ابْنِ شِهَابٍ زُهْرِيٍّ كَمَا سَتَدُلُّ هُوَ -  
جن کے نزدیک یحییٰ بن کا تیمم مناکب و آفات تک ہے۔ اس کی مکمل بحث محل مسح فی التیمم اور  
اختلاف ائمہ میں گذر چکی ہے۔ رَأَيْنَا نَقِيلٌ مِمَّا وَخَفِيفٌ عَلَيْنَا -



## بَابُ الْفُضْلِ الْمَسْنُونِ

صاحب کتاب طہارت صفحہ دہرہ دیکر ای دھور و غسل فرض اور اس کے نائب یعنی تیمم سے فراغت کے بعد اب طہارت مسنونہ کو بیان فرما رہے ہیں۔  
 قوله الفصل : لفظ غسل کو تین طریقوں پر پڑھا گیا ہے۔  
 ۱۔ بِالْفَتْحَةِ غَسَلَ : مصدر غن کے فتح کے ساتھ یعنی دھونا۔  
 ۲۔ بِالْكَسْرِ : غَنِ کے زیر کے ساتھ (ما یفعل بہ کالماء وغیرہ) یعنی نہانے یا دھونے کا پانی۔  
 ۳۔ بِالضَّمِّ : غَنِ کے پیش کے ساتھ (ای طریقۃ المخصوصۃ) یعنی نہانا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔  
 قوله الْمَسْنُونِ : مسنون کہتے ہیں "مَا تَبَيَّنَ بِالنَّسْتِ" جو سنت سے ثابت ہو۔ نیز مسنون کی قید لگا کر غیر مسنون کو خارج کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مطلق غسل یا نجی قسم ہیں۔  
 غَسَلَ فَرَضَ : غَسَلَ وَاجِبٌ : غَسَلَ سُنَّتٌ : غَسَلَ مُسْتَحَبٌ : غَسَلَ مُبَاحٌ  
 تفصیلاً ہر ایک کے اقسام باب الفصل میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس باب میں سُنَّتٌ اور مُسْتَحَبٌ غُسلوں کا ذکر ہوگا۔

## الفصل الأول

یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے نکلے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ

فَلْيَغْتَسِلْ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، | تو غسل کر لیا کرے۔

## غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ واجب ہے یا مستحب

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے یا سُنت است اس سلسلہ میں ”أدبہ المآلک“ ص ۲۲۵ نیل الاوطار ص ۲۲۲ فتح الملہم ص ۲۸۴ میں دو مذہب نقل کیے گئے ہیں :-  
 مذہب اول - امام حسن بصریؒ، عطاء بن رباحؒ، سفیان ثوریؒ اور اصحاب طحاویؒ کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ بعض لوگوں نے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے ”وقال مالک واجب“  
 یقول ابوالاسود - امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف وجوب کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ ان کے مذہب کی کتابوں میں وجوب کا قول نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر مالکیؒ استدلال میں لکھتے ہیں ”کہ میں نہیں جانتا کہ کسی نے غسل جمعہ کو واجب کہا ہو بخلاف ظاہر کے“ اور ابن ذہب سے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ سے غسل جمعہ کے واجب ہونے کو دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ سنت اور بھلائی کی بات ہے عرض کیا گیا کہ حدیث پاک میں تو واجب کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو بات حدیث میں آجائے وہ واجب ہی ہو۔  
 علامہ شذکانیؒ نے بھی امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہی بتایا ہے کہ واجب نہیں ہے۔  
 تاضی عیاضؒ فرماتے ہیں ”لیس ذالک رای الوجوب“ بمعروف فی مذہبہ (الساہ)  
 اب قاسمین وجوب کے دلائل ملاحظہ فرمائیں :-

**مستدل اول** - روایت حضرت ابن عمرؓ ہے جس میں غسل جمعہ کے لیے صیغہ امر وارد ہے ”اذا جاء احدکم الجمعة فليغتسل“ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ باب الفصل السنون فصل اول) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ امر کے ذریعہ سے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور امر وجوب کے لیے مستعمل ہے جس سے وجوب کا ثبوت ہونا بالکل واضح ہے۔

**مستدل دوم**۔ حضرت ابی سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ  
 ”اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ قَالَ غَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ  
 وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ رَمَضَاةٌ شَرِیْفٌ ۝۵۵ ج احوالہ بالا  
 جمعہ کے روز ہر مکلف پر غسل واجب ہے۔

**مذہب دوم**۔ ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کرام سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ  
 غسل یوم الجُمُعہ واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

**مستدل اول**۔ حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ  
 ”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَنْ تَوَضَّأَ یَوْمَ  
 الْجُمُعَةِ فَبِہَا وَنَعِمَتْ وَ مَنْ اغْتَسَلَ فَالْفُضْلُ الْفُضْلُ۔“

رمضاتہ شریفہ ۵۵ ج اباب الفضل السنون فعلی اذہ  
 روایت مذکور میں غسل کو افضل قرار دیا گیا ہے جو علامت سنت ہے نہ کہ وجوب کی۔  
**مستدل دوم**۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ  
 ”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ مَنْ تَوَضَّأَ فَاحْسَنَ  
 الْوُضْوءِ شَرَّاقِ الْجُمُعَةِ فَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَانْتَصَ غُفْرَ لَہِ  
 مَا بَیْنَہُ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ“ رتزدی شریف ۵۵ ج اباب فی الوضوء یوم الجُمُعہ  
 اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف وضو کا ذکر فرمایا ہے اور غسل کا کوئی  
 تذکرہ نہیں جو عدم وجوب کی نشانی ہے۔

**مستدل سوم**۔ حضرت عثمانؓ کا واقعہ ہے جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ  
 ”قَالَ بَیْنَمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَخْطُبُ النَّاسَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ  
 اِذْ دَخَلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانٍ فَعَرَضَ بِہِ عُمَرُ فَقَالَ مَا بَالُ رَجُلٍ  
 یَتَأَخَّرُونَ بَعْدَ النِّدَاءِ فَقَالَ عُثْمَانُ يَا امِیرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا نَرَدُ  
 حَیْنَ سَمِعْتَ النِّدَاءَ اِنْ تَوَضَّأْتَ ثُمَّ اَقْبَلْتَ فَقَالَ عُمَرُ وَالْوُضْوءُ  
 الْیَسَّاءُ تَسْمَعُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَقُوْلُ اِذَا جَاءَ  
 اَحَدُکُمْ اِلَى الْجُمُعَةِ فَلِیْفْتَغْسِلْ (مسلم شریف ۵۵ ج کتاب الجمعة)

حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے اسی اثناء میں حضرت عثمان غنیؓ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ لوگ جموع کی نماز میں حاضر ہونے میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ حضرت میں اذان سن کر فوراً بازار سے روانہ ہو گیا اور وضو کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف وضو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو غسل کا بھی حکم فرمایا ہے۔<sup>۱</sup>

طرز استدلال یوں ہے کہ اگر غسل جموع واجب ہوتا تو اولاً حضرت عثمانؓ غسل کو ہرگز نہ چھوڑتے ثانیاً حضرت عمرؓ بھی ان کو لوٹ کر غسل کر کے آنے کا حکم دیتے۔ اذلیس فلیس۔

## اہل ظواہر و من وافقہ کے مستدلّات کے جوابات

اہل ظواہر و من وافقہ نے جن روایات سے وجوب غسل جموع پر استدلال کیا ہے جمہور کی طرف سے کئی جوابات دیے گئے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں :-

جواب اول۔ جن احادیث میں حکم غسل بصیغہ امر ہے ان میں امر استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر اور روایت حضرت ابو سعیدؓ وغیرہ جن احادیث میں لفظ واجب ہے اس سے مراد وجوب اختیار و استحباب ہے نہ کہ وجوب فرض کہ اگر اس کو نہ کرے تو عذاب ہو گا جیسے کہا جاتا ہے ”حَقُّكَ وَاجِبٌ اِلَيْهِ“ مثلاً کذا رُكُنًا قَالِ التَّوَدِي فِي شَرْحِ صَحِيحِ السُّلَمِ

جواب دوم : وَاجِبٌ بِمَعْنَى ثَابِتٌ کے ہے یعنی یہاں وجوب کا لغوی معنی امر اکس لغت میں وجوب کا معنی ہے ثبوت۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت میں جموع کے دن کا غسل ہر بالغ پر ثابت ہے (اس کے ہم بھی قائل ہیں) باقی ثبوت کس درجہ میں ہے وہ ہے استحباب۔

سوال۔ اصطلاحی معنی کو ترک کر کے لغوی معنی اختیار کیا کیوں؟ اس پر قرینہ پیش کر دو۔

جواب۔ قرینہ حضرت سمرہؓ بن جندبؓ کی روایت ہے (فَالْفَضْلُ اَفْضَلُ)

جواب سوم : غسل کا حکم وجوب شروع میں ایک عارض کی وجہ سے تھا جب وہ عارض ختم ہو گیا تو حکم وجوب بھی ختم جس کی تفصیل یوں ہے کہ مسلمان ابتداء سے اسلام میں

تنگ دست تھے۔ اون کا لباس پہنا کرتے تھے اور اپنا کام خود کرتے تھے، ادھر مسجد نبوی تنگ تھی۔ ایک چھپر سا تھا جس کی چھت بالکل قریب تھی تو جب گرمی کے موسم میں جمعہ کے لیے لوگ جمع ہوتے تو پسینہ کی وجہ سے سخت بدبو پھیلنے لگتی نمازیوں کو ایک دوسرے سے تکلیف پہنچتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو عکس فرما کر حکم دے دیا کہ جب جمعہ کے لیے آؤ تو غسل کر کے آؤ۔ بعد میں جب مسلمانوں کی معاشی حالت اچھی ہو گئی اور یہ حالات نہ رہے تو غسل کا وجوب بھی نہ رہا۔ یہ تفصیل مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ ج ۱ باب ہذا فصل ثالث میں مذکور ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ  
الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ  
مُحْتَلِمٍ (متفق علیہ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو سعید  
خدریؓ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جمعہ کے دن کا  
غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

قوله واجب: اے ثابتؓ بمعنی ان یتروک جیسا کہ احادیث کہتے ہیں۔  
قوله مُحْتَلِمٌ: اے بالغ؟ کیونکہ احتلام سبب بلوغت ہے۔ مزید تحقیق مرقاۃ المفاتیح

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ  
يَغْتَسِلَ فِي كُلِّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ  
يَوْمًا يَغْتَسِلُ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ  
وَجَسَدُهُ: (متفق علیہ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے لازم ہے ہر مسلمان پر کہ ہر سات  
دن میں ایک دن غسل کرے جس میں سر  
و جسم دھوئے۔

قوله حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ: ای ثابتؓ۔ یہاں بھی حق بمعنی واجب نہیں بلکہ

استنبابی ہے۔ کما فی قولہ تعالیٰ ”وَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ“ (پکا) یہاں بھی حق یعنی استنبابی ہے مزید بحث ہو چکی ہے۔

## الفصل الثانی۔۔۔۔۔ یہ دوسری فصل ہے

عَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدَبٍ  
قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ  
الْجُمُعَةِ فِيهَا وَلَعِمَتْ وَمَنْ  
اغْتَسَلَ فَأَفْضَلَ

ترجمہ : روایت ہے حضرت سمرہؓ  
ابن جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جمعہ کے دن وضو  
کرے تو خیر اور اچھا کیا اور جو نہائے تو  
نہانا بہت اچھا ہے۔

(رواہ احمد والبوداد)

قوله فِيهَا وَلَعِمَتْ - يقول ابوالاسعاد : لفظ لَعِمَتْ بمرنون وسكون  
عين مشهور ہے لیکن اس لفظ میں اصل نون کا فتح اور عین کا کسرہ ہے۔ فِيهَا میں بار ضمیر کا  
مرجع سُنت ہے اور بار حرف جار فعل محذوف سے متعلق ہے اور نعمت کا فاعل ہیں سُنت ہے (لے  
بالسُّنة اخذ) ولعمت السُّنة صاحب جمع نے مرجع ضمیر غصلة مانا ہے۔ ”ای بھلا“  
الغصلة یعنی الوضوء بنال الفضل و نعمت الغصلة ہی ”اور بعض حضرات نے  
مرجع لفظ فریضہ قرار دیا ہے۔ (ای فبالفریضة اخذ) ولعمت الفریضة بہر کیف  
جملہ کا مقصد یہ ہے کہ وضو شرعاً ممدوح ہے اس پر اکتفا کرنے والے کو غلامت نہیں کی جا سکتی۔  
وسئل الاصمعی فقال ”اظلمت یرید فبالسُّنة اخذ“ (رکۃ فی الفائق)  
مزید بحث ہو چکی ہے۔

ترجمہ : روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ  
سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے کہ جو میت کو غسل دے وہ خود بھی غسل کرے  
احمد و قرظی اور ابو داؤد نے یہ بھی زیادہ کیا  
کہ جو میت کو اٹھائے وہ وضو کرے۔

مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ -  
رسواہ ابن ماجہ و تراجم احمد و الترمذی  
والبو داؤد و مَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ

یقول ابوالاسعاد : اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوئیں :  
اول : جب کوئی شخص کسی میت کو نہلائے تو اسے چاہیے کہ غسل میت سے فراغت کے  
بعد خود بھی نہلائے کیونکہ یہ امکان ہے کہ میت کو غسل دیتے وقت اس کے اوپر قطرات وغیرہ پڑ گئے  
ہوں لہذا پاکی کے لیے نہالنا مناسب ہے مگر یہ حکم استحباب کے درجہ تک ہے کیونکہ مردہ کو  
نہلانے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ جامع اصول میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زوجہ بنی اسماءؓ  
بنت عیس نے حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد ان کو غسل دیا پھر صحابہ کرامؓ سے بولیں کہ میں  
روزہ سے ہوں اور حضورؐ کی میت ہے کیا مجھے غسل کرنا ضروری ہے۔ سب نے اتفاق کیا نہیں۔  
و غَسَلْتُ حَبِیْبَ تَوُوْقٍ ثُمَّ خَرَجْتُ فَسَأَلْتُ مَنْ حَضَرَهَا مِنْ  
النُّهَاجِدِیْنَ فَقَالَتْ اِنَّ هَذَا یَوْمٌ شَدِیْدُ الْبَرْدِ وَاَمَّا صَائِمَةٌ  
فَهَلْ عَلَیْ مِنْ غُسْلٍ قَالُوا لَا (رسواہ مالک)  
اِس اگر خروجِ نجاست کا یقین ہے تو پھر غسل واجب ہے۔

دوم : دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنازہ اٹھانے کا ارادہ کرے تو وضو کرے۔ اٹھانے  
کی وجہ سے (یعنی وضو واجب نہیں) چنانچہ موطا الم محمد میں ہے "اَنَّ ابْنَ عَمْرِو تَحْتَطُّ ابْنُ السَّعِیْدِ  
بْنُ خَازِمٍ وَحَمَلَهُ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَلَعَّ يَتَوَضَّأُ، بَلْكَ جَبَّ يَافُورُ هُوَ كَر  
جنازہ اٹھائے گا اور جنازہ گاہ میں جنازہ رکھا جائے گا اور نماز شروع ہوگی تو فوراً نماز میں شریک  
ہو جائے گا یہ نہیں ہوگا کہ وہ جنازہ رکھ کر وضو کرنے چلا جائے اور اگر نماز جنازہ ہو جائے یہ حکم بھی  
استحباب کا ہے کیونکہ محل میت ایک عبادت ہے اور عبادت کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔  
واجب نہیں۔ عند البعض یہ حدیث منسوخ ہے۔

وَعَنْ عَالِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ | ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ  
يَغْتَسِلُ مِنْ أَرْبَعٍ مِّنَ الْجَنَابَةِ  
وَيُرِمُ الْجُمُعَةَ وَمِنَ الْحِجَامَةِ  
وَمِنْ غَسَلِ الْحَيْثِ - (رواه البردآبادی)

سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے  
غسل کرتے تھے جنابت (ناپاکی) سے اور جمعہ  
کے دن اور سیکنگ لگوانے سے اور میت کو  
نہلانے سے۔

قَوْلُهُ كَانَ يَغْتَسِلُ - اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کو غسل دینے  
کے بعد غسل کیا کرتے تھے۔ حالانکہ اماریت میں کہیں ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مردہ  
کو غسل دیا ہو اس لیے حدیث میں كَانَ یَا مُرَّیَا لَغْسِلِ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غسل کی نسبت  
مجازی ہے بوجہ آمر ہونے کے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذؓ کو رحم  
کیا۔ اِنَّهُ تَاَجِمَ مَا عَزَّ" یعنی رحم کا حکم دیا ای امر پر جمعہ۔  
قَوْلُهُ مِنَ الْجَنَابَةِ - غسل جنابت کا حکم وجوبی ہے۔

قَوْلُهُ مِنَ الْحِجَامَةِ : بگسرا لعاء حجامت سے مراد سیکنگ لگوانا ہے جب خون  
نا سد ہو جاتا ہے تو بطور علاج یہ لگوائی جاتی ہیں ان کے لگوانے کے بعد غسل کا حکم صفائی کے لیے  
ہے کہ خون وغیرہ لگ گیا ہو تو وہ صاف ہو جائے یا خون نکلنے سے گرمی اور کمزوری پیدا ہو جاتی  
ہے لہذا اس کے بعد غسل کر لینا بہتر ہے۔

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ  
أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَدَهُ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ  
يَغْتَسِلُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ - (رواه الترمذی)

ترجمہ : روایت ہے قیس بن عاصم  
سے کہ وہ مسلمان ہوئے تو انہیں نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی اور ہری سے  
غسل کریں۔

## تقدیم غسل کا فر کی بحث

اگر کوئی کافر بفضل رب مسلمان ہونا چاہے تو قبل از اسلام اس پر غسل کرنا واجب ہے



یا نہیں؟ اس بارے میں دو مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ امام احمد اور امام ابو ثور کے نزدیک کافر جب مسلمان ہو تو اس پر غسل

واجب ہے۔

**مستدل اول** روایت قیس بن عاصم ہے ”فَامَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَنْ يَتَغَسَّلَ“ صاف واضح حکم دیا جا رہا ہے کہ غسل کرو۔

**مسلک دوم**۔ جمہور حضرات جن میں احناف حضرات بھی ہیں ان کے نزدیک اگر موجبات

غسل (جنابت، حیض، نفاس) پائے جاتے ہیں تو غسل واجب ہے ورنہ مستحب۔

**مستدل**۔ جمہور حضرات استدلال کے طور پر فرماتے ہیں کہ ایک دو آدمیوں کے علاوہ

کسی کو بھی غسل کا حکم دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اگر غسل قبل از اسلام واجب

ہوتا تو ہر ایک کو حکم دیتے اور روایت بھی منقول ہوتا حالانکہ ذخیرہ احادیث میں ایک دو غسل کے

علاوہ کہیں ثبوت نہیں۔

## روایت قیسؓ کے جوابات

جمہور حضرات نے حضرت قیسؓ بن عاصم کی روایت کے متعدد جوابات دیے ہیں جہت

ایک ملاحظہ فرمادیں۔

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ حضرت قیسؓ بن عاصمؓ کو غسل کا حکم دینا یہ حکم استنباطی ہے

وجوبی نہیں۔ کافی قولہ قسائی ”وَإِذَا أَحْكَمْتُكُمْ فَاصْطَلُّوا رِبَّيْمَاں بھی حاجی

کے لیے حکم شکار ہے لیکن ضروری نہیں کہ عطا لی ہونے کے بعد حاجی شکار بھی کرے کافی ہذا۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ حضرت قیسؓ بن عاصمؓ کو غسل کا حکم دینا وجوباً و تشریفاً نہیں تھا

بلکہ میل کچیل درج کریمہ کے ازالہ کے لیے تھا کیونکہ اگر وجوباً غسل ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

صرف ”أَنْ يَتَغَسَّلَ بِمَاءٍ“ فرماتے ”سِنْذِہ“ کا لکھ نہ فرماتے کیونکہ سِنْذِہ کا استعمال میل

کچیل کے لیے ہی مستعمل ہے جیسا کہ میت کو غسل دیتے وقت سِنْذِہ کا استعمال مستون ہے۔

**جواب سوم**۔ یہ ہے کہ وہ بحالت جنابت تھے اس وقت غسل بالاتفاق واجب ہے۔

فائدہ۔ امام زہدیؒ نے شرح مسلم والمنہاج میں تصریح کی ہے کہ کافر جب اسلام لانے کا ارادہ کرے تو اسلام لانے سے پہلے اس کو غسل کا حکم دینا جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے تاخیر لازم آئیگی اور اسلام لانے میں کسی قسم کی تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

## الفصل الثالث — تیسری فصل ہے۔

عَنْ عِكْرَمَةَ قَالَ قَالَ ابْنُ نَاسٍ  
مَنْ أَهْلُ الْعِرَاقِ جَاءُوا فَقَالُوا  
يَا ابْنَ عَبَّاسٍ أَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ  
الْجُمُعَةِ وَاجِبًا قَالِ لَا وَلَكِنَّهُ  
أَظْهَرُ وَخَيْرٌ لِمَنْ اغْتَسَلَ وَ  
مَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ  
بِوَاجِبٍ الْخ (مسند ابوداؤد)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عکرمہؒ سے فرماتے ہیں کہ کچھ عراقی لوگ آئے اور بولے کہ اے ابن عباسؓ کیا آپ جمعہ کے دن غسل واجب سمجھتے ہیں فرمایا انہیں لیکن یہ بہت پاکی ہے اور غسل کرنے والے کے لیے اچھا ہے اور جو غسل نہ کرے اس پر موزوری نہیں۔

قولہ عِکْرَمَةَ۔ آپ بربری ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ کے غلام ہیں تابعین میں سے ہیں اور مکہ مکرمہ کے نقباء میں سے ہیں اپنے زمانہ کے بڑے عالم تھے۔ ۸۲ سال عمر ہوئی شاہ میں وفات پائی۔

قولہ بَدْءُ الْغُسْلِ: اسے سبب ابتداء مشروعیۃ یعنی مشروعیت کی ابتداء کہے ہوئے۔

قولہ بِالْخَيْرِ: ای الصال۔ چونکہ یہ ماں اسلام کے ظہور اور مسلمانوں کے غلبہ کی علامت تھی اس لیے اسے خیر فرمایا ورنہ اکثر فقر غناء سے اور صبر شکر سے افضل ہے۔

قولہ مِنَ الْعِرَاقِ۔ من العرق میں لفظ من بیان ہے لفظ بعض کا اور یہاں بعض سے مراد اکثر ہے اس طرح اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثر لوگوں کے پسینے جو آپس میں لوگوں کو تکلیف پہنچاتے تھے خوشحالی اور اسباب معیشت کی فراوانی کی وجہ سے ختم ہو گئے۔

## بَابُ الْحَيْضِ

يقول ابوالاسود ، صاحب کتاب فضل مسنون سے فراغت کے بعد اب برجاتِ غسل کی بحث فرما رہے ہیں۔ ان میں حیض بھی ہے تحریریت مقدسہ نے احکام حیض کا بہت اہتمام کیا ہے۔ قرآن و حدیث میں مستقل طور پر بیان کیا اور فقہاء کرام نے بھی اس کا اہتمام کیا اور اس پر مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ صاحبِ بحرہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے خاص انہی دو مسائل رحیض واستحاضہ پر دو سو صفحات کا ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ امام لحادؒ نے پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک رسالہ لکھا۔ علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ ایک رسالہ علامہ دارمی شافعیؒ نے تصنیف کیا جو اس موضوع پر بہترین ہے اور پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ان مسائل پر اتنی محنت کی وجہ یہ ہے کہ حیض کے ساتھ دینِ حنین کے بہت سے احکام وابستہ دیوستہ ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، طواف، قرأتِ خوانی، دخول فی المسجد، وطی المطلق، عدت، خلع، اعتبار دم وغیرہم ذالک۔ گویا کہ دین کے اکثر مسائل حیض کے ساتھ متعلق ہیں۔ حیض کے متعلق چند باتیں قابلِ تحقیق ہیں بَعْضُهُ فَوْقَ بَعْضٍ ملاحظہ فرمادیں:

### حَيْضُ كَالْفَوِي وَشَرْعِيٌّ مَعْنَى

لُفْتُ فِي حَيْضٍ كَالْفَوِي سِيلَانِ (بہنے) کے آتے ہیں۔ کہا یقال "حاض الوادی" یعنی "سال الوادی" وادی بڑی۔ حاضت المرأة حیضاً محیضاً محاضاً فہی حائض۔ عورت کا خون جاری ہو گیا۔

علامہ اذہریؒ فرماتے ہیں کہ اسی سے حوض کو حوض کہتے ہیں کہ اس کی طرف پانی بہتا ہے۔ حیض کے شرعی معنی صاحب کثر وغیرہ نے یہ لکھے ہیں:

"هُوَ دَمٌ يَنْفُضُهُ رَحِمُ امْرَأَةٍ سَلِيمَةٍ عَنْ دَائٍ وَصَفِيرٍ"

تعریف کا حاصل یہ ہے کہ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو ایسی عورت کے رحم سے بہے جو مرض اور کم سنی سے سلامت ہو۔

## وقتِ حیض کا آغاز

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَاد: وقتِ حیض کا آغاز صبحِ قول پر نو سال کے بعد ہے اور یہ قول امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن مقاتیل رازیؒ کا ہے۔ اسی کو اکثر مشائخ احنافؒ سے لیا ہے اور یہی مختار ہے (محیط فتح رحمۃ اللہ) اور ابو علی دقاقؒ نے ہمارے زمانہ کی عادت کا لحاظ کرتے ہوئے بارہ سال لکھے ہیں (محیط) شمس الاخبار حکیم غلام حبیب لائی لکھتے ہیں کہ مقتدل ممالک میں ۱۲ سے ۱۴ سال تک کی عمر میں حیض آنے لگتا ہے۔ گرم ممالک میں ۹ یا ۱۰ برس کی عمر میں اور سرد ممالک میں ۱۶ تا ۲۱ برس کی عمر میں شروع ہوتا ہے۔

## ممنوعاتِ حیض

یَقُولُ ابُو الْاَسْعَاد: امام نوویؒ شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ شریعت مقدمہ میں حیض سے

بہت کچھ چیزوں سے مانع ہے جو تقریباً دس کے قریب ہیں:

۱۔ رفع الحدیث سے مانع ہے یعنی جب تک حیض رہے گا اس کا حدیث نہیں اٹھے گا۔

۲۔ وجوب الصلوٰۃ سے مانع ہے۔

۳۔ صحتہ الصلوٰۃ سے مانع ہے۔ یعنی عالتِ حیض میں نہ نماز پڑھنا صحیح ہے اور نہ زمر میں واجب ہوتی ہے۔

۴۔ صحتہ الصوم سے مانع ہے یعنی حالتِ حیض میں روزہ رکھنا صحیح نہیں۔

۵۔ مسِ مَحْفُوف سے مانع ہے۔

۶۔ قرأتِ شہادتین سے مانع ہے۔

۷۔ کتابِ مَحْفُوف سے مانع ہے۔

۸۔ اعتکاف سے مانع ہے۔

۹۔ دخول مسجد سے مانع ہے۔

۱۰۔ طواف سے مانع ہے۔ (کذا فی فہم الفائق)

## حیض کی ابستدار

بقول ابوالاسکandar : حاکم اور منذر نے حضرت ابن عباسؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حیض کی ابتداء حضرت حواءؑ کو اس وقت سے ہوئی جب ان کو جنت سے اتارا گیا تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے ”ہذا شیعی کتبہ اللہ علی بنات آدم“۔  
روایۃ الشیخان کہ حیض کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر مسلط فرمایا ہے بعض سلف کا خیال یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل میں رونما ہوا ”قال الامام البخاری“ ”اول ما ارسل الحيض على بنی اسرائیل“ لیکن یہ امام بخاریؒ کا ذاتی تفسر ہے۔ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ اگرچہ حیض کی ابتداء تو شروع زمانہ ہی سے تھی مگر نساء بنی اسرائیل پر اس کا تسلط بطور قہر و نفعت اور سزا کے ہوا ہے۔ حافظ عبدالرزاقؒ نے مصنف میں اور سعید بن منصور اور شیخ مسدد نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ نساء بنی اسرائیل مردوں کے ساتھ صف میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور انہوں نے ٹکڑی کے سلپے بنوا لیے تھے جن پر کھڑی ہو کر اگلی صف میں کھڑے ہونے والے مردوں کو دیکھا کرتی تھیں جن سے ان کا تعلق ہوتا تھا اس لیے ان پر حیض مسلط کیا گیا اور مساجد اجتماعی جگہوں سے مانعت کر دی گئی۔ مصنف عبدالرزاقؒ میں حضرت عائشہؓ سے بھی اسی کے قریب روایت ہے (راجع)

## حیض کی اقل مدت اور اکثر مدت

بقول ابوالاسکandar : تاحضی ابو بکر ابن العربی مالکیؒ نے ”العاصمۃ الاصولی شرح جامع ترمذی“ میں لکھا ہے کہ حیض کی صورت پیش آنا تو عورتوں کے لیے قضاء قدر الہی کے تحت مقرر شدہ اور لازمی ہے لیکن اس کی مدت اس لیے نہیں مقرر کی گئی کہ سب عورتوں کے

احوال و اوصاف یکساں نہیں وہ شہروں، عروں اور زمانوں کے اختلاف کے ساتھ بدل جاتے ہیں۔  
پھر ہر عورت کے رحم کی ارغائی کیفیت بہ اختلاف احوال و ظروف مختلف ہوتی ہیں جس سے خروج  
دم کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے اسی لیے فقہاء امت کے مختلف مذاہب و تفصیل ملتے آئے جس کے  
علم میں جو مشاہدات و مسوغات ملے انہی کے موافق تحدید کر دی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ”ادجز السائلین“  
مذہبِ اہلِ نبین مذہبِ نفل کیے گئے ہیں۔

**مذہبِ اول۔** امام مالکؒ کے نزدیک حیض کے لیے نفاس کی طرح اقل مدت کی کوئی حد  
متعین نہیں ہے اگر ایک ساعت ایک گھنٹہ بھی آجائے تو وہ حیض ہی شمار ہوگا اور اکثر مدت کے  
بارے میں ان سے تین روایات منقول ہیں (۱) خمسة عشر یوماً (۲) سبعة عشر یوماً  
(۳) عکبر متحد و د (المجموع شرح المہذب منہاج)۔

**مستدل۔** امام مالکؒ اقل مدت کے لیے قیاس کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ  
حیض بھی دوسرے احداث کی طرح ایک حدت ہے۔ تو دوسرے احداث میں اقل مدت کا کوئی  
اعتبار نہیں حیض میں بھی اقل مدت کی کوئی مقدار متعین نہ ہوگی۔

**مذہبِ دوم۔** امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اقل مدت حیض ایک دن ایک رات اور اکثر مدت  
پندرہ دن ہیں۔

**مستدل اول۔** شوائع اور مخالفہ اقل اور اکثر مدت کے لیے استقرار کو بطور دلیل پیش  
کرتے ہیں یعنی اقل مدت ایک دن ایک رات بایں وجہ ہے کہ سیلانِ رحم جب تمام ساعات کا  
استیعاب کرے گا تب معلوم ہو سکے گا کہ رحم سے خارج ہونے والا خون حیض کا خون ہے۔ ایک  
دن اور ایک رات سے کم اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا حالِ نساء کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے  
کہ اقل مدت ایک دن اور ایک رات اور اکثر پندرہ دن ہیں۔

**مستدل دوم۔** اکثر مدت کے لیے شوائع و مخالفہ حضرات اس روایت سے استدلال  
کرتے ہیں ”تحکمت الحداکت شطر عصرھان تصلیٰ و نصب الفایہ منہاج“

وجہ استدلال یہ ہے کہ شطر سے مراد یہ ہے کہ عورت نصف عمر علوۃ و سکوم کے بغیر  
گزارے گی یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب ہرہ میں پندرہ دن حیض کے شمار کیے جائیں۔

**مذہبِ سوم۔** احناف حضرات کے یہاں حیض کی اقل مدت تین دن تین راتیں ہیں

البتہ امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ دو دن کا بل اور تیسرے دن کا اکثر حصہ ہے اور اکثر مذمت دس دن دس رات ہے۔

**مستدل اول**۔ حضرت دائد بن اسحقؒ کی روایت ہے:

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقل الحيض ثلاثة

ايام واكثر عشرة ايام۔ رد المحتار قطعی ص ۱۹۹ اکتب الحيض

**مستدل دوم**۔ روایت حضرت ابو امامہؓ ہے۔ اس کی تخریج طبرانی نے معجم میں اور دارقطنی نے سنن میں اور ابن عدی نے الکامل میں کی ہے۔

”اقل الحيض للجارية البكر والثيب ثلاثة واكثر ما يكون

عشرة ايام فاذا نزل فمهي مستحاضة۔“

**مستدل سوم**۔ روایت حضرت معاذؓ ہے۔ اس کی تخریج ابن عدی نے الکامل

میں کی ہے۔ ”اكثر سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا حيض

دون ثلاثة ايام ولا حيض فوق عشرة ايام فمما نزل على ذلك فلم ي

مستحاضة الغل۔“

حضرت معاذؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ تین دن سے

کم حیض نہیں ہے اور نہ دس دن سے زیادہ پس جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

## مذہب اول کی دلیل کا جواب

مذہب اول (یعنی مالکیہ حضرات) وائوں کی طرت سے حیض کی مدت اقل کی عدم تحدید پر

قیاس و استقرار کو بطور دلیل پیش کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ دو وجہ سے یہ استدلال

غیر صحیح ہے۔ اولاً استقرار کو دلیل بنانا سوا اول تو وہ دلیل شرعی نہیں۔ نیز تقاریر شریعت

کے لیے قیاس اور استقرار کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ ثانیاً نص کے مقابلہ میں استقرار اور

قیاس کا اعتبار کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

## مذہب دوم کی دلیل کے جوابات

شواہد اور خابطہ حضرات نے روایت "تم لکھت احدا کت" سے اکثر مدت میض یعنی پندرہ دن پر دلیل پکڑی تھی اس کے چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں :-  
**جواب اول** - یہ ہے کہ روایت مذکور سے دُور جوہ کی بنا پر دلیل پکڑنا غیر صحیح ہے۔  
 اول یہ کہ ضروری نہیں کہ شطر کے معنی نصف ہی کے ہوں چنانچہ شطر القلیل کا اطلاق مقام پر آتا ہے جو یقیناً نصف میں نہیں ہوتا بلکہ مطلق جز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔  
 دوم اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے معنی نصف ہی کے ہیں تو پھر اس کا مفہوم صحیح نہیں ہوتا اس لیے کہ اجتماع میں قبل البسوخ دس بارہ سال بغیر میض کے گزر جاتے ہیں پھر جب میض آتا شروع ہوتا ہے تو سن ایسا کو پہنچ جانے کے بعد پینٹالیس پچاس سال کے بعد اس کا انقطاع ہو جاتا ہے۔  
 تو اس طرح اوائل و اواخر عمر میں کافی طویل مدت میض کے بغیر گزرتی ہے لہذا اگر اکثر مدت پندرہ دن یا سترہ دن کو قرار دیا جائے تب بھی مدت میض نصف عمر کے برابر نہیں ہوتی۔ لہذا یہ استدلال کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

**جواب دوم** - یہ ہے کہ روایت مذکور ضعیف اور غیر صحیح ہے چند ایک حوالے ملاحظہ فرمائیے :-  
 ۱۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں "حدیث باطل لا یعرف"۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "لا اصل لہ بهذا اللفظ" امام بیہقیؒ فرماتے ہیں "قد طلبتہ کثیراً فلم اجدہ فی شیئی من کتب الحدیث ولم اجد لہ اسناداً" علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں "لا اعرفہ" نیز دیگر محدثین حضرات نے بھی اس کو باطل اور بے اصل قرار دیا ہے۔ بغیر انہیں (۱۵۴) لہذا ایسی روایت سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

## الفصل الاول یہ پہلی فصل ہے۔

ترجمہ ۱ روایت ہے حضرت انس بن مالک سے فرماتے ہیں کہ یہودی جب ان میں

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ  
 اَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا اِذَا حَاضَتْ



الْمَرْأَةُ فَيَهْمُ لَمْ يَكُوْهُمَا  
وَلَمْ يَجِئَا مَعُوْهُنَّ فِي الْبَيُوتِ  
فَقَالَ اصْحَابُ السَّبِيِّ صَلَّى اللهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْزَلَ اللهُ تَعَالَى  
وَلَيْسَ لَكُمْ عَنِ الْمَحِيضِ اِلَیْهِ  
فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا  
النِّكَاحَ الْغَرَ (سَدَاةً مُسَلَّمَةً)

عورت عاتقہ ہوتی تو نہ اس کے ساتھ کھاتے  
اور نہ انہیں گھروں میں ساتھ رکھتے۔ حضور انور  
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے یہ مسئلہ  
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ  
نے یہ آیت اُماری اور لوگ آپ سے جیٹھ کے  
متعلق پوچھتے ہیں الغر، حضور انور صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا کہ صحبت کے سوا سب کچھ کر سکتے  
ہو الغر۔

قَوْلُهُ يَهُودٌ: لفظ یہودی جن یہودی مثل روم و رومی یعقوب علیہ السلام کی اولاد یہودی کہلاتی ہے اس لیے  
کہ ان کے بڑے بیٹے کا نام یہود تھا۔ عند البعض لفظ یہود کا مادہ اشتقاقی ہُذًی ہے بمعنی  
توبہ کرنے والا۔ انہوں نے بھی کچھ بڑے کی پرستش سے اعلیٰ درجہ کی توبہ کی۔ کما فی قولہ تعالیٰ « اِنَّا  
هٰذِنَا اِلَيْكَ » (پ) غرضیکہ ان کی نسبت یا اپنے جگہ کی طرف ہے یا اس نیک عمل کی طرف۔  
قَوْلُهُ لَمْ يَكُوْهُمَا۔ اُسے معنی ایٹھے نہیں کھاتے۔

قَوْلُهُ وَلَمْ يَجِئَا مَعُوْهُنَّ۔ لفظ لَمْ يَجِئَا مَعُوْهُنَّ جماع، وعلی کے معنی میں متعلق نہیں  
کیونکہ عدم جماع فی حالتہ الحيض تو مطلوب شریعت محمدی ہے۔ لہذا اس کی مراد ہے « اِی لَمْ  
يَسَا كُنُوْهُنَّ وَلَمْ يَجِئَا لَطُوْهُنَّ فِي الْبَيُوتِ » یعنی جب ان کی عورتوں پر حالت حیض طاری  
ہوتی ہے تو نہ ان کو گھروں میں اپنے ساتھ رہنے دیتے ہیں اور نہ ان سے میل جول رکھتے ہیں۔ اکثر ہندو  
قبیلوں میں یہ رواج اب بھی ہے۔

قَوْلُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَقَالَ سَ اعْتِرَالٍ اَوْ  
قَرُبٍ کی تفصیل ہے کہ کونسا قریب جائز ہے اور کونسا اعتزال جائز ہے۔

قَوْلُهُ النِّكَاحُ: نکاح سے مراد وعلی ہے کیونکہ اسی نکاح کے ذریعہ وعلی جائز ہوتی ہے۔  
یعنی ذکر سب اور مراد سبیب ہے۔

قَوْلُهُ هٰذَا الرَّجُلُ: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باقی هٰذَا النَّبِيُّ

کہنے کے بجائے ہذا الزجل کہا یہ تعبیر انکار نبوت کی وجہ سے ہے۔

قولہ انسید بن حصیر: آپ انصاری اُسی ہیں حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر سعد بن معاذ سے پہلے اسلام لائے۔ دوسری بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ بدر اور تمام غزوات میں حضرتؑ کے ساتھ شریک تھے۔

قولہ عبّاد بن بشر: آپ انصاری قبیلہ بنی عبد الاشہل سے ہیں حضورؐ کی ہجرت سے پہلے مصعبؓ کے ہاتھ پر اسلام لائے تمام غزوات میں حضرتؑ کے ساتھ رہے۔

قولہ اَفَلَا نَجْعَلُ مَكْهَنًا: محدثین حضرات نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ اول: مجامعت سے مراد مساکنت ہے (نکٹھے رہائش گاہ) حضرت انسید بن حصیر اور عبّاد بن بشر کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے ہم حالت جمیع میں عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہنا چھوڑ دیں کیونکہ ان کے ساتھ مساکنت و مواکلت وغیرہ کی اجازت ہی ہے واجب تو نہیں۔

دوم: مجامعت سے مراد زانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود تو مواکلت و مساکنت وغیرہ کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کی اجازت دی گئی ہے تو اس پر وہ اعتراضات کرتے ہیں اس کے رد عمل میں ہم ان کو پڑانے کے لیے جماع شروع کر دیں "موتوا بقیضکم"۔

قولہ فَتَفَكَّرُوا وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اسے تبتّلی وجہ رسول اللہؐ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسید بن حصیرؓ و عبّاد بن بشرؓ کی اس بات پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ قایدہ۔ اگر اَفَلَا نَجْعَلُ مَكْهَنًا کا پہلا مطلب مراد لیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ مسائل میں یہود کو خوش کرنے کا اہتمام کیوں کیا جائے ہم تو وہی کریں گے جس کا ہیں اگر ہوگا۔ اگر دوسرا مطلب مراد لیا جائے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ یہ ہیں۔

اول: کسی کی ضد میں آکر مدد سے تجاوز کرنا اچھی بات نہیں ہے غرضیکہ عمل میں اصل حکم الہی پیش نظر ہونا چاہیے۔ نہ کسی کی مخالفت و موافقت کیونکہ منصوصی احکام کسی قوم کی مخالفت کے لیے نہیں بدلے جاسکتے۔ دیکھو ڈاڑھی رکھنا اور مونچھیں کٹنا اسلام کا حکم ہے۔ اب رکھنا کی مخالفت میں ڈاڑھی منڈائی نہ جائے گی۔

دوئم: حدیث کے مقابلہ میں تیس پیش کرنا صحیح نہیں۔

قَوْلُهُ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا - اِی قَدْ غَضِبَ عَلَيْهِمَا - کہ حضرت معلوم کی ذات

گواہی ہم پر ناراض ہو گئے ہیں۔

قَوْلُهُ فَاَسْتَقْبَلْتُهَا : اے استقبال، رجلین معہ ہدایۃ اللبَنِ یعنی

آنحضرتؐ کی خدمت عالیہ میں درجوان درود کا ہدیہ لے کر آئے۔

قَوْلُهُ فِي اثَابَ هِمَا - اِی قِ عَقِبَهُمَا - یعنی ہمارے پیچھے آ رہی تھیں۔

قَوْلُهُ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا : اے لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا - گویا ہم پر آنحضرتؐ معلوم ناراض

نہیں تھے۔ یہ مَوْجِدٌ اور وَجَدَ سے ہے جس کے معنی غضب کے ہیں اور وَجَدَ یَجِدُ کا

مصدر وجود بھی آتا ہے جس کے معنی پانے کے ہیں دونوں میں صرف مصدر کا فرق ہے۔

سوال - پہلے یَجِدُ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ناراض تھے جب کہ لَمْ يَجِدْ سے فقہ

وغیرہ کی نفی ہو رہی ہے یہ تعارض کیوں ہے؟

جواب - مطلقاً ناراضگی کی نفی نہیں کی جا رہی بلکہ دائمی ناراضگی کی نفی مقصود ہے۔

## اِسْتِمْتَاعٌ بِالْحَالِ اَنْفُسِ كَا حَكْم

مانفہ عورت سے کسی قسم کا اِسْتِمْتَاعٌ (نفع اٹھانا) جائز ہے۔ اس بابے میں فقہاء کا اختلاف

ہے قبل از بیان اختلاف اِسْتِمْتَاعٌ کی چند ایک صورتیں ملاحظہ فرمادیں۔

صورتِ اوّل - اِسْتِمْتَاعٌ بِالْجَمَاعِ یعنی ایام حیض میں عورت سے وطی کرنا یہ باتفاق امت

حرام ہے حتیٰ کہ اہم نوویؒ نے اس مسئلہ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اگر کوئی آدمی اس فعلِ بیکوہرام

سمجھ کر کرتا ہے تو وہ فاسق و فاجر ہے۔

صورتِ دوئم - الاستمتاع بما فوق الاراء - روس و کنار معانقہ خواہش

کے ساتھ ہاتھ لگانا، فواید و لذائذ وغیرہ، اس کے جواز پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے اور جو معتقد درایات

سے مؤید ہے اس صورت کو بعض مقام پر "مَا فَوْقَ الشَّرَةِ اور مَا دُونَ الْمَرْكَبَةِ" سے

بھی تعبیر کرتے ہیں۔

**صورت سوّم**۔ استمتاع بما تحت الاذان من غیر جماع یعنی عمل اذی کے سوا چادر کے نیچے سے نفع اٹھانا اس میں اختلاف ہے اور دو مسلک ہیں:

**مسلک اوّل**۔ ابراہیم نخعی، ابو ثور، امام محمد، امام احمد، الحنفی بن راہویہ وغیرہم کا مذہب یہ ہے کہ شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم مرد پر حرام نہیں لہذا محل اذی (شرمگاہ) کے علاوہ ماتحت الاذان ران وغیرہ سے استمتاع جائز ہے۔

**مستدل اوّل**۔ روایت حضرت انسؓ ہے "إِصْنَعُوا كَمَا سَمِعْتُمُوهُ إِذَا تَنَكَحَ" (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ ج ۱ باب الحيض فصل اوّل) تریباں نکاح یعنی جماع ہے لہذا جماع کے علاوہ ہر قسم کے استمتاع کی اجازت دی گئی ہے۔

**مستدل دوّم**۔ روایت بی بی عائشہؓ ہے:

« قَالَ وَانْكَشَنِي عَنْ فَخْذِيكَ فَكَشَفْتَ فَخْذِي فَوَضَعَ خَدِّي وَصَدْرِي عَلَى فَخْذِي وَحَنَيْتَ عَلَيْهِ حَتَّى دَفَعْتُ وَكَلَامٌ »

(ابوداؤد شریف ص ۱۰۱ ج ۱ باب فی التّجمل یعیب منها ما دون الجماع) تو روایت مذکور میں ما بین التّرة والركبة تحت الاذان استمتاع ہو رہا ہے جو حرام کی دافعی دلیل ہے۔

**مسلک دوّم**۔ حضرت ابن عباسؓ، سلیمان بن لیثؓ، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور بقول علامہ بغویؒ اکثر علماء کے نزدیک ماتحت الاذان من التّرة الی الركبة سے بھی استمتاع ناجائز ہے اور فرماتے ہیں کہ جس طرح آیام حیض میں جماع حرام ہے اسی طرح جو اس کا سبب قریب ہے (استمتاع ماتحت الاذان من التّرة الی الركبة) اس سے بھی استمتاع حرام ہے کیونکہ سبب بوجہ داعی الی الحرام ہونے کے حرام ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ اور عبید سلیمانؓ سے یہاں تک مروی ہے کہ چڑی کے بستر سے بھی اجتناب واجب ہے۔

**مستدل اوّل**۔ بی بی عائشہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں:

« وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَزِرُ فَيُبَا شَرَفِي وَأَنَا حَائِضٌ » (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵ ج ۱)

باب الحيض فصل اوّل

روایت مذکور میں ازار یا تدریج کا حکم دافع دلیل ہے اس پر کہ تحت الاذان تنگی بدن سے

فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

**مسئلہ دوم**۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے :

”سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عما يحل لي من امرأتي وهي حائض فقال لك ما فوق الأضراس أبو داود شريف مساج باب في الذي كرمي في آنحضرت صلى الله عليه وسلم سے پوچھا کہ حالت حیض میں بری سے میرے لیے کیا چیز حلال ہے فرمایا کہ تیرے لیے ازار سے اوپر کا عقد حلال ہے۔

اہم ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سکوت کیا ہے اس لیے یہ روایت ان لوگوں کے خلاف حجت ہوگی جو استمناع بما تحت الأضراس کے ہواز کے قائل ہیں۔

**مسئلہ سوم**۔ ابی بنی عاتکہ صدیقہؓ سے روایت ہے :

”قالت كانت الحدا اذا كانت حائضاً أمرها النبي صلى الله عليه وسلم فتأتمرت يا زمار شويبا شرها رسول الله شريف مساج

كتاب الحيض باب مياشرة الحائض فوق الأضراس

اور بہت سی روایات ہیں جن میں فوق الأضراس استمناع کی اجازت دی گئی ہے اگر تحت الأضراس استمناع

جائز ہوتا تو کچھ ایسا نہ فرماتے۔

**مسئلہ چہارم عقلی**۔ شریعت مقدسہ کا مزاج یہ ہے کہ جب ایک چیز کو حرام کرتی ہے

تو اس کے دوائی واسباب قریب کو بھی حرام کر دیتی ہے مثلاً ”وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوَاجَ“ وَلَا تَقْرُبُوا

الْفَوَاحِشَ ”علماؤں کو فرماتے ہیں ”ای بعبا شرة مبادیة القریبة او

بعبیة الذرودج المعانی نیز جو چیز کسی حرام کا ذریعہ بنتی ہے وہ بھی حرام ہو جاتی ہے تو

استمناع بما تحت الأضراس جماع میں واقع ہونے کا قوی اندیشہ ہے پھر مستمنع کا اپنے آپ کو سنبھالنا

مشکل ہوگا و لہذا یہ حرام ہوا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

”وَمَنْ يَرِغْ حَوْلَ الْحُلِيِّ يَوْشِكُ أَنْ يَخْطَا لِحْطَةً“

**خاتمہ حضرات کے مسئلہات کے جوابات**

خاتمہ حضرات نے صورت ثالثہ کے جواز پر روایت حضرت انسؓ ”اصنعوا كل شیء

اِنَّ الشَّكَاحَ " سے دلیل پکڑی تھی۔ اس کے چند جوابات ملاحظہ فرمادیں :

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ یہ حرام فاسی ہے حقیقی نہیں "کَلَّ شَيْئًا" میں صرف وہی چیزیں مراد ہیں جن کا ذکر حدیث میں ہے کیونکہ یہود حاکفہ کے ساتھ مداخلت، مشارکت اور مساکنت سب کچھ ترک کر دیتے تھے۔ اس لیے زمانہ جمعہ میں عورت منکلم ہوتی تھی تو یہود کے اس عمل باطل کی تردید کے پیش نظر مداخلت و مساکنت کی اجازت دینا مقصود ہے۔ استتاع بما تحت الازار کی اجازت دینا مقصود نہیں۔

**جواب دوم**۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ حرام بالذات وہی ہے باقی قسموں کا استتاع حرام بالذات نہیں ہے۔ اجمہور بھی ماتحت الازار استتاع کو حرام بالذات نہیں کہتے بلکہ اس کو اس لیے حرام کہتے ہیں کہ یہ وہی کے دواعی قریبہ میں سے ہے۔

**مستدل دوم کا جواب اول**۔ مخالفہ حضرات نے استتاع بما تحت الازار کے جواز پر روایت عائشہؓ اور اکشفی عن فخذینک " سے دلیل پکڑی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ روایت عائشہؓ میں جس استتاع کا ذکر ہوا ہے مطلب عورت (استتاع) کے لیے ہے جس کے جواز کے جمہور حضرات بھی قائل ہیں۔

**جواب دوم**، روایت عائشہؓ کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد افریقی راوی ہیں جن کو بھی ابن نمینؒ نے ضعیف اقرار دیا ہے۔ امام احمدؒ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ میں ان کی روایت نہیں لیتا ہوں کیونکہ وہ سنکر الحدیث ہیں۔ امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ وہ ائمہ حدیث کے یہاں ضعیف ہیں۔ یحییٰ بن القفان کا بھی یہی تبصرہ ہے۔ امام نسائیؒ نے بھی ان کی تضعیف کی۔ (ابذل علاج)۔

**تنبیہ** بقول ابوالاسعاد : اگر عورت حائضہ ہو تو اس کیلئے مرد سے حیض کو چھپانا جائز نہیں بلکہ اس کو چاہیے کہ اپنے حیض سے مرد کو مطلع کر دے تاکہ وہ لاعلمی کی وجہ سے محبت نہ کرے۔ اور اگر عورت پاک ہو تو خود کو حائضہ بنا کر مرد کو محبت سے روکنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "لَعَنَ اللَّهُ الْفَانِصَةَ وَالْمَقْصُوصَةَ" (اسماہ) کہ غائضہ اور مقوصہ پر اللہ پاک کی لعنت ہو۔ غائضہ وہ عورت ہے جو مرد کو اپنے حیض سے مطلع نہ کرے۔ اور مقوصہ وہ عورت ہے جو پاک ہوئے کے باوجود اپنے آپ کو حائضہ بنا کر مرد کو محبت سے روکے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ  
أَغْتَسِلُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَلَانَا  
جُجِبَ وَكَانَ يَا مُرْنِي فَأَشْرَبُ  
فِيمَا شَرْنِي وَأَنَا حَائِضٌ وَكَانَتْ  
تَخْرُجُ مِنْ رَأْسِهِ الْإِنَاءُ وَهُوَ مُسَكَّنٌ  
فَأَغْتَسِلُهُ وَأَنَا حَائِضٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے آپ مجھے حکم دیتے میں نہ بند باندھ لیتی تو میرے جسم سے مس کرتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی اور سر مبارک بحالت اعتسکاف میری طرف نکال دیتے میں دھوئی حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

قولہ فاشرب: فاعقد الاضراس یعنی چادر باندھو۔ یہ روایت جہور کی مؤید ہے کہ استماع بما تحت الازار جائز نہیں۔ مزید بحث قدمۃ الفقہاء۔  
قولہ وهو مسكَّنٌ فاعسله۔ بی بی عائشہؓ کا حجرہ مبارک مسجد سے بالکل بلا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کا دروازہ بھی مسجد شریف ہی کی طرف کھلا ہوا ہوتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتسکاف میں ہوتے تھے تو اپنا سر مبارک اسی دروازہ سے حجرہ مبارک کی طرف نکال دیتے تھے۔ تو بی بی عائشہؓ وہاں بیٹھ کر آپ کا سر مبارک دھو دیتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اعتسکاف میں بیٹھا ہوا ہو اور اپنے جسم کے کسی حصہ کو مسجد سے باہر نکال کر دھوائے تو اس سے اعتسکاف باطل نہیں ہوتا۔

وَعَنْهَا قَالَتْ أَشْرَبُ  
وَأَنَا حَائِضٌ شَرَُّنَا وَلَهُ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَصْغُ  
فَاكُ مَوْضِعٍ فِي (رواہ مسلم)

ترجمہ: روایت ہے انہی سے کہ میں بحالت حیض نبی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ پر رکھ کر پیتے اور میں بحالت حیض ہڈی چوستی پھر آپ کو دے دیتی تو آپ اپنا منہ شریف میرے منہ کی جگہ رکھتے۔

قَوْلُهُ أَشْرَبُ : اِی الصَّائِبُ - یعنی حالتِ جِصْن میں پانی پیتی۔

قَوْلُهُ : اُنَا وَلَهُ - اِی اعطیہ الِانَاء الَّذِی شَرِبْتَ فِیْہ : یعنی وہی برتن پھر میں آنحضرتؐ کو دیتی۔

قَوْلُهُ فِیَّ : اِی قَبْلِی بِالْتَّشْدِید - یعنی منہ - آپ کا یہ عمل درودِ ہجرہ سے تھا۔

اَوَّلُ : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی عائشہ صدیقہؓ سے بہ نسبت بقیہ ازواجِ مطہرات کے زیادہ محبت تھی۔ اس کا اظہار مقصود تھا۔

رَدُّم : یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی مخالفت منظور ہوتی تھی تو یہاں پر مخالفت کا اظہار مقصود ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَبَّرُ  
فِي حَبْرِيٍّ وَأَنَا حَائِضٌ شَمَرٌ  
يَقْرَأُ الْقُرْآنَ رَمْتَفٍ عَلَيْهِ

ترجمہ : روایت ہے انہی سے فرماتی  
ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکبر  
لگاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر قرآن پاک  
تلاوت کرتے۔

قَوْلُهُ يَتَكَبَّرُ : اِی یَسْتَنِدُ اِلَیْہِہ وَیَعْتَمِدُ فِی الْجُلُوسِ - یعنی حضور صلی اللہ

علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگاتے۔

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی گود قرآن اور قرآن والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رُعل بنی اس وقت بھی  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی کہ آپؐ کا دصال مبارک آپ کی گود میں ہوا۔ اور آپ کا  
حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ بنا۔

یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ حائضہ عورت بوجہ اِیمانِ جِصْن ہو جاتی ہے مگر یہ بجااست حقیقی نہیں  
بلکہ عکس ہے کما فی قولہ تعالیٰ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيَّ الْاَدَمَ " اور یہ حدیث بھی اسی کی مؤید ہے  
کیونکہ حائضہ کے اگر اعضاءِ نجس ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہؓ کی گود میں لیٹ کر تلاوت  
نہ فرماتے۔

سوال۔ نجس جگہ پر قرآن پاک کی تلاوت ناجائز ہے لیکن آنحضرتؐ گود میں جو نجس جگہ ہے



کیوں تلاوت فرما رہے ہیں ؟

جواب :- یہ نجاست کپڑوں میں مسطور ہے۔ جو نجاست کا ہر حصہ وہ تلاوتِ قرآن سے مانع ہے باقی مائع کتنی تلاوت کر سکتی ہے اس کی بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۱ ج ۱ باب مغالطۃ الجنب فصل ثانی میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِي الشَّيْ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاولِيْنِي  
الْخُمُصَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ  
إِنِّي خَائِضٌ فَقَالَ إِنِّي حَيَّضْتُكَ  
لَيْسَتْ فِي يَدِكَ رِوَاةٌ مُسَلَّمٌ

ترجمہ :- روایت ہے انہی سے فرمائی ہیں  
مجھے صفورا اور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد سے  
ہم کو چٹائی دے دو میں بولی کہ میں تو عائنہ ہوں  
فرمایا تمہارا خیفہ تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

قَوْلُهُ نَاولِيْنِي : اے اعطینی۔ بے در۔

قَوْلُهُ الْخُمُصَةُ - علامہ ابن اثیر النہایہ ص ۲۵۱ ج ۱ میں لکھتے ہیں " الخُمُصَةُ  
مَقْدَرٌ مَا يَضَعُ الرَّجُلُ عَلَيْهِ وَجْهَهُ فِي سَجْدَةٍ مِنْ حَصَلِينَ خُمُصَةٍ  
اس چٹائی کہ کہتے ہیں جس پر آدمی سجدہ کرنے کے لیے چہرہ رکھتا ہے اس کا اطلاق چھوٹی جلتے نماز  
پر بھی ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غمرہ (جائے نماز) پر تشریف  
فرماتے تھے کہ چوہے نے چراغ کی جلتی ہوئی تہی کو کینچ کر آپ کے سامنے غمرہ پر ڈال دیا جس سے درہم  
برابر جگہ چل گئی راہوداؤد شریف ص ۲۶۱ ج ۲ کتاب الادب اطفاء النار بالقلیل

قَوْلُهُ مِنَ الْمَسْجِدِ : من المسجد کا تعلق قَالَ کے ساتھ ہے چنانچہ اس  
بارے میں دو قول ہیں :-

قول اول :- قاضی عیاضؒ کے نزدیک مِنَ الْمَسْجِدِ کا تعلق قَالَ کے ساتھ ہے یہ  
حضرتؐ کے زمانہ اعتکاف کا واقعہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے آواز دے کر حضرت  
عائشہؓ بذیقہ سے فرمایا عبارت یوں بنے گی " قَالَ مِنَ الْمَسْجِدِ " اس کی تائید حضرت  
ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے :-

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی المسجد فقال یا عائشۃؓ ناو لینی الثوب فقالت اتی حائضۃ  
انخر مسلمہ شریفۃؓ کذا ج اباب جواز غسل الحائضۃ من زرجھا  
(وترجلہ)

عقلہ نزدیکی نے بھی قاضی عیاضؒ کی تاویل کو اختیار کیا ہے۔

**قول دوم۔** من المسجد کا تعلق ناو لینی کے ساتھ ہے اس کی تائید بی بی مسرورہؒ کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں۔

”ثم تقوم احداً تا تخمر لہ فتضعھا فی المسجد وہی  
حائضۃ (نسائی شریف ص ۱۵ ج اباب بسط الحائض الخمرۃ فی المسجد)  
تقول دم کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حجرہ میں تھے  
اور حجرہ مسجد شریف میں پھر آپ نے یہ حکم دیا۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام ابو داؤدؒ نے بھی اسی قول کو  
ترجیح دی ہے واللہ اعلم واكمل واحکم۔

قولہ ان حیضتک لیست فی یدک۔ تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے بظاہر  
یہ خیال ہو سکتا ہے اور جیسا کہ حضرت عائشہؓ کو ہوا کہ حائضہ اور جنب میں بجا سب حکمی کا اثر بھی تمام  
بدن پر ہوتا ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ”ان حیضتک لیست فی یدک“ سے  
اس کا ازالہ فرمادیا۔

**فابعد ۱:** یہ بحث مشکوٰۃ شریف ص ۱۵ ج اباب مخالطۃ الجنب فصل ثانی  
روایت عائشہؓ میں ہو چکی ہے کہ حائضہ اور جنب کے لیے مسجد شریف میں داخل ہونا جائز نہیں مگر یاد  
ہے کہ دخول سے مراد سارے جسم کا دخول ہے۔ اگر حائضہ عورت ہاتھ بڑھا کر مسجد شریف سے کوئی  
چیز اٹھائے اور باقی بدن مسجد سے باہر رہے تو اسے دخول نہیں قرار دیا جاسکتا اور حائضہ اور جنب  
کے لیے ایسا کرنا جائز ہے اور حدیث باب کا بھی یہی مضمون ہے یعنی حدیث باب میں دخول کی  
تشریح ہوتی کہ کل بدن کا دخول مراد ہے بعض کا نہیں۔

**سوال۔** یہ ہے کہ جب ادخال ید فی المسجد بوجہ جزء بدن ہونے کے ممنوع نہیں تو پھر  
یک۔ مس صحیف شریف بھی بوجہ اس کے جزء بدن ہونے کے جائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس کا

کوئی بھی تاویل نہیں۔

**جواب۔** یہ ہے کہ مصحف شریف کا مس کرنا عرفاً و عادتاً جزو بدن رہا تھا اس کے بغیر ممکن ہی نہیں اور نہ بدن سے مس مصحف شریف کوئی ایسا امر ہے جسے عرف میں مقول قرار دیا جاسکے چونکہ قرآن مقدس میں مس مصحف سے بھی وارد ہوئی ہے تو مراد یہی مس ہوگا جو ممکن اور متعارف ہے یعنی مس بالید کما فی قولہ تعالیٰ وَلَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ، تو مس بالید پر محمول کیا ہے۔

وَعَنْ مَمُونَةَ قَالَتْ  
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مِرْطٍ بَعْضُهُ  
عَلَيْهِ وَأَنَا حَائِضٌ (مسند علیہ)

**ترجمہ :** روایت ہے حضرت بی بی  
میمونہؓ سے فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ایک چادر میں نماز پڑھتے تھے جس کا کچھ حصہ  
مجھ پر ہوتا اور کچھ حصہ حضورؐ پر حالانکہ میں  
حائضہ ہوتی۔

**قولہ مِرْط :** بکسر المیم و سکون التاء کساء من صوف او خبز گرم  
چادروں کو کہتے ہیں۔

**قولہ بَعْضُهُ عَلَيْهِ :** یعنی بعض المِرْط اَلْقَاءَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ  
علی کتفہ یُصَلِّي۔ کہ چادر کا بعض حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے مبارک پر ہوتا۔ مقصد  
یہ ہے کہ ایک ہی چادر مجھ پر بھی ہوتی اور بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ اس سے معلوم ہوا  
کہ حائضہ کا جسم جس حقیقی نہیں ورنہ ایسا کپڑا جس کا بعض حصہ نجاست پر ہوا اسے اُدھ کر یا پہن کر نسا  
پڑھنا منوع ہے۔

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : رَدَّيْتُ عَنْهُ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى  
حَائِضًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا  
أَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ  
عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
(رواه الترمذی وابن ماجہ)

سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ جو عائفہ عورت سے جماع کرے یا عورت  
کے پاخانہ کی جگہ یا کاہن کے پاس جائے  
اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے ہوئے  
کا انکار کیا۔

قوله أَتَى حَائِضًا: ای جا معها من الحائض یعنی اتیان کن یہ ہے جماع  
اس کی بحث ہو چکی ہے کہ عائفہ سے کس قسم کا استمتاع جائز ہے۔  
قوله أَوْ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا: حدیث پاک میں امْرَأَةً کی تفسیر لگائی ازباحت  
کے لیے کہ جب عورت جو محل جماع ہے وہاں اتیان فی الدبر ممنوع ہے تو رجال جو محل جماع بھی نہیں وہ  
تو بطریق اولیٰ ممانعت میں داخل ہے۔  
قوله كَاهِنًا: اے صدق کاهن یعنی کاہن کے پاس جاتا ہے اور کاہن کی تصدیق  
بھی کرتا ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ علم غیب خاصۃ خداوندی ہے۔ اگر کاہن کے پاس جاتا ہے لیکن کاہن  
کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین نہیں کرتا تو بھی فسق ضرور ہے۔

## کاہن کی تعریف

يقول ابوالاسعاد: علامہ طبری فرماتے ہیں کہ کاہن وہ شخص ہے جو ہاتھ دیکھ کر یا نام  
کے عدد و نکان کر مستقبل کے متعلق حوادث اور واقعات کی خبر دے اور غیب کے اسرار کی معرفت  
کا دعویٰ کرے اور اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں کبھی تو جنت و نار کے کتبائے کر لیتے ہیں اور وہ جھوٹ ملا کر  
کاہنوں کے کانوں میں ڈالتے ہیں اے وہ غیب کی خبریں کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کی روح کو خبیث  
جنوں اور شیاطین کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے ان سے وہ استفادہ کرتے ہیں اور اوجھڑا دھڑکی  
باتیں کہہ دیتے ہیں۔ کہانت حرام ہے اس پر ال دینا بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے علم الغیب  
کاشف ہوتا ہے۔

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۰ میں کہانت کے بارے میں مبسوط بحث

کی ہے اور فرماتے ہیں کہ کھانت کبھی طبعی ہوتی ہے، کبھی اکتسابی اور کبھی جنات وغیرہ کے تعاون سے حاصل کی جاتی ہے اور کبھی علم رمل، علم جطر اور علم نجوم سے یہ چیزیں اخذ کی جاتی ہیں لیکن کلمہ حرام۔ سوال۔ حدیث پاک میں تین منہیات ہیں (۱) اتیان الحائض (۲) اتیان التزوجۃ فی دبرھا (۳) اتیان الکاهن۔ پھر ان تینوں منہیات پر فقہ کفر کو مرتب کیا گیا ہے حالانکہ تینوں منہیات پر عمل کرنے سے فتن میں تو شک نہیں لیکن ان کے مرتکب کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ جب کہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ وسلم کے ارشاد مبارک میں کفر کا حکم لگایا گیا ہے۔ جواب اول۔ یہ ارشاد تعلیفاً و تشدیداً ہے۔

جواب دوم۔ کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں جو مقابل اسلام ہے بلکہ کفر سے مراد لغوی کفر یعنی ناشکری مراد ہے کھانی تولہ تعالیٰ "وَأَشْكُرُ وَفِي وَلَا مَكْفُورٍ"۔ جواب سوم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مستعمل کے لیے ہے یعنی نعوذ باللہ وہ آدمی جو اس بدن فعل کو حلال و جائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ کافر ہے (تنویر الابصار مع شرح الحدیث النجاشیؑ)

## اتیان فی دبر المرأة

اتیان فی الدبر کے بارے میں دو مسلک ہیں : مسلک اول۔ جمہور علماء اہل سنت و الجماعت کے نزدیک جس طرح حائضہ عورت کے ساتھ ایام حیض میں وطی شرعاً حرام ہے اسی طرح اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ دبر میں اتیان (دبواقت) بھی حرام ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔ جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم النہاج ص ۴۲ میں اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔

”وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ الَّذِينَ يَسْتَدْبِرُهُمْ عَلَى تَحْلِيلِ وَطْئِ امْرَأَةٍ فِي دُبْرِهَا حَائِضًا كَأَنْتِ أَوْ طَاهِرًا لِأَحَادِيثَ كَثِيرَةٍ مَشْهُورَةٍ الْخ“۔ مستدل۔ نعم قطعی۔ ”قُلْنَا هُوَ أَذَى فَأَعْتَزَلُوا النِّسَاءَ“ کے ساتھ حدیث مشہور ہے۔ ”مَنْ أَقْبَى امْرَأَةً فِي دُبْرِهَا أَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُعْتَمِدٍ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ سَلَامٌ“۔

اس حدیث پاک کے علاوہ اور بھی احادیث صحیحہ کثیرہ میں اس فعل پر سخت نہیں وارد ہوئی ہے  
امام طحاوی نے ایسی حدیثوں کو مستواتر کہا ہے (طحاوی شریف منہاج) ۱  
مسلمک دوم۔ بعض اہل تشیع حضرات جن میں سرفہرست فرقہ امامیہ ہے وہ اتیان فی دبر المرأة  
کے جواز کے قائل ہیں۔

مستدل۔ آیت مبارکہ ہے ”فَاَنْتُمْ اَحَدٌ كَلْبٌ اَتَى شَيْثُخُو“  
طرز استدلال۔ یوں ہے کہ آیت میں ”اَتَى“ عموم مکان کے لیے ہے یعنی جس جگہ چاہو  
آؤ۔ اس غیر صحیح استدلال کے جمہور حضرات نے متعدد جوابات دیے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں۔  
جواب اول : یہ ہے کہ دُجْرہ سے یہاں ”اَتَى“ عموم مکان کے لیے نہیں بلکہ عموم کیفیت  
کے لیے ہے یعنی جس کیفیت سے چاہو آؤ اولاً اگر اَتَى کو عموم مکان کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو مَعْنِ اَتَى  
کے معنی میں ہوگا صرف ”اَتَى“ کے معنی میں نہیں ہوگا۔ اگر مَعْنِ اَتَى ہو تو مطلب ہوگا جہاں چاہو آؤ اور  
اگر مَعْنِ اَتَى ہو تو مطلب ہوگا کہ جس طرف چاہو آؤ یہی وجہ کہ علامہ رضی اللہ عنہ موجود شیخ ہونے کے کتاب ہے  
کہ یہاں مَعْنِ اَتَى کے معنی میں ہے۔ ثانیاً اس آیت کے شان نزول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے  
اس لیے کہ آیت کا شان نزول بھی اس کا متقاضی ہے۔

شان نزول یہ ہے کہ یہودی وطنی فی القبل من جانب الذہر کو ناجائز کہتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے  
بچو بھینکا پیدا ہوتا ہے ان کی تردید کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

جواب دوم۔ قرآن مقرر میں کے الفاظ بھی مجوزین کے استدلال کو رد کرتے ہیں اس لیے کہ  
یہاں لفظ فَاَنْتُمْ اَحَدٌ كَلْبٌ ہے۔ یعنی کھیتی کی جگہ آؤ تو دُجْرہ مقام حرث نہیں بلکہ مقام حرث ہے۔  
سوال۔ آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ اتیان فی دُجْرہ المرأة کی حرمت پر اُمت کا اجماع ہے۔  
حالانکہ جواز کی نسبت حضرت ابن عمرؓ کی طرف بھی منقول ہے جیسا کہ بخاری شریف کتاب التفسیر ص ۱۴۱  
میں حضرت ابن عمرؓ کی طرف ایک جملہ منسوب کیا گیا ہے جس سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ  
”اتیان المرأة فی دُجْرہا“ جائز ہے کیونکہ (یأتیھا فی) کا مجرور مذکور نہیں۔ عند البعض  
اس کا مجرور الذہر ہے۔

جواب اول۔ حضرت ابن عمرؓ جیسے حلیل القدر انسان کی طرف اس قول کی نسبت کرنا مذ  
دُجْرہ سے غیر صحیح ہے اولاً یہ قول غیر معتبر ہے کیونکہ نص قطعی ”قُلْ هُوَ اَذَى فَاَعِزَّلُوا

النِّسَاءُ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ» کے خلاف ہے۔ ثانیاً حضرت ابن عمرؓ کی مراد وہی فی المرء نہیں بلکہ وہی فی القبل مراد ہے چنانچہ حضرت کشمیریؒ «العرف المشائی» ص ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ «امان المرأة من دبرها فی قبلها» مراد ہے۔

جواب دوم۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے اس قول سے رجوع بھی ثابت ہے جیسا کہ امام لکھنویؒ نے شرح معانی الآثار میں اور امام دارمیؒ نے اپنی سند ص ۱۳۵ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت حیدر بن یسارؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا «یا ابا عبد اللہ انا لئن شری الجوارى فنحطض تحمیضاً فقال وما التحمیض قال الذبر فقال ابن عمرؓ انا فعل ذالك مؤمن او مسلم اس روایت سے صراحۃً حرمت ثابت ہے اور یہ قول سابق سے رجوع کے درجہ میں ہے۔ لہذا اب یہ مسئلہ بغیر کسی استثناء کے اجماعی ہو گیا۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ دَمًا  
أَحْمَرًا فَدِيْنًا وَإِذَا كَانَ دَمًا  
أَصْفَرًا فَنِصْفٌ دَيْنَانِ :

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: روایت ہے انہی سے وہ  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں  
کہ جب خون سرخ ہو تو ایک دینار دے اور  
جب خون پیلا ہو تو آدھا دینار۔

خلاصۃ الحدیث: یقول ابوالاسعد: حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے  
کہ حالت حیض میں جماع کرنے سے جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جماع کے وقت  
اگر حیض کے خون کا رنگ سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر حیض کے خون کا رنگ  
زررد ہو آدھا دینار صدقہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ وہ علماء کرام و فقہاء عظام جو وجوب کفارہ کے قائل ہیں وہ اسی حدیث سے استدلال  
کرتے ہیں لیکن سابق تفصیل سے عرض کر دیا گیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے چنانچہ علامہ نوویؒ  
نے تصریح کی ہے کہ باتفاق محدثین یہ روایت ضعیف ہے ملاحظہ فرمادیں شرح مسلم للنووی ص ۱۸۱  
اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر یہ تصدیق والا حکم استحباب پر محمول ہے۔

## مقدار صدقہ میں کتنی بیشی کیوں ہے؟

سوال۔ دمِ اہمراہ اور دمِ اصغر کے درمیان فرق کیوں کیا گیا ہے کہ دمِ اہمراہ کے لیے ایک دینار اور دمِ اصغر کے لیے نصف دینار ہے۔

جواب اول۔ یہ ہے کہ حائضہ سے دمِ اہمراہ کی حالت میں دہلی زیادہ مضر اور اذیت رساں ہوتی ہے تو چونکہ یہ ایک شدید جرم ہے اس لیے کفارہ بھی زیادہ رکھا گیا ہے کہ وہ دینار ہے بخلاف حالت دمِ اصغر کے کہ اس میں دمِ اہمراہ کی نسبت مغفرت اور اذیت کم ہوتی ہے اس لیے کفارہ بھی اس سے کم رکھا گیا اور وہ نصف دینار ہے۔

جواب دوم، بعض افعال کا ارتکاب انسان سے ضرورہ ہوتا ہے اور بعض کا شرارہ ضرورت و حاجت اور خجاست و شرارت دونوں کا آپس میں فرق ہے۔ دمِ اہمراہ حائضہ کے ابتدائی ایام ہوتے ہیں اس وقت جماع سے علیحدگی کو ابھی طویل مدت نہیں گزری ہوتی مگر کرنا اور خود کو جماع سے روکے رکھنا اس قدر دشوار بھی نہیں ہوتا۔ اور اوائل ایام حیض میں جو بھی دہلی کرتا ہے یہ نفس کی شرارہ ہوتی ہے اس لیے اس پر کفارہ درہم رکھا گیا۔ البتہ دمِ اصغر ایام حیض کے آخری حالت ہوتی ہے اور طہارت پر طویل زمانہ گزرا ہوتا ہے اور صبر کرنا دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ جماع کی ضرورت و حاجت اور اس نوع کے عذر کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں کفارہ بھی نصف کر دیا گیا ہے یعنی شریعت مقدسہ نے حالتِ قریب و بعید کا اعتبار کیا ہے اس لیے صدقہ میں کتنی بیشی ہے۔

ترجمہ، روایت ہے حضرت عائشہ بن جیل سے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میری بیوی سے بحالتِ حیض کیا کام حلال ہے فرمایا وہ جو تہ بندہ سے اوپر ہو اور پچھلا اس سے بھی بہتر ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ جَبَلٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا يَحِلُّ لِي مِنْ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضَةٌ قَالَ مَا فَوْقَ الْأَرْبَاعِ وَالنَّعْفُ عَنْكَ ذَلِكَ أَفْضَلُ - (مسند امام ترمذی)



قوله وَالتَّقْفُّ عَنْ ذَالِكَ أَفْضَلُ۔ ای التجنب یعنی دور رہنا تیرے لیے افضل ہے۔ اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ استمتاع بما فوق الازار جائز ہے کما قالہ الجعفی، مگر پرہیز کرنا زیادہ بہتر ہے دو وجوہ سے۔ اول احتیاط کے طور پر کہ بعض دلوں خواہش نفسانی بھڑک اٹھتی ہے جس سے جماع کا خطرہ ہوتا ہے تو اس فعل حرام سے بچنے کے لیے مشورہ دیا۔ دوم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی تھی کہ اس کے لیے عدم استمتاع بہتر ہے۔ عند البعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتل کے حال سے غلبہ شہوت کا احساس کیا اس لیے اس کے حق میں استمتاع بما فوق الازار کو افضل قرار نہ دیا تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو جائے۔ گویا کہ (وَالتَّقْفُّ عَنْ ذَالِكَ أَفْضَلُ) حکم خاص اور احتیاط پر مبنی ہے۔

قوله قَالَ مَحْيِ السُّنَّةَ اسْتَادًا لَيْسَ بِغُيُوبِي؛ صاحب مصابح المعروف بہ محی السنۃ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب کی سند قوی نہیں یعنی ضعیف ہے عند البعض مکمل حدیث ضعیف نہیں بلکہ صرف جملہ مذکورہ "وَالتَّقْفُّ عَنْ ذَالِكَ أَفْضَلُ" قال ابن حجر اسنادہ جید و بدون قوله وَالتَّقْفُّ أَفْضَلُ (مروقات) کیونکہ مضمون حدیث دیگر احادیث سے مؤید ہے۔ حدیث مذکور کے ضعیف ہونے کے دو وجوہ ہیں: اول: اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن عائذ ہیں جن کی حضرت معاذ بن سے ملاقات ثابت نہیں۔

دوم: سند میں سعد بن اخطش بن عبداللہ راوی ہے جو ضعیف ہے ملاحظہ فرمادیں: (ابن ابی شیبہ) کتاب الطہارۃ باب فی المذی

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو آدھا رینار خیرات کرے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِأَهْلِهِ وَهُوَ حَائِضٌ فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِينَارٍ: (رواہ الترمذی)

## کیا حالت حیض میں جماع کرنے سے کفارہ واجب ہے؟

حالت حیض میں کبھی کرنا حرام ہے اگر زوج سے یہ غلطی سرزد ہو جائے تو اس پر توبہ واستغفار واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص اس ممانعت کے باوجود حیض کی حالت میں عورت سے جماع کر لے تو کیا اس پر کوئی شرعاً کفارہ واجب یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور دو مسلک ہیں: ۱۔ مسلک اول۔ حضرت قتادہؓ، اوزاعیؓ، اسحاقؓ اور امام احمدؓ کے نزدیک اس پر کفارہ واجب ہے۔

مستدل۔ حدیث الباب ہے ”فلیتصدق بنصف دينار“ مسلک دوم۔ ابراہیم نخعیؓ، سفیان ثوریؓ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک کوئی کفارہ واجب نہیں صرف توبہ واستغفار ہے۔ امام شافعیؒ کا اصح قول اور قول جدید بھی یہی ہے۔

مستدل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح مسند کے ساتھ کوئی روایت منقول نہیں جو دال بر کفارہ ہو۔ جن روایات سے صدقہ کا حکم ثابت ہے اولاً تورہ روایات صدقہ مضطرب ہیں ان میں بڑا اضطراب ہے مثلاً کہیں نصف دینار کا حکم ہے رکما فی مشکوٰۃ الشریف) کہیں خمس دینار کا حکم ہے (ابوداؤد شریف منہج) ثانیاً صدقہ والی روایت ضعیف ہے کیونکہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرنے والے دو راوی ہیں۔ ضعیف، عبدالکریم۔ دونوں ضعیف ہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے تصریح فرمادیا ہے۔ ضعیف کے بارے میں صاحب میزان علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں

”ضَعَفَهُ أَحْمَدٌ وَقَالَ مَرْثَةٌ لَيْسَ بِقَوِيٍّ (میزان ۱۲۵ ج ۱)

یعنی بن قحانؒ فرماتے ہیں ”کنا یجتنب ضعیفاً تہذیب ۱۲۵ ج ۱)

عبدالکریم کے بارے میں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

”من العلماء الثقات في زماننا لمين توقف في الاحتجاج۔

(میزان ۱۲۵ ج ۱)

فائدہ اول۔ رایتان حائضہ پر صدقہ کیوں ہے؟  
مذہب مہر مہر نے اس بارے میں مختلف ترجیحات کی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایمانِ حائضہ کے لیے صدقہ کا حکم کیوں فرمایا؟ چند ایک توضیحات ملاحظہ فرمادیں :  
 اوّل : یہ ہے کہ ایمانِ حائضہ سے بطور کفارہ جو رقم ادا کی جاتی ہے یہ درحقیقت صدقہ ہے  
 اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :

”الصدقة تطفي غضب الرب، وفي الترمذی مشہج ا فی حدیث  
 کتب بن عجرہ “ وَالصَّدَقَةُ تَطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يَطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ “  
 معلوم ہوا کہ صدقہ غضبِ رب کے اطفاء کا سبب ہے اور یہ سبب اختیار کرنے سے آدمی  
 اپنے رب کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے اور یہی شانِ بندہ ہے اس لیے صدقہ کا حکم فرمایا۔

دوّم : یہ ہے کہ ایمانِ حائضہ کا قاعّل جب اپنے فعل پر بطور حرامہ صدقہ دے گا تو آئندہ  
 کے لیے بوجہ خوفِ ادا نیکی جرمانہ کے خود کو ایسے گناہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے گا اور ساتھ  
 ساتھ گناہ کی اہمیت بھی اس کے دل میں بیٹھ جائیگی کیونکہ انسانی فطرت کی تخلیق ہی کچھ ایسی ہے کہ  
 جب وہ ایک چیز کے لیے مشقت و محنت اٹھائے تو اس کی اہمیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور مال  
 کا اعطاب سب سے بڑی تکلیف ہے مثلاً ایک شخص رات کو روزہ نہیں رکھتا، دوسرا آدمی روزہ  
 رکھ کر دن کو توڑ دیتا ہے تو شرعی حکم کے تحت محمدؐ توڑنے والے پر کفارہ ہے اس لیے لوگ یہ کوشش  
 کرتے ہیں کہ ہمارا روزہ نہ ٹوٹنے پائے کیونکہ پھر ہمیں کفارہ ادا کرنا پڑے گا یہی حکم ایمانِ حائضہ  
 کے لیے ہے تاکہ وہ جو مانہ سے خوف کرے اور حائضہ کے قریب نہ جائے۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اسْلَمَ قَالَ  
 اِنَّ سَرَجًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ  
 صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
 مَا يَحِلُّ مِنْ امْرَأَتِي وَهِيَ حَائِضٌ  
 فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِذَا رَهَا

ترجمہ : روایت ہے حضرت زید بن  
 اسلم سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا کہ اپنی  
 بیوی سے حالتِ حیض میں کیا چیز حلال ہے  
 فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کی تہ بند  
 مضبوط باندھ دو پھر تہ بند کے اوپر تہارا

شَمَّ شَانُكَ يَا عَلَاهَا (رداء الاداری) | تمہارا کام ہے ۔

قولہ شَمَّ شَانُكَ بِنِ اسْلَمَ : آپ اہل مدینہ منورہ سے ہیں جلیل الشان تابعی ہیں ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے آزاد کردہ غلام ہیں بڑے عالم تھے حتیٰ کہ امام زین العابدینؓ آپ کی مجلس میں شرکت کیا کرتے اور آپ سے احادیث لیتے تھے ۔ یہ حدیث اس پر دال ہے کہ عائشہؓ سے محبت حرام ہے اور جب ازار یا بندھے تو بوس و کنار حلال ہے مزید بحث گذر چکی ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ  
إِذَا حَضُّتُ تَزَلْتُ عَنِ الْمَثَالِ  
عَلَى الْحَصْبِ فَلَئِمَّ نَقْرُ بِ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَلَوْ بَدُنْ مِنْهُ حَتَّى نَطْهَرُ

ترجمہ : روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ جب میں مائضہ ہوتی تو لیٹر سے چٹائی پر اتر آتی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب نہ ہوتے یہاں تک کہ ہم پاک ہو جاتیں ۔

(رداء البوداؤد)

قولہ عَنِ الْمَثَالِ : بمعنی الفراش یعنی بستر وغیرہ ۔ خلاصۃ الحدیث : حضرت بنی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مجھے حیض آتا تو میں فراش سے (جوان کا اور حضورؐ کا مشترک تھا) نیچے صمیر پر اتر آتی تھی اور جب تک حیض سے طہارت حاصل نہ ہوتی ہم آپؐ کے قریب نہ جاتے ۔

سوال ۔ یہ روایت عائشہؓ روایات صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ پہلے روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیویوں سے حالت حیض میں مؤاکلت ، مشاربت اور مباشرت (ما فوق الازار) کا جواز معلوم ہوتا ہے ۔ جب کہ اس روایت میں ہے کہ بنی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم اس حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھی نہیں جاتی تھیں ۔ محدثین حضراتؒ نے اس تعارض کے دفعیۃ کے لیے متعدد جوابات دیے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں ۔

جواب اول ۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب مؤاکلت ، مشاربت ، مضاجعت وغیرہ کا جواز نازل نہیں ہوا تھا ۔

جواب دوم۔ یہاں قرب سے مراد مخصوص قرب کی نفی ہے یعنی قربان بالجماع کہ ان ایام میں جماع کے لیے ایک دوسرے کے قریب نہ جاتے تھے جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے: «وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَظْهَرُ» ورنہ مطلق قرب تو ثابت ہے مثلاً اُم المؤمنین نبی بی بیہ سے روایت ہے:

«عن ابن عباسؓ اُمّہ کان یاتزل فراشہ ورجسہ اذا حاضت فبلغ ذالک خالئہ میصونۃ اُم المؤمنینؓ فارسلت الیہ اترغب عن سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فواللہ لقد کان ینام مع المرأة من نساءہ العائض وما بینہ وینہا الا بقرب ما یجاءنہ الرکبتین (مرجات) واللہ اعلم بالصواب: رَأَيْنَا تَقَبُّلَ مِثًا وَخَفِيفًا عَلَيْنَا اَبْوَرًا نَا!

## بَابُ الْمُسْتَحَاضَةِ

قبل ازیں باب میں حیض کی بحث تھی اس باب میں مُسْتَحَاضَہ کی بحث ہوگی۔ بحث فی الاستحاضہ شروع کرنے سے قبل چند امور کا سمجھنا ضروری ہے۔

### امراؤل۔ استحاضہ کا لغوی معنی

استحاضہ باب استفعال کا مصدر ہے اس کا مادہ حیض ہے۔ جس کا خاصہ تغیر و انقلاب ہے۔ مقام لہذا پر تغیر کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:۔  
اول: برائے بالغہ و کثرت، یعنی یہ تغیر بایں صورت ہے کہ حیض کا معنی اسے سیلان (بہنا) اور استحاضہ کا معنی ہوگا کثرت سیلان (یعنی بہت بہنا)۔  
دوم: برائے تحویل۔ یعنی یہ تغیر بایں صورت ہے کہ اب حالت تبدیل ہو گئی ہے اور

خون ایک نزع سے نکل کر دوسرے نزع میں تبدیل ہو گیا ہے پہلے اور قسم کا خون تھا اور حکم بھی اور تھا۔ اب اس کی نوعیت اور حکم بدل چکے ہیں لہذا فی ہذہ المقام کہ پہلے حیض کا خون تھا اب تغیر واقع ہو کر استحاضہ ہو گیا۔

فائدہ ۴: علماء نے لکھا ہے کہ حیض ہمیشہ بعینہ معروف استعمال ہوتا ہے کیا یہاں ”استحيضت المرأة“ اور استحاضہ بعینہ مجہول استعمال ہوتا ہے کیا یہاں ”استحيضت المرأة“ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ دم استحاضہ خلاف عادت اور غیر معروف چیز ہے (فكانت امر مجهول سبباً) بخلاف حیض کے کہ وہ معروف اور جانی پہنچانی چیز ہے سب ہی عورتوں کو آتا ہے۔

## استحاضہ کا اصطلاحی معنی

استحاضہ کا اصطلاحی معنی معروف ہے کہ حیض و نقاس کے علاوہ جو خون عورت کے فرج سے آتا ہے وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔ عند البعض استحاضہ کا اصطلاحی معنی یہ ہے ”وہی دم يخرج من المرأة في غير اوقاتها المعتادة والمعينة“ یعنی دم استحاضہ وہ خون ہے جو فرج امراة سے جاری ہوتا ہے اوقات معینہ کے علاوہ اور یہ رحم کے قریب ایک رگ ہوتی ہے جس کا نام عاذل ہے اس سے یہ خون بہتا ہے۔

## امردوم — استحاضہ اور حیض کے درمیان فرق

محدثین حضرات نے استحاضہ اور حیض کے مختلف فرق بیان فرمائے ہیں چند ایک ملاحظہ فرماؤ:

اول: دم استحاضہ کا جاری ہونا بیماری کی علامت ہے جب کہ دم حیض کا خورج بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک فطری امر اور صحت کی علامت ہے۔

دوم: دم استحاضہ کی وجہ سے نہ تو نماز ساقط ہوتی ہے اور نہ روزہ مؤخر ہوتا ہے ایسے ہی استحاضہ کی حالت میں وحی، دخول مسجد، قرآن اور طواف یہ سب چیزیں جائز ہیں برخلاف

دم حیض کے کہ اس کے خروج سے نماز ساقط ہو جاتی ہے، روزہ کی ادا نیکی مؤخر ہو جاتی ہے اور  
 وحی، دخول مسجد، قرأت قرآن اور طواف یہ تمام امور ممنوع ہو جاتے ہیں۔  
 سوئم، دم حیض کے لیے اقل مدت اور اکثر مدت مقرر ہے، استحاضہ کے لیے کوئی مدت  
 مقرر نہیں ہے۔

## امر سوئم ———— مستحاضہ کے ساتھ جماع کا حکم

مستحاضہ کے ساتھ وحی کے بارہ میں اختلاف ہے اور دو مسلک ہیں: ۱۔  
 مسلک اول۔ ابراہیم نخعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک مستحاضہ کے ساتھ وحی ناجائز ہے  
 اور علامہ ابن سیرین سے بھی کراہت منقول ہے۔

مستدل۔ آیت مُتَذَكِّرٌ هُوَ أَذِّنُكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذِّنُكَ  
 فَأَعْتَزِلُوا الْنِّسَاءَ طرزا استدلال یوں ہے کہ عاضہ سے جماع منع ہے بعلت اذی  
 تو مستحاضہ سے بھی جماع منع ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہاں بھی علت اذی موجود ہے۔

مسلک دوم۔ جمہور حضرات کے نزدیک مستحاضہ کے ساتھ وحی کرنا جائز ہے یعنی استحاضہ  
 جس طرح اور چیزوں سے مانع نہیں (مثل صلوٰۃ، صوم وغیرہ) اسی طرح جماع سے بھی مانع نہیں۔  
 مستدل۔ عبد الرحمن بن عوف اپنی بیوی اتم حبیبہ سے حالت استحاضہ میں جماع کرتے  
 رہتے تھے اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی اپنی بیوی حمزہ بنت جحش سے حالت استحاضہ میں مجامعت  
 کرتے رہتے تھے۔ حوالہ دیکھیں ابوداؤد و ترمذی و مشکوٰۃ کتاب الطہارت باب المستحاضۃ یفشاها  
 خارجہا اس مسئلہ میں طرزا استدلال یوں ہے کہ یہ ہر دو جلیل القدر صحابی جو عشرہ مبشرہ میں سے  
 ہیں اس فعل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر جرات نہیں کر سکتے تھے۔

## حنابلہ کے مستدل کا جواب

امام احمد بن حنبل نے مستحاضہ سے جماع کے عدم جواز پر آیت مبارکہ «يَسْأَلُونَكَ

عَنِ الْمُحَيِّضِ الْغُ" سے دلیل پڑی تھی اس کا جواب ملاحظہ فرماویں :-

**جواب :** یہ ہے کہ آیت مبارکہ سے دلیل پکڑنا درود جوہ کی بناء پر غیر صحیح ہے ۔  
**اول :** یہ کہ آیت مبارکہ کا شان نزول خود عائضہ سے عدم جماع پر نص ہے نہ کہ مستحاضہ کے لیے ۔  
**دوم :** یہ کہ جو عقلت اذی عائضہ میں ہے وہ مستحاضہ میں نہیں کیونکہ حیض کا مخرج خود رحم المرأة ہے جب کہ مستحاضہ کا مخرج رحم نہیں بلکہ مادراء رحم ہے یعنی ایک رگ ہے جس کے پھٹنے سے یہ خون خارج ہوتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے " رَأَيْتُكَ إِذْ لَكَ عِرْقٌ وَ لَيْسَ بِحَيْضٍ "۔

## امرچہارم ————— زمانہ نبوت کی مستحاضہ عورتیں

يقول ابوالاسعاد : زمانہ نبوت میں کتنی عورتیں مستحاضہ تھیں ؟ تو اس سلسلہ میں معارف السنن ص ۱۱۴ ج ۱ میں گیارہ عورتیں نقل کی گئی ہیں اور فتح الملہم ص ۱۴ ج ۱ میں دس عورتیں نقل فرمائی گئی ہیں دونوں کتابوں میں تکرار کو چھوڑ کر ملائے سے کل بارہ عورتیں ہو جاتی ہیں جو حسب ذیل ہیں :-

- ۱ حضرت فاطمہ بنت ابی جہش رضی اللہ عنہا
- ۲ ام المؤمنین زینب بنت جحش " "
- ۳ ام المؤمنین زینب بنت خزیمہ " "
- ۴ حمند بنت عخش زوجہ طلحہ بن عبد اللہ " "
- ۵ ام حبیبہ بنت جحش زوجہ عبد الرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہا
- ۶ اسماء بنت عیس جو کہ ام المؤمنین حضرت یسویہؓ کی اختیانی بہن ہیں ۔
- ۷ زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا
- ۸ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
- ۹ یادیہ بنت غیلان " "
- ۱۰ سہیلہ بنت سہیل " "
- ۱۱ اسماء بنت الرشد الکحارثیہ " "
- ۱۲ ام سلمہ بنت ابوامیتہ " "



## الفصل الاول — یہ پہلی فصل ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ  
فَاطِمَةَ ابْنَةَ جُبَيْرٍ إِلَى النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَمْرَأَةٌ مُنْحَاضٌ  
فَلَا أَطْهَرُ أَفَادَعُ الْمَسْلُوءَةَ فَقَالَ  
لَا أَلَمَّا ذَاكَ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ  
فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضُكَ فَذَعْ  
الْمَسْلُوءَةَ وَإِذَا أَذْبَرَتْ فَأَغْسِلِي  
عَنْكَ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ -  
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت عائشہؓ سے فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی جبیش حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں کہ یا رسول اللہ میں استحاضہ والی عورت ہوں کہ پاک ہی نہیں ہوتی تو کیا نماز چھوڑ دوں فرمایا نہیں یہ تو رگ ہے حیض نہیں ہے۔ جب تمہارا حیض آئے یا کرے تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب چلا جائے تو خون دھو ڈالا کرو، پھر نماز پڑھ لیا کرو۔

قَوْلُهُ أَفَادَعُ - اِیْ اِفْا تَرْکِہَا : یعنی میں نماز کو چھوڑ نہ دوں۔

قَوْلُهُ عِرْقٌ - اِیْ دَمٌ عِرْقٌ : یعنی یہ رگ کا خون ہے نہ کہ حیض کا خون۔ ان الفاظ کا ظاہر یہ مطلب یہ ہے کہ یہ خون حیض کی طرح رجم سے نہیں آتا بلکہ ایک رگ کے پھٹ جانے سے آتا ہے جو خارج رجم میں ہوتی ہے جسے عاذل کہتے ہیں (العرف الشذی) النہایہ صفحہ ۲ میں اس کا نام العاذر ہے مسند احمد (مہبوب) صفحہ ۲ میں اس کا نام عاذر ہے (معارف السنن) ج ۱ میں عاذل عینی کے حوالہ سے اس کا نام عادل بتایا ہے۔ عاذل عذل سے ہے جس کے معنی ملامت کے ہوتے ہیں چونکہ اس حالت میں اگر خون آتا ہے۔ اس عورت کو دوسری عورتیں بھی ملامت کرتی ہیں اور خود نفس بھی ملامت کرتا ہے۔ عاذر عذر سے ہے چونکہ یہ بیماری اور ایک گونہ عذر ہے اس لیے اس کو عاذر کہا گیا ہے۔ عاذر عناد سے ہے چونکہ اسے صحبت سے عناد ہے اس لیے عاذر کہا گیا۔ عادل عدل اور عدول سے ہے یعنی طبعی طور پر خون آنے کا طریق تھا اس سے پھر گیا۔

سوال - یہ ہے کہ قدیم و جدید اطباء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ دم حیض اور دم استحاضہ میں



مزاج ہوتی ہیں ان کو عموماً نو، دس دن اور متوسط مزاج کو پانچ چھ دن اور جو قلب دم کا شکار ہوں ان کو تین یا چار دن تک خون آنا رہتا ہے۔

یقول البوالأَسْعَاد : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عادت کا ثبوت اور انتقال ایک مرتبہ سے بھی ہو جاتا ہے مثلاً ایک عورت کو ایک مرتبہ چھ دن حیض آیا یہی اس کی عادت کہی جاسکے گی اور اگلے ماہ آٹھ دن خون آگیا تو کہا جائے گا کہ اس کی عادت منتقل ہو گئی۔ چھ کے بجائے آٹھ دن بن گئی۔ طرفین کے نزدیک عادت کا ثبوت اور انتقال کم از کم تین مرتبہ سے ہوتا ہے۔ (شروحه الہدایہ)

مُعْتَادَہ کا حکم۔ مُعْتَادَہ کا حکم یہ ہے کہ آیام عادت کو حیض شمار کرے اور باقی کو استِحاضہ سمجھے اس حالت میں نماز پڑھتی رہے۔

الشَّالَتْ مُتَحَيِّرَہ : مُتَحَيِّرَہ اس مُتَحاضِرَہ عورت کو کہتے ہیں جو حیض اور استِحاضہ میں فرق کرے میں حیران ہو کہ کسی خون آجاتا ہو اور کسی رک جاتا ہو فقہ کی کتابوں میں ”لَطْفُہُ الْمُتَحَيِّرِ بَيْنَ الدَّائِمَيْنِ دَمٌ“ کا مسئلہ اسی سے متعلق ہے۔ مُتَحَيِّرَہ کو مُعْتَادَہ اور مُفْتَئِدَہ بھی کہتے ہیں۔

## مُتَحَيِّرَہ کے اقسام

مُتَحاضِرَہ مُتَحَيِّرَہ تین قسموں پر ہے۔  
أَوَّلُ مُتَحَيِّرَہ بِالْعَدَدِ : مُتَحَيِّرَہ بالعدد وہ عورت ہے جس کو یہ یاد نہیں کہ اس کو کتنے دن حیض آیا کرتا تھا یعنی آیام حیض کی تعداد یاد نہیں۔

دَوِّمُ مُتَحَيِّرَہ بِالزَّمَانِ : مُتَحَيِّرَہ بالزمان وہ عورت ہے کہ جس کو نہ یہ یاد ہے کہ کتنے دن حیض آیا کرتا تھا اور نہ یہ یاد ہے کہ مہینہ کے شروع میں حیض آتا تھا یا پچ میں یا اخیر میں۔

ثَلَاثُ مُتَحَيِّرَہ بِالزَّمَانِ وَالْعَدَدِ : مُتَحَيِّرَہ بالزمان والعدد وہ عورت ہے کہ جس کو نہ یہ یاد ہو کہ کتنے دن حیض آیا کرتا تھا اور نہ یہ یاد ہو کہ مہینہ کے شروع میں حیض آتا تھا یا پچ میں یا اخیر میں یہ زیادہ پریشان کن مسئلہ ہے۔

مُتَخَيِّرَہ کا حکم۔ مُتَخَيِّرَہ کے حکم میں بہت قیل قال ہے لیکن علامہ شامیؒ کی تصریح کے مطابق مُتَخَيِّرَہ کے لیے تین صورتیں ہیں :

صورت اول : وہ تحریری کرے گی اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ ایام حیض کے ہیں تو وہ نماز نہ پڑھیں گی اور نہ وہ روزہ رکھے گی یعنی حیض کے تمام احکام اس پر جاری ہوں گے۔  
صورت دوم : اگر اس کا ظن غالب یہ ہو کہ ایام طہر کے ہیں تو پھر وہ وضو مکمل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

صورت سوم : اگر اس کا ظن غالب کسی طرف بھی نہ ہو بلکہ تردد ہو کہ آیا یہ ایام حیض کے ہیں یا طہر کے تو پھر اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں :  
اول : یہ کہ تردد حیض اور طہر کے درمیان دخول فی الحيض میں ہے تو اس صورت میں وضو مکمل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔

دوم : دوسری صورت یہ ہے کہ حیض اور طہر کے درمیان دخول فی الطہر میں تردد ہے۔ تو اس صورت میں غسل مکمل صلوٰۃ کے ساتھ نماز پڑھے گی۔ (راجع المسائل ص ۳۳۵ ج ۱)

الْمُتَخَيِّرَةُ : مُتَخَيِّرَہ وہ عورت ہے جو دم حیض اور دم استحاضہ کے درمیان امتیاز کر سکتی ہے چاہے رنگوں کے ذریعہ سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اس کی مکمل بحث تیز اوان میں ہوگی۔

## الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَّةُ

کیا مُسْتَحَاضَہ کے لیے صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے؟

فقہاء کرامؒ کے ہاں اختلاف ہے کہ کیا مُسْتَحَاضَہ کے لیے صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے یا ہر نماز کے لیے علیحدہ علیحدہ غسل ضروری ہے اس بارے میں دو مسلک ہیں :  
مسلک اول : کہ اگر ارثہ کے نزدیک مُسْتَحَاضَہ کے لیے صرف انقطاع حیض والا غسل ضروری ہے اور ہر نماز کے لیے غسل واجب نہیں۔

مستدل اول : حدیث باب ہے۔

**مُستدل دوم۔** مشکوٰۃ شریف مشہ ج ۱ فصل ثانی کی حدیث اول « فاذا كان الآخر فتوضئ وصلي » ان دونوں احادیث میں استحاضہ پر ہر نماز کے لیے وجوب غسل کا کوئی ذکر نہیں۔  
**مسک دوم۔** حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہم ان کے نزدیک ہر نماز کے لیے غسل واجب ہے۔

**مُستدل۔** حدیث عدی بن ابی ثابت عن جَدِّہ ہے « شَوَّ نَفْسُ وَ شَتَوُ نَفْسًا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ » مشکوٰۃ شریف مشہ ج ۱ فصل ثانی)  
 حدیث مذکور میں ہر نماز کے لیے غسل کا ذکر ہے۔

## مسک ثانی کے مُستدل کے جوابات

ہر نماز کے لیے غسل کے وجوب پر روایت عدی بن ثابت سے دلیل پکڑی گئی ہے اس کے چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں :

**جواب اول۔** دلائل مذکورہ سے یہ حدیث منسوخ ہے ناسخ مسک اول کے دلائل میں۔

**جواب دوم۔** یہ حدیث علاج پر محمول ہے کیونکہ ہر نماز کے لیے وضو کرنے سے بروقت حاصل ہوتی ہے اور بروقت کی وجہ سے خون کی قوت و کثرت میں کمی آجاتی ہے۔

**جواب سوم۔** یہ استحباب و نظافت اور احتیاط پر محمول ہے۔

## الفصل الثانی — یہ دوسری فصل ہے۔

ترجمہ : روایت ہے عروہ ابن زبیرؓ سے وہ تافرنیت ابی حبیش سے راوی کہ وہ مستحاضہ ہو جاتی تھیں ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حیض کا خون ہو تو وہ کالا خون ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے۔ تو جب

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ  
عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حَبِيشٍ  
أَنَّهَا كَانَتْ تَسْتَحَاضُ فَقَالَ  
لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ

فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدٌ يُحَرِّفُ فَإِذَا  
كَانَ ذَلِكَ فَأَمْسَكَ عَنِ الصَّلَاةِ  
فَإِذَا كَانَ الْآخِرُ فَتَوَضَّأَ وَ  
وَصَلَّى فَإِنَّهَا هُوَ عَرَقٌ۔

(سواء الوداد)

یہ ہوتا نماز سے رک جانا اور جب دوسرا  
ہوتا وضو کرنا اور نماز پڑھو کہ وہ تورگ ہے۔

قوله دَمٌ أَسْوَدٌ۔ دم اسود کہنا اُغلب طریقہ پر ہے ورنہ قَدْ یَكُونُ احْصَرُغٌ

## تمیز بالالوان کی بحث

استحاضہ کی ایک اور قسم میترہ بھی ہے جس کا اجمالی تذکرہ سابق میں گذر چکا ہے۔ مختصراً  
عرض ہے کہ میترہ اس استحاضہ عورت کو کہتے ہیں جو دم حیض اور دم استحاضہ میں تمیز کر سکے۔  
اور خون کے رنگ کو دیکھ کر یہ پہچان سکتی ہو کہ یہ دم استحاضہ ہے اور یہ دم حیض ہے۔ اب یہ مسئلہ  
فقہاء کرام کے ہاں مختلف فیہا ہے کہ آیا تمیز بالالوان کا اعتبار ہے یا نہیں اس بارے میں مسلک میں  
مسلمک اقول، ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک حیمز  
اکوان بطور ضابطہ معتبر ہے کہ فلاں رنگ کا خون آئے تو حیض شمار ہوگا اور فلاں رنگ کا ہو تو استحاضہ  
ہے یعنی استحاضہ اپنی شناخت پر اعتماد کرے گی۔ جتنے دن اسے حیض کا رنگ محسوس ہو تو اتنے ایام  
کو ایام حیض سمجھے گی اور جتنے دن استحاضہ کا رنگ محسوس ہو اتنے دن کو ایام استحاضہ۔

مستدل۔ ائمہ ثلاثہ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جہش کی روایت سے استدلال کیا ہے  
جس میں ہے ”إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَاسْتَلْهُ دَمَ الْأَسْوَدِ يُعْرِفُ الْغَرَّ مَشْكُوهٌ شَرٌّ مِنْهُ“  
فصل ثانی۔ اس میں مراحۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دم حیض کے لون اسود کی وضاحت فرمائی ہے۔

مسلمک دوم۔ احسان مغفرت کے نزدیک تمیز بالالوان کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ صرف  
عادت کا اعتبار ہے لہذا احسان کے نزدیک تمام اکوان حیض کے ہو سکتے ہیں۔ البتہ بیاض خالص  
یہ حیض نہیں ہے یعنی بیاض خالص کے سوا جس رنگ کا خون بھی آئے وہ حیض ہے۔

فائدہ : فقہاء کرامؒ نے حیض کے چھ اکران بیان فرمائے ہیں » الواثبہ ستہ<sup>۲</sup>  
 السواد والحمرة والصفرة والكدمة والخضرة والقرابية «  
 رعناہ ۱۳۲۷ھ علیٰ ما نشر نسخہ التقدير ص ۱۵۱

## أحناف حضرات کے دلائل

أحناف حضراتؒ تیز بالالوان کے قائل نہیں بلکہ عادت کا اعتبار کرتے ہیں اس پر چند  
 ایک دلائل ملاحظہ فرمادیں :  
 مستدل اقول : بنی اہم سلفہ کی روایت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا یہ ارشاد واضح ہے :

» فقال لتتطهر عدد اللبانی والا یام اتی کانت حیضہن من  
 الشهر قبل ان یتصیبا الذی اصابها فلتستترن الصلوة  
 قدہ ذلک من الشهر الخ رجولة شریفؒ فیہ فصل ثانی باب المسخاض  
 طرز استدلال - یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے  
 خون کے رنگ نہیں پوچھے نہ رنگوں کی تحقیق کا حکم دیا بلکہ یہ فرمادیا کہ غور کرے کہ استخاضہ شروع کیے  
 صحیح پہلے مہینہ میں کتنے دن حیض تھا اب اتنے دن حیض کچھا کرے - یا قی استخاضہ کے صرف عادت کا  
 اعتبار فرمایا ہے -

مستدل دوم - حضرت عذرا بن ثابتؓ کی روایت ہے :  
 » تدع الصلوة ایام اقدھا اتی کانت حیض فیہا شدة  
 تغسل وتوضأ عند کل صلوۃ وتصوم وتصلیٰ حرالہا  
 اس روایت میں بھی صرف عادت کے اعتبار کا حکم دیا گیا ہے اگر ان کے بارے میں کچھ نہیں  
 فرمایا - اگر تیز بالالوان بطور قابطہ معتبر ہوتا تو ضرور ارشاد فرماتے -

مستدل سوم - حضرت علقمہؓ کی روایت ہے :  
 » عن علقمة بن ابی علقمة عن امہ مولاة عائشةؓ

ام المؤمنین أنها قالت كان النساء يبعثن الى عائشة بالدرجة  
(دُبر) فيها الكرشف فيه الصفرة من دم الحيض ليساً لنتها  
عن الصلوة فتقول لهن لا تصعلن حتى تريت القعدة البيضاء  
(چونا کی طرح سفید) تريد بهذا انك الطهر من ظالماتك مذهب باب طهر العائض  
اس روایت سے واضح طور پر بھی معلوم ہوا کہ یاغض کے سوا جتنے بھی رنگ ہیں سب حیض ہیں۔  
**مُتَدَلّ چٹا دم عقلی**۔ احکام میں دم نفاس اور دم حیض یکساں حکم رکھتے ہیں تو جس طرح  
دم نفاس کے لیے کسی ٹون کی کوئی تعین نہیں ہے۔ اسی طرح دم حیض کے لیے بھی نہیں ہونی چاہیے۔

## آئمۃ ثلاثہ کے مُتَدَلّ کے جوابات

آئمۃ ثلاثہ نے تمیز بالاکوان کا اعتبار کرتے ہوئے قاعدۃ نیت الی حیض سے دلیل پکڑی تھی  
اس کے چند ایک جوابات ملاحظہ فرمادیں۔

**جواب اول**۔ یہ ہے کہ قاعدۃ نیت الی حیض تمیز ہونے کے ساتھ ساتھ معتادہ  
بھی تھی اور ان کی تمیز عادت کے موافق تھی تو اصل اعتبار عادت ہی کا ہوا کیونکہ اعتبار عادت اعم است  
کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً روایت ام سلمہؓ میں مراحہ ہے۔  
«لنمطر عدد الالبان والایام التي كانت تقيضهن من الشهر»  
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۷ ج ۱ فصل ثانی)

چنانچہ علامہ ہر وہی المروف بہ مطلق قاریؒ نے بھی روایت مذکور کو تمیز بالاکوان عادت کے موافق ہو  
جانے کی صورت پر محمول کیا ہے۔

**جواب دوم**۔ یہ ہے کہ «فانك دمع اسود یعرف» کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے بطور علامت کے کیا ہے اس کو حیض کے لیے مستقل معیار اور قانون قرار دینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو مقصود نہ تھا۔ اخاف اس کے منکر نہیں کہ سیاہ رنگ حیض کا ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ  
دوسرے رنگ حیض کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۷ ج ۱ باب الحيض فصل ثانی میں حضرت ابن عباسؓ  
کی یہ روایت گزر چکی ہے «اذا كان دمًا احمر فدينارًا واذا كان دمًا اصفر فدينارًا»



دینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیض کا خون سرخ بھی ہوتا ہے اور زرد بھی ہوتا ہے۔

جواب سوم : یہ ہے کہ یہ روایت سنداً متکلم فیہ ہے لہذا تین وجوہ سے روایت مذکور قابل استدلال نہیں۔ اولاً امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس روایت کو عدی بن ثابتؓ نے ایک مرتبہ اپنی کتاب سے سنایا اور ایک مرتبہ حافظہ سے۔ جب کتاب سے سنایا تو اسے فاطمہ بنت ابی جیش کی روایت قرار دیا اور جب حافظہ سے یہ روایت سنائی تو حضرت عائشہؓ کی روایت قرار دیا۔ ثانیاً، امام ابو داؤد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہی روایت علامہ بن السیب سے بھی مروی ہے اور شعبہ سے بھی۔ علامہ بن السیب سے یہ مرفوعاً مروی ہے اور شعبہ سے مرفوعاً۔ اب ہم کس طرق کا اعتبار کریں۔ ثالثاً۔ علامہ شوکانیؒ نیل الادوار ص ۱۹۱ میں لکھتے ہیں کہ ”استنکر ابو حاتم“ او جز الساک ص ۱۹۱ میں قاضی ابوالولید الباجیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”هذا الحديث غير ثابت“۔ ہدیۃ المقتنی ص ۵۵ میں لکھا ہے کہ علامہ زلیخیؒ اور امام حمادیؒ نے بھی اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ علامہ مارینیؒ نے البحر المحیط ص ۱۱۱ میں نقل کیا ہے کہ ابن القفطانؒ نے فرمایا ”هو في رأي منقطع“ لہذا یہ حدیث قوت و صحت کے اعتبار سے ضعیفہ کے ان دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ  
إِنَّ أَمْرًا كَانَ كَأَنَّكَ تَهْرِيقُ الدَّمَ  
عَلَى عَهْدِهِ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا  
أُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْغُ-

ترجمہ : روایت ہے حضرت ام سلمہؓ سے فرماتی ہیں کہ ایک عورت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون گراتی تھی اس کے متعلق حضرت ام سلمہؓ نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتاء پوچھا !

قولہ تَهْرِيقُ الدَّمَ : ای تصب دمھا۔ یعنی کثرت کے ساتھ خون نکلنا ہے۔  
قولہ فَاسْتَفْتَتْ : اسے سألَت لہذا المرأة۔  
قولہ فَلْتَسِيلَ : اے غسل انقطاع الحيض کما قالہ المحدثی۔ منبرہ

کے علاوہ باقی ہر مستحاضہ عورت کے بارے میں ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے کہ اس پر صرف ایک غسل واجب ہے یعنی القطاع حیض کے وقت اس کے بعد اس پر کوئی غسل فرض نہیں لہذا یہاں بھی فَلْتَسْتَقِلَّ سے یہی فرما رہے ہیں۔

قَوْلُهُ لَتَسْتَقِفِرَ - بِكَسْرِ اللّامِ استشفار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو شدتِ خون کو روکنے کے لیے فرج کے منہ پر باندھا جاتا ہے جس کو لسنگڈی کہتے ہیں۔ مزید بحث ہو چکی ہے۔ نیز یہ روایت احاث کا مستدل ہے کہ تمیز بالانوان کا ضابطہ شریعت میں معتبر نہیں۔

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ  
عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ (قَالَ)  
يَحْيَى بْنُ مُعَيْنٍ جَدُّ عَدِيِّ  
اسْمُهُ دِيْنَارٌ عَنْ النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدْعُ الصَّلَاةَ  
إِتَامَ أَقْرَانِهَا الَّتِي كَانَتْ تَحِيضُ  
فِيهَا ثُمَّ تَتَوَضَّأُ وَتَتَوَضَّأُ  
عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَتَصُومُ وَتَصُومُ  
(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ : روایت ہے حضرت عدی  
ابن ثابت سے وہ اپنے والد سے وہ ان  
کے دادا سے راوی یحییٰ ابن معین کہتے  
ہیں کہ عدی کے دادا کا نام دینار ہے وہ  
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم نے مستحاضہ والی کے لیے فرمایا کہ  
وہ اپنے حیض کے زمانہ میں جس میں سے  
حیض آتا تھا نماز چھوڑ دیا کرے پھر نہائے  
اور ہر نماز کے وقت وضو کرے اور روزہ  
رکھے اور نماز پڑھے۔

قَوْلُهُ تَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ : یعنی غسل تو صرف ایک بار کرے حیض ختم ہونے  
پر اور وضو ہر نماز کے وقت کیا کرے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے۔ وَفِي مَرْوَاةٍ لِبُؤَيْسِ  
كُلِّ صَلَاةٍ (مرقات) لہذا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ : تَتَوَضَّأُ کا طرف ہے نہ کہ  
تَغْتَسِلُ کا۔

قَوْلُهُ تَصُومُ وَتَصُومُ - چونکہ روزہ مستحاضہ کے لیے نماز سے زیادہ اہم ہے کہ  
اس پر زمانہ حیض کے روزوں کی قضا رہے نماز کی نہیں لہذا روزہ کو نماز پر مقدم رکھا گیا۔

**فائدہ**۔ حدیث پاک کے اندر ”تَتَوَضَّاءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ“ کا حکم مرنِ مستحاضہ کے لیے نہیں بلکہ ان تمام معذورین کا حکم ہی ہے جو تسلسلِ حدیث میں مبتلا ہوں اور چار رکعتیں بھی بغیر وقوعِ حدیث کے پڑھنے پر قادر نہ ہوں۔

## مستحاضہ کے لیے وجوبِ وضو کا مسئلہ

جمہور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مستحاضہ پر مرنِ اس وقت غسل واجب ہوتا ہے جب اس کے ایام حیض ختم ہوں نہ متحیر ہر نماز کے وقت غسل کرے) مگر وضو کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے اور جن مسلک ہیں۔

**مسلک اول**۔ امام مالکؒ اور داؤد ظاہریؒ کے نزدیک مستحاضہ پر ہر نماز کے لیے وضو مستحب ہے بایں صورت کہ جب استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث نہ پایا جائے۔ اگر استحاضہ کے علاوہ کوئی دوسرا حدث پایا گیا تو وضو واجب ہوگا کیونکہ ان بزرگوں کے نزدیک دمِ استحاضہ نافع وضو ہے کیونکہ یہ ایک عذر ہے۔

**مستدل** روایت ابنِ عباسؓ ہے جس میں فرمایا گیا ہے ”إِنَّمَا ذَٰلِكَ عَرَقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ رَمَزَهُ شَرِيفٌ“ (فصل اول باب الاستحاضہ) اور امام مالکؒ کے نزدیک دمِ عرق پر وضو واجب نہیں۔

**مسلک دوم**۔ امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک مستحاضہ ہر فرض کے لیے وضو کرے مثلاً ایک وقت میں کئی فرض نمازیں پڑھیں تو اتنے ہی وضو کرنے پڑیں گے یعنی ایک وضو سے مرنِ ایک فرض اداء یا قضاء پڑھ سکتی ہے البتہ متعدد نوافل ادا کر سکتی ہے۔

**مستدل**۔ حدیث الباب ہے ”فَتَوَضَّاءُ لِكُلِّ صَلَاةٍ“

**مسلک سوم**۔ امام اعظمؒ امام احمدؒ ابو ثورؒ کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لیے وضو واجب ہے یعنی ایک وضو سے اس وقت کے اندر فرض نوافل اور فوت شدہ نمازیں جو چاہے ادا کر سکتی ہے۔

**مستدل اول**۔ ابنِ عباسؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :

”اذا تَبَّعَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا طَمَءٌ بِنْتِ اَبِي جَبِشٍ  
تَوَضَّعَ لَوَقْتُ كُلِّ صَلَاةٍ - رَوَاهُ اِمَامُ تَحْمِيذٍ بِالتَّحْفِظِ مَعْنَى اَبْنِ تَمَّارٍ ص ۱۰۱  
مُسْتَدَلُّ دَرُومٍ - عَنْ عَائِشَةَ الْمُسْتَحَاضَةِ قَتَوْضاً لَوَقْتُ  
كُلِّ صَلَاةٍ رَسَنَدِ اَبِي حَنِيفَةَ

لیے علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ”التفہیم المجلد“ میں بعض ایسی روایات ذکر کی ہیں جن  
میں ”وضوء لوقت كل صلاة“ وارد ہوا ہے (التفہیم المجلد ص ۱۰۱ ج ۱)

مُسْتَدَلُّ سَوْمِ عَقْلِي - اِمَامُ طِیْہِدِیؒ نے عقلی طور پر دلیل پیش کی ہے جس کا خلاصہ  
پیش خدمت ہے کہ شریعت مقدسہ میں خروج نجاسات کو تو حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح  
خروج دقت کو بھی حدیث کہا گیا ہے مسح علی الخفین اس کی نظیر موجود ہے لیکن فراغ عن الصلوة  
کو کہیں حدیث شمار نہیں کیا گیا اور نہ اس کی نظیر شریعت میں موجود ہے کہ وہ حدیث اور ناقض وضوء  
ہے۔ لہذا وضوء لکل صلاة کا اعتبار ہوگا۔ اور خروج دقت کو ناقض کہا جائے گا جس کی نظیر  
شریعت میں موجود ہے۔ فراغ عن الصلوة ناقض وضوء نہیں ہوگا جس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔  
(شرح معانی الآثار ص ۱۰۱ ج ۱)

## مالکیہ حضرات کے مُستدل کا جواب

امام مالکؒ کے نزدیک ہر نماز پر وضوء کرنا مستحب ہے اور روایت عائشہؓ سے دلیل  
پکڑی تھی اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں۔

جواب - امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد  
”الوضوء من كل دم سائل“ سے ثابت ہوتا ہے کہ دم عرق میں بھی وضوء واجب ہو کیونکہ  
کل کا اضافت دم کی طرف اضافت استغراق کی ہے اس میں ہر قسم کا دم داخل ہے لہذا حدیث  
عائشہؓ سے استدلال غیر تام ہے۔

## شوافع حضرات کے مسئلہ کا جواب

امام شافعیؒ نے مستحاضہ کے لیے ”کہ ہر فرض پر وضو کرنا واجب ہے“ پر حدیث الباب سے دلیل پکڑی تھی اس کا جواب ملاحظہ فرمادیں :

**جواب :** یہ ہے کہ وہ روایات جن میں وضو ”لوقت کل صلوٰۃ“ وارد ہے محکم اور مفسر ہیں۔ شوافع حضرات نے جو روایات پیش کی ہیں وہ محتمل اور مجمل ہیں۔ لہذا ان محتمل روایات کو مفسر روایات پر حمل کیا جائے گا چنانچہ ”لکل صلوٰۃ“ کے معنی جس طرح ”لاجل کل صلوٰۃ“ کے ہو سکتے ہیں ایسے ہی ”لوقت کل صلوٰۃ“ کے معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ کلام عرب میں لام کا وقت کے معنی میں استعمال شائع و ذائع ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ فرمادیں :

مثال اول : جس طرح کہ کہا جاتا ہے ”اَتَيْتُكَ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ“ اس کی مراد یہ ہے کہ ”لَوْقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ“ یعنی میں صلوٰۃ ظہر کے وقت تیرے پاس آؤں گا۔  
مثال دوم : قرآن مقدس میں ”اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِكَ الشَّمْسِ“ فرمایا گیا ہے اور وقت دلوں مراد ہے۔

مثال سوم : ترمذی شریف ص ۱۲۸ باب ما جاء في مواقيت الصلوة میں روایت ابی ہریرہؓ ہے ”اِنَّ لِلَّصَّلَاةِ اَوَّلًا وَآخِرًا“ اور یہاں بھی وقت صلوٰۃ کا اول اور آخر مراد ہے۔ لہذا ”تَتَوَضَّاءُ لِقَوْلِ صَلَاةِ“ کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہنا پڑے گا ”تَتَوَضَّاءُ لِكُلِّ صَلَاةِ“ اور ”تَتَوَضَّاءُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةِ“ دلی روایات میں بھی وقت صلوٰۃ ہی مراد ہوگا۔

ترجمہ : روایت ہے عنہ بنت جحش سے فرماتی ہیں کہ مجھے سخت استحاضہ آتا تھا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ  
قَالَتْ كُنْتُ اسْتَحَاضُ حَيْضَةً  
كَثِيرَةً شَدِيدَةً فَأَتَيْتُ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اسْتَقْلَبِيهِ وَأَخْبَرَهُ فَوَجَدَتْهُ  
فِي بَيْتِ أَخِي زَيْنَبٍ بَنَسَبٍ  
جَحِشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
إِنِّي اسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيرَةً  
شَدِيدَةً فَمَا تَأْمُرُنِي  
فِيهَا قَدْ مَنَعْتَنِي الصَّلَاةَ  
وَالصِّيَامَ قَالَ أَلْعَنُ لَكَ  
الْكُرْسُفَ فَإِنَّهُ يَذُوبُ هَبِ الدَّمَ

(رواہ ابوداؤد)

اقدم میں مسئلہ پوچھنے اور یہ خبر دینے  
حاضر ہوئی ہیں نے حضور اقدس صلی اللہ  
علیہ وسلم کو اپنی بہن زینب بنت جحش کے  
گھر پایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سخت  
استحاضہ آتا ہے آپ اس بارے میں مجھے  
کیا حکم دیتے ہیں مجھے تو اس نے نماز  
روزہ سے روک دیا ہے۔ فرمایا میں تمہارے  
دوسٹے روٹی کا بھایہ تجویز کرتا ہوں کہ یہ  
خون چوس لے گا۔ الخ

قولہ حَصْنَةُ زَيْنَبٍ جَحِشٍ - آپ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش کی بہن  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی ہیں اولاً حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے نکاح میں تھیں ان کی شہادت  
کے بعد حضرت طلحہ ابن عبد اللہ کے نکاح میں آئیں۔

قولہ كَثِيرَةً شَدِيدَةً - علامہ ہردی شاری مشکوٰۃ شریف فرماتے ہیں کہ  
كَثِيرَةً فِي الْكَمِيَّةِ یعنی بہت دن حیض والی ہوئی اور شَدِيدَةً فِي الْكَيْفِيَّةِ ہے یعنی  
مجھے استحاضہ کا خون بہت آتا تھا اور بہت عرصہ تک رہا۔ یہاں استحاضہ پر مجازاً حیض بولا گیا۔  
قولہ مَنَعْتَنِي الصَّلَاةَ وَالصِّيَامَ : یعنی مجھ نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حیض کی طرح  
استحاضہ میں بھی نماز روزہ ممنوع ہے یہ ان کا اپنا ظن تھا جو غیر معتبر ہے۔

قولہ أَلْعَنُ : اے اَصْفُ لَكَ - یعنی بیان کرتا ہوں تیرے لیے۔

قولہ الْكُرْسُفُ : اے اَصْفُ وَاَبِیْنُ لَكَ الْكُرْسُفَ - تیرے لیے کرسف کو  
بیان کرتا ہوں۔ کرسف کپاس کے گولے کو کہتے ہیں اور یہ کپاس رطوبت کو جذب کر لیتی ہے اور دم باہر  
نکل جاتا خصوصاً کہ جوئی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاجاً سید خون کا ایک طریقہ بتلایا۔

قولہ فَتَلَجَّحْنِي : اے شَدِيدُ الدَّجَامِ - یعنی آپ نے فرمایا کہ وضع کرسف  
کے بعد اس مقام کو ایک دوسری پٹی سے اس فرج باندھ لو جس طرح جانور کے منہ کو لنگام سے باندھ

دیتے ہیں لجام مغرب ہے لجام کا۔ اس پر بی بی حمزہ نے کہا۔

قوله هُوَا كَثْرُ مَنْ ذَالِكْ - عرض کیا وہ تو اس سے زیادہ ہے۔

قوله فَاتَّخَذْنِي ثَوْبًا - لجام کے اوپر پھر اور کپڑا رکھ لو بطبق در بطبق وہ اس طرح کہ نیچے روئی کا بھایہ ہو اور پیر لنگوٹ اور لنگوٹ پر تیسرا کپڑا ہو جو خون جذب کرنے میں مدد دے۔  
قوله اَنْجِ نَجًّا - تَجھ پہنے والی بارش کو کہتے ہیں۔ کما فی قوله تعالیٰ «مَاءٌ ثَجْبًا جَا» ای یسیل دمی سیلاً ثا فاحشاً - یعنی مجھے خون ایسا آتا تھا جیسے بارش کا پہنے والا پانی جو کسی تدبیر سے نہ ٹھہرتا ہے اور نہ کسی چیز میں جذب ہوتا ہے۔

قوله سَأَمُرُّكَ بِأَمْرَيْنِ - یعنی میں تم کو دو باتوں کا حکم کرتا ہوں۔

قوله اجْزَأْ عَنْكَ مِنَ الْآخِرِ - اس میں سے جس کو لمبی اختیار کر دگی کافی ہوگا دوسرے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

قوله اِنَّ قَوْرَيْتَ عَلَيْهِمَا - ای ان قدہ ت علیہما - یعنی اگر تمہارے اندر دونوں پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔

قوله فَاَنْتَ ؛ تو تم خود ہی داتا ہو کہ بہت بڑا اجر ملے گا۔

قوله مَا كُضِّتْ - ای ضربة الذَّجَلِ - یعنی ایڑی مارنا۔ کما فی قوله تعالیٰ «اَمْ كُضِّ بِرَجْلِكَ» - ما کضات شیطن سے کیا مراد ہے؟ محدثین حضرات نے اس کی تشریح میں کئی قول نقل فرمائے ہیں چند ایک ملاحظہ فرمادیں:

أَوَّلُ : علامہ ابوبکر ابن العربیؒ نے اسے حقیقت پر محمول کیا ہے کیونکہ عقلاً یہ محال نہیں ہے

« مِنْهُمْ مَنْ جَعَلَهُ حَقِيقَةً وَإِنَّ الشَّيْطَانَ ضَرْبٌ بَاحْتِ فَقِ

عَرَفْنَا رَعَا ضَرْبُ الْأَحْوَرِّ مَثَلًا »

مقصود اس کا یہ ہوا کہ شیطان نے تیرے رجم کی رگ میں انگلی ماری جس سے یہ بیماری پیدا ہو گئی۔ جیسے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد شیطان اس کو مس کرتا ہے یعنی چونکا مارتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔

دوئم : ایڑی مارنے سے مراد دُوسرہ ڈالنا ہے کہ وہ مستحاضہ کو شک میں مبتلا کر کے پریشان کر دیتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ وہ مائتفہ ہے نماز کے

قابل نہ رہی۔ حالانکہ استحاضہ صوم و صلوٰۃ سے مانع نہیں۔ لہٰذا اِذَا كَانَ الْخَطَابِيُّ فِي مَعَالِمِ الشُّعْنِ مَنُحًا (۱)

سَوْمٌ : ماکضاتِ شیطٰن سے مراد شیطان کا خوش ہونا ہے کیونکہ جس چیز سے بھی مومن کو تکلیف اور پریشانی لاحق ہو اس سے شیطان خوش ہوتا ہے اس لیے ایسی چیزوں کی نسبت شیطان کی طرف کر دی جاتی ہے۔ مقصد نسلی دنیا ہے کہ تمہاری پریشانی دیکھ کر شیطان خوش ہوتا ہے لہٰذا تم پریشان ہو کر شیطان کو خوش ہونے کا موقع نہ دو۔

قَوْلُهُ فَتَحْيِضِيْ - اِیْ اَقْصَدِیْ اِیَّامَ حَيْضَتِکِ : یعنی ان دنوں کو حیض کے دن شمار کر۔

قَوْلُهُ مَسْتَحَاتِمَ اِیَّامٍ اَوْ سَبْعَةَ اِیَّامٍ - اُو کے بارے میں دو احتمال ہیں۔  
اول : اُو شک راوی کے لیے ہو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لفظ فرمایا تھا  
دستہ اِیَّامٍ یا سَبْعَةَ اِیَّامٍ ( لیکن راوی کو شک ہو گیا ان میں سے کون سا لفظ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

دوئم : لفظ اُو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اس صورت میں بھی اُو میں دو احتمال ہوں گے  
ع اُو تنویر کے لیے ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو باعتبار عادت کے متعین فرما رہے ہیں بستنے دن حیض کی عادت تھی اتنے دن حیض شمار کر دو اگرچہ چھ دن حیض کی عادت تھی۔ تو اب بھی چھ دن حیض کے ہوں گے اگر سات دن حیض کی عادت تھی تو سات دن حیض کے شمار ہوں گے  
ع : یہ کہ حضرت حمہ بنت جحش کو عادت میں تردد تھا کہ چھ دن ہے یا سات دن ۔!  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرما رہے ہیں کہ تحرّی کر کے اگرچہ دن پرنظر غالب ہو تو چھ دن اگر سات پر ہو تو سات دن حیض کے شمار کر دو باقی استحاضہ !

قَوْلُهُ فِيْ عَلِمَ اللّٰهُ : اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں  
اول : عَلِمَ اللّٰهُ بِمَعْنٰی احْكَمَ اللّٰهُ - یعنی جو بات میں تجھے بتا رہا ہوں استحاضہ کے سلسلہ میں سورہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے کہ مہینہ میں اتنے دن حیض ہے جس میں نمازیں صوات ہیں اتنے دن کی پاکی ہے جن میں نماز فرض ہے۔

دوئم : عَلِمَ اللّٰهُ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بتانا ہے یعنی میں تجھ سے حکم شرعی بتاتا ہوں۔ اب



آگے تو جانے اور تیرا خدا کہ تو اس پر صحیح طریقے سے عمل کرتی ہے یا نہیں۔

قوله وَاسْتَنْقَاتِ : اے مبالغہ فی تنقیۃ البدن۔ یعنی مکمل طور پر تو

غسل کے بعد پاک و صاف ہو گئی۔

قوله ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ : مکمل تیس دن رات یہ اس وقت ہوں گے جب آیام حیض

سات دن ہوں اور (اَمْرًا بَعْدًا وَعِشْرِينَ) چوبیس دن رات کی تعبیر آیام حیض چھ دن قرار دینے

کی شکل میں ہے۔

قوله : وَإِنْ قَوَّيْتَ عَلَى أَنْ تَوَحِّدَ : یہاں سے امر ثانی کا بیان ہو رہا ہے

آپ نے فرمایا تھا : سَأَمُرُّكَ بِأَمْرَيْنِ، کہ میں تجھے در باتوں کا حکم کر دنگا۔ جن میں سے

ایک بات تو گذر گئی وہ یہ کہ چھ یا سات دن کی تحریمی کے بعد مہینہ میں ایک بار غسل کر کے نمازیں

شروع کر دے۔ اور امر ثانی جس کو یہاں سے بیان فرما رہے ہیں وہ یہ ہے کہ چھ یا سات دن

حیض کے مستثنیٰ کر کے پھر روزانہ جمع بین الصلواتین بغسل کرے۔ اور فجر کی نماز کے لیے مستقل

غسل اس صورت میں روزانہ تیس یا چوبیس دن تک نہیں بار غسل ہو گا۔

قوله فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ بَيْنَ الصَّلَوَتَيْنِ : حدیث پاک میں جو یہ ہے

کہ ”فَتَغْتَسِلِينَ وَتَجْمَعِينَ“ دونوں کے لیے کس طرح ایک غسل ہو سکتا ہے اس کی کیفیت

یوں ہے کہ فجر اور عصر دونوں نمازوں کے لیے ایک غسل کرے، مغرب اور عشاء کے لیے ایک

غسل کرے، فجر کے لیے ایک غسل کرے یعنی پانچ نمازوں کے لیے تین غسل کرے۔

سوال۔ یہ مسئلہ پہلے آچکا ہے کہ متحجرہ کے علاوہ باقی مستحاضہ پر صرف ایک مرتبہ

غسل کرنا ہے جب کہ بعض روایات میں غَسْلُ كُلِّ مَكَلَّةٍ یا جمع بین الصلواتین بغسل

کا حکم دیا گیا ہے۔ جمہور حضرات نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں۔

جواب اول۔ یہ حدیثیں اعتیاد اور استحباب پر محمول ہیں کہ اگرچہ غیر متحجرہ مستحاضہ

پر انقطاع حیض کے علاوہ غسل واجب نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے ایک غسل

یا دو نمازوں کے لیے ایک غسل کر لیا کرے۔

جواب دوم۔ یہ احادیث معالجہ پر محمول ہیں مطلب یہ ہے کہ ان عورتوں کو غسل کا

حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ٹھنڈک پڑے اور خون کا اخراج کم ہو جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

**جواب سوّم -** یہ احادیث متحیرہ کی بعض حالتوں پر محمول ہیں۔ متحیرہ کی بعض صورتوں میں ہمارے نزدیک ”غسل لكلّ صلوٰۃ“ یا جمع بین الصلوٰتین بنفسہ ضرر کا ہے۔

قولہ جمع بین الصلوٰتین : دو نمازیں جمع کرنے سے مراد صرف صورتہ جمع کرنا ہے کہ ظہر آخر وقت میں پڑھے۔ عصر آؤں وقت میں نہ کہ حقیقتہ جمع کرنا۔ حنفیہ پر سوال ہوتا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

**سوال -** حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلوٰتین محض صورتہ ہوگی لہذا غسل لازماً وقت ظہر میں کیا جائے گا۔ اس کے بعد جب وقت عصر شروع ہوگا خروج وقت اور دخول وقت ثانی دونوں کا تحقق ہو جائے گا تو حنفیہ کے مطابق بالاتفاق وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس لیے دونوں نمازوں کے درمیان کم از کم ایک وضو ضرور ہونا چاہیے ورنہ پھر معذور کے حق میں خروج اور دخول وقت کو عدم ناقض ماننا پڑے گا جب کہ بین الصلوٰتین وضو کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا۔

**جواب اول -** یہ ہے کہ بعض حنفیہ کے نزدیک جس عورت پر ”غسل لكلّ صلوٰۃ“ واجب ہو وہ جمع بین الصلوٰتین بغسل کی سہولت پر عمل کر رہی ہو تو وہ انتقاض وضو کے حکم سے مستثنیٰ ہے۔ لہذا اس کا ایک مرتبہ غسل کر لینا کافی ہے فلا شکاں علیہ۔

**جواب دوم -** یہ ہے کہ وضو کا حکم حدیث سے ثابت ہے دشکوٰۃ شریف ص ۵۵ ج ۱ باب المستضافۃ الفصل ثالث میں حضرت محمد بن حنفیہ کی روایت ہے روایت لمبی ہے ماہ الذلالت الفاظ یہ ہیں ”و توضاء فیما بین ذالک“ اس حدیث کا آخری جملہ یہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ عورت بین الصلوٰتین وضو کرے گی۔ لہذا نبی بی حسرت کی روایت کو بھی اس پر محمول کیا جائے گا اور حکم یہ ہوگا کہ دونوں نمازوں کے درمیان اس کو وضو کرنا واجب ہے۔

## وَهَذَا أَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ إِلَيَّ كِتَابِي

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمدؐ سے دو امر بیان کرنے کا وعدہ فرمایا تھا سَأَمُرُّنِي

بِأَمْرَيْنِ۔ ان میں سے ایک امر توجع بین القلوبین بٹل ہے جس کا تذکرہ روایت کے آخر میں ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرما دیا۔ هَذَا اَعْجَبُ الْأَمْرَيْنِ۔ یعنی یہ امر مجھے زیادہ پسند ہے لیکن دوسرا امر کیا تھا اس کا تذکرہ روایت میں نہیں ہے۔

يقول ابو الاسود: كلام سابق کو اگر بایں انداز پیش کیا جائے تو انفع وفي القلوب انجع۔ ای اثر ہوگا۔ اعجب اسم تفضیل کا صید ہے جو مفضل اور مفضل علیہ کا متقاضی ہے جمع بین القلوبین بٹل تو مفضل ہے جس کو پسند کیا جا رہا ہے۔ لیکن مفضل علیہ کون ہے۔ محمد بن عظام نے مفضل علیہ کی تعیین میں دو قول بیان فرمائے ہیں۔

قول اول: بعض شراح حضرات جن میں علامہ ہروزی المعروف بہ ملا علی قاری ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اس کا مفضل علیہ غسل لیل کی صلوٰۃ ہے جس کا ذکر اس روایت میں نہیں۔ لیکن مستحاضہ کی دوسری روایات میں موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ یہ امر ثانی یعنی جمع بین القلوبین بٹل میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے بہ نسبت غسل لیل کی صلوٰۃ کے کیونکہ وہ شاق زائد ہے اور اس میں مشقت کم ہے اور فائدہ تقریباً دو وزن کا ایک ہی ہے کہ ہر نماز غسل سے ہوئی۔ اس صورت میں اعجب یعنی اشل ہوگا۔

قول دوم: دوسرا قول یہ ہے کہ اعجب کا مفضل علیہ غسل لیل کی صلوٰۃ نہیں ہے کیونکہ وہ تو بیان مذکور ہی نہیں بلکہ اس کا مفضل علیہ وہ امر اول ہے جو اسی حدیث کے شروع میں مذکور ہے یعنی تحریر کے بعد پورے ماہ میں مرت ایک بار غسل کرنا اور اس صورت میں آپ کے ارشاد مبارک کا مطلب یہ ہوگا کہ پورے مہینہ میں ایک بار غسل کے مقابلہ میں ہر روز جمع بین القلوبین بٹل زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں احتیاط زائد ہے۔ (عون المعبود)

قول سوم: اعجب الا مکرین الیٰ۔ کے بارے میں مشہور قول تو وہ ہیں جن کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک تیسرا قول بھی سن لیجیے وہ یہ کہ آپ فرما رہے ہیں جمع بین القلوبین بٹل لاجل الاستقامۃ میرے نزدیک زیادہ اولیٰ ہے۔ بہ نسبت جمع بین القلوبین لاجل السفر کے مشکوٰۃ خریف کے مشہور شارح ابن الملک نے یہی معنی لکھے ہیں۔ لیکن ملا علی قاری نے اس کو خلاف ظاہر قرار دیا ہے۔

## الفصل الثالث — یہ تیسری فصل ہے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ  
قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ  
فَاطِمَةَ بِنْتَ أَبِي حُبَيْشٍ  
اسْتَحْيَضَتْ مُسَدَّ كَذَا وَكَذَا  
فَلَمْ تَصِلْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَنَ  
اللَّهُ إِنَّ هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ الْخ

ترجمہ : روایت ہے حضرت اسماء بنت عُمیس سے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فاطمہ بنت ابی حُبیش اتنی مدت سے استحاضہ میں مبتلا ہیں کہ نماز نہ پڑھ سکیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو شیطان کی طرف سے ہے۔

(سوانح ابوداؤد)

قولہ اسماء بنت عُمیس - مشہور صحابیہ ہیں، بہت عاقلہ، صالحہ، عابدہ تھیں اولاً حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کے نکاح میں تھیں انہی کے ساتھ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان سے آپ کے تین بیٹے ہوئے۔ عبد اللہ، محمد، عونؓ۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں آئیں جن سے محمد ابن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ کے نکاح میں آئیں جن سے یحییٰ ابن علیؓ پیدا ہوئے۔ آپ سے حضرت عمرؓ، عبد اللہ ابن عباس، ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے احادیث نقل کیں۔

قولہ سُبْحَنَ اللہ - سُبْحَنَ اللہ فرمایا بطور تعجب کے ہے کہ تم جیسی عاقلہ سنجیدہ بی بی نے بغیر دریافت کیے نماز چھوڑ دی۔ ہم سے یا فقہاء صحابہ سے مسئلہ معلوم کر لینا چاہیے تھا۔

قولہ هَذَا مِنَ الشَّيْطَانِ : یعنی استحاضہ کی بیماری شیطانی اثر سے ہے۔ اس کی تحقیق قدراً انفاً۔

سوال - یہ ہے کہ استحاضہ کی نسبت شیطان کی طرف کیوں ہے حالانکہ بقول رب تعالیٰ

«وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ» (پچ) کہ تمہارے علموں کا خالق میں ہوں۔  
 جواب۔ نسبت الی الشیطان خلقت کی نہیں بلکہ رضا کی ہے کہ شیطان اس پر راضی  
 ہے کہ مؤمن یا مؤمنہ ہر وقت پلید رہیں اور قریب خداوندی حاصل نہ ہو۔  
 قولہ مِرْکَن : بتکسر المیم وفتح الکاف۔ اسے ظرف کیسیر فیسماعی  
 قولہ صَفَا رَا : بضمة القاف۔ بمعنی زردی اس سے خون کی زردی مٹا د  
 نہیں بلکہ سورج کی زردی مٹا دے۔ جب ظہر کا وقت بالکل آخر میں ہوتا ہے تو آفتاب پر قہر سے زردی  
 آجاتی ہے چنانچہ آپ نے مِرْکَن (رگن) میں دیکھنے کے لیے اس وجہ سے فرمایا کہ وہ زردی  
 پانی پر آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے اور وہ زردی بڑھتے بڑھتے مغرب کے قریب پوری ہو جاتی ہے  
 اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن آپ نے جس زردی کے متعلق فرمایا ہے یہ اس زردی کے  
 علاوہ ہے جو عصر کے بعد ہوتی ہے وہ نماز کے لیے کراہت کا وقت ہوتا ہے۔ مزید تحقیقات  
 تَدْرُ الْإِنْفَا۔!

وَهَمَاتٌ مِّنَ الْكَلَامِ مَعَ كَمَالِ الْخَيْرِ  
 وَالْمَافِيَةِ وَالسَّلَامِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ  
 بَرَاتِ الْمَالَمِينَ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى خَاتَمِ  
 النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ، قَامِدِ  
 الْفَرِّ الْمَحْجَّالِينَ مُحَمَّدٍ وَعَلَى اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ  
 وَاهْلِ بَيْتِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ وَعِزَّتِهِ وَمَحَبَّتِهِ  
 وَنَاصِرِيهِ وَمَشِيَّتِ دِينِهِ اَجْمَعِينَ ،  
 اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ  
 وَاجْعَلْ هٰذَا وِسِيْلَةً بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ لِيَسُوْرَ  
 لَّيْتَنَفَعُ مَا لَوْ لَا بَسْمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ  
 بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔!

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا  
 عَلَى خَلِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُمُ  
تَسْبِيحُ شَرْحُ ابْوَابِ الطَّهَّارَةِ  
فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَلِلّٰهِ الشُّكْرُ

ناکارہ خلائق — — —

ابوالسعد صدیق اللہ عن الشر والفساد  
یوسف جابر دی عفا اللہ عنہ  
خادم السدر لیس فی شعبۃ الحدیث  
للجامعۃ الاسلامیۃ بدرہ العلوم حمادیہ  
حسین یار خان پاکستان :

یوم جمعۃ المبارک ۱۸ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ  
۹ اپریل ۲۰۰۳ء بعد صلوٰۃ العصر !